پیش لفظ

قارئین کرام!

دوسری بے شمار کہانیوں کے مجموعوں کی طرح "شہ زور" بھی کتابی شکل میں حاضر ہے۔ اس کتاب کا پہلا حصہ ادارہ احباب ادب کراچی سے شائع ہوا تھا۔ کچھ وجوہات کی بنا پر دوسرے حصے کی اشاعت میں تاخیر ہو گئی۔ اب اس کے دونوں مکمل حصے "علی میاں پبلی کیشنز لاہور" سے شائع کیے جا رہے ہیں۔ اس کے لیے ہمیں ادارے کے سربراہ جناب مشتاق احمد قریشی صاحب کی اجازت حاصل ہے جس کے لیے میں اپنے محسن اور مربی مشتاق احمد قریشی صاحب کا دلی شکر گزار ہوں جنہوں نے کمال محبت سے کام لے کر میری عمر بھر کی کاوشوں کو کتابی شکل میں یکجا کرنے کی اجازت دیدی ہے۔

"شہ زور" بھی زمانہ حال کی چیرہ دستیوں کا مرقع ہے۔ ایک نادر الوجود انسان کی انوکھی شخصیت پر مشتمل یہ کہانی اپنے وقت کی مقبول ترین داستان ہے۔ تیز ترین واقعات، ضمیر فروشوں کے تاریک کارنامے، تجسس سے بھرپور یہ داستان شروع کرنے کے بعد آپ اسے ختم کیے بغیر نہ رہ سکیں گے۔

ایم اے راحت

شزورہ

قانون پرست، رحم دل، دلیر اور انسانیت کی قدردان
ایک خاتون رپورٹر کی داستان مسلسل

پولیس والوں کے لئے کونسا موسم...... موسم بہار ہوتا ہے۔ اس کا اندازہ میں آج تک نہیں لگا سکی۔ قدم قدم پر امنگوں بھرے شباب کی حسین آہٹوں کے منتظر نوجوان جب وردی میں آجاتے ہیں تو نہ جانے زندگی کی حقیقی لطافتوں سے اتنی دور کیوں چلے جاتے ہیں؟ قمر سلطان سے میں پچھلے کئی سالوں سے شناسا ہوں۔ باموقع اور برجستہ اشعار اکثر اس کی زبان سے سنے ہیں اور ان اشعار کے انتخاب سے اس کے ذوق کا بھی پتا چلتا ہے لیکن جوں جوں وقت گزرتا جارہا ہے' وہ ذوق لطیف سے محروم ہوتا جارہا ہے۔

اس شام میں حسب معمول خبروں کے شکار کو نکلی تھی۔ انسانوں بھرا شہر...... کسی کو اسکی ضرورت سے محروم نہ رکھنے والا شہر...... میرے سامنے تھا۔ آسمان کی بادلوں بھری کجلاہٹوں کے نیچے میری ننھی سی اسپورٹس مختلف مقامات کے چکر لگاتی رہی۔ لیکن پھر کجلاہٹیں سرمستیوں پر ابھر آئیں اور ان کی جوانی چھلک پڑی۔ موٹی موٹی بوندوں نے روزمرہ کے معمولات میں مصروف انسانوں کو چونکا دیا۔

زندگی کے بوجھ تلے دبے ہوئے اور معاشی مسائل میں الجھے ہوئے انسانوں کے لئے موسم کی یہ شاعری بے معنی تھی لیکن ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹیں ابھر آئیں جو فکر فردا سے بے نیاز نہ تھے۔ میں بھی خود کو انہی بے فکروں میں شمار کرتی ہوں۔

اتفاق سے میں اس پولیس اسٹیشن کے قریب سے گزر رہی تھی جس میں سلطان ان دنوں انچارج کی حیثیت سے اپنے فرائض انجام دے رہا تھا۔ بس یونہی جی چاہا کہ سلطان سے تھوڑی دیر گپ شپ کی جائے۔ ممکن ہے کوئی دلچسپ خبر بھی مل جائے چنانچہ میں پولیس اسٹیشن کے کمپاؤنڈ میں داخل ہوگئی۔

سلطان اپنے دفتر میں موجود تھا۔ حسب معمول اس کے سامنے فائل کھلے ہوئے تھے۔ وہ موسم سے بے نیاز ان میں گم تھا۔ موسم کی رم جھم یہاں کے ماحول پر بھی اثر انداز تھی۔ پولیس کانسٹیبل ہیڈ محرر کے کمرے میں گھسے ہوئے سگریٹ کا دھواں اڑا رہے تھے۔ چائے والا زمین پر چائے کی ٹرے لئے پیالیوں میں چائے انڈیل رہا تھا۔ انچارج کے کمرے سے تھوڑے ہی فاصلے پر رکھی ایک بنچ پر ایک نوجوان لڑکی اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر رہی تھی۔ وہ سادہ سادہ سے اور معصوم خدوخال کی مالک تھی اور اس کے جسم پر سستا سا لباس تھا۔ اس کی آنکھوں

میں خوف کی پرچھائیاں رقص کر رہی تھی۔ نہ جانے بے چاری کس اُلجھن کا شکار ہو کر اس غیر مناسب جگہ پہنچ گئی تھی۔ میں اس پر ایک گہری نگاہ ڈالتی ہوئی سلطان کے کمرے میں داخل ہو گئی۔

اس کی افسرانہ شان برقرار رہی، کسی بھی داخل ہونے والے کو سر اُٹھا کر دیکھنے کے لیے وہ مجبور نہیں تھا چنانچہ اس نے میرے قدموں کی آہٹ کی بھی پروا نہیں کی لیکن ایسے بے تکلف افراد چند ہی ہوں گے جو اُس کے سامنے سے فائل اُٹھا کر پھینک دیں۔ میری اس حرکت پر وہ چونکے بغیر نہ رہ سکا... اور پھر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ جاگ اُٹھی۔

"ہُوں! تو یہ تم ہو، شیطان کی خالہ! کہاں سے ٹپک پڑیں؟" اس نے ایک طویل سانس لے کر سگریٹ کا پیکٹ اُٹھا لیا۔

"آسمان سے..." میں نے اپنا پرس اس کے سامنے میز پر پھینک دیا اور کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔

"اچھا اچھا، سُنا تھا بارش شروع ہو گئی ہے۔ لیکن کسی نے یہ نہیں بتایا تھا کہ لڑکیاں بھی برس رہی ہیں۔"

"لڑکیاں بھی برس رہی ہوتیں تو یقیناً تم اسی طرح اپنے دفتر میں گھسے رہتے۔"

"بھئی ہم ٹھہرے عوام کے خادم اور حکومت کے وفادار۔ ہمیں اپنے جذبات لاکر میں رکھ کر نوکری کرنا پڑتی ہے۔ موسم سے لُطف اندوز تو وہ ہوتے ہیں جو روزانہ صرف ٹیلی فونوں پر لاکھوں روپے اِدھر سے اُدھر کر دیتے ہیں۔ کیا پیو گی؟"

"کافی... لیکن عمدہ۔" میں نے جواب دیا اور سلطان نے ایک اردلی کو بُلا کر کافی لانے کے لیے کہہ دیا۔ "آج کل کون سی خدمت میں مصروف ہو؟" میں نے سوال کیا۔

"بس، اتر گیا موسم کا بھُوت! آ گئیں کاروبار پر... لیکن افسوس میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکوں گا۔ کوئی گرما گرم خبر نہیں ہے میرے پاس۔ کافی پیو اور ٹھنڈی ٹھنڈی رخصت ہو جاؤ۔" سلطان نے مُسکراتے ہوئے کہا اور میں بھی مسکرانے لگی۔

"میں تمہارے بارے میں سوچتی ہوں تو مجھے حیرت ہوتی ہے سلطان! اچھے خاصے صاحبِ ذوق ہوتے ہوئے بھی..."

ابھی میں اسی قدر کہہ پائی تھی کہ دروازے سے دھینگا مشتی کی سی آواز آئی اور وہی لڑکی دوڑتی ہوئی اندر گھس آئی۔ اس نے گرنے سے بچنے کے لیے میری کرسی کا سہارا لیا تو میں چونک کر اُسے دیکھنے لگی۔ اس لڑکی کو میں اندر آتے ہوئے دیکھ چکی تھی۔ لیکن آتے ہی سلطان کے ساتھ باتوں میں اُلجھ جانے کی وجہ سے وہ میرے ذہن سے اتر گئی تھی۔

"سر۔ سر خُدا کے واسطے ایک بار میری بات سُن لیں یہ میری زندگی کا سوال ہے اگر آپ نے... اگر آپ نے سر..." اس کی آواز آنسوؤں میں ڈوب گئی۔

اُس کے پیچھے ہی ہیڈ کانسٹبل اندر گھس آیا۔

"عجیب بے وقوف لڑکی ہے۔ بارش کی وجہ سے باہر بنچ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ ایک دم اُٹھ کر آپ کے کمرے کی طرف دوڑ پڑی۔ میں معافی چاہتا ہوں جناب۔" ہیڈ کانسٹبل نے کہا۔ اور لڑکی کی طرف بڑھا۔ لیکن وہ دوڑ کر سلطان کی کرسی کے پیچھے پہنچ گئی۔

"سر... خُدا کے لیے میری بات پر توجہ دیں۔ میں چاہتی ہُوں آپ مجھے گرفتار کر لیں... مجھے بند کر دیں... اس طرح میری زندگی محفوظ رہے گی... ورنہ... ورنہ..."

"کیا مصیبت ہے۔ اب پولیس والوں کو لاک اَپ کے علاوہ ایک پاگل خانہ بھی بنانا پڑے گا۔ صدیقی تم احمق ہو۔ یہ لڑکی اب تک یہاں کیوں موجود ہے؟ میں نے تو کہا تھا کہ اسے بھگا دو۔" سلطان نے ہیڈ کانسٹبل کو ڈانٹتے ہُوئے کہا۔

"سر میں پاگل نہیں ہُوں... خدا کی قسم میں پاگل نہیں ہُوں۔ آپ میری بات پر غور کریں۔ مجھ پر ظلم ہُوا ہے۔ خدا کے واسطے آپ سنجیدگی سے میری بات پر توجہ دیں۔ آپ... آپ..." لڑکی نے دوسری طرف چھلانگ لگا دی کیونکہ ہیڈ کانسٹبل صدیقی اس پر جھپٹ پڑا تھا۔

سلطان کا چہرہ غصے سے سُرخ ہو گیا۔ "تم بھاگتی ہو یا میں تمہارے ساتھ پولیس والوں کی طرح پیش آنا شروع کر دوں۔" اس نے خونخوار آنکھوں سے لڑکی کو گھورتے ہوئے کہا اور پھر صدیقی کی طرف دیکھ کر بولا۔ "بارش شروع ہونے سے قبل تمہیں اس کو یہاں سے نکال دینا چاہیے تھا۔ جاؤ اسے لے جاؤ۔ اس کے بعد یہ میرے کمرے میں نہ آنے پائے۔"

"سر۔ سر خدا کے لیے رحم کریں۔ وہ... وہ بے حد خونخوار شخص تھا۔ سر دُنیا میں کسی نے ایسی عجیب و غریب، ایسی خوفناک شخصیت کبھی نہ دیکھی ہو گی۔ میری آنکھ کھُلی تو میں نے۔ میں نے کمرے میں انھیں دیکھا۔ وہ دونوں ساتھ ساتھ کھڑے تھے... لیکن پھر... پھر میں نے انہیں بیک وقت آگے بڑھتے ہوئے دیکھا... وہ دونوں درمیان سے جُڑے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک کے چہرے پر معصومیت تھی اور دوسرا... نہ جانے، وہ ایک تھے کہ دو... اس کی گرفت میرے بازو پر اتنی سخت تھی کہ ...کہ میرا بازو ٹوٹنے لگا... اور پھر۔ اور پھر..." لڑکی سسکنے لگی۔ "میں نہیں بتا سکتی کہ میرے ساتھ کیا ہُوا۔ میں کچھ نہیں بتا سکتی۔ میں تو یہ بھی نہیں کہہ سکتی کہ میری بربادی میں وہ دونوں ملوث تھے یا صرف ایک ہی میری تباہی کا ذمّے دار ہے۔ میں ایک غریب لڑکی ہوں... انہوں نے مجھے ایک کمرے میں بند کر دیا تھا... لیکن نہ جانے کس طرح کمرے کی کھڑکی کھُلی رہ گئی۔ میں وہاں سے بھاگ نکلی... اور نہ جانے کس طرح یہاں تک پہنچی ہوں۔ خدا کے لیے میری بات پر توجہ دیں۔ وہ میرے تعاقب میں آئے تھے لیکن میں آپ کی پناہ میں پہنچ گئی۔ اب اگر۔ اب اگر آپ نے مجھے یہاں سے نکال دیا تو۔ تو۔"

"صدیقی۔" سلطان حلق پھاڑ کر چیخا اور لڑکی سہم گئی۔

"تو۔ تو آپ میری بات نہیں سنیں گے؟" لڑکی کی آواز میں بے پناہ مایوسی تھی... پھر اس نے ہیڈ کانسٹبل کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "ٹھیک ہے بھیّا! تم تکلیف مت کرو اب میں خود ہی چلی جاؤں گی۔" یہ کہہ کر وہ تھکے تھکے قدموں سے دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

میں اس دوران خاموش تماشائی بنی رہی تھی۔ سادہ سے کپڑوں میں ملبوس یہ لڑکی مجھے کسی طور پاگل نہیں نظر آئی تھی لیکن اس مختصر سے وقت میں مجھے کسی قسم کی مداخلت کا موقع ہی نہیں مِلا تھا۔ ہیڈ کانسٹبل صدیقی لڑکی کے ساتھ ہی باہر چلا گیا تھا اور سلطان مجھ سے نگاہیں چُرا رہا تھا۔ "یہ لڑکی پاگل تو معلوم نہیں ہوتی۔" میں نے اسے غور سے دیکھتے ہُوئے کہا۔

"بہت خوب۔ گویا اب آپ بھی مجھے بور کریں گی۔ کیا اس کی کسی بات میں کوئی ربط تھا؟ درمیان سے جڑے ہوئے دو آدمیوں نے اس خاتون کے ساتھ زیادتی کی ہے۔ کیا آپ ایسے کچھ افراد سے واقف ہیں مس عالیہ تو براہِ کرم میری معلومات میں اضافہ فرمائیں۔ ایسے انسان کہاں پائے جاتے ہیں؟ میرا خیال ہے لڑکی کسی قسم کے پاگل پن کا شکار تھی۔ تھوڑی دیر قبل مجھے بور کر کے جا چکی تھی۔ میرا خیال تھا کہ یہ جا چکی ہو گی لیکن یہ باہر ہی دھرنا مار کر بیٹھ گئی تھی۔"

"اگر وہ پاگل بھی تھی سلطان تو میرے خیال میں تمہیں اس کی مدد کرنی چاہیے تھی۔ نہ جانے کس گھر کی عزت ہے۔ تمہارا فرض ہے کہ تم اسے اس کے گھر پہنچاؤ۔"

"بس بس خاتون! پولیس کی مصروفیات کے بارے میں آپ کی معلومات نہایت ناقص ہیں۔ ان رفاہی کاموں کے لیے دوسرے ادارے بھی تو موجود ہیں۔" سلطان نے کہا۔

اسی وقت اردلی کافی کے برتن لیے ہوئے اندر آ گیا، اور اس نے کافی بنا کر ہم دونوں کے سامنے رکھ دی۔ "بھیگے موسم نے نشے کو دو آتشہ بنا دیا ہے۔ ارے ہاں عالیہ! وہ سر مظفر علی کے بارے میں خبریں آنا کیوں بند ہو گئیں؟ کیا پولیس کو وزارتِ داخلہ کی طرف سے کوئی ہدایت ملی ہے؟"

"مظفر علی کی کہانی میں اب گنجائش ہی کیا رہ گئی ہے۔ ایک پہلو تو کھُل کر سامنے آ گیا ہے۔" میں نے کافی کی پیالی سے ایک گھونٹ بھرتے ہوئے کہا۔ "سیدھی سی بات ہے، سر مظفر علی انگریزوں کا پروردہ تھا۔ ساری زندگی شراب اور عورتوں میں مست رہا اور جب مدت ختم ہو گئی تو وہ جرائم کی زندگی میں داخل ہو گیا۔ خاندانی پس منظر کی بُنیاد اور بہت سے "بڑے" لوگوں کی سفارش پر اس کا کیس فائل ہی بند کر دیا گیا۔ کوئی انوکھی بات نہیں ہے۔ اکثر ایسے صاحبِ حیثیت مجرم قانون کے گال میں چٹکی بھر کر مسکراتے ہُوئے نکل جاتے ہیں۔ اخبارات اب اس بارے میں کیا کیا لکھتے رہیں۔"

"یہ آپ کا خیالِ خام ہے۔ ابھی اس داستان میں بڑی گنجائش ہے۔ لیکن یار کوئی عمدہ سا لنچ یا ڈنر ہو جائے تو پھر کچھ بتانے میں بھی مزا آئے۔ پھر کیا خیال ہے؟" سلطان نے کہا۔

"لنچ یا ڈنر کے لیے میں نے کبھی منع کیا ہے... لیکن میرے خیال میں اب اس معاملے میں کوئی گنجائش ہی نہیں رہ گئی۔"

"تازہ رپورٹیں پڑھی ہیں تم نے؟" سلطان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"نہیں۔ اس کیس کے بارے میں اور کوئی تفصیل معلوم نہیں ہو سکی۔" میں نے جواب دیا اور سلطان نے گھنٹی بجا دی۔ اردلی کے آنے پر اس نے ہیڈ محرر کو طلب کیا اور اس سے مظفر علی کا فائل طلب کر لیا۔

اس دوران میں، میں سلطان کی کیفیات نوٹ کرتی رہی۔ میں نے محسوس کیا کہ اس کے لہجے میں بے قراری ہے۔ اس کے الفاظ میں اضطراب چھپا ہُوا ہے اور اس اچانک پیدا ہو جانے والے اضطراب کی بنیادی وجہ وہ لڑکی ہی ہو سکتی تھی۔ وہ مجھے اس دلچسپ کیس کی طرف متوجہ کر کے غالباً میرا ذہن اس لڑکی کی طرف سے ہٹانا چاہتا تھا... لیکن کیوں...؟

پولیس افسران اور اخباری رپورٹر کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ دونوں کا کام ایک دوسرے ہی سے چلتا ہے اس لیے میں سلطان سے بگاڑنا تو نہیں چاہتی تھی لیکن انسانی ہمدردی کی بنیاد پر مجھے سلطان کے اس رویّے سے شکایت بھی تھی۔ اگر لڑکی پاگل

تھی تب بھی سلطان انسانی ہمدردی کی بنیاد پر اس کی مدد کر سکتا تھا۔ کم از کم اتنا کہ اس کے گھر کا پتہ لگا کر اسے اس کے گھر ہی پہنچا دیتا۔

سلطان نے وہ فائل کھول کر میرے سامنے رکھ دیا جس کے لیے میں کئی بار سر مار چکی تھی اور اس نے مجھے اس کی ہوا بھی نہیں لگنے دی تھی لیکن آج وہ خود ہی فائل مجھے دکھا رہا تھا۔

"چھوڑو سلطان۔ اگر تم میری مدد کرنا چاہتے ہو تو مجھے زبانی ہی اس کیس کے بارے میں تفصیل بتا دو۔ دراصل میرا ذہن اس لڑکی میں اُلجھا ہوا ہے۔"

میرے ان الفاظ سے اس کے چہرے پر ناگواری کی چند شکنیں نمودار ہو گئیں اور وہ کسی قدر تلخ لہجے میں بولا "تم اخبار رپورٹروں میں یہی خرابی ہے کہ کسی بات کے پیچھے پڑ جاؤ تو جان نہیں چھوڑتے۔ اس پر اگر پولیس والے تم سے تعاون نہیں کرتے تو تم لوگوں کو شکایت ہوتی ہے۔ کوئی معقل و فہم کی بات ہوتی تو میں خود ہی تمہیں بتا دیتا۔"

"سوری سلطان! دراصل اس کے کچھ الفاظ پُر اسرار تھے۔ وہ کہہ رہی تھی کہ اُسے لاک اپ میں بند کر دیا جائے تو اس کی زندگی محفوظ رہ سکتی ہے۔"

"پھر وہی مرغ کی ایک ٹانگ! بتاؤ کیا کیا جا سکتا ہے اس کے اس پاگل پن کے لیے؟ کیا میں اس کے دُہرے دشمن کی تلاش میں نکل جاتا؟ یار عالیہ! تم بھی کچھ کھسک گئی ہو۔ مجھے تو یوں لگ رہا ہے جیسے آج اس بارش میں آسمان سے پاگل لڑکیاں برس رہی ہوں۔ خدا کے لیے مجھے اب اس موضوع پر مزید بور نہ کرو۔"

"ٹھیک ہے سلطان اب مجھے اجازت دو۔ افسوس میں نے تمہارا کافی وقت ضائع کیا۔"

"بیٹھو۔ باہر بارش ہے۔ بند ہو جائے تو چلی جانا۔"

"کافی دیر ہو چکی ہے۔" میں نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔ "باہر مکمل تاریکی پھیل چکی ہے۔"

"جیسے تمہاری مرضی۔ کوئی خاص بات ہوئی تو فون کر دوں گا۔" سلطان نے گردن ہلاتے ہوئے کہا اور میں اسے خدا حافظ کہہ کر باہر آ گئی۔

تھانے کی عمارت کے زینے سے اترتے وقت مجھے صدیقی نظر آ گیا۔ میں نے اسے اشارے سے قریب بلایا۔

"وہ لڑکی کہاں ہے صدیقی؟"

"اسی وقت چلی گئی تھی۔" ہیڈ محرر نے جواب دیا۔

"اتنی تیز بارش میں!" میں نے اسے ملامت آمیز نگاہوں سے دیکھا۔

"نہیں جی... ہم نے تو کہا تھا کہ وہ باہر درخت کے نیچے بیٹھ جائے اور جب بارش رُکے تو چلی جائے... مگر وہ مانی ہی نہیں۔" صدیقی نے آنکھیں چُراتے ہوئے کہا اور میں ایک ٹھنڈی سانس لے کر اپنی اسپورٹس کار کی طرف بڑھ گئی۔

بارش اب ہلکی ہو گئی تھی لیکن اس نے سڑکیں جل تھل کر دی تھیں۔ ٹریفک بھی نہ ہونے کے برابر رہ گیا تھا۔ کئی گاڑیاں سڑکوں پر بند ہو گئی تھیں اور ان کے مالک انہیں وہیں چھوڑ کر چلے گئے تھے۔

اسپورٹس اسٹارٹ کر کے میں چل پڑی۔ برائن روڈ سے مجھے گھوم کر گرین سوسائٹی کی طرف جانا تھا لیکن اس سڑک پر پہنچنے کے لیے تقریباً تین میل کا راستہ پڑتا تھا۔ جب کہ میں ان دونوں کے درمیان والی پتلی سی سڑک سے نکلتی تو یہ فاصلہ کچھ میل کم ہو سکتا تھا چنانچہ میں نے یہی راستہ اختیار کر لیا۔ یہ سڑک ناہموار تھی اور جگہ جگہ چھوٹے چھوٹے گڑھوں میں پانی بھرا ہوا تھا۔ تیز روشنیاں ان گڑھوں کو نمایاں کر رہی تھیں اور میں حتی الامکان ان سے بچتی ہوئی نکل رہی تھی۔ اسی لیے اسپورٹس کی رفتار بے حد سست تھی... پھر میں نے ہیڈلائٹس کی تیز کرنوں میں ایک گڑھے کے کنارے پڑے ہوئے اس انسانی جسم کو دیکھ لیا اور میرا دل دھڑکنا بھول گیا۔ کوئی حادثہ... اس سنسان سڑک پر کوئی بھی واردات بہ آسانی ہو سکتی تھی۔

رفتار تو سست تھی ہی... میں نے بریکوں پر ہلکا سا دباؤ ڈالا اور کار اس انسانی جسم سے تھوڑے ہی فاصلے پرے جا کر روک دی لیکن اس طرح کہ وہ روشنی کی گرفت میں رہے۔ پھر میں جلدی سے اتر آئی اور اس جسم کے نزدیک پہنچ گئی۔ انتہائی دردناک منظر تھا۔ ایک نسوانی جسم کو کسی بھاری گاڑی نے درمیان سے کچل دیا تھا۔ نچلا دھڑ پس کر رہ گیا تھا۔ بارش کے چھینٹوں نے قرب و جوار سے خون دھو دیا تھا۔ بعض اندرونی اعضا نکل کر بکھر گئے تھے۔ میں ساکت و جامد کھڑی رہ گئی۔ معاً میری نگاہ لڑکی کے خد و خال پر پڑی اور دوسرے ہی لمحے میرے بدن میں سنسنی کی ایک تیز لہر دوڑ گئی۔ میں بے اختیار ساری نفاست اور طبیعت کے بوجھ کو نظرانداز کر کے آگے بڑھی اور اس پر جھک گئی۔ آہ! تو میرا خیال درست ہی

تھا۔ یہ وہی پاگل لڑکی تھی جو پولیس اسٹیشن پر زندگی کی بھیک مانگ رہی تھی میرے دل میں غم واندوہ کا طوفان امڈ آیا اور اس بے بسی کی موت پر میرا دل رو پڑا۔ اس کی درد بھری آواز کا ایک ایک لفظ میرے کانوں میں گونج اٹھا... اور پھر میرا دل غصے سے بھر گیا۔ مگر سلطان اس کی باتوں کو پاگل پن نہ سمجھتا تو اس کی زندگی بچ سکتی تھی۔ سلطان کے انداز میں کوئی خاص بات تھی جس نے میرے ذہن میں شکوک بھر دیے۔

... تو کیا۔ جان بوجھ کر اس لڑکی کی زندگی سے کھیلنے کی سازش کی گئی ہے، لیکن سلطان قانون کا رکھوالا ہے۔ نہیں... قانون کا محافظ قانون شکن نہیں ہو سکتا۔ یہ کوئی ٹھوس دلیل نہیں تھی۔ قانون شکن انفرادی حیثیت کے حامل ہوتے ہیں۔ کسی ایک فرد کی شخصیت کو اس کے محکمے کا معیار نہیں کہا جا سکتا ورنہ ساری دنیا لاقانونیت کا مرکز بن جاتی۔ دوسرے ہی لمحے میرا احساس جاگ اٹھا۔ میرے اپنے بھی کچھ فرائض تھے اور میں انہیں کسی طور بھی نظر انداز نہیں کر سکتی تھی میں اپنی کار کی طرف بڑھی اور کار سے اپنا کیمرہ اٹھایا فلش گن چیک کی... پھر لاش کے نزدیک پہنچ کر مختلف زاویوں سے اس کی تصویریں لینے لگی۔ ابھی میں اس کام میں مصروف تھی کہ دفعتاً دو تیز روشنیاں مجھ پر پڑیں اور میں چونک گئی۔ کسی دوسرے نے بھی غالباً میرے ہی انداز میں مختصر راستے کا سوچا تھا اور اسی سڑک پر نکل آیا تھا۔ میں نے کیمرہ فولڈ کیا اور اسے جلدی سے کار میں ڈال دیا... اور پھر میں اس گاڑی کا انتظار کرنے لگی۔ یہ ایک پولیس جیپ تھی اور اس میں سلطان خود بھی موجود تھا۔ وہ جلدی سے اتر کر میرے قریب آ گیا۔ "کیا ہوا۔ کیا بات ہے؟" اس نے کہا اور پھر اس کی نگاہ لاش پر پڑی۔ دوسرے ہی لمحے وہ دوڑتا ہوا اس کے قریب پہنچ گیا۔ "اوہ کیا یہ تمہاری گاڑی کا شکار ہوئی ہے؟"

میں نے غصیلی نگاہوں سے سلطان کو دیکھا۔ "ہوئی تو نہیں ہے لیکن تم چاہو تو اسے میرے سر ڈال سکتے ہو۔" میں نے خشک لہجے میں کہا۔

"حادثہ کسی بھاری گاڑی سے ہوا ہے! تمہاری ننھی سی کار یہ کارنامہ نہیں انجام دے سکتی۔" سلطان کا لہجہ سپاٹ تھا۔

"شکریہ۔ میرا تو خیال تھا کہ تم فوراً ہی مجھے ہتھکڑیاں لگا دو گے۔" میں نے سرد لہجے میں کہا۔

"تعجب ہے۔ عموماً اس چھوٹی سڑک پر بھاری گاڑیاں نہیں آتیں۔ حادثہ ہوئے زیادہ دیر بھی نہیں گزری۔"

"تمہیں اس بات پر تعجب نہیں ہوا سلطان کہ یہ وہی لڑکی ہے جو تھوڑی دیر قبل تمہارے سامنے کھڑی کہہ رہی تھی کہ اس کی مدد کی جائے۔ اس کی زندگی خطرے میں ہے۔"

"ایں۔!" سلطان نے زوردار آواز میں کہا۔ وہ دوبارہ لاش پر جھک گیا۔ اور پھر اس کے منہ سے نکلا "میرے خدا تمہارا خیال درست ہے۔ یہ تو وہی ہے۔"

"وہ لڑکی جسے تم نے پاگل قرار دے کر بارش میں پولیس اسٹیشن سے نکال دیا تھا۔"

"آہ افسوس۔ یہ بے چاری! مجھے کیا پتہ تھا کہ سچ مچ موت اس کا تعاقب کر رہی ہے۔ افسوس۔" سلطان نے تاسف سے کہا اور میں اسے گہری نگاہوں سے دیکھنے لگی۔ میں تاسف کے اس انداز میں مصنوعی پن تلاش کر رہی تھی۔ چند لمحے تو سلطان خاموش کھڑا رہا پھر اس نے اپنے آدمیوں کو ضروری ہدایات جاری کیں اور دو کانسٹبل جیپ میں بیٹھ کر متعلقہ افراد کو بلانے چلے گئے جنہیں اس کے بعد کی کارروائی مکمل کرنا تھی۔

ہلکی ہلکی پھوار اب بھی پڑ رہی تھی اور میرے کپڑے تقریباً بھیگ چکے تھے لیکن ذہنی کیفیت کچھ ایسی ہو گئی تھی کہ مجھے ان کا قطعی احساس نہیں تھا۔ میرے کانوں میں مسلسل لڑکی کی آواز گونج رہی تھی۔ "سر۔ وہ لوگ مجھے آپ کے پاس نہیں آنے دے رہے تھے۔ یہ میری زندگی کا سوال ہے۔ اگر آپ نے... اگر آپ نے..."

"کل تم اس حادثے کے بارے میں خبر شائع کرو گی؟" سلطان کی آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔

"تمہارا کیا خیال ہے؟"

"ہمارے تمہارے مراسم کتنے عرصے سے ہیں؟" سلطان کے لہجے میں تبدیلی صاف محسوس ہوئی تھی۔ کچھ دھمکانے والا انداز تھا۔

"مقصد؟" میں نے بھی اسے تیکھی نگاہوں سے دیکھا۔

"میں چاہتا ہوں کہ اس چھوٹی سی خبر کو تم اپنے اخبار میں جگہ نہ دو۔ ممکن ہے تم اس لڑکی کے لیے جذباتی ہو گئی ہو۔ کیونکہ یہ تمہارے سامنے زندہ تھی۔ لیکن یوں سوچو کہ ایسے سینکڑوں واقعات ہوتے رہتے ہیں۔ تھوڑی دیر کے لیے بھول جاؤ کہ تم وہاں موجود تھیں۔"

میں خاموشی سے سلطان کی صورت دیکھتی رہی۔ پھر میں نے سوال کیا۔ "کون تھی یہ لڑکی؟"

"یہ تو میں نہیں جانتا۔ بھٹکتی ہوئی آئی تھی الٹی سیدھی باتوں کی وجہ سے میں نے اس پر توجہ نہیں دی تم خود سوچو کتنی

الجھنیں ہوتی ہیں ہمارے پاس... ان الجھنوں میں اس قسم کی لڑکیوں کے لیے گنجائش کہاں نکلتی ہے۔ بس اسی لیے میں نے اسے نظرانداز کر دیا تھا۔ دیکھو عالیہ تم ایک دوست کی حیثیت سے میرے پاس آئی ہو اگر تم چاہتی ہو کہ میں آئندہ بھی تم سے تعاون کرتا رہوں تو میری خواہش ہے کہ تم ان واقعات کو پوشیدہ رکھو۔ بس میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کہنا چاہتا اور اب میں درخواست کروں گا کہ تم یہاں سے چلی جاؤ اور پولیس کو اس کا کام کرنے دو۔" آخر میں اس کا لہجہ خشک ہو گیا۔

میں خاموشی سے اپنی کار تک پہنچی اور اسے اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دیا۔ یہ فیصلہ تو مجھے اب کرنا تھا کہ میں اس سلسلے میں کیا اقدامات کروں۔ جہاں تک بات ایک سنسنی خیز خبر کی تھی تو اس کے لیے میں سلطان سے تعلقات خراب نہیں کر سکتی تھی۔ لیکن اس لڑکی کا خون معاف نہیں کر سکتی تھی۔ ایک ذمے دار افسر نے میرے سامنے مجرمانہ غفلت کا ثبوت دیا تھا اور میرا ضمیر اس غفلت کی پردہ پوشی کے لیے آمادہ نہیں تھا۔ اگر لڑکی کو پولیس کی پناہ مل جاتی تو شاید وہ اس حادثے کا شکار نہ ہوتی۔ سلطان کے رویے پر میرے ذہن میں پہلے ہی شبہات نے سر ابھارا تھا۔ مجھے خدشہ تھا کہ سلطان کسی خاص مقصد کے تحت لڑکی کو نظرانداز کر رہا ہے ممکن ہے وہ کسی کا آلۂ کار ہو اور جب لڑکی تھانے آ کر اس سے ملی تو اس نے "کسی کو" اس کے بارے میں اطلاع بھی دی ہو۔ دفعتاً مجھے پولیس اسٹیشن کے قریب واقع وہ چھوٹا سا ہوٹل یاد آ گیا جو اس وقت بھی کھلا ہوا تھا۔ جب میں پولیس اسٹیشن میں داخل ہوئی تھی۔ نہ جانے کیوں ایک خیال میرے ذہن میں پختہ ہو گیا۔ دوسرے ہی لمحے میری کار کا رخ بدل گیا۔

چھوٹے سے ہوٹل میں دو چار آدمی میزوں پر نظر آ رہے تھے۔ کاؤنٹر کے پیچھے بیٹھے ہوئے دبلے پتلے شخص کے چہرے پر بیزاری کے آثار نمایاں تھے۔ میں اُسے دیکھ کر خواہ مخواہ مسکرا دی اور وہ چونک کر پہلو بدلنے لگا۔ ویٹر سے چائے طلب کر کے میں اس کی چسکیاں لیتی ہوئی کاؤنٹر کلرک کو دیکھ کر مسکراتی بھی رہی... پھر جب میں بل ادا کر کے اٹھی تو سیدھی کاؤنٹر پر پہنچی۔ کاؤنٹر کلرک خاصا بے قرار ہو چکا تھا۔ میں نے بڑی اگاوٹ سے کہا: "فون کرنا چاہتی ہوں۔"

اس نے خاموشی سے فون اٹھا کر میرے سامنے رکھ دیا۔

"بڑے پریشان نظر آتے ہو؟" میں نے یونہی ایک نمبر ڈائل کرتے ہوئے کہا۔

"نہیں تو... مگر تم مسکرا کیوں رہی ہو؟"

"تمہاری پریشانی پر... ویسے تمہاری پریشانی کی وجہ یہ سامنے والا پولیس اسٹیشن بھی ہو سکتا ہے سچ بتانا کیا پولیس والے تمہیں پریشان نہیں کرتے؟"

"ارے ان کا کیا ہے... بادشاہ ہیں۔"

"ابھی تھوڑی دیر پہلے... ایک ڈیڑھ گھنٹہ یا دو گھنٹے قبل انچارج صاحب نے یہاں سے فون کیا تھا اور کال کے پیسے بھی نہیں دیے تھے؟"

"تم کال کی بات کر رہی ہو یہاں چائے یا کافی کے پیسے بھی نہیں ملتے۔"

"اس نے فون تو کیا تھا، نا؟"

"ہاں... شاید تھانے کا فون خراب تھا۔"

"کتنی دیر پہلے کی بات ہے؟"

"دو گھنٹے کے قریب ہو گئے ہیں۔"

"کسی لڑکی کو فون کیا ہو گا۔ سنا ہے انچارج کی شادی ہونے والی ہے۔"

"مجھے کیا معلوم۔ مجھے تو کاؤنٹر سے ہٹا دیا تھا۔" کلرک نے جواب دیا۔

میں نے ریسیور واپس رکھ دیا۔ "شاید دوسری طرف کا فون خراب ہے۔" میں نے ہونٹ سکوڑ کر کہا اور دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ بے چارہ کاؤنٹر کلرک حیرت سے منہ کھولے مجھے دیکھ رہا تھا۔ نہ جانے کیا سوچ رہا ہو گا میرے بارے میں... لیکن میرا شبہ کتنا درست نکلا تھا۔ اس سلسلے میں میرا یقین مزید پختہ ہو گیا۔

اس تفصیل کے دوران ضروری ہے کہ میں اپنا بھی مختصر سا تعارف کرا دوں۔ میرا نام عالیہ منیر بھایانی ہے۔ میں ایک کثیرالاشاعت روزنامے کی رپورٹر ہوں۔ صحافت سے عشق ہے اور یہ بات آپ کے لیے باعث دلچسپی ہو گی کہ میں اس اخبار کی مالک بھی ہوں۔ جی ہاں... لیکن براہ کرم میرا یہ راز، راز ہی رکھیے گا۔ میرے اسٹاف کے لوگ اور میرے شناسا مجھے صرف ایک رپورٹر کی حیثیت سے ہی جانتے ہیں۔ یا پھر میرے اخبار کے چیف ایڈیٹر اور منیجر مسٹر صباحت رضوی اس حقیقت سے واقف ہیں کیونکہ تمام امور وہی سنبھالتے ہیں اور انہوں نے کلی طور پر مجھے اپنے شوق کی تکمیل کی آزادی دے رکھی ہے۔ جرنلزم کی تعلیم کے بعد کچھ عرصہ میں نے اپنے والد منیر بھایانی کے پھیلے ہوئے کاروبار میں بھی دلچسپی لی لیکن بہت جلد ہم دونوں کو معلوم ہو گیا کہ ان

لوں سے تیل نہیں نکل سکتا۔ چنانچہ انہوں نے مجھے میرے شوق کی تکمیل کی آزادی دے دی۔ اس کے بعد میں نے پورے سات سال مختلف ممالک میں گزارے اور صحافت کے پیشے کے لیے جس قدر تجربہ حاصل کر سکی کرتی رہی۔ اس دنیا میں ایک زندہ انسان کی حیثیت سے زندہ رہنے کے لیے میں نے کچھ دوسرے گر بھی سیکھے۔ اس ضمن میں جرمنی کے مسٹر تاخ ایرک کا ذکر میں خصوصی طور پر کروں گی۔ جو وہاں کی انتظامیہ کے ایک اہم محکمے کے افسر اعلیٰ تھے اور میرے استاد محترم بھی تھے۔ مسٹر تاخ ایرک کا کہنا ہے کہ ایک کامیاب وکیل کے لیے ضروری ہے کہ وہ ماہر نفسیات ہو اور مجرمانہ پیشہ ذہنیت کا حامل بھی ہو۔ ایک کامیاب پولیس افسر کے لیے ضروری ہے کہ وہ ایک کامیاب وکیل بھی ہو... یعنی وکیل کی جو خصوصیات میں بیان کر چکی ہوں وہ اس پولیس افسر کا اضافی تجربہ ہو اور ایک صحافی کے لیے ضروری ہے کہ وہ ایک کامیاب وکیل اور کامیاب پولیس افسر کی خصوصیات بھی رکھتا ہو۔ تب وہ صحافی کہلانے کا مستحق ہے۔ چنانچہ میرے استاد محترم نے دو سال مجھے زیر تربیت رکھا۔ کامیاب وکلا اور کامیاب پولیس افسران سے مجھے بارہا ملوایا جس سے میرا ذہن بہت جلد مستحکم ہو گیا۔

خاص طور سے میں اپنے عظیم روحانی استاد جوشو تاؤ کا ذکر ضرور کروں گی جو جرمنوں کو مارشل آرٹس کی تربیت دیتے ہیں... اور ان کا کلب ساری دنیا میں شہرت رکھتا ہے۔ جوشو تاؤ کی ایک سرکاری حیثیت بھی ہے اور جرمن حکومت ان کا بے حد احترام کرتی ہے۔ خاص خاص سرکاری عہدے دار جوشو تاؤ سے تربیت یافتہ ہوتے ہیں اور مجھے فخر ہے کہ میں جوشو تاؤ کے اعتماد کا سنہرا نشان حاصل کر چکی ہوں۔

ان لوازمات سے آراستہ ہونے کے بعد انسان اپنی ذات پر اعتماد کرنے لگتا ہے اور اسے سستی شہرت کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ ڈیڈی کی موت کے بعد میں نے اپنے کاروبار سمیٹ لیے یعنی وہ کاروبار جو میرے حصے میں آئے تھے۔ میرے بھائی محمود بھایانی نے مجھے میرے حصے کی ادائیگیاں کر دیں اور میں ایک معقول سرمایہ لے کر اپنے وطن واپس آ گئی جبکہ میرے بھائی آج بھی بون میں ایک بڑے تاجر کی حیثیت سے زندگی گزار رہے ہیں۔ یہاں آ کر میں نے یہ اخبار جاری کیا ہے اور اپنے طور پر بے حد مطمئن زندگی گزار رہی ہوں۔ میں نے اپنی حیثیت کے مطابق یعنی وہ حیثیت جس کا میں نے خود تعین کیا ہے ایک چھوٹا سا فلیٹ خرید لیا ہے۔ اس میں ضروریات کا مختصر سا سامان موجود ہے۔ ایک کار ہے جو مجھے اخبار کے دفتر کی طرف سے ملی ہے... اور بس۔ اس سے زیادہ کی مجھے ضرورت نہیں ہے۔ میرا حلقۂ احباب مجھے ایک رپورٹر کی حیثیت سے جانتا ہے۔ میرا خیال ہے یہ میرا ایک مکمل تعارف ہے۔ جن لوگوں کا میری زندگی میں دخل ہے ان میں، میں خصوصیت سے مس میری کا ذکر کروں گی جو ایک پچپن سالہ غیر شادی شدہ خاتون ہیں اور میرے ساتھ میرے فلیٹ میں رہتی ہیں۔ میرے تمام نجی معاملات مس میری نے سنبھال رکھے ہیں۔

دروازہ کھول کر بھیگے ہوئے لباس پر تنقید اور اظہار ناراضگی لازمی بات تھی جس کے لیے میں پہلے سے تیار تھی۔ حسب معمول میں نے ایک دھیمی سی مسکراہٹ کے ساتھ مس میری کے یہ سرد حملے برداشت کیے۔ پھر لباس تبدیل کرنے کے بعد ایک صوفے پر دراز ہو گئی۔ کافی پیتے ہوئے میں نے ایک پیڈ اور بال پوائنٹ سامنے رکھ لیا۔ کاغذ قلم کے بغیر میں صحیح فیصلے کرنے میں خاصی دقت محسوس کرتی ہوں۔ میرا ذہن اس پوری کہانی کے بخیے ادھیڑنے میں مصروف ہو گیا جس میں ایک معصوم لڑکی کی زندگی کی شام ہو گئی تھی۔

"عام صورت شکل اور لباس سے وہ ایک متوسط گھرانے کی فرد معلوم ہوتی تھی۔ سر ڈھکنے کے انداز سے پتہ چلتا تھا کہ وہ یہ جملہ ادا کرنے کی عادی ہے لیکن ہے کسی دفتر وغیرہ میں ملازمت کرتی ہو۔"

۱۔ کسی طرح ذہنی طور پر وہ غیر متوازن نہیں معلوم ہوتی تھی۔ اس کے غم آلود چہرے سے پتہ چلتا تھا کہ کسی ذہنی حادثے کا شکار ہوئی تھی لیکن زندگی کے خوف نے وقتی طور پر اس حادثے کی طرف سے ذہن ہٹا دیا تھا۔ گویا اس حادثے کے بعد بھی وہ زندہ رہنے کی خواہش مند تھی۔

۲۔ وہ لوگ جو اس کی زندگی کے گاہک تھے اس کی پولیس اسٹیشن کی موجودگی سے واقف تھے اور باہر اس کے منتظر تھے۔

لیکن اس تیسرے نکتے پر میرے ذہن میں الجھنیں پیدا ہو گئیں یہاں قمر سلطان کا کردار مشکوک ہو جاتا ہے۔ کیا ان لوگوں کو یقین تھا کہ لڑکی پولیس کی مدد حاصل نہ کر سکے گی؟ اور ان کا یقین اس قدر مکمل نکلا کہ انہوں نے اطمینان سے اس کا تعاقب کر کے اسے قتل کر دیا۔ اس صورت میں گویا قمر سلطان اس شخصیت سے واقف ہے اور کسی طور اس کے لیے مجبور بھی کہ اس کے خلاف کسی کی مدد نہ کرے۔

اس آخری بات نے مجھے بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا۔ ایک ذمے دار صحافی کی حیثیت سے میرا فرض تھا کہ حکام بالا کو ایک شخص کے ذاتی کردار سے آگاہ کر دوں جس نے اپنے فرض سے مجرمانہ غفلت برتتے ہوئے اپنے پیشے اور محکمے کو بدنام کیا تھا لیکن قمر سلطان کی شخصیت اور اس سے پچھلے نظریات اس بات کی تردید کرتے تھے کہ قمر سلطان کوئی پست کردار انسان ہے۔ وہ اس سے قبل اس شکل میں میرے سامنے نہیں آیا تھا لیکن کوئی گڑبڑ ضرور تھی۔ اب میں اتنی بے دست و پا بھی نہیں تھی کہ قمر سلطان جیسے کسی شخص کے زیر اثر آ جاؤں۔ میرے اخبار کی بڑی آواز تھی۔ لیکن کسی ایسے شخص کی گردن پھنساتے ہوئے تھوڑا سا تردد تھا جو اس سے قبل اس شکل میں میرے سامنے نہ آیا ہو۔

۳۔ قمر سلطان میرے پولیس اسٹیشن سے نکلتے ہی میرے پیچھے کیوں چلا آیا تھا جبکہ اس سے قبل اس نے اپنے کہیں جانے کا تذکرہ بھی نہیں کیا تھا۔ اس کی یہ اچانک آمد ناگزیر تھی اور پھر اس نے جان بوجھ کر اسی ذیلی سڑک کا رخ کیا جہاں وہ لاش موجود تھی۔ کوئی خاص نکتہ ضرور ہے۔ کوئی اہم بات ضرور ہے۔

دفعتاً میرے ذہن میں ایک خیال آیا اور میں اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔ ایک الماری کھول کر میں نے ایک ننھا سا ڈکٹو ریکارڈر نکالا اور اسے فون سے منسلک کر لیا۔ کافی ختم ہو گئی اور میں مسلسل سوچوں میں گم تھی۔ بالآخر میں نے فیصلہ کر لیا کہ میں یہ رپورٹ اخبار کو نہیں دوں گی اور اس سلسلے میں اپنی معلومات پوشیدہ رکھوں گی۔ لیکن قمر سلطان کو مجھے حقائق سے آگاہ کرنا ہوگا۔ لڑکی کی موت کی خبر اگر اخبارات میں نہ آئی تو میں قمر سلطان کو مجبور کر دوں گی کہ وہ لڑکی کے بارے میں تفتیش کر کے مجھے اس سے آگاہ کرے۔ اس فیصلے کے بعد میں کسی قدر مطمئن ہو گئی۔ اگر حقائق تلخ نکلے تو پھر میں اپنا فرض ضرور پورا کروں گی۔

مس میری نے تھوڑی دیر کے بعد کھانا لگ جانے کی اطلاع دی اور کھانے سے فارغ ہو کر میں اپنے پسندیدہ میوزک سے دل بہلانے لگی لیکن وہ احساس ساتھ نہیں چھوڑ رہا تھا۔ دردناک موسیقی میں کچھ آوازیں مجھے مسلسل سنائی دے رہی تھیں "سر آپ میری بات تو سن لیں، سر آپ مجھے گرفتار کر کے بند کر دیں ورنہ میں..." میں نے جھنجھلا کر ٹیپ ریکارڈر بند کر دیا۔ عام حالات میں میں اتنی جذباتی نہیں ہوں لیکن ذی روح ضرور ہوں۔

آج میں نے مس میری کے ساتھ شطرنج بھی نہیں کھیلا۔ مس میری کا خیال تھا کہ پانی میں بھیگنے کی وجہ سے نزلے کے جراثیم مجھ پر حملہ آور ہو رہے ہیں۔ یہ اضمحلال اسی کا نتیجہ ہے چنانچہ انہوں نے مجھے نزلے سے بچاؤ کی دو گولیاں زہر مار کرا دیں۔

ٹھیک گیارہ بجے میں نے صباحت رضوی کا فون وصول کیا۔ یہ فون ان کا معمول تھا جس میں وہ لیڈ کے بارے میں مشورہ کرتے تھے کسی خاص خبر کے بارے میں انہوں نے پوچھا تو میں نے انکار کر دیا۔ پھر صباحت صاحب کا فون بند ہوا تھا کہ دوبارہ گھنٹی بج اٹھی۔ میں نے ریسیور کان سے لگا لیا اور میرے شبہات کو مزید تقویت ملنے لگی۔

"مس عالیہ بول رہی ہیں؟" دوسری طرف قمر سلطان کی آواز صاف پہچانی جا رہی تھی۔

"کیا بات ہے سلطان؟"

"مجھے خدشہ تھا کہ تم سو نہ گئی ہو۔ کیا اس وقت اپنے فلیٹ پر کسی پولیس افسر کی موجودگی برداشت کر لو گی؟"

"کوئی حرج بھی نہیں ہے۔ آ جاؤ۔" میں نے کہا۔

"میں پہنچ رہا ہوں۔" سلطان نے کہا اور فون بند کر دیا۔ ڈکٹو ریکارڈر پر اس کی آواز ریکارڈ ہو گئی لیکن اس سے کوئی خاص مقصد پورا نہیں ہوا تھا۔ میں نے فون بند کرنے کے بعد اسے ری وائنڈ کر کے صباحت رضوی اور پھر سلطان کی آوازیں سنیں اور پھر اس کے سسٹم میں تھوڑی سی تبدیلیاں کیں اور اسے لے کر ڈرائنگ روم میں آ گئی۔ جہاں میں نے اسے ایک ایسی جگہ پوشیدہ کر دیا جہاں میری اور سلطان کی آوازیں بخوبی ریکارڈ ہو سکیں۔ اس کے بعد میں واپس آ گئی اور مس میری کو ہدایت کر دی کہ قمر سلطان کے لیے عمدہ سی کافی تیار کر دی جائے۔

تقریباً بیس منٹ کے بعد بیل بجی اور مس میری سلطان کو ڈرائنگ روم میں لے آئی میں بھی گاؤن پہن کر پہنچ گئی تھی۔ قمر سلطان مضبوط اعصاب کا مالک تھا اس لیے اس کے بشرے سے کسی خاص

بات کا احساس نہیں ہوتا تھا لیکن میں اس وقت اس کے آنے کی وجہ سے بخوبی واقف تھی۔

"کافی پیو گے؟" میں نے پوچھا۔

"اس کے ساتھ کچھ بسکٹ وغیرہ بھی ہو جائیں تو... رات کا کھانا تو گول ہی ہو گیا۔" اس نے مسکراتے ہوئے دوستانہ انداز میں کہا۔

"ضرور۔ افسوس میں کھانا کھا چکی ہوں ورنہ تمہارے ساتھ ہی کھاتی۔ البتہ دوسری چیزوں کا بندوبست بہ آسانی ہو جائے گا۔" میں نے مس میری کو بلا کر ہدایات دے دیں۔

"اکثر تمہارے بارے میں سوچتا ہوں عالیہ، تمہاری زندگی بےحد عجیب ہے۔ کیا تمہیں زندگی میں کسی کمی کا احساس نہیں ہوتا؟" سلطان نے کہا اور میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"ہمارے تعلقات ابتدائی دور سے گزر گئے ہیں سلطان اور ہم دوستوں کی حدود میں ایک دوسرے سے شناسائی کا دعویٰ رکھتے ہیں، اس لیے ابتدائی تمہیدی گفتگو کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ میں جانتی ہوں کہ رات کے بارہ بجے میری تنہائی کا احساس تمہیں زیادہ ہوگا۔ اس لیے آؤ کام کی باتیں کریں۔" میں نے کہا اور صرف ایک لمحے کے لیے سلطان کے چہرے پر خجالت کے آثار نظر آئے لیکن دوسرے لمحے وہ مسکرانے لگا۔

"تم اپنے پیشے کے لیے نہایت موزوں ہو۔ لیکن اس ملک میں اتنے ذہین لوگوں کی کھپت ذرا مشکل ہی سے ہوتی ہے۔ میری اس بات کو یاد رکھنا۔ ویسے تمہارا خیال درست ہے۔ میں اس لاش کے بارے میں یہاں آیا ہوں۔"

"شکریہ، کہو کیا کہنا ہے؟"

"کیا تم نے اس سلسلے میں کوئی رپورٹ تیار کی ہے؟"

"نہیں، میں نے تم سے تعاون کا فیصلہ کیا ہے۔"

"واہ واہ بہت بہت شکریہ۔ درحقیقت مجھے بعد میں احساس ہوا کہ مجھ سے حماقت ہوئی، مجھے کم از کم پولیس کانسٹیبلوں کی تحویل میں اس لڑکی کو اس کے گھر تک پہنچانا چاہیے تھا لیکن بس بارش اور موسم نے یہ کہولت ذہن پر طاری کر دی تھی۔"

"میں نے یقین نہیں کیا سلطان۔" میں صاف گوئی سے بولی اور وہ چونک کر مجھے دیکھنے لگا۔

"کیوں؟"

"تم کہولت کے شکار تو نہیں تھے کیونکہ تھوڑی دیر کے بعد تم جیپ میں بیٹھ کر صرف بارش سے لطف اندوز ہونے نہ نکلے ہو گے۔" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا اور اس کا چہرہ پھیکا پڑ گیا۔

"تم کہنا کیا چاہتی ہو؟" اس کے لہجے میں ناخوشگوار سی کیفیت تھی۔

"جو کہوں گی اس کا تم برا مان جاؤ گے سلطان اور اس چھت کے نیچے میں کسی طور تمہاری دل شکنی پسند نہیں کروں گی۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"نہیں، تم اس کی پروا مت کرو۔" اس نے بدستور اسی لہجے میں کہا۔

"تب سنو۔ تم صرف میرے تعاقب میں نکلے تھے۔ یقیناً تمہیں احساس ہو گیا تھا کہ میں لڑکی کے معاملے میں سنجیدہ ہو گئی ہوں۔ معاف کرنا سلطان۔ تم نے مجھے صرف باتوں میں الجھانے کے لیے سر مظفر علی کے فائل منگوائے تھے تاکہ میں فوری طور پر لڑکی کے پیچھے نہ چل پڑوں ورنہ اس سے قبل تم نے مجھے ان سرکاری رازوں سے کبھی آگاہ نہ کیا۔ میں صاف صاف کہتی ہوں مسٹر سلطان کہ لڑکی نے کسی طور وہ مضحکہ خیز بات نہ کہی ہو گی جو تم نے اسے پاگل ثابت کرنے کے لیے گھڑی تھی بلکہ اس کے برعکس اس نے کوئی ایسی بات کہی ہو گی جسے نظر انداز کرنے کے لیے تم مجبور رہے تھے۔"

"تم میری توہین کر رہی ہو عالیہ۔" سلطان بگڑ گیا۔

"میں نے پہلے ہی معذرت کی تھی سلطان۔ لیکن میری دوستی اب بھی قائم ہے جس کا ثبوت یہ ہے کہ میں نے اپنے اخبار کو یہ خبر نہیں دی جب کہ میرے پاس اس لاش کی تصویریں بھی موجود تھیں۔"

"کیا مطلب؟" سلطان چونک پڑا۔

"ہاں، ڈیئر سلطان! کیمرہ میری کار میں موجود تھا۔ ہم جیسے لوگوں کو بھی پولیس کی طرح ہر وقت تیار رہنا پڑتا ہے۔ بہرحال میں تم سے وعدہ کرتی ہوں کہ ایک دوست کی حیثیت سے تمہارے مفاد کے خلاف کوئی کام نہیں کروں گی لیکن اس کے لیے میری بھی ایک شرط ہے اور وہ شرط یہ ہے کہ آج کل یا دو تین روز بعد مجھے اس بارے میں پوری تفصیل بتا دو۔ اگر تم چاہو گے تو میں اس کے بعد بھی اس راز کو راز رکھوں گی۔"

"گویا تم مجھے بلیک میل کرنا چاہتی ہو۔" قمر سلطان تلخ لہجے میں بولا۔

"اگر تم ایک اچھے انسان ہو، قمر سلطان! تو میرے جذبات کو سمجھو، میں یہ سب کچھ ایک مظلوم مقتولہ کی حمایت کے لیے کر رہی ہوں، مجھے معاف کرنا، اگر تم براہ راست اس قتل میں ملوث نہیں ہو تو میرے بارے میں اس انداز میں مت سوچو۔"

قمر سلطان کرخت نگاہوں سے مجھے گھورتا رہا... پھر ایک گہری سانس لے کر صوفے کی پشت سے ٹک گیا۔ "میں نے لاش فوری کارروائیوں کے بعد اسپتال پہنچا دی ہے۔ میرے رجسٹر میں اس کا اندراج ہو چکا ہے۔ لاش کے پاس سے کوئی ایسی چیز برآمد نہیں ہوئی ہے

جس سے اس کے بارے میں کچھ معلوم ہو سکتا۔ اسپتال میں، اس کے بارے میں رپورٹنگ ہو چکی ہے۔ صبح کو اس کی تصویر، اخبارات میں شناخت کے لیے چھپ جائے گی۔ یہ اُس کارروائی کی اطلاع ہے جو ہو چکی ہے۔ میں اگر تھوڑا سا اُلجھا ہوا ہوں تو صرف اس لیے کہ قتل سے کچھ دیر قبل، وہ میرے پاس آئی تھی۔ میں نہیں چاہتا کہ میرا یہ کمزور پہلو کسی کے سامنے آئے اس کے بعد تمھاری قیاس آرائیاں رہ جاتی ہیں۔۔۔ اگر تم اپنی جادو بیانی سے انہیں ثابت کر سکتی ہو تو ٹھیک ہے لیکن تم کسی طور اسے ثابت نہیں کر سکو گی۔ کوئی تسلیم نہیں کرے گا کہ تم آج شام میرے پاس آئی تھیں اور تم نے یا کسی نے اُسے میرے پاس دیکھا تھا۔"

"میں، تم سے کہہ چکی ہوں، سُلطان! کہ ایک دوست کی حیثیت سے، تمھارے جذبات کا احترام میرا فرض ہے۔ میں کسی قیمت پر یہ تفصیل کسی دوسرے کو نہیں بتاؤں گی۔ اخبار کی تو بات ہی دیگر ہے۔۔۔ لیکن سُلطان صاحب! اس لڑکی کے بارے میں معلومات حاصل کرنا، میرا مشن بن چکا ہے اور اگر تمھارے عدم تعاون کے باوجود کبھی بھٹکتی ہوئی تمھارے پاس پہنچ جاؤں تو سمجھ لینا کہ مجھے کوئی خاص اشلال مل چکا ہے۔"

"مجھے اجازت دو، مس عالیہ! مجھے افسوس ہے کہ میں نے تمھارا قیمتی وقت برباد کیا۔" سُلطان اُٹھ گیا۔

"اور وہ کافی؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"اب اس کی گنجائش نہیں رہی۔ تمھارا شکریہ!" سُلطان نے جھلّائی آواز میں کہا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ میں خاموشی سے اُسے جاتے دیکھتی رہی۔ اُس کا اس طرح جانا مجھے افسوسناک لگا تھا لیکن کوئی بات ضرور تھی، کوئی گرہ ضرور تھی۔ شاید میرے لیے ان کارروائیوں کے دروازے کھل رہے تھے جو میری خاص لائن سے تعلق رکھتی تھیں یعنی دشمنوں اور مخالفوں کی ایک فوج تیار کر لی جائے اور اس کے بعد، ان کے سینے پر مونگ دلی جائے۔ دوستوں کے درمیان زندگی گزارنا تو زندگی کے ساتھ ایک مذاق کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس زندگی کا حسن تو یہ ہے کہ قدم قدم پر، اس کے چھن جانے کا احساس رہے۔ اسی طور تو زندگی کی اہمیت کا پتا چلتا ہے۔

اپنے وطن میں آکر، آج تک میں نے صرف اخبار کی اشاعت بڑھانے کی تگ و دو کی تھی۔ خود کو چھپانے کے طریقے اختیار کیے تھے اس تعمیری دَور میں اپنے لیے ایک پُرکشش ماحول پیدا کرنا ممکن نہیں تھا لیکن یوں لگتا تھا جیسے اب اس کی ابتدا ہو رہی ہے۔۔۔ ٹھیک ہے، آخر مجھے اپنی ذات کے اطمینان کے لیے بھی تو اقدامات کرنے ہیں۔ میں نے خلوص دل سے سلطان کا چیلنج قبول کر لیا۔ جب مس میری نے آکر بتایا کہ میرا مہمان کافی پیے بغیر ہی چلا گیا ہے تو میں نے مسکرا کر گردن ہلا دی۔

"کیا تم نے دروازہ بند کر لیا ہے آنٹی؟"

"ابھی نہیں۔ میں، تم سے پوچھنے آئی ہوں کہ کیا وہ واپس آئے گا؟"

"نہیں۔ دروازہ بند کر دو اور اطمینان سے سو جاؤ۔ غالباً بارش بند ہو چکی ہے۔" میں نے کہا اور مس میری، میری بات کا جواب دیے بغیر واپس چلی گئی۔ اُس کے جانے کے بعد، میں نے اطمینان سے ڈکٹو ریکارڈ اُٹھایا اور اُسے، ری وائنڈ کرنے لگی۔

ڈکٹو ریکارڈر کی کارکردگی تسلی بخش تھی۔ اس میں لڑکی کی تھانے میں۔۔۔ موجودگی کا مکمل اعتراف موجود تھا۔ اب مسئلہ یہ تھا کہ اگر آسانی سے لڑکی کے قتل کی تفصیلات معلوم ہو جائیں تو ٹھیک ہے ورنہ اس کے لیے سُلطان ہی کو ٹٹولنا تھا اور سُلطان کو ٹٹولنے کے لیے یہی کافی نہیں تھا کہ لڑکی کی پولیس اسٹیشن میں موجودگی ثابت کر دی جائے، اس کے لیے سلطان کے بارے میں اور بھی معلومات حاصل کرنا ضروری تھیں۔

سونے سے قبل، میں نے صباحت رضوی صاحب کو فون کیا۔ وہ بے چارے آخری کاپی چھپنے تک مصروف رہتے تھے۔ فون انہوں ہی نے ریسیو کیا تھا۔ "مداخلت کے لیے معافی کی طلبگار ہوں۔ اس وقت ایک قطعی غیر متعلق بات کے لیے فون کیا ہے۔"

"فرمائیے۔۔۔؟"

"کل صبح تھانے کے انچارج سُلطان کی اس شہر میں آمد کے وقت سے آج تک کی تفصیلات کی مکمل رپورٹ درکار ہے۔ اُس کے اہم ترین کیسز اور اُس کی زندگی سے متعلق، جس قدر معلومات فراہم ہو سکیں، مہیا کی جائیں۔ میرے خیال میں آپ ابراہیم اور یوسف کو یہ خدمات سونپ سکتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے، بی بی۔۔۔ لیکن کوئی خاص بات ہے؟"

"ہاں صباحت صاحب! تفصیلات پھر کبھی سہی۔" میں نے فون بند کر دیا اور سونے کے لیے لیٹ گئی۔

دوسری صبح کے تمام اخبارات، چائے کے ساتھ مل گئے۔ سب سے پہلے میں نے اپنے اخبار کو دیکھا۔ اتفاق سے کوئی رپورٹر اس اسپتال میں موجود نہیں تھا جہاں لڑکی کی لاش پہنچائی گئی تھی۔ اس لیے ہمارے اخبار میں اس بارے میں کوئی خبر نہیں تھی۔۔۔ پھر میں نے دوسرے اخبارات دیکھے۔ صرف دو اخبارات میں انتہائی غیر اہم جگہوں پر چھوٹی سی ایک کالمی خبر لگی ہوئی تھی:

"نامعلوم گاڑی نے دوشیزہ کو کچل دیا۔

مقامی پولیس اسٹیشن کے انچارج، بارش کے دوران، جب علاقے کے گشت پر نکلے تو ایک

سڑک پر انہیں ایک نوجوان دوشیزہ کی کچلی ہوئی لاش نظر آئی، جسے کوئی بھاری گاڑی کچلتی ہوئی گزر گئی تھی۔ پولیس نے لاش اپنی تحویل میں لے لی ہے اور گاڑی کی تلاش میں مصروف ہے۔"

دونوں اخبارات میں اسی انداز کی چھوٹی چھوٹی خبریں تھیں۔

میں نے ایک گہری سانس لے کر، اخبارات رکھ دیے اور پھر معمول کے مطابق دفتر جانے کی تیاریاں کرنے لگی۔ کیمرے سے فلم نکال کر میں نے اپنے پرس میں رکھ لی تھی۔

دفتر پہنچ کر میں سیدھی صباحت صاحب کے کمرے میں پہنچ گئی۔ انہوں نے مسکراتے ہوئے میرا استقبال کیا تھا۔ میں نے فلم کا رول نکال کر، ان کے حوالے کر دیا۔ "ان تصویروں کو تیار کرا لیں لیکن نہایت احتیاط سے۔ ان کی تشہیر ابھی مناسب نہ ہوگی۔"

"بہتر۔۔۔" صباحت صاحب نے فلم کا رول لے لیا۔۔۔ اور مسکراتے ہوئے بولے۔ "پولیس افسر کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی ضرورت کیوں پیش آگئی؟"

"اوہ! دراصل ہمارا سابقہ انہی لوگوں سے رہتا ہے۔ ان کے حالات سے باخبر رہنا ہمارا فرض ہے۔ پچھلے چند روز سے میں سوچ رہی ہوں، صباحت صاحب! کہ ہمیں ایک خفیہ اسٹاف اور رکھنا چاہیے۔ ایسے لوگ جو اعلا کارکردگی کے مالک ہوں اور وہ کام کر سکیں جو قانونی طور پر نہ کیے جا سکیں۔" میں نے کہا اور صباحت صاحب تعجب سے مجھے دیکھنے لگے۔

"ایسے لوگوں کی ہمیں کیا ضرورت ہو گی؟"

"دیکھیے، صباحت صاحب! ہر محکمے میں اچھے بُرے ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ اسی طرح بعض پولیس افسران بھی اپنی فطرت میں اچھے نہیں ہوتے اور چونکہ وہ قانون کے مقدس نام سے منسلک ہوتے ہیں، اس لیے اُن پر حرف زنی بھی ممکن نہیں ہوتی۔ ہاں، اگر ہم اُن کے خلاف مؤثر ثبوت حاصل کر سکیں تو حکّام بالا تک اُن کے خلاف رسائی حاصل کی جا سکتی ہے۔ اس کے علاوہ بعض صاحبِ اختیار مجرم ایسے ہوتے ہیں جن کی پہنچ لامحدود ہوتی ہے اور بعض اوقات، اُن کے کھلے جرائم کی بھی پردہ پوشی کی جاتی ہے۔ ہمارا خفیہ اسٹاف، ان لوگوں کے بارے میں چھان بین کرے گا اور اعلا حکّام کو اُن کی نشان دہی۔۔۔ کرے گا۔"

صباحت صاحب گردن جھکا کر سوچنے لگے پھر تھوڑی دیر بعد بولے۔ "لیکن بی بی! پھر صورتِ حال ذرا مختلف ہو جائے گی۔۔۔ اور اخبار کی حیثیت متاثر ہو گی۔"

"وہ کس طرح، صباحت صاحب؟"

"آج تک ہمارے اخبار کی جو پالیسی رہی ہے، وہ کسی قدر غیر جانبدارانہ ہے۔ نہ حکومت کے خلاف، نہ عوام کے خلاف۔۔۔ حکومت کی طرف سے آج تک کسی ناپسندیدگی کا اظہار نہیں ہوا ہے۔۔۔ لیکن اگر ہمارے ہاتھ، صاحبِ اقتدار مجرموں کے گریبان تک پہنچنے لگے تو وہ کیوں پسند کریں گے کہ ایسا اخبار جاری رہے۔"

"ہمارا اخبار حکومت کے خلاف نہیں ہو گا۔ ہم کسی پر سیاسی کیچڑ نہیں اُچھالیں گے۔ ہم تو بس ایسے مجرموں کو سامنے لائیں گے جو کسی طور قانون کی نگاہوں سے اوجھل یا قانون پر حاوی ہوں گے۔"

"ایسے لوگوں کی تعداد کم نہیں ہے، بی بی!"

"ٹھیک ہے، ہماری جنگ ان تمام سے ہو گی۔"

"اُن کے وسائل ہمیں نقصان پہنچائیں گے۔" صباحت صاحب تشویش سے بولے۔

"پیشۂ صحافت، بھاجی ترکاری کی دُکان نہیں ہے۔۔۔ صباحت صاحب! اخبارات کا کردار کسی بھی ملت و ثقافت کا ترجمان ہوتا ہے۔ ملکی امور میں اُن کی حیثیت بھی وہی ہوتی ہے جو ملک کی انتظامیہ کے دوسرے محکموں کی ہوتی ہے۔ پولیس کا فرض اس لاقانونیت کا خاتمہ ہے جو ملک کے قانون کے خلاف ہو اور اخبارات کا فرض، اُن کی نشاندہی۔ ہم ملکی قوانین کی خلاف ورزی تو نہیں کریں گے۔ ہم تو اُن چہروں سے نقاب اُٹھائیں گے جو اپنے وسائل کے پس پردہ ہیں اور کسی بھی فرض کی ادائیگی میں ان چیزوں کا خیال نہیں کیا جا سکتا۔"

"آپ جذباتی گفتگو کر رہی ہیں، بی بی!"

"کیا جذباتیت، انسانی زندگی سے علیحدہ کوئی چیز ہے؟" میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"ہرگز نہیں۔۔۔ لیکن بی بی! جذبات بعض اوقات تکلیف دہ مراحل میں بھی لے جاتے ہیں۔"

"مانتی ہوں، صباحت صاحب! لیکن معاف کیجیے گا۔ میں نے اخبار اس لیے نہیں نکالا کہ دولت مند بن جاؤں۔ میری ضروریات کو میری زندگی آپ کے سامنے ہے۔ میں نے خود کو ضروریات کے جس دائرے میں فٹ کیا ہے، اس کے تحت میں کسی دفتر میں کلرکی کر کے بھی زندگی گزار سکتی ہوں لیکن جس پیشے کے بارے میں، میں نے علم حاصل کیا ہے، اس سے انصاف کرنا میرا فرض ہے اور پھر آپ فکر نہ کریں۔ میں ضروری امور کو مدِ نظر رکھوں گی۔ آپ سے صرف اتنی درخواست ہے کہ میرے رازدار کی حیثیت سے میری مدد کرتے رہیں۔ میں، آپ کو کسی پریشانی کا شکار

نہیں ہونے دوں گی۔

صباحت صاحب یہ سُن کر مسکرائے۔ "مجھے بھی اپنی پریشانیوں کی فکر نہیں ہے۔ میں تو صرف یہ چاہتا تھا کہ آپ کے گرم خُون کو تجربات سے آشنا کردوں۔ باقی جو آپ کا حکم۔"

"خُون کی یہ گرمی اگر سیاہ چہرے والوں میں سے چند ایک کو ہی کیفرِ کردار تک پہنچا دے تو اسے کار آمد کہا جا سکتا ہے، ورنہ کس کام کی... بُوڑھا ہونے کے بعد ماضی کی کچھ یادیں ہی تو سرمایہ ہوتی ہیں، صباحت صاحب! براہِ کرم آپ مجھے اس دولت سے محرُوم نہ کریں۔" میں نے لجاجت سے کہا اور صباحت صاحب مسکرانے لگے۔

"جو حکم، بی بی! میں تعمیل کروں گا۔"

تقریباً بارہ بجے صباحت صاحب نے مجھے طلب کیا۔ میں اپنے دفتر کے ایک چھوٹے سے کیبن کی مالک تھی اور صباحت صاحب کو ہدایت تھی کہ وہ مجھے بھی اسی طرح طلب کیا کریں جیسے دوسرے ماتحتوں کو طلب کرتے ہیں۔ چپڑاسی کے پیغام پر میں صباحت صاحب کے کمرے میں پہنچ گئی۔ انہوں نے مجھے بیٹھنے کی ہدایت کی اور پھر چند تصویریں میرے سامنے رکھ دیں۔ یہ اسی لڑکی کی لاش کے پرنٹ تھے۔ میں انہیں غور سے دیکھتی رہی۔ میرے ذہن میں عجیب عجیب سے خیالات تھے۔

"ان سے فارغ ہو جاؤ تو مجھے بتانا۔" صباحت صاحب نے کہا اور میں چونک کر انہیں دیکھنے لگی۔

"میں فارغ ہوں۔ کوئی خاص بات ہے؟" میں نے پُوچھا۔

"ہاں، دراصل کیمرہ مین فرزند علی اس لڑکی کو پہچانتا ہے۔ اُس نے پرنٹ بناتے ہی اسے پہچان لیا تھا۔" صباحت صاحب نے کہا اور میں اُچھل پڑی۔

"کچھ اور تفصیل بتائی ہے، اُس نے؟"

"ابھی نہیں، اُس نے چپڑاسی کے ہاتھ یہ پرنٹ بھیجے تھے... چپڑاسی ہی کو اُس نے یہ بات بھی بتائی ہے۔ میں نے اسے طلب کیا ہے، آتا ہی ہوگا۔ کچھ کام کر رہا تھا۔"

"براہِ کرم جلدی بُلایئے، اُسے۔" میں نے بے چینی سے کہا اور صباحت صاحب نے چپڑاسی کو بُلانے کے لیے گھنٹی بجا دی... چپڑاسی کے آنے پر انہوں نے حکم دیا کہ فوراً فرزند علی کو بُلا کر لائے، اُس سے کہے کہ جو کام وہ کر رہا ہے اُسے چھوڑ کر آجائے۔

فرزند علی ایک نوجوان آدمی تھا۔ اندر آکر اُس نے صباحت صاحب کو سلام کیا اور ایک طرف کھڑا ہو گیا۔

"فرزند علی! تم نے جو تصویریں بنائی ہیں، اُن کے بارے میں چپڑاسی نے بتایا ہے کہ تم، اس لڑکی کو جانتے ہو۔"

"جی ہاں، جناب! میں اسے اچھی طرح پہچانتا ہوں۔"

"کس طرح؟"

"میرے پڑوس ہی میں رہتی ہے۔ پچھلے دو سال سے اُسے دیکھ رہا ہوں۔ جس بس اسٹاپ سے صبح کو میں سوار ہوتا ہوں، اسی سے یہ بھی سوار ہوتی ہے۔ یہ عموماً چھ نمبر بس سے جاتی ہے جب کہ میں دو نمبر سے آتا ہوں۔"

"اس کا مکان معلوم ہے، تمہیں؟" صباحت صاحب نے پُوچھا۔

"نہیں جناب، لیکن رہتی کہیں قریب ہی ہے۔"

"تم شادی شدہ ہو، فرزند علی؟" میں نے پُوچھا۔

"نہیں جی، عید کے چاند شادی ہونے والی ہے۔" فرزند علی نے کسی قدر لجائے ہُوئے انداز میں کہا۔

"تعجب ہے کہ اس کے باوجود تم نے اُس کے گھر کی کھوج نہیں کی۔" میں نے کہا اور صباحت صاحب مُسکرانے لگے، جب کہ فرزند علی کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔

"تم نے عید کے چاند والی بات پر غور نہیں کیا۔ زیادہ عرصہ نہیں ہے اور وہ زیادہ اہمیت کا حامل ہوتا ہے جو بہت جلد زندگی میں داخل ہونے والا ہو۔" صباحت صاحب نے کہا۔

"لیکن صباحت صاحب، دو سال کی بات ہے۔ فرزند علی اسے دو سال سے دیکھ رہے ہیں اور اس طرح دیکھ رہے ہیں کہ تصویر دیکھتے ہی انہوں نے فوراً اسے پہچان لیا۔" میں نے ہنستے ہُوئے کہا۔

فرزند علی بے چارا حیران و پریشان کھڑا تھا۔

"کیا آج وہ بس اسٹاپ پر نظر آئی تھی؟"

"جی نہیں۔ آج نہیں دیکھا۔"

"اچھا فرزند! تمہارے خیال میں وہ صبح ہی صبح کہاں جاتی تھی؟" صباحت صاحب نے پوچھا۔

"معلوم نہیں، جناب! کہیں نوکری ہی کرتی ہوگی۔"

"اسکول یا کالج کا وقت بھی وہی ہوتا ہے۔ کیا تمہارے خیال میں وہ کسی کالج کی طالبہ نہیں ہو سکتی تھی؟"

"جی نہیں۔ کالج کی لڑکیاں بھی وہاں کھڑی ہوتی ہیں لیکن میں نے کبھی اسے کالج کی کسی لڑکی کے ساتھ نہیں دیکھا اور پھر وہ کالج کے کپڑے بھی نہیں پہنتی تھی۔"

"اوہ! عُمدہ بات ہے۔ ہاں، ذرا یہ تو بتاؤ، فرزند علی! کہ وہ عموماً لباس کیسا پہنتی تھی؟"

"بس صاف اور سادہ۔ معمُولی کپڑوں میں رہتی تھی لیکن اس پر خوب جچتے تھے۔"

"کبھی کسی مَرد کو اُس کے ساتھ نہیں دیکھا؟"

"میں نے کبھی نہیں دیکھا۔" فرزند علی اب ان پے در پے سوالات سے کسی قدر پریشان ہو گیا تھا۔

"تمہیں معلوم ہے، فرزند علی! کہ یہ بے چاری لڑکی ایک حادثے کا شکار ہو گئی ہے۔ پتا نہیں، اس کے گھر والوں کو اس کی خبر ہے یا نہیں۔ میں اس سلسلے میں تمہاری مدد چاہتی ہُوں۔"

"میں تیار ہُوں جی۔"

"فی الحال تم اتنا کرو کہ ان تصویروں میں سے کسی ایک تصویر کے صرف چہرے کا کوئی بڑا پرنٹ نکال لو، تاکہ اس سے شناخت میں آسانی ہو۔ اس کے بعد، ہم دونوں اس کے گھر کی تلاش میں نکلیں گے۔"

"اچھا جی... نیگیٹو مجھے دے دیں۔" فرزند علی نے کہا... اور صباحت صاحب نے نیگیٹو اُسے دے دیے۔ فرزند علی کے جانے کے بعد، اُنہوں نے مجھ سے اُس کے بارے میں پُوچھا۔

"ہاں، صباحت صاحب! میں نے کل شام، اس لڑکی کو زندہ سلامت پولیس اسٹیشن پر دیکھا تھا۔ وہ تھانے کے انچارج کے سامنے گڑگڑا رہی تھی کہ اس کی زندگی خطرے میں ہے لیکن انچارج صاحب کا خیال تھا کہ وہ پاگل ہے، چنانچہ اس پاگل پر انہوں نے کوئی توجہ نہیں دی... اور اس کے بعد اُس کی کُچلی ہُوئی لاش ایک سڑک پر پائی گئی۔"

"اوہ۔" صباحت صاحب افسوس زدہ لہجے میں بولے اور پھر چونک کر کہنے لگے۔ "وہ انچارج قمر سلطان تو نہیں ہے؟"

"آپ کا خیال درست ہے۔"

"لیکن یہ تصویریں تمہیں کہاں مل گئیں؟"

"سب سے پہلے مَیں نے اس لاش کو دیکھا تھا اور پولیس کے پہنچنے سے قبل اس کی تصاویر اُتاری تھیں۔" میں نے جواب دیا اور صباحت صاحب کسی گہری سوچ میں ڈوب گئے۔ کافی دیر تک وہ پریشان سے بیٹھے رہے پھر ایک گہری سانس لے کر بولے۔

"تمہارے سینے میں جو جذبہ پرورش پا رہا ہے وہ قابلِ احترام ہے۔ بلاشبہ ایک سچے انسان کے سینے میں بُرائی کے خلاف کمربستہ ہونے کی لگن ہوتی ہے لیکن احتیاط بھی زندگی کا ایک لازمی جزو ہے۔ میرے بارے میں تم کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہونا بیٹی۔ اگر ایک جذبہ تمہارے سینے میں جاگا ہے تو میں اسے خوش آمدید کہتا ہوں۔ میں نے اپنی پُوری زندگی اسی دشت کی سیاحی میں گنوا دی ہے۔ عُمر کے اس آخری دَور میں اگر اپنی ذات کے سکون کے لیے کوئی راستہ ملتا ہے تو میں اس پر دوڑنے کے لیے اپنی پوری ... ہوتا۔ انشاءاللہ تعالیٰ تم مجھے پیچھے نہیں پاؤ گی۔"

"شکریہ صباحت صاحب۔ آپ تماشا دیکھتے رہیں۔ یہ میرا وطن ہے۔ گو میں اپنے وطن سے طویل عرصہ دُور رہی ہوں لیکن یہاں کی مٹی کے تقدس کو فراموش نہیں کر سکی۔ باہر کی دُنیا میں رہ کر میں نے جو کچھ سیکھا ہے۔ اسے سیکھتے ہُوئے ہر لمحہ مَیں نے اپنے سینے میں یہ لگن محسوس کی ہے کہ میں اپنے وطن کے لیے یہ موتی چن رہی ہوں۔ یہ میرے وطن کی امانت ہے جسے میں اپنے وجود میں اکٹھا کر رہی ہوں اور ایک دن میں یہ سارے موتی اپنی زمین کی مانگ میں ٹانک دوں گی میں اس امانت کو زنگ خوردہ نہیں ہونے دوں گی۔ صباحت صاحب میرے ذہن میں ایک جامع پروگرام ہے جس پر میں قدم بہ قدم عمل کروں گی اور اس کے لیے مجھے اپنے ساتھیوں اور مددگاروں کی ضرورت ہے۔"

صباحت صاحب خاموش رہے۔ اسی وقت فرزند علی آگیا۔ اس نے جو پرنٹ تیار کیا تھا وہ میرے سامنے رکھ دیا۔ اس میں صرف لڑکی کا چہرہ نمایاں تھا... لیکن تصویر سے مظلومیت ٹپک رہی تھی۔ صباحت صاحب بھی ٹکٹکی باندھے اسے دیکھتے رہے۔ ان کے چہرے پر بھی جذبات کی پرچھائیاں لرزاں تھیں۔

"مجھے اجازت ہے جناب؟" میں نے تصویر اپنے پرس میں رکھتے ہُوئے پوچھا۔

"بہتر ہے۔" انہوں نے جواب دیا۔ میں اور فرزند علی باہر آگئے اسپورٹس اس راستے پر دوڑنے لگی جس کی نشاندہی فرزند علی نے کی تھی۔

"تم نے کبھی اس کا نام معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی؟" راستے میں، مَیں نے پُوچھا۔

"شریف لڑکی تھی۔ آپ یقین کریں، میں نے اسے بہت شلیے کیے لیکن کبھی اس نے توجہ نہیں دی اور بھی کئی لڑکے بس اسٹاپ پر ہوتے تھے لیکن میں نے کبھی کسی میں اتنی ہمت نہیں دیکھی کہ اس سے بات کر سکتا۔ وہ نظریں جُھکائے رہتی تھی۔ اس لیے نام بھی نہیں معلوم ہو سکا۔ آپ یقین نہ کر سکیں گی اس کی لاش دیکھ کر مجھے کتنا صدمہ پہنچا ہے۔"

"یقیناً ایسا ہی ہوگا، مگر فرزند علی یہ تو بتاؤ اب ہم اس کا گھر کیسے تلاش کریں گے؟"

"چھوٹا سا محلہ ہے جی۔ مشکل کام نہیں ہوگا۔ ممکن ہے میرے گھر سے ہی معلوم ہو جائے۔"

"تمہارے گھر میں کون کون ہے فرزند علی؟"

"ماں باپ ہیں۔ دو بہنیں ہیں چھوٹا بھائی ہے۔" اس نے جواب دیا اور میں خاموش ہو گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد کار ایک نواحی بستی میں پہنچ گئی۔ فرزند علی مجھے راستہ بتاتا رہا اور میں ڈرائیو کرتی گئی۔ پھر ہم ایک مکان کے سامنے جا کھڑے ہوئے۔ "آپ اندر آ جائیں، میں چائے بنواتا ہوں۔ چائے پی کر۔۔۔"

"نہیں فرزند علی۔ اس وقت موڈ نہیں ہے۔ پھر کبھی سہی، پہلے ہم اپنا کام پورا کر لیں۔ مجھے اخبار کے لیے رپورٹ تیار کرنی ہے جاؤ پہلے معلوم کراؤ۔ میں انتظار کر رہی ہوں۔"

فرزند علی اندر چلا گیا۔ تقریباً پانچ منٹ کے بعد وہ آیا تو اس کے ساتھ۔۔۔ بارہ سال کا ایک بچہ بھی تھا۔ "یہ میرا بھائی دلبند علی ہے لڑکی کا نام امینہ تھا۔ یہ لوگ اسے امینہ باجی کہتے تھے۔ وہ دور جو بے رنگ مکان نظر آ رہا ہے وہ اسی کا ہے۔" فرزند علی نے ایک سمت اشارا کیا اور میں نے ادھر نگاہیں دوڑائیں۔ پھر میں نے کار کے شیشے چڑھائے اور نیچے اتر کر دروازہ لاک کر دیا۔

"آؤ دلبند علی۔ امینہ کے گھر چلتے ہیں۔" میں نے بچے کا ہاتھ پکڑ لیا اور اس مکان کی طرف بڑھ گئی۔ فرزند علی بھی ساتھ آ رہا تھا۔

"کون کون رہتا ہے امینہ کے گھر میں؟" میں نے دلبند علی سے پوچھا۔

"بس احمد بھائی اور ان کی امی۔"

"احمد بھائی امینہ کے کون ہیں؟"

"ان کے بھائی ہیں۔" بچے نے شرماتے ہوئے کہا۔

"تم ان کے گھر جاتے ہو؟"

"ان کے گھر تو نہیں جاتا مگر رحمت کے گھر جاتا ہوں۔ ہم دونوں کرکٹ کھیلتے ہیں۔ احمد بھائی بھی کبھی کبھی ہمارے ساتھ کرکٹ کھیل لیتے ہیں۔"

"امینہ باجی روز کہاں جاتی ہیں، صبح ہی صبح؟"

"یہ تو نہیں معلوم۔"

اس دوران ہم مکان پر پہنچ گئے تھے۔ بوسیدہ سا مکان مکینوں کی غربت کا رونا رو رہا تھا۔ ٹوٹے سے دروازے پر ٹاٹ کا پردہ پڑا ہوا تھا اور اس کی زنجیر میں ایک تالا نظر آ رہا تھا۔

"گھر پر نہیں ہیں وہ لوگ۔" دلبند علی نے کہا۔ میرے ہونٹ سکڑ گئے۔ میں نے ادھر ادھر دیکھا۔ "برابر والے مکان میں کون رہتا ہے دلبند علی؟" میں نے ایک دروازے کی طرف اشارا کر کے پوچھا جو اس مکان کا سب سے قریبی دروازہ تھا۔

"رحمت اور اس کے ابا امی۔"

"اوہ۔ رحمت جو تمہارا دوست ہے؟"

"جی ہاں۔۔۔"

"ذرا اس کے گھر سے کسی کو بلاؤ۔ کسی بڑے آدمی کو۔ کہنا ذرا بات کرنی ہے۔" میں نے کہا اور دلبند علی اس گھر کے کھلے دروازے سے اندر گھس گیا۔ چند ساعت کے بعد ایک درمیانی عمر کے صاحب تہمد باندھے، بنیان پہنے باہر آئے۔ انہوں نے پہلے مجھے اور پھر فرزند علی کو گھورا پھر بولے۔

"مردم شماری کے لیے آئے ہو؟"

"جی نہیں جناب۔ ذرا اس گھر والوں کے بارے میں معلوم کرنا ہے۔ یہ لوگ کہاں گئے؟"

"۔۔۔ کسے اتنی فرصت ہے کہ پڑوسیوں کے گھر میں جھانکتا پھرے ایں۔۔۔۔ دھندا کریں کہ دوسروں کی ٹوہ کرتے پھریں ایں؟" تہمد والے صاحب اکھڑ لہجے میں بولے۔

"بس جناب، یہ معلوم کرنا تھا۔۔" میں نے اس بد اخلاق شخص کو دیکھتے ہوئے کہنا چاہا لیکن اس نے درمیان سے میری بات کاٹ دی۔

"بس کہہ دیا ایک بار۔ ابھی ابھی ڈیوٹی سے آئے ہیں۔ پھر دوبارہ جانا ہے۔ کسے اتنی فرصت ہے کہ۔۔۔"

"رحمت کے ابا ذری سنو تو، بے چاری امینہ کا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا۔ بڑی چوٹ آئی ہے۔ رات بھر اس کی اماں اور بھائی پریشان رہے۔ صبح کو کچھ لوگ ٹیکسی پر آئے تھے۔ دونوں کو اسپتال لے گئے ہیں۔" پردے کے پیچھے سے غالباً رحمت کی اماں کی آواز آئی تھی میں بری طرح چونک پڑی۔ وہ کچھ لوگ کون ہو سکتے تھے جو ان ماں بیٹوں کو لے گئے۔

"اور کوئی کام ہے ہم سے؟" رحمت کے ابا بدستور اکھڑ لہجے میں بولے اور میں نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر گردن ہلا دی۔ پھر میں واپس چل پڑی۔ فرزند علی شرارت آمیز انداز میں مسکرا رہا تھا۔ لیکن میں نے اس کی مسکراہٹ پر کوئی تبصرہ نہیں کیا اور خاموشی سے چلتی رہی۔۔۔ دلبند علی کو گھر پر چھوڑا اور میں واپس دفتر پہنچ گئی۔ صباحت صاحب میرا انتظار کر رہے تھے۔

"کیا رہا؟" انہوں نے پوچھا۔

"کچھ نہیں صباحت صاحب۔ دوسری بڑی خبر ہے میرا خیال ہے، امینہ کے قتل میں کوئی بہت بڑا ہاتھ ہے۔ بہت ہی بڑا۔" میں نے پرخیال انداز میں کہا۔

"یہ اندازہ کیسے لگایا تم نے؟"

"چند باتیں بالکل صاف ہیں۔ امینہ کا قتل نہایت جدید انداز میں ہوا ہے اور قاتل ابھی تک مصروف ہیں۔ میں نہیں کہتی کہ وہ معمولی سی لڑکی کسی بہت بڑے آدمی کے لیے کوئی مشکل پیدا کر سکتی تھی لیکن

ممکن ہے وہ بڑا آدمی یا چند افراد یہ نہ چاہتے ہوں کہ ان کا نام سامنے آئے۔ امینہ کا قتل کسی بہت معمولی بات پر ہوا ہے ورنہ ایسی کم حیثیت لڑکیاں کسی بڑے آدمی کے رازوں سے واقف نہیں ہو سکتیں۔۔۔ اور وہ معمولی بات۔ اوہ۔ ایک کام آپ اور کریں صباحت صاحب۔"

"کیا؟"

"انسپکٹر سلطان نے وہ لاش پوسٹ مارٹم کے لیے بھجوا دی تھی۔ پوسٹ مارٹم رپورٹ کسی طور حاصل ہو سکے تو۔۔۔ میں صرف یہ جاننا چاہتی ہوں کہ امینہ کی عزت تو نہیں لوٹی گئی۔"

"میں کوشش کیے لیتا ہوں لیکن مجھے خود جانا پڑے گا۔" صباحت صاحب نے کہا لیکن میں نے ان کی بات پوری نہیں سنی تھی۔ میرے ذہن کی مشین برق رفتاری سے چل رہی تھی۔ پھر میں نے کہا۔ "رہنے دیں صباحت صاحب۔ یہ کام بھی میں خود ہی کر لوں گی۔ ہاں سلطان کے بارے میں جو تفصیلات میں نے چاہی تھیں ان میں سے کچھ موصول ہو سکیں یا نہیں؟"

"جن لوگوں کو میں نے اس کام میں مصروف کیا ہے ان میں سے کوئی ابھی تک واپس نہیں آیا۔ میرا خیال ہے شام تک ہی کچھ ہو سکے گا لیکن تم نے ابھی مجھے ایک دوسری بری خبر کا حوالہ دیا تھا۔"

"ہاں میں امینہ کے گھر گئی تھی۔ رات بھر اس کے گھر کے لوگ پریشان رہے۔ صبح کو ان کے کچھ ہمدرد ایک ٹیکسی میں آئے اور ان دونوں کو اسپتال لے گئے جہاں وہ زخمی پڑی ہوئی ہے۔"

"ہمدرد۔۔۔؟" صباحت صاحب چونک کر بولے۔

"ہاں صباحت صاحب ماں بیٹوں کو اغوا کر لیا گیا ہے۔ نہ تو امینہ زخمی ہے اور نہ اب وہ کسی اسپتال میں ہے اس کی تو شاید تدفین بھی ہو چکی ہو گی۔"

"اصولاً تو نہیں ہونی چاہیے۔ اسے سرد خانے میں رکھ کر اس کے ورثا کی تلاش قانونی حیثیت رکھتی ہے۔"

"اسپتال فون کر لیں۔" میں نے فون کی طرف اشارا کیا اور صباحت صاحب نے فون سامنے رکھ کر اسپتال کے نمبر ڈائل کیے۔ اپنی حیثیت بتا کر انہوں نے سرجن منیر کو طلب کیا اور تھوڑی دیر کے بعد ان کا رابطہ قائم ہو گیا۔ صباحت صاحب نے فون سے منسلک ایک آلے کا بٹن دبا دیا جو دوسری طرف کی آواز کو بلند کر کے پیش کرتا تھا۔

"سرجن منیر بول رہا ہوں۔ کیسے ہیں صباحت صاحب؟"

"نوازش منیر صاحب، ایک تکلیف دینا چاہتا ہوں۔"

"اخبار کی کوئی ضرورت ہو گی۔ بھئی خوب چل رہا ہے تمہارا اخبار۔ ہاں تو میرے لیے کیا خدمت ہے؟"

"رات کو براؤن روڈ کے علاقے کے تھانے کے ذریعے ایک نوجوان لڑکی کی لاش اسپتال آئی تھی۔ غالباً کسی گاڑی سے کچلی گئی تھی وہ۔ کیا اس کے ورثا کو اس کی لاش دے دی گئی؟"

"فوراً معلومات درکار ہیں یا میں تھوڑی دیر کے بعد معلوم کر کے رنگ کروں؟" سرجن منیر نے پوچھا۔

"اگر ممکن ہو سکے تو فوراً۔" صباحت صاحب نے کہا۔

"اچھا ایک منٹ ہولڈ کرو۔" سرجن منیر نے کہا اور پھر ان کی کارروائی ہم آواز بلند کرنے والے آلے پر سنتے رہے۔ میرا اندازہ درست تھا لاش پولیس کے حوالے کر دی گئی تھی۔ صورت حال ہمیں معلوم ہو چکی تھی لیکن بہرحال سرجن منیر کا انتظار کرنا پڑا۔ تھوڑی دیر کے بعد انھوں نے کہا۔

"ہیلو صباحت صاحب؟"

"منتظر ہوں۔"

"ہاں بھئی۔ لاش پوسٹ مارٹم کے بعد پولیس نے تحویل میں لے لی غالباً اسے لاوارث لاش کی حیثیت سے دفن کر دیا جائے گا۔"

"لیکن منیر صاحب لاش کو اتنی جلدی لاوارث کس طرح قرار دے دیا گیا۔ اصولاً تو اسے سرد خانے میں رکھ کر اس کی تصاویر اخبارات کو دینی چاہیے تھیں۔ کیا آپ کو اور پولیس کو یقین تھا کہ لڑکی کے ورثا میں کوئی نہیں ہے۔؟"

"ہماری بات نہ کرو بھئی۔ متعلقہ حکام لاش لائے تھے۔ پوسٹ مارٹم کر کے رپورٹ لینا ہمارا کام تھا۔ اگر پولیس چاہتی تو لاش سرد خانے میں رکھ دی جاتی۔ اس نے لاش واپس مانگی ہم نے دے دی۔ اس میں کوئی قانونی سقم نہیں ہے۔"

"ہاں یہ درست ہے۔ پوسٹ مارٹم رپورٹ میں کوئی خاص بات ہے؟"

"نارمل رپورٹ ہے۔ کافی وزنی گاڑی سے حادثہ ہوا ہے۔ ممکن ہے کوئی ٹرک ہو۔ بدن پس کر رہ گیا تھا۔"

"شکریہ سرجن بہت بہت شکریہ۔" صباحت صاحب نے کہا اور فون بند کر دیا۔ پھر وہ میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولے۔ "بات غیر معمولی ثابت ہو گئی ہے۔ پولیس کو ورثا کی تلاش کے بغیر لاش دفن نہیں کرنی چاہیے تھی۔" میں نے صباحت صاحب کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا اور خاموشی سے سوچتی رہی۔ پھر میں نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔

"ٹھیک ہے صباحت صاحب۔ یہ کیس میرے لیے ایک چیلنج کی حیثیت رکھتا ہے اور میں نے یہ چیلنج قبول کر لیا ہے۔ شکریہ جناب مجھے اجازت دیں۔"

"کوئی ضروری کام نہ ہو تو بیٹھو۔"

"کوئی ضروری کام نہیں ہے۔ اپنے دفتر میں بیٹھوں گی۔ کچھ سوچنا چاہتی ہوں۔" میں کرسی سے کھڑی ہو گئی۔ صباحت صاحب کی آنکھوں میں تشویش کے آثار تھے۔ انھوں نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر گردن ہلائی۔ "ہاں اگر سلطان کے سلسلے میں کام مکمل ہو جائے یا کوئی رپورٹ ہو تو آپ مجھے فوراً اطلاع دیں۔" میں صباحت صاحب کے کمرے سے باہر آ گئی۔ اپنے کیبن میں جا کر میں نے چائے منگوائی اور سوچوں میں ڈوب گئی۔ امینہ کے خون کا بدلہ میں ضرور لوں گی۔ میں ثابت کر دوں گی کہ انسانی زندگی کسی انسان کا کھلونا نہیں ہے کوئی کتنا ہی بااختیار کیوں نہ ہو انسان یکساں ہے۔ پنسل خود بخود میرے ہاتھ میں آ گئی اور پیپر پر آڑی سیدھی لکیریں بنتی رہیں۔ پھر چائے آ گئی۔ اس دوران میں جو کچھ چاہتی تھی۔ اس کے ہر پہلو پر غور بھی ساتھ ہی ساتھ ہو تا رہا تھا۔

تقریباً چار بجے طاہر، ممنون اور ناصر نے اپنی رپورٹیں صباحت صاحب کو دے دیں جن کو حاصل کرتے ہی.. صباحت صاحب نے مجھے طلب کر کے وہ رپورٹیں میرے سامنے رکھ دیں۔ بہت زیادہ کارآمد تو نہیں تھیں لیکن سلطان کو اپنے شکنجے میں ڈالنے کے لیے کافی تھیں۔ میں دوبارہ اپنے کیبن میں واپس آ کر کاغذ پر ایک محل تعمیر کرتی رہی۔ میں نے سلطان کو بکیر دل کے جال میں جکڑ لیا لیکن اب میں آہستہ آہستہ کھیل کو آگے بڑھانے کی خواہش مند تھی۔ البتہ اپنے اخبار کے ان تین رپورٹرز کو میں نے نگاہ میں رکھ لیا کسی کے بارے میں معلومات تیار نہیں رکھی رہتیں۔ اتنے مختصر سے وقت میں انہوں نے سلطان کی زندگی کے جن تاریک پہلوؤں میں جھانک لیا تھا وہ قابلِ داد بات تھی۔ مگر ابتدائی دور میں اپنی کارروائیوں کے آغاز کے طور پر میں ان تینوں کو بھی اپنے ساتھ شامل کر لوں تو بہر حال یہ میرے لیے کارآمد ہو سکتے ہیں:

پانچ بجے دفتر سے اٹھ گئی۔ فلیٹ پر پہنچی تو مس میری حسبِ عادت استقبال کے لیے تیار تھی۔ رسمی گفتگو کے دوران اس نے بتایا کہ دو بجے کے قریب سلطان کا فون آیا تھا۔

"اور کوئی پیغام تو نہیں چھوڑا؟" میں نے لباس بدلتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں جی۔ بس کہا تھا کہ تمھیں بتا دوں۔" میں نے خاموشی اختیار کر لی۔ تھوڑی دیر کے بعد میں نے خود سلطان کو فون کیا۔ وہ موجود تھا میرا نام سن کر اس کی آواز میں شوخی پیدا ہو گئی۔

"تم نے مجھے فون کیا تھا سلطان؟"

"ہاں۔ بس ایسے ہی سوچا مزاج پرسی ہو جائے۔ کل تھوڑی سی بدمزگی ہو گئی تھی۔"

"تم نے ہی بچوں والی حرکت کی تھی۔ بھلا اس طرح ناراض ہونے کی کیا ضرورت تھی؟"

"چھوڑو ان باتوں کو بہر حال تم نے تعاون کیا اس کا شکریہ۔"

"میں نے وعدہ کیا تھا تم سے۔ ویسے میرا خیال ہے۔ سرکاری فون پر تم اس قسم کی گفتگو نہیں کرتے۔ بہتر ہے اپنے مخصوص فون پر گفتگو کرو۔"

"مخصوص فون؟"

"ہاں میری مراد ہوٹل کے کاؤنٹر والے فون سے ہے۔ جہاں سے کل شام تم نے کسی لڑکی کے بارے میں اطلاع دی تھی۔" میں نے کہا اور سلطان کی آواز گم ہو گئی۔ "میں شام تک بلکہ اس وقت سے صبح تک فلیٹ پر ہی رہوں گی سلطان۔ خدا حافظ۔" میں نے ہلکی سی ہنسی کے ساتھ کہا اور فون بند کر دیا۔ لیکن اس کے بعد کوئی گھنٹی نہیں سنائی دی۔ میں فون کے پاس سے ہٹ گئی۔ پھر گیارہ بجے رات تک میں نے سلطان کا انتظار کیا۔ لیکن نہ تو اس کا فون آیا اور نہ ہی اس نے خود آنے کی زحمت کی۔ اس بات سے صرف اس قدر اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ سلطان بھی خود کو مضبوط سمجھتا ہے لیکن میں اس کے ساتھ وہ کھیل کھیلنا چاہتی تھی جو مکڑی مکھی کے ساتھ کھیلتی ہے۔ جال تیار ہو جائے اس کے بعد سکون سے کام کیا جائے۔ گیارہ بجے کے بعد میں اخبار کے لیے ایک فیچر لکھنے بیٹھ گئی اور بارہ بجے میں نے وہ فیچر فون پر ڈکٹیٹ کرا دیا۔ پھر اطمینان سے سو گئی۔

صبح کو مس میری نے چائے کے ساتھ اخبارات بھی پیش کیے۔ تو میں خبروں پر نگاہیں دوڑانے لگی۔ لیکن دفعتاً ایک تصویر اور اس کے ساتھ ایک خبر دیکھ کر چائے کی پیالی میرے ہاتھ میں لرز گئی۔ میرا دل خون ہو گیا۔ میں نے ایک دم دھندلا جانے والی آنکھوں کو صاف کیا اور سترہ اٹھارہ سال کے اس معصوم شکل نوجوان کی تصویر دیکھنے لگی۔ پوری خبر یوں تھی۔

"بہن کے قتل کے الزام میں گرفتار۔"

گزشتہ روز پولیس کو ایک نوجوان لڑکی کی لاش براؤن روڈ کے علاقے سے ملی تھی۔ شواہد کی بنا پر اسے ٹریفک کا کوئی حادثہ قرار دیا گیا تھا۔ لیکن تحقیقات سے کچھ شبہات پیدا ہوئے اور بالآخر پولیس نے امینہ کے قتل کے الزام میں اس کے بھائی کو گرفتار کر لیا۔ خوبرو امینہ اپنے بھائی اور ماں کی کفالت کے لیے ایک فرم میں ملازمت کرتی تھی۔ لیکن کچھ عرصے سے اس کے بھائی کو شبہ تھا کہ اس کا چال چلن خراب ہو گیا ہے اس نے کئی بار بہن کو سمجھایا لیکن امینہ نے شاید اس لیے اس کی بات پر توجہ نہیں دی کہ احمد نامی نوجوان بھائی خود اس کے زیرِ کفالت تھا۔ غیور بھائی بہن کی اس روش کو برداشت نہیں کر سکا اور شاید کسی دوست کی مدد سے امینہ کو قتل کر کے اسے ٹریفک کے حادثے کی شکل دے دی۔ پولیس احمد سے پوچھ گچھ کر رہی ہے۔"

میرے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ یہ ضمیر کی گراوٹ کی انتہا تھی اس طرح ایک پورے خاندان کی تباہی کے انتظامات کر لیے گئے تھے۔ امینہ کی آواز اب بھی میرے کانوں میں گونج رہی تھی "ایسے عجیب غریب لوگ۔ پتا نہیں وہ دو تھے یا ایک۔" یہ الفاظ مجھے اکسا رہے تھے۔ بات سیدھی سادی نہیں تھی آج تک ایسے کسی وجود کی اطلاع کم از کم اس ملک میں تو نہیں ملی تھی جو درمیان سے جڑے ہوئے ہوں۔

مس میری نے ناشتہ لگا دیا۔ لیکن چائے کی پیالی میں چائے جوں کی توں دیکھ کر وہ حیران رہ گئی۔ "چائے نہیں پی تم نے؟"

"ایں۔ ہاں بھول گئی تھی۔"

"ناشتہ لگا دیا ہے میں نے۔"

"اچھا ٹھیک ہے میں کیے لیتی ہوں۔" میں نے بے دلی سے کہا اور اخبار رکھ کر اٹھ گئی۔ مجھ سے ناشتہ بھی نہیں کیا گیا۔ میں اس مظلوم خاندان کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ کچھ لوگ اس کا نام مٹانے پر تل گئے تھے۔ مظلوم امینہ کو اس کی موت کے بعد بھی کسی نامعلوم جرم کی سزا دی جا رہی تھی۔ ناشتے کی میز پر بیٹھی میں دیر تک سوچتی رہی۔ پھر میں نے صباحت صاحب کو فون کیا۔

"آج میں دفتر نہیں آؤں گی صباحت صاحب۔ آپ نے امینہ کے بھائی کی گرفتاری کی خبر پڑھی ہو گی؟"

"ہاں پڑھ چکا ہوں۔ ہمارا اخبار اس سلسلے میں کیوں خاموش ہے؟" صباحت صاحب نے پوچھا۔

"ہم بولیں گے صباحت صاحب۔ لیکن کھل کر بولیں گے خواہ اس کے لیے ہمیں کتنے ہی نقصانات کیوں نہ اٹھانے پڑیں۔"

"ہوں۔ یوں لگتا ہے جیسے تمھارے ذہن میں کوئی لاوا کھول رہا ہے لیکن بیٹی سوچ سمجھ کر۔"

"شکریہ۔ اور کوئی بات ہے؟" میں نے خشک لہجے میں پوچھا۔

"نہیں بس۔ یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ دوسرے رپورٹرز نے اس بارے میں جو خبریں دی ہیں ان میں سے کوئی خبر استعمال کی جائے یا نہیں۔"

"پہلے بھی عرض کر چکی ہوں کہ نہیں۔" میں نے جواب دیا اور فون بند کر دیا۔ صباحت صاحب سے میں خواہ مخواہ تلخ ہو گئی تھی۔ تھوڑی دیر تک میں سوچتی رہی پھر اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔ لباس تبدیل کر کے کار نکالی اور چل پڑی۔ رخ اسی محلے کی طرف تھا جہاں فرزند علی مجھے لے گیا تھا۔ میں امینہ کے مکان کے سامنے رک گئی۔ لیکن دروازہ جوں کا توں بند تھا۔ میرا خیال تھا کہ احمد کی گرفتاری کے بعد ممکن ہے اس کی ماں گھر واپس آ گئی ہو۔ لیکن یہ خیال خام تھا۔ احمد کو جس چکر میں پھانسا گیا تھا اس کو مدِ نظر رکھتے ہوئے یہ کیسے ممکن تھا کہ اس کی ماں کو چھوڑ دیا گیا ہو۔ حالانکہ قانونی طور پر بوڑھی عورت کو حراست میں رکھنے کا کوئی جواز نہیں تھا۔ لیکن جو کچھ ہو رہا تھا وہ قانونی تو نہیں تھا۔

ایک بار پھر میں نے اس بداخلاق شخص کے مکان کا دروازہ کھٹکھٹایا اور اس بار ایک خاتون کا چہرہ نظر آیا۔ انھوں نے شاید مجھے پہلے روز بھی پردے کے پیچھے سے دیکھ لیا تھا اس لیے ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"اندر آ جاؤ بی بی۔ رحمت کے ابا گھر پر نہیں ہیں۔"

"شکریہ۔" میں اندر داخل ہو گئی۔ "آپ اپنے شوہر سے کافی مختلف لگتی ہیں۔"

"کیا بتاؤں بہن۔ بس مقدر پھوٹ گیا ہے جو قسمت میں لکھا ہے پورا ہو کر رہتا ہے۔ چودہ سال ہو گئے گزر کرتے ہوئے۔ ایسے شکی مزاج ہیں کہ پتہ کھڑکے تو پوچھ بیٹھیں کیا ہوا۔ کیا مجال کہ ان کی موجودگی میں کوئی پڑوسن بھی اندر آ جائے۔ کیوں آئی کیا کہہ رہی تھی۔ جان عذاب میں آ جاتی ہے۔ اب بتاؤ محلے والوں سے میل مروت بھی نہ رکھوں تو کس سے رکھوں۔ پورے دنوں سے ہوں کسی بھی وقت اسپتال جانے کی ضرورت پڑی تو کون ساتھ جائے گا۔ یہی محلے والے کوئی محلے والی کو تو بلا کر لا سکتا ہے۔ رحمت تو مدرسے چلا جاتا ہے۔ چائے بناؤں تمھارے لیے؟"

"اوہ۔ بہت شکریہ۔ آج پھر آپ کے پڑوسیوں کے بارے میں معلوم کرنے حاضر ہوئی تھی۔" میں نے کہا۔

"پتا نہیں بے چاری امینہ کا کیا حال ہے ماں بیٹے جب سے گئے ہیں واپس ہی نہیں آئے۔ لڑکی کی حالت زیادہ خراب معلوم ہوتی ہے۔ اللہ جانے بے چاری پر کیا گزر رہی ہے۔ میں نے رحمت کے ابا سے کہا تھا کہ ذرا جا کر دیکھ آؤ بچی کی خیریت تو مل جائے۔ مگر رحمت کے ابا۔ اللہ انہیں عقل دے... اور میں تو اب اس حالت میں جا نہیں سکتی پورے دنوں سے ہوں۔ اب کون بتلائے کہ ان مصیبت کے ماروں کا کیا حال ہے۔ مگر تم اُن کی کون لگتی ہو؟"

"بس میرا تعلق اخبار سے ہے۔ میں ان کے بارے میں معلومات چاہتی تھی۔" میں نے جواب دیا۔

"اچھا اچھا۔ اخبار سے ہے تمہارا تعلق۔ اے بی سنا ہے روس اور امریکا پھر ایک دوسرے سے لڑنے والے ہیں؟" محترمہ سیاسی بھی معلوم ہوتی تھیں۔ میرے ہونٹوں پر بے اختیار مسکراہٹ آ گئی۔

"آپ فکر نہ کریں۔ اگر ان دونوں نے لڑنے کی کوشش کی تو بیچ بچاؤ کرا لیا جائے گا۔"

"ہاں بڑا ڈر لگے ہے مجھے تو لڑائی جھگڑے سے۔ تم اخبار والوں

کی بات توسب ملتے ہیں بس پلٹنے نہ پائیں۔"

"میں نے کہا نا آپ بے فکر رہیں۔ امینہ کی امی ابھی واپس نہیں آئیں ابھی تک یا گھر آکر کہیں چلی گئی ہیں؟"

"نہیں جی اگر گھر آتیں تو مجھے معلوم ہوتا۔ میرے گھر سے تو بڑا لین دین ہے ان کا۔ ابھی تین چار دن پہلے ایک پیالی چینی منگوائی تھی فوراً بھیج دی انہوں نے واپس بھی نہیں ہوئی ابھی تک۔ اے بہن تم اخبار والی ہو ایک کام تو میرا کردو۔"

"جی فرمایئے۔" میں نے زچ ہو کر کہا۔

"حکومت سے کہو کہ چینی پچھلے والوں کو بھیجنے دے۔ جب پچھلے پرچینی لگتی تھی تو کبھی کبھی حلوہ کھانے کو مل جاتا تھا۔ مگر اب راشن سے ذرا سی چینی ملتی ہے ایک دن حلوہ بناؤ تو پندرہ دن چائے نہیں ملتی مجھے اور رحمت کے ابا کو حلوہ بڑا ہی پسند ہے۔ مگر کیا کریں۔" بی بی صاحبہ نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔

"بہتر ہے۔ میں کوشش کروں گی۔ تو ان لوگوں سے بہت گہرے تعلقات تھے آپ کے؟"

"ہاں۔ اگر پورے دنوں سے نہ ہوتی تو رحمت کے ابا سے چھپ چھپا کر ایک چکر اسپتال کا ضرور لگا آتی۔"

"لیکن میں نے سُنا ہے امینہ کے لچھن کچھ اچھے نہیں تھے گھر میں اس بات پر جھگڑا بھی ہوتا رہتا تھا۔"

"اے ستیا ناس ہو ان اُڑانے والوں کا۔ میرے آگے بچی نہیں ہے مگر خدا لگتی کہتی ہوں جس نے کہا ہے جھوٹ کہا ہے۔ خدا ان کے آگے لائے۔" بیگم صاحبہ جذباتی ہوگئیں۔

"تو گویا آپ کے خیال میں یہ افواہ غلط ہے؟"

"ہاں بہن۔ ایک دو نہیں دس گیارہ سال سے دیکھ رہی ہوں میری آنکھوں کے سامنے جوان ہوئی ہے۔" بیگم صاحبہ نے کہا اور اس بات سے مجھے دلچسپی محسوس ہوئی۔ بہرحال دو ہزار وقت میں نے ان خاتون سے امینہ کا خاندانی پس منظر اور کچھ حالات اگلوائے لیکن ان میں کوئی کام کی بات نہیں ملی تھی۔ جب میں وہاں سے چلی تو میرے سر میں شدید درد ہو رہا تھا۔ خاتون بقول ان کے پورے دنوں سے تھیں اس لیے اس کے بعد انہوں نے چائے کے لیے بھی نہیں پوچھا۔ ہاں چلتے ہوئے انہوں نے ایک بار پھر یاددہانی کرائی۔

"اے اخبار والی بہن تجھے خدا کا واسطہ میرے دو کام ضرور کر دیجیو۔ ایک تو روس اور امریکا کو مت لڑنے دیجیو۔ دوسرے چینی دوبارا ٹھیلوں پر بکوا دیجیو بہت دن ہوگئے حلوہ کھائے ہوئے۔" اور میں ان دونوں باتوں کا پکا وعدہ کرکے نکل آئی۔

احمد کو تو پولیس نے امینہ کے قتل کے الزام میں گرفتار کرلیا۔ لیکن اس کی ماں کا کیا ہوا؟ وہ کیوں نہیں گھر پہنچی؟ میں ڈرائیونگ کرتے ہوئے سوچنے لگی اور پھر میرا رُخ اسپتال کی طرف ہوگیا۔ اس اسپتال کی طرف جہاں امینہ کا پوسٹ مارٹم ہوا تھا۔ اسپتال کی خوبصورت عمارت کے پورٹیکو میں، میں نے کار روکی تو سامنے ہی انسپکٹر سلطان نظر آیا جو ایک ڈاکٹر سے گفتگو کر رہا تھا۔ اس طرح آمنا سامنا ہوا تھا کہ میں اس سے نگاہیں نہیں چرا سکی تھی۔ سلطان مجھے دیکھ کر چونک پڑا۔ اس نے ڈاکٹر سے کچھ کہا اور ڈاکٹر جلدی سے واپس چلا گیا۔ سلطان مسکراتا ہوا میری طرف بڑھا۔

"ہیلو عالیہ۔ بھئی تم سے ملاقات بھی بس مقدر میں لکھی ہوئی ہے کتنا ہی بچنے کی کوشش کی جائے کہیں نہ کہیں ٹکرا ہی جاتی ہو۔" وہ مسکراتا ہوا بولا۔

"گیلری کافی کشادہ ہے میرا خیال ہے تم بہ آسانی یہاں سے گزر سکتے ہو۔" میں نے کہا۔

"اچھی رہی۔ اُلٹا چور کوتوال کو ڈانٹے۔ یعنی ناراض مجھے ہونا چاہیے تھا۔ الٹا آپ ناراض ہو رہی ہیں۔ کسی خاص کام سے آئی ہو؟"

"ہاں آئی تو خاص کام سے ہی تھی۔"

"کیا کام تھا؟"

"تمہیں بتانا ضروری ہے؟"

"ہرگز نہیں۔ مقصد یہ تھا کہ اگر جلدی نہ ہو تو آؤ سامنے والے ہوٹل میں میری طرف سے ایک چائے ہو جائے۔"

"ٹھیک ہے ظاہر ہے جس کام سے میں یہاں آئی تھی اس کے رستے مسدود کرنے کے لیے پہلے سے تم یہاں موجود ہو اور ان حالات میں اس کا ہونا مشکل ہے اس لیے اب یہاں رُکنا بے مقصد ہوگا۔ آؤ چلیں۔"

سلطان مسکراتا ہوا میرے ساتھ چل پڑا۔ چند سیکنڈ کے بعد ہم پُرسکون ریستوران کی ایک میز پر جا بیٹھے۔ سلطان نے مسکراتی ہوئی نگاہوں سے مجھے دیکھا اور بولا: "عالیہ میرا خیال ہے جب سے ہماری شناسائی ہوئی ہے، ہمارے درمیان کوئی تلخی نہیں ہوئی۔ لیکن یہ دو دن، ہمارے درمیان ایک دیوار سی کھڑی کر گئے ہیں۔ کیا میرا خیال درست ہے؟"

"بالکل درست ہے مسٹر سلطان۔"

"وجہ جان سکتا ہوں؟"

"انجان بننے کی کوشش کیوں کر رہے ہو؟" میں نے اسے تلخ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"چلو اگر میں کوشش کر بھی رہا ہوں تو تم دوست کی حیثیت سے

سے یہ بات برداشت کرلو اور مجھے بتاؤ۔"

"امینہ کے قتل کے کیس میں تمہارا کردار کافی مشکوک ہے سلطان! اور میں محسوس کر رہی ہوں کہ تم اس سلسلے میں کافی محنت کر رہے ہو۔"

"تمہارے خیال میں، میں نے امینہ کو قتل کیا ہے؟"

"ہرگز نہیں لیکن تم قاتل کی معاونت ضرور کر رہے ہو۔" میں نے صاف گوئی سے کہا۔

"کیا تم قانون کے محافظ سے اس کی توقع رکھتی ہو؟"

"دُکھ تو یہی ہے سلطان۔ قانون عوام کا آخری سہارا ہوتا ہے قانون ہی بے بس انسانوں کی آخری ڈھال ہوتا ہے۔ میں اس قابلِ احترام نام کے ساتھ ہر بے کردار انسان کے وجود سے نفرت کرتی ہوں۔ میں مجرم اور قانون کو ہمیشہ ایک دوسرے کا مخالف ہی دیکھنا چاہتی ہوں۔"

"خوب خوب۔ بڑی جذباتی تقریر کرلیتی ہو۔" سلطان نے اس تلخی کو برداشت کرلیا۔

"جذبات کا تو انسانی زندگی سے گہرا رشتہ ہے سلطان۔ جذبات ہی تو ہمیں اشرف بناتے ہیں ورنہ ہم خود کو انسان کیوں کہیں۔"

"ہو سکے تو اپنے ذہن سے یہ غلط فہمی نکال دو۔"

"کون سی غلط فہمی؟"

"یہی کہ امینہ کے قتل میں میرا کوئی ہاتھ ہے۔"

"یہ بات میں نے ایک بار بھی نہیں کہی۔ ہاں تم نے اس سلسلے میں قاتل کی پوری پوری معاونت کی ہے۔ مجھے معاف کرنا سلطان، تم اگر چاہتے تو اس لڑکی کی دادرسی کرکے اس کی جان بچا سکتے تھے۔ لیکن میرے ذہن میں جو خاکہ ہے، کہو تو اس کی تفصیل سناؤں؟"

"مجھے فرحت ہوگی۔" سلطان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"مسٹر سلطان۔ بارش کی اس شام، امینہ تمہارے پاس آئی اور اس نے تمہیں اپنی تباہی کی داستان سُنائی۔ لیکن اس داستان میں اس نے کسی ایسی شخصیت کا ذکر کیا کہ تم بے بس ہو گئے اور تم نے اس لڑکی کو پاگل قرار دے کر بھگا دیا لیکن اس کے ساتھ ہی تم نے مناسب سمجھا کہ اپنے دوستوں کو اس خطرناک بات کی اطلاع دے دو۔ لڑکی کسی دوسری جگہ بھی پہنچ سکتی تھی اور وہ تمہارے دوستوں کا نام لے سکتی تھی۔ چنانچہ تم نے سامنے والے ہوٹل سے فون کیا جس کا ثبوت مل چکا ہے۔ وہاں سے شاید یہی جواب ملا ہوگا کہ بس تم فکر نہ کرو سب ٹھیک ہو جائے گا۔ چنانچہ سب ٹھیک کرلیا گیا لیکن اتفاق سے درمیان میں، میں پہنچ گئی اور سلطان صاحب! آپ نے صرف میری توجہ ہٹانے کے لیے مسٹر مظفر علی کا وہ فائل مجھے پیش کر دیا جس کی ایک جھلک بھی آپ نے اس سے قبل مجھے نہیں دکھائی تھی پھر جب میں وہاں سے نکل آئی تو آپ کے ذہن میں تشویش پیدا ہوئی اور لاش کے پاس میرے فوراً بعد آپ پہنچ گئے۔ بات یہیں پر ختم نہیں ہوئی۔ اس بدنصیب خاندان کی بے بسی سے فائدہ اٹھانے کے لیے پوری پوری کوشش کی گئی ہے۔ احمد اور اس کی ماں کو یہ کہہ کر اغوا کیا گیا کہ ان کی بیٹی اسپتال میں ہے اور وہ بے چارے گھر سے نکل آئے۔ تب احمد پر الزام لگایا گیا تاکہ کیس بالکل ہی ختم ہو جائے۔ سلطان صاحب! مجھے بتایئے احمد کی ماں کہاں ہے؟" میری آواز میں کوئی ایسی بات تھی کہ سلطان پریشان ہوگیا۔ ایک لمحے کے لیے اس کے چہرے کا رنگ پھیکا پڑ گیا تھا لیکن اس نے دوسرے لمحے خود کو سنبھال لیا۔ اب اس کے ہونٹوں کی مسکراہٹ غائب ہوگئی تھی۔

"عالیہ تم صحافی ہو۔ ہمارے اور تمہارے درمیان تعلقات برقرار رہنے چاہئیں۔ ان الزامات کے بعد کیا تم اس کی توقع رکھ سکتی ہو؟"

"نہیں سلطان۔ لیکن میں جو کچھ کہہ رہی ہوں اس پر مجھے یقین کامل ہے۔ میں نے حسبِ وعدہ ابھی تک اس بارے میں کچھ نہیں لکھا۔ لیکن میں ایک عمدہ فیچر تیار کرنے پر غور کر رہی ہوں۔"

"گویا اب تم ہم غریب پولیس والوں کو بلیک میل کرو گی۔" سلطان طنزیہ انداز میں بولا۔

"یہی سمجھ لو۔ ہر قیمت پر امینہ کے قاتل کو منظرِ عام پر لانا ہوگا۔ مجھے جواب دو سلطان! اس کی ماں کہاں ہے؟"

"چائے پیو بی بی۔ بے شک تم نے بڑی دوڑ دھوپ کی ہے لیکن انسان بعض اوقات خود اپنی ذہانت سے شکست کھا جاتا ہے۔ چائے پی کر گھر جاؤ آرام کرو اور ہاں مجھے اجازت دو۔ میں تمہارے لیے نیک جذبات رکھتا ہوں ورنہ تمہاری اس تلخ گفتگو کو برداشت نہ کر پاتا۔" سلطان نے جیب سے بل کی رقم نکال کر میز پر رکھ دی اور اٹھ گیا۔

میرے ہونٹوں پر تلخ مسکراہٹ پھیل گئی۔ سلطان واپسی کے لیے مڑ گیا۔ "امینہ کی پوسٹ مارٹم رپورٹ میں یہ بات درج نہیں کی گئی کہ اس کی آبروریزی کی گئی ہے لیکن میں نے اس کا ثبوت حاصل کرلیا ہے۔" میں نے کہا اور سلطان کے قدم رُک گئے۔

اس دوران میں بھی کرسی چھوڑ چکی تھی۔ وہ سُرخ چہرہ لیے پلٹا اور مجھے گھورنے لگا۔ "کل دن بھر گھر پر ملوں گی۔ اگر ملاقات کرنا ہو تو..." میں نے کہا اور تیزی سے قدم بڑھا دیے۔

سلطان اپنی جگہ کھڑا رہ گیا تھا۔ اس دوران میں باہر آگئی۔

اور برق رفتاری سے اپنی کار کے نزدیک پہنچ گئی۔ پھر جب میں کار اسٹارٹ کر کے باہر آئی تو سلطان ہوٹل کے گیٹ پر کھڑا مجھے گھور رہا تھا۔ سلطان سے گفتگو کے بعد میں نے مصمم فیصلہ کر لیا کہ اب ان واقعات کو منظرِ عام پر لے آؤں تاکہ آگے بڑھنے کے راستے نکل آئیں اور ذہنوں سے یہ غلط فہمیاں دُور ہو جائیں کہ اخباری رپورٹر بے بس ہے اور اس کے ہاتھوں کی پہنچ محدود ہے۔

فلیٹ پہنچ کر میں نے صباحت صاحب کو فون کیا اور انہیں اطلاع دی کہ کل کے اخبار میں امینہ کے قتل کے سلسلے میں ایک خصوصی رپورٹ شائع کرنی ہے وہ اس کے لیے تیاریاں مکمل کر لیں۔

"بڑا اچھا فیصلہ کیا تم نے۔ مجھے اس کا لے آؤٹ بھیج دو یا میں خود آ جاؤں۔" صباحت صاحب بولے۔

"آپ کسی کو میرے پاس بھیج دیں۔ میں لے آؤٹ بھیج دیتی ہوں۔ شام کو پانچ بجے سارا میٹر پہنچ جائے گا۔" میں نے جواب دیا اور پھر اپنے کام کرنے کے کمرے میں جا گھسی۔ مس میری سے میں نے کہہ دیا تھا کہ کوئی بھی آئے، اسے میرے پاس نہ لائے۔ ہاں صباحت صاحب کے آدمی کو ضرور بُلا لیا جائے اور مس میری گردن ہلا کر چلی گئی۔ میں نے اپنے ذہن میں فیچر کے بارے میں خاکہ تیار کیا۔ ان تصاویر کا انتخاب کیا جو اس میں لگانی تھیں اور پھر پنسل سے اس خاکے کو کاغذ پر منتقل کر کے ایک طرف رکھ دیا۔ اس کے بعد میں اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔ میں نے نہایت محنت سے اپنا مضمون تیار کیا۔ پھر شام تک اس میں مصروف رہی۔ اس دوران صباحت صاحب کا آدمی وہ خاکہ لے گیا تھا۔ شام کو پانچ بجے صباحت صاحب خود پہنچ گئے۔ اس وقت تک میں اپنے کام سے فارغ ہو گئی تھی۔ میں نے صباحت رضوی کو خوش آمدید کہا اور مضمون معہ تصاویر کے انہیں پیش کر دیا۔ صباحت صاحب غور سے اسے پڑھنے لگے۔ ان کے چہرے پر تشویش کے آثار تھے۔ پھر انہوں نے مضمون ختم کر کے گہری نگاہوں سے مجھے دیکھا۔

"کافی سخت ہے۔"

"ہاں مجھے اندازہ ہے لیکن میرے اخبار کی یہی پالیسی ہے صباحت صاحب! میں سنسنی خیز سُرخیاں لگا کر صرف اخبار بیچنے کی خواہش مند نہیں رہی ہوں بلکہ میں نے ہمیشہ حقائق کا گہرا تجزیہ کر کے انہیں من و عن پیش کیا ہے۔"

"یوں ہم دشمنی خرید لیں گے۔" صباحت صاحب بولے۔

"دوستوں کے درمیان زندگی تو آسان لوگ گزارتے ہیں دشمنوں کے بغیر جینے میں کیا خاک مزا ہے اور پھر ہم تو سچ کے حمایتی ہیں۔ کیا آپ کے خیال میں حقیقتوں سے آنکھیں بند کر کے بیٹھ جانا اچھی بات ہے۔ صباحت صاحب! براہِ کرم جلدی سے جا کر اس کی کتابت وغیرہ کرا لیں۔ سرخیاں اور تصاویر اسی طرح آئیں گی۔"

"آپ کاپی چیک کریں گی؟" صباحت صاحب نے پوچھا۔

"ضروری نہیں ہے۔ بس اس میں ردّ و بدل نہ ہو۔" میں نے جواب دیا اور صباحت صاحب مضمون لے کر چلے گئے۔ میں مطمئن اور پُرسکون تھی۔ رات اطمینان سے گزاری۔ دوسرے دن صبح میرا اخبار میرے سامنے پہنچ گیا۔ میں نے اس دوران امینہ کے قتل کے سلسلے میں چشم پوشی کی ساری کسر پُوری کر دی تھی اور فرنٹ پیج پر آدھے اخبار میں دوسری چھوٹی چھوٹی سُرخیاں تھیں۔ ڈبل لیڈ لگائی گئی تھی۔ دوسری لیڈ یوں تھی۔

"امینہ کا قتل اہلِ دل کے لیے ایک چیلنج ہے۔"

اس کے بعد مقتولہ کی ایک نمایاں تصویر تھی جس میں وہ کچلی ہُوئی پڑی تھی۔ پھر لکھا تھا۔

"آسمان پر جب بھورے بادلوں کے غول سرگشت پر نکلتے ہیں اور ہوائیں ان کی نمی سے متاثر ہو کر اہلِ زمین کے دلوں میں اُمنگیں جگاتی ہیں تو زمین پر بسنے والے مختلف کیفیات کا شکار ہو جاتے ہیں۔ شاعر آرزو کرتا ہے کہ ابرِ کرم اتنا برسے کہ اس کے محبوب کو واپسی کے لیے سواری ہی نہ ملے۔ ادیب اپنی محبوبہ کے بھیگے بدن اور اس کے گالوں پر بہتے ہُوئے پانی کے قطرات سمیٹنے لگتا ہے۔ صاحبِ ذوق شراب و کباب کی محفل سجا لیتے ہیں کہ ان کے خیال میں آسمان سے برس رہی ہے۔ ان سے چھوٹے لوگ گرم گرم کافی کی بھاپ سے مست ہو جاتے ہیں اور ان سے بھی چھوٹے کسی ٹپکتے ہُوئے چھپّر کے نیچے بیڑی کے کش لے کر ہی خود کو مطمئن کر لیتے ہیں لیکن ذہنی مسائل کی خلاء ہے اور ابرِ کرم بعض انسانوں کے لیے سوہانِ رُوح بھی بن جاتا ہے اور بعض کے لیے موت کا پیغامبر بھی۔ یہ موت کہیں بجلی کے ٹوٹے ہُوئے تار کے کرنٹ سے واقع ہوتی ہے کہیں کھلے ہُوئے گٹر میں گر کر، جن پر پانی بہہ رہا ہوتا ہے اور جو پانی میں چھپے ہوتے ہیں، کہیں کسی بوسیدہ چھت کے بیٹھ جانے سے۔

لیکن افسوس، بارش کی اس حسین شام میں امینہ قتل کر دی گئی۔ اسے بجلی کے کرنٹ نے نہیں، کھلے ہُوئے گٹر نے نہیں، کسی بوسیدہ چھت نے نہیں بلکہ انسانی ہاتھوں نے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ انہوں نے ابرِ کرم کی رحمتوں سے بھیگی ہوئی سنسان سڑک پر امینہ کو کچل کر ہلاک کر دیا اور یہ قتل ایک جانے بُوجھے منصوبے کے

تحت کیا گیا۔ امینہ کوئی سیاسی یا سماجی حیثیت نہیں رکھتی تھی۔ معمولی سے مکان میں اپنی ماں اور زیرِ تعلیم بھائی کی کفیل ایک غریب لڑکی تھی لیکن یہی غریب لڑکی کسی کی ہوس کی بھینٹ چڑھ کر جب اس ہوس پرست کے لیے خطرہ بن گئی تو اس کی جنبشِ ابرو پر امینہ کی زندگی چھین لی گئی۔ بدنصیب امینہ کو اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ اس ہوس پرست کا راز لے کر نکل تو بھاگی ہے لیکن اس کی زندگی چند لمحات کی مہمان ہے۔ چنانچہ اس نے ایک حفاظت گاہ کا رُخ کیا اس نے سماجی محافظ کے حضور پہنچ کر اپنی زندگی کو لاحق خطرے سے آگاہ کیا لیکن شاید وہ محافظ بھی ابر زدہ تھا اس کے سامنے جس شخصیت کا تذکرہ کیا اس نے اسے ابر زدہ کے بجائے خوفزدہ کر دیا چنانچہ اس نے لڑکی کو اس حفاظت گاہ سے نکال دیا اور اسے موت کے بے رحم سایوں کے حوالے کر دیا جنہوں نے امینہ کی زندگی کو خود میں ضم کر لیا اور امینہ پر کیے گئے ظلم و ستم کی داستان قبر میں دفن ہو گئی۔ ہم قانون کے محافظوں پر کوئی الزام تراشی نہیں کرتے لیکن چند بنیادی سوالات ہیں جن کی جواب دہی مشکوک اذہان کو مطمئن کر سکتی ہے۔

۱۔ بارش میں بھیگتی ہُوئی ایک نوجوان لڑکی اگر کسی قانون کے محافظ کے پاس جا کر فریاد کرے کہ اس پر ظلم ہُوا ہے اور اس کی زندگی خطرے میں ہے تو کیا محافظ کے سینے میں اس کا فرض نہیں جاگنا چاہیے؟ کیا یہ اس پر لازم نہیں کہ وہ لڑکی کی دادرسی کرے اور اسے بحفاظت اس کے گھر تک پہنچانے کا بندوبست کرے؟ کیا ایسی لڑکی کے لیے قانونی تحفظ ضروری نہیں تھا؟

۲۔ امینہ کے قتل کے سلسلے میں اس کے بھائی احمد کو گرفتار کیا گیا ہے اور اس پر بدچلنی کا الزام لگایا گیا ہے۔ پولیس اگر اس کی بدچلنی کا ثبوت پیش کرے اور اعلیٰ حکام اس سلسلے میں کسی جانبداری کے امکان کو نظر انداز نہ کریں۔ اہلِ محلہ اور دوسرے افراد کو مکمل قانونی تحفظ دیا جائے اور ان سے درخواست کی جائے کہ وہ امینہ کے کردار کے بارے میں اپنی رائے کا کُھل کر اظہار کریں۔

۳۔ اہلِ محلہ کے بیان کے مطابق امینہ ایک شریف الطبع لڑکی تھی اور روزانہ کہیں ملازمت کرنے جاتی تھی متعلقہ حکام معلوم کریں کہ وہ کہاں ملازمت کرتی تھی۔ یہ بات اس کی ماں اور بھائی بآسانی بتا سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ حکام ان دونوں افراد کی زندگی کے تحفظ کا بندوبست کریں کیوں کہ وہ جنہوں نے خود کو چھپانے کے لیے امینہ کو قتل کیا ہے۔ امینہ سے متعلق ہر ثبوت کو ضائع کرنے کی کوشش کریں گے۔

۴۔ واقعات کی تفتیش دیانت دار افسروں کے سُپرد کی جائے اور ان پر پُوری نگاہ رکھی جائے۔ امینہ کے بھائی احمد کے بیان پر خاص طور سے توجہ دی جائے اور اس بارے میں چند باتوں کو خاص طور ملحوظ خاطر رکھا جائے۔ مثلاً یہ کہ کیا کسی بدچلن بہن کے قتل کے لیے احمد جیسا سیدھا سادا کمسن نوجوان اتنی گہری پلاننگ کر سکتا ہے؟ کیا امینہ کو کسی سڑک پر ہلاک کرنے کی کوشش اور وہ اس وقت جب وہ قانونی تحفظ کے حصول میں ناکام ہو کر واپس آ رہی تھی۔ احمد جیسے معمولی نوجوان کی کوشش قرار دی جا سکتی ہے جو ابھی خود طالب علم ہے اور بہن کی کفالت پر گزارا کر کے اپنا مستقبل تعمیر کر رہا ہے۔ امینہ کی ماں اپنے بیٹے کے بارے میں بہتر طور سے بتا سکتی ہے، بشرطیکہ وہ اس قابل رہے۔

۵۔ امینہ کی پوسٹ مارٹم رپورٹ خاص طور سے قابلِ توجہ ہے۔ اعلیٰ حکام اس رپورٹ کے حصول کے بعد مناسب رائے قائم کر سکتے ہیں۔ اگر ضرورت پیش آئے تو امینہ کی لاش دوبارہ نکلوا کر اس کی رپورٹ حاصل کی جائے۔ اس ضمن میں یہ بات خاص طور سے قابلِ توجہ ہے کہ قانونی اصولوں کی خلاف ورزی کرتے ہُوئے مقتولہ کو اس کے ورثا کی تلاش کے بغیر پولیس نے چند گھنٹوں کے اندر اندر اس کی لاش دفنا دی تھی۔ کیا لاش کو سرد خانے میں رکھ کر مقتولہ کے ورثا کو تلاش نہیں کیا جا سکتا تھا؟

یہ چند معمولی نکتے ہیں لیکن عوام کے اذہان کو مطمئن کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ان پر توجہ دی جائے تاکہ اہلِ زر اپنی درندہ صفت کارروائیوں کے بعد بھی محفوظ رہ کر من مانی نہ کر سکیں۔ ہمیں یقین ہے کہ ان انکشافات کی روشنی میں مظلومہ مقتولہ امینہ کے قتل کی تفتیش کو نئے سرے سے جاری کیا جائے تاکہ ہر خاص و عام کے ذہن میں اپنے جانی و مالی تحفظ کا یقین پیدا ہو اور امینہ جیسی بے بس لڑکیاں کونوں کھدروں میں مُنہ نہ چھپاتی پھریں اور بے شمار گھرانے فاقہ کشی کا شکار ہو کر زندگی سے محروم رہ جائیں۔"

میں نے اخبار تہہ کر کے رکھ دیا۔ احمق نہیں تھی، جانتی تھی کہ بارود کے ڈھیر میں چنگاری ڈال ہے اور نتیجے میں جو دھماکے ہوں گے معمولی نہ ہوں گے۔ چنانچہ میں نے مس میری سے کہا۔

"مس میری، ہمیں کچھ دنوں کے لیے فلیٹ چھوڑنا ہوگا۔"

"کیوں بی بی؟" مس میری نے تعجب سے پُوچھا۔

"بس معاملات ایسے ہی ہو گئے ہیں۔ تم ضروری سامان پیک کر لو۔ میری وہ تمام چیزیں ایک سوٹ کیس میں رکھ لو جن کے بارے میں تم جانتی ہو کہ میرے لیے ازحد ضروری ہیں۔"

"لیکن بی بی . . ؟"

"مس قیصری۔ براہِ کرم سوالات سے گریز کرو۔ جاؤ جو میں کہہ رہی ہوں کر لو۔" اور مس قیصری گردن جھکا کر چلی گئی۔ میں فون کے نزدیک بیٹھ کر انتظار کرنے لگا اور میرا خیال غلط نہیں ثابت ہُوا۔ میرے پاس فون آنے شروع ہو گئے تھے۔

. . . . چند اخبارات کے دفاتر سے، میرے جاننے والوں کے اور کچھ دوسرے لوگوں کے جو کسی نہ کسی طور پر میرے گھر کے فون نمبر سے واقف تھے۔ لیکن چوتھے نمبر پر مجھے ایک اہم فون ملا۔

"عالیہ" کسی نے مجھے بے تکلفی سے مخاطب کیا اور میں آواز فوراً پہچان گئی۔

"انکل" میں نے جواب دیا۔

"کس وقت مل سکتی ہو؟"

"جب حکم دیں انکل"

"شام کو سات بجے۔ نمبر تین پر۔ لیکن تمہیں تعاقب وغیرہ کا خود خیال رکھنا ہوگا۔ میرا خیال ہے بہت سی نگاہیں تمہاری نگراں ہوں گی۔"

"مجھے اندازہ ہے انکل" میں نے جواب دیا۔

"خدا حافظ۔" فون بند ہو گیا اور مجھے ایک گونہ سکون محسوس ہوا۔ جانے کیوں اس فون کے بعد اس سارے معاملے میں تنہائی کا احساس ختم ہو گیا تھا۔ مجھے ایک بڑے ساتھی کی توجہ مل گئی تھی۔ میں جانتی تھی کہ میدانِ عمل میں آنے کے بعد مجھے انکل شہریار کی ضرورت ہوگی۔ مجھے اپنی پُشت پر کسی تحفظ کی بھی ضرورت تھی۔

انکل شہریار ملک کی بہت بڑی شخصیت تھے۔ محکمۂ امورِ خصوصی کے سربراہ جن کا تعلق ملک کے ہر شعبے سے تھا۔ مسلح افواج سے لے کر سارے شہری اور خارجی محکموں میں ان کے اختیارات تھے اور وطن پر جب بھی کوئی آنچ آتی انکل شہریار کی مصروفیات شروع ہو جاتی تھیں۔ یوں کہا جائے کہ وہ وطن کے لیے ایک خفیہ محکمہ کی حیثیت رکھتے تھے۔ میرے والد صغیر بھایانی کے گہرے دوستوں میں سے تھے اور مجھے بیٹی کی طرح چاہتے تھے۔ اس ملک میں آنے کے بعد میں کافی دن تک اپنی تعمیر میں لگی رہی۔ اسے میری خود سری کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ میں نے انکل شہریار کو بھی یہ بات نہیں بتائی تھی کہ میں اخبار کی پروپرائٹر ہوں۔ بس وہ کسی اخباری رپورٹر کی حیثیت کو میری منزل ہی قرار دیتے اور کئی بار وہ مجھ سے پوچھ چکے تھے کہ آخر میرا مستقبل کیا ہے۔ تب ایک بار میں نے انکل شہریار کو اپنا مقصد بتایا۔

"انکل مجھے یقین ہے کہ آپ مجھے نام و نمود کی خواہش مند ایک لڑکی قرار نہیں دیں گے۔"

"کبھی نہیں دوں گا۔ کیونکہ اگر ایسی بات ہوتی تو تم صرف ایک اخبار کی رپورٹر نہ ہوتیں۔"

"شکریہ انکل۔ آپ کے علم میں ہے کہ غیر ممالک میں رہ کر میں نے کیا سیکھا ہے؟"

"تمہیں تفصیل بتاؤں؟" انکل مسکراتے ہوئے بولے۔

"مجھے خوشی ہوگی۔"

"صحافت کی اعلیٰ ترین سند کے علاوہ مارشل آرٹس میں ڈی۔ ایس ہو اور جگن کلب کی اعلیٰ تربیت یافتہ بھی ہو۔ ایک مرتبہ ایک ملک کے لیے بھی کام کر چکی ہو جس کے نتیجے میں تمہارے پاس وہاں کی اعزازی شہریت ہے۔ اس کے علاوہ کیا عرض کروں؟"

"انکل آپ تو۔ آپ کو یہ سب . . ."

"اوہ نہیں عالیہ۔ اس میں میری کوئی رُوحانی قوت کارفرما نہیں ہے۔ صغیر اکثر تمہارے بارے میں گفتگو کرتے تھے۔ بہرحال بیٹی یہاں جو کچھ بھی شروع کرو اس میں، میں تمہارا معاون رہوں گا۔ کوئی اُلجھن پیش آئے تو ذرا بھی فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں ہے لیکن کوئی مقصد تو پیشِ نگاہ ہوگا تمہارے؟"

"بس انکل اس بات کی خواہش مند ہوں کہ میرے وطن کے بدنما داغ مٹ جائیں۔ میں سیاسی بنیاد پر نہیں معاشرتی بنیاد پر اپنے وطن کی چھوٹی چھوٹی بُرائیوں کو دور کرنے کی خواہش مند ہوں۔ اور اس سلسلے میں خاص اصولوں پر کام کرنا چاہتی ہوں۔"

"اچھا جذبہ ہے۔ لیکن میرے چند مشورے ہیں اگر مناسب سمجھو تو پیش کروں؟"

"جی انکل۔"

"کچھ روز پُرسکون رہو۔ مستقبل میں جو رُخ اختیار کرو پہلے اس کا جائزہ لو اور جب حالات سازگار محسوس کرو۔ اس سلسلے میں قدم اٹھاؤ۔"

"نہایت قیمتی مشورہ ہے۔ میں ایسا ہی کروں گی۔" اور اس کے بعد انکل شہریار سے میری کئی ملاقاتیں ہوئیں۔ صحافتی زندگی کی اطلاع انہیں ملی۔ میرے آرٹیکل اور رپورٹوں کو وہ بے حد پسند کرتے تھے۔ اور کئی مرتبہ انہوں نے مجھے فون کر کے مبارکباد دی تھی اس طرح انکل شہریار میرے لیے بڑی ڈھال تھے۔ ان کی حسین کوٹھی شہر کے ایک پُرفضا مقام پر تھی۔ اس کے علاوہ ان کی علاقائی برانچیں تھیں جن کے بارے میں انہوں نے مجھے تفصیلات بتا رکھی تھیں۔ پوائنٹ نمبر تین بھی ایک خوبصورت عمارت تھی جہاں انکل نے مجھے بلایا تھا۔

فون بند کرنے کے بعد، میں دیر تک ان حالات کے بارے میں سوچتی رہی۔ بہت عرصہ گزر چکا ہے اب مجھے میدانِ عمل میں آ ہی جانا چاہیے اور پھر میدان نے مجھے خود ہی دعوت دی ہے چنانچہ میں نے اس دعوت کو قبول کر لیا۔

گیارہ بجے دن، صباحت صاحب کا فون ملا۔ "ابتدا ہو گئی ہے محترمہ۔" انہوں نے کہا۔

"اسپیشل برانچ کا فون موصول ہوا ہے۔ محکمۂ اطلاعات و نشریات سے بھی کوائف طلب کیے گئے ہیں۔"

"آپ نے کیا جواب دیا؟" میں نے پوچھا۔

"میں نے کہا ہے کہ بہت جلد تفصیلات فراہم کر دی جائیں گی۔"

"اگر آپ سے دوبارہ رابطہ قائم کیا جائے تو کہیں کہ اخبار پر مقدمہ قائم کر لیا جائے ہم عدالت میں جواب دہی کریں گے۔"

"اوکے۔" صباحت صاحب نے پُراعتماد لہجے میں کہا اور میں فون بند کر کے مُسکرانے لگی۔ مجھے صرف ایک شخص کا انتظار تھا۔ اور ٹھیک ایک بجے وہ بھی آ گیا۔ یہ سُلطان تھا۔ جس کا چہرہ تپتی ہی خشک ہو رہا تھا۔ مس قیصری نے دروازہ کھولا تو وہ شتر بے مہار کی مانند اندر گھسا چلا آیا۔ میں نے مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھا تھا۔

"ہیلو سلطان۔"

"اپنی اوقات سے بڑھ کر جسارت کی ہے تم نے عالیہ میں نے ہمیشہ تمہیں دوستانہ انداز میں خوش آمدید کہا تھا۔ لیکن اب تمہیں میری دشمنی کے لیے تیار ہو جانا چاہیے۔"

"بہتر ہے سُلطان پہلے سے مطلع کر دینے کا شکریہ۔" میں نے پُرسکون لہجے میں کہا۔

"میں جان سکتا ہوں کہ تم نے اس دشمنی کی ابتدا کیوں کی ہے؟"

"مظلوم امینہ کی حمایت میں جسے تمہارے تعاون سے قتل کر دیا گیا۔"

"احمقوں کی جنت میں ہو۔ میں صرف پولیس انسپکٹر ہوں میرا دائرۂ کار محدود ہے۔ اس سلسلے میں تمہیں بڑے بڑے لوگوں سے نمٹنا ہوگا۔"

". . . اب بھی کام کی بات کی گنجائش ہے۔ تم اگر چاہو تو سودے بازی کر سکتے ہو۔" میں نے جواب دیا۔

"تم سے؟" اس نے حقارت سے کہا۔

"ہاں سُلطان مجھ سے۔"

"خوش فہمیوں سے نکل آؤ عالیہ اس وقت تم بھی وہاں موجود تھیں جب پولیس نے پہلی بار لاش دیکھی تھی کیا یہ ممکن نہیں کہ حادثہ تمہاری ہی گاڑی سے ہوا ہو؟" سُلطان نے کہا اور میں ہنس پڑی۔

"بہت زیادہ پریشان ہو سلطان۔ ایسی احمقانہ گفتگو کی توقع میں تم سے نہیں کر سکتی تھی۔"

"کیا مطلب؟"

"بیٹھو تو سہی۔ کیا ہو گئے؟ ہاں میرے اس نرم انداز سے کسی غلط فہمی کا شکار مت ہو جانا۔ دشمن ہی سہی میرے گھر آئے ہو اور پریشان بھی ہو مجھے تم پر ترس آ رہا ہے۔"

"میں۔ میں تمہیں گولی مار سکتا ہوں۔" سُلطان طیش میں آ گیا اور میرے بھی تیور بدل گئے۔ میں نے اسے سرد نگاہوں سے دیکھا۔

"مردوں کی سی ایک بات بھی نہیں ہے تمہارے اندر سُلطان اور اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ تمہارا ضمیر مجرم ہے۔ عمل کرنے والے صرف دھمکیاں نہیں دیتے عمل کرتے ہیں۔ . . . . چلو تمہیں بتاؤں سُلطان اگر تم ایسی کوشش کر سکتے ہو تو ضرور کرو لیکن اس کے نتیجے میں تم اپنے قدموں سے واپس نہیں جا سکتے اور میں خود تمہیں کسی اسپتال پہنچا دوں گی۔ سمجھے۔"

غصے کے مارے سُلطان کا بُرا حال تھا۔ پھر غصے کی انتہا نے اسے نڈھال کر دیا۔ سمجھدار آدمی تھا اس لیے اس نے اپنے جذبات کو ٹھنڈا رکھنے کی کوشش کی اور ایک صوفے میں دھنس گیا دیر تک خاموشی طاری رہی۔ میں نے مس قیصری کو آواز دے کر کولڈ ڈرنک منگوایا۔ سلطان میرے حصے کی کولڈ ڈرنک بھی پی گیا تھا۔ میرے ہونٹوں پر پھر مُسکراہٹ پھیل گئی اور میں اسے دلچسپی سے دیکھتی رہی۔

"تم۔ تم آخر کس بل پر اتنے بڑے اقدامات کر رہی ہو۔ تمہارا لہجہ اتنا ٹھوس کیوں ہے؟ کیا صرف اس اخبار پر؟ زندگی اس سے کہیں زیادہ قیمتی ہے عالیہ۔ زندگی کو یوں گنوا دینا زندگی کے ساتھ انصاف نہیں ہے۔" تھوڑی دیر بعد اس نے کہا۔

"پھر وہی دھمکیاں۔ میں کہتی ہوں سُلطان ان دھمکیوں سے گریز کرو۔ یہ تمہارے حق میں بہتر نہیں ہیں۔"

"میں سچ کہہ رہا ہوں عالیہ۔ تمہیں میری بات کے وزن کا اندازہ بہت جلد ہو جائے گا۔ آخر تم کس طرح یہ بات ثابت کرو گی کہ وہ میرے پاس تھانے آئی تھی اور میں اس بات سے واقف تھا۔"

"میں نے کسی خیال پر یہ بات کہی بلکہ لکھی ہے سُلطان۔"

"تم وہ بنیاد نہیں بتاؤ گی؟"

"سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہاں عدالت میں، میں اپنی معلومات کا بخوشی پیش کروں گی۔ بات براہِ راست تم تک پہنچتی ہے اس لیے تم فوری طور

پر پولیس کی طرف سے اخبار پر مقدمہ دائر کر دو۔"

"یہ بھی ہو جائے گا اور اس سے پہلے اور بھی بہت کچھ لیکن یقین کرو اس بہت کچھ میں میرا ہاتھ نہیں ہوگا۔"

"پھر کس کا ہوگا عزیز دوست یا دشمن؟" میں نے پوچھا اور سلطان حیرت سے مجھے دیکھنے لگا۔ پھر گردن ہلا کر بولا۔

"تم خود سمجھ گئی ہو گی مجھے کیا!"

"کیا تمہارے ساتھی۔ تمہارے کرم فرما تمہارا تحفظ نہیں کریں گے سلطان؟" میں نے سوال کیا۔

"میری طرف سے فکرمند نہ ہو۔ میں قطعی محفوظ ہوں۔"

"تب پریشانی کس بات کی ہے۔ لیکن ہاں ایک الجھن تمہارے لیے بھی پیش آئے گی۔ تمہارے کرم فرما تم سے ان غلطیوں کی باز پرس ضرور کریں گے۔ تمہیں اس بات کی سزا ضرور دیں گے کہ تم نے ذہانت سے کام کیوں نہیں کیا اور یہ اس وقت ہوگا جب میں انہیں عدالت ہی میں بے نقاب کر دوں گی۔"

سلطان کا چہرہ ایک بار پھر سُت گیا۔ وہ سخت ذہنی ہیجان کا شکار نظر آ رہا تھا۔ پھر اس نے کہا۔ "ٹھیک ہے جو ہوگا دیکھا جائے گا۔"

"اس کے علاوہ بھی کچھ ہو سکتا ہے۔" میں نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیا؟"

"تم اپنی وفاداریوں کا رُخ سچائی کی طرف موڑ دو۔ باطل کے بجائے حق کا ساتھ دو۔ میں تم سے تعاون کروں گی۔ احمد کی گردن اس پھندے سے نکال دو۔ یہ کام تم کر سکتے ہو۔ مجھے اس کی ماں کے بارے میں بتاؤ۔ وہ کہاں ہے؟ اور سلطان مجھے امینہ کے قاتلوں کے بارے میں بھی بتاؤ۔" میں نے کہا اور سلطان کھڑا ہو گیا۔

"اب میں اتنا مجبور بھی نہیں ہوں جتنا تم سمجھ رہی ہو۔ میں چلتا ہوں اور دوبارہ تم سے نہیں ملوں گا۔"

"خدا حافظ۔" میں نے پُرسکون لہجے میں کہا اور سلطان چلا گیا۔

اس فیچر کی اشاعت کے بعد مجھے سب سے زیادہ سلطان ہی کا انتظار تھا۔ میں اس کا ردِعمل دیکھنا چاہتی تھی جو کچھ ہو رہا تھا میری توقع کے مطابق ہی تھا۔

بہرحال میں ذہنی طور پر ہلکی ہو گئی۔ انکل شہریار سے ملاقات کا پروگرام طے تھا۔ میں ان سے مل کر اور بھی چند مسائل طے کرنا چاہتی تھی۔ چنانچہ وقت مقررہ پر میں فلیٹ سے نیچے اتر آئی۔ چند ضروری چیزیں میں نے ساتھ لے لی تھیں۔ ان چیزوں کا فلیٹ پر چھوڑنا مناسب نہیں تھا۔ میری اسپورٹس تقریباً ایک گھنٹے تک سڑکوں پر بے مقصد چکراتی رہی اور پھر جب مجھے مکمل طور پر یقین ہو گیا کہ میرا تعاقب نہیں کیا جا رہا تو میں نے انکل شہریار کے گھر کا رُخ کیا۔ پرانے طرز کی ایک خوبصورت عمارت تھی جو شہر کے ایک بارونق علاقے میں واقع تھی تھوڑی دیر کے بعد اسپورٹس اس عمارت میں داخل ہو گئی۔

سرونٹس کوارٹرز آباد تھے۔ البتہ اصل عمارت میں کوئی نہیں رہتا تھا۔ یہ عمارت انکل شہریار نے اپنے خصوصی مقاصد کے لیے ریزرو کر رکھی تھی۔ پورٹیکو میں ایک چھوٹی ڈاٹسن کھڑی ہوئی تھی جس کے قریب ہی میں نے اپنی اسپورٹس پارک کر دی اور پھر اتر کر اندر چلی گئی۔ عمارت میں داخل ہونے سے قبل میں نے آخری حفاظتی امور کو بھی نظر انداز نہیں کیا تھا۔

جوں ہی میں صدر دروازے سے گزر کر ہال میں داخل ہوئی۔ دراز قامت اور کسرتی بدن کا نوجوان جس کے جسم پر ایک عمدہ تراش کا سوٹ تھا دونوں طرف سے اوپر جاتے ہوئے زینوں میں سے ایک زینے سے اُترتا نظر آیا۔ نیچے پہنچ کر اس نے اپنی بھوری اور تیز آنکھوں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

"یقیناً آپ مس عالیہ صغیر ہیں۔ مسٹر شہریار اوپر آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔" وہ پُراخلاق انداز میں میرے سامنے سے ہٹ گیا۔ میں اس کا شکریہ ادا کر کے اوپری زینوں کی طرف چل پڑی پھر ایک کمرے کا دروازہ کھول کر اندر چلی گئی۔

قیمتی سامانِ آرائش سے آراستہ کمرے میں ایک صوفے پر انکل شہریار موجود تھے۔ ان کے بدن پر گہرے نیلے رنگ کا سوٹ تھا۔ بے داغ کالر پر سُرخ ٹائی لگی ہوئی تھی اور ہونٹوں میں ان کا مخصوص موٹا سا سگار دبا ہوا تھا۔ انکل شہریار درمیانی عمر کے ایک وجیہہ شخص تھے۔ سُرخ و سفید چہرہ اور انتہائی کشادہ پیشانی ان کی شخصیت میں چار چاند لگاتی تھی۔ پتلے اور بھنچے ہوئے ہونٹوں پر ایک خود اعتمادی مسرت کھیلتی رہتی تھی۔

انہوں نے پُرمحبت انداز میں میرا استقبال کیا اور نرم الفاظ میں اپنے بائیں طرف پڑے ہوئے صوفے پر بیٹھنے کا ارشاد کیا۔ میں شکریہ ادا کر کے بیٹھ گئی۔

"تکلفات میں سے کچھ ہو جائے کیا پیو گی؟"

"بات اگر تکلفات سے نکل کر ہو تو زیادہ بہتر ہے انکل اور میں کہوں گی کہ اس وقت کسی شے کی خواہش نہیں ہے۔"

"اس عمارت کے ملازم پہلے ہی کافی حرام خور ہیں۔ تم انہیں اور شہ دے رہی ہو۔ میرا خیال ہے کہ اہم گفتگو کے دوران کافی ایک سہارا ہوتی ہے۔ میں نے بھی تمہارے انتظار میں نہیں پی ہے۔"

"تب ضرور پیوں گی۔" میں نے مسکرا کر جواب دیا اور انکل شہریار نے قریب ہی موجود انٹرکام کا سوئچ دبایا اور کسی کو کافی لانے کا حکم دے کر سوئچ بند کر لیا۔ پھر وہ مسکراتی نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگے۔

"بڑا دلچسپ اور حیرت انگیز فیچر چھاپا ہے تم نے۔"

"جی انکل۔ میں ان حالات سے بہت متاثر ہوں۔ دو روز تک برداشت کرتی رہی بالآخر پھٹ پڑی، مجبوری تھی۔"

"تمہارے بارے میں میری معلومات محدود نہیں ہیں۔ میں جانتا ہوں تم نے بھڑوں کے چھتے میں یوں ہی ہاتھ نہ ڈال دیا ہوگا؟"

"واقعات حقائق پر مبنی ہیں انکل لیکن میں ابھی مضبوط نہیں ہوں" میں نے جواب دیا۔

"اس کی فکر مت کرو۔ مجھے تفصیل بتاؤ۔ قانون کے جس محافظ کی طرف تم نے اشارہ کیا ہے وہ کون ہے؟"

"ایک تھانہ انچارج سلطان۔"

"تمہیں اس قدر تفصیلات کیسے معلوم ہوئیں؟"

"بارش کی اس شام کو میں اتفاق سے اس تھانے میں داخل ہو گئی تھی۔ اخباری رپورٹر کی حیثیت سے سلطان سے میری شناسائی ہے وہ مظلوم لڑکی میرے سامنے وہاں موجود تھی۔ اس نے میرے پہنچنے سے کچھ دیر قبل بھی انچارج سے کہا تھا کہ اس پر ظلم ہوا ہے۔ اس کی زندگی خطرے میں ہے لیکن انچارج نے اس پر توجہ نہیں دی تھی اور اسے نکال دیا تھا۔ بارش کی وجہ سے لڑکی نہ جا سکی پھر ایک بار اس نے میری موجودگی میں بھی یہی درخواست کی اور انچارج نے اسے پاگل قرار دے کر دوبارہ نکال دیا۔ اس کے بعد جب میں پولیس اسٹیشن سے واپس ہوئی تو راستے میں اس کی لاش نظر آئی۔"

"ہوں۔ لیکن انچارج کی یہ بے توجہی اتفاقیہ بھی ہو سکتی ہے۔ بس یوں ہی سمجھو، کام سے جی چرانے کی کوشش۔"

"نہیں انکل جس وقت میں لاش کے قریب کھڑی ہوئی تھی عین اسی وقت پولیس کی جیپ وہاں پہنچی جبکہ اس سے قبل سلطان کی کسی بات سے یہ نہیں ظاہر ہوا تھا کہ وہ کہیں جانے کا ارادہ رکھتا ہے بلکہ اس نے مجھے مزید بیٹھنے کی پیشکش کی تھی اور اس دوران مجھے باتوں میں بھی الجھائے رکھنا چاہا تھا۔ میں محسوس کر رہی تھی انکل کہ وہ میری توجہ لڑکی کی طرف سے ہٹانا چاہتا ہے اور جب میں وہاں سے چلی تب بھی وہ مشتبہ تھا لیکن جیسے اس نے میرا تعاقب کرنا چاہا ہو۔ بس چند منٹ صرف ہوئے تھے جو جیپ نکالنے اور چند کانسٹیبلوں کو ساتھ لینے کا وقفہ ہو سکتا ہے"

"ہوں۔ اس کا مطلب ہے کہ تم پُریقین ہو۔ اس کے علاوہ اور کچھ؟"

"جی ہاں! لڑکی اس وقت پولیس اسٹیشن میں موجود تھی جب سلطان تھانے سے نکل کر سامنے والے ریستوران میں گیا اور اس نے وہاں سے کسی کو فون کیا۔ کوئی عام کال وہ تھانے سے بھی کر سکتا تھا۔"

"خوب!" انکل شہریار نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اس کے بعد سلطان نے مجھ سے ملاقات کی۔ وہ ذہنی طور پر منتشر تھا۔ اس نے کہا کہ وہ لڑکی کی تھانے میں موجودگی کسی طور قبول نہیں کرے گا لیکن اس کے یہ الفاظ میرے پاس ریکارڈ ہیں۔ اس کے بعد بھی میری اس سے ایک تلخ ملاقات ہے۔ اگر آپ واقعات کا تجزیہ کریں، تو معاملات مکمل کر سامنے آتے جاتے ہیں۔ اگر لڑکی میرے سامنے نہ آ جاتی تو اس کی موت کو ایک اتفاقی حادثہ قرار دے دیا جاتا۔ ٹریفک کا ایک معمولی سا حادثہ! لیکن صرف ایک چشم دید گواہ کی وجہ سے اسے قتل کا حادثہ قرار دیا گیا اور اس جرم میں ایک بے گناہ نوجوان کو پھانس لیا گیا۔ محض اس کی وجہ سے کہ وہ ماں بیٹے مل کر واقعات کی نشاندہی نہ کر سکیں۔ تمام کڑیاں ایک دوسرے سے مل رہی ہیں انکل۔ امینہ کی ماں بھی اپنے گھر واپس نہیں پہنچی۔ آخر وہ کہاں گئی؟"

"میں سمجھ رہا ہوں۔ کوئی بااثر شخصیت ہے جسے چھپانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ بہرحال میں تمہیں قطعاً نہیں روکوں گا لیکن میرا خیال ہے کہ تم نے قبل از وقت کام شروع کیا ہے۔"

"قبل از وقت؟" میں نے سوالیہ انداز میں انکل شہریار کو دیکھا۔

"ہاں تمہارے ذہن میں تو بہت کچھ ہے لیکن مقامی ماحول کے مطابق تم نے تیاریاں نہیں کی ہیں۔" انکل شہریار نے کہا اور میں متعجب رہ گئی۔ میں نے خود کبھی یہ بات انکل سے نہیں کہی تھی۔ وہ کسی سوچ میں گم تھے۔ پھر انہوں نے کہا۔ "بہرحال پورا اسٹاف آج کل ایک خصوصی دورے کی تیاریوں میں مصروف ہے۔ میں اسے خصوصی مشقیں کرا رہا ہوں۔ ممکن ہے ہمیں اسرائیل جانا پڑے لیکن اس میں وقت لگے گا۔ تم اگر چاہو تو میں تمہیں چند آدمی فراہم کر سکتا ہوں۔"

"لیکن انکل، میں نے تو کبھی یہ بات آپ سے نہیں کہی۔ آپ نے یہ اندازہ کس طرح قائم کیا؟"

جواب میں انکل شہریار کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"اس بات کو تم سے بہتر اور کون جان سکتا ہے عالیہ بیٹے بہت سی وجوہ ہیں۔ اول تو تم صغیر کی بیٹی ہو اور صغیر میرے سینے میں ایک قیمتی یاد کی... حیثیت سے محفوظ تھا۔ دوسری بات یہ کہ ملکی امور پر گہری نگاہ ضروری ہے۔ حکومت مجھے خفیہ آنکھ اور خفیہ ہاتھ کا درجہ دیتی ہے اور... عوام کی نیندیں میری موجودگی کی وجہ سے پُرسکون ہیں۔ اس طرح میرا باخبر رہنا ضروری ہے۔ میں جانتا ہوں کہ ممالک غیر میں تم

نے اعلا ترین تربیت صرف اس لیے نہیں لی کہ اپنے وطن میں آکر صرف ایک اخبار نکال کر بیٹھ جاؤ۔ اس کے پس پردہ جو مقصد کارفرما ہے وہ میرے علم میں ہے۔ تم اپنی صلاحیتوں کو اپنے وطن کے لیے وقف کرنا چاہتی ہو۔ اس کا بنیادی ثبوت یہ ہے کہ تم ایک بڑے اخبار کی مالک ہوتے ہوئے خود ایک معمولی رپورٹر کی زندگی گزار رہی ہو۔"

انکل شہریار کی اس بات نے مجھے چونکا دیا۔ "میں نے تو اپنے اس راز کی بہت حفاظت کی تھی لیکن انکل ..." میں انہیں دیکھتی رہی پھر میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"آپ پر اتنی بڑی انتظامی ذمّے داری یونہی نہیں ڈالی گئی ہوگی۔ میں قائل ہوگئی ہوں اور آپ سے قطعی یہ سوال نہیں کروں گی کہ آپ کو یہ معلومات کہاں سے حاصل ہوئیں۔"

"ہاں! یہ سوال بے مقصد ہوگا۔ تمہارا راز میرے سینے میں دفن بلکہ ہمیشہ دفن رہے گا۔ بہرحال میں اندازہ لگا چکا ہوں کہ معاملہ کسی "بڑے" کا ہے تم یہ بتاؤ میں تمہاری کیا مدد کروں؟"

"آپ کو اخبار کی حفاظت کرنی ہوں گی انکل۔"

"کوئی نوٹس ملا ہے؟"

"جی ہاں۔"

"بے فکر رہو اور کچھ؟"

"فی الوقت بس اتنا کافی ہے۔ اگر ضرورت پیش آئی تو مزید تکلیف دوں گی۔ ویسے یہ عمارت سرکاری ہے انکل؟"

"قطعی نہیں، خالص ذاتی۔ تم جب اور جس وقت چاہو اسے استعمال کرسکتی ہو۔"

"ممکن ہے اس کی ضرورت پیش آجائے۔ دراصل مجھے اپنی ملازمہ مس میری کی فکر ہے جو ایک شریف خاتون ہے۔"

"اسے یہاں منتقل کردو۔"

"شکریہ انکل، ایک سوال اور کروں گی۔"

"وہ کیا ہے؟"

"کیا ہمارے ملک میں کوئی ایسا وجود بھی ہے جو دو حصّوں میں ہو یعنی ایک انسان کے دو بدن جو علیحدہ علیحدہ بھی ہوں اور درمیان سے جڑے ہوئے بھی ہوں؟"

"کیا مطلب؟" انکل شہریار نے تعجب سے پوچھا۔

"ہاں انکل۔ اس بنیاد پر سلطان نے اس معصوم لڑکی کو پاگل قرار دینے کی کوشش کی تھی۔"

"براہ کرم تفصیل سے بتاؤ۔"

"وہ سلطان سے کہہ رہی تھی، سَر، خدا کے لیے رحم کریں وہ بیحد خونخوار شخص تھا۔ سَر دُنیا میں کسی نے ایسی عجیب و غریب، ایسی خوفناک شخصیت نہ دیکھی ہوگی۔ وہ دونوں ساتھ ساتھ کھڑے تھے لیکن پھر میں نے انہیں بیک وقت آگے بڑھتے ہوئے دیکھا۔ وہ دونوں درمیان سے جڑے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک کے چہرے پر معصومیت تھی اور دوسرا۔ سَر نہ جانے وہ ایک تھے یا دو:"

"یہ اس لڑکی کے الفاظ ہیں۔ ممکن ہے اُس کا واسطہ ایسے کسی انسان سے پڑا ہو۔" میں نے کہا۔ انکل شہریار گہری سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے۔ کافی دیر تک وہ خیالات میں کھوئے رہے پھر بولے۔

"آج تک میں نے ایسی کسی شخصیت کے بارے میں نہیں سُنا اور پھر اپنے ملک میں ہی نہیں باہر کے ممالک میں بھی کسی ایسی شخصیت کا تذکرہ سُننے میں نہیں آیا۔ یُوں بھی طبّی نقطۂ نگاہ سے یہ تصوّر غلط ہے۔ جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے ایسے بچے ساری دُنیا میں پیدا ہوتے ہیں لیکن دو صُورتیں ہوتی ہیں یا تو اُنہیں آپریشن کرکے ایک دُوسرے سے جُدا کردیا جاتا ہے اور اگر کسی طبّی اُلجھن کی بِنا پر یہ ممکن نہ ہوسکے تو پھر اُن کی موت یقینی ہے۔ میرے خیال میں ایسے دو جُڑے ہوئے بچّوں کی نشوونما ناممکن ہے۔"

"تب یہ کوئی گہرا کھیل ہوسکتا ہے انکل۔"

"ہاں ممکن ہے۔ اِنسان سے بڑا عجوبہ رُوئے زمین پر کوئی اور نہیں ہے۔ مُمکن ہے کسی تفریح پسند نے یہ ڈھونگ رچایا ہو۔ بہرحال یہ بنیادی بات نہیں ہے۔ صورتِ حال دُوسری ہی ہے۔ بتاؤ اب تمہارا کیا ارادہ ہے؟"

"بس کام کروں گی انکل۔"

"میں تمہیں ایک خطرے سے آگاہ کردینا چاہتا ہُوں۔"

"وہ کیا انکل؟" میں نے مُسکرا کر پوچھا۔

"تمہاری زندگی کو بھی کوئی خطرہ پیش آسکتا ہے۔"

"میں نے موت سے کھیلنا سیکھا ہے انکل۔ یہ بات آپ بہتر طور سے جانتے ہیں۔" میں نے مُسکراتے ہوئے کہا اور انکل شہریار بھی مُسکرانے لگے۔

"میرے اسٹاف میں لڑکیاں نہ ہونے کے برابر ہیں۔ چند ایڈونچر پسند غیرملکی لڑکیاں میرے لیے کام کرتی ہیں لیکن اہم ذمّے داریاں میں انہیں نہیں سونپ سکتا۔ کاش تم جیسی لڑکی میرے اسٹاف میں شامل ہوتی لیکن میں جانتا ہوں تمہارے راستے دُوسرے ہیں

"لیکن انکل ملک کی سلامتی کے تمام راستے ایک ہی ہوتے ہیں اگر کبھی آپ میری ضرورت محسوس کریں تو مجھے طلب کریں۔ وطن کی خدمت کے لیے میں دِل و جان سے حاضر ہُوں۔"

"تم نے بہت بڑی پیشکش کی ہے عالیہ! کیا میں اِسے ذہن میں رکھوں؟" انکل شہریار نے پُوچھا۔

"کسی بھی موقعے پر آپ مجھے وطن کے خدمت گار کی حیثیت سے خُود سے دُور نہیں پائیں گے۔"

"میں اِس جذبے کی دِل سے قدر کرتا ہُوں اور تمہاری اِس بات پر تمہارا شکریہ ادا نہیں کروں گا کیُوں کہ جذبے وطن کا قرض ہوتے ہیں۔ بہرحال جس وقت بھی کسی سلسلے میں تمہیں میری مدد کی ضرورت ہو میں حاضر ہُوں۔"

"شکریہ انکل۔ اب مجھے اجازت؟"

"بہتر ہے۔ ویسے میں وقتاً فوقتاً تم سے رابطہ قائم رکھوں گا۔" انکل شہریار نے کہا اور میں رُخصت کے لیے اُٹھ کھڑی ہُوئی۔ چند ساعت کے بعد میری کار قدیم طرز کی اُس خوش نما عمارت سے نِکل آئی۔

انکل شہریار سے مُلاقات کے بعد میرے وجُود میں اطمینان کی ایک لہر دوڑ گئی تھی۔ ملک کی ایک انتہائی صاحبِ امتیاز شخصیت میری مددگار تھی اور میرے موقف سے واقف تھی۔ میں انکل شہریار کے اختیارات سے واقف تھی۔ ملکی، داخلی اور خارجی امور میں وہ کسی بھی وقت دخل انداز ہوسکتے تھے اور اُنہیں وجوہ بتانے کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ وہ براہِ راست صدرِ مملکت کو جواب دِہ تھے اور ایسی کسی شخصیت کا وجُود میرے لیے تقویت کا باعث تھا۔ لیکن اپنے بقیہ کام میں خُود کرنا چاہتی تھی ورنہ پھر کام کرنے کا لُطف ہی کیا۔ اس وقت بھی اگر انکل شہریار خود مجھے دعوت نہ دیتے تو میں اِن مسائل سے خُود ہی نمٹنے کی کوشش کرتی لیکن اِس حد تک سہارا قابلِ قبول تھا۔

دُوسرے روز کے اخبار کے لیے میں نے کارروائی مکمل کرلی تھی۔ آج میں نے صباحت صاحب سے اداریہ لکھوایا تھا جو خاصا تلخ تھا۔ اُس میں اربابِ اقتدار سے اپیل کی گئی تھی کہ مظلوم امینہ کے خُون کا حساب لیا جائے اور اُس کے بے گناہ بھائی کو موت کے چنگل سے چھڑایا جائے۔ اداریے میں یہ بھی لکھا گیا تھا کہ امینہ کی ماں کی نِشان دہی کی جائے۔ یہ اداریہ بھی بھرپُور تھا۔ سارا دِن دفتر میں فون موصُول ہوتے رہے اور اُس وقت میں صباحت صاحب کے پاس ہی بیٹھی ہُوئی تھی۔ جب ایک خصُوصی فون کال موصُول ہُوئی

"ہیلو۔" صباحت صاحب نے کہا۔

"چیف ایڈیٹر سے بات کراؤ۔"

"میں ہی بول رہا ہُوں۔"

"کیا چاہتے ہو؟" بھاری آواز میں پُوچھا گیا تھا۔

"کون صاحب ہیں آپ؟"

"روٹیوں کا ذریعہ کھونے کے خواہش مند ہو یا زندگی سے اُکتا گئے ہو؟" بھاری آواز میں کہا گیا۔

"خُوب۔ خاصی خُوب صورت آواز ہے آپ کی۔ تعارف نہیں ہوسکا۔"

"امینہ کے قتل کے بارے میں اداریہ تم نے لکھا ہے؟"

"غلام نے ہی یہ جسارت کی ہے۔"

"اخبار سے ملنے والی تنخواہ سے پُورا نہیں پڑتا ہے تو دُوسری بات کرو لیکن کل سے اِس سلسلے میں خاموشی اختیار کرلو۔"

"حُکم کی تعمیل ہوگی لیکن ..." صباحت صاحب معنی خیز انداز میں خاموش ہوگئے۔ وہ میری طرف دیکھ کر مُسکرا رہے تھے۔

"دس ہزار رُوپے تمہیں پہنچا دیے جائیں گے۔"

"شکریہ جناب! لیکن افراد زیادہ ہیں۔" صباحت صاحب نے کہا۔

"فی الحال اِس پر گزارہ کرلو۔ اِس سے زیادہ نہیں دیے جاسکتے۔"

"جو حُکم... لیکن یہ رقم کب مِل جائے گی؟"

"بہت جلد لیکن اِس کے بعد کوئی وارننگ نہیں ملے گی۔"

فُون بند ہوگیا اور صباحت صاحب میری طرف دیکھ کر مُسکرانے لگے۔

"اِس کا مطلب ہے اثر ہو رہا ہے لیکن یہ آواز؟ یہ آواز کہیں سُنی ہے عالیہ۔ بولنے کا یہ مخصُوص انداز۔ مجھے ذہن پر زور دینا پڑے گا۔" صباحت صاحب نے پُرخیال انداز میں کہا۔ میں خاموشی سے اُن کی صُورت دیکھتی رہی۔ پھر اُنھوں نے گردن جھٹکتے ہُوئے کہا۔ "بہرحال اِس وقت نہیں یاد آرہا لیکن میں یاد کرلُوں گا۔ ویسے میری اِس گفتگو کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟"

"نہایت تسلّی بخش۔ میں جانتی ہُوں۔ اِس طرح آپ رابطے کے خواہش مند ہیں۔" میں نے جواب دیا۔ صباحت صاحب کی نیک فطرت سے میں بخُوبی واقف تھی۔ صباحت صاحب کے چہرے پر ایک جذباتی کیفیت نمُودار ہُوئی اور پھر وہ ایک گہری سانس لے کر بولے۔

"اِس کے باوجُود عالیہ۔ ضرُوری ہے کہ تم اپنی حفاظت کا بندوبست کرلو۔ ظاہر ہے ہم سچّائی کا راستہ نہیں چھوڑ سکتے اور

ہمیں بہرحال ایسے لوگوں سے واسطہ پڑے گا اور پڑتا رہے گا۔ مجھے اپنی پروا نہیں ہے لیکن تمہارے بارے میں پریشان ہوں۔"

"آپ میری فکر نہ کریں مباحت صاحب۔ ویسے کل کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"جیسا تم کہو۔ میں خوف زدہ نہیں ہوا۔ بوڑھا ہو چکا ہوں۔ اب تو یوں بھی زندگی سے کوئی خاص دلچسپی نہیں ہے اور پھر بی بی! میری تو ساری زندگی ہی اِن ہنگاموں میں گزری ہے۔"

"مجھے آپ کے تجربات کا سہارا درکار رہے مباحت صاحب جہاں تک اس قسم کے لوگوں کا تعلق ہے، تو اس سلسلے میں کچھ کہنا بھی اپنی توہین سمجھتی ہوں۔"

"میری ایک رائے ہے۔"

"جی فرمایئے۔"

"کل خاموشی اختیار کی جائے۔ اُس وقت تک خاموشی اختیار کی جائے جب تک رقم ہمیں نہ مل جائے۔ اِس رقم کے حصول کے بعد پھر کوئی قدم اُٹھائیں گے۔ کیا خیال ہے؟"

"ہاں... لیکن انتظار کے لیے ایک وقت کا تعین ضروری ہے۔"

"بس تین روز۔"

"ٹھیک ہے۔ اِس کے بعد آیندہ کے لیے راستوں کا انتخاب کر لیا جائے گا۔"

"لیکن بی بی۔ اِس دوران یہ سوچ کر مطمئن نہیں ہوا جا سکتا کہ اب بات بن گئی۔ ہمیں ہر خطرے کو ذہن میں رکھنا ہوگا۔" مباحت صاحب نے کہا اور میں مسکرا دی۔ میں مباحت صاحب کو کیا بتاتی کہ میں بیرونی ممالک میں جو کچھ سیکھ رہی تھی، اِس کا مقصد کیا ہے۔ میں تو ایک مشن لے کر اپنے وطن لوٹی تھی۔ میں تو بہت کچھ کرنے کے ارادے ساتھ لائی تھی۔ یہ دوسری بات ہے کہ مجھے وقت سے کچھ پہلے اِس کے لیے مجبور کر دیا گیا لیکن اِس کے لیے میں اُن لوگوں کی شکر گزار تھی اور اب مجھے وہ سارا سامان نکال لینا تھا جو میں نے آنے والے وقت کے لیے محفوظ رکھا تھا۔

دفتر سے واپسی پر میں کئی جگہ ہوتی ہوئی گھر پہنچی تھی۔ میں نے کچھ مخصوص جگہوں سے اپنی امانتیں وصول کی تھیں جو اب تک میرے لیے کارآمد نہ تھیں لیکن اب اُن کے استعمال کا وقت آگیا تھا۔ فی الحال یہ فلیٹ ہی میری رہائش گاہ تھا اور میں اِسے چھوڑ نہیں سکتی تھی۔ البتہ... بوڑھی مس میری کے لیے میں نے بندوبست کر دیا تھا لیکن اب اُسے بھی منتقل کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔

شام کو تقریباً سات بجے تک میں فلیٹ میں مصروف رہی۔ بوڑھی مس میری میرے ساتھ ہی مصروف تھی لیکن اُس نے میرا یہ روپ پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ میں نے الیکٹرک وائرنگ کھول کر اُس میں تبدیلیاں کی تھیں۔ کئی تار قالین کے نیچے بچھائے گئے تھے۔ داخلی دروازے سے لے کر گزرگاہوں... حتیٰ کہ فرنیچر میں بھی خصوصی فٹنگ کی گئی تھی۔ الیکٹرک بورڈ میں چند نئی چیزیں نصب ہوئی تھیں۔ مس میری خاموشی سے یہ سب برداشت کرتی رہی تھی۔ یہاں تک کہ ہم دونوں بُری طرح تھک گئے۔

"بس میری۔ باقی کام کل ہوگا!"

"ابھی کل کا کام باقی ہے؟"

"ہاں۔"

"مگر میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آیا۔ تمہیں یہ نیا شوق اچانک کیوں پیدا ہو گیا؟" مس میری نے کہا اور میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"شوق تو بہت پرانا ہے مس میری۔ یُوں کہیں، دوبارہ ذہن میں جاگ اُٹھا ہے۔"

"لیکن اِس کا مقصد؟"

"جاننا ضروری ہے؟"

"تمہاری مرضی ہے۔" مس میری نے شانے اُچکاتے ہوئے کہا۔

"بس مس میری۔ اخباری رپورٹر کی زندگی میں دشمنوں کی تعداد زیادہ ہوتی ہے۔ اُن کے محفوظ رہنے کے لیے یہ ساری چیزیں ضروری ہیں۔"

"میری عقل ذرا موٹی ہے بی بی۔" مس میری نے کسی قدر تنک کر جواب دیا اور میں ہنس پڑی۔

"تجربہ کرو گی؟" میں نے پُوچھا۔

"رہنے دو۔ تمہارے معاملات تم بہتر جانتی ہو۔ یہ بتاؤ اِس وقت کھانے کا کیا بندوبست کروں؟"

"تھک گئی ہوں گی مس میری۔ یُوں کریں ٹیلی فون کر کے ہوٹل سے کھانا منگوا لیں۔" میں نے جواب دیا۔

"نہیں۔ میں پکاؤں گی۔"

"اُوں ہونہہ۔ تکلف کی کیا ضرورت ہے۔ ٹھہرو میں فون کیے دیتی ہوں۔" میں نے کہا۔ پھر میں نے ہوٹل برائٹ اسپُون کو رِنگ کیا جو میرے فلیٹ سے نصف فرلانگ کے فاصلے پر تھا۔ دو آدمیوں کے ڈنر کے لیے کہہ کر میں نے فون بند کر دیا۔ مس میری مُنہ ہاتھ دھونے چلی گئی تھی... کچھ ہی دیر بعد واپس آ کر وہ میرے پاس ہی بیٹھ گئی۔ اِس دوران میں نے ٹیلی وژن کھول

لیا تھا۔ ایک انگریزی فلم چل رہی تھی۔ مس میری اُس فلم میں دلچسپی لینے لگی۔ اسے انگریزی فلمیں بہت پسند تھیں۔ اِس وقت فلم میں ایک لارڈ اپنی محبوبہ کے ساتھ گھڑ سواری کر رہا تھا کہ دفعتاً منظر بدل گیا۔ جب ٹیلی وژن کے اسکرین پر ایک ویٹر ہاتھوں میں ایک ٹرے لیے کھڑا تھا جو ڈھکی ہوئی تھی۔ پھر اُس نے ٹرے سنبھال کر گھنٹی بجائی اور دیوار میں بیل چیخ اُٹھی۔ مس میری کی پیشانی پر شکنیں پھیل گئیں۔ وہ فلم میں اِس منظر کی موجودگی پر غور کرنے لگی۔ بیرا مسلسل بیل بجا رہا تھا اور ہر بار دیوار پر لگی ہوئی گھنٹی چیخ اُٹھتی تھی۔

"شاید دروازے پر کوئی ہے مس میری؟" میں نے اسے چونکا دیا۔

"اپنے دروازے پر؟"

"ہاں۔ بیل نہیں سن رہیں؟"

"اوہ سوری۔ میں اِس ویٹر کی طرف متوجہ تھی۔" مس میری نے شرمندگی سے کہا اور پھر وہ کمرے سے نکل گئی۔ لیکن جب وہ اندر آئی تو اُس کی آنکھیں شدتِ حیرت سے پھٹی ہوئی تھیں۔ اُس کے ہاتھوں میں وہی ٹرے تھی جو ابھی اسکرین پر نظر آئی تھی۔ میں نے متحیرانہ انداز میں ٹیلی وژن کی طرف دیکھا لیکن اب لارڈ اپنی محبوبہ کو سہارا دے کر گھوڑے سے اُتار رہا تھا۔

"عالیہ بی بی۔ عالیہ بی بی۔ کیا آپ یقین کریں گی۔ خدا کی قسم یہ وہی ہے جو ابھی فلم میں نظر آئی تھی ویٹر بھی وہی تھا۔ آپ یقین کریں خود دیکھ لیں۔ میں اسے دروازے پر کھڑے رہنے کے لیے کہہ آئی ہوں۔"

"بل لایا ہے وہ؟" میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں۔ لیکن شاید تم نے میری بات پر یقین نہیں کیا۔ تم خود اسے ایک نظر دیکھ لو۔"

"میں نے یقین کر لیا ہے مس میری۔ جاؤ اسے برتن خالی کر کے دے دو اور بل بھی ادا کر دو۔" میں نے جواب دیا۔ مس میری نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا لیکن پھر خاموش ہو کر چلی گئی۔ ویٹر کو رخصت کر کے جب وہ واپس آئی تو میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "بہت سمجھنا مس میری کہ میں نے تمہاری بات نظر انداز کر دی۔ دراصل تم آئی کی مصروفیت کے بارے میں پوچھ رہی تھیں نا؟"

"کیا مطلب؟"

"آؤ میں بتاؤں۔ یہ دیکھو یہ کسٹرا تو اب دیکھ رہی ہو اس تار کا تعلق دروازے پر لگی بیل سے ہے۔ یہ تھا سا کیمرہ میں نے بیل بٹن کے ساتھ فٹ کیا ہے۔ میں [illegible] سکتی ہوں یہ کیمرہ کام شروع کر دیتا ہے اور بیل بجانے والے کا عکس ٹیلی وژن [illegible] جاتا ہے۔"

"خدا کی پناہ۔ یہ بات تھی؟"

"ہاں۔ اب اگر تم چاہو تو کسی بھی وقت جب بیل بجے تو ٹیلی وژن آن کر کے بیل بجانے والے کی شکل دیکھو تو۔" مس میری تعجب کرتی رہی۔ پھر ہم دونوں نے کھانا کھایا اور کھانے سے فارغ ہوئے زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ اچانک ٹیلی وژن پروگرام میں پھر گڑبڑ ہوئی اور اس کے ساتھ ہی بیل بھی بج گئی تھی۔ میں نے اور مس میری نے چونک کر دیکھا۔ اسکرین پر انسپکٹر سلطان نظر آ رہا تھا جو سادہ لباس میں تھا۔

اگر ہمیں اُس کے لباس کے نیچے کا جائزہ لینا ہو تو یہ دیکھو اِس تار سے منسلک یہ بٹن دبانے سے ہمیں اُس کے لباس میں پوشیدہ چیزیں نظر آ سکتی ہیں۔ مثلاً سگریٹ کا پیکٹ، لائٹر، اُس کا پرس اور یہ ریوالور اس کے بغلی ہولسٹر میں شکار رکھا ہے۔ اسکرین پر تمام چیزیں نمایاں ہوگئیں۔ بیل دوسری بار اور تیسری بار بج گئی تھی۔

"جاؤ۔ اسے ڈرائنگ روم میں بٹھاؤ۔" میں نے مس میری سے کہا اور وہ باہر چلی گئی تو میں نے لباس درست کیا۔ سُلطان کے پاس پستول موجود تھا اور وہ سادہ لباس میں تھا۔ اس کے ارادے خطرناک بھی ہو سکتے تھے اس لیے میں پورے بندوبست کے ساتھ ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی تھی ـــــ

"ہیلو سُلطان۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور اپنے مخصوص صوفے پر بیٹھ گئی۔ سلطان کا چہرہ اُترا ہوا تھا اور وہ کافی پریشان نظر آ رہا تھا۔ چند ساعت وہ خاموشی سے مجھے گھورتا رہا۔ پھر عجیب سے لہجے میں بولا۔

"کیا ہم دوستانہ ماحول میں گفتگو کر سکتے ہیں عالیہ؟"

"ہمارے درمیان کوئی ذاتی دشمنی نہیں ہے سلطان۔ رہی بات اُصولوں کی تو وہ الگ حیثیت رکھتی ہے۔"

"کیا میں اس قابل ہوں کہ تم میری باتوں پر یقین کر لو؟"

"بہت سنجیدہ ہو سُلطان۔ پریشان بھی نظر آتے ہو۔"

"ہاں عالیہ میں بہت پریشان ہوں۔"

"میں تمہاری مدد کرنے کی خواہش مند ہوں۔"

"مجھ سے غلطی ہو گئی عالیہ۔ مجھے ابتدا ہی میں تم سے تعاون کرنا چاہیے تھا۔ لیکن بس۔ مجھے اپنی حماقت کا احساس ہے۔"

"وہ ہنٹر تھا سلطان۔ میں جانتی ہوں کہ تم امینہ کے قاتل نہیں ہو لیکن یہ تمہیں بھی اندازہ نہ ہو کہ مجھے قتل کر دیا جائے گا۔ لیکن تم نے چشم پوشی ضرور کی تھی۔"

"اگر تم میرا مذاق نہیں اُڑا رہی ہو عالیہ تو خدا کی قسم یہ حقیقت ہے مجھے اِس بات کی اُمید نہیں تھی کہ اسے قتل کر دیا جائے گا۔ میں سمجھتا تھا کہ زیادہ سے زیادہ اغوا کر کے کچھ عرصہ قید رکھا جائے گا اور اس کے بعد وارننگ دے کر چھوڑ دیا جائے گا۔ میرے ذہن میں یہ بات اس لیے تھی کہ امینہ جیسی

لڑکیاں ان لوگوں کے لیے آتی بے حقیقت ہیں جیسے ہمارے پیروں میں رینگنے والی چیونٹیاں، وہ انہیں کوئی قابل نہیں سمجھتے کہ انہیں قتل کیا جائے۔"

"اوہ سلطان۔ تم کس شخصیت کا خاکہ ترتیب دے رہے ہو؟"

"ہاں عالیہ میں تھک گیا ہوں۔ شاید تم یقین نہ کرو۔ میں الیک لمحے کے لیے نہیں سو سکا۔"

"ضمیر جاگ گیا ہو گا اور جب انسان کا ضمیر جاگتا ہے تو اسے واقعی نیند نہیں آتی۔" میں نے جواب دیا اور سلطان کی گردن جھک گئی۔

"عالیہ میں تنا بھی بے نفس نہیں ہوں جتنا تم سمجھ رہی ہو۔ تم جانتی ہو میں اتنا بے اختیار بھی نہیں ہوں کہ کسی قسم کے حالات سے گھبراؤں لیکن یہ سب کچھ میرا ذہن قبول نہیں کر رہا۔"

"ہاں میں جانتی ہوں تم اس قدر بے اختیار نہیں ہو۔ خاص طور سے اس معاملے میں تو تمہیں بہت بڑی پشت پناہی حاصل ہے۔ پہلے تو تم یہ بتاؤ سلطان کہ تم میرے پاس کیوں آئے ہو؟"

"خدا کی قسم صرف ضمیر کا بوجھ ہلکا کرنے۔ اس سے زیادہ اگر تم نے کچھ سمجھا ہو تو یہ زیادتی ہو گی۔"

"اس سے بڑی کوئی بات ہو بھی نہیں سکتی سلطان دنیا کی سلسلے تو چلتے ہی رہتے ہیں۔ انسان سب سے زیادہ اپنی ذات کا مجرم ہوتا ہے اگر اپنی ذات مطمئن ہو جائے تو موت بھی کوئی حقیقت نہیں رکھتی بظاہر یہ باتیں کتابی اور جذباتی معلوم ہوں گی لیکن ان کا زندگی سے گہرا تعلق ہے اور کسی بھی بات کو صرف کتابی کہہ کر رد نہیں کیا جا سکتا۔" میں نے کہا۔

"تم نے پچھلے روز کے پیپر میں جو تفصیل لکھی ہے اسے چیلنج کر دیا گیا ہے کیا تم مجھے بتاؤ گی کہ تمہارے پاس اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ لڑکی میرے پاس آئی تھی؟"

"کیا یہ سوال میرے لیے مناسب ہے؟ کیا وقت سے پہلے تمہیں اس کا جواب دینا سود مند ہو گا میرے لیے؟"

"نہیں عالیہ۔ میں صرف اعتماد کے دروازے کھول رہا ہوں۔ میں تمہاری نگاہوں میں اپنا مقام تلاش کر رہا ہوں۔"

"میرے بارے میں تمہاری معلومات بہت مختصر ہیں سلطان۔ لیکن کوئی بات نہیں، جان جاؤ گے آہستہ آہستہ۔ حالانکہ تمہارے بغلی ہولسٹر میں پستول کی موجودگی تمہاری صاف نیتی کی دلیل نہیں ہے لیکن اس کے باوجود میں تم پر اعتبار کروں گی۔" میں نے پُرسکون لہجے میں کہا اور سلطان کا چہرہ پھر پھیکا پڑ گیا۔ چند ساعت وہ متحیرانہ نگاہوں سے مجھے دیکھتا رہا۔ پھر اس نے بغلی ہولسٹر سے پستول نکالا اور اسے میری طرف اچھال دیا۔

"میرا سروس ریوالور ہے۔ ہمیشہ پاس رکھتا ہوں۔ واپس جانے لگوں تو مجھے دے دینا۔" میں آہستہ سے ہنس پڑی۔ میں نے ریوالور کی طرف دیکھا بھی نہیں تھا۔

"تمہارا اعتراف ہے میرے پاس۔ میں نے تمہارا اعتراف ریکارڈ کر لیا ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"کب؟ کیسے؟" اس نے تعجب سے پوچھا۔

"سنا سکتی ہوں تمہیں۔ اس میں تم نے اعتراف کیا ہے کہ لڑکی تمہارے پاس آئی تھی لیکن میں کسی طور سے ثابت نہیں کر سکوں گی۔ تمہارے یہ الفاظ میرے پاس محفوظ ہیں۔"

"تمہیں اس کی ضرورت کیوں پیش آئی عالیہ؟" سلطان نے شکست خوردہ لہجے میں کہا۔

"اس لیے کہ میں اس مظلوم لڑکی کے قاتلوں سے انتقام لینا چاہتی ہوں اور تم میری رہنمائی کر سکتے ہو۔"

"ٹھیک ہے عالیہ۔ بس میں اسے تمہیں سُننا چاہتا۔ ظاہر ہے تم نے کسی بنیاد پر ہی یہ دعویٰ کیا ہو گا۔ بہرحال میں گردن گردن دلدل میں پھنس گیا ہوں۔ میں دونوں طرف سے گھیر لیا گیا ہوں۔"

"وہ کیسے سلطان؟"

"سنو عالیہ۔ بڑی مچھلی ہمیشہ چھوٹی مچھلی کو شکار کرتی ہے تم یہ سمجھتی ہو کہ میں سب کچھ جانتا ہوں گا؟ کوئی ثبوت نہیں پیش کر سکتا اس بات کا کہ میں سچ بول رہا ہوں۔ دل چاہے تو یقین کر لینا میں تمہارے سامنے صرف ضمیر کا بوجھ ہلکا کرنے آیا ہوں مجھے اس بات کی سزا دی جائے گی کہ میری وجہ سے ایک اخباری رپورٹر کو اس قدر بولنے کا موقع مل گیا۔ مجھے اس بات کی پوری پوری سزا ملے گی عالیہ کہ میری وجہ سے ان لوگوں کے لیے مشکلات پیدا ہوئیں۔ لیکن خیر، جو پڑے گی بھگتوں گا۔ میری بات غور سے سنو۔ میں نہیں جانتا کہ امینہ کس کا شکار ہوئی ہے۔ میں بھی اس پُراسرار شخصیت سے اسی طرح ناواقف ہوں جس کے بارے میں چند الفاظ امینہ نے کہے تھے جس طرح تم اور شاید سب۔ ہاں چند افراد کو اس کے حوالے ضرور دیے گئے ہیں اور کہا گیا ہے کہ جب اور جہاں اس کا تذکرہ آئے ایک مخصوص نمبر پر اس کی اطلاع دی جائے۔ تمہارا خیال درست ہے میں نے اس نمبر پر امینہ کے بارے میں اطلاع دی تھی۔ میں وہ نمبر تمہیں بتا سکتا ہوں کاش اسی طرح میرے سینے سے کچھ بوجھ اتر سکے۔" سلطان جذباتی ہو رہا تھا۔

"نمبر کیا ہے سلطان؟"

"ٹیلی فون کے ڈائل پر۔ زیرو سے شروع ہو کر سارے نمبر گھما دو یعنی زیرو، ناین، ایٹ، سیون، سکس اور اسی طرح ون تک۔

رابطہ قائم ہو جائے گا۔ اگر تم یہ معلوم کر سکتی ہو تو اس نمبر کے بارے میں معلوم کر لو یا پھر مجھے جھوٹا ثابت کر دو۔"

"خوب۔" میں نے گہری نگاہوں سے سلطان کو دیکھتے ہوئے کہا۔ سلطان کے انداز میں سچائی تھی۔ "احمد کو کیوں پھانسا گیا؟"

"تمہارا کیا خیال ہے۔ یہ کوشش بھی میں نے کی ہو گی نہیں مس عالیہ خدا کی قسم نہیں۔ یہ کام مجھ سے لیا گیا ہے۔ مجھے اس کی ہدایت ملی تھی۔ میں نہیں جانتا کہ احمد اور اس کی ماں کو اغوا کرنے والے کون تھے... البتہ احمد کو میں نے ہیڈ کوارٹر کے لاک اپ میں ضرور دیکھا۔ مجھے اس کی شناخت کرائی گئی تھی تاکہ ضرورت پڑنے پر میں اس کے خلاف گواہی دے سکوں۔"

"سلطان، احمد کی بوڑھی ماں کہاں ہے؟"

"ایم جی اسپتال کے کرہ نمبر اکیاون میں۔ لیکن یہ بات بھی خفیہ رکھی گئی ہے۔"

"اوہ۔ میں تمہاری شکر گزار ہوں۔ چند سوالات اور کر لوں؟"

"پوچھو۔ جو دل چاہے پوچھو۔ ممکن ہے یہاں سے جانے کے بعد مصلحت کے رنگ پھر میری ذات پر حاوی ہو جائیں۔"

"تمہیں یہ ہدایات کہاں سے ملتی ہیں؟"

"میں جانتا تھا کہ تم یہ سوال ضرور پوچھو گی۔ لیکن یقین کرو میں اس بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ ہاں مجھے ان ہدایات کے لیے صرف ایک آواز سنائی دیتی ہے اور جب بھی میں نے کبھی ان ہدایات کی خلاف ورزی کی اس کا خمیازہ بھگتنا پڑا۔ تم یقین کرو اب تک شاید میں ڈی ایس پی ہوتا۔ بس ایک بار میں نے اس آواز کی ہدایت پر عمل نہیں کیا تھا۔ مجھے بتا دیا گیا تھا کہ اس نافرمانی پر میری ترقی روکی جا رہی ہے۔ پھر میں نے لاکھ کوشش کی لیکن کامیاب نہیں ہو سکا۔"

"خدا کی پناہ کوئی بہت بڑا جال ہے؟"

"ارے میں کیا میری حیثیت کیا۔ بڑے بڑوں کی گردنیں اتر گئی ہیں۔ تم سوچ بھی نہیں سکتیں۔"

"لیکن یہ دُہرا وجود کوئی علامت ہے یا حقیقت؟"

"امینہ کے الفاظ تمہیں یاد نہیں ہیں؟" سلطان نے کہا اور میں سوچ میں ڈوب گئی۔ بڑے سنسنی خیز واقعات تھے۔ سلطان کے انکشافات نے تو مجھے ششدر کر دیا تھا۔ بہرحال سلطان کے خلاف میرے دل میں جو کدورت تھی دور ہو گئی۔ میں نے اسے ہمدردی کی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"تمہارا شکریہ سلطان۔ کیا ہو گے؟"

"براہ کرم اس وقت ان تکلفات میں نہ پڑو۔ میں تمہیں بھی چند ہدایات دینا چاہتا ہوں۔"

"ضرور سلطان۔"

"جو کچھ کر رہی ہو کرتی رہو۔ دنیا کا نظام بدل چکا ہے۔ نیکیاں اور سچائیاں سر پٹخ پٹخ کر رو رہی ہیں۔ بدی کی گردن ہر مٹھی میں آ جاتی ہے یہ باطل کا دور ہے اس سے نبھاؤ ورنہ زندگی سے بیزار ہو جاؤ گی۔"

"میں تم سے متفق نہیں ہوں سلطان ضمیر کا قتل ابھی تک نہیں ہو سکا۔ اجسام آج بھی روح کے تابع ہیں جسموں کو بیچ دیا جانے اور جب یہ جسم بے روح زندہ رہنے کے قابل ہو جائیں گے تو احساسات خود بخود مر جائیں گے پھر تمہیں کسی کو نصیحت کرنے کی ضرورت ہی نہیں رہے گی جب تک ضمیر کی گردن خوں رنگ نہیں ہوتی ہے اس کاروبار کو یونہی چلنے دو۔" میں نے سرد آواز میں کہا اور سلطان تعجب سے مجھے دیکھنے لگا۔

"خدا تمہیں خوش رکھے۔" اس کے منہ سے لرزتی آواز نکلی۔

"سنو سلطان۔ تمہارے خلاف میرے پاس بہت سے ثبوت ہیں۔ میں صاف گوئی سے کام لے کر کہہ رہی ہوں کہ اس دوران میں صرف تمہارے خلاف کام کرتی رہی ہوں۔ سلطان میں ان لوگوں کے خلاف صف بستہ ہو گئی ہوں۔ کیا کر سکوں گی اور کیا نہ کر سکوں گی اسے آنے والے وقت کے لیے چھوڑ دو۔ ممکن ہے، کامیاب ہو جاؤں، ممکن ہے ناکام رہوں لیکن غور سے سُنو۔ میں تمہارے خلاف لکھتی رہوں گی۔ ہاں عدالت میں کوئی ایسا ثبوت نہیں پیش کیا جائے گا جو تمہیں کسی طور مجرم ثابت کر دے۔ تمہارے ضمیر کی بقا میرے لیے بہت قیمتی ہے۔"

"مجھے بتاؤ عالیہ میں تمہاری کیا مدد کروں؟" سلطان نے کہا۔

"میرے خلاف جس قدر پروپیگنڈہ کر سکتے ہو کرو۔ باقی معاملات میں خود سنبھال لوں گی۔ تم بالکل بے فکر رہو۔ بلکہ تم میری جو مدد کر چکے ہو وہ میرے لیے بہت کافی ہے اور اگر کسی وقت تمہاری مدد کی ضرورت پڑی تو میں تمہیں بلاشبہ تکلیف دوں گی۔"

"وعدہ کرتی ہو؟"

"ہاں۔"

"خدا کی قسم عالیہ میں تم سے خوفزدہ نہیں ہوں۔ بس ایک چبھن تھی دل میں۔ جو اب ختم ہو چکی ہے۔ مجھے اجازت دو۔" سلطان کھڑا ہو گیا۔ میں اسے بڑے مخلصانہ انداز میں دروازے تک چھوڑنے آئی تھی۔ اس کے جانے کے بعد میں دیر تک بیٹھی سوچتی رہی مُدہرا وجود میرے ذہن میں اور اُلجھ گیا تھا۔ سلطان نے جو کچھ کہا تھا وہ حقیقت پر مبنی تھا۔ خطرناک لوگوں کے ہاتھ بہت لمبے تھے اور

انہوں نے اپنے چاروں طرف ایک مضبوط آہنی حصار بنا رکھا تھا اس آہنی حصار سے جھانکنا تقریباً ناممکن تھا۔ یہاں تک کہ انکل شہریار جیسا شخص بھی ان سے ناواقف تھا۔

دو کام کی باتیں معلوم ہوئی تھیں۔ وہ انوکھا ٹیلی فون نمبر جس پر اسے رنگ کیا جا سکتا تھا اور دوسری بات یہ کہ امینہ کی ماں ایم جی اسپتال میں تھی۔ کمرہ نمبر اکیاون۔۔۔ ان حالات کی روشنی میں مجھے کیا کرنا تھا؟ کیا؟ یہ سوچنے کے لیے کاغذ قلم ضروری تھا۔

اس وقت سلطان کو بچانا بھی ضروری ہے۔ اس کی پوزیشن سب سے کمزور ہے لیکن کسی کو یہ شبہ بھی نہ ہونے پائے کہ سلطان نے اپنے طور پر کسی کو کچھ بتا دیا ہے۔ سلطان کے خلاف بہت سوچ سمجھ کر محاذ کھولنا تھا۔ دشمنی کے پردے میں دوستی برقرار رکھنی تھی ورنہ وہ بے چارہ مارا جائے گا۔ دوسری بات یہ کہ امینہ کی ماں کو بچانا تھا۔ ممکن ہے بوڑھی عورت کوئی کام کی بات بتا سکے۔

لیکن ایک طرح سے وہ دشمنوں کی تحویل میں ہے۔ طاقتور ہاتھ آج بھی اس کے سر پر مسلط ہیں۔ تب پھر کیا یہ مناسب نہیں ہوگا کہ امینہ کی ماں کو قبضے میں کر لیا جائے۔ ایک خیال میرے ذہن میں آیا اور میں بُری طرح اُچھل پڑی۔ اس کام میں دیر نہیں کرنی چاہیے واقعی اس کام میں دیر کسی طور مناسب نہیں ہے لیکن کس طرح؟ ایم جی اسپتال۔ میں نے گھڑی دیکھی۔ پونے گیارہ بجے تھے۔ میں جلدی سے کھڑی ہو گئی۔ اب میں پوری طرح چاق و چوبند تھی اور ہر کام کے لیے آمادہ تھی۔ چنانچہ میں نے کپڑوں کی الماری سے مخصوص لباس نکالا۔ چند اہم چیزیں ایک پرس میں رکھیں اور باہر جانے کے لیے تیار ہو گئی۔

سڑکیں سنسان ہو چکی تھیں۔ بس اِکا دُکا کاریں، رکشا یا موٹر سائیکلیں نظر آ جاتی تھیں۔ تھوڑی دُور تک میں نہایت ہوشیاری سے تعاقب کا اندازہ کرتی رہی اور جب مجھے یقین ہو گیا کہ میرا تعاقب نہیں ہو رہا تو میں نے کار کا رُخ ایم جی اسپتال کی جانب کر لیا۔

ایم جی اسپتال کی سفید عمارت روشن تھی۔ کمپاؤنڈ میں اب بھی بہت سی گاڑیاں کھڑی ہوئی تھیں۔ شعبۂ حادثات کھلا ہوا تھا اور لوگ آتے جاتے نظر آ رہے تھے۔ میں نے پارکنگ سائٹ پہ کار روک دی اور اُسے لاک کر کے نیچے اُتر آئی پھر میں پُر وقار انداز میں چلتی ہوئی ریسپشن پر پہنچ گئی۔ ایک نوجوان کلرک کسی نرس سے گفتگو میں مصروف تھا۔ دونوں خاموش ہو کر میری طرف متوجہ ہو گئے۔

"کمرہ نمبر اکیاون کہاں ہوگا؟" میں نے سوال کیا۔

"پہلی منزل پر بائیں ہاتھ پر چلی جایئے" کلرک نے جواب دیا اور میں اپنا جدید ساخت کا بڑا ہینڈ بیگ لیے پُراطمینان قدموں سے اُوپری منزل کی جانب چل پڑی۔ صاف ستھرا اسپتال تھا۔ کشادہ اور روشن راہ داری میں بائیں جانب مُڑتے ہی پہلا کمرہ چوالیس نمبر تھا۔ اس ترتیب سے میں آگے بڑھتی رہی۔ اکیاون نمبر کے دروازے کے سامنے پڑی بنچ پر ایک پولیس کانسٹیبل دیوار سے ٹیکا آنکھیں بند کیے بیٹھا تھا۔ سامنے سے ایک نرس آ رہی تھی۔ میں سیدھی نکلی چلی گئی۔ نرس نے میرے قریب سے گزرتے ہوئے ایک چھچلتی سی نگاہ مجھ پر ڈالی تھی جو بے معنی تھی۔ چاروں طرف خاموشی طاری تھی۔ میں راہداری کے آخری سرے پر پہنچ گئی جہاں ایک کامن باتھ روم تھا۔ میں نے اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر باتھ رُوم میں داخل ہو گئی۔

باتھ رُوم کا دروازہ بند کر کے میں نے جلدی سے اپنے بدن سے مخصوص گاؤن اتارا۔ نیچے سفید قمیص موجود تھی۔ پھر میں نے نرسوں والی ٹوپی کلپ سے پھنسائی۔ گاؤن تہ کر کے ہینڈ بیگ میں رکھ لیا اس کے بعد میں نے بیگ سے ایک خاص چیز نکالی اور بیگ دوبارہ بند کر کے باتھ رُوم سے نکل آئی۔ سنسان راہداری مجھے اپنے مکمل تعاون کا یقین دلا رہی تھی پھر آہستہ قدموں سے میں پولیس کانسٹیبل کے نزدیک سے گزری اور میرے ہاتھوں میں دبی اسپرے کی بوتل سے سفید رنگ کی پھوار نکل کر کانسٹیبل کے نتھنوں سے ٹکرائی۔ کانسٹیبل نے ایک لمحے کے لیے دونوں ہاتھ ہلائے تھے پھر وہ بے ہوش ہو گیا۔ ایک بار پھر میں آگے بڑھتی چلی گئی لیکن اس بار میں چند قدم چل کر واپس آ گئی۔ اور پھر رُوم نمبر اکیاون کا دروازہ کھول کر تیزی سے اندر چلی گئی۔ اندر نیلی روشنی تھی۔ ایک مسہری پر دُبلے پتلے بدن کی ایک بوڑھی عورت لیٹی ہوئی تھی۔

امینہ کے نقوش میرے ذہن میں محفوظ تھے۔ میں نے بوڑھی خاتون کے جھریوں بھرے چہرے میں وہی نقوش دیکھے اور پھر ایک ٹھنڈی سانس لے کر اسپرے کی ہلکی سی پھوار اُس کے چہرے پر بھی مار دی۔ اس کے بعد میں خاموشی سے نکل آئی۔ اب میں اُس راہداری کے دُوسرے سرے کی طرف جا رہی تھی۔

سیڑھیوں کے پاس مجھے مطلوبہ افراد مل گئے۔ یہ دو وارڈ بوائے تھے جو تھکے تھکے بیٹھے تھے۔ اُن میں سے ایک شاید سگریٹ بھرنے میں مصروف تھا۔ مجھے دیکھتے ہی اُس نے چرس کی گولی چھپالی

"اُٹھو" میں نے کرخت لہجے میں کہا اور شاید میرا بگڑا ہوا لہجہ ہی کام کر گیا۔ وہ دونوں چوروں کی طرح اُٹھ کھڑے ہوئے۔

"جی سسٹر؟" اُن میں سے ایک نے بمشکل کہا۔

"اسٹریچر لاؤ" میں نے رُخ بدل لیا اور سگریٹ بھرنے والا

جلدی سے ایک طرف دوڑ گیا پھر وہ ایک دیوار سے لگا ہوا اسٹریچر گھسیٹ کر میرے نزدیک آیا تو میں دُوسری طرف مُڑ گئی۔ دونوں میرے پیچھے پیچھے آنے لگے اور میں اُنہیں رُوم نمبر اکیاون میں لے گئی۔ کانسٹیبل کی کچی نیند اب خوب گہری ہو گئی تھی اور مجھے یقین تھا کہ وہ کئی گھنٹے تک نہیں جاگے گا۔ وارڈ بوائے چونکہ۔۔۔ نمنٹ رنگ میں پکڑے گئے تھے۔ اس لیے اُن کے ذہنوں میں صرف میری خوشنودی کا خیال تھا۔ چنانچہ اُنہوں نے کچھ نہ سوچا اور میرے اشارے پر مریضہ کو اُٹھا کر اسٹریچر پر لٹا دیا۔

"نیچے لے چلو۔ ایمرجنسی وارڈ کے نزدیک" میں نے کہا اور اُنہیں آگے جانے کے لیے راستہ دے دیا۔ دونوں بلا چون و چرا آگے بڑھ گئے۔ میں نے بُوڑھی عورت کا چہرہ چادر سے ڈھانپ دیا تھا۔ میں اُن کے پیچھے پیچھے چلتی رہی۔ اسٹریچر لے جانے کا راستہ ڈھلوان فرش کی شکل میں دُوسری سمت میں تھا جسے میں نہیں جانتی تھی پھر وہ جس جگہ نیچے اُترے وہ ایمرجنسی وارڈ کا عقبی حصہ تھا جہاں کار بآسانی لائی جا سکتی تھی اور کسی قدر تاریکی بھی تھی۔

"کہاں لے چلنا ہے سسٹر؟" اُن میں سے ایک نے پُوچھا۔

"اِسے پہچانتے ہو؟" میں نے اسپرے کی بوتل اُن کے سامنے کر دی اور وہ دونوں اُسے دیکھنے لگے لیکن پھر دفعتاً اُنہوں نے چہرے پیچھے ہٹا لیے لیکن اسپرے کی پھوار ان کے چہروں پر پڑ چکی تھی چند سیکنڈ تک وہ آنکھیں پھاڑتے رہے پھر دونوں ایک دوسرے پر ڈھیر ہو گئے۔ اس کام سے فارغ ہوتے ہی میں برق رفتاری سے اپنی کار کی طرف چل پڑی۔ پارکنگ لاٹ سے کار نکالی اور چکر کاٹ کر ایمرجنسی وارڈ کے عقب میں آ گئی۔ پھر جس حد تک ممکن ہو سکا احتیاط سے میں نے بزرگ خاتون کو کار کی عقبی سیٹ پر لٹایا۔ دروازہ بند کر کے ڈرائیونگ سیٹ پر آ بیٹھی۔

اسپتال سے نکلتے ہوئے مجھے خوشی کا احساس تھا۔ میں نے یہ کام نہایت خوش اسلوبی سے کیا تھا۔ لیکن ابھی چند دُوسرے مرحلے تھے جن سے میں بحیثیت نرس اپنے فلیٹ پر نہیں لے جا سکتی تھی۔ وہ تو دیر تک مشکل کام تھا۔ پھر وہ جگہ مشکوک تھی۔ چنانچہ اس کے لیے میں نے انکل شہریار کی پیشکش سے فائدہ اُٹھانے کا فیصلہ کر لیا۔ کار اُسی علاقے کی طرف دوڑنے لگی جہاں میں پہلے جا چکی تھی۔

عمارت کے بڑے پھاٹک پر میں نے ہارن بجایا تو چوکیدار نے ذیلی کھڑکی کھول کر دیکھا اور پھر باہر نکل آیا۔ میں نے سوچ لیا تھا کہ مجھے کیا کہنا ہے۔

"چوکیدار! میں تمہارے صاحب کے دوست کی بیٹی ہوں۔ صاحب نے مجھ سے کہا تھا۔۔۔"

"سلام بی بی جی۔ ہم ابھی گیٹ کھولتا ہے۔ صاحب نے ہم سے کہا تھا۔" چوکیدار کسی قدر پھولا ہوا لگ رہا تھا۔

"اوہ۔ صاحب نے تم سے کچھ کہا تھا؟" میں نے خوش ہو کر پوچھا۔ انکل شہریار کی اس توجہ نے میری ایک بڑی مشکل حل کر دی تھی۔

"اس وقت بولا تھا بی بی جی کہ یہ بی بی جب کبھی یہاں آئیں تو ان کے لیے گیٹ کھول دیا جائے اور ان کے ہر حکم کی تعمیل کی جائے۔ رات کی وجہ سے ہم نے آپ کو پہچانا نہیں تھا ورنہ فوراً دروازہ کھولتا۔ صاحب تو صاحب بھی ادھر ہی ہے۔"

"اوہ۔ انکل بھی موجود ہیں؟"

"جی بی بی۔ ابھی ایک گھنٹہ پہلے ادھر آیا۔"

"سنو چوکیدار کوئی اور بھی ان کے ساتھ آیا ہے؟"

"جی نہیں بی بی۔ اکیلا آیا ہے۔"

"ٹھیک ہے گیٹ کھول دو۔" میں نے کہا اور چوکیدار نے گیٹ کھول دیا۔ مجھے اس بات کی بہت خوشی ہوئی تھی کہ انکل شہریار بھی اتفاق سے موجود ہیں۔ اگر انہیں فرصت ہوئی تو اس سلسلے میں گفتگو بھی ہو سکے گی۔

کار پورچ میں کھڑی کر کے میں نے اِدھر اُدھر دیکھا فوراً ہی ایک آدمی میرے پاس پہنچ گیا۔ نہ جانے کہاں سے وہ میرا جائزہ لے رہا تھا۔

"ہیلو مس بالیہ۔" اس نے شناسا لہجے میں کہا اور میں تعجب سے اُسے دیکھنے لگی کیونکہ میرے لیے اس کی شکل اجنبی تھی۔ سمارٹ اور نوجوان۔ اس نے فوراً ہی کہا۔ "یقیناً آپ مجھے نہیں جانتی ہوں گی لیکن مجھے آپ کے بارے میں معلوم ہے۔ کوئی خدمت؟"

"کار کی پچھلی سیٹ پر ایک بے ہوش مریضہ ہے۔ اسے اندر پہنچانا ہے" میں نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔

"بہتر۔ ایک منٹ براہِ کرم آپ اس کے پاس رکیں۔" اس نے گردن خم کر کے کہا اور پلٹ کر اندر چلا گیا۔ مجھے یہ انداز بہت پسند آیا تھا اور میں دل سے انکل شہریار کی ممنون تھی کہ انہوں نے ان لوگوں کی نگاہ میں مجھے ایک مقام دیا ہے جس کا اندازہ ان کی مستعدی سے ہوتا تھا۔

دو تین منٹ سے زیادہ نہ لگے۔ وہ شخص دو آدمیوں کے ساتھ واپس آیا۔ دونوں آدمیوں نے ایک اسٹریچر سنبھالا ہوا تھا مجھے کچھ نہ کرنا پڑا۔ اس شخص نے اپنی نگرانی میں بزرگ خاتون کو نکلوایا اور پھر نہایت آہستگی سے انہیں اسٹریچر پر ڈال کر اندر لے جایا گیا۔ اس نے مجھے بھی ساتھ آنے کا اشارہ کیا تھا۔ راستے میں اس نے پُوچھا۔

"اور کوئی زخم وغیرہ ہے؟"

"نہیں۔ بے ہوش ہیں۔ بلکہ بے ہوش کیا گیا ہے۔" میں نے جواب

دیا اور وہ گردن ہلا کر خاموش ہو گیا۔ اسٹریچر ایک کمرے میں لے جایا گیا۔ انھوں نے بزرگ خاتون کو مسہری پر لٹا دیا۔ نوجوان نے جھک کر کچھ سونگھنے کی کوشش کی تھی پھر وہ سیدھا ہو گیا۔

"غالباً اسٹروین؟" اس نے سوال کیا اور میں چونک پڑی۔

"ہاں آپ کا خیال درست ہے۔" میں نے تعریفی انداز میں اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"یوں تو بے ضرر چیز ہے۔ لیکن اگر آپ پسند کریں تو میں انھیں ڈائزان کا ایک انجکشن دے دوں تاکہ اسٹروین ان کی کمزوری کی وجہ سے زہر نہ بن جائے۔" نوجوان بولا۔

"جیسا آپ پسند کریں۔" میں نے متاثر ہوتے ہوئے کہا اور وہ کمرے سے نکل گیا تب میں نے دوسرے لڑکوں میں سے ایک سے کہا۔

"انکل شہریار اگر مصروف نہ ہوں تو..." لیکن میرا جملہ پورا بھی نہیں ہوا کہ انکل شہریار اندر آ گئے۔

"قطعی مصروف نہیں... اور حاضر ہوں۔ نادر عمدہ سی کافی بھجوا دو ہمارے لیے۔" انکل نے کہا اور دونوں آدمی باہر چلے گئے۔ تب انکل شہریار بزرگ خاتون کے پاس پہنچے اور انھیں غور سے دیکھنے لگے۔ پھر وہ معنی خیز انداز میں میری طرف مڑے۔

"بہت خوب۔ اگر میرا خیال غلط نہیں ہے تو یہ امینہ کی ماں ہے؟"

"جی انکل۔"

"تو تم نے اسے تلاش کر ہی لیا۔ لیکن میں تم سے واقف ہوں۔ تمھارے لیے یہ کوئی بڑی بات نہیں تھی۔ شاید کسی ہسپتال سے لیکن انداز تو ایسا ہے جیسے تم نے اسے اغوا کیا ہے؟"

"آپ کا یہ خیال بھی درست ہے انکل۔"

"یعنی بہت خوب۔ تنہا تھیں یا اور کوئی بھی ساتھ تھا؟"

"تنہا تھیں انکل۔"

"کون سے اسپتال میں تھی یہ؟"

"ایم جی اسپتال۔"

"عمدہ... حالانکہ کافی معروف اسپتال ہے۔ پولیس گارڈز کی ڈیوٹی بھی ہوگی۔"

"جی ہاں..." میں نے جواب دیا۔

"بہرحال میری طرف سے مبارکباد قبول کرو۔" انکل نے کہا اسی وقت نوجوان ایک سرنج لے کر آ گیا جس میں کوئی دوا بھری ہوئی تھی۔ اس نے بزرگ خاتون کو انجکشن دیا اور پھر سرنج صاف کرنے لگا۔ "توقیر ایک عمدہ ڈاکٹر ہے۔ توقیر! تمھیں ان خاتون کی دیکھ بھال کرنی ہے۔ اگر چاہو تو صوفیہ کو بھی اپنے ساتھ شامل کر لو۔"

"بہت بہتر جناب!" نوجوان نے جواب دیا۔

"آؤ، عالیہ! دوسرے کمرے میں چلتے ہیں۔ توقیر! ہماری کافی وہیں بھجوا دینا۔ ہم سات نمبر میں جا رہے ہیں۔" ہم دونوں وہاں سے نکل آئے۔ "بزرگ خاتون کی طرف سے بے فکر رہو۔ توقیر انھیں سنبھال لے گا۔"

کافی پیتے ہوئے میں انکل شہریار کے سوالوں کے جواب دیتی رہی۔ میں نے انھیں دس ہزار کی پیشکش کے بارے میں بھی بتایا اور انسپکٹر سلطان کی گفتگو کی تفصیل بھی بتا دی۔

"میرا بھی یہی اندازہ تھا۔ جس طرح واقعات آگے بڑھ رہے ہیں ان کی سطح کافی بلند ہوتی جا رہی ہے۔ بات صرف سلطان کی حد تک نہیں ہو سکتی لیکن اب تمھیں سلطان کی حفاظت کرنی ہے۔"

"میں جانتی ہوں انکل!"

"کیا کرو گی، اس کے لیے؟"

"اس کے خلاف خصوصی طور سے لکھوں گی تاکہ وہ شُبہے سے محفوظ رہے۔"

"عمدہ خیال ہے... لیکن اپنی حفاظت کا انتظام بھی کرنا۔ ان لوگوں کی ذہانت تمھیں ضرور تلاش کر لے گی۔"

"آپ بے فکر رہیں، انکل!"

"اگر یہاں رُکنا چاہو تو آرام کرو۔ میں اب چلوں گا۔ ایک کام سے آیا تھا۔ اچھا ہوا تم سے بھی ملاقات ہو گئی۔"

"ٹھیک ہے، انکل! بزرگ خاتون کا بندوبست ہو گیا ہے۔ اب مجھے کوئی فکر نہیں ہے۔ میرا خیال ہے کہ کل، ان سے گفتگو مناسب رہے گی۔"

"ہاں، آج رات انھیں سکون لینے دو۔" انکل شہریار نے کہا۔ ہم دونوں باہر آ گئے... پھر انکل خدا حافظ کہہ کر اپنی کار میں بیٹھ گئے اور میں اپنے فلیٹ کی طرف چل دی۔

مسز ایری کو شاید نیند ہی نہیں آئی تھی۔ اسی لیے پہلی ہی گھنٹی پر دروازہ کھل گیا۔ میں خاموشی سے اپنے کمرے میں آئی اور لباس تبدیل کر کے سونے کے لیے لیٹ گئی۔ میں کافی دیر تک جاگتی رہی۔ ذہن میں خیالات کی یلغار تھی لیکن بالآخر نیند آ ہی گئی۔

دوسری صبح کافی دیر سے آنکھ کھلی۔ حالات پُرسکون تھے۔ کوئی خاص خبر نہیں تھی۔ البتہ دس بجے کے قریب صباحت صاحب کا فون موصول ہوا۔

"مطلوبہ رقم پہنچ گئی ہے۔"

"گڈ۔ کیسے؟"

"صباحت رضوی کے نام منی آرڈر ہے۔ کسی فنڈ یو بیگ نے بھیجا ہے۔" صباحت صاحب نے جواب دیا۔

"ظاہر ہے، بھیجنے والے کا نام اور پتا جعلی ہوگا۔"

"یقیناً..."

"بہرحال ٹھیک ہے، صباحت صاحب! میری کوئی ضرورت تو نہیں ہے؟"

"نہیں۔ فی الحال سب ٹھیک ہے۔"

"آج میں کچھ لکھ کر دوں گی۔ آخری صفحے پر تھوڑی جگہ خالی رکھیے گا۔"

"کم از کم کتنی؟"

"تین کالمی سرخی کے ساتھ، کم از کم آٹھ انچ۔"

"مناسب... تو آج آپ نہیں آئیں گی؟"

"ہاں، کچھ مصروف ہوں۔" میں نے کہا تو صباحت صاحب نے خدا حافظ کہہ کر فون بند کر دیا... لیکن میں ریسیور ہاتھ میں لیے کچھ دیر یونہی بیٹھی سوچتی رہی پھر ریسیور رکھا اور تیار ہونے کے لیے اٹھ گئی۔

مسز میری کو ضروری ہدایات دینے کے بعد نیچے آئی۔ بظاہر مطلع صاف تھا۔ یوں بھی اُسے صاف ہی رہنا چاہیے تھا کیونکہ دس ہزار کی رقم خرچ کی گئی تھی۔ اس کے باوجود میں نے احتیاطاً بیس پچیس میل کا سفر کیا اور ایسے راستوں سے گزری جہاں تعاقب کی کوشش کو محسوس کیا جا سکتا تھا... لیکن حالات پُرسکون تھے۔ اس طرف سے مطمئن ہو کر میں نے اپنے مخصوص ٹھکانے کا رُخ کیا اور تیز رفتاری سے ڈرائیونگ کرتی ہوئی اپنی مطلوبہ جگہ پر پہنچ گئی۔

اس وقت تمام چہرے اجنبی تھے لیکن یوں لگتا تھا جیسے انکل شہریار سے متعلق تمام لوگ مجھے اچھی طرح پہچانتے ہوں۔ ایک نوجوان اور خوبصورت لڑکی نے میرا استقبال کرتے ہوئے کہا۔ "ہیلو، مس عالیہ! کیسی ہیں، آپ؟"

"شکریہ! ٹھیک ہوں۔"

"میرا نام صوفیہ ہے اور میں، آپ کی مریضہ کی دیکھ بھال کر رہی ہوں لیکن آپ کے لیے ایک افسوسناک خبر ہے۔"

"کیا...؟" بے اختیار میرا دل دھڑک اٹھا۔

"اس کا ذہنی توازن خراب کر دیا گیا ہے۔" صوفیہ نے بتایا تو میرے دل کو ایک دھچکا سا لگا۔

"کر دیا گیا ہے یا صدمات سے ہو گیا ہے؟ دراصل یہ بوڑھی خاتون بہت صدمے سہہ چکی ہیں۔" میں نے تھرتھراتی ہوئی آواز میں کہا۔

"جی نہیں۔ سسٹم پر ایسے اثرات پائے گئے ہیں جن سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ انھیں اعصاب شکن ادویات دی گئی ہیں۔"

"کیا یہ اثر دائمی ہے؟"

"جی نہیں... ابھی ابتدائی دور تھا۔ اس لیے سنبھال لیا۔ اگر ایک دو ہفتے اور گزر جاتے تو شاید یہ ہمیشہ کے لیے پاگل ہو جاتیں۔"

"ہوں... گویا ٹھیک ہونے کے امکانات ہیں۔" میں نے کہا۔ میرے پورے جسم میں نفرت کی لہریں دوڑ رہی تھیں۔ خدا کی پناہ! کتنے سنگ دل لوگ ہیں۔ ایک معصوم گھرانے کو چٹکیوں میں مسل کر رکھ دیا... ایک ایسے گھرانے کو جو خود ہی زندگی کے بوجھ تلے دبا سسک رہا تھا۔

صوفیہ کی آواز سُن کر میں چونک پڑی۔ "ہاں، یقیناً... ابھی اس کی حالت زیادہ خراب نہیں ہے... پھر بھی دو ماہ تو لگ ہی جائیں گے۔" صوفیہ نے بتایا۔

"دو ماہ...!" میں نے پھنسی پھنسی آواز میں کہا۔ مجھے یہ سُن کر افسوس ہوا تھا۔ پھر میں نے ایک گہری سانس لے کر پوچھا۔ "کیا وہ ہوش میں ہیں؟"

"جی ہاں... وہ جاگ رہی ہیں۔" صوفیہ نے جواب دیا پھر میں اس کے ساتھ بزرگ خاتون کے کمرے میں پہنچ گئی۔ انھیں دیکھ کر میں، ان لوگوں کی مشکور ہو گئی۔ بزرگ خاتون کا حلیہ ہی بدل دیا گیا تھا۔ ان کا لباس تبدیل کر دیا گیا تھا اور بال بھی سنوارے ہوئے تھے۔ صاف ستھرے لباس میں وہ بہت پُروقار نظر آ رہی تھیں۔ انھوں نے ہماری طرف کوئی توجہ نہیں دی۔ وہ کچھ بڑبڑا رہی تھیں۔ میں نے اُن کے قریب اپنا کان لے جا کر بڑبڑاہٹ سُنی۔

"فرشتے آسمان سے اترتے ہیں۔ زمین پر اُن کے پاؤں میلے ہوتے ہوں گے۔ قالین بچھا دو۔ جبرئیل علیہ السلام بھی فرشتے ہیں... دل کو داغ داغ کر دو، سینہ جلا دو... ہوشیار! طوفانِ نوح نہ آ جائے، گناہوں سے بچو... فرشتے، آسمان سے اتر آئے ہیں۔ زمین گندی ہے... اُفوہ! اسے صاف کرو، زمین گندی ہے۔"

میں ایک سرد آہ بھر کر وہاں سے ہٹ گئی۔ اس بات کا کوئی امکان نہ تھا کہ خاتون کی زبان سے کوئی کام کی بات معلوم ہو سکتی۔ میں نے صوفیہ سے پوچھا۔ "کیا انکل شہریار کو ان کے بارے میں معلوم ہے؟"

"وہ تو صبح پانچ بجے ہی چلے گئے تھے۔"

"کہاں...؟"

"ملک سے باہر گئے ہیں لیکن واپسی جلدی ہو جائے گی۔ تب آپ لوگوں ہی کو زحمت اٹھانی پڑے گی۔"

"کس سلسلے میں؟" صوفیہ نے حیرت آمیز لہجے میں پوچھا۔

"میں، ان خاتون کے لیے دوسری جگہ کا بندوبست نہیں کر سکتی۔"

"ارے نہیں... اس کی ضرورت بھی نہیں۔" صوفیہ جلدی سے بولی۔ "ڈاکٹر توقیر نے ان کے لیے ایک پروگرام بنایا ہے۔ وہ نرسنگ ہومز فراہم کرنے گئے ہیں۔ شہر میں اُن کا اپنا کلینک ہے لیکن وہ انہیں، یہیں ٹریٹمنٹ دیں گے۔ آپ اس طرف سے بالکل بے فکر رہیں مس عالیہ!"

"میں آپ کی شکر گزار ہوں مس صوفیہ!"

"آپ یقین کریں، اس کی بھی ضرورت نہیں ہے... یہ فرض جتنا آپ کا ہے، اتنا ہی ہمارا بھی ہے۔"

"خدا آپ لوگوں کو خوش رکھے۔ مجھے اجازت دیجیے مس صوفیہ!"

"کچھ پیئں گی نہیں، آپ؟"

"اب نہیں... پھر آؤں گی۔" میں نے کہا۔ صوفیہ مجھے کار تک چھوڑنے آئی۔ میں اُسے خدا حافظ کہہ کر واپس چل پڑی۔

میں بہت بددل ہوگئی تھی۔ اس کوشش کے بعد کچھ اُمید بندھی تھی لیکن یہاں بھی ناکامی ہوئی تھی۔ میں سیدھی دفتر پہنچی۔ تفصیل سن کر صباحت صاحب بھی افسوس کرتے ہوئے بولے۔

"ہاں، عالیہ! کچھ لوگ فرعون صفت ہوتے ہیں۔ اپنا ایک گناہ چھپانے کے لیے گناہ پر گناہ کرتے چلے جاتے ہیں۔ خدا ان پر رحم کرے۔"

"لیکن، خدا کی قسم، صباحت صاحب! میں انہیں ہرگز نہیں چھوڑوں گی۔ جس قدر ان کی درندگی بڑھ رہی ہے، اسی قدر میرا خون کھول رہا ہے۔ خواہ مجھے قانون ہاتھ میں کیوں نہ لینا پڑ جائے، میں انہیں معاف نہیں کروں گی۔"

"تھوڑی سی فراست سے کام لو، عالیہ! مجھے تمہارے جذبات کا احساس ہے لیکن ہم لوگوں کو اپنی مجبوریاں بھی سامنے رکھنی ہوں گی۔" صباحت صاحب مجھے نصیحتیں کرتے رہے لیکن میں اپنی سوچوں ہی میں گم تھی۔ اچانک ایک خیال میرے ذہن میں آیا... کیوں نہ اس بند مکان کی تلاشی لی جائے جہاں یہ لوگ رہتے تھے۔ ممکن ہے، مکان میں کوئی ایسی چیز مل جائے جس سے حالات پر روشنی پڑ سکے لیکن اس کے لیے رات کا وقت ہی بہتر رہے گا۔

"لوتھن کے بارے میں اور کوئی بات تو نہیں ہوئی؟"

"نہیں، ابھی تک تو کوئی بات نہیں ہوئی۔"

"میرے لیے چائے بھجوا دیں صباحت صاحب! میں کچھ لکھوں گی۔" میں نے کہا اور پھر اپنے کیبن میں آ کر اپنی سوچ اس کاغذ پر منتقل کر دی۔ اپنی تحریر کو پڑھ کر مجھے بہت سکون ملا۔ پھر وہ تحریر میں نے صباحت صاحب کے حوالے کر دی۔

رات کو مکان کی تلاشی لینے جانا تھا، اس لیے میں اپنے فلیٹ میں آ کر سو گئی۔

رات کو دس بجے میں تیار ہو کر فلیٹ سے نکل آئی...

دریچہ میں کار اس بلاک سے پہلے راستے پر روک دی تھی۔ اس وقت تمام تنصیبات کرکے چلی تھی۔ مجھے یقین تھا کہ اب تک اغوا کا راز کھل گیا ہوگا۔ اس لیے میں بے حد محتاط تھی لیکن شاید ابھی تک انہیں میرا تعاقب کرنے کا خیال نہیں آیا تھا۔

پسماندہ علاقے میں تاریکی کا راج تھا۔ مکینوں سے خالی مکان سائیں سائیں کر رہا تھا۔ میں نے ادھر اُدھر دیکھا اور پھر اُچھل کر صحن کی دیوار پکڑ لی۔ تھوڑی دیر بعد میں صحن میں کھڑی تھی۔ چھوٹا سا برآمدہ اور مکان میرے سامنے تھا جس کے کمرے کے دروازے پر قفل لگا ہوا تھا۔

میں بے آواز چلتی ہوئی دروازے کے قریب پہنچی اور ٹھٹک گئی۔ قفل کھلا ہوا تھا اور کنڈی میں لٹک رہا تھا۔ یہ قفل یقیناً پہلے بند رہا ہوگا۔ یہ دروازہ اس وقت مقفل کیا گیا ہوگا، جب گھر کے مکینوں کو اچانک امینہ کے حادثے کی اطلاع ملی ہوگی لیکن اس وقت اس کا کھلا ہونا اس بات کا ثبوت تھا کہ مکینوں کی عدم موجودگی میں کسی نے مکان کی تلاشی لی ہے۔

اچانک اندر سے آواز سنائی دی۔ ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں میرے ذہن نے خطرہ محسوس کر لیا۔ میں نے اپنے بچاؤ کے لیے ادھر اُدھر دیکھا لیکن دیر ہو چکی تھی۔ ابھی میں چھپنے کے لیے کوئی مناسب جگہ تلاش ہی کر رہی تھی کہ دروازہ ایک دھماکے سے کھلا اور کوئی پوری قوت سے مجھ سے ٹکرایا۔ اس کے ساتھ ہی کوئی چمکدار چیز بھی میری طرف لپکی تھی۔

جرمنی کے ایک مخصوص کلب کی تربیت میرے کام آگئی۔ میں نے اس کے جسم کی ٹکر سے فائدہ اٹھایا اور پھرتی سے ایک طرف ہٹ گئی۔ اس طرح میں لمبے چاقو کے اس وار سے بچ گئی جو میری پسلیوں پر کیا گیا تھا۔ پیچھے ہٹنے کے بعد میں فوری طور پر سنبھل گئی تھی۔ حملہ آور کر اب یقینی طور پر سامنے سے حملہ کرنا تھا اور میرے دونوں پاؤں اس حملے کو روکنے کے لیے تیار تھے... لیکن صورت حال بدل گئی۔ حملہ آور میری اچانک آمد سے بُری طرح بدحواس ہو گیا تھا۔ اس نے پلٹ کر مجھ پر حملہ کرنے کی بجائے صحن کے دروازے کی طرف چھلانگ لگائی اور کسی نہ کسی طرح دروازے سے ٹکرایا لیکن کسی نہ کسی طرح بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو ہی گیا۔

اب یہ تو حماقت ہی ہوتی کہ میں اس کا تعاقب کرنے کی کوشش کرتی۔ ہاں، ایک لمحے کے لیے میں سوچ میں پڑ گئی کہ حملہ آور کوئی معمولی چور اُچکا تھا جو اکیلا گھر دیکھ کر چوری کی نیت سے گھس آیا تھا یا اُسے کسی خاص چیز کی تلاش تھی... اُس نے جس انداز میں نہایت پھرتی کے ساتھ چاقو چلایا تھا، اُس سے اُس کی پیشہ ورانہ مہارت کا اندازہ ہوتا تھا۔ لہٰذا اُسے کوئی معمولی چور اُچکا تسلیم نہیں کیا جا سکتا تھا۔

میں تھوڑی دیر تک دم سادھے پڑی رہی پھر اُٹھ کر کمرے کی طرف بڑھی اور کھلے ہوئے دروازے سے تاریک کمرے میں داخل ہو گئی۔ میں نے ٹارچ روشن کر کے کمرے کا جائزہ لیا۔ بلاشبہ یہ چوری کی واردات نہیں تھی۔ کمرے کا سارا سامان نہایت بے ترتیبی سے پھیلا پڑا تھا۔ ہر چیز اُلٹ پلٹ کر دی گئی تھی۔

ان چند لمحات کے جائزے میں، میں نے ایک خاص بات نوٹ کی تھی۔ باہر سے یہ مکان جس قدر عسرت زدہ نظر آ رہا تھا، اندر سے ویسا نہیں تھا۔ بکھرے ہوئے سامان میں کئی بیش قیمت چیزیں بھی نظر آ رہی تھیں، جن کی موجودگی اس افلاس زدہ مکان میں، میرے لیے باعث حیرت تھی۔

افسوس! مجھے زیادہ چھان بین کرنے کا موقع نہیں ملا... باہر سے اچانک کئی آوازیں اُبھری تھیں۔ لوگ چور، چور کے نعرے لگا رہے تھے۔ ایک لمحے کو میں بوکھلا گئی۔ میں نے جلدی سے ٹارچ بجھا دی اور دبے قدموں چلتی باہر آ گئی... اور برق رفتاری سے بائیں سمت کی دیوار پر چڑھ کر باہر کود گئی۔ تنگ سی گلی میں میرے پاؤں کیچڑ میں لتھڑ گئے... لیکن میں اس کی پروا کیے بغیر تیزی سے آگے بڑھی اور مکان کی پچھلی طرف سے گھوم کر سامنے کے رُخ پر آ گئی۔ رات کی تاریکی میری پردہ پوشی کر رہی تھی۔ کچھ لوگ ایک جگہ جمع تھے۔ ان میں عورتیں بھی تھیں اور مرد بھی۔ ان کے درمیان ایک شخص اکڑوں بیٹھا کراہ رہا تھا۔

ایک لمحے کے لیے صورت حال میری سمجھ میں نہیں آئی پھر اُن کی باتوں سے اندازہ ہو گیا... درمیان بیٹھا ہوا شخص زخمی تھا لیکن وہ لوگ اسے وہاں سے اُٹھانے کی بجائے، اس کے بارے میں باتیں کر رہے تھے۔

"اماں، ہوا کیا شیخ جی؟"

"ہونا کیا تھا، رمضان بھائی... بس محلے کا ماحول بگڑ گیا ہے۔ نوجوان ہو کر بُرے راستوں پر چل نکلے ہیں۔ جوئے اور سینما کی لت لگ گئی ہے۔ اب یہ حرکتیں نہیں کریں گے تو اور کیا کریں گے؟"

"یہ نفل ہے نا...؟ اسے کیا ہوا؟"

"بس یہاں پیشاب کرنے بیٹھا تھا کہ کوئی احمد کے گھر سے نکل کر اس سے ٹکرا گیا۔ اس نے اُسے پکڑنے کی کوشش کی تو چاقو مار گیا۔"

"ارے، کہاں گیا؟ وہ کون تھا؟"

"اپنا نام اور پتا بتا کر نہیں گیا، ورنہ میں تمہیں... ضرور بتا دیتا۔"

"اماں، محلے ہی کا کوئی لونڈا ہوگا۔ کسی باہر والے کی کیا مجال ہے کہ شیخ جی کے علاقے میں آ جائے... اچھا، اُسے دفع کرو... نفل کی تو مرہم پٹی کرو، کہاں لگا ہے چاقو؟"

اب یہاں رُکنا بے کار ہی تھا اور دوبارہ مکان میں داخل ہونا بھی حماقت تھی۔ وہ لوگ اُس مکان کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔ ممکن ہے وہ چوری کی واردات کی تفتیش کے لیے مکان میں داخل ہونے کی کوشش بھی کریں۔ چنانچہ میں تاریکی کا سہارا لے کر ان لوگوں کی نظروں سے بچتی ہوئی وہاں سے نکل آئی اور اپنی کار میں بیٹھ کر اُسے اسٹارٹ کر دیا۔

کیچڑ سے آلودہ جوتے، پاؤں میں سخت تکلیف دے رہے تھے۔ تھوڑی دور جا کر میں نے ان سے نجات حاصل کی اور انہیں باہر پھینک دیا... پھر ننگے پاؤں ہی کار ڈرائیو کرتی ہوئی فلیٹ پہنچ گئی۔

اس بار مجھے پھر ناکامی کا اعتراف کرنا پڑ رہا تھا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ناکامیاں میرے ساتھ ساتھ چل رہی ہوں۔ اس بار کوئی خاص بات معلوم نہیں ہوئی تھی۔

بڑی مشکل سے سعدیہ کی زبان کھلوانے میں کامیاب ہوئی تھی۔ اس نے جس انداز میں امینہ کے مکان کا پتا بتایا تھا، اس سے

ہوتا تھا کہ اس کا ذہن بھی متاثر ہو چکا ہے... اور پھر یہ حقیقت بھی تھی کہ اتنے اونچے پیمانے پر کام کرنے والے، ایسے معمولی آدمیوں کو زیادہ اہمیت بھی نہیں دیتے۔ سلطان کا کردار صرف ایک حد تک تھا، اس کے بعد نہیں... اب معاملہ دوسرے بڑے ہاتھوں میں چلا گیا تھا۔

امینہ کی ماں کے ساتھ بھی بہتر سلوک نہیں ہوا تھا۔ میں کہہ نہیں سکتی کہ اُس کے ذہنی توازن کو بگاڑنے کی کوشش کی گئی تھی یا وہ صدموں کے زیرِ اثر تھی لیکن میں اتنا ضرور جانتی تھی کہ اگر وہ منظرِ عام پر آجاتی تو اُس کے بارے میں یہی کہا جاتا کہ صدموں سے اُس کی ذہنی حالت خراب ہو گئی ہے۔

وہ بے حد چالاک لوگ تھے اور مجھے ہر مرحلے پر ناکامی کا منہ دیکھنا پڑ رہا تھا لیکن میں ان ناکامیوں سے گھبرانے والی نہیں تھی... البتہ امینہ کے مکان کی تلاشی لینے میں، میں نے تساہل کیا تھا۔ یقیناً وہاں کوئی ایسی چیز موجود تھی جس سے واقعات پر روشنی پڑ سکتی تھی لیکن اب وہ چیز وہاں سے نکالی جا چکی ہوگی یا ممکن ہے، اُس شخص کو بھی کامیابی حاصل نہ ہوئی ہو۔

رات کے نہ جانے کون سے پہر میری آنکھ لگی تھی۔ صبح کافی دیر سے آنکھ کھلی۔ بیدار ہوتے ہی میں نے مس میری سے اخبارات طلب کیے۔ دوسرے اخباروں پر سرسری سی نظر ڈالتے ہوئے، میں نے اپنا اخبار اُٹھا لیا اور اپنے آرٹیکل کو پڑھنے لگی۔

"امینہ کو اس لیے نظر انداز نہ کیا جائے کہ وہ ایک غریب خاندان کی آبرو تھی۔"

یہ سُرخی لگائی گئی تھی۔ اس کے بعد کی تحریر یوں تھی:۔

"معاشرے کا تحفظ، قوم کی ذمے داری ہوتی ہے اور جو قوم اپنے معاشرے کی حفاظت نہیں کر پاتی وہ اپنی تہذیب اور ثقافت کھو دیتی ہے۔ اس وطن کی لاکھوں بیٹیاں، اپنے مسائل کے حل کی تلاش میں صبح ہی صبح، گھروں سے نکل جاتی ہیں۔ وہ اسکولوں، دفتروں اور کارخانوں میں ملازمت کرتی ہیں اور اپنے بوجھل ماحول کو سدھارنے کے لیے انتھک محنت کرتی ہیں۔ ان معصوم محنت کشوں کے ساتھ، اگر ہم کوئی اور بہتر سلوک نہیں کر سکتے تو کم از کم ہماری یہ ذمے داری ضرور ہے کہ اُن کی عزت اور آبرو کی حفاظت کریں۔ یہ ہمارا دینی، اخلاقی اور معاشرتی فرض ہے۔ یوں تو یہ فرض ہر انسان پر عاید ہوتا ہے لیکن انتظامی اداروں کو اس پر خصوصی توجہ دینی چاہیے۔

معصوم مقتولہ امینہ کے کردار پر بدکاری کی چھاپ لگا کر، اُس کے بھائی کو گرفتار کر لیا گیا ہے لیکن یہ پولیس کے فرائض میں شامل ہے کہ وہ اس اقدام کو تسلی بخش طور پر ثابت کرے۔ پریس کو موقع دیا جائے کہ وہ امینہ کے بھائی احمد سے انٹرویو لے سکے... امینہ کی ماں کی پوری پوری حفاظت کی جائے اور اس کے بیان سے عوام کو مطلع کیا جائے۔ امینہ کا قتل، اُن محنت کش لڑکیوں کے لیے خوف کی بنیاد رکھتا ہے جو نوکریاں کر کے اپنے خاندانوں کی کفالت کرتی ہیں۔ امینہ کے قتل کے سلسلے میں ایک ایک بات کی وضاحت اشد ضروری ہے۔ اور اس سلسلے میں انتظامیہ کے بڑوں کی توجہ ناگزیر ہے۔"

میں نے اب بھی رعایت سے کام لیا تھا ورنہ دل میں بہت دھواں تھا اور جی چاہتا تھا کہ بہت کچھ لکھوں... لیکن بہرحال صحافت کے پیشے پر بھی کچھ ذمے داریاں عاید ہوتی ہیں۔ اس لیے دل کی اس خواہش کو دبانا پڑا۔

میں نے صباحت صاحب سے کہہ دیا تھا کہ لنچ کے بعد ہی دفتر پہنچ سکوں گی۔ صباحت صاحب بھی کسی طور غیر مطمئن نہیں ہے۔ اس دوران میں مجھے جو توقع تھی، وہ ابھی پوری نہیں ہوئی تھی۔ میرا خیال تھا کہ میں اپنے اخبار یا سلطان کے ذریعے اُن کی نظروں میں آ جاؤں گی اور اس کے بعد وہ میرے سلسلے میں کوئی قدم اُٹھائیں گے لیکن ابھی تک ایسی کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ سلطان نے میری پردہ پوشی کی ہے اور ذہنی طور پر اب وہ بھی اس مذموم کوشش سے نالاں ہے لیکن اس سے مجھے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔ میں تو چاہتی تھی کہ وہ لوگ مجھ سے ٹکرائیں تاکہ مجھے اُن پر ہاتھ ڈالنے کا کوئی موقع میسر آ سکے۔

اس بارے میں، میں نے یہی فیصلہ کیا کہ اپنی ذاتی کوششیں تیز کر دی جائیں۔ اس سلسلے میں مکمل طور پر اخبار کا سہارا لینا مناسب نہیں تھا کیونکہ بہرحال انتظامی امور میں مداخلت کی اجازت نہیں مل سکتی تھی۔

میں نے معمولی سا لباس پہنا اور بالوں کے اسٹائل میں تھوڑی سی تبدیلی کر لی۔ میری یہی کوشش تھی کہ کسی طور قابلِ شناخت نہ رہوں۔ البتہ نقلی صورت کی چیزیں، میں نے اپنے پرس اور لباس میں پوشیدہ کر لی تھیں۔

فلیٹ سے اُترنے کے بعد، میں نے کار کے استعمال کا ارادہ بھی ملتوی کر دیا اور ایک آٹو رکشہ میں بیٹھ کر ڈرائیور کو اپنی منزلِ مقصود کا پتا بتا دیا۔

تھوڑی دیر بعد، میں اس علاقے میں پہنچ گئی اور اسی تنگ سی گلی کے سرے پر پہنچ کر رکشے سے اُتر گئی۔

ابھی میں تھوڑی دور ہی چلی تھی کہ فرزند علی کا بھائی دلبند علی مل گیا۔ لڑکے نے اس بدلے ہوئے حلیے میں بھی مجھے پہچان لیا... اور نزدیک آکر سلام کیا۔ اسی لمحے میں نے ایک فیصلہ کر لیا۔

"اوہ، دلبند میاں! کہو، خیریت سے تو ہو؟"

"جی، باجی! آج آپ گاڑی میں نہیں آئیں؟"

"نہیں بھئی، وہ تو دفتر کی گاڑی ہے، بس کبھی کبھار مل جاتی ہے۔ ورنہ عام طور پر اسی طرح سفر کرنا پڑتا ہے... تم سُناؤ، آج اسکول نہیں گئے؟"

"گیا تھا، باجی! آج ہاف ڈے ہے۔"

"اوہ، ہاں... مہینے کی آخری تاریخ ہے نا۔"

"آیئے، باجی! ہمارے گھر چلیں۔ امی سے نہیں ملیں گی؟"

دلبند علی نے مجھے دعوت دی اور میں فوراً تیار ہو گئی۔ یہ دعوت میری مرضی کے مطابق تھی۔

فرزند علی کی والدہ اور دونوں بہنوں نے میرا پُرتپاک استقبال کیا۔ فرزند علی کی والدہ محبت سے بولیں۔

"اُس روز تو تم ہمارے گھر ہی نہیں آئیں، بیٹی! فرزند علی نے تمھارے بارے میں بتایا تھا۔"

"جی امی جان! دراصل اس روز، میں بہت مصروف تھی۔"

"تم دفتر میں کیا کام کرتی ہو، بیٹی؟"

"رپورٹر ہوں۔"

"باجی! آپ کا کام تو بہت دلچسپ ہوگا۔ خبریں بنانے کے لیے جگہ جگہ جانا پڑتا ہوگا؟" فرزند علی کی بہن نے پُراشتیاق لہجے میں پوچھا۔

"ہاں، بی بی! کام دلچسپ بھی ہے اور مشکل بھی... اب ی روز، میں فرزند علی کے ساتھ، اُن کے دوست رحمت کے گھر ی تھی مگر رحمت کے ابا جان نے کھڑے کھڑے بھگا دیا۔"

"ارے، اس نک چڑھے کی تو بات ہی مت کرو۔ محلے کسی سے نہیں بنتی، سب سے الگ تھلگ رہتا ہے۔ ہاں س کی بیوی بہت اچھی ہے بے حد باتونی اور خوش اخلاق۔"

"ہاں، کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں، امی!"

"ارے سائرہ! چائے بناؤ۔" وہ پھر مجھ سے مخاطب ہوئیں۔ "تمھارا نام کیا ہے، بیٹی؟"

"عالیہ..." میں نے جواب دیا۔

"تم میرے فرزند کے ساتھ کام کرتی ہو؟" محترمہ نے مجھے خاص نگاہوں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"جی ہاں..."

"شادی ہو گئی، تمھاری؟"

"جی ہاں۔ تین بچے ہیں۔" میں نے گہری سانس لے کر جواب دیا... اور وہ چونک پڑیں۔

"اچھا، اچھا... ماشاءاللہ!" اُن کی آواز میں گرم جوشی ختم ہو گئی۔ "میاں کیا کرتے ہیں؟"

"میاؤں، میاؤں کرتے ہیں۔" لفظ میاں سُن کر نہ جانے کیوں میرے ذہن میں میاؤں میاؤں گونجنے لگتی تھی۔

بزرگ خاتون چونک کر میری طرف دیکھنے لگیں... اور اُن کے چونکنے پر میں بھی سنبھل گئی۔

"کیا مطلب...؟" وہ حیرت آمیز لہجے میں بولیں۔

"بس نکھٹو ہیں۔ گھر میں پڑے رہتے ہیں۔ میری ہی کمائی پر گزارا ہو رہا ہے۔" میں نے جلدی سے بات بنا دی۔

"اوہ... آہ! لڑکیوں کی تقدیر بھی عجیب ہوتی ہے۔ ماں باپ جس کے پلّے باندھ دیں، بے چاریاں گزارا کرتی ہیں۔ گھر کی چار دیواری بھی محفوظ نہ ہو تو انسان کہاں جائے؟ بہت چھوٹی عمر میں تمھاری شادی ہو گئی ہوگی، تین بچوں کی ماں تو لگتی ہی نہیں ہو۔ کوئی چھوٹی بہن بھی ہے، تمھاری؟" مجھ سے مایوس ہو کر بڑی بی کو میری چھوٹی بہن کی فکر ستانے لگی۔

"جی نہیں۔ ساری دُنیا میں تنہا ہوں۔ ایک بہن تھی، وہ بے چاری بھی حادثے کا شکار ہو گئی۔"

"حادثے کا شکار...؟"

"جی ہاں، بالکل اسی طرح، جیسے آپ کے پڑوس میں... کیا آپ امینہ کو جانتی ہیں، امی؟"

"ہاں، بیٹی... حالانکہ اُسے بہت کم دیکھا تھا لیکن، بی بی! اللہ جنت نصیب کرے جو کچھ اُس کے بارے میں اُڑایا گیا ہے، سب غلط ہے۔ سارے محلے میں کوئی اس بات کو ماننے کے لیے تیار نہیں ہے۔" بالآخر، بڑی بی کو اپنے مطلب کی بات پر گھیر لائی۔

"آپ سے زیادہ ان لوگوں کو کون جانتا ہوگا۔ واقعی مجھے بھی امینہ کی موت کا بہت افسوس ہے۔ آپ کے ہاں تو اکثر آتی ہی

ہو گی، وہ؟"

"کہاں...؟ اس بے چاری کو اتنی فرصت ہی نہیں ملتی تھی۔ حالانکہ وہ میری سائرہ کی سہیلی تھی لیکن اس سے بھی مہینے میں ایک دو بار ہی ملاقات ہوتی تھی۔"

"کس کی بات ہو رہی ہے امی؟" سائرہ کمرے میں داخل ہوتے ہوئے بولی۔ اس کے ہاتھوں میں چائے کی ٹرے تھی۔

"امینہ کی..." میں نے جلدی سے کہا... پھر بڑی بی سے مخاطب ہوئی۔ "مجھے سائرہ بہت پسند آئی ہے، امی! اگر اجازت دیں تو تھوڑی دیر اس سے گفتگو کر لوں؟"

"آیئے باجی! چائے میرے ساتھ ہی پی لیں۔" سائرہ نے پیشکش کی اور ٹرے اٹھا کر دوسرے کمرے کی طرف چل دی... بڑی بی منہ کھول کر رہ گئیں۔

سائرہ اور میں، ایک چھوٹے سے کمرے میں آ بیٹھیں۔

"امی بتا رہی تھیں کہ امینہ تمھاری سہیلی تھی؟"

"ہاں، نویں جماعت تک اس نے میرے ساتھ ہی تعلیم حاصل کی تھی... پھر اس نے ملازمت کر لی اور نائٹ شفٹ میں پڑھنے لگی۔"

"بہت عرصے سے ملازمت کر رہی تھی، وہ؟" میں نے پوچھا۔

"تو کیا کرتی، بے چاری! باپ کی موت کے بعد اور کوئی سہارا ہی نہیں تھا۔"

"نوکری کے بعد بھی وہ، تم سے ملتی رہتی ہو گی؟"

"نہیں۔ نہ جانے کہاں کہاں ماری پھرتی تھی، بے چاری پیٹ کی خاطر۔ شریف لڑکی کے لیے تو ملازمت کرنا بھی مشکل ہے۔ جہاں کوئی غلط بات ہوئی، اسے نوکری چھوڑنا پڑی۔"

"مگر اخباروں میں تو اس کے بارے میں عجیب عجیب خبریں چھپی ہیں۔"

"خدا ان اخبار والوں سے بچائے۔ ایمان سے اتنی شریف لڑکی تھی کہ اس دور میں اس جیسی ملنی مشکل ہے۔"

"تو گویا اس کے بھائی نے اسے قتل نہیں کیا؟"

"احمد... وہ لڑکا تو بہن کو ماں سے بھی زیادہ چاہتا تھا۔ اکثر امینہ اس کے بارے میں بتاتی تھی۔ قتل کرنا تو دور کی بات ہے، اس نے کبھی امینہ سے آنکھ ملا کر بات نہیں کی۔"

"سائرہ! وہ نوکری کہاں کرتی تھی؟" میں نے دھڑکتے ہوئے دل سے پوچھا۔

"یہ تو مجھے نہیں معلوم۔" اس کا جواب مایوس کن تھا۔

"کبھی تذکرہ بھی نہیں کیا، اس نے؟"

"ایک مہینہ قبل شہناز کی شادی میں ملاقات ہوئی تو [illegible] بتا رہی تھی کہ اسے کہیں باہر نوکری مل رہی ہے۔"

"باہر...؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں، ملک سے باہر کہیں جانے کی بات کر رہی تھی۔"

"تم نے پوچھا نہیں، کہاں نوکری ملی ہے؟"

"میں نے جگہ نہیں پوچھی۔"

"اوہ... ہاں، یہ شہناز کون ہے؟"

"پڑوس ہی کی ایک لڑکی ہے۔ میرے پاس، اس کی شادی کی تصویریں ہیں، دکھاؤں؟"

"ضرور دکھاؤ۔" میں نے ایک موہوم سی امید کے سہارے کہا۔ سائرہ جلدی سے اٹھی اور اسی کمرے میں موجود ایک الماری کے صندوق میں سے لفافہ نکال لائی۔ میں اس کے ساتھ تصویریں دیکھتی رہی اور پھر میری مطلوبہ تصویر مل گئی۔ یہ امینہ، شہناز اور سائرہ کی واضح تصویر تھی۔

میں نے بغور امینہ کو دیکھا۔ اس روز پولیس اسٹیشن پر نظر آنے والی مظلوم لڑکی اور اس لڑکی میں بڑا فرق تھا۔ گول چہرہ، بڑی بڑی روشن آنکھیں۔ ٹھوڑی میں ننھا سا حسین گڑھا تھا۔ ٹھوڑی ہی پر واضح نشان تھا جو اسے اور خوبصورت بنا رہا تھا۔ میں نے ان تصویروں کی بہت تعریف کی۔

"اس میں تمھاری تصویر تو بہت خوبصورت آئی ہے سائرہ۔ اگر اجازت دو تو میں، تمھاری یہ تصویر رکھ لوں۔"

"ایک شرط پر۔" سائرہ مسکرا کر بولی۔

"وہ کیا، جناب؟"

"آپ مجھے بھی اپنی ایک تصویر دیں گی۔" سائرہ نے کہا اور ہنس پڑی۔

"ضرور دوں گی۔" میں نے کہا اور تصویر اپنے پرس میں رکھ لی۔ پھر میں تھوڑی دیر تک سائرہ سے باتیں کرنے کے بعد اٹھ کھڑی ہوئی۔

"آتی رہا کریں گی نا، باجی؟ میں بھی کسی روز بھائی جان کے ساتھ آپ کے ہاں آؤں گی۔"

"ضرور، ضرور..." میں نے گرم جوشی سے کہا۔

... پھر میں وہاں سے نکل آئی اور امینہ کے مکان کی طرف بڑھنے لگی۔ ویسے اس وقت میرے ذہن میں کوئی پروگرام نہیں تھا۔ دن کی روشنی میں تو اس مکان میں داخل ہونا ناممکن تھا۔ میرے کانوں میں سائرہ کی باتیں گونج رہی تھیں۔ امینہ کو ملک سے باہر کسی ملازمت

کی پیشکش کی گئی تھی... اور نہ جانے کیوں یہ بات میرے ذہن میں [illegible] رہی تھی۔

تھوڑی دیر بعد میں اس مکان کے سامنے پہنچ گئی۔ قرب و جوار کا ماحول سنسان تھا۔ ایک گھر کے سامنے برف کی قلفیاں بیچنے والا کھڑا تھا جس کے ٹھیلے کے گرد چند غلیظ بچے کھڑے قلفیاں چوس رہے تھے۔ سامنے ہی ایک چھوٹی سی دکان تھی جس پر ایک مدقوق بوڑھا بیٹھا کھانس رہا تھا۔ اور ایک مکان کے دروازے پر پوسٹ مین کسی خاتون کو ڈاک دے رہا تھا۔

اس وقت مکان میں داخل نہیں ہوا جا سکتا تھا اور دوسری کوئی صورت ذہن میں نہیں تھی۔ میں واپس ہونا ہی چاہتی تھی کہ وہی پوسٹ مین مجھے امینہ کے مکان کی طرف بڑھتا نظر آیا۔ دروازے پر پہنچ کر اس نے دستک دی۔ میں نے ادھر ادھر دیکھا۔ کوئی پوسٹ مین کی طرف متوجہ نہیں تھا۔ میں تیزی سے اس کے قریب پہنچ گئی۔

"احمد کا کوئی خط ہے بھائی؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں..." اس نے ایک نظر مجھے دیکھا اور ہاتھ میں تھامے ہوئے لفافوں کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"احمد... یا امینہ کا؟" میں نے دوبارہ پُرامید لہجے میں پوچھا۔

"ہاں... امینہ ماجد علی کی رجسٹری ہے... مگر وہ کہاں ہیں؟"

"سب لوگ گئے ہوئے ہیں۔ اگر آپ چاہیں تو رجسٹری مجھے دے دیں۔ میں وصول کیے لیتی ہوں۔"

"نہیں، بی بی! باہر کی رجسٹری ہے۔ ذمے داری کا کام ہے۔ میں یہ رجسٹری تمھیں نہیں دے سکتا۔"

"بھائی! میں امینہ کی بہن سلطانہ ماجد علی ہوں۔ میری بہن اس رجسٹری کے لیے بے چین تھی۔ آپ کی مرضی ہے۔ میں نے تو اس لیے کہا تھا کہ آپ کو دوبارہ تکلیف نہ کرنا پڑے۔" میں نے کہا اور پرس سے دس روپے کا ایک نوٹ نکال کر پوسٹ مین کی طرف بڑھا دیا۔

اس نے پہلے نوٹ کو دیکھا پھر میری طرف دیکھ کر مشتبہ لہجے میں بولا۔ "تم اس کی بہن ہی ہو؟"

"ہاں، آپ چاہیں تو یہاں کسی سے بھی تصدیق کر سکتے ہیں۔" میں نے کہا۔

"ٹھیک ہے... مگر ذمے داری کے ساتھ یہ رجسٹری امینہ کو پہنچا دینا۔"

"بہت بہتر۔" میں نے جواب دیا اور پوسٹ مین نے دس روپے کا نوٹ لے کر جیب میں ڈال لیا۔ مجھ سے دستخط کرا کے رجسٹری میرے حوالے کر دی۔ میں نے اس مضبوط اور صاف ستھرے لفافے کو بغور دیکھا جس پر ایک کونے میں کوئی پتا چھپا ہوا تھا اور دوسرا پتا ٹائپ کیا ہوا امینہ کے گھر کا تھا۔

میرے ذہن میں نہ جانے کیوں یہ احساس جم گیا تھا کہ یقیناً اس لفافے میں مجھے کوئی خاص ثبوت مل سکتا ہے۔ اس لیے میں نے یہ لفافہ ہر قیمت پر حاصل کرنے کا تہیہ کر لیا تھا۔

پتا پڑھ کر لفافہ، میں نے احتیاط سے پرس میں رکھ لیا۔ اور پوسٹ مین کے دور نکل جانے کا انتظار کرنے لگی۔

پوسٹ مین کے نگاہوں سے اوجھل ہوتے ہی میں تیزی سے گلی اور گلیوں میں سے ہوتی ہوئی سڑک پر آ گئی... پھر ایک گزرتی ہوئی ٹیکسی کو روکا اور اس میں بیٹھ کر اپنے فلیٹ کی طرف روانہ ہو گئی۔

فلیٹ پہنچ کر میں نے بڑی بے چینی سے لفافہ کھولا۔ لفافے پر جو پتا چھپا ہوا تھا وہ کسی گرین بیگ اینڈ کو، کا تھا اور اس کا تعلق مشرقِ وسطیٰ کے ایک ملک سے تھا۔

"گرین بیگ اینڈ کو..." میں نے زیرِ لب دہرایا اور لفافہ کھول کر دیکھا۔ لفافے میں ایک بینک ڈرافٹ رکھا ہوا تھا... جو مقامی کرنسی میں تقریباً سات ہزار روپے کا تھا۔ یہ ڈرافٹ بھی گرین بیگ اینڈ کو ہی کی طرف سے امینہ کے نام تھا۔

اچانک مجھے سائرہ کی بات یاد آ گئی اس نے بتایا تھا کہ امینہ کو کہیں باہر ملازمت مل رہی تھی... ابھی ملی نہیں تھی... پھر یہ بینک ڈرافٹ... اب وہ قتل کر دی گئی تھی۔ معاملہ الجھتا ہی جا رہا تھا اور میرا ذہن کام نہیں کر رہا تھا کہ کس طرح اس مسئلے کو سلجھاؤں... آخر امینہ کے قتل کا ذمے دار کون تھا؟

اب یہ گرین بیگ اینڈ کمپنی سامنے آئی تھی۔ ممکن ہے، اسی کی وساطت سے کچھ معلوم ہو جائے۔ حالانکہ یہ بڑی بدنصیبی کی بات تھی کہ امینہ کے شہر میں رہتے ہوئے، میں ابھی تک اس کے بارے میں معلومات حاصل کرنے میں ناکام رہی تھی۔

تھوڑی دیر تک میں بینک ڈرافٹ ہاتھ میں لیے سوچتی رہی۔ امینہ کے ہاں مجھے جو قیمتی سامان نظر آیا تھا، اب اس کا راز بھی میری نظر میں واضح ہوتا جا رہا تھا۔ کاش! کسی طرح مجھے یہ معلوم ہو سکتا کہ یہ بینک ڈرافٹ امینہ کو کب سے مل رہے تھے؟ اور ان کا مقصد کیا تھا؟

مس میری کو بلا کر میں نے کافی لانے کے لیے کہا۔ اچانک فون کی گھنٹی بج اٹھی اور میں نے بڑھ کر ریسیور اٹھا لیا۔

"مس عالیہ بول رہی ہیں؟" دوسری طرف سے پوچھا گیا۔ میں

نے اس آواز کو پہچان لیا۔ یہ صباحت رضوی کی آواز تھی۔

"جی ہاں، صباحت صاحب میں ہی ہوں۔"

"اوہ، مس عالیہ! ردِعمل ہوگیا ہے۔"

"کیا مطلب؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"تقریباً پندرہ بیس افراد، ایک ٹرک میں سوار ہو کر دفتر میں آئے تھے اور یہاں انہوں نے کافی توڑ پھوڑ کی۔ مجھے بھی مارا پیٹا اور دوسرے کئی افراد کو بھی چوٹیں آئی ہیں۔ میں ان غنڈوں میں سے چند کی شکلیں دیکھ چکا ہوں لیکن اُن کی نشاندہی نہیں کرسکتا۔"

"اوہ، صباحت صاحب! آپ کو زیادہ چوٹیں تو نہیں آئیں؟"

"نہیں بھئی، میری چوٹوں کی فکر نہ کرو، اس بارے میں سوچو۔" صباحت صاحب نے کہا۔

"کیا آپ نے پولیس کو فون کردیا؟"

"ہاں، میں نے پولیس کو اطلاع دے دی ہے مگر پولیس ابھی تک یہاں پہنچی نہیں ہے۔"

"مجھے افسوس ہے صباحت صاحب! لیکن آپ جانتے ہیں کہ یہ کارروائی کس کی ہوسکتی ہے۔"

"پلیز، عالیہ! میں نے تمہیں فون پر صرف اطلاع دی ہے۔ باقی باتیں بالمشافہ ہوں گی۔ کیا تم دفتر آرہی ہو؟"

"ہاں پہنچ رہی ہوں۔" میں نے جواب دیا۔۔۔ اور صباحت صاحب نے فون بند کردیا۔

میری پیشانی پر تشویش کی شکنیں نمودار ہوگئی تھیں۔ یہ حملہ یقیناً اس شخص کی جھنجلاہٹ کا نتیجہ تھا جس نے صباحت صاحب کو دس ہزار روپے ادا کیے تھے۔

لباس تبدیل کرکے، میں دفتر کی طرف چل پڑی۔ کار کو تیزی سے دوڑاتے ہوئے، میرے ذہن میں مختلف خیالات آتے رہے۔ تھوڑی دیر بعد، میں دفتر پہنچ گئی۔ شاید اس واقعے کو رونما ہوئے زیادہ دیر نہیں گزری تھی کیونکہ اب بھی دفتر کی عمارت کے سامنے، لوگ کھڑے ہوئے اس ہنگامے پر تبصرہ کررہے تھے۔ میں انہیں نظرانداز کرتی ہوئی عمارت میں داخل ہوگئی۔

تمام اسٹاف ایک جگہ جمع تھا اور دفتر کی حالت تباہ تھی۔ صباحت صاحب اپنے کمرے میں موجود تھے اور اُن کی پیشانی پر پٹی بندھی ہوئی تھی جس پر خون کے دھبے پڑے ہوئے تھے۔ چہرے پر بھی کئی خراشیں تھیں اور بایاں ہاتھ، ایک رومال سے باندھ کر گردن میں لٹکا دیا گیا تھا۔ کمرے میں کچھ دوسرے صحافی بھی موجود تھے۔ صباحت صاحب مجھے دیکھ کر مسکرائے۔

"آپ نے کسی ڈاکٹر کو نہیں طلب کیا، صباحت صاحب"

"ہاں، ریاض نے ڈاکٹر کو فون کردیا ہے۔"

میں خاموش ہوگئی۔ اس وقت اس سے زیادہ گفتگو نہیں [illegible] جا سکتی تھی۔ میں ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔

ڈاکٹر اور پولیس انسپکٹر ساتھ ہی ساتھ آئے تھے۔ انسپکٹر [illegible] صباحت صاحب کو دیکھ کر تشویش سے ہونٹ سکوڑ لیے۔ "اوہو [illegible] آپ کے تو خاصی چوٹیں آئی ہیں۔" وہ بولا۔

"ہاں، اُن بے وقوفوں نے میری عمر کا خیال بھی نہیں [illegible]" صباحت صاحب مسکرا کر بولے۔

"براہِ کرم پہلے مجھے اپنا کام کرنے دیجئے، اس کے بعد آپ لوگ گفتگو کریں۔" ڈاکٹر نے کہا اور انسپکٹر نے اجازت دے دی۔

صباحت صاحب کے سر سے پٹی کھول کر ڈاکٹر نے زخم دیکھ[ے] اور پھر بینڈیج میں مصروف ہوگیا۔۔ اور ایک انجکشن دے کر صباح[ت] صاحب کو آرام کرنے کا مشورہ دیا۔

میرا ذہن شدید اُلجھن کا شکار تھا اور میں سوچ رہی تھی [illegible] صباحت صاحب کو میرے جذبات کا شاخسانہ نہیں بھگتنا چاہیے تھا۔۔ پھر پولیس افسر نے صباحت صاحب سے سوالات [illegible] کردیے اور وہ سوچ سوچ کر مناسب جواب دیتے رہے۔ میرے [illegible] کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی۔ پولیس افسر کے بار بار پوچھنے کے باوجود، انہوں نے کسی پر شُبے کا اظہار نہیں کیا تھا۔

پولیس افسر اپنی کارروائی مکمل کرکے چلا گیا تو صباحت [صاحب] نے مسکراتے ہوئے مجھ سے پوچھا۔ "جی، خاتون! اب کیا حکم ہے[؟]"

"آپ کے ساتھ افسوسناک سلوک ہوا ہے، صباحت صاح[ب]"

"میرے لیے غیر متوقع نہیں ہے۔" صباحت صاحب مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"پھر بھی آپ کے ساتھ۔۔۔"

"چھوڑو، ان باتوں کو، بی بی!" صباحت صاحب میری [illegible] کاٹ کر بولے۔ "یہ بتاؤ، آیندہ کیا پروگرام ہے؟"

"حسبِ معمول۔۔۔ لیکن اب ہم لوگ چند روز کے لیے خامو[شی] اختیار کرلیں گے۔"

"کیوں۔۔۔ میری وجہ سے؟" صباحت صاحب نے چونک کر پوچھا۔

"نہیں۔۔۔ یہ بات نہیں۔ تحریری سرگرمیاں زیادہ نہیں ہونی چاہئیں۔ میں کچھ عملی اقدامات بھی کررہی ہوں۔ ان لوگوں [illegible] زیادہ سے زیادہ اپنی طرف متوجہ رکھنے کی بجائے بہتر ہے [illegible]

رہ کر اس سلسلے میں کام کیا جائے۔"

"اب یہ تم بہتر سمجھ سکتی ہو، ورنہ میں ایسی باتوں سے گھبرانے والا نہیں ہوں۔"

"میں جانتی ہوں۔ آپ ایک پُرعزم انسان ہیں اور میں نے آپ کی شخصیت سے واقف ہو کر ہی یہ قدم اُٹھایا ہے۔ اس لیے آپ ایسی کوئی بات ذہن میں نہ لائیں۔"

"اگر دوبارہ وہ فون آئے تو کیا جواب دیا جائے؟"

"کہہ دیجئے گا کہ یہ آرٹیکل پہلے لکھا گیا تھا جو غلطی سے پیسٹ ہوگیا۔"

"کیوں۔۔۔؟" صباحت صاحب نے چونک کر پوچھا۔

"یہ ضروری ہے، صباحت صاحب! میں، آپ سے عرض کرچکی ہوں کہ میں بدستور کام کررہی ہوں۔ انہیں دوسری طرف سے مشکوک نہیں ہونا چاہیے ورنہ میرے کام میں دشواریاں پیدا ہوجائیں گی۔"

"ہوں۔۔۔" صباحت صاحب پُرخیال انداز میں گردن ہلانے لگے۔ "تو تم بدستور مصروف ہو؟"

"ہاں، صباحت صاحب۔۔۔ اب یہ میرا مشن بن چکا ہے۔ میں اس درندگی کے خلاف آخری وقت تک جدوجہد کرتی رہوں گی۔"

"لیکن اس سلسلے میں کوئی فرض، مجھے بھی تو سونپو۔"

"اوہ۔۔۔ ابھی اس کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ میں خود ابھی تک اپنی تمام کوششوں میں ناکام رہی ہوں لیکن یہ ناکامی میرے شوق اور لگن کو سوا کررہی ہے اور میری دلچسپی بڑھتی جارہی ہے۔" میں نے مسکرا کر جواب دیا۔

صباحت صاحب ایک طویل سانس لے کر بولے۔ "تمہاری طرف سے ہمیشہ مجھے تشویش رہتی ہے لیکن افسوس کچھ کہہ بھی نہیں سکتا۔ جن لوگوں نے یہ غنڈہ گردی کی ہے، وہ تمہاری طرف بھی متوجہ ہوسکتے ہیں۔"

"میں خود یہی چاہتی ہوں اور اس کے لیے پوری طرح تیار ہوں۔ خیر چھوڑیے، ان باتوں کو۔ کچھ دوسرے مسائل بھی قابلِ غور ہیں۔"

"وہ کیا۔۔۔؟"

"پہلے مجھے یہ بتایے کہ آپ کے زخموں کی نوعیت کیا ہے؟ کچھ روز آپ کو آرام کرنا چاہیے۔"

"نہیں، عالیہ بیٹی! اس کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ اخبار میرا اپنا ہے۔ اس کے بغیر میرا بھی دل نہیں لگتا۔ میں کسی طور آرام نہیں کرسکوں گا۔ ہاں، دفتر میں بیٹھ کر اپنا کام مفتی اور شاہد سے لے لوں گا۔ تم اس سلسلے میں بے فکر رہو۔"

"جس طرح آپ مطمئن ہوں۔"

"ارے ہاں، سلطان کے بارے میں کیا رہا؟"

"کچھ نہیں۔ اس کے بعد سلطان نے مجھ سے کوئی رابطہ قائم نہیں کیا۔ میرے ذہن میں ایک اور اُلجھن ہے صباحت صاحب!"

"وہ کیا، عالیہ بی بی؟"

"مجھے ایک رجسٹرڈ لفافہ ملا ہے جو امینہ کے نام تھا۔ اس میں امینہ کے لیے ایک بینک ڈرافٹ تھا جو سات ہزار روپے کی مالیت کا ہے اور یہ ڈرافٹ امینہ کو گرین اینڈ کو کی جانب سے ملا ہے۔ میں گرین اینڈ کو کے بارے میں معلومات چاہتی ہوں۔"

"خوب، یہ فرم کہاں کی ہے؟"

"مشرقِ وسطیٰ کے ایک ملک کی۔"

"یہ کام طاہر کے سپرد کردو۔ اس کے تعلقات ٹریول ایجنسیوں سے ہیں، وہ معلوم کرلے گا۔"

"پھر آپ طاہر سے بات کرلیں۔"

"میں، اُسے آپ کے سامنے ہی بلائے لیتا ہوں۔" یہ کہہ کر صباحت صاحب نے گھنٹی بجادی۔۔۔ پھر چپراسی کی آمد پر اُسے طاہر کو بلانے کے لیے کہا۔۔۔ تھوڑی دیر بعد طاہر آگیا۔ رسمی سلام و دعا کے بعد صباحت صاحب نے اپنا مدعا بیان کیا۔

"ٹھیک ہے۔ میں یہ کام آج ہی کرلوں گا۔"

"لیکن طاہر! اس معاملے میں رازداری شرط ہے۔ بس تم اپنے طور پر معلومات حاصل کروگے۔" صباحت صاحب نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ میں، چار بجے تک آپ کو رپورٹ دوں گا۔" طاہر نے جواب دیا اور اجازت لے کر چلا گیا۔

میں دیر تک بیٹھی صباحت صاحب سے گفتگو کرتی رہی۔۔۔ پھر میں اُٹھنے کا ارادہ کررہی تھی کہ فون کی گھنٹی بج اُٹھی۔ صباحت صاحب نے فون ریسیو کیا اور پھر جلدی سے مجھے ہاتھ سے اشارہ کیا۔ میں نے ساؤنڈ انلارجر کے ساتھ، ٹیپ ریکارڈر بھی آن کردیا اور فون کے قریب بیٹھ گئی۔ صباحت صاحب کہہ رہے تھے۔

"جی ہاں۔۔۔ میں نے آواز پہچان لی ہے۔"

"میں اس بددیانتی کی وجہ جاننا چاہتا ہوں۔"

"آپ اسے بددیانتی تصور نہ کریں۔ یہ محض اتفاق تھا کہ ایک ایسا مضمون سلپ ہوگیا جو چھاپنے ہی کے لیے لکھا گیا تھا لیکن بعد میں اسے روک دیا گیا تھا۔ سب ایڈیٹر نے وہ مضمون لگا دیا۔"

"یہ تمہاری ذمے داری تھی مسٹر... اور تم نے اس غیر ذمے داری کا نتیجہ دیکھ لیا ہوگا۔ یہ صرف ایک چھوٹی سی وارننگ ہے۔ زبان بند کرنے کا سب سے بہتر طریقہ نوٹ ہوتے ہیں اور سب سے بد تر طریقہ یہی ہے کہ زبان کو بولنے کے قابل ہی نہ چھوڑا جائے۔ پہلے مرحلے کے بعد تم نے ہمیں دوسرے مرحلے میں داخل ہونے پر مجبور کر دیا تھا۔ اب بہتر یہ ہوگا کہ تیسرے مرحلے میں داخل ہونے کا موقع نہ دو۔"

فون بند ہو گیا۔ صباحت صاحب کا چہرہ غصّے سے سرخ ہو رہا تھا۔ انہوں نے ریسیور رکھ کر میری طرف دیکھا اور میں مسکرا دی۔

"کیا سوچ رہے ہیں، صباحت صاحب؟"

"اب میں اس تیسرے مرحلے میں داخل ہونا چاہتا ہوں۔"

"اوہ! نہیں صباحت صاحب! ہم اُسے اس غرور کی سزا دیں گے۔ آپ اب اس بارے میں بالکل خاموشی اختیار کریں۔ انشاء اللہ ہم کامیابی حاصل کر لیں گے۔"

ہم نے کئی بار اس آواز کا ریکارڈ سنا اور ذہن پر زور دیتے رہے لیکن آواز اجنبی ہی تھی۔ چنانچہ اسے ریکارڈ میں محفوظ کر لیا گیا... پھر میں وہاں سے نکل آئی۔ اب میں بھی اپنے طور پر محتاط رہ کر کام کرنا چاہتی تھی۔

شام کو طاہر کی رپورٹ مل گئی لیکن میں اس رپورٹ سے مطمئن نہیں تھی۔ طاہر نے بتلایا تھا کہ متذکرہ ملک میں گرین اینڈ کو نامی کوئی فرم موجود نہیں ہے۔ چنانچہ اب ضروری ہو گیا تھا کہ... میں براہ راست اسی ملک سے معلومات حاصل کروں۔ چنانچہ اس کام کے لیے انکل شہریار ہی پر نگاہ پڑی اور میں نے ان سے ملاقات کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

رات کو تقریباً ساڑھے آٹھ بجے، میں پوائنٹ نمبر تین پر پہنچی۔ پوری عمارت روشن تھی لیکن آج یہاں اجنبی شکلیں نظر آئیں۔ ایک وجیہہ نوجوان نے میرا استقبال کیا۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ وہ، مجھے دیکھ کر شناسائی کے انداز میں مسکرایا تھا۔

"ہیلو، مس عالیہ بھابانی!" اس نے بے تکلفی سے کہا۔

"ہیلو... مجھے حیرت ہے۔" میں نے اس کے ساتھ آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

"کس بات پر؟"

"آپ میرے نام سے بخوبی واقف ہیں۔ جب کہ میں نے آپ کو پہلی مرتبہ دیکھا ہے۔"

"اس عمارت میں موجود ہر شخص، آپ کے نام اور آپ کی شخصیت سے پوری طرح واقف ہے۔" نوجوان نے کہا۔ "آپ تو شلیدان لوگوں سے بھی واقف نہ ہوں گی جو آپ کے باڈی گارڈز کے فرائض سر انجام دیتے رہے۔"

"میرے باڈی گارڈز...؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"جی ہاں، دو افراد ہمیشہ آپ کی حفاظت پر مامور رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ جب آپ گھر میں ہوتی ہیں تو وہ آپ کے فلیٹ کے نیچے پہرہ دیتے ہیں۔" نوجوان نے انکشاف کیا تو میں انگشت بدنداں رہ گئی۔

"لیکن اس کی کیا ضرورت تھی؟"

"اس کا جواب تو چیف ہی دے سکتے ہیں۔"

"لیکن میں نے کبھی محسوس نہیں کیا۔"

"آپ نے غور نہیں کیا ہوگا۔ یوں بھی انہیں سختی سے ہدایت دی گئی ہیں کہ کسی صورت میں بھی ان کی موجودگی کا احساس نہیں ہونا چاہیے۔" نوجوان نے مسکرا کر میری طرف دیکھا اور پھر بولا۔ "جیسے اب پچھلی رات ہی کی بات ہے، جب آپ اس گندے سے محلّے کے ایک مکان میں داخل ہوئی تھیں اور وہاں سے ایک چور نکل بھاگا تھا۔ اس وقت میں، آپ کی حفاظت کے فرائض سر انجام دے رہا تھا۔"

میں ٹھٹک گئی۔ مجھے اس کے ان الفاظ پر سخت حیرت ہوئی تھی تاہم میں دوسرے ہی لمحے سنبھل گئی... پھر ہم ایک ڈرائنگ روم میں داخل ہو گئے۔ "یہاں ایک بوڑھی خاتون موجود ہیں۔" میں نے ایک صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"امینہ کی والدہ کے بارے میں پوچھ رہی ہیں؟"

"ہاں..."

"وہ خاتون ٹھیک ہیں لیکن اُن کا ذہنی توازن ابھی تک درست نہیں ہو سکا ہے۔ وہ بہکی بہکی باتیں کرتی ہیں۔ ہم کوشش کر رہے ہیں کہ ان کی یادداشت بحال ہو سکے۔"

"کیا میں، اُن سے مل سکتی ہوں؟"

"انکسار... اچھی چیز ہے، خاتون عالیہ! لیکن اس حد تک ہم نہیں کہ دوسرا انسان شرمندہ ہو جائے۔ اس عمارت میں موجود ہر شخص آپ کے احکامات کا منتظر ہے۔" نوجوان بولا۔

"میں، آپ کی شکر گزار ہوں۔"

"ہماری نہیں... البتہ چیف کی بات کریں۔"

"مجھے، آپ کا نام معلوم نہیں ہو سکا۔"

"خاکسار کو سعید اختر کہتے ہیں۔ آئیے میں آپ کو ان خاتون سے ملوا دوں۔"

تھوڑی دیر بعد میں، امینہ کی والدہ کے کمرے میں تھی۔ وہ کھڑکی کے پاس کھڑی باہر خلا میں گھور رہی تھیں۔ ہمارے قدموں کی آہٹ بھی محسوس نہ ہو سکیں۔ میں نے سلام کیا تو انہوں نے جواب دیا لیکن مڑ کر نہیں دیکھا

"احمد آیا ہے۔" میں نے اچانک کہا۔ اس بات کا ان پر رد عمل ہوا۔ انہوں نے گردن گھما کر میری طرف دیکھا... لیکن آنکھوں میں اور چہرے پر ویرانی چھائی رہی۔

"جانے والے کبھی واپس نہیں آتے۔ چاند چھپ جائے تو پھر اُس کے لیے ایک طویل انتظار کرنا پڑتا ہے۔"

"امینہ کہاں گئی؟" میں نے دوسرا سوال کیا۔

"بادلوں کی اوٹ میں چھپ گئی۔ زمین کے دو چاند ہیں... دونوں ہی چھپ گئے ہیں۔ اب کبھی رات نہیں ہوگی... اب کبھی رات نہیں ہوگی..." خاتون اس جملے کو بار بار دہرانے لگیں... پھر اس کے بعد خاتون نے میرے کسی سوال کا جواب نہیں دیا۔

میں نے ایک طویل سانس لے کر مڑی اور سعید کے ساتھ واپس ڈرائنگ روم میں آ گئی۔

"آپ نے ایک بات محسوس کی سعید صاحب؟"

"کیا...؟"

"اس کی گفتگو میں اس حادثے کا احساس ہے اور ان کے ذہن میں اس غم سے رابطہ قائم ہے۔"

"آپ کا کہنا درست ہے۔ ڈاکٹروں کا خیال ہے کہ اُن کے ذہنی توازن کو بگاڑنے کی کوشش کی گئی ہے لیکن بچوں کے شدید غم نے ان کے دماغی خلیوں کو ناکارہ نہیں ہونے دیا... یہ کام دشمنی کی بنیادوں پر کیا گیا تھا تاکہ وہ اپنا ماضی بھول جائیں اور امینہ یا احمد کے بارے میں کسی کو کچھ بتا نہ سکیں لیکن یہ بات خود خاتون کے حق میں رہی۔"

"وہ کیسے...؟" میں نے پوچھا۔

"اگر وہ لوگ اپنے خدشے کے تحت ان کا ذہنی توازن نہ بگاڑ دیتے تو بچوں کا صدمہ اُن کی جان بھی لے سکتا تھا۔"

"یہ خدائی معاملے ہیں، سعید صاحب! آپ نے موت کی آغوش میں زندگی کے ہلکورں کی بہت سی کہانیاں سنی ہوں گی۔ مارنے والے سے بچانے والا اقوی ہے۔ بہرحال میں اس وقت ایک خاص کام سے آئی تھی۔ براہ کرم، آپ انکل شہریار سے میرا رابطہ قائم کرا دیں۔"

"اوہ! خاتون اس کے لیے آپ کو انتظار کی زحمت اٹھانا پڑے گی۔"

"کیوں... خیریت؟ کیا انکل بہت مصروف ہیں؟"

"یقیناً ہوں گے۔ جاتے ہوئے ہدایات دے گئے تھے کہ جب تک وہ خود رابطہ قائم نہ کریں، انہیں کال کرنے کی کوشش نہ کی جائے۔"

"مسٹر سعید! میں آپ سے ایک کام لینا چاہتی ہوں۔"

"حاضر... آپ کے ہر حکم کی تعمیل ہمارا فرض ہے۔"

میں نے پرس میں سے گرین بیگ کا لفافہ نکالا اور سعید کے سامنے ڈالتے ہوئے بولی۔ "مشرق وسطیٰ کے اس ملک میں واقع گرین بیگ نامی فرم کے بارے میں مجھے مکمل معلومات درکار ہیں۔ اس لفافے میں ایک بینک ڈرافٹ موجود ہے... یہ کب، کس بینک سے اور کس اکاؤنٹ سے جاری کیا گیا ہے اور یہ فرم کیا کرتی ہے، اس بارے میں تفصیلات معلوم کرنا ہیں۔"

"مناسب... جلد سے جلد یہ کام کرنے کی کوشش کی جائے گی۔"

"آپ مجھے میرے فون پر اطلاع دیں گے۔"

"جی بہتر..."

"ہاں، یاد آیا... آپ نے انکشاف کیا ہے کہ میری حفاظت کے لیے ہر وقت میری نگرانی کی جاتی ہے، تو اس سلسلے میں، میں ایک بات پوچھوں گی۔"

"جی، فرمایئے۔"

"آپ کے علاوہ، کسی اور شخص نے بھی میرا تعاقب یا نگرانی کرنے کی کوشش کی ہے؟"

"قطعی نہیں۔ یہ بات پورے وثوق سے کہی جا سکتی ہے۔"

"شکریہ!" میں اٹھتے ہوئے بولی۔ "اب مجھے اجازت دیں۔"

"بہتر..." سعید بھی میرے ساتھ کھڑا ہو گیا۔

میں اس نوجوان سے رخصت ہو کر عمارت سے باہر آ گئی۔

اپنے فلیٹ میں پہنچ کر میں پھر اسی کیس کے بارے میں سوچنے لگی۔ مجھے احساس تھا کہ میں جو کچھ بھی کر رہی ہوں، وہ میرے کاروباری تقاضے سے بالکل مختلف ہے۔ میں اپنے اخبار کے لیے سنسنی خیز خبریں حاصل کرنے کے لیے یہ سب کچھ نہیں کر رہی ہوں بلکہ اس کے پیچھے انسانی ہمدردی کا جذبہ کارفرما ہے۔ امینہ کی دردناک موت میرے اس جذبے کی محرک ہے اور اسی تحریک نے مجھے، ان سیاہ رو لوگوں کا دشمن بنا دیا ہے۔

آج کی رات بھی سوچوں کی رات تھی۔ گرین بیگ کا نام یقیناً ایک خاص اہمیت کا حامل تھا۔ حالانکہ طاہر کی رپورٹ کے مطابق اس نام کی کوئی فرم وہاں موجود نہیں تھی... لیکن طاہر کی رپورٹ کو میں نے حتمی قرار نہیں دیا تھا۔ انکل شہریار، بین الاقوامی حیثیت رکھتے تھے اور اُن کے نمائندے ساری دنیا میں پھیلے ہوئے تھے۔ وہ یقیناً مکمل معلومات حاصل کر لیں گے... اب میں، سعید اختر کی رپورٹ کے بعد ہی کوئی قدم اٹھانا چاہتی تھی۔

بہرحال، دو روز سکون سے گزرے۔ میں، صباحت صاحب کے ساتھ دفتری امور میں مصروف رہی۔ تیسرے روز، اتفاق سے سلطان سے ملاقات ہو گئی۔ مجھے دیکھتے ہی اس نے اپنی موٹر سائیکل روک لی۔

"ہیلو... عالیہ!"

"ہیلو...!" میں نے بھی مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"بہت دن ہوگئے، تم سے ملاقات ہوئے۔"

"تم خود ہی ایک خوبصورت جانور کے سینگوں کی طرح غائب ہو۔"

"ہاں بھئی، جان بوجھ کر تم سے دور رہا ہوں۔"

"آج کیسے رک گئے؟"

"اب قطع تعلق بھی تو نہیں ہو سکتا۔ آؤ، سامنے والے ریستوران میں ایک ایک کپ چائے ہو جائے، میری طرف سے۔"

"جو حکم..." میں نے انجن لاک کیا اور گاڑی سے اتر آئی... سلطان نے اپنی موٹر سائیکل، میری گاڑی کے پیچھے پارک کر دی اور ہم دونوں، ریستوران کی طرف بڑھ گئے۔

ہم نے سنسان سے گوشے میں ایک میز کا انتخاب کیا اور بیٹھ گئے۔ ویٹر کو چائے کے لیے کہہ کر، سلطان میری طرف متوجہ ہوا۔ "اور سناؤ، آج کل تمہارا اخبار، تمہاری آتش بیانی سے محروم ہے۔ کوئی خاص موضوع نہیں چھیڑا تم نے؟"

"طنز کرنا چاہتے ہو؟... حقیقت پر آ جاؤ۔"

"بخدا یہ طنز نہیں ہے۔ میں، تمہاری رپورٹنگ سے بہت متاثر ہوں اور تمہارے دوسرے مضامین بھی بہت دلچسپی سے پڑھتا ہوں۔" سلطان جلدی سے بولا۔

"اگر سچ کہہ رہے ہو تو شکریہ!" میں نے طویل سانس لے کر کہا۔ "سنا ہے، تمہارے دفتر پر کچھ لوگ حملہ آور ہوئے تھے؟"

"صرف سنا ہے یا نہیں جانتے بھی ہو؟" میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا تو سلطان مجھے تاسف آمیز نگاہوں سے دیکھنے لگا۔ پھر کسی قدر آزردہ لہجے میں بولا۔

"گویا تم ابھی تک میرے خلوص سے مطمئن نہیں ہو، عالیہ، حالانکہ میں نے زندگی میں پہلی بار، اپنے ضمیر کی آواز سنی تھی اور آواز کی اس زنجیر سے بندھا تمہارے پاس چلا آیا تھا... لیکن افسوس! تمہارے ذہن میں ابھی تک میرے بارے میں شکوک موجود ہیں۔ سنو، عالیہ! ہم لوگ بھی انسان ہیں۔ گو فرض کی ادائیگی میں بعض اوقات ہمیں حد سے تجاوز کرنا پڑتا ہے لیکن وہ بھی ہماری مجبوری ہوتی ہے۔ بعض اوقات ہمارے ہاتھوں کی پہنچ محدود کر دی جاتی ہے اور ہم کچھ کرنا چاہتے ہوئے بھی کچھ نہیں کر سکتے۔ یہ سلسلہ بھی کچھ اسی قسم کا تھا۔"

"تمہیں، امینہ یاد ہے، سلطان؟"

"کیوں نہیں...؟"

"اس کی التجائیں یاد ہیں؟"

"ہاں، عالیہ...!"

"وہ کہہ رہی تھی، سر، میری بات تو سن لیں۔ سر، میری زندگی خطرے میں ہے۔ سر، آپ..."

"خدا کے لیے، عالیہ! اب ان الفاظ کو مت دہراؤ۔" سلطان کے چہرے پر کرب کے آثار نمودار ہو گئے۔

"ٹھیک ہے، سلطان! تم اپنی مجبوریوں کی بنا پر اس مظلوم کے دشمنوں میں شریک ہو گئے تھے... لیکن کیا اب ضمیر کے ہاتھوں مجبور ہو کر، اس کے دشمنوں کے خلاف کچھ کرنے پر آمادہ نہیں ہو سکتے۔"

سلطان بے بسی سے میری طرف دیکھنے لگا پھر ایک طویل سانس لے کر بولا۔ "کیا تم اب بھی اس معاملے میں اتنی ہی سنجیدہ ہو، عالیہ...؟"

"ہاں، سلطان! جب تک امینہ کی التجائیں میرے کانوں میں گونجتی رہیں گی، مجھے سکون نہیں ملے گا۔"

"میں تمہیں چند باتیں بتاتا ہوں، عالیہ! غور سے سنو، ممکن ہے تم ان سے کوئی نتیجہ اخذ کر سکو اور یہ تمہارے کام آ جائیں۔ دیکھو، عالیہ تم صحافی ہو۔ ایک اخبار میں ملازمت کرتی ہو۔ یہ صرف تمہارا شوق ہی نہیں ہے بلکہ تمہاری کفالت بھی اسی سے ہوتی ہے۔"

"بیشک..." میں نے کہا اور دل ہی دل میں مسکرا دی۔

"اگر اخبار کا مالک کل تمہیں نوکری سے جواب دے دے اور تمہارے احتجاج پر تمہارے خلاف کوئی ایسا چارج لگا دیا جائے جس کی بنا پر آئندہ تم صحافت کے پیشے سے بھی منسلک نہ رہ سکو... تو بتاؤ، تمہارے لیے پریشانی کی بات ہوگی یا نہیں؟"

"یقیناً ہوگی۔" میں نے جواب دیا۔

"بس، ایسی ہی چند مجبوریاں، انسان کے آڑے آ جاتی ہیں اور اسے اپنے ضمیر کے خلاف کام کرنا پڑتا ہے۔ امینہ میرے پاس آئی تھی تو میں نے اس پر توجہ دی تھی لیکن جب اس نے مجھے ایک ایسی شخصیت کا حوالہ دیا جو دہری شخصیت رکھتی ہے تو میں چونک پڑا... کیونکہ اس سے قبل بھی ایسا ہی ایک کیس میرے پاس آ چکا ہے..."

سلطان کا یہ انکشاف چونکا دینے والا تھا۔ "کیا مطلب...؟" میں نے سنبھلتے ہوئے پوچھا۔

"تین، چار ماہ قبل کی بات ہے۔ میں دوسرے تھانے میں انچارج تھا۔ یہ بھی ایک رات ہی کا واقعہ ہے۔ میں رائن روڈ کے چوراہے سے گزر رہا تھا، کہ ایک بدحواس لڑکی، مجھے پولیس یونیفارم میں دیکھ کر میری طرف دوڑی اور مجھ سے پناہ کی درخواست کی۔ اس نے ٹوٹے پھوٹے اور بے ربط لہجے میں بتایا کہ وہ ایک ایسے شخص کا

شکار ہوئی ہے جو دو وجود رکھتا ہے۔ میں نے اسے بھی پاگل ہی سمجھا تھا۔ میں اسے اپنے ساتھ لے گیا اور پھر اس کیس کی تحقیقات شروع کر دیں۔ لڑکی کو میں نے ایک پرائیویٹ اسپتال میں داخل کرا دیا تھا لیکن وہ وہاں پہنچ کر ذہنی طور پر بالکل ہی معطل ہو گئی اور اس کے بعد کسی کو ایک لفظ بھی نہ بتا سکی۔ مجبوراً میں نے اس کی تصویریں اخبارات کو دیں اور اس کے سرپرستوں کی تلاش شروع کر دی... لیکن پہلے روز ہی مجھے احکامات ملے کہ اس بارے میں کسی کو ایک لفظ بھی نہ بتایا جائے اور اس کیس کی فائل کو اوپر پہنچا دیا جائے۔ میں ان احکامات کو ٹال نہیں سکتا تھا۔ چنانچہ میں نے مجبوراً وہی سب کچھ کیا۔

"اسی وقت مجھے اسپتال کے انچارج نے اطلاع دی کہ چند لوگوں نے اسپتال سے لڑکی کو اغوا کر لیا ہے۔ وہ بے چارا رپورٹ درج کرانا چاہتا تھا۔ میں نے اوپر سے رابطہ قائم کیا تو ہدایت ملی کہ میں اپنے روزنامچے میں تھوڑی سی تبدیلی کر لوں اور رپورٹ میں درج کر دوں کہ لڑکی چونکہ پاگل تھی اس لیے اسپتال سے فرار ہو گئی۔ میں نے اسپتال کے انچارج کا حوالہ دیا تو کہا گیا کہ میں اپنے طور پر رپورٹ درج کروں۔ اسپتال کا انچارج بھی یہی بیان دے گا... اور پھر یہی ہوا، عالیہ... دوسرے روز میں نے ذاتی طور پر اسپتال کے انچارج سے رابطہ قائم کیا تو اس نے بتایا کہ اسے غلط فہمی ہو گئی تھی۔ دراصل لڑکی دیوانگی کے عالم میں فرار ہوئی ہے۔

"لڑکی کے غائب ہونے کے تین روز بعد اس کے بوڑھے ماں باپ اپنی بیٹی کی تلاش میں آئے۔ بڑے قابل رحم لوگ تھے نہ جانے کس طرح دل پر جبر کر کے میں نے ان سے جھوٹ بولا... یہی وجہ تھی کہ اس روز میں نے امینہ کو نظر انداز کر دیا تھا۔ غالباً میری مجبوری کو تم سمجھ گئی ہوگی۔"

سلطان خاموش ہو گیا۔ اس کی باتوں میں سچائی کی جھلک موجود تھی... لیکن میرے ذہن میں کئی خانے کھل گئے اس انکشاف سے جو بات سب سے پہلے میرے ذہن میں آئی وہ یہی تھی کہ یہ سلسلہ صرف امینہ کی ذات تک محدود نہیں تھا۔ اور بھی کئی لڑکیاں اس دہری شخصیت کا شکار ہوئی ہیں اور شاید آئندہ بھی ہوں۔

"تمہارا بہت شکریہ، سلطان! درحقیقت، تمہاری اس گفتگو کو میں تمہاری نیک نفسی پر محمول کرتی ہوں لیکن کیا کبھی تمہارے ذہن میں یہ احساس نہیں جاگا کہ وہ شخصیت خواہ کتنی ہی بڑی ہو، تمہارے فرائض میں حائل ہو رہی ہے۔ تم سرکاری طور پر لاکھ مجبور سہی لیکن انسان اپنے ضمیر کے ہاتھوں بھی تو مجبور ہوتا ہے۔ تم نے اپنے طور پر اس شخصیت کو بے نقاب کرنے کی کوشش نہیں کی؟"

"نہیں، عالیہ! بعض ذمے داریاں بھی انسان کو انسانیت سے بہت دور لے جاتی ہیں۔ میری مصروفیات ہی نے مجھے اس کی اجازت نہیں دی... اور سچ پوچھو تو میں نے ایسے بہت سے دھرماتماؤں کو سڑکوں پر جوتیاں چٹخاتے دیکھا ہے جنہوں نے ضمیر کی بات مانی تھی لیکن نہ تو وہ اپنے ضمیر کو خوش کر سکے اور نہ ہی اپنے حالات کو بہتر بنا سکے اور وہ دربدر ہو کر رہ گئے۔"

"ٹھیک ہے، سلطان! میں بہرحال اس سلسلے میں کام کرتی رہوں گی۔ تم اس سلسلے میں میری کیا مدد کر سکتے ہو؟"

"تو تم میری بات نہیں مانو گی؟"

"کون سی بات، سلطان؟" میں نے انجان بن کر پوچھا۔

"یہی کہ اس جھگڑے میں مت پڑو۔ میں حسب سابق، تم سے تعاون کرتا رہوں گا، اور تمہارے اخبار کو گرما گرم خبریں ملتی رہیں گی۔"

"لیکن سلطان! تم جانتے ہو، ہمارے اخبار کی پالیسی کیا ہے اور پھر اخبار ہی کی بات نہیں۔ برائیوں کے خاتمے کے لیے تو مسلسل کوششیں جاری رہنا چاہئیں۔ اگر ایسے درندے وحشی کا وجود ہے اور اعلیٰ حکام، اس کی پشت پناہی کر رہے ہیں تو کیا قوم کی بہو، بیٹیوں کو یونہی لاوارث چھوڑ دو گے؟ کیا ایک باپ اور بھائی کی حیثیت سے تمہارا ضمیر کبھی نہیں جاگے گا؟"

"میں کہہ چکا ہوں، عالیہ! کہ اس کے لیے کوئی بڑا کام کرنا میرے بس میں نہیں ہے۔"

"تو پھر میری تھوڑی ہی سی مدد کرو۔"

"بولو... کیا؟" سلطان نے پوچھا۔

"تمہیں ہدایات کہاں سے ملتی ہیں؟"

"افسوس! یہ نہیں بتا سکتا۔"

"وہ فون نمبر ہی بتا دو جس پر تم، اس شخصیت کے متعلق کسی واقعے کی اطلاع دیتے ہو۔"

"ایک ہی سوال ہے۔" سلطان مسکرا کر بولا۔

"گویا وہ نمبر براہ راست نہیں ہیں۔"

"براہ راست!" سلطان نے ہنس کر کہا۔ "براہ راست نمبر تو شاید اس شخصیت کے پاس بھی نہیں ہوگا جسے میں اطلاع دیتا ہوں۔ ان معاملات کی جڑیں بہت گہری ہیں، عالیہ! تم تنہا عورت وہاں تک نہیں پہنچ سکو گی۔"

"ہوں..." میں، سلطان کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے بولی۔ "کیا تم مجھے اس لڑکی کے والدین کا پتا دے سکتے ہو۔ جسے پہلی مرتبہ تم نے پناہ دی تھی؟"

"ہاں۔ یہ کام میں کر سکتا ہوں۔"

"کب تک ہو جائے گا؟"

"زیادہ پرانی بات نہیں ہے۔ دو، چار ماہ قبل کے فائل دیکھنا ہوں گے۔ میں، رات کو تمہیں فون پر بتادوں گا۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے کہا۔

"حالات اتنے سنگین نہ ہوتے، عالیہ! تو میں کُھل کر تمہارے ساتھ کام کرسکتا تھا لیکن مجھے افسوس ہے... تم بھی اپنا شوق پورا کرلو... مجھے یقین ہے کہ تمہیں لاتعداد پریشانیوں کے بعد، مایوسی کے سوا کچھ نہیں ملے گا تاہم ایسے معاملات میں جن تک میری رسائی ہو، تمہاری حتی الوسیع مدد کرتا رہوں گا۔"

"شکریہ، سلطان! بس اتنا ہی کافی ہے... چلو، اب اٹھیں، یہاں سے؟"

"ہاں، چلو۔" سلطان نے جواب دیا اور بھر بل ادا کر کے ہم دونوں باہر آ گئے۔

☆

بستی رحمان کافی گنجان آبادی تھی۔ میں نے اس علاقے سے ذرا فاصلے پر کار روکی اور اُتر کر مکان نمبر ایک سو دس کے مکین حکیم الدین کی تلاش میں چل پڑی۔ یہ پتا مجھے رات کو سلطان نے فون پر بتایا تھا۔

یہ علاقہ بھی پسماندہ ہی تھا۔ چھوٹے چھوٹے مکانات تھے، مکان نمبر ایک سو دس کے بارے میں، مجھے جلد ہی معلوم ہو گیا۔ جس شخص نے مجھے اس مکان کے بارے میں بتایا۔ وہ ایک معمر انسان تھا۔

"لیکن، بیٹی! اس مکان میں تو حکیم الدین رہتے تھے۔"

"جی ہاں، میں انہی سے ملنا چاہتی ہوں۔"

"کسی دوسرے شہر سے آئی ہو، کیا؟"

"ج... جی ہاں۔" میں نے جلدی سے گردن ہلادی۔

"تبھی تو... کیا تم، ان لوگوں کی رشتے دار ہو؟"

"جی ہاں... لیکن بہت دور کی لیکن آپ یہ سوالات کیوں کر رہے ہیں؟" میں نے اُلجھے ہوئے انداز میں کہا۔

"بیٹی! حکیم الدین کو تو مرے ہوئے بھی دو ماہ ہو گئے۔ یوں بھی زندہ درگور تھا، وہ بے چارا... دمے کے مریض کی بھی کوئی زندگی ہوتی ہے۔ غیرت مند لوگ تھے لیکن بیماری ہی پیچھا نہیں چھوڑتی تھی۔ مجبوراً بیٹی کو نوکری کے لیے گھر سے نکلنا پڑا، مگر اللہ کی مرضی کچھ اور رہی تھی... شکیلہ کو کسی نے قتل کر دیا اور اس کا صدمہ حکیم الدین کو بھی لے گیا۔ اب بڑی بی کی جان رہ گئی ہے۔ ابھی تو عدت کے دن گزار رہی ہے، بیچاری... اس کے بعد، جب تک جیے گی، لوگوں کے برتن مانجھ کر پیٹ بھرے گی۔" بڑے میاں نے بتایا۔

میرا دل ایک بار پھر غم و اندوہ میں ڈوب گیا۔ اور اس دُہری شخصیت کے مالک کے خلاف میری نفرت کی آگ مزید بھڑک اُٹھی۔ میں نے وہیں قسم کھائی کہ خواہ وہ ہستی کوئی بھی ہو، اسے بے نقاب کر کے ایسی عبرتناک سزا دوں گی کہ رہتی دنیا تک لوگ اس کے نام سے نفرت کرتے رہیں۔

مکان نمبر ایک سو دس بھی اپنی زبوں حالی کی مُنہ بولتی تصویر تھا۔ میں کُھلے ہوئے دروازے سے مکان میں داخل ہو گئی۔ چھوٹے سے صحن کے بعد ایک برآمدہ تھا، جس میں بچھے ہوئے ایک تخت پر دو بوڑھی عورتیں بیٹھی تھیں۔ ایک لاغر سی تھی جس کے چہرے پر غم گویا منجمد ہو کر رہ گیا تھا۔ دوسری ایک فربہ بدن خاتون تھی۔

دونوں نے چونک کر میری طرف دیکھا... پھر غم زدہ خاتون لرزتے ہوئے نرم لہجے میں بولیں: "آؤ، بیٹی! کہاں سے آئی ہو، کس سے کام ہے؟"

"شکیلہ کی امی، آپ ہی ہیں؟" میں نے انہی خاتون کو مخاطب کیا۔

"ہاں، بیٹی! میں ہی اس بدنصیب کی ماں ہوں۔ آؤ، بیٹھو۔"

"میں، آپ سے کچھ باتیں کرنا چاہتی ہوں۔" میں، اُن کے قریب ہی تخت پر بیٹھ گئی۔

"کہو، کیا بات ہے؟"

"دراصل، میں ایک رفاہی ادارے کی طرف سے آئی ہوں۔ آپ کے بارے میں کچھ معلوم کرنا چاہتی ہوں۔"

"اوہ! کیا معلوم کرنا چاہتی ہو، بیٹی؟"

"اگر آپ بُرا محسوس نہ کریں تو ان خاتون سے تھوڑی دیر کے لیے معذرت کرلیں۔ میں تنہائی میں گفتگو کرنا چاہتی ہوں۔"

"یہ شفیق کی ماں ہیں اور میری ہمدرد و غمگسار... اب تو انہی لوگوں کے سہارے زندگی گزر رہی ہے۔ تمہیں جو کچھ کہنا ہے، ان کے سامنے ہی کہہ دو۔"

میرے کچھ کہنے سے پہلے ہی شفیق کی ماں اُٹھ گئیں۔ "ہاں بیٹی! تم تنہائی ہی میں بات کرلو۔ ویسے بھی میرے لیے ابھی گھر کا کام کاج پڑا ہے۔"

اُن کے جاتے ہی میں نے دوسری خاتون سے کہا: "آپ کے شوہر کے انتقال کی خبر سُن کر ہمیں بے حد افسوس ہوا ہے۔ آئندہ آپ کی گزر اوقات کا ذریعہ کیا ہوگا؟"

"جو خدا نے مقدر میں لکھ دیا۔"

"پھر بھی...؟" میں نے اصرار کیا تو خاتون کے چہرے کا

رنگ اور زرد ہو گیا... پھر وہ رُندھی ہوئی آواز میں بولیں "مجھے کسی سے کوئی شکوہ نہیں ہے۔ اگر ہے تو صرف اپنے خدا سے کہ اس نے کس جرم کی پاداش میں مجھے زمین کا بوجھ بنا رہنے دیا ہے۔"

ان کے اس مختصر سے جملے میں اتنی چبھن اور اتنا کرب تھا کہ میں تڑپ اُٹھی۔

"کبھی کبھی تو خدا سے بغاوت کرنے کو جی چاہتا ہے۔ سوچتی ہوں کہ گناہ اور ثواب کو بھول کر خودکشی کرلوں لیکن پھر سوچتی ہوں کہ مرنے کے بعد، خودکشی کے جرم میں اپنی بیٹی کے دیدار سے محروم ہو گئی تو کیا کروں گی۔"

خاتون کے ایک ایک لفظ کا کرب میری رگ و پے میں سرایت کر رہا تھا اور میں خود پر قابو نہ رکھ پا رہی تھی۔ ان کی آنکھیں خشک تھیں اور لہجہ سپاٹ تھا۔ دلاسہ ایسے انسان کو دیا جاتا ہے جو بلک رہا ہو، اُسے کس طرح دلاسہ دیا جائے جو خود اپنے غم کا مذاق اُڑا چکا ہو۔

میں دیر تک گُم صُم بیٹھی رہی پھر خود پر قابو پاتے ہوئے بولی۔ "آپ کچھ تعلیم یافتہ بھی ہیں؟"

"ہاں، دس جماعت تک پڑھا تھا۔"

"آپ نے شکیلہ کی موت کا راز معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی؟"

"بڑا معصومانہ سوال ہے، بیٹی! کہیں شکیلہ جیسی لاوارث لڑکیوں کی موت کا راز بھی معلوم ہوتا ہے۔"

"آپ کے دل میں اس کے انتقام کا جذبہ بھی نہیں اُبھرا؟"

"انتقام کا فیشن بھی بڑے لوگوں ہی میں ہوتا ہے۔ ہم جیسے لوگ تو کسی جاگیردار کی شکارگاہ کے ہرنوں کی مانند ہوتے ہیں جو اپنی مستی میں آزادی کی چوکڑیاں بھرتے ہیں لیکن کسی بھی وقت، انہیں شکار کر لیا جاتا ہے۔ کیا شکاری سے انتقام لیا جا سکتا ہے؟"

"ماں جی! کیا آپ میری کچھ مدد کر سکتی ہیں؟"

"کس سلسلے میں؟" انہوں نے سپاٹ نظروں سے میری طرف دیکھا۔

"مجھے شکیلہ کے بارے میں کچھ معلومات درکار ہیں۔"

"کیا کرو گی؟"

"بس یوں سمجھ لیں کہ اسی پر میری ملازمت کا دار و مدار ہے۔" میں نے عاجزی سے کہا تو بزرگ خاتون نے چونک کر میری طرف دیکھا۔

"تم... تم بھی نوکری کرتی ہو؟"

"ہاں، ماں جی!"

"نوکری چھوڑ دو، بیٹی! باہر کی دنیا ابھی ہماری بیٹیوں کے لیے

سازگار نہیں ہے۔ کوئی تمہیں بیرونِ ملک نوکری دلانے کا جھانسہ دے گا اور پھر نہ جانے تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے... تمہیں خدا کا واسطہ! نوکری چھوڑ دو۔ شکیلہ کی بھیجی ہوئی رقم میں سے ابھی میرے پاس بارہ ہزار روپے باقی ہیں۔ وہ تم لے لو اور نوکری چھوڑ دو۔ جو رُوکھی سُوکھی میسر آئے گھر بیٹھ کر کھا لینا۔ بس، اب نوکری نہ کرنا۔ وعدہ کرو، اب تو نوکری نہیں کرو گی۔ اب تو گھر سے نہیں نکلو گی۔" بزرگ خاتون پر ایک ہیجانی کیفیت طاری تھی اور میرے سارے وجود پر ایک سناٹا طاری تھا۔

"ٹھیک ہے، ماں جی! میں نوکری نہیں کروں گی۔" میں نے بمشکل کہا: "لیکن میں شکیلہ کا انتقام ضرور لوں گی۔ آپ کو شکیلہ کی قسم ماں جی! مجھے اس سے منع نہ کیجیے گا۔"

"خدا انتقام لے گا، بیٹی! جب ہم اس کو مانتے ہیں تو ہماری کیوں نہ سُنے گا۔ تم کسی کی عزت ہو۔ جس گھر کی عزت ہو، اس کی آبرو بن کر رہو۔ اس مظلوم کا انتقام خدا لے گا۔"

"ماں جی! میں نے آپ کو شکیلہ کی قسم دی ہے۔ میں، آپ سے کچھ نہیں چاہتی۔ صرف چند چھوٹی چھوٹی باتیں بتا دیں۔"

"بہت اہم فرض ہے، بیٹی؟"

"ہاں، ماں جی!"

"بتاؤ، کیا چاہتی ہو؟"

"کیا شکیلہ کے کاغذات محفوظ ہیں؟ کیا مجھے کسی طور یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ وہ ڈرافٹ کہاں سے آتے تھے اور کون سے ادارے سے اُن کا تعلق ہے؟"

"ہاں، یہ بات مجھے معلوم ہے۔ شکیلہ کو مشرقِ وسطیٰ کے ایک ملک میں ملازمت ملی تھی۔ کوئی گرین بیگ نامی ادارہ ہے۔"

میرا ذہن جھنجھنا کر رہ گیا۔ یہ منحوس نام یہاں بھی کارفرما تھا۔ بہرحال، میں نے شکیلہ کے کاغذات اور اس کی چیزوں کی چھان بین کی تو مجھے رنگ بنانے والی ایک کمپنی کے کاغذات ملے جہاں شکیلہ نے دو سالہ ملازمت کی تھی۔ گرین اینڈ کو کے چند لفافے ملے۔ ان کے علاوہ

...چیزیں ملیں جو میرے لیے بڑی اہمیت کی حامل تھیں۔ ان میں ایک تو گرین اینڈ کو کی طرف سے شکیلہ کے نام اپائنٹ منٹ ہوا تھا جس پر جنرل منیجر زرتاج احمد کے دستخط تھے... دوسری چیز ایک وزٹنگ کارڈ تھا جو کسی نارمن ٹریولرز کا تھا جس پر پتا درج تھا۔ یہ دونوں چیزیں میں نے شکیلہ کی ماں کی اجازت سے اپنے پرس میں رکھ لیں۔ شکیلہ کی ایک تصویر بھی میں نے محفوظ کرلی تھی... پھر میں نے انہیں دلاسہ دیا اور اُن سے رُخصت ہو کر باہر آگئی۔

سُلطان کا یہ انکشاف میرے لیے بے حد کارآمد رہا تھا۔ مجھے ایک راہ مل گئی تھی... شکیلہ اور امینہ کی کہانیاں ایک تھیں لیکن شکیلہ ملک سے باہر چلی گئی تھی لیکن قتل وہ ملک ہی میں ہوئی۔ امینہ کو باہر جانے سے قبل ہی قتل کر دیا گیا تھا... آگے چل کر زنجیر ذرا اُلجھ گئی تھی۔ اپائنٹ منٹ لیٹر اور وزٹنگ کارڈ... وزٹنگ کارڈ خاصی اہمیت رکھتا تھا... چنانچہ میں نارمن ٹریولرز کے دفتر کی تلاش میں چل پڑی۔

بل اسٹریٹ کی آٹھ منزلہ عمارت کی چوتھی منزل پر نارمن ٹریولرز کے نام سے کوئی فرم موجود نہیں تھی۔ میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک چکرائی پھری لیکن بے سُود... ممکن ہے یہ فرم پہلے موجود رہی ہو لیکن اب ختم ہو چکی ہو... کیوں نہ ریسپشن سے معلوم کیا جائے۔

گنجے سر اور کانوں کے اُوپر جھالر نما بالوں والے ریسپشنسٹ نے مجھے دیکھا اور دانتوں کی نمائش کرتے ہوئے بولا۔ "جی فرمایئے؟"

"نارمن ٹریولرز، چوتھی منزل..."

ابھی میری بات پوری بھی نہیں ہوئی تھی کہ اُس نے جھپٹ کر قریب پڑا ہوا اخبار اُٹھالیا اور اُس کے اشتہاری صفحے پر نظریں دوڑانے لگا۔ اُس کی یہ حرکت اضطراری تھی جس پر مجھے حیرت ہوئی۔ پھر وہ اخبار کے سارے صفحات اُلٹنے پلٹنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے پھاڑ کھانے والے انداز میں میری طرف دیکھا۔ "کون سے اخبار میں ہے؟"

"کیا...؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"وہی منحوس اشتہار، جس نے میری زندگی تلخ کر کے رکھ دی ہے۔"

"نہ جانے آپ کون سے اشتہار کی بات کر رہے ہیں۔ میں تو اس فرم کے بارے میں پوچھ رہی ہوں۔" میں نے وزٹنگ کارڈ نکال کر اُس کے سامنے رکھا تو اُس نے جھپٹ کر اُسے اُٹھالیا۔

"ارے ستیاناس! اب یہ کارڈ بھی چھپوا لیے گئے۔ کس نے دیا ہے تمھیں یہ کارڈ؟ ایک بار مجھے اس کا پتا بتا دو... پھر دیکھو، میں کیا کرتا ہوں۔"

"آپ اس نام سے بے حد پریشان معلوم ہوتے ہیں جناب۔" میں نے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔ اسے رام کرنا بے حد ضروری تھا کیونکہ اس بارے میں کچھ معلومات حاصل ہونے کی توقع تھی۔

"میری جگہ بیٹھ کر دیکھو، تب پتا چلے۔"

"نہیں، مجھے اندازہ ہے۔ اوّل تو آپ اتنے معروف اور ذمے دار انسان ہیں اگر آپ کو پریشان کیا جائے تو آپ کی اُلجھنوں میں اضافہ ہونا یقینی ہے۔"

"کوئی ایسی ویسی اُلجھنیں ہیں۔ تم خود سوچو، ایک سو ساٹھ دفتر ہیں اور صرف ایک ریسپشنسٹ... اور پھر بارہ گھنٹے کی نوکری۔ مجھے دیکھو، جب یہاں ملازم ہوا تھا تو سر پر سارے بال موجود تھے۔ ایک ایک کر کے سب غائب ہو گئے۔" اس نے اپنے سر کے گنجے حصے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

میں نے بمشکل ہنسی ضبط کی اور تاسف آمیز انداز میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔ "درحقیقت، اس دور نے انسان کا خون چوس لیا ہے۔ اب یہی دیکھیے، میں نوکری کی تلاش میں ماری ماری پھر رہی ہوں۔ ایک صاحب نے مجھے یہ کارڈ دیا ہے... چوتھی منزل ساری دیکھ لی لیکن یہاں کسی نارمن ٹریولرز کا وجود ہی نہیں ہے۔"

"کبھی نہیں تھا۔ کوئی مسخرہ ہے جو معصوم لڑکیوں کو بیوقوف بنانے کے لیے اخبار میں اشتہار چھپواتا ہے۔ ہر پندرہ بیس روز بعد اشتہار موجود ہوتا ہے اور پھر لڑکیاں کئی روز تک میری جان عذاب میں کیے رہتی ہیں۔" پھر اس نے کاؤنٹر کے نیچے سے ٹٹول کر گتے کا ایک بڑا سا ٹکڑا نکالا جس پر تحریر تھا: "اس عمارت میں نارمن ٹریولرز نامی کوئی کمپنی نہیں ہے۔" "اشتہار دیکھتے ہی میں اس تختی کو نکال کر سامنے رکھ دیتا ہوں۔ اس کے باوجود یہ بیوقوف لڑکیاں بار بار مختلف قسم کے سوالات کرتی ہیں۔"

"واقعی، یہ تو انوکھا مذاق ہے، آپ کے ساتھ۔" میں نے مایوسی سے کہا اور واپسی کے لیے چل پڑی۔

معاملہ اُلجھتا ہی جا رہا تھا۔ نارمن ٹریولرز کا جب کوئی وجود ہی نہیں ہے تو پھر باقاعدگی سے اشتہار دینے کا کیا مقصد ہے؟ اور یہ کارڈ شکیلہ کے پاس کہاں سے آیا؟ اگر بات صرف کارڈ ہی تک محدود ہوتی تو خیریت تھی لیکن گنجے ریسپشنسٹ کی باتوں نے اسے مزید اُلجھا دیا تھا۔

میں وہاں سے سیدھی اپنے دفتر پہنچی۔ صباحت صاحب بلا کے ذمے دار انسان تھے۔ گو کہ اُن کی حالت بہتر نہیں تھی لیکن وہ دفتر میں موجود تھے۔ مجھے دیکھ کر مسکرائے اور اپنے مخصوص انداز سے

خوش آمدید کہا۔

"کیا مصروفیات ہیں، عالیہ بی بی؟"

"بس، صباحت صاحب! ایک ہی دُھن سوار ہے۔"

"امینہ...؟" انہوں نے سنجیدہ ہو کر پوچھا۔

"ہاں، اب تو اس وقت تک سکون سے بیٹھ ہی نہیں سکتی، جب تک امینہ کے قاتلوں کی گردنوں میں پھانسی کے پھندے نہیں پڑ جاتے۔"

"تمھارا یہ جذبہ قابلِ احترام ہے لیکن میری خواہش ہے کہ اخبار کو بھی اپنی تحریروں سے محروم نہ رکھو۔"

"ٹھیک ہے۔ بہرحال آپ کا حکم نہیں ٹال سکتی لیکن موضوع کے لیے آپ ہی کو میری مدد کرنا ہوگی۔"

"اسمگلنگ کے چند کیس آئے ہوئے ہیں۔ جرائم پیشہ افراد اور قانون کی بے بسی کے متعلق ہی کچھ لکھ ڈالو۔" صباحت صاحب نے کہا۔ "ویسے تمھاری سراغ رسانی کن مراحل میں ہے؟ کیا، کیا اس سلسلے میں؟"

"امینہ کی موت کوئی اتفاقیہ حادثہ نہیں ہے۔ یہ ایک طویل سلسلہ ہے۔ یوں سمجھ لیں کہ ایک پورا گروہ ہے جس کی پہنچ بہت اُوپر تک ہے اور یہ بہت منظم طریقے پر کام کر رہا ہے... لڑکیوں کو ملک سے باہر اعلیٰ قسم کی ملازمت کی پیشکش کی جاتی ہے اور انہیں مقامی طور پر ملازمت دے دی جاتی ہے۔ ڈیوٹی پر حاضر ہونے کے بعد وہ کہاں جاتی ہیں یا اُن کے ساتھ کیا سلوک کیا جاتا ہے، خدا جانے... لیکن کسی گرین اینڈ کو کی طرف سے ان کے گھروں میں باقاعدگی سے تنخواہوں کے ڈرافٹ بھیجے جاتے ہیں تاکہ اُن کے لواحقین کو لڑکیوں کے بارے میں تشویش نہ رہے۔"

"اوہ..." صباحت صاحب کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ "لیکن اس گرین اینڈ کو کے بارے میں کوئی پتا نہیں چلا؟"

"اب تو مجھے یقین ہوتا جا رہا ہے کہ یہ نام بھی فرضی ہی ہے۔"

"یہ نام بھی، سے کیا مراد ہے؟"

"ایک کام کرنا ہے، صباحت صاحب!" میں کچھ سوچتے ہوئے بولی۔ "کیا اس وقت آپ مصروف ہیں؟"

"نہیں، کوئی خاص مصروفیت نہیں ہے۔"

"تب براہِ کرم کسی طور اپنے اور دوسرے اخبارات کے کم از کم ایک سال کے فائل منگوا لیں۔ اس کام میں جتنے آدمیوں کو چاہے، ساتھ لگا لیں۔ اُن میں دو چیزیں تلاش کریں۔"

"کیا کیا...؟"

"اوّل تو یہ کہ نارمن ٹریولرز کے نام سے جو اشتہارات چھپے ہیں، انہیں یکجا کریں۔ دوئم، نوجوان لڑکیوں کے قتل کی تمام خبریں اکٹھی کریں۔ میں جانتی ہوں، یہ کام وقت طلب ہے لیکن بہت ناگزیر ہے۔"

"ہو جائے گا۔" صباحت صاحب مسکرا کر بولے۔ "لیکن ایک شرط ہوگی۔"

"جی فرمایئے..."

"اس دوران میں تم ایک مضمون لکھ ڈالو۔ اخبار کو تمھارے کسی مضمون کی اشد ضرورت ہے۔"

"بہتر ہے، جو حکم۔" میں نے کہا اور اُٹھ کر اپنے کمرے میں آگئی۔ مضمون چونکہ میرے رجحان سے مطابقت رکھتا تھا، اس لیے میں نے جرائم کی ایک تاریخ لکھ دی... اور اس قدر محویت سے لکھی کہ وقت کا احساس بھی نہ رہا۔ میرے ہر لفظ میں نشتر تھا۔ ایک ایک سطر زہر میں ڈوبی ہوئی تھی۔ میں، جرم کے ہر شعبے کو زیرِ بحث لائی تھی۔ مضمون لکھ کر فارغ ہوئی تو ساڑھے سات بج رہے تھے اور ہر طرف اندھیرا پھیلا ہوا تھا... میں مضمون لے کر صباحت صاحب کے کمرے میں پہنچ گئی۔ معلوم ہوا کہ وہ مجھ سے زیادہ مصروف ہیں۔ کمرے میں چاروں طرف اخبار پھیلے ہوئے تھے۔ انہوں نے چونک کر میری طرف دیکھا اور مسکرانے لگے۔

"کیا کیفیت ہے جناب؟" میں نے پوچھا۔

"کام تقریباً ہو گیا ہے۔ صرف اخبارات میں نارمن ٹریولرز کے اشتہارات ہیں۔ ان کے علاوہ کسی اخبار میں یہ اشتہار نہیں مل سکا۔"

"خوب... اور دوسری چیز...؟"

"پچھلے ایک سال میں ایک ہی نوعیت کے تقریباً بیس کیس ہوئے ہیں۔ میں نے ان سے متعلق دوسری خبروں کے پرچے بھی نکلوا لیے ہیں۔ میرا خیال ہے، دس بارہ پرچے اور رہ گئے ہیں۔"

"آیئے، پھر ہم اپنے اپنے کام کا تبادلہ کریں۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور مضمون اُن کے حوالے کر دیا۔ صباحت صاحب کام چھوڑ کر مضمون میں کھو گئے اور میں اِن اخبارات کو جمع کرنے لگی جو میرے کام کے تھے... پھر میں نے اُن کا بنڈل بنایا اور صباحت صاحب سے اجازت طلب کی۔ انہوں نے چونک کر میری طرف دیکھا اور ایک طویل سانس لے کر بولے۔

"خدا نے تم کو قلم کا کمال دیا ہے، عالیہ! بڑا تاثر انگیز مضمون ہے۔"

"شکریہ! اب یہ بنڈل میری کار تک پہنچوا دیجیے اور مجھے اجازت دیجیے۔ ممکن ہے، آج مجھے رات بھر کام کرنا پڑے۔"

"اوہ! اچھا، اچھا... ضرور۔" صباحت صاحب نے گھنٹی بجا کر چپراسی کو بلایا اور اخبارات کا بنڈل میری گاڑی میں رکھوا دیا۔ میں اُن سے رُخصت ہو کر نکل آئی۔ اب تک سخت تگ و دو کرنی پڑی تھی لیکن آج کی کارروائی کسی حد تک اطمینان بخش ثابت ہوئی تھی۔ ممکن ہے کوئی نتیجہ خیز بات سامنے آجائے۔

مس میری، اخبارات کا بنڈل میرے کمرے میں رکھ کر واپس جانے لگی تو میں نے پوچھا۔ "کوئی خاص بات، مس میری؟"

"جی نہیں۔ بس ایک فون آیا تھا۔"

"کس کا...؟"

"کوئی نازش صاحب تھے۔ اپنا نمبر دیا ہے اور کہا ہے کہ نو بجے تک وہ، اس فون پر ملیں گے۔" مس میری نے فون کے نزدیک رکھی ہوئی نوٹ بک اٹھائی اور ایک صفحہ کھول کر میرے سامنے کر دیا۔ میرے شناسا نہیں تھے۔ تاہم میں نے فون طلب کیا اور اسے گود میں رکھ کر نمبر ڈائل کرنے لگی۔ دوسری طرف سے فوراً ریسیور اٹھایا گیا۔

"مسٹر نازش سے بات کرنا چاہتی ہوں۔"

"ہیلو، مس عالیہ!" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"معاف کیجیے گا، نازش صاحب! آپ میری یادداشت میں محفوظ نہیں ہیں۔"

"میں پوائنٹ تھری کے حوالے سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"اوہ..." میں نے ایک طویل سانس لی پھر بولی: "ٹھیک ہے، فرمایئے۔"

"مطلوبہ ادارے کا اس ملک میں کوئی وجود نہیں ہے۔ اس کے علاوہ تحقیقات سے معلوم ہوا ہے کہ جنرل پوسٹ آفس میں ایک پوسٹ بکس، اس فرم کے نام سے حاصل کیا گیا ہے۔ پوسٹ بکس حاصل کرنے والے کوئی مسٹر نارمن ہیں اور پوسٹ آفس میں، اس پوسٹ بکس کا جو پتا درج ہے، وہ غلط ہے۔ مسٹر نارمن خود اس پوسٹ بکس سے ڈاک نکالتے ہیں۔ ابھی تک اُن کا حلیہ معلوم نہیں ہو سکا۔ تاہم ایک شخص کی ڈیوٹی وہاں لگا دی گئی ہے تاکہ وہ پوسٹ بکس سے ڈاک نکالنے والے پر نگاہ رکھ سکے۔ اس کے علاوہ کوئی حکم ہو تو ہم حاضر ہیں۔"

"آپ لوگوں کو میری وجہ سے جو زحمت اٹھانا پڑ رہی ہے اس کے لیے میں، شرمسار ہوں۔"

"آپ کے یہ الفاظ مجھے شرمندہ کر رہے ہیں۔ کیونکہ ہم لوگ جو کچھ بھی کر رہے ہیں، چیف کے حکم سے کر رہے ہیں۔"

"بس، آپ اس پوسٹ بکس کی نگرانی جاری رکھیں۔"

"بہتر... اور کوئی حکم؟"

"شکریہ، نازش صاحب!" میں نے کہا اور فون بند کر دیا۔ اب مجھے ان اطلاعات کا شدت سے انتظار تھا... اور میں اس کیس کا ایک منٰن بنا سکتی تھی۔ میں نے ان پوائنٹس کو اکٹھا کیا جن کے تحت میں امینہ اور شکیلہ کے قتل کو ایک کڑی میں پرو سکتی تھی۔

مس میری کو بلا کر میں نے چند ہدایات دیں اور اسے تھرماس میں کافی بھر کر رکھ جانے کے لیے کہا... پھر میں نے وہ اخبارات چھانٹے جن میں نارمن ٹریولرز کے اشتہارات شائع ہوئے تھے۔ انہیں ترتیب دے کر ان کی تاریخیں نوٹ کیں۔ تقریباً چودہ اشتہارات تھے، جن میں چند نسبتاً نمایاں جگہ پر تھے۔ کوئی بھی شخص صرف تفریح طبع کی خاطر اشتہارات پر اتنی رقم ضائع نہیں کر سکتا۔ دوسری بات یہ کہ ہر اشتہار کا مضمون دوسرے سے مختلف تھا۔ میں نے تمام اشتہارات کو پڑھا۔ یہ اشتہارات ایسے مضامین سے سجائے گئے تھے جو فوری توجہ حاصل کر سکتے تھے۔

اس کے بعد میں نے ان اخبارات کو دیکھنا شروع کیا جن میں نوجوان لڑکیوں کے قتل کی خبریں چھپی تھیں۔ صوفیہ نامی لڑکی کی لاش سمندر سے ملی تھی۔ اس کے والدین نے بتایا تھا کہ چند ماہ قبل، وہ گھر سے ناراض ہو کر چلی گئی تھی۔ اس کے والدین، اس کی بیرون ملک ملازمت سے ناخوش تھے لیکن وہ اپنی چھوٹی بہنوں کے مستقبل کی طرف سے بہت فکرمند رہتی تھی۔ چنانچہ وہ، والدین کی مرضی کے بغیر باہر چلی گئی اور وہاں ملازمت کر کے رقم بھیجتی رہی۔ اس کے والدین کو نہیں معلوم تھا کہ وہ کب ملک واپس آئی اور کس نے اسے قتل کر دیا۔

دوسری خبر بھی اسی قسم کی تھی۔ ایسی سات لڑکیوں کی خبریں مجھے ملیں، جن کے قتل کے واقعات تقریباً یکساں تھے۔ میں نے ان خبروں کے تراشے اخبارات میں سے نکال لیے اور ان کی تاریخیں، نارمن ٹریولرز کے اشتہارات کی تاریخوں سے ملائیں لیکن ان میں کوئی ترتیب یا ربط ظاہر نہ ہو سکا۔ البتہ اس کام میں کافی وقت صرف ہو گیا۔ جب میں فارغ ہوئی تو آدھی رات ہو چکی تھی۔

[illegible] دیر تک سونے سے نیند پوری ہو گئی تھی۔ اس لیے نہانے کے بعد طبیعت بشاش ہو گئی۔ میں نے مس میری کو آواز دے کر ناشتے کے لیے کہا۔

"ناشتہ لاؤں یا کھانا؟" مس میری نے کمرے میں آ کر مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"میرا خیال ہے کہ دونوں ہی لے آؤ۔ بہت زور کی بھوک لگ رہی ہے۔"

ناشتے سے فارغ ہو کر میں، تازہ اخبارات کی ورق گردانی کرنے لگی... پھر میں نے آج کی مصروفیات کے بارے میں سوچا۔ لیکن کوئی ایسا کام ذہن میں نہیں آیا جو آج خصوصی طور پر سرانجام دینا ہو۔ رات کو فائل بناتے وقت میں نے سوچا تھا کہ کسی اور لڑکی کے گھر تلاش کر کے معلومات حاصل کی جائیں لیکن نہ جانے کیوں اس وقت ذہن پر کاہلی سوار تھی۔ میں نے یہ ارادہ ترک کر دیا۔ مجھے یقین تھا کہ

ان لوگوں نے وہاں بھی ایسا کوئی سراغ نہیں چھوڑا ہوگا... پھر اچانک مجھے نازش کا خیال آیا۔ میں نے فون اٹھا کر اس کے نمبر ڈائل کیے۔ تھوڑی دیر بعد مردانہ آواز سنائی دی۔

"نازش صاحب سے گفتگو کرنی ہے۔"

"خادم ہی بول رہا ہے، مس عالیہ!"

"اوہ! آپ میری آواز پہچان گئے؟"

"جی ہاں۔ کوئی دقت نہیں ہوئی۔"

"خیر... اس سلسلے میں مزید کوئی اہم اطلاع موصول ہوئی؟"

"ابھی نہیں۔ ویسے نگرانی بدستور جاری ہے... اور رات کو چیف بھی واپس آ گئے ہیں۔"

"اچھا... خوشی ہوئی۔ انکل کی مصروفیات کیا ہیں؟"

"محترمہ عالیہ! میرا شمار، محکمے کے چوتھے درجے کے ملازمین میں ہوتا ہے اور، چوتھے درجے کے لوگ افسران کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔"

"معاف کیجیے گا، میں، انکل کی خفیہ مصروفیات کے بارے میں نہیں پوچھ رہی ہوں۔ میں صرف یہ جاننا چاہتی ہوں کہ ان سے ملاقات ہو سکتی ہے، یا نہیں؟"

"آپ حکم دیں تو میں معلوم کر لوں۔"

"اگر ممکن ہو سکے تو..." میں نے کہا۔

"بہتر ہے۔ میں، آپ کے فلیٹ پر ہی اطلاع دے دوں گا۔"

"میں منتظر رہوں گی۔" میں نے فون بند کر دیا اور خالی الذہن ہو کر بیٹھ گئی۔ تھوڑی دیر بعد میں، انکل شہریار کے متعلق سوچنے لگی۔ وہ میرے والد کے بچپن کے دوستوں میں سے تھے اور میں جانتی تھی کہ ان کے آپس میں کیسے تعلقات تھے۔ انکل کئی بار جرمنی [illegible] میرے ہاں ہی قیام کیا تھا۔ انہیں جب میری مصروفیات کا علم ہوا تو وہ بے حد مسرور ہوئے تھے۔ انہوں نے پوچھا تھا۔

"اپنا کام مکمل کرنے کے بعد تم کون سے ملک کی شہریت اختیار کرو گی، عالیہ بیٹی؟"

"میرا اپنا ملک ہے، انکل!" میں نے کہا۔

"کیا مطلب...؟"

"کیا آپ مجھے اپنے ملک کا شہری تسلیم نہیں کرتے؟"

"نہیں بیٹے! یہ بات نہیں لیکن تمہاری اعلیٰ صلاحیتوں کی پذیرائی کیا تمہارے ملک میں ہو سکے گی؟"

"انکل! ہر انسان کا اپنا گھر ہوتا ہے اور اس گھر میں اس کے لیے بستے ہیں جو خوبیوں اور خرابیوں کے مالک ہونے کے باوجود اپنے ہی ہوتے ہیں۔ مجھے بھی اپنا گھر عزیز ہے... اور پھر، انکل! انسان، تو پردیس میں کچھ سیکھنے اور کمانے جاتا ہے۔ خرچ کرنے کے لیے تو گھر ہی ہوتا ہے۔"

انکل کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے تھے۔ چند ساعت کے بعد انہوں نے کہا: "لیکن بیٹے! وہاں تمہیں دوسری مشکلات بھی پیش آئیں گی۔"

"وہ کیا، انکل؟"

"ہمارے ملک میں پرائیویٹ طور پر اس قسم کے کاموں کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور سرکاری شعبوں میں تمہیں پابند رہ کر کام کرنا پڑے گا۔"

"میں بنیادی طور پر ایک جرنلسٹ ہوں، انکل... اور اپنے وطن میں اسی پیشے کو اپناؤں گی اور اسی سے اپنے شوق کی تکمیل بھی کروں گی۔"

"ٹھیک ہے بیٹے! تمہارا یہ جذبہ قابل قدر ہے۔ اپنے ملک میں اگر تمہیں کسی قسم کی دشواری پیش آئے تو میں دل و جان سے تمہاری مدد کروں گا۔"

"شکریہ، انکل!" میں نے کہا تھا... لیکن آج بھی انکل کے رویے سے ظاہر ہوتا تھا کہ انہیں وہ جذباتی سی گفتگو آج بھی یاد ہے جس کے نتیجے میں، اُن کا پورا اسٹاف، دل و جان سے میری معاونت کر رہا تھا۔ میں، ان کی عظمت کی دل سے قائل ہو گئی۔

تھوڑی دیر بعد فون کی گھنٹی بجی اور میں نے جلدی سے ریسیور اٹھا لیا۔

"نازش بول رہا ہے۔"

"جی، نازش صاحب!" میں نے کہا۔

"مس عالیہ! چیف خود بھی آپ سے ملاقات کے خواہشمند تھے۔ براہ کرم، آپ اُن کی کوٹھی پر پہنچ جائیں۔"

[illegible]

"جی ہاں۔ وہ آپ کے منتظر ہیں۔"

"بہتر ہے۔" میں نے کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا۔

لباس تبدیل کرنے میں زیادہ وقت صرف نہیں ہوا... پھر تھوڑی دیر بعد میری کار، انکل شہریار کی کوٹھی کی طرف جا رہی تھی۔ انکل کا پورا خاندان مجھ سے متعارف تھا۔ میں بھی اکثر وقت نکال کر اُن کے ہاں جاتی رہتی تھی۔ اس طرح گھر کا ماحول بھی میسر آ جاتا تھا۔

میں، انکل کی کوٹھی پر پہنچ گئی۔ گیٹ پر موجود مسلح چوکیدار نے مجھے سلام کیا اور جلدی سے گیٹ کھول دیا۔ میں پورچ میں کار روک کر اُتری ہی تھی کہ انکل شہریار معہ اپنی فیملی کے دروازے

میں کھوئے نظر آئے۔ ڈیڈی کی موت کے بعد انکل کا مشفقانہ رویّہ میرے لیے بے حد قیمتی تھا... ڈرائنگ روم تک پہنچتے پہنچتے، آنٹی نے کئی محبت آمیز شکایتیں اور کافی عرصہ بعد آنے کا شکوہ کر ڈالا۔

"بھئی، عالیہ سے نہ آنے کی شکایت مت کیا کرو، تم لوگ۔" انکل نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے مسکرا کر میری طرف دیکھا۔

"آپ تو مصروفیات کی مشین ہیں۔ دوسروں کو بھی ایسا ہی دیکھنا چاہتے ہیں۔ میں کہتی ہوں، اس لڑکی پر آخر کون سی ذمے داریاں ہیں؟ کس کے لیے یہ اتنی بھاگ دوڑ کرتی ہے؟" آنٹی بولیں۔

"بیگم! آپ اپنے دور ہی میں مگن ہیں۔ گھر سے باہر دنیا بدل چکی ہے۔"

"بس، بس، رہنے دیجئے۔ کس کام کی یہ باہر کی دنیا۔ عورت گھر کے تصور سے ہے اور گھر عورت کے تصور سے۔"

"سبحان اللہ! محترمہ اب گھر ایک ذیلی ادارہ ہے۔ باہر کے مسائل زیادہ ہیں اور جہاں تک عالیہ کا تعلق ہے تو باہر کے مسائل سے اس کی دلچسپی جاننے کے لیے آج کے اخبار میں اس کا مضمون پڑھ لیں۔"

"ختم کریں، انکل! یہ باہر کی باتیں ہیں۔" میں نے جلدی سے کہا۔ اس کے بعد کافی دیر تک گھریلو باتیں ہوتی رہیں اور مشروب کا دور چلا... پھر انکل بولے۔

"بس، بیگم! اب عالیہ کو اپنے طلسم کدے سے باہر جانے کی اجازت دو۔"

"کیوں بھگا رہے ہیں، آپ میری بیٹی کو؟"

"بھگا نہیں رہا ہوں، خاتون! بلکہ آپ سے آپ کی بیٹی کو تھوڑی دیر کے لیے ادھار مانگ رہا ہوں۔"

"ہاں، آنٹی!" میں نے جلدی سے کہا۔ "تھوڑی دیر انکل سے باتیں کر لوں پھر آپ کے پاس آ کر بیٹھوں گی۔"

میں اور انکل اٹھ کر دوسرے کمرے میں آ گئے۔ پھر انکل نے دروازہ بند کر کے مجھے بیٹھنے کی پیشکش کی۔

"ہاں، عالیہ بیٹے! اب سناؤ، اصل روداد۔"

"آپ اچانک ہی روم چلے گئے تھے، انکل؟"

"ہاں، بس، اچانک پروگرام بن گیا ورنہ تمھیں اطلاع ضرور دیتا۔"

"میرا یہ مقصد نہیں تھا۔"

"سب سے پہلے تو یہ بتاؤ کہ میرے پیچھے، ڈیپارٹمنٹ کے افراد کا سلوک تمھارے ساتھ کیسا رہا؟"

"اس کے لیے میں، آپ کا شکریہ نہیں ادا کر سکتی، انکل!"

"بہتر ہو گا کہ مجھے، یہ کہہ کر ذلیل مت کرو بیٹے۔ تمھاری معاونت مجھ پر قرض ہے اور ہر شریف آدمی قرض ادا کرنا اپنا فرض سمجھتا ہے۔ اس لیے میری گذارش ہے کہ تم مجھے ایک شریف انسان ہی سمجھو۔"

"ان لوگوں نے مجھ سے بھرپور تعاون کیا ہے۔"

"یہ ان کی ڈیوٹی ہے۔"

"آپ نے انہیں میری حفاظت پر کیوں مامور کیا ہے، انکل؟"

"یہ میری ڈیوٹی ہے۔" انکل مسکرا کر بولے۔

"میری وجہ سے بہت سے لوگوں کو تکلیف ہو رہی ہے لیکن بہرحال مجھے ان کی ضرورت ہے۔"

"بس، تو بات ختم..." انکل نے کندھے اچکا کر کہا۔ "ایک سوال پوچھنا چاہتا ہوں۔"

"پوچھیں، انکل!"

"کیا تمھارے طریقۂ کار میں اتنی گنجائش ہے کہ اگر میں تم سے تمھاری مصروفیات کے متعلق پوچھوں تو وہ تمھارے اصول کے خلاف نہ ہو؟"

"نہیں، انکل! آپ تو میرے بہت بڑے معاون ہیں۔"

"شکریہ بیٹے! پھر مجھے اپنی کارروائی کے بارے میں بتاؤ۔"

"ابتدائی حالات تو آپ کے علم میں ہیں، انکل! درحقیقت، میں اس سے آگے نہیں بڑھ سکی ہوں۔ مجرم بہت چالاک ہے۔ اگر جرم میں حد سے بڑھی ہوئی ذہانت بھی شامل ہو جائے تو لاتعداد پیچیدگیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔"

"مثلاً..." انکل نے دلچسپی سے پوچھا۔

"امینہ کے سلسلے میں اس نے بساط کچھ اس طرح بچھائی تھی کہ امینہ، اس کے جال سے نہ نکل سکے اور اس کا اپنا بھی کوئی سراغ باقی نہ رہے۔ لیکن امینہ کسی طرح بچ نکل کر پولیس اسٹیشن تک آ پہنچی، لیکن اس کے جال بہت دور تک پھیلے ہوئے ہیں اور اس کی پہنچ بہت وسیع ہے۔ چنانچہ میرے نزدیک (آج بھی) سب سے پہلا نام سلطان کا ہے جس نے امینہ کی زندگی سے مجرمانہ غفلت برتی۔"

"بہتر ہو گا، عالیہ! کہ ہم کردار کا تفصیلی جائزہ لیتے چلیں۔ سلطان کے بارے میں تمھاری سوچ میں تبدیلی معلوم ہوتی ہے۔"

"ہاں، انکل! ابتدا میں سلطان نے اپنے فرض سے غفلت برتتے ہوئے، امینہ کے قتل کو ایک نیا رنگ دے دیا تھا... لیکن جب اس نے میری کارکردگی کو محسوس کیا تو ضمیر کا سہارا لے کر میرے پاس پہنچا اور مجھے چند ایسی باتیں بتائیں جو میرے لیے کارآمد ثابت ہوئیں۔ اس لیے اس کے بارے میں میرے خیالات زیادہ خراب نہیں رہے۔"

"اس کیس میں سلطان کا کردار کیا ہے؟"

"اس نے امینہ کی رپورٹ درج نہیں کی۔ دوسرے یہ کہ امینہ کے منہ سے اس دہری شخصیت کا نام سن کر تھانے سے باہر، ایک ریستوران میں کسی نامعلوم شخص کو اس کے بارے میں اطلاع دی۔"

"یہ بات اس کی صاف دلی کی دلالت نہیں کرتی۔"

"جی ہاں، اسی لیے میں نے اسے مشتبہ لوگوں کے خانے میں رکھا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ جس شخصیت کی پردہ پوشی کی جا رہی ہے وہ اتنی بلندی پر ہے کہ شاید اسے ہدایات دینے والے بھی اس بلندی تک نہیں دیکھ سکتے اور یہ صرف ایک مشینی عمل ہے جو اوپر سے نیچے تک آتا ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے... لیکن اس نے اپنے طور پر تمھاری کیا مدد کی ہے؟"

"ابھی تک تو وہ چند باتیں بتانے کے علاوہ اور کچھ نہیں کر سکا ہے۔"

"امینہ کی ماں کو اسپتال سے تم نے اغوا کیا تھا؟"

"جی ہاں۔"

"ویسے اب تمھیں اس کے ہوش میں آنے کا انتظار ہو گا؟"

"اب نہیں ہے، انکل! کیونکہ جو کچھ میں اس سے پوچھنا چاہتی تھی، وہ مجھے دوسرے ذرائع سے معلوم ہو گیا ہے۔"

"بہت عمدہ۔ لیکن اب امینہ کی ماں کے بارے میں تم نے کیا سوچا ہے؟"

"انکل! اس خاتون کا علاج ہو گا اور اس کا بیٹا، اس کی تیمارداری کرے گا۔" میں نے ٹھوس لہجے میں کہا۔

"کیا نام ہے، اس کے بیٹے کا؟"

"احمد..."

"ٹھیک ہے۔ میں اس کی ضمانت کرا لوں گا۔"

"ضمانت کرانے کے بعد، دونوں ماں بیٹے کو کسی محفوظ جگہ رکھنے کے انتظامات بھی کرانا ہوں گے، انکل!"

"پوائنٹ تھری کی عمارت اپنے اندر بہت سے رموز رکھتی ہے۔ احمد اور اس کی ماں کی حفاظت کی ذمے داری، تم مجھ پر چھوڑ دو۔ اب، آگے بتاؤ، خود تمھاری تفتیش کی گاڑی کہاں تک پہنچی ہے؟"

"میں نے اخبار میں اس کے بارے میں لکھا تو ایک فون آیا اور مجھے دس ہزار روپے کی پیشکش کی گئی جسے میں نے قبول کر لیا۔ اب وہ دس ہزار روپے احمد اور اس کی ماں کے لیے محفوظ ہیں۔ اس کے بعد چند غنڈوں کو بھیج کر اخبار کے دفتر میں توڑ پھوڑ کرائی... اور صباحت صاحب کو زد و کوب کیا گیا لیکن ہم نے اس پر کوئی توجہ نہیں دی اور اس کے دوبارہ فون کرنے پر معذرت کر کے آئندہ تعاون کرنے کا یقین دلا دیا۔"

"فون پر وہی آواز تھی؟" انکل نے پوچھا۔

"جی ہاں۔ میں نے آواز ریکارڈ کر لی ہے۔"

"بہت عمدہ... اس ریکارڈ کی ایک نقل مجھے بھی بھیج دینا۔"

"بہرحال انکل! اس کے بعد بھی میں نے اپنا کام جاری رکھا جس کے نتیجے میں چند کلیو ملے ہیں۔ یہ معاملہ ایک طویل عرصے سے چل رہا ہے۔ نوجوان لڑکیوں کو ایک ٹریولنگ ایجنسی کے اشتہار کے ذریعے بلایا جاتا ہے لیکن جس عمارت کا پتا دیا جاتا ہے، اس عمارت میں ایجنسی کا کوئی وجود نہیں ہے... پھر لڑکیوں کو گرین بیگ اینڈ کو میں ملازمت مل جاتی ہے اور وہ بڑے اہتمام سے ملک سے باہر چلی جاتی ہیں۔ ان کی تنخواہوں کے ڈرافٹ بھی آتے ہیں۔ ان کے والدین مطمئن ہو جاتے ہیں لیکن پھر کسی روز، اسی شہر میں ان کی لاشیں پائی جاتی ہیں۔" میں نے پرس میں سے اپائنٹمنٹ لیٹر اور ڈرافٹ نکال کر انکل کے سامنے رکھ دیے۔

انکل متحیرانہ انداز میں ان دونوں چیزوں کو دیکھتے رہے پھر بولے۔ "تم نے یہ تمام معلومات بڑی جانفشانی سے حاصل کی ہیں۔"

"میں مصروف ہوں، انکل! اور تہیہ کر چکی ہوں کہ دہری شخصیت والے اس درندے کو منظرِ عام پر لاؤں گی۔"

"خدا تمھیں تمھارے مقصد میں کامیاب کرے۔ میرا بھرپور تعاون تمھارے ساتھ ہے۔ اب بتاؤ، میری نئی ذمے داری کیا ہے؟"

"انکل! ابھی تو آپ کے آدمی اس پوسٹ بکس کی نگرانی کر رہے ہیں۔"

"اس کے علاوہ، میں نے دو خاص افراد کو اس پُراسرار شخصیت کا کھوج لگانے پر مامور کر دیا ہے۔" انکل نے انکشاف کیا۔

"کیا مطلب؟"

"وہ اپنے تمام تر وسائل کے ساتھ، اس شخصیت کا کھوج لگانے میں مصروف ہیں۔"

"آپ عظیم ہیں، انکل!"

"بہرحال یہ تشویشناک بات ہے کہ کوئی شخص یا کچھ لوگ معصوم اور پریشان حال لڑکیوں کی زندگیوں سے کھیل رہے ہیں لیکن یہ طے شدہ امر ہے کہ ان کی پشت بہت مضبوط ہے۔"

"آپ کا تجزیہ درست ہے، انکل!"

"اس طرح ہم اس جرم کے ذمّے دار لوگوں کی حیثیت کا تعین کیے لیتے ہیں اور ایسے لوگوں کو چیک کرتے ہیں جن کی پہنچ بہت اُوپر تک ہو اور وہ اپنے اختیارات سے ناجائز فائدہ اُٹھا رہے ہوں۔"

"یہ کام آپ کا ہے، انکل!"

"ٹھیک ہے... فی الحال میں بھی یہیں ہوں۔ اس لیے بذاتِ خود بھی ان معاملات میں دلچسپی لوں گا... میرا خیال ہے کہ تم مزید لڑکیوں کے بارے میں اپنی چھان بین ختم کر دو۔ ممکن ہے تمھاری یہ سرگرمیاں قبل از وقت ان لوگوں کی نگاہوں میں آجائیں۔"

"او۔ کے، انکل! میں آپ کی ہدایت پر عمل کروں گی۔" میں نے کہا پھر ہم اُٹھ کر باہر آگئے۔ دوسرے کمرے میں آنٹی ہماری منتظر تھیں۔ کافی رات گئے وہاں سے واپسی ممکن ہو سکی۔ فلیٹ کے حالات پُرسکون تھے۔ میں نے فون پر صباحت صاحب سے آخری کاپی کے بارے میں پُوچھا، اُن کی خیریت دریافت کی اور سونے کے لیے لیٹ گئی۔

صبح طبیعت پر کسی قدر گرانی تھی۔ اس لیے ناشتے سے پرہیز کرتے ہوئے صرف چائے پینے پر اکتفا کیا اور اخبارات دیکھنے لگی... اخبارات آج کل سرد تھے۔ کوئی خاص خبر نہیں تھی۔ گیارہ بجے دفتر پہنچی تو صباحت صاحب بھی فارغ بیٹھے دکھائی دیے۔ مجھے دیکھ کر مُسکرانے لگے۔

"بعض اوقات تمھارے بارے میں سوچتا ہوں، عالیہ! تو ایک عجیب سا احساس ہوتا ہے۔"

"وہ کیا، صباحت صاحب؟" میں نے بھی مُسکراتے ہوئے پُوچھا۔

"بیٹی! تمھارے سامنے ایک طویل زندگی پڑی ہے۔ ہر انسان اپنے بارے میں کچھ نہ کچھ ضرور سوچتا ہے اور اس کے لیے جدوجہد کرتا ہے۔ شوق عُمر کے صرف ایک حصّے تک ساتھ دیتا ہے۔ اس کے بعد زندگی کے کچھ تقاضے ہوتے ہیں۔ شوق کے سہارے کب تک چلتی رہوگی؟"

"جب تک جسم میں جان باقی ہے۔"

"اور اس کے بعد...؟"

"اس کا تو تعین ہی ہے۔"

"یعنی...؟" صباحت صاحب نے بھویں اُچکا کر پوچھا۔

"موت...!"

"خدا... موت کا کیا تعین ہو سکتا ہے۔ زندگی طویل بھی ہو سکتی ہے پھر تم زندگی کے ان لوازمات سے کیوں محروم ہو جن کے بغیر زندگی ادھوری ہوتی ہے؟"

"تو کیا کروں، صباحت صاحب؟"

"اپنے بارے میں سوچو۔"

"آپ یقین کریں۔ جب بھی اپنے بارے میں سوچتی ہوں تو خود کو بہت پُرسکون پاتی ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

"میں نے کہا نا، یہ غلط ہے۔ انسانی فطرت کے خلاف ہے۔"

"آپ کہنا چاہتے ہیں کہ میں شادی کر لوں؟"

"ہاں، میرا یہی مقصد ہے۔ زندگی میں ایک ایسی ہستی شامل ہو جاتی ہے جو اجنبی ہونے کے باوجود زندگی کا سہارا ہوتی ہے۔"

"افسوس صباحت صاحب! عورت ہونے کے باوجود میں نے ایک مَرد کا ذہن پایا ہے۔ اگر میں مَرد ہوتی اور آپ مجھے یہ مشورہ دیتے تو یقین کریں میں فوراً اس پر عمل کر لیتی اور کسی ایسی بے زبان عورت سے شادی کر لیتی جو تمام زندگی میرے احکامات کی تعمیل کرتی اور میرے اشاروں پر ناچتی رہتی... لیکن میں خود ایک صاحبِ حیثیت عورت ہوں۔ کسی ایسے مَرد کو کیسے قبول کر سکتی ہوں جو میری ذات پر حاوی رہے۔"

صباحت صاحب خاموش ہو گئے... پھر تھوڑی دیر بعد چونک کر بولے۔ "ارے ہاں، یاد آیا۔ نواب زادہ منوّر عالم کی طرف سے دعوت نامہ آیا ہے۔ اُن کی قیام گاہ پر ایک تقریب ہے۔ غیر ملکی کوہ پیماؤں کی ایک پارٹی آئی ہوئی ہے۔ ان کے اعزاز میں یہ تقریب ہے۔ کیا تم جانا پسند کروگی؟"

"کوہ پیماؤں کی اعزازی نشست میں؟" میں نے تعجب سے پُوچھا۔

"ہاں، دراصل منوّر عالم خود بھی مہم جُوئی کے شوقین رہے ہیں اس لیے اُنھوں نے اس جماعت کو سراہا ہے۔ بڑے سوشل آدمی ہیں۔ میں ذاتی طور پر انھیں پسند کرتا ہوں۔ تم اخبار کی طرف سے چلی جاؤ۔"

"کوئی خاص بات ضرور ہے، صباحت صاحب! وہ بتا دیں۔" میں نے مُسکراتے ہوئے کہا۔

"ارے نہیں... یقین کرو، ایسی کوئی خاص بات نہیں ہے دراصل وہ میرے دوستوں میں سے ہیں۔ اس لیے دعوت نامے کے علاوہ ٹیلیفون پر بھی بات کی تھی۔ میں نے اپنی صحت کی خرابی کا ذکر کر کے معذرت کی تو وہ بضد ہو گئے کہ کسی کو اپنا قائم مقام ہی بنا کر بھیج دوں۔ میں نے وعدہ کر لیا ہے... اور پھر میں چاہتا ہوں کہ تم بھی اپنے خول سے نکل کر باہر کی دُنیا دیکھو۔"

"خول والی بات بھی آپ نے خُوب کہی۔" میں ہنس پڑی "ایک اخباری رپورٹر بھلا اپنے خول میں کیسے بند رہ سکتا ہے۔"

"پھر بھی، عالیہ! اگر ایسی محفلوں میں شریک ہو لیا جائے تو کیا حرج ہے؟"

"اگر آپ کا حکم ہے تو..."

"نہیں، میری خواہش ہے۔" صباحت صاحب جلدی سے بولے۔ "میری خواہش ہے کہ میری طرف سے تم منوّر عالم کی تقریب میں شریک ہو جاؤ۔"

"بہتر ہے۔ تعمیل کروں گی۔" میں نے کہا۔ پھر صباحت صاحب مجھے کوٹھی کا محلِ وقوع سمجھانے لگے۔ شہر سے تیس میل دُور، ایک مضافاتی علاقے میں یہ کوٹھی واقع تھی۔ نواب زادہ صاحب نے اپنی امارت کے صحیح مظاہرے کے لیے شہری آبادی سے دُور، اس علاقے کا انتخاب کیا تھا۔

وقتِ مقررہ پر میں تیار ہو کر چل پڑی۔ کیمرہ بھی میں نے ساتھ لے لیا تھا۔ تیس میل کا سفر کرنا تھا اور جلد ہی دفتر بھی رکھنا تھا اس لیے میں نے تھوڑا اہتمام بھی کر لیا تھا۔ شہر سے نکل کر میں اس سڑک پر پہنچ گئی جو پہاڑوں کے درمیان سے گزرتی ہوئی سو میل دُور تک چلی گئی تھی۔ حدِ نگاہ سرسبز و شاداب قطعات اور کھیت پھیلے ہوئے تھے۔ میں نے طبیعت میں فرحت محسوس کی۔ ایک مخصوص جگہ پہنچ کر میں نے اس ذیلی سڑک کی تلاش شروع کر دی جو نواب منوّر عالم کی کوٹھی تک جاتی تھی... پھر مجھے وہ تختی نظر آگئی جس پر نواب منوّر عالم کا نام لکھا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ ہی ایک صاف ستھری پتلی سی سڑک موجود تھی جس کے دونوں سمت درختوں کی قطاریں تھیں۔

ذیلی سڑک پر میں تھوڑی دُور ہی چلی تھی کہ سڑک کے بیچوں بیچ مجھے ایک موٹر سائیکل کھڑی نظر آئی۔ انتہائی پُرانے ماڈل کی ایک بی۔ایس۔ اے تھی اور سڑک کے درمیان اس طرح کھڑی کی گئی تھی کہ کار کا نکالنا مشکل تھا۔ میں نے رفتار سست کر کے اِدھر اُدھر نگاہ دوڑائی۔ دفعتاً مجھے ایک درخت کے عقب میں کوئی چیز حرکت کرتی نظر آئی۔ غور کیا تو معلوم ہوا کہ وہ ایک جُوتا تھا جو پاؤں میں پھنسا ہُوا تھا اور وہ پاؤں، دوسری ٹانگ کے گھٹنے پر رکھا ہُوا تھا۔ اتنی دیر میں کار موٹر سائیکل کے قریب پہنچ گئی۔ میں نے کار روک کر ریس دی لیکن درخت کے عقب میں ہلنے والا پاؤں بدستور ہلتا رہا... جب کئی بار ریس دینے کے باوجود اس کی پوزیشن میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی تو مجھے اس شخص کی بے حسی پر غصہ آنے لگا۔ میں نے زور سے ہارن بجایا لیکن مجال ہے جو اس شخص کے کان پر جُوں رینگی ہو۔ انتہائی غصّے کے عالم میں، میں کار سے اتری اور پاؤں پٹختی ہوئی اس کے پاس پہنچ گئی۔ اس کا چہرہ فیلٹ ہیٹ سے ڈھانپا ہُوا تھا۔

"اگر تم مر چکے ہو تو تمھاری یہ ٹانگ کیسے ہل رہی ہے؟ میرے منہ پر سے ہیٹ ہٹاؤ تو بتاؤں۔" ہیٹ کے نیچے سے آواز آئی۔

میں نے سینڈل کی نوک سے... ٹھوکر مار کر ہیٹ کو اس کے چہرے پر سے ہٹا دیا۔ عجیب بے ہنگم سا شخص تھا۔ گرے کلر کی ٹخنوں سے اُونچی پتلون، براؤن اور سیاہ رنگ کی چُست قمیص جس کا گریبان کھلا ہُوا تھا۔ بے ترتیبی سے بڑھی ہوئی داڑھی اور ناتراشیدہ مونچھوں نے اس کے دلکش چہرے کو چھپا رکھا تھا۔

"اب بولو۔" اُس نے شانِ بے نیازی سے کہا۔ میری سینڈل سے ہیٹ کو ہٹانے والی حرکت کا اُس نے کوئی اثر قبول نہ کیا تھا۔

"کیا تم زندہ ہو؟" میں دانت پیس کر بولی۔

"فلسفے کی زبان میں بات کروگی؟" اُس نے پوچھا۔

"کیا بکواس ہے؟" میں نے جھلّائے ہُوئے انداز میں کہا۔ "کسی لاغر بلّی کی طرح غرّانے کی بجائے، انسانوں کی طرح گفتگو کرو۔" وہ نرم لہجے میں بولا۔ "تم نے میری زندگی کے بارے میں پُوچھا ہے... نہیں، بے بی! میں زندہ نہیں ہُوں۔ اگر تم زندگی کی تلاش میں نکلی ہو تو جہاں سے آئی ہو، وہیں واپس چلی جاؤ۔ روئے زمین پر اب زندگی کا وجود باقی نہیں رہا ہے۔ انسان ختم ہو چکا ہے۔ یہ تو چلتے پھرتے سائے ہیں۔ ان میں زندگی کہاں ملے گی۔"

"بُقراط بننے کی کوشش مت کرو۔ میں پُوچھتی ہُوں کہ تم نے موٹر سائیکل سڑک کے درمیان کیوں کھڑی کی ہے؟"

"آہ! اب کھڑا ہونا ہی پڑے گا۔" وہ کراہتا ہُوا اُٹھ کھڑا ہُوا۔ "میں ٹھیک تین بجے یہاں پہنچا تھا، سوچا تھا کہ انکل کی مصروفیات میں اُن کا ہاتھ بٹاؤں گا لیکن..."

"کون انکل؟" میں نے چونک کر پُوچھا۔

"انکل منوّر عالم... مجھے اُن کی کوٹھی پر چھوڑ دو۔"

"انکل...! منوّر عالم تمھارے انکل ہیں؟" میں نے حیرت سے پُوچھا۔

"لوگ یہی کہتے ہیں۔" وہ بے پروائی سے بولا۔ "لیکن مجھے ان سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ میں تو کوہ پیماؤں کی اس ٹیم میں شامل ہونا چاہتا ہُوں۔"

"ہُوں! تو تم نواب منوّر عالم کے ہاں جا رہے ہو؟ خیر چلو... موٹر سائیکل ہٹاؤ۔ میں تمھیں وہاں چھوڑ دوں گی۔"

"خدا تمھیں خوش رکھے... لیکن یہ بتاؤ، مُسلمان ہو؟"

"الحمدللہ!"

"خدا اور رسُول پر یقین رکھتی ہو؟"

"کیوں نہیں..."

"تو پھر حلفیہ کہو کہ میرے موٹر سائیکل ہٹلتے ہی تم فرار تو نہ ہو جاؤ گی۔" اس نے معصومیت کہا۔ اس کے اس انداز پر مجھے بے اختیار ہنسی آگئی۔

"چلو، وعدہ کرتی ہوں کہ ایسا نہیں کروں گی۔"

"خدا تمھیں دوسری بار خوش رکھے۔" اس نے موٹر سائیکل کو اسٹینڈ سے اتارتے ہوئے کہا۔۔۔ پھر اسے دھکیلتا ہوا سڑک کے کنارے لے گیا۔

اس دوران میں، میں اسٹیرنگ پر جا بیٹھی تھی۔ وہ گھوم کر، میرے برابر آ بیٹھا اور میں نے کار آگے بڑھادی۔ "موٹر سائیکل میں کیا خرابی ہوگئی؟"

"پٹرول کا عارضہ لاحق ہے۔"

"کیا مطلب۔۔۔؟"

"پیٹ خالی ہوگیا تھا۔"

"اوہ! پٹرول ختم ہوگیا۔"

"ہاں۔۔۔"

"تم نے آتے ہوئے خیال کیوں نہیں رکھا تھا؟"

"میں نے تو خیال رکھا تھا لیکن پٹرول پمپ والے اُدھار نہیں دیتے۔" وہ مسکین صورت بنا کر بولا۔

"اُدھار۔۔۔؟" میں نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

"کوئی تعجب کی بات ہے، کیا؟"

"نہیں۔۔۔ میرا مطلب ہے، پٹرول اُدھار کہاں ملتا ہے؟"

"ملنا چاہیے۔" وہ زور دے کر بولا۔ "اُدھار ایک بین الاقوامی حیثیت رکھتا ہے۔ عالمی پیمانے پر اُدھار کا کاروبار ہو رہا ہے۔ ہر شخص کا اپنا کاروبار ہوتا ہے۔ میں صرف اسی کاروبار پر پل رہا ہوں۔ کیا آپ مجھے بیس روپے قرض دے سکتی ہیں؟"

"دے سکتی ہوں۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "لیکن واپس کب کروگے؟"

"جب مجھے کوئی، چالیس روپے قرض دے گا۔"

"کیا مطلب۔۔۔؟"

"میرا لین دین یونہی چلتا ہے۔ آج کل مجھ پر کوئی قرض نہیں ہے اس لیے اگر آپ بیس روپے دیں گی تو دس روپے ان محترمہ کی نذر کروں گا۔ میری مراد موٹر سائیکل سے ہے اور دس روپے میرے اس وقت تک کے اخراجات کے لیے، جب تک کہ مجھے چالیس روپے قرض نہیں مل جاتے۔ پھر ان میں سے بیس روپے آپ کو دے دوں گا اور باقی میرے کام آئیں گے۔ اس کے بعد میں اسّی روپے، کہیں سے قرض حاصل کرنے کی فکر میں لگ جاؤں گا۔"

"خوب، لیکن یہ لین دین کب تک چلتا رہے گا؟"

"جب تک یہ دنیا باقی ہے یا میں اس دنیا میں موجود ہوں۔"

"کیا نام ہے تمھارا؟"

"بقراط آئینس ٹرائی۔"

"واقعی لگتے تو بقراط ہی ہو۔ اصلی نام کیا ہے؟"

"میں اس قسم کے مذاق کا متحمل نہیں ہو سکتا۔"

"خوب، مسٹر بقراط! آپ سے مل کر خوشی ہوئی۔"

"مجھے، آپ سے مل کر خوشی اس وقت ہوگی جب میری جیب میں بیس روپے پہنچ جائیں گے۔"

"بہتر۔۔۔" میں نے ایک ہاتھ سے اسٹیرنگ سنبھال کر دوسرے ہاتھ سے پرس کھولا اور پچاس روپے کا ایک نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "بیس روپے میرے پاس موجود نہیں ہیں آپ یہ پچاس روپے ہی رکھ لیں۔"

"اب آپ میری عزتِ نفس کو مجروح کر رہی ہیں، محترمہ! یہ کاروبار کے اصول کے خلاف ہے۔ اگر آپ کے پاس بیس روپے موجود ہیں تو ٹھیک ہے ورنہ رہنے دیں۔ اللہ مالک ہے۔"

"آپ یہ پچاس روپے رکھ لیں۔"

"نہیں، محترمہ! میں زیادہ زیرِ بار نہیں ہونا چاہتا۔ آئندہ مجھے سو روپے قرض مانگنا پڑیں گے۔ سو روپے کا نام سن کر لوگ کانوں پر ہاتھ رکھ لیں گے جس کے نتیجے میں، میں آپ کی رقم نہیں لوٹا سکوں گا اور میرا کاروبار خود بخود ہی ٹھپ ہو جائے گا۔"

میں ایک طویل سانس لے کر رہ گئی۔ سامنے ایک خوبصورت عمارت نظر آرہی تھی جو روشنیوں سے جگمگا رہی تھی۔ یہ ذیلی سڑک بھی دو تین میل سے کم لمبی نہ تھی۔ میں نے پچاس روپے کا نوٹ بقراط کی جیب میں ٹھونستے ہوئے کہا۔ "تم چاہو تو تیس روپے، مجھے واپس کر دینا۔"

کوٹھی کے گیٹ پر استقبالیہ کمیٹی کے ارکان کھڑے تھے۔ مجھ سے کارڈ طلب کیا گیا جو میں نے نکال کر انہیں دے دیا۔۔۔ پھر وہ، بقراط کی طرف متوجہ ہوئے ہی تھے کہ میں نے کار آگے بڑھا دی۔

"اوہ، شکریہ خاتون! آپ نے میری بڑی مدد کی۔ ورنہ ایسی محفلوں میں عموماً میں دیواریں پھلانگ کر شریک ہوتا ہوں۔"

"لیکن، تم نے تو کہا تھا کہ منور عالم تمھارے انکل ہیں؟"

"غلط نہیں کہا تھا۔۔۔ اچھا میں آپ کے تیس روپے واپس کر دوں گا۔" وہ کار کا دروازہ کھول کر اتر گیا اور میں اس کی

طرف دیکھتی رہ گئی۔ نہ جانے وہ کون سے عوامل تھے جنہوں نے اُسے بگاڑ کر رکھ دیا تھا ورنہ وہ ایک عمدہ شخصیت کا مالک تھا۔

پریس کے لیے نشستیں مخصوص کی گئی تھیں۔ میں نے ان میں سے ایک نشست سنبھال لی۔۔۔ پھر کسی نے مجھے، منور عالم کے بارے میں بتایا۔ وہ ایک قد آور، جسیم اور سخت گیر طبیعت کا مالک شخص تھا۔ اس کے جبڑے باقی چہرے کی نسبت بہت بھاری اور چوڑے تھے۔ پہلی نگاہ ہی میں وہ مجھے اچھا آدمی نہیں لگا۔

تقریب کا آغاز ہوا۔ کوہ پیماؤں کی جماعت کا تعارف معزز مہمانوں سے کرایا گیا۔۔۔ اور ہم لوگ تصویریں بنانے لگے۔ میں سامنے کی سمت سے منور عالم کی تصویر لے رہی تھی کہ اس کی نگاہ مجھ پر پڑ گئی اور میں نے اسے بری طرح چونکتے ہوئے دیکھا۔

وہ گہری نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا لیکن میں انجان بن کر اپنے کام میں مصروف رہی۔ تھوڑی دیر بعد، میں کوہ پیماؤں کی جماعت کا گروپ فوٹو لینے کے لیے اپنے کیمرے کا لینس درست کر رہی تھی کہ عقب سے ایک آواز سنائی دی۔ "سوری! بے بی۔۔۔ میں تم سے مخاطب ہوں۔" اس آواز کو سن کر ایک لمحے کے لیے میرے جسم میں سنسنی کی لہر دوڑ گئی۔ میری سماعت اس آواز سے اچھی طرح آشنا تھی۔ یہ آواز میں مخصوص حالات میں دو مرتبہ سن چکی تھی۔۔۔ دفتر کے ٹیلیفون پر۔۔۔ یہ وہی آواز تھی جس نے ٹیلیفون پر صباحت صاحب کو دھمکی دی تھی۔۔۔ میں نے پلٹ کر دیکھا۔ میرے قریب نواب منور عالم کھڑا تھا۔

"میں نے تمھیں ہی مخاطب کیا ہے۔"

"حکم جناب۔" ایک لمحے میں خود کو سنبھال کر میں نے کہا۔

"مجھے جانتی ہو؟"

"جی۔ اچھی طرح۔"

"کس اخبار سے تعلق ہے؟ اور تمھارا نام کیا ہے؟"

میں نے اپنے اخبار کا اور اپنا نام بتا دیا۔

"تم سے مل کر خوشی ہوئی۔ جانے کیوں تم مجھے عام اخبار نویسوں سے مختلف محسوس ہوئی تھیں، ایک خاص رکھ رکھاؤ ہے تمھارے اندر، ایک تمکنت ہے جو مجھے اچھی لگی۔" انھوں نے کہا۔ "غالباً تمھارے اخبار کے ایڈیٹر صباحت رضوی ہیں؟"

"جی ہاں۔"

"میری ان سے شناسائی ہے۔ آؤ! تمھیں اپنی بھتیجوں سے ملاؤں۔" وہ مڑے اور میرا ذہن تیزی سے کام کرنے لگا۔

"پچاس روپے کا کھلا ہوگا آپ کے پاس؟"

دفعتاً ایک آواز سنائی دی اور منور عالم چونک پڑے۔ انھوں نے بے اختیار گھوم کر دیکھا میری نگاہ بھی اس طرف اٹھ گئی۔ وہی بقراط تھا جو ہماری طرف پیٹھ کیے ایک جوڑے کے سامنے پچاس کا نوٹ لیے کھڑا تھا۔

"جی نہیں، سوری۔"

"کمال ہے۔ معذرت کے الفاظ تو بدل دیں کان پک گئے یہ الفاظ سنتے سنتے۔ دیکھیے اردو اور انگریزی جیسے ملا کر آپ بول رہے ہیں اس کے لیے معذرت کے دوسرے الفاظ بھی ہیں ویسے آپ کے پاس دس دس کے پانچ نوٹ موجود نہیں ہیں؟"

"واقعی نہیں ہیں۔ ورنہ پیش کر دیتے۔"

"وہی نمائش۔ ایک ہی طرزِ فکر۔ چار آنے کی ماچس بھی خریدیں گے تو سو کا نوٹ نکالیں گے۔ وقار بڑھتا ہے، عزت ہوتی ہے خدا کے لیے صرف سرخ رنگ کو نہ اپنائیں۔ دوسرے رنگ بھی آپ کی توجہ کے مستحق ہیں۔" اس نے دوسرے آدمی کو پکڑ لیا۔ "اے سنو! پچاس کا کھلا ہوگا آپ کے پاس؟"

منور عالم کے چہرے پر ایک لمحے کے لیے الجھن کے آثار نظر آئے پھر وہ میری طرف مڑ کر بولے۔ "ایک منٹ پلیز۔ میں ابھی آیا۔" پھر وہ میرے کچھ کہنے سے پہلے ہی آگے بڑھ گئے۔

انھوں نے بقراط کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "میرے پاس ہے، آؤ میں تمھیں دوں۔"

بقراط خوش گوار موڈ میں پلٹا مگر منور عالم کی شکل دیکھتے ہی چونک پڑا۔ "آ۔۔۔ آپ؟"

"ہاں، آؤ میں تمھیں پچاس روپے دوں۔" منور عالم نے نرم لہجے میں کہا اور بقراط ایک دم پیچھے ہٹ گیا۔ "کتابیں رہنمائی کرتی ہیں کہ اگر انسان نرم لہجے میں گفتگو کرے تو اس کی سخت گیری کو نظر انداز نہ کرو۔ آپ کے دیے ہوئے نوٹ بچھو کی مانند ہوں گے اور میرے پورے وجود میں درد اتر آئے گا۔ اس لیے آپ رہنے دیں۔"

وہ پھرتی سے پیچھے ہٹا اور مہمانوں کی بھیڑ میں گم ہوگیا۔ منور عالم اسے دیکھتے ہی رہ گئے تھے۔ میں نے ان کے چہرے کو سپاٹ ہی محسوس کیا۔ وہ میرے پاس آکر خوش اخلاقی سے بولے۔ "سوری!" پھر انھوں نے گردن اٹھا کر ادھر ادھر دیکھا اور دو دبلی پتلی، دراز قامت لڑکیوں کو اشارے سے بلایا۔

لڑکیاں قریب آگئیں تو وہ بولے۔ "یہ میری بیٹیاں ہیں اور

بچیو! تم ایک جرنلسٹ کے سامنے ہو. دوستی کرو اور ان کی عزت کرو۔"

"یس پپا"۔ دونوں نے بیک وقت کہا. منور عالم ایک طرف چلے گئے. بات میری سمجھ میں نہیں آئی تھی. لیکن ان کی آواز... اس آواز نے مجھے اُلجھن میں ڈال دیا تھا.

میں دونوں لڑکیوں سے گفتگو کر رہی تھی لیکن میرا ذہن بہت سی اُلجھنوں کا شکار تھا. منور عالم خاص طور سے میری طرف متوجہ کیوں ہوا؛ اس کی آواز؟ اگر یہ وہی آواز ہے تو.. . اس کا متوجہ ہونا ضروری تھا.

لیکن کیا اب میرے لیے کوئی خطرہ نہیں؟

"پچاس روپے کھُلے ہوں گے آپ کے پاس؟" وہی آواز اُبھری. لڑکیوں نے مُڑ کر تمسخرانہ انداز میں دیکھا. بقراط نوٹ لیے کھڑا تھا. دونوں لڑکیوں کے مُنہ کھُلے پھر بند ہو گئے. ان کی آنکھوں میں پریشانی کے آثار نظر آئے تھے۔

"اگر ہوں تو دے دیں. میں بہت دیر سے پریشان پھر رہا ہوں۔"

"ہمارے پاس نہیں ہیں"۔ دونوں لڑکیوں نے کہا۔

بقراط نے ایک ٹھنڈی سانس بھری "آہ! محترمہ! نہ جانے کس دل سے آپ نے یہ نوٹ میرے حوالے کیا تھا. میرے لیے وبالِ جان بن گیا ہے. ہر ایک سے کھلا مانگتا پھر رہا ہوں مگر پوری قوم قلاش ہے چنانچہ آپ اپنا یہ نوٹ واپس قبول فرمائیں. میں کہیں اور تقدیر آزماؤں گا. کسی کی جیب میں بیس روپے ہوں گے ضرور۔"

"آپ بلا وجہ پریشان ہو رہے ہیں. میں آپ سے پہلے بھی عرض کر چکی ہوں کہ یہ نوٹ رکھ لیں اور دس سالہ معاہدے کے تحت رکھ لیں. ٹھیک دس سال بعد آپ پچاس کی بجائے ایکیاون روپے مجھے ادا کر دیں۔"

"توبہ توبہ. سُود لینا اور دینا دونوں حرام ہیں. آپ میری عاقبت خراب کرنے پر تلی ہُوئی ہیں. سنبھالیے اپنا نوٹ. عاقبت کا سودا پچاس روپے میں نہیں ہوتا. نواب منور عالم کا بھتیجا اب اتنا گیا گزرا بھی نہیں ہے"۔ اس نے نوٹ میرے سامنے پھینک دیا اور تیزی سے ایک طرف چلا گیا. میں دُور تک اسے جاتا ہُوا دیکھتی رہی. میں نے سوچا ممکن ہے یہ شخص میری توجہ چاہتا ہو. پھر میں نے ان دونوں لڑکیوں کی طرف دیکھا وہ سِمٹ گئیں. ان میں سے چھوٹی نے جلدی سے کہا "عجیب اوٹ پٹانگ آدمی ہے یہ بھی۔"

"آپ کے کزن ہیں؟"

"لاحول ولا قوۃ. آپ اس کی شخصیت کو دیکھ کر بھی یہ سوال کر رہی ہیں. کچھ لوگوں کا یہ وطیرہ ہوتا ہے کہ خود کو کسی بڑے آدمی سے منسوب کر لیتے ہیں. یہ حضرت بھی ان ہی میں سے ایک ہیں۔"

"کمال ہے. گویا آپ کی اس سے کوئی رشتہ داری نہیں ہے؟"

"ہرگز نہیں. کبھی کبھی یہاں آ جاتا ہے اور پپا کو انکل انکل کہہ کر سر کھوا بیٹھ لیتا ہے. پپا بھی اس کا یہاں آنا پسند نہیں کرتے لیکن کسی ہٹ دھرم انسان کے لیے کیا کیا جا سکتا ہے"۔ فرزانہ عالم نے بتایا.

میں کافی دیر سے لڑکیوں میں گھلی مِلی رہی مگر ان کی گفتگو سے کوئی ایسی بات معلوم نہ ہو سکی جس پر خصوصی توجہ دی جا سکتی.

میں نے ان سے واپسی کی اجازت چاہی اور دوبارہ ملاقات کا وعدہ کر کے چل پڑی. پارکنگ لاٹ سے کار نکال کر سڑک پر لے آئی. ہر چند کہ یہ علاقہ سنسان تھا مگر نواب صاحب نے سڑک کے کنارے درختوں کے ساتھ ساتھ بجلی کے کھمبے بھی نصب کرائے جن پر لگے مرکری بلب سڑک پر روشنی پھیلائے ہُوئے تھے. میں نے ڈھائی میل کا فاصلہ طے کیا ہو گا کہ اچانک عقب سے آواز آئی۔

"سُنیئے: اس جگہ کا خاص خیال رکھیے جہاں موٹر سائیکل کھڑی ہے"

میرے اعصاب اتنے کمزور بھی نہیں تھے کہ کار کسی درخت سے ٹکرا جاتی. میں نے کار سائڈ میں کر کے روک دی. آواز پہچان گئی تھی. وہ بقراط تھا جو پچھلی سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔ "یقیناً یہ حرکت آپ کے لیے خوش گوار نہ ہو گی لیکن دن کی ملاقات میں آپ سے ایک چھوٹا سا رابطہ قائم ہو گیا تھا. اسی کے سہارے یہ جرأت کر ڈالی. دیکھیے نا! انسان اپنی مجبوریوں کو جس حد تک چھپا سکتا ہے، چھپائے. ہر ایک کے سامنے مضحکہ بننا اچھا نہیں ہوتا. میں نے سوچا آپ تو مجھ سے واقف ہو ہی چکی ہیں اس لیے کیوں نہ... "

اس کی اس حرکت پر ایک لمحے کے لیے غصہ تو آیا تھا لیکن پی گئی. "کوئی حرج نہیں ہے. آپ پریشان نہ ہوں لیکن اس طرح کار میں بیٹھنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"گویا آپ نے بُرا نہیں مانا"۔ اس کی آواز میں اطمینان کی جھلک تھی۔ "دراصل مجھے یقین نہیں تھا کہ آپ دوبارہ مجھے برداشت کرنے کے لیے تیار ہو جائیں گی. یہ آپ کا ظرف ہے کہ اب بھی آپ کا لہجہ نرم ہے ورنہ مجھے احساس ہے. میں کسی کے لیے خوش گوار ساتھی نہیں بن سکتا۔"

"آپ کا احساس ہے. میں کیا کہہ سکتی ہُوں لیکن ایک شکایت آپ سے ہے"۔ میں نے کہا۔ "آپ نے نوٹ کیوں واپس کر دیا؟"

"کسی کے پاس کھُلا ہی نہیں تھا"۔ اس نے کہا۔ "پھر کسی سے کاروبار خلاف ہو جاتا. دس بیس روپے تو کوئی بھی قرض دے دیتا لیکن پچاس روپے واپس کرنے کے لیے مجھے سو روپے قرض لینا پڑتا جو کوئی نہیں دے گا۔"

"آپ یوں کریں، یہ نوٹ رکھ لیں اور ہر ماہ مجھے پانچ روپے

کر دیا کریں"۔ میں نے تجویز پیش کی۔

وہ کچھ دیر سوچتا رہا پھر بولا "دے دیجیے. آپ نے میرے لیے بڑی آسانیاں پیدا کر دی ہیں. شکریہ۔"

میں نے پچاس کا نوٹ اسے دے دیا. اس نے نوٹ جیب میں رکھتے ہوئے کہا "اب مجھے موٹر سائیکل تک چھوڑ دیجیے۔"

"لیکن اس وقت آپ موٹر سائیکل کا کیا کریں گے؟" میں نے پوچھا "جبکہ آپ نے تو دونوں ٹائروں کی ہوا نکال رکھی ہے۔"

"یہ کوئی بات نہیں. بغیر ہوا کے میں نے میلوں سفر کیا ہے۔"

"بغیر پیٹرول کے بھی؟" میں نے کار آگے بڑھاتے ہوئے پُوچھا۔

"ہاں اس وقت بھی یہی ہو گا. میں اسے دھکیلتا ہوا کسی پیٹرول پمپ تک لے جاؤں گا۔"

"میرا خیال ہے اس وقت آپ شہر چلیں. کل دن میں کسی وقت آ کر اسے یہاں سے لے جائیں؟"

"نہیں محترمہ شکریہ"۔ وہ بولا "میرا خیال ہے. وہ جگہ آ گئی.. بس روک دیں۔"

"عجیب آدمی ہیں آپ. میں آپ کو شہر میں اتار دوں گی۔"

"روک دیجئے. خُدا کے لیے روکیے. ورنہ میں کار سے چھلانگ لگا دوں گا"۔ اس نے کار کا دروازہ کھول دیا. میں نے بوکھلا کر کار روک دی۔

"پچاس روپے کے عوض آپ... آپ مجھے مجبُور نہیں کر سکتیں. میں کوئی ایسا ویسا"۔ وہ ہانپ رہا تھا۔

مجھے اس کی بات پر غصہ آ گیا. نہ جانے کیا بک رہا تھا۔ "چلو اترو"۔ میں نے سرد لہجے میں کہا۔

وہ جلدی سے نیچے اُتر گیا "ہر انسان کھلونا نہیں ہوتا. آپ... ہاں آپ مجھے اپنا پتا دے دیں میں کوشش کروں گا کہ پورے پچاس روپے ہی پہنچا دوں آپ کو. آپ نے مجھے غلط سمجھا تھا۔"

وہ بکواس کرتا رہا اور میں نے زن سے کار آگے بڑھا دی۔ گھٹیا آدمی. عجوبہ بن کر کوئی مقام حاصل کرنے کا خواہش مند لگتا ہے۔ جھلاہٹ میں رفتار بھی تیز ہو گئی تھی کہ سنسان سڑک پر ایک انوکھا واقعہ پیش آ گیا. کار کی تیز روشنی میں اچانک کسی نے بے تحاشا دوڑتے ہوئے سڑک عبور کرنے کی کوشش کی. میں نے پورے بریک لگا دیے اس کے باوجود وہ کار کی لپیٹ میں آ گیا۔

گاڑی نیوٹرل کر کے میں تیزی سے نیچے اُتری. گرنے والا اُٹھنے کی کوشش کر رہا تھا. میں نے جُھک کر اسے سہارا دینے کی کوشش کی لیکن دُوسرے ہی لمحے وہ کسی خونخوار بلّی کی طرح مجھ سے لپٹ پڑا. اس نے میرے بازو میں اپنے دانت گاڑ دیے. میں ایک کراہ کے ساتھ پیچھے ہٹی اور دُوسرے ہی لمحے میرا گھُٹنا اس کی گردن کی پُشت پر پڑا. میرے کانوں نے ایک نسوانی کراہ سُنی پھر خاموشی چھا گئی. میں چونکی اور اسے شانوں سے پکڑ کر روشنی میں لے آئی. کار کی روشنی نے ایک نوجوان لڑکی کے نقوش نمایاں کر دیے. لیکن اسی وقت دو دھماکے سنائی دیے اور گولی کی سنسناہٹ میرے کان پر سے گزر گئی. میں پھُرتی سے نیچے گر گئی. ایک اور فائر ہُوا. اس بار بھی میں نے گولی سر سے اُوپر گزرتی محسوس کی. پھر ایک کار کی آواز اُبھری اور پے در پے فائر ہونے لگے۔

مجھے اس خوفناک صورتِ حال کا احساس تھا. میں گھِر گئی تھی لیکن اس بے ہوش لڑکی کو بھی یُوں چھوڑنا ٹھیک نہیں تھا. میں نے چند لمحے انتظار کیا. پھر لڑکی کو جُھکے جُھکے ہی کار کی طرف گھسیٹنے لگی. بمشکل اسے کار تک لانے میں کامیاب ہو سکی. پھر میں نے احتیاط سے کار کا عقبی دروازہ کھولا اور نہ جانے کس طرح لڑکی کو کار میں ٹھونسا. دروازہ لاک کر کے میں تیزی سے اگلی سیٹ پر بیٹھی اور گاڑی اسٹارٹ کر کے رفتار بڑھانے لگی.

میں نے ہر خیال ذہن سے جھٹک دیا. یہ وقت سوچنے کا نہیں تھا. جس قدر جلد ممکن ہو سکے شہر میں داخل ہونا چاہیے. ابھی تک کسی نے تعاقب نہیں کیا تھا. بازو میں سُوئیاں سی چبھ رہی تھیں۔ رفتار اب سو سے تجاوز کر چکی تھی. میں نے ایکسیلیٹر کنٹرول کیا. اس سے زیادہ رفتار خطرناک ہو سکتی تھی جبکہ تاریکی میں سڑکوں کے گڑھے بھی چھُپ گئے تھے. میں نے رفتار کسی قدر کم کی اور اطمینان سے کار چلاتی رہی. یہاں تک کہ شہر کی روشنیاں نظر آنے لگیں۔

شہر میں داخل ہو کر میں نے ایک لمحے کے لیے سوچا. لڑکی کو سیدھا پوائنٹ تھری پر لے جانا چاہیے. اس کے علاوہ اور کوئی جگہ ایسی نہیں تھی جہاں اسے لے جایا جا سکے۔

چنانچہ سڑکیں اور گلیاں کراس کرتی ہوئی میں اس پُراسرار مکان پر پہنچ گئی. چوکیدار نے فوراً گیٹ کھول دیا. میں نے کار اندر لے جاتے ہُوئے کہا "کچھ لوگ میرا تعاقب کر رہے ہیں. ان کا خیال رکھنا۔"

اس کا جواب سُنے بغیر میں نے کار پورچ میں کھڑی کی اور ہارن بجایا. فوراً ہی دو آدمی باہر آئے. ان میں ایک نازش تھا. میں نے عقبی دروازہ کھولا. دونوں نے احتیاط سے لڑکی کو باہر نکال کر بازوؤں میں سنبھالا پھر اسے لیے اندر داخل ہو گئے. میں ان کے پیچھے پیچھے چل پڑی. وہ ایک روشن کمرے میں داخل ہُوئے اور اسے ایک بیڈ پر لٹا دیا. پھر نازش

تیزی سے دُوسرے کمرے میں گیا اور میں ایک آرام کُرسی پر بیٹھ گئی۔

نازش ایک اور شخص کو لے کر آگیا تھا اور وہ لڑکی کا معائنہ کر رہا تھا۔ پھر اس نے کہا۔ "جسم پر تو کوئی زخم نہیں ہے۔" وہ پھر معائنہ کرنے لگا۔ "دل کی حالت انتہائی بے ترتیب ہے۔ اس سے دماغ بھی متاثر ہو سکتا ہے۔ ویسے میں ایک طاقت کا انجکشن دے دیتا ہوں۔ تقریباً تین بجے دُوسرا انجکشن دُوں گا۔" اس نے کہا اور کمرے سے نکل گیا۔ اس کے جاتے ہی نازش نے پوچھا۔ "مس عالیہ! کافی تو ضرور پئیں گی آپ۔"

"پلوا دیں۔ مجھے احساس ہے کہ میں آپ لوگوں کو بہت پریشان کر رہی ہوں۔"

"اور مجھے آپ کے الفاظ کی فضول خرچی پر اعتراض ہے۔ براہ کرم اپنائیت کو مجروح نہ کریں۔" نازش نے کہا اور اپنے ساتھی کو کافی کے لیے بھیج دیا۔ پھر اچانک وہ میرا بازو دیکھ کر چونکا۔ "ارے آپ کے بازو پر۔۔۔"

"ایں۔" میں نے اپنا بازو دیکھا پھر پُراسرار سی مُسکراہٹ میرے ہونٹوں پر پھیل گئی۔ "کوئی خاص بات تو نہیں ہے۔ اس لڑکی نے میرے بازو میں اپنے دانت گاڑ دیے تھے۔"

"اوہ، خاص بات تو ہے۔ ابھی فرحت آئے گا تو اس سلسلے میں کچھ کیا جائے گا۔ براہ کرم، آستین اُوپر کریں۔ میں زخم دیکھوں گا۔" نازش نے انتہائی اپنائیت سے کہا۔ میں نے اپنا بازو عریاں کر دیا۔ نشانات خاصے گہرے تھے جن سے خون رِس رہا تھا۔

"دانتوں کا زہر خطرناک بھی ہو سکتا ہے۔" اس نے کہا پھر ڈاکٹر فرحت کی آمد پر اسے بھی زخم کے بارے میں بتایا۔

"ایک انجکشن آپ کو بھی دینا پڑے گا۔" ڈاکٹر نے کہا۔ پھر لڑکی پر جھک گیا۔

میں نے اب تک لڑکی کی شکل نہیں دیکھی تھی۔ جب ڈاکٹر نے اپنے کام سے فراغت پالی اور مجھے بھی ایک انجکشن سے نوازا گیا تو کافی کا دَور چلا۔ ابھی ہم کافی سے فارغ بھی نہیں ہوئے تھے کہ دو افراد اندر آگئے۔

"آؤ ہمدنان۔" نازش نے کہا۔ وہ دونوں بیٹھ گئے تو نازش نے پوچھا۔ "کافی منگواؤں تمھارے لیے؟"

"منگواؤ ویسے مس عالیہ، آپ خیریت سے ہیں۔" آنے والوں میں سے ایک نے کہا۔ "کیا اس لڑکی کے گولی لگی ہے؟"

میں چونک کر اسے دیکھنے لگی۔ دونوں میرے لیے اجنبی تھے۔ تاہم میں نے جواب دیا۔ "شکریہ! میں ٹھیک ہوں۔"

"جو کچھ ہُوا غیر متوقع تھا۔ دراصل ہم چند لمحوں کے لیے اس شخص سے اُلجھ گئے تھے جو آپ کی کار میں چھپا ہُوا تھا۔ پھر اپنی موٹر سائیکل کے قریب اُتر گیا، ورنہ ہم شاید ان میں سے کسی کو پالیتے۔" اس شخص نے جسے ہمدنان کہہ کر مخاطب کیا گیا تھا، کہا اور میں چونک پڑی۔

"کیا مطلب؟" میں نے کافی کی پیالی رکھتے ہوئے پُوچھا۔

"ہم ڈیوٹی پر تھے۔ یعنی آپ کی حفاظت کے لیے آپ کے تعاقب میں تھے۔ لیکن ہماری تمام تر توجہ اس شخص کی طرف تھی جو ہمیں مُوٹر سے ہی فراڈ محسوس ہوا تھا۔ آپ کی روانگی سے قبل وہ آپ کی کار میں چھُپ گیا تھا۔ پھر وہ آپ کی کار سے اُتر گیا اور آپ آگے بڑھ گئیں تو ہم چند لمحوں کے لیے وہاں رُک گئے تاکہ اس کی دُوسری حرکت کا جائزہ لے سکیں۔ بس! اسی لیے ہمیں کچھ دیر ہو گئی ورنہ اُنھیں آپ پر گولی چلانے کا موقع نہ ملتا۔"

"اوہ، تو وہ جوابی فائرنگ آپ لوگوں نے کی تھی؟"

"جی! اور ان کا تعاقب بھی کیا تھا لیکن ان کی تعداد کافی تھی۔ پھر وہ جنگل میں نکل گئے۔ اگر وہ کسی کار میں ہوتے تو شاید ہم ان کا ٹھکانہ معلوم کر سکتے تھے۔"

"میرا تعاقب کرتے ہوئے آپ نے کار کی روشنیاں بجھا دی تھیں؟"

"جی ہاں۔ آپ کی کار کی عقبی روشنیوں کے سہارے چل رہے تھے۔"

"باکمال لوگ ہیں آپ۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور تشویش ناک نگاہوں سے لڑکی کو دیکھنے لگی۔ وہ لوگ اُٹھ گئے۔

"مسٹر نازش! میں اپنے فلیٹ فون کروں گی۔" میں نے کہا۔

"اوہ ضرور، تشریف لائیے۔" نازش مستعدی سے کھڑا ہو گیا۔ میں اس کے ساتھ دوسرے کمرے میں آئی۔ میں نے اپنے فلیٹ رِنگ کیا اور میری کو اپنی خیریت کی اطلاع دی۔

"میرے لیے کیا حکم ہے؟" نازش نے پُوچھا۔

"آپ آرام کریں نازش۔ میں لڑکی کے پاس موجود ہوں۔"

"بہتر ہے۔" وہ کھڑا ہو گیا۔ "لیکن تین بجے اسے دوسرا انجکشن دینا ہے۔ آپ کو زحمت ہو گی۔"

"میں جاگ رہی ہوں۔" میرا جواب سُن کر نازش چلا گیا۔ میں نے کُرسی مسہری سے قریب کر لی اور لڑکی کا بغور جائزہ لینے لگی۔

چہرے سے معصومیت ٹپک رہی تھی۔ بڑی بڑی آنکھیں بند تھیں۔ چہرے پر زردی چھائی ہوئی تھی اور بال بکھرے بکھرے تھے۔ لباس انتہائی سادہ تھا۔ ننھی سی ٹھوڑی میں ایک خفیف سا گڑھا تھا اور اس سے کچھ اوپر بائیں گال پر سیاہ تل۔ مجموعی طور پر اسے حسین کہا جا سکتا تھا۔

نہ جانے کس عتاب کا شکار ہوئی ہے۔ کاش! اس کا ذہنی توازن۔۔۔ درست رہے۔

میں سوچتی رہی۔ آج کی تمام باتیں مجھے یاد آنے لگیں۔ بقراط انیس سو اسّی آخر کس قسم کا نوجوان تھا؟ شکل و صورت اور عادات و اطوار عجیب تھیں۔ کیا فراڈ ہے؟ پھر آج کا سب سے اہم کردار منور عالم؟ اس کی آواز۔۔۔ وہ آواز میری سماعت سے ٹکرانے لگی جس نے فون پر دھمکی دی تھی۔

کیا وہ منور عالم کی آواز تھی؟

نواب منور عالم کی کوٹھی شہر سے اتنی دُور کیوں ہے؟ اس نے ویرانہ کیوں پسند کیا؟ بقراط نے اسے انکل کہہ کر مخاطب کیا تھا۔ پھر وہ نواب منور عالم کو دیکھ کر رُوپوش کیوں ہو گیا تھا؟ نواب نے خاص طور پر مجھے ہی کیوں مخاطب کیا تھا؟

لڑکی کی کراہ نے خیالات کا سلسلہ منقطع کر دیا۔ اس نے جنبش کی۔ میں تیزی سے اس کے قریب پہنچ گئی۔ اس کی آنکھیں بند تھیں اور وہ بار بار سر پٹخ رہی تھی۔ پھر اس کے مُنہ سے ٹوٹے پھوٹے الفاظ نکلے۔ "آہ۔۔۔ آہ۔۔۔ میں مر جاؤں گی۔ خُدا کے لیے۔۔۔ اسے۔۔۔ اسے روکو۔ آہ! یہ دونوں۔۔۔ نہیں۔۔۔ نہیں۔۔۔ ایک نہیں نہیں۔۔۔ دونوں ک۔۔۔ کِ کون ہیں۔ یہ الگ کیوں نہیں ہوتے۔ بچاؤ۔۔۔"

وہ زور سے چیخی۔ اس کی بے ہوشی ٹوٹ گئی۔ اس نے آنکھیں کھول دیں۔

میرے سارے بدن میں سنسنی سی دوڑ رہی تھی۔ اس کے الفاظ بے ربط تھے۔ اس کے باوجود بھی ان میں ربط تھا جسے صرف میں سمجھ سکتی تھی۔ وہ سحر زدہ سی چھت کو گھورتی رہی۔ پھر وہ چونکی اور سہمے ہوئے انداز میں گردن گھما کر جیسے ہی مجھے دیکھا بُری طرح اچھل پڑی۔

"کون۔۔۔ کون ہو تم؟ خبردار مجھے نہ چھُونا۔۔۔ میں تمھیں قتل کر دُوں گی۔"

"میں تمھاری دوست ہوں۔ خود کو قابو میں رکھو۔ میں تمھیں کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گی۔"

"وہ۔۔۔ وہ جنگل کہاں ہے؟ میں کہاں۔۔۔ ہوں؟"

"جنگل؟" میں نے سوالیہ انداز میں کہا۔

"وہ۔۔۔ وہ اس کی شکارگاہ ہے۔ وہاں کیسے خوفناک مناظر تھے۔۔۔ کہاں گئی وہ شکارگاہ؟"

"میں تمھیں وہاں سے لے آئی ہوں۔ یہ میرا گھر ہے۔ یہاں تمھیں کوئی تکلیف نہیں ہو گی۔ اطمینان سے لیٹ جاؤ۔"

"وہ۔۔۔ وہ سب کہاں گئے؟ آہ! یہ سب کیا ہو گیا؟ میں۔۔۔ میں۔" اس کے حلق سے ایک دلدوز چیخ نکلی اور وہ بے ہوش ہو گئی۔ میں نے اسے سیدھا کر کے لٹا دیا اور اس کی صورت تکتی رہی۔ پھر اچانک ایک خیال میرے ذہن میں اُبھرا۔ لڑکی کی ٹھوڑی کا خفیف سا گڑھا، اس سے اُوپر کا تل کچھ یاد دلا رہا تھا۔ یہ شباہت امینہ سے ملتی جلتی ہے۔ کیا یہ لڑکی۔۔۔ کیا یہ بھی اسی سلسلے کی کڑی ہے؟

مجھے وقت کا احساس بھی نہ ہُوا۔ تین بج چکے تھے۔ دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔ پھر نازش، ڈاکٹر کے ہمراہ اندر آگیا۔ میں نے نازش کو بتایا کہ وہ چند لمحوں کے لیے ہوش میں آئی تھی۔

ڈاکٹر نے اسے دُوسرا انجکشن دیا اور اطمینان کا اظہار کر کے چلا گیا۔ میرے ذہن میں ایک طوفان تھا۔ میں امینہ کی شباہت پر غور کر رہی تھی۔ اس سے امینہ کا کیا رشتہ ہے؟

نازش کو میں نے لڑکی کے بارے میں ہدایات دے دی تھیں۔ میں نے اس سے کہا کہ اسے زیادہ تر بے ہوش رکھا جائے تاکہ اس کے ذہن پر اثر نہ پڑ سکے۔

ابھی سُورج بھی نہ نکلا تھا کہ میں یہاں سے چل پڑی۔ فلیٹ پہنچ کر مِس میری کو جگانا پڑا تھا۔ ان کا مُنہ پھُولا ہُوا تھا۔ انھوں نے مجھ سے بات بھی نہیں کی۔ میرے ذہن میں اس وقت ایک ہی دُھن سوار تھی۔ میں نے وہ فائل نکالا جس میں پُورا کیس موجود تھا۔ امینہ کی تصویر میرے سامنے تھی۔ گو خدوخال میں مماثلت نہیں تھی لیکن ٹھوڑی کا گڑھا اور مخصوص تل دونوں کا یکساں تھا۔ پھر نہ جانے کس خیال کے تحت میں نے شکیلہ کی تصویر بھی دیکھی اور میرا سر چکرا کر رہ گیا۔ گڑھا اور تل شکیلہ کے چہرے پر بھی تھا۔ اسی مخصوص جگہ پر۔۔۔ خدایا یہ شباہت کسی خاص اہمیت کی حامل تو نہیں ہے؟

میں نے اخبارات سے نکالی ہوئی دُوسری تصاویر بھی دیکھیں اور دنگ رہ گئی۔ ان کے خدوخال الگ تھے لیکن ٹھوڑی کا گڑھا اور تل ان سب کے چہروں میں نمایاں تھا۔

مِس میری چائے لائی تو میں مُنہ ہاتھ دھونے کے لیے اُٹھ گئی۔ اس انوکھے انکشاف نے مجھے واقعی پاگل کر دیا تھا۔ یہ شباہت بامعنی تھی۔ مُنہ ہاتھ دھوتے ہوئے میری نگاہ شیشے پر پڑی اور میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ آہ! مجھے تو یہ یاد ہی نہیں رہا تھا کہ ایسا ہی خفیف گڑھا میری ٹھوڑی میں بھی موجود ہے اور ذرا اُوپر ایک سیاہ تل بھی جگمگا رہا ہے۔

۔۔۔ ٹھوڑی کا یہ سیاہ تل اور چاہِ زنخداں کبھی میری توجہ کا باعث نہیں بنا تھا۔ چند لمحات ہی میں میں نے خود کو باور کرا لیا کہ یہ کوئی نظری دھوکا نہیں ہے اور میں بھی ان تصاویر سے ملتی جلتی ہوں

نئی شکار؛ اس لڑکی کا نام مجھے معلوم نہیں ہو سکا تھا بہرحال یہ بات ثابت ہو گئی تھی کہ وہ بھی اس سلسلے میں ملوث ہے اور دُہری شخصیت کے انسان سے اس کی بھی مڈبھیڑ ہوئی ہے عجیب ڈرامہ تھا: کیا درحقیقت ایسے کسی وجود کا امکان ہے یا اس پُراسرار شخصیت نے خود کو عجوبہ بنانے کے لیے کوئی ناٹک رچایا ہے؟

ایک اور احساس میرے ذہن میں جاگ اُٹھا۔ اگر یہ ناٹک ہے تو میں اس میں شامل ہو سکتی ہوں۔ میرے ذہن کے بند گوشے کھلنے لگے۔ شہر سے دُور ایک ویرانے میں موجود عمارت 'جہاں الیکٹرک پول نہیں تھے لیکن عمارت بقعہ نور بنی ہوئی تھی۔ بلاشبہ وہاں بڑے بڑے جنریٹر نصب کیے گئے ہوں گے لیکن عمارت میں جنریٹر کی آواز نہیں آتی تھی۔ ممکن ہے انھیں زمین دوز رکھا گیا ہو اور ان کی آوازوں کو زائل کرنے کے لیے خصوصی انتظامات کیے گئے ہوں۔ لڑکی کا انہی اطراف میں پایا جانا۔ اس کو پکڑنے والوں کا اسی جنگل میں گم ہو جانا، گویا وہ علاقے ان کے اپنے ہیں۔ کسی شکار گاہ کا تذکرہ اور منور عالم کا مجھے گہری نگاہوں سے دیکھنا۔

اوہ . . . کہیں اس کی گہری نگاہیں ٹھوڑی کے گڑھے اور سیاہ تل کی موجودگی کے سبب تو نہیں تھیں؟ ان دونوں چیزوں سے ممکن ہے اس کے ذہن میں کوئی خاص احساس اُبھرتا ہو ممکن ہے وہ لڑکیاں بھی اسی کی آلۂ کار ہوں۔ انھوں نے کرید کرید کر میرے بارے میں پوچھا تھا۔ ممکن ہے وہ سرے سے اس کی بیٹیاں ہی نہ ہوں۔ کئی باتیں میرے شبہات کو تقویت دے رہی تھیں۔

نہ جانے کب تک میں سوچ کی گہرائیوں میں غوطے کھاتی رہی۔ شاید میری محنت بارآور ہو رہی ہے۔ منور عالم کی مالی حیثیت کے بارے میں کچھ کہنا ہی فضول تھا۔ وہ نواب تھا اور دولت بڑے بڑے رشتے قائم کر دیتی ہے۔ میں نے چند فیصلے کیے اور کھڑی ہو گئی۔

کار کو اخبار کے دفتر کے پارکنگ لاٹ پر کھڑا کر کے میں اندر داخل ہو گئی۔ دفتر کا کام حسبِ معمول جاری تھا۔ میں اپنے کیبن میں چلی گئی۔ دفتر کے لوگوں کو دکھانے کے لیے مجھے بھی قواعد و ضوابط کی پابندی کرنی ہوتی تھی۔ اکثر لوگ مجھ پر طنز کرنے سے بھی باز نہیں آتے تھے لیکن جواباً میں ان پر ہنس دیتی تھی۔

کچھ دیر کیبن میں بیٹھنے کے بعد میں نے اپنا سامان سمیٹا اور صباحت صاحب کے کمرے میں چلی گئی۔ "کیسے مزاج ہیں صباحت صاحب . . . ؟"

"بالکل ٹھیک۔" انہوں نے کہا۔ "سناؤ۔ کل کا پروگرام کیسا رہا؟ تصاویر بھی بنائی ہوں گی؟"

"خاصی تعداد میں۔" میں نے پرس سے تقریب کے رول نکال کر صباحت صاحب کے سامنے رکھ دیے۔ "یہ رول فرزند علی کے حوالے کر دیں۔" انھوں نے رول دراز میں ڈال دیا۔ "تقریب کیسی رہی؟"

"نہایت سنسنی خیز۔" میں نے مسکرا کر کہا تو صباحت صاحب چونکے۔ میں نے پھر کہا: "تفصیل بعد میں بتاؤں گی۔ پہلے مجھے ایک بار وہ ٹیپ سنائیے جو ہم نے اس دھمکی کے سلسلے میں ریکارڈ کیا تھا۔"

"اوہ' کوئی خاص بات ہے؟" صباحت صاحب کی آواز میں تجسس جاگا۔ پھر انھوں نے الماری سے ٹیپ ریکارڈر نکالا اور چند ساعت بعد مطلوبہ ٹیپ چل پڑا۔ میں نے بغور وہ آواز سنی۔ آواز ملتی جلتی ضرور تھی لیکن بولنے کا انداز ذرا مختلف تھا۔

میں نے ٹیپ بند کر دیا۔ "آپ کچھ سمجھے صباحت صاحب؟"

"بخدا نہیں سمجھ سکا۔"

"کیا یہ آواز منور عالم کی آواز سے مشابہ نہیں ہے؟" میں نے پوچھا اور صباحت صاحب کو جیسے سکتہ ہو گیا۔ پھر انھوں نے ٹیپ ریکارڈر آن کیا۔ اس آواز کو غور سے سننے کے بعد اُلجھے ہوئے انداز میں بولے۔

"ملتی جلتی ضرور ہے مگر وثوق سے نہیں کہا جا سکتا۔"

"ان حضرت کا ماضی کیا ہے؟ اس سے قبل کہاں تھے؟ معاشرتی اور سماجی حیثیت کیا ہے؟ . . . . . . ہاں' ایک بات اور آپ کے ان سے تعلقات کیسے ہیں؟"

"بھئی میرے تعلقات بس ایک اخبار کے ایڈیٹر کی حیثیت سے ہیں' جب بھی ملتے ہیں نرمی سے پیش آتے ہیں۔" صباحت صاحب نے کہا۔ "رہا پس منظر تو نواب کھیریا عالم کا سلسلہ نوابین اودھ سے ملتا ہے۔ انگریز دشمنی کی وجہ سے مشکلات کا شکار بھی رہے۔ پھر تحریکِ آزادی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور آزادی کے بعد حکومت نے ان کی خدمات کو سراہتے ہوئے کافی مراعات دیں۔ اس کے بعد کھیریا عالم کا انتقال ہو گیا اور نواب زادہ منور عالم منظر عام پر آئے۔ ریاستوں کا انضمام ہوا تو نواب زادہ کو خصوصی مراعات دی گئیں۔ بے پناہ زمین اور جائداد جس کی آمدنی کروڑوں تک پہنچتی ہے لیکن نواب زادہ نہایت سوشل آدمی ہیں۔ بے شمار فلاحی ادارے ان کے دم سے چل رہے ہیں۔ کئی بار انھیں کچھ عہدے بھی پیش کیے گئے لیکن انھوں نے شکریے کے ساتھ انکار کر دیا۔ حکومت کی نظروں میں ان کی کافی وقعت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انھیں اس جنگل میں بھی ساری ضروریات فراہم کی گئی ہیں۔ تم یوں سمجھ لو کہ ایک بار صرف ان کی وجہ سے اس سڑک پر بجلی پہنچانے کی پیش کش کی گئی تھی لیکن نواب صاحب نے یہ پیش کش قبول نہیں کی اور کہا کہ اپنی ذات کے لیے وہ حکومت پر کوئی بار نہیں ڈالیں گے۔

اُنھوں نے خود روشنی کا معقول انتظام کر لیا۔"

"ویسے مجھے شبہ ہے۔" میں نے کہا۔ "آواز کی بنیاد پر نہیں' کوئی اور بات بھی ہے۔"

"مجھے بتانا پسند کرو گی؟"

"حالات کی وضاحت خود میرے ذہن میں نہیں ہو سکی ہے۔ ویسے جس علاقے میں منور عالم کی کوٹھی ہے' وہاں کوئی اور عمارت تو نہیں ہے؟"

"وہ عمارت شہر سے تقریباً تیس میل دور ہے۔ اس کے بعد تقریباً دس میل تک اور کوئی آبادی نہیں ہے۔ ہاں' باغات وغیرہ پھیلے ہوئے ہیں۔ اس کے بعد قصبہ لاکھی ہے' جو تھوڑی سی آبادی پر مشتمل ہے۔"

"اگر اس ویرانے میں کوئی حواس باختہ لڑکی نظر آجائے اور کچھ لوگ اس پر گولیاں برسا رہے ہوں تو ذہن کس طرف جاتا ہے؟"

"تمہارے سامنے ایسا کوئی واقعہ ہوا ہے؟"

"جی، اور اب وہ لڑکی میری تحویل میں ہے۔ خدا کا شکر ہے اس کی زندگی بچ گئی ہے۔" میں نے کہا: "بے ربط الفاظ میں اس نے جو کچھ کہا ہے، ان میں دُہری شخصیت کے مالک اس عفریت کا بھی تذکرہ ہے جس کا ذکر امینہ نے کیا تھا۔"

صباحت صاحب پر پے در پے ضربیں پڑ رہی تھیں اس لیے وہ حواس باختہ ہوئے جا رہے تھے۔ بمشکل تمام ان کے منہ سے نکلا: "خدایا۔ یہ کون درندہ ہے؟"

"ایک سوال اور۔" میں نے کہا: "منور عالم کی دوسری حیثیت کیا ہے؟ کیا ان کے نام کے ساتھ کوئی اسکینڈل وابستہ ہے؟ ان کی ازدواجی زندگی کی کیا کیفیت ہے؟ میں نے اس تقریب میں ان کی بیوی کو نہیں دیکھا۔ البتہ دو دُبلی پتلی لڑکیوں کو انہوں نے اپنی بیٹیوں کی حیثیت سے روشناس کرایا تھا۔"

"آج سے تقریباً ستائیس اٹھائیس سال قبل ایک بڑے صنعت کار اظہار الحسن مرزا کی بیٹی سے ان کی شادی ہو گئی تھی۔ ان کی بیوی کے انتقال کو بھی تقریباً پندرہ سال گزر گئے۔ انہوں نے دوسری شادی نہیں کی نہ ہی کسی معاشقے کے بارے میں کچھ سنا گیا۔ ویسے ان کی دو ہی بیٹیاں ہیں۔"

میں دیر تک صباحت صاحب سے ان کے بارے میں گفتگو کرتی رہی۔ پھر میں نے کہا: "منور عالم کو فون کریں۔ میں ان کی آواز ریکارڈ کرنا چاہتی ہوں۔"

"عمدہ ترکیب ہے۔ ہم ابھی دونوں آوازوں کو چیک کر لیں گے۔"

صباحت صاحب بولے: "میں اس سے کیا گفتگو کروں؟"

"بس' کل کی تقریب کے بارے میں۔ اگر مناسب سمجھیں تو میرا حوالہ بھی دے دیں۔"

"بہتر ہے۔ میں کوشش کرتا ہوں۔ ریکارڈنگ کا بندوبست کر لو۔" صباحت صاحب بولے۔ چنانچہ میگنی فائر اور ٹیپ ریکارڈ منسلک کر دیا گیا۔

صباحت صاحب نے منور عالم کے نمبر ڈائل کیے۔

"ہیلو۔" فوراً ہی آواز اُبھری۔

"نواب زادہ منور عالم سے بات کرائیے۔"

"کون صاحب بول رہے ہیں؟"

"صباحت رضوی، ایڈیٹر روزنامہ . . ." صباحت صاحب نے اخبار کا نام بتایا۔

"کیا آپ کسی طے شدہ پروگرام کے تحت گفتگو کریں گے۔ اگر ایسا نہیں ہے تو پھر آپ کو وقت لینا ہوگا۔"

"میں ان کا دوست ہوں۔ آپ انہیں بتا دیں۔ اس کے بعد صورتِ حال آپ پر واضح ہو جائے گی۔" صباحت صاحب نے نرم لہجے میں کہا۔ دوسری طرف سے انتظار کرنے کے لیے کہا گیا۔

میں خاموشی سے دم سادھے بیٹھی تھی۔ یہ انکشاف معمولی نوعیت کا نہیں تھا۔ اگر نواب منور عالم کی آواز اس آواز سے مل جاتی ہے تو اس کا مقصد ہے کہ اس کیس کے سلسلے میں ایک منزل کا تعین ہو گیا۔ اس کے بعد اس خونخوار عفریت کو پچھاڑنے کے گُر سوچنے ہوں گے۔ میں نے امینہ کی لاش کے پاس کھڑے ہو کر قسم کھائی تھی کہ اس کا خون مجھ پر قرض ہے۔ پھر یہ بات امینہ تک ہی محدود نہیں رہی تھی۔ اس کے بعد اور اس سے قبل بھی مظلوم لڑکیاں اس کی دیوانگی کی بھینٹ چڑھتی رہی تھیں۔

دوسری طرف سے ایک بھاری آواز آئی اور میں چونک پڑی۔

"منور بول رہا ہوں۔ کیسے مزاج ہیں صباحت صاحب؟ آپ کل کی تقریب میں تشریف نہیں لائے؟"

"معذرت خواہ ہوں جناب۔ ویسے معلوم ہوا ہے کہ تقریب بہت شاندار تھی۔ میں نے اپنی رپورٹر کو بھیج دیا تھا۔ بڑی خوبصورت تصاویر بنائی ہیں اس نے۔ کل تفصیلی خبر چھاپ رہا ہوں۔"

"ارے ہاں، رضوی صاحب۔ کل جو رپورٹر یہاں آئی تھی اس کا نام کیا ہے؟"

"پورا نام عالیہ صغیر بھایانی ہے۔"

"کیا؟" منور عالم کی آواز میں حیرت تھی: "اوہ . . . میری تو

الجھن رفع ہو گئی۔ کیا یہ صغیر بھایانی وہی تھے جو ہینڈلوم پارٹس امپورٹ کرتے تھے؟

"میں نہیں جانتا منور صاحب۔ ویسے عالیہ ایک اچھے خاندان کی فرد ہے۔"

"وہی ہے جائی، سولی صد وہی ہے۔ میں نے اپنے ہاں پارٹی میں اس کی شکل دیکھی تو مجھے اس کے خدوخال میں کچھ شناسائی محسوس ہوئی اور میں الجھن میں پڑ گیا۔ یقین کرو یہ الجھن آج رفع ہوئی۔ صباحت صاحب! صغیر بھایانی میرے گہرے دوستوں میں سے تھا۔ مجھے سخت حیرت ہے صغیر بھایانی کے مالی حالات تو بہت اچھے تھے۔ پھر عالیہ اتنی معمولی ملازمت کیوں کرتی ہے؟"

"جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے، عالیہ بس معمولی سی زندگی گزار رہی ہے۔" صباحت صاحب نے جواب دیا۔

"اس کا قیام کہاں ہے؟"

"کسی بلڈنگ کے ایک فلیٹ میں رہتی ہے۔"

"رضوی صاحب، میں اس بچی سے دوبارہ ملنا چاہتا ہوں۔"

"بہتر، میں اسے آپ کا پیغام دے دوں گا۔"

"بھئی عجیب سی کیفیت ہو رہی ہے۔ وہ ضرور مصائب کا شکار ہوئی ہے۔ یوں سمجھو صباحت وہ میری ہی بچی ہے کسی طور وہ میری بچیوں سے الگ نہیں ہے۔ تم اسے میرا پیغام ضرور دے دینا۔"

"آپ مطمئن رہیں۔"

"کمال ہے بھئی۔ اچھا یہ بتاؤ تم نے کیسے فون کیا تھا؟"

"بس اپنے نہ پہنچنے کی معذرت کرنا تھی۔ عالیہ نے آپ کے ہاں کی بہترین رپورٹ تیار کی ہے جو کل کے اخبار میں شائع ہو رہی ہے۔"

"میں تمہارے اخبار کے تعاون کا شکر گزار ہوں۔ میرے لیے کوئی خدمت بتاؤ۔" منور عالم نے کہا۔

"بس جناب، آپ کی سرپرستی سے مطمئن ہوں۔"

"کسی بھی وقت کوئی الجھن پیش آئے مجھے خود سے دور مت سمجھنا۔" نواب زادہ منور علی نے کہا اور صباحت صاحب نے شکریہ ادا کر کے فون بند کر دیا۔ پھر وہ گہری نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگے۔

"کوئی کمی تو نہیں رہ گئی؟"

"نہیں صباحت صاحب۔ مناسب گفتگو تھی۔ آوازوں کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"ایک بار پھر تجزیہ ہو جائے تو کوئی حرج نہیں ہے لیکن میرا خیال ہے دو مختلف آوازیں ہیں۔" صباحت صاحب نے اپنی رائے دے دی اور میں پرخیال انداز میں صباحت صاحب کو دیکھنے لگی۔ بولنے کے انداز میں تھوڑی سی تبدیلی بھی کی جا سکتی ہے۔ وہ لوگ جو جرائم کی زندگی اپناتے ہیں اپنے اندر بے پناہ صلاحیتیں بھی رکھتے ہیں۔ میرے بارے میں تجسس کسی اور رنگ میں بھی ہو سکتا ہے۔ صغیر بھایانی سے شناسائی ممکن ہے کوئی بہانہ ہو۔

صباحت صاحب نے دھمکی والے فون کی آواز کا ریکارڈ لگا دیا اور ہم دونوں مل کر ایک ایک لفظ کا تجزیہ کرنے لگے۔ پھر منور عالم کی آواز کا ریکارڈ سنا گیا اور اس کو بار بار دہرا کر۔۔۔ اندازہ لگایا جانے لگا۔ کئی بار دونوں آوازیں سننے کے بعد میرے ذہن میں بھی الجھن پیدا ہو گئی۔ آوازیں یکساں ضرور تھیں لیکن تلفظ، لہجہ اور الفاظ کی ادائیگی بہت مختلف تھی۔

"اب کیا خیال ہے؟"

"ٹھیک ہے کافی اختلاف ملتا ہے۔ لیکن صباحت صاحب میرے ذہن میں کئی الجھنیں ہیں۔"

"یقیناً ہوں گی لیکن ان کا حل بھی تلاش کیا جا سکتا ہے اور حل یہی ہے کہ دوبارہ ان سے ملاقات کر لو۔"

"ہاں ملاقات تو میں ضرور کروں گی۔" میں نے پرخیال انداز میں کہا اور صباحت خاموشی سے میری صورت دیکھتے رہے۔ لڑکی کے بارے میں میرے انکشاف نے انہیں بھی پریشان کر دیا تھا۔ دفعتاً وہ بول پڑے۔

"لڑکی کی زبانی تو کچھ نہیں معلوم ہو سکا؟"

"میں بتا چکی ہوں، اس کی ذہنی حالت اعتدال پر نہیں تھی اور اگر اس کے ذہن پر بار ڈالا جاتا تو ممکن تھا کہ وہ بالکل ہی معطل ہو جاتا۔"

"ہوں۔" صباحت صاحب گردن ہلا کر خاموش ہو گئے۔ کچھ تھوڑی دیر کے بعد ان کے ہونٹوں پر ایک پھیکی سی مسکراہٹ آ گئی اور وہ بولے۔ "تم اس سلسلے میں بہت تگ و دو کر رہی ہو عالیہ۔"

"ہاں صباحت صاحب، میں اس معمے کو حل کرنا چاہتی ہوں۔"

"بھئی میں ذہنی طور پر خود کو تم سے کمتر پاتا ہوں۔ عمر کا تجربہ بھی مجھے اتنی سوجھ بوجھ نہیں دے سکا۔ میں تمہیں کیا مشورہ دوں؟" صباحت صاحب نے زچ ہو کر کہا۔

"بہرحال شکریہ۔ اب مجھے اجازت دیں۔ ہاں اخبار سے میری عدم توجہی کسی طور آپ کے لیے پریشانی کا باعث تو نہیں ہے؟"

"نہیں الجھوں گا تو تمہیں پکار لوں گا۔"

"مجھے اجازت؟" میں نے پوچھا۔

"منور عالم کے گھر کب جاؤ گی؟"

"چلی جاؤں گی کسی بھی وقت۔ ابھی اس سلسلے میں کوئی فیصلہ نہیں کیا ہے۔" میں نے اٹھتے ہوئے کہا اور پھر صباحت صاحب سے اجازت لے کر دفتر کی عمارت سے باہر نکل آئی۔ اس کے بعد کا پروگرام میرے ذہن میں تھا۔ چنانچہ میری کار کا رخ انکل شہریار کی اس پراسرار عمارت کی طرف ہو گیا جو لوانسٹ نهری کے نام سے مشہور تھی۔

عمارت میں داخل ہونے کے بعد جو پہلی شخصیت نظر آئی وہ نازش ہی کی تھی۔ نازش مسکراتا ہوا پورچ کی طرف بڑھا اور پھر اس نے کار کا دروازہ کھول دیا۔

"ارے نازش صاحب کیوں شرمندہ کر رہے ہیں۔"

"کیسے مزاج ہیں مس عالیہ؟"

"ٹھیک ہوں۔ آپ میری مریضہ کا حال بتایئے۔"

"آپ کو اس سے مل کر خوشی ہو گی لیکن اسے اس وقت آپ کی سخت ضرورت ہے۔" نازش نے جواب دیا۔

"آیئے چلیں۔ کیا وہ ہوش میں ہے۔"

"ہاں۔ ڈاکٹر نے نہایت مہارت سے پہلے اس کے ذہن کو پرسکون رکھنے کے جتن کیے اور اس کے ذہنی انتشار کو ختم کیا۔ اس کے بعد جب وہ ہوش میں آئی تو ذہنی کیفیت کا وہ تاثر ختم ہو گیا۔"

ہم راہداری سے اس دروازے پر پہنچ گئے جس کے دوسری طرف خوفزدہ لڑکی موجود تھی۔ دروازہ کھولنے سے قبل میں نے نازش سے پوچھا۔۔۔ "تمہیں دیکھ کر اس پر کیا ردعمل ہوا تھا؟"

"کچھ نہیں بس مزید خوفزدہ ہو گئی تھی، اس طرح سمٹ گئی تھی جیسے بکری قصائی کے سامنے۔"

"کچھ بولی نہیں تھی؟"

"نہیں۔"

"شکریہ نازش۔ میرا خیال ہے اس وقت صرف میں اس کے سامنے جاؤں۔ ممکن ہے وہ تمہارے سامنے نہ کھلے۔"

"جیسا آپ پسند کریں۔" نازش نے ادب سے کہا اور میں دروازہ کھول کر اندر چلی گئی۔ لڑکی شاید دروازہ کھلنے کی آواز سن کر ہی سہم گئی تھی، اس کی حسین آنکھوں میں خوف ابھر آیا تھا۔ وہ بار بار خشک ہونٹوں پر زبان پھیر رہی تھی۔ مسہری پر وہ بچوں کی طرح پاؤں لٹکائے بیٹھی تھی۔

"ہیلو۔۔۔" میں نے مسکرا کر اسے دیکھا اور اس کے قریب پہنچ گئی۔ لڑکی کے چہرے پر کوئی تغیر نمودار نہیں ہوا تھا۔ "تم اجازت دو تو میں تمہارے پاس بیٹھ جاؤں؟" میں نے پوچھا۔ اس نے ایک نگاہ مسہری پر اپنے قریب ڈالی اور پھر ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گئی۔۔۔ "جواب نہیں دیا تم نے۔ شاید تم میرا اپنے نزدیک بیٹھنا پسند نہیں کرتیں؟"

اس نے پھر پہلو بدلا۔ یوں لگا جیسے وہ کچھ کہنا چاہتی ہو۔ لیکن آواز نہ نکل پا رہی ہو۔ میں نے آگے بڑھ کر اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھ دیا۔ "کیسی طبیعت ہے تمہاری۔ اوہ۔ تمہارے بال بے حد الجھے ہوئے ہیں۔ غالباً تم نے منہ ہاتھ بھی نہیں دھویا۔ آؤ۔ اٹھو باتھ روم میں چلو۔ منہ ہاتھ دھو لو۔ میں تمہارے بال سلجھا دوں۔"

میں نے اس کا بازو نرمی سے پکڑا اور وہ ہچکچاتی ہوئی اٹھ گئی۔ میں اسے لے کر باتھ روم میں گئی۔ بالکل بچوں کی طرح میرے احکامات کی تعمیل کر رہی تھی۔ میں نے محسوس کیا کہ اس کے بدن میں سوزش ہے۔ بہرحال میرے نرم اور پرمحبت رویے نے اس پر کسی قدر اثر کیا جو مجھے صاف محسوس ہوا تھا۔ پھر میں نے اس کے بال سلجھائے اور انہیں سمیٹ کر یکجا کر دیا۔

"کچھ کھایا تم نے؟" میں نے پوچھا اور وہ عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھ کر رہ گئی۔ میں نے چند ساعت اس کے جواب کا انتظار کیا اور پھر اٹھ کر دروازے پر پہنچ گئی۔ دروازہ کھول کر میں نے ادھر ادھر دیکھا۔ ایک اور اجنبی شکل مجھے راہداری کے دوسرے سرے پر نظر آئی اور میں نے اسے زور سے آواز دی۔

"اے مسٹر۔ پلیز۔"

گزرنے والے نے چونک کر مجھے دیکھا اور پھر تیز تیز قدموں سے میرے نزدیک آ گیا۔

"دو پیالی کافی اور کچھ بسکٹ وغیرہ مل سکتے ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"ابھی حاضر کرتا ہوں۔" اس نے مستعدی سے کہا اور میرے جواب کا انتظار کیے بغیر تیزی سے ایک طرف بڑھ گیا۔

"تم کچھ بولو گی نہیں بی بی۔ سنو۔ پہلے تو میں تمہیں یہ بتا دوں کہ اگر تم کچھ غلط لوگوں میں پھنسی ہوئی تھیں تو اب ان کے درمیان نہیں ہو۔ اگر تم اپنی یادداشت پر زور دو تو تمہیں ضرور یاد آ جائے گا کہ تم جنگل میں دوڑ رہی تھیں۔ پھر دوڑتے دوڑتے تم ایک سڑک پر نکل آئیں اور ایک کار سے آہستہ سے ٹکرا گئیں۔ وہ کار میری تھی اور میں تمہیں وہاں سے اٹھا کر یہاں لے آئی ہوں۔ میرا نام

عالیہ ہے۔"

"خدا کے لیے بتادو۔ یہ جھوٹ ہے نا؟" وہ گڑگڑا کر بولی۔

"کیا یہ بھی جھوٹ ہے کہ تم جنگل میں دوڑ رہی تھیں؟"

"یہ... یہ کوئی نئی بات تو نہیں ہے۔" وہ عجیب سے لہجے میں بولی۔ اور اس کے ان الفاظ نے مجھے حیران کر دیا۔

"کیا مطلب؟"

"چوہے بلی کا یہ کھیل تو عرصے سے کھیلا جا رہا ہے۔ اور میں ہر بار آزادی کی کوشش کرتی ہوں۔ کبھی کامیاب نہیں ہوتی۔" اُس نے بھیگی آنکھیں مجھ پر گاڑ دیں۔

"اوہ۔ مجھے اس بارے میں کچھ نہیں معلوم لیکن اگر یہ حقیقت ہے تو میں تمہیں مبارک باد دیتی ہوں۔ اس بار تم کامیاب ہو گئیں۔ یقین کرو میں تمہیں بہن کہہ کر بات کر رہی ہوں، ہم انسانی اقدار چھوڑ چکے ہیں لیکن ابھی کچھ الفاظ ایسے باقی ہیں جن کے ساتھ مذاق کرتے ہوئے دُکھ ہوتا ہے۔"

"اگر یہ سچ ہے تو۔ تو مجھے میرے وطن پہنچا دو۔ مجھے میرے گھر پہنچا دو۔ للّٰہ بس ایک بار مجھے میرے گھر کی شکل دکھا دو۔ میں تا زندگی تمہاری احسان مند رہوں گی۔ میں کبھی تمہارا یہ احسان نہیں بھولوں گی۔" اُس کی ہچکیاں بندھ گئیں اور میں نے بے اختیار اُسے سینے سے لگا لیا۔

"اٹھو۔ اٹھو خاموش ہو جاؤ۔ خدا کے لیے خاموش ہو جاؤ۔ میں وعدہ کرتی ہوں تمہیں تمہارے گھر پہنچا دوں گی۔ دیکھو خاموش ہو جاؤ۔ میں یقیناً تمہیں تمہارے گھر پہنچا دوں گی۔"

"کب؟" اُس نے سہتی ہوئی آنکھوں سے مجھے دیکھا۔

"جب تم کہو گی۔ مجھے اپنے گھر کے بارے میں بتاؤ۔ خاموش ہو کر مجھے اپنی بپتا سناؤ۔ اب رونے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم قطعی محفوظ ہو..... مجھ پر یقین کرو۔ میں تمہیں تمہارے گھر پہنچا دوں گی۔"

"مجھے میرے گھر لے چلو۔ میرے وطن لے چلو۔ میں یہاں نہیں رہنا چاہتی۔"

"کون سا ہے تمہارا وطن؟"

"پاکستان۔"

"اور اس وقت تم کہاں ہو؟" میں نے کسی خیال کے تحت اُس سے سوال کیا اور جواب میں اُس نے جو نام لیا وہ میرے لیے اجنبی نہیں تھا۔ یہ مشرقِ وسطیٰ کے اس ملک کا نام تھا جس کا حوالہ مجھے بار بار ملا تھا اور گرین بیگ کو جہاں سے منسوب کیا جاتا تھا۔

میں چند ساعت اس گتھی کو سلجھانے کی کوشش کرتی رہی۔ آخر اُسے یہ احساس کیوں ہے کہ وہ کسی دوسرے ملک میں ہے۔ پھر میں نے ایک گہری سانس لے کر اُس سے پوچھا۔

"تمہیں اس ملک کا نام کس نے بتایا؟"

"کیا مطلب؟" اُس نے کسی قدر خود پر قابو پا کر کہا۔

"میرا مطلب ہے کہ تمہیں یہ بات کیسے معلوم ہوئی کہ تم یہاں موجود ہو اور پاکستان سے تم یہاں کب آئیں؟"

"کئی ماہ ہو گئے۔"

"اندازاً کتنے؟"

"پانچ یا چھ ماہ گزرے ہوں گے۔"

"تمہارا نام کیا ہے بی بی؟"

"درخشاں۔ اپنی تقدیر کا اُلٹ۔ میں بہت بدنصیب ہوں۔" وہ بولی "تمہارا نام کیا ہے۔ کیا تم بھی پاکستانی ہو؟"

"ہاں میں بفضلِ خدا پاکستانی ہوں۔ تم مجھے عالیہ کہہ کر پکار سکتی ہو۔" میں نے جواب دیا۔

"میری کہانی بڑی عجیب ہے۔ کیا تمہارے پاس اتنا وقت ہے کہ تم اسے پوری سن لو؟"

"کافی پی لو درخشاں اور ان میں سے کچھ بسکٹ بھی لو۔ میرے پاس تمہارے لیے بہت وقت ہے۔ تم چاہو تو میں دن رات تمہارے پاس رہ سکتی ہوں۔" میں نے پیار بھرے لہجے میں کہا۔

"میری زندگی ابتدا ہی سے ہمدردی سے خالی رہی ہے لیکن جن حالات میں، میں اب ہوں۔ اُن کو دیکھتے ہوئے وہ زندگی جنت کی زندگی تھی۔ مجھے معاف کرنا تمہاری یہ پُرخلوص روش مجھے بڑی انوکھی لگ رہی ہے۔"

"دنیا عجائب گھر ہے درخشاں۔ انسان پر نہ جانے کیا کیا بیتتی ہے۔ ہر دل میں ایک نئی کہانی ہے اور ہر کہانی ایک الگ نوعیت کی حامل ہے۔ اگر دنیا پر نگاہ ڈالنے کا کوئی موقع تمہیں ملا ہے درخشاں تو تم نے دیکھا ہوگا لوگ کس کس رنگ میں نظر آتے ہیں۔ ایک محل میں ایک ٹاٹ میں، ایک کسی ائر کنڈیشنڈ بیڈ روم کی کشادہ مسہری پر رات بسر کرتا ہے تو دوسرا کسی بدبودار نالے کے نزدیک فٹ پاتھ پر۔ اگر انہیں بدل دیا جائے تو انسانوں میں کوئی فرق نہیں نظر آئے گا۔ انسان تو یکساں ہیں معاشرہ یکساں نہیں ہے اصول یکساں نہیں ہیں چنانچہ زندگی کے لیل و نہار یوں ہی چلتے ہیں۔ کوئی ماحول کوئی قدر پائیدار نہیں ہے اور جب ہر چیز

متغیر ہے تو انسانی مزاج کا اختلاف بھی انوکھا نہیں ہو سکتا۔ تمہیں چاہیے میرے خلوص پر شک نہ کرو۔ اگر ہم شک کے جال میں پھنس گئے تو زندگی کے راستوں پر ایک قدم بھی نہ بڑھنے پائیں گے۔"

"خدا کی قسم میں تم پر شک نہیں کر رہی عالیہ۔ تمہارے اس خلوص کے عوض میں تمہیں زندگی دے سکتی ہوں۔ میں تو ایک ایسی ترسی ہوئی شخصیت ہوں کہ بس میرے لیے یہ خلوص اپنی زندگی سے زیادہ قیمتی ہے۔"

"شکریہ۔ مجھے اپنے بارے میں بتاؤ۔"

"کہانی یوں ہے میرے والد اختر علی میونسپل کارپوریشن میں کلرک تھے۔ ایک چھوٹی بہن اور ایک بھائی ہے میرا۔ جب میرا چھوٹا بھائی تین سال کا تھا تو میری ماں کا انتقال ہو گیا۔ باپ کی قلیل آمدنی میں ہم لوگ بڑی مشکل سے گزارہ کر رہے تھے لیکن گاڑی چل رہی تھی۔ جب امی کا انتقال ہوا تو میں پندرہ برس کی تھی اور میٹرک کا امتحان دے چکی تھی۔ دونوں چھوٹے بہن بھائیوں کو مجھے ہی سنبھالنا پڑا۔ ابو کی آمدنی اتنی نہیں تھی کہ وہ کچھ اور سوچ سکتے۔ دو سال تک معمولات یونہی چلتے رہے۔ ہم لوگ ماں کو یاد کر کے روتے تھے۔ بہن بھائیوں کی وجہ سے میرے سارے عزائم خاک میں مل گئے تھے۔ ورنہ میری آرزو تھی کہ میں اچھی تعلیم حاصل کر کے ماں باپ کی کفالت کروں گی۔

رفتہ رفتہ ابو کے مزاج میں تبدیلیاں رُونما ہونے لگیں امی کی موت کے بعد وہ اُجڑ گئے تھے لیکن ان کی موت کے دو سال کے بعد وہ پھر آباد ہونے لگے۔ چھوٹی سی آمدنی کا زیادہ حصہ اپنے لباس اور خوراک پر صرف کرنے لگے اور ہم کچھ اور پریشان ہو گئے... ابھی تک ابو سے اُن کے رویے کی شکایت نہیں کی تھی۔ لیکن کب تک؟ بالآخر میں نے ایک دن زبان کھول دی۔

"ابو۔ اب آپ کی نگاہوں میں ہماری کیا حیثیت ہے؟"

"کیا مطلب؟"

"آپ کو احساس ہے کہ ہم کتنے دن سے فاقہ کشی کر رہے ہیں اب تو پڑوسی بھی ہماری شکلیں دیکھ کر دروازے بند کر لیتے ہیں؟"

ابو تھوڑی دیر تک سوچتے رہے۔ پھر بولے "تم نے یہ بات چھیڑ ہی دی ہے درخشاں تو میں تم سے کچھ باتیں کر ہی لوں تمہارے ذہن میں سوتیلی ماں کا کیا تصور ہے؟"

میرا بدن کپکپا کر رہ گیا تھا لیکن میں نے خود کو سنبھالا "میں نہیں کچھ بھی ابو۔" میں نے بمشکل کہا۔

"میں نے نکاح کر لیا ہے۔" ابو نے دوسرا دھماکا کیا۔ میری آنکھوں میں تاریکی پھیل گئی تھی لیکن تاریکیاں حقیقتوں کو نہیں چھپا سکتیں۔

"کب۔ کہاں ابو؟"

"یہ بتانا ضروری نہیں ہے۔ جو کچھ میں پوچھوں۔ اس کا جواب دو۔"

"جی ابو۔"

"کیا تم سوتیلی ماں کے ساتھ گزر کر سکتی ہو؟"

"آپ کہیں گے ابو تو گزارا کریں گے۔"

"سوچ لو۔ یہ گھر تماشا نہ بن جائے۔"

"نہیں بنے گا ابو۔"

"تمہیں نہ صرف تمہیں بلکہ ان دونوں کو بھی اُس کی خدمت کرنی ہوگی۔ اُس کے کسی حکم سے سرتابی نہیں کرنی ہوگی۔"

"ایسا ہی ہوگا ابو۔ ہمیں آپ کی سرپرستی چاہیے۔"

"ہوں۔ ٹھیک ہے۔ لو یہ بیس روپے رکھ لو۔ میری آمدنی بہت کم ہے۔ اس تنخواہ میں سب کو گزارہ کرنا ہوگا۔ کوئی گڑبڑ نہ ہونے پائے۔ کھانے پینے کی چیزیں منگوا لو۔ گھر کو صاف ستھرا کر لو۔ آج شام میں تمہاری نئی ماں کو لے آؤں گا۔"

"اور پھر نئی ماں گھر میں آ گئیں۔ سوتیلی ماں اسمِ بامسمّیٰ تھیں ... اور پھر ایک دن ... مجھے نوکری کی خوشخبری سنا دی گئی اور ابو مجھے خود اس کارخانے میں چھوڑ آئے جہاں تولیے بنتے تھے کارخانے کا حساب کتاب مجھے رکھنا ہوتا تھا۔ مردوں کے درمیان بیٹھ کر کام کرنے کا یہ تجربہ میرے لیے بڑا تکلیف دہ تھا لیکن مجھے عادی ہونا پڑا۔ میں نے اپنا کام بخوبی انجام دینا شروع کر دیا اور پھر مجھے کچھ سکون بھی ہوا۔ حالات کسی قدر سدھر گئے تھے اور ابو اور امی کا رویہ بھی کچھ بہتر ہو گیا تھا۔ شاید اس تصور کے تحت کہ اب میں اپنے پیروں پر کھڑی ہو گئی ہوں۔ کہیں بدک نہ جاؤں۔

یوں کچھ وقت نکلا۔ پھر اسی فیکٹری میں میری ملاقات حق صاحب سے ہوئی۔ ایک خوبصورت سی لمبی کار میں آتے تھے۔ ایک بار انہوں نے مجھے دیکھا اور پھر دیکھتے رہ گئے۔ دوسری بار آئے تو انہوں نے میرا باقاعدہ انٹرویو لے لیا اور پھر مجھے ایک دوسری جگہ کام کی پیشکش کی۔ جہاں تنخواہ یہاں سے دُگنی تھی۔ میں نے سوچا اس موقع سے فائدہ اٹھاؤں حالات کچھ اور بہتر ہو جائیں گے۔ چنانچہ میں اس نئی فرم میں چلی گئی۔"

"ایک منٹ درخشاں۔ اس فرم کا کیا نام تھا؟"

"میٹرو آرگنائزر۔ امپورٹ ایکسپورٹ کرتی تھی۔"

"وہاں کتنے عرصہ کام کیا تم نے؟"

"تقریباً چار ماہ۔ وہاں پر میری ملاقات ایک اور شخص سے ہوئی۔ دُبلے پتلے سوکھے سے بدن کا آدمی تھا۔ اس نے اپنا نام پرویز بتایا تھا۔ انتہائی نفرت انگیز انسان تھا۔ اس کی آنکھیں بالکل بھوری اور دُھندلائی ہوئی تھیں۔ دو تین بار اس نے زبردستی مجھ سے ملاقات کی۔ میں اُسے گھاس نہیں ڈالتی تھی لیکن ایک دن اُس نے مجھ سے ایسی باتیں کیں کہ میں شرمندہ ہوگئی۔"

"مثلاً...؟" میں نے پھر درمیان میں دخل دیا۔

"فرم سے پانچ بجے چھٹی ہوتی تھی۔ وہ مجھے باہر ملا۔ اس وقت جب میں بس اسٹاپ پر کھڑی ہوئی تھی۔ میرے نزدیک آکر کھڑا ہوگیا اور مجھ سے میری خیریت پوچھنے لگا۔ میں نے حسبِ معمول اُس کے ساتھ سخت سلوک کیا تو اُس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ کہ حق صاحب سے اُس کی گہری دوستی ہے۔ میرے اس رویّے کی شکایت اگر حق صاحب سے ہوجائے تو وہ کھڑے کھڑے مجھے نوکری سے نکال دیں گے۔ میں اس بات پر بپھر گئی اور میں نے کہا کہ "حق صاحب اس فرم کے مالک تو نہیں ہیں۔" جس پر وہ مسکرانے لگا۔

"تم بے حد معصوم ہو درخشاں۔ کیا تم نہیں جانتیں کہ حق صاحب میٹرو آرگنائزر کے مالک ہیں۔" اس انکشاف پر میں دنگ رہ گئی تھی لیکن پھر میں نے سخت لہجے میں کہا۔

"ٹھیک ہے پرویز صاحب۔ آپ مجھے ضرور اس فرم سے نکلوا دیں۔ کیا آپ کے خیال میں صرف ایک ہی فرم ہے جس سے مجھے رزق مل سکتا ہے۔"

"نہیں درخشاں۔ اصل بات تو میں اب کہنا چاہتا ہوں... عزیزہ میرے بارے میں تم غلط فہمیوں کا شکار ہو۔ میں ایک مطمئن، مسرور اور پُرآسائش زندگی گزار رہا ہوں لیکن میری شکل و صورت میری زندگی کی ویرانی بن گئی ہے۔ مجھے اپنے خدوخال سے بے حد شکایت ہے..... میں تمہیں اپنی بہن کی طرح چاہتا ہوں۔ میرے دل میں کوئی کھوٹ نہیں ہے۔" اُس کی دُھندلائی ہوئی آنکھوں میں آنسو آگئے اور وہ یہ آنسو خشک کرتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔ لیکن میں دنگ رہ گئی تھی اور پھر مجھے بے حد دکھ ہوا۔ میں سخت شرمندہ ہوگئی۔ خواہ مخواہ اس بے چارے سے نفرت کرتی تھی۔ اس کے بعد وہ کئی دن تک نظر نہ آیا۔ پھر تقریباً دس دن کے بعد میری اس پر نگاہ پڑی تو میں خود اس کے نزدیک پہنچ گئی۔ اس نے عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھا تھا۔"

"میں شرمندہ ہوں۔" میں نے کہا اور وہ مُسکرا پڑا۔

"بس بھائیوں کے لیے اتنا ہی کافی ہوتا ہے۔ ہم خوش ہو گئے لیکن کسی دن ہمیں اپنے گھر لے چلو، اپنوں سے ملاؤ۔"

"ضرور..." میں نے خوش دلی سے کہا اور پھر ایک دن پرویز کو اپنے گھر لے گئی۔ سوتیلی ماں اور خود اپنے باپ کے لیے میں بہت بڑا سہارا تھی۔ اسی لیے میرے بہن بھائی کی بھی بڑھ گئی تھی۔ گھر کے حالات بھی بہتر ہو گئے تھے۔ ابو نے تک نہیں پوچھا تھا کہ میری فرم کیا کرتی ہے۔ وہاں کیسے لوگوں سے میرا واسطہ ہے۔ بس انہیں میری تنخواہ سے دلچسپی تھی۔ تاریخ کی شام کو اُن کی نگاہ دروازے پر لگی ہوتی تھی اور وہ بدحواسی سے پوچھتے تھے "تنخواہ مل گئی؟" اور میں خاموشی سے پرس کھول کر پوری تنخواہ اُن کے سامنے رکھ دیتی تھی

پرویز کی آؤ بھگت کی گئی اور پھر میرے ابو سے اس کے براہِ راست تعلقات ہو گئے میری عدم موجودگی میں بھی وہاں آنے لگا۔ ایک شام ابو بے چینی سے میرے منتظر تھے اور کسی قدر بھی نظر آ رہے تھے۔

"درخشاں۔ یوں لگتا ہے جیسے ہمارے دن پھر گئے تمہارا مستقبل تمہارے نام کی طرح درخشاں ہونے والا ہو۔"

"کیا بات ہے ابو۔"

"یہ بتاؤ تم ملک سے باہر جانا پسند کرو گی؟"

"کہاں ابو؟"

"مشرقِ وسطیٰ کے کسی ملک میں۔"

"لیکن کیوں؟"

"ارے بھئی نوکری کے لیے اور کیوں۔"

"تنہا ابو...؟"

"لو بھئی۔ کیا نوکری کرنے گھر والوں کے ساتھ جاتے، تو خیال ہے تم اس سُنہری موقع سے فوراً فائدہ اُٹھاؤ۔"

"لیکن ابو...؟"

"کمال ہے۔ میں تو سوچ رہا تھا کہ تم یہ سُن کر خوشی سے پڑو گی لیکن یہ کیفیت نہیں ہے تمہاری۔ اس میں لیکن کی گنجائش ہے۔"

"نہیں ابو۔ میں اپنے بہن بھائیوں کو چھوڑ کر کہیں نہیں"

"کیا مطلب ہوا اس بات کا۔ کیا ان دونوں کے نہیں ہوں۔ کیا تمہاری امّی نہیں ہیں؟"

"میں بھی اِن کے ساتھ ہی رہنا چاہتی ہوں ابو۔"

بھٹکتے ہوئے کہا۔

"دیکھو درخشاں۔" ابو نرم لہجے میں بولے۔ "جب تم اپنی بہن اور بھائی کے مستقبل کے لیے میدانِ عمل میں نکل ہی آئی ہو تو پھر کچھ کر کے دکھاؤ۔ سات ہزار روپے ماہوار ملیں گے تمہیں۔ رہائش، تفریحات اور کھانا پینا فرم کے ذمّے ہوگا۔ اور کیا چاہتی ہو۔ یہ سوچو یہ سات ہزار روپے ماہوار تمہاری بہن اور تمہارے بھائی کے لیے کتنے قیمتی ہیں۔ ہمت کرو درخشاں تمہاری یہ قربانی رائیگاں نہیں جائے گی۔"

ابو اجنبی بن کر بول رہے تھے۔ باپ تو بیٹیوں کو وداع کرتے ہیں انہیں اُن کے سسرال بھیجتے ہیں۔ ابو مجھے نوکری کرنے بھیج رہے تھے اور میں حالات کو سمجھتی تھی۔ اُن سے اختلاف کرتی تو نہ صرف میری بلکہ بہن اور بھائی کی زندگی بھی اجیرن ہو جاتی۔ میں نے بہت سے بہانے بنائے اور بڑی تاویلیں پیش کیں لیکن ابو نے ایک نہ سُنی۔ تب عاجز آکر میں نے پوچھا۔

"لیکن یہ نوکری کہاں سے آئی؟"

"پرویز نے تمہارے لیے یہ کوشش کی ہے۔"

"اوہ۔ لیکن۔ اُس نے مجھ سے تو کوئی تذکرہ نہیں کیا۔" میں نے حیرت سے کہا۔

"پرویز کہہ رہا تھا کہ اس کی طرف سے سارے انتظامات مکمل ہیں۔ بس اب درخشاں پر منحصر ہے کہ وہ کب جانا پسند کرے۔"

ابو کے اِن الفاظ کے بعد میرے لیے کچھ بولنا ممکن نہیں تھا۔ میں خاموش ہوگئی۔ لیکن پوری رات میں سو نہیں سکی۔ ایک طرف دل کہتا تھا کہ بہن بھائیوں کے مستقبل کے لیے ایک سنہری موقع مل رہا ہے اسے نہ گنواؤں۔ جو کچھ بھی بیتے جھیلوں۔ سات ہزار روپے کی رقم معمولی نہیں ہوتی۔ زندگی بن جائے گی ان لوگوں کی۔ دُوسری طرف بہن بھائیوں کو چھوڑنے کے لیے دل بھی نہیں چاہتا تھا۔ تیسرے دن پرویز مجھے لے کر چل پڑا۔ ابو نے مجھے ائرپورٹ چھوڑنے کی ذمّہ داری اُس کے سپرد کر دی تھی۔ میں ایک ٹیکسی میں دل برداشتہ اُس کے ساتھ جا رہی تھی۔ چھوٹے بہن بھائی کو میں بلکتا چھوڑ آئی تھی۔ امّی اور ابو تو میرے جانے سے بہت خوش تھے انہیں اپنا مستقبل تابناک نظر آ رہا تھا۔ لیکن میری کیفیت متضاد تھی۔ میں اپنی بدنصیبی پر بھی غور کر رہی تھی۔ ایک نرم و نازک وجود..... میں زبردستی اس گھر کی مرد بنا دی گئی تھی۔ کاش میں مرد ہی ہوتی۔

پرویز سیدھا ائرپورٹ گیا۔ یہاں اُس نے ٹیکسی چھوڑ دی، میرے سارے کاغذات اُسی کے پاس تھے اور وہ اس سلسلے میں تکمیل کرتا رہا تھا۔ مجھے ایک جگہ بٹھا کر اُس نے ائرپورٹ کاؤنٹر سے رابطہ قائم کیا اور تھوڑی دیر کے بعد مُنہ لٹکائے واپس آگیا۔

"آج کی فلائٹ تو خراب موسم کی وجہ سے کینسل ہو گئی ہے درخشاں۔" اُس نے کہا۔

"تو پھر...؟"

"اب کل کا پروگرام رہے گا۔"

"تو گھر واپس چلو۔" میں نے کہا۔

وہ مجھے چھوڑ کر باہر نکل گیا۔ پرویز جب سے مجھے ملا تھا اُس نے میرے ساتھ خلوص کا برتاؤ کیا تھا۔ مجھے اس پر کوئی شُبہ نہیں ہو سکتا تھا۔ میرے ذہن میں تو اس وقت صرف بہن بھائی کا خیال تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد پرویز واپس آگیا۔ اُس نے میرا مختصر سا سُوٹ کیس اٹھایا اور میرے ساتھ باہر نکل آیا۔ ایک لمبی خوبصورت اسٹیشن ویگن باہر کھڑی ہوئی تھی۔ پرویز نے میرا سُوٹ کیس اُس میں رکھ دیا۔

"یہ گاڑی...؟" میں نے یونہی روا روی میں پرویز کو دیکھا۔

"اوہ۔ یہ میرے دوست ناصر ہیں۔ کسی کو چھوڑنے یہاں آئے تھے۔ آؤ یہ ہمیں گھر چھوڑ دیں گے۔" پرویز نے دروازہ کھول دیا اور میں اسٹیشن ویگن کے پچھلے حصّے میں بیٹھ گئی۔ پرویز خود ڈرائیور کے پاس بیٹھ گیا۔ ویگن اسٹارٹ ہو کر آگے بڑھ گئی۔ اوّل تو میں نے کاریں قریب سے کبھی نہیں دیکھی تھیں اور مجھے اُن کے اندرونی حصّوں کے بارے میں کوئی اندازہ نہیں تھا۔ دوسری بات یہ کہ کوئی بات ایسی نہیں ہوئی تھی جو میرے لیے شُبہے کا باعث بنتی۔ اِس لیے میں اطمینان سے بیٹھی رہی۔ لیکن چند ہی ساعت کے بعد مجھے گھٹن کا سا احساس ہوا اور میرا سر چکرانے لگا۔ کسی رخنے سے ہوا اندر نہیں آ رہی تھی، میں نے کچھ کہنے کی کوشش کی لیکن میرے حلق میں مرچیں سی بھر گئیں اور میرا دَم اس قدر گھٹنے لگا کہ حواس بے حال ہو گئے۔ نہ جانے کیا ہو رہا تھا اور تھوڑی دیر کے بعد مجھے کوئی احساس نہیں رہا۔

یہ بے ہوشی کتنی طویل تھی۔ مجھے اس کے بارے میں کچھ نہیں معلوم۔ ہاں جب میں جاگی تو ایک عجیب سی آواز میرے کانوں میں گونج رہی تھی۔ میں ایک سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ میرے نزدیک ہی ایک بوڑھی عورت موجود تھی جو کسی اخبار کے مطالعے میں مصروف تھی۔ دُور تک سیٹیں نظر آ رہی تھیں جو سب کی سب پُر تھیں۔ میں نے پریشان

نگاہوں سے چاروں طرف دیکھا۔ درمیان میں مجھے ایک خوبصورت لڑکی نظر آئی جو ہوسٹس کا لباس پہنے ہوئے تھی۔

ہوائی جہاز میں میں نے پہلے کبھی سفر نہیں کیا تھا لیکن اُس کے بارے میں جانتی ضرور تھی۔ چند لمحات میں مجھے اندازہ ہو گیا کہ میں جہاز میں سفر کر رہی ہوں۔ میرا حلق خشک ہو رہا تھا۔ بمشکل تمام میں نے اپنے نزدیک بیٹھی بوڑھی عورت کو مخاطب کیا۔ اور وہ اخبار سے نگاہیں ہٹا کر مجھے دیکھنے لگی۔

"معاف کیجیے گا۔ میں۔ میں" میں نے خشک حلق کو تر کرنے کی کوشش کی۔ آواز ہی نہیں نکل رہی تھی۔

"کیا بات ہے؟" بوڑھی عورت نرم اور ہمدردانہ لہجے میں بولی۔

"کیا ہم... جہاز میں سفر کر رہے ہیں؟"

"ہاں تمہیں علم نہیں ہے۔ اوہ میں سمجھی بعض لوگ سونے کے بعد ماحول کو بھول جاتے ہیں۔ لیکن بے بی یہ اچھی بات تو نہیں ہے۔ تم اس مختصر سے سفر میں بھی سو رہی ہو۔ جوانی تو بے چینی کا دُوسرا نام ہے۔ جوانی میں نیند کہاں۔"

"میں۔ میں۔ میرا مطلب ہے ہم کہاں جا رہے ہیں؟" میں نے اس کی بات نظر انداز کر کے کہا اور جواب میں اُس نے اسی جگہ کا نام لیا۔ میں ایک طویل سانس لے کر خاموش ہو گئی۔

"تم کچھ پریشان نظر آ رہی ہو بے بی؟" عورت نے سوال کیا لیکن میں نے اس کے سوال کا کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ چند ساعت میرے جواب کا انتظار کرتی رہی۔ پھر میری طرف سے مایوس ہو کر دوبارہ اخبار میں کھو گئی۔ میرا ذہن چیخ رہا تھا یہ سب کچھ میری سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ میں تو ویگن میں پرویز کے ساتھ جا رہی تھی۔ پھر وہ گھٹن اور بے ہوشی۔ اور اس کے بعد یہ جہاز... درمیان میں کیا ہوا تھا۔ میں جہاز تک کیسے پہنچی۔ اس کے اندر کیسے آئی۔ کیا یہ سب کچھ بے ہوشی کے عالم میں ہوا ہے۔ لیکن کیوں؟

دفعتاً ہوسٹس میرے پاس آ کر جھکی۔

"آپ کو کچھ پیش کروں۔ کافی پئیں گی آپ؟" اُس نے دلکش مسکراہٹ سے کہا۔

"ایک گلاس پانی مل جائے گا؟"

"ضرور۔ ابھی لائی۔" وہ مستعدی سے بولی اور اپنی نوک دار ایڑی والے جوتوں کے ساتھ کھٹ کھٹ کرتی آگے بڑھ گئی۔ چند ساعت کے بعد وہ ایک خوبصورت اور چھوٹی سی ٹرے میں پانی کا ایک گلاس لیے آ گئی اور اُس نے مجھے پانی پیش کر دیا۔ پانی کا مزا کسی قدر بدلا ہوا تھا لیکن میرا حلق اتنا خشک ہو رہا تھا کہ میں توجہ دیے بغیر گلاس خالی کر گئی۔ پانی پینے سے مجھے کسی قدر [illegible] ہوا۔ میں نے گلاس ہوسٹس کو واپس کر دیا اور وہ مسکراتی ہوئی

"اور کچھ خاتون؟"

"نہیں۔ شکریہ۔" میں نے کہا لیکن مجھے اپنی زبان کی لڑ[illegible] صاف محسوس ہوئی تھی۔ نہ جانے یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ نہ جا[illegible] اس سے زیادہ میں اور کچھ نہ سوچ سکی اور گہری نیند سو گئی۔ [illegible] میں ضرور بے ہوشی کی کوئی دوا شامل تھی۔ جو بے مزا ہونے کی [illegible] سے محسوس نہیں ہوئی۔ ہاں بدلا ہوا ذائقہ کسی قدر توجہ دلاتا تھا لیکن اس وقت میری جو حالت تھی اُس کے تحت میں کچھ نہیں محسوس کر سکی تھی۔"

میں خاموشی سے درخشاں کی کہانی سن رہی تھی۔ یہاں تک پہنچ کر وہ رُک گئی۔ میں اس پورے کھیل کے ایک ایک [illegible] غور کر رہی تھی۔ یہ دو نئے نام میرے سامنے آئے تھے حق صاحب اور پرویز۔ صاف اندازہ ہوتا تھا کہ حق صاحب اس معصوم لڑکی [illegible] خدوخال دیکھ کر چونکے تھے اور پھر انہوں نے اسے یہاں سے [illegible] کے لیے دوسری فرم میں اسے ملازمت دلائی۔ مقصد یہی تھا [illegible] بالآخر اسے یہاں سے اڑا دیں۔ طریقہ کار مختلف نہیں تھا بس [illegible] سا بدلا ہوا تھا لیکن اس سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ بہت [illegible] سے لوگ اس سلسلے میں کام کر رہے ہیں۔ لیکن کیوں؟ کس کے [illegible] یہ سوال اب بھی تشنہ تھا۔ میں درخشاں کی آگے کی کہانی [illegible] تھی۔ وہ چند ساعت خاموش رہی۔ جوں جوں وہ حالات یاد [illegible] جا رہی تھی اُس کے سینے کا زیر و بم تیز ہوتا جا رہا تھا۔ پھر اُس [illegible] ہونٹوں کو زبان سے تر کیا اور بولی "دوسری بار کے لیے بھی [illegible] کا کوئی تعین نہیں کر سکتی کہ کتنی دیر کے بعد ہوش آیا تھا لیکن [illegible] بار میں جہاز میں نہیں تھی بلکہ ایک مسہری پر دراز تھی اور ایک [illegible] نرس میرے سرہانے موجود تھی۔"

"سیاہ فام سے تمہاری کیا مُراد ہے۔ کیا اُس کا رنگ [illegible] تھا یا وہ افریقی نژاد تھی۔؟"

"افریقی نژاد۔" وہ گہری سانس لے کر بولی۔

"ہوں۔ پھر کیا ہوا؟"

میں تھوڑی دیر تک اُسے دیکھتی رہی پھر سارے [illegible] میرے ذہن کے پردے پر آ گئے اور میں اُچھل پڑی۔ نرس میر[illegible] نزدیک آ گئی۔ وہ خوش اخلاق تھی لیکن اُردو نہیں جانتی تھی۔ [illegible]

[illegible]ں سے سوال کیا کہ میں کہاں ہوں لیکن اُس نے انگلش میں جواب [illegible]تھا۔ انگلش میں اچھی طرح نہیں جانتی تھی۔ اس لیے میری اس [illegible] صاف گفتگو نہیں ہو سکی۔ البتہ جو الفاظ میری سمجھ میں آ سکے تھے [illegible] میں میری ملازمت۔ مشرقِ وسطیٰ کے اس ملک کا نام جہاں میں [illegible]موجود ہوں نمایاں تھا۔ جس سے مجھے اندازہ ہوا کہ میں یہاں پہنچ گئی [illegible]ہوں۔ میں سخت پریشان تھی۔ میں نے اُس سے بہت سے سوالات [illegible]کیے۔ جہاں تک انگریزی زبان ساتھ دیتی تھی اس کا جواب مل جاتا [illegible]تھا لیکن وہ بھی بہت مختصر ہو کر میرے پلے پڑتا۔ ورنہ وہ میری شکل [illegible]دیکھتی اور میں اُس کی لیکن جس طرح میں یہاں آئی تھی وہ میری سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ میں نے حق صاحب کا نام لیا۔ پرویز کا پوچھا۔ [illegible]لیکن یہ سیاہ فام اُن میں سے کسی نام سے واقف نہیں تھی... میں [illegible]جھنجلا گئی۔ اور میں نے اُس سے کہا کہ کسی اور کو بھیجیے۔

"نرس نے میری یہ بات سُن کر بڑے خلوص سے سر ہلایا اور [illegible]باہر نکل گئی لیکن باہر جا کر اُس نے دروازہ باہر سے بند کر دیا تھا۔ میں [illegible]نے اُس کی اس حرکت کو تعجب سے دیکھا اور پھر میں دروازے کے [illegible]قریب پہنچ کر چیخنے لگی لیکن دروازہ پیٹ پیٹ کر میرے ہاتھ تھک [illegible]گئے اور چیخ چیخ کر گلا دُکھ گیا لیکن یُوں لگتا تھا جیسے وہاں کوئی نہ [illegible]۔ تب میری آنکھوں میں آنسو آ گئے اور میں وہیں دروازے کے نزدیک [illegible] کر سسکنے لگی۔ اب اس بات میں شک و شبہے کی گنجائش نہیں [illegible] کہ میں کسی جنجال میں پھنس گئی ہوں یہ نوکری وغیرہ کچھ نہیں [illegible] کوئی اور ہی چکر ہے۔ افسوس میرے ابو نے میرے تابوت میں [illegible]ی کیل ٹھونک دی۔ کیا معلوم انہوں نے مجھے کسی کے ہاتھ فروخت [illegible] کر دیا ہو۔ آہ وہ میری کمائی سے اتنی ہی دلچسپی رکھتے تھے۔ ایسے [illegible] کے بارے میں کیا کہا جا سکتا ہے۔ جوں جوں سوچ رہی تھی دل [illegible] بھر کر آ رہا تھا۔ میرے بعد میری چھوٹی بہن ابو کے لالچ کا شکار [illegible]ں۔ بے چارہ بھائی نہ جانے کہاں مارا مارا پھرے گا۔ آہ! کیا [illegible]ماں اتنا خود غرض ہے۔ ابھی چند ہی دِنوں قبل کی تو بات ہے' [illegible]زندہ تھیں۔ ابو ہمارا سائبان تھے۔ ہمارے سب سے بڑے محافظ' [illegible] آج ہمارے سر پر کوئی سائبان نہیں تھا۔ آج ہم اپنی پُشت پر [illegible] دیوار نہیں پاتے تھے۔ ہم تینوں بہن بھائی بے سہارا تھے اور [illegible] ابو نے یہ دشمنی کی تھی۔ میں نہ جانے کب تک روتی رہی لیکن [illegible] انسان کے لیے سوہانِ رُوح ہوتی ہے۔ میں دوسرے پریشان کن [illegible]ت میں گھر گئی۔

"پھر رات ہو گئی۔ کمرے میں گہری تاریکی چھا گئی۔ باہر کوئی آواز [illegible]تھی۔ ایک ہیبت ناک سناٹا چاروں طرف طاری تھا۔ مجھے اس سناٹے سے خوف محسوس ہونے لگا۔ سوئچ تلاش کر کے میں نے کمرے میں روشنی کی لیکن خاموشی بہت خوفناک تھی۔ میں ہراساں سی ایک طرف بیٹھ گئی۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا کیا کروں نہ جانے کتنی دیر گزری تھی کہ باہر قدموں کی چاپ سنائی دی۔ میرے بدن میں اب اتنی جان بھی نہیں تھی کہ میں کھڑی ہو سکتی۔ کوئی دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔

دو افراد تھے جو قیمتی لباسوں میں تھے... اُن کے عقب میں ایک اور شخص بھی تھا جو ٹرے اُٹھائے ہوئے تھا۔

"ہیلو مس درخشاں!" اُن میں سے ایک نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "کھانا آیا ہے آپ کے لیے۔ اور یہ نامراد شئے زندگی کے لیے بہت ضروری ہے۔"

"لیکن یہ۔ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ مجھے یہاں قید کیوں کیا گیا ہے؟ میں نے آپ لوگوں کا کیا بگاڑا ہے؟" میں نے ہمت کر کے پوچھا۔

"قید۔؟" ایک نے دوسرے کی جانب حیران نگاہوں سے دیکھا۔ "تم نوکری کو قید سمجھتی ہو؟"

"یہ نوکری ہے؟ مجھ سے تو کہا گیا تھا کہ مجھے کسی گرین بیگ نامی فرم میں کام کرنا ہو گا۔ مجھے یہاں کس طرح لایا گیا ہے۔ اور پھر یہاں میں تنہا قیدیوں کی طرح ہوں۔"

درخشاں کی زبانی گرین بیگ کا نام سُن کر میں نے ایک گہری سانس لی تھی۔ ابھی تک یہ سوال میرے ذہن میں کھٹکتا رہا تھا کہ کیا درخشاں کو بھی گرین بیگ ہی کے حوالے سے ٹریپ کیا گیا ہے یا اس کی بدلی ہوئی کہانی میں یہ نام بھی بدلا ہوا ہے۔ لیکن اس کی کہانی اس قدر دل سوز تھی کہ مجھے ابھی تک یہ سوال کرنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ اب یہ معمہ خود بخود حل ہو گیا تھا اور میری توقع کے عین مطابق تھا۔

"یہ گرین بیگ کا گیسٹ ہاؤس ہے۔ اور چونکہ اس وقت یہاں تمہارے سوا اور کوئی نہیں ہے اس لیے تم تنہائی محسوس کر رہی ہو۔" میرے سوال کا جواب ملا۔

"لیکن مجھے بے ہوشی کے عالم میں یہاں لایا گیا ہے۔"

"بے ہوشی تو نہیں ہاں تمہاری طبیعت کچھ خراب ضرور ہو گئی تھی۔ بہر حال گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ تمہیں صرف ایک رات یہاں گزارنی ہو گی۔ کل صبح تمہیں تمہاری ڈیوٹی پر بھیج دیا جائے گا۔ اب کھانا کھاؤ اور آرام سے سو جاؤ۔"

"کیا کمرے کا دروازہ باہر سے بند کر دیا جائے گا؟" میں نے سہمے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"تم پسند نہیں کروگی تو بند نہیں کیا جائے گا۔" ان میں سے ایک نے مسکراتے ہوئے کہا اور پھر وہ تینوں یعنی دونوں وہ اور تیسرا کھانا لانے والا باہر نکل گئے۔ میں بدستور خوفزدہ نگاہوں سے کھلے ہوئے دروازے کو دیکھتی رہ گئی تھی۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اچانک دروازہ خود بخود بند ہو جائے گا۔ مجھے بے حد ڈر لگ رہا تھا۔ عالیہ بہن مجھے بے حد خوف محسوس ہو رہا تھا۔ میں نے رات کو کھانا بھی نہیں کھایا۔ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ ہوا کی سرسراہٹ ہوتی تھی تو میں لرز اٹھتی تھی۔ آہ! وہ خوف۔ میں بیان نہیں کر سکتی.... کیسی بھیانک رات تھی۔ کیسی۔"

میں نے دیکھا درخشاں خوف سے لرز رہی تھی۔ اس کا رنگ ہلدی کی طرح زرد ہوتا جا رہا تھا۔ میں نے اُسے تسلی دینے کے لیے اُس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا لیکن اُس کا ہاتھ برف کی مانند سرد تھا۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے یہ خوف اُسے کوئی نقصان پہنچا دے گا... چنانچہ میں نے جلدی سے کہا۔

"بس درخشاں۔ باقی کہانی..."

"پھر یوں ہوا باجی۔ پھر یوں ہوا عالیہ باجی کہ... کہ مجھے کہیں دور سے کتوں کے بھونکنے کی آوازیں سنائی دیں۔ یہ آوازیں عام کتوں کی سی آوازیں نہیں تھیں۔" وہ ہذیانی انداز میں بولی۔ اور میں پریشان ہو کر کھڑی ہو گئی۔ درخشاں کی حالت اچانک بگڑنے لگی تھی۔

"بس اب میں کچھ نہیں سنوں گی درخشاں۔ میں اب کچھ بھی نہیں سنوں گی۔" لیکن درخشاں نے جیسے میری آواز بھی نہیں سنی تھی۔

"کتوں کی ڈراؤنی آوازیں قریب آتی جا رہی تھیں اور پھر ایک تیز سیٹی کی آواز اُبھری اور باہر خوب روشنی پھیل گئی۔ خوب روشنی پھیل گئی۔ میں کمرے میں نہ ٹھہر سکی۔ میں باہر نکل آئی..." درخشاں کھڑی ہو گئی۔

"خاموش ہو جاؤ درخشاں۔ خاموش ہو جاؤ۔" میں نے اُسے زور سے جھنجوڑا لیکن درخشاں حواس کھو بیٹھی تھی۔

"تیز روشنی میں مجھے۔ آہ۔ آہ۔ آہ۔" درخشاں نے دونوں آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیے۔ "وہ۔ وہ۔" دفعتاً وہ آنکھوں پر ہاتھ رکھے رکھے ایک طرف جھک گئی اور پھر دھڑام سے زمین پر گر پڑی۔ اس کے پورے بدن میں تشنج تھا۔ میرے حلق سے ایک تیز چیخ نکل گئی اور پھر میں بدحواس ہو کر باہر دوڑی۔

"نازش۔ نازش۔" میں نے زور زور سے آوازیں دیں اور چند ہی ساعت کے بعد دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں سنائی دیں اور پھر نازش میرے پاس پہنچ گیا۔

"خیریت محترمہ؟"

"جلدی نازش۔ ڈاکٹر کو بلاؤ۔ ڈاکٹر کو لے آؤ جلدی۔" بدحواسی سے کہا اور واپس اندر گھس گئی۔ بے چارے نازش اور کچھ بھی نہیں پوچھا تھا۔ وہ تیزی سے پلٹ گیا۔

درخشاں کا بدن اب ساکت ہو گیا تھا۔ اس کی خوبصو[رت] آنکھیں کھلی رہ گئی تھیں۔ ان سے اب بھی خوف جھانک رہا [تھا] میں اُس کے نزدیک بیٹھ گئی۔ میری آنکھیں جو کچھ دیکھ رہی تھیں دل اُسے ماننے کے لیے تیار نہیں تھا لیکن درخشاں کی بے نور [آنکھوں] سے درخشانی چھن گئی تھی۔ ہاں یہ خوفناک حقیقت بے نقاب [ہو] گئی تھی کہ اچانک موت کے ظالم عقاب نے زندگی کی پرواز کرتی [ہوئی] چڑیا کو اپنے خونیں پنجوں میں دبوچ کر بے جان کر دیا ہے۔ میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ درخشاں کی کہانی یوں ادھوری [رہ] جائے گی۔ میں جو اس خونی کھیل کی حقیقت سے واقف ہونے رہی تھی اچانک پھر ناکامی کے گڑھوں میں جا پڑوں گی۔

لیکن ابتدا سے یہی ہو رہا تھا۔ بس ایسا ہی ہو رہا تھا میں سخت جدوجہد کر کے کسی کامیابی کے قریب پہنچ جاتی تھی [لیکن] آخری سیڑھی سے لڑھکنا بھی مقدر بن گیا تھا۔

نازش دو آدمیوں کے ساتھ بے تحاشا اندر داخل ہو گیا [ان] میں ایک ڈاکٹر تھا۔ انہوں نے درخشاں کو اٹھا کر مسہری پر ڈال [دیا]۔ ڈاکٹر اس کی دیکھ بھال کرنے لگا۔ اُس نے چند منٹ تک درخشاں کو آلات سے ٹٹولا لیکن اب وہ سرد ہو چکی تھی۔

"افسوس۔" اُس نے آہستہ سے کہا۔

"لیکن یہ سب اچانک...؟" نازش کے منہ سے نکلا۔

"دل کی حرکت بند ہوئی ہے۔" ڈاکٹر نے جواب دیا۔

"کوئی خاص بات ہوئی تھی؟" نازش نے مجھ سے پوچھا۔

"ہاں وہ اپنے خوف کی داستان سنا رہی تھی۔"

"اوہ۔ کیسی بھیانک احساس نے اس کی جان لے لی۔ کمزور دل خوف کے اس احساس کو برداشت نہیں کر سکا۔" [اس] نے کہا۔ میں غم و اندوہ میں ڈوب گئی تھی۔ یہ سب اس طرح [ہوا] کہ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ نہ جانے کیوں میں خود کو مجرم [سمجھ رہی تھی]۔ بہرحال پھر میرے اندر سے ایک قوت اُبھر آئی۔ [میں نے] نازش کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "یہ اتفاق انوکھا ہے نازش صاحب [میرے] لیے سخت تکلیف دہ۔ لیکن وہ ہو جاتا ہے جو ہونا ہوتا ہے۔ میں [اس] لڑکی کے گھربار کے بارے میں کوئی تفصیل نہیں جانتی۔ اس [کی]

[ل]اش کسی کے حوالے کرنے کا بھی سوال نہیں پیدا ہوتا۔ پھر اس کی [تدف]ین کا کیا بندوبست کیا جائے۔"

"آپ حکم دیں تو یہ کام ہم کر لیں۔" نازش نے کہا۔

"میرا بھی یہی مقصد تھا لیکن آپ کے ذہن میں تو کوئی اُلجھن نہیں ہے؟"

"کیسی اُلجھن؟"

"آپ چاہیں تو انکل شہریار سے اس سلسلے میں گفتگو کر لیں۔"

"اوہ، نہیں مس عالیہ میں آپ پر یہ انکشاف کر دوں کہ چیف [نے] نو افراد پر مشتمل ایک گروپ کو مستقلاً آپ کے ساتھ منسلک کر دیا ہے۔ ہمارے لیے احکامات ہیں کہ ہم آپ کے زیرِ نگرانی کام کریں اور آپ کے احکامات کی تعمیل کریں۔ اور اب یہ نو افراد آپ کے براہِ راست ماتحت ہیں جن میں میں بھی شامل ہوں۔ چنانچہ آپ جو بھی حکم دیں گی اُس [کی] تعمیل ہمارے لیے ضروری ہے۔ مجھے یقین ہے اس کے بعد آپ مطمئن ہوں گی۔"

"اوہ۔" میں صرف اتنا کہہ کر رہ گئی۔ ذہنی کیفیت اس قدر خراب تھی کہ میں بیان نہیں کر سکتی۔ دل میں آنسو اُمڈ رہے تھے لیکن پوری زندگی کبھی نہیں روئی تھی اس لیے رونا بھی نہیں جانتی تھی۔ چند ساعت کے بعد میں نے خود کو سنبھال لیا۔

"اس لڑکی کی تصویریں بنانی ہیں نازش۔"

"بہتر ہے۔ میں اس کی تدفین سے قبل اس کی دس بارہ تصویریں مختلف زاویوں سے بنا لوں گا۔"

"امینہ کی ماں کا کیا حال ہے؟" میں نے پوچھا۔

"حسبِ معمول۔ اگر پسند کریں تو مل لیں۔" نازش نے کہا۔

"نہیں۔ اس وقت نہیں پھر ملوں گی۔" میں نے جواب دیا اور پھر میں نے نازش سے اجازت مانگی اور اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"سارے کام آپ کی مرضی کے مطابق ہو جائیں گے۔ آپ مطمئن رہیں میں آپ کو کام ہو جانے کی اطلاع دوں گا۔"

"خدا حافظ۔" میں نے کہا اور وہاں سے باہر نکل آئی۔ باہر آکر میں نے کار اسٹارٹ کی اور چل پڑی لیکن بُری طرح بھٹک رہی تھی۔ دماغ پر ایسا بوجھ تھا کہ بیان نہیں کر سکتی۔ نہ جانے کس طرح فلیٹ پہنچی تھی۔ مس میری نے دروازہ کھولا تو میں کچھ کہے سنے بغیر سیدھی اندر داخل ہو گئی۔ پھر اکتا سے لباس تبدیل کیا اور مسہری پر گر پڑی۔

ذرا سی دیر میں کیا سے کیا ہو گیا تھا۔ درخشاں کی موت میرے اعصاب پر بُری طرح سوار تھی۔ وہ بے چاری خوف کے احساسات کو ذہن سے نہ مٹا سکی اور جب اُسے سکون ملا تو خوف اس رنگ میں اُبھر آیا جس نے اُس کے دل سے دھڑکنیں چھین لیں۔

جو کہانی اُس نے سنائی تھی وہ اس قدر دردناک تھی کہ دل ہل جاتا تھا لیکن وہ بدنصیب تو پوری کہانی بھی نہیں سنا سکی نہ جانے وہ آگے کیا سنانے والی تھی۔

مس میری کی آمد نے خیالات کا طلسم توڑ دیا۔ "چائے یا کافی بنا کر لاؤں؟" اُس نے پوچھا۔

"نہیں مس میری۔ شکریہ اور کوئی خاص بات تو نہیں ہے؟"

"تمہیں کیا ہو گیا ہے آج کل۔ رنگ ہی بدل گئے ہیں۔ میں تمہاری طرف سے سخت تشویش کا شکار ہوں۔"

"پلیز مس میری۔ جاؤ مجھے تنہائی چاہیے۔ خواہ مخواہ مجھے پریشان نہ کرو۔" میں نے کسی قدر تلخ لہجے میں کہا لیکن مس میری آہستہ آہستہ چلتی ہوئی میرے بالکل نزدیک آگئی۔ میں نے چونک کر اُسے دیکھا اور متعجب رہ گئی۔ اُس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

"تمہیں بتانا ہوگا عالیہ کہ تم کیوں پریشان ہو۔ تمہارے معمولات میں یہ تبدیلیاں کیوں آئی ہیں۔ اب تمہاری راتیں باہر کیوں گزرتی ہیں اگر تم نے مجھے مطمئن نہ کیا تو جانتی ہو اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟" مس میری کی آواز غصے سے لرز رہی تھی۔ مجھے سخت تعجب ہوا۔ مس میری ایک خاموش طبع خاتون تھیں اور اس سے قبل میں نے اُسے اس رنگ میں نہیں دیکھا تھا لیکن میرے ذہن میں اس بے جا مداخلت سے کسی قدر جھنجلاہٹ آگئی تھی۔

"تم چلی جاؤ گی یہاں سے کیوں؟" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔

"نہیں۔" مس میری نے غراتی ہوئی آواز میں کہا۔ "میں خودکشی کر لوں گی سمجھیں۔ میں خودکشی کر لوں گی۔ میں صرف نوکر نہیں ہوں تمہاری ماں بن کر بھی پالا ہے۔ میرے سینے میں دھڑکتا ہوا دل تمہارے لیے ہے۔ سمجھیں۔ تمہیں بتانا ہوگا کہ تم کہاں جاتی ہو۔ کیوں پریشان ہو۔" مس میری نے جھک کر میرا گریبان پکڑ لیا۔ گرفت بے حد سخت تھی لیکن اچانک میرے ذہن میں پھلجھڑیاں سی چھوٹنے لگیں۔ محبت کا یہ جذبہ انوکھا تھا۔ یہ گرفت ایک ایسی طلب تھی جو ممکن ہے کبھی میرے ذہن میں رہی ہو لیکن میں اس سے ہمیشہ محروم رہی۔ محبت کے انداز بھی مختلف ہیں لیکن ان کا مفہوم ایک ہوتا ہے۔ ان کا مقصد یکساں ہوتا ہے اور میں نے اس شدت کے پیچھے ایک تڑپ دیکھ لی تھی اور جب انسان کو کوئی عظیم خزانہ نظر آجائے تو وہ اس سے منہ نہیں موڑ

سکتا میں اٹھ گئی۔ میں نے دونوں ہاتھ مس میری کی گردن میں ڈال دیے اور اپنا سر اُس کے سینے پر رکھ دیا۔ عجیب سا احساس میرے وجود پر مسلط ہو گیا۔ یہ ایسا لمس تھا کہ میں نے سارے جہاں کا سکون اِس لمس میں محسوس کیا۔ مجھے نیند سی آنے لگی۔ یُوں لگا جیسے میرے ذہن سے سارے بوجھ اُتر گئے ہوں۔ درحقیقت یہ گداز لمس سارے جہاں کے خزانے سمیٹے ہوتا ہے۔ ماں کا یہ لمس دنیا کی سب سے قیمتی شئے ہے۔۔

مس میری نے میرا گریبان چھوڑ دیا تھا لیکن اُس کی آنکھوں سے پگھل کر گرنے والا سیال سونا میرے وجود کو بھگو رہا تھا۔ "خدا کی قسم مس میری۔ تم نے مجھے مالا مال کر دیا ہے۔ میں نہیں جانتی تھی کہ تم اتنی دولت مند ہو۔ بڑا سکون ہے تمہاری آغوش میں"۔ میں آنکھیں بند کیے کیے بولی اور مس میری روتی رہی۔

تھوڑی دیر کے بعد میں چونک پڑی۔ میں نے گردن اُٹھا کر اُسے دیکھا اور پھر کھینچ کر قریب بٹھا لیا۔ "رو کیوں رہی ہو مس میری؟ میں نے تمہاری یہ برتری قبول کر لی ہے۔ ہاں میں تمہاری محکوم ہوں"۔

"کیوں۔ پریشان ہو؟"

"پریشان ہوں لیکن کوئی ایسی بات نہیں ہے جس کا تعلق میری ذات سے ہو۔ دراصل آج کل میں کچھ دوسرے کاموں میں اُلجھی ہوئی ہوں"۔

"کون سے کام ہیں؟"

"ایک درندہ صفت انسان معصوم لڑکیوں کو قتل کر دیتا ہے۔ میں اس کی تلاش میں ہوں۔ اخبار کے لیے مجھے رپورٹنگ کرنی ہوتی ہے نا۔ تمہیں یاد ہے ایک بار میں نے کہا تھا کہ ہم یہاں سے منتقل ہو جائیں گے؟"

"ہاں کہا تھا"۔

"یہ کیس اسی وقت سے شروع ہوا ہے۔ پہلے میرا خیال تھا کہ جب میں اس کی راہ پر لگوں گی تو وہ مجھ سے بھی دشمنی کرے گا۔ میں تمہیں اس دشمنی سے محفوظ رکھنا چاہتی تھی لیکن اس کی نوبت نہیں آئی۔ میں بہت مصروف رہ کر اس کی راہ پر لگ گئی ہوں۔ میں اسے منظرِ عام پر لانا چاہتی ہوں"۔

"لیکن یہ کام تم کیوں کر رہی ہو۔ یہ کام تو پولیس کا ہے"۔

"اپنے وطن کی ہر برائی اور اچھائی کا ذمہ دار ہر شہری ہوتا ہے۔ کام بانٹ لینا مناسب نہیں ہوتا۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنے وطن کو اپنے شہر کو برائیوں سے پاک کریں۔ اس لیے اس میں کوئی حرج نہیں ہے"۔

"سچ کہہ رہی ہو؟" مس میری کے انداز میں شُبہ تھا۔

"ہاں۔ اب تم سے جھوٹ بولنے کی جرأت نہیں کر سکتی"۔ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اور کوئی بات تو نہیں ہے؟"

"مثلاً اور کیا بات ہو سکتی ہے؟"

"عشق و محبت کے کھیل میں تو نہیں پھنس گئیں؟"

"لاحول ولا قوۃ مس میری۔ میرے اندر وہ جراثیم نہیں ہیں تم کبھی مجھے لڑکی مت سمجھنا"۔ میں نے ہنستے ہوئے کہا اور مس میری کسی قدر مطمئن ہو گئی۔ چند ساعت خاموش رہنے کے بعد اُس نے

"کچھ لاؤں تمہارے لیے؟"

"واقعی ضرورت نہیں محسوس ہو رہی۔ میں تھوڑی دیر آرام کروں گی"۔ میں نے کہا اور مس میری چلی گئی۔ اک ذہن ناتواں اور اتنے سوچنے کے لیے۔ ویسے ہی کیا کم تھا کہ مس میری ایک نئی سوچ دے گئیں لیکن یہ سوچیں دماغ خراب بھی کر سکتی تھیں۔ اس لیے میں نے سوچا تھوڑی دیر سونے کی کوشش کروں اور اس کوشش میں کامیابی میری قوتِ ارادی کا نتیجہ تھی۔

درحقیقت جس وقت آنکھ کھلی تو ذہن فرحت محسوس کر رہا تھا۔ غسل خانے سے نکلنے کے بعد تو سارا ذہنی بوجھ ہی اُتر گیا تھا۔ کہ سات بجے تھے۔ مس میری سے میں نے کچھ فروٹ اور چائے طلب کی۔ رات کے کھانے کے لیے میں نے دن سے منع کر دیا تھا۔

"کسی نازش صاحب کا فون آیا تھا"۔ مس میری نے بتایا۔

"اوہ کوئی پیغام چھوڑا ہے؟"

"ہاں کہا ہے کہ تمہیں بس اتنا بتا دوں کہ کام مناسب طور پر ہو گیا ہے"۔

"ٹھیک ہے مس میری بس اب آپ چائے لے آئیں"۔ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ مس میری نہ جانے کیوں شرمائی شرمائی سی تھی اور مجھے اس کا یہ شرمگیں انداز پسند آیا تھا۔

میں شام کی مصروفیات کے بارے میں سوچنے لگی۔ اس وقت کہیں جانے کو تو دل نہیں چاہتا تھا۔ اس کے علاوہ فائل بھی مکمل تھی۔ امینہ کے قتل سے شروع ہونے والے واقعات کے بارے میں ایک فائل ترتیب دے رہی تھی۔ ہر واقعہ اس فائل میں ضرور درج کیا جاتا تھا۔ چنانچہ اس وقت میں نے بھی ...... یہی مناسب سمجھا کہ فائل کی ترتیب کر لوں۔ اسے پڑھنے سے مجھے بہت مدد ملتی تھی سوچنے کے راستے کھل جاتے تھے۔ چنانچہ میں اپنی مخصوص میز پر آ گئی۔ اس سے قبل میں نے ایک قفل کھول کر فائل نکال لیا تھا

میں میں نے ان واقعات کی ترتیب جو کی تھی وہ کچھ یوں تھی۔

(۱) بارش کی ایک شام امینہ قتل ہوئی۔

(۲) انسپکٹر سلطان نے اوپری دباؤ کی بنیاد پر اُس کی مدد کرنے سے پہلو تہی کی اور اپنی وفاداریاں نبھاتے ہوئے امینہ کی نشاندہی کی۔ لیکن پھر اس کے ضمیر نے ملامت کی تو اس نے امینہ کی ماں کے بارے میں نشاندہی کی۔

(۳) گرین بیگ نامی فرم فراڈ ہے۔ اس کا کوئی وجود نہیں ہے۔

(۴) نارمن ٹریولرز کے جعلی اشتہارات ضرور کسی خاص نوعیت کے حامل ہیں۔ جب کہ اس کا بھی وجود نہیں ہے۔

(۵) شکیلہ کے علاوہ دوسری بہت سی لڑکیاں گرین بیگ کے ہاتھوں شکار ہوئی ہیں۔

(۶) انکل کے اشارے پر جنرل پوسٹ آفس کے ایک پوسٹ بکس کی نگرانی شروع کر دی ہے۔

(۷) انکل شہریار نے احمد کی ضمانت کا وعدہ کیا ہے۔

یہ تمام ضروری یادداشتیں تھیں۔ اس کے بعد سے میں نے فائل میں کچھ درج نہیں کیا تھا جب کہ بہت سے نکتے میرے ذہن میں جمع ہو گئے تھے۔ میں نے ایک الگ کاغذ پر دو باتیں نوٹ کیں۔ اول یہ کہ نازش سے پوسٹ بکس کے بارے میں معلوم کروں گی۔ دوئم انکل شہریار سے احمد کی رہائی کے بارے میں گفتگو کروں گی۔ پھر میں نے اس کے بعد کے واقعات کے پوائنٹ نوٹ کرنے شروع کر دیے۔

(۸) صباحت صاحب کو منور عالم کے ہاں سے دعوت نامہ ملا۔ ان میں کوہ پیماؤں کی ایک جماعت کے اعزاز میں تقریب تھی۔

(۹) بقراط اتشی۔ ایک کردار۔

(۱۰) نواب زادہ منور عالم کی کوٹھی۔ ان کی مشکوک آواز۔ ان کا انداز۔ بعد میں اس کی تفصیل جس کے نتیجے میں میرا شُبہ صرف بیس فیصد رہ گیا۔ کسی مناسب وقت پر اُن سے ملاقات کرنی ہے۔

(۱۱) مظلوم درخشاں۔ جس کی کہانی کے اہم نکتے یُوں تھے۔

۱۔ اُس کا باپ۔ دو بہن بھائی۔ حق صاحب اور پرویز... جو دونوں اس جرم کے شریک کار معلوم ہوتے ہیں۔ ۲۔ اہم نام۔ میٹرو آرگنائزر۔ جس کے بارے میں تحقیقات کرانی ہیں اور جس کا تعلق حق صاحب سے ہے۔

(۱۲) درخشاں کی کہانی۔ وہ خود کو مشرقِ وسطیٰ کے اس ملک میں کیوں محسوس کرتی تھی؟

یہ تھے نئے حالات جن کے بارے میں ابھی مجھے بہت کچھ سوچنا اور کرنا تھا۔ فائل کی اس ترتیب میں ذہن بہت تھک گیا تھا۔ طبیعت پر بوجھ آ پڑا تھا۔ اگر درخشاں کی کہانی پوری ہو جاتی تو بہت سے عقدے حل ہو سکتے تھے لیکن افسوس...

... درخشاں کو موت کے منحوس سائے نے لپیٹ میں لے لیا تھا اور وہ بے چاری اپنی کہانی پُوری نہیں کر سکی تھی لیکن درخشاں کی کہانی میں چند باتیں ایسی اُلجھی تھیں جن میں میرا ذہن ضرورت سے زیادہ اُلجھ رہا تھا۔ مثلاً ہوائی جہاز کا وہ سفر۔ جس میں اس کی آنکھ بے ہوشی کے بعد کُھلی تھی۔ ایسا کوئی سفر بھلا کیسے ممکن ہے؟ ہوائی جہاز میں کسی بے ہوش مسافر کا داخلہ ہی ممکن نہیں... یا پھر ایئر ہوسٹس نے اسے کوئی ایسی چیز دی جس سے وہ دوبارہ بے ہوش ہو گئی۔ یہ کوئی آسان بات تو نہیں تھی۔ لوگ کتنے ہی تعلقات والے ہوں لیکن یہ باتیں تو دوسروں کی نگاہوں میں بھی آ سکتی ہیں اور پھر یہ سفر کہاں کا تھا جب کہ درخشاں کے برابر والی سیٹ پر بیٹھی ہُوئی خاتون نے اس ملک کا نام لیا تھا جسے مشکوک بتلایا گیا تھا۔ یہ پُراسرار سفر کیا حیثیت رکھتا ہے؟ اور وہ پُراسرار مکان جس کے تصوّر نے درخشاں کے دِل کی حرکت بند کر دی تھی۔ یہی سب کچھ سوچتے سوچتے رات ہو گئی۔ میں نے کہیں جانے کا کوئی پروگرام نہیں بنایا تھا البتہ میرے دل میں ان ہی خطرناک مجرموں سے انتقام کا جذبہ اور شدید ہو گیا تھا۔ میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اگر ان مجرموں کو بے نقاب کرنے کے سلسلے میں مجھے جان سے بھی ہاتھ دھونا پڑے تو میں دریغ نہیں کروں گی۔

دوسری صبح ناشتے کے بعد میں تیاری کرنے لگی۔ اخبار میں، میں نے منور عالم کے بارے میں پڑھ لیا تھا۔ صباحت صاحب نے انہیں اچھی طرح خوش کر دیا تھا۔ میں نے اندازہ لگا لیا کہ آئندہ وہاں جاؤں گی تو میری خوب پذیرائی ہو گی۔ پہلے میں دفتر گئی۔ صباحت صاحب شاید دیر سے گھر گئے تھے اس لیے ابھی دفتر نہیں آئے تھے۔ ہاں دفتر کی ایک خاتون رپورٹر میرے کیبن میں تشریف لے آئیں۔ اس کا نام روبینہ تھا۔ "ہیلو عالیہ"۔

"ہیلو مس روبی، تشریف لایئے"۔ میں نے مسکرا کر کہا۔

"بھئی تمہارے تو ناز ہی حاصل نہیں ہوتے"۔ وہ میرے سامنے پڑی کرسی پر بیٹھتی ہُوئی بولی۔

"آپ کبھی کوشش ہی نہیں کرتیں، مس روبینہ"۔ میں نے کہا۔

"یہ بات نہیں۔ کوشش کریں بھی تو کامیابی کہاں ہوتی ہے تم جیسی تقدیر کہاں سے لائیں کبھی ایک آدھ مضمون لکھ دیا یا رپورٹنگ کر دی اور بس... کسی کا منظورِ نظر ہونا بھی بڑی بات ہے"۔ روبینہ شاید دِل کی بھڑاس نکالنے آئی تھی۔

"آپ کے خیال میں، میں کس کی منظورِ نظر ہوں؟" میں نے

سوال کیا۔

"بھئی دیکھو۔ بُرا ماننے کی نہیں ہو رہی۔ ہم لوگ تو خوش ہونے والوں میں سے ہیں:"

"یقیناً ... مس روبینہ ... لیکن براہِ کرم ذرا مجھے بھی تو بتاؤ:" میں نے خلوص سے کہا میرے ذہن میں شرارت اُبھر آئی تھی۔

"اب اس قدر شانِ بے نیازی نہ برتو۔ ویسے میں تمہیں نصیحت کرنے کا حق بھی رکھتی ہوں:"

"بلاشبہ۔ اس سے کس کافر کو انکار ہے؟"

"آخر تمہیں صباحت صاحب میں کیا نظر آیا؟ عُمر میں تم سے ڈھائی گُنا ہوں گے:" مس روبینہ نے انکشاف فرمایا اور میرے ہونٹوں کی مسکراہٹ مزید گہری ہوگئی لیکن میں نے اس نامعقولیت کو کوئی اہمیت نہیں دی۔

"خوب، تو میری یہ چوری پکڑی ہی گئی:" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہُوئے کہا۔

"ایسی باتیں کہیں چُھپتی ہیں:" روبینہ نے میری شہ پاکر کہا۔

"کیا بُرائی ہے، صباحت صاحب میں؟"

"ارادہ کیا ہے تمہارا۔ ذرا یہ تو معلوم ہو؟"

"روبینہ۔ اب اگر تم نے یہ اندازہ لگا ہی لیا ہے تو پھر میرا ایک کام بھی کردو:" میں نے رازدارانہ انداز میں کہا۔

"وہ کیا...؟"

"یہ بات جو تم مجھ سے پُوچھ رہی ہو، صباحت صاحب سے بھی پُوچھ لو۔ میرا خیال ہے وہ سچ مچ مجھ سے عشق کرتے ہیں ورنہ میرے لیے یہ مراعات کیوں ہوتیں۔ جب دل چاہتا ہے دفتر آتی ہوں اور جب جی چاہتا ہے چلی جاتی ہوں۔ وہ کچھ بھی تو نہیں کہتے۔ میں خود بھی انہیں پسند کرتی ہوں۔ لیکن کیا کروں زبان نہیں کُھلتی۔ تم یوں کرو صباحت صاحب سے اپنے طور پر معلوم کرو۔ ممکن ہے تم سے کچھ کہہ دیں:"

"مشکل کام ہے۔ ہمت نہیں پڑتی۔ بُرا نہ مان جائیں:"

"ان کے دل کی بات تو واضح ہو جائے گی۔ کم از کم اندازہ ہو جائے گا کہ آخر وہ کیا سوچ رہے ہیں اور پھر تم تو براہِ راست ان سے یہ بات کرو کہ میں تمہاری سہیلی ہوں تم جو چاہو مجھ سے کراسکتی ہو۔ اس طرح وہ تمہارے بھی احسان مند رہیں گے:"

"اور اگر وہ بُرا مان گئے؟"

"بھئی اگر وہ مجھ سے عشق کرتے ہیں تو اپنے مطلب کی بات کا بُرا نہیں مانیں گے۔ انہیں تو سہارا مل جائے گا:"

"ہاں یہ تو ہے:"

"تو پھر بسم اللہ کرو:"

"ٹھیک ہے۔ ابھی تو وہ موجود نہیں ہیں:"

"آتے ہی ہوں گے:"

"اگر کچھ معاملے کی بات ہو تو کیا کہوں:"

"یہی کہ تم ان سے میری شادی کرادو گی لیکن اس کے لیے انہیں اپنی پہلی بیوی کو طلاق دینی ہوگی:"

"اگر وہ اس پر تیار نہ ہُوئے تو...؟"

"تو پھر بعد میں دیکھا جائے گا پہلے تم ان کا عندیہ تو لو:"

"اوکے لیکن شادی کے بعد تمہیں میرا بھی خیال رکھنا ہوگا:" روبینہ نے احسان جتلاتے ہُوئے کہا۔

"پاؤں دھو دھو کر پیوں گی، تمہارے...:" میں نے کہا اور روبینہ میری گردن پر پاؤں رکھتی ہُوئی باہر چلی گئی۔ میرے حلق میں قہقہے مچل رہے تھے۔ میں یہ سوچ سوچ کر محظوظ ہو رہی تھی کہ صباحت صاحب پر کیا گزرے گی؟

میں نے انکل شہریار کی رہائش گاہ پر فون کیا۔ چند ساعت کے بعد ہی فون ریسیو کرلیا گیا: "میں شہریار صاحب سے بات کرنا چاہتی ہُوں:"

"کون صاحبہ بول رہی ہیں؟" دوسری طرف سے مردانہ آواز نے پُوچھا۔

"آپ ان سے کہہ دیں کہ ان کی بھتیجی عالیہ ہے:"

"اوہ مس عالیہ۔ ہولڈ کریں۔ صاحب کہیں جانے کے لیے تیار ہیں۔ میں انہیں اطلاع دیتا ہوں:" دوسری طرف سے کہا گیا۔

زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑا اور انکل کی آواز سُنائی دی: "عالیہ بیٹے۔ خیریت تو ہے؟"

"آپ کہیں جا رہے تھے انکل؟"

"ہاں۔ ایک خاتون سے ملاقات کے لیے جانے والا تھا لیکن اب ان کی کال آگئی ہے۔ بہرحال اب وہ خاتون جلد از جلد پوائنٹ تھری پہنچ جائیں:"

"آپ کا مطلب ہے... میں پہنچ جاؤں:"

"جی ہاں، میرا یہی مطلب ہے:" انکل نے سرسراتی ہُوئی آواز میں جواب دیا۔

"بہتر۔ میں پہنچ رہی ہوں:" میں ریسیور رکھ کر اُٹھ کھڑی ہُوئی۔ صباحت صاحب سے کوئی خاص کام نہیں تھا۔ البتہ اس بات کا افسوس ضرور تھا کہ صباحت صاحب اور روبینہ کے درمیان

ہونے والی گفتگو سے محروم رہوں گی لیکن یہ اتنی ضروری بات نہیں تھی حالات مجھے معلوم ہی ہو جائیں گے۔ چنانچہ باہر نکل کر میں اپنی کار میں بیٹھی اور تھوڑی ہی دیر بعد میں پوائنٹ تھری کی عمارت میں داخل ہو رہی تھی۔ انکل شہریار کی کار مجھے پورچ ہی میں نظر آگئی۔ گویا وہ مجھ سے پہلے ہی پہنچ گئے تھے۔

صدر دروازے پر نازش میرے استقبال کے لیے موجود تھا۔ اس نے مسکراتے ہُوئے کہا: "چیف آپ کے منتظر ہیں:"

میں اس کے ساتھ چل پڑی۔ اور ایک راہداری سے گزرتے ہُوئے نازش نے آگے بڑھ کر ایک دروازہ کھول دیا اور مجھے اندر جانے کے لیے راستہ دیا۔ میں اندر چلی گئی۔ اس عمارت کو میں نے پوری طرح دیکھا بھی نہیں تھا۔ یہ ہال جس میں، میں اس وقت داخل ہُوئی تھی، کافی طویل و عریض تھا اور اس میں دو طرف ایک مخصوص انداز میں نشستیں لگی ہُوئی تھیں۔ سامنے ہی سیاہ رنگ کی ایک لمبی میز تھی جس کے پیچھے تین کُرسیاں پڑی ہُوئی تھیں نشستوں پر نو افراد براجمان تھے جن میں دو لڑکیاں اور سات نوجوان تھے لمبی میز کے عقب میں انکل شہریار موجود تھے۔ انہوں نے مُسکراتے ہُوئے مجھے خوش آمدید کہا۔

میں نے اس اہتمام کو کسی قدر تعجب کی نگاہ سے دیکھا۔ ہر شخص وہیں ایک نشست پر بیٹھ گیا: "بیٹھو عالیہ:" انکل نے درمیانی کُرسی کی طرف اشارہ کیا۔ میں بیٹھ گئی: "دراصل عالیہ بیٹے میں ایک خاص مقصد کے تحت تم سے ملاقات کا خواہشمند تھا اور اس اعتماد کے ساتھ کہ میں جو ذمّے داری تمہارے سُپرد کروں گا تم اس سے انکار نہیں کروگی:"

"میں آپ کے اس اعتماد کی شُکر گزار ہوں انکل:" میں نے جواب دیا۔

"مس عالیہ۔ اپنے اخبار سے تمہاری وابستگی جس نوعیت کی رہی ہے میں نے اپنے تجربے کی روشنی میں تمہیں پرکھا ہے اور تمہیں ہر طرح سے صاحبِ دل اور محبِ وطن پایا ہے۔ یہ مُلک ہمارے لیے خدا کا عطیہ ہے اور ارشادِ خداوندی ہے کہ اس کے عطیے اور اس نعمت کی پذیرائی کرو اگر تم نے اس پر غفلت کی نگاہ رکھی تو دینے والے ہاتھ اسے چھین بھی سکتے ہیں اور چھن جانے کے بعد جاگنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ معاشرہ، سماج اور ثقافت... اس معاشرے میں رہنے والوں کے کردار کا عکس ہوتے ہیں اور اس میں تعمیر و تخریب کی تمام تر ذمّے داری ان رہنے والوں پر عاید ہوتی ہے۔ حکومتوں کی بھی ایک ذمّے داری ہوتی ہے لیکن جمہوریت کے اس دَور میں ہر

شخص حکومت ہوتا ہے اور معاشرے کی بُرائیوں کو دُور کرنے کی ذمّے داری صرف حکومت پر نہیں رہ جاتی بلکہ ہر فرد اس میں برابر کا ذمّے دار ہوتا ہے۔ میری اس بات سے تمہیں اختلاف ہے؟"

"نہیں انکل:"

"حکومت نے مجھے ایک اہم عہدے سے نوازا ہے لیکن خدا کی قسم مَیں صرف اپنے عہدے کی ذمّے داریاں پوری نہیں کرتا بلکہ حکومت کے دیے ہُوئے اختیارات اور اپنے جذبوں سے کام لے کر معاشرے کی ہر بُرائی پر بھی نگاہ رکھتا ہوں۔ ان بُرائیوں کے خاتمے کے لیے میرا ذہن مصروف رہتا ہے اور میری نگاہیں ایسے لوگوں کی تلاش میں بھٹکتی رہتی ہیں جو سینے میں وطن کا درد رکھتے ہیں اور معاشرتی بُرائیاں دُور کرنے کے لیے کوشاں رہتے ہوں۔ عالیہ کے بارے میں، مَیں پُورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ اس معیار پر پوری اُترتی ہے۔ یہ میری بچّی ہے اور باپ اپنی بیٹی کی صلاحیتوں سے واقف ہوتا ہے۔ چنانچہ مَیں نے عالیہ کو ایک خاص مقام دیا ہے۔ یہ بدستور اپنے مشاغل میں مصروف رہیں گی لیکن درپردہ یہ حکومت کے مضبوط ہاتھوں میں سے ایک ہوں گی۔ اہم ترین سرکاری محکموں میں ان کا اندراج ہوگا اور انتظامیہ کے سارے محکمے ان کی ضرورتوں کو پُورا کرنے کے ذمّے دار ہوں گے۔ اس کے لیے میں وہ خصوصی حکم نامہ حاصل کرچُکا ہوں جسے یہ ضرورت کے وقت استعمال کرسکیں گی اور یہ سب کچھ میں نے اسی اعتماد کے سہارے عالیہ کی اجازت کے بغیر کرلیا ہے، جو مجھے اپنی بیٹی پر ہے۔ کیا میں اس اعتماد کے لیے حق بجانب نہیں ہُوں، عالیہ؟"

"آپ نے جو کچھ کیا، مجھے اس سے کوئی اختلاف نہیں:" میں نے کہا۔ درحقیقت انکل شہریار نے میرے خوابوں کی تعبیر مجھے دے دی تھی۔ میں اس عنایت پر سحر زدہ تھی۔

"شکریہ عالیہ... اس سلسلے میں، میں نے اپنے چند انتہائی ذہین اور قابلِ اعتماد لوگوں کو تمہارے ماتحتوں کی حیثیت سے منتخب کیا ہے۔ میں ان سے تمہارا تعارف کرادوں۔ نمبر ایک... نازش فیروز۔ معتمدِ خصوصی۔ اسے تم اپنا نائب بھی کہہ سکتی ہو... عدنان شیرازی... صوفیہ مہدی... کیپٹن یوسف... ڈولی رچرڈ... ہارون احمد... باسط فرید... شاہد علوی... ماہر محمود...

"یہ نو افراد آج سے تمہارے معاون ہیں۔ ان میں سے ہر شخص تمہیں اپنی خصوصیات کی رپورٹ پیش کرے گا۔ اپنے تجربوں سے آگاہ کرے گا۔ ان کی تمام تر خدمات اب تمہاری ہدایات کے تحت ہوں گی۔ گویا یہ حکومت کی طرف سے تمہاری ذہانت کا اعتراف اور

پنا تعاون ہے۔"

"میں شکر گزار ہوں انکل۔" میں نے مختصراً کہا۔

"تمہارے ذہن میں کوئی الجھن ہو تو بتاؤ۔ میری مراد یہ ہے کہ کیا یہ ذمے داری تمہارے اپنے پروگرام میں حارج ہے؟"

"نہیں انکل۔" میں نے مضبوط لہجے میں کہا۔ "لیکن میں خود کو سرکاری عہدے دار تسلیم نہیں کروں گی۔ میرے یہ مشاغل میری اپنی دلچسپیوں کے مطابق ہوں گے اور حکومت کی طرف سے مجھے کوئی کام سونپا گیا تو اسے اپنے معیار پر پرکھنے کے بعد ہی اس میں دلچسپی لے سکوں گی۔ درحقیقت مجھے معاشرے کے وہ گھناؤنے کردار ناپسند ہیں جو انسانیت سے اتنی دُور چلے جاتے ہیں کہ انسان ان کا تصور نہیں کر سکتا۔ میں اسی فیلڈ میں کام کروں گی اور اس کے لیے مجھے کوئی معاوضہ درکار نہیں ہوگا۔ کیا حکومت میری یہ شرط منظور کر لے گی؟"

"کر چکی ہے۔ تمہاری کوئی ذمے داری تمہارے معیار کے برعکس نہیں ہوگی۔" انکل شہریار نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے انکل۔ میں تو اپنے طور پر اپنا کام جاری رکھتی آپ کا یہ تعاون مجھے تقویت بخشتا ہے۔"

انکل اور دوسرے لوگوں نے تالیاں بجا کر خوشی کا اظہار کیا اور پھر یہ نشست برخاست ہو گئی۔ "اب آپ لوگ ہمارے لیے عمدہ سی کافی بھجوا دیں اور ہمیں اپنے طور پر گفتگو کرنے کا موقع دیں۔"

تمام لوگ ایک ایک کر کے باہر نکل گئے۔ انکل شہریار مسکرا رہے تھے۔

"مجھے تو یہ خوشی ہے کہ میرے اس اقدام نے تمہارے لیے کوئی الجھن نہیں پیدا کی۔ اب تم سناؤ۔ تمہارے معاملات کیسے جا رہے ہیں؟"

"نازش نے آپ کو اس مظلوم لڑکی کے بارے میں بتایا ہوگا جو کل یہاں موت کی آغوش میں گر گئی۔"

"ہاں مختصراً بتایا تھا۔"

"میں آپ کو اس کے بارے میں تفصیل بتا دوں۔" میں نے ... اختصار سے کام لے کر درخشاں کی کہانی سنا دی۔ انکل شہریار بھی بہت زیادہ متاثر ہو گئے تھے انہوں نے ہونٹ بھینچ کر کہا۔

"درحقیقت ایسے کسی درندے کے لیے تو بہت پہلے کام شروع ہو جانا چاہیے تھا۔ افسوس متعلقہ محکموں نے نہ صرف اس طرف توجہ نہیں دی بلکہ مجرمانہ طور پر ان سے تعاون کیا۔ اگر تم چاہو تو ہم سلطان کو بلوا کر اسے قانونی طور پر ان افراد کی نشاندہی کے لیے مجبور کریں جو اس درندے کے پشت پناہ ہیں۔"

"اب آپ نے یہ اختیارات میرے سپرد کر دیے ہیں تو پھر مجھے اپنے راستوں پر چلنے دیں۔ جن لوگوں نے اُن سے کسی قدر تو[...] کیا ہے میں انہیں مشکلات کا شکار نہیں کرنا چاہتی اور پھر [...] خیال کچھ اور ہے۔"

"وہ کیا؟"

"درندگی کے اس مظاہرے کے لیے اس ہوش مند[...] نے اپنے گرد نظر نہ آنے والے لاکھوں جال بُن رکھے ہیں۔ اس [...] جھلک نظر آتی ہے اور پھر وہ اتنی دور پہنچ جاتا ہے کہ اس کی [...] جھلک بھی نظر ہی نہیں آتی۔ اصل آدمی کی تلاش [...] میں خاصی مشکل ہو گئی ہے۔ اگر ہم وہاں جاتے ہیں جہاں سے [...] کو ہدایات ملتی تھیں تو پتا چلے گا کہ یہ سلسلہ بھی براہ راست نہیں اور یہ آبشار طویل ترین بلندیوں سے گرتا رہتا ہے۔ اس حساب [...] ہم کتنی بلندیاں طے کریں گے۔ ہاں اُسے ہماری چڑھائی کا علم [...] جائے گا اور اس طرح وہ اپنے سامنے مزید پردے گراتا جائے [...]"

انکل شہریار دیر تک سوچتے رہے پھر گردن ہلا کر بو[لے]

"تمہارا خیال کسی حد تک درست ہی ہے۔ جب کوئی مجرم اتنا پُر[...] ہو۔ اس کی تلاش میں واقعی بڑی دشواری ہوتی ہے۔"

"بہرحال اپنے وطن میں یہ میری پہلی کوشش ہے انکل [...] میں یقیناً یہ چاہوں گی کہ اس معاملے میں ناکام نہ رہوں اور اس لیے جو کچھ میں کر رہی ہوں اس سے غیر مطمئن نہیں ہوں۔"

"بس ٹھیک ہے۔ اگر یہ بات ہے تو میں مطمئن ہوں۔"

"ایک بات اور رہ گئی انکل؟" میں نے کہا۔

"حکم؟" انکل مسکراتے ہوئے بولے۔

"احمد کے بارے میں آپ نے وعدہ کیا تھا اس کے لیے کوئی بات ذہن میں ہے؟" میرے اس سوال پر انکل مسکرانے لگے

"بھئی اس سلسلے میں جس قدر دیر لگی اس کے لیے معذر[ت] خواہ ہوں۔ لیکن یہ کام ہو چکا ہے مجھے اجازت دو اور امینہ کی ما[ں] سے ملاقات کر لو۔ خدا حافظ۔" انکل شہریار نے کہا اور باہر نکل گ[ئے] میں بھونچکی رہ گئی تھی پھر جونہی میں نے ان کا مقصد سمجھا میں [...] دوڑتی ہوئی باہر نکل آئی اور بے تحاشہ اس طرف لپکی جہاں امینہ [کی] بوڑھی ماں موجود تھی۔

کمرے کا دروازہ کھول کر میں نے اندر کا منظر دیکھا۔ سترہ ا[ٹھارہ] سال کا ایک نوجوان بوڑھی عورت کے سرہانے بیٹھا اس کی پیشانی دبا [رہا] تھا۔ اس کے چہرے پر بے پناہ کرب تھا کشادہ پیشانی میلی ہو رہی [تھی] لباس بھی بوسیدہ تھا اور حسرت کی تصویر نظر آ رہا تھا۔

میرے اس طرح داخل ہونے پر اس نے چونک کر مجھے [...]

اور پھر کسمسا کر رہ گیا۔ پھر اس کا ہاتھ سلام کے لیے اٹھ گیا۔ میں نے اس کے سلام کا جواب دیا . . . . . نوجوان کو دیکھ کر مجھے شدید رنج ہوا تھا۔

"تم احمد ہو۔؟" میں نے اس کے قریب پہنچ کر پوچھا۔

"جی باجی۔" اس نے آہستہ سے کہا

"تمہاری والدہ کی کیا کیفیت ہے؟"

"غالباً سو رہی ہیں۔"

"تم سے گفتگو ہوئی؟"

"نہیں۔ وہ کسی کے سوال کا جواب دینے یا اسے پہچاننے کے قابل نہیں ہیں۔" احمد نے بدستور آہستہ اور اُداس لہجے میں جواب دیا۔

"تمہیں دیکھ کر ان کے انداز میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی؟"

"جی نہیں۔ میں نے انہیں بتایا کہ میں احمد ہوں تو وہ بڑبڑائی تھیں۔ انہوں نے میری طرف آنکھ بھی نہیں اٹھائی۔"

"الفاظ کیا تھے؟"

"چراغ بجھ گئے ہیں۔ کوئی نیا چراغ نہ جلاؤ۔ تاریکی انسان کی اصلیت چھپا لیتی ہے۔ تاریکی اچھی چیز ہے۔"

"یہ الفاظ صاف تھے؟"

"جی ہاں۔"

"ہوں۔" میں نے ایک گہری سانس لی۔ "تم یہاں کب پہنچے احمد؟"

"غالباً رات کو چار بجے باجی۔"

"کیا قید رکھا گیا تھا تمہیں؟"

"جیل میں تھا۔ مراد علی نے مجھے اپنی تحویل میں رکھا تھا اور اس کے لیے اس نے جیلر صاحب سے بحث بھی کی تھی ورنہ جیلر صاحب مجھے دوسری جگہ منتقل کرنے پر مُصر تھے لیکن مراد علی سے جیل کے لوگ بہت ڈرتے ہیں۔"

"مراد علی کون تھا؟"

"ایک قیدی۔ جس نے شاید آٹھ قتل کیے تھے اپنے گاؤں میں۔ ابھی اس کا مقدمہ چل رہا تھا اور اسے سزا نہیں ہوئی۔ لیکن باجی بے حد شریف انسان تھا۔ شرافت بھی کہاں کہاں پڑی ہوئی ہے۔" احمد نے کہا۔

"جیل میں تمہارے ساتھ کوئی خراب سلوک تو نہیں ہوا؟"

"میں نے محسوس ہی نہیں کیا۔ میں تو اپنی ذات میں اس مجرم ہی کو ڈھونڈتا رہا باجی۔ لیکن بدبخت مجھے نہیں ملا۔"

"وہاں تم سے کچھ سوالات کیے گئے احمد؟"

"نہیں لیکن میں ہر جواب دینے کے لیے تیار ہوں بشرطیکہ مجھے میرے ایک سوال کا جواب مل جائے۔"

"کیا؟"

"مذہبی کتابوں میں، کورس کی کتابوں میں، انسانی حقوق اور اس کے احترام کی باتیں لکھی ہوتی ہیں . . . استاد ہمیں یہی بتاتے رہے ہیں۔ یہ باتیں کون سے لوگوں کے لیے ہوتی ہیں۔ کیا انسانوں کی ایک ہی قسم کی بات غلط ہے کیا ہم ان میں شامل نہیں ہیں؟"

"نہیں احمد۔ مذہبی کتابوں میں، کورس کی کتابوں میں دو چیزوں کا ذکر مسلسل ہے۔ گناہ، ثواب، گناہ بُرائی کی پیداوار، ثواب نیکیوں کا ثمر۔ ان دونوں الفاظ کے معنی بھی ہیں۔ اگر معنی نہ ہوتے تو یہ الفاظ بھی نہ ہوتے۔ انسانوں کی قسم ایک ہے لیکن اس میں برائی اور اچھائی مشترک نہیں ہے۔ بُروں کو بُرا کہا جاتا ہے اور اچھوں کو اچھا۔ برائی شیطانی قوتوں کی مظہر ہے اور خدا نے شیطان کو آزادی دے کر انسان کو امتحان میں ڈالا ہے۔ اس سے نیک و بد کی تمیز آتی ہے۔ اس نے برائی کو قوت بخشی ہے لیکن برائی بہرحال ایک دن فنا ہو جاتی ہے جب کہ نیکی کو بقا ہے نیکی زندہ رہ جاتی ہے۔"

"پھر امینہ کیوں مر گئی باجی؟" اس نے سوال کیا اور میرے ہوش اڑ گئے۔ اس سوال کا میں اسے کیا جواب دیتی۔ دیر تک میں خاموش رہی۔ پھر میں نے شرمندہ لہجے میں کہا۔

"وہ برائی کا شکار ہو گئی۔ بہرحال بدی طاقتور ہے۔"

"اتنی طاقتور باجی کہ اچھائی پر حاوی ہو جائے؟"

"ہاں یہ خدا کا امتحان ہوتا ہے۔"

"کیا یہ امتحان سخت نہیں ہے۔ کسی کے پاس ایک ہی روشنی ہو باجی۔ اگر بدی کی ہوائیں اس اکلوتے چراغ کو گل کر دیں اور امتحان پورا ہو جائے تو پھر روشنی کہاں سے حاصل کی جائے؟ وہ انسان کیا سوچے جس کے گھر کا آنگن ہمیشہ کے لیے تاریک ہو گیا ہو۔"

"یہی آزمائش ہوتی ہے احمد۔ انسان کچھ کھو دے اور ثابت قدم رہے تو یہی انسانیت کی پرکھ کہلاتی ہے۔"

"بہت مشکل امتحان ہے۔ کاش خدا انسان سے اتنا کڑا امتحان نہ لیتا۔ بہرحال میں نے آپ کا کافی وقت ضائع کیا ہے۔ یہ میرے خیالات ہیں باجی جو میرے ذہن کو پراگندہ کرتے ہیں۔ میں نہیں جانتا آپ کون لوگ ہیں کون سی ضرورت کے تحت آپ نے مجھے وہاں سے نکالا ہے۔ آپ مجھ سے مزید کیا معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں لیکن آپ کے لیے میرے دل میں ممنونیت کا ایک جذبہ ضرور ابھرتا ہے۔"

"وہ کیوں احمد؟"

"آپ نے میری ماں کو بہت اچھی طرح رکھا ہے۔ آپ نے

ان کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا ہے۔ آپ نے میری وہ آرزو پوری کردی ہے جو میرے دل کی گہرائیوں میں تھی۔" احمد کی آواز رندھ گئی تھی۔

"وہ کیا آرزو تھی احمد؟"

"ایک بار۔ صرف ایک بار ماں کو دیکھنے کی آرزو۔ کاش اسی طرح میں ایک بار اپنی بہن کو دیکھنے کی آرزو پوری کر سکتا۔ لیکن یہ ممکن نہیں ہے۔ میں جانتا ہوں باجی۔ مجھے اس جرم میں شامل کرنے والوں کا کھیل معمولی نہیں ہوگا۔ مجھ جیسا کمزور انسان ان کے چنگل سے نہیں نکل سکتا۔ اس لیے میں نے اب زندگی کے بارے میں سوچنا چھوڑ دیا ہے۔ لیکن آپ نے میری یہ آرزو پوری کردی۔ آپ کا شکریہ۔"

"مایوسی کی باتیں نہ کرو احمد۔ خدا پر بھی بھروسہ نہیں ہے تمہیں؟"

"خدا کے لیے یہ سوال نہ کریں۔ اس کا جواب مجھ سے میری عاقبت بھی چھین لے گا۔" احمد رو پڑا۔

"نہیں احمد۔ اگر خدا تمہارے دل میں ہے اگر عاقبت کی بقا تمہاری خواہش ہے تو تم صاف کہہ سکتے ہو کہ تم خدا سے مایوس نہیں ہوئے۔"

"آپ مجھ سے ہمدردی کی باتیں کیوں کر رہی ہیں باجی؟" وہ روتے ہوئے بولا۔

"اس لیے کہ میں تمہاری غمگسار ہوں۔"

"جھوٹ بول رہی ہیں آپ۔ اب میں اس زمین پر بسنے والوں میں سے کسی کو اپنا ہمدرد نہیں سمجھتا۔ اگر آپ میری ہمدرد ہیں تو کہیئے۔ میں اپنی بہن کا قاتل نہیں ہوں۔ کہیئے میری بہن پاکباز تھی۔ وہ فرشتوں کی طرح معصوم تھی۔ کہیے یہ بات اپنی زبان سے۔"

"میرا ایمان ہے احمد کہ تم قاتل نہیں ہو۔ میرا ایمان ہے کہ مظلوم امینہ پاکباز تھی۔ وہ فرشتوں کی طرح معصوم تھی اس پر ظلم ہوا ہے، اور میں اس ظلم کا انتقام لوں گی۔" میں بھی جذباتی ہوگئی۔ میری آواز خوفناک ہوگئی اور احمد کے چہرے پر ایک نمایاں تبدیلی پیدا ہوگئی۔ وہ عجیب نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگا اور پھر اس نے آنسو بہاتے ہوئے کہا۔

"مجھے بھی اپنے اس عہد میں شریک کرلیں باجی۔ مجھے بھی اتنی مہلت دے دیں کہ میں آپ کے ساتھ مل کر... مل کر..." احمد کی آواز سفاک ہوگئی۔ اس کے بعد وہ خاموش ہوگیا تھا۔

"تمہیں میری مدد کرنی ہوگی احمد۔"

"میں حاضر ہوں باجی۔"

"امینہ کے بارے میں مجھے کچھ بتاؤ۔"

"باجی پر جو الزام لگایا گیا ہے وہ غلط ہے وہ بہت اور پاک فطرت کی مالک تھیں۔ ایک دواؤں کی کمپنی میں وہ گرل کی حیثیت سے کام کرتی تھیں۔ تین سو روپیہ ماہوار ملتی تھی انہیں۔ ایک بار انہوں نے مجھ سے کہا تھا کہ احمد اگر ملک سے باہر چلی جاؤں تو؟"

"کہاں جائیں گی باجی؟" میں نے ان سے پوچھا اور میں انہوں نے مشرق وسطیٰ کے ایک ملک کا نام لیا تھا۔ انہوں نے کہا تھا کہ وہاں ان کی ملازمت پکی ہوگئی ہے اور ان کا بھی ہوگیا ہے۔ لیکن انہوں نے کچھ مہلت لے لی ہے اور مہلت کے دوران انہیں تنخواہ بھی ملے گی۔"

"کچھ کاغذات دکھائے تھے امینہ نے تمہیں؟"

"نہیں۔ نہ جانے کیوں وہ الجھی ہوئی تھیں۔ بہت بات کرتی تھیں مجھ سے۔ میں نے اس بات کی سخت مخالفت کی تھی۔ میں نے ان سے کہا تھا کہ جس طرح بھی گزرے کچھ اور گزار لیں اس کے بعد انہیں کام کرنے کی ضرورت نہیں گی میں گھر سنبھال لوں گا! لیکن..."

"ہوں" میں نے گہری سانس لی۔ احمد کی داستان دوسری داستانوں سے مختلف نہیں تھی۔

"آپ کو میری باتوں پر یقین نہیں آیا باجی؟" اس نے

"نہیں احمد۔ یہ باتیں میں اپنے طور پر بھی معلوم ہوں۔ کوئی ایسی بات بتاؤ جس سے امینہ کے قاتلوں پر پڑ سکے۔"

"آہ کاش مجھے ایسی کوئی بات معلوم ہوتی۔"

"خیر کوئی حرج نہیں ہے۔ تم بے فکر رہو۔ میں تمہارے لیے کام کر رہی ہوں۔"

"میں ایک سوال کروں باجی؟"

"ہوں۔ کہو؟"

"میں تعمیل حکم کروں گا۔ آپ کا تعلق پولیس سے"

"نہیں میں ایک اخباری رپورٹر ہوں۔"

"صرف"؟ احمد تعجب سے بولا۔

"ہاں۔ اب آرام کرو۔ تمہیں یہاں کوئی تکلیف نہیں ہو" میں واپس پلٹی تو احمد اٹھ کر میرے قریب آگیا۔

"اپنا نام تو بتا دیں باجی۔"

"عالیہ۔ تم مجھے عالیہ باجی کے نام سے بلا سکتے ہو۔" میں نے کہا اور اس کمرے سے نکل آئی۔ احمد کی گفتگو بڑی حسرت آمیز تھی ویسے اس گفتگو سے اس کی شخصیت کے بارے میں بھی اندازہ ہو جاتا تھا۔ اگر وہ ایک طویل عرصہ جیل میں گزار لیتا تو معاشرے کا ناسور بھی بن سکتا تھا۔ ذہین نوجوان تھا اور ایسے نوجوانوں کے مستقبل کے لیے انہیں خصوصی توجہ کی ضرورت ہوتی ہے۔

اپنے وطن آئے ہوئے کافی عرصہ گزر چکا تھا اس دوران اخبار کے لیے کام کرتی رہی تھی اور جب اس کے لیے ایک تسلی بخش مقام حاصل کرلیا تو زیادہ سوچنے کا موقع نہیں ملا اور یہ مسئلہ سامنے آگیا۔ واقعات جس برق رفتاری سے پیش آ رہے تھے اس نے میرے دماغ کی چولیں ہلا دی تھیں۔ کسی ایک واقعے کا تاثر دیرپا نہیں رہتا تھا۔ کیونکہ دوسرا واقعہ اس سے شدید تر دعمل رکھتا تھا۔ ایک ذہنی جھٹکے سے سنبھل نہیں پاتی تھی کہ دوسرا ہنگامہ ہو جاتا تھا۔ اس لیے ان دنوں کسی قدر بوکھلائی ہوئی تھی۔ اب انکل شہریار نے یہ ڈراما کر دیا تھا۔ ایک اچھی خاصی ذمے داری آپڑی تھی۔ حالانکہ خود میرے ذہن میں یہ پروگرام تھا کہ ضروری امور کے لیے میں کچھ لوگوں کو اپنے ساتھ شریک کروں گی اور اس کے لیے میں نے ایک بار صباحت صاحب سے گفتگو بھی کی تھی لیکن تربیت یافتہ لوگوں کا ایک ٹولہ یوں اچانک مجھے مل جائے گا۔ یہ بات میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی۔

وہاں سے نکل کر میں دوسرے کمرے میں آئی تو نازش میرے پاس پہنچ گیا۔ "اگر آپ پسند کریں تو اس مکان کو دیکھ لیں اس کے بارے میں جو ہدایات آپ دیں ان پر عمل کیا جائے گا۔"

"ابھی اس سلسلے کو رہنے دیا جائے نازش تو بہتر ہے۔ پہلے مجھے اس پوسٹ بکس کی بات بتاؤ جس کی نگرانی ہو رہی تھی۔"

"جی ہاں۔ باسط کے سپرد یہ ذمے داری تھی۔ باسط کا کہنا ہے کہ کوئی اس پوسٹ بکس کے قریب نہیں پھٹکا۔ اس کے بارے میں پوسٹ مین وغیرہ سے بھی کچھ معلومات نہیں حاصل ہو سکیں۔"

"ہوں۔ میرا خیال ہے اب اس پر وقت نہ ضائع کیا جائے۔ آج کل میرا تعاقب کون کر رہا ہے؟"

"آپ کے تمام ماتحت آج آپ کے سامنے موجود ہیں ویسے اس سے قبل یوسف اور شاہد آپ کے تعاقب میں تھے۔"

"ٹھیک ہے مسٹر نازش۔ آئندہ میری درخواست کے بغیر یہ تعاقب جاری نہ رکھا جائے۔"

"بہت بہتر۔" نازش نے جواب دیا۔

"اس کے علاوہ آپ لوگ براہ کرم مجھے اپنے پتوں اور ٹیلی فون نمبروں سے آگاہ کردیں تاکہ کسی بھی وقت میں آپ سے رابطہ قائم کرسکوں۔"

"ڈولی اور صوفیہ تمام لوگوں کے بارے میں تفصیل تیار کر رہی ہیں جو کل تک آپ کو پیش کردی جائے گی۔"

"مناسب۔ اب مجھے اجازت دیں۔" میں نے کہا اور نازش مجھے باہر تک چھوڑنے آیا۔ میں کار اسٹارٹ کرکے چل پڑی۔ میرے اندر ایک اعتماد پیدا ہوگیا تھا۔

کار کا رخ بلا مقصد ہی اخبار کے دفتر کی طرف ہوگیا تھا۔ میں ذہنی طور پر بہت مطمئن تھی۔ واقعات اتنی تیزی سے گزر رہے تھے کہ ایک دن کا کھیل ہفتوں بلکہ مہینوں کا کھیل معلوم ہوتا تھا۔ ابھی تھوڑی دیر قبل میں ایک اخباری رپورٹر تھی یا زیادہ سے زیادہ ایک اخباری ادارے کی مالک تھی لیکن اب میری ایک بڑی سرکاری حیثیت تھی اور میں ملک کے اندرونی معاملات میں مداخلت کرسکتی تھی۔ بہت سے انتظامی محکمے میری حیثیت تسلیم کرتے۔ میں نے گردن جھٹکی اور کار دفتر کی عمارت کے اندر روک دی۔ پھر اندر داخل ہوئی تو سامنے ہی مس روبینہ نظر آئیں۔ اپنی سیٹ پر گردن جھکائے بیٹھی تھیں۔ چہرے پر بارہ بج رہے تھے۔ ایسی خاک اڑ رہی تھی کہ سب ہی محسوس کر رہے ہوں گے۔

میں اپنے کیبن کی طرف بڑھی تو شفیق نے میرا راستہ روک لیا۔ یہ بھی ایک صحافی لڑکی تھی اور خاصی ہنس مکھ اور شگفتہ مزاج تھی۔ لیکن عادات وہی لڑکیوں والی تھیں۔ روبینہ سے خوش نہیں تھی اس وقت اسے اس حال میں دیکھ کر خوش نظر آ رہی تھی۔

"کہاں گئی تھیں عالیہ؟" اس نے پوچھا۔

"بس وہی آوارہ گردی جو ہم لوگوں کا مقدر ہے۔"

"تم تو خیر عیش کرتی ہو۔ مصیبت تو ہم لوگوں کو ہے جنہیں آوارہ گردی بھی پیدل کرنی پڑتی ہے یا پھر رکشا ٹیکسیوں کے نخرے برداشت کرنے پڑتے ہیں۔ سچ عالیہ اتنے نخرے تو شوہروں کے بھی نہیں برداشت کرنے پڑتے ہوں گے جتنے ان کے اٹھانے پڑتے ہیں۔ ہاں تم اگر مدد کردو تو اپنی یہ مشکل بھی حل ہو جائے۔" شفیق نے کہا۔ وہ میرے ساتھ کیبن میں داخل ہوگئی تھی۔

"کہو کہو۔ میں کیا مدد کردوں؟" میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔ میرے بارے میں ان لڑکیوں کے ذہن میں بڑا تجسس تھا لیکن میں ہمیشہ ان کے تجسس سے لطف اندوز ہوتی تھی۔ میں نے کبھی کسی کی بات کا برا نہیں مانا تھا کیونکہ بہرحال یہ اپنے تجسس کے لیے حق بجانب تھیں

" بھئی قصور میرا نہیں ہے۔ مجھ سے ناراض نہ ہونا۔" شفق کرسی پر بیٹھ گئی۔

" وعدہ ہے ناراض نہیں ہوں گی۔"

" یہ اپنی روبینہ بڑی ماسٹر پیس چیز ہیں۔ طویل عرصے کی تفتیش کے بعد انھوں نے تمھارے بارے میں ایک انکشاف کیا تھا جس پر ہم سب دنگ رہ گئے تھے۔" شفق نے عجیب سا منہ بناتے ہوئے کہا۔

" واہ۔ کیا انکشاف تھا؟ ذرا مجھے بتاؤ تاکہ میں بھی دنگ رہ جاؤں۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

" مس روبینہ نے بتایا ہے کہ وہ تمھاری مصروفیات کے بارے میں پوری تحقیق کر چکی ہیں۔ انھوں نے تمھارے فیچر اور تمھاری رپورٹنگ کا گہرا تجزیہ کرنے کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ دراصل تم بہت بڑی بلیک میلر ہو۔ تمھارے کالم بہت سے لوگوں کے لیے خوف کا باعث ہوتے ہیں اور تم ہمیشہ ایسے مواد کی تلاش میں رہتی ہو۔ تمھاری اعلا رہائش، کار اور دوسری عیاشیاں اسی بلیک میلنگ کے ذریعے ہیں۔ مس روبینہ کا یہ خیال ایک طویل عرصے تک چلتا رہا لیکن پچھلے ایک ڈیڑھ ماہ قبل ایک ذاتی نشست میں انھوں نے ایک اور خوفناک انکشاف کر دیا۔"

" اوہو... وہ کیا؟"

" دیکھو ایک بار پھر کہہ رہی ہوں برا نہیں مانو گی۔ اگر تصدیق چاہو گی تو دوسروں سے کرا دوں گی۔"

" اوہ شفق۔ اتنی پیش بندیوں کی ضرورت نہیں۔ زیادہ سسپنس مت پیدا کرو۔ ہاں تو وہ خوفناک انکشاف کیا ہے؟"

" صباحت صاحب بھی اس بلیک میلنگ میں برابر کے شریک ہیں۔ بلکہ ان کی کرم فرمائیاں کچھ دوسرے رنگ بھی رکھتی ہیں اور وہ تمھیں ہمیشہ کے لیے اپنی زندگی میں شامل کرنے کے خواہاں ہیں۔ نیز یہ کہ بہت جلد ہم لوگ کوئی ایسی بات سن لیں گے۔ مس عالیہ اب عالیہ صباحت ہو گئی ہیں۔"

" اوہو ہو۔ آخر مس عالیہ سے ایسا کون سا قصور ہوا ہے۔ بہرحال تم لوگوں کی محبت ہے۔ صباحت صاحب کو دفتر آئے کتنی دیر گزری ہے؟"

" تقریباً ایک گھنٹہ یا اس سے کچھ زیادہ ہو گیا ہے۔"

" ان کے آنے کے بعد روبینہ ان کے پاس گئی تھی؟"

" ہاں۔ اس وقت سے کان سرخ ہیں اور منہ لٹکا ہوا ہے۔ کوئی خاص ہی بات ہے۔ پوچھنے کی ہمت نہیں پڑ رہی۔ کیا خیال ہے یہاں بلائیں؟"

" نہیں بھئی۔ ابھی نہیں۔ ابھی مجھے صباحت صاحب سے مل کر بلیک میلنگ کے لیے مواد کی بات چیت کرنی ہے۔ تم اپنے طور پر اس سے بات کر لو ممکن ہے بتا دے۔" میں اپنی سیٹ سے اٹھ گئی اور شفق کے ساتھ کیبن سے نکل آئی... پھر صباحت صاحب کے آفس کی طرف بڑھ گئی۔ یوں لگتا تھا جیسے بے چاری روبینہ میرے لیے سلسلۂ جنبانی کر چکی ہے اور صباحت صاحب کی صورت بگڑی ہوئی تھی۔

" لغو۔ بے ہودہ۔ احمق۔" ان کی آواز ابھری اور میں چونک کر انھیں دیکھنے لگی۔ وہ کہہ رہے تھے۔ "انتہائی گھٹیا ذہنیت ہے ایسے لوگ اس مہذب پیشے میں آخر کیوں شامل ہو جاتے ہیں۔ اس کے لیے کوئی نہ کوئی کسوٹی ضرور ہونی چاہیے۔ لاحول ولا قوۃ۔"

" صباحت صاحب... صباحت صاحب آخر کیا قصور کیا ہے میں نے کیا غلطی ہو گئی ہے مجھ سے؟" میں صورتِ حال سمجھ گئی تھی لیکن انجان بن کر ان کی صورت دیکھنے لگی۔

" تمھیں نہیں کہہ رہا بھئی۔" صباحت صاحب نے گردن ٹیڑھی کر کے کہا اور پھر اچھل کر بولے۔ "یعنی یعنی یہ بات اگر کسی اور کی زبانی تمھارے کانوں تک پہنچتی تو تم پر کیا ردِ عمل ہوتا۔ میرا تو سارا کیریئر تباہ ہو جاتا۔ میں تو خود کو بھی منہ دکھانے کے قابل نہ رہتا۔"

" اوہ۔ میں کہتی ہوں بات کیا ہے؟"

" لاحول ولا قوۃ۔ کوئی بتلانے کی بات ہے۔ مگر۔ مگر تمھارا آگاہ ہونا بھی ضروری ہے۔"

" آپ بہت پریشان معلوم ہوتے ہیں صباحت صاحب۔" میں نے کسی قدر سرد لہجے میں کہا۔

" ایسا ویسا۔" صباحت صاحب نے کہا اور پھر اچانک انھیں میرے سرد لہجے کا احساس ہوا اور سنبھل گئے۔ "بھئی واقعی میں سخت پریشان بلکہ نروس ہوں۔"

" وجہ بھی نہیں بتا رہے آپ۔"

" وہ۔ وہ بے ہودہ لڑکی آئی تھی میرے پاس... ایک بہت اہم مسئلہ لے کر... لاحول ولا قوۃ۔ میں تو سوچ بھی نہیں سکتا کہ کوئی تعلیم یافتہ لڑکی اتنی احمق اور بے وقوف بھی ہو سکتی ہے۔ کہنے لگی صباحت صاحب ایک انتہائی سنجیدہ مسئلے پر گفتگو کرنے آئی ہوں میں نے کان توجہ سے پوچھا کہ کیا بات ہے تو... تو..." صباحت صاحب کی آواز پھر رکنے لگی۔

" آپ جس قدر سسپنس پیدا کر سکتے ہیں پیدا کریں۔ میں نے تو کبھی اس قدر سسپنس فل موڈ میں کبھی نہیں دیکھا۔" میں نے برا ماننے والے انداز میں کہا اور صباحت صاحب بے بسی سے مجھے دیکھنے لگے۔

" بھئی بات ہی ایسی ہے۔ سنو گی تو چراغ پا ہو جاؤ گی۔ بدبخت لڑکی کہنے لگی۔ عالیہ کے بارے میں میرا کیا خیال ہے؟ میں

وضاحت چاہی تو مکروہ مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ اگر میں چاہوں تو میرا کام ہو سکتا ہے۔ یہ بکواس میری سمجھ میں نہ آئی تو میں نے مزید وضاحت چاہی۔ کہنے لگی کہ عالیہ میری عمر کو نظر انداز کر سکتی ہے بشرطیکہ میں اپنی بیوی کو طلاق دے دوں۔ اب اس سے زیادہ مکروہ وضاحت میں اور کیا کروں۔ اس نے باپ اور بیٹی کے رشتے پر کیچڑ اچھال ہے۔"

" آپ ایسی باتوں پر توجہ دیتے ہیں صباحت صاحب؟"

" یعنی ساری زندگی میں پہلی بار اس حماقت کا شکار ہوا ہوں۔ بوکھلا کر رہ گیا... کیا کرتا۔"

" فضول بات ہے۔ ٹال دیں۔ کوئی اہمیت نہیں ہے اس کی... بلاشبہ آپ میرے بزرگ ہیں۔ میں صبح کو بھی آئی تھی۔"

" ہاں آج دیر سے دفتر آیا تھا۔ ابھی تھوڑی دیر قبل منور عالم کی کال بھی آئی تھی۔ وہ ہمارے تعاون کا شکریہ ادا کر رہے تھے۔ تمھارے لیے کہا ہے کہ اگر ممکن ہو سکے تو شام کی چائے ان کے ساتھ پیو۔ کیا خیال ہے؟"

" شام کی چائے!" میں نے پرخیال انداز میں کہا۔ "ٹھیک ہے چلی جاؤں گی۔"

" روبینہ کے سلسلے میں کیا کیا جائے۔ بس مجھے تو اتنا غصہ آیا تھا کہ الفاظ ہی کھو گئے۔ کمرے سے نکال دیا تھا بلکہ شاید پیپر ویٹ بھی اٹھا لیا تھا۔ اگر وہ چند لمحے مزید رک جاتی تو میں نہیں کہہ سکتا کہ مجھ سے کیا حماقت سرزد ہو جاتی۔"

" چھوڑیں صباحت صاحب۔ کچی عمر کی کچی باتیں ہیں معاف کر دیں۔"

" مگر تم اس کی جرأت تو دیکھو۔ آخر اسے یہ بکواس کرنے کی ہمت کس طرح ہوئی؟"

" میں نے دلائی تھی۔" میں نے کہا۔

" ایں۔ کیا مطلب؟"

" ہاں۔ آپ سے پہلے وہ یہی بدتمیزی مجھ سے بھی کر چکی تھی۔"

" کیا مطلب۔" صباحت صاحب پر دوبارہ بجلی گری اور میں جلدی سے باہر آ گئی۔

شام کو ساڑھے پانچ بجے میں تیار ہو گئی۔ وہی معمولات تھے۔ اتنے سارے شواہد جمع ہو گئے تھے لیکن ابھی کام کی بات ایک بھی معلوم نہیں ہوئی تھی۔ منور عالم کی کوٹھی کی طرف جاتے ہوئے میں یہی کچھ سوچ رہی تھی۔ اتنے واقعات پیش آئے تھے کہ عقل حیران ہو گئی تھی لیکن اصل مجرم ہنوز تاریکی میں تھا۔ کچھ شبہات تھے جن کے بارے میں سوچا جا سکتا تھا۔ مثلاً سیاہ تل اور ٹھوڑی کا گڑھا... جتنی بھی لڑکیاں سامنے آئی تھیں ان میں یہ نشانیاں مشترک تھیں اور یہ معمولی بات نہیں تھی سب سے زیادہ تعجب کی بات یہ تھی کہ خود میرے چہرے پر بھی یہ نشانیاں موجود تھیں... اور میں سوچ رہی تھی کہ کیا وہ پراسرار شخصیت میری طرف بھی متوجہ ہو سکتی ہے؟ اس خیال ہی سے میری دھڑکنیں شدید ہو گئیں۔

انوکھا خیال تھا... واقعی انوکھا خیال تھا اور اگر میں اس خیال کو لے کر آگے بڑھوں تو... تو ممکن ہے کہ کامیابی کی کوئی شکل نظر آ جائے... اوہ بہت ہی عمدہ خیال ہے لیکن اس کے لیے پلاننگ کرنی پڑے گی۔ یقیناً کوئی اور ہی طریقہ کار اختیار کیا جانا چاہیے تھا۔ ورنہ نہ جانے یہ سلسلہ کس قدر طویل ہو جائے۔ اس طویل سفر کا یہ فائدہ ہوا کہ ایک خیال میرے ذہن میں پیدا ہوا اور اس کے تانے بانے بنتے چلے گئے۔ میں نے ایک مکمل پروگرام ترتیب دے دیا تھا۔ پھر جب میں اس ذیلی سڑک سے دوسری طرف گھوم گئی تو ذہن خیالات کی آماجگاہ بن گیا۔ درخشاں کے تصور سے دل پر گھونسہ سا پڑا تھا۔ کچھ آگے بڑھی تو ایک احمق سی شکل ذہن میں گھومی، بقراط آئنیس سواتی۔ جانے کیا چیز تھا وہ؟ بہرحال اس دور میں ایسے نکمے نوجوانوں کی کمی نہیں۔

دور سے عمارت کے آثار نظر آنے لگے۔ تھوڑی دیر بعد میں عمارت کے قریب تھی۔ دروازے پر موجود مسلح پہرے داروں نے جو تعداد میں دو تھے کڑی نگاہوں سے مجھے دیکھا۔

" نواب زادہ منور عالم کو میرے آنے کی اطلاع دو۔"

" کیا ملاقات کا وقت طے ہے؟" ایک نے پوچھا۔

" ہاں۔ میرا نام عالیہ ہے۔ مجھے شام کی چائے پر مدعو کیا گیا ہے۔" میں نے جواب دیا۔ ایک پہرے دار قریب ہی ایک کیبن میں گھسا۔ وہاں فون رکھا ہوا تھا۔ حالات اس دن سے یکسر مختلف تھے۔

پہرے دار جلد ہی واپس آ گیا۔ "آپ کا انتظار ہو رہا ہے خاتون تشریف لایئے۔"

میں نے کار آگے بڑھا دی۔ اس دن اس عمارت سے کافی فاصلے پر انتظامات کیے گئے تھے۔ آج عمارت دیکھنے کا موقع ملا۔ حسین عمارت امارت کا مظہر تھی۔ سیڑھیاں تک قالین سے سجی ہوئی تھیں۔ دوسری سیڑھی پر مجھے دونوں لڑکیاں ناز عالم اور فرزانہ عالم نظر آئیں۔ انھوں نے مسکراتے ہوئے میرا خیر مقدم کیا تھا۔

" آپ نے تو اس دن کے بعد فون بھی نہیں کیا مس عالیہ؟" ناز نے شکایتی انداز میں کہا۔

" ابھی زیادہ وقت تو نہیں گزرا۔" میں نے سوچا، نہ جانے آپ لوگوں

کی کیا مصروفیات ہوں اس لیے پریشان کرنا مناسب نہ سمجھا۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

ہم تینوں ایک ہال میں داخل ہو کر اس کے اندر ہی سیڑھیاں طے کرنے لگے۔ چائے کا انتظام اوپر ہال میں کیا گیا تھا جس کی دیواریں موٹے شیشوں کی بنی ہوئی تھیں اور باہر کے حسین منظر صاف نظر آتے تھے۔ یہاں نفیس اور قیمتی سیاہ رنگ کا فرنیچر پڑا تھا۔ چھوٹے چھوٹے جدید طرز کے ریک رکھے ہوئے تھے۔ جن میں کتابیں رکھی ہوئی تھیں۔ نواب منور عالم ایک سلکی گاؤن پہنے کافی پُر وقار نظر آ رہے تھے۔ میرے استقبال کے لیے کھڑے ہو گئے۔ ان کے ہونٹوں پر ایک مشفق مسکراہٹ نظر آ رہی تھی۔ "ہیلو عالیہ... کیسی ہو بیٹے؟"

"شکریہ جناب۔ ٹھیک ہوں۔" میں نے اس تخاطب پر اُلجھن محسوس کی۔ رشتوں کی زبان بڑی مقدس ہوتی ہے۔ میرا ذہن نواب صاحب کی طرف سے صاف نہیں تھا۔ گو وہ احساس کافی حد تک کم ہو گیا تھا جو اُن کی آواز سن کر پیدا ہو گیا تھا لیکن اس کے باوجود چند شواہد مجھے اُلجھائے ہوئے تھے۔ لیکن تخاطب کے یہ الفاظ ایک اچھے انسان کی دلالت کرتے تھے اور یہی بات باعث اُلجھن تھی۔

"بیٹھو بیٹے۔ اس اخبار میں کب سے کام کرتی ہو؟"

"جب سے یہ جاری ہوا۔"

"اس سے قبل تو تم باہر تھیں؟"

"جی ہاں۔ کچھ عرصہ نیویارک رہی پھر کینیڈا۔ اس کے بعد مغربی جرمنی چلی آئی تھی۔" میں نے جواب دیا۔

"صحافت کی زندگی گزارنے کا خیال کیسے آیا؟"

"بس شروع ہی سے شوق تھا۔"

"اپنا اخبار کیوں نہیں نکال لیا؟"

میں نے چونک کر انھیں دیکھا۔

"تم اس قابل تھیں بیٹے۔ کیا صغیر بھایانی کا نام کوئی معمولی حیثیت رکھتا ہے؟ میرا خیال ہے تمھارے علاوہ ان کی کوئی اولاد بھی نہیں تھی۔"

اب میرے حیران ہونے کی باری تھی۔ نواب صاحب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ "میں صغیر بھایانی کو اچھی طرح جانتا ہوں اور تمھاری مرحوم ماں شاہ نور کو بھی۔ میں نے اپنے اٹیچی میں ایک چیز تمھیں دکھانے کے لیے نکالی ہے۔" نواب صاحب نے ایک میز کی دراز سے ایک خوبصورت البم نکالا پھر اس کا پہلا صفحہ کھول کر میرے سامنے کر دیا۔ یہ تصویر میرے دادا کی جوانی کی تصویر تھی۔ میں اسے دیکھ کر بھونچکی رہ گئی۔

"اور دیکھو۔" نواب صاحب نے کہا اور میں نے بے صبری سے ورق اُلٹ دیا۔ یہ دُوسری تصویر نایاب تھی۔ اس میں میری [illegible] شاہ نور بھایانی اور میرے والد ساتھ ساتھ کھڑے تھے۔ یہ ان کی شادی کی ابتدائی تصویر تھی۔ میں نے پورا البم دیکھ ڈالا ایسی ایسی تصویریں تھیں جن کے بارے میں میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ جگہ جگہ نواب منور عالم اور میرے والد ساتھ ساتھ نظر آ رہے تھے۔ جیسے ان دونوں کے درمیان بے تکلفی کا احساس ہوتا تھا۔ میرے ذہن پر عجیب کیفیت طاری ہو گئی تھی۔ میں نے البم بند کر دیا۔ نواب صاحب کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر لی تھیں۔ ان کے چہرے [illegible] عجیب سے تاثرات تھے۔ چند لمحوں بعد انھوں نے آنکھیں کھولیں [illegible] کے جزیرے بھی کتنے پُر پہلو ہوتے ہیں۔ کیا تمھیں اس بات سے [illegible] ہے کہ تمھاری شکل و صورت ہو بہو تمھاری والدہ سے ملتی جلتی [illegible]

"جی نہیں۔ یہ حقیقت ہے۔"

"اس شام میں تمھیں دیکھ کر اسی لیے چونکا تھا۔ مجھے بہت بھولی ہوئی کہانیاں یاد آ گئی تھیں۔ ٹھوڑی کا یہ گڑھا، یہ تل [illegible] سارے نقوش ماضی کو زندہ کرتے ہیں۔"

میرے ذہن میں سنسنی سی پھیل گئی۔ یہ تذکرہ خصوصی [illegible] میں دلچسپی لینے لگی۔ "یوں لگتا ہے انکل۔ جیسے آپ کے ہمارے گھرانے سے گہرے تعلقات ہوں۔"

"تعلقات!" نواب صاحب نے گہری سانس لی۔ "یہ لفظ معمولی ہے۔ یہ ان احساسات کی ترجمانی نہیں کرتا جو میرے سینے میں موجزن ہیں۔ تمھارے دادا احتشام بھایانی اور میرے دادا نواب محمود عالم اتنے گہرے دوست تھے کہ یہ دونوں خاندان ایک سمجھے تھے۔ تمھیں یہ سن کر تعجب ہوگا۔ جس شام نواب محمود عالم کا انتقال ہوا اسی شام عین اسی وقت لندن میں احتشام بھایانی کا انتقال [illegible] یہ سانحہ اس دور کی مثال بن گیا تھا۔ یہی محبت ہم دونوں میں یعنی صغیر بھایانی اور مجھ میں منتقل ہو گئی۔ ہم نے ساتھ تعلیم حاصل کی لیکن مہم جوئی اور کوہ پیمائی کے شوق نے مجھ سے بہت کچھ [illegible] لیا۔ اگر تم بُرا نہ محسوس کرو تو میں تمھیں اپنی کہانی سناؤں؟"

"میں تو بڑی دلچسپی محسوس کر رہی ہوں انکل۔" میں نے خلوص دل سے کہا۔

"ہم دونوں ساتھ ہی تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ تمھاری والدہ بھی ہمارے ساتھ ہی پڑھتی تھیں۔ پھر ہم دونوں نے شادی کے عہد [illegible] کیے۔ ہمارے درمیان محبت کا رشتہ قائم ہو گیا تھا۔ صغیر کو یہ بات [illegible] نہیں تھی۔ وہ بھی اپنے دل میں شاہ نور کے لیے نرم گوشے رکھتا [illegible]

لیکن شریف النفس ہونے کی وجہ سے اس نے کبھی یہ بات زبان سے نہیں نکالی تھی۔ مجھے اور شاہ نور کو اس کا علم نہیں تھا۔ پھر صغیر کو تمھارے دادا نے کاروباری امور سونپ دیے۔ ہم دونوں جُدا ہو گئے۔ صغیر یورپ چلا گیا۔ مجھے کوہ پیمائی کا شوق چرایا تھا۔ میں ہمالیہ کے لیے ایک مہم لے کر چل پڑا۔ شاہ نور نے مجھے منع کیا تھا۔ میں نے خاص طور سے یورپ سے اپنے چند دوستوں کو اس مہم کے لیے مدعو کیا تھا اس لیے میں نے اس کی بات نہیں مانی۔ ہمالیہ کی مہم کے دوران ایک حادثہ پیش آ گیا۔ میں پہاڑ کی ایک چوٹی سے گرا اور اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھا۔ میرے چھ ساتھی مر گئے تھے۔ مجھے ایک نیپالی خاندان نے بچا لیا۔ وہ میری اصلیت سے ناواقف تھا۔ پورے چار سال بعد جب میں گھر واپس آیا تو دُنیا ہی بدل گئی تھی۔ میرے گھر کے لوگ مجھے مُردہ تصور کر چکے تھے۔ میں گھر میں داخل ہوا تو جیسے ایک بھونچال آ گیا۔ ایک ماہ تک ہنگامہ رہا لیکن میری خوشیاں تیسرے دن ہی ختم ہو گئی تھیں۔

"جب دو دن گزر گئے اور شاہ نور مجھ سے ملنے نہ آئی تو مجھے تشویش ہوئی۔ میں نے بمشکل گھر والوں سے جان چھڑائی تو بات شاہ نور کی نکلی۔ شاہ نور کی شادی صغیر سے ہو گئی تھی اور اس کے تمام گھر والے لندن چلے گئے تھے۔ شادی کو سترہ ماہ ہو چکے تھے۔ عالیہ بیٹی! یہ بات اب میرے منہ سے اچھی نہیں لگتی لیکن جوانی کی اپنی ایک داستان ہوتی ہے۔ اس وقت مجھے احساس ہوا کہ کاش میں پہاڑ سے گر کر زندہ نہ بچتا۔ میں لندن جا کر صغیر اور شاہ نور سے مل سکتا تھا لیکن میں نے کوشش نہیں کی۔ نہ جانے شاہ نور نے کن حالات میں شادی کی ہوگی۔ اب میں ان کی راہ میں کانٹے نہیں بونا چاہتا تھا۔

"صغیر کو میری زندگی کی اطلاع ملی تو وہ دوڑا چلا آیا۔ شاہ نور نہیں آئی تھی۔ میں چھپ گیا۔ صغیر نے بارہا ملنے کی کوشش کی لیکن میں اس سے نہیں ملا۔ میری ازدواجی زندگی بھی ناکام نہیں تھی۔ مجھے شاہ نور کی موت کی اطلاع بھی ملی تھی لیکن مجھ میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ اس کی قبر پر ہی ہو آتا۔ آج صغیر بھایانی بھی اس دنیا میں نہیں ہے اس لیے یہ انکشاف کسی کے لیے نقصان کا باعث نہیں ہوگا۔"

نواب منور عالم خاموش ہو گئے۔ میں گنگ سی بیٹھی تھی۔ اس انوکھی کہانی نے میرے بدن میں سنسنی دوڑا دی تھی۔ اس کہانی کا میری زندگی سے گہرا تعلق تھا تو کیا... کیا نواب منور عالم دہری شخصیت کے مالک ہیں؟ کیا یہ ممکن ہے کہ ان کے سینے میں چھپی ہوئی تپش انھیں انتقام پر اکساتی ہو اور جنون کے عالم میں وہ...

نہیں یہ ممکن نہیں ہے۔ وہ ایک نیک طبع انسان ہیں۔ میں سناٹے کے عالم میں بیٹھی تھی۔

نواب صاحب نے کہا "میری بچی میرے دل کا بوجھ ہلکا ہو گیا ہے مجھے معاف کر دو عالیہ۔ بے شک یہ خود غرضی ہے لیکن میں خود کو روک نہیں سکتا تھا۔"

"نہیں انکل میں آپ کو قصوروار نہیں سمجھتی۔" میں نے گہری سانس لی۔

"عالیہ! صغیر بھایانی تو صاحب حیثیت تھے۔ تم وطن آنے کے بعد ان حالات کا شکار کیوں ہو؟"

"آپ نے میرے حالات کا غلط اندازہ لگایا ہے انکل۔"

"پھر اخبار کی ملازمت؟"

"یہ میرا شوق ہے۔"

"اور صغیر بھایانی کی دولت؟"

"وہ سوئٹزرلینڈ کے بینکوں میں محفوظ ہے۔ اس لیے کہ اس کی ضرورت نہیں پیش آئی تھی۔"

"انوکھی منطق ہے۔ تم معیارِ زندگی بدل لو۔"

"معاف کیجیے انکل میں صرف آپ کے دوست کی بیٹی ہوں۔"

"عالیہ۔ میں تمھارے احساسات کو سمجھتا ہوں۔ میں ذرا جذباتی ہو گیا تھا۔ تاہم میرا تم پر کچھ حق ضرور ہے۔ تم میری بیٹی کی مانند ہو۔ اگر کبھی کوئی مشکل پیش آئے تو انکل کو نہ بھولنا۔"

پھر میں نے واپسی کی اجازت چاہی۔ ناز نے روکنے کی بہت کوشش کی۔ میں نے معذرت کرتے ہوئے کہا "یہ بات میرے اصول کے خلاف ہے۔"

ذیلی سڑک سے گزر کر جب میں اس جگہ پہنچی جہاں درخشاں سے ملاقات ہوئی تھی تو میرے پاؤں خود بخود بریک پر پڑ گئے۔

چاروں طرف سناٹا تھا۔ میں نے کار آگے بڑھا دی۔ میرا ذہن بھٹک رہا تھا۔ امینہ، شکیلہ، درخشاں جس درندگی کا شکار ہوئی تھیں اسے بھلایا نہیں جا سکتا۔

منور عالم کی شخصیت کے کئی پہلو مشکوک تھے۔ ان کی آواز ٹیلی فون پر ملنے والی اس دھمکی سے مشابہ تھی۔ درخشاں اسی علاقے میں پائی گئی تھی... اور منور عالم کی کہانی۔

ممکن ہے یہ سب میرا وہم ہو لیکن اس وہم کا دُور ہونا ضروری تھا اور اس کے لیے مجھے... میں نے ایک گہری سانس لی۔ بے خیالی میں کار کی رفتار خطرناک حدود میں داخل ہو گئی تھی۔

کسی نہ کسی طرح فلیٹ پر پہنچ گئی۔ مس میری نے مسکراتے ہوئے میرا خیر مقدم کیا۔

"کوئی فون وغیرہ مس میری؟"

"نہیں بی بی جی۔ البتہ آج ایک عجیب اوٹ پٹانگ شخص آیا تھا۔" مس میری نے بتایا: "وہ عجیب سا لباس پہنے ہوئے تھا۔ یہ پانچ روپے کا نوٹ اور پرچہ دے گیا ہے۔"

میں نے تعجب سے پرچہ کھول کر دیکھا۔

"شکریے کے ساتھ... باقی رہے پینتالیس۔

... بقراط۔"

میرے ہونٹ تعجب سے سکڑ گئے۔ "اور تو کچھ نہیں کہا؟"

"ہاں، کہہ رہا تھا کہ دوسری قسط بھی جلد پہنچا دے گا، فکر نہ کریں۔"

"ہوں"، میں نے گہری سانس لی۔ ذہنی کیفیت ایسی نہ تھی کہ کسی اور سلسلے میں کچھ سوچ سکوں۔

میں نے لباس تبدیل کیا اور بستر پر گر پڑی۔ رات کے کسی پہر مجھے بخار نے آلیا۔ مس میری کی پریشانی دیدنی تھی۔ گیارہ بجے فون کر کے میں نے صباحت صاحب کو صورتِ حال بتائی۔ صباحت صاحب گھبرائے ہوئے آ دھمکے۔ وہ اپنے ساتھ ڈاکٹر کو لائے تھے۔

ڈاکٹر نے ذہنی تھکن کا اثر بتایا۔ اس نے یکے بعد دیگرے دو انجکشن دیے اور ہدایات دے کر چلا گیا۔ صباحت صاحب کافی دیر بیٹھے رہے تھے۔ انجکشن کے زیرِ اثر، میں چار بجے تک سوتی رہی۔ جب چار بجے جاگی تو طبیعت حیرت انگیز طور پر بحال تھی۔

میں نے فون پر پوائنٹ تھری کے نمبر ڈائل کیے۔ "مسٹر نازش۔"

"موجود نہیں ہیں۔ میں ڈولی بول رہی ہوں۔"

"اوہ ڈولی، میں عالیہ بول رہی ہوں۔ اس وقت کون کون موجود ہیں؟"

"مسٹر شیرازی، مسٹر یوسف۔ بلاؤں؟"

"عدنان شیرازی کو بلاؤ۔"

تھوڑی ہی دیر بعد عدنان کی آواز سنائی دی۔ "خادم بول رہا ہے۔"

"شیرازی صاحب! ایک اہم کام سونپ رہی ہوں۔ نواب منور عالم کو جانتے ہو؟"

"جی ہاں۔ دو ماہ تک کام کر چکے ہیں ہم لوگ ان پر۔ ان کا فائل ہمارے ریکارڈ میں موجود ہے۔"

"اوہ، کوئی خاص بات تھی؟"

"نہیں۔ بس یہ کوٹھی چیف کی نگاہ میں مشکوک تھی۔ ویسے وہ انتہائی نیک اور فرشتہ سیرت انسان ہیں۔ ہمارے پاس ان کا پورا شجرۂ نسب موجود ہے۔"

"تم نے جو فائل ترتیب دیا ہے کیا وہ مکمل ہے؟"

"جی مس عالیہ۔"

"مجھے وہ فائل درکار ہے۔"

"ریکارڈ روم سے مل سکتا ہے... دو گھنٹے کی مہلت دیں پھر آپ جہاں کہیں پہنچا دوں گا۔"

"میرے فلیٹ پر آسکتے ہو؟ دراصل میں بیمار ہوں۔"

"حاضر ہو جاؤں گا۔"

میں نے شکریہ ادا کر کے ریسیور رکھ دیا۔ شیرازی کی گفتگو سے مجھے اپنے طلسم کے تانے بانے ٹوٹتے نظر آئے۔ جو میں نے ذہن میں ترتیب دیے تھے۔ انکل منور عالم بلاشبہ میرے والد کے دوست تھے اور میری والدہ کے بارے میں انھوں نے جو کچھ بتایا تھا۔ وہ بھی حقیقت پر مبنی ہو سکتا ہے لیکن اس کے نتیجے میں اگر ان کی شخصیت پر کوئی برا اثر پڑا ہے تو کیا وہ انکل شہریار کے علم میں ہوگا؟

میں نے عدنان کے بارے میں مس میری کو ہدایت کر دی۔

ایک گھنٹے بعد دروازے کی بیل بجی۔ مس میری نے دروازہ کھولا۔ کسی سے بات کی۔ میں صاف نہ سن سکی۔ مجھے یقین تھا عدنان شیرازی ہوگا۔ پھر میری نگاہیں دروازے کی طرف اٹھ گئیں اور میں بھونچکی رہ گئی۔

دروازے سے داخل ہونے والی شخصیت عدنان کی نہیں تھی، وہ انکل شہریار تھے۔

"انکل آپ...؟" میں نے اٹھنے کی کوشش کی۔

"— یہ منور عالم کے بارے میں چھان بین کی ضرورت کیوں پیش آگئی؟"

"میرے ذہن میں ان کے بارے میں کچھ شبہات ہیں انکل۔ میں آپ سے عرض کر چکی ہوں کہ ہمیں فون پر ایک دھمکی ملی تھی۔ آواز ٹیپ کر لی گئی تھی۔ منور عالم کی آواز پر مجھے شبہ ہوا۔ پھر وہیں واپسی پر ان کی پُراسرار کوٹھی سے تھوڑی دور مجھے درخشاں ملی جس پر فائرنگ بھی کی گئی تھی۔ بے چاری درخشاں خود کو مشرقِ وسطیٰ کی سمجھتی تھی۔ یہ دونوں چیزیں میرے شبہے کا باعث بنی ہیں اور ان کے بارے میں تحقیقات کرنا چاہتی ہوں۔"

"جو کچھ بھی ہے۔ میں فائل چھوڑے جا رہا ہوں۔ اسے لینا۔" انکل شہریار یہ کہہ کر رخصت ہو گئے اور میں فائل کے مطالعے میں کھو گئی۔

فائل میں منور عالم کی ایک تصویر بھی موجود تھی اور ان کا شجرۂ نسب بھی درج تھا۔ ان کے کاروبار اور دیگر معاملات کی تفصیل تھی اور انکل شہریار کے جگہ جگہ تبصرے تھے۔ ایک جگہ انکل نے لکھا تھا...

"میں اپنے تمام تجربات کی روشنی میں یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ صاحبِ اختیار اور دولت مند ہونے کے باوجود منور عالم ایک بے داغ کردار کا آدمی ہے۔ انہوں نے کبھی اپنے خاندانی وقار کو مجروح نہیں کیا اور نہ ہی سرکاری مراعات سے ناجائز استفادہ کرنے کی کوشش کی۔"

یہ تبصرہ منور عالم کے بارے میں حرفِ آخر کی حیثیت رکھتا تھا گویا میرے ہاتھ سے ایک اور کارڈ نکل گیا تھا... گویا مجرم مزید تاریک پردوں کی اوٹ میں چھپ گیا تھا اور دشواریاں بڑھ گئی تھیں۔

اگلے روز صباحت صاحب میری خیریت دریافت کرنے آئے تو میں نے ایک ماہ کی رخصت کے لیے درخواست دی جسے دیکھ کر وہ مسکرائے بغیر نہ رہ سکے۔ "خیریت؟" انہوں نے دریافت کیا۔

"دراصل میں اب اس کیس پر جم کر کام کرنا چاہتی ہوں اور شاید اب میں اپنے فلیٹ میں قیام بھی نہ کروں۔"

"کیا تم سے رابطہ نہیں رہے گا؟" وہ چونک پڑے۔

"یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتی... البتہ میں ضرورت پڑنے پر فون ضرور کر دیا کروں گی۔" میں نے جواب دیا۔ "مجرم تاریک پردوں سے جھانکتا ہے اور دوبارہ تاریکی میں روپوش ہو جاتا ہے۔ یہ میرے لیے ایک کھلا چیلنج ہے، جسے میں قبول کر چکی ہوں۔"

صباحت صاحب کے جانے کے بعد میں نے مس میری کو بلایا اور اسے صورتِ حال سے آگاہ کر دیا... پھر میں نے اسی شام فلیٹ چھوڑ دیا۔

میں نے ضرورت کا سامان ایک ٹیکسی میں رکھا اور ڈرائیور کو ہوٹل گرین پارک چلنے کے لیے کہا۔ اس ہوٹل کا شمار شہر کے بدنام ترین ہوٹلوں میں ہوتا تھا۔ میں نے اس ہوٹل کا کمرہ نمبر آٹھ ریزرو کروا لیا تھا اور اس سلسلے میں، میں نے مس شاہینہ کا فرضی نام اختیار کیا تھا۔

ٹیکسی تیزی سے اس بدنام ہوٹل کی طرف دوڑتی رہی... اور میرا دل شدت سے دھڑکتا رہا۔ میں نے بالآخر خطرات کے جبڑوں میں کود جانے کے پروگرام پر عمل کر ہی ڈالا تھا... اور اب کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ آئندہ پیش آنے والے حالات میں میرے لیے کیا کچھ پوشیدہ تھا۔

میں نے آنکھیں بند کر لیں اور سر کو سیٹ کی پشت گاہ سے ٹکا دیا۔

گرین پارک ہوٹل کی فضا بڑی گھٹن آلود تھی۔ گھٹن کا احساس یہاں کے ماحول میں تھا ورنہ اگر صاف نگاہ سے دیکھا جاتا تو اس ہوٹل میں کافی نفاست تھی۔ ڈیکوریشن معیاری تھی۔ ریفرشنگ ہال میں نفیس قالین بچھا ہوا تھا۔ ویٹر مہذب تھے اور گاہکوں سے بڑے ادب سے گفتگو کرتے تھے لیکن ان کا یہ اخلاق و آداب کاروباری تھا۔ وہ نہایت بیباکی سے جسموں کے سودوں کی بات چیت کرتے تھے اور یہاں آنے والے چہرے پاکیزہ نہیں ہوتے تھے۔ ان چہروں پر ہوس ناچ رہی ہوتی تھی اور ان پر جڑی ہوئی آنکھیں ہر نسوانی چہرے کو شکاری انداز میں دیکھتی تھیں۔ جونہی موقع ملے پھاڑ کھائیں۔

میں نے مغربی ممالک میں بڑے بڑے گھناؤنے کاروبار دیکھے تھے۔ اپنی تجرباتی زندگی میں میں نے ہر رخ سے واقفیت حاصل کی تھی۔ مغرب میری نگاہ میں اخلاقی اعتبار سے اتنا پسماندہ تھا کہ میں اسے انسانیت کا کوڑا گھر کہہ کر پکار سکتی تھی۔ جہاں سے صرف تعفن اٹھتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی مشرق کی روایات پر فخر کرتی تھی اور کئی بار چند مغربی نوجوانوں سے میری اس سلسلہ میں جھڑپ بھی ہو چکی تھی۔ میں نے ببانگِ دہل کہا تھا کہ مشرق انسانی اقدار کا پاسبان ہے۔ ہم انسان کو زندہ رکھے ہوئے ہیں۔ یوں کہا جائے تو غلط نہیں ہوگا کہ میرا وطن انسانیت کا میوزیم ہے جہاں ان اقدار کا تحفظ کیا جاتا ہے جب کہ مغرب کے نوجوان کو میری بات سے اختلاف تھا۔ وہ کہتے تھے کہ نئی نسل ساری دنیا میں حقیقت پسند ہے۔ جنس انسان کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔ ماضی کے کسی بھی باب کو دیکھ لو جہاں جنس پوشیدہ رکھی گئی جرائم بڑھ گئے۔ دریا کے تیز دھارے پر بند باندھنا ممکن نہیں ہے جہاں تم اس بہتے ہوئے پانی کو روکو گے وہیں طغیانی آجائے گی اور خشک علاقے متاثر ہوں گے۔ دریا کو اس کے رخ پر بہنے دو تو وہ تمہیں نقصان پہنچائے بغیر بہتا رہے گا۔

لیکن میرا خیال اس سے مختلف تھا۔ میں نے ان کی یہ دلیل کبھی تسلیم نہیں کی تھی۔ ان کی اس تاویل کے بارے میں میں نے ان سے کہا تھا۔ انسان اور دریا میں فرق ہے۔ ماضی کے ہر دور میں انسانیت کے لیے راستوں کا تعین ہے۔ مذاہب نے کہیں انسان کو ضرورتوں کے رخ پر بہنے سے نہیں روکا لیکن اس نے کچھ اخلاقی اقدار دیے ہیں اور ان اقدار کو سہارا بنا کر چلنے والے پستی میں نہیں گرتے اگر

تم اخلاق کی اس پستی کو قبول نہیں کرتے تو تمہارے درمیان بھی ماں، بہن اور بیٹی کا تصور کیوں ہے۔ تم جانور کیوں نہیں بن جاتے۔ تم کسی کو ماں کسی کو بہن کسی کو بیٹی کیوں کہتے ہو۔ تمہاری ڈکشنری میں یہ الفاظ کیوں موجود ہیں، پہلے ان الفاظ کو اپنی ڈکشنری سے خارج کرو اس کے بعد جنس کی آزادی کے گیت گاؤ پھر دیکھیں تم ایک مذہب کس طرح قائم رکھتے ہو پھر دیکھیں تمہارے مذہبی اور قومی جذبے کیا ہوتے ہیں۔

اور جب تک میں یورپ میں رہی اپنے وطن کی عظمت کے گیت گاتی رہی لیکن یہاں آکر میں مجروح ہو گئی تھی۔ میرے احساسات کو ایک ٹھیس پہنچی تھی۔ سب ہی میرے جیسے نہیں تھے سب میری طرح نہیں سوچتے تھے۔ اخلاقی پستی یہاں بھی عروج پر تھی۔ مغرب کے مصنوعی طور پر مجھے بھی اس رنگ میں شامل ہونا ہے اس لیے اتنا جذباتی ہونا مناسب نہیں ہے۔ چنانچہ میں نے اپنا رویّہ بدلنے کا فیصلہ کیا اور تھوڑی دیر کے بعد تیار ہو کر گرین پارک کے ہال میں پہنچ گئی۔ ہال کا ماحول میری توقع کے مطابق تھا۔ بظاہر سنجیدہ اور پُر وقار لیکن میزوں پر جوڑے بیٹھے ہوئے تھے ایک دوسرے سے شناسا لیکن اندر سے اجنبی... مردوں کی آنکھوں میں ہوس تھی اور لڑکیوں کی آنکھوں میں دولت کی پیاس۔ ان کے احساسات عریاں تھے کھلی کتاب کی مانند جس کا دل چاہے پڑھ لے۔ کوئی کسی سے مخلص نہیں تھا۔ دونوں ایک دوسرے کے احساسات سے واقف تھے کیسی انوکھی بات ہے انسانی اقدار سے ہٹ کر ایک انوکھا اجنبی ماحول۔ گرین پارک کے ہال میں تنہا لڑکی کے بیٹھنے کا مقصد سب سمجھتے تھے اور مجھے چند لمحات کے بعد ہی اس کا تجربہ بھی ہو گیا چنانچہ جب وہ دراز قامت نوجوان میری طرف بڑھا تو میں نے خود کو اس سے گفتگو کے لیے تیار کر لیا۔ وہ میری میز کے نزدیک آکر جھکا اور شستہ لہجے میں بولا۔

"اگر آپ کی اجازت ہو تو...؟"

"اوہ تشریف رکھیے۔" میں نے ایک اجنبی مسکراہٹ کے ساتھ کہا اور وہ بیٹھ گیا۔

"گرین پارک کا ماحول اہلِ دل کے لیے جنت کی مانند ہے۔ سکون بخش اور مسائل حل کرنے والا۔"

"شاید۔" میں نے سرد مہری سے کہا۔

"آپ مجھ سے متفق نہیں ہیں؟" اس نے متعجب انداز میں کہا۔

"جی نہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ میں آپ کا مقصد نہیں سمجھ سکی۔"

"مجھے دوسری بار تعجب ہوا۔ یہ دنیا خالی خالی جگہ ہے یا پھر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہاں شناسائی ایک مشکل کام بنا دی گئی ہے۔ کوئی کسی سے کچھ کہنا چاہے کسی کے قریب ہونا چاہے تو اسے بے شمار مراحل سے گزرنا ہوتا ہے اسے لاتعداد ناکامیوں سے واسطہ پڑتا ہے گرین پارک ان مشکلات کو حل کرتا ہے اور ہم تکلفات کے بہت سے مرحلے یہاں آکر طے کر لیتے ہیں جیسے میں آپ تک پہنچ گیا۔" اس نے فلسفیانہ انداز میں کہا۔

"ممکن ہے آپ کی ذہنی پہنچ بہت زیادہ ہو لیکن کسی بھی غلیظ جگہ کو جنت سے تشبیہ دینا میرے خیال میں بہت بڑا گناہ ہے۔ جنت تو ایک متبرک اور مقدس نام ہے اہلِ ہوس الفاظ کی تراش خراش کر بعض اوقات اپنے مذموم مقاصد کے لیے بہت غلط استعمال کرتے ہیں مجھے اس پر شدید اعتراض ہے۔"

"اوہ۔ شاید آپ مذہبی ہیں؟" نوجوان بولا۔

"جی ہاں اس حد تک ضرور۔ اس لیے کہ میرا نام عالیہ ہے۔"

"مجھے نوید کہتے ہیں۔"

"کیوں۔ آپ کو تلسی رام کیوں نہیں کہتے۔ آپ گوریندر کیوں نہیں ہیں یا آپ کا نام مائیکل جون کیوں نہیں ہے۔ اگر آپ کو نوید کہتے ہیں تو آپ نے اس پر اعتراض کیوں نہیں کیا؟"

"اس میں اعتراض کی کیا بات ہے؟"

"یہ نام تو آپ کی قومیت ظاہر کرتا ہے؟"

"میں مسلمان ہوں۔"

"اگر آپ مسلمان ہیں تو مذہبی کیوں نہیں ہیں؟"

"ضروری تو نہیں ہے۔ میں ایک آزاد خیال انسان ہوں۔"

"آزاد خیالی دیگر چیز ہے اگر آپ خود کو مسلمان کہنے میں عار نہیں سمجھتے تو جنت کے پاکیزہ تصور کو کیوں مجروح کرتے ہیں۔"

"خدا کی پناہ۔ آپ تو خاصی فلسفی ہیں۔ حالانکہ چہرے سے آپ ایک معصوم سی خاتون نظر آتی ہیں۔" نوجوان نے لڑکھڑاتے ہوئے انداز میں کہا۔

"جی نہیں میں فلسفی نہیں ہوں لیکن اتنا فلسفہ ضرور سمجھتی ہوں اور میرے خیال میں آپ کو بھی سمجھنا چاہیے۔"

"ٹھیک ہے محترمہ میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں لیکن براہِ کرم آپ اپنے بارے میں تو کچھ کہیے۔ بخدا میں نے گرین پارک میں ایسی خواتین کو کم دیکھا ہے جو اس قدر مذہبی ہوں۔"

"مجھ سے بنیادی غلطی یہی ہوئی ہے کہ میں نے گرین پارک میں قیام کیا ہے۔ دراصل میں اور میرے شوہر کاروباری دورے پر یہاں آئے ہوئے ہیں۔ اس شہر میں ہم پہلی بار آئے ہیں اس لیے ہمیں ہوٹلوں کا تجربہ نہیں ہے لیکن میں یہاں کے حالات دیکھ رہی ہوں

"شوہر...؟" نوجوان بوکھلائے ہوئے انداز میں بولا۔

"جی ہاں۔ شوہر"

"کہاں ہیں وہ؟"

"بس پہنچنے والے ہوں گے۔"

"خدا حافظ۔" نوجوان کرسی کھسکا کر کھڑا ہو گیا۔

"ارے ارے کیوں۔ تشریف رکھیے!"

"جی نہیں شکریہ اگر انہوں نے مجھے جہنم کا فلسفہ سمجھانا شروع کر دیا تو میں تو مارا جاؤں گا۔" نوجوان نے کہا اور تیزی سے واپس چلا گیا۔ میرے حلق میں بے اختیار قہقہے مچل اٹھے تھے لیکن میں نے ہنسی روکی اور دلچسپ نظروں سے اسے جاتے دیکھتی رہی۔

گرین پارک کے ہال کی پہلی رات خاصی بدمزہ تھی۔ تین چار افراد نے مجھ سے شناسائی کی کوشش کی اور میں ان سے لطف لیتی رہی وہ ویٹر بھی کئی بار نظر آیا تھا اور اس نے عجیب عجیب نگاہوں سے مجھے دیکھا تھا لیکن اب مجھے اس کی پروا بھی نہیں تھی میں یہاں وقت گزارنے کا گر جان چکی تھی اور اب یہاں کچھ وقت گزارنے میں کوئی مشکل نہیں تھی۔ رات کو میں آرام کی نیند سوئی۔ میرے خیال میں یہ وقت کا یاں نہیں تھا۔ امینہ کے قاتل یوں بھی تاریکی میں تھے انہیں بے نقاب رنے کے لیے مجھے انتھک محنت کرنی تھی۔ اگر کوئی تعین ہوتا تو وقت ے بیکار جانے کا افسوس ہوتا لیکن یہ دن تو چھٹیوں کے دن تھے مگر ھوڑا سا وقت تجربات کی نذر ہو جائے تو کیا حرج ہے۔ البتہ صبح کو میں ہوٹل سے نکل آئی اور کافی دیر تک آوارہ گردی کرتی رہی۔ اپنے ہی ہر کو آج میں اجنبی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ اندازہ لگا رہی تھی ہ میرے اس خوبصورت گہوارے کو کیسی کیسی بدنما تصویروں سے سجایا لیا ہے کاش میں یہ سارے بدنما زخم اتار کر پھینک سکتی۔ کاش میں ے دنیا سے الگ ایک مثالی شہر بنا کر پیش کر سکتی۔ کاش ایک ار پھر پاکیزگی کا دور دورہ ہو جائے۔ کاش ایک بار پھر انسان انسانیت ے مفہوم پر غور کرنے لگیں۔ انہیں احساس ہو جائے کہ نجات کے ستے انسانیت کی بقا کے ضامن ہوتے ہیں۔ بہت سی چیزوں کا جزیہ کیا ان کے بارے میں سوچا اور فیصلہ کیا کہ اخبار میں اس سلسلہ ں بہت کچھ لکھوں گی۔

شام کو ہوٹل واپس آگئی۔ ذہنی طور پر کچھ دن کے لیے آزاد ہنا چاہتی تھی اس لیے فلیٹ پر بھی فون نہیں کیا۔ اس تگ و دو میں ھی کہ کسی طور اپنے مقصد میں کامیابی حاصل ہو لیکن ابھی تک کوئی صورتِ حال نظر نہیں آئی تھی۔ انکل شہریار کے بارے میں بھی سوچا۔ نہوں نے میرے لیے جو کچھ کیا تھا اس کے لیے میرے پاس شکریہ کے الفاظ نہیں تھے لیکن ابھی میں عملی طور پر اس منزل میں نہیں داخل ہوئی تھی جہاں میں ان کی دی ہوئی مراعات سے فائدہ اٹھاؤں۔ ان لوگوں کے سلسلے میں تو ابھی بہت وقت درکار تھا اس وقت تو میری مصروفیات صرف ان بدطینت مجرموں تک محدود تھیں جنہوں نے معصوم لڑکیوں کو پھانسنے کے لیے ایک گھناؤنا جال پھیلا رکھا تھا۔ پہلے ان لوگوں سے نمٹ لیا جائے اس کے بعد ہی کسی دوسرے مسئلے پر سوچا جا سکتا ہے۔

پارک ہوٹل میں تین روز گزر گئے۔ آج میں نے سوچا تھا کہ ایک دن اور گزارنے کے بعد یہ جگہ بدل دوں گی۔ اس دوران بہت سے دلچسپ واقعات پیش آئے تھے لیکن کوئی ناگوار صورتِ حال نہیں پیدا ہوئی تھی۔ میرے نزدیک کا کمرہ خالی تھا۔ مجھے اندازہ نہیں ہو سکا کہ وہ کب آباد ہوا۔ ایک دن قبل وہ خالی تھا اس شام میں تیار ہو کر ہوٹل کے ریفرشنگ ہال میں آئی تو یہاں عام دنوں سے زیادہ رونق تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ دوسرا دن چھٹی کا دن تھا اور چھٹی کی دلچسپیوں میں اضافے کے لیے بوالہوس شکار کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے تھے۔ خوب ہے دستورِ دنیا۔ بعض معاملات میں شکار اور شکاری کا تعین بھی مشکل ہے۔ دونوں خود کو شکاری سمجھتے ہیں اور دونوں ہی ایک دوسرے کا شکار ہوتے ہیں۔ اصل شکار کون ہے اس کا تعین کوئی نہیں کر پاتا۔

میں اپنی مخصوص میز پر جا کر بیٹھ گئی۔ مجھے یقین تھا کہ نئے آنے والے میری طرف بھی رجوع ہوں گے۔ میں ان کے لیے تیار تھی۔ اخلاقیات کا سبق عموماً ایسے ذہنوں کو کوفت کا شکار کر دیتا ہے۔ گناہ کے ارادے سے نکلنے والے اپنے جیسے گناہ گاروں کی تلاش میں ہوتے ہیں اگر کوئی ان کی مرضی کے خلاف مل جائے اور ایسے اوقات میں انہیں نیکیوں کا درس دینے لگے تو ان کی کوفت قابلِ دید ہوتی ہے۔

میرا فلسفہ ہے کہ ہر انسان برائیوں سے بچنا اور نیک راہوں پر چلنا چاہتا ہے۔ اس کی ذات میں ایک معصوم جذبہ پوشیدہ ہوتا ہے جس کی شدید خواہش ہوتی ہے کہ وہ برائیوں کی طرف رجوع نہ ہو لیکن ماحول کی کثافت اس کے جذبے پر غلیظ تہہ کی مانند جم جاتی ہے اور وہ گناہ کی جانب رجوع ہو جاتا ہے۔ اگر اس کے لیے نیکیوں کے راستے ہموار ہو جائیں تو وہ کسی طور برائیوں کی طرف رجوع نہ ہو۔ یہی کیفیت ان لوگوں کی ہے۔ ان کے غلط احساسات انہیں گھروں سے نکالتے ہیں لیکن وہ نیک جذبہ ان کے وجود میں رہتا ہے بلکتا ہے۔ اگر اس کی آواز ان کے کانوں تک پہنچ جائے تو وہ بے چین ہو جاتے ہیں۔ پارک ہوٹل میں رات کی رنگینیوں کے متلاشی کئی افراد کے ساتھ میں یہ کھیل کھیل چکی تھی اور ان لوگوں کی ذہنی اذیت سے لطف اندوز ہو چکی تھی۔

اس وقت بھی میری نگاہیں بھٹکے ہوؤں کا جائزہ لے رہی تھیں جو ہی عریاں مناظر بکھرے ہوئے تھے۔ ہوس بھری نگاہیں حسین چہروں کا طواف کر رہی تھیں کہ اچانک میں چونک پڑی۔ چٹاخ کی زوردار آواز میرے کانوں میں اُبھری تھی۔ میری نگاہ اپنے بائیں سمت اُٹھ گئی۔ نزدیک ہی کی میز پر یہ ڈراما ہوا تھا۔ سیاہ رنگ کا لیکن عمدہ لباس میں ایک شخص گال سہلا رہا تھا۔

"اُٹھ جاؤ یہاں سے۔" اُسی میز پر بیٹھی ہوئی ایک خوبصورت لڑکی نے غصے سے کہا اور سیاہ رُو نوجوان گال سہلاتا ہوا اُٹھ گیا۔

"تجھے یہ تھپڑ بہت مہنگا پڑے گا نغمہ سوچ لے۔" نوجوان نے خونخوار لہجے میں کہا۔

"یہاں سے دفع ہو جا گندے کتے۔ ورنہ میں۔ میں۔" لڑکی نے سامنے رکھا ہوا گلاس اُٹھایا اور نوجوان غصے سے ہونٹ کاٹتا ہوا وہاں سے اُٹھ گیا پھر وہ لڑکی کو گھورتا ہوا باہر نکل گیا۔ اُسی وقت ایک دوسرا آدمی جس کے بدن پر ہال کے سپروائزر کا لباس تھا، لڑکی کے پاس آ گیا۔

"کیا بات ہے نغمہ؟"

"جاؤ۔ میں ایک معزز گاہک کی حیثیت سے یہاں بیٹھی ہوں میں تم لوگوں کی بات کا جواب دینے کے لیے مجبور نہیں ہوں۔" لڑکی نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"کیا ہو گیا آخر۔ تم کیسی گفتگو کر رہی ہو؟"

"میں کہتی ہوں یہاں سے دفعان ہو جاؤ یا میں تمہاری بھی کچھ خاطر کر ؟"

"تم شاید پاگل ہو رہی ہو۔ تم نے ہوٹل کے ایک مستقل اور معزز گاہک کی توہین کی ہے اپنے کمرے میں جاؤ۔ میں منیجر صاحب کو تمہارے پاس بھیج رہا ہوں۔ وہ تم سے گفتگو کریں گے۔"

لڑکی ایک جھٹکے سے وہاں سے اُٹھ گئی اور پھر وہ پاؤں پٹختی ہوئی دروازے کی طرف چل پڑی۔ نہ جانے کیوں میرے ذہن میں ایک کُرید سی پیدا ہو گئی تھی۔ میں نے بھی دوسرے لمحے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ ذرا سا خیال رکھا تھا تاکہ کسی کو احساس نہ ہو جائے کہ میں اس لڑکی میں دلچسپی لے کر اُٹھی ہوں۔ بہرحال میں اس کا تعاقب کرتی ہوئی اوپری حصے میں پہنچ گئی پھر اپنے برابر والے کمرے کا دروازہ کھلتا دیکھ کر مجھے حیرت ہوئی۔ "تو یہ لڑکی آئی ہے اس کمرے میں۔" میں نے گہری سانس لے کر کہا۔ پھر میں اپنے کمرے میں آ گئی۔ لیکن میرے اندر ایک بے چینی پیدا ہو گئی تھی۔ اس لڑکی کے بارے میں معلوم کیا جائے کیا قصہ ہے۔ اپنے کمرے میں میں نے ایسی کوئی جگہ تلاش کی جہاں سے میں دوسرے کمرے کا جائزہ لے سکوں لیکن کوئی ایسی جگہ نظر نہیں آئی۔ ہاں درمیانی دیوار میں چھت کے قریب ایک روشندان تھا جو بند تھا۔ میں نے ادھر اُدھر دیکھا۔ رائٹنگ ٹیبل تھوڑی سی سرکا کر اس پر کرسی رکھ کر روشندان تک پہنچا جا سکتا لیکن اس سے دوسری طرف دیکھا نہیں جا سکتا اور کوئی ترکیب بھی نہیں تھی چنانچہ میں نے فوری طور پر اسی ترکیب کو آزمانے کا فیصلہ کیا۔ کم از کم آوازیں تو سُنی جا سکتی ہیں۔ پہلے میں نے دروازہ بند کیا اس کے بعد بہ آہستگی میز دھکیل کر دروازے کے قریب کی اور پھر اس پر کرسی رکھ کر اوپر چڑھ گئی۔ اس طرح میرا سر بہ آسانی روشندان تک پہنچ گیا۔ میں دوسری طرف جھانک بھی سکتی تھی۔ لیکن بے مقصد تھا کیونکہ یہاں سے دوسرے کمرے کی سامنے والی دیوار نظر آ سکتی تھی نیچے کے لوگ نہیں۔ میں نے انتہائی احتیاط کے ساتھ روشندان کو کھولنے کی کوشش کی اور ذرا سی کوشش میں وہ بے آواز کھل گیا یعنی دوسرے کمرے کے مکین کو کوئی احساس نہیں ہوا تھا۔ دوسری طرف کوئی آواز نہیں تھی لیکن میں صبر و سکون سے کھڑی رہی۔ تقریباً دس منٹ کے بعد اُس وقت دستک سنائی دی جب میں تھک کر اُترنے والی تھی۔ دستک سُن کر میں اپنی جگہ ساکت ہو گئی۔

"کون ہے؟" اندر سے لڑکی کی آواز اُبھری اور باہر سے کوئی جواب ملا ہو گا جو یہاں سے سُنائی نہیں دیا۔ ہاں دروازہ کھلنے کی آواز ضرور اُبھری تھی اور پھر ایک بھاری مردانہ آواز سُنائی دی۔

"ہیلو نغمہ..."

"کیا بات ہے منیجر صاحب!"

"یہ تو میں تم سے پوچھنے آیا ہوں۔ سُنا ہے تم نے فرزند کے تھپڑ مار کر اُس کی بے عزتی کی ہے۔"

"ہاں۔ یہ حقیقت ہے۔"

"لیکن کیوں؟"

"یہ سوال اُسی سے کر لیا جائے تو بہتر ہے۔"

"نغمہ۔ تم یہ الفاظ میرے سامنے کہہ رہی ہو۔ میں نے تم سے پوچھا ہے۔ مجھے جواب دو۔"

"میں اس کے لیے مجبور نہیں ہوں منیجر صاحب۔ میں کل تک آپ کی ملازم نہیں رہی آج بھی نہیں ہوں۔ نہ ہی میں اس بار اس حیثیت سے یہاں آئی ہوں۔ میں بھی ہوٹل کی ایک گاہک ہوں۔ جس کمرے میں میرا قیام ہے اس کا کرایہ ادا کروں گی۔ چنانچہ جو بھی گفتگو کریں سوچ سمجھ کر کریں۔"

"اوہ۔ خوب۔" منیجر کے لہجے میں طنز تھا۔ "لیکن مس نغمہ آپ نے قیام کے لیے اسی ہوٹل کا انتخاب کیوں کیا آپ دوسرے ہوٹل میں بھی قیام کر سکتی تھیں۔ آپ ایک بات کان کھول کر سُن لیں۔ ہوٹل کے احاطے میں آپ جو بھی بزنس کریں گی اُس میں ہوٹل کا کمیشن ضرور ہو گا اور بہرحال اگر یہ بات ہے تو فرزند رحیم کے معاملے کی بھی تنہا ذمہ دار آپ ہوں گی۔ وہ بھی کوئی گھٹیا اور معمولی آدمی نہیں ہے اپنی بے عزتی کا بدلہ ضرور لے گا..."

"ہاں ہاں میں جانتی ہوں ان بزدل عیاشوں کو آپ بے فکر رہیں منیجر صاحب میں اُس سے نمٹ لوں گی اور آپ بھی کان کھول کر سُن لیں۔ مجھے آپ سے کوئی رعایت نہیں چاہیے لیکن اگر آپ کے کسی ویٹر یا سپروائزر نے مجھ سے کوئی بدتمیزی کی تو میں جوتے سے اُن کی مرمت کروں گی۔"

"ضرور ضرور لیڈی صاحبہ۔ لیکن میرا مخلصانہ مشورہ ہے کہ اگر آپ کو گوشہ نشین ہو کر صرف عبادت کرنی ہے تو کہیں اور چلی جائیں یہ معصوم لوگ آپ کو دوسری حیثیت سے جانتے ہیں۔"

"اس کے لیے آپ کو یہ ہوٹل بند کرنا ہو گا کیونکہ اگر یہ کھلا ہو اور اس میں کوئی کمرہ خالی ہو تو پھر اس میں کوئی بھی قیام کر سکتا ہے۔"

"میں تمہاری اس دلیری کی وجہ جاننے کی کوشش ضرور کروں گا لیکن ہوٹل کے اصولوں کی خلاف ورزی نہ ہو۔ خدا حافظ۔" منیجر غصیلے انداز میں باہر نکل گیا۔ کافی دیر تک اندر کوئی آواز نہیں اُبھری تو میں نہایت احتیاط سے نیچے اُتر آئی۔ میز اپنی جگہ رکھی اور پھر ایک صوفے پر بیٹھ کر اس گفتگو پر غور کرنے لگی۔ صورت حال کسی حد تک میری سمجھ میں آ رہی تھی لیکن لڑکی کے رویے میں یہ تبدیلی کیوں ہوئی۔ یہ معاملات میرے لیے کوئی خاص دلچسپی نہیں رکھتے تھے لیکن نہ جانے کیوں تجسس بیدار ہو گیا تھا۔ بے اختیار دل چاہا کہ اس لڑکی سے مل کر اس کے حالات معلوم کرنے کی کوشش کروں۔ میں چند ساعت سوچتی رہی پھر اپنے کمرے سے نکل کر اُس کے دروازے پر پہنچ گئی۔ پھر میں نے آہستہ سے دستک دی تو اُس کی غراتی ہوئی آواز اُبھری۔ "آ جاؤ کون ہے؟" اور میں دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئی۔ وہ ایک آرام کرسی میں دراز تھی اور اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیلے ہوئے تھے۔ لیکن مجھے دیکھ کر چونکی اور پھر کسی قدر متعجب لہجے میں بولی۔

"تم کون ہو؟"

"میرا نام عالیہ صغیر ہے اور میں آپ کے برابر والے کمرے میں مقیم ہوں۔" میں نے نرم لہجے میں کہا۔

"تنہا رہتی ہو؟" اُس نے پوچھا۔

"ہاں!"

"کاروباری ہو؟" اُس کے انداز میں تنفر پیدا ہو گیا۔

"نہیں خاتون۔ ممکن ہے میں آپ کے ان الفاظ کا مفہوم بھی نہ سمجھ پاتی لیکن اس ہوٹل میں آئے ہوئے کئی دن گزر چکے ہیں اور میں اس کے بارے میں جان چکی ہوں ورنہ ضرور حیران ہوتی۔"

"کاروباری نہیں ہو۔ میرا مطلب ہے گرین پارک کے گندے کاروبار سے تمہارا کوئی تعلق نہیں ہے؟" اب اُس کے انداز میں کچھ نرمی پیدا ہو گئی۔

"ہرگز نہیں۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"بیٹھو۔ پھر اس منحوس جگہ کیسے آ پہنچیں۔" وہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اُس نے مجھے ایک کرسی پر بیٹھنے کی پیش کش کی تھی۔ میں شکریہ ادا کر کے بیٹھ گئی۔ "بتاؤ تم نے اس ہوٹل میں قیام کیوں کیا؟"

"میں اس شہر میں اجنبی ہوں۔ میرے شوہر پلاسٹک کی ایک چھوٹی سی انڈسٹری کے مالک ہیں۔ اس شہر میں وہ کاروبار کرنے کے خواہش مند ہیں۔ ہم دونوں مل کر یہ انڈسٹری چلاتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے پہلے مجھے یہاں بھیجا کہ یہاں کی مارکیٹ کا جائزہ لوں اور چند روز کے بعد وہ خود یہاں آ جائیں گے۔"

"اور تم نے یونہی روا روی میں اس ہوٹل کا انتخاب کر لیا۔"

وہ بے چینی سے بولی۔

"ہاں یہ حقیقت ہے۔ ائیرپورٹ پر اُتر کر میں نے ایک ٹیکسی لی اور ٹیکسی ڈرائیور سے کہا کہ کسی عمدہ سے ہوٹل پہنچا دے۔ چنانچہ وہ مجھے یہاں لے آیا۔"

"خدا غارت کرے۔ خدا غارت کرے ان ضمیر فروشوں کو... وہ کم بخت بھی اسی ہوٹل کا ایجنٹ ہو گا۔ یہ بدکاری کا بہت بڑا اڈہ ہے معصوم لڑکیوں کو پھانس کر کسی نہ کسی طرح یہاں پہنچا دیا جاتا ہے اور پھر خونخوار انسانی مکڑیاں ان کے گرد جالا بُننا شروع کر دیتی ہیں۔ خدا کرے تم ان بھیانک مکڑیوں سے محفوظ رہو۔ کوئی حادثہ تو نہیں پیش آیا تمہارے ساتھ؟"

"ابھی تک نہیں۔ ویسے یہاں کا اسٹاف کافی بے غیرت ہے۔ انہوں نے اشاروں کنایوں میں مجھے اپنا مافی الضمیر سمجھانے کی کوشش تو کی ہے لیکن میں نے انہیں ڈانٹ دیا۔ اس کے علاوہ یہاں آنے والوں کے بارے میں بھی جان چکی ہوں۔ میں خود یہاں کے ماحول سے بہت پریشان ہوں لیکن کیا کروں اپنے شوہر کو اسی ہوٹل کے بارے میں اطلاع دے چکی ہوں۔ بس اُن کے انتظار میں ہوں۔" میں نے جواب دیا اور نغمہ مجھے دیکھتی رہی۔ اُس کی آنکھوں کی کیفیات کو میں الفاظ میں بیان

نہیں کرسکتی۔ تھوڑی دیر تک وہ خاموش رہی پھر گہری سانس لے کر بولی۔

"تم سے نادانستگی میں بہت بڑی غلطی ہو گئی ہے۔ گرین پارک تو قحبہ خانہ ہے۔ پورے شہر میں بدنام ترین ہوٹل ہے۔ یہاں وہی لوگ قیام کرتے ہیں جو اخلاق و آداب جیسی چیزوں سے بہت دور نکل گئے ہوتے ہیں۔ تم خوش نصیب ہو کہ ابھی تک تمہیں کوئی ذلیل شخص نہیں ٹکرایا۔ ورنہ اِن کم بختوں کے لیے کوئی چیز ناممکن نہیں ہے۔"

"بہر حال اس وقت تک تو مجھے یہاں رہنا پڑے گا جب تک میرے شوہر نہیں آجاتے۔" میں نے جواب دیا۔

"کب تک آئیں گے وہ؟" لڑکی نے سوال کیا اور میں مسکرا کر اس کی صورت دیکھنے لگی۔ پہلی بار گہری نگاہوں سے میں نے اُس کا جائزہ لیا تھا اور دفعتاً میری مسکراہٹ سکڑ گئی۔ میری آنکھوں نے ایک اور انکشاف کیا اور اس انکشاف پر میرا دل دھک سے رہ گیا۔ نغمہ خوبصورت تھی لیکن اُس کے حُسن میں سیاہ رنگ کے ایک تِل نے مزید اضافہ کر دیا تھا جو اس کی ٹھوڑی کے اُوپر تھا اور اس کی ٹھوڑی کا گڑھا بھی کافی خوبصورت تھا۔ یہ دونوں علامات موت کی نشانی تھیں۔ یہ لڑکی خوش نصیب ہے کہ موت کی ان علامات کے باوجود ابھی تک زندہ ہے۔ شاید۔ شاید ابھی تک وہ قاتلوں کی نگاہوں سے محفوظ ہے۔ میری اس خاموشی پر وہ کسی قدر تعجب سے مجھے دیکھنے لگی۔

"تم نے جواب نہیں دیا۔" اُس نے بالآخر مجھے ٹوک دیا۔

"ایں ہاں۔ بس بہت جلد۔"

"کیا یہ ممکن نہیں کہ تم کہیں اور قیام کرو اور یہاں سے رابطہ رکھو۔"

"میرے لیے اس قدر پریشان نہ ہو نغمہ۔ میں اِتنا تر نوالہ نہیں ہوں۔ یہ لوگ میرا بال بیکا نہیں کرسکتے۔"

"نہیں عالیہ۔ تم نہیں جانتیں۔ عورت مرد کے سہارے کے بغیر کچھ بھی نہیں ہے۔ خدا تمہارے سہارے کو سلامت رکھے۔ بڑا ضروری ہے زندگی میں یہ سب کچھ۔ جن کے سہارے نہیں ہوتے وہ بڑے بے بس ہوتے ہیں۔" نغمہ کی آنکھوں میں اُداسی چھلک آئی۔ وہ تھوڑی دیر تک کسی سوچ میں ڈوبی رہی۔ پھر ایک گہری سانس لے کر بولی "بہر حال تم سے مل کر خوشی ہوئی۔ لیکن تم کون سے کمرے میں ہو؟"

"تمہارے بالکل نزدیک۔"

"کسی کام سے تو نہیں آئیں میرے پاس؟"

"کوئی خاص کام نہیں تھا۔ بس تم مجھے پسند آئیں۔" میں نے تکلف کی دیوار گراتے ہوئے کہا۔

"وہ کیسے؟" وہ بھی مسکرا کر بولی۔

"کئی دن سے یہاں مقیم ہوں اور یہاں ہونے والے تماشے دیکھ رہی ہوں۔ اکثر یہی ہوتا ہے کہ لڑکیاں آکر بیٹھیں اور کوئی مرد اُن کے قریب آیا تو انہوں نے پذیرائی کی اور دونوں شیر و شکر ہو گئے۔ اِتنے دنوں میں کسی تھپڑ کی پہلی آواز گونجی تھی اس ہال میں۔ اس لیے عجیب لگی۔"

"اوہ۔ تو تم اس وقت وہاں موجود تھیں۔" نغمہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔" میں نے بھی اسی انداز میں جواب دیا۔

"وہ تھپڑ تمہیں پسند آیا؟"

"بے حد۔ نئی چیز تھی۔" میں نے کہا اور ہنس پڑی۔ نغمہ بھی ہنسنے لگی تھی۔ پھر اُس نے سنجیدہ ہوتے ہوئے کہا۔

"دُعا کرو میری للج رہ جائے۔ ورنہ اس تھپڑ کے عوض اِتنی ٹھوکریں کھانی پڑیں گی کہ شکل ہی بدل جائے گی۔"

"کیا مطلب؟" میں نے تعجب سے پوچھا اور وہ کسی سوچ میں ڈوب گئی۔ پھر اُس نے اچانک کہا۔

"عالیہ۔ ایک کام نہیں کرسکتیں؟"

"ہاں ہاں ضرور کہو۔"

"تمہارے کمرے میں چلیں۔ دراصل ابھی تھوڑی دیر قبل یہاں اس ہوٹل کا منیجر آیا تھا۔ بے حد خبیث آدمی ہے مجھ سے فضول تکرار کرکے گیا ہے کہیں ایسا نہ ہو وہ دوبارہ آئے اور ہماری گفتگو میں خلل انداز ہو۔"

"اُٹھو۔ آؤ۔" میں نے کہا اور وہ خوشی سے تیار ہو گئی۔ اپنے کمرے کے دروازے کو تالا لگا کر وہ میرے کمرے میں آگئی اور میں نے اُسے بڑے پیار سے بٹھایا۔ "اب یہ بتاؤ تمہارے لیے کیا منگواؤں۔"

"کچھ بھی نہیں۔ یقین کرو ضرورت نہیں محسوس ہو رہی اور پھر مقصد بھی فوت ہو جائے گا۔"

"مقصد؟" میں نے اُسے سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔

"ہاں۔ ویٹر آئے گا تو انہیں پتہ چل جائے گا کہ میں یہاں موجود ہوں۔ بڑے ہی ذلیل ہیں وہ لوگ۔"

"چلو ٹھیک ہے۔ اگر تمہارے ذہن میں یہ خیال ہے تو پھر رہنے دو۔"

"تم نے میرے الفاظ کی وضاحت چاہی تھی۔"

"ہاں۔ تم کہہ رہی تھیں کہ تمہاری لاج رہ جائے۔"

"ہاں عالیہ۔" اُس نے گہری سانس لے کر کہا۔ "میں گردن

گردن تک گناہ کی دلدل میں دھنسی ہوئی ہوں لیکن کوئی مجھے اس دلدل سے نکالنے پر آمادہ ہو گیا ہے۔ میں نہیں کہہ سکتی کہ انسان ہونے کے باوجود اُس نے فرشتوں جیسی صفات کیوں پائی ہیں۔ یا پھر۔ یا پھر ممکن ہے میری کوئی بات اس کو پسند آگئی ہو۔ اگر تمہارے پاس وقت ہو اور تم بور نہ ہو جاؤ تو میں تمہیں اپنی کہانی سُناؤں؟"

"کیسی باتیں کر رہی ہو نغمہ۔ مجھے تمہاری ذات سے بے حد دلچسپی پیدا ہو گئی ہے اور میں تمہارے بارے میں سب کچھ جاننا چاہتی ہوں۔"

"میری ایک درخواست ہے تم مجھے نغمہ کے نام سے نہ پکارو۔ مجھے اس منحوس نام سے نفرت ہے۔"

"اوہ۔ تو یہ تمہارا اصل نام نہیں ہے؟"

"نہیں۔" وہ ایک گہری سانس لے کر بولی۔

"اصل نام کیا ہے تمہارا؟"

"گُل بانو۔ میرے والدین نے یہی رکھا تھا لیکن جب میری شرافت دفن ہوئی تو یہ نام بھی اس کے ساتھ ہی دفن ہو گیا لیکن کبھی کبھی دل میں ایک ہوک سی اُٹھتی ہے۔ یہ خواہش اُبھرتی ہے کہ کوئی مجھے دوبارہ اس نام سے پکارے۔"

"تمہاری کہانی کیا ہے گُل؟" میں نے پوچھا اور اُس کی آنکھوں میں آنسو چھلک آئے۔

"میری ماں مجھے گُل کہہ کر ہی پکارتی تھیں۔ اسی شہر کی ایک چھوٹی سی بستی میں ہمارا مکان تھا۔ میرے ابّو ایک مل میں ٹائم کیپر تھے بس ایک میں تھی اور مجھ سے ایک سال چھوٹا میرا بھائی تھا۔ ماں تھیں۔ اچھی خاصی گزر رہی تھی کہ تقدیر نے رُخ بدل دیا۔ ابّو مل سے واپس آتے ہوئے بس سے گر پڑے اور اس کے پچھلے ٹائر کے نیچے آکر کچلے گئے۔ یوں ہمارے گھر سے روشنی رُخصت ہو گئی۔ بھائی بچپن ہی سے اوباش فطرت کا مالک تھا۔ نہ جانے کیوں اُسے گھر سے کوئی لگاؤ نہیں تھا۔ ابّو کی موت کے بعد ایک سال تک تو وہ ہمارے ساتھ رہا لیکن جب مل سے ابّو کی گریجویٹی کی رقم ملی تو وہ یہ رقم لے کر فرار ہو گیا اور اس کے بعد اُس نے ہماری طرف پلٹ کر نہیں دیکھا۔ ماں ان دونوں صدموں سے نڈھال ہو گئیں اور ہم فاقہ کشی کے شکار ہونے لگے۔ میری تعلیم واجبی سی تھی کوئی نوکری نہیں کرسکتی تھی پھر بھی کوشش کرنے لگی اور پھر انہیں کوششوں کے دوران ایک بار ایک وحشی کے ہتھے چڑھ گئی۔" اُس نے ایک سسکی لی اور چند لمحات کے لیے خاموش ہو گئی۔ پھر بولی۔ "ماں پہلے ہی میری طرف سے پریشان رہتی تھی۔ میں نے اُس سے کچھ نہ چھپایا۔ لیکن مجھے نہیں معلوم تھا۔ مجھے نہیں معلوم تھا۔" وہ سسکیاں لینے لگی "میری ماں اُسی رات چل بسی اور میں اس پُوری دنیا میں تنہا رہ گئی۔ زندگی کتنی بڑی مجبوری ہوتی ہے عالیہ میں نے سوچا خودکشی کر لوں زندہ رہنے سے کیا فائدہ لیکن کئی کوششوں کے باوجود ناکام رہی۔ میں خودکشی نہیں کرسکی اور حالات میری زندگی میں نئی نئی کروٹیں بدلتے رہے۔ میں نے لاکھ کوشش کی کہ کوئی مناسب سہارا تلاش کر لوں لیکن اس معاشرے میں مذہب اور سماج کے بارے میں صرف اچھے الفاظ کہے جاتے ہیں ان الفاظ کو عملی جامہ کوئی نہیں پہناتا۔ لوگوں نے مجھے حسین کہا مجھ سے ہمدردیاں کیں اور میری عارضی قربت حاصل کرنے کی کوشش کے سوا کچھ نہیں کیا۔ جب تک بھوک اور فاقوں میں گزار سکی گزارتی رہی اور جب بے بس ہو گئی تو لوگوں کی بات مان لی اور یہاں تک پہنچ گئی۔ گرین پارک مجھ جیسی۔۔۔ لڑکیوں کو ہاتھوں ہاتھ لیتا ہے یہاں کے اصول بڑے غریب پرور ہیں۔ مفت رہائش۔ مفت کھانا۔ اگر آپ کے پاس لباس نہ ہو تو اُس کی فراہمی۔ بس گاہک ملے تو اُسے خوش کر دو اور ہوٹل کو ففٹی پرسنٹ ادا کر دو۔ ہر اُلجھن اور پریشانی سے نمٹنے کے لیے یہ لوگ تیار رہتے ہیں۔"

"تم کب سے یہاں ہو؟" میں نے ایک غم آلود سانس چھوڑتے ہوئے کہا۔

"تین سال سے۔"

"مستقل یہیں قیام ہے تمہارا؟"

"نہیں۔ کبھی کبھی کہیں چلی بھی جاتی ہوں۔"

"کہاں؟"

"جہاں جی چاہے۔ کوئی پابندی نہیں ہوتی۔ کوئی شوقین اگر باہر لے جانا چاہے تو ہم لوگ چلے جاتے ہیں۔"

"ان لوگوں سے تمہارا کوئی معاہدہ ہے؟"

"نہیں۔ جو کچھ یہ میری ذات پر خرچ کر چکے ہیں وہ میں ادا کر چکی ہوں۔ لیکن گرین پارک میں میرے لیے ہر وقت جگہ موجود ہے جب چاہوں یہاں آجاؤں۔ مجھ جیسی لڑکیوں کی پذیرائی ہوتی ہے لیکن۔۔۔" وہ خاموش ہو گئی۔ میں سوالیہ انداز میں اُسے دیکھتی رہی۔

"میری تقدیر نے پھر ایک رُخ بدلا ہے میں نہیں جانتی کہ یہ تقدیر کا کوئی بدلا ہوا رُخ ہے یا ایک اور فریب۔"

"کیا بات ہے گُل۔ مجھے بتاؤ۔"

"اُس کا نام یوسف ہے اسی ہوٹل میں مجھ سے ملاقات ہوئی تھی۔ منیجر نے مجھے حکم دیا تھا کہ میں سیٹھ امجد کے گھر چلی جاؤں ۔۔۔ نے مجھے طلب کیا ہے۔ میری کچھ طبیعت خراب تھی میں نے

انکار کر دیا تو منیجر تلخ ہو گیا۔ اُس نے کچھ سخت باتیں کہیں اور میں غصے میں یہاں سے اُٹھ گئی۔ میں باہر نکلی تو وہ میرے پیچھے ہی پہنچ گیا اور اُس نے مجھے عقب سے آواز دی۔

لمبے اُونچے قد و قامت اور پُر وقار چہرے نے مجھے متاثر کیا تھا

"میں اس بدتمیزی کی معافی چاہتا ہوں" اُس نے پاٹ دار آواز میں کہا "لیکن کچھ ایسے الفاظ میرے کانوں میں پڑے ہیں کہ میں اگر آپ سے اُن کی وضاحت نہ کر سکا تو بے چین رہوں گا۔"

"فرمایئے؟"

"کیا آپ کسی دوسرے ہوٹل میں میرے ساتھ ایک کپ چائے پینا پسند کریں گی؟" اُس نے کہا۔

"میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔"

"میں کوشش کروں گا کہ آپ کی طبع نازک پر گراں نہ ثابت ہوں۔"

"مجھ سے ایسے الفاظ نہ کہو۔ میں ایک نچلے درجے کی عورت ہوں شاید تم اندازہ نہیں کر سکے کہ میں یہاں ایک کال گرل کی حیثیت سے رہتی ہوں" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔

"آپ کے یہ الفاظ کہتے ہیں کہ آپ نچلے درجے کی خاتون نہیں ہیں۔" اُس نے کہا اور میں ہنس پڑی۔

"خوب ہو تم لوگ اپنی مقصد براری کے لیے گھٹیا سے گھٹیا شئے کو آسمان پر رکھ دیتے ہو۔ وعدہ کرو کہ مجھ سے ایسی ہی مہذب گفتگو کرو گے تو میں تمہارے ساتھ چلتی ہوں۔ آج میں بھٹکنے کے موڈ میں ہوں۔ آج میں خوبصورت الفاظ کے سہارے اپنی اوقات بھولنا چاہتی ہوں سُنو۔ اگر تم نے مجھے انہیں الفاظ سے نوازا تو میری کوئی قیمت نہیں ہو گی تمہارے لیے مُفت ہوں میں بالکل مفت۔"

اُس نے کوئی جواب نہیں دیا اور ایک خوبصورت کار کی طرف بڑھ گیا۔ اتنی لمبی اتنی خوبصورت کار تھی کہ میں اُسے دیکھتی رہ گئی۔ لیکن میں نے اس پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ آج میں اپنی اوقات بھول گئی تھی۔ میں بڑے ٹھسے سے اُس کے ساتھ بیٹھ گئی اور اُس نے کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔

"کیا نام ہے آپ کا؟" اُس نے پوچھا۔

"نغمہ۔" میں نے جواب دیا۔

"غلط۔" وہ بولا۔

"کیا مطلب؟" میں نے گردن گھما کر اسے دیکھا گھنی مونچھیں بے حد شاندار لگ رہی تھیں۔ وہ سامنے ہی دیکھ رہا تھا۔

"مجھے تو آپ مجسم نوحہ لگتی ہیں۔ اپنی ذلت اپنے ماحول کا نوحہ"

"فضول بات ہے۔"

"میرے نزدیک ایک حقیقت۔"

"تمہارا کیا نام ہے؟"

"یوسف۔"

"سیٹھ یوسف؟" میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا اور وہ بھی مسکرا

"نہیں صرف یوسف۔"

"انکساری سے کام لے رہے ہو۔"

"کیوں؟"

"کتنی ملیں کوٹھیاں فیکٹریاں اور جائداد ہے۔ مجھے بتانے میں کوئی نقصان نہیں ہے کیوں کہ میں وعدہ کر چکی ہوں۔"

"کیسا وعدہ؟" اُس نے پوچھا۔

"یہی کہ خوبصورت باتیں کرو میں تم سے ایک پائی بھی طلب نہیں کروں گی۔"

"میں تمہیں کچھ دُوں گا بھی نہیں کیوں کہ انسان کی کوئی قیمت نہیں ہوتی۔"

"واہ۔ کیا عمدہ بات کہی ہے۔ تمہاری یہ کار بڑی خوبصورت ہے سیٹھ یوسف۔" میں نے اُس کا مذاق اُڑاتے ہوئے کہا اور اس نے ایک ریستوران کے احاطے میں کار موڑ دی پھر انجن بند کر کے نیچے اُتر گیا۔

"آؤ۔" اُس نے گمبھیر آواز میں کہا اور میں نیچے اُتر گئی۔ وہ مجھے لیے ہوئے ریستوران میں داخل ہو گیا اور پھر ہم دونوں کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ "جی مس نغمہ۔ کیا میں نے نوحہ والی بات غلط کہی؟"

"ہاں۔"

"لیکن میرا خیال ہے میرے اندازے غلط نہیں ہوتے۔ آپ اس ماحول کو نہیں اپنا سکیں جو آپ پر مسلط ہے۔"

"یہ حال تو ہم سب کا ہے۔ ہم سب ہی اپنے ماحول سے باغی ہیں۔"

"معاف کیجیے گا آپ کا ماحول خاصا گھناؤنا ہے اور اس سے بغاوت ضروری ہے۔"

"شاید۔ لیکن میری بغاوت وقتی ہے۔ شاید صرف آج کل میں ٹھیک ہو جاؤں گی۔" میں نے کہا۔

"یہ ممکن نہیں ہے کہ آپ ٹھیک نہ ہوں۔"

"بڑی احمقانہ بات ہے۔"

"کیوں؟"

"انسان جو خواب دیکھتا ہے وہ حقیقت تو نہیں بن جاتا صبح ہو جاتی ہے۔ آنکھ کھل جاتی ہے۔"

"اور اگر آنکھ ہی نہ کھلے؟"

"میں نے خودکشی کی کئی کوششیں کی ہیں لیکن بزدل ہوں کامیاب نہ ہو سکی۔"

"ایک اور کوشش کر سکتی ہیں؟"

"کیا مطلب؟" میں نے تعجب سے پوچھا۔

"ایک کوشش میرے لیے۔"

"میں سمجھنا چاہتی ہوں یوسف صاحب۔"

"میں چاہتا ہوں تمہیں اس ماحول سے دائمی نجات مل جائے۔"

"تم صاحبِ ثروت ہو۔ ایسا کر سکتے ہو۔ مجھے داشتہ بنا کر رکھنا چاہتے ہو؟"

"نہیں۔"

"پھر؟"

"بیوی بنا کر۔" اُس نے جواب دیا اور میں ہنس پڑی۔

"شاید تمہاری بھی طبیعت خراب ہے یا پھر زیادہ پی گئے ہو پراگندہ سنگھادُر۔"

"زندگی میں مجھے کبھی کسی عورت نے متاثر نہیں کیا۔ عورت کے بارے میں میرا نظریہ بھی ذرا مختلف ہے۔ میں نے کبھی کسی عورت کا قرب نہیں حاصل کیا۔ ابھی میں زندگی کی تعمیر میں مصروف ہوں۔ لیکن مس نغمہ۔ میرے ذہن میں عورت کا ایک تصور ضرور ہے۔ تمہاری ٹھوڑی کا یہ تل یہ گڑھا بچپن سے میری کمزوری ہے۔ میں میں نے ہمیشہ خواب میں یہ دونوں چیزیں دیکھی ہیں۔ تم ان خوابوں کی تکمیل کی ہو۔ میں تمہارے بارے میں سب کچھ جاننا چاہتا ہوں نغمہ۔" اُس کی آواز میں ایک جذباتی کیفیت تھی۔ میرا دل دھڑکنے لگا۔ میری ذہنی کیفیت بدلنے لگی۔ میری آنکھوں سے آنسو اُبل پڑے۔

"یوسف۔ تم مجھے خودکشی پر آمادہ کر رہے ہو۔ دیکھو خدا کے لیے میری جان نہ لو۔ ہر ذی رُوح کی طرح میں بھی مرنا نہیں چاہتی۔ میں بھی زندہ رہنا چاہتی ہوں۔ مجھے ایسے خواب نہ دکھاؤ کہ میں پاگل ہو کر مر جاؤں۔"

"زندگی کے بارے میں تمہارا کیا نظریہ ہے نغمہ؟"

"میں نہیں سمجھی۔" میں نے روتے ہوئے کہا۔

"یہ سب کچھ جو تم دیکھ رہی ہو۔ میرا نہیں ہے۔ میں نے تم سے کہا ہے کہ میں زندگی کی تعمیر میں مصروف ہوں۔ میں ایک معمولی سا آدمی ہوں۔ نوکری کرتا ہوں کبھی کبھی خود کو دھوکا دینے کے لیے ہی ایسے مقام پر جا نکلتا ہوں جو میری حیثیت سے بلند ہو جیسے گرین پارک..."

"کیا یہ سچ ہے یوسف؟"

"ہاں ایک ٹھوس حقیقت۔"

"اور میرے بارے میں تم جو کچھ کہہ رہے ہو۔"

"وہ بھی ایک حقیقت ہے۔"

"تم مجھے اپنا سکتے ہو؟"

"خلوصِ دل سے۔"

"آہ یوسف میں مر گئی۔ یقین کرو اب میں بہ آسانی مر جاؤں گی۔ اگر تم نے اپنے وعدے کا ایفا نہ کیا تو میں مر جاؤں گی۔ مسٹر یوسف میری مکمل زندگی ایک زخم کی مانند ہے۔ میں نے اُسے اپنی کہانی سُنائی اور وہ خود بھی آبدیدہ ہو گیا۔" پھر اُس نے کہا۔

"تمہاری مختصر سی گفتگو سے میں نے یہی اندازہ لگایا تھا نغمہ اس گفتگو سے جو تم شاید گرین پارک کے منیجر سے کر رہی تھیں میں نے تمہارے الفاظ میں تمہارے اندر کی عورت کی سسکیاں سُنی تھیں نغمہ اور انہیں سسکیوں نے مجھے تمہاری طرف متوجہ کیا تھا۔ میں تمہیں اپنانے کے لیے تیار ہوں نغمہ۔ لیکن۔"

"لیکن کیا یوسف؟"

"میں ابھی نامکمل ہوں۔ میں پڑھا لکھا انسان ہوں لیکن زندگی میں ابھی وہ مقام نہیں حاصل کر سکا جس کا طلبگار ہوں۔ میں نے مکمل تیاریاں کر لی ہیں نغمہ کہ میں مشرقِ وسطیٰ نکل جاؤں۔ وہاں جا کر میں دولت کماؤں گا اور اس کے بعد... بولو نغمہ تم میرے ساتھ چلو گی؟"

"کہاں؟" میں نے پوچھا۔ اور جواب میں اُس نے ایک مُلک کا نام لیا۔

"کون سے مُلک کا؟" میں نے بے اختیار نغمہ سے پوچھا اور نغمہ نے جس مُلک کا نام بتایا۔ اُسے سُن کر میرا سر چکرا گیا۔ یہ اُسی جگہ کا نام تھا جو گرین بیگ کے سلسلے میں استعمال کی جاتی تھی۔ سیاہ تل۔ ٹھوڑی کا گڑھا۔ مشرقِ وسطیٰ کے اِس مُلک کا نام۔ یہ سب کیا ہے یہ سب۔ میرا دماغ گھومنے لگا۔ کیا گل بانو بھی کسی سازش کا شکار ہو رہی ہے کسی دُوسرے انداز میں۔ میں نے ابھی چند ساعت قبل اس کے چہرے کا جائزہ لیا تھا۔ وہی چہرہ جو نا تموں کے معیار پر پورا اُترتا تھا اور اب اس مُلک کا نام بھی۔ آہ یہ لڑکی بھی ایک بھیانک موت کی جانب بڑھ رہی ہے۔ اُس خوفناک ٹولے کے کسی آلۂ کار کے ہاتھ لگ گئی ہے جو اِس شکل و صُورت کی لڑکیوں کو وَرغلا رہا ہے...

نغمہ کہہ رہی تھی... "میں نے اس سے وعدہ کر لیا عالیہ میں نے

اُس سے کہا کہ مجھے زندگی میں کسی شئے کی طلب نہیں ہے میں سخت غربت کے عالم میں زندگی بسر کر لوں گی۔ میں فاقہ کشی کے لیے تیار ہوں۔ اگر مجھے کسی کا سہارا مل جائے۔ میں خود کو ایک شریف عورت کہلانے کے لیے یہ قربانی دینے کو تیار ہوں۔ لیکن کیا وہ بھی اپنا وعدہ یاد رکھے گا۔" تب اُس نے جواب دیا۔

"میں ایک غریب انسان ہوں نغمہ۔ میں شراب نہیں پیتا کہ صبح کو نشہ اُتر جانے کے بعد رات کی بات بھول جاؤں۔ میں تمہیں سہارا دوں گا۔ میرے کاغذات مکمل ہو چکے ہیں لیکن میں ابھی نہیں جاؤں گا۔ میں تمہیں بھی اپنے ساتھ لے کر جاؤں گا" اور پھر عالیہ۔ وہ مجھے یہاں واپس چھوڑ گیا۔ دوسرے دن آیا اور مجھے اپنے ساتھ لے گیا۔ اُس نے اپنی جمع شدہ رقم میں سے کچھ رقم نکلوالی تھی۔ میں ایک ہفتہ اُس کے ساتھ ایک ہوٹل میں رہی لیکن اُس نے کبھی میری طرف میلی نگاہ نہیں ڈالی۔ وہ مجھے اپنی امانت سمجھتا ہے جسے وہ مذہب کے اصولوں کے مطابق اپنائے گا۔ اُس نے میری تصاویر حاصل کیں۔ میرے لیے کاغذات تیار کرائے۔ میرا پاسپورٹ بن چکا ہے۔ اُسے میرے اخراجات پورے کرنے کے لیے رقم درکار ہے جس کے لیے وہ محنت کر رہا ہے اُس نے مجھ سے کہا ہے کہ میں گرین پارک میں ہی قیام کروں۔ وہ یہاں کے سارے اخراجات ادا کر دے گا اس لیے میں دوبارہ یہاں آگئی ہوں اور اب۔ اب میں اُس کی امانت ہوں۔ اس لیے۔ اس لیے۔" گُل یا نغمہ خاموش ہو گئی۔ میں عجیب سی نگاہوں سے اُسے دیکھ رہی تھی میں اندازہ لگا چکی تھی کہ معصوم لڑکی پھر ایک جال میں پھنس رہی ہے اس کے آشنہ خواب کبھی پورے نہ ہوں گے۔ وہ زندگی کے ایک اور بھنور میں پھنس چکی ہے لیکن لاکھ کوشش کے باوجود میں اُس سے یہ بات نہ کہہ سکی۔ مجھے ایک اور موت پسند نہیں تھی۔ کافی دیر کے بعد میں نے اُس سے پوچھا۔

"لیکن تم نے دوبارہ گرین پارک میں [illegible] پسند کیا؟"

"اس لیے عالیہ کہ میں یہاں خود کو [illegible] رہ سکتی ہوں۔ یہ جگہ میری جانی پہچانی ہے اور پھر ایک [illegible] بھی ہے۔"

"وہ کیا؟"

"یہاں مجھے فوری اخراجات بھی در[illegible] نہیں ہوں گے... یہاں میری ساکھ ہے۔ یہ لوگ اس [illegible] انتظار کر سکتے ہیں۔ جب تک یوسف اپنا مقصد پورا نہ کرے۔ پھر وہ ان کی ادائیگیاں کر دے گا۔"

"لیکن یہ ناخوشگوار [illegible]"

"ہاں میں اور [illegible] تھی میں یہ برداشت نہیں کر سک

تھی کہ اب بھی مجھے فاحشہ سمجھا جائے۔"

"وہ شخص تمہارا واقف کار تھا؟"

"کون؟"

"وہی سیاہ رُو جس کے تم نے تھپڑ مارا تھا۔"

"ہاں۔ اس سے قبل میں کئی بار اُس کی ہوس کا شکار ہو چکی ہوں۔ اس وقت بھی وہ مجھ سے ساتھ چلنے کے لیے کہہ ر

"تم نے کیا جواب دیا؟"

"بس ان دنوں میں بہت جذباتی ہو رہی ہوں۔ میں نے اُس سے کہا کہ میں اس کے ساتھ نہیں جا سکتی کیونکہ اب میں [illegible] میں کچھ تبدیلیاں لا رہی ہوں۔ وہ اس بات پر میرا مذاق اڑ[illegible] لگا۔ بولا کیسی تبدیلیاں۔ میں نے کہا کہ میں شادی کر رہی ہوں پر اُس نے خیال ظاہر کیا کہ شاید میں نے شراب پی لی ہے حا[illegible] اس سے قبل میں نے کبھی نہیں پی۔ میں اسے شرافت سے سم[illegible] کی کوشش کرنے لگی جس پر اُس نے کہا کہ اس رُوئے زمین [illegible] کوئی اتنا بے وقوف نہیں ہے کہ مجھ جیسی فاحشہ سے شادی [illegible] میں اس دھوکے میں نہ آؤں جس پر میں برداشت نہیں کر [illegible] اور میں نے اُس کے تھپڑ مار دیا۔"

"ہوں۔ کیا وہ کوئی خطرناک آدمی ہے؟"

"عالیہ۔ انسان جس قدر بُرائیاں اپناتا جاتا ہے بزدل [illegible] ہے یہ میرا تجربہ ہے اور پھر میں ایک بُری لڑکی کی حیثیت [illegible] کے سامنے ہوں۔ اس لیے وہ مجھ سے ٹکرانے کی کوشش نہیں کر[illegible]"

"خدا کرے ایسا ہی ہو۔" میں نے گہری سانس لے کر [illegible]

"ہر بُرا آدمی صرف کسی شریف لڑکی کے لیے بُرا ہو[illegible] مجھ جیسی لڑکی کا وہ کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔"

"مینیجر کیسا آدمی ہے؟"

"اس کے خون میں بھی حرام کی کمائی شامل ہے۔ ہم جیسی لڑکیوں سے خوف زدہ رہتے ہیں۔ وہ میرے خلاف قدم نہیں اُٹھا سکتا۔"

"تم بہت مطمئن ہو۔"

"ہاں کافی حد تک۔"

"یوسف کہاں رہتا ہے؟"

"جہاں وہ ملازم ہے۔" گُل نے جواب دیا۔

"کہاں ملازم ہے؟"

"میں نے یہ کبھی نہیں پوچھا۔"

"اُس نے بھی نہیں بتایا؟"

"اس کی ضرورت ہی نہیں پیش آئی۔ تم یہاں کب تک رہو گی عالیہ؟"

"جب تک میرا شوہر نہ آجائے۔"

"اگر اس دوران یوسف آیا تو میں تم سے ضرور ملاؤں گی۔" گُل نے کہا۔ اُس کی آنکھوں میں آس کے چراغ روشن ہو گئے اور مجھے اُس کی آنکھوں کی یہ جوت دیکھ کر رونا آنے لگا۔ جو کچھ میرے ذہن میں تھا وہ بھیانک تھا۔ اگر میں اس کا اظہار کر دیتی تو نغمہ کا کیا حشر ہوتا۔ میں نے یہی فیصلہ کیا کہ اس سلسلہ میں بالکل خاموش رہوں اور اس شخص کو چیک کروں۔

خاصی رات ہو چکی تھی۔ ہم دونوں اس گفتگو کے دوران کافی بے تکلف ہو گئی تھیں۔ تب گُل نے کہا۔

"عالیہ۔ ایک بات کہوں؟"

"کہو۔"

"اگر تم اجازت دو۔ اگر تمہیں کوئی تکلیف نہ ہو تو رات کو میں تمہارے کمرے میں سو جاؤں؟"

"شوق سے۔ اس میں سوچنے کی کیا بات ہے۔"

"سچ عالیہ۔ خلوص دل سے کہہ رہی ہو؟"

"پورے خلوص سے۔"

"تب میں اپنا شب خوابی کا لباس لے آؤں۔ اس کے بعد باتیں کریں گے۔" اس نے کہا اور میں نے اجازت دے دی۔ رات کے کھانے سے ہم دونوں فارغ ہو چکی تھیں اور کسی چیز کی ضرورت محسوس نہیں کی چنانچہ لباس بدل کر وہ میرے بستر میں آگھسی۔ میں خود بھی اس کے لیے دل میں ہمدردی محسوس کر رہی تھی۔ یہ بھی معاشرے کی پامال شدہ مخلوق تھی۔ میں اس جیسی کئی لڑکیوں کا حشر دیکھ چکی تھی اس لیے مجھے اس پر پیار آ رہا تھا۔ کاش میں اس کی حفاظت کر سکوں۔ میرے بستر پر لیٹے ہوئے اُس نے کہا۔

"عالیہ۔ شوہر کیسا ہوتا ہے؟"

"کیا مطلب؟"

"تم تو شادی شدہ ہو۔ شادی کے بارے میں تمہارا کیا تجربہ ہے؟" اُس نے کہا۔ دل ہی دل میں مجھے کافی ہنسی آئی تھی لیکن میں نے ضبط کیا۔ میں ابھی اس پر اپنا جھوٹ نہیں کھول سکتی تھی۔ چنانچہ میں نے کہا۔

"اس دُنیا کی ساری آبادی شادی کرتی ہے اور مطمئن اور مسرور رہتی ہے۔"

"میں ساری آبادی کی بات نہیں کر رہی۔ تمہاری بات کر رہی ہوں۔ تم مجھے اپنا تجربہ بتاؤ۔"

"انسانوں کی مختلف اقسام ہوتی ہیں گُل مردوں کا بھی ایک ہی ریوڑ ہے۔ ان میں کچھ اچھے ہوتے ہیں کچھ خراب۔"

"تمہارے شوہر کا کیا نام ہے؟" اچانک گُل نے سوال کیا اور میں ایک لمحے کے لیے چکرا گئی۔ کیا نام لوں... بہر حال اُسے مطمئن تو کرنا ہی تھا۔ چنانچہ جو پہلا نام میرے ذہن میں آیا لے دیا۔

"ثاقب۔" اور گُل مجھے دیکھنے لگی پھر بولی۔

"کیسے انسان ہیں؟"

"بہت اچھے۔ بہت نیک فطرت۔"

"تم سے بہت محبت کرتے ہوں گے۔"

"ہاں۔"

"اچھا یہ بتاؤ اُن کے محبت کرنے کا انداز کیا ہے۔ میں ہر رات بدلنے والے شوہروں اور ان شوہروں میں تضاد تلاش کرنا چاہتی ہوں"

"اس سلسلہ میں ذاتی تجربہ ہی بہتر ہوتا ہے گُل کبھی کسی دوسرے کے تجربات پر بھروسہ نہیں کرنا چاہیے۔" میں نے جواب دیا اور وہ پُرخیال انداز میں مجھے دیکھتی رہی۔ پھر گردن ہلا کر بولی۔

"ہاں یہ بھی ٹھیک ہے ہر شخص کی عادات مختلف ہوتی ہیں نہ جانے یوسف شوہر کی حیثیت سے کیسے ثابت ہوں۔ عام حالات میں تو وہ بہت اچھے انسان ہیں۔ نہایت حلیم الطبع اور محبت کرنے والے۔ ہمیشہ نرم لہجے میں گفتگو کرتے ہیں اور شکل و صورت سے تو وہ کوئی معمولی انسان لگتے ہی نہیں۔ اگر انہیں دولت مل جائے تو ہمیشہ کے بڑے آدمی لگیں گے۔" وہ نہ جانے یوسف کے بارے میں کیا کیا کہتی رہی لیکن میرے ذہن میں اُس کی ٹھوڑی کا تل، نازک سا گڑھا اور مشرق وسطیٰ کا وہ ملک کھٹک رہا تھا جو اس جیسی کئی لڑکیوں کی جان لے چکا تھا۔ معصوم گُل بھی کہیں زندگی کے کسی بھیانک موڑ کی طرف نہ بڑھ رہی ہو۔

اُس کی آواز نیند میں ڈوبتی چلی گئی اور پھر یہ آواز تیز تیز سانسوں میں تبدیل ہو گئی۔ میں اس کے سونے کے بعد بھی دیر تک جاگتی رہی تھی۔ چونکہ آدھی رات کے قریب سوئی تھی اس لیے صبح بھی جلدی آنکھ نہیں کھلی۔ اُس وقت آنکھ کھلی جب کسی نے پاؤں پکڑ کر ہلایا۔ آنکھیں کھول کر دیکھا تو گُل تھی۔ شاید وہ غسل کر کے لباس بدل چکی تھی۔

لیکن اُس کی صورت دیکھ کر میں چونک پڑی۔ گُل کی آنکھوں میں شدید غصّہ تھا اور آنسو بہہ رہے تھے۔ "ارے تم..." میں ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھی تب میری نگاہ عقب میں دروازے کی طرف اُٹھ گئی۔

میں دو آدمی کھڑے ہوئے تھے جن میں ایک مینجر تھا۔ میں نے جلدی سے نزدیک پڑا ہوا گون اُٹھا کر بدن سے لپیٹ لیا۔

"کیا بات ہے۔ یہ لوگ کیوں آئے ہیں؟"

"اِنہیں سے پوچھو۔" گل روتی ہوئی بولی۔

"کوئی خاص بات نہیں ہے خاتون۔ تھوڑی سی معلومات حاصل کرنی تھیں۔"

"وہ کیا؟"

"مِس نغمہ رات کہاں تھیں؟"

"میرے پاس۔ ہم دونوں ساتھ ہی سوئی تھیں۔"

"کیا آپ دونوں پہلے سے ایک دوسرے کی شناسا ہیں؟" مینجر نے پوچھا۔

"یہ سوال آپ کیوں کر رہے ہیں مینجر صاحب؟" میں نے پیار بھرے انداز میں کہا اور مینجر چونک کر مجھے دیکھنے لگا۔

"براہِ کرم جواب دیں۔"

"براہِ کرم یہاں سے دفعان ہو جائیں۔ ورنہ میں آپ کا حُلیہ بگاڑ دوں گی۔" میں مسہری سے نیچے اُتر آئی پھر میں نے نیچے پڑا ہوا جُوتا اُٹھا لیا۔ مینجر ایک قدم پیچھے ہٹ گیا تھا۔ پھر اُس نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"ہوش کے ناخن لو لڑکی۔ میں اس ہوٹل کا مینجر ہی نہیں مالک بھی ہوں۔"

"اوہ۔ بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔ کیا نام ہے آپ کا؟" میں نے ہاتھ میں پکڑا ہوا جوتا مصافحے کے انداز میں آگے بڑھا دیا۔ مینجر کا چہرہ غصے سے سُرخ ہو گیا تھا۔

"تم... تم دونوں... تم دونوں فوراً ہوٹل خالی کر دو ورنہ۔ ورنہ"

"اس کے لیے تمہیں ہوٹل بند کرنا ہو گا مینجر۔ یہ قانون ہے۔"

"میں تمہیں سارا قانون اچھی طرح سکھا دوں گا۔ تم لوگ۔ تم لوگ..." مینجر کے مُنہ سے جھاگ اُڑنے لگی۔ وہ شدید غصے کے عالم میں تھا۔

"مجھے بڑی خوشی ہو گی۔ براہِ کرم تم مجھے قانون سکھا دو..." میں نے کہا۔ سو کر اُٹھی تھی اس لیے دماغ پوری طرح کنٹرول میں نہیں تھا اور اس کی بجو اس سے چڑ گئی تھی۔ تب مینجر کے عقب میں کھڑا سپروائزر آگے بڑھ آیا۔

"آپ ہمارے مالک سے بدتمیزی کر رہی ہیں خاتون۔ ہم آپ کا سامان اُٹھا کر باہر پھینک سکتے ہیں۔"

"اگر تم ایسا کر سکتے ہو تو ضرور کرو لیکن اس کے بعد یہ ہوٹل کھلا نہیں رہ سکے گا۔ اور تم لوگ..... تم لوگ کہاں ہو گے اس کا اندازہ بھی تمہارے لیے مشکل ہے۔"

"سُنو لڑکی۔ تم جو کچھ کہہ رہی ہو کبھی نہ کر سکو گی۔ میری طرف سے اجازت ہے کہ اگر تم ایسا کر سکو تو ضرور کرنا۔ باقی رہی بات نغمہ کی تو یہ ہوٹل کی ملازم نہیں ہے لیکن اس کا ہوٹل سے معاہدہ ہے۔ یہ اکثر یہاں رہتی ہے اور ہوٹل کے مفادات کے لیے کام کرتی ہے لیکن اس بار یہ یہاں ایک گاہک کی حیثیت سے ٹھہری ہے اور گاہکوں کے لیے ہوٹل کا قانون ہے کہ اُنہیں پیشگی ادائیگی کرنی ہوتی ہے۔ ہم نے اس سے زیادہ اس سے اور کچھ نہیں کہا۔"

"تو اوقات پر آؤ مینجر۔ اوقات سے بڑھ کر بات کیوں کرتے ہو۔ کیا رقم بنتی ہے ہوٹل کے اخراجات کی؟"

"اب تک اٹھارہ سو روپے مزید قیام کے لیے دو سو روپے روزانہ۔" مینجر نے تیکھی نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا اور میں نے اس کی بات پوری ہونے سے قبل پرس اٹھا لیا۔ اس میں سے پانچ ہزار روپے نکال کر سپروائزر کے مُنہ پر مار دیے۔

"فی الحال یہ پانچ ہزار رکھ لو جس وقت پورے ہو جائیں اور لے جانا۔" سپروائزر نے مینجر کی طرف دیکھا اور مینجر نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے آ جاؤ۔" اور دونوں باہر نکل گئے۔ مینجر کے چہرے پر ایک معنی خیز سی کیفیت پیدا ہو گئی تھی جسے میں نے اچھی طرح محسوس کر لیا۔ نہ جانے وہ ذہن میں کیا پلان لے کر گیا۔

"کمینہ۔ ذلیل کہیں کا۔ اس نے اصل سے کہیں زیادہ رقم وصول کی ہے۔ مجھے... مجھے بہت افسوس ہے۔" گل نے بسورتے ہوئے کہا۔

"اونہہ۔ لعنت بھیجو گل۔ بُرائیوں پر چلنا بے حد آسان ہے نیکیوں کی راہ میں ہمیشہ مشکلات آتی ہیں۔ تمہیں استقامت سے کام لینا ہو گا۔" گل میرے سینے سے لگ کر رونے لگی۔

"تم نے عالیہ۔ تم نے میرے اوپر بہت بڑا احسان کیا ہے تم نے میرے لیے... مگر اب میں یہاں نہیں رہوں گی۔ میں کہیں"

"ہم دونوں یہیں رہیں گی گل۔ تم بے فکر رہو۔ رہی بات مینجر کی تو اُس نے مجھے ایک چیلنج کیا ہے۔ میں اس کا چیلنج قبول کرتی ہوں۔"

"چیلنج؟"

"ہاں۔ اُس نے تمہارے سامنے کہا تھا کہ مجھے اس ہوٹل کو بند کرانے کی اجازت ہے۔ یہ ہوٹل بند ہو جائے گا اور ان سب کو

گرفتار ہونا پڑے گا۔ تم اگر پسند کرو تو مجھے اس ہوٹل کے سرپرستوں کے بارے میں کچھ بتاؤ۔"

"ایک ایک کم بخت کا نام بتاؤں گی۔ میں ان تمام موذوں سے واقف ہوں۔" گل نے جواب دیا۔

"میں ذرا باتھ رُوم ہو آؤں۔ ناشتہ کہیں اور کریں گے۔ یا تم ایسا کرو ناشتہ منگوا لو میں ابھی آتی ہوں۔" باتھ رُوم سے فراغت حاصل کر کے میں گل کے پاس آ بیٹھی۔ "ہاں اب بتاؤ یہ دونوں کیا بکواس کر رہے تھے؟"

"تم سو رہی تھیں میں اُٹھ کر اپنے کمرے میں گئی تاکہ لباس وغیرہ بدل لوں۔ ابھی لباس وغیرہ پہن کر تیار ہی ہوئی تھی کہ یہ دونوں آ گئے۔ مینجر نے مجھ سے پوچھا کہ میں رات کہاں تھی۔ اس لعین کا خیال تھا کہ میں نے کوئی کاروباری رات گزاری ہے اور وہ اپنا حصہ مانگ رہا تھا۔ میں نے سختی سے تردید کی تو وہ کہنے لگا کہ میں ہوٹل کے واجبات ادا کر کے یہاں سے نکل جاؤں۔ تب میں نے مجبوراً تمہارے بارے میں بتایا۔"

"ہوں۔ ٹھیک ہے تم اب اِن سارے معاملات سے بے فکر ہو جاؤ۔ ہاں ایک بات اور بتاؤ۔ کیا یُوسف نے تمہیں ایسا کوئی پتا نہیں دیا جس پر تم اُس سے رابطہ قائم کر سکو؟"

"نہیں میں نے اُس سے مانگا ہی نہیں۔"

"یہ تعجب خیز بات ہے۔ حالانکہ تمہیں ایسا کرنا چاہیے تھا۔"

"ہاں۔ اب یہ احساس ہو رہا ہے۔"

"خیر تم اُس کا انتظار کرو۔ اُسے تمہارا رُوم نمبر معلوم ہے؟"

"ہاں۔"

"او کے گُل۔ بے فکر ہو جاؤ۔ میں ان سب سے نمٹ لوں گی۔ تمہارا کیس اب میرے ہاتھ میں ہے اور ہاں یوسف آ جائے تو تم ایک کام اور کرنا۔ اُس سے کہہ دینا کہ تمہیں کسی اور ہوٹل میں منتقل کر دے۔"

"اور تم عالیہ؟"

"میں فی الحال یہاں رہوں گی یا پھر دیکھوں گی اگر میرا رابطہ اپنے شوہر سے قائم ہو جاتا ہے تو پھر میں بھی یہاں سے چلی جاؤں گی تم بے فکر ہو جاؤ۔ میں کہہ چکی ہوں کہ اب تمہارے سارے معاملات میرے پاس ہیں۔" میں نے پُرخیال انداز میں کہا۔ اتنی جلدی میں نے ابھی کوئی فیصلہ نہیں کر پائی تھی۔ دفعتاً میں نے اُس سے پوچھا۔

"یُوسف کا حلیہ کیا ہے گُل؟"

"لانبا قد ہے بھرا بھرا جسم۔ چہرے پر بھوری شاندار مونچھیں ہیں۔ وجیہہ شخصیت کا مالک ہے۔"

"ٹھیک ہے اب یُوں کرو تم اس کمرے میں یا اپنے کمرے میں آرام کرو۔ میں ذرا اپنے کام سے جاؤں گی۔"

"اپنے کام سے؟"

"ہاں میں تمہیں بتا چکی ہوں کہ میں یہاں کاروباری طور پر آئی ہوں اور اپنے شوہر کی ہدایت پر یہاں اپنے کاروبار کے سلسلہ میں کام کر رہی ہوں۔ چند لوگوں سے آج کی ملاقات طے ہے اُن سے مل کر واپس آ جاؤں گی۔ بے فکر رہو۔ دوپہر کا کھانا تمہارے ساتھ ہی کھاؤں گی۔"

"ٹھیک ہے عالیہ۔ ناشتے کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"اوہ کیا تم نے ناشتے کے لیے کہہ دیا ہے؟"

"ہاں۔"

"تب ٹھیک ہے ناشتہ کر کے نکلوں گی یہاں سے۔" میں نے کہا۔ گُل عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ چند ساعت وہ خیالات میں ڈوبی رہی پھر گل کی طرف دیکھ کر میرے ہونٹوں پر مُسکراہٹ پھیل گئی۔ "کیوں اب کیا سوچ رہی ہیں گُل خاتون؟"

"آپ اپنے شوہر کے کاروبار کے لیے باہر جا رہی ہیں۔ کتنا اعتماد کرتے ہیں وہ آپ پر۔ کتنی خوشگوار زندگی ہے آپ دونوں کی۔"

میں نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ سچی بات یہ ہے کہ مجھے اس کی اُن حسرتوں پر مزید رنج ہوتا تھا۔ ناشتے کے بعد میں گُل سے اجازت لے کر وہاں سے باہر نکل آئی۔ تھوڑی دیر پیدل چلتی رہی اور پھر ایک ٹیکسی روک کر اس میں بیٹھ گئی۔ ڈرائیور کو میں نے ایک پتا بتا دیا تھا۔ یہاں سے میں پوائنٹ تھری پہنچ سکتی تھی۔ درحقیقت ابھی تک میں اس سلسلہ میں کوئی بہتر فیصلہ نہیں کر پائی تھی۔ اتفاقیہ طور پر ہی گرین پارک کا رُخ کیا تھا اور اپنے وطن کی پاک سرزمین کا ایک ناسُور میرے علم میں آ گیا تھا... نہ جانے گرین پارک جیسے کتنے گندے اڈے یہاں موجود ہیں اور نہ جانے کتنی معصوم رُوحیں اس دُنیا میں آنے کی سزا بھگت رہی ہوں۔ میری دلی خواہش تھی۔ اپنی مادرِ وطن کے بدن سے ایسے تمام ناسُور مٹا دوں اسے دُھلا دُھلا کر ایک پاک صاف رُوپ دے دوں۔ کم بخت مینجر نے کس ڈھٹائی سے کہا تھا کہ جو کچھ میں کر رہی ہوں وہ کرنے کے لیے آزاد ہوں۔ حالانکہ دل نہیں چاہتا تھا کہ ایک کیس کے درمیان میں کوئی دوسری بات سوچوں۔ کہیں ایک سلسلے میں اُلجھ کر دوسرے میں ناکام نہ ہو جاؤں۔ لیکن یہ بات میری اَنا کے لیے چیلنج تھی اس لیے میں اس کے بارے میں بھی جذباتی ہو کر

سوچ رہی تھی۔

"اب کہاں چلوں بی بی؟" ٹیکسی ڈرائیور کی آواز نے مجھے چونکا دیا اور میں نے گردن اُٹھا کر قرب و جوار کے ماحول کو دیکھا۔

"بس بھیا یہیں سڑک کے کنارے روک دو۔" میں نے کہا اور ٹیکسی رُک جانے کے بعد اُتر گئی۔ ڈرائیور کو بل کی رقم ادا کرنے کے بعد میں ایک مختلف سمت چل پڑی اور کافی لمبا چکر لگا کر یہ اندازہ لگانے کی کوشش کی کہ کوئی تعاقب تو نہیں ہو رہا لیکن ایسا کوئی نشان نہیں ملا تھا۔ تب میں پوائنٹ تھری پہنچ گئی۔ گیٹ سے میں نے انکل شہریار کی کار دیکھ لی تھی۔ یہ بڑا اچھا ہوا۔ کم از کم انکل سے کچھ تبادلۂ خیال ہو جائے گا۔

چوکیدار نے مجھے پیدل دیکھ کر حیرت کا اظہار کیا۔ "کیا آپ کی کار خراب ہو گئی ہے بی بی جی؟" اُس نے پوچھا۔

"نہیں میں لائی نہیں ہوں۔" میں نے جواب دیا اور اندر داخل ہو گئی۔ صدر دروازے میں ڈولی رچرڈ مل گئی۔ مجھے دیکھ کر پُرتپاک انداز میں میری طرف لپکی تھی۔

"ہیلو چیف۔" اُس نے کہا۔

"بکواس نہیں۔ میرا نام عالیہ ہے۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"سوری۔ ہیلو عالیہ باجی۔" وہ بھی شرارت سے بولی اور میں نے اُس سے مصافحہ کیا۔

"انکل آئے ہوئے ہیں؟"

"ہاں آپ کو پوچھ رہے تھے۔"

"کہاں ہیں؟"

"گریے رُوم میں۔ کچھ نقلیں پرنٹ کرا رہے ہیں۔ آیئے ادھر ہی آجایئے۔" ڈولی نے کہا اور میں اس کے ساتھ گریے رُوم میں پہنچ گئی۔ انکل شہریار نے حسبِ معمول پُرجوش انداز میں میرا استقبال کیا تھا۔

"آتے ہی میں نے تمہارے بارے میں معلومات حاصل کی تھیں، پتہ چلا کہ موصوفہ بہت مصروف ہیں اور کئی دن سے کسی سے رابطہ قائم نہیں کیا ہے۔"

"جی ہاں مصروف تو ہوں۔"

"بیٹھو بھئی کبھی کبھی مجھے یہاں آنے کی اجازت دے دو۔ میرے چند کام یہیں سے تعلق رکھتے ہیں۔ جب تک کوئی دوسرا بندوبست نہیں کرتا مجھے یہ رعایت ملنی چاہیے۔" انکل شہریار نے کہا۔

"آپ نے طے کر لیا ہے کہ مجھے شرمندہ کرنے سے باز نہیں آئیں گے۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"کہاں غائب رہیں موصوفہ۔ میں نے آپ کے فلیٹ پر فو کیا تھا۔ پتا چلا کہ چند روز کے لیے کہیں گئی ہوئی ہیں پھر آپ دفتر بھی فون کیا۔ وہاں سے آپ کے وفاداروں نے آپ کے با میں لاعلمی کا اظہار کیا۔"

"میں نے درحقیقت کسی کو کچھ نہیں بتایا انکل۔"

"ہمیں بھی نہیں بتائیں گی؟"

"نہیں آپ سے کچھ چھپانے کی جرأت نہیں کر سکتی۔"

"تب پھر بسم اللہ۔ ذرا ہم بھی تو آپ کی مصروفیات کے میں کچھ جان لیں۔"

"وہی ایک جھک انکل۔ میں اس گروہ کی تلاش میں ہو جو معصوم لڑکیوں کو شکار کرتا ہے۔ ویسے آپ بھی سوچیں گے کہ میں ابھی تک ایک اتنا سا کام بھی نہیں کر سکی۔"

"نہیں میں یہ بات نہیں سوچوں گا عالیہ۔ اگر ہم اس میں سوچنے لگیں تو پھر ہماری ذہنیت بھی ان لوگوں کی جائے جو انتظامیہ سے متعلق نہیں ہوتے اور انتظامیہ پر نکتہ کرتے ہیں۔ کوئی بھی مجرم ایک باقاعدہ جرم کرنے سے قبل ج کے بارے میں پوری پلاننگ کرتا ہے۔ اس کے پیشِ نگاہ وہ عوامل ہوتے ہیں جو اسے قانون کی گرفت میں لا سکتے ہیں او اُن پر پوری پوری ریسرچ کرنے کے بعد خود کو پولیس کی گرفت بچاتا ہے۔ لیکن جرم ہو جانے کے بعد لوگ اس بات کے منتظ ہوتے ہیں کہ بس جرم ہو اور پولیس مجرم کی گردن ناپ لے۔ بھائی پولیس بھی تو انسان ہی ہے۔ کسی چالاک مجرم کی چالا سے واقف ہونے میں اُسے بھی تو وقت لگتا ہی ہے۔ پھر شور و شر کیسا۔ میں مانتا ہوں عالیہ کہ بعض اوقات جرم کی پرد بھی کی جاتی ہے لیکن تمام افراد یکساں تو نہیں ہیں۔ برائی کی بہت گہری ہوتی ہیں اور ان جڑوں تک پہنچنا آسان کام نہ ہے۔ میری نصیحت ہے تمہارے لیے کہ کسی بھی معاملے میں تو پورے سکون سے کام کرو۔ یہی کامیابی کی ضمانت ہوتی ہے۔"

"شکریہ انکل آپ ہمیشہ میری حوصلہ افزائی کرتے ہیں آپ کی دی ہوئی اس روشنی کو اپنی بینائی تصور کرتی اور جب تک میں دیکھتی رہوں گی آپ کو یاد رکھوں گی۔" نے ممنون لہجے میں کہا۔

"بس بس۔ اب تم مجھے اس بڑھاپے میں شرمندہ مت کرو۔ ہاں میں تمہیں ایک بات بتانے کے لیے تلاش کر رہا

اگر تم سے ملاقات نہ ہوتی تو تمہارے اسٹاف کو اپنے بارے میں بتا کر چلا جاتا...."

"کہیں جا رہے ہیں انکل؟"

"ہاں لندن جا رہا ہوں اور میرا یہ دورہ کم از کم ایک ماہ طویل ہوگا۔ اس دوران میرے لیے کوئی حکم ہو تو فرما دیا جائے۔" انکل شہریار نے کہا اور میں مسکرا دی۔

"ٹھیک ہے، ٹھیک ہے آپ مجھے ذلیل کرتے رہیں، بہرحال میری طرف سے رپورٹ پیشِ خدمت ہے۔ میں اسی سلسلے میں اپنی کارروائی جاری رکھے ہوئے ہوں، پہلے بھی عرض کر چکی ہوں کہ بدبخت پردہ نشین لوگ بار بار اپنے گھناؤنے چہرے سے تاریک نقاب اٹھا کر جھانکتے ہیں اور پھر اُس کے پیچھے پوشیدہ ہو جاتے ہیں۔ میں ابھی تک کوئی ایسا کلیہ نہیں تلاش کر سکی جس کے ذریعے میں وہ صحیح راستہ اختیار کر سکوں جو مجھے مجرم کی گردن تک لے جائے، لیکن انکل میں ہار ماننے والوں میں سے نہیں ہوں۔ جب تک میں ان گھناؤنے لوگوں کو قبر میں نہیں اتار دوں گی، چین سے نہیں بیٹھوں گی چنانچہ آج کل میں گھر اور دفتر سے غیر حاضر ہوں۔"

"کہاں ہو....؟" انکل شہریار نے پوچھا۔

"شہر کے ایک بدنام ترین ہوٹل میں، جو گرین پارک کے نام سے مشہور ہے، یہ ہوٹل فحاشی کا اڈہ ہے۔ مشرق کی مجبور اور بے کس عورت جب عزت کی روٹی کی تلاش میں ناکام ہو جاتی ہے اور یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ وہ ناکام نہیں ہوتی بلکہ اُسے ناکامیوں کے راستے پر ڈالا جاتا ہے اس لیے کہ جب وہ اور اُس کے متعلقین بھوک سے قریب المرگ ہو جائیں تو پھر عصمت و عزت کی اُس کی نگاہوں میں کوئی قیمت نہ رہے اور وہ ہوس پرستوں کی بدخواہشات کی تکمیل کرے اور ایسے اڈے آباد ہو جائیں۔ میں پوچھتی ہوں انکل کہ پاک وطن کی سرزمین پر ایسے ناسور کیوں برداشت کیے جاتے ہیں۔ میں ایک عورت ہوں، میری پہنچ وہاں تک ہوئی اور میں نے غلاظت کے اس انبار کا پتا چلا لیا تو کیا وہ جو تجربے کی آنکھ رکھتے ہیں ایسی جگہوں سے ناواقف ہوں گے۔"

انکل شہریار خاموشی سے سُن رہے تھے پھر انہوں نے غمزدہ آواز میں کہا۔ "ہاں عالیہ ہم ذہنی اور اخلاقی معیار میں بہت پست ہیں، ہمارے سامنے ایک طویل کام پڑا ہوا ہے بہرصورت رفتہ رفتہ ہم اپنی زمین کے چہرے سے یہ بدنما داغ دھو دیں گے۔"

"آپ گرین پارک ہوٹل کے بارے میں جانتے ہیں انکل؟"

"نہیں میں شرمندہ ہوں کہ مجھے اب تک اس سلسلے میں کوئی رپورٹ نہیں ملی۔ دراصل عالیہ میرے سپرد زیادہ تر بیرونی مسائل کیے جاتے ہیں اور میں انہی میں اُلجھا رہتا ہوں لیکن میری شدید خواہش ہے کہ مجھے کچھ وقت ملے اور میں اندر کا حال بھی دیکھوں، عالیہ مجھے تم پر بے حد اعتماد ہے اور یقین کرو میں نے اسی اعتماد کے سہارے تمہارے لیے یہ سب کچھ کیا ہے اور یہ خیال میرے ذہن میں آج سے نہیں اُس وقت سے تھا جب تم مغربی جرمنی میں تھیں۔ میں تم سے حقیقت بیان کر رہا ہوں کہ میں نے ساری زندگی میں صرف دو افراد کے بارے میں سوچا تھا جن میں ایک تم ہو۔ میں نے یہ سوچا تھا عالیہ کہ جب تم اپنی تعلیم سے فارغ ہو جاؤ گی اور اپنے وطن واپس آؤ گی تو صغیر بھائی سے کہوں گا کہ یہ لڑکی قوم کو دے دی جائے، میں قسم کھانے کے لیے تیار ہوں عالیہ کہ اگر تم یہاں آ کر اخبار نہ نکال لیتیں تو میں تم سے درخواست کرتا کہ تم وزارتِ داخلہ کے تحت ایک خفیہ عہدہ سنبھال لو۔ اگر صغیر بھائی زندہ ہوتے تو میں بے تکان اپنے دوست سے اپنی خواہش کا اظہار کر دیتا لیکن اُن کی موت کے بعد میں اس قدر بے باک نہ رہ سکا اور میں نے تمہارے ذہنی رجحان کو دیکھا۔ تمہاری توجہ صحافت کی جانب تھی۔ بے شک یہ بھی ایک بہترین راستہ ہے ملک و قوم کی خدمت کرنے کا، لیکن مجھے تعجب ہوا تھا کہ تم جیسی عملی لڑکی صرف تحریروں تک کیوں محدود ہے اور پھر مجھے اس وقت خوشی ہوئی جب میں نے تمہیں عمل کے راستوں پر گامزن دیکھا۔ یہ میری خواہش کی تکمیل تھی۔ چنانچہ محترمہ عالیہ جو کچھ میں آپ کے لیے کر رہا ہوں وہ آپ کے لیے نہیں بلکہ اپنے چند خوابوں کی تکمیل کی ہے میں نے۔ اُمید ہے کہ آپ کی سمجھ میں کچھ آ گیا ہوگا۔"

"بہت کچھ آیا ہے انکل لیکن ابھی دورانِ گفتگو آپ نے دو افراد کی بات کی تھی۔ دوسرا کون ہے؟"

"ہے ایک نوجوان۔ لیکن افسوس میں اس سے دوبارہ رابطہ قائم کرنے میں ناکام رہا۔ وہ نوجوان میرے ذہن پر نقش ہے۔ زندگی میں اگر کبھی مل گیا تو اُسے نہیں چھوڑوں گا۔"

"کہاں ملاقات ہوئی تھی؟"

"ناروے میں لیکن عالیہ اس سے جو چند ملاقاتیں ہوئیں، ہمیشہ یاد رہیں گی۔ میں اُسے کبھی نہیں بھول سکوں گا۔ کسی وقت، تفصیل سے تمہیں اس کے بارے میں بتاؤں گا۔ ایک عظیم کردار تھا"

"میرے ذہن میں بھی اشتیاق پیدا ہو گیا ہے انکل۔ بہرحال پھر سہی۔ آپ کے پاس بھی وقت کم ہے۔ اس لیے میں پہلے اپنا مقصد بیان کرنا چاہتی ہوں۔"

"ہاں ضرور۔"

"بات گرین پارک کی ہو رہی تھی ابھی میں زیادہ باتوں سے تو واقف نہیں ہو سکی لیکن میرا خیال ہے پورے ملک میں گرین پارک جیسی جگہیں بہت سی ہیں اور یہ جگہیں ہمارے اسلامی ملک کے لیے ایک گالی کی حیثیت رکھتی ہیں۔ وہ ہمارے وجود کے لیے چیلنج ہیں۔"

"بے شک انہیں برداشت نہیں کیا جا سکتا۔" انکل شہریار نے کہا۔

"لیکن انکل۔ وہ اتنی گمنام بھی نہیں ہیں کہ اہلِ اقتدار کو ان کے بارے میں معلوم ہی نہ ہو عام لوگ بھی بہ آسانی وہاں تک پہنچ جاتے ہیں تو پھر قانون کے ادارے انہیں کیوں نظر انداز کیے ہوئے ہیں۔ یہاں قانون کی بے بسی میری سمجھ میں نہیں آتی۔"

انکل شہریار میرے اس سوال پر ٹھوڑی کھجاتے ہوئے تھوڑی دیر تک کچھ سوچتے رہے پھر بولے۔

"دراصل عالیہ۔ حکومتیں ہی ان ساری چیزوں کی ذمّہ دار نہیں ہوتیں۔ یہ پورے معاشرے کے لیے ایک چیلنج ہے۔ حکومتیں آتی ہیں بدل جاتی ہیں لیکن ان کے کچھ ایسے پروردہ باقی رہ جاتے ہیں جو انہیں حکومتوں کے نام پر بدعنوانیاں کرتے رہتے ہیں۔ یہ غلاظت نوکر شاہی کی پروردہ ہے۔ لیکن اسے پھلنے پھولنے کی اجازت کبھی نہیں دی جا سکتی یہ لوگ تو حکومتوں کی پیشانیوں پر بدنما داغ ہوتے ہیں۔ حکومتوں کے پیمانے پر نہیں عالیہ، یہ انفرادی تعلقات کی بنیاد پر زندہ ہیں اور بعض اوقات اِن کانوں تک ان کے سیاہ کرتوت نہیں پہنچ پاتے جو صحیح معنوں میں اپنے فرائض انجام دیتے ہیں۔ چنانچہ حکومت کبھی ان لوگوں کی پذیرائی نہیں کر سکتی، میں تو یہ کہتا ہوں کہ جن حکومتوں کے دَور میں ان کا وجود عمل میں آیا ہے وہ خود بھی اس کی ذمّہ دار نہیں ہیں، یہ صرف ایک انداز ہے برائیوں کے پھیلنے کا، تمہارے تعلقات مجھ سے ہیں، تو مجھے معاف کرنا عالیہ، اگر تم ان تعلقات کو اپنی ڈھال سمجھ کر کوئی ایسا کام شروع کر دو جو کہ سماج اور معاشرے کی نگاہوں میں ناپسندیدہ ہو تو بہر صورت تمہیں اور مجھے جاننے والے اس لیے خاموش ہو جائیں گے کہ تم میری منظورِ نظر ہو، یہ تمام لوگ اسی انداز کی پیداوار ہیں، لیکن تم یہ مت سوچو کہ ان کا احتساب نہیں ہے۔ جب بھی ان کی گردن گرفت میں آئے تو اُسے چھوڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔" انکل شہریار نے کہا اور میں نے گردن ہلا دی۔ پھر میں نے کہا۔

"میں آپ سے یہی سوال کرنا چاہتی تھی انکل۔"

"کیا تمہیں تمہارے سوال کا جواب مل گیا؟"

"ہاں انکل جواب تو مل گیا لیکن معاملات کچھ اور ہیں۔" میں نے کہا۔

"وہ بھی کہو عالیہ۔" انکل شہریار نے پُرخلوص انداز میں کہا

"کیا اُن لوگوں پر ہاتھ ڈالا جا سکتا ہے؟"

"کیوں نہیں۔"

"لیکن کس طرح؟" میں نے سوال کیا۔

"یعنی تم اس کے لیے ذمّہ دار اداروں سے مدد لے سکتی ہو۔"

"انکل آپ بڑے معصومانہ انداز میں یہ بات کہہ رہے ہیں۔ اگر ذمّہ دار ادارے اس سلسلے میں اتنی ہی موثر کارروائی کر سکتے تو پھر امینہ کے قاتل اس طرح محفوظ نہ ہو جاتے۔"

"میں وہی بات کہوں گا عالیہ کہ یہ بات صرف انفرادی نوعیت رکھتی ہے، سارے محکمے اس کی زد میں نہیں آتے۔"

"لیکن انکل میرے لیے اس سلسلے میں کیا آسانیاں فراہم کی جا سکتی ہیں۔"

"ہاں میں تمہیں بتانے والا تھا، بلکہ بہتر ہے یہ بھی میں تمہیں بتا ہی دوں۔ تمہارا خصوصی کوڈ سفید تحریک ہے، یہ کوڈ متعلقہ محکموں کے افسرانِ بالا تک پہنچا دیا گیا ہے، اب ہم یہ تخصیص تو نہیں کر سکتے کہ ان افسرانِ بالا میں کون کس حد تک ہے، ہمیں یہ خطرہ تو مول لینا ہی ہوگا، کسی بھی معاشرے کو سدھارنے کے لیے ابتدائی طور پر بے شمار دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، بہر صورت اس کوڈ کے تحت متعلقہ محکمے خصوصی عمل کریں گے اور جو کچھ تم کہو گی ان ہدایات پر عمل کرنا ان کی ذمّہ داری ہے، یہ کوڈ وزارتِ داخلہ کی طرف سے جاری کیا گیا ہے اور وزارتِ خارجہ بھی اس کی پابند ہے۔ میں نے انتہائی کوشش کر کے صدرِ مملکت سے اس کی منظوری حاصل کی ہے، اور مجھے بتاؤ میں تمہارے لیے کیا کر سکتا ہوں۔ تمہارے اسٹاف کے لوگ موجود ہیں، اُن سے جو چاہو کام لو، میرا مقصد یہی ہے عالیہ کہ تم میری اندرونی ذمّہ داریاں سنبھال لو اور مکمل طور پر سنبھال لو، تمہارے ساتھ ہر ممکن تعاون ہوگا، اس کے علاوہ ہر وہ مدد جو تم چاہو گی تمہیں ملے گی۔"

میں نے ایک گہری سانس لی اور سر کو کرسی کی پشت سے ٹکا دیا۔ انکل شہریار میرے ذہن کے اُن تاریک دروازوں کو کھول رہے تھے جنہیں بند دیکھ کر مجھے اپنی ذات سے اور اپنے ماحول سے اُلجھن ہونے لگتی تھی۔ میں سوچنے لگی کہ مجھے میرے وطن میں بھرپور آزادی حاصل ہے، کتنا بڑا اعزاز بخشا گیا ہے مجھے، میں جو کچھ بھی نہیں ہوں لیکن مجھے کچھ سے کچھ بنا دیا گیا ہے۔

یہ میرے اچھے احساسات کی پذیرائی تھی اور اس پذیرائی کے تحت میں اپنے وطن کے اِن بدنما دھبوں کو دُور کر سکتی تھی۔ میں اب اپنے وطن کی اُجلی پیشانی سے مایوس نہیں تھی، میں نے گردن جھکا کر انکل کا شکریہ ادا کیا اور کہا۔ "میں بے حد شکر گزار ہوں انکل، درحقیقت آپ نے اپنی محبت کا حق ادا کر دیا ہے۔"

"بس بس بس۔ مجھے یہ جملے کہہ کر شرمندہ مت کیا کرو، تم ایک لڑکی ہونے کے باوجود جو کچھ کر رہی ہو وہ میرے لیے قابلِ فخر بھی ہے اور اس کے لیے میں تمہارا شکر گزار بھی ہوں۔"

"ٹھیک ہے انکل۔ اب میں بہ آسانی سب کچھ کر سکوں گی اور مجھے اس سلسلے میں کسی سے کوئی مشورہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے؟"

"ہرگز نہیں، اور اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ مجھے اور قوم کو، حکومت کو اور اعلا حکام کو تم پر مکمل اعتماد ہے، سفید تحریک اس ملک میں ایک خصوصی اہمیت کی حامل ہے، اس سفیدی کو تم ملک کے چپّے چپّے میں پھیلا دو۔ ہم اپنے وطن کے کونے کونے کو اخلاق اور تہذیب کی اعلا قدروں سے منور دیکھنے کے خواہش مند ہیں۔" انکل شہریار نے کہا اور میں نے مسکرا کر ان کا شکریہ ادا کیا۔ میں مطمئن ہو گئی تھی۔

"مجھے اُمید ہے کہ میری عدم موجودگی اب تمہیں کسی پریشانی کا شکار نہ ہونے دے گی۔ کیا خیال ہے؟"

"جی ہاں انکل۔ میں مطمئن ہوں۔"

"چنانچہ انکل کو اجازت دو بیٹے۔ مجھے کچھ تیاریاں کرنی ہیں۔" اور میں نے اُنہیں خدا حافظ کہا۔ انکل جس کام سے آئے تھے وہ بھی تکمیل ہو گیا تھا اس لیے وہ وہاں سے چلے گئے اور اُن کے جانے کے بعد میرے نام نہاد اسٹاف نے مجھے گھیر لیا۔ نازش وغیرہ نے چائے کا اہتمام کیا تھا۔

چائے کے دوران میں ان لوگوں سے گفتگو کرتی رہی۔ نازش اور عثمان نے مجھ سے پُرزور اپیل کی کہ انہیں بھی کوئی کام سونپا جائے۔ لیکن اس وقت میں انہیں کیا کام دیتی۔ میں نے اُن سے یہی کہا کہ جس طرح بھی ہو سکے کسی ایسی شخصیت کا پتا چلانے کی کوشش کریں جو دُہری شخصیت کی مالک ہو۔ یعنی دو وجود رکھتی ہو۔

ماہر یہ سُن کر ہنس پڑا تھا۔ یہ ایک پاکیزہ سی شکل اور نرم خدوخال کا مالک ایک ہنس مکھ نوجوان تھا۔

"کیوں ماہر تمہیں ہنسی کیوں آئی؟" میں نے پوچھا۔

"مجھے ایک عامل اور جن کا لطیفہ یاد آ گیا تھا۔ جن کو ہر وقت کام کی طلب تھی اور عامل کے پاس کوئی کام نہیں تھا۔ چنانچہ اُس نے جن سے کہا کہ وہ چھلنی میں پانی لے آئے۔ جن کو مصروف رکھنے کا یہ بہترین طریقہ تھا۔"

"ہرگز نہیں جناب ماہر صاحب۔ اگر وہ جن تھا اور مافوق الفطرت قوتوں کا مالک تھا تو وہ چھلنی کے سوراخ بند کر کے اس میں پانی لا سکتا تھا۔ اس شخصیت کا اگر دُہرا وجود نہیں ہے تو کم از کم اس نے خود کو پوزیشن کیا ہے اور ہمیں اسی کو تلاش کرنا ہے۔"

دیر تک یہ دلچسپ گفتگو جاری رہی پھر میں نے امینہ کی ماں اور احمد سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی اور اُن کے پاس پہنچ گئی۔ احمد نے مجھے دیکھ کر ادب سے سلام کیا تھا۔ امینہ کی ماں کی حالت اب ستر فیصد بہتر تھی۔ انہوں نے میرے سلام کا جواب دیا تھا۔

"باجی۔ آپ کب تک ہمیں یہاں رکھیں گی؟" احمد نے پوچھا۔

"تمہیں یہاں کوئی تکلیف ہے احمد؟"

"ہاں باجی۔ سب سے بڑی تکلیف یہ ہے کہ میں معطّل ہوں اور آپ لوگوں پر بوجھ بنا ہوا ہوں۔"

"ایک سوال کروں گی احمد، کیا تم مجھے امینہ کی جگہ دے سکتے ہو؟" میں نے کہا اور احمد کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"میرے ذہن کا یہ خانہ تو خالی ہو گیا ہے باجی میں بہن سے محروم ہو گیا ہوں اور مجھے خوف ہے کہ میرے اس جذبے کی نحوست کہیں آپ کو بھی متاثر نہ کرے۔" اس نے آبدیدہ ہو کر کہا۔

"تم میرے بھائی ہو احمد۔ امینہ کے دل میں یہ خواہش تھی کہ تم اپنی تعلیم مکمل کر لو۔ کیا تم مجھے امینہ کے برابر کا درجہ دے کر میری اور امینہ کی اس خواہش کی تکمیل نہیں کرو گے؟" میں نے کہا اور احمد رو پڑا۔

"باجی میں آپ کا یہ احسان کیسے اُتاروں گا؟"

"اُسی طرح۔ جیسے تم امینہ کا احسان اُتارتے۔"

"میں حاضر ہوں باجی۔"

"تب تم اس وقت تک، جب تک میں امینہ کے قاتلوں کو جہنم رسید نہ کر دوں، یہاں آرام و سکون سے رہو۔ کالج جاؤ اور اپنی تعلیمی سرگرمیاں جاری رکھو۔ ان لوگوں کے خاتمے کے بعد میں تمہارے لیے دوسرا بندوبست کروں گی۔ تمہاری امّی یہاں بالکل محفوظ ہیں اور اُن کی دیکھ بھال کے لیے بہت سے لوگ موجود ہیں......"

"ٹھیک ہے باجی میں آپ کے حکم کی تعمیل کروں گا....." احمد نے کہا۔

احمد کو بہت سی تسلیاں دے کر میں وہاں سے بھی چل پڑی
ٹیکسی ہی کا استعمال مناسب سمجھا تھا۔ حالانکہ دانش نے مجھے پیش کش
کی تھی کہ میں جہاں کہوں مجھے وہاں پہنچا دیا جائے لیکن میں نے
انکار کر دیا۔

ٹیکسی میں بیٹھ کر ایک بار پھر میں نے گل کے بارے میں سوچا۔
گل کا محبوب یوسف نہ جانے کس قماش کا انسان ہے۔ تل اور ٹھوڑی
کے گڑھے سے پسندیدگی مجھے شبہات کا شکار کر رہی تھی اور پھر مشرق
وسطیٰ کا وہ ملک جہاں اس نے گل کو لے جانے کی پیش کش کی
تھی میں اس شبہے کو نظر انداز نہیں کر سکتی تھی۔ ٹیکسی گرین پارک
پہنچ گئی اور میں بل ادا کر کے اندر داخل ہو گئی۔ کمرے میں پہنچی
تو گل اپنے بجائے میرے کمرے میں تھی اور اطمینان سے لیٹی ہوئی تھی۔

"ارے تمہیں چابی کہاں سے مل گئی؟" میں نے پوچھا۔

"نیچے سے لے آئی تھی۔ اب یہاں میری اتنی شناسائی تو
ہے۔" گل نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اوہ۔ مینیجر صاحب کے کیا حال ہیں؟"

"ٹھیک ہی ہوں گے۔ میری ملاقات نہیں ہوئی۔"

"چلو کھانا منگواؤ۔ بھوک لگ رہی ہے۔" میں نے کہا اور
تھوڑی دیر کے بعد ہم دونوں کھانے میں مصروف ہو گئیں۔ میں کسی
سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔ دفعتاً میں نے گردن اٹھا کر گل کو دیکھا۔

"ایک بات بتاؤ گل۔"

"جی۔"

"کیا درحقیقت مینیجر ہی گرین پارک کا مالک ہے؟"

"پہلی بار یہ بات اس کی زبان سے معلوم ہوئی ہے لیکن
یہ عین ممکن ہے عالیہ۔ یہاں وہ مطلق العنان ہے۔"

"اس کے تعلقات کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"دراصل ایسے لوگ حکام کی خوشنودی حاصل کرنے کے
لیے ہر وہ کام کر لیتے ہیں جو دوسروں کے لیے ممکن نہیں ہیں اس
لیے ایسے لوگوں کے تعلقات تو ہو ہی جاتے ہیں۔"

"ہوں۔" میں نے پُرخیال انداز میں کہا اور پھر خاموشی سے
کھانا کھاتی رہی۔ میرے ذہن میں چرخے چل رہے تھے اس سلسلہ
میں کام کرنے کے لیے درحقیقت ابھی تک میں کوئی مناسب راہ
نہیں تلاش کر سکی تھی۔ کھانے کے بعد میں اور گل آرام کرنے لیٹ
گئیں۔ گل کو شاید غنودگی آ گئی تھی۔ میں بھی خیالوں میں ڈوبی ہوئی
لیٹی رہی پھر مجھے ایک خیال آیا اور میں اٹھ کر بیٹھ گئی۔ گل سو
گئی تھی۔ چنانچہ میں خاموشی سے باہر نکل آئی اور پھر ہوٹل سے بھی

باہر آ گئی۔ میری نگاہیں ٹیلی فون کرنے کے لیے کوئی جگہ تلاش کر
رہی تھیں۔ ہوٹل کے سامنے سڑک کے اُس پار ایک چھوٹا سا ریستوران
نظر آیا اور میرے قدم اُس کی جانب بڑھ گئے۔ ایک موہوم سی
اُمید تھی کہ ممکن ہے اس ہوٹل میں ٹیلی فون کرنے کا موقع مل جائے۔
میرا اندازہ درست نکلا۔ ہوٹل کے کاؤنٹر پر ٹیلی فون موجود تھا۔ اس
کے قریب ہی ایک تختی رکھی ہوئی تھی جس پر لکھا ہوا تھا....

"لوکل کال کے لیے، ایک روپیہ فی کال۔"

کاؤنٹر آپریٹر قریب ہی بیٹھا ہوا تھا لیکن وہ ایک مجہول
سا بے ضرر آدمی تھا۔ مجھے اپنے نزدیک آتے دیکھ کر وہ پہلو بدلنے
لگا، سامنے رکھے ہوئے ٹافیوں کے پیکٹ سے اس نے ٹافی کے
دو بنڈل نکالے اور پھر انہیں واپس اپنی جگہ رکھ دیا۔ پھر ایک
میلا سا کپڑا اٹھا کر کاؤنٹر صاف کرنے لگا۔ اسی اثنا میں میں اس
کے قریب پہنچ گئی۔

"ٹیلی فون کر سکتی ہوں؟" میں نے پوچھا اور اس نے ٹیلی فون
میری طرف کھسکا دیا۔ حالانکہ اس سے قبل بھی ٹیلی فون میرے
ہاتھوں کی پہنچ سے دور نہ تھا، اس شخص کی طرف سے مکمل اطمینان
کرنے کے بعد میں نے ریسیور اٹھایا اور اپنے دفتر کے نمبر ڈائل کیے
صباحت صاحب کی میز پر الگ ٹیلی فون تھا، چنانچہ اُن سے
براہ راست رابطہ قائم کرنے میں کوئی دقت پیش نہیں آئی
صباحت صاحب کی آواز سن کر میں نے انہیں سلام کیا تو وہ
چونک پڑے۔

"خیریت عالیہ بیٹے، کہاں سے بول رہی ہو بھئی، میں تو
ذہنی طور پر معطل ہو کر رہ گیا ہوں۔"

"کیوں صباحت صاحب کیا پریشانی ہے آپ کو؟"

"بھئی کوئی پریشانی تو نہیں ہے لیکن ایک کہنہ مشق ایڈیٹر
ہونے کے باوجود تم نے میرا سارا تجربہ ناکام کر دیا ہے کوئی کام
اعتماد سے نہیں کر سکتا، دل چاہتا ہے کہ تم سے مشورہ ہو
اب بتاؤ اس کے لیے میں کیا کروں؟"

مجھے ہنسی آ گئی۔ "نہیں صباحت صاحب۔ یہ بات تو
نہیں ہے۔ آپ اپنی صلاحیتوں کو زنگ آلود نہ ہونے دیں"

"مجبوری ہے بھئی مجبوری ہے، تم یہ بتاؤ کہ کب واپس آ
رہی ہو اور کہاں ہو؟"

"یہیں ہوں اور ابھی واپس نہیں آ رہی۔ البتہ ایک
آپ کے سپرد کرنا چاہتی ہوں۔"

"ہاں ہاں کہو۔"

"کسی عمدہ اور ذہین رپورٹر کو آپ اس مخصوص میرے کے
ساتھ ہوٹل گرین پارک بھیج دیں، اُس سے کہیں کہ وہ گرین پارک
میں کوئی کمرہ حاصل کرنے کے بعد وہاں کے کمرہ نمبر اٹھائیس میں مجھ
سے ملاقات کرے باقی کام میں اُسے خود سمجھا دوں گی۔"

"ہوٹل گرین پارک، کمرہ نمبر اٹھائیس۔" صباحت صاحب
کی آواز اُبھری۔

"جی ہاں۔"

"میں عامر کو بھیج رہا ہوں۔ وہ تمہاری ہدایات پر عمل کرے گا۔"

"بہتر صباحت صاحب۔" میں نے جواب دیا اور ڈسکنکٹ
کر کے اس بار پوائنٹ تھری کے نمبر ڈائل کیے۔ دوسری طرف سے
عدنان نے فون ریسیو کیا تھا۔ میں نے اُسے اپنا نام بتایا... تو وہ
سنبھل گیا۔

"حکم میڈم؟"

"عدنان صاحب۔ اپنے ساتھ کسی ایک اور مددگار کو لے کر
ہوٹل گرین پارک ریستوران کے سامنے پہنچ جائیں۔ یہاں آپ کو
کسی مناسب جگہ رک کر انتظار کرنا ہوگا۔ ممکن ہے مجھے کسی ایسے
شخص کی نگرانی اور اس کے تعاقب کی ضرورت پیش آ جائے جو
میری نگاہ میں مشکوک ہو۔"

"آپ نے ہوٹل گرین پارک کا نام لیا ہے نا؟"

"جی ہاں۔" میں نے کہا۔

"بہت بہتر۔ میں پہنچ رہا ہوں لیکن مجھے اس شخص کے
بارے میں ہدایات کیسے ملیں گی؟"

"میں گرین پارک کے روم نمبر ۲۸ میں مقیم ہوں۔ ضرورت
پڑنے پر میں آپ سے خود رابطہ قائم کر لوں گی۔"

"بہت بہتر۔ ہاں اس کے لیے کسی وقت کا تعین تو
نہیں ہے؟"

"جی نہیں۔ نگرانی طویل ہی ہو گی لیکن صرف دن کے
اوقات میں، رات کو ضرورت نہیں ہے۔"

"آپ مطمئن رہیں بس تھوڑی دیر میں پہنچ جاؤں گا۔"
عدنان شیرازی نے کہا اور میں نے فون بند کر دیا۔ کاؤنٹر کلرک میری
طرف سے بے توجہ اپنے کام میں مصروف تھا۔ جب میں نے ریسیور
رکھا تو وہ سیدھا ہو گیا۔ اس کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا۔
میں نے پانچ کا نوٹ نکال کر اس کے سامنے رکھ دیا اور پھر یہ
دیکھ کر تھوڑی سی حیرت ہوئی کہ کاؤنٹر کلرک نے دو روپے
لے کر تین روپے مجھے واپس کر دیے۔ گویا وہ دو کالوں سے واقف تھا۔

ہوٹل سے نکل کر میں واپس گرین پارک کی طرف چل پڑی اور
تھوڑی دیر کے بعد میں اپنے کمرے کے دروازے کے قریب پہنچ گئی
لیکن اپنے برابر والے کمرے کے سامنے ایک طویل القامت نوجوان
کو دیکھ کر میں چونک پڑی تھی۔ سُرخ و سفید نوجوان جس کی بڑی
اور بھوری مونچھیں اس کے چہرے پر عجیب لگ رہی تھیں۔ ان
بھوری مونچھوں کو دیکھ کر میرے ذہن میں ایک نام اُبھرا۔

یوسف....!

"معاف کیجئے گا۔ کیا آپ بتا سکتی ہیں کہ اس کمرے میں
قیام پذیر خاتون کتنی دیر قبل یہاں سے گئی ہیں؟" نوجوان نے پوچھا۔

"نغمہ سے ملنا ہے آپ کو؟" میں نے پوچھا۔

"جی ہاں۔" وہ جلدی سے بولا۔

"ایک منٹ۔ میں اسے ابھی بھیجتی ہوں۔" میں نے کہا اور
اپنے کمرے میں داخل ہو گئی۔ گل ابھی تک سو رہی تھی۔ میں نے
اُسے جگایا اور وہ اٹھ بیٹھی۔

"باہر یوسف موجود ہے۔"

"اوہ۔ کہاں؟" گل نے چونک کر پوچھا۔

"تمہارے کمرے کے دروازے سے مایوس واپس لوٹ رہا تھا
اتفاق سے میں نے دیکھ لیا۔" میں نے جواب دیا۔

"یہاں بلاؤں عالیہ۔؟"

"بلا لو۔" میں نے طویل سانس لے کر کہا۔ حالانکہ میں یوسف
کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی لیکن اتفاق ہی ایسا تھا۔ اب جب
سامنا ہو گیا تھا تو یہ کوشش بیکار تھی۔ چنانچہ میں نے اُسے اجازت
دے دی۔ گل باہر نکل گئی تھی اور تھوڑی دیر کے بعد وہ یوسف
کے ساتھ اندر آ گئی۔

یوسف نے مجھے سلام کیا اور بیٹھ گیا۔ گل نے میرا تعارف
کرایا تھا۔ یوسف کی شخصیت کافی اچھی تھی۔ یوں بھی نہ جانے کیوں
وہ اپنے اطوار سے بُرا آدمی نہیں معلوم ہوتا تھا۔ میرے سامنے وہ
کسی قدر شرمایا شرمایا سا تھا۔ گل اُسے میرے بارے میں بتاتی رہی
لیکن یوسف نے کوئی تبصرہ نہیں کیا۔

"کیا منگاؤں تم لوگوں کے لیے؟" میں نے پوچھا۔

"زحمت نہ کریں۔ بس ٹھیک ہے۔" یوسف نے جواب دیا۔

"نہیں بھئی۔ تم میرے مہمان ہو اور گل میں تمہارے لیے چائے
بھیجتی ہوں۔ تم لوگ اطمینان سے گفتگو کرو۔ میں ذرا چہل قدمی کر لوں
گی۔" میں نے کہا اور گل چونک کر بولی۔

"نہیں عالیہ تم کہاں جاؤ گی۔ میں اپنے کمرے میں چلی جاؤں؟"

گل نے کہا۔

"اچھا بس۔ یوسف آ گئے تو میں اجنبی ہو گئی۔ فضول باتوں سے پرہیز کرو۔ آرام سے بیٹھو۔" میں نے کہا اور کمرے سے نکل آئی۔ ایک ویٹر کو روک کر میں نے عمدہ سی چائے اور کچھ دوسری چیزوں کے بارے میں کہا اور پھر ہوٹل کے باہر جانے والے راستے پر چل پڑی۔ تھوڑی دیر کے بعد میں دوبارہ سڑک پر تھی۔ میری نگاہیں چاروں طرف بھٹک رہی تھیں۔ یوسف اس وقت غیر متوقع طور پر ہی آ گیا تھا۔ بہتر ہوتا کہ میں پہلے ہی عدنان وغیرہ سے اس سلسلے میں بات کر لیتی۔ لیکن ابھی مجھے باہر آئے ہوئے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ میں نے نیلے رنگ کی ایک خوبصورت کار دیکھی جو آہستہ آہستہ میرے ساتھ ساتھ آ رہی تھی۔ اُسے محسوس کر کے جب میں نے اُس کی ڈرائیونگ سیٹ پر نگاہ دوڑائی تو مجھے عدنان اور ڈوڈی رچرڈ نظر آئے۔ عدنان نے شاید احتیاطاً مجھ سے گفتگو نہیں کی تھی۔ لیکن جب میں نے اُسے اشارا کیا تو وہ رُک گیا۔

"شکریہ عدنان تم وقت پر پہنچ گئے۔"

"کیا آپ یہاں میرا انتظار کر رہی تھیں؟"

"ہاں یہی سمجھ لو۔ بہر حال وہ شخص اندر موجود ہے۔ طویل القامت اور بھورے رنگ کی مونچھوں والا۔ اس کے بدن پر نیلی بشرٹ ہے اور سفید پتلون پہنے ہوئے ہے۔ دراز قامت آدمی ہے۔"

"مناسب آپ مطمئن رہیں چیف۔"

"اس شخص کے بارے میں مکمل رپورٹ درکار ہے۔ خواہ اس میں کچھ وقت لگ جائے۔"

"او کے چیف۔"

"بس آگے جاؤ۔" میں نے کہا اور عدنان نے کار آگے بڑھا دی۔ وہ کافی دُور نکل گیا اور پھر وہاں سے واپس پلٹ آیا۔ میں بدستور چہل قدمی کرتی رہی اور پھر تقریباً آدھے گھنٹے کے بعد واپس گرین پارک میں داخل ہو گئی۔ اپنے کمرے پر پہنچی تو دونوں حیران کھڑے ہوئے تھے۔

"یوسف واپس جا رہے ہیں۔ تم کہاں چلی گئی تھیں عالیہ؟" گل نے پوچھا۔

"بس ایسے ہی آوارہ گردی کو۔ تم لوگوں نے چائے وغیرہ پی؟"

"ہاں۔ پی لی۔ آپ سے کچھ باتیں ہی نہیں ہو سکیں عالیہ بہن لیکن گل نے آپ کے بارے میں جو کچھ بتایا ہے۔ اس کے لیے میں آپ کا شکریہ نہیں ادا کر سکتا۔ یہ میری عزت ہے عالیہ بہن اور جو کسی کی عزت کی حفاظت کرتا ہے اُس کا احسان بھولنے کے لیے نہیں ہوتا۔ کاش زندگی اور حالات مجھے کبھی اس قابل کریں کہ میں آپ … احسانات کا جواب دے سکوں۔"

یوسف کی آواز بڑی گمبھیر تھی۔ پھر اُس نے سلام کیا ا… وہاں سے چلا گیا۔ گل اُسے کھڑی دیکھتی رہی تھی۔ پھر وہ میرے ساتھ واپس آ گئی۔ "کیا گفتگو ہوئی یوسف سے؟" کمرے میں آ… میں نے پوچھا۔

"بس کوئی خاص نہیں۔ میں نے تمہارا تعارف کرایا تھا… باتیں بھی ہوئیں۔ وہ کہہ رہا تھا کہ وہ بہت جلد میرے لیے بندو… کرے گا۔ یہ پانچ سو روپے دے گیا ہے مجھے۔ حالانکہ میں نے… منع کیا تھا۔"

"نہ لیتیں تو بہتر تھا بہر حال۔" میں نے مختصراً کہا۔

شام کو سات بجے کے قریب عامر نظر آیا۔ ایک قیمتی لبا… میں ملبوس تھا اور شہر کے اوباشوں کی مانند نظر آ رہا تھا۔ می… اُسے دیکھ کر گردن ہلائی اور خود سے دُور رہنے کا اشارا کیا… آگے بڑھ گیا۔

اُس رات گیارہ بجے کے قریب ایک ناخوشگوار واقعہ پ… میں سونے کے لیے لیٹ گئی تھی۔ گل بھی حسب سابق میرے پا… ہم دونوں نے ڈائننگ ہال میں کھانا کھایا تھا اور دس بجے وا… اُٹھ آئی تھیں۔ گیارہ بجے کسی نے دروازے پر دستک دی او… چونک کر اُٹھ گئی۔ جونہی میں نے دروازہ کھولا۔ تین آدمی اند… آ گئے۔ اُن کے منہ سے شراب کے بھبکے اُٹھ رہے تھے۔ میں… رہ گئی تھی۔ اُن میں سے ایک نے پلٹ کر دروازہ بند کر دیا او… ہاتھ بڑھا کر تیز بلب جلا دیا۔

"ہیلو خواتین۔ ہمیں اُمید ہے آپ بخیریت ہوں گی"

"کون ہو تم؟"

"پروانے... شمع پر نثار ہونے آئے ہیں۔" ان میں… نے لڑکھڑاتے ہوئے انداز میں کہا۔

"اوہ۔ کس کی اجازت سے آئے ہیں آپ لوگ؟"… چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"منیجر نے بھیجا ہے ہمیں۔ یہ رُوم نمبر اٹھائیس…؟"

"ہاں۔ یقیناً۔" میں نے نائٹ لیمپ کی طرف بڑ… کہا۔ اس لیمپ کا تار کافی لمبا تھا۔ میں نے پیچھے ہٹتے… اُٹھا لیا اور دوسرے لمحے میں نے اس کے دونوں تار… سے کھینچ لیے۔ تار ٹوٹ گئے تھے۔ میں نے اُن کے سر… لیے اور پھر آگے بڑھی... "تشریف رکھیے آپ لوگ۔"

…سکراتے ہوئے کہا اور اُن میں سے ایک جھولتا ہوا آگے بڑھ آیا۔ …س نے میری لیمپ والی حرکت پر کوئی توجہ نہیں دی تھی۔ گل بھی …اگ گئی اور خوفزدہ نگاہوں سے انہیں دیکھنے لگی۔

"دونوں حسین ہیں۔ کاش تین ہوتیں۔" اُن میں سے ایک نے …ہا۔ وہ میرے بالکل قریب آ گیا تھا۔ میں نے مسکراتے ہوئے اُسے …یکھا اور پھر ننگے تار اُس کے گال پر رکھ دیے۔ اُس کی دھاڑ کمرے …یں گونجی تھی اور وہ اُچھل کر دوسرے پر جا گرا۔ دونوں زمین پر ڈھیر …و گئے تھے۔ تیسرے کی سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ کیا ہوا۔ وہ ان دونوں …و دیکھنے کے لیے جھکا تو میں نے تار اُس کی گردن پر رکھ دیے۔ وہ …بھی بُری طرح اُچھل پڑا تھا۔ تار اُس کی گردن سے ہٹ گئے لیکن وہ بھی باقی دونوں پر ڈھیر ہو گیا۔ میں نے اسی پر اکتفا نہیں کی جھک …ر تار اُن کے درمیان ڈال دیے۔ درمیانی آدمی پھر تاروں سے …چھو گیا اور اس کے بعد تو ان تینوں نے وہ چیخ پکار مچائی کہ برابر …ے تمام کمروں کے دروازے کھل گئے اور لوگ ہمارے کمروں کے …روازے پر جمع ہونے لگے۔ چند ہی ساعت کے بعد انتظامیہ کے …فراد بھی آ گئے۔ منیجر شاید یہیں رہتا تھا وہ بھی سلیپنگ گون پہنے …ہنچ گیا۔ کمرے کا دروازہ کھٹکھٹایا جا رہا تھا۔ میں نے آگے بڑھ …ر دروازہ کھول دیا۔

"یہ... یہ کیا ہو رہا ہے؟" منیجر نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"جاننا چاہتے ہو؟" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور پھر …رازدارانہ انداز میں منیجر کو اشارا کیا۔ منیجر بے اختیار آگے بڑھ آیا۔ …جونہی وہ جھکا میں نے تار ان تینوں کے درمیان سے کھینچ کر منیجر کی گردن پر رکھ دیے۔ منیجر کے حلق سے بھی بے اختیار چیخ نکل گئی تھی۔ وہ اُچھل کر پیچھے ہٹ گیا اور خونی نگاہوں سے …مجھے گھورنے لگا۔ پھر اُس نے دھاڑتے ہوئے کہا۔

"یہ۔ یہ کیا حرکت ہے؟"

"میں نے تو ان لوگوں کی کیفیت بتائی ہے منیجر۔ جنہیں تم نے کمرہ نمبر اٹھائیس میں بھیجا ہے۔" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"میں نے بھیجا ہے؟"

"یہی لوگ بتا رہے تھے۔ میرا خیال ہے انہیں یہاں سے …لے جاؤ اور ان سے بات کرو۔ تم سے کل دن میں نمٹ لوں گی۔"

"تم لوگ۔ تم لوگ پیشہ ور ہونے کے باوجود ایسی گفتگو کرتی ہو جیسے بہت پارسا ہو۔ میں کہتا ہوں تم یہ ہوٹل چھوڑ دو۔ ابھی اور اسی وقت۔ میں تمہیں یہاں ایک لمحے برداشت نہیں کر سکتا۔" منیجر دھاڑنے لگا اور میری آنکھوں میں خون اُتر آیا۔

"ٹھیک ہے منیجر۔ کل ہم دونوں یہ ہوٹل چھوڑ دیں گی تم بالکل بے فکر رہو۔" میں نے کہا اور منیجر بڑبڑاتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔ قرب و جوار کے لوگ بھی اس ہنگامے کی وجہ سے منیجر اور ہوٹل کی انتظامیہ کو بُرا بھلا کہہ رہے تھے۔ دروازے بند ہو گئے۔ لوگوں کی بھیڑ میں میں نے عامر کو بھی دیکھا تھا۔ میں نے اُسے اشارا کیا اور وہ رُک گیا۔ تینوں آدمیوں کو انتظامیہ کے لوگ سہارا دے کر لے گئے تھے۔ گل اپنی جگہ سہمی ہوئی بیٹھی تھی۔ میں نے عامر کے قریب پہنچ کر پوچھا... "کیا پوزیشن ہے عامر؟"

"بہت کچھ کر لیا ہے۔ یہ ہوٹل تو نجاست کا اڈہ ہے ہر کمرے میں لوگ موجود ہیں اور خاصے جانے پہچانے لوگ ہیں۔"

"تصویریں بنائی ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"کافی بنائی ہیں۔ میرا خیال ہے تمہارے لیے کافی مواد موجود ہے"

"بس ٹھیک ہے آج ہی رات یہاں کچھ ہو گا ذرا میرے ساتھ آؤ۔ تمہاری گاڑی موجود ہے؟"

"ہاں۔ نیچے موجود ہے۔" عامر نے کہا۔

"تم گاڑی کے قریب رُکو میں ابھی آ رہی ہوں۔"

"او۔ کے۔" عامر نے کہا اور وہاں سے چلا گیا۔ میں واپس کمرے میں آ گئی تھی۔ پھر میں نے گل کی طرف مسکراتے ہوئے دیکھا۔

"تم کیوں سہمی سمٹی بیٹھی ہو گل؟"

"یہ۔ یہ سب کیا ہو رہا ہے عالیہ؟" گل نے روہانسی آواز میں کہا۔

"یہ دُنیا بہت گندی ہے گل۔ منیجر نے جان بوجھ کر ان تینوں کو ہمارے کمرے میں بھیجا تھا۔ مقصد یہی ہو گا کہ ہم لوگ ان حالات سے گھبرا کر ہوٹل چھوڑ دیں۔ لیکن..."

"تو کیا اب بھی ہوٹل نہیں چھوڑو گی عالیہ؟"

"ہاں چھوڑ دیں گے مگر جلدی کیا ہے۔ ابھی تو تم تماشا دیکھو۔ تم آرام سے یہاں رُکو۔ میں ابھی آتی ہوں۔"

"کہاں جا رہی ہو عالیہ، میں خوفزدہ ہوں۔"

"بس ابھی تھوڑی دیر میں آئی۔ تم اطمینان سے دروازہ بند کر کے بیٹھو۔ خوفزدہ ہونے کی کیا ضرورت ہے۔"

"ان لوگوں کی دشمنی اچھی نہیں ہے عالیہ۔ ہم کمزور ہیں ان کے خلاف کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ جب کہ یہ کم بخت..."

"ان کم بختوں کا کوئی بندوبست شاید آج ہی رات ہو جائے تم بس اطمینان سے اپنی جگہ رہو۔ اور ہاں دروازہ بند کر لو۔" میں نے کہا اور گل نے گردن ہلا دی۔ میں باہر نکلی اور پھر ہوٹل سے باہر

گئی۔ عامر میرے انتظار میں تھا۔ میں نے کار میں بیٹھتے ہوئے کہا "مجھے کہیں سے فون کرنا ہے عامر۔ کسی ایسی جگہ چلو جہاں سے فون کیا جاسکے۔"

"دفتر چلوں۔ یہاں سے زیادہ فاصلہ بھی نہیں ہے اور وہاں سے اطمینان سے فون بھی کیا جاسکتا ہے۔"

"ٹھیک ہے دفتر چلو" میں نے گردن ہلادی۔ اگر منیجر یہ چھچھوری حرکت نہ کرتا تو شاید میں اس سلسلہ میں اتنی جلد بازی سے کام نہ لیتی اور پہلے یوسف کے مسئلے کو حل کرنے کی کوشش کرتی لیکن منیجر کی اس حرکت نے مجھے مجبور کردیا تھا۔ اس وقت میں انکل شہریار کی کوششوں کو بھی آزمانا چاہتی تھی۔ دیکھوں تو سہی انہوں نے میرے لیے کیا کیا ہے۔ تاکہ آئندہ اقدامات کے لیے مناسب تعین ہوسکے۔

تھوڑی دیر کے بعد میں اخبار کے دفتر پہنچ گئی۔ اخبار کی آخری تیاریاں ہورہی تھیں اور لوگ مصروف تھے میں صباحت صاحب کے دفتر میں پہنچ گئی۔ وہاں سے میں نے ڈائرکٹری اٹھائی اور اس میں پولیس کی ایمرجنسی برانچ کے نمبر تلاش کرنے لگی۔ نمبر تلاش کرنے کے بعد میں نے فون کا ریسیور اٹھاکر... نمبر ڈائل کیے اور ریسیور کان سے لگا لیا۔ چند ساعت کے بعد رابطہ قائم ہوگیا تھا۔

"مسٹر اشرف اسلام سے بات کرنی ہے۔"

"وہ تو اس وقت موجود نہیں ہیں خاتون۔ اگر آپ مسٹر نادر سے بات کرنا چاہیں تو میں ان سے رابطہ قائم کرادوں۔"

"بات کرائیں" میں نے کہا اور تھوڑی دیر کے بعد دوسری طرف سے ایک بھاری آواز سنائی دی۔

"نادر بول رہا ہے۔"

"ڈی ایس پی ایمرجینسی برانچ۔"

"جی ہاں۔"

"سفید تحریک کی ایک عہدیدار بات کررہی ہے۔"

"سفید تحریک۔" ڈی ایس پی کی بڑبڑاہٹ سنائی دی اور پھر اس نے مؤدب لہجے میں کہا۔

"حکم دیجیے۔ کوئی خدمت ہے میرے لیے۔"

"اس وقت کتنی پولیس فوری مل سکتی ہے؟"

"جس قدر حکم ہو۔ دس پندرہ افراد فوری موجود ہیں اگر زیادہ افراد کی ضرورت ہو تو حاضر ہوسکتے ہیں۔" ڈی ایس پی کے لہجے سے انتہائی ادب اور مستعدی کا اظہار ہورہا تھا۔

"زیادہ افراد کی ضرورت ہوگی کم از کم پچاس افراد درکار ہیں کتنی دیر لگ جائے گی ان کی فراہمی میں؟"

"بس آدھا گھنٹہ ہیں علاقے کے تھانوں سے فورس منگوا لوں گا۔"

"آپ ان لوگوں کا بندوبست کرلیں اور پھر گرین پارک ہوٹل پر ریڈ کریں۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کو اس کے بارے میں ضرور معلومات ہوں گی۔ یہ ریڈ ایک گھنٹے کے اندر اندر ہوجانا چاہیے۔ وہاں موجود تمام لوگوں کو گرفتار کرلیا جائے خواہ وہ کسی بھی حیثیت کے ہوں۔ ہوٹل کے منیجر اور اسٹاف کو خاص طور سے گرفتار کیا جائے اور اس سلسلہ میں کوئی رعایت نہ کی جائے۔"

"بہت بہتر۔ میں سفید تحریک کے حکم کے تحت یہ سب درج کرلوں؟"

"جی ہاں۔ آپ کو اس سلسلہ میں کوئی الجھن ہو تو بتائیں؟"

"جی نہیں۔ یہ نام ہی ہمارے لیے کافی ہے بس آپ کسی بھی وقت ہمیں ایک تحریری حکم نامہ بھجوادیں۔"

"مناسب یہ ہوجائے گا آپ گرفتار شدہ لوگوں کو اپنے آفس لے آئیں اور پریس کو اطلاع دے دی جائے۔ پریس کے ساتھ بہتر تعاون کیا جائے۔"

"بہت مناسب۔ بعد کے حالات کے بارے میں کیا حکم ہے؟"

"کسی کے ساتھ کوئی رعایت نہ ہو۔ اس سلسلہ میں ہوم سیکرٹری براہ راست ملوث ہوں گے۔ کوئی بھی بات ان سے کی جاسکتی ہے۔"

"تعمیل حکم ہوگی۔"

"میں سفید تحریک کے تحت آپ کو اس سلسلہ میں مکمل اختیارات سونپ رہی ہوں اور آپ کے لیے ہر ذمہ داری قبول کروں گی۔"

"چند الفاظ اپنے بارے میں عرض کرنے کی جسارت کرسکتا ہوں۔"

"فرمایے۔"

"گرین پارک طویل عرصہ سے میری نگاہوں میں کھٹک رہا تھا۔ میں ان بدنصیب لوگوں میں سے ہوں جو دل میں ملک و قوم کی بہتری کا درد رکھتے ہیں لیکن جگہ جگہ بے بسی کا شکار رہتے ہیں۔"

"میں آپ کو ذہن میں رکھوں گی مسٹر نادر۔"

"بے حد شکر گزار ہوں۔" نادر نے کہا اور میں نے فون بند کردیا۔ اس کے بعد میں نے پرائیٹ تھری کے نمبر ڈائل کیے اور دوسری طرف سے جواب کا انتظار کرنے لگی۔ بڑے ہی با اصول لوگ تھے چند لمحات سے زیادہ نہ لگے نازش نے خود ہی فون ریسیو کیا تھا۔

"عالیہ بول رہی ہے۔"

"چیف۔"

"نازش میں نے سفید تحریک کے تحت ہنگامی حالات میں

لم کیا ہے۔ یہ عمل ناگزیر تھا۔ لم یہ ہے کہ گرین پارک ہوٹل پر ریڈ ہا ہے۔ وہاں موجود تمام لوگوں کو گرفتار کرلیا جائے گا اس سلسلہ پولیس کی ایمرجینسی برانچ کے ڈی ایس پی نادر کو میں نے ت دے دی ہیں۔ نادر کو ہمارے ادارے سے ایک تحریری اجازت نہ کرنی ہے اور ہوم سیکرٹری صاحب سے اس کے لیے تعاون ہا ہے تاکہ ہمارا عمل نامکمل نہ رہے۔ یہ سفید تحریک کی جانب سے ل تحریک ہے اور اس سلسلہ میں کوئی کمزوری ہمارے آئندہ پروگرام اثر کرے گی۔"

"آپ بالکل مطمئن رہیں چیف۔ سارے کام آپ کی ہدایت اور ند کے مطابق ہوں گے۔ کیا اس ریڈ کی نگرانی کی جائے؟" نازش پوچھا۔

"اگر ممکن ہوسکے تو دور دور سے۔ براہ راست ملوث ہونے ضرورت نہیں ہے۔"

"او کے چیف۔"

"تو میں مطمئن رہوں۔"

"مکمل طور پر۔" نازش نے جواب دیا اور میں نے فون بند ردیا پھر میں باہر نکل آئی۔ عامر میرا انتظار کررہا تھا۔ میں اس کے ساتھ واپس چل پڑی۔ گرین پارک پہنچ کر جب میں اپنے کمرے کے سامنے پہنچی تو دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اندر قدم رکھا تو منیجر اور اس کے ساتھ دو اور افراد نظر آئے۔ گل کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

"آپ کہاں گئی تھیں؟" منیجر نے کرخت لہجے میں پوچھا۔

"قبر کھودنے۔" میں نے پرسکون انداز میں جواب دیا۔

"کیا مطلب؟"

"پارٹ ٹائم میں میں گورکن کا کام انجام دیتی ہوں۔"

"تم حد سے آگے بڑھ رہی ہو بے وقوف لڑکی۔ میں اپنے م سے کام رکھنے کا عادی ہوں لیکن ضرورت سے زیادہ چالاک نے والوں کو میں راستے سے ہٹانے کی اہلیت رکھتا ہوں۔ تمہیں لال بھی وارننگ دینے آیا ہوں۔"

"ذرا تفصیل سے بتائیں منیجر۔" میں نے لطف لیتے ہوئے کہا۔

"یہ ہوٹل پارساؤں کے لیے نہیں ہے اور پھر تم جیسی پارسا نہ جیسی لڑکی کے ساتھ رہ کر بھی تم خود کو پارسا کہتی ہو؟"

"کہتی تو ہوں اور میرے خیال سے مجھے اس کا حق بھی اصل ہے۔"

"میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ علی الصباح یہ ہوٹل چھوڑدو۔ ورنہ نتائج کی ذمہ دار تم خود ہوگی۔"

"لیکن ہم نے کرایے کی رقم ادا کی ہے۔"

"وہ تمہیں واپس مل جائے گی۔ میں اپنے ہوٹل میں غلط لوگوں کا وجود برداشت نہیں کرسکتا۔"

"کیونکہ تم اس ہوٹل کے مالک بھی ہو۔" میں نے ہنس کر کہا۔

"ہاں۔ میں اس کا مالک ہوں۔ میں جسے چاہوں یہاں رہنے دوں اور جسے نہ چاہوں نہ رہنے دوں۔ یہ میری مرضی پر منحصر ہے۔"

"لیکن یہاں آنے والے بھی تو گھسیارے ہی نہ ہوتے ہوں گے منیجر۔"

"میں اپنے سامنے انہیں گھسیارہ ہی سمجھتا ہوں۔" منیجر نے اکڑ کر کہا۔

"تم نے کہا تھا تم اپنے ہوٹل میں غلط لوگوں کا وجود برداشت نہیں کرسکتے۔"

"ہاں۔ تم یہاں نہیں رہ سکتیں۔"

"مگر ہم غلط کہاں ہیں منیجر۔ ہم تو تمہارے گندے کاروبار میں بھی تمہارے ساتھی نہیں ہیں۔"

"بکواس کرتی ہو۔ تم بہت چالاک لڑکی معلوم ہوتی ہو۔ قیام یہاں ہے تمہارا اور کاروبار باہر کرتی ہو۔ اس وقت تم کہاں گئی تھیں۔ کیا تمہارے خیال میں ہم لوگ گدھے ہیں؟"

"اوہ کیسی شریف النفس شخصیت کا نام لے دیا تم نے منیجر۔ تمہاری بہ نسبت وہ تو بہت ارفع ہے۔ بہرحال ٹھیک ہے ہم دونوں صبح کو یہ ہوٹل چھوڑ دیں گی لیکن جانِ من اس سے پہلے ہی بہت کچھ ہوجائے گا۔"

"کیا ہوجائے گا؟"

"تمہارا وقت قریب ہے بس اس سے زیادہ میں کچھ نہیں کہوں گی۔" میں نے کہا اور کمرے میں داخل ہوگئی۔ منیجر غصے سے پیچ و تاب کھا رہا تھا۔ پھر اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔

"اگر صبح کو یہ لوگ ہوٹل نہ چھوڑیں تو ان کا سامان نکال کر باہر پھینک دیا جائے اور انہیں دھکے دے کر باہر نکال دیا جائے۔"

میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ میں نے کمرے کا دروازہ اندر سے بند کرلیا اور پھر گل کی طرف متوجہ ہوگئی۔

"تم کیوں رو رہی ہو بے وقوف لڑکی؟" میں نے اس کے قریب پہنچ کر کہا اور وہ مجھ سے لپٹ کر بلک پڑی، کافی دیر تک وہ روتی رہی۔ پھر بولی۔

"عالیہ۔ کیا دُنیا میں چند لوگ صرف ناکام رہنے آتے ہیں؟"

"نہیں گُل۔ ہرگز نہیں؟"

"پھر میں اتنی بے بس کیوں ہوں؟"

"یہ صرف تمہارا احساس ہے گُل۔ تم کہاں بے بس ہو؟"

"اوہ عالیہ۔ تم میری ذہنی کیفیت نہیں سمجھتیں۔ میں ہر لمحے سے خوفزدہ ہوں۔ مجھے یقین نہیں ہے کہ میں عالیہ کوئی بہتر زندگی حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گی؟"

"کیوں یقین نہیں ہے؟"

"اس لیے کہ دُنیا۔ دُنیا کسی کو بُرائیوں میں دھکیلنے کے لیے تو تعاون کرتی ہے اُسے غلاظت سے نکالنا پسند نہیں کرتی؟"

"یہ تو تم نے ٹھیک کہا گُل۔ اچھا ایک بات بتاؤ؟"

"جی عالیہ؟"

"تمہیں یوسف پر اعتماد ہے؟"

"ہے عالیہ لیکن اپنی تقدیر پر نہیں؟"

"یوسف کو تم نے کیسا پایا؟"

"میں تمہیں بتا چکی ہوں۔ اُس نے سب کچھ جاننے کے بعد مجھے اپنانے کی پیشکش کی ہے۔ جانتی ہو عالیہ اُس نے کیا کہا..."

"بتاؤ..."

"اُس نے کہا ہے عالیہ۔ کہ تعمہ! انسان بے بس ہے وہ زندگی کے ہر شعبے میں بے بس ہے۔ نہ اپنی خوشی سے جی سکتا ہے نہ مر سکتا ہے۔ بے بسی کے اس غلاف میں لپٹے ہوئے اِس حقیر سے مولے کا جب کوئی سانس اس کی ملکیت نہیں ہے تو اُسے گناہ گار کیوں سمجھا جائے۔ تم جو کچھ بھی ہو میری نگاہوں میں پاکیزہ ہو۔ میرے اس جذبے کو صداقت بخشنا تعمہ۔ اب خود کو میری امانت سمجھنا؟"

"ایک سوال میں بھی کروں گی گُل؟"

"وہ کیا عالیہ؟"

"اگر یوسف وہ نہ نکلا جو اُس نے کہا ہے تب؟"

"تب۔ تب میں نہیں جانتی عالیہ کیا ہوگا؟"

"مشورہ تو کر سکتی ہو؟" میں نے اُسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"مشورہ...؟ کس سے؟"

"مجھ سے؟"

"تم نے میری زندگی کو ایک اعتماد دیا ہے عالیہ۔ میں اس قابل نہیں ہوں کہ کوئی شریف عورت مجھے اپنے قریب بیٹھنے کی جگہ دے۔ تم نے مجھے یہ اعزاز دیا ہے۔ خدا کی قسم تم یوسف سے بھی زیادہ قابلِ اعتماد ہو اس لیے کہ یوسف مرد ہے۔ اسے بہرحال میرے وجود سے ایک لالچ ہے جو تمہیں نہیں ہے؟"

"تو پھر ایک بات غور سے سُن لو گُل۔ میں تمہاری تمہاری ہمدرد، تمہاری غمگسار ہوں۔ میں زندگی کی آخری سا[نس تک] تمہاری حفاظت اور تم سے تعاون کروں گی۔ تم نے بُری ز[ندگی گزاری] ہے۔ اس میں زندگی گزاری ہے لیکن جب تم نے بُرائی کے چھوڑنے کی قسم کھائی ہے تو اگر ایک انسان ایک مرد اپنی روای[ات] چھوڑے اور وہ خود بھی بُرا نکلے تو تم بددل نہ ہونا؟"

"یوسف کی بات کر رہی ہو عالیہ؟"

"ہاں؟"

"لیکن۔ لیکن اگر یوسف بھی عام آدمی نکلا تو میں کیا کر[وں گی] کیا پھر اسی بُرائی کی دُنیا میں واپس لوٹ جاؤں؟"

"ہرگز نہیں؟"

"پھر کیا کروں عالیہ؟"

"اچھائیوں کی تلاش؟"

"تنہا؟"

"نہیں میرے ساتھ؟"

"تم ایک طویل وقت کے لیے میرا ساتھ دے سکتی ہو؟"

"ہاں۔ میں وعدہ کرتی ہوں کہ اُس وقت تک تمہاری رہوں گی جب تک تم زندگی کی اچھائیاں نہ پالو؟"

"اگر تم میرا سہارا بن جاؤ عالیہ تو خدا کی قسم حالات [...] ہوں۔ میں بُرائیوں کا رُخ نہیں کروں گی۔ میں تمہارے قدموں [میں] شرافت کی زندگی گزار دوں گی۔ مجھ سے اور کوئی لغزش نہیں [ہوگی]"

"بس ٹھیک ہے۔ ہمارے درمیان یہ معاہدہ ہے۔ [...] اگر اچھا انسان نکلا اور اُس نے خلوص سے تمہارا ہاتھ پکڑ لیا [تو] مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ تم اُس کی امانت ہو گی۔ لیکن اگر [وہ] صحیح انسان نہ ثابت ہوا تو تم بقیہ زندگی میری ہدایت کے تحت گزارو گی...؟"

"میں وعدہ کرتی ہوں عالیہ۔ کہ تاز ندگی تمہاری احسا[ن مند] رہوں گی؟" گُل نے روتے ہوئے کہا۔

"روتے نہیں گُل۔ زندگی کے اچھے راستے تو خوشی سے جاتے ہیں اور ہاں یہ کم بخت کیوں آمرا تھا؟"

"کون منیجر؟"

"ہاں؟"

"کمینہ انسان ہے۔ اسے اس بات کا دکھ ہے کہ دو دو لڑ[کیاں] اس کے ہوٹل میں بیکار ٹھہری ہوئی ہیں؟"

[م]یرا خیال ہے اب اس ہوٹل کو تباہ ہو جانا چاہیے ممکن ہے [اس کے] بند ہونے کے بعد چند اور لڑکیاں جنہیں یہاں کا سہارا حاصل [ہے نیکی] کی جانب راغب ہو جائیں۔ کیا خیال ہے تمہارا؟"

"ہاں عالیہ ممکن ہے لیکن تم اس جہنم کی تباہی کے بارے [م]یں سوچ رہی ہو۔ برائیاں بے حد مضبوط ہوتی ہیں... ان کی [تباہی آ]سان نہیں ہے؟"

"یہ بُرائی آج رات ختم ہو جائے گی گُل۔ انتظار کرو؟"

"آج رات؟" گُل نے تعجب سے کہا۔

"ہاں آج رات؟"

"اتنے اعتماد سے کہہ رہی ہو عالیہ؟"

"ہاں۔ انتظار کرو؟" میں نے پُرسکون لہجے میں کہا اور گُل [حیرت] سے میری صورت دیکھنے لگی۔ پھر ہم دونوں انتظار کرتی رہیں [انتظار] کرتی رہیں۔ میں نے گُل کو بھی سونے نہیں دیا تھا اور اس [رات کا] نہ جانے کون سا پہر تھا جب شور و غل کی آوازیں [سُن کر م]یں، گُل چونک پڑی۔ اُس نے سہمی ہوئی نگاہوں سے میری طرف [دیکھا] اور میں مُسکرانے لگی۔

"عالیہ۔ یہ آوازیں سُن رہی ہو؟"

"ہاں؟"

"یہ کیسی آوازیں ہیں؟"

"منیجر کی جنت تباہ ہو رہی ہے؟"

"گُل کیا مطلب؟"

"منیجر کا غرور لوٹ رہا ہے؟"

"کیا کہہ رہی ہو عالیہ؟"

"ہم انتظار کر رہی تھیں گُل۔ انتظار کا وقت ختم ہو گیا ہے [اب ت]یاریاں کریں؟" میں نے کہا اور اپنا مختصر سامان سمیٹنے لگی۔ اسی [وقت] دروازے پر دستک ہوئی اور میں نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول [دیا۔ باہر] عامر تھا۔

"ہوٹل پر ریڈ ہوا ہے۔ کیا آپ خاموشی سے باہر چلنا پسند [کریں] گی خواتین؟" اُس نے کہا۔

"چلو؟" میں بولی اور ہم دونوں خاموشی سے باہر نکل آئیں۔ [نکل]نے کے لیے ہم نے عقبی راستہ استعمال کیا تھا۔ کچھ اور لوگ بھی [ہوٹل کے]دروازے سے نکل کر بھاگ رہے تھے لیکن پولیس کا ایک گروہ [گھوم]تا ہوا اس طرف بھی آگیا اور بہت سے لوگوں کو یہیں دا[بوچ لی]ا۔

"بس جناب۔ اب آپ جائیے آپ کو یقیناً یہاں کی تصاویر بھی بنانی ہوں گی؟" میں نے عامر سے کہا اور وہ میرا مقصد سمجھ گیا وہ مجا[ل] تاریکی میں گم ہو گیا اور میں گُل کو لے کر ایک طویل چکر کاٹ کر ہوٹل کے سامنے کے رُخ پر پہنچ گئی اور پھر میں نے ڈی ایس پی نادر کی کارکردگی دیکھی۔ بے شک زندگی کے ہر شعبے میں ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ نادر ان بدکاروں سے خود بھی نفرت کرتا تھا اور اس وقت اُسے اپنی نفرت کے اظہار کا موقع ملا تھا۔ پولیس افسران ہر شخص کو بالخصوص ٹھوکریں مارتے ہوئے باہر لا رہے تھے انہوں نے کسی کی حیثیت ماننے سے انکار کر دیا تھا اور اس وقت اُن کی نگاہوں میں ان سب کی ایک ہی حیثیت تھی۔

دفعتاً ایک کار ہمارے قریب آکر رُک گئی "خواتین اگر آپ کو کسی مدد کی ضرورت ہو تو...؟" میں نے چونک کر اندر جھانکا عدنان شیرازی اسٹیئرنگ پر بیٹھا ہوا تھا۔

"شکریہ" میں نے کار کا دروازہ کھولا اور اندر بیٹھ گئی۔ گُل کو بھی میں نے اپنے ساتھ ہی گھسیٹ لیا تھا گُل پریشان تھی۔

"کہاں چلوں؟" عدنان نے پوچھا۔

"مجھے میرے فلیٹ پر چھوڑ دیں مسٹر شیرازی" میں نے جواب دیا اور شیرازی نے کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔ ہوٹل کے ہنگامے آن کی آن میں نگاہوں سے اوجھل ہو گئے۔ ہم سب خاموش تھے۔ عدنان نے ایک اور شخصیت کو میرے ساتھ دیکھ کر کوئی بات نہیں کی تھی اور یہ ایک اچھی بات تھی۔

فلیٹ پر جب پہنچے تو رات کے پونے چار بجے تھے۔ عدنان نے کار روک دی اور پھر ہم نیچے اتر گئے "میرے لیے کیا حکم ہے؟"

"بس شیرازی شکریہ؟"

"خدا حافظ" شیرازی نے کہا اور کار آگے بڑھا دی۔

"آؤ گُل" میں نے کہا اور گُل بادلِ ناخواستہ میرے ساتھ چل پڑی۔ اس کے منہ سے ایک لفظ بھی نہیں نکل سکا تھا۔ فلیٹ کے دروازے پر کھڑے ہو کر کئی بار بیل بجانی پڑی تب کہیں جا کر دروازے کے رخنوں سے روشنی جھانکی۔ پھر مس میری کی ذرا سی آواز سنائی دی۔

"کون ہے؟"

"دروازہ کھولو مس میری" میں نے کہا اور بڑی عجلت سے دروازہ کھل گیا مس میری شب خوابی کے لباس میں تھی۔ اس نے کچھ کہنے کے لیے ہونٹ کھولے لیکن پھر گُل کو دیکھ کر ایک دم خاموش ہو گئی۔ میں گُل کو ساتھ لیے ہوئے اپنی خواب گاہ میں آ گئی۔ گُل [...] درج پر تھی... "بیٹھو۔ اور آرام سے بیٹھو" میں

نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"یہ۔ یہ ہوٹل تو نہیں ہے۔" گل نے ششدر انداز میں کہا۔

"گھر اور ہوٹل میں تو بہت فرق ہوتا ہے گل۔" میں نے بدستور مسکراتے ہوئے کہا۔

"گھر۔ ہاں لیکن یہ کس کا مکان ہے؟" گل نے پوچھا۔

"تم اسے اپنا بھی سمجھ سکتی ہو۔"

"یعنی تمہارا۔ لیکن عالیہ۔۔۔" گل نے بدستور پریشان انداز میں کہا۔

"میں تمہیں سب کچھ بتا دوں گی۔ ہاں یہ بتاؤ کیا پیو گی۔ میرا خیال ہے کافی پی جائے۔ یوں بھی اب نیند کا کیا سوال ہے۔"۔۔۔

پھر میں نے مس میری کو آواز دی۔ مس میری فوراً اندر آگئی تھی۔

"ہم دونوں کافی پئیں گی۔"

"ابھی لائی۔" مس میری نے خوشگوار انداز میں کہا اور باہر نکل گئی۔ گل ۔ ایک چیز کو تعجب سے دیکھ رہی تھی پھر اس نے کہا۔

"لیکن عالیہ تمہارے شوہر؟"

"ان کا انتقال ہو گیا۔" میں نے کہا اور ہنس پڑی۔

"ارے ارے کیسی باتیں کر رہی ہو؟"

"ہاں گل۔ میرا خیال ہے وہ پیدا ہونے سے قبل ہی مر گئے۔ زندہ ہوتے تو ان کا ہمیں نہ کہیں وجود ہوتا۔"

"خدا کی پناہ عالیہ میں پاگل ہو جاؤں گی۔ یہ سب کیا ہے۔ تم کیسی باتیں کر رہی ہو۔" گل نے کہا۔

"کافی کے دوران یہ لذیذ گفتگو ہوگی ذرا سا انتظار کر لو۔" میں نے کہا اور گل منہ پھاڑے مجھے دیکھتی رہی۔ مس میری بہت پھرتی سے کافی بنا لائی تھی۔ اس نے دو پیالیاں ہمارے سامنے رکھ دیں۔

"اور مس میری کیسے مزاج ہیں آپ کے؟"

"ٹھیک ہوں۔"

"اس دوران کوئی خاص بات؟"

"خاص تو کوئی نہیں۔ البتہ سلطان آئے تھے۔ تمہیں پوچھ رہے تھے۔ میں نے کہا آپ باہر گئی ہوئی ہیں۔ تو کہنے لگے میں تمہیں سمجھاؤں ورنہ کسی نہ کسی دن تم کسی حادثے کا شکار ہو جاؤ گی۔"

"اور تو کوئی نہیں آیا؟"

"ہاں وہ اول جلول پھر آیا تھا عجیب آدمی ہے عجیب بے تکی باتیں کرتا ہے۔"

"کون؟" میں نے پوچھا۔

"بقراط نیس مراتی۔" مس میری نے برا سا منہ بنا کر کہا اور میں ہنس پڑی۔ "اس بار پندرہ روپے دے گیا ہے۔ وہ کہہ گیا ہے باقی بچے تیس۔"

"اور کیا کہہ رہا تھا؟"

"مجھ سے پوچھنے لگا کہ میرا ذریعہ آمدنی کیا ہے اور یہ کہ ابھی تک شادی کیوں نہیں کی ہے؟"

"تم نے کیا جواب دیا؟"

"اس فضول بکواس کا میں کیا جواب دیتی۔"

"پیسے لے لیے تم نے؟"

"ہاں وہ زبردستی چھوڑ گیا۔ مجھ سے پوچھ رہا تھا کہ میں کے لین دین کی قائل ہوں یا نہیں اور پھر مذہبی حوالے دینے ضرورت مند کی مدد کرنا کتنا بڑا ثواب ہے۔ کہہ گیا کہ اس موضو گفتگو کرنے کے لیے پھر آئے گا۔" مجھے مسلسل ہنسی آرہی تھ

"تمہیں ہنسی آرہی ہے اور مجھے غصہ۔ آخر یہ کون ہے اور کون سا قرض واپس کر رہا ہے۔" مس میری نے غصے میں کہا۔

"اس شخص نے مجھ سے پچاس روپے قرض لیے تھے ا دن۔ بہرحال اس کے علاوہ کوئی اور؟"

"نہیں بس اور کوئی نہیں آیا۔" مس میری ناک چڑھا کر اور میں نے اسے آرام کرنے کی اجازت دے دی۔ گل یہ گفتگو تعجب سے سن رہی تھی۔

"کافی پیو گل ٹھنڈی ہو جائے گی۔" میں نے مس میری کے جانے کے بعد کہا۔

"میں سچ کہہ رہی ہوں عالیہ حیرت سے پاگل ہو جاؤں اگر تم نے تفصیل نہیں بتائی۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا۔ تم اپنے کے انتظار میں گرین پارک میں مقیم تھیں اور اب۔۔۔"

"پہلے یہ بتاؤ گرین پارک کی تباہی سے خوشی ہوئی یا ن"

"عالیہ۔ خدا تمہیں اس نیک کام کی جزا دے گا۔ مجھے لگ ہے منیجر سے تمہاری پیش گوئی بے مقصد نہیں تھی۔ اس میں نہ کوئی گہرائی ضرور ہے۔"

"ہاں گل میں اس کی تباہی کے مکمل انتظامات کر کے تھی اور تمہیں یہ سن کر خوشی ہوگی کہ اب منیجر کی گلو خلاصی کسی ممکن نہیں ہے۔ گرین پارک اب بھی آباد نہیں ہوگا۔"

"منیجر کے تعلقات اس وقت کہاں گئے۔ در حقیقت بڑے جوڑ توڑ کا انسان ہے گرین پارک سے گرفتار ہونے وا بھی معمولی لوگ نہیں ہوں گے۔" گل نے کہا۔

گل کے اخبارات میں تم ان غیر معمولی لوگوں کی تصویریں اور نام دیکھو گی۔ میں نے اس کا بندوبست کر لیا ہے۔ یہ کام فوراً ہو جائے گا۔ ہاں اگر دیر ہو گئی تو وہ اپنے تعلقات اپنی حیثیت استعمال کرنے کی کوشش کریں گے۔ اوہ ٹھہرو میں ذرا ایک فون کر لوں۔" مجھے کچھ یاد آیا۔ میں نے فون کی طرف دیکھا تو گل نے فون اٹھا کر میرے قریب رکھ دیا۔ وہ حیران بھی تھی اور خوش بھی نظر آرہی تھی۔ میں نے صباحت صاحب کے گھر نمبر ڈائل کیے اور ریسیور کان سے لگا کر بیٹھ گئی۔ میرے اندازے کے مطابق کافی دیر کے بعد فون ریسیو کیا گیا تھا۔

"ہیلو۔ کون ہے؟" صباحت صاحب کی بھرائی ہوئی آواز سنائی دی۔

"نامہ نگار عالیہ جسے جاپانی کہتے ہیں۔"

"اوہ۔ عالیہ بیٹے تم۔ خیریت کہاں سے بول رہی ہو؟" صباحت صاحب کی آواز سے نیند غائب ہو گئی۔

"جی ہاں بالکل خیریت۔ اپنے فلیٹ سے بول رہی ہوں اور آپ کی خیریت خطرے میں ڈال رہی ہوں۔"

"ضرور۔ واپس آگئی ہو؟"

"ابھی نہیں۔ بہرحال صباحت صاحب براہ کرم تیار ہو کر دفتر پہنچ جائیں۔ لیڈ بدلوانی ہے۔ کون سی لیڈ لگائی ہے؟"

"ویسے ہی ایک سیاسی لیڈر کے بارے میں جو بیرون ملک وطن کے خلاف سازشوں میں مصروف ہے۔"

"اسے نکلوا کر دوسری لیڈ لگوا دیں۔ جو ہوٹل گرین پارک کے بارے میں ہے۔"

"خوب خوب۔ تم نے عامر کو وہیں بلایا تھا نا۔ میں پہلے ہی سمجھ گیا تھا کہ کوئی خاص بات ہے۔" صباحت صاحب بولے۔ "لیڈ کیا ہوگی؟"

"وطن کی پیشانی کے ناسور کو صاف کر دیا گیا۔ اس کے بعد کی رپورٹ آپ ایک گھنٹے کے بعد مجھ سے منگوا لیں یا فون پر لکھ لیں۔ میں رپورٹ ریکارڈ کرا دوں گی۔"

"اوکے۔ میں دس منٹ کے اندر اندر پہنچ رہا ہوں۔ ویسے لیڈ کی کتابت کے لیے ابھی دفتر فون کیے دیتا ہوں۔"

"بہتر صباحت صاحب۔ عامر تصاویر لے کر آئے گا۔ دوسری تمام غیر ضروری چیزیں روک دیں اور وہ تمام تصاویر اخبار پر آویزاں کر دیں۔"

"خواہ کسی کی بھی ہوں؟"

"بلا رعایت۔ سب کچھ بعد میں دیکھا جائے گا۔" میں نے جواب دیا اور صباحت صاحب نے فون بند کر دیا۔ بے چاری گل مسلسل حیرت کا شکار تھی۔ فون رکھ کر میں نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا اور وہ خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر بولی۔

"تم بے حد پراسرار ہو عالیہ۔"

"خیر ایسی بات بھی نہیں ہے گل۔ دراصل میں ایک اخبار کی رپورٹر ہوں اور اپنے اخبار کے لیے سنسنی خیز خبریں حاصل کرنا میرا کام ہے۔ تم جانتی ہو اخبار والوں کی پولیس سے کیسی گاڑھی چھنتی ہے میرے بھی بڑے تعلقات ہیں چنانچہ اس سلسلے میں میں نے پولیس کی مدد کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ گرین پارک بہت دنوں سے میری آنکھوں میں کھٹک رہا تھا۔ میں خود ایک بری عورت کی حیثیت سے وہاں گئی۔ میرے معاون میرے اخبار کے دوسرے ساتھی اور پولیس کے ارکان تھے چنانچہ بعد کے حالات تمہیں معلوم ہیں کہ میں نے کس طرح وہاں کے بارے میں معلومات حاصل کیں اور کس طرح منیجر کو پچھاڑ دیا جو خود کو ناقابل تسخیر سمجھتا تھا۔"

"اس کے تو وہم و گمان میں بھی نہیں ہوگا کہ تم اتنی خطرناک ہو لیکن میں اب بھی سخت حیران ہوں۔ کیا عورت بھی اس قدر صاحب اختیار ہو سکتی ہے۔ عالیہ تم نے یہ مقام کس طرح حاصل کیا؟"

"بس ہمت ضروری چیز ہے گل۔ تم بھی یہ حیثیت حاصل کر سکتی ہو۔ مجھے تھوڑی دیر کے لیے اجازت دو تاکہ میں اخبار کے لیے رپورٹ لکھ لوں۔"

"میں بھی دیکھوں کہ تم کیا کرتی ہو۔ میری وجہ سے پریشان تو نہیں ہو گی؟"

"نہیں ٹھیک ہے۔" میں نے کہا اور پھر اٹھ کر رائٹنگ ٹیبل پر جا بیٹھی اور پھر میں نے اپنا کام شروع کر دیا۔ گرین پارک کا سارا کچا چٹھا میرے علم میں آچکا تھا۔ میں نے نہایت موثر رپورٹ لکھی اور اس میں ان مظلوم لڑکیوں کا تذکرہ بھی کیا۔ جو حالات کے ہاتھوں مجبور ہو کر وہاں تک پہنچ جاتی ہیں۔ دوران رپورٹ میں نے گل سے بھی کئی جگہ مدد لی تھی۔ رپورٹ تیار ہو گئی تو میں نے اس پر آخری نگاہ ڈالی۔ گل کو پوری رپورٹ سنائی اور پھر فون اٹھا کر دفتر کے نمبر ڈائل کیے۔ صباحت صاحب وہاں پہنچ چکے تھے۔ میں رپورٹ ریکارڈ کرانے لگی اور تھوڑی دیر کے بعد اس کام سے فارغ ہو گئی۔

"اور کچھ محترمہ؟" صباحت صاحب نے پوچھا۔

"جی نہیں بس۔ عامر پہنچا؟" میں نے سوال کیا۔

"نہیں لیکن اس کا ٹیلی فون آیا تھا۔ اس نے کہا ہے کہ وہ تھوڑی دیر کے بعد پہنچ رہا ہے۔ تصویروں کے بارے میں اس نے

کہا ہے کہ تقریباً ایک صفہ درکار ہوگا۔"

"ٹھیک ہے ساری تصاویر نمایاں ہوں۔ خدا حافظ" میں نے فون بند کر دیا اور پھر گل کی سرخ آنکھوں کو دیکھنے لگی۔ "گل اب تمہیں نیند آ رہی ہے۔ میرا خیال ہے سو جاؤ۔ کل اطمینان سے باقی گفتگو کریں گے۔"

"ذہن بوجھل ضرور ہے عالیہ لیکن یقین کرو نیند نہیں آ رہی۔ البتہ تمہارے لیے میں ضرور سوؤں گی۔ ورنہ میری وجہ سے تم بھی جاگتی رہو گی۔" گل نے کہا اور میں نے اس سلسلہ میں کوئی تکلف نہیں کیا۔ درحقیقت میں سونا چاہتی تھی۔ کیوں کہ میرا کام فی الحال ختم ہو گیا تھا۔ گل کو میں نے دوسری خواب گاہ دی اور خود اپنے بستر پر آ گئی۔ کھڑکیوں سے صبح کے نقوش اجاگر ہو رہے تھے اور میرے ذہن میں سوچوں کے انبار تھے۔ گرین پارک کی کہانی ختم ہو گئی تھی۔ میرے لیے ایک بے حقیقت چیز تھی۔ جو لوگ گرفتار ہوئے تھے ان کی طرف سے بھی کوئی خطرہ نہیں تھا کیونکہ معاملہ بہت بڑے آدمی کے ذریعے ہوا تھا۔ انکل شہریار کی حیثیت معمولی نہیں تھی اور سفید تحریک بہرحال ایک بڑی حیثیت رکھتی تھی۔ اب بات گل کی تھی جس مقصد کے لیے میں گرین پارک گئی تھی وہ ادھورا رہ گیا تھا۔ یوسف ایک پراسرار آدمی تھا اور مجھے اس کے بارے میں کھوج تھی۔ یہاں کئی نشان موجود تھے۔ یعنی ٹھوڑی کا تل اور گڑھا۔ اور پھر مشرقِ وسطیٰ کے اس ملک کا نام....

نازش کو میں نے اس کام پر لگایا تھا۔ لیکن ابھی تک اس کے بارے میں کوئی رپورٹ نہیں ملی تھی۔ بہرحال کل دن میں اس سلسلے میں کوئی موثر کارروائی مناسب ہو گی۔ اس کے بعد میں سونے کی کوشش کرنے لگی اور تھوڑی دیر میں مجھے نیند آ گئی۔

جب آنکھ کھلی تو ساڑھے دس بجے تھے لیکن ذہن یکسو نہیں تھا۔ نیند پوری نہیں ہوئی تھی اور طبیعت پر بھاری پن تھا۔

مس میری سے معلوم ہوا کہ گل جاگ گئی ہے اور ایک کپ چائے پینے کے بعد اخبار میں غرق ہے۔ باتھ روم سے فراغت کے بعد میں گل کے کمرے میں پہنچ گئی۔ گل درحقیقت اخبار میں ایسی کھوئی ہوئی تھی کہ اسے میرے آنے کی خبر ہی نہیں ہوئی اور پھر جب میں نے اسے پکارا تو وہ اچھل پڑی۔

"اوہ۔ عالیہ تم جاگ گئیں؟ دیکھو۔ دیکھو کمال ہی ہو گیا۔"

"کیا ہوا؟" میں مسکراتی ہوئی بیٹھ گئی۔

"سب کی تصویریں چھپی ہیں۔ وہ منحوس بھی تھا۔"

"کون؟"

"وہی کالا کلوٹا فرزند رحیم۔ کم بخت بہت بڑے آدمی کا بیٹا ہے۔ تمہیں یاد آ گیا بھئی۔ وہی جس کے اس دن میں نے تھپڑ مارا تھا۔"

"خوب وہ بھی گرفتار ہوا ہے؟"

"ہاں۔ تصویر موجود ہے اور عالیہ ایسے ایسے لوگوں کی تصویریں ہیں کہ میں تمہیں بتا نہیں سکتی۔ یہ سب کے سب معزز و بڑے نیک نام ہیں لو دیکھو۔" گل نے اخبار میری طرف بڑھا دیا۔ واقعی بڑے بڑے نام تھے اور اب مجھے اس کا ردِعمل معلوم کرنا تھا۔ اس سلسلہ میں صباحت صاحب سے عمدہ ذریعہ اور کوئی نہیں تھا۔ چنانچہ میں نے انہیں فون کیا۔ صباحت صاحب دفتر میں موجود تھے۔ میری آواز سن کر ان کے انداز میں تپاک پیدا ہو گیا۔

"خیریت سنایئے صباحت صاحب۔"

"بالکل خیریت ہے۔ تم دفتر کب آ رہی ہو؟"

"یہ تو ایک قدم تھا صباحت صاحب، دفتر تو میں چھٹیاں پوری کرنے کے بعد ہی آؤں گی بلکہ ممکن ہے کچھ اور چھٹیاں بھی لے لوں۔"

"اوہ۔ ٹھیک ہے میں نے تو بس پوچھ لیا تھا۔"

"اس سلسلہ میں کوئی فون وغیرہ؟"

"ابھی تک مکمل خاموشی ہے۔ کوئی قابلِ ذکر بات نہیں ہوئی میں خود بھی متوقع تھا کہ کچھ فون وغیرہ ضرور آئیں گے۔ لیکن کوئی نہیں آیا۔ ہاں اخبارات کے دفاتر سے فون ضرور موصول ہوئے۔ سب کے سب ان تصاویر پر حیران ہیں۔"

"آپ خوش ہیں صباحت صاحب؟"

"تم سے ایسی ہی توقعات رکھتا ہوں۔" صباحت صاحب نے کہا اور میں نے فون بند کر دیا۔ اس گفتگو کے بعد میں سوچ میں گم ہو گئی۔ ابھی یوسف کے سلسلہ میں کام کرنا تھا۔ گل کا کیا کروں۔ اسے فلیٹ پر ہی رکھوں یا پوائنٹ تھری لے جاؤں۔ پھر میں نے یہی فیصلہ کیا کہ گل کو میں لے جاؤں۔ مس میری کے ساتھ رہ کر وہ بور ہو جائے گی۔ جب تک یوسف کی صحیح صورتِ حال سامنے نہ آ جائے۔ میں اس کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکتی تھی۔ چنانچہ میں نے اس سے تیار ہونے کے لیے کہا۔

"اب کہاں چل رہی ہو؟"

"اپنے دوسرے گھر۔"

"وہ کہاں ہے؟"

"آؤ ابھی تو تمہیں بہت کچھ دکھانا ہے۔ ابھی تم نے دیکھا ہی کیا ہے۔" میں نے کہا اور گل تیار ہو گئی۔ اس کے اندر سرکشی نہیں تھی۔ بعض باتیں وہ نہ سمجھ کر بھی خاموش ہو جاتی تھی۔ بہرحال میں

[…]کی بڑی ذمہ داری محسوس کر رہی تھی۔ جب میں نے سراج […]ال کو وہ اور بھی حیران ہوئی۔ وہ کسی قدر مرعوب نظر آ رہی تھی جس […]لدا اس نے راستے میں کیا۔

"تمہاری مالی حالت بہت بہتر ہے عالیہ۔"

"ہاں دفتر کی طرف سے کافی آسانیاں دی گئی ہیں۔"

"میرے ذہن میں ایک پریشانی ہے عالیہ۔"

"وہ کیا؟"

"یوسف سے اب میرا رابطہ کیسے قائم ہو گا؟"

"اس کی فکر مت کرو۔" میں نے سکون سے کہا لیکن گل اس […]ز میں مجھے دیکھنے لگی جیسے میری بات کی وضاحت چاہتی ہو۔ […]الحال اس کے لیے بہتر ذریعہ بن سکتا ہے۔ ویسے بھی میں نے […]بارے میں اپنے آدمیوں کو ہدایت دے دی ہے۔ تم قطعی مطمئن رہو۔"

"اب ٹھیک ہے عالیہ۔" گل نے گہری سانس لی اور پھر […] مطمئن نظر آنے لگی۔ پوائنٹ تھری کی خوبصورت عمارت […]پنے کئی ساتھی موجود تھے۔ میں نے ان لوگوں سے گل کا تعارف […]ور پھر یہ بھی کہا کہ وہ چند روز یہاں مہمان رہے گی۔ ڈولی […]نہایت تپاک سے گل کو خوش آمدید کہا تھا۔

"نازش صاحب موجود نہیں ہیں؟" میں نے پوچھا لیکن میرا […]بھی نہیں ہوا تھا کہ نازش کی آواز سنائی دی۔

"نازش حاضر ہے ملکۂ عالیہ۔" اور میں مسکرا پڑی۔ نازش […]ادیکھ کر سنجیدہ ہو گیا تھا۔ مختصر سی گفتگو کے بعد میں نے ڈولی […]کہا کہ وہ گل کو امینہ کی والدہ وغیرہ سے ملائے اور ڈولی پر […]سے کر چلی گئی۔ تب میں نے نازش سے پوچھا۔

"یوسف کے بارے میں ابھی تک مجھے کچھ نہیں معلوم ہو سکا۔"

"بڑی انوکھی شخصیت ہے اس کی چیف۔ اس وقت بھی […]ر باسط اس کے تعاقب میں ہیں۔ میں نے صرف اس لیے […]ٹ نہیں دی تھی کہ کسی نتیجے پر تو پہنچ جاؤں۔" نازش نے […]دیا۔

"انوکھی شخصیت سے تمہاری کیا مراد ہے؟"

"اس کی مصروفیات کی رپورٹ پیشِ خدمت ہے۔ ڈولی اور […] رپورٹ کے مطابق یوسف جونہی گرین پارک سے نکل کر ایک […]ں سوار ہوا اور ریلوے کے علاقے میں پہنچ کر ایک کھولی کا […]لا اور اندر داخل ہو گیا۔ جب وہ وہاں سے نکلا تو ایک چیت […] اور دھاری دار بنیان میں ملبوس تھا۔ سر پر گودی کے […]ں کی سی ٹوپی پہنی ہوئی تھی یہاں سے بس میں سوار ہو کر وہ گودی پہنچ گیا اور پھر کارڈ دکھا کر اندر داخل ہو گیا۔ اس کا رجسٹریشن گودی کے مزدوروں میں یوسف ہی کے نام سے ہے رات کو چار بجے تک وہ گودی میں کھڑے ہوئے جہاز سے دوسرے مزدوروں کے ساتھ مل کر مال اتارتا رہا اور پھر اس کام سے فارغ ہو کر ایک ٹین کے شیڈ میں جا کر لیٹ گیا جہاں دوسرے مزدور بھی سو رہے تھے۔ ساڑھے پانچ بجے ماہر اور ڈولی نے اپنی ڈیوٹی باسط اور شاہد کے سپرد کر دی۔ ان دونوں حضرات کی رپورٹ ہے کہ ٹھیک سوا چھ بجے یوسف بھاگ گیا اور پھر وہاں سے بس میں بیٹھ کر وہ گول چکر کی ایک بلڈنگ میں داخل ہوا اور پھر اس کے فلیٹ نمبر سولہ سے ایک نئے لباس میں برآمد ہوا یہ پتلون اور قمیص تھی۔ اس نے چشمہ بھی لگایا ہوا تھا اور بے حد پروقار نظر آ رہا تھا۔ ماڈل اسکول میں یوسف نویں کلاس کو سائنس پڑھاتا ہے۔ وہ لوگ اچھی طرح معلوم کر چکے ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے اس کی مدتِ ملازمت معلوم کی تو اس اسکول میں وہ چار سال سے ملازم ہے اور بے حد شریف اور نیک انسان گردانا جاتا ہے۔ دوپہر کو بارہ بجے یہ ڈیوٹی پھر کیپٹن یوسف اور عدنان نے سنبھال لی اور انہوں نے بتایا ہے کہ یوسف چھوٹا جی ٹوباکو کے گودام میں ڈرائیور کی حیثیت سے ملازم ہے۔ اسکول سے نکل کر اس نے ایک نانبائی کی دکان سے دو روٹیاں اور ایک پلیٹ دال خرید کر کھائی اور پھر گول چکر چل پڑا۔ وہاں سے وہ ڈرائیور کی وردی میں نکلا اور چھوٹا جی گودام پہنچ گیا وہاں وہ دو بجے سے آٹھ بجے تک کی ڈیوٹی کرتا ہے اور یہ اس کا معمول ہے۔"

میں سر کھجا کر رہ گئی تھی یہ بات میری سمجھ ہی میں نہیں آئی۔ بڑا انوکھا انکشاف تھا لیکن کیوں؟ دیر تک میں پریشان رہی پھر میں نے نازش سے کہا۔

"اس وقت اس کی نگرانی پر کون ہے؟"

"صوفیہ اور باسط۔" نازش نے جواب دیا۔

"معمول کے مطابق اسے اس وقت اسکول میں ہونا چاہیے۔"

"ہاں۔" نازش نے جواب دیا اور میں کچھ سوچنے لگی۔ پھر میں نے نازش سے کہا کہ میں اسے خود چیک کرنا چاہتی ہوں۔

"جیسا آپ پسند کریں۔ میں انتظام کر دوں گا۔"

"آج کا دن نکال لیتے ہیں۔ کل صبح سے میں اس کا تعاقب کروں گی۔"

"اگر آپ پسند کریں تو میں بھی آپ کے ساتھ رہوں۔" نازش نے کہا اور میں نے اس کی یہ پیشکش بھی قبول کر لی۔ اس کے بعد

نازش سے گفتگو ختم ہو گئی۔ بے چاری محل یہاں قیام کے لیے بھی تیار ہو گئی تھی۔ اُسے وہاں چھوڑ کر میں واپس فلیٹ پر آ گئی۔ یوسف کے بارے میں کوئی آخری رائے قائم کرتے ہوئے خاصی مشکل پیش آ رہی تھی۔ ان لوگوں نے جو کچھ بتایا تھا وہ بھی انوکھی بات تھی۔ یوسف مشینی زندگی کیوں گزار رہا ہے۔ اس کی شخصیت کے اتنے روپ کیوں ہیں، اگر یوسف ان معاملات میں ملوث نہ نکلا تو... تو پھر کیا ہوگا۔ گویا نئے سرے سے آغاز اور پھر ان دلوں تو۔ ان دنوں تو اور بھی الجھن ہو گئی تھی۔ اب تو کوئی بہتر شکل سامنے نہیں تھی۔ میں نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔ جو کوئی بھی ان معاملات کی پشت پر ہے بے حد چالاک ہے وہ قدم قدم پر سامنے آیا ہے لیکن اس نے کوئی ایسا نشان نہیں چھوڑا۔ جس کی بنیاد پر اسے پہچانا جا سکے۔ اس کا شکار ہونے والی لڑکیاں بار بار میرے سامنے آئیں۔ انہوں نے اس کی نشاندہی کی لیکن پھر بھی میں اسے نہ پہچان سکی اور کون سی ترکیب ہو اور کون سی کوشش کی جائے... نہ جانے کتنا وقت گزر گیا کوئی مناسب ترکیب ذہن میں نہیں آ رہی تھی بس یونہی ٹامک ٹوئیاں مار رہی تھی۔ باقی وقت میں نے فلیٹ پر ہی گزارا اور دوسرے دن صبح اخبارات وغیرہ سے فارغ ہو کر تیار ہونے لگی۔ آج کے اخبارات میں بھی کل کے چھاپے کے بارے میں خبریں تھیں بلکہ کچھ اور تکلیف دہ خبریں بھی تھیں۔ گرفتار ہونے والوں میں سے ایک باعزت شخص نے خودکشی کر لی تھی۔ ایک شخص کے غیرت مند اور عزت دار باپ کا ہارٹ فیل ہو گیا تھا۔ حکومت کی جانب سے بھی مذمت کا بیان جاری ہوا تھا اور اعلان کیا گیا تھا کہ اس گندگی میں ملوث افراد کے خلاف بلا تخصیص کارروائی کی جائے گی۔ میں ان خبروں سے مطمئن تھی۔ کم از کم یہاں مجھے روحانی ذہنی دھچکا نہیں پہنچا تھا، پھر میں نے نازش کو فون کیا اور نازش نے دس منٹ کے اندر اندر میرے فلیٹ پہنچنے کا وعدہ کیا۔ میں اطمینان سے نیچے اتر آئی۔ ٹھیک دس منٹ کے بعد نازش ایک خوبصورت اسپورٹس کار میں پہنچ گیا اور میں اس کے برابر کی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ نازش نے کار آگے بڑھا دی تھی۔

"آج اسکول بند ہیں، اس لیے وہ آرام کر رہا ہے۔"

"اوہ۔ کہاں ہے اس وقت؟"

"ماربل کے علاقے کی اسی کھولی میں۔"

"نگرانی کون کر رہا ہے؟"

"ہارون اور طاہر ہیں۔"

"کتنی دیر قبل تم نے یہ اطلاع وصول کی ہے؟"

"ابھی تقریباً پندرہ منٹ قبل۔"

"پھر آج نہ جانے اس کی مصروفیات کیا ہوں؟"

"دیکھ لیتے ہیں۔" نازش نے کہا اور پھر ایک دم خاموش ہو گیا۔ کار میں ٹوں ٹوں کی ایک آواز ابھری۔ میں نے حیرت سے اس آواز کو سنا۔ نازش نے ڈیش بورڈ کی ایک پلیٹ کا بٹن دبایا اور وہ الٹ گئی۔ اس کے دوسری طرف ایک جدید ساخت کا چھوٹا سا وائرلیس سیٹ نصب تھا۔ نازش نے اس کا ایک بٹن دبایا تو دوسری طرف سے ایک آواز ابھری۔

"ہیلو نازش۔ ہیلو نازش۔"

"بول رہا ہوں۔"

"کیا تم ماربل کے لیے چل پڑے ہو؟"

"ہاں میں کار میں تمہاری کال ریسیو کر رہا ہوں۔"

"گڈ... وہ ماربل سے چل پڑا ہے۔ ایک بس میں بیٹھا ہے اور یہ بس چھوٹے گیٹ کی جانب جا رہی ہے۔"

"کیا تم اس کے تعاقب میں ہو؟"

"ہاں۔"

"اس وقت کہاں ہو؟"

"ماڈل ریونیو سے گزر رہے ہیں۔ بس ماڈل ریونیو کے اسٹاپ پر رکی ہوئی ہے لیکن وہ یہاں نہیں اترا۔"

"رابطہ رکھو۔ میں آ رہا ہوں۔"

"او کے۔" نازش نے کہا اور آواز بند ہو گئی۔ لیکن نازش نے وائرلیس کھلا رکھا تھا البتہ اس نے کار یہاں سے تیزی سے واپس موڑ دی۔ مجھے خود پر ہنسی آ رہی تھی۔ میں اس گروہ کی سربراہ تھی لیکن اس کی بہت سی باتوں سے ابھی تک ناواقف تھی۔ یہ بھی نہیں جانتی تھی کہ میرے ساتھی اتنے جدید ترین سازوسامان سے لیس ہیں۔ بہرحال میں نے اس بارے میں کچھ نہیں کہا۔ نازش کو ہدایات ملتی رہیں اور تھوڑی دیر کے بعد اسے سامنے سے ہارون کی براؤن رنگ کی نئی کار بھی نظر آ گئی تھی۔ نازش نے تازہ صورت حال معلوم کی اور پھر ہارون سے کہا کہ اب وہ واپس کرے۔ تب ہارون نے اپنی کار واپس موڑ دی۔

"آپ اس شخص کو پہچانتی ہیں چیف؟"

"ہاں اچھی طرح۔"

"ویسے پُراسرار شخصیت کا مالک ہے۔ لیکن میں اس کے بارے میں ایک اور بات سوچ رہا ہوں۔"

"کیا...؟"

"ممکن ہے اسے اپنے بارے میں شکوک کا احساس

اور وہ خود کو ایک نئے ڈھنگ سے پیش کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔"

"یہ ممکن نہیں ہے نازش۔"

"وہ کیوں؟"

"سامنے کی بات ہے وہ سارے کام طویل عرصے سے کر رہا ہے ہاں اگر اس نے فوری طور پر یہ مصروفیات خود پر مسلط کی ہوتیں تو میں اس بارے میں سوچ سکتی تھی ان حالات میں یہ ممکن نہیں ہے۔"

"ہاں یہ بھی پوائنٹ کی بات ہے لیکن اس سے میں ایک اور نتیجہ اخذ کر رہا ہوں۔" نازش نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیا...؟"

"وہ آپ کے ذہن میں بھی واضح نہیں ہے، میرا مطلب ہے آپ خود اس کے بارے میں کوئی واضح بات نہیں سوچ پائی ہیں، مجھے معاف کیجیے گا چیف یہ میرا بے تکلفانہ اندازہ ہے، اگر غلط ہے تو براہ کرم آپ اس کی تصحیح فرما لیں۔" نازش مؤدب انداز میں بولا۔

"ہاں نازش تمہارا یہ خیال درست ہے، اس شخص کے بارے میں میں کوئی آخری فیصلہ نہیں کر پائی ہوں، بس یونہی میرے ذہن میں ایک خیال تھا کہ ممکن ہے اس شخص کا تعلق بُرے مطلوبہ افراد سے ہو۔"

"ٹھیک ہے میرے ذہن میں بھی یہی بات تھی اگر ہم دوسرے پہلو بھی سامنے رکھتے ہیں چیف تو پھر یہ بات سامنے آ جاتی ہے کہ وہ ایک معصوم اور بے ضرر آدمی ہے اور شاید اپنی زندگی کی تعمیر میں مصروف ہے ورنہ عام لوگ اتنی شدید محنت کہاں کرتے ہیں، وہ تو اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ وہ مشینی زندگی گزار رہا ہے اور اس کے پس پردہ کوئی جذبہ ضرور کارفرما ہوگا، حالانکہ اس کی شخصیت کے متضاد پہلو سامنے آتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ وہ تنہا آدمی ہے اور تنہا زندگی گزار رہا ہے اور تنہا زندگی کے لیے اتنے مصائب برداشت کرنا عجیب سی بات ہے۔"

"ہاں نازش بعض اوقات انسان اپنے کسی مقصد کے لیے اپنی شخصیت کو قطعی فراموش کر دیتا ہے۔ ممکن ہے اس شخص کے ساتھ بھی کوئی ایسا ہی معاملہ ہو۔"

"لیکن چیف آپ کو اس شخص پر شبہ کیسے ہوا؟" نازش نے پوچھا اور میں پُرخیال انداز میں گردن ہلانے لگی۔ نازش سامنے دیکھتے ہوئے کار ڈرائیو کر رہا تھا۔ بس بدستور مناسب رفتار سے آگے بڑھ رہی تھی۔ پھر میں نے آہستہ سے کہا۔

"بس ایک ہلکا سا شبہ ہے، میرے ان اندازوں کے مطابق جو میرے ذہن میں ہیں اس کا تعلق ممکن ہے اس گروہ سے ہو۔ افسوس میں اس کی وضاحت نہ کر سکوں گی نازش۔"

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے چیف میں آپ کو کبھی کسی ایسی بات کے لیے مجبور نہیں کروں گا جس میں آپ کو کوئی الجھن پیش آئے، میں نے یونہی سرسری طور پر یہ سوال کر لیا تھا۔" نازش نے معذرت آمیز انداز میں کہا اور میں گردن ہلانے لگی۔ مجھے افسوس تھا کہ میں نازش کو تفصیل بتانے سے گریز کر رہی تھی لیکن اس کی ایک بنیادی وجہ اور بھی تھی۔ اگر میں نازش کو یہ بتاتی کہ میں صرف ایک مبہم سے نشان کی وجہ سے اس شخص کی جانب متوجہ ہوئی ہوں یعنی ٹھوڑی پر تل اور گڑھا، اور یوسف کی اس سے پسندیدگی اور مشرق وسطیٰ کا وہ ملک، تو نازش کے ذہن میں ایک بات ضرور آ سکتی تھی وہ یہ کہ یہ شبیہ خود میری بھی ہے۔ یعنی میرے چہرے میں بھی وہی نقوش نمایاں ہیں جو ان کو ان لڑکیوں کی جانب متوجہ کرتے ہیں حالانکہ یہ بھی صرف میرا وہم تھا، ممکن ہے یہ محض اتفاق ہو کہ اب تک جتنی لڑکیاں ان حادثات کا شکار ہوئیں، ان میں ایک چیز مشترک تھی، لیکن بہرصورت ہم کسی بھی طور کسی ایسے نشان کو نظر انداز نہیں کر سکتے جو ہمارے ذہن میں واضح طور پر ہو، میں نے انکل شہریار کو بھی یہ بات نہیں بتائی تھی۔ اس کی بنیادی وجہ یہی تھی کہ یہ لوگ میری حفاظت کی فکر میں پڑ جاتے اور میں خواہ مخواہ تماشا بن جاتی، چنانچہ میں نے نازش سے بھی اسی لیے معذرت کر لی تھی۔

نازش خاموشی سے ڈرائیونگ کرتا رہا۔ بس تقریباً خالی ہو گئی تھی۔ چھوٹے گیٹ کا علاقہ شہر کا انتہائی سرے کا علاقہ تھا۔ اس سے آگے چھوٹی چھوٹی بستیاں ضرور تھیں لیکن وہاں پر باقاعدہ بسیں وغیرہ نہیں جاتی تھیں، ایک مخصوص اسٹاپ پر بس رک گئی۔ یہ اس بس کا آخری اسٹاپ تھا، بس سے اترنے والے صرف تین افراد تھے، جن میں یوسف بھی شامل تھا۔ یوسف بس سے اتر کر ایک طرف بڑھ گیا۔ اس کے ہاتھ میں براؤن رنگ کے کاغذ کا ایک تھیلا موجود تھا، اس کا اس ویرانے میں آنا بھی پُراسرار ہی تھا۔ تب میں نے نازش سے کہا۔

"نازش یقینی بات ہے اب یہ جتنا بھی سفر کرے گا پیدل ہی طے کرے گا۔"

"ہاں چیف میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔"

"چنانچہ ہمیں بھی گاڑی یہیں کہیں چھوڑ دینا ہوگی۔"

"ہاں۔" نازش نے پُرخیال انداز میں چاروں طرف دیکھا، پھر ایک درخت کی جانب اشارہ کر کے بولا۔ "میں گاڑی وہاں کھڑی کیے دیتا ہوں، وہاں سے ہم لوگ پیدل سفر کریں گے۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے گردن ہلا دی۔ میں دروازہ کھول کر وہیں اتر گئی، اور نازش گاڑی کو درخت کے نیچے کھڑی کر کے میرے پاس آگیا۔ یوسف تھیلا ہاتھ میں پکڑے خراماں خراماں سڑک کے کنارے چلا جا رہا تھا۔ اس کا رخ ان ویرانوں کی طرف تھا جہاں قرب و جوار میں کوئی آبادی نہیں تھی، لیکن کافی فاصلے پر ایک جھنڈا لگا ہوا نظر آ رہا تھا، یہ غالباً کسی بزرگ کا مزار تھا۔ چند ساعت کے بعد میں نے محسوس کیا کہ یوسف کا رخ اسی کی جانب ہے اور پھر میرے ذہن میں ایک اور خیال آیا۔ ممکن ہے وہ اسی طرف جا رہا ہو۔ اس قسم کی جگہیں مجرمانہ کارروائیوں کے لیے بھی استعمال کی جاتی ہیں، لیکن میرا اس طرح وہاں جانا اس کی نگاہوں میں نہ آجائے۔ بہر صورت یہ خطرہ تو مول لینا ہی تھا چنانچہ میں اور نازش اس انداز میں آگے بڑھتے رہے جیسے ہمارا رخ بھی مزار کی جانب ہو اور تھوڑی دیر کے بعد یوسف مزار کے احاطے میں داخل ہو گیا یہاں چند افراد اور بھی تھے۔ وہ مختلف کاموں میں مشغول تھے۔ میں اور نازش بھی احاطے کے اندر داخل ہو گئے۔ احاطے میں کئی افراد موجود تھے سامنے ہی مزار نظر آ رہا تھا۔ اس وقت مزار کے قریب کوئی نہیں تھا۔ یوسف نے ہاتھ میں پکڑا ہوا تھیلا کھولا۔ اس میں سے بہت سے گلاب کے پھول نکالے اور مزار پر بڑی عقیدت سے چڑھا دیے مجھے خطرہ تھا... کہ کہیں وہ مجھے دیکھ نہ لے اس لیے میں آڑ میں رہی مجھے یوسف کی دلدوز آواز سنائی دے رہی تھی۔

"عظیم بزرگ! میں زندگی کی طویل مسافت سے تھک گیا ہوں، میری مدد کریں۔ میں اب تنہا ایک قدم چلنے کے قابل نہیں ہوں آپ جانتے ہیں میں نے ایک مشکل کام کا بیڑا اٹھایا ہے۔ مذہب و ملت کا بھی یہی قانون ہے کہ بروں سے نفرت نہ کرو انہیں اچھائیوں کی جانب لاؤ۔ میں اسی قانون پر عمل کر رہا ہوں۔ میں اسے بے پناہ چاہتا ہوں۔ میں جانتا ہوں وہ بری نہیں ہے اسے برائیوں میں لپیٹ دیا گیا ہے اگر میرا جذبہ صادق ہے تو آپ میرے لیے خدا سے دعا کریں..."

یوسف کی آواز کا ایک ایک لفظ میرے کانوں تک پہنچ رہا تھا اور میرے اندر عجیب سی سنسنی پیدا ہو رہی تھی۔ اس گفتگو کا مفہوم میرے علم میں نہیں تھا اور یہاں اس ویرانے میں جاننے والوں کی نگاہوں سے دور یوسف کے دل کی آواز بے ریا تھی اس میں کوئی فریب نہیں تھا۔ میرے حلق میں کوئی چیز اٹکنے لگی۔ اس وقت میری کیفیت عجیب تھی۔ مجھے کسی کا مستقبل تابناک نظر آ رہا تھا اسے زندگی میں سچا ساتھی مل گیا تھا۔ یوسف درحقیقت اسے چاہتا ہے اور اس کے لیے کچھ کرنے کا خواہش مند ہے۔ ممکن ہے اس کے حالات اسے روک رہے ہوں۔ دوسری چیز یہ تھی کہ ایک بار پھر میں تاریکیوں میں چلی گئی تھی اور میری اس تگ و دو کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا تھا یعنی اب پھر میرے سامنے خلا تھا۔ صرف خلا...

یوسف واپس پلٹ پڑا تو میں نے نازش کو اشارہ کیا اور نازش نے گردن ہلا دی۔ یوسف کا تعاقب کرتے ہوئے ہم اسی بس اسٹاپ پر آگئے۔ وہی بس ابھی تک کھڑی ہوئی تھی جس سے یوسف یہاں آیا تھا۔ وہ اسی بس میں بیٹھ گیا اور میں اور نازش اپنی کار میں...

"اب کیا خیال ہے چیف؟" نازش نے کسی قدر تمسخرانہ انداز میں کہا۔

"کچھ نہیں واپس۔"

"بس کے تعاقب میں؟"

"ہاں۔" میں نے حتمی لہجے میں کہا۔

"آپ نے اس کی آواز سنی تھی؟"

"ہاں۔" میں نے ایک گہری سانس لی۔

"اس کا مفہوم سمجھ میں آیا؟"

"وہ بھی آگیا۔" میں مسکرا دی۔

"اوہ۔ یقیناً آپ زیادہ حالات سے واقف ہوں گی۔ لیکن کیا ہم اس کوشش کو مصنوعی کہہ سکتے ہیں؟"

"نہیں۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے۔ اسے کہیں یہ شبہ نہیں ہو سکا کہ کوئی اس کے تعاقب میں ہے۔ یوں بھی سادہ سا آدمی معلوم ہوتا ہے۔ اوہ شاید بس واپس جا رہی ہے۔ چلوں؟" نازش نے پوچھا۔ اور میں نے گردن ہلا دی۔ ایک بار پھر بس کا تعاقب شروع ہو گیا۔ یوسف اس بس سے اتر کر دوسری بس میں سوار ہوا اور میں نے اندازہ لگایا کہ اس کا رخ گرین پارک ہوٹل کی جانب ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ یوسف نے اخبار نہیں پڑھا۔ یہ بات اس کی صفائی میں جاتی تھی۔ اگر وہ مجرمانہ ذہنیت کا حامل ہوتا تو یقیناً اسے ان حالات کے بارے میں معلوم ہوتا۔ اس کی جو مصروفیات علم میں آئی تھیں ان کے تحت یقیناً اس جیسے آدمی کو اتنا وقت کہاں ملتا ہوگا کہ وہ باقاعدگی سے اخبار پڑھے۔

یوسف گرین پارک کے نزدیک پہنچ گیا۔ گرین پارک کے باہر چند پولیس مین کھڑے ہوئے تھے جنہوں نے یوسف کو روکا... یوسف ان سے کچھ گفتگو کرتا رہا۔ نازش اور میں خاصے فاصلے سے یوسف کی نگرانی کر رہے تھے۔ تھوڑی دیر تک وہ پولیس والوں سے باتیں

کرتا رہا۔ اس کے بعد واپس پلٹا تو اس کے چہرے پر بے پناہ پریشانی کے آثار تھے، وہ سخت مضطرب نظر آ رہا تھا اور اس کی نگاہیں ادھر ادھر بھٹک رہی تھیں۔ پھر وہ بس اسٹاپ کے پاس آکر کھڑا ہو گیا اور اب میں نے مزید انتظار کرنا مناسب نہ سمجھا۔

"آؤ نازش اس سے گفتگو کریں۔" میں نے کہا اور نازش نے گردن ہلا دی۔ کار اسٹارٹ ہو کر بس اسٹاپ کے نزدیک پہنچ گئی اور میں نے گردن باہر نکال کر یوسف کو آواز دی۔

"یوسف صاحب، یوسف صاحب۔" اور اس نے چونک کر میری جانب دیکھا۔ چند ساعت جیسے وہ مجھے پہچاننے کی کوشش کرتا رہا اور پھر بے اختیار آگے بڑھا۔

"اوہ آپ۔ آپ۔ غالباً آپ عالیہ بہن ہیں، آپ عالیہ بہن ہی ہیں نا؟" اس کی بھرائی ہوئی آواز ابھری اور میں نے اسے پچھلی سیٹ پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"عالیہ بہن وہ... وہ نغمہ... نغمہ کہاں ہے؟" اس نے اندر بیٹھنے سے قبل سوال کیا اور میں نے نرم لہجے میں اس سے کہا۔

"آپ اندر تو بیٹھئے مسٹر یوسف۔ میں بتاتی ہوں نغمہ کہاں ہے۔"

"کک۔ کیا آپ کو اس کے بارے میں معلوم ہے؟" اس نے کار کا دروازہ کھول کر کہا اور میں نے گردن ہلا دی۔ تب وہ پریشان سا اندر بیٹھ گیا اور نازش نے کار آگے بڑھا دی۔

"کیا وہ کسی پولیس اسٹیشن میں ہے۔ یقیناً اسے بھی گرفتار کر لیا گیا ہوگا۔" یوسف نے بدستور بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"نہیں یوسف صاحب وہ گرفتار نہیں ہوئی۔"

"نہیں ہوئی؟" وہ خوشی سے اچھل پڑا۔ "خدا کا احسان ہے، خدا کا شکر ہے، پھر کہاں ہے وہ؟ براہ کرم اگر آپ کو اس کے بارے میں معلوم ہو تو مجھے اس کا پتہ بتا دیں۔" یوسف نے گڑگڑاتے ہوئے کہا۔

"میں آپ کو اس کے پاس لے چلوں گی۔ آپ فکر نہ کریں لیکن تعجب ہے آپ نے اخبارات میں گرین پارک کے بارے میں نہیں پڑھا؟"

"میری بدنصیبی ہے۔ نغمہ بھی کیا سوچتی ہوگی۔ لیکن میں بھی تو مجبور ہوں۔ حالات سے جنگ کر رہا ہوں لیکن مصائب بہت طاقتور ہوتے ہیں ان سے جنگ ممکن نہیں ہے۔" اس نے ٹوٹے ہوئے لہجے میں کہا۔ میں خاموش رہی۔ نازش سے میں نے واپس چلنے کے لیے کہا۔ چنانچہ نازش نے کار کا رخ پوائنٹ تھری کی طرف کر دیا۔ کار جب اس عمارت میں داخل ہوئی تو یوسف کسی قدر گھبرایا ہوا نظر آنے لگا۔

"کیا نغمہ یہاں موجود ہے۔ کیا یہ عمارت آپ کی ملکیت ہے، لیکن آپ تو خود بھی گرین پارک میں مقیم تھیں، اس شام نغمہ آپ کے کمرے میں ہی تھی۔ براہ کرم مجھے بتا دیں وہ کہاں ہے؟"

"آئیے یوسف صاحب۔ نغمہ یہاں نہیں ہے تو یہاں آجائے گی۔" میں نے کار سے اترتے ہوئے کہا۔ یوسف بھی الجھا الجھا نیچے اتر آیا۔ میں نے نازش سے کہا کہ وہ چائے وغیرہ بھجوائے اور نازش چلا گیا۔ میں یوسف کو لے کر ڈرائنگ روم میں آگئی اور اسے بیٹھنے کی پیش کش کی۔

"عالیہ بہن میں ایک مفلس آدمی ہوں، ان تکلفات سے ناواقف ہوں۔ اس کے علاوہ اس وقت میں شدید ذہنی ہیجان کا شکار ہوں۔ براہ کرم نغمہ کے بارے میں میری تسلی کر دیں اس کے بعد میں آپ کے ہر حکم کی تعمیل کروں گا۔"

"نغمہ کے بارے میں، میں آپ کو بتا چکی ہوں یوسف صاحب کہ وہ محفوظ ہے اور بہت جلد آپ سے ملے گی۔ یہیں اسی عمارت میں، میں آپ سے اس کی ملاقات کراؤں گی۔ آپ اس کی طرف سے تسلی رکھیں۔ میں آپ سے کچھ گفتگو کرنا چاہتی ہوں جو بہت ضروری ہے۔ آپ یوں سمجھ لیں میں نغمہ کی سرپرست کی حیثیت سے یہ گفتگو کر رہی ہوں۔"

"اوہ۔ اچھا۔ ٹھیک ہے۔" یوسف بیٹھ گیا۔

"نغمہ کی طرف سے آپ کو تسلی ہو گئی؟"

"جی ہاں۔ آپ غلط تو نہ کہہ رہی ہوں گی۔ آپ کو علم ہو گیا ہوگا کہ میں اسے بے پناہ چاہتا ہوں۔ وہ اب میری زندگی کا محور ہے عالیہ بہن۔ میں نے ساری زندگی سخت تکلیف میں گزاری ہے۔ میں نے خود کو کبھی انسان نہیں سمجھا عالیہ بہن۔ آپ یقین کریں میں۔" یوسف کی آواز بند ہو گئی۔ چند ساعت رک کر اس نے کہا۔ "اب میری زندگی میں اس کے سوا کچھ نہیں ہے۔"

"آپ کے دوسرے عزیز نہیں ہیں یوسف صاحب؟"

"کوئی نہیں ہے میرا۔ کوئی نہیں ہے۔ چودہ سال گزر گئے۔ میں تنہا ہوں۔ اب تو میں عزیز و اقارب، محبت کرنے والوں کے نام بھی بھول چکا ہوں۔ مجھے یاد بھی نہیں کہ محبت کیسے کی جاتی ہے، اپنائیت کیا چیز ہوتی ہے۔"

"آپ کے والدین؟"

"والدہ مر چکی ہیں۔ والد کو چودہ سال قبل چھوڑ چکا ہوں۔ وہ زمیندار تھے۔ بہت بڑے زمیندار لیکن جب انسان بہت بڑا ہوتا ہے تو بہت چھوٹا ہو جاتا ہے۔ والدہ زندہ تھیں تو یوسف روشن تھا وہ مر گئیں اور دوسری ماں آگئی۔ اس نے یوسف سے روشنی چھین لی،

باپ زیادہ قابلِ اعتبار نہیں ہوتے وہ بھول جاتے ہیں ماں نہیں بھولتی۔ میرے علاوہ بہن بھائی ہوں گے ان کی ماں زندہ ہوگی اس لیے وہ مدشن ہیں۔ والد صاحب یوسف کو بھول گئے ہوں گے اور اب میں بھی انہیں بھول گیا ہوں۔ میں نے اپنے ذہن سے مٹا دیا ہے کہ میں بھی کہیں پیدا ہوا تھا۔ کبھی میری چاہت بھی تھی۔ ساری باتیں بھول چکا ہوں اور بھول جانے میں سکون ہے لیکن نغمہ اگر وہ بھی میری زندگی سے نکل گئی تو۔ تو عالیہ بہن میں اپنے سارے چراغ گل کر دوں گا۔۔ سارے چراغ۔۔۔"

یوسف جذباتی ہو گیا تھا۔ میں اس کی کہانی سے بہت متاثر ہوئی تھی۔ یوسف شکل و صورت سے بھی کسی اچھے گھرانے کا فرد معلوم ہوتا تھا۔ بے چارہ جن حالات کا شکار ہوا تھا وہ نئے نہیں تھے ہمارے معاشرے میں ایسی لاتعداد کہانیاں بکھری ہوئی ہیں جہاں انسان اپنی اصلی شخصیت کو بھول کر وہ بن جاتا ہے جس کا وہ کبھی تصور بھی نہیں کرتا۔ یوسف مصائب کی جو زندگی گزار رہا تھا اس میں سے اس کے کچھ حالات میری نگاہ میں آ چکے تھے۔ اس کی یہ شدید محنت یقیناً اس کی اپنی ذات کے لیے نہیں ہوگی اور اس لحاظ سے گل خوش نصیب تھی۔ میں نے مسکراتے ہوئے یوسف کو دیکھا اور بڑی ہمدردی سے کہا "یوسف آپ کو اتنا بد دل اور مایوس نہیں ہونا چاہیے' انسان کی رمق میں کوشش اور جدوجہد ایک نمایاں حیثیت رکھتی ہے۔ کچھ پانے کے لیے کچھ کرنا ضروری ہے اور آپ اپنے مستقبل کے لیے جو کچھ کر رہے ہیں وہ آپ کے ذہن سے باقی ساری باتیں مٹا دے گا۔ مجھے یقین ہے کہ آپ گل جیسی خوبصورت فطرت کی لڑکی کے ساتھ زندگی کے ان سارے مصائب کو بھلانے میں کامیاب ہو جائیں گے جو آپ پر گزر چکے ہیں۔" میں نے پرخلوص انداز میں کہا۔

"عالیہ بہن بڑی قیمتی باتیں کر رہی ہیں آپ۔ یقین کریں کہ یہ الفاظ میرے لیے بڑے اجنبی ہیں' بہت کم لمحات ایسے آئے ہیں جب میں نے کسی سے اپنے لیے ہمدردی کے الفاظ سنے ہیں۔ میں بچپن ہی سے اپنے گھر سے دور رہا۔ آپ چودہ سال قبل کی زندگی کا تصور کریں جب میں قطعی کچے ذہن کا مالک تھا لیکن عالیہ بہن' میں آپ کو پورے اعتماد سے یہ بات بتانا چاہتا ہوں کہ میرے کردار میں کبھی کوئی لچک پیدا نہیں ہوئی۔ نغمہ سے ملاقات محض اتفاق تھی وہ جس انداز میں میرے سامنے آئی اس پر مجھے شدید حیرت ہوئی۔ اس نے مجھے وہ سمجھا تھا جو ہوس کی دکانوں پر اپنے لیے سکون تلاش کرتے پھرتے ہیں' لیکن میں نے اس کے انداز میں ایک کچا پن پایا۔ ایک ایسی کیفیت پائی جو برے لوگوں میں نہیں ہوتی اور عالیہ بہن اس کی اسی کیفیت نے مجھے متاثر کیا اور میں نے اسے اپنے ساتھ رکھا۔ اس کے بارے میں معلوم کیا اور میری اس بات کی تصدیق ہو گئی' اور اس کے بعد عالیہ بہن میں نے اسے اپنی زندگی کا محور بنا لیا۔ میں نے سوچا کہ میری تنہا زندگی میں ایک پھول کھلا ہے' میں نے نغمہ کو پیش کش کی تو وہ میرے سامنے کھل گئی۔ وہ خود بھی ایک اچھی زندگی کی متلاشی ایک اچھی عورت ہے' ہم بے حد کمزور ہیں عالیہ بہن' زندگی میں ہم ان حالات سے گزرتے ہیں جو کسی طور ہماری فطرت سے میل نہیں کھاتے۔ لیکن ہماری مجبوریاں ہمیں تنکے کی طرح ادھر ادھر بھٹکاتی پھرتی ہیں۔ اگر دو مجبوریاں یکجا ہو جائیں تو ان دونوں کے درمیان محبت اور اخوت کا جو رشتہ نکلتا ہے وہ لافانی ہوتا ہے۔ میں نغمہ کو بے پناہ چاہتا ہوں' آپ یقین کریں میرا بس چلے تو میں اسے اٹھا کر آسمان پر رکھ دوں اور اتنا سکون دوں اسے کہ وہ زندگی کے ایک ایک لمحے کی کوفت کو بھول جائے۔ میں اسے قطعی برا نہیں سمجھتا۔ اس نے جو زندگی گزاری ہے وہ اس کی اپنی پسند کی نہیں تھی وہ مجبوریوں کا شکار تھی اور میں مجبور انسان کو فرشتوں کی طرح معصوم سمجھتا ہوں۔ میں نے بہت عرصے قبل مشرق وسطیٰ کے ایک ملک میں ملازمت کے لیے درخواست دی تھی۔ خوش بختی یہ ہے کہ میری وہ ملازمت مجھے مل گئی ہے عالیہ بہن میں چاہتا ہوں کہ نغمہ کو تنہا نہ چھوڑوں' اگر وہ یہاں پر اپنے کسی ہمدرد کے قریب ہوتی تو شاید میں باہر جا کر اس کے لیے محنت کرتا' اس کے لیے کماتا اور پھر یہاں آ کر اسے اپنا لیتا لیکن وہ بالکل تنہا ہے اور میں اس کے بغیر اب کہیں بھی نہیں جا سکتا۔ میں آپ سے انتہائی معذرت کے ساتھ اور شرمندگی کے ساتھ یہ بات کہہ رہا ہوں کہ اس وقت میں اس کوشش میں مصروف ہوں کہ نغمہ کو اپنے ساتھ لے جانے کا بندوبست کر سکوں۔ میں اس کو کسی سہارے کے بغیر نہیں چھوڑ سکتا۔"

"ہاں میں جانتی ہوں یوسف صاحب" میں نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا اور پھر میں اس کی طرف دیکھ کر بولی "لیکن آپ کے ذہن میں ایک خیال بہت غلط پرورش پا رہا ہے۔"

"کیا؟" یوسف نے تعجب سے پوچھا۔

"یہ کہ نغمہ اپنی زندگی میں قطعی تنہا ہے۔"

"جی میں نہیں سمجھا۔" یوسف نے متحیرانہ انداز میں کہا۔

"نغمہ تنہا نہیں ہے یوسف صاحب۔ بعض اوقات زندگی میں اور ساتھی ذرا دیر سے ملتے ہیں' میں اس لڑکی سے اتنی متاثر ہوئی ہوں کہ اسے اپنی بہن کی مانند سمجھنے لگی ہوں اور اس کا شاندار مستقبل خود میری ذمہ داری بھی ہے۔"

"یہ آپ کی عظمت ہے عالیہ بہن کہ آپ نے اسے جاننے کے بعد اتنی حیثیت دی۔"

"نہیں یہ اس کی عظمت ہے کہ اس نے مجھے اس کے لیے مجبور کیا۔ تم یقین کرو یوسف کہ گل ایسی لڑکی ہے' میری مراد تمہاری نغمہ سے ہے جس کا اصل نام گل ہے' غالباً یہ بات تمہیں بھی معلوم ہوگی۔"

"جی ہاں۔ نغمہ نے ایک بار تذکرہ کیا تھا۔"

"لیکن تم اسے نغمہ ہی کے نام سے پکارتے ہو؟"

"جی ہاں یہ نام مجھے اچھا لگتا ہے۔"

"ٹھیک ہے یہ تمہاری اپنی پسند کی بات ہے' بہرصورت میں نے اس کے اندر ایک ایسی عظمت پوشیدہ دیکھی۔ میں نے اس میں ایک ایسی تڑپ پائی جو انتہائی قابلِ احترام ہے۔ وہ برائیوں میں رہنے کے باوجود برائیوں سے نفرت کرتی ہے' اور جب اسے تمہارا سہارا ملا تو اس نے اپنی زندگی کو داؤ پر لگا دیا۔ اس نے تم پر وہ اعتماد کیا جو دنیا میں کسی نے کسی پر نہ کیا ہوگا اور وہ اس اعتماد سے مطمئن ہے۔ چنانچہ میں اس کے اطمینان کو برقرار رکھنے کے سلسلے میں تمہیں ایک حقیر سی پیش کش کرنا چاہتی ہوں اور یہ امید رکھتی ہوں کہ تم اس پیش کش کو قبول کر لو گے۔"

"جی۔" یوسف نے سوالیہ انداز میں مجھے دیکھا۔

"میں تمہارے اور گل کے جانے کے تمام اخراجات برداشت کروں گی اور مجھے یقین ہے کہ تم اس سلسلے میں انکار نہیں کرو گے۔ مجھے بس اس بات کی خوشی رہے گی کہ میں نے دو افراد کا مستقبل بنانے میں ایک حقیر سی کوشش کی اور مجھے اجنبی سمجھ کر نظر انداز نہیں کیا گیا۔"

"عالیہ بہن۔ عالیہ بہن آپ۔۔ آپ فرشتہ صفت ہیں۔"

"بس بس یہ باتیں کر کے فرشتوں کی توہین مت کرو' ہم ہر انسان کو فرشتہ کہہ دیتے ہیں حالانکہ فرشتوں میں اور انسانوں میں بہت بڑا فرق ہے انسان سب کچھ ہوتے کے باوجود کچھ نہیں ہے" میں نے جواب دیا اور یوسف کی گردن جھک گئی' میں نے اس کے چہرے پر خوشی کے آثار پھوٹتے دیکھے تھے۔ اسی وقت ایک خادمہ اندر آ گئی۔ تب میں نے اس سے کہا۔

"میری دوست گل کو یہاں بھیج دو۔"

"جی۔۔۔" خادمہ نے گردن جھکائی اور باہر نکل گئی۔ یوسف مضطربانہ انداز میں کھڑا ہو گیا۔

"وہ۔۔ وہ یہاں موجود ہے؟" اس نے سوال کیا۔

"ہاں بیٹھ جاؤ تمہیں سسرال کے آداب کا خیال رکھنا چاہیے یوسف۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور یوسف بھی مسکراتا ہوا بیٹھ گیا۔ اس کے چہرے سے بے پناہ خوشی پھوٹ رہی تھی میں اس کے تاثرات کو صاف محسوس کر سکتی تھی وہ ایسے ہی تاثرات تھے جیسے کسی انتہائی پسماندہ اور بھٹکے ہوئے شخص کو اچانک اپنی منزل مل جائے' وہ منزل جس کو پانے کا تصور اس کے سینے میں تڑپتا رہا ہو لیکن اس کے حصول کا یقین نہ ہو۔

چند ساعت گزرے' یوسف کی نگاہیں بار بار دروازے کی جانب اٹھ جاتی تھیں اور پھر جب دروازے پر دستک سنائی دی تو وہ مضطربانہ انداز میں کھڑا ہو گیا۔ وہ شدتِ جذبات سے مٹھیاں بھینچ رہا تھا' پہلے گل اور اس کے پیچھے خادمہ داخل ہوئی اور میں مسکراتی نگاہوں سے ان دونوں کو دیکھ رہی تھی۔ گل کی کیفیت بھی یوسف سے مختلف نہیں تھی۔ اس کی نگاہ یوسف پر پڑی اور وہ دروازے کے قریب ہی ساکت کھڑی رہ گئی۔ اس کی آنکھیں تعجب سے پھیل گئی تھیں۔

"آؤ گل۔" میں نے اسے آواز دی اور وہ چونک پڑی۔۔ پھر آہستہ آہستہ آگے بڑھ آئی۔ "دیکھا تم نے میں نے تمہارے لیے یوسف کا یہ مجسمہ بنوایا ہے۔ کیسا ہے؟" میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"مجسمہ۔۔؟" گل نے تعجب سے کہا۔

"تو کیا تم اسے حقیقی یوسف سمجھ رہی ہو؟" میں نے کہا اور یوسف بے اختیار مسکرا پڑا۔ گل کی کیفیت کسی قدر اعتدال پر آ گئی۔ اس نے بھی مسکراتے ہوئے کہا۔

"بہت خوبصورت مجسمہ ہے عالیہ' مسکراتا بھی ہے۔ اور تم۔ تم ہمیشہ انوکھے کارنامے انجام دیتی ہو۔ اگر میں تمہیں جادوگر کہوں' تو غلط نہ ہوگا۔" میں بھی ہنسنے لگی۔ پھر میں نے کہا۔

"بہر حال گل صاحبہ۔ اب شریف لڑکیوں کی مانند کچھ شرماؤ لجاؤ اور سسرال جانے کی تیاریاں کرو۔ تمہیں تین دن کے اندر اندر یہ ملک چھوڑ دینا ہے۔"

"جی۔۔ میں نہیں سمجھی۔"

"بھئی یوسف اسے سمجھاؤ اور چائے وغیرہ پیو میں ذرا چلتی ہوں اور ہاں اب تم دونوں سہارا خود کو تنہا تصور نہ کرو۔ میری اجازت۔۔۔"

بغیر تم میں سے کوئی کہیں نہیں جا سکتا۔"

"عالیہ بہن آپ چائے نہیں پئیں گی؟" یوسف مجھے اُٹھتے دیکھ کر بولا۔

"میرا تم دونوں کو دیکھ کر موڈ آف ہو گیا ہے۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا اور وہاں سے نکل آئی۔ در اصل اب میں ان دونوں کے درمیان مخل نہیں ہونا چاہتی تھی لیکن مجھے کچھ کام بھی کرنے تھے اور انکل شہریار نے جو جو میرے قبضے میں دے دیے تھے ان کے لیے کوئی کام مشکل نہیں تھا۔ چنانچہ گل اور یوسف کے لیے لباس اُن کے پاسپورٹ اور ہوائی ٹکٹ سب مہیا ہو گئے اور تیسرے دن میں نے انہیں معقول انتظامات کے ساتھ جہاز میں بٹھا دیا۔ ائرپورٹ پر گل بلک بلک کر روئی اور میں نے یوسف سے کہا۔

"دیکھو یوسف یہ لڑکی کتنی بڑی اداکار ہے۔ خوشیوں کے شہر میں جا رہی ہے اور مجھے بے وقوف بنا رہی ہے تم ذرا اس کا خیال رکھنا۔"

"آپ اطمینان رکھیں۔" یوسف نے بھی مسکراتے ہوئے کہا اور پھر دونوں جہاز کی طرف بڑھ گئے۔ گل سے رسمی سی جان پہچان ہوئی تھی لیکن اس وقت میں اداس ہو گئی۔ انسان زندگی کی ڈگر پر کہیں سے کہیں نکل جائے محنت کرنے کے لیے مجبور ہوتا ہے۔ ائرپورٹ کے گیٹ سے میں سر جھکائے خیالات میں ڈوبی باہر نکل رہی تھی کہ کسی نے راستہ روک لیا۔ میں نے ہٹ کر نکلنا چاہا تو پھر کوئی میرے راستے میں آ گیا تب میں نے چونک کر دیکھا اور ایک لمحے میں پہچان گئی۔

یہ نواب زادہ منور عالم کی بیٹی انشاں منور تھی۔

"بے مروتی کی بے شمار مثالیں سامنے آتی ہیں لیکن اس حد تک بھی نہیں۔ ہماری شکل یاد ہے آپ کو؟" انشاں نے کہا۔

"کیوں نہیں انشاں۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ارے واہ۔ آپ کو تو ہمارا نام بھی یاد ہے۔" انشاں ہنس کر بولی۔

"بس بس اب بے وقوف مت بناؤ۔ انکل منور کا کیا حال ہے؟"

"ابھی ابھی اس جہاز سے گئے ہیں۔"

"کہاں؟"

"مشرق وسطیٰ۔ وہ اکثر جاتے رہتے ہیں۔"

"کون سی جگہ؟" میں نے یونہی پوچھ لیا اور جواب میں انشاں نے اسی ملک کا نام لیا جو میرے ذہن کے لیے ایک زخم بن گیا تھا۔ نہ جانے کیوں میرا دل دھڑک اُٹھا۔

"انکل وہاں جاتے رہتے ہیں؟"

"ہاں۔ یوں لگتا ہے جیسے ابو نے وہاں شادی کر رکھی ہے۔ بے چین ہو کر جاتے ہیں اور اچانک ہی یہ خیال آتا ہے؟"

"ایک ہی جگہ جاتے ہیں؟"

"ہاں یہی بات ہمیں مادر شبہے کا شکار کرتی ہے۔" انشاں کر رہی تھی لیکن اس کا یہ مذاق مجھے عجیب سے وسوسوں کا شکار کر رہا تھا۔ وہ احساس پھر میرے ذہن میں تازہ ہو رہا تھا جسے میں ... سے نکال چکی تھی۔ انکل شہریار کے نوٹس نے مجھے منور عالم سے ذہن صاف کرنے پر مجبور کر دیا تھا لیکن آج نہ جانے کیوں میرے ذہن میں یہ احساس جاگ اُٹھا۔

"کہکشاں ائرپورٹ نہیں آئی؟" میں نے اس احساس سے پیچھا چھڑانے کی کوشش کی۔

"نہیں۔ وہ گھر ہی ہے لیکن آپ دوسری باتوں میں اصل بات ٹالنے کی کوشش نہ کریں۔"

"یعنی...؟"

"آپ نے وعدہ ایفا نہیں کیا۔"

"ہاں۔ شرمندہ ہوں بس مصروفیات اجازت نہیں دیتیں"

"ہرگز نہیں۔ بالکل نہیں مان سکتی۔ آپ یہ کیوں نہیں ... کہ ہم لوگ آپ کو متاثر نہیں کر سکے۔"

"ارے نہیں۔ ایسی بات نہیں ہے۔"

"واقعی ایسی بات نہیں ہے؟"

"ہاں انشاں۔ یقین کرو۔"

"تو مہلت دیں۔"

"اوہ۔ وہ کس طرح؟"

"بس میرے ساتھ چلیں۔ ابھی چلیں اسی وقت اور ... دن ہمارے ساتھ گزاریں۔"

"اوہ۔ انشاں۔ اس طرح اچانک؟"

... منع کر دیں۔ کوئی کسی کو محبت کے لیے مجبور تو نہیں ..." انشاں مایوسی سے بولی۔ ایک لمحے کے لیے میرے ذہن میں خیال آیا۔ گل کے جانے سے ذرا سی کوفت بھی ہو گئی تھی ... پھر کیوں نہ نواب زادہ منور عالم کے بارے میں مزید معلومات کی جائیں۔ نہ جانے کیوں یہ نام بار بار میرے سامنے آ رہا ... ملک تو میرے اعصاب پر سوار ہو گیا ہے۔ انشاں نے ... چونکا دیا۔

"جواب ملے گا حضور؟"

"انشاں تھوڑی سی اجازت تو دو۔"

"کس سلسلے میں؟"

"میرا مطلب ہے تمہارے گھر جاؤں تو لباس وغیرہ کا ...

... پیش آئے گی اور کچھ لوگوں سے کہنا بھی ہو گا۔"

"اگر خادمہ کو اپنے ساتھ لے جانے کے قابل سمجھا جائے تو ... حاضر ہے۔ وہاں سے میں آپ کو اپنے ساتھ لے جاؤں گی۔"

"تب پھر آؤ چلیں۔" میں اس کے خلوص کو نہ ٹال سکی انشاں اپنی گاڑی میں ڈرائیور کے ساتھ آئی تھی میں اپنی کار میں چل پڑی۔ انشاں کو لے کر فلیٹ پہنچی۔ انشاں کافی خوش نظر آ رہی تھی۔ مس میری نے انشاں کی مدارات کا بندوبست کیا اور اس دوران میں نے اپنی تیاریاں مکمل کر لیں۔ انشاں کے سامنے ہی میں نے صباحت صاحب کو فون کیا اور اُن سے کہا کہ میں نواب زادہ صاحب کے ہاں جا رہی ہوں میری ... دن کی چھٹی منظور فرمائی جائے۔ نازش وغیرہ کے لیے میں نے مس میری کو ہدایات دے دیں۔ ان لوگوں سے کوئی خاص کام نہیں تھا اور پھر ضروری تیاریوں کے بعد میں انشاں کے ساتھ چل پڑی۔ انشاں بیحد خوش نظر آ رہی تھی۔

"سچ عالیہ آپ شاید اسے جھوٹ سمجھیں لیکن نہ جانے کیوں ہمیں ... ہی ملاقات میں آپ سے بے حد اپنائیت کا احساس ہوا تھا اکثر ... اور کہکشاں آپ کے بارے میں باتیں کرتی رہتی ہیں۔ ہمیں آپ کی ... پر تعجب ہے۔"

"وہ کیوں؟"

"آپ تنہا رہتی ہیں۔"

"تم دیکھ چکی ہو انشاں۔"

"اول تو تنہا رہنے کا تصور ہی عجیب ہے اور پھر آپ کی زندگی ... ایک باقاعدہ زندگی ہے آپ کی مصروفیات بھی دوسروں سے منفرد ہیں کبھی کسی قریبی انسان کی خواہش نہیں ہوتی۔"

"بے شمار انسان میرے قریب ہیں انشاں۔"

"وہ اتنے قریب تو نہیں ہو سکتے۔ عالیہ آپ شادی کیوں نہیں کر لیتیں؟"

"کر لوں گی کبھی۔ میرے خیال میں شادی اتنی ضروری چیز نہیں ہے۔"

"آپ نے کبھی کسی سے محبت بھی نہیں کی عالیہ؟"

"بے شمار افراد سے۔" میں نے جواب دیا۔

"دیکھیے ہمیں الفاظ میں نہ اُڑائیں۔ میں دوسری محبت کی بات کر رہی ہوں۔" انشاں نے شرماتے ہوئے انداز میں کہا۔

"ہاں میں نے دوسری محبت کسی سے نہیں کی۔" میں نے جواب دیا۔

"تعجب ہے۔ بڑی خشک زندگی ہے آپ کی۔ حالانکہ آپ تنہا ہیں۔ آپ پر کوئی پابندی بھی نہیں ہے۔"

"تم پر پابندی ہے۔ میرے خیال میں تو انکل منور بھی روشن خیال انسان ہیں؟" میں نے انشاں کو بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔ لیکن اُن کے اصول بہت سخت ہیں۔ انہوں نے ہمارے لیے حدود مقرر کر دی ہیں اور ان حدود سے تجاوز انہیں پسند نہیں۔"

"یہ تو اچھی بات ہے انشاں۔"

"بے شک لیکن بعض اوقات اُن کی کڑی نگاہیں پریشان کر دیتی ہیں۔ ویسے میرے سلسلے میں اُن کے ذہن پر ایک بار بھی ہے۔"

"اوہ۔ وہ کیا؟" میں نے دلچسپی سے پوچھا۔

"ہمارے ایک چچا ہیں تہور عالم۔ بہت بڑے آدمی ہیں۔ خاصا وسیع کاروبار ہے۔ اُن کے ایک صاحبزادے ہیں جو تصور عالم کہلاتے ہیں۔ صاحبزادے بچپن ہی سے غیر ممالک میں رہے ہیں۔ وطن کی شکل غالباً بیس سال کے بعد دیکھی اور وطن کو بھول گئے۔ ابو کے ذہن میں خیال تھا کہ اُن سے میری شادی کریں۔ لیکن جب وہ وطن واپس آئے تو حلیہ ہی بدل چکا تھا۔"

"کیا مطلب؟"

"خود کو بقراط کہتے ہیں۔"

"ارے۔ وہ۔ وہ بقراط؟" میں نے حیرت سے کہا۔

"کیا آپ مل چکی ہیں اُن سے؟"

"ہاں اُس وقت جب پہلی بار تمہارے ہاں تقریب میں شریک ہوئی تھی۔" میں نے ہنس کر کہا۔

"ابو کے سارے خواب تباہ کر دیے اس شخص نے۔ عجیب و غریب فطرت کا مالک ہے۔ میری تو سمجھ میں ہی نہیں آتا۔ انکل نے بھی گھر سے نکال دیا ہے۔"

"ہوں تو یہ بات ہے۔" میں نے ایک گہری سانس لی۔

"مجھے بھی یہ حضرت عجیب ہی نظر آئے تھے۔"

"بے حد انوکھا آدمی ہے میں آپ کو تصور کی تصویریں دکھاؤں گی کافی سلیقے کا انسان تھا نہ جانے کیا ہو گیا اُس کو۔"

"تم اُسے چاہتی ہو انشاں؟"

"تھوکتی بھی نہیں ہوں اُس پر۔ وہ اس قابل ہی کہاں ہے۔" انشاں نے نفرت سے کہا اور میں مسکرانے لگی۔ مجھے بقراط یاد آ رہا تھا۔ کار برق رفتاری سے اپنا سفر طے کرتی رہی اور پھر وہ اس ذیلی سڑک پر مڑ گئی جس سے گزر کر منور عالم کی کوٹھی تک پہنچا جا سکتا تھا۔ دفعتاً انشاں اچھل پڑی۔ اس کے منہ سے ایک عجیب سی آواز نکل گئی تھی۔ میں بھی چونک کر سڑک پر دیکھنے لگی اور

پھر بے اختیار میرا قہقہہ نکل گیا۔ وہ بقراط ہی تھا جو اپنی موٹر سائیکل کو دھکیلتا ہوا کوٹھی کی طرف جا رہا تھا۔ افشاں کے ڈرائیور نے کئی بار ہارن بجایا لیکن اُس کے کان پر جُوں بھی نہیں رینگی تھی۔ یہاں تک کہ کار اُس کے قریب پہنچ گئی۔

تب بقراط نے موٹر سائیکل اسٹینڈ پر کھڑی کر دی اور سیدھا ہو کر ہانپنے لگا۔ پھر اُس نے بڑی بے نیازی سے کار کی طرف دیکھا۔ افشاں کا ڈرائیور نیچے اُتر گیا تھا۔

"کوئی خرابی ہو گئی ہے صاحب؟" اُس نے پوچھا۔

"ہاں۔ یہ خرابی دائمی ہے۔ کبھی ٹھیک نہیں ہو سکتی۔ کمبخت میں پیٹرول بار بار ختم ہو جاتا ہے۔" بقراط ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ اور افشاں دانت پیسنے لگی۔۔۔

بقراط کی آواز یہاں تک آ رہی تھی۔ میں نے بھی اُس کے الفاظ سُن لیے تھے اور مجھے ان الفاظ پر بے اختیار ہنسی آ گئی تھی لیکن افشاں کا موڈ بہت خراب ہو گیا اُس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کا شائبہ بھی نہیں تھا۔

"اب بتاؤ بھائی صاحب کیا کروں۔ ہاں ایک بات بتاؤ۔ پانچ روپے چالیس پیسے ہوں گے تمہارے پاس۔۔۔؟" دفعتاً اُس نے پوچھا۔

"ہیں تو سہی مگر یہاں پیٹرول کہاں ملے گا۔" ڈرائیور نے کہا۔

"ارے تم پیسے نکالو پیارے بھائی۔ یہ فیصلہ بعد میں ہو جائے گا کہ پیٹرول کہاں سے ملے گا۔" بقراط نے خوش ہو کر کہا اور ڈرائیور نے جیب میں ہاتھ ڈال دیا لیکن اُسی وقت افشاں کی غرّاہٹ اُبھری۔

"امین کیا بدتمیزی ہے کب تک یہاں مرے رہو گے۔ خبردار جو تم نے ایک پیسہ بھی دیا۔" اور ڈرائیور چونک کر رُک گیا۔ ویسے وہ شاید بقراط کو پہچانتا تھا اس لیے مروّت برت رہا تھا لیکن افشاں کی ڈانٹ پر اُس کا ہاتھ جیب سے نکل آیا اور وہ کان کھجانے لگا۔ بقراط بھی اس طرف متوجہ ہو گیا تھا۔۔۔۔ وہ جھلّائے ہوئے انداز میں کار کے نزدیک آ گیا پھر اس کی آواز اُبھری۔

"بی بی شرم کرو۔ خدا کو مُنہ دکھانا ہے۔ خود کو اللہ نے کسی نیکی کی توفیق نہیں دی، دوسروں کو بھی نیک کام سے روکتی ہو۔ میاں ان بی بی کی پرواہ مت کرو اپنا کام کرو۔"

"امین۔ گاڑی آگے بڑھاؤ۔" افشاں دہاڑی۔ اُسے نہ جانے کیوں اتنا غصّہ آ گیا تھا

"ہٹایئے صاحب۔ موٹر سائیکل راستے سے ہٹایئے۔ بی بی ناراض ہو رہی ہیں۔" ڈرائیور نے بے بسی سے کہا۔

"اور خدا جو ناراض ہو رہا ہے اُس کی تمہیں کوئی پروا نہیں ہے۔ اسے کچھ تو ڈرو اُس سے بھی۔ تمام صحیفے گواہ ہیں کہ انسان نے جب بھی انسان سے بے اعتنائی برتی ہے تباہ ہو گیا ہے۔۔۔"

"امین۔۔۔" افشاں اتنی زور سے چیخی کہ اُسے کھانسی آ گئی اور ڈرائیور خوفزدہ ہو کر جلدی سے گاڑی میں بیٹھ گیا۔ اُس نے گاڑی گیئر میں ڈالی اور آگے تھوڑا سا سرکایا۔

"موٹر سائیکل سڑک کے درمیان سے ہٹا لیں صاحب خدا کے واسطے میری نوکری خطرے میں نہ ڈالیں۔" ڈرائیور گڑگڑایا۔۔۔

"خدا تمہیں انسانیت سے نوازے۔" بقراط ٹھنڈی سانس لے کر بولا اور گردن جھکائے موٹر سائیکل کی طرف بڑھ گیا۔ موٹر سائیکل کے قریب پہنچ کر اُس نے ایک طویل انگڑائی لی اور پھر بڑے اطمینان سے اسے اسٹینڈ سے نیچے اتارا۔ ڈرائیور انجن کو ریس دے رہا تھا لیکن بقراط نے کار کے آگے آگے موٹر سائیکل دھکیلنی شروع کر دی۔

"اب کیا کروں افشاں بی بی؟" ڈرائیور نے بے بسی سے پوچھا۔

"چڑھا دو موٹر سائیکل پر۔ میں ذمّے دار ہوں میں کہتی ہوں چڑھا دو۔" افشاں نے دانت پیس کر کہا۔

"مگر بی بی یہ کیسے ممکن ہے۔" ڈرائیور نے ہارن بجاتے ہوئے کہا۔

"تم ہٹو اسٹیئرنگ سے۔ میں بتاتی ہوں کیسے ممکن ہے۔" افشاں آپے سے باہر ہوئی جا رہی تھی۔

"صاحب موٹر سائیکل ہٹا لیں سڑک سے۔ کیوں ہمارا وقت برباد کر رہے ہیں۔" ڈرائیور کھڑکی سے مُنہ نکال کر بولا۔

"سڑک حکومت کی ہے اور میں دسمبر تک کا ٹیکس ادا کر چکا ہوں۔ موٹر سائیکل نہیں ہٹ سکتی۔" بقراط نے پیچھے مُڑے بغیر کہا اور افشاں دروازہ کھول کر نیچے کود گئی۔ کار بس رینگ ہی رہی تھی ورنہ افشاں اوندھے مُنہ گر پڑتی۔ وہ سنبھل کر موٹر سائیکل کی طرف جھپٹی اور بقراط نے شاید اس کے جوتوں کی کھٹ کھٹ سُن کر پیچھے دیکھا۔۔۔ دوسرے لمحے اس نے اسے باپ رے کہہ کر بھاگنا شروع کر دیا۔ وہ موٹر سائیکل کو دھکیلتا ہوا بھاگ رہا تھا اور افشاں اُس کے پیچھے پیچھے دوڑ رہی تھی۔

ہنستے ہنستے میرا بُرا حال ہو گیا۔ ڈرائیور بھی ہنس رہا تھا بہرحال اس طرح اسے کار تھوڑی سی آگے بڑھانے کا موقع مل گیا۔۔۔ افشاں لاکھ کوشش کے باوجود اُسے نہ پکڑ سکی اور تھک کر رُک گئی۔ وہ رُکی تو بقراط کی رفتار بھی سُست ہو گئی اور وہ پھر اطمینان سے چلنے لگا۔

"بیٹھ جایئے بی بی۔ آپ حکم دیں تو میں کار چڑھا دوں اُس پر۔ بعد میں آپ ذمّے دار ہوں گی۔" ڈرائیور بولا۔

"پہلے تمہارے کان پھوٹ گئے تھے۔ میں نے یہ بات نہیں کہی تھی تم سے۔" افشاں نے کہا۔

"افشاں بُری بات ہے۔ وہ تمہارا کزن ہے کسی غیر کے ساتھ بھی ایسا برتاؤ نہیں کرتے۔ وہ شاید شرارت کے موڈ میں ہے۔ ڈرائیور ذرا گاڑی اس طرف لاؤ میں بات کرتی ہوں۔" میں نے مداخلت کی اور ڈرائیور نے گاڑی دوسرے کنارے کر لی۔

"بقراط صاحب!" اس بار میں نے زور سے آواز لگائی۔

"پانچ روپے چالیس پیسے۔" جواب ملا۔

"حاضر ہیں لے لیجیے۔" میں نے کہا اور موٹر سائیکل ایک دم رُک گئی۔ اُس نے جلدی سے اُسے اسٹینڈ پر ٹکایا اور کار کی طرف لپکا۔

"یقین کریں قرض ہیں واپس کر دوں گا۔" وہ میرے نزدیک پہنچ کر بولا اور پھر اُس کی نگاہ میرے چہرے کی طرف اُٹھ گئی۔ دوسرے لمحے اُس کے حلق سے بھرّائی ہوئی آواز نکلی۔ "بب۔ باقی بچے پینتیس۔" افشاں تو ان جملوں کو نہیں سمجھ سکی تھی لیکن میں اپنی بے اختیار ہنسی نہ روک سکی۔ میں جانتی تھی کہ وہ مجھے پہچان گیا ہے اور یہ حساب ان پچاس روپوں کا ہے جو اُس نے پہلے مجھ سے قرض لیے تھے۔

"اس وقت کیا پیش کروں آپ کو؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں۔" وہ بھرّائی ہوئی آواز میں بولا۔ "یہ میرے اصول کے خلاف ہے پہلے ایک قرض کی ادائیگی ہو جائے اس کے بعد۔۔" اُس نے تھوک نگل کر افشاں کی طرف دیکھا جو غصّے کی شدت سے خاموش ہو گئی تھی۔۔۔ اور طیش کے عالم میں اُس کی آنکھوں میں نمی آ گئی تھی۔

بقراط نے سر کھجایا اور مایوسی کے عالم میں کار کے نزدیک سے ہٹ گیا۔۔۔ پھر اُس نے موٹر سائیکل اسٹینڈ سے اُتار کر سڑک کے ایک سمت کر لی اور ڈرائیور نے گہری سانس لے کر کار آگے بڑھا دی۔

تھوڑی دیر کے بعد کار منوّر عالم کی خوبصورت کوٹھی کے عظیم الشان گیٹ پر پہنچ گئی۔ دروازے پر کھڑے ہوئے دربان نے سلام کر کے گیٹ کھول دیا اور ڈرائیور کار اندر لے جانے لگا۔

"رُکو۔" دفعتاً افشاں کی آواز اُبھری اور ڈرائیور نے بریک لگا دیے۔ افشاں نے گردن نکال کر دربان کو آواز دی۔

"قربان شاہ۔"

"جی بی بی صاب۔" دربان جلدی سے آگے بڑھ آیا۔

"پیچھے تصوّر عالم آ رہے ہیں۔ ان کو واپس کر دینا۔ کہہ دینا کہ صاحب باہر گئے ہوئے ہیں جب وہ واپس آ جائیں تب وہ آئیں۔" افشاں نے کہا اور دربان کے چہرے پر کشمکش نظر آنے لگی۔ میں نے یہ کشمکش صاف محسوس کی تھی لیکن افشاں نے کار آگے بڑھوا دی اور پھر وہ پورٹیکو میں جا کر رُک گئی۔

"آیئے۔ فرزانہ آپ کو دیکھے گی تو خوشی سے اُچھل پڑے گی۔ بہت یاد کرتے تھے ہم لوگ آپ کو۔" افشاں نے پُرمحبت انداز میں میرا ہاتھ پکڑ کر اندر بڑھتے ہوئے کہا اور میں اُس کے ساتھ آگے بڑھ گئی۔ افشاں مجھے لیے ہوئے ایک خوبصورت کمرے میں داخل ہو گئی۔ اب اس کا موڈ بحال ہو گیا تھا۔ اُس نے شرارت آمیز انداز میں کہا۔

"بہت لطف آئے گا۔ اب میں کئی دن تک آپ کو جانے نہیں دوں گی۔ سچ یقین کریں مجھے کتنی مسرت ہے۔ میں الفاظ میں بیان نہیں کر سکتی۔ آپ آرام سے بیٹھ جائیں عالیہ باجی۔ بالکل آرام سے، اگر آپ نے اس گھر میں کوئی تکلف کیا تو بڑی مایوسی ہو گی۔"

"نہیں افشاں، اگر تکلف کرنا ہوتا تو یہاں آتی ہی کیوں اور یُوں بھی میں بہت بے تکلف قسم کی ہوں اس لیے تم اس بارے میں فکر مت کرو۔"

"شکریہ عالیہ باجی۔ مجھے چند لمحات کی اجازت دیں ذرا آپ کا سامان رکھوا دوں اور کپڑے بدل آؤں۔ آپ بور تو نہیں ہوں گی؟"

"ہرگز نہیں۔ تم جاؤ۔" میں نے اطمینان سے کہا اور افشاں مسکراتی ہوئی باہر نکل گئی۔

۔۔۔۔۔۔ ایک شبہ میرے ذہن میں جاگ اُٹھا تھا۔ صاحبزادہ منوّر عالم نے جو کہانی مجھے سنائی تھی وہ بے حد عجیب تھی۔ میرے ذہن میں پریشان کُن خیالات پیدا ہو گئے تھے کیوں کہ یہ کہانی میری ذات سے منسوب ہو گئی تھی لیکن گزری

ہوئی باتیں تھیں جن کا میری زندگی سے براہِ راست کوئی تعلق نہیں تھا۔ جن لوگوں کا اس کہانی سے براہِ راست تعلق تھا وہ اب اس دُنیا میں نہیں رہے تھے چنانچہ وہ داستانیں اُن کے ساتھ ختم ہو گئیں۔ اب تو بات نئی داستانوں کی تھی اور اس نئی داستان میں منور عالم صاحب کا کردار بار بار مشکوک ہو جاتا تھا۔ سیاہ تِل اُن کی کمزوری تھا اور وہ بے چینی کے عالم میں مشرقِ وسطیٰ کے اس مُلک چلے جاتے تھے

میں نے ایک گہری سانس لی اور آرام کرسی کی پشت سے ٹیک کر آنکھیں بند کر لیں۔ زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ دروازے پر دستک ہوئی اور میں سیدھی ہو گئی۔

"آجاؤ۔ کون ہے؟" میں نے کہا۔ دروازہ کھلا اور ایک سَر اندر گھس آیا لیکن میں اس چہرے کو دیکھ کر اُچھل پڑی۔

"ارے مسٹر بقراط...؟" میں نے تحیر کے انداز میں کہا۔

"صِص صِرف پینتیس روپے باقی ہیں۔ یقین کریں میرے سینے پر بوجھ بنے ہوئے ہیں بس تھوڑی سی مہلت دے دیں۔" بقراط نے کہا۔

"آپ اندر تو آئیں۔" میں نے ہونٹ بھینچ کر کہا اور وہ اِدھر اُدھر دیکھ کر اندر گھس آیا۔

"وہ کہاں گئیں؟" اُس نے رازدارانہ انداز میں پوچھا۔

"افشاں؟"

"ہاں اُنہیں کی بات کر رہا ہوں۔ بڑی مشکلات کا شکار ہو گیا ہوں جہاں جاتا ہوں بے عزتی کر کے نکال دیا جاتا ہے۔ آپ کے بھی پینتیس روپے باقی ہیں اور یہ گھرانہ اب مجھے کچھ دینے کے لیے تیار نہیں ہے۔"

"یہ کیا آپ نے پینتیس پینتیس کی رَٹ لگا رکھی ہے۔"

"قرض قرض ہوتا ہے محترمہ عالیہ بھائی جانی۔" اُس نے کہا

"عالیہ بھلیانی۔" میں نے تصحیح کی۔ "آپ اندر کیسے آ گئے؟"

"کوٹھی کی عقبی چہار دیواری سے کود کر۔ کیوں؟" اُس نے حیرانی سے سوال کیا۔ مجھے پھر اُس کے انداز پر ہنسی آ گئی۔

"کیا آپ کے آنے کا راستہ وہی ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"خاص حالات میں وہی ہے۔ عام حالات میں گیٹ سے بھی آجاتا ہوں۔ اب اِس وقت مجھے یقین ہے کہ افشاں نے چوکیدار کو منع کر دیا ہو گا کہ مجھے اندر نہ آنے دیا جائے۔ اس لیے میں نے گیٹ پر جانے کی حماقت ہی نہیں کی۔"

"آپ واقعی سمجھ دار ہیں لیکن آپ کی وہ محترمہ کہاں ہیں؟" میں نے بدستور ہنستے ہوئے کہا۔

"کک کون...؟" وہ چونک کر مجھے گھورنے لگا۔

"موٹر سائیکل کی بات کر رہی ہوں۔"

"اوہ۔ وہیں عقبی دیوار کے باہر دیوار سے لگی کھڑی ہے۔" بقراط نے اطمینان سے جواب دیا۔

"کب تک کھڑی رہے گی۔ آپ اُسے اندر نہیں لائیں گے؟"

"اوہ نہیں۔ میں اس کے لیے اتنا جذباتی نہیں ہوں وہ ان چھوٹی چھوٹی باتوں کا بُرا ماننے کی حِس نہیں رکھتی۔"

"اور اگر کوئی اُٹھا لے گیا؟"

"موٹر سائیکل کو...؟" بقراط حیرت سے بولا اور پھر ہنسنے لگا۔ "نہیں محترمہ، چور اُچکے قسم کے لوگ اس سے اچھی خاصی واقفیت رکھتے ہیں بڑی چوٹیں دی ہیں میری موٹر سائیکل نے اُنہیں۔ زیادہ پرانی بات نہیں ہے۔ ایک رات میری رہائش گاہ کے باہر تاریکی میں کھڑی ہوئی تھی ایک حضرت نے چوری کر لی وہاں سے تو اسٹارٹ ہو کر چلی گئی لیکن کچھ دور چل کر اُسے احساس ہو گیا کہ میں ساتھ نہیں ہوں۔ بس جناب نخرے شروع ہو گئے اور کسی واقف کار کی نظر پڑ گئی۔ یہ تاریخی چیز میرے علاوہ کسی اور کے پاس پا کر اُسے حیرت ہوئی اور اُس نے عین موقع پر چور صاحب کو گرفتار کرا دیا۔ بعد میں جب اُسے وصول کرتے ہوئے چور سے ملاقات ہوئی تو وہ مجھ پر سخت ناراض ہوا کہ میں نے اُسے تاریکی میں کیوں کھڑا کیا تھا۔ اگر یہ روشنی میں ہوتی تو کیا وہ اسے چرانے کی حماقت کرتا؟"

"بس بقراط صاحب بس۔ خدا کے لیے بس۔" میں نے بے اختیار ہنستے ہوئے کہا اور وہ تعجب سے مجھے دیکھنے لگا۔

"یعنی اس میں ہنسنے کی بھی کوئی بات ہے؟"

"آپ تشریف تو رکھیے۔ میں ابھی حاضر ہوتی ہوں۔" میں نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

"اُن لوگوں کو میرے بارے میں اطلاع دینے جا رہی ہیں؟" وہ بھڑک گیا۔

"نہیں۔ بس ایک منٹ۔" میں نے باتھ روم کی طرف بڑھتے ہوئے کہا جو بائیں طرف نظر آ رہا تھا۔ بقراط کو کسی قدر اطمینان ہو گیا اور وہ ایک آرام کرسی پر بیٹھ گیا۔

ابھی میں باتھ روم کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہی ہوئی تھی کہ دروازے سے افشاں کی آواز سُنائی دی۔

"ایسے نہیں جناب! آنکھیں بند کرنی پڑیں گی"

"افوہ۔ کیا بچپنا ہے افشاں۔ کون ہے دیکھنے تو دو۔" دوسری آواز فرزانہ کی تھی۔

"ہرگز نہیں محترمہ۔ ایسی گراں قدر چیز کی رُونمائی اِس معمولی انداز میں نہیں ہو سکتی۔ آپ آنکھیں بند کیے بغیر اندر نہیں جا سکتیں..." افشاں نے کہا اور شاید فرزانہ نے آنکھیں بند کر لیں۔ میں اپنی جگہ رُک گئی۔ دونوں لڑکیاں اندر داخل ہوئیں اور پھر اِن دونوں ہی کی بے ساختہ آوازیں مجھے سنائی دیں...

"آپ...؟" اور ایک بار پھر میری بُری حالت ہو گئی۔ ظاہر ہے اِن دونوں نے بقراط کو دیکھا ہو گا۔

"آپ گھس آئے یہاں؟" افشاں دھاڑی۔

"اَں۔ اَں۔ الحمدللہ۔" بقراط کی بوکھلائی ہوئی آواز آئی۔

"چوکیدار نے نہیں منع کیا آپ کو؟" وہ پھر چیخی۔

"افشاں۔ افشاں کیا بدتمیزی ہے۔ بُری بات ہے۔ ابھی تو تم اتنے اہتمام سے مجھے یہاں لائی تھیں اِن سے ملانے اور اب..." فرزانہ نے بُردبار لہجے میں کہا۔

"اِن سے مِلانے لائی تھی... اِن سے۔ خُدا کی قسم فرزانہ خدا کی قسم اب برداشت سے باہر ہے۔ ابّو آجائیں ان کے بارے میں فیصلہ ہو کر رہے گا۔ آخری بات ہو گی ابّو سے۔" افشاں نے ہتھیلی پر گھونسا مارتے ہوئے کہا اور پھر چونک کر بولی۔

"لیکن... عالیہ باجی کہاں گئیں؟"

"کون...؟" فرزانہ چونک پڑی۔

"عالیہ باجی کو چھوڑ کر گئی تھی میں اس کمرے میں۔"

"اطمینان رکھیے کہ وہ میرے شکم سے برآمد نہیں ہوں گی۔ نعوذ باللہ میں آدم خور نہیں ہوں۔" بقراط صاحب بولے

"عالیہ باجی۔ عالیہ باجی۔" افشاں نے آواز لگائی اور میں باتھ روم سے فوراً نکل آئی۔ میرا چہرہ ہنسی سے سُرخ ہو رہا تھا...

"ارے واقعی عالیہ بہن۔ آپ آئی ہیں۔ میرا تو خیال تھا کہ آپ کو ہم لوگوں کے چہرے بھی یاد نہ ہوں۔ بھئی ایک مصروف شخص کی زندگی میں تو لاتعداد لوگ آتے ہیں وہ کیسے کیسے یاد رکھے۔ ہماری طرح تو سب نہیں ہیں کہ جسے پسند کیا اُسے دُنیا ہی سمجھ بیٹھے۔" فرزانہ نے میرے نزدیک آ کر مجھ سے لپٹتے ہوئے کہا۔

"سوری فرزانہ۔ آپ لوگوں کو اس انداز میں نہیں سوچنا چاہیے۔ بہرحال میں کوئی معذرت نہیں کروں گی بلکہ نہ آنے کے لیے معافی مانگتی ہوں۔" میں نے بھی اُس کے خلوص کا جواب پورے تپاک اور خلوص سے دیا۔

"اگر یہ بات ہے تو اس شرط پر معاف کیا کہ آئندہ ایسی غلطی نہیں ہو گی۔ آپ خود آتی اور ہمیں بُلاتی رہیں گی۔"

"شرط منظور ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ افشاں کی دُہری کیفیت تھی، وہ میری آمد سے خوش تھی اور بقراط کو دیکھ کر اُس کے تن بدن میں آگ لگ رہی تھی۔ حضرت بقراط سر جھکائے کھڑے ہوئے تھے۔

"اب آپ کب تک ہم پر نازل رہیں گے۔ ضروری ہے کہ آپ ہم تینوں کے درمیان اونٹ کی طرح کھڑے رہیں...؟" افشاں بولی۔

"اوہ۔ سس سوری۔" بقراط جلدی سے بیٹھ گیا۔

"ارے ارے۔ آپ اُٹھیں گے نہیں؟" افشاں آنکھیں نکال کر بولی۔

"تک کیا پریشانی ہے بھئی۔ بیٹھتا ہوں تو اُٹھا دیتی ہو، کھڑا ہوتا ہوں تو بیٹھ جانے کی ہدایت کرتی ہو۔ مجھے بتاؤ مجھے کیا کرنا چاہیے۔"

"مان لیں گے آپ؟"

"چلو ٹھیک ہے۔ مان لوں گا۔" بقراط نے کہا اور افشاں اُس کے نزدیک پہنچ گئی۔

"ذرا کھڑے ہوں۔"

"لو ہو گیا..."

"اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں دیں۔" افشاں نے ہاتھ آگے بڑھا دیا۔

"ناممکن، ناممکن میں یہ حماقت کبھی نہیں کر سکتا...

...میں نے انکل سے بھی صاف منع کر دیا تھا افشاں بی بی..." بقراط دو قدم پیچھے ہٹ گیا اور افشاں کے چہرے پر پھر جنون نظر آنے لگا۔

"فرزانہ، فرزانہ۔ تم اِس سلسلے میں کوئی مداخلت نہیں کرو گی۔ خدا کی قسم تم... تم...؟" افشاں دانت پیس کر بقراط کی طرف بڑھی لیکن فرزانہ درمیان میں آ گئی۔

"افشاں۔ کیا مہمان کے سامنے یہ سب کچھ جائز ہے، تصور بھائی اللہ کے واسطے آپ تھوڑی دیر کے لیے باہر چلے جایئے۔" اُس نے بقراط سے کہا۔

"خیر تھوڑی دیر کے لیے کوئی حرج نہیں ہے لیکن کتنی

دیر میں واپس آجاؤں۔" بقراط نے احسان کرنے والے انداز میں کہا۔

"میں آپ کو خود بُلالوں گی۔" فرزانہ عاجزی سے بولی اور بقراط باہر چلا گیا۔

"آؤ عالیہ بہن دُوسرے کمرے میں چل کر بیٹھیں گے۔" فرزانہ نے میرا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا اور ہم تینوں اس عالی شان کوٹھی کے ایک دُوسرے بڑے کمرے میں آگئے۔

"عالیہ باجی! آپ کو اس زندگی سے کوئی اکتاہٹ

تو نہیں ہوتی ہے؟" افشاں نے گویا میری اخباری زندگی پر تبصرہ کیا۔

"نہیں افشاں' اپنے فن سے اپنے پیشے سے اگر انسان کو لگاؤ ہو تو پھر وہ کبھی اُس سے نہیں اُکتاتا' یہ فن صرف میرا ذریعہ معاش ہی نہیں بلکہ شوق بھی ہے اور اس شوق کی تکمیل کے لیے میں یہ سب کچھ کر رہی ہوں۔"

"خوب! اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ آپ کو روزانہ نت نئے حالات اور واقعات سے واسطہ پڑتا ہوگا' کم از کم زندگی میں... کچھ ہلچل تو ہے' ایک ہم ہیں کہ بس اسی کوٹھی میں زندگی کے سانس پورے کر رہے ہیں۔"

"ہاں اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ زندگی میں تنوع ایک حقیقت رکھتا ہے لیکن تھوڑی سی تبدیلیاں بہر صورت ہر انسان کے لیے ضروری ہیں' میں سمجھتی ہوں کہ آپ لوگوں کو بھی عملی زندگی میں آنا ہے۔۔ پھر آپ کے یہ معمولات خود بخود بدل جائیں گے...!"

دونوں لڑکیاں میری بات سمجھ کر مُسکرانے لگیں۔ چند لمحات خاموشی رہی پھر افشاں کافی کا کہنے چلی گئی۔

"افشاں کی ان باتوں سے مجھے بہت دُکھ ہوتا ہے عالیہ۔" فرزانہ نے کہا۔

"کون سی باتوں سے؟" میں نے چونک کر پُوچھا۔

"تصوّر بھائی کو وہ بُری طرح ذلیل کرتی ہے' اُنہیں کوستی ہے۔ اس دُنیا میں ہمارے بہت کم عزیز ہیں عالیہ بہن' تصوّر بھائی جیسے بھی ہیں ہمارا خُون ہیں لیکن جسے دیکھو اُن کی جان کا دشمن ہے۔ جسے دیکھو اُنہیں ذلیل کر کے خوشی محسوس کرتا ہے۔" فرزانہ نے دُکھی آواز میں کہا۔

"اوہ۔ مجھے خوشی ہوئی فرزانہ۔ کم از کم تمہیں اُن سے نفرت نہیں ہے۔ ویسے یہ شخص میرے ذہن میں بُری طرح اُلجھا ہوا ہے۔"

"کوئی خاص بات نہیں ہے۔ بس انکل تہوّر کی شدّت پسندی ہے۔ اگر وہ تصوّر بھائی کو اس قدر ذلیل نہ کرتے تو حالات سنبھل جاتے لیکن انکل بھی انتہائی غصّے والے ہیں۔ وہ چند لمحات بھی تصوّر بھائی کو برداشت نہیں کر سکتے۔"

"کچھ اور بتاؤ گی اس بارے میں؟"

"تصوّر بھائی کے بارے میں ذرا فرصت سے بتاؤں گی' یہ سب کچھ میں افشاں کے سامنے نہیں بتانا چاہتی۔ اُس کا موڈ خراب ہو جاتا ہے۔ ابھی وہ آجائے گی۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے گردن ہلا دی۔ فرزانہ کا خیال غلط نہیں تھا۔ چند لمحات کے بعد افشاں واپس آگئی۔

"بس کافی آرہی ہے۔" اُس نے کہا اور پھر ہم باتوں میں مصروف ہو گئے۔ دُنیا جہان کی باتیں' معصوم معصوم باتیں جو میرے وطن کی لڑکیاں کر سکتی ہیں۔ میں ان باتوں سے لُطف اندوز ہوتی رہی اور اسی دوران کافی بھی آگئی۔ انہوں نے طے کیا تھا کہ وہ میرے اعزاز میں اپنی دُوسری دوستوں کو بُلا کر ایک پارٹی دے گی اور اس سنگت کا لُطف بھی ہو جائے گا۔

"اللہ۔ عالیہ باجی۔ آپ شادی کب کریں گی؟"... افشاں نے پوچھا۔

"ارے ارے۔ یہ اچانک تمہیں کیا سُوجھی۔ میری کون سی بات تمہیں ناگوار گزری ہے؟" میں نے اُسے گھورتے ہوئے کہا۔

"تو کیا آپ شادی ہی نہیں کریں گی؟"

"نہیں بھئی اتنی فرصت کہاں ہے اور مجھے یہ تذکرہ فضول ہی لگتا ہے اوّل تو ہمارے جو پچھلے والدین کے بعد کوئی ہے ہی نہیں جسے یہ مذاق سُوجھے۔ دوسرے مجھے آزاد زندگی پسند ہے۔ ہاں یہ بتاؤ انکل منوّر کب تک واپس آئیں گے؟" میں نے ماحول کا بوجھل پن دُور کرنے کے لیے اُن سے پوچھا۔

"میں نے آپ کو بتایا تھا نا باجی کہ انہیں تو اچانک ہی سُوجھتی ہے اور وہ چلے جاتے ہیں پھر اُن کی واپسی کا پتہ نہیں ہوتا۔ ہم لوگوں سے زیادہ دیر بھی نہیں رہ سکتے کسی بھی دن خاموشی سے آجائیں گے۔" افشاں نے بتایا۔

"کیا وہاں انکل کا کوئی کاروبار نہیں ہے تمہیں؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں ہاں ابو کے بارے میں ساری باتیں ہمیں معلوم

ہیں سوائے ان چند باتوں کے جن کا تعلق اُن کے ماضی سے ہوگا' عالیہ معاملات میں وہ ہم سے کبھی کچھ نہیں چھپاتے۔" فرزانہ نے جواب دیا۔

"لیکن تمہارے ذہن میں یہ تجسّس تو ضرور پیدا ہوا ہوگا کہ آخر وہ مشرق وسطیٰ کیوں جاتے ہیں؟"

"ہم نے کئی بار پوچھا... لیکن وہ ٹال جاتے ہیں کوئی ٹھوس بات نہیں بتاتے۔" فرزانہ نے جواب دیا۔

"تعجب کی بات ہے' حالانکہ تم کہہ رہی ہو کہ وہ ساری باتیں تمہیں بتا دیتے ہیں۔"

"ہاں اس سلسلے میں اُنہوں نے ایک بار معذرت کرتے ہوئے کہا تھا کہ اس معاملے کی ہم زیادہ چھان بین نہ کریں۔" فرزانہ نے جواب دیا۔

"ٹھیک' بہر صورت ویسے انکل کی اپنی زندگی کن معمولات میں گزرتی ہے۔ میرا مطلب ہے خود اُن کا مزاج کیسا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"وہ ایک پُر محبت اور شفیق باپ ہیں جو ہماری ضرورتیں پوری کرنا اپنا ایمان سمجھتے ہیں لیکن انہوں نے کچھ اصول وضع کر کے ہمیں بتا دیے اور درخواست کی کہ ان اصولوں کی پابندی کی جائے۔ اس طرح ہمارے اور اُن کے درمیان ایک سمجھوتہ ہے' باقی اُن کے اپنے معمولات ہیں جو چھوٹی چھوٹی تقاریب تک محدود رہتے ہیں۔"

"یہ تو ایک مثالی زندگی ہے۔" میں نے کہا۔

"اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ ہمیں یہاں کوئی تکلیف نہیں ہے سوائے اس کے کہ دُوسروں سے ذرا الگ تھلگ رہنا پڑتا ہے۔"

"اتنی آسانیوں کے بعد اتنی سی تکلیف کوئی حیثیت نہیں رکھتی اور پھر باہر کے جھگڑے بھی بہت اُلجھا دینے والے ہوتے ہیں۔" میں نے کہا اور دونوں لڑکیوں نے مجھ سے اتفاق کیا۔

"کیا خیال ہے باجی۔ اب کیوں نہ باہر نکلا جائے کیوں نہ عالیہ باجی کو کوٹھی کی سیر کرائی جائے؟"

"ہاں یہ ٹھیک ہے آیئے عالیہ بہن۔ باہر چلیں۔" اور میں ان دونوں کے ساتھ باہر نکل آئی کوٹھی بے مثال تھی... منوّر عالم نے اُسے جنّت نظیر بنا دیا تھا۔ بلا شُبہ اُنہوں نے اپنی بچیوں کے لیے ذرا ذرا سی چیز کا خیال رکھا تھا اور پھر دونوں

لڑکیاں مجھے لیے ہوئے..... ایک دُور دراز حصّے میں پہنچ گئیں یہاں ذرا بلندی پر ایک عمارت بنی ہوئی تھی۔ دس بارہ سیڑھیاں چڑھ کر وہ ایک گول دروازے پر پہنچ گئیں۔

"دُنیا کا آٹھواں عجوبہ ہماری کوٹھی میں موجود ہے۔ اب آپ اس کی سیر کریں۔" افشاں بولی اور گول دروازے کا ڈھکن کھول دیا۔ اندر تاریکی تھی۔ ہم تینوں اس دروازے سے اندر داخل ہو گئیں اور فرزانہ نے وہ دروازہ بند کر دیا تاریکی اور گہری ہو گئی تھی میں نے بوکھلائے ہوئے انداز میں کہا۔

"بھئی میں تو اندھی ہو گئی۔ کیا تم اس تاریکی کو آٹھواں عجوبہ کہو گی؟"

"بس ایک منٹ۔" افشاں کی آواز اُبھری اور پھر اچانک مجھے ایک مخصوص قسم کی ٹھنڈک محسوس ہوئی۔ غالباً ائر کنڈیشنر چلایا گیا تھا ایک ہلکی سی گونج اُبھرنے لگی تھی پھر افشاں نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے ایک سیٹ پر بٹھا دیا اور پھر ایک ہلکی نیلی روشنی پھیل گئی۔ مدھم روشنی میں میں نے اندر کا ماحول دیکھا اور حیران رہ گئی۔

بالکل یوں محسوس ہوا تھا جیسے میں کسی جہاز میں بیٹھی ہوئی ہوں اور سیٹوں کی قطار دُور تک چلی گئی تھی اور اس کے اختتام پر پائلٹ کیبن نظر آرہا تھا۔ افشاں کیبن میں داخل ہو گئی اور پھر مائیک پر اُس کی آواز اُبھری۔

"پی کے ایک سو آٹھ کی پرواز روانگی کے لیے تیار ہے آپ سے التماس ہے کہ حفاظتی پیٹیاں کس لیں۔ خواتین و حضرات ہم ایک خوشگوار سفر کے لیے تیار ہیں۔" اس کے ساتھ ہی پائلٹ کیبن کے دروازے پر سُرخ پلیٹ روشن ہو گئی جس پر لکھا تھا۔

"تمباکو نوشی سے پرہیز فرمایئے۔ جب تک جہاز بلندی پر سیدھا نہ ہو جائے اپنی جگہ نہ چھوڑیئے۔ پھر ایک ہلکا سا جھٹکا لگا اور جہاز کے انجن چلنے کی آواز سُنائی دی اور اس کے بعد بالکل ایسا ہی دباؤ محسوس ہوا۔ جیسے جہاز کے فضا میں بلند ہونے پر ہوتا ہے میں شدید حیرانی کے عالم میں یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ مکمل جہاز تھا ذرہ برابر کسر نہیں چھوڑی گئی تھی لیکن لیکن... دفعتاً یوں محسوس ہوا جیسے کوئی شے دھڑام سے میرے سر پر آگری ہو۔ دیر تک گڑگڑاہٹ اور سنسناہٹ سے دماغ گھومتا رہا یہ ایک احساس تھا ایک خیال تھا جو ایک معصوم آواز میں میرے کانوں تک پہنچا تھا۔

"مجھے جہاز میں ہوش آیا لیکن... لیکن میں مشرقِ وسطیٰ میں ہُوں۔ جہاز کا سفر۔ بے ہوشی کے عالم میں لیکن وہ اپنے ملک ہی میں تھی لیکن خود کو ملک سے باہر سمجھتی تھی۔ تو کیا اس کے ساتھ یہ فراڈ اسی کوٹھی میں اسی جگہ تو نہیں ہوا۔ کسی بھی انسان کو یہاں بٹھا کر یہ باور کرایا جا سکتا ہے کہ اُس نے ایک طویل ہوائی سفر کیا ہے اور پھر وہ معصوم لڑکی مجھے اسی علاقے میں ملی تھی اور انکل منوّر کی اس کوٹھی کے علاوہ یہاں اور کوئی عمارت بھی نہیں ہے۔ انکل منوّر اسی ملک گئے ہیں۔"

زنجیر سی بنتی جا رہی تھی۔ تمام کڑیاں ایک دوسرے میں فِٹ ہو رہی تھیں بس ایک انکل شہریار کی آواز تھی جو جو اس زنجیر کو درمیان سے توڑتی تھی۔ انکل شہریار کی نگاہوں میں صاحبزادہ منوّر عالم بدکردار انسان نہیں تھے لیکن ان حقائق کی روشنی میں... دفعتًا افشاں کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔

"باجی کیا ہوائی سفر کے دوران آپ سو جاتی ہیں؟" اس نے تیز روشنی کر دی اور میں اُسے دیکھنے لگی۔ پائلٹ کیبن سے افشاں مُسکراتی ہوئی باہر نکل آئی تھی۔ جہاز کی آواز بند ہو چکی تھی لیکن میرے ذہن میں ابھی تک گُونج تھی۔

"باجی۔ کیا ہو گیا آپ کو؟" افشاں نے پھر پوچھا۔

"کچھ نہیں۔ ہوائی جہاز میں مجھے ہمیشہ چکر آ جاتے ہیں" مَیں نے پھیکی سی مُسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"تو کیا آپ خود کو سچ مچ جہاز میں سمجھ رہی تھیں؟" فرزانہ نے پوچھا۔

"ماحول تو بالکل وہی ہے۔ اگر کسی سوتے ہُوئے شخص کی آنکھ اس ماحول میں کھُلے تو وہ ساری دُنیا سے یہی کہتا پھرے گا کہ وہ ہوائی سفر کر کے آیا ہے" میں خود کو سنبھال رہی تھی۔

"یہی تو خوبی ہے۔ ابّو نے کافی بھاری رقم خرچ کر کے اسے بنوایا ہے۔" فرزانہ نے کہا۔

"لیکن کیوں؟"

"بس شوق۔ ابو کو ایسی ہی انوکھی باتیں سُوجھتی ہیں۔"

"کمال کی جگہ ہے۔ مکمل جہاز۔ کتنا عرصہ ہو گیا اسے تعمیر کیے ہُوئے؟" مَیں سیٹ سے اُٹھ گئی۔

"چار پانچ سال ہو چکے ہیں۔"

"کوئی نہ کوئی وجہ تو ہو گی اس کی تعمیر کی۔"

"مَیں نے بتایا نا کہ ابّو کو بے تُکی باتوں کا شوق ہے۔ یہ بھی بلاوجہ ہی کی کوشش تھی لیکن ہے خوب۔ آپ کا کیا خیال ہے؟" افشاں نے پوچھا۔

"اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ یہ دُنیا کا سب سے انوکھا شوق ہے" مَیں نے مُسکراتے ہوئے کہا۔ "بہت سے لوگ دیکھ چکے ہوں گے اِسے۔"

"نہیں۔ ابّو نے کبھی اس کی تشہیر نہیں کی۔ ویسے ہم اِسے دُنیا کا آٹھواں عجوبہ ہی کہتے ہیں۔ کوئی چیز نامکمل نہیں ہے۔ باتھ رُوم بھی ہے اس میں اور دیکھیے یہ ہوسٹس کیبن ہے" افشاں نے کیبن کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا اور اُچھل پڑی۔ سب کی یہی کیفیت ہُوئی تھی۔

دروازے کے دُوسری طرف کوئی کھڑا ہُوا تھا۔ مَیں نے بھی اُسے دیکھا اور پھر میری سمجھ میں نہیں آیا کہ پیٹ دبا کر ہنسنے لگوں یا سنجیدگی اختیار کروں۔ وہ جناب بقراط تھے۔ جو حیران و پریشان کھڑے نندا سی آنکھوں سے ہم سب کو دیکھ رہے تھے اُن کے چہرے پر بیزاری کے آثار تھے۔

"آپ؟" فرزانہ کے مُنہ سے سرسراتی آواز نکلی۔

"کیا تم ڈنر کے لیے مجھے تلاش کر رہی تھیں کیا رات ہو گئی؟" بقراط نے انگڑائی لیتے ہوئے پوچھا۔

"جی ہاں باورچی قصائی کو ساتھ لیے بڑی دیر سے آپ کی تلاش میں ہے۔ آج ڈنر ٹیبل پر آپ ہی ہوں گے... خس کم جہاں پاک..." افشاں نے زہریلے لہجے میں کہا اور فرزانہ نے گھُور کر سرزنش کرنے والے انداز میں اُسے دیکھا۔

"آپ یہاں کیا کر رہے ہیں تصوّر بھائی؟" فرزانہ نے پوچھا

"زمین تنگ ہو گئی ہے مجھ پر۔ جہاں جاتا ہُوں لوگ نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اس لیے ایسے ہی سنسان گوشے تلاش کرتا ہوں لیکن یہاں بھی معاف نہیں کیا آپ لوگوں نے"

"لیکن آپ یہاں آ کیسے گئے؟"

"تم لوگ کیسے آ گئیں؟" بقراط نے پوچھا۔

"تو آپ سو رہے تھے؟" اس بار مَیں نے بھی لب کشائی کی

"ایک تنہا اور بیزار انسان سونے کے علاوہ اور کیا کر سکتا ہے اور پھر تھکن بھی شدید ہو گئی تھی۔ کئی میل تک موٹر سائیکل گھسیٹنی پڑی تھی ویسے یہ موٹر سائیکل بھی عیش کر رہی ہے میرے ساتھ۔ خود تو اسے بہت کم ہی چلنا پڑتا ہے...

زیادہ تر گھسیٹی ہی جاتی ہے خیر چھوڑیے اِن باتوں کو مَیں آپ کی کیا خدمت کروں؟" بقراط نے پوچھا۔

"آپ کچھ خدمت کرنا پسند کریں گے؟" افشاں بولی۔

"حکم دیجیے۔"

"آیئے...!" افشاں واپسی کے لیے مُڑ گئی اور بقراط بھی مُنہ چلاتا ہوا ہوسٹس کیبن سے باہر نکل آیا۔ "براہِ کرم میرے ساتھ آیئے۔" افشاں کے ذہن میں کوئی نئی بات آئی تھی۔ بقراط اُس کے پیچھے چل پڑا۔ افشاں اُسے لیے ہوئے باہر جانے والے دروازے پر آئی اور دروازہ کھول دیا۔ "براہِ کرم نیچے چلیں..." بقراط نے اس حکم کی بھی تعمیل کی اور نیچے اُتر گیا۔ تب افشاں نے اطمینان سے دروازہ بند کر دیا۔

مَیں اور فرزانہ خاموشی سے اُسے دیکھ رہے تھے مَیں نے محسوس کیا کہ فرزانہ کے چہرے پر ناگواری کے تاثرات ہیں۔ افشاں ہاتھ جھاڑتی ہُوئی واپس آ گئی تھی۔ تب فرزانہ نے اُسے دیکھتے ہوئے کہا۔ "اب تم خوش ہو؟"

"اور آپ یقینًا ناخوش ہوں گی؟" افشاں کے لہجے میں بغاوت تھی۔

"ہاں۔ مَیں کسی انسان کے ساتھ غیر انسانی سلوک کو پسند نہیں کرتی۔" فرزانہ نے کرب سے کہا۔

"آپ اسے انسان کہتی ہیں فرزانہ؟" افشاں نے شکایتًا کہا۔

"تم کیا کہو گی؟" فرزانہ بولی۔

"فرزانہ.... مَیں... مَیں اس کے بارے میں کچھ نہیں کہوں گی۔ کون اسے پسند کرتا ہے۔ انکل تہوّر جنھوں نے اِسے اپنے گھر سے نکال دیا۔ ابّو، پھوپھی جہاں آرا یا اور کوئی۔ سوائے آپ کے۔ آپ ہی کے دل میں سب سے زیادہ انسانی ہمدردی جاگتی ہے۔ ہم لوگ بھی تو انسان ہیں۔"

"سب اس سے نفرت کرتے ہیں لیکن اس نفرت کی وجہ کسی نے آج تک نہیں بتائی۔" فرزانہ بولی۔

"وہ ننگِ خاندان ہے۔ اُس نے انکل تہوّر کی عزت خاک میں مِلا کر رکھ دی ہے۔ وہ سنکی ہے۔"

"پاگل کہو افشاں پاگل۔ صرف سنکی کہہ کر اُس کے ساتھ رعایت کیوں برت رہی ہو لیکن اگر اسے پاگل ہی قرار دے دیا گیا ہے تو ایک پاگل بھی سب کی نفرت کا شکار تو نہیں ہوتا۔ ہم تو سڑک کے اُن بچوں کی مانند ہو گئے جو پاگلوں کو صرف پتھر مارنا اور اُن پر ہنسنا جانتے ہیں کیا یہ جائز ہے؟"

"آپ بلاوجہ جذباتی ہو رہی ہیں فرزانہ"

"ہاں افشاں۔ میں جذباتی ہو رہی ہوں اس کے لیے ساری دُنیا نے اگر ایک شخص کے لیے ایک ہی وطیرہ اختیار کر لیا ہے تو میں اس دُنیا کی ہم نوا کیوں بنوں۔ انکل نے بھی تو اس کے ساتھ زیادتی کی ہے۔ کیا تصور بھائی ہمیشہ سے ایسے تھے۔ اگر اُنہیں کوئی عارضہ لاحق ہو گیا ہے تو کیا انکل کو اس عارضے کا علاج نہیں کرنا چاہیے تھا۔ کیا اُسے گھر سے نکال کر در بدر کر دینا انکل کا انصاف تھا؟"

"لیکن فرزانہ۔۔ لیکن" افشاں کی آواز پھنسنے لگی۔

"میں تمہیں سرزنش نہیں کر رہی افشاں۔ تمہاری انسانی ہمدردی جگا رہی ہوں۔ اگر تم اسے قابلِ توجہ نہیں سمجھتیں تو اس کے ساتھ یہ سلوک بھی نہ کرو۔ یہاں وہ کچھ سوچ کر ہی آجاتا ہے۔ ورنہ کسی اور کے گھر میں کیوں نہیں جا گھستا۔ وہ ہمارا خون ہے اگر ہمارے دل میں اس کے لیے انصاف جاگ اُٹھے تو کیا حرج ہے؟"

"سوری فرزانہ۔ میں آئندہ خیال رکھوں گی۔" افشاں نے ندامت سے کہا۔

"شکریہ افشاں۔ یہ بات میں بہت عرصے سے کہنا چاہتی تھی۔ شکر ہے آج اس کا موقع مل گیا۔"

میں خاموشی سے دونوں بہنوں کی اس کشمکش کو دیکھ رہی تھی اور بقراط کی شخصیت میرے ذہن میں اُلجھتی جا رہی تھی۔ کیتی۔۔۔ اُلجھنیں پیدا ہو گئی ہیں میرے ذہن کے لیے۔ اس ماحول نے ہی پاگل کر دیا تھا۔ ایک سچ مچ کا پاگل بھی درمیان میں آگیا۔ اس شخص کی گتھی بھی سلجھانی پڑے گی۔ ویسے یہ مصنوعی جہاز بھی میرے لیے کیا کم تھا۔۔۔؟

چند ساعت کے لیے ماحول سنجیدہ ہو گیا تھا پھر دونوں کو بیک وقت ہی میری موجودگی کا احساس ہوا اور دونوں ہی چونک پڑیں۔ "آپ بھی کیا سوچ رہی ہوں گی عالیہ! اس چڑیا گھر کے بارے میں۔ تھوڑی سی دیر ہوئی ہے آپ کو یہاں آئے ہوئے اور کیا کیا تماشے دیکھنے کو مل رہے ہیں۔"

"یہ بات نہیں فرزانہ۔ یہ تو میری عزت افزائی ہے کہ تم دونوں اپنے ذاتی معاملات میں بے تکلفی سے میرے سامنے گفتگو کر رہی ہو۔ یہ اپنائیت کی دلیل ہے اور میں اسے تمہارا خلوص سمجھتی ہوں۔"

"یہ حقیقت ہے عالیہ باجی۔ آپ کو غیر سمجھنے کو دل نہیں چلتا۔۔ تو آپ کو پسند آیا ہمارا یہ عجوبہ؟"

"ہاں بے شک۔ بڑی نایاب چیز ہے۔" میں نے تعریفی انداز میں کہا۔ اس کے بعد ہم باہر نکل آئے۔ بقراط اب یہاں موجود نہیں تھا۔ کوٹھی کے دوسرے حصے دیکھنے میں اپنے تصورات کی روشنی میں۔۔۔ درخشاں کے بیان کا جائزہ لے رہی تھی۔ مظلوم درخشاں نے ایک انوکھے سفر کی داستان سنائی تھی اور پھر دہشت کے عالم میں اُس کے دل کی حرکت بند ہو گئی تھی۔ کیا وہ دہشت ناک ماحول اس عمارت کا ہو سکتا ہے۔ جو منظر کشی درخشاں نے کی تھی۔ اس جہاز کو دیکھ کر درخشاں مرحومہ کے اس بیان کی تصدیق ہو جاتی تھی کہ اُس نے ایک پُراسرار سفر کیا تھا۔ ان سیٹوں پر مصنوعی مسافروں کو بٹھا کر جہاز کے سفر کی کہانی تو مکمل ہو جاتی ہے لیکن بعد کی چیزیں؟ میں نے اسی نقطۂ نگاہ سے عمارت کا جائزہ لیا لیکن عمارت میں ایسا ماحول نظر نہیں آرہا تھا۔ ویسے ضروری نہیں تھا کہ دوسرے ماحول کے لیے بھی اس کوٹھی کو استعمال کیا گیا ہو۔ کوئی اور جگہ بھی ہو سکتی تھی۔

فرزانہ اور افشاں بہت ہی بااخلاق تھیں۔ میری موجودگی سے وہ بہت خوش تھیں۔ بقراط کا ذکر رات تک۔۔۔ نہیں آیا نہ ہی اُس کی صورت نظر آئی لیکن ڈائننگ ٹیبل پر فرزانہ کو وہ یاد آگیا۔ "ارے کیا تصور بھائی چلے گئے؟"

"معلوم نہیں۔" افشاں نے سنجیدگی سے کہا۔

"زمرد سے پوچھو۔" فرزانہ بولی اور افشاں نے کوئی اعتراض کیے بغیر ملازمہ کو آواز دی۔ زمرد ایک نوجوان ملازمہ تھی۔ افشاں کے آواز دینے پر اندر آگئی۔

"تصور بھائی کہاں ہیں؟"

"عبدل کے کوارٹر میں بی بی۔" ملازمہ نے جواب دیا۔ فرزانہ کا چہرہ دھواں ہو گیا۔ ایک لمحے کے لیے اُس کے ہاتھ لرزے پھر وہ بولی۔

"وہاں کیا کر رہے ہیں؟"

"معلوم نہیں۔" زمرد بولی۔

"جاؤ انہیں بُلا کر لاؤ۔ ساتھ لے کر آنا۔" فرزانہ نے تاکید کی اور زمرد گردن ہلا کر چلی گئی۔ فرزانہ کے چہرے پر سخت شرمندگی کے آثار نظر آ رہے تھے اور ایک بار پھر عجیب سی فضا طاری ہو گئی تھی۔ "یہ تصور بھائی کو بھی ابھی آنا تھا خواہ مخواہ ایک اُداس فضا قائم کر دی۔"

"اب تو مجھے یہاں آنے پر افسوس ہو رہا ہے۔" میں نے کہا اور دونوں لڑکیاں چونک کر مجھے دیکھنے لگیں۔ "ہاں فرزانہ اور افشاں میں درست کہہ رہی ہوں۔ دیکھو تمہیں میرے بارے میں اتنا ضرور معلوم ہے کہ میں طویل عرصہ بلکہ یوں کہو پوری زندگی کسی گھریلو ماحول سے دُور رہی ہوں۔ میں نہیں جانتی رشتے کیسے ہوتے ہیں۔ اس کے بعد جس زندگی میں داخل ہوئی وہاں ایسے دوستوں سے محروم رہی جن کے گھر تک جانا نصیب ہو۔ تم لوگوں نے زندگی میں یہ پہلا موقع دیا ہے تو اجنبیت درمیان میں لا رہی ہو۔"

"اجنبیت؟" فرزانہ تعجب سے بولی۔

"ہاں اتفاق سے ایک متنازعہ کردار ہمارے درمیان آگیا ہے۔ وہ تمہارا عزیز ہے۔ تمہاری اس سے قربت ہے، اگر کوئی ایسی بات ہے تو یا تو مجھے اس تنازعے میں شریک کر لو یا پھر میرے سامنے یہ سوچ کر پریشان نہ ہوں کہ میں کیا سوچوں گی۔ میں تم لوگوں کی محبت کی ڈور میں اُلجھ کر یہاں آئی ہوں تمہارا تجزیہ کرنے نہیں۔"

"خدا کی قسم عالیہ بہن۔ ہم تمہیں غیر نہیں سمجھتے۔ مگر، تصور بھائی کے ساتھ جو سلوک ہوتا ہے بس اُس کی شرمندگی ہے۔"

"تب میں اُن کی متنازعہ شخصیت کے بارے میں ضرور معلوم کروں گی اور تم دونوں مجھے اس بارے میں بتاؤ گی۔ بولو منظور ہے؟"

"مجھے تو منظور ہے۔" فرزانہ بولی۔

"میں بھی اعتراض نہیں کروں گی۔" افشاں نے آہستہ سے کہا۔

"ویسے میرا خیال ہے تم دونوں بہنیں ایک دوسرے سے پوری طرح بے تکلف ہو کیا میرا خیال غلط ہے؟"

"اگر ہم دونوں ایک دوسرے سے بے تکلف نہ ہوں تو [illegible] نہ جائیں گی۔ یہاں اور ہے ہی کون۔" فرزانہ بولی۔

"تو ٹھیک ہے آج رات موضوعِ گفتگو اپنے تصور صاحب رہیں گے۔" میں نے کہا اور اسی وقت عجیب الخلقت تصور صاحب اندر داخل ہو گئے۔ وہی بے پروا سا انداز۔۔

"حیرت کی بات ہے۔ تین خواتین کھانے کے سامنے خاموش بیٹھی ہوئی ہیں۔ ہم اسے ایک اخباری خبر بنا سکتے ہیں۔"

"تصور بھائی کھانا نہیں کھائیں گے آپ؟"

"میں؟" تصور چونک پڑا پھر بولا۔ "دیکھو بھئی میں اس مذاق کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ واللہ یہ مذاق نہ کرو۔"

"آئیے تصور بھائی۔ ہم نے آپ کے انتظار میں کھانا نہیں کھایا ہے۔"

"یا خدا۔ یہ لڑکیاں کس قدر جان لیوا مذاق کر رہی ہیں۔ محترمہ فرزانہ کیا فرما رہی ہیں آپ؟"

"آئیے۔ ہمیں بھوک لگ رہی ہے۔"

"کچا کھاؤ گی؟" تصور یا بقراط آنکھیں پھاڑ کر بولا اور سب ہنس پڑے پھر فرزانہ بولی۔

"جی نہیں۔ ہمیں اپنے دانت بہت عزیز ہیں ایسا کوئی خیال نہیں ہے آپ کو کھانا ہوگا تو بڑے اہتمام سے پہلے آپ کو دیگ میں گلوایا جائے گا اور پھر بہت سے مسالے ملا کر کھایا جائے گا۔ اب آئیے کھانا پہلے ہی آپ کے انتظار میں ٹھنڈا ہو گیا ہے۔" فرزانہ نے کہا۔

"یا مظہر العجائب۔ آج یہ کیا ہو رہا ہے آپ نے مجھے حیرت میں مبتلا کر دیا ہے محترمہ فرزانہ۔ اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ آج سورج رات میں نکلے گا تو میں عبدل چچا کے ساتھ کھانا کیوں کھاتا۔"

"آپ نے کھانا کھا لیا؟" فرزانہ پھر شرمندہ نظر آنے لگی۔

"ہاں۔ چچی جان نے یعنی مسز عبدل نے مرچوں میں قیمہ بھر کر پکایا تھا۔ کیوں محترمہ یہ مرچوں میں قیمہ کیسے بھرا جاتا ہے؟" بقراط نے پوچھا۔ مخاطب مجھ سے تھا میں ہنس پڑی۔

"آپ کی بقراطیت اس سلسلے میں کیا کہتی ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ناکام ہے۔ دیکھیے نا ہر شے کی ایک ماہیت ایک خاصیت ہوتی ہے۔ مرچوں کے تصور کے ساتھ ایک خوف اُبھرتا ہے۔ زبان پر تکلیف کا خوف لیکن مرچوں میں بھی چاشنی گداز پیدا ہو جائے تو انسان کی حیرت لازمی ہے۔ مثلاً یہ لڑکیاں ہری مرچوں کا سمبل ہیں اور قیمہ کٹے ہوئے گوشت کا مجموعہ۔ تو اگر ان ہری مرچوں میں قیمے کا گداز پیدا ہو جائے تو کیا باعثِ حیرت نہیں؟"

"خدا کی پناہ۔ واقعی آپ بقراط ہیں۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ ویسے اس ذو معنی تشبیہ سے ایک بات تو ذہن میں ضرور پیدا ہوئی تھی کہ یہ شخص نرا گھامڑ ہی نہیں ہے۔

"ہم فیصلہ کر چکے ہیں کہ آپ کی کسی بات کا بُرا نہیں مانیں گے۔" فرزانہ بولی۔

"پاگل کی کسی بات کا بُرا کون مانے؟" افشاں نے جلے کٹے لہجے میں کہا اور فرزانہ نے سرد نگاہوں سے اُسے دیکھا۔ افشاں ایک دم سنبھل گئی لیکن بقراط کے ہونٹوں پر مُسکراہٹ پھیل گئی۔

"خوب خوب۔ تیر بھری ہوئی مرچیں دسترخوان پر ہی اچھی لگتی ہیں۔ اگر کوئی انسان یہ خاصیت اپنالے تو مضحکہ خیز ہو جاتا ہے۔ ویسے درحقیقت یہ ایک نیک جذبہ ہے کہ کسی پاگل کی بات کا بُرا نہ منایا جائے۔ تو خواتین میرے لیے کیا حکم ہے؟"

"آیئے کھانا کھایئے۔" فرزانہ بولی۔

"اس کے باوجود کہ مَیں کھانا کھا چکا ہوں؟"

"ہاں۔ اس کے باوجود۔" فرزانہ بولی۔

"ایک شرط ہو گی؟" بقراط بولا۔

"وہ کیا...؟"

"صبح کو ناشتہ بھی ملے گا اور دوپہر کو کھانا بھی۔ دوپہر کے کھانے کے بعد مَیں یہاں سے چلا جاؤں گا۔"

"تصوّر بھائی۔ لِلّٰہ ذلیل نہ کریں۔ اب آجائیں۔" فرزانہ زِچ ہو کر بولی۔

اُس نے دونوں لڑکیوں کو واقعی خوب جی بھر کر ذلیل کیا تھا۔ افشاں اور فرزانہ بے چاریاں بھی میری وجہ سے کھانا کھا رہی تھیں۔ مجھے اندازہ تھا کہ وہ صرف اس وقت کھانا زہر مار کر رہی تھیں لیکن بقراط کی زبان کھانے کے دوران بھی چلتی رہی۔

"اس کوٹھی میں عبدل چچا ہی ایک فرشتہ خصلت انسان ہیں۔ ممکن ہے مجھ پر اُن کی عنایتیں صرف اس لیے ہوں کہ وہ میرا اچھا وقت دیکھ چکے ہیں۔ دراصل وہ بہت پُرانے ملازم ہیں' شاید ان بچیوں کو یہ بات معلوم بھی نہ ہو کہ عبدل چچا پہلے ہمارے' میرا مطلب ہے اُس وقت ہمارے یہاں رہتے تھے جب مَیں صاحبزادہ تہوّر عالم کی اولاد ہوا کرتا تھا پھر صاحبزادہ منوّر عالم نے اُن سے اُدھار مانگ لیا اور اس کے بعد پھر یہ اُدھار واپس نہیں ہُوا تو عبدل چچا کی یادداشت سے مجھے یہ فائدہ ہے کہ کھانا بھی مل جاتا ہے اور کبھی کبھی قرض بھی۔ کیوں لڑکیو تمہیں یہ بات معلوم ہے؟"

"جی نہیں۔" فرزانہ نے جواب دیا۔

"چچی دو چیزیں بہت عمدہ پکاتی ہیں۔ نمبر ایک تو قیمہ اور ہری مرچ۔ دوسری چیز بیسن کی روٹی۔ واہ..."

بقراط بقول اُس کے کھانا کھا چکا تھا لیکن وہ دوبارہ شروع ہُوا تھا تو اُس کے ہاتھ اور زبان مسلسل چلتی رہی تھی۔ یہاں تک کہ سب کھا چکے۔ اِسے بھی غالباً احساس ہو گیا اور وہ رُک گیا۔

"ارے کھاؤ تم لوگ تکلف کیوں کر رہے ہو۔ محترمہ آپ بھی کھایئے کیوں کہ آج آپ کے طفیل مجھے انسان سمجھا گیا ہے۔"

"یہ آپ کی غلط فہمی ہے تصوّر صاحب۔" مَیں نے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"آپ نے کبھی خود پر بھی غور کیا ہے۔ ہر بات اور کیفیت کے کچھ عوامل ہوتے ہیں۔ ظاہر ہے یہ آپ کے چچا کا گھر ہے لیکن آپ اس پر ملازموں کو ترجیح دیتے ہیں۔"

"بہت چالاک ہیں آپ محترمہ۔ اب کیا کہوں' نمک کھا کر قتل کیا ہے آپ نے' کچھ بولوں گا تو نمک حرامی ہو گی۔"

"خوب۔ یہ تو بڑا اچھا احساس ہے لیکن یہ نمک کتنی دیر کارگر رہتا ہے آپ پر؟" مَیں نے سوال کیا۔

"اس سوال کا اردو میں ترجمہ فرما دیں۔" حضرت بقراط نے کہا۔

"آیندہ آپ اُس وقت تک اس نمک کا احساس رکھیں گے جب تک یہ آپ کے بدن میں رہے۔"

"نقصان ہو گیا۔ حالانکہ مَیں اس کا عادی نہیں ہُوں آپ یوں کہیں تو زیادہ بہتر ہو گا کہ جب تک اس نمک کا ذائقہ میری زبان پر رہے۔" بقراط بولا۔

"نمک کے بارے میں تو یہی محاورہ ہے کہ نمک کھاؤ تو کبھی نمک حرامی نہ کرو۔"

"بزرگوں کو بھی فالتو وقت میں خوب سُوجھتی تھی یہ محاورہ ہی سِرے سے غلط ہے۔ آخر نمک میں ایسی کیا خوبی ہے کہ اس کی بات کی جاتی ہے شکر کھا کر بھی تو شکر خواری کی جا سکتی ہے اور شکر حرامی بھی۔ کیا آپ اس کی توجیہہ کر سکتی ہیں۔"

"نہیں جناب۔ اس کے لیے مجھے سقراط بننا پڑے گا۔" مَیں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"آپ کافی پئیں گے تصوّر بھائی؟" اُس نے پوچھا۔

"اگر میں ہاں کہہ دوں تو بُرا تو نہیں مانو گی؟"

"نہیں..."

"تب بس دو پیالیاں پلا دو۔" اُس نے شرماتے ہوئے انداز میں کہا اور اس بار افشاں بھی ہنس پڑی لیکن پھر

ایک دَم اُس نے اِس طرح اپنی ہنسی روک لی۔ جیسے اُسے غلطی کا احساس ہو گیا ہو۔ فرزانہ نے زمرّد کو آواز دے دی تھی' زمرّد آئی تو اُس نے کافی کے لیے کہہ دیا۔

"کافی آنے کے وقت تک کیا گفتگو ہو گی بقراط صاحب؟"

"آپ نے مجھے یہ عزت دِلوا کر اپنا ممنون کر لیا ہے' اس لیے اب مَیں آپ کی پسند کی گفتگو کروں گا۔"

"وعدہ...؟"

"جی ہاں۔ آپ کی پسند کیا بہت مشکل ہے؟" اُس نے پوچھا۔

"ممکن ہے ایسا ہی ہو۔" مَیں نے مسکرا کر کہا۔

"ٹھیک ہے۔ مَیں کوشش کروں گا۔"

"تو پھر آپ کا انٹرویو ہو جائے؟"

"اوہ۔ ٹھیک ہے' جیسے آپ پسند کریں۔"

"کیوں خواتین۔ آپ کو تو اعتراض نہیں ہے؟"

"نہیں۔" فرزانہ نے جواب دیا۔ افشاں البتہ خاموش رہی تھی۔ مَیں نے سوالیہ انداز میں اُسے دیکھا اور اُس نے بھی بادلِ ناخواستہ گردن ہلا دی۔

"بہت بہت شکریہ۔ ہاں تو بقراط صاحب آپ تیار ہیں؟"

"جی ہاں۔ وہی نمک خواری کی بات آجاتی ہے۔" بقراط ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

"آپ مجھے اجازت دیں کہ مَیں آپ سے نجی اور ذاتی سوال بھی پوچھ لوں؟"

"اجازت۔" بقراط نے جواب دیا۔

"تو جناب بقراط صاحب! مَیں آپ سے یہ معلوم کرنا چاہتی ہوں کہ آپ کون کون سے بیرونی ممالک میں قیام پذیر رہے ہیں۔" مَیں نے پوچھا اور بقراط اپنی بے ترتیب داڑھی کھجانے لگا پھر اُس نے جواب دیا۔

"قبلہ تہوّر عالم صاحب نے بھیجا تو امریکا تھا لیکن وہاں کچھ ایسے دوستوں سے ملاقات ہو گئی جو زندگی کو قریب سے دیکھنے کے عادی تھے' انہوں نے زندگی کا جو تجزیہ کیا تھا وہ میرے سامنے پیش کر دیا اور محترمہ میری یہ عادت ہے کہ جب کسی چیز کو ذہن سے قبول کر لیتا ہوں تو پھر خود کو بھی اُسی رنگ میں رنگ لیتا ہوں' نظریہ زندگی میری نگاہوں میں آکر اتنا وسیع ہو گیا کہ میں نے زندگی کی حقیقت پالی اور جب زندگی کی حقیقت پالی تو پھر حصولِ علم کا کوئی نکتہ بندھا نظریہ میرے پیروں کی زنجیر نہ بن سکا' علم کے حصول کے لیے میرا تصوّر ہے کہ ہر وہ چیز معلوم کرو جو جستجو رکھتی ہو' چنانچہ میری تحقیق مجھے دربدر لے گئی' امریکا کی مختلف ریاستیں' فرانس' انگلینڈ اور پھر مشرق میں چین' جاپان اور ایسے ہی چند دوسرے ممالک... اس دوران قبلہ تہوّر عالم صاحب اس بات کے آرزومند رہے کہ مَیں اُن کی کھینچی ہوئی لکیر پر قدم بہ قدم چلتا ہُوا وہاں جا کھڑا ہوں جہاں وہ مجھے دیکھنا چاہتے تھے لیکن دیکھئے نا لکیریں تو انسان کی اپنی تخلیق ہوتی ہیں اور ایک انسان کسی دوسرے انسان کی کھینچی ہوئی لکیروں پر جو اُس کے ذہن و دل سے ہٹ کر ہوں عمل پیرا کیوں رہے۔ اصل خالق نے زندگی کو بہت وسیع کیا ہے اور ان خطوط پر چل کر اگر زندگی کے بارے میں کچھ معلومات حاصل کر لی جائیں تو کیا انہیں علم میں تصوّر نہیں کیا جا سکتا؛ ہم علم اسے کہتے ہیں جو ہمیں کوئی کرسی مہیا کر دے' کوئی مِل یا کارخانہ لگوا دے یا کسی ایسے شخص کی خواہش کی تکمیل ہو جائے جو ہمیں کسی خاص راہ پر دیکھنا چاہتا ہے۔ مَیں علم کے ان معنوں کا مخالف ہوں' علم کے بارے میں میرا نظریہ یہ ہے کہ اس کائنات کی سربستہ چیزیں تلاش کی جائیں اور اگر ان کے بارے میں کچھ حاصل ہو جائے تو ہم اِسے علم کا نام دیں۔ چنانچہ میں نے یہ علم حاصل کیا اور جب وطن واپس آنے کو دل چاہا تو علم کی یہ سوغات لے کر اپنے وطن واپس آگیا۔" بقراط نے جواب دیا اور میری آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ میں متحیرانہ نگاہوں سے اس لاأبالی جوان کو دیکھ رہی تھی جو ایک انتہائی پُرکشش شخصیت کا مالک تھا لیکن جس نے اپنی شخصیت کو گھُن لگا لیا تھا۔ اُس نے اپنی حقیقت کو چھپا رکھا تھا اور دُنیا کی نگاہوں میں وہ ایک نکمّا اور ناکارہ شے بن کر رہ گیا تھا۔ وہ جو کچھ تھا اُسے ظاہر نہیں کرتا تھا لیکن جب ظاہر ہوتا تھا تو میری طرح نجانے کتنے لوگ دَنگ رہ جاتے ہوں گے۔ مَیں اس ناتراشیدہ ہیرے کے اندر جو چمک جگمگا رہی تھی' اُسے دیکھ رہی تھی اور یقیناً جو بھی اس چمک کو دیکھتا اُس کی آنکھیں خیرہ ہو جاتیں۔ مَیں نے افشاں اور فرزانہ کے چہرے پر اس گفتگو کا ردِّ عمل دیکھا اور مجھے بے پناہ خوشی ہوئی۔ وہ دونوں بھی متحیر نظر آرہی تھیں' غالباً کبھی ان لوگوں نے بقراط سے اتنی سنجیدگی سے گفتگو نہیں کی تھی۔ خاص طور سے افشاں کی کیفیت قابلِ دید تھی' مَیں نے مسکراتے ہوئے بقراط کو دیکھا اور پھر بولی

"دوسرے سوال کی اجازت ہے؟"

"جی..."

"آپ ایک ایسے خاندان کے چشم و چراغ ہیں جو بڑا باعزت تصور کیا جاتا ہے کیا خاندانی اقدار آپ کی نگاہ میں کوئی وقعت رکھتی ہیں؟"

"نہیں۔ انسان کی صرف ایک ہی قدر ہے، خاندانوں کی تشخیص دولت کی بنیاد پر غلط ہے۔ دولت مندوں کا ایک گروہ تو خاندان کہلانے کا مستحق ہے اور دوسرے گروہ میں جہاں دولت نہیں ہے خاندان کا کوئی تصور نہیں ہے۔ خاندانی وقار تو ہر گروہ کا یکساں ہونا چاہیے۔ دولت کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ وقار کا تعین کرے۔"

"خوب" میں نے مسرت سے کہا۔ میرے ذہن و دل میں عجیب سے پھول کھل پڑے تھے تب میں نے کہا: "لیکن اس کے بعد روایات کی باری آتی ہے۔ آپ کے گروہ کی کچھ روایات رہی ہیں۔ مثلاً حلیہ کی بات آجاتی ہے آپ کے گروہ کے دوسرے افراد جس حلیے میں رہتے ہیں کیا آپ اسے ناپسند کرتے ہیں؟"

"نہیں لیکن حلیہ انسان کی تشخیص نہیں کرتا۔ میں وطن واپس آیا تو میرے والد صاحب قبلہ نے مجھے ناپسند کیا۔۔ اور اپنے قریب رہنے کی اجازت نہیں دی۔ میں وہاں سے ہٹ گیا لیکن اس جگہ کو چھوڑ کر میں مالی مصائب کا شکار ہو گیا اور ان مصائب نے مجھے یہ حلیہ دیا سو میں نے اسے ہی قبول کر لیا۔ اگر وقت اس حلیے میں کوئی تبدیلی لے آئے تو میں اسے بھی قبول کر لوں گا۔"

"آپ کا اپنے والد سے نظریاتی اختلاف تھا؟"

"تھا نہیں اب بھی ہے۔"

"اس وجہ سے آپ نے اپنا گھر چھوڑ دیا؟"

"میں نے نہیں چھوڑا۔ تہور عالم صاحب نے کہا کہ ان کی کوٹھی میں میرے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔ میں نے جگہ کی تنگی محسوس کر کے وہاں سے کنارا کشی اختیار کر لی اور یہی وقت کی ضرورت تھی۔"

"خاندان میں جسے آپ گروہ کہتے ہیں، رشتوں کی کوئی وقعت ہے؟"

"ہاں! رشتے انسانی کمزوری کی علامت ہیں اور میں بھی ایک کمزور انسان ہوں جس کا ثبوت یہ ہے کہ میں نے جب دنیا گردی چھوڑی تو پہلے مجھے اپنے والدین اور عزیز و اقارب آئے پھر مجھے اپنا وطن اور اپنی زمین یاد آئی اور یہ یاد میری کمزوری بن کر مجھے یہاں لے آئی۔ یہ گھر بھی میرے رشتوں کی یادگار ہے۔ میں ان لوگوں کو دیکھنا چاہتا ہوں تو یہاں جاتا ہوں۔ ورنہ میں کہیں اور کا رخ کرتا۔"

"بے شک ایک مضبوط دلیل ہے۔" میں نے اعتراف کیا۔ "اگر آپ انسانی کمزوریوں کے قائل ہیں تو انسانی ضرورتوں کے قائل بھی ہوں گے؟"

"کیوں نہیں۔ ضرورت، کائنات کی سب سے وزنی شے ہے۔" بقراط نے جواب دیا۔

"جناب بقراط صاحب! انسان نے ضرورتوں کو پورا کرنے کا جو حل دریافت کیا ہے، کیا آپ اس سے متفق ہیں؟"

"میں نہیں سمجھا۔"

"میرا مقصد ہے روزگار معاشی مسائل کو دور کرنے کا بہتر ذریعہ ہے، آپ کی اس بارے میں کیا رائے ہے؟"

"نہایت مناسب یہ ایک ٹھوس حقیقت ہے اس سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا۔" بقراط نے جواب دیا۔

"تو جن مالی مصائب کا شکار ہو کر آپ تیرے حلیے میں یہ تبدیلی پیدا ہوئی۔ کیا آپ نے اس انسانی لائن پر چل کر اسے دور کرنے کی کوشش کی؟"

"ہاں یہاں میری اپنی سوچ نے میرا ساتھ نہیں دیا"

"اب میں آپ سے پوچھوں گی کہ کیا مطلب؟" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"دراصل میں نے اس دنیا میں رہ کر جو کچھ سیکھا۔۔ کسی مل، فیکٹری یا کارخانے میں کارآمد نہیں ہے نہ میری سوچ مجھے اس سوچ کی کوئی دکان کھلوا سکتی ہے، میری سمجھ میں نہیں آیا کہ میں اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے کون سا پیشہ اختیار کروں، یہ سارے پیشے کتنے چھوٹے ہیں پھر ان پیشہ وروں نے انہیں اتنا چھوٹا بنا دیا ہے کہ اس انسان کی وہ قدر مجروح ہوتی ہے جو اس کی اپنی ذات میں پنہاں ہے، چنانچہ میں کوئی کاروبار یا ملازمت نہیں کر سکا"

"یہاں مجھے آپ سے اختلاف ہے بقراط صاحب جب آپ انسانی کمزوریوں کے قائل ہیں تو سارے انسانوں کی کمزوریاں ایک ہی رخ پر ہیں، چنانچہ آپ اس رخ سے کیوں ہٹ گئے۔ دیکھیے نا جب انسانی کمزوریوں میں آ

...ت اور رشتوں کو اہمیت دیتے ہیں تو بہر صورت یہ بھی ایک ...انی مسئلہ ہی ہے، یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جو کچھ ...نے سیکھا اس میں کچھ بنیادی خامی ہے۔ کچھ خرابی ہے ...یہی خرابی جو انسانی کمزوریوں کو ہموار نہیں کرتی۔ کیا آپ نے ...س خرابی کو دور کرنے کی کوشش کی؟"

"ابھی تک نہیں" اس نے جواب دیا۔ اس کا لہجہ بڑا سنجیدہ تھا۔

"تو بقراط صاحب! کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ آپ... اس معاملے میں بھی کچھ سوچیں؟"

"دوسرا عظیم نقصان" وہ ایک گہری سانس لے کر بولا۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ آپ نے ایک تو مجھ سے اتنی لمبی چوڑی تقریر کروالی اور اس کے بعد ایک نئی الجھن میں ڈال دیا۔"

"کیوں الجھن کیوں؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"بس یا تو میں آپ کے اس سوال کا جواب تلاش کروں گا ورنہ اس بارے میں سوچوں گا کہ یہ کمی میرے اندر کیوں رہی..."

"شکریہ۔ مجھے بس اتنا ہی پوچھنا تھا۔" میں نے دلی مسرت کو دباتے ہوئے کہا۔

جو گفتگو میں نے اس سے کی تھی اگر کسی عام مسخرے آدمی سے کی ہوتی تو شاید میں اسے تفریح ہی کہتی لیکن بقراط کی ذات میں مجھے ایک نمایاں شخصیت نظر آئی تھی اور میں اس شخصیت کی بلندیوں کو چھونے میں کامیاب ہو گئی تھی میں اس حقیقت کی قائل ہوں کہ انسان ماؤنٹ ایورسٹ کو تسخیر کر سکتا ہے۔ وہ مہم جوئی کے ایسے ناقابل یقین کارنامے انجام دے سکتا ہے کہ عقل چکرا جائے لیکن خود انسانی ذات کی تسخیر کائنات کا سب سے مشکل کام ہے۔ انسان کی چوٹی تک پہنچنا خود انسان کے بس کی بات نہیں ہے۔ میں نے اس وقت ایک کارنامہ انجام دیا تھا۔

بقراط نے کافی کی دو پیالیاں پی لیں اور پھر وہ اٹھ کھڑا ہوا... "تو خواتین اب مجھے اجازت ہے؟"

"کہاں جائیں گے؟" فرزانہ نے پوچھا۔

"چچا عبدل کے کوارٹر میں۔" بقراط بولا۔

"اتنی بڑی کوٹھی پڑی ہے۔ وہاں جانے کی کیا ضرورت ہے۔"

"نہیں محترمہ فرزانہ۔ وہ جگہ پائیدار ہے کم از کم اس وقت تک جب تک عبدل چچا کو اس سلسلے میں منع نہ کر دیا جائے۔"

"آپ یہیں کسی کمرے میں قیام کریں تصور بھائی۔"

"نہیں بھائی۔ تم لوگ نہیں جانتیں، عبدل چچا کے کوارٹر میں کیا ہے۔ چچی جان مجھے معصوم معصوم کہانیاں سناتی ہیں۔ وہی کہانیاں جنہیں سنتے سنتے میں امریکا چلا گیا تھا اور پھر یہ ساری کہانیاں میں بھول گیا لیکن جب مجھ سے بہت کچھ چھین لیا گیا تو مجھے اچانک یہ کہانیاں دوبارہ مل گئیں۔ جب کبھی یہ کہانیاں سننے کو دل چاہتا ہے تو عبدل چچا کے گھر میں آجاتا ہوں۔"

"تو یہ کہیں آپ وہاں آتے ہیں۔" فرزانہ شرماتی بولی

"میں اخلاقاً بھی جھٹلا کر عبدل چچا کی توہین نہیں کر سکتا۔" اس نے کہا اور خدا حافظ کہہ کر باہر نکل گیا۔ دونوں لڑکیاں سکتے کے عالم میں تھیں اور خاموشی سے اس دروازے کو دیکھ رہی تھیں جہاں سے وہ نکل کر گیا تھا۔ میں نے ان دونوں کو دیکھا اور مسکرانے لگی۔

"کیا بقراط کے اس روپ پر تم لوگوں کو حیرت ہوئی ہے" میں نے پوچھا۔

"یہ حقیقت ہے عالیہ میرے خیال میں تصور بھائی نے اس وقت اس انداز میں گفتگو کی ہے کہ کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا۔ وہ ایک غیر سنجیدہ اور عجیب و غریب گفتگو کرنے والے تصور بھائی نظر ہی نہیں آ رہے تھے۔"

"باجی! مجھے الجھن ہو رہی ہے اس ذکر سے، میں محسوس کر رہی ہوں کہ جب سے عالیہ باجی آئی ہیں، ماحول پر تصور بھائی مسلط ہیں انہوں نے راستے میں بھی ہمیں پریشان کیا تھا۔ یہ کوئی شریفانہ حرکت نہیں ہے۔"

افشاں ڈائننگ روم سے نکل گئی۔ میں اور فرزانہ گہری نگاہوں سے اسے دیکھ رہے تھے۔

"سوری عالیہ۔" فرزانہ ایک گہری سانس لے کر بولی۔

"نہیں فرزانہ۔ یہ کوئی قابل غور بات نہیں ہے۔ کیا تم بھی اس شخص سے اتنی ہی اکتائی ہوئی ہو؟"

"ہرگز نہیں۔ صرف میں ہوں جو ان کے ساتھ ہونے والے سلوک کو ناپسند کرتی ہوں۔ آیئے میرے کمرے میں چلیے۔" فرزانہ نے پیش کش کی۔

"چلو..." میں اٹھ گئی اور ہم دونوں کئی راہداریوں سے گزرتے ہوئے بالآخر ایک حسین خواب گاہ میں آگئیں۔ فرزانہ

نے مجھے بیٹھنے کی پیش کش کی اور خود بھی میرے سامنے صوفے پر بیٹھ گئی۔

"افشاں تصور بھائی کے سلسلے میں ایک نفسیاتی مرض کا شکار ہے۔ میں آپ کو پوری تفصیل بتاؤں۔ تصور اور افشاں بچپن ہی سے ایک دوسرے سے منسوب تھے۔"

"اوہ۔" میں نے سیٹی بجانے والے انداز میں ہونٹ سکوڑے۔

"اور تصور بھائی چند ہی سال قبل خاصی دلکش شخصیت کے مالک تھے۔ ایک منٹ، میں آپ کو اُن کی تصویریں دکھاؤں۔" فرزانہ اپنی جگہ سے اٹھی اور ایک الماری سے تصویروں کا ایک البم نکال لائی۔ اُس نے چند اوراق اُلٹ کر ایک تصویر میرے سامنے کر دی۔

ایک حسین نوجوان کی تصویر تھی اور یہ تصور ہی تھا۔ "ہاں مجھے اندازہ ہے۔ وہ اب بھی اتنی ہی دلکش شخصیت کا مالک ہے۔" میں نے البم واپس کرتے ہوئے کہا۔

"یہاں وہ ہماری گفتگو کا موضوع بنے رہتے تھے۔ میں یہ نہیں کہہ سکتی کہ اِن دونوں نے کبھی ایک دوسرے سے محبت کی میرے خیال میں ایسی کوئی بات نہیں تھی لیکن لڑکیاں اور خاص طور سے مشرقی لڑکیاں دیوانی ہوتی ہیں۔ زمانہ کتنا ہی بدل جائے میرا خیال ہے ابھی مشرقی لڑکیوں کی اس ذہنیت بدلنے کا کوئی امکان نہیں ہے۔ چنانچہ ایک دوسرے سے کوئی عہد و پیمان کیے بغیر کم از کم افشاں تصور بھائی کے تصور کو ذہن میں رکھتی تھی اور یہ تصور ایک خاص حیثیت سے اُس کے ذہن میں پروان چڑھ رہا تھا پھر ایک دن انکل تہور نے ابو سے کچھ پریشان کن باتیں کیں۔ انہوں نے کہا کہ تصور بھائی طویل عرصے سے لکھنا پڑھنا چھوڑ چکے ہیں اور نہ جانے ان دنوں کہاں ہیں سب تشویش کا شکار ہو گئے تھے لیکن پھر تصور بھائی کے کچھ خطوط ملے جو ویسے ہی اوٹ پٹانگ تھے۔ ان میں کام کی باتیں کم ہوتی تھیں اور فلسفہ زیادہ۔ انہوں نے جب بھی لکھا یہی لکھا کہ وہ علم حاصل کر رہے ہیں اور ان کے لیے پریشان نہ ہوا جائے۔ اس وقت اس علم کی تفصیل کسی کے ذہن میں نہیں آئی تھی اور انکل نے بھی یہی سوچا تھا کہ ممکن ہے اپنی تعلیم کی تکمیل کے سلسلے میں ہی وہ دیس دیس گھوم رہے ہوں۔ سمجھ دار اور زہین انسان تھے چنانچہ اُن کی ساکھ سہارا بنی رہی۔ بالآخر وہ دن آ گیا جب تصور بھائی نے اپنی وطن واپسی کے بارے میں لکھا۔ مجھے یاد ہے وہ منظر جب ہماری آنکھیں آسمان پر اس طیارے کو تلاش کر رہی تھیں جس میں تصور بھائی آنے والے تھے۔ طیارہ آ گیا۔ اس سے بہت سے لوگ اُترے اور تصور بھائی بھی اُترے اُن کے ہاتھ میں اخروٹ کی ایک مڑی ہوئی لکڑی تھی اور اُن کے عقب میں چلنے والے اُن پر ہنستے آ رہے تھے اُن کے بدن پر ایک بوسیدہ لباس تھا جو اتنا میلا تھا کہ طیارے میں جس کے ساتھ بیٹھے ہوں گے وہ اپنی تقدیر کو کوستا رہا ہوگا۔ ہم سب دنگ رہ گئے تھے اخروٹ کی اس لکڑی کے علاوہ تصور بھائی کے پاس کوئی سامان نہیں تھا کسٹم ہاؤس میں بھی اس لکڑی کی چیکنگ کی گئی اور پھر حکام نے متحیرانہ انداز میں اسے تصور بھائی کے ہاتھ میں تھما دیا۔

بہر حال جس انداز میں ان کا استقبال کیا گیا اس کا اندازہ آپ بخوبی لگا سکتی ہیں۔ انکل کا چہرہ اُتر گیا تھا۔ یہی حالت ہم لوگوں کی تھی۔ انکل نے ان سے پوچھا کہ کیا خرچ کی کمی نے انہیں اس حال میں پہنچا دیا تو انہوں نے جرمن اور فرنچ شاعروں کے شعر سنائے جو کسی کی سمجھ میں نہیں آئے تھے۔ انہیں گھر لایا گیا اور انہوں نے ایسی اوٹ پٹانگ گفتگو کی کہ اُن کی صحتِ دماغی پر شبہ ہونے لگا۔ انکل کی کائنات لٹ گئی تھی لیکن بے حد سخت ضمیر انسان ہیں۔ برداشت کیا پھر باپ بیٹوں کے درمیان کچھ گفتگو ہوئی ہوگی اور اس کے بعد انکل کا اعلان سنا گیا۔ انہوں نے تصور بھائی کو عاق کر دیا تھا۔ بس یہ ہے کُل کہانی۔ افشاں کی اُن سے نفرت ایک نفسیاتی جواز رکھتی ہے۔ خود ابو جان بھی افسردہ رہے پھر جب اُن کے بھائی نے بیٹے کو عاق کر دیا تو وہ اس سے ربط و ضبط کیسے رکھ سکتے تھے لیکن لاکھ منع کرنے کے باوجود تصور بھائی نے یہاں آنا نہیں چھوڑا۔ اِس گھر میں سب اُن سے نفرت کرتے ہیں صرف میں نہیں کرتی۔ میں خون کے اِس رشتے کی تڑپ دل میں رکھتی ہوں۔ پسند وہ مجھے بھی نہیں ہیں لیکن میں انسان کی اس بے قدری کی قائل نہیں ہوں۔" فرزانہ خاموش ہو گئی۔ واقعی اُلجھا ہوا مسئلہ تھا۔ میں دیر تک اس بارے میں سوچتی رہی۔ افشاں کے جذبات مجروح ہوئے تھے۔ وہ دوسروں کی نگاہوں میں مضحکہ بن گئی تھی۔ اُس کی نفرت بجا تھی اس کے علاوہ منور عالم۔۔۔

لیکن منور عالم کے نام کے ساتھ ہی مجھے اپنا مشن بھی یاد آ گیا۔ میں کس بے تکی اُلجھن میں پھنس رہی ہوں۔ مجھے تو اپنا کام انجام دینا ہے۔ یہ فضول باتیں مجھے کیا دیں گی۔ میں نے سوچا اور ایک گہری سانس لے کر خاموش ہو گئی۔ فرزانہ بھی سر جھکائے سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی پھر اُس نے گردن جھٹکی اور مسکرانے لگی۔ ایک تھکی تھکی سی مسکراہٹ۔۔۔۔

"میں از حد شرمندہ ہوں عالیہ۔ خدا کی قسم مجھے شدید احساس ہے کہ آپ بلاوجہ ہماری اُلجھنوں میں پھنس گئیں۔"

"میں اِن الفاظ کو پہلے ہی فضول کہہ چکی ہوں۔ ہاں یہ حضرت بقراط کہاں رہتے ہیں؟"

"کوئی نہیں جانتا۔"

"کبھی نہیں بتایا؟"

"سچی بات یہ ہے کہ کسی نے پوچھا بھی نہیں۔"

"اور آپ کے انکل کا قیام کہاں ہے؟"

"وہ شہر ہی میں رہتے ہیں۔ مارش سوسائٹی کوٹھی نمبر بیس۔" فرزانہ نے جواب دیا۔

"ہوں، بہر حال فرزانہ مجھے اس کہانی پر افسوس ہے۔ ایسے ہاں اِس افشاں کو اس طرح نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔"

"اگر محسوس نہ کریں تو اسے چھوڑ دیں۔ میں اُس کی کیفیت سمجھ رہی ہوں اُس نے خواب آور گولیاں کھالی ہوں گی۔"

"ٹھیک ہے۔ کل اُسے دیکھ لیں گے۔ کیا خیال ہے اب آرام کیا جائے؟"

"ہاں آپ بھی تھک گئی ہوں گی۔ یہاں سو جائیں۔ یا واقعی اگر کسی دوسری خواب گاہ میں۔۔۔"

"آج رہنے دو فرزانہ۔ میرا تو خیال تھا کہ ہم تینوں ایک جگہ سوتے لیکن افشاں محسوس کرے گی۔ کل ہم تینوں ساتھ ساتھ رہیں گے۔"

"مناسب۔ آپ اگر یہاں پسند کریں تو یہاں آرام کریں۔"

"ہرگز نہیں۔ مجھے کوئی دوسرا کمرہ دے دو۔" میں نے جواب دیا۔ اس عالی شان کوٹھی میں درجنوں خواب گاہیں موجود تھیں اس لیے کوئی دقت نہیں پیش آئی اور میں نے ایک جگہ پسند کر لی۔ فرزانہ مجھے خدا حافظ کہہ کر چلی گئی۔

رات کو حالانکہ شدید ذہنی انتشار کا شکار رہی تھی لیکن صبح کو جلدی جاگ گئی اور چونکہ سونے کے بعد ایک بار بھی آنکھ نہیں کھلی تھی۔ اِس لیے نیند پوری ہو گئی۔ طبیعت خوشگوار تھی۔ غسل کر کے باہر نکلی تو افشاں پر نگاہ پڑی جو میرا انتظار کر رہی تھی۔ میں اُسے دیکھ کر مسکرا دی لیکن افشاں شرمندہ نظر آ رہی تھی۔ اُس نے اپنی جگہ سے اُٹھ کر سنجیدگی سے میرے ہاتھ پکڑ لیے۔

"عالیہ باجی۔۔۔"

"ہوں۔" میں نے پیار سے کہا۔

"آپ۔۔۔ آپ چلی جائیں گی؟"

"جانا تو ہے افشاں۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"مجھے معاف نہیں کریں گی؟" افشاں اُداسی سے بولی۔

"مگر کس سلسلے میں؟" میں نے حیرت کا اظہار کیا۔

"رات کی بدتمیزی پر۔ سچ باجی! مجھے شدید احساس ہے کہ رات کو میں نے بہت گھٹیا حرکت کی تھی۔ مجھے معاف کر دیں عالیہ باجی؟"

"ارے بھئی مگر کون سی حرکت کی بات کر رہی ہو؟" میں نے اُس کی گردن میں باہیں ڈال کر اُسے خود سے قریب کرتے ہوئے کہا۔

"معاف کر دیں باجی! پلیز معاف کر دیں۔ مجھے بڑی شرمندگی ہے میں تو بڑی اُمنگوں کے ساتھ آپ کو بُلا کر لائی تھی لیکن بس کیا بتاؤں۔ فرزانہ نے آپ کو سب کچھ بتا دیا ہوگا۔ باجی یقین کریں، میں کسی حماقت کا شکار نہیں ہوں۔ میں خلوصِ دل سے آپ کو بتا رہی ہوں۔ میں اُن لڑکیوں میں سے نہیں ہوں، جو فیشن کے طور پر ہی خود کو عشق و محبت کے روگ میں گرفتار رکھتی ہیں اور آہیں بھرنے میں فخر محسوس کرتی ہیں۔ میں کبھی ایسے چکر میں نہیں پڑی۔ بس اگر تصور سے مجھے چڑ ہے تو یہ، ایسے بے وقوف شخص کو اتنے طویل عرصے تک میرے نام سے کیوں منسوب رکھا گیا۔ اُسے دیکھ کر مجھے غصہ آتا ہے۔"

"میں تمہاری کیفیت سمجھتی ہوں افشاں لیکن میری دوستانہ رائے ہے کہ تم اس اُلجھن اور چڑ کو بھی ذہن سے نکال دو۔ تمہاری حیثیت معمول کے مطابق ہے۔ لوگوں نے تمہاری زبان سے تو تمہاری اس منسوبیت کے چرچے نہیں سنے۔"

"میں پوری کوشش کروں گی لیکن باجی آپ نہ جائیں۔"

"بھئی جانا تو ہوگا افشاں۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"تو دو تین دن کے بعد چلی جائیں۔" افشاں عاجزی سے بولی۔

"اس سے کس نے انکار کیا ہے۔"

"پلیز باجی۔" افشاں نے عاجزی سے کہا اور پھر چونک پڑی۔ "کیا کیا آپ نے کیا کہا عالیہ باجی!"

"یہ غلط فہمی آپ کو کیوں ہو گئی کہ میں آج جا رہی ہوں۔"

"سچ باجی؟" وہ خوشی سے اُچھل پڑی۔

"کسی نے کہا ہے تم سے؟" میں نے پوچھا۔

"کہا تو کسی نے نہیں ہے، بس جب میں صبح کو اُٹھی تو میرے ذہن میں یہ احساس تھا کہ میرے رات کے رویے سے

پریشان ہو کر آپ چلی جائیں گی اور پھر باجی میرا ہی رویہ خراب نہیں تھا۔ مجھے اچھی طرح احساس ہے کہ کل کا پورا دن تو آپ سخت کوفت کا شکار رہی ہوں گی...“

”ہرگز نہیں، ظاہر ہے تمہارے ہاں آئی، تمہارے ہاں کے حالات معلوم ہوئے، اس میں کوفت کی کیا بات ہے، ہر گھر میں تھوڑے بہت مسائل ہوتے ہیں، چھوٹی بڑی بہت سی باتیں ہوتی ہیں اور میرا خیال ہے دوستوں کو دوستوں کے مسائل سے کوفت نہیں ہونی چاہیے بلکہ اپنی ذات سے جہاں تک ممکن ہو سکے اُن کے مسائل کے حل میں مشورے دینا چاہئیں چنانچہ میں نے بھی مشورے دیئے اب مسئلہ صرف یہ ہے کہ تم میرے مشورے مانو گی یا نہیں؟“

”کون سے مشورے باجی؟“ افشاں نے پُرمحبت انداز میں پوچھا۔

”بھئی دیکھو افشاں! میں تم سے کہہ چکی ہوں کہ تصور صاحب جس قسم کے بھی انسان ہوں وہ تمہاری ذات سے منسوب تھے، اب تو نہیں ہیں، تمہارے بزرگوں نے اور خود تصور کے ڈیڈی نے یہ بات دل میں سوچی ہوگی کہ وہ شخص تمہارے قابل نہیں ہے“، چنانچہ تمہارے ذہن سے یہ کوفت تو مٹ گئی اب تمہیں کیا اُلجھن ہے“

”بس باجی اُسے دیکھ کر غصہ آتا ہے۔“

”افشاں بیگم یہ غصہ اچھی بات نہیں ہے۔“ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”کیا مطلب؟“ افشاں بولی۔

”دیکھو غصہ اور جھنجلاہٹ اُسی شخص کے لیے دل میں پیدا ہوتی ہے جس سے کوئی اُنسیت اور محبت ہو، یعنی وہ تمہارے معیار پر پورا نہ اُترے اور تم اُسے اپنے معیار پر لانے کی خواہش مند ہو، چنانچہ یا تو اس بات کا اظہار کرو کہ دل کے انتہائی گوشوں میں تصور صاحب کا تصور چھپا ہُوا ہے ورنہ یہ غصہ اور جھنجلاہٹ کیسی...؟“

”خدا کی قسم باجی! ایسی کوئی بات نہیں ہے، جہاں تک ایک مشرقی لڑکی کے انداز میں آپ پوچھیں تو یہ حقیقت ہے کہ جب ازدواجی زندگی کا کوئی خیال میرے ذہن میں آیا تو اس میں تصور کا ساتھ ضرور شامل تھا لیکن یہ اُس وقت کی بات ہے جب کہ میں اس کے بارے میں غلط فہمیوں کا شکار تھی اور میں نے اُسے دیکھا نہیں تھا، جب وہ میرے سامنے اس انداز میں آگیا تو میرا خیال ہے میں کیا معمولی سے معمولی لڑکی بھی اُسے اپنے شوہر کی حیثیت سے پسند نہیں کرے گی سو باجی

میں نے بھی اپنے دل میں سوچا کہ اگر مجھے اس چیز کے لیے مجبور کیا گیا تو میں صاف انکار کر دوں گی۔ میں بتا دوں گی کہ وہ غیر معیاری شخص میرے قابل ہی نہیں ہے لیکن شکر ہے خُدا کا کہ کسی نے مجبور ہی نہیں کیا اور نہ ہی اس کا امکان ہے۔“

”تو پھر بات تو یہیں ختم ہو جاتی ہے۔“ میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

”ہاں بات ختم ہو گئی ہے، بس اُسے دیکھ کر غصہ آجاتا ہے۔“

”میں اسی غصے کی بات کر رہی ہوں۔“

”اچھا چھوڑیں ان باتوں کو۔ مجھے تو صرف یہ جان کر خوشی ہوئی ہے کہ آپ نے فراخ دلی سے کام لے کر ہمارے ماحول کی اس غلاظت کو برداشت کر لیا ہے۔“

”جی نہیں آپ اسے غلاظت نہیں کہہ سکتیں، میں جس ماحول میں آئی ہوں اسے غلیظ سمجھ کر نہیں۔ میں نے تم لوگوں کو اپنی دوستی کے قابل سمجھا اور دوست سمجھ کر یہاں چلی آئی۔“ میں نے کہا۔

”یہ آپ کی بلند ظرفی ہے اور ہونی بھی چاہیے آپ ایک تعلیم یافتہ خاتون ہیں۔“ افشاں نے کہا۔

”آپ بھی ایک تعلیم یافتہ خاتون ہیں افشاں بیگم اس لیے میں خواہش مند ہوں اس بات کی کہ آپ بھی بلند ظرفی کا ثبوت دیں۔“

”کس سلسلے میں؟“

”تصور کے سلسلے میں۔“

”وہ کس طرح باجی۔ اچھا یوں کریں آپ مجھے اس سلسلے میں مشورہ دیں۔ میں اس پر عمل کا وعدہ کرتی ہوں۔“

”پکا وعدہ؟“ میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

”جی ہاں پکا وعدہ۔“

”تو سنو افشاں جب تک تم تصور سے نفرت اور چڑ کا اظہار کرتی رہو گی، ذہنی اُلجھنوں کا شکار رہو گی اور جو لوگ تمہاری اس منسوبیت سے واقف ہوں گے یہی سوچتے رہیں گے کہ تم ناکامی کی جھنجلاہٹ کا شکار ہو۔“

”اوہ۔ واقعی یہ تو میں نے نہیں سوچا تھا۔“ افشاں بولی

”خالص نفسیاتی بات ہے۔“

”اچھا تو پھر؟“

”بس نارمل ہو جاؤ۔ اُسے ایک مخبوط الحواس انسان کی حیثیت دو اور ایسے انسانوں سے نفرت نہیں کی جاتی۔“

”محبت کی جاتی ہے۔“ افشاں مسکرا کر بولی۔

”ہاں۔ اُن سے ہمدردی کی جاتی ہے۔“

”یہ ہمدردی میں کس طرح کروں؟“

”دیکھو افشاں۔ اگر تصور صاحب واقعی کھسکے ہوئے ہیں تو اُن کے والد نے بھی اُن کے ساتھ زیادتی کی ہے۔ کم از کم وہ یہ سلوک نہ کرتے اُن کے ساتھ۔ انہوں نے اسے در بدر کر کے بھی اپنی ہی بدنامی مول لی ہے۔“

”انکل بے حد غصہ ور ہیں۔ وہ کوئی بات برداشت نہیں کر پاتے۔“

”ٹھیک ہے یہ اُن کی بات ہے لیکن تم تو اُن کی پیروی مت کرو۔ تم اُسے کم از کم انسانوں کا مقام دو۔“

”مگر اُس کی باتیں بڑی تکلیف دِہ ہوتی ہیں۔“

”ایک ایسا انسان اچھی باتیں نہیں کر سکتا۔ جو صحیح الدماغ نہ ہو...“

”ٹھیک ہے باجی میں آج سے ہی کوشش کروں گی۔“

”جو چیز تمہارے لیے تکلیف دِہ ہو افشاں اُس پر تمہارا قابو ضروری ہے۔ اسی طرح تم ایک ٹھوس شخصیت تشکیل کر سکتی ہو ورنہ اپنی پسند کے لوگوں سے دوستی تو تمام لوگ ہی کرتے ہیں۔“

”بڑے گُر کی بات ہے۔“

”تو تم نے گُر مان لیا؟“ میں نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

”مان لیا۔“ افشاں بھی ہنس پڑی اور پھر ہم دونوں کمرے سے باہر نکل آئیں۔ فرزانہ ہمیں اپنی طرف ہی آتی نظر آئی تھی۔ ہمیں دیکھ کر وہ مسکرانے لگی۔

”تو یہ افشاں بیگم پہلے ہی موجود ہیں۔ چلیے جناب۔ ناشتہ تیار ہے اور خادمہ کے پیٹ میں بڑی ہنگامہ آرائی ہو رہی ہے۔“ فرزانہ نے مسکراتے ہوئے کہا اور ہم تینوں ڈرائنگ روم میں چلی آئیں لیکن یہاں بقراط کو دیکھ کر ہم تینوں ہی چونک پڑی تھیں۔ وہ گردن جھکائے ڈائننگ ٹیبل کے نزدیک کرسی پر بیٹھا ہُوا تھا۔ ہماری آہٹ پر اُس نے چونک کر گردن اُٹھائی اور سہمے ہوئے سے انداز میں اُٹھ کھڑا ہُوا۔ فرزانہ بھی اس کی موجودگی سے کچھ پریشان ہو گئی تھی۔

”وہ آپ لوگوں کو یاد ہو گا۔ رات کو بات ہو گئی تھی ناشتے کے بارے میں۔“ بقراط نے ہاتھ مَلتے ہوئے کہا۔ انداز ایسا تھا جیسے تقدیر کے فیصلے کا منتظر ہو۔ میں نے افشاں کو ٹہوکا دیا اور وہ چونک پڑی۔

”ہاں ہاں تو آپ کھڑے کیوں ہو گئے، تشریف رکھیے نا تصور بھائی۔“ افشاں نے کہا اور فرزانہ کی آنکھیں پھیل گئیں، اُسے افشاں کے لہجے میں اس قدر نرمی اور زبان سے ایسے الفاظ ادا ہونے کی اُمید نہیں تھی۔ اُس نے متحیرانہ انداز میں پہلے افشاں کو پھر مجھے اور پھر تصور کو دیکھا، خود تصور صاحب کی حالت بھی بہت عجیب ہو رہی تھی، چنانچہ وہ ہکلاتے ہوئے بولے... ”ت ت تشریف رکھوں میں؟“ انہوں نے پوچھا۔

”ہاں پلیز بیٹھ جائیے، ناشتہ کیجیے۔“ افشاں بلاشبہ خود پر بے حد جبر کر رہی تھی، تصور کی آنکھوں میں ایک لمحے کے لیے خوشی کے آثار نظر آئے پھر اُس نے فرزانہ کی طرف دیکھا

”آپ۔ آپ کی بھی اجازت ہے؟“ اُس نے پوچھا۔

”ہاں ہاں تصور بھائی تشریف رکھیے، آپ ہی کا گھر ہے۔“ فرزانہ نے کہا۔

”ارے باپ رے۔“ تصور خوفزدہ انداز میں بولا اور پھر کرسی کھسکا کر بیٹھ گیا لیکن انداز ایسا ہی تھا جیسے کسی سازش کی بُو سونگھ رہا ہو اور خود کو خطرے میں محسوس کر رہا ہو کہ جیسے ہی خطرہ پیش آئے اُٹھ کر بھاگ جائے، اُس کے بیٹھنے کے اس انداز پر مجھے ہنسی آرہی تھی لیکن میں نے بھی خود کو اس وقت سنجیدہ رکھا۔ تب افشاں نے ایک اور قدم اٹھایا۔ اُس نے ناشتے کے لیے پلیٹ تصور کے سامنے رکھی اور وہ بوکھلا کر ایک دم کرسی پیچھے کھسکا کر کھڑا ہو گیا، فرزانہ اُس کی اس حرکت پر ہنس پڑی تھی لیکن افشاں سنجیدہ رہی وہ غالباً برداشت کرنے کی عادت پیدا کر رہی تھی۔

”تصور بھائی تشریف رکھیے پلیز۔“ فرزانہ نے کہا۔

”اچھا اچھا، ہاں ہاں ٹھیک تو ہے۔“ تصور نے گہری گہری سانس لیتے ہوئے کہا اور دوبارہ کرسی پر بیٹھ گیا۔ دونوں لڑکیاں اُس کے سامنے ناشتہ سَرو کر رہی تھیں اور تصور کی بوکھلاہٹ قابلِ دید تھی۔ کبھی کانٹا ناک میں اَڑس لیتا، کبھی چمچہ اِدھر سے اُدھر رینگ جاتا۔ وہ بوکھلاہٹ کے عالم میں عجیب عجیب حرکتیں کر رہا تھا اور میں بغور اُس کا جائزہ لے رہی تھی۔ یہ سب کچھ اداکاری ہی ہو سکتی تھی، ورنہ اتنی گہری سوچ کا مالک... مخبوط الحواس تو نہیں ہو گا لیکن اس کی حرکتوں کا انداز ایسا ہی

تھا جیسے وہ صحیح الدماغ نہ ہو۔ فرزانہ کو تصور کی حرکتوں پر تو کوئی حیرت نہیں تھی لیکن افشاں کی نرم رُوی اُس کے لیے حیرت انگیز تھی لیکن اُس نے اِس پر کوئی تبصرہ نہیں کیا اور خاموشی کے ساتھ ناشتہ ختم ہو گیا۔

"ہاں بھئی اب کیا پروگرام ہے؟" میں نے افشاں سے پوچھا لیکن افشاں کے بجائے تصور بول پڑا۔

"بس بس دوپہر کے کھانے تک کی بات ہے۔ اس کے بعد میں چلا جاؤں گا۔ جی ہاں میں زبان کا پابند آدمی ہوں۔"

"میں آپ سے نہیں عرض کر رہی حضرت بقراط۔ یہ گھر آپ کے چچا کا ہے اور آپ اپنے عزیزوں کے درمیان ہیں پھر میں غیر متعلق شخص آپ سے آپ کا پروگرام کیوں پوچھوں گی؟" میں نے کہا۔

"سوری۔ میں سمجھا یہ بات مجھ سے پوچھی جا رہی ہے۔"

"کیوں افشاں۔ کیا تم تصور صاحب کو جانے دوگی؟"

"کیا جلدی ہے۔ تصور بھائی کون سی مُہم پر جائیں گے میرا خیال ہے یہ یہاں اُس وقت تک رُکیں جب تک ابو واپس نہ آجائیں۔" افشاں نے کہا۔

"ہاں بالکل۔ بالکل۔ اِن کا فرض ہے۔" میں نے کہا اور تصور نے بے اختیار دروازے کی طرف چھلانگ لگا دی۔

"ارے ارے تصور بھائی۔ رُکیے تو سہی کیا ہوا۔ کیا ہو گیا تصور بھائی؟ کیا بات ہوئی رُکیے تو سہی؟" فرزانہ نے کہا۔

"رکیو..." تصور نے دروازے پر رُک کر کہا۔ "میں نے دُنیا دیکھی ہے آسانی سے کسی جال میں نہیں پھنسوں گا۔"

"کیسے جال میں؟"

"یہ پیش کش کسی سازش کا، کسی گہری سازش کا پیش خیمہ ہے۔ میں جانتا ہوں تم نے مجھ سے نجات پانے کا کوئی ذریعہ تلاش کر لیا ہے۔ آپ گواہ رہیں مس عالیہ! اگر میں قتل ہو جاؤں تو... تو آپ براہِ کرم پولیس میں اِن دونوں قاتلاؤں کا نام لکھا دیں۔"

"تصور صاحب!" میں نے اُسے آواز دی لیکن وہ غڑاپ سے باہر نکل گیا تھا۔ فرزانہ ہنسنے لگی۔

"کوئی بات نہیں ہے۔ آہستہ آہستہ یہ مُنہ زور گھوڑا رام ہو جائے گا۔" میں نے افشاں کو دلاسا دیا تھا وہ مُسکرانے لگی۔ واقعی ضبط سے کام لے رہی تھی اور اس کے ضبط پر سب سے زیادہ فرزانہ حیران تھی بہرحال پروگرام بنا کہ آج کوٹھی کے نواح میں دُور دُور تک کی سیر کی جائے اور خوبصورت مقامات دیکھے جائیں دوپہر کا کھانا بھی باہر ہی کسی پُرفضا مقام پر کھایا جائے۔ فرزانہ نے اس سلسلے کی تیاریاں اپنے ذمے لے لیں... تو افشاں نے کہا۔

"باجی! کسی طرح تصور بھائی کو بھی آمادہ کر لیں۔"

"ٹھیک ہے۔" فرزانہ نے گہری سانس لے کر کہا۔ اُس نے افشاں کی اس تبدیلی پر کوئی تبصرہ نہیں کیا تھا لیکن اُس کے چلے جانے کے بعد میں نے افشاں کو شاباش دیتے ہوئے کہا۔

"ویری گڈ افشاں۔ تم نے جی خوش کر دیا۔ خدا تمہیں خوش رکھے۔ مجھے یقین ہے کہ اس طرح تم خود بھی بہ آسانی اپنی ذہنی اُلجھنوں پر قابو پا لو گی۔"

"ہاں باجی! میں نے بھی طے کیا ہے کہ اپنا خون جلانے سے کیا فائدہ۔ وہ صرف میرا دردِ سر تو نہیں ہیں۔" افشاں نے کہا پھر میں اس سے دُوسری گفتگو کرنے لگی...... میں نے پوچھا۔

"انکل منور عالم کے اور کیا کیا مشاغل ہیں افشاں؟"

"کسی زمانے میں سُنا تھا کہ مہم جوئی کے شوقین رہے ہیں لیکن اب کوئی خاص مشغلہ نہیں ہے۔"

"غیر ممالک اکثر جاتے رہتے ہیں؟"

"نہیں بلکہ بہت کم۔ بس مشرقِ وسطیٰ چلے جاتے ہیں۔"

"کوئی عزیز ہے وہاں؟"

"نہیں کوئی بھی نہیں ہے۔"

"کوئی کاروبار؟"

"مجھے اس بارے میں علم نہیں ہے۔"

"کُتب بینی سے کوئی شوق ہے اُنہیں؟"

"خاص نہیں۔ ویسے اُن کی ایک چھوٹی سی لائبریری ضرور ہے۔"

"اوہ۔ واقعی؟ کیا تم لوگوں کو اس لائبریری میں جانے کی اجازت ہے؟" میں نے پوچھا۔

"اجازت کیا معنی رکھتی ہے۔ ابو نے ہمیں پُورا پُورا اختیار دیا ہے۔"

"تم نے اُن کی کتابیں دیکھی ہیں؟"

"ہاں لیکن ہمارے ذوق کی کوئی کتاب وہاں موجود نہیں"

"کیا مطلب؟"

"فلسفہ۔ شکاریات یا پھر تواریخ، اِن کے علاوہ اور کوئی کتاب نہیں ہے اُن کی لائبریری میں۔"

"کمال ہے۔ بہترین موضوعات کی کتابیں ہیں۔ افشاں! کیوں نہ تم مجھے ایک نگاہ وہ لائبریری دکھا دو۔"

"آیئے۔ جب تک باجی انتظامات کریں، ہم وہاں چلتے ہیں۔" افشاں نے کہا اور میں اُس کے ساتھ چل پڑی۔ لائبریری اعتماد کی جگہ ہوتی ہے جہاں عام لوگوں کا گزر نہیں ہو سکتا اِس لیے اپنے ذاتی راز بھی لائبریری میں رکھے جا سکتے ہیں۔ مثلاً ڈائری وغیرہ۔ اور یہ جگہ میرے لیے دلکش تھی۔ یہ لائبریری عمارت کے آخری حصے میں ایک دُہری چھت والے کمرے میں تھی۔ یعنی یہ کمرہ درمیان میں تھا نہ اُوپر نہ نیچے۔ ویسے واقعی پُرسکون جگہ تھی۔ افشاں نے دروازہ کھول کر اندر روشنی کر دی۔

معمولی لائبریری نہیں تھی بے شمار کُتب تھیں جو بڑے قرینے سے سجی ہوئی تھیں۔ میں نے پسندیدگی کی نگاہوں سے انہیں دیکھا اور پھر مسکراتے ہوئے بولی۔

"اتنے بڑے ادبی خزانے کو مقفل نہیں کیا جاتا، میرا مطلب ہے یہاں تو کوئی بھی آسکتا ہے؟"

"بدقسمتی سے ہمارے یہاں ادب کے چور نہ ہونے کے برابر ہیں، اِس خزانے کو اِس مُلک میں کوئی خطرہ نہیں ہے۔ کتابیں کون چرائے گا جو اِس جگہ کو مقفل کیا جائے اِس لیے کبھی لائبریری کو مقفل کرنے کی ضرورت نہیں محسوس کی گئی۔" افشاں نے جواب دیا۔ تھوڑی دیر تک میں کتابوں کا جائزہ لیتی رہی پھر ہم وہاں سے واپس آگئیں۔ مجھے اس بات کی اُمید بندھی تھی کہ یہاں ممکن ہے منور عالم کی کچھ ایسی چیزیں مل جائیں جن سے اُن کی شخصیت پر روشنی پڑ سکے۔ راستے میں میں نے منور عالم کی خواب گاہ کے بارے میں معلوم کیا اور پھر ہم فرزانہ تک پہنچ گئیں۔

فرزانہ کسی قدر سنجیدہ تھی۔ "کیوں فرزانہ تیاریاں مکمل ہو گئیں؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں۔ تقریباً۔ بس ایک گھنٹے کے اندر اندر چل پڑیں گے۔"

"اور حضرت بقراط؟"

"وہ واپس چلے گئے۔" فرزانہ نے جواب دیا۔

"ارے۔ اوہ۔ واقعی وہ سنجیدگی سے خوف زدہ ہو گئے تھے۔"

"میرا خیال ہے زندگی میں کوئی کام انہوں نے غیر سنجیدگی سے نہیں کیا۔ بہرحال اس سے کوئی خاص فرق نہیں پڑتا۔" فرزانہ نے جواب دیا اور ہم سب خاموش ہو گئے۔

تھوڑی دیر کے بعد ہم ایک جیپ میں بیٹھ کر چل پڑیں، میں، فرزانہ اور افشاں تھیں، اِس کے علاوہ نعرد اور ایک ڈرائیور جو جیپ ڈرائیو کر رہا تھا۔ یہ وہی ڈرائیور تھا جسے تصور نے پریشان کیا تھا۔

"امین۔ تمہاری ملاقات پھر تو تصور بھائی سے نہیں ہوئی؟" راستے میں افشاں نے پوچھا۔

"ہوئی تھی بی بی۔ رات کو عبدل بابا کے گھر پر ہوئی تھی۔"

"انہوں نے تم سے کوئی قرض وغیرہ تو نہیں لیا؟"

"نہیں بی بی۔ عبدل بابا نے انہیں دس روپے ضرور قرض دیے تھے جس میں سے انہوں نے پانچ روپے کا مجھ سے پیٹرول خرید لیا۔ میں نے پیسے رکھ لیے ہیں جب گاڑی میں پیٹرول ڈالوں گا تو پانچ روپے اس میں شامل کر دوں گا..." امین نے جواب دیا۔

"تمہیں یہ نہیں کرنا چاہیے تھا امین!" افشاں نے سخت لہجے میں کہا۔

"کیا بی بی صاحبہ؟"

"تمہیں معلوم ہے تصور بھائی ہمارے کون ہیں۔ اُن کی عزت تمہارا فرض ہے۔ پیٹرول کے پیسے لینا جائز تھا؟" امین نے گھبرائی ہوئی نگاہوں سے افشاں کو دیکھا لیکن افشاں پُرسکون تھی۔ "اِس کوٹھی میں اُنہیں وہی عزت دی جائے جو دُوسرے لوگوں کو دی جاتی ہے۔ اگر وہ کسی سے کچھ مانگیں تو فوراً مہیا کیا جائے۔ اس کی ادائیگی میں کروں گی۔" فرزانہ نے کہا۔

"بی بی! آئندہ خیال رکھا جائے گا۔" ڈرائیور نے جواب دیا۔

"دُوسروں کو بھی سختی سے ہدایت کر دی جائے۔"

"جی بی بی!" امین نے جواب دیا۔ جیپ ذیلی سڑک سے گزر کر اب مین روڈ پر آگئی تھی۔

"اِس سڑک کے دوسری طرف کیا ہے فرزانہ؟"

"کھیت، باغ اور پھر جنگل۔" فرزانہ نے جواب دیا۔

"اِس طرف چلیں۔"

"چلو اس طرف چلتے ہیں۔ کیوں امین راستہ ہے؟" فرزانہ نے پوچھا۔

"ہاں جی۔ ناظم پور جانے والی کچی پگڈنڈی اِدھر سے ہی گزرتی ہے۔ راستے میں سُرخ جھیل بھی ہے۔"

"اوہ ٹھیک ہے۔ سُرخ جھیل تو ہم جا چکے ہیں افشاں؟"

"ہاں۔ مگر ادھر سے نہیں گئے تھے۔ ناظم پور سے براہِ راست آئے تھے۔" افشاں نے جواب دیا۔

"چلو امین اِدھر ہی چلو۔ سُرخ جھیل خوبصورت جگہ ہے۔" فرزانہ نے کہا اور پھر مجھ سے بولی: "سُرخ جھیل سُرخ اس لیے کہلاتی ہے کہ ٹیلی میک کے اونچے اونچے درخت لگے ہوئے ہیں جن پر بارہ مہینے سُرخ پھُول لدے رہتے ہیں اور ان پھُولوں کا عکس پانی میں پڑتا ہے تو جھیل کا پانی سُرخ ہی سُرخ نظر آتا ہے۔"

"عُمدہ جگہ ہوگی۔" مَیں نے گہری سانس لے کر کہا اور جیپ کچے راستے پر آگے بڑھنے لگی۔ میری نگاہیں انہماک سے دُور دُور تک کا جائزہ لے رہی تھیں۔ درخشاں اسی علاقے میں ملی تھی اور یہیں چند لوگوں نے اس پر فائرنگ کی تھی۔ ممکن ہے اس ویرانے میں کوئی اور عمارت بھی ہو لیکن طویل سفر طے ہوگیا اور مجھے کوئی ایسی جگہ نظر نہیں آئی تو مَیں نے افشاں سے پوچھا۔

"اِن اطراف میں کوئی اور عمارت بھی ہے؟"

"نہیں عالیہ باجی۔ اب تمام لوگ ہمارے ابّو کی طرح سنکی تو نہیں ہیں۔ یہاں کون رہے گا۔" افشاں نے جواب دیا۔

"کوئی تفریحی عمارت؟"

"کوئی نہیں ہے۔"

"ناظم پور یہاں سے کتنی دُور ہے؟"

"بہت دُور۔ سڑک سے جاتے ہوئے ساٹھ کلومیٹر پڑتا ہے۔ یہاں سے نہ جانے کتنی دُور ہوگا۔"

"زیادہ ہے بی بی جی اور پھر راستہ بھی خطرناک ہے۔ گھوڑوں سے تو سفر کیا جا سکتا ہے گاڑی سے نہیں۔" امین نے جواب دیا اور میں خاموش ہوگئی۔

سُرخ جھیل تک کا سفر ڈیڑھ گھنٹے میں طے ہُوا۔ جیپ سُست رفتاری سے چلی تھی بہرحال علاقہ واقعی حسین تھا۔ مجھے بہت پسند آیا اور مَیں خلوصِ دل سے اس کی تعریف کرتی رہی پھر ہم جھیل پہنچ گئے۔ بس یُوں لگ رہا تھا دُور سے، جیسے جنگل میں آگ لگ گئی ہو۔ جھیل خون کی جھیل نظر آ رہی تھی۔ موسم کسی قدر ابر آلُود تھا اس لیے اور پیارا ہوگیا تھا۔ جھیل کے کنارے پکنک منائی گئی۔ دونوں بہنیں سوئمنگ کا سُوٹ لائی تھیں۔ اُنہوں نے میرے لیے بھی لباس رکھ لیا تھا لیکن مَیں اُن کے ساتھ شریک نہیں ہوئی۔ دونوں اچھی تیراک تھیں۔ نَو بجے تک اُنہوں نے سوئمنگ کی پھر کھانا کھایا گیا اور اس کے بعد وہ دونوں پھر مچھلیوں کی طرح پانی میں گھُس گئیں۔ شام چار بجے تک یہی ہنگامے رہے اور پھر واپسی کا پروگرام بن گیا۔ لباس وغیرہ بدلے گئے اور ہم گھر چل پڑے۔

فرزانہ اور افشاں نے خوب سوئمنگ کی تھی اس لیے وہ بُری طرح تھک گئی تھیں پھر بھی رات کو گیارہ بجے تک وہ مجھ سے باتیں کرتی رہیں پھر مَیں نے ہی اُنہیں سونے کے لیے کہا اور وہ دونوں میری خواب گاہ سے اپنی اپنی خوابگاہ میں چلی گئیں۔ اُن کی یہ تھکن میرے لیے بہت سُود مند رہی تھی۔ بارہ بجے کے قریب مَیں اس سنسان کوٹھی میں آزادانہ دندناتی پھر رہی تھی۔ پہلے مَیں نے لائبریری کا رُخ کیا اور سیدھی وہاں پہنچ گئی۔ دروازہ اندر سے بند کرکے مَیں نے روشنی کی اور پھر دروازہ کھول کر باہر نکل آئی۔ باہر سے دروازہ بند کرکے مَیں نے دیکھا کہ روشنی باہر تو نہیں جھلک رہی اور مطمئن ہوکر دوبارہ اندر داخل ہوگئی۔ اس کے بعد مَیں نے دوبارہ دروازہ اندر سے بند کرکے اپنے کام کا آغاز کر دیا۔ پہلے کتابوں کی الماریاں کھول کر کتابیں دیکھیں پھر کسی چور جگہ کا جائزہ لیا لیکن کوئی ایسی جگہ دستیاب نہیں ہوئی پھر اُس خصوصی میز پر آگئی جو میری آخری اُمید تھی۔ میز کی درازوں سے ایک ایک کاغذ نکال کر مَیں نے اُن کا بغور مطالعہ کیا۔ چند پیڈ دیکھے جن پر نوٹ لکھے ہوئے تھے پھر ایک ڈائری ہاتھ لگ گئی۔

ڈائری شخصیات کا آئینہ ہوتی ہے۔ چنانچہ مَیں اسے پڑھنے بیٹھ گئی اور اس ڈائری نے مجھے پھر اُلجھن میں ڈال دیا۔ اس سال کی تفصیلات تھیں۔ منوّر عالم کی مشغولیات کی تفصیل تھی اور ایک جگہ مَیں نے ایک جملہ دیکھا۔ "جمیل احمد ایک شریف نوجوان ہے۔ بلاشبہ اعلا خاندان کا چشم و چراغ ہے اور اب جب کہ تصوّر عالم نے سارے تصوّرات پر پانی پھیر دیا ہے۔ میرے سامنے پھر وہی سوال پھاڑ سا مُنہ کھول کر کھڑا ہوگیا ہے کہ دونوں بچیّوں کے لیے اچھے رشتے کہاں تلاش کروں۔ لڑکیوں کے باپ کتنے مجبور ہوتے ہیں۔ سب کچھ ہوتے ہُوئے بھی وہ پورے وثُوق سے اپنی بچیّوں کے لیے اچھے رشتے نہیں تلاش کر پاتے۔ میرے سامنے تو دو بچیّوں کا مسئلہ ہے۔ کاش تصوّر ایک اچھا نوجوان ہوتا۔ افشاں کی طرف سے مَیں کتنا مطمئن تھا لیکن...

جمیل احمد نے کاروبار خوب سنبھالا ہُوا ہے۔ مجھے اس

زندگی میں اب کسی شے کی حاجت نہیں ہے لیکن میں نے مُلک سے باہر یہ کاروبار صرف اس لیے کیا ہے کہ جمیل احمد کو پرکھوں اور اگر وہ اچھا ثابت ہو تو پھر یہ کاروبار اُس کے حوالے کر دُوں اور اس سے مدّعائے دل ظاہر کر دُوں۔ افشاں یا فرزانہ دونوں میں سے کوئی تو ٹھکانے لگے۔"

جمیل احمد کے کاروبار کی تفصیلات بھی لکھی تھیں اور یہ کاروبار اُسی شہر میں اُسی مُلک میں تھا جو میری نگاہوں میں مشکوک تھا۔

اس طرح تو منوّر عالم کے وہاں جانے کا جواز مل جاتا تھا لڑکیوں کو یہ بات بتلانے کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ مَیں ڈائری کے دوسرے اَوراق اُلٹتی ہوئی اُس تاریخ تک آگئی جس میں کوہ پیماؤں کو دعوت دی گئی تھی اور یہاں میرا ذکر تھا۔ اس بچی نے مجھے میرا ماضی یاد دِلا دیا۔ خداوند قدوس اس پاک رُوح کو شرمندہ نہ کرے جو اَب اس جہان میں نہیں ہے لیکن اُس نے میرے ذہن و دِل میں ہلچل مچا دی ہے۔ کسی اخبار کی رپورٹر ہے۔ آخر وہ اس کی ہم شکل کیوں ہے۔" یہ اشارہ میری والدہ کی طرف تھا۔ تیسرے ورق کی تحریر تھی: "وہی ہُوا جس کا شُبہ تھا۔ وہ صغیر بھایانی کی بیٹی ہے اور اپنی ماں کی ہم شکل ہے۔ خُداوندا! اس بچی کو ہر بُرائی سے محفوظ رکھے۔ وہ کسی طور میری فرزانہ اور افشاں سے کم نہیں ہے لیکن مَیں کتنا بدنصیب ہُوں کہ مَیں اپنی سب سے عزیز ہستی کی بیٹی کے لیے کھُلے دِل سے وہ سب کچھ نہیں کر سکتا جو کرنا چاہتا ہُوں۔ خدا مجھے معاف رکھے۔" پھر لکھا تھا۔ "نہ جانے کس جذبے کے تحت میں نے عالیہ کو اپنی کہانی سُنا دی۔ اُس نے کوئی اچھا تاثر نہیں قبول کیا لیکن میرے دل کی بھڑاس نکل گئی ہے۔ خدا اُس کے دِل میں میرے لیے کوئی بُرا جذبہ نہ پیدا کرے۔ وہ مجھے بہت عزیز ہے۔" پھر کچھ دُوسری چیزیں جو میرے لیے قابلِ توجہ نہیں تھیں... لیکن اس ڈائری کی تحریر سے ایک شخص کی شرافت جھلکتی تھی۔ ایک ایک لفظ سے فطرت کے تقدّس کا اظہار ہوتا تھا۔ کیا ایسا شخص ایسے گھناؤنے جُرم کا مرتکب ہو سکتا ہے؟

میرا ذہن چیخ رہا تھا۔ مَیں نے باقی ڈائری بھی پڑھ لی۔ اگر منوّر عالم وہ نہیں ہے جس کی مجھے تلاش ہے تو پھر ان نشانات کو کہاں فِٹ کروں۔ آہ مَیں ہنوز تاریکی میں تھی۔

لائبریری سے نکل کر مَیں منوّر عالم کی خواب گاہ میں آئی اور یہاں بھی مَیں نے اپنی ساری ذہانت خرچ کر دی یہاں تک کہ وہ خفیہ تجوری بھی تلاش کرکے کھول لی جو شاید فرزانہ وغیرہ کے علم میں بھی نہ ہو۔ تجوری نوٹوں سے بھری ہوئی تھی لیکن اس میں کوئی ایسی چیز نہیں تھی جو میرے کام کی ہو۔ چنانچہ میں نے اسے بند کر دیا۔ البتہ مجھے یہاں اس کاروبار کی پوری تفصیل معلوم ہوگئی تھی جو کسی جمیل احمد نامی نوجوان سے کیا گیا تھا۔

ساری کی ساری سادہ اور شریفانہ باتیں تھیں۔ اُن سے منوّر عالم کی نیک فطرت کا اظہار ہوتا تھا۔ رات کو ڈھائی بجے میں واپس اپنی خواب گاہ میں آئی تھی۔ درحقیقت منوّر عالم کے بارے میں، مَیں نے جس انداز میں ایک عمارت تعمیر کی تھی۔ وہ اس وقت پوری طرح منہدم ہوگئی تھی۔ کوئی بھی شخص اپنی تحریروں میں اتنا جھوٹا نہیں ہو سکتا۔ وہ اپنے ظاہر و باطن کو اتنی گہرائی سے نہیں چھپا سکتا جب کہ وہ تحریریں خود اس کی اپنی ذات تک محدود ہوں۔ مَیں بستر پر آکر لیٹ گئی۔ یہ دن بھی بیکار گئے تھے۔

دوسری صبح حسبِ معمول تھی۔ آج چونکہ حضرت بقراط موجود نہیں تھے اس لیے کوئی ناخوشگوار بات بھی نہیں ہوئی۔

افشاں بہت بذلہ سنج اور چنچل طبیعت کی تھی۔ پچھلے دنوں بقراط کی موجودگی نے اس کو اُلجھا دیا تھا۔ ورنہ اُس کی فطرت کی شوخی ان دنوں میں ہی کھُل جاتی۔

مَیں نے دونوں بہنوں سے واپسی کی اجازت مانگی۔

"واہ۔ اتنی جلدی۔ ابھی نہیں عالیہ باجی۔ آپ نے تو کئی دن کا وعدہ کیا تھا۔" افشاں نے کہا۔

"افشاں ڈارلنگ۔ میں ملازمت پیشہ لڑکی ہُوں اور تم جانتی ہو کہ ملازمت بہرحال دُوسروں کی ہوتی ہے۔ تمہاری محبت میرے پیروں میں زنجیر ضرور ڈال رہی ہے لیکن ملازمت کا خوف بھی میرے ذہن میں موجود ہے۔ مجھے امید ہے تم میری مجبوریوں کو دیکھتے ہُوئے اُن کا خیال کرو گی۔"

"لیکن چھٹیاں تو ہر جگہ ملتی ہیں باجی۔ آپ اپنے ایڈیٹر صاحب کو فون کر دیں۔"

"ضرور کر دیتی لیکن اب کئی دن ہو چکے ہیں۔ اخبار سے اتنی غیر حاضری بھی مناسب نہیں ہے۔ دراصل ہماری تحریریں ہی ہمیں زندہ رکھتی ہیں۔ اگر ہم طویل عرصے تک غیر حاضر رہیں تو لوگ ہمیں بھُول جاتے ہیں۔ مَیں وعدہ کرتی ہوں افشاں کہ اب اکثر آتی رہوں گی۔ تمہاری شکل میں مجھے اپنے عزیز مل گئے ہیں۔ مَیں اب تم سے دُور نہیں رہ سکتی۔"

" ہمارا بس چلے باجی تو آپ کی نوکری چھڑا دیں اور آپ کو خود سے دُور نہ جانے دیں۔" افشاں بولی۔

" پگلے پن کی بات ہے۔ تم خود کون سی زندگی بھر یہاں بیٹھی رہو گی۔ شوہر کے گھر جانا ہوگا، مجھے کہاں کہاں لیے پھرو گی" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ فرزانہ بھی اس بات پر مسکرانے لگی۔

بہرحال بمشکل تمام میں نے اُن لوگوں سے واپسی کی اجازت لی تھی اور پھر افشاں اور فرزانہ دونوں مجھے میرے فلیٹ پر چھوڑنے آئیں۔ میں ان پُرخلوص لڑکیوں کی محبت دل میں محسوس کر رہی تھی۔ میں اُنہیں ساتھ فلیٹ میں لائی یہاں مس میری نے اُن کی خاطر مدارات کی۔ بہت سی باتیں طے ہوئیں جن میں رات کو فون پر گفتگو کا پروگرام بھی طے پایا تھا اور یہ بھی طے ہوا تھا کہ ہر پندرھویں دن میں چھٹی اُن لوگوں کے ساتھ ہی گزاروں گی وغیرہ وغیرہ۔

پھر وہ چلی گئیں۔ تب میں مس میری کی طرف متوجہ ہوئی۔

" جی مس میری اب آپ سنایئے۔"

" کوئی خاص بات نہیں۔" مس میری نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

" کوئی فون وغیرہ؟"

" بس صباحت صاحب نے دو دفعہ فون کر کے آپ کی واپسی کے بارے میں پوچھا تھا۔"

" ہوں۔" میں نے گہری سانس لی پھر میں نے صباحت صاحب کو فون کیا اور دوسری طرف اُن سے رابطہ قائم ہو گیا۔

" خادمہ سلام عرض کرتی ہے۔"

" وعلیکم سلام۔ کیسی ہو عالیہ بیٹی؟"

" دُعائیں ہیں آپ کی۔ آپ کے کیسے حال چال ہیں؟"

" بالکل ٹھیک ہوں۔"

" اور آپ کا اخبار؟"

" وہ بھی ٹھیک ہے، دورہ ختم ہو گیا؟"

" ہاں۔ آپ کو علم ہے نا کہ میں کہاں تھی؟"

" یقیناً۔ کیسی گزری؟"

" اچھی خاصی تفریح رہی۔ منور عالم صاحب خود تو باہر گئے ہوئے ہیں۔ ان کی دونوں لڑکیاں بے حد پُرخلوص ہیں، میں اُن لوگوں سے بہت متاثر ہوئی ہوں۔ ویسے مجھے اطمینان تھا کہ آپ کو میرا پروگرام معلوم ہے۔ اگر کوئی اہم ضرورت ہوئی تو آپ مجھے فون کر لیں گے۔"

" ہاں یقیناً لیکن کوئی اہم ضرورت نہیں محسوس ہوئی ویسے اس دوران اخبار دیکھتی رہی ہو؟"

" قطعی نہیں۔ منور عالم صاحب کی کوٹھی شہر سے اتنی دُور ہے کہ وہاں روزانہ اخبار پہنچنے کی کوئی سبیل نہیں ہے اس لیے وہ لوگ اخبارات کے قائل ہی نہیں ہیں۔"

" اوہ۔ گھر پر فائل تو ہوگا؟"

" ہاں۔ ابھی دیکھوں گی۔"

" ویسے کوئی خاص خبر نہیں ہے۔ آج کل شہر کے حالات بھی ٹھنڈے ہیں۔ کوئی گرم خبر نہیں ہے۔ ہاں اگر وقت مل جائے تو کچھ لکھ دو۔ کسی بھی مسئلے کو لے لینا۔ ہمارے شہر کی خوبی ہے کہ یہاں مسائل کی کمی نہیں ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ ہم خود آنکھیں بند کر لیں۔ مسائل تو ہمارے منتظر رہتے ہیں۔"

" اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ دیکھیے کوشش کروں گی۔ آج کل موڈ بالکل ٹھس ہے۔"

" کوئی پریشانی بھی نہیں ہے ایسی۔ میری خواہش ہے کہ اب تم زیادہ سے زیادہ آرام کرو۔ خدا کا شکر ہے اخبار مناسب انداز میں چل رہا ہے۔"

" نہیں صباحت صاحب۔ مجھے ختم ہو جانے کا مشورہ نہ دیں۔ آپ کو علم ہے کہ یہ میرا شوق ہے اور کوئی بھی شوق زندہ رکھنے میں بڑا معاون ثابت ہوتا ہے۔" میں نے جواب دیا اور صباحت صاحب ہنسنے لگے پھر میں نے دوسرے دن ملاقات کرنے کا وعدہ کر کے فون بند کر دیا۔

دوسری صبح میں دفتر جانے کے لیے تیار ہو گئی لیکن اس سے قبل میں نے پوائنٹ تھری فون کیا اور نازش نے فون ریسیو کیا۔ "ہیلو نازش۔ کیسے مزاج ہیں؟" میں نے پوچھا۔

" چیف کی مہربانی ہے۔"

" چیف کہہ کر شاید میرا مذاق اُڑانے کی کوشش کی جاتی ہے۔" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

" بخدا مس عالیہ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ ہم لوگ آپ ہی کے نام پر تنخواہ پاتے ہیں۔ خدانخواستہ ہمارے ذہنوں میں کبھی یہ خیال نہیں آتا۔ اگر آپ اس لفظ سے ناگواری محسوس کرتی ہیں تو آئندہ اس آرگنائزیشن کا کوئی فرد آپ کو چیف نہیں کہے گا۔"

" میرا کوئی براہِ راست تعلق اس آرگنائزیشن سے نہیں ہے۔ یہ انکل شہریار کی عنایت ہے کہ انہوں نے مجھے

آپ لوگوں کا تعاون دے دیا ہے۔ بس اس سے زیادہ کچھ نہیں چنانچہ میں وہی رہنا چاہتی ہوں جو ہوں۔ مجھے اُمید ہے... مسٹر نازش۔ آپ میری بات کو برا نہیں محسوس کریں گے۔"

" نہیں مس عالیہ لیکن میری پوزیشن بلاوجہ آپ کی نگاہوں میں خراب ہو گئی۔ دراصل ہمارے درمیان ایک ڈسپلن ہے جس کی ہمیں ابتدا ہی سے تعلیم دی گئی ہے۔ ہم اسی ڈسپلن کے تحت مراتب کا خیال رکھتے ہیں۔ بہرحال آپ کا جو حکم۔ براہِ کرم دل میں کوئی احساس نہ رہنے دیں۔"

" شکریہ نازش۔ میرا لہجہ تلخ ہو گیا ہو تو اس کی معافی چاہتی ہوں۔ اُن دونوں کا کیا حال ہے؟"

" احمد اور اُس کی والدہ کا؟"

" ہاں۔"

" دونوں کا پورا خیال رکھا جا رہا ہے۔ بزرگ خاتون رُوبہ صحت ہیں۔ آپ کے بارے میں پوچھ رہی تھیں۔ احمد بھی آپ سے ملنا چاہتا ہے۔"

" آؤں گی کسی وقت۔ میرا خیال ہے اب انہیں اُن کے گھر میں منتقل کر دیا جائے۔"

" کیا ان لوگوں کے لیے اب کوئی خطرہ نہیں ہے؟"

" اب کیا خطرہ ہو سکتا ہے نازش۔ ہم اصل قاتل کی گرد کو بھی نہیں پہنچ پائے۔ وہ کسی شہنشاہ کی طرح اپنے معمولات پر قادر ہے اور اُس کی ذات کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔"

" جی۔" نازش نے پھنسی پھنسی آواز میں کہا۔

" بہرحال میں خود اُن سے مل کر اس بارے میں کوئی فیصلہ کروں گی۔"

" مس عالیہ ہم لوگ بھی خاموش نہیں بیٹھے۔ جو اشارے ہمارے پاس موجود ہیں اُن پر برابر کام ہو رہا ہے۔"

" ٹھیک ہے مسٹر نازش۔ میرا خیال ہے کوئی واضح اشارہ ہی نہیں ہے ہمارے پاس۔ اچھا خدا حافظ۔ ہاں انکل کے بارے میں کیا رپورٹ ہے؟"

" میرا خیال ہے ابھی واپسی کا کوئی پروگرام نہیں ہے۔" نازش نے جواب دیا اور میں نے خدا حافظ کہہ کر فون بند کر دیا پھر میں دفتر چل پڑی۔ دن میں دفتر میں بیٹھ کر فیچر لکھا... صباحت صاحب سے مختلف امور پر تبادلہ خیال ہوا اور پھر میں نے وہاں سے بھی اُٹھ جانے کا فیصلہ کر لیا۔ جہاں سے میں نے پوائنٹ تھری کا رُخ کیا تھا لیکن عمارت تک پہنچتے پہنچتے میں نے اپنا موڈ درست کر لیا تھا۔

عمارت میں داخل ہوئی تو سب سے پہلے ملاقات نازش سے ہی ہوئی تھی۔ اُس نے پُرخلوص مسکراہٹ کے ساتھ مجھے سلام کیا اور میں نے بھی اسی مخلصانہ انداز میں اُس کی اور دوسرے لوگوں کی خیریت دریافت کی پھر میں نے کہا۔ "سوری نازش صاحب! فون پر شاید میرا لہجہ کسی قدر تلخ ہو گیا تھا۔"

" میں دیر تک اس پر غور کرتا رہا تھا اور پھر میں نے اس کی وجوہ تلاش کر لیں آپ کو ہم لوگوں سے مایوسی ہوئی ہے جس کا ردِ عمل لازمی امر ہے لیکن یقین کریں مس عالیہ، ہم لوگ خود بھی ذہنی ورزش کرتے رہے ہیں۔"

" کوئی نتیجہ؟"

" ہمیں اعتراف ہے کہ کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکے۔" نازش نے شرمندگی سے کہا۔

" شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے نازش۔ یہاں بھی تو یہی کیفیت ہے۔ ویسے ہمیں یہ سوچنا چاہیے کہ اس تفتیش میں ہماری بنیادی خامیاں کیا ہیں۔ کیا کوئی مجرم جرم کر کے اتنی گہرائی میں پوشیدہ ہو سکتا ہے کہ اس کا کوئی نشان ہی نہ ملے۔"

" اس کی ایک بنیادی وجہ ہے مس عالیہ۔" نازش نے کہا۔

" وہ کیا؟"

" مجرم نے اپنے تحفظ کے لیے ایک ایسا حلقہ فراہم کر لیا ہے جو اُس کے ایک ایک پہلو کی حفاظت کرتا ہے۔ وہ جرم کر لیتا ہے اور اُس کے محافظ اس بات پر گہری ریسرچ کرتے ہیں کہ اس کے جرم کا کوئی ایسا نشان باقی نہ رہے جس کی وجہ سے وہ کسی کے شبہے کی گرفت میں آ سکے۔"

" اس میں قانونی محافظ بھی شامل ہیں؟"

" کسی حد تک۔"

" تمہارا خیال درست ہے۔ قانون کی حفاظت کرنے والے زیادہ بہتر طور سے جانتے ہیں کہ جرم کو قانون سے کس طرح پوشیدہ رکھا جاتا ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ صرف چند ضمیر فروش ہی ایسا کر سکتے ہیں اور ان کی تعداد زیادہ نہیں ہوگی۔"

" ہاں اس حقیقت سے کبھی انحراف نہیں کیا جا سکتا۔"

" اس طرح نازش! ایک بات کا تعین ضرور ہو جاتا ہے وہ یہ کہ مجرم انتہائی صاحبِ حیثیت اور بااثر ہے۔"

"بلاشبہ۔ دولت ہر طرح کا تحفظ دیتی ہے۔ دولت لوگوں کا خلوص خریدنے میں بے حد پُراثر ثابت ہوتی ہے۔"

"تو یُوں کریں کہ شہر کے سارے دولت مندوں کو گرفتار کیے لیتے ہیں پھر اُن سے پوچھ لیں گے کہ جرم کس نے کیا ہے۔" میں نے ہنس کر کہا اور نازش بھی مسکرانے لگا۔

"کاش یہ ممکن ہوتا۔" اُس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"دہری شخصیت کی بات بھی ایک بھٹکانے والا پہلو رکھتی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ بھی اس شخصیت کو تحفظ دینے کے لیے کیا گیا ہے۔ جرم کے وقت کسی خصوصی ذریعہ سے اس میں ایسی تبدیلیاں کر دی جاتی ہوں گی۔"

"اس امکان کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا مس عالیہ۔"

"ہُوں۔" میں ایک گہری سانس لے کر خاموش ہو گئی پھر میں نے چونک کر کہا۔ "آؤ نازش۔ احمد کے پاس چلتے ہیں۔" اور ہم دونوں اُس کمرے کی طرف چل پڑے جہاں احمد اور اُس کی والدہ موجود تھے۔ بزرگ خاتون کلام پاک پڑھ رہی تھیں اور احمد کسی سوچ میں گم تھا۔ مجھے دیکھ کر احمد اٹھ کھڑا ہُوا۔ اُس نے بڑے احترام سے مجھے سلام کیا تھا۔

"کیسے ہو احمد۔" میں نے اُس کے سلام جواب دے کر مسکراتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک نہیں ہُوں باجی! اپنے ہی وطن میں مجھے یہ احساس ہونے لگا ہے کہ میں غیروں کے درمیان ہوں۔ دشمنوں کی بستی میں ہوں۔" احمد نے کرب ناک لہجے میں کہا۔

"نہیں احمد۔ اِس خیال کو ذہن سے نکال دو۔ ایسی بات نہیں ہے بیٹے۔ تم طالب علم ہو۔ دُنیا کے ہر ملک میں جرائم ہوتے ہیں بلکہ جدید دُنیا میں تو ان کی تعداد بہت زیادہ ہے لیکن احمد کبھی نہ کبھی مجرم قانون کی زد میں ضرور آتا ہے۔ کوئی مجرم قانون سے نہیں بچ سکتا۔ یہ تمہارا اپنا وطن ہے۔ اس میں بھی بُرے لوگ موجود ہیں۔ ہمیں ان بُرے لوگوں کو تلاش کر کے ان سے وطن کو پاک کرنا ہوگا۔ ان کی وجہ سے ہم اپنے وطن کو غیر نہیں سمجھ سکتے۔"

"ٹھیک ہے باجی۔ میرے دل میں بھی جذبات ہیں لیکن مجھے اپنے وطن میں قیدیوں کی سی زندگی کیوں بسر کرنی پڑ رہی ہے۔ کیا قانون مجرم کے سامنے اس قدر بے بس ہے کہ ہمیں رُوپوش رہنا پڑے۔ میں اچھی تعلیم حاصل کر کے وطن کے لیے ایک کارآمد شہری بننا چاہتا ہُوں لیکن نہ تو میری تعلیم جاری ہے اور نہ میرے سامنے کوئی اچھا مستقبل ہے۔ بتایئے ہُوا وقت کبھی ہاتھ آتا ہے؟"

"تمہاری یہ سوچ صحیح ہے۔ چنانچہ میں نے فیصلہ کیا ہے کہ تمہیں اب تمہارے مشاغل جاری رکھنے کی اجازت دے دی جائے۔"

"میں بھی یہی چاہتا ہوں باجی۔" احمد نے کہا۔ اتنی دیر میں بزرگ خاتون بھی تلاوت سے فارغ ہو گئی تھیں اور خاموشی سے ہمارے پاس آ کر بیٹھ گئیں۔

"آپ لوگ اپنے گھر میں جانا پسند کریں گے؟"

"وہاں۔ وہاں۔ میری بچی نہیں ہوگی۔ وہاں پر امینہ نہیں ہوگی اور اگر وہ وہاں نہ ہوگی تو میں کیا کروں گی۔ ہم سب کیا کریں گے۔" امینہ کی ماں نے گھبراتے ہوئے کہا اور میرا دل بھر آیا۔ واقعی اس گھر کا ایک ایک گوشہ ان لوگوں کو امینہ کی یاد دلائے گا۔ میں ماں کا درد سمجھ رہی تھی۔

"ٹھیک ہے آپ وہاں نہیں جائیں گی۔ ماں جی! آپ کے لیے دوسرا مناسب بندوبست کر دوں گی۔" میں نے کہا۔

"نہیں باجی! میں امی کو سنبھال لُوں گا۔ آپ کہاں پریشان ہوتی پھریں گی۔ پہلے ہی آپ نے ہمارے لیے کم پریشانیاں برداشت کی ہیں جو مزید پریشانیوں کا شکار ہوں۔"

"میں تمہاری بہن نہیں ہوں احمد لیکن کیا تم مجھے امینہ کی جگہ تصور نہیں کر سکتے۔ میں چاہتی ہوں کہ تم اپنی تعلیم جاری رکھو اور وہ بنو جو امینہ کی خواہش تھی۔"

"دُنیا سے اعتبار اٹھ رہا تھا باجی! مگر آپ نے لوٹا لیا ہے۔" احمد نے گردن جھکا کر کہا پھر میں وہاں سے کمرے میں آ گئی اور کمرے سے نکل کر میں نے نازش سے پوچھا۔

"اب فرمایئے نازش صاحب۔"

"کس بارے میں؟"

"آپ ان لوگوں کے لیے کیا بندوبست کر سکتے ہیں؟"

"جو حکم دیں۔"

"درمیانی قیمت کا ایک فلیٹ درکار ہوگا۔ جس قدر جلد ممکن ہو سکے۔"

"خریدیں گی؟" نازش سے پوچھا۔

"ہاں ان لوگوں کو مضبوط سہارے فراہم کرنے ہوں گے۔ براہِ کرم آپ آج ہی شام تک ان کے لیے کسی مناسب فلیٹ کا بندوبست کر دیں۔" میں نے کہا اور نازش نے گردن ہلا دی۔ باقی لوگ جو یہاں موجود تھے آ گئے اور میں تھوڑی دیر ان سے گفتگو کرتی رہی اس کے بعد اجازت لے کر وہاں سے چل پڑی۔ نازش نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ میرے جانے کے بعد .... پراپرٹی ڈیلرز سے ملے گا اور کسی نہ کسی جگہ کا بندوبست کر دے گا۔ یہاں سے میں سیدھی فلیٹ واپس آ گئی تھی۔

اور پھر باقی وقت آرام کرتے گزرا۔ میرے ذہن میں البتہ ہانڈی پک رہی تھی اور میں سوچ رہی تھی کہ کوئی ایسا موثر قدم اٹھانا چاہیے کہ میں مجرم تک رسائی حاصل کر لوں۔ اس سلسلے میں میرا ذہن کسی گتھی میں اُلجھا ہوا تھا پھر ایک نام ذہن میں آیا اور میں کسی قدر بے چین ہو گئی۔ حسبِ معمول میں نے اپنی جگہ سے اٹھ کر کاغذ پنسل سنبھال لیا اور اس پر کچھ لکھنے لگی۔ دیر تک میں نئے جملے لکھ کر پرانے کاٹتی رہی اور پھر بالآخر ایک خاکہ تیار کر لیا۔ یہ ایک کوشش تھی اگر کامیابی ہو گئی تو سبحان اللہ ورنہ ناکامیاں تو مقدر میں لکھی گئی تھیں۔ چنانچہ آخری فیصلہ کر کے میں نے ٹیلی فون کا ریسیور اٹھایا اور ایک نمبر ڈائل کرنے لگی...

دوسری طرف سے رابطہ قائم ہو جانے کے بعد میں نے پوچھا۔

"انسپکٹر سلطان موجود ہیں؟"

"ایک منٹ خاتون ہولڈ کریں۔" دوسری طرف سے جواب ملا اور پھر چند ساعت کے بعد سلطان کی آواز سنائی دی۔

"ہیلو سلطان صاحب! آپ کی ایک دیرینہ خادمہ بول رہی ہے ذرا پہچانیے۔"

"اگر آوازیں ہمارے ذہنوں سے نکل جائیں تو کر لی انسپکٹری کیسے مزاج ہیں عالیہ صاحبہ؟"

"بس دشمنوں کی دعاؤں سے زندہ ہوں۔ آج کل تو ہمارا شمار دشمنوں میں ہے، کیا خیال ہے؟"

"نہیں مس عالیہ۔ میں نے تو اپنے ذہن میں آپ کو ہمیشہ ایک مخصوص مقام دیا ہے۔ یہ میری بدبختی ہے کہ میں خود آپ کے ذہن میں کوئی جگہ نہیں حاصل کر سکا۔" سلطان رومانی لہجے میں بولا۔

"جگہ حاصل کرنا چاہتے ہو سلطان؟"

"نہ جانے یہ خواب کب شرمندۂ تعبیر ہوں گے۔" سلطان ایک سرد آہ بھر کر بولا۔

"لگتا ہے آج کل وی سی آر پر فلمیں بہت دیکھ رہے ہو۔ تو پھر کب آ رہے ہو؟"

"جب حکم ہو۔"

"سات بجے تک؟" میں نے پوچھا۔

"حاضر ہو جاؤں گا۔" سُلطان نے جواب دیا۔

"میں انتظار کروں گی۔"

"خدا کی قسم عالیہ، خواب نہ دکھاؤ۔ بھٹک گیا تو راستہ ملنا مشکل ہو جائے گا۔" سلطان نے کہا اور میں اُس کے بھیجے پر دانت پیسنے لگی لیکن بہرحال ضبط کرنا ضروری تھا اِس لیے میں نے خدا حافظ کہہ کر فون رکھ دیا۔ "یہ تو آپ کو آنے کے بعد ہی معلوم ہو سکے گا سلطان صاحب کہ آپ کی خوش بختی کتنی بے چینی سے آپ کی منتظر ہے۔" میں نے نفرت سے کہا اور پھر اپنی جگہ سے اُٹھ گئی۔ سُلطان کے خلاف میرے پاس جو مواد تھا آج اُس کے استعمال کا وقت آ گیا تھا۔ میں نے سخت محنت کر کے اس مواد کو ترتیب دیا اور اس کا ایک فائل بنا لیا ضروری یادداشتیں میں نے اپنے ذہن میں نوٹ کر لی تھیں۔

اس وقت پونے سات بجے تھے۔ جب دروازے کی بیل بجی اور مس میری مجھ سے اجازت لے کر دروازہ کھولنے چلی گئی۔ سلطان وقت سے کچھ پہلے ہی آ گیا تھا لیکن دوسرے لمحے مس میری واپس آ گئی۔ "آج پکڑا گیا وہ نامُراد۔" اُس نے کہا۔

"کون مس میری؟"

"ارے وہی مسخرا۔ جو پانچ روپے اور دس روپے دے کر ہمارا مذاق اُڑایا کرتا ہے۔" مس میری نے جواب دیا۔

"بقراط؟" میں اُچھل پڑی۔

"اب مجھے کیا معلوم وہ بقراط ہے یا افلاطون۔ میں نے اُسے اندر بٹھا لیا ہے۔" مس میری نے جواب دیا۔

"کہاں بٹھایا؟"

"ڈرائنگ رُوم میں۔ کیوں کچھ لے جانے کا خطرہ ہے؟" مس میری نے چونک کر پوچھا۔

"ارے نہیں مس میری۔ بلکہ تم یُوں کرو اُسے یہاں بُلا لاؤ"

اور اگر اس دوران سلطان آجائے تو اسے ڈرائنگ رُوم میں بٹھانا۔ اسے کچھ بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"بہتر" مس میری نے جواب دیا اور پھر وہ باہر چلی گئی۔ چند ساعت کے بعد وہ بقراط کے ساتھ واپس آئی۔ وہ جھجکتے ہوئے قدموں سے اندر آیا تھا اور مجھے دیکھ کر۔۔ بڑے بے تکے انداز میں بولا۔

"سامالیکم۔"

"وعلیکم سلام۔ تشریف لایئے جناب بقراط صاحب۔ کیسے مزاج ہیں؟ خدا کا شکر ہے آج آپ سے گھر پر ملاقات تو ہوئی۔"

"جج جی ہاں۔ مم میں دو دفعہ حاضری دے چکا ہوں۔ اُمید ہے پندرہ روپے مل گئے ہوں گے؟"

"جی ہاں مل گئے تھے۔ تشریف رکھیے!"

"یہ پینتیس روپے بنفسِ نفیس۔ مم میرا مطلب ہے یعنی کہ میں دیر ہو جانے سے سخت شرمندہ ہوں اور یہ پُوری رقم لے آیا ہوں اور ہاں آپ کے بڑے احسانات ہیں مجھ پر۔ آپ تو جادوگر ہیں اور آپ نے جادوگری کر دی ہے۔ میں آپ کا یہ احسان مرنے کے بعد بھی کئی مہینے تک نہیں بھول سکوں گا۔" اُس نے سبق پڑھنے کے سے انداز میں کہا اور پینتیس روپے میری طرف بڑھا دیے۔

"آپ تشریف نہیں رکھیں گے؟" میں نے مُسکراتے ہوئے پوچھا۔

"رکھوں گا۔ آپ یہ پیسے لے لیجیے۔" اُس نے نوٹ پھر میری طرف بڑھائے۔

"آپ مجھے شرمندہ کرنے پر تُلے ہوئے ہیں تصوّر صاحب؟" میں نے سنجیدگی سے کہا۔

"جی نہیں میں تو خود شرمندہ ہونے پر تُلا ہوا ہوں اور میں آپ کی یہ جادوگری۔ جی نہیں بلکہ آپ کی یہ احسان مندی مرنے کے بعد بھی کئی مہینے تک، نہیں کئی مہینے تک غلط ہے میرا مطلب ہے قیامت تک نہیں بھولوں گا۔" اُس نے پھر اُسی انداز میں کہا۔

"اور یاد کریں اور یاد کریں۔ مگر خُدا کے واسطے بیٹھ تو جائیں۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"اور۔ اور کیا یاد کر لوں۔ بڑی مشکل سے تو یہ الفاظ یاد کیے ہیں۔ دراصل مجھ سے دو تین چیزیں بالکل نہیں بنتیں کسی کی تعزیت، کسی کی عیادت اور کسی کی شکر گزاری۔ یہاں میرا نظریہ کچھ اور ہے۔" بقراط نے کہا اور بیٹھ گیا۔

"بھلا کیا؟" میں نے پوچھا۔

"انسان سمجھ بوجھ کی کسی منزل میں داخل ہو جائے لیکن اُس کی ذات میں بنیادی کمزوریاں برقرار رہتی ہیں۔ عیادت کسی بیمار کو کیا دیتی ہے سوائے تکلیف کے۔ وہ آرام کرنا چاہتا ہے لیکن عیادت کرنے والے اس کا سکون برباد کر دیتے ہیں۔ اگر کوئی عیادت کرنے نہ جائے تو اس سے شکایات پیدا ہو جاتی ہیں۔ کیسی انوکھی رسم ہے۔ اس کے بعد تعزیت کی باری ہے۔ مرنے والا مر جاتا ہے اور ہمیں یقین ہوتا ہے کہ اس کے لواحقین ایک دو دن کے اندر اسے بھول جائیں گے لیکن تعزیت کرنے والے اس کام میں خاصی مشکلات پیدا کرتے ہیں اور پھر ضروری ہے کہ ہر تعزیت کرنے والا مُنہ شکل بنا کر تعزیت کرنے جائے۔ یوں بھی ہوتا ہے کہ تعزیت کرنے والے کو اس کام سے فارغ ہو کر کسی شادی میں شریک ہونا ہو۔ اب آپ بتایئے دُہری کیفیت انسان کو کس قدر پریشان کر دیتی ہے لیکن یہ اس کی مجبوری ہے اور نمبر تین پر شکر گزاری آتی ہے۔" بقراط نے کہا لیکن اسی وقت دروازے کی بیل بجی اور میں چونک پڑی۔

"بقراط صاحب۔ آپ کی بصیرت افروز گفتگو میرے لیے بے حد قیمتی تھی لیکن اس وقت ایک ملاقاتی۔۔۔۔"

"کوئی بات نہیں میں چلتا ہوں۔ آپ یہ پیسے رکھ لیں۔" وہ جلدی سے کھڑا ہو گیا۔

"تشریف رکھیے۔ یہی تو میں نہیں چاہتی لیکن ایک دوست کی حیثیت سے میں آپ کو تھوڑی سی تکلیف دینا چاہتی ہوں۔"

"بازار سے کچھ منگانا ہے مہمان کے لیے؟"

"جی نہیں بس میری خواہش ہے کہ آپ تھوڑی دیر یہاں تشریف رکھیں میں اس سے گفتگو کر لوں۔"

"مم میں پھر آ جاؤں گا۔"

"ہرگز نہیں۔ آپ کو کتنا ہی ضروری کام ہو میری خاطر اسے ملتوی کر دیں۔ بس تشریف رکھیں۔ انسپکٹر سلطان سے ایسی گفتگو کرنی ہے جس میں آپ کی موجودگی مناسب نہ ہوگی۔"

"انسپکٹر سلطان؟" بقراط حیرت سے بولا۔ "کیا وہ کارپوریشن کا انسپکٹر ہے؟"

"جی نہیں۔ پولیس کا۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"اوہ۔ پولیس والوں سے بھی آپ کی دوستی ہے؟"

"آپ اسے دوستی نہیں دشمنی کہہ سکتے ہیں۔ میں آپ کو اس بارے میں تفصیل بتا دوں گی تو وعدہ کریں آپ جائیں گے نہیں۔"

"ٹھیک ہے آپ اس قدر اصرار کر رہی ہیں تو میں رُکا جاتا ہوں۔"

"میں مس میری کو ہدایات دیے دیتی ہوں۔ وہ آپ کو رسالے فراہم کر دے گی۔ آپ بس تھوڑا سا وقت گزار لیں۔"

"اس کی ضرورت نہیں ہے۔" بقراط نے کہا۔ اتنی دیر میں مس میری آ گئی اور بولی۔ "وہ آ گئے ہیں۔"

"ٹھیک ہے مس میری۔ آپ ابھی تصوّر صاحب کو چائے نہیں دیں گی۔ میں چائے ان کے ساتھ پیوں گی۔ البتہ مسٹر سلطان کے لیے چائے بھجوا دیں۔" میں نے کہا اور معذرت آمیز نگاہوں سے بقراط کو دیکھ کر باہر نکل آئی۔ ڈرائنگ رُوم میں انسپکٹر سلطان موجود تھا۔ وہ اس وقت پولیس کی وردی کے بجائے ایک خوبصورت سُوٹ میں ملبوس تھا اور بہت سمارٹ نظر آ رہا تھا۔

"ہیلو عالیہ۔" وہ بولا۔

"کیسے مزاج ہیں سلطان صاحب؟ تشریف رکھیے۔" میں نے کہا اور وہ بیٹھ گیا۔

"مزاج تو ٹھیک ہیں لیکن مجھے محسوس ہو رہا ہے جیسے آج کل میرے ستارے کچھ زیادہ ہی بلندی پر ہیں۔"

"یہ تو خوشی کی بات ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور خود بھی اُس کے سامنے بیٹھ گئی۔

"بہت جلد میں ڈی ایس پی بننے والا ہوں۔ میری فائل اُوپر پہنچ چکی ہے اور آرڈر ہونے ہی والے ہیں۔"

"دِلی مسرّت ہوئی سلطان۔ بہرحال ہم دوستوں کی طرح ملتے رہے ہیں۔" میں نے اُسے مبارک باد دی۔

"دُوسری بات عالیہ۔ پولیس کی ملازمت میں مجھے زندگی کی دوسری حسین شاہراہوں سے دُور رہنا پڑا ہے۔ گو یہ بھی میری ہی طلب تھی اور میں جذباتِ لطیف سے دُور رہنے والوں میں سے نہیں ہوں لیکن میں نے سوچا پہلے زندگی میں کوئی مناسب مقام حاصل کر لوں اس کے بعد جذبات کی طرف توجّہ دوں گا۔"

"اچھی سوچ ہے۔" میں نے تعریف کی۔

"تو عالیہ زندگی میں مجھے آگے بڑھنے کا راستہ مل گیا ہے اور میں اب اپنے مستقبل سے مطمئن ہوں۔ اِس وقت میں تم سے ایک اور خاص بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"کہو۔" میں نے کہا۔

"عالیہ آیندہ زندگی میں تمہارے بھی کچھ پروگرام ہوں گے؟"

"ہاں۔ کیوں نہیں۔"

"شادی بھی کرو گی؟"

"ضرور کروں گی۔" میں نے جواب دیا۔

"کب تک اور کس سے؟" اُس نے پوچھا۔

"فیصلہ نہیں کر سکی۔"

"میں تم سے فیصلہ کرانا چاہتا ہوں۔" سُلطان نے زور دے کر کہا۔

"نہیں سُلطان۔ تم نے اپنی زندگی کے بارے میں خود فیصلہ کیا تھا۔ کسی نے تمہیں مجبور نہیں کیا تھا۔ مجھے بھی اس کا حق ہے۔"

"بے شک ہے لیکن کیا تمہارے سامنے مستقبل کا کوئی خاص نظریہ ہے؟"

"ہاں کیوں نہیں۔"

"مجھے بتاؤ۔ تمہاری سوچ کیا ہے؟"

"تمہیں بتانے کی بات نہیں ہے۔"

"کیوں۔ آخر کیوں؟"

"اس لیے کہ ہم زیادہ گہرے دوست نہیں ہیں سلطان!" میں نے سادگی سے کہا۔

"نہیں ہیں تو بن سکتے ہیں۔ دراصل عالیہ میں نے تمہارے بارے میں بہت کچھ سوچا ہے۔ تم ایک ٹھوس کردار کی ذہین لڑکی ہو۔ میری عملی زندگی میں تم میری بہت اچھی ساتھی بن سکتی ہو۔ خوبصورت بھی ہو اور اس قابل ہو کہ تمہیں چاہا جائے۔ تم طویل عرصے سے میرے ذہن میں ہو عالیہ۔ رہی مستقبل کی بات تو محترمہ عالیہ صغیر بھایانی! ابھی ہمارے وطن میں مستقبل میرا مطلب ہے بیوی کا مستقبل شوہر ہوتا ہے۔ تم ایک اخباری رپورٹر کی حیثیت سے کام کر رہی ہو۔ مجھے تمہارے پیشے پر اعتراض نہیں ہے کیوں کہ یہ باعزت پیشہ ہے اور کبھی لوگوں کو معلوم ہوگا کہ میری بیوی ایک نامی گرامی رپورٹر تھی تو مجھے اس پر کوئی شرمندگی نہیں ہوگی۔ یہ دوسری بات ہے کہ شادی کے بعد میں تمہیں ایک مکمل گھریلو زندگی دوں گا اور بیگم سلطان کی حیثیت

سے تم ایک باعزت مقام پاؤگی۔ چنانچہ تمہیں میرے بارے میں فیصلہ کر کے ابھی جواب دینا ہوگا۔" سلطان نے کہا۔ نہایت غصہ دلانے والی بات تھی لیکن میں نے اسے برداشت کر لیا اور ٹھنڈے انداز میں بولی۔ "اور کچھ سلطان؟"

"نہیں۔ آج کا اہم مسئلہ یہی ہے۔ باقی گفتگو بعد میں ہوگی۔" سلطان نے اس طرح کہا جیسے میں اس کی مرضی کی تابع ہوں اور میری مجال کہ میں اس پیش کش کو ٹھکرا دوں۔

"ٹھیک ہے سلطان لیکن ہمارے معاشرے میں کم از کم ایک ایسی لڑکی کو اپنے بارے میں فیصلہ کرنے کا حق ضرور حاصل ہے جو خود مختار زندگی گزار رہی ہو اور اس کے سرپرست موجود نہ ہوں۔"

"ہاں یقیناً۔"

"کیا میں تمہارے معیار پر پوری اترتی ہوں سلطان؟"

"ہاں تم مجھے قبول ہو۔"

"بڑے معصوم انسان ہو۔ تم نے یہ بھی سوچا کہ ممکن ہے کہ تم میرے معیار پر پورے نہ اترتے ہوں۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اس کا کیا سوال ہے۔ میں جوان ہوں۔ ایک اعلا افسر ہوں اور کوئی بھی گھرانہ یا لڑکی میری ذات سے غیر مطمئن نہیں ہو سکتی۔"

"لیکن میرا نظریہ کچھ اور ہے۔" میں نے کہا۔

"وہ کیا؟"

"میں تو سلطان تمہیں اپنے اچھے دوستوں میں بھی جگہ دینے کے قابل نہیں سمجھتی۔ محبوب یا شوہر کی بات تو بہت دور ہے۔ میری نگاہ میں تم ایک انتہائی ناقص اور بے کردار شخص ہو اور ظاہر ہے ایسے فضول آدمی کے ساتھ زندگی گزارنے کا تصوّر بھی میرے ذہن میں نہیں آ سکتا۔ میری نگاہ میں تم تیسرے درجے کے انسان ہو اور میں کسی تیسرے درجے کے انسان کے ساتھ زندگی نہیں گزار سکتی۔"

میرے الفاظ پر سلطان کا منہ حیرت سے کھل گیا تھا۔ چند ساعت وہ ہکا بکا میری صورت دیکھتا رہا پھر بولا۔ "کیا تم اتنی سنجیدگی سے اتنا سنگ دلانہ مذاق کر سکتی ہو عالیہ؟"

"مذاق نہیں سلطان۔ یہ ایک سنجیدہ بات کا سنجیدہ جواب ہے۔ اس میں مذاق کی کیا بات ہے۔"

"گویا تم نے پوری سنجیدگی سے یہ جواب دیا ہے؟"

"تم نے پوری سنجیدگی سے ہی یہ پیش کش کی تھی نا؟"

"ہاں یقیناً۔"

"تو میں نے بھی پوری سنجیدگی سے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ چنانچہ تم اس خیال کو ذہن سے نکال کر کوئی دوسری بات سوچو۔"

"لیکن تمہارے الفاظ میں میری توہین چھپی ہوئی ہے۔" سلطان نتھنے پھلا کر بولا۔

"چھپی کہاں ہوئی ہے۔ صاف عیاں ہے سلطان۔ تم اس بات کو جس انداز میں سوچو مجھے اعتراض نہیں ہے کیوں کہ میں تمہیں سرسری سی حیثیت دیتی ہوں اس لیے تمہارے احساسات سے بھی مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

سلطان کی ذہنی کیفیت یقیناً بہتر نہ رہی ہوگی لیکن درحقیقت مجھے اس کی پروا نہیں تھی۔ وہ کچھ بھی سوچے یہ اُس کا اپنا فعل تھا۔ تھوڑی دیر تک وہ خود کو سنبھالتا رہا پھر بولا۔

"پھر تم نے مجھے کیوں بلایا تھا عالیہ؟"

"ایک اہم سلسلے میں گفتگو کرنے کے لیے۔"

"وہ کیا ہے؟"

"دراصل سلطان۔ امینہ اور اس جیسی دوسری لڑکیوں کے قاتل کے بارے میں ابھی تک کچھ نہیں معلوم ہو سکا۔"

"اوہ۔ خوب! ظاہر ہے عالیہ یہ کام تم جیسی لڑکیوں کے بس کا بھی نہیں ہے۔ تم ایک معمولی سی اخباری رپورٹر ہو۔ تم کسی بھی وقت تمہیں پولیس کے کاموں میں مداخلت پر گرفتار کیا جا سکتا ہے۔ میں نے تمہیں مشورہ بھی دیا تھا کہ تم ان چکروں میں نہ پڑو۔"

"انتقامی گفتگو کر رہے ہو سلطان۔ حالانکہ تمہیں معلوم ہے کہ اب میں اتنی معمولی بھی نہیں ہوں۔ کچھ تھوڑا بہت کر سکتی ہوں۔ میں اس دوران بہت تگ و دو کرتی رہی ہوں لیکن وہ درندہ ابھی تک میرے ہاتھ نہیں لگا۔"

"اور یہ ہوگا بھی نہیں۔" سلطان نفرت سے مسکرایا۔

"ہونا تو ہے سلطان۔ آج نہ سہی کچھ وقت کے بعد۔ تم سے اس سلسلے میں مدد چاہتی ہوں۔"

"ان فضول باتوں کے علاوہ کوئی اور بات کرو... میں مصروف آدمی ہوں۔" سلطان نے خشک لہجے میں کہا۔ اس دوران مس میری چائے لے آئیں اور انہوں نے چائے سلطان کے سامنے رکھ دی۔

"چلو چائے کے درمیان گفتگو رہے گی۔ چائے پیو۔

شکریہ عالیہ۔ ہماری گفتگو اب دوستانہ ماحول میں نہیں رہی اس لیے میں ان تکلفات کو قبول نہیں کروں گا۔ میں اپنے طور پر تم سے وہی گفتگو کرنے آیا تھا جو کر چکا ہوں اور جسے تم نے نہایت حقارت سے ٹھکرا دیا ہے اس لیے میرے ذہن میں اب تمہارا وہ مقام نہیں رہا ہے۔ قاعدے سے مجھے اب یہاں سے اٹھ جانا چاہیے لیکن میں ازراہِ کرم تمہاری بات سن لینا چاہتا ہوں۔" سلطان نے چائے ٹھکراتے ہوئے کہا۔

"چائے کی حد تک ہماری دوستی جاری رہنی چاہیے سلطان۔ میں بھی تمہارے پاس آتی رہوں گی۔ ظاہر ہے ایک اخباری رپورٹر تم لوگوں سے دور نہیں رہ سکتی۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میں آئندہ تم سے ملاقات کا بھی روادار نہیں ہوں گا۔"

"اتنی نفرت ہو گئی مجھ سے۔ خیر یہ سب تمہاری مرضی پر منحصر ہے۔ ان حالات میں بھی تمہارا زیادہ وقت نہیں لوں گی۔ امینہ کے قتل کے سلسلے میں تمہاری پوزیشن بھی خراب ہے۔ قتل سے چند لمحات قبل اس نے تم سے مدد مانگی تھی لیکن تم نے اسے دھتکار دیا اور اس کے بارے میں فون کر کے کسی کو اطلاع دی۔ وہ کون تھا؟"

"بس یا کچھ اور؟" سلطان نے کرسی کھسکا کر اٹھتے ہوئے کہا۔

"کچھ اور بھی سلطان۔ مثلاً عادل جی موسیٰ جی ٹرانسپورٹ ایسوسی ایشن ... کے بیس لاکھ روپے کا مسئلہ۔ جس میں سے دو لاکھ روپے تمہارے پاس پہنچے تھے۔" میں نے سلطان کا چہرہ دیکھتے ہوئے کہا اور مجھے یوں لگا جیسے سلطان کو بجلی کا کرنٹ لگا ہو۔ وہ بوکھلا کر رہ گیا تھا پھر اس کی آنکھیں غصے سے سرخ ہو گئیں۔

"کیا مطلب ہے تمہارا اس سے؟" اس نے کرخت لہجے میں سوال کیا۔

"دو لاکھ روپے رشوت ڈیئر سلطان۔" میں نے پُراطمینان لہجے میں کہا۔

"کیسی رشوت، کس نے لی؟"

"خیر... خیر مجھے اس سے بحث نہیں۔ ہاں میں تو حاجی بالو کی لانچ کا ذکر سننا چاہتی ہوں تمہارے منہ سے جس میں کچھ تھا۔ حاجی بالو اس لانچ کے سلسلے میں گرفتار بھی ہوا تھا لیکن پھر نجانے کیا ہوا وہ آزاد بھی ہو گیا اور لانچ کا معاملہ بھی ختم ہو گیا۔ اس کیس کی تفصیلات میرے پاس مکمل طور پر موجود ہیں اور مجھے یوں بھی معلوم ہے کہ حاجی بالو نے ایک ساحلی علاقے میں سمندر کے کنارے بنا ہوا ایک خوبصورت مکان یا ہٹ تمہاری تحویل میں دے دیا ہے اور اس ہٹ میں آج سے صرف تین ماہ قبل ایک بدنام اسمگلر ایک ہفتے تک چھپا رہا اور اس کے بعد وہ ایک لانچ سے باہر نکل گیا۔ ڈیئر سلطان اس سلسلے میں اگر تم پسند کرو تو میں کچھ خوبصورت فوٹوگراف اور وہ کاغذات پیش کروں جو تم نے ان لوگوں سے معاہدے کے طور پر تیار کرائے تھے۔"

سلطان کا چہرہ دھلے ہوئے کپڑے کی طرح سفید ہو گیا تھا۔ ایک لمحے کے لیے اس کی آنکھوں میں غصے کی بجائے خوف کے آثار نظر آئے اور پھر وہ کرسی پر بیٹھ گیا۔

"یہ سب... یہ سب معلومات تمہیں کہاں سے حاصل ہوئیں؟" اس نے خوف زدہ لہجے میں پوچھا۔

"دیکھو نا سلطان ہر کام کرنے کے لیے تھوڑی بہت محنت تو کرنا ہی ہوتی ہے۔ میں پوری سنجیدگی سے اس خوفناک درندے کی تلاش میں ہوں جو لڑکیوں کو قتل کر دیتا ہے لیکن مجھے اس میں کوئی خاص کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ اب کامیابیوں کے چند ہی زینے ہیں میرے سامنے۔ جن میں سے ایک تم ہو۔ میں جانتی ہوں کہ تم اس درندے کی شخصیت سے واقف نہیں ہو لیکن جو لوگ تمہیں ہدایات دیتے رہے ہیں، ممکن ہے ان میں سے کوئی اس کے بہت قریب ہو، ان حالات میں مجھے تمہارے سہارے کی بے حد ضرورت ہے اور تمہارا سہارا حاصل کرنے کے لیے ظاہر ہے تمہاری نیک نامی اور پاک بازی کے چند قصّے میرے کانوں تک پہنچنے چاہئیں تھے، سو میں نے یہ کوشش کی ہے۔ بات یہیں تک محدود نہیں ہے پیارے سلطان، بلکہ میں زیب النسا سوسائٹی کے اس بڑے پلاٹ کا ذکر ضرور کروں گی جو اس سے پہلے کسی رفاہی ادارے کی تحویل میں تھا اور اس بڑے ادارے نے اس پر اسکول، اسپتال اور مسجد کی تعمیر کا اعلان کیا تھا لیکن اب یہ اتنا بڑا پلاٹ تین حصّوں میں تقسیم ہو چکا ہے اور ان تین حصّوں میں سے ایک حصّہ تمہارے نام ہے اور تمہارے نام پر ٹرانسفر ہو چکا ہے، تو سلطان یہ ساری چیزیں بلاشبہ تمہیں ایک صاحبِ حیثیت آدمی بناتی ہیں لیکن ایک پولیس انسپکٹر جس کا ماضی اعلا حکام کے سامنے ہو، اس کے بارے میں یہ ساری تفصیلات میرے پیارے اخبار میں شائع ہو جائیں تو تمہارا کیا خیال ہے

تم پرسکون رہ سکو گے؟"

"عالیہ... عالیہ تم نے مجھے دوستی کی حدود سے نکال کر دشمنی کی راہ پر ڈال دیا ہے؟"

"مگر افسوس اس وقت تو تم اپنا سروس پستول بھی ساتھ نہیں لائے؟" میں نے حقارت سے مسکراتے ہوئے کہا۔

"سروس پستول کی ضرورت نہیں ہے عالیہ۔ تم جن راستوں پر دوڑ رہی ہو، انہی راستوں پر کسی نہ کسی جگہ تمہاری لاش دستیاب ہو جائے گی۔" سلطان نے نفرت انگیز لہجے میں کہا۔

"گویا یہ سلطان صاحب مجھے دھمکی دے رہے ہیں؟" میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"میں دھمکی نہیں دے رہا۔ میں تو صرف تمہیں آگاہ کر رہا ہوں۔ میں نے آج تک خود کو قابو میں رکھا ہے عالیہ اگر میں تمہارے بارے میں یہ اشارات آگے بڑھا دوں تو مجھے یقین ہے تمہارا حشر بھی امینہ سے مختلف نہیں ہوگا۔"

"آگے سے تمہاری کیا مراد ہے سلطان؟"

"بس میں اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہنا چاہتا۔"

"تو پھر میرے لیے کیا حکم ہے؟" میں نے دلآویز انداز میں پوچھا۔

"یہ میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ اپنی زبان بند رکھو اور میں تم سے یہ بھی ضرور معلوم کروں گا کہ یہ لغو معلومات تمہیں کہاں سے حاصل ہوئیں۔ تم مجھے ان ساری باتوں کے جواب بھی دو گی۔" سلطان بولا۔

"کیا ابھی اسی وقت سلطان؟" میں نے مضحکہ اڑاتے ہوئے کہا اور سلطان دانت پیسنے لگا۔ اس کی آنکھوں میں جنون کے آثار نظر آنے لگے تھے۔

"تم چاہو تو اسی وقت۔" سلطان بولا اور اسی وقت دروازے سے ایک آواز ابھری۔

"کیا میں اندر آسکتا ہوں۔" اور جواب کا انتظار کیے بغیر بقراط اندر داخل ہوگیا۔ "معاف کیجیے گا خواتین و حضرات سوری میں نے غلط کہا۔ خاتون اور حضرت! میں نا وقت مداخلت کے لیے معافی کا خواستگار ہوں۔ کیا میں بیٹھ سکتا ہوں۔" بقراط نے کہا اور ایک صوفے پر بیٹھ بھی گیا۔

"کون ہو تم؟" سلطان نے کرخت لہجے میں پوچھا۔

"خادم کو بقراط کہتے ہیں۔ ایں۔ این۔ انشورنس کا کام کرتا ہوں۔ آپ کی تعریف؟" بقراط نے دانت نکال کر پوچھا۔

"بکو مت۔ بغیر اطلاع کے اندر کیوں آئے؟"

"چند ہی شخصیتیں ایسی ہوتی ہیں جناب جو بغیر اطلاع کے آتی ہیں جیسے ملک الموت یا انشورنس ایجنٹ۔ ہاں برا‌ہ یہ تو بتایئے کیا آپ نے اپنی بیمہ پالیسی حاصل کر لی ہے" بقراط بولا۔

"ہم لوگ گفتگو کر رہے ہیں۔ تم پھر کسی وقت آنا۔" سلطان نے کہا۔

"آپ موت کو کبھی نہیں ٹال سکتے جناب۔ وہ آپ کو اسی وقت آسکتی ہے۔ اس لیے بیمۂ زندگی مرنے سے قبل بے حد ضروری ہے۔ ہاں تو آپ کون سی پالیسی پسند کریں" سلطان غصے کی شدت سے کانپ رہا تھا۔ اس نے بقراط کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا اور غصے سے پاؤں پٹختا ہوا نکل گیا۔ میں مسکراتی نگاہوں سے بقراط کو دیکھ رہی تھی۔ میں نے مس میری کو بلانے کے لیے گھنٹی بجا دی۔ مس میری اندر آئی تو میں نے سلطان کے بارے میں پوچھا۔

"چلے گئے۔" مس میری نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔ ہماری چائے یہیں لے آؤ۔"

"جی بہتر۔" مس میری نے کہا اور باہر نکل گئی۔

"بے وقت مداخلت کے لیے آپ سے بھی معافی چاہتا ہوں۔ میں نے سوچا کسی کام کا آغاز کیا جائے۔ بیٹھے بیٹھے دل میں خیال آیا کہ اگر کوئی بیکار شخص کچھ بھی نہ کر سکے تو بیمہ ایجنٹ ضرور بن سکتا ہے۔ آپ کا کیا خیال ہے"

"ہاں یہ سب سے آسان نوکری ہے۔" میں ہنس کر

"تب پھر میرے ذہن میں خیال آیا کہ کیوں نہ یہ نوکری کی جائے۔ اس لیے میں یہاں آگیا۔"

"یہ بھی آپ نے اچھا کیا۔"

"لیکن افسوس ناس شخص نے میری پہلی ہی کوشش ناکام بنا دیا۔"

"بے ہودہ آدمی تھا۔" میں نے کہا۔

"میں نے محسوس کر لیا تھا۔ آپ سے بھی کچھ بد تمیزی کر رہا تھا۔ کیا بات ہوگئی تھی؟"

"کوئی خاص بات نہیں۔ کیا ہماری آوازیں بیڈ روم تک پہنچ رہی تھیں؟" میں نے پوچھا۔

"صاف۔ کسی قاتل اور مقتول کے بارے میں گفتگو ہو رہی تھی۔"

"نہیں تصور صاحب۔ ڈرائنگ روم سے کوئی آواز بیڈ روم تک نہیں پہنچتی۔ میں صرف یہ جاننا چاہتی تھی کہ آپ نے ہماری گفتگو سنی یا نہیں اور میں اس کوشش میں کامیاب ہو گئی۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میں نہیں سمجھا۔" بقراط حیرت سے بولا۔

"میں سمجھانا بھی نہیں چاہتی۔ ہاں اتنا ضرور کہوں گی کہ اگر مناسب سمجھیں تو مجھے اپنی ذہنی واردات سے آگاہ کر دیں، میں ایک غیر متعلق شخصیت ہوں اور درست ہی رہوں گی۔"

"واللہ۔ نہ جانے آپ کیا فرما رہی ہیں؟"

"خیر چھوڑیے۔ مجھ سے کیا معلوم کرنا چاہتے ہیں؟"

"یہی کہ آپ حساب بیباق کیوں نہیں کر رہیں... یہ پینتیس روپے قبول فرمایئے اور ساتھ ہی میرا شکریہ بھی۔"

"شکریہ کس بات کا؟"

"آپ نے ان دونوں لڑکیوں کو نہ جانے کس طرح بدل دیا۔ ان کی تو فطرت ہی بدل گئی ہے۔"

"ملاقات ہوئی تھی ان سے؟"

"ہاں۔ آج ہی گیا تھا۔"

"ٹھیک ہیں دونوں؟"

"ضرورت سے زیادہ ٹھیک ہیں۔ افشاں نے مجھے پچاس روپے قرض دیے ہیں۔"

"واہ، مبارک ہو آپ کو۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"آپ کو بھی آپ کے پینتیس روپے مبارک ہوں۔ دیکھیے نا۔ رقم ٹوٹ ٹوٹ کر ملے تو نقصان میں شمار ہوتی ہے۔ آپ کو اکٹھی رقم مل رہی ہے اور میرے ذہن سے بوجھ ہلکا ہو رہا ہے۔"

"جی۔" میں نے سنجیدگی سے اسے دیکھتے ہوئے کہا...

بقراط نے پینتیس روپے پھر میری طرف بڑھا دیے اور اس بار میں نے وہ نوٹ اس کے ہاتھ سے لے لیے۔ "میں شکر گزار ہوں ان نوٹوں کی بھی اور اس جذبے کی بھی، جو آپ کے دل میں میرے لیے پیدا ہوا۔" میں نے کہا۔

مس میری نے چائے کی ٹرالی جس پر کچھ لوازمات بھی تھے لا کر ہمارے سامنے رکھ دی۔ اس کے جانے کے بعد میں نے بقراط کو پلیٹیں پیش کیں اور اس نے بے تکلفی سے کئی چیزیں اپنی پلیٹ میں نکال لیں۔

"آپ کس جذبے کی بات کر رہی تھیں؟"

"ہاں تصور صاحب۔ میں اس جذبے کی بات کر رہی ہوں جس کے تحت آپ اچانک اندر آگئے تھے۔ آپ کو یقیناً گمان گزرا ہوگا کہ سلطان اب میرے ساتھ کوئی بدتمیزی کرے گا۔ اس لیے آپ اچانک اندر آئے تھے۔"

"ارے نن نہیں۔ میں تو اپنے کاروبار کے لیے آیا تھا۔ مگر کیا اس شخص کا نام سلطان ہے؟"

"جی ہاں اور وہ ایک پولیس انسپکٹر ہے۔ مزید معلومات آپ کو دوسری جگہوں سے بھی ہو سکتی ہیں۔" میں نے بے تاثر لہجے میں کہا اور بقراط گردن جھکا کر کھانے میں مشغول ہوگیا۔

میرے ذہن میں اب اس شخص کے لیے بھی غصہ پیدا ہوگیا تھا۔ صاف بات تھی کہ وہ اتنا احمق نہیں ہے جتنا خود کو پوز کرتا ہے۔ اگر میرے سامنے بھی وہ کھلنا نہیں چاہتا تو نہ کھلے، مجھے کیا ضرورت پڑی ہے جو میں اس کے نجی معاملات جاننے کی کوشش کروں۔ میں نے اس کے لیے چائے بنائی اور دوبارہ بھی اسے کھانے کی چیزوں کی پیشکش کی لیکن اس کے بعد اس نے کچھ نہیں لیا تھا۔ چائے ختم ہونے کے بعد وہ چند ساعت خاموش بیٹھا رہا پھر بولا۔

"تو مجھے اجازت ہے؟"

"بہت بہتر۔" میں نے گردن ہلاتے ہوئے کہا اور وہ اٹھ گیا۔

"ہاں۔ وہ قرض وغیرہ کے سلسلے میں اگر کبھی دوبارہ ضرورت پیش آئے تو حاضر ہو سکتا ہوں؟" وہ ڈھٹائی سے بولا۔

"ضرور۔ جس خدمت کے قابل ہوں حاضر ہوں۔" میں نے جواب دیا اور پھر اسے رخصت کرنے دروازے تک آئی۔ اس نے مجھے سلام کیا اور باہر نکل گیا۔ میں نے بھی بے پروائی سے شانے ہلائے تھے۔ بقراط کے بارے میں اب میری رائے زیادہ بہتر نہیں رہی۔ یہ شخص خود کو چھپانا چاہتا ہے تو ٹھیک ہے۔ مجھے بھی کیا ضرورت پڑی ہے جو اسے ٹٹولنے کی کوشش کروں۔ ویسے شاید میں بقراط سے اتنا زیادہ نہ الجھتی لیکن سلطان نے موڈ خراب کر دیا تھا۔ میں اپنے کمرے میں آکر سلطان کے بارے میں سوچنے لگی اور پھر میں نے صباحت صاحب کو فون کیا۔ دفتر سے معلوم ہوا کہ وہ گھر گئے ہوئے ہیں۔ چنانچہ میں نے انہیں گھر پر رنگ کیا اور صباحت صاحب سے رابطہ قائم ہوگیا۔

"خیریت عالیہ بیٹے؟" صباحت صاحب نے پرمحبت انداز میں کہا۔ وہ نہایت نیک اور ایمان دار انسان تھے اور ان کے لہجے کی شفقت مجھے بہت عزیز تھی۔ کبھی انہوں نے مجھ سے کوئی

مراعات قبول نہیں کی تھی اور اپنی تمام تر خدمات اخبار کو پیش کر دی تھیں۔ اس وقت بھی اُن کے لہجے نے میری ذہنی گھٹن کسی قدر کم کر دی تھی۔

"معاف کیجئے گا صباحت صاحب۔ میں کہیں بھی آپ کا پیچھا نہیں چھوڑتی۔"

"یہ تو میری خوش بختی ہے بیٹے کہ تم نے مجھے اپنی اتنی بڑی ضرورت بنا لیا ہے۔"

"ہاں آپ میری سب سے بڑی ضرورت ہیں صباحت صاحب۔ بہرحال آپ کو ایک اطلاع دینی ہے۔"

"کہو۔"

"رات کو کسی وقت میرا ایک آرٹیکل منگوا لیجئے۔ یہ انسپکٹر سلطان کے بارے میں ایک مضمون ہے جس میں اُسے اشاراتی طور پر مخاطب کیا جائے گا۔ اُس سے میری جھڑپ ہو گئی ہے۔"

"اوہ کس سلسلے میں؟" صباحت صاحب نے تشویش سے پوچھا۔

"سلسلہ تو وہی ہے لیکن اب میں اس سلسلے میں ذرا اُنگلیاں ٹیڑھی کر رہی ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

"امینہ کے مسئلے پر؟"

"جی صباحت صاحب۔ آپ دفتر کس وقت جائیں گے؟"

"بس ایک ڈیڑھ گھنٹے میں۔"

"ٹھیک ہے۔ اس تفصیل کو بالکل نمایاں جگہ دیں۔"

"مناسب ہو گا عالیہ۔"

"ہاں کوئی ایسی بات نہیں ہے۔ یہ صرف انفرادی مسئلہ ہے۔"

"بہتر۔ تم نے سوچ سمجھ کر ہی فیصلہ کیا ہو گا۔"

"ہاں۔ یقیناً۔" میں نے جواب دیا اور پھر رسمی سی گفتگو کے بعد فون بند کر دیا۔ اس کے فوراً بعد میں نے پوائنٹ تھری پر فون کیا۔ دوسری طرف نازش موجود تھا۔

"عالیہ بول رہی ہے نازش صاحب۔"

"حکم محترمہ عالیہ۔" نازش کی آواز اُبھری۔

"انسپکٹر سلطان سے واقف ہیں؟"

"اچھی طرح۔"

"مجھ سے چل گئی ہے۔ خصوصی نگاہ رکھنی ہے۔ فوری طور پر انتظامات کریں۔"

"بہت بہتر۔ مطمئن رہیں۔"

"اسی لیے فون کیا تھا۔"

"بس آپ یہ ذمّے داری ہمیں سونپ دیں اور بے فکر ہو جائیں۔" نازش کی آواز اُبھری اور میں نے شکریہ ادا کر کے فون بند کر دیا۔ اس کے بعد میں سلطان کے بارے میں آرٹیکل لکھنے لگی۔ میں نے اُس پلاٹ کے بارے میں تفصیلات لکھی تھیں اور کہا تھا کہ حکومت تحقیقات کرائے کہ اسکول، اسپتال اور مسجد کی یہ زمین اب کس کی تحویل میں ہے اور کیوں ہے۔ میں نے لکھا تھا کہ شہری بدعنوانیوں کے نام سے مضامین کا ایک سلسلہ شروع کیا جا رہا ہے۔ جس میں بہت سے انکشافات کیے جائیں گے۔ اپنے مضمون کی تراش خراش سے فارغ ہوئی تھی کہ صباحت صاحب کا آدمی مضمون لینے پہنچ گیا اور میں نے وہ لفافہ اُس کے حوالے کر دیا۔

دوسری صبح ٹیلی فون کی گھنٹی سے ہی آنکھ کھلی تھی۔ اتنی صبح کس نے فون کیا ہے۔ میں نے سوچا اور ریسیور اُٹھا لیا۔

"میں سلطان بول رہا ہوں۔"

"اوہ۔ ہلو ہلو ڈیئر کیا بات ہے؟" مجھے رات کے واقعات یاد آ گئے۔

"تو تم نے ابتدا کر دی؟" سلطان کی آواز میں تھکن تھی۔

"ہاں سلطان۔ تمہیں رات ہی میں کچھ کر لینا چاہیے تھا۔ غلطی تمہاری ہے۔"

"کیا مطلب۔ مجھے کیا کر لینا چاہیے تھا؟"

"مجھے قتل کر دیتے۔ تنہا عورت ہوں تمہیں مشکلات نہ پیش آتیں۔ اس کے علاوہ تمہیں چاہیے تھا کہ اگر یہ کام تم خود نہ کرتے تو کسی شہری غنڈے کو سونپ دیتے۔ تمہارا نام بھی نہ آتا۔"

"تم میرے بارے میں بہت سی غلط فہمیوں کا شکار ہو گئی ہو عالیہ۔ مجھے کل شام غصّہ ضرور آ گیا تھا مگر میں اتنا بدکردار بھی نہیں ہوں۔"

"خیر۔ میں کیا کر سکتی ہوں تمہارے لیے سلطان۔ فون کرنے کی کوئی وجہ تو ضرور ہو گی؟"

"پلاٹ کے بارے میں لکھ کر تم نے مجھے پریشان کر دیا۔ بہرحال میں اس مشکل پر قابو پا لوں گا کیوں کہ وہ کاغذات پھاڑ دینا کوئی مشکل کام نہیں ہے جن میں پلاٹ ہمارے نام کیا گیا ہے۔"

"ضرور۔ تمہیں یہی کرنا چاہیے سلطان لیکن اس کے بعد کیا کرو گے؟ میں نے تو مضامین کے سلسلے کا آغاز کر دیا ہے۔"

"ثبوت رکھتی ہو عالیہ؟"

"میں ایک تجربے کار صحافی ہوں سلطان اور اخبارات کی خبروں کے سلسلے میں قانونی باتیں بھی جانتی ہوں۔ یہ رُخ بھی آزما لینا اور پھر بات اتنی مختصر نہیں۔ ابھی تو بہت سے کھیل ہیں۔ بارپل کا قتل۔ مقتول ایک با اثر شہری تھا لیکن اس کا قاتل آزاد ہے۔ وہ کیسے آزاد ہوا اس کے ٹھوس ثبوت میرے پاس موجود ہیں یا پھر ایک رقاصہ شیلی پیٹر کی خوب صورت پناہ گاہ۔ کہاں کہاں کے کاغذات پھاڑتے پھرو گے سلطان؟"

"خدا کی پناہ۔ تم تو میری پیدائش کے وقت سے بھی باخبر ہو؟" سلطان ایک گہری سانس لے کر بولا۔

"ضرورت پڑی تو ہو سکتی ہوں۔ یہ کون سا مشکل کام ہے۔"

"عالیہ۔ ہمارے درمیان ایک سمجھوتہ ہوا تھا۔"

"ہاں۔"

"تم اسے کیوں بھول گئیں؟"

"میں اس سمجھوتے کے تحت تم سے بات کر رہی تھی لیکن تم بدلے ہوئے موڈ میں تھے۔"

"وہ میری حماقت تھی جس کے لیے معاف کر دو۔"

"کر دیا لیکن میں امینہ کا قاتل چاہتی ہوں۔" میں نے مضبوط لہجے میں کہا۔

"میں قسم کھاتا ہوں کہ میں نے تم سے غلط نہیں کہا تھا۔"

"میں یقین کرتی ہوں لیکن مجھے وہ نام درکار ہے جس نے تمہیں اس سلسلے میں باخبر رکھنے کی ہدایات کی تھیں۔"

"میں خطرے میں پڑ جاؤں گا۔" سلطان بولا۔

"وعدہ کرتی ہوں سلطان۔ تمہیں کچھ نہیں ہو گا۔"

"ہوں۔ سوچ لو عالیہ۔"

"وقت ضائع کر رہے ہو سلطان۔" میں نے جواب دیا۔

"تو پھر نام نوٹ کرو۔ وہ نام ہے اظہر رضوی۔ میرا خیال ہے یہ نام تمہارے لیے اجنبی نہیں ہو گا۔"

"ہاں یہ نام میرے لیے اجنبی نہیں ہے بشرطیکہ تم نے دیانتداری سے کام لیا ہو۔"

"اب بددیانتی کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے۔" سلطان نے مُردہ سے لہجے میں کہا۔

"اس کے علاوہ سلطان، تم اُسے اطلاع نہیں دو گے۔"

"یہ بھی احمقانہ بات ہے۔ اپنی گردن خود پھنساؤں گا۔" سلطان بولا۔

"ہاں پھنسانی تو نہیں چاہیے لیکن یہ شخص پولیس سے متعلق تو نہیں ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"وہ جتنی بڑی شخصیت ہے اس کا اندازہ تمہیں خود ہو گا۔ اس کے دوستوں کی تفصیل بھی معلوم کر لینا۔ میری بات میں شک و شبہ نہیں رہے گا۔" سلطان نے کہا۔

"ہاں اس کے بارے میں معلومات تو بہت سی کرنی ہیں لیکن سلطان تم نے ایک بات اور بھی کہی تھی؟"

"وہ کیا؟"

"تم نے کہا تھا کہ تمہیں یہ ہدایات اپنے افسران سے ملی ہیں؟"

"عالیہ بیگم وہ شخص براہِ راست احکامات دیتا ہے اور ہمیں ماننے ہوتے ہیں۔"

"حالانکہ یہ تمہارے پیشے کے وقار کے منافی ہے۔" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"کیا ہے اور کیا نہیں ہے عالیہ بیگم، اس بات کو جانے دو لیکن میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ خدا کی قسم مجھے امینہ کے قاتل کے بارے میں کچھ نہیں معلوم۔ مجھے جس قدر ہدایات ملی تھیں، بس میں نے صرف اسی پر عمل کیا اور اس سلسلے میں کبھی کوئی مالی فائدہ نہیں اٹھایا۔ ہاں یہ دوسری بات ہے کہ اگر میں اس کے خلاف جاتا تو اپنی نوکری پر بھی برقرار نہیں رہ سکتا۔"

"ہاں مجھے بہت سے لوگوں کی بہت سی مجبوریوں کا احساس ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"ایک بات اور بتاؤ گی عالیہ؟"

"پوچھو ضرور پوچھو۔" میں نے دل ہی دل میں مُسکراتے ہوئے کہا۔

"وہ شخص کون تھا جو اچانک ہماری گفتگو کے دوران کمرے میں گھس آیا تھا؟"

"انشورنس ایجنٹ۔"

"یقین نہیں آتا۔ کیا کسی انشورنس ایجنٹ سے تمہارے اتنے بے تکلفانہ تعلقات ہو سکتے ہیں کہ وہ یوں تمہارے فلیٹ میں چلا آئے؟"

"بھئی یہ انشورنس ایجنٹ جو ہیں۔ یہ بذاتِ خود ہی بڑے بے تکلف ہوتے ہیں، دوسروں سے بے تکلفی کے تعلقات کی انہیں کوئی پروا نہیں ہوتی۔ وہ شخص بھی ایسے ہی افراد میں سے تھا۔"

"نام کیا ہے اُس کا؟"

"نام تو پتا نہیں خود کو بقراط کہتا ہے"۔

"پتا نہیں کیوں مجھے اُس کی شخصیت پر شُبہ سا ہُوا تھا" سلطان بولا۔

"کیسا شُبہ؟"

"بس مجھے وہ آدمی بہت گہرا لگا تھا۔ خود کو احمق ظاہر کر کے دوسروں کو احمق بنانے والا" سلطان نے کہا۔

"ممکن ہے تمہارا خیال درست ہو بھئی، تم پولیس والے ہو۔ ان معاملات کو زیادہ اچھی طرح سمجھتے ہو، میں تو ایک سیدھی سادی صحافی ہُوں" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"مجھے اس کے بارے میں کچھ اور نہیں بتاؤ گی؟"

"ارے نہیں وہ اس قابل نہیں ہے کہ تم اس کے لیے تشویش کا شکار ہو۔ میں اُسے اچھی طرح جانتی ہوں"۔

"ٹھیک ہے عالیہ۔ بہرحال تم نے مجھے کم از کم تین لاکھ روپے کی جائداد سے محروم کر دیا"۔

"اچھا ہی ہُوا سلطان۔ کم از کم ایسی جگہوں کو تو چھوڑ دیا کرو جو تمہاری عاقبت کے راستے کا پتھر ہو" میں نے ہنستے ہوئے جواب دیا اور پھر رسمی سی گفتگو کے بعد فون بند کر دیا۔

اس کے بعد وہی زندگی کی مصروفیات لیکن اظہر رضوی کا نام میرے ذہن میں چکرا رہا تھا۔ ایک بڑا صنعت کار اور سماجی کارکن تھا اس کے اثر و رسُوخ سے میں اچھی طرح واقف تھی خود اُس نے ایک بار میرے اخبار کو سراہتے ہوئے اُسے امداد کی پیشکش کی تھی جسے میں نے صباحت کے ذریعے مسترد کر دیا۔ البتہ آج بھی میرے اخبار کو اُس کی طرف سے ہزاروں روپے کے اشتہارات ملتے تھے لیکن یہ شخص اب مجھے اس کے بارے میں مزید معلومات درکار تھیں۔

چنانچہ تیار ہو کر میں چل پڑی اور پوائنٹ تھری پہنچ گئی۔ آج مجھے کئی دوسرے کام بھی کرنے تھے۔ نازش نے اطلاع دی تھی کہ اُس نے امینہ کی ماں اور بھائی کے لیے فلیٹ خرید لیا ہے اُس کی ادائیگی بھی کرنی تھی۔ چنانچہ میں نے چیک بک بھی ساتھ لے لی تھی۔

پوائنٹ تھری میں میری ملاقات نازش سے ہوئی اور اُس نے حسبِ معمول ادب سے میرا استقبال کیا۔ "بہت سے امُور پر گفتگو کرنی ہے نازش صاحب"۔

"حاضر ہُوں محترمہ عالیہ"۔

"فلیٹ کی پوزیشن کب ملے گی؟"

"خالی فلیٹ ہے اگر ہم آج ادائیگی کر دیں گے تو قبضہ مل جائے گا باقی کام بعد میں ہوتے رہیں گے۔ ویسے میں نے پانچ ہزار روپے ایڈوانس دے دیے ہیں"۔

"گڈ۔ باقی رقم کا یہ چیک رکھ لیں" میں نے چیک بُک نکال کر ایک چیک کاٹ دیا۔ جسے نازش نے رکھ لیا۔ دُوسرا چیک پانچ ہزار روپے کا تھا۔ جسے میں نے نازش کے نام لکھا تھا۔

"ہاں سلطان صاحب کے بارے میں کیا رپورٹ ہے؟"

"ماہر اور شاہد اُس کی نگرانی کر رہے ہیں۔ اس وقت وہ اپنے اسٹیشن میں موجود ہے"۔

"ٹھیک ہے۔ ویسے تشویش کی بات نہیں ہے۔ بس اُس پر نگاہ رکھنی تھی"۔

"ایک بات پوچھوں عالیہ صاحبہ"۔

"جی"۔

"آج ایک مضمون ہے اخبار میں۔ جو آپ کی طرف سے چھپا"

"ہاں ہے"۔

"کیا وہ سلطان ہی کی طرف اشارا کرتا ہے؟"

"ہاں نازش لیکن میں اس کا فائدہ حاصل کر چکی ہُوں۔ سلطان نے ہتھیار ڈال دیے ہیں لیکن اس کے باوجود اس پر نگاہ رکھنی ہے۔ اب میں ایک خاص کام تمہارے سپُرد کرنا چاہتی ہُوں۔ مجھے یقین ہے کہ تم اس پر خصوصی توجہ دو گے"۔

"جی" نازش ہمہ تن گوش ہو گیا۔

"اظہر رضوی سے واقف ہو؟"

"ہاں کیوں نہیں"۔

"اُس کی تمام تر مصروفیات کی تفصیل تیار کرنی ہے۔ لیکن نہایت احتیاط کے ساتھ۔ تم اپنے طور پر ان لوگوں کا انتخاب کرو جو اس سلسلے میں کام کریں گے۔ میں تمہارے اوپر بھروسہ کرتی ہُوں"۔

"رضوی صاحب چیف شہریار کے خاص دوستوں سے ہیں۔ میں دو تین بار اُن کے گھر بھی جا چکا ہُوں"۔

"اوہ۔ وہ تمہاری حیثیت سے واقف ہیں؟"

"میری حد تک یہ جانتے ہیں کہ میں شہریار صاحب کے محکمے سے تعلق رکھتا ہُوں لیکن دوسرے لوگ اُن کی نگاہ میں نہیں ہیں"۔

"کیا تم اپنے طور پر اس کام کو مشکل تصور کرتے ہو"

"ہرگز نہیں خاتون۔ میں ایک درمیانے درجے کا آدمی ہُوں۔ اتنے بڑے لوگوں سے بہت بڑے لوگ ہی مرعوب ہوں گے۔ اگر آپ کی ہدایت ہے تو میں کام شروع کر دُوں گا۔ ویسے یہ بھی اسی سلسلے کی کوئی کڑی ہے؟"

"ہاں نازش" میں نے جواب دیا۔

"بہت بلندی تک ہاتھ مارا ہے آپ نے عالیہ صاحبہ۔ بے حد محتاط رہنا ہو گا"۔

"فکر مت کرو نازش۔ زندگی جب کسی مقصد کی نذر کر دی جائے تو پھر ان خدشات پر توجہ دینا بے بنیاد ہے"۔

"ٹھیک کہا آپ نے۔ ویسے عالیہ صاحبہ۔ آپ نے آج کے سارے اخبارات دیکھ لیے؟" نازش نے پوچھا۔

"نہیں دیکھ سکی۔ کیوں کوئی خاص بات ہے؟"

"جی ہاں۔ میں آپ کی توجہ ایک اشتہار کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہُوں" نازش نے کہا اور اپنی جگہ سے اُٹھ کر ایک انگریزی اخبار اُٹھا لایا پھر اُس نے صفحہ کھول کر وہ اشتہار میرے سامنے کر دیا۔ جس کے گرد اُس نے سُرخ پنسل سے حاشیہ بنا دیا تھا۔ اشتہار تھا۔

"سُنہرے مستقبل کی خواہش مند لڑکیاں رجُوع کریں

مُلک سے باہر مشرقِ وسطیٰ میں باعزت پیشے کی خواہش مند لڑکیوں کے لیے ایک حسین موقع۔ اگر آپ تعلیم یافتہ ہیں اور ایک فرم میں بہترین شرائط پر کام کرنے کو تیار ہیں، تو رجُوع کریں۔

نارمن ٹریولرز"

اور اس کے بعد اُسی عمارت کا پتا تحریر تھا جس میں میں اس فرم کی تلاش میں گئی تھی۔ میرے بدن میں سنسنی دوڑ گئی۔ مجھے یوں محسوس ہُوا جیسے حالات کی موافق ہوائیں میری طرف چل پڑی ہوں۔ یہ اشتہار بے معنی نہیں ہے۔ اس کی گہرائیوں میں کچھ نہ کچھ ہے۔ گویا دو اہم نشانات ملے تھے۔ نارمن ٹریولرز کا یہ اشتہار اور اظہر رضوی۔ میری آنکھوں میں ایک پُراسرار چمک نمُودار ہو گئی تھی اور میں چشمِ تصوّر سے بہت کچھ دیکھ رہی تھی۔ شاید کامیابی میری طرف کھسک رہی تھی۔ شاید۔ شاید...

نازش گہری نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا شاید وہ میرے چہرے سے میرے تاثرات کا اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں نہیں جانتی کہ اُس نے میرے چہرے کے تاثرات پڑھنے میں کوئی کامیابی حاصل کی یا نہیں، ویسے اس اشتہار کو دیکھ کر چند لمحات کے لیے تو میری کیفیت عجیب ضرور ہو گئی تھی۔ میں نے محسوس کیا تھا کہ سلطان کا انکشاف اور یہ اشتہار دو ایسی حقیقتیں ہیں جنہیں جھٹلانا ناممکن ہے۔ عرصہ دراز سے میں جن کوششوں میں مصروف تھی اُن کا کچھ نہ کچھ نتیجہ نکلنے والا ہے۔ خاموشی طویل ہو گئی تو نازش نے ہی مجھے ٹوکا اور میں خیالات کے بھنور سے نکل آئی "یوں لگتا ہے محترمہ عالیہ جیسے اس اشتہار نے آپ کو بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا ہے"۔

"اس میں کوئی شک نہیں ہے مسٹر نازش۔ یہ اشتہار میرے لیے بے حد اہم ہے"۔

"میں جانتا ہُوں محترمہ" نازش نے جواب دیا اور پھر کسی خیال کے تحت میں چونک پڑی۔

"لیکن نازش ایک بات تو بتاؤ تمہیں یہ بات کس طرح معلوم ہوئی کہ میں اس اشتہار میں کوئی دلچسپی لے سکتی ہوں میرا خیال ہے میں نے تمہیں اس بارے میں تو ہدایات نہیں دی تھیں؟"

"جی ہاں لیکن یہ بات تو ہم آپ کو بتا چکے ہیں کہ ہمارے باس مسٹر شہریار نے ایک زمانے میں ہمیں آپ کی نگرانی پر مامور کیا تھا۔ اُن کا خیال تھا کہ آپ جن کارروائیوں میں ملوث ہیں ان سے آپ کی زندگی کو خطرہ لاحق ہو سکتا ہے چنانچہ ہم باقاعدگی سے آپ کی نگرانی کر رہے تھے اور آپ کی مصروفیات کا جائزہ بھی لے رہے تھے، اسی سلسلے میں ہم آپ کے ساتھ اس عمارت تک پہنچے تھے جہاں آپ کہیں سے حاصل شدہ معلومات کے تحت نارمن ٹریولرز نامی ریکروٹنگ فرم کی تلاش میں گئی تھیں اور وہاں کے سنّی ریسپشنسٹ نے آپ کو بتایا تھا کہ اس نام کی کوئی فرم اس عمارت میں نہیں ہے" نازش نے جواب دیا اور میرے ہونٹوں پر بے اختیار مسکراہٹ آ گئی۔ مجھے وہ سنّی ریسپشنسٹ یاد آ گیا جس کی زندگی اس اشتہار نے حرام کر رکھی تھی۔ میں نے مسکراتے ہوئے نازش سے پوچھا۔

"تو کیا اس وقت تم خود میرے تعاقب میں تھے؟"

"جی ہاں"۔

"حیرت کی بات ہے۔ تم تو صرف میرا تعاقب کر رہے تھے پھر تمہیں یہ بات کیسے معلوم ہوئی کہ میں نارمن ٹریولرز کی تلاش میں وہاں گئی تھی؟" میں نے دلچسپی سے پوچھا۔

"یہ بھی چیف کی ہدایات تھیں۔ انہوں نے کہا تھا کہ ہم آپ کی کوششوں پر نگاہ رکھیں۔"

"اوہ۔" میں نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ ایک لمحے کے لیے میرے ذہن میں ایک سیاہ دھبہ نمودار ہوا تھا لیکن دوسرے لمحے میں نے خود کو نفرین کی۔ میں بہت غلط بات سوچنے لگی تھی۔ میرے ذہن میں اس گفتگو سے ایک خیال آیا تھا کہ انکل شہریار کو اس کی کیا ضرورت پیش آگئی کہ وہ میری مصروفیات کے بارے میں معلوم کریں۔ صرف ایک لمحے کے لیے یہ سیاہ دھبہ میرے ذہن میں نمودار ہوا تھا کہ کہیں خود انکل شہریار تو اس ڈرامے میں کوئی کردار نہیں ادا کر رہے لیکن اُن کی بے لوث محبت اور اُن کی محبت نے میرے دل کے اس سیاہ داغ کو دھو دیا۔ میں نے یہی سوچا کہ میں مسلسل ناکامیوں سے اس قدر بوکھلا گئی ہوں کہ اب اپنے سائے پر بھی شک کرنے لگی ہوں۔ "تو اس سلسلے میں آپ نے وہاں سے معلومات حاصل کی تھیں؟" میں نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔

"جی ہاں عالیہ صاحبہ۔ ویسے ہمیں آپ کی حیثیت کا بھرپور احساس ہے۔ چیف آپ کے لیے اس طرح پریشان رہتے ہیں جیسے کوئی اپنی اولاد کے لیے رہتا ہے۔ میں نے کبھی اُن کی آنکھوں میں تفکر کے آثار نہیں دیکھے تھے لیکن آپ کے لیے میں نے انہیں متفکر دیکھا ہے۔"

"کوئی گفتگو بھی ہوئی ہے اس سلسلے میں؟"

"جی ہاں ایک دفعہ۔"

"اگر کوئی حرج نہ ہو تو مجھے اس گفتگو کے بارے میں بتاؤ۔"

"عالیہ صاحبہ ہمیں اس گفتگو کے بعد ہی آپ کی اہمیت کا احساس ہوا تھا۔ چیف نے کہا تھا کہ آپ اُن کے ایک عزیز ترین دوست کی بیٹی ہیں اور وہ آپ کو اپنی بچیوں کی مانند سمجھتے ہیں۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ غیر ممالک میں آپ کی اُن سے اکثر ملاقات رہی ہے اور انہوں نے انہیں دنوں اندازہ لگا لیا تھا کہ آپ بے حد ذہین ہیں۔ انہوں نے کہا تھا مس عالیہ کو وہ آپ کو اپنے محکمے میں داخل کرنے کے خواہش مند تھے لیکن آپ وہی سب کچھ کر رہی ہیں جو وہ چاہتے تھے۔ بے حد تعریف کرتے ہیں چیف آپ کی کہ بہت کم لڑکیاں ابھی اس قابل ہو سکی ہیں کہ ملک اور قوم کی فلاح کے لیے بے خوف خود کو خطرات میں جھونک دیں۔" نازش نے بتایا۔

انکل کی محبت کو میں اپنے سینے میں پاتی ہوں۔ بہرحال نازش اب مجھے اس سلسلے میں کام کرنا ہے۔"

"پہلے پروگرام میں کوئی تبدیلی تو نہیں ہوگی اس اشتہار سے؟"

نازش نے پوچھا۔

"نہیں۔ ہمیں اس پیر مغاں کو بھی دیکھنا ہے، بڑی اہم چیز ہے اس لیے اُس کے بارے میں نہایت محتاط ہو کر کام کرنا۔ تم حسبِ پروگرام عمل کرتے رہو۔"

"اور نارمن ٹریولرز؟"

"اُسے میں دیکھوں گی۔" میں نے جواب دیا اور نازش کے چہرے پر کسی قدر ہچکچاہٹ کے آثار نمودار ہو گئے۔ "کیوں نازش کوئی خاص بات ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"اگر آپ اجازت دیں محترمہ عالیہ تو ہم اس وقت آپ کی نگرانی کریں جب آپ اس فرم کی تلاش میں نکلیں۔" نازش نے سوال کیا اور میں پھر حیران رہ گئی۔

"تو تمہارا خیال ہے کہ میں اس کی تلاش میں پھر جاؤں گی۔"

"خیال ہی نہیں یقین بھی ہے اور یہ فطری امر ہے۔ اس وقت جب آپ وہاں گئی تھیں تب میرے خیال میں کسی حالیہ اشاعت میں کوئی اشتہار بھی نہیں تھا۔ یقیناً آپ کو کہیں سے اس اشتہار کی کوئی بھنک ملی تھی لیکن اب اس اشتہار کو دیکھ کر آپ خود کو نہیں روک سکیں گی۔"

"ٹھیک ہے نازش۔ ہم لوگوں کے درمیان ایک دوسرے سے اتنی ہی واقفیت ہونی چاہیے لیکن میرا خیال ہے ابھی میری نگرانی کی ضرورت نہیں ہے۔ ممکن ہے کوئی اہم بات معلوم ہونے کے بعد مجھے تمہاری ضرورت پیش آجائے۔"

"بہت بہتر۔" نازش نے ادب سے جواب دیا۔

"خیر یہ تو ہوئیں دوسری باتیں۔ کیا خیال ہے آج احمد اور اُس کی والدہ کو اُس فلیٹ میں شفٹ کر دیا جائے۔"

"جیسا آپ مناسب خیال فرمائیں۔"

"یا پھر یوں کرو کہ تم آج فلیٹ کی ادائیگی کر کے اس کا قبضہ لے لو۔ ایک آدھ دن کے بعد وہاں تھوڑا سا ضروری سامان پہنچا کر ان لوگوں کو وہاں شفٹ کر دیں گے۔ میرے خیال میں یونہی کر لو۔"

"بہت مناسب۔" نازش نے جواب دیا اور میں نے گردن ہلا دی۔ تھوڑی دیر تک سوچتی رہی۔ اشتہار دیکھنے کے بعد میرے ذہن میں خاصی کھچڑی پکنے لگی تھی۔ فوری طور پر اس نئے سلسلے کو بھی دیکھنا تھا حالانکہ سلطان نے جو نام بتایا تھا وہ میرے لیے بہت پُرکشش تھا اور سلطان نے جن حالات میں اس نام کی نشاندہی کی تھی اس سے کم از کم یہ اندازہ تو لگایا جا سکتا تھا کہ اس نے

جھوٹ نہ بولا ہوگا۔ اس کی ساری رگیں مجھ سے دبی ہوئی تھیں۔ میری ایک چھوٹی سی کوشش نے ہی اُسے تین لاکھ روپے کا نقصان پہنچا دیا تھا۔ اس لیے وہ یہ تو نہ چاہے گا کہ میں اس کی دروغ بیانی سے جھلا کر اسے کسی کام کا نہ چھوڑوں۔ اب یہ دوسری بات ہے کہ درپردہ وہ میری جان کا دشمن بن گیا ہو اور ممکن ہے وہ کوشش کرے کہ اس کی یہ خطرناک دشمن اب اس دنیا میں نہ رہے۔ اوہ! مجھے اس پہلو کو بھی ذہن میں رکھنا ہوگا۔ جھلایا ہوا دشمن بے حد خطرناک ہوتا ہے اور پھر سلطان پر تو میری طرف سے وار بھی ہو چکا تھا۔ بہرحال اب دو مسئلے سامنے تھے۔ اظہر رضوی اور یہ اشتہار لیکن اشتہار فوری چیز تھی۔ پہلے اس کی طرف توجہ ضروری ہے۔ اور یہ توجہ میری ذاتی ہوتی جب کہ اظہر رضوی کا کیس لمبا تھا۔ اگر اس سمت سے کامیابی حاصل ہو جائے تو بہتر بات ہے اور اگر کوئی پیچ رہ جاتی ہے تو پھر دیکھا جائے گا۔

چنانچہ میں وہاں سے اُٹھ گئی۔ نازش حسبِ معمول مجھے پارکنگ تک چھوڑنے آیا تھا۔ یہاں سے میں نے اپنے اخبار کے دفتر کا رُخ کیا۔ راستے بھر میرا ذہن خیالات میں ڈوبا رہا تھا لیکن میں نے قرب و جوار کے ماحول کو بھی نظر انداز نہیں کیا تھا۔ ان دنوں ہر لمحے ہوشیار رہنے کی ضرورت تھی۔ دفتر میں پہنچ کر میں اپنے کیبن میں چلی گئی۔ چپراسی کو بُلا کر چائے طلب کی اور چائے پیتے ہوئے اسی سلسلے میں پروگرام ترتیب دینے لگی۔ ایک رِسک ہے کیوں نہ کوشش کر دیکھی جائے لیکن اس کے لیے بھی خاصی تگ و دو کرنی ہوگی۔ کیوں نہ اس سلسلے میں صباحت صاحب سے رابطہ قائم کیا جائے۔ چنانچہ میں اپنی جگہ سے اُٹھ کر اُن کے کمرے کی طرف چل پڑی۔ صباحت صاحب سب ایڈیٹر سے گفتگو کر رہے تھے۔ انہوں نے میری اطلاع پر مجھے اندر بُلا لیا اور بیٹھ جانے کا اشارہ کیا۔ دوسروں کے سامنے ڈسپلن کا خیال رکھنا ہوتا تھا یوں بھی صباحت صاحب کی شخصیت قابلِ احترام تھی وہ بے چارے خود بھی میرے مالک ہونے کے احساس کا شکار رہتے تھے ورنہ میری طرف سے کبھی اس کا اظہار نہیں ہوا تھا۔ بہرحال سب ایڈیٹر کے جانے کے بعد وہ مسکراتے ہوئے میری طرف متوجہ ہو گئے۔

"مجھے تمہارے آنے کی اطلاع مل گئی تھی۔" انہوں نے کہا۔

"جی۔ دراصل آج کل میں جب بھی دفتر آتی ہوں کسی نہ کسی مطلب سے ہی آتی ہوں۔ اُمید ہے آپ مجھے معاف کر دیں گے؟" میں نے بھی مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"چلو ٹھیک ہے معاف کر دیا۔ اب مطلب بیان کرو۔" صباحت صاحب بولے۔

"کسی غریب سے محلے میں ایک مکان درکار ہے۔"

"اوہ۔ کیا فلیٹ میں رہتے رہتے دل بھر گیا؟"

"جی ہاں یہی بات ہے۔"

"لیکن یہ غریبوں پر نظرِ کرم کیوں ہو رہی ہے؟"

"اس لیے کہ اچانک میں بھی غریب ہو گئی ہوں۔ میری ایک بیوہ ماں ہے اور میں ہوں۔ ملازمت کی تلاش میں سرگرداں ہوں۔ دیکھیے ممکن ہے کوئی اچھی نوکری مل ہی جائے۔"

"خوب۔ خوب۔ لیکن کیا بیوہ ماں کا بندوبست بھی کرنا ہوگا؟" صباحت صاحب نے پوچھا۔

"جی نہیں اس کا انتظام ہے۔ ایک اصلی بیوہ میرے پاس موجود ہے اُسی سے کام چلاؤں گی۔"

"وہ کون خاتون ہیں؟"

"مس میری۔"

"کوئی لمبا ہی پروگرام ہے۔ خیر یہ تو بتاؤ اگر کسی غریب سے محلے کے بجائے کسی درمیانے طبقے کی بلڈنگ میں کوئی دو کمروں کا فلیٹ مل جائے تو؟" صباحت صاحب نے پوچھا۔

"چلے گا۔" میں نے جواب دیا۔

"یہ چابی قبول فرمائیے۔" صباحت صاحب نے میز کی دراز سے ایک چابی نکال کر میرے سامنے رکھتے ہوئے کہا اور میں حیران ہو کر اُن کی شکل دیکھنے لگی۔

"اینجل روڈ پر فاروق سینٹر کے فلیٹ نمبر بارہ کی چابی ہے۔ یہ فلیٹ پہلی منزل پر ہے اور تین ماہ سے خالی پڑا ہے۔ قریب قریب کے تقریباً تمام فلیٹ خالی ہیں بس دو تین فلیٹ ہی آباد ہیں۔"

"فلیٹ کس کا ہے؟"

"اس خادم کا۔" صباحت صاحب نے گردن جھکا کر کہا۔

"بہت خوب۔ اندر کچھ موجود ہے؟"

"ایک بیڈ، ایک میز، پنکھے لگے ہوئے ہیں۔ ڈرائنگ روم میں ایک سستا سا صوفہ سیٹ پڑا ہے جس کے درمیان سینٹر ٹیبل بھی ہے اور بس! ہاں کچن میں گیس کا چولہا لگا ہوا ہے جس کا ایک برنر خراب ہے۔ باقی سامان مہیا کرنا ہوگا۔"

"میں اتنی غریب ہوں جناب کہ باقی سامان بھی مہیا نہیں کر سکتی۔ اس لیے اس کی زحمت بھی آپ کو ہی کرنا ہوگی۔ بس کچن کا معمولی سامان۔ کچھ برتن وغیرہ لیکن اس کے لیے کسی کو روانہ کر دیں تاکہ میں آج ہی شام تک وہاں پہنچ جاؤں۔"

"ٹھیک ہے میں ناظر کو روانہ کیے دیتا ہوں۔ بر تن بھی اسی سامان کے مطابق ہونے چاہئیں نا؟" صباحت صاحب نے پوچھا

"جی ہاں۔"

"بہتر۔ انتظام ہو جائے گا ویسے تین ماہ سے خالی پڑا ہے اس سے قبل جو صاحب وہاں مقیم تھے اچانک اُن کی کوئی لاٹری نکل آئی۔ سات ماہ کا کرایہ تھا اُن پر، جس کے بدلے وہ مختصر سا سامان چھوڑ کر چابی پڑوس میں دے کر چلے گئے اور یہ چابی چند روز کے بعد میرے پاس پہنچ گئی۔"

"بڑی غم ناک داستان ہے۔ مجھے بے حد افسوس ہوا۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا اور صباحت صاحب بھی ہنسنے لگے پھر بولے۔ "ویسے یہ سلسلہ کیا ہے؟ اس بارے میں کچھ معلوم ہو سکے گا؟"

"وہی چرخہ چل رہا ہے ابھی تک صباحت صاحب!" میں نے طویل سانس لے کر جواب دیا۔

"امینہ والا...؟"

"جی ہاں۔"

"میں تمہاری کامیابی کے لیے دعا گو ہوں عالیہ۔ یہ کام دوسرے لوگوں کا ہے لیکن تم جس عزم اور مستقل مزاجی کے ساتھ اس میں ڈٹی ہوئی ہو وہ قابلِ تحسین ہے۔" صباحت صاحب نے کہا۔

"صباحت صاحب۔ اس سلسلے میں، میں اپنا جائزہ بھی لے رہی ہوں۔ دو ہی باتیں ہیں۔ یا تو میں اپنی کارکردگی کے بارے میں غلط فہمیوں کا شکار ہوں اور خود پر ضرورت سے زیادہ اعتماد کر بیٹھی ہوں یا اس گھناؤنے جرم کے پس پردہ کوئی ایسی شخصیت ہے جو ذہانت کی اعلا مثال رکھتی ہے اور نہ صرف میں بلکہ بڑے بڑے لوگ اس کی تلاش میں ناکام رہے ہیں۔"

"ممکن ہے ایسی ہی بات ہو۔"

"تو پھر آپ اپنا کام کریں۔ میں کس وقت وہاں پہنچ جاؤں؟"

"کہیں جا رہی ہو؟"

"ہاں واپس فلیٹ۔ مس میری سے... اس بارے میں ابھی کوئی گفتگو نہیں کی ہے انہیں بھی تیار کرنا ہے۔"

"ٹھیک ہے، میں تمہیں فون کر دوں گا۔"

"میں آپ کے فون کا انتظار کروں گی۔" میں نے کہا اور صباحت صاحب کے پاس سے اٹھ گئی۔ اس کے بعد دفتر میں آنے کی ضرورت نہیں تھی چنانچہ میں واپس فلیٹ چل پڑی۔ میرا ذہن بدستور ان تانوں بانوں میں اُلجھا ہوا تھا اور میں کسی قدر سنسنی محسوس کر رہی تھی۔ میرا دل کہہ رہا تھا کہ میری جہدِ مسلسل اب بار آور ہونے والی ہے

مجرم کسی نہ کسی طور بے نقاب ہو جائے گا اب یہ دوسری بات ہے کہ ابھی ایک طویل جدوجہد باقی ہے۔ مس میری نے دروازہ کھول دیا اور میں تھکے تھکے انداز میں چلتی ہوئی اپنے کمرے میں داخل ہو گئی۔ "چائے وغیرہ بناؤں عالیہ بی بی؟" مس میری نے اندر آکر پوچھا۔

"نہیں۔ پی چکی ہوں۔ ہاں مس میری آپ سے کچھ اور کام ہے۔ آپ باورچی خانے میں مصروف تو نہیں ہیں؟"

"نہیں۔ کہو۔ کیا بات ہے؟"

"بیٹھ جایئے۔" میں نے کہا اور مس میری بیٹھ گئیں۔ وہ سوالیہ نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھیں۔ "ہمیں کچھ عرصے کے لیے اپنی سطح سے ذرا گر کر زندگی گزارنی ہو گی کیا آپ میرا ساتھ دے سکتی ہیں؟"

"مجھ سے کوئی سوال نہ کیا کرو۔ کیا کرنا ہو گا؟" مس میری نے حسبِ معمول پُرمحبت لہجے میں کہا۔

"شکریہ مس میری آپ جانتی ہیں میں صرف اخباری رپورٹنگ تک ہی محدود نہیں رہتی۔ کچھ دوسری ذمے داریاں بھی میں نے قبول کی ہوئی ہیں جنہیں آپ سرکاری ذمے داریاں کہہ سکتی ہیں۔"

"میں نے کبھی تمہاری ذاتیات میں مداخلت کی کوشش نہیں کی۔" مس میری بولی۔

"کیا کریں مجھے اعتراض نہیں ہو گا۔ بہرحال صورتِ حال یہ ہے کہ ہمیں آج ہی ایک فلیٹ میں عارضی طور پر منتقل ہونا ہے۔ جہاں ہم افلاس زدہ لوگوں کی مانند زندگی گزاریں گے۔ میں ایک ملازمت پیشہ لڑکی ہوں جو تقریباً چھ ماہ سے بیکار ہے اور دن رات نوکری کی تلاش میں سرگرداں رہتی ہے آپ میری وجہ سے سخت پریشان ہیں اگر کسی سے گفتگو ہو تو آپ انہیں خیالات کے دائرے میں رہیں گی۔"

"اوہ ٹھیک ہے لیکن اس کی ضرورت کیوں پیش آگئی؟"

"ایک سرکاری کام کے سلسلے میں۔ میں ایک ملازمت کے حصول کی کوشش کر رہی ہوں ممکن ہے اس بارے میں کوئی آپ سے ملاقات کرے۔"

"میں تمہاری کون ہوں؟"

"ماں، اور ہاں آپ بیوہ ہیں۔ طویل عرصہ ہوا جب آپ کے شوہر کا انتقال ہو گیا تھا۔ میں اس وقت صرف تین سال کی تھی۔"

"کنک کیا فضول بات ہے۔" مس میری نے کھسیانے ہوئے انداز میں کہا۔

"اُف۔ آپ سرکاری بیوہ ہیں۔ سرکاری بیواؤں کے لیے ضروری نہیں ہوتا کہ وہ شادی شدہ ہوں۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا اور مس میری بھی شرمندہ سے انداز میں ہنسنے لگیں۔

"اب براہِ کرم آپ میرے ایسے پرانے اور تقریباً ناکارہ کپڑے اکٹھے کر لیں جو ہم جیسے غریب لوگ استعمال کر سکتے ہیں۔ ہمیں کسی بھی وقت یہاں سے چل دینا ہے۔"

"ٹھیک ہے اس دوران فلیٹ بند رہے گا؟"

"ظاہر ہے۔" میں نے جواب دیا اور مس میری گردن ہلاتی ہوئی باہر نکل گئیں۔

شام کے تین بجے صباحت صاحب نے فون کر کے بتایا کہ سارے انتظامات مکمل ہو گئے ہیں فلیٹ کی صفائی ہو گئی ہے اور سامان بھی پہنچ گیا ہے۔ فلیٹ کا دروازہ کھلا ہوا ہے اور وہاں پر ناظر موجود ہے۔ "تم کس وقت وہاں پہنچو گی عالیہ؟" صباحت صاحب نے سوال کیا۔

"بس آدھے گھنٹے کے اندر اندر۔" میں نے جواب دیا۔

"ویسے اس دوران آپ کا آفس آنا تو مشکل ہو گا؟"

"ہاں صباحت صاحب۔ مشکل کیا ناممکن ہے۔"

"مجھے اگر رابطہ قائم کرنا ہو تو؟"

"کوئی مسئلہ نہیں ہے آپ لوگ وہاں سے دور ہی رہیں گے ویسے جب کے کسی نہ کسی حصے میں، میں خود آپ کو فون کر کے حالات معلوم کر لوں گی۔"

"ٹھیک ہے پھر خدا حافظ۔" صباحت صاحب نے کہا اور میں نے انہیں خدا حافظ کہہ کر فون بند کر دیا پھر میں اُٹھ کر مس میری کے پاس پہنچ گئی اور تھوڑی دیر کے بعد ہم ماں بیٹی ایشل روڈ جا رہے تھے۔

معمولی سی عمارت تھی۔ دو کمروں کا فلیٹ جس میں تیسرا کمرہ درمیانی حصہ تھا جہاں... داخلی دروازہ تھا۔ دیواریں رنگ و روغن سے بے نیاز تھیں۔ کئی کھڑکیوں کے شیشے ٹوٹے ہوئے تھے بالکونی سے سڑک نظر آتی تھی لیکن بے رونق سی سڑک تھی اور یہاں اکا دکا ہی افراد نظر آتے تھے۔ نیچے چند معمولی سی دکانیں تھیں جن میں ضرورت کا سامان دستیاب ہو سکتا تھا۔ یہ تھی ہماری نئی رہائش گاہ۔ زیادہ تر فلیٹ خالی پڑے تھے بس چند ایسے تھے جن کی بالکونی میں الگنیوں پر کپڑے خشک ہوتے نظر آ رہے تھے انہیں کپڑوں سے ان فلیٹوں کی آبادی کا پتہ چلتا تھا۔

ابھی میں اور مس میری زمانے کی نیرنگیوں پر غور ہی کر رہی تھیں کہ دروازے پر دستک ہوئی اور ہم دونوں چونک پڑیں۔

دروازہ میں نے خود کھولا تھا۔ ایک خاتون بچے کو گود میں لیے کھڑی تھیں۔ میں نے حلیے سے اندازہ لگا لیا کہ پڑوسی ہیں۔ میں نے انہیں سلام کیا تو مسکراتی ہوئی اندر آگئیں۔

"میں نے سوچا کہ نئے پڑوسیوں سے مل آؤں۔ اوپر کی منزل میں رہتی ہوں نمبر تین میں۔"

"بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر تشریف رکھیے۔" میں نے دل ہی دل میں مسکراتے ہوئے کہا اور خاتون کو لے کر ڈرائنگ روم میں آگئی۔

"آپ لوگوں سے قبل یہاں مسعود صاحب رہتے تھے۔ اچھے آدمی نہیں تھے ہمارا اُن سے میل جول نہیں تھا۔"

"بڑا افسوس ہوا۔" میں نے جواب دیا اور وہ چونک کر مجھے دیکھنے لگیں۔

"اجی افسوس کی کیا بات ہے خس کم جہاں پاک۔ وہ بھی کوئی آدمی تھے۔"

"یہ بھی ٹھیک ہے۔" میں بولی۔

"آپ دونوں ماں بیٹی ہیں؟"

"جی ہاں۔"

"اور کون کون ہیں آپ کے ساتھ؟" خاتون نے پوچھا اس دوران اُن کا بچہ پیں پیں کرتا رہا تھا جسے وہ ہلا ہلا کر چُپ کرانے کی کوشش بھی کرتی جا رہی تھیں۔

"کوئی نہیں میرے والد صاحب بہت عرصہ پہلے اس دنیا کو چھوڑ کر جا چکے ہیں اُس وقت سے بس ہم دونوں ماں بیٹی زندگی کا بوجھ گھسیٹ رہی ہیں۔" میں نے اُن کی بات کا جواب دیا۔

"ہائے ہائے۔ کوئی بھائی بھی نہیں ہے؟ یا کوئی ایسا رشتے دار جو تم لوگوں کی خبر گیری کرے؟" خاتون نے ہمدردی سے کہا۔

"کوئی نہیں ہے۔"

"تم نوکری کرتی ہو بی بی؟"

"کرتی تھی آج کل بیکار ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

"ہائے پھول جیسی بچی کیسے مصائب کا شکار ہے تمہارا نام کیا ہے بی بی؟"

"شمسہ۔" میں نے جواب دیا۔

"کتنا پڑھا ہے؟"

"بی۔ اے کیا ہے۔" میں نے صبر و سکون سے کہا حالانکہ مس میری کا پارہ چڑھنا شروع ہو گیا تھا لیکن میں جانتی تھی

کہ زندگی کون کون سے مسائل سے دوچار ہوتی ہے۔ خاتون کے خلوص میں کوئی شک نہیں تھا۔ وہ ایک اچھے انسان کا فرض ادا کر رہی تھیں۔

"تو کہیں نوکری تلاش کر رہی ہو؟"

"جی ہاں۔"

"میں نومی کے ابا سے کہوں گی تمہارے بارے میں۔ ایک فیکٹری میں کام کرتے ہیں۔ جو ٹشو پیپر بناتی ہے۔ وہاں کوئی جگہ ہوئی تو..."

"جی بہتر ہے۔" میں نے کہا۔

"اچھا اب میں چلتی ہوں پھر آؤں گی۔ ہاں کسی چیز کی ضرورت ہو تو بے تکلفی سے اوپر آجانا۔"

"جی بہتر ہے۔" میں نے اسی انداز میں جواب دیا اور پھر نومی کی امی کو چھوڑنے دروازے تک آئی۔ ان کے جانے کے بعد میں نے دروازہ بند کر دیا۔

"ان لوگوں کو بڑی فرصت ہوتی ہے۔" مس میری نے گہری سانس لے کر کہا اور میں مسکرانے لگی۔

"یہ بات نہیں ہے مس میری۔ دکھے ہوئے لوگ زیادہ ہمدرد ہوتے ہیں۔ زندگی کا یہ رخ بھی دیکھیے۔ اچھا آیئے ہم ضروری چیزیں درست کر لیں۔" میں نے کہا اور مس میری کے ساتھ کچن کی طرف بڑھ گئی۔

نئے گھر میں پہلی رات خاصی تکلیف دہ تھی۔ میں تو ٹھیک سے سو بھی نہیں سکی۔ بہر حال دوسری صبح میں نے ناشتہ کیا اور پھر جانے کے لیے تیار ہو گئی۔

"کب تک واپسی ہو گی عالیہ بی بی۔ میں تو بڑی پریشانی محسوس کر رہی ہوں۔" مس میری نے کہا۔

"دوپہر کا کھانا گھر آکر کھاؤں گی۔ جو کچھ بھی بن سکے آپ ضرور کر لیں۔" میں نے جواب دیا اور مس میری نے گردن ہلا دی۔ میں باہر نکل آئی اور سیڑھیاں طے کر کے سڑک پر آگئی۔ میرے بدن پر درمیانے درجے کا لباس تھا۔ سادہ اور صاف ستھرا لباس۔ اس کے علاوہ ایک پرس بھی تھا جو اسی قسم کا تھا جس طرح کا میرے طبقے کی لڑکیاں رکھ سکتی ہیں۔ یعنی اس طبقے کی لڑکیاں جس کی میں نمائندگی کر رہی تھی۔ ایک دقت جو اس وقت پیش آئی وہ یہ تھی کہ مجھے یہاں کی بسوں وغیرہ کے بارے میں نہیں معلوم تھا۔ بہر حال میں نے ایک آٹو رکشا روکا جو کسی سواری کو اتارنے کے بعد واپس جا رہا تھا اور اس میں بیٹھ کر مطلوبہ جگہ چل پڑی۔ میرے ذہن میں بدستور ان واقعات کا غبار تھا اور میں

آنے والے واقعات کے لیے خود کو تیار کر رہی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد میں مطلوبہ جگہ پہنچ کر اتر گئی۔ اور پھر پرس کھول کر میں نے ڈرائیور کو بل کی رقم ادا کی۔ درمیانے درجے کی لڑکیوں کی جو ذہنی پہنچ ہو سکتی ہے میں اس وقت اسی کا اظہار کر رہی تھی گو ابھی تک یقیناً کوئی میری طرف متوجہ نہیں ہوا ہوگا لیکن میں یہی محسوس کر رہی تھی جیسے ہزار آنکھیں مجھے دیکھ رہی ہوں اور اس وقت یہی احساس میرے لیے سود مند تھا۔ بالآخر میں اسی عمارت میں داخل ہو گئی۔ جس میں پہلے بھی ایک بار تحقیقات کے سلسلے میں آچکی تھی اور ریسپشن پر وہی جانی پہچانی صورت مجھے نظر آئی۔ میں دل ہی دل میں ہنس پڑی۔ دو لڑکیاں ریسپشن پر کھڑی ریسپشنسٹ سے گفتگو کر رہی تھیں۔ ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی پھر وہ واپسی کے لیے مڑیں اور میں ریسپشنسٹ کے پاس پہنچ گئی۔ میرے عقب میں بھی کچھ لوگ موجود تھے لیکن میں نے ان کی جانب توجہ نہیں دی۔ مجھے وہاں کھڑا دیکھ کر ریسپشنسٹ چونکا اور پھر اس نے غصیلے انداز میں کہا۔ "بولو۔ تم بھی بولو۔"

"وہ جناب..." میں نے ہچکچاتے ہوئے انداز میں کہا۔

"ہاں۔ ہاں بولو نارمن ٹریولرز۔ بول دو نا۔ نارمن ٹریولرز" ریسپشنسٹ نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں۔ جی ہاں۔ مجھے وہیں جانا ہے۔" میں نے گردن ہلاتے ہوئے کہا اور ریسپشنسٹ نے نیچے جھک کر اپنا جوتا اتار لیا پھر اسے کاؤنٹر پر پٹختے ہوئے بولا۔

"بی بی۔ میری بہن۔ میری بیٹی خدا کے لیے یہ جوتا اٹھا کر میرے سر پر دس بیس مار دو۔ بیس بیس مار دو۔ تمہیں خدا کا واسطہ۔ مار دو۔ مار دو۔ میرا دماغ ٹھیک ہو جائے گا۔ مار دو بی بی۔ ہو تو جمعدار دو۔ ایسے یہ سالا نارمن ٹریولرز اپنی جان لے گا یا نوکری۔ اپن کو معلوم ہو جائے کہ یہ کون ہے تو اپن ماں کسم بس پر بم باری کرا دے کسی پولیس والے سے؟"

"بم باری۔ پولیس والے سے؟" میں نے حیرانی سے کہا۔ میرے سینے میں لاتعداد قہقہے مچل رہے تھے لیکن میں نے خود کو سنبھالے رکھا۔

"ارے اپن پاگل ہو گیا ہے سالا۔ ایسے تمہارے کو کہیں تو رزق موت نہیں ملتا۔ باہر حیدر جائیں گا۔ ماں باپ کا عبث جنون میں گا۔ ارے جاؤ۔ خدا کا واسطہ گھر جاؤ۔ کدھر اور نوکری کرو۔ یہ سب سالا فراڈ لوگ ہے۔ جھوٹا اشتہار دے کر لڑکی لوگ سے مسخری کرتا پڑا ہے۔ جاؤ بی بی تمہیں خدا کا واسطہ گھر جاؤ۔" ریسپشنسٹ نے دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیا۔

"خواتین سے اس طرح گفتگو کی جاتی ہے مسٹر۔ تہذیب اور آداب بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔ آپ ریسپشنسٹ ہیں یا گھسیارے؟" عقب سے ایک کرخت آواز ابھری اور ریسپشنسٹ نے آگ بگولا ہو کر اس شخص کی طرف دیکھا اور میری گردن بھی گھوم گئی۔ ایک بھاری بھرکم شخص سوٹ پہنے ہوئے کھڑا تھا۔

"جوتا رکھا ہوا ہے صاحب اور یہ سر حاضر ہے۔ دس مار دو جان سے اُف نہیں بولیں گا۔ پر اپن سے نارمن ٹریولرز کے بارے میں مت پوچھو۔"

"خاتون آپ کو کہاں جانا ہے؟" اس شخص نے بڑی شرافت سے پوچھا۔

"جی۔ وہ کل کے اخبار میں ایک اشتہار تھا نارمن ٹریولرز کا۔" میں نے کسی قدر گھبراہٹ کا مظاہرہ کیا۔

"اچھا پھر؟" اس نے پوچھا۔

"میں اسی سلسلے میں آئی تھی۔"

"پھر آپ وہاں پہنچی نہیں؟" معمر شخص نے کہا۔

"ان کا کہنا ہے کہ اس عمارت میں وہ فرم نہیں ہے۔" میں نے ریسپشنسٹ کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"پتہ نہیں کا ہے؟ میرا مطلب ہے اسی عمارت کا؟ براہ کرم ذرا اخبار دکھائیں۔" معمر شخص نے کہا۔

"جی۔ وہ اخبار۔ اخبار تو میرے پاس نہیں ہے۔" میں نے گھبرائے ہوئے انداز میں کہا۔

"میرے پاس ہے بھائی صاحب میرے پاس ہے۔ یہ دیکھو یہ ہے پتہ۔ تلاش کر لو اس پوری بلڈنگ میں یہ کمپنی..." ریسپشنسٹ نے اخبار نکال کر اس شخص کے سامنے رکھ دیا اور وہ جھک کر پتہ دیکھنے لگا پھر اس نے گہری سانس لی اور گردن ہلا کر بولا۔

"حوالہ تو اسی عمارت کا ہے۔ ممکن ہے پتہ غلط چھپ گیا ہو"

"ہمیشہ غلط چھپتا ہے کیا۔ ارے بابا یہ سالا کوئی جان بوجھ کر مسخری کرتا ہے ہر مہینے دو مہینے کے بعد یہی اشتہار چھپتا ہے صاحب اور ہماری جندگی حرام ہو جاتی ہے۔" ریسپشنسٹ مظلومیت سے بولا۔

"یہ تو بڑی کمینگی کی بات ہے لیکن تعجب نہیں کیا جا سکتا اس دور میں لوگ دوسروں کو بلا وجہ پریشان کرنے کو بھی تفریح قرار دیتے ہیں اور اس تفریح پر اچھی خاصی رقم بھی خرچ کر دی جاتی ہے۔ خدا انہیں نیک ہدایت دے۔ جایئے بی بی آپ صبح ہی صبح پریشان ہوئیں۔ خدا ان لوگوں سے سمجھے گا۔" معمر شخص نے کہا اور

باہر جانے والے راستے کی طرف چل پڑا۔

میں نے پریشان نگاہوں سے چاروں طرف دیکھا اور پھر اداس چہرہ لیے ہوئے آہستہ آہستہ باہر چل پڑی۔ اس وقت میں کسی مایوس اور پریشان حال لڑکی کی کیفیت کا اظہار کر رہی تھی۔ اشتہار بے مقصد نہیں ہو گا مجھے یقین تھا۔ اس لیے میں پوری کوشش کر لینا چاہتی تھی۔ عمارت سے باہر نکل کر چند قدم ہی چلی تھی کہ ایک کرولا کار میرے نزدیک آکر رکی۔ ڈرائیونگ سیٹ پر وہی شخص موجود تھا۔ میں نے چونک کر اسے دیکھا اور وہ نرم لہجے میں بولا۔ "حالانکہ یہ ایک غیر مناسب حرکت ہے بی بی۔ مجھے اس طرح یہاں نہیں رکنا چاہیے تھا لیکن بس تمہاری مایوسی دیکھ کر میرے دل میں تمہارے لیے ہمدردی کا جذبہ ابھر آیا ہے۔ میں تمہیں اس وقت بھی کار میں بیٹھ جانے کی پیش کش کر سکتا تھا لیکن میں تمہارے لیے اجنبی ہوں اور پھر اس طرح کار میں بیٹھ جانے والی لڑکیوں کو اچھی نگاہ سے بھی نہیں دیکھا جاتا۔ اس لیے اگر تم چاہو تو اس پتے پر آجانا۔ میں تمہارے لیے کچھ بندوبست کر دوں گا۔" اس نے جیب سے ایک خوبصورت کارڈ نکال کر میری طرف بڑھا دیا۔ میں نے کارڈ سنبھال لیا تھا۔

"میں کب آجاؤں جناب؟" میں نے پوچھا۔

"اس وقت بھی میں دفتر ہی جا رہا ہوں۔ تم چاہو تو ابھی آجاؤ۔ ورنہ جس وقت بھی تم مناسب سمجھو میں دس بجے سے ایک بجے تک اس پتے پر ملتا ہوں۔"

"جی میں ابھی پہنچ رہی ہوں۔" میں نے کہا۔

"آجاؤ۔ خدا حافظ۔" اس نے کہا اور کار آگے بڑھا دی۔ بظاہر میں ایک معصوم اور سادہ لوح لڑکی کی مانند سارے

کام کر رہی تھی لیکن اُس وقت میرا دل بُری طرح اُچھل رہا تھا۔ میرا خیال تھا کہ میں نے بہت بڑا کام کر لیا ہے۔ کار میری نگاہوں سے اوجھل ہو چکی تھی اور میں نہایت محتاط انداز میں چل رہی تھی عمارت سے کافی دور نکل آنے کے بعد میں نے کارڈ پر نگاہ دوڑائی لکھا تھا۔

بشیر احمد جلالی۔ ایڈونگ لمیٹڈ

جونیئر ہاؤس بلڈنگ۔ نمبر ۲۷۔

جونیئر ہاؤس بلڈنگ شہر کے وسطی علاقے میں دفاتر کے ایک اہم مرکز میں تھی۔ میں نے ایک آٹو رکشا روکا اور اُس میں بیٹھ کر چل پڑی۔ تھوڑی دیر کے بعد میں جونیئر ہاؤس بلڈنگ کے سامنے پہنچ گئی۔ ۲۷ نمبر کے بارے میں معلوم کرنے سے پتہ چلا کہ وہ پانچویں منزل پر ہے۔ لفٹ نے مجھے پانچویں منزل پر اُتار دیا اور میں بالآخر پیتل کی وہ پلیٹ تلاش کر لی جس پر ایڈونگ لمیٹڈ لکھا ہوا تھا۔ دروازہ کھول کر میں اندر داخل ہو گئی۔ بڑے سے ہال میں بہت سی میزیں لگی ہوئی تھیں جن پر لوگ کام کر رہے تھے۔ میں سامنے سب سے پہلے نظر آنے والے شخص کے پاس پہنچ گئی۔

"بشیر احمد جلالی صاحب سے ملنا چاہتی ہوں" میں نے کہا۔

"صاحب ابھی آئے ہیں کیا آپ سے ان کا اپائنٹمنٹ ہے؟" درمیانی عمر کے شخص نے پوچھا۔

"جی ہاں۔ یہ اُن کا کارڈ ہے میرے پاس۔"

"براہِ کرم آپ تشریف رکھیے۔ میں چپراسی کو بلا کر اطلاع بھجوائے دیتا ہوں۔ کیا نام ہے آپ کا؟" اُس نے پوچھا۔

"شمسہ" میں نے جواب دیا اور اُس نے چپراسی کو اشارے سے نزدیک بلایا۔ ایک خوبصورت کیبن کے دروازے پر کھڑا ہوا چپراسی نزدیک آ گیا۔

"صاحب تنہا ہیں؟"

"جی ہاں۔"

"یہ خاتون اُن سے ملنا چاہتی ہیں شمسہ نام ہے۔ جاؤ صاحب کو بتا دو۔" اُس نے کہا اور چپراسی گردن ہلا کر چلا گیا۔

"یہ فرم کیا کرتی ہے؟"

"امپورٹ ایکسپورٹ" معمر شخص نے جواب دیا۔

"جلالی صاحب اس کے۔۔۔؟"

"مینجر ہیں۔" اُس نے میرا سوال سمجھ کر جواب دیا۔

"اوہ اچھا" میں نے گردن ہلائی۔ اُسی وقت چپراسی واپس آیا اور اُس نے مجھے اندر چلنے کا اشارہ کیا چنانچہ میں اس کیبن میں داخل ہو گئی۔ بڑا خوبصورت دفتر تھا۔ ایک وسیع میز۔۔۔ کے گرد جلالی بیٹھا ہوا تھا۔ اُس نے گردن کے اشارے سے مجھے سامنے والی کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور میں بیٹھ گئی۔

"شمسہ ہے تمہارا نام؟"

"جی۔"

"تعلیم کتنی ہے؟"

"بی۔ اے کر چکی ہوں۔"

"کہاں رہتی ہو؟"

"جی اینگل روڈ پر فاروق سینٹر فلیٹ نمبر ۱۲۔"

"کون کون ہے تمہارے ساتھ؟"

"ماں کے علاوہ کوئی نہیں ہے۔"

"اس سے پہلے کیا کرتی تھیں؟"

"ٹیوشن پڑھاتی تھی بچوں کو۔ لیکن اب۔۔۔"

"خیر خیر۔۔۔ باہر جانے کا خیال دل میں کیوں آیا؟"

"کوئی بہتر ملازمت کرنے کی خواہش مند ہوں۔ اس ملک میں کوئی مستقبل نہیں ہے۔"

"میں تمہارے لیے کیا کر سکتا ہوں؟ اگر تم چاہو تو میں تمہیں اس فرم میں بھی کوئی ملازمت دے سکتا ہوں لیکن اگر تم باہر ہی جانا چاہو تو میں یہ بھی کر سکتا ہوں۔"

"اگر آپ مجھے باہر بھجوا دیں جناب۔ تو میں زندگی بھر آپ کو دعائیں دوں گی۔" میں نے عاجزی سے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ مشرقِ وسطیٰ میں میرے ایک دوست کی فرم ہے۔ میں تمہیں وہاں بھیج سکتا ہوں۔ پاسپورٹ ہے تمہارے پاس؟"

"جی۔ جی نہیں۔"

"ٹھیک ہے پھر یوں کرو۔ اپنی چھ تصویریں اور ملازمت کی ایک درخواست کل تک میرے پاس پہنچا دو۔ میں تمہارا کام کر دوں گا۔"

"تا زندگی احسان مند رہوں گی جناب۔ بڑی عنایت کی ہے آپ نے۔" میں نے شکر گزاری سے کہا اور اُس نے گردن ہلا دی پھر میں اس کے پاس سے اجازت لے کر اُٹھ آئی اور اب میں نے واپس اپنے نئے ٹھکانے کا رُخ کیا تھا۔ آٹو نے مجھے اینگل روڈ چھوڑ دیا اور میں فلیٹ میں پہنچ گئی۔ مس میری خاصی بیزار بیزار نظر آتی تھی۔ میں نے اُس سے کھانے کی فرمائش کی اور وہ کچن میں چلی گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد اُس

نے کھانا ٹین کی ایک ٹرے میں لا کر میرے سامنے رکھ دیا۔ گوشت ہی پکایا تھا مس میری نے۔ میں نے مسکراتے ہوئے اُسے دیکھا۔ "یہ گوشت کہاں سے حاصل ہوا؟"

"مجید لایا ہے۔" مس میری نے کہا اور بے اختیار مسکرا پڑی گو اس مسکراہٹ میں بھی جھلاہٹ تھی۔

"کون مجید؟"

"یہ تو میں بھی نہیں جانتی لیکن ان فلیٹوں میں رہنا جان جوکھوں کی بات ہے۔ بڑی فرصت ہے یہاں کے لوگوں کو یقین کرو عالیہ میرے تو سر میں درد ہونے لگا ہے۔" مس میری نے گہری گہری سانسیں لیتے ہوئے کہا۔

"خوب۔ اس کا مطلب ہے کہ آپ کو بھی خاصے دلچسپ حالات سے دوچار رہنا پڑا ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"دلچسپ؟" مس میری نے غراتے ہوئے کہا۔ "فکر مت کرو ابھی شام دور پڑی ہے تمہیں بھی ان دلچسپیوں سے دوچار ہونا پڑے گا۔" مجھے اُن کے انداز پر ہنسی آ گئی اور میں نے ہنستے ہوئے پوچھا۔ "ہوا کیا مس میری۔ ذرا میں بھی تو سنوں؟"

"بقول اُن کے تومی کی امی تمہارے جانے کے دس منٹ کے بعد آ گئیں۔ اُن کے میاں یہی لفظ کہا تھا انہوں نے، نوکری پر چلے گئے تھے اور وہ فارغ ہو کر ہمیں فارغ کرنے آئی تھیں، خدا کی پناہ اتنی بکواس کرتی ہے یہ عورت کہ اُس کا ریکارڈ توڑنا مشکل ہے۔ اُس نے تمہارے لیے شوہر کا بندوبست بھی کر دیا ہے اُس کی نند کا کوئی دیور ہے۔ الیکٹرک کا کام کرتا ہے اور میٹرک پاس بھی ہے۔ بس اُس سے اچھا شوہر تمہیں دوسرا نہیں مل سکتا۔ کیا خیال ہے؟"

"ویری گڈ مس میری۔ آپ نے تو واقعی محنت کی ہے۔۔۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"اتنے میں پھر مجید کی ماں آ گئی۔ یہ تیسری منزل پر رہتی ہے اور تمہیں شام کی چائے کی دعوت دے گئی ہے۔"

"بہت خوب۔ بہت خوب۔ آپ نے قبول کر لی؟"

"کیوں نہ کرتی۔ میں اکیلی بے وقوف نہیں بنوں گی اور پھر اُس نے احسان بھی کیا ہے یعنی مجید سے مجھے گوشت منگوا کر دیا ہے۔"

"آپ کو اس تبدیل شدہ زندگی میں کوئی دلچسپی نہیں محسوس ہوئی مس میری؟" میں نے پوچھا۔

"میں ان معاملات میں بد ذوق ہوں۔ سوری۔" مس میری نے شانے ہلاتے ہوئے کہا۔

کھانے سے فارغ ہو کر میں نے مس میری کو آج کے حالات کی روشنی میں ہدایات دیں اور پھر دوبارہ تیار ہونے لگی۔

"پھر جا رہی ہو؟"

"ہاں۔ کچھ اور مصروفیات ہیں۔"

"اور وہ شام کی چائے کا کیا ہوگا؟"

"میں اُس وقت تک واپس آ جاؤں گی۔" میں نے جواب دیا اور فلیٹ سے باہر نکل آئی۔ ایک بار پھر میں نے ایک طویل سفر کیا اور پھر ایک بس میں بیٹھ کر ایک بھری پڑی جگہ آ گئی۔ پھر ایک کال بوتھ تلاش کر کے میں بوتھ میں داخل ہو گئی یہاں سے میں نے حسبِ وعدہ پہلے صباحت صاحب کو رنگ کیا اور دوسری طرف سے رابطہ قائم ہو گیا۔

"کیسی گزری عالیہ میں تو بے چینی سے تمہارے فون کا منتظر تھا۔"

"بہت اچھی صباحت صاحب اور جس مقصد کے لیے میں یہاں آئی تھی اُس میں بھی مجھے کسی قدر کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ آپ اپنی سنایے میں نے حسبِ وعدہ فون کیا ہے۔"

"بس یہاں بھی سب ٹھیک ٹھاک ہے۔ کوئی خاص بات نہیں ہے۔" صباحت صاحب نے کہا اور رسمی سی گفتگو کے بعد میں نے فون بند کر دیا۔ اس کے بعد میں نے اپارٹمنٹ تھری کے نمبر ڈائل کیے اور ریسیور کان سے لگا لیا۔ دوسری طرف سے ڈولی کی آواز سنائی دی تھی۔ میری آواز سن کر وہ مؤدب ہو گئی۔

"نازش یا شیرازی میں سے کوئی موجود نہیں ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"جی نہیں۔ دونوں نہیں ہیں۔"

"اور کون کون ہے؟"

"اس وقت میرے علاوہ اور کوئی نہیں ہے عالیہ صاحبہ۔"

"اچھا ٹھیک ہے کل کسی وقت فون کروں گی۔ ان لوگوں کو اس فون کے بارے میں بتا دینا۔"

"جی بہتر۔" ڈولی نے جواب دیا اور میں نے اس وقت فلیٹ ہی واپسی مناسب سمجھی۔ شام پانچ بجے اوپری منزل سے بلاوا آ گیا۔ بہرحال ان مسائل سے بھی نمٹنا تھا۔ اس دوران میں نے چند دوسرے ضروری کام کرنے تھے جن کی دوسرے روز ضرورت تھی اوپری منزل کی خاتون یعنی مجید کی ماں بھی خوب تھیں۔ اُن کے تین بچے تھے۔ مجید صاحب سب سے بڑے ایک صاحبزادی اور

سب سے چھوٹے ایک صاحبزادے تھے جو اس وقت گھٹنوں تک لمبی نیکر اور اس سے ذرا اونچی قمیص پہنے ہوئے تھے۔ آنکھوں میں گہرا گہرا کاجل لگا ہوا تھا اور ہونٹوں پر ناک لٹک رہی تھی خاصے بے تکلف معلوم ہوتے تھے۔ مس میری سے ہاتھ ملانے دوڑے لیکن مس میری نے نو لفٹ کر دیا اس لیے نوبت مجھ تک نہیں پہنچی۔ میزبان خاتون نے بڑے اخلاق سے استقبال کیا تھا جس کمرے میں ہمیں بٹھایا گیا تھا اس میں ڈائننگ ٹیبل کی چار کرسیاں پڑی ہوئی تھیں جس کے درمیان خامی نیچی سینٹر ٹیبل نظر آ رہی تھی۔ اس سینٹر ٹیبل پر کپڑا بچھا ہوا تھا جو غالباً چادر تھی کیونکہ نیچے تک لٹکی ہوئی تھی اور سینٹر ٹیبل کے پلے بھی اس میں چھپے ہوئے تھے۔ اس سینٹر ٹیبل پر ایک گلدستہ رکھا ہوا تھا جس میں پلاسٹک کے پھول اڑسے ہوئے تھے جو شاید کبھی خوش رنگ ہوں گے لیکن اب دھول مٹی میں اَٹ کر اپنا رنگ کھو بیٹھے تھے۔ بے چاری میزبان خاتون نے اس طرح اپنی غربت چھپانے کی کوشش کی تھی۔ تھوڑی دیر تک وہ ہم سے گفتگو کرتی رہیں اور پھر چائے کا انتظام کرنے لگیں لیکن ہماری پذیرائی کے لیے میاں شریف موجود تھے جو دروازے کے کواڑ سے لگے ہوئے ہمیں دیکھ کر مسکرا رہے تھے نہ جانے یہ مسکراہٹ مس میری کے لیے تھی یا میرے لیے۔ عام حالات میں وہ شاید قابلِ قبول ہوتے لیکن ان کی ناک نے ان کی ساری شخصیت خراب کر دی تھی جو کم بخت ایسی بے لگام تھی کہ دونوں نتھنوں سے بار بار باہر رینگ آتی تھی اور جناب شریف اسے نہایت صفائی سے سڑپ کر واپس نتھنوں میں لے جاتے تھے۔ مس میری مجھ سے زیادہ متاثر تھیں اس لیے انہوں نے اس کی طرف دیکھنا بھی چھوڑ دیا تھا۔

"بڑی تکلیف دہ زندگی ہو گی یہاں کی عالیہ۔" مس میری نے اُلجھتے ہوئے کہا۔

"کیوں مس میری؟"

"تم تو زیادہ باہر رہتی ہو یہ لوگ میرا جینا حرام کر دیں گے اگر ایسی ہی بے تکلفی رہی تو کیسے گزارا ہو گا۔"

"بس دو چار دن کی بات ہے مس میری جس مقصد کے تحت میں یہاں آئی تھی وہ بہت جلد پورا ہوتا نظر آ رہا ہے میں اسے اور بھی جلدی پورا کرنے کی کوشش کروں گی۔ ہاں ایک بات کا خیال رکھیں مس میری جس رات میں واپس آپ کے پاس اس فلیٹ میں نہ آؤں بس اس کی دوسری صبح آپ یہ فلیٹ چھوڑ دیں اور میرے بارے میں کوئی تردد نہ کریں۔"

اس سے قبل کہ مس میری مجھ سے اس بارے میں کوئی سوال کریں اچانک ہمیں شی شی کی آواز اپنے بالکل نزدیک سنائی دی۔ ہماری حسرِ دنیات سے فائدہ اٹھا کر ذاتِ شریف سینٹر ٹیبل کے نزدیک آ کھڑے ہوئے تھے۔ جونہی ہم متوجہ ہوئے انہوں نے اپنی ایک انگلی سے میز کا کونہ بجاتے ہوئے کہا۔ "ٹرنک ہے ٹرنک، کوئی میز تھوڑی ہے اور یہ کرسیاں نیچے کے فلیٹ سے آئی ہیں نومی کی امی کے ہاں سے۔"

"اچھا اچھا ٹھیک ہے تم باہر جا کر اپنی امی کو بلا لاؤ۔" میں نے بوکھلائے ہوئے انداز میں کہا۔ مجھے ہنسی آ رہی تھی لیکن میں کسی کی غربت پر ہنسنا پسند نہیں کرتی تھی۔

صاحبزادے کو ہماری بدذوقی سے کوفت ہوئی تھی۔ ان کا خیال تھا کہ ان کا یہ انکشاف ہمارے لیے بہت دلچسپ ہو گا لیکن ہم نے اس بات کی انہیں کوئی داد نہیں دی تھی چنانچہ وہ جھینپے جھینپے سے باہر نکل گئے۔ مجید کی ماں نے چائے پلائی اور پھر اصل مقصد پر آ گئیں۔

"بی بی سات کو تو تمہیں فرصت ہوتی ہو گی۔ میری رقیہ کو تھوڑا سا سبق پڑھا دیا کرو۔ پچھلے دو سال سے دوسری کلاس میں فیل ہو رہی ہے۔" انہوں نے کہا اور میرے ہوش اڑ گئے۔ یہ محترمہ تو بہت چالاک تھیں فوراً ہی چائے کی قیمت وصول کرنے پر تل گئی تھیں۔ بہرحال میں نے ٹالنے کے لیے انہیں اس وقت تک رک جانے کو کہا جب تک میری ملازمت نہ لگ جائے اور وہ مان گئیں۔ ہم لوگ زیادہ دیر ان کے ساتھ نہ بیٹھ سکے تھے۔

دوسرے روز میں حسبِ پروگرام جلالی صاحب کے پاس پہنچ گئی۔ آج بھی وہ بہت نرم انداز میں مجھ سے ملے اور مجھے خوشخبری دی کہ میرا کام بہت جلد ہو جائے گا۔ انہوں نے بتایا کہ اتفاق سے فون پر ان کی گفتگو اپنے اس دوست سے ہو گئی جس کی فرم وہاں ہے اور اس نے کہہ دیا ہے کہ مجھے بھیج دیا جائے۔ تمہارا پاسپورٹ دو دن کے اندر ویزے سمیت مل جائے گا بس تم تیاریاں مکمل رکھو۔

"اس فرم کا نام کیا ہے جناب؟"

"احمد انٹرپرائزز۔ الیکٹرک کا سامان فروخت کرتی ہے۔" جلالی صاحب نے جواب دیا۔ یہ جواب میری توقع کے ذرا خلاف تھا۔ میں نے تو سوچا تھا کہ جواب میں گرین بیگ کا نام لیا جائے گا لیکن۔۔۔ بہرحال جلالی صاحب کے دفتر سے واپسی پر میں کسی قدر اُلجھن میں تھی پھر میں نے سوچا کہ ممکن ہے اب انہوں نے یہ نام بدل دیا ہو۔ ظاہر ہے گرین بیگ کا پوسٹ بکس بھی غائب کر دیا گیا تھا۔ اس خیال سے میں نے خود کو مطمئن کر لیا لیکن اسی شام جب میں نازش سے ملی تو مزید اُلجھنوں کا شکار ہو گئی۔

نازش سے میری ملاقات پوائنٹ تھری میں ہی ہوئی تھی مجھے اس سے تفصیلی رپورٹ لینی تھی۔ نازش نے کہا۔ "اطہر رضوی صاحب بہت بڑی چیز ہیں ان کے تعلقات براہِ راست صدرِ مملکت سے بھی ہیں ویسے نیک نام شخصیت شمار ہوتے ہیں کئی بیرونی ملکوں میں بھی ان کا کاروبار ہے۔ بہت سے رفاہی اداروں کے سرپرست ہیں وغیرہ وغیرہ۔"

"قیام کہاں ہے؟"

"شہر میں کئی کوٹھیاں ہیں لیکن ان کا قیام گرین لاج میں ہے۔ میں مزید معلومات حاصل کرنے کی کوشش میں مصروف ہوں۔"

"یہ نامکمل تفصیلات ہیں نازش۔"

"ہاں مجھے احساس ہے لیکن میں مزید کوشش کروں گا۔ آپ فکر نہ کریں۔" نازش نے جواب دیا۔

"ویسے نازش میں اس سلسلے میں کسی حد تک کامیابی حاصل کرنے میں کامیاب ہوئی ہوں۔ ممکن ہے دو ایک دن میں مجھے کچھ خطرناک حالات سے گزرنا پڑے۔" میں نے پُرخیال انداز میں کہا۔

"ایک گزارش ہے محترمہ عالیہ۔ اگر طبیعت پر گراں نہ گزرے تو اپنے کسی خاص پروگرام سے ہمیں ضرور آگاہ کریں۔ چیف کا حکم ہے کہ آپ کو کوئی گزند نہیں پہنچنی چاہیے۔ میں اس مطالبے پر معذرت خواہ ہوں۔"

"نہیں میں تم لوگوں کی اُلجھن سمجھتی ہوں۔ میں نے نارمن ٹریڈرز کے اشتہار پر ٹرائی کی تھی اور اب ایڈونگ لمیٹڈ تک پہنچی ہوں۔"

"کہاں؟" نازش چونک پڑا۔

"ایڈ۔ ونگ۔ لمیٹڈ۔" میں نے اُسے بغور دیکھتے ہوئے رک رک کر کہا اور پھر پوچھا۔ "کیوں تم اس نام پر کیوں چونکے؟"

"عالیہ صاحبہ یہ بات میرے ذہن سے نکل گئی تھی۔ انسپکٹر سلطان کا تعاقب کرتے ہوئے شیرازی اسی فرم تک پہنچا تھا۔ یہ ٹریڈ ہاؤس بلڈنگ ہی میں ہے نا؟" نازش نے سوال کیا۔

"ہاں۔ تو سلطان وہاں گیا تھا؟"

"جی ہاں۔ اور تقریباً آدھے گھنٹے تک وہاں رہا تھا۔ دراصل میں نے اس بات کو کوئی اہمیت بھی نہیں دی تھی ورنہ شاید یہ میرے ذہن سے نہ نکلتی لیکن اس وقت۔۔۔"

میں سوچ میں ڈوب گئی۔ یہ بات سُن کر میرے ذہن میں دو خیالات اُبھرے تھے۔ اگر بشیر احمد جلالی کا تعلق کسی طور ان واقعات سے ہے تو کیا سلطان نے مجھے غلط راستے پر ڈالا ہے کیا اس نے اطہر رضوی کا نام لے کر مجھے بھٹکانے کی کوشش کی ہے، اگر سلطان نے واقعی اتنی گہرائی میں سوچا ہے تو کمال کیا ہے۔ ایسے بڑے آدمی کے بارے میں سُن کر خود مجھے بھی سوچنا پڑے گا اور پھر ممکن ہے مجھے اپنی بے بسی کا احساس بھی ہو جائے اس طرح سلطان کی وفاداریاں بھی قائم رہیں گی اور میں بھی اس کی دشمن نہیں رہوں گی لیکن سلطان وہاں کیوں گیا۔ کیا میرے بارے میں اطلاع دینے؟ اونہہ اگر ایسا بھی ہے تو مجھے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ میں تو خود اپنے آپ کو جہنم میں جھونکنے کی خواہش مند تھی۔ میں سوچ رہی تھی اور نازش بے چارہ میری صورت دیکھ رہا تھا پھر میں نے گہری سانس لے کر اُسے دیکھا اور بولی۔

"یہ اطلاع میرے لیے دلچسپ ہے نازش۔ بہرحال ایڈونگ میں میں اس کے منیجر بشیر احمد جلالی سے ملی ہوں اور اس نے مجھے مشرقِ وسطیٰ بھیجنے کے انتظامات کر لیے ہیں۔"

"خوب۔" نازش کے چہرے سے گہری دلچسپی کا اظہار ہونے لگا۔ "پھر آپ نے کیا فیصلہ کیا ہے؟"

"میں جاؤں گی۔"

"کیا یہ خطرناک نہ ہو گا محترمہ عالیہ؟" نازش تشویش ناک انداز میں بولا۔

"ہو گا۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہمارے لیے کیا حکم ہے؟"

"ان حالات میں میری حفاظت کے لیے تم جو کچھ کر سکو۔"

"وہ یہ بھی ٹھیک ہے لیکن کیا آپ کو یقین ہے کہ یہ کھیل اسی سازش کے تحت ہے؟" نازش نے پوچھا۔

"یقین کی بات مت کہو نازش حالات اسی سمت اشارہ کرتے ہیں۔ میں خود بھی آزمانے کی خواہش مند ہوں۔ میں دیکھنا چاہتی ہوں کہ ان لڑکیوں پر کیا گزری اور وہ شخصیت کون سی ہے جو اس کھیل کی پشت پر ہے۔ دراصل نازش چند چیزوں نے مجھے ہمت بھی دلائی ہے۔"

"میں پوچھ سکتا ہوں محترمہ عالیہ؟" نازش نے کہا۔

"دراصل سب سے پہلی لڑکی جس کا نام امینہ تھا۔ پولیس اسٹیشن

پہنچ گئی اور اس نے اس انوکھی شخصیت کی نشاندہی کی جس کا دُہرا بدن ہے لیکن میں صرف اس بات سے دلچسپی رکھتی ہوں کہ امینہ ان کے چنگل سے آزاد ہو گئی گویا اس بات کی گنجائش ہے کہ کوئی عام اور سیدھی سادی لڑکی بھی تھوڑی سی کوشش کے بعد ان کے چنگل سے آزاد ہو سکتی ہے۔ دوسری لڑکی درخشاں تھی وہ لڑکی خود کو مشرق وسطیٰ میں سمجھتی تھی لیکن وہ یہاں موجود تھی درخشاں بھی اسی طرح جان بچا کر بھاگی تھی یوں اس خیال کو مزید تقویت ملتی ہے کہ ان کے پاس سے فرار ہوا جا سکتا ہے۔۔ میرا خیال ہے نازش اس کوشش میں مجھے تھوڑی سی تبدیلی کرنی چاہیے۔"

"وہ کیا محترمہ عالیہ؟" نازش نے پوری توجہ سے پوچھا اور میں کچھ سوچنے لگی۔ اس سے قبل میں نے سوچا تھا کہ اپنے طور پر حالات سے نمٹ لوں لیکن اچانک ہی مجھے خیال آیا تھا کہ ممکن ہے مجھ سے کہیں چوک ہو جائے اور میری اس چوک سے فائدہ اٹھا کر مجرم روپوش ہو جائے۔ ہاتھ آتے ہوئے مجرم کا نکل جانا بے حد خطرناک ہوگا۔ اس کے بعد وہ اپنے گرد تنے ہوئے جالے اور مضبوط کر لے گا اور جو شخص آج بھی اتنے پردوں میں چھپا ہوا ہے وہ اگر مزید حفاظتی اقدامات کرے تو اسے دوبارہ پانا سخت مشکل کام ہوگا۔ چنانچہ اس مرحلے پر انکل شہریار کی دی ہوئی مراعات سے پورا فائدہ کیوں نہ اٹھایا جائے۔ یعنی میں شہریار اور دوسرے لوگوں کو کیوں نہ اس راز میں مکمل طور سے شامل کر لوں۔ چند کردار پوشیدہ بھی رکھنے ہوں گے لیکن اس میں کوئی حرج نہیں ہے چنانچہ میں نے نازش کو تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

"اس سلسلے کے ابتدائی پوائنٹس کچھ یوں ہیں نازش، یعنی میرے ذہن میں جو خاکہ تیار ہوا ہے میں اس کی تفصیل بتا رہی ہوں۔ میرا خیال ہے نادار لڑکیوں کو مشرق وسطیٰ کے جھانسے میں لے کر انہیں دراصل یہیں رکھا جاتا ہے البتہ کسی پُراسرار طریقے سے انہیں یہ باور کرا دیا جاتا ہے کہ انہوں نے ہوائی سفر کیا ہے اور وہ اس وقت مشرق وسطیٰ میں ہیں، اس کا ثبوت ان دونوں لڑکیوں سے اور دوسرے حالات سے ملتا ہے جن سے کسی حد تک تم بھی واقف ہو۔"

"جی ہاں جیسے وہ جعلی فرم گرین بیگ؟"

"بالکل میرا اشارہ اسی طرف ہے۔ نارمن ٹریولرز نامی فرم کا بھی اسی طرح کوئی وجود نہیں ہے جس طرح گرین بیگ نامی فرم کا۔ ہوتا یوں ہے کہ یہ اشتہار دے کر لڑکیوں کو اس عمارت میں بلایا جاتا ہے اور پھر مطلوبہ لڑکی کو وہیں سے پک کر لیا جاتا ہے اور یہ لوگ اس سے یوں رابطہ قائم کر لیتے ہیں جیسے مجھ سے کیا گیا۔"

"اوہ۔ انتہائی ممکن ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ بشیر احمد جلالی۔۔؟" نازش نے پُرجوش لہجے میں کہا۔

"نہیں نازش۔ ہم اتنے چھوٹے سے آدمی کو اس کھیل کا ذمہ دار نہیں سمجھ سکتے۔ ہاں اُسے ایک مہرہ ضرور کہا جا سکتا ہے۔"

"عین ممکن ہے۔ عین ممکن ہے۔" نازش نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"چنانچہ نازش اگر میں غلطی پر نہیں ہوں تو ممکن ہے ہم صحیح آدمی تک پہنچ گئے ہوں۔ ممکن ہے مشرق وسطیٰ کے اس ملک سا جانے کے بجائے مجھے بھی وہیں لے جایا جائے جہاں دوسری لڑکیوں کو لے جایا جاتا ہے اور اس کے بعد۔۔۔ لیکن میں خدانخواستہ خوفزدہ نہیں ہوں تم میری طرف سے قطعی بے فکر رہنا۔ البتہ حالات پر گہری نگاہ رکھنا تمہارا کام ہے۔"

"آپ نے یہ تفصیل بتا دی عالیہ صاحبہ یہ آپ کا کرم ہے۔ آپ مطمئن رہیں ہم پوری طرح چوکس رہیں گے۔"

"ویسے میں آج کل فلیٹ پر نہیں ہوں۔" میں نے کہا۔

"کیا مطلب، میں نہیں سمجھا؟"

"فاروق سینٹر، اینگل روڈ، فلیٹ نمبر ۲۱۔" میں نے جواب دیا۔

"یہ کس لیے کیا گیا مس عالیہ؟"

"بھئی خود کو ایک غریب اور ضرورت مند لڑکی ظاہر کرنے کے لیے۔ ظاہر ہے اتنی چھان بین تو وہ میرے بارے میں ضرور کریں گے۔"

"گڈ۔ وہاں آپ تنہا ہیں؟"

"نہیں فلیٹ میں میری بیوہ ماں یعنی مس میری موجود ہیں۔"

"گویا کھیل مکمل ہے۔ میں فوری طور پر اس جگہ کی نگرانی کا بندوبست کرتا ہوں۔"

"تو پھر سارے معاملات طے؟"

"جی بالکل۔"

"مجھے اجازت۔" میں نے کہا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ نازش کو اس سلسلے میں تفصیل بتا کر میں خود کو خاصا ہلکا پھلکا محسوس کر رہی تھی۔

وہاں سے میں سیدھی فلیٹ واپس آ گئی تھی۔ اس کے بعد کوئی خاص کام نہیں تھا اس لیے میں نے فلیٹ پر ہی

گزارنا شروع کر دیا بس احتیاط کے ساتھ تھوڑی بہت دیر کے لیے باہر جاتی اور صباحت صاحب سے گفتگو کر لیتی۔ انہیں بھی میں نے یہ بات بتا دی تھی کہ ممکن ہے میں اس بار طویل عرصے کے لیے غیر حاضر ہو جاؤں اور اس دوران کے لیے میں نے انہیں ہدایات بھی دے دی تھیں۔ بلڈنگ کی دلچسپیاں جوں کی توں تھیں۔ نومی کی امی نے ناک میں دم کر رکھا تھا۔ مجید مسعود شریف کی والدہ صاحبہ بھی اپنا حصہ وصول کرنے آ جاتی تھیں۔ ان کا شدید تقاضہ تھا کہ میں اُن کی رقیہ کو ٹیوشن پڑھانا شروع کر دوں اور میں بس ان سے مہلت طلب کر رہی تھی کہ اب میری نوکری لگی اور اب میں نے اپنا اہم فریضہ یعنی رقیہ کی تعلیم کا بار سنبھالا۔ نومی کی امی نے البتہ اس بات کی شدید مخالفت کی تھی اور ہم ماں بیٹی سے کہا تھا کہ یہ مجید کی امی تو بڑی ہی خودغرض ہیں۔ تم ملازمت کر کے جب واپس آؤ گی تو اتنی تھک چکی ہوگی کہ دوسرا کوئی کام کرنے کی ہمت ہی کہاں رہے گی۔ صاف منع کر دو کہ مجھے پڑھانے وڑھانے کی فرصت ہی نہیں ہے اور اگر ایسا ہی پڑھانے کا شوق ہے تو اب نومی اللہ رکھے بڑا ہونے والا ہے اپنی تدریسی صلاحیتیں اس کے لیے وقف رکھو۔ وغیرہ وغیرہ۔ میں ان حالات سے بور نہیں ہوئی تھی۔ یہ تو میری زندگی میں ایک نیا مزا تھا چنانچہ اس فرصت کے وقت میں، میں زندگی کے ان دلچسپ مسائل سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔ انہیں سمجھ رہی تھی کہ یہ میرے پسماندہ ملک کی ۸۵ فیصد آبادی کے مسائل تھے۔

چوتھے دن صبح ہی صبح کسی نے ہمارے دروازے پر دستک دی اور میں نے دروازہ کھول دیا۔ ایک اجنبی شکل تھی، درمیانی عمر کا ایک شخص جس کا چہرہ بے تاثر سا تھا۔ "مس شمسہ عرفان علی یہاں رہتی ہیں؟"

"جی ہاں۔ میں ہی ہوں۔"

"میں ایڈورٹنگ لمیٹڈ سے آیا ہوں۔"

"اوہ۔ فرمائیے جناب!" میں نے پُراشتیاق انداز میں کہا اور پھر اندر رُخ کر کے بولی۔ "امی مہمان آئے ہیں۔ کیا انہیں اندر بلا لوں؟" اندر سے مس میری باہر نکل آئی تھیں چنانچہ ہم اس معزز مہمان کو اندر گھر میں لے آئیں۔

"یہ کچھ کاغذات ہیں جن پر دستخط کر دیں۔ یہ ایگریمنٹ ہے جس کے تحت مشرق وسطیٰ میں آپ کی تین سال کی ملازمت پکی ہو گئی ہے۔ ہر سال آپ کو دو ماہ کی رخصت ملے گی۔ تنخواہ فی الحال سات ہزار روپے ماہوار ہوگی۔ اچھی کارکردگی پر ترقی کے مواقع بھی ملیں گے اور ہاں شام کو تین بجے ضروری تیاریوں کے بعد ایڈورٹنگ پہنچ جائیں۔"

"روانگی کب ہوگی؟"

"یہ بات تو مسٹر جلالی ہی بتائیں گے۔ ویسے انہوں نے کہا ہے کہ آپ روانگی کے لیے تیار ہو کر ہی نکلیں۔"

"بہت بہتر۔" میں نے کاغذات پر شمسہ عرفان علی کے نام کے دستخط کر دیے اور پھر مہمان کو چائے کی پیشکش کی جسے اُس نے مسترد کر دیا اور اجازت لے کر اٹھ کھڑا ہوا لیکن مس میری بہت پریشان نظر آ رہی تھیں۔ اُس کے جانے کے بعد وہ بولیں۔

"تو کیا تم واقعی مشرق وسطیٰ جاؤ گی؟"

"ممکن ہے مس میری جانا ہی پڑے۔ میں آپ سے عرض کر چکی ہوں آپ دو چار دن یہاں گزار کر واپس فلیٹ چلی جائیں، جلدی جانا چاہیں تو کل ہی چلی جائیں۔ بہتر یہ ہوگا کہ دو تین دن میرے جانے کے بعد بھی اسی فلیٹ میں گزار لیں۔"

"میں پوچھ سکتی ہوں یہ دورہ کس سلسلے میں ہوگا۔؟" مس میری نے کہا۔

"سوری مس میری۔" میں نے خشک لہجے میں کہا اور مس میری خاموش ہو گئیں۔ اس کے بعد اُس نے کچھ پوچھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ ٹھیک تین بجے میں ایڈورٹنگ کے دفتر میں داخل ہو گئی تھی۔ میرے ساتھ ایک چھوٹا سا سوٹ کیس تھا۔ جس میں چند جوڑے کپڑے اور ضرورت کی کچھ دوسری چیزیں رکھی ہوئی تھیں۔ جلالی صاحب نے مسکراتے ہوئے میرا استقبال کیا۔

"میری طرف سے اس خوبصورت مستقبل کی مبارکباد قبول کریں مس شمسہ۔ مجھے اُمید ہے کہ اپنی زندگی میں آپ مجھے یاد رکھیں گی۔"

"میں ہمیشہ آپ کی احسان مند رہوں گی جلالی صاحب۔" میں نے کہا۔

"نہیں یہ آپ کی تقدیر بھی ہے۔ میں اتفاق سے کسی کام سے اس عمارت میں گیا تھا اور اتفاق سے ریسپشن پر رک گیا تھا وہاں میں نے ریسپشنسٹ سے آپ کی گفتگو سنی اور آپ کو دیکھ کر دل میں ہمدردی کا ایک جذبہ اُبھر آیا یہ سب تقدیر کی ایک چین ہے جو چلتی گئی اور آپ کا کام ہو گیا۔ یہ لیجیے یہ آپ کا پاسپورٹ۔۔۔ اور یہ ویزے کے ساتھ دوسرے کاغذات ہیں۔ یہ ہوائی ٹکٹ موجود ہے۔ وہاں آپ کو احمد انٹرپرائز کا نمائندہ ریسیو کرے گا۔ آپ کی ایک تصویر انہیں بھیج دی گئی ہے اس لیے وہ آپ کو

پہچان لیں گے۔ میرے لائق اور کوئی خدمت ہو تو بتایئے۔"

"بہت بہت نوازش۔" میں نے کسی قدر جز بز ہوتے ہوئے کہا۔ یہ جو کچھ تھا اس میں کوئی کھوٹ نہیں نظر آتی تھی۔ ایک خیال میرے ذہن میں رینگ آیا کہیں میں کسی بڑی غلط فہمی کا شکار تو نہیں ہو گئی۔ کہیں کوئی بڑی حماقت تو نہیں ہو گئی ہے لیکن حالات میرے اس خیال کی نفی کرتے تھے۔ حالات بتاتے تھے کہ یہ لوگ کسی نہ کسی طور ان معاملات میں ملوث ہیں۔ بہر حال اب میں اتنی موم بھی نہیں ہوں کہ پگھل جاؤں۔ یہ تو ایک گیم ہے جہاں تک بھی جائے دیکھوں تو سہی معاملہ کس حد تک ہے۔

میں نے سارے کاغذات دیکھے۔ سب کے سب اصل تھے۔ کوئی کھوٹ نہیں تھی پھر میں نے انہیں اپنے پرس میں رکھ لیا۔ "فلائٹ کس وقت ہے؟" میں نے پوچھا۔

"چار بجے۔ میں آپ کو خود ائرپورٹ لے چلوں گا۔" جلالی صاحب نے کہا اور میں نے بادل ناخواستہ گردن ہلا دی۔ آدھا گھنٹہ میں نے جلالی صاحب کے ساتھ گزارا اور پھر اُن کے ساتھ ہی نیچے آ گئی۔ جلالی صاحب کی کار میں، میں اُن کے ساتھ ائرپورٹ چل پڑی اور پھر راستے میں، میں نے نازش کو دیکھا جو اپنی کار میں تھا۔ مجھے اس کی کار دیکھ کر کسی قدر ڈھارس ہوئی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم ائرپورٹ پہنچ گئے۔ راستے بھر میں کسی واقعے کی منتظر رہی تھی۔ میں سوچتی آئی تھی کہ ممکن ہے راستے میں کسی پُراسرار طریقے سے مجھے بے ہوش کر دیا جائے اور اس کے بعد جب آنکھ کھلے تو... تو میں کسی نئے جہان میں ہوں۔ درخشاں کی کہانی میرے ذہن میں تھی لیکن اگر ایسا ہوا تو میرے حالات درخشاں سے مختلف ہوں گے کیوں کہ نازش میرا تعاقب کر رہا ہے۔ لیکن کوئی خاص بات نہیں ہوئی اور ہم ائرپورٹ پہنچ گئے یہاں جلالی میرے ساتھ رہا اور اس وقت تک وہ موجود رہا جب تک میں درحقیقت مشرق وسطیٰ جانے والے ایک طیارے میں سوار نہ ہو گئی۔ اُس نے رخصت کے وقت مجھے کچھ کرنسی بھی دی تھی اور میرے اچھے مستقبل کی دُعا بھی کی تھی لیکن اب میں بالکل ہی بوکھلا گئی تھی۔ طیارے میں اپنی سیٹ پر بیٹھی ہوئی میں سوچ رہی تھی کہ ایک اور گریٹ حماقت ہو گئی ہے۔ وہ جو گیا ہے جو میری توقع کے بالکل برعکس ہے۔ ممکن ہے جلالی واقعی شریف آدمی ہو اور اُس نے ازراہِ ہمدردی ہی یہ سب کچھ کیا ہو۔ یہ تو واقعی بڑی انوکھی بات ہے کہ میں نوکری کرنے جا رہی ہوں۔ کیا کیا جائے۔ کیا اس عمل کو آخر تک دیکھا جائے یا درمیان

میں ہی اپنی حماقت کا ازالہ کیا جائے لیکن بہت دیر ہو گئی تھی۔ طیارہ ضروری امور کے بعد فضا میں بلند ہو گیا اور میں ایک گہری سانس لے کر تقدیر پر شاکر ہو گئی۔

تین گھنٹے کا سفر تھا اس کے بعد میں مشرق وسطیٰ کے اس ملک کے ائرپورٹ پر اُتر گئی۔ دل ہی دل میں، میں خود پر ہنس رہی تھی۔ خوبصورت ائرپورٹ پر روشنیاں جل اٹھی تھیں۔ کسٹم وغیرہ سے فراغت کے بعد میں اپنا سوٹ کیس ہاتھ میں لیے باہر نکل آئی اور ابھی میں نے باہر قدم رکھا ہی تھا کہ دُبلے پتلے بدن کا ایک شخص عمدہ سوٹ میں ملبوس میرے پاس پہنچ گیا۔

"مس شمسہ عرفان علی؟" اُس نے گردن جھکا کر کہا۔

"جی۔ میں ہی ہوں۔"

"یقیناً آپ ہی ہیں۔ میرا نام امجد ہے اور میں احمد انٹرپرائز سے حاضر ہوا ہوں۔"

"مجھے آپ کے بارے میں بتایا گیا تھا۔" میں نے آہستہ سے کہا۔

"تشریف لایئے۔" وہ بولا اور میں اس کے ساتھ چل پڑی۔ اُس نے سوٹ کیس میرے ہاتھ سے لے لیا اور پھر وہ مجھے لیے ہوئے نیلے رنگ کی ایک خوبصورت کار تک پہنچ گیا۔ سوٹ کیس نیچے رکھ کر اُس نے جیب سے کار کی چابی نکالی اور پھر پہلے دروازہ کھول کر مجھے بیٹھنے کی پیش کش کی۔ اُس کے اطوار سے کسی قسم کی غیر شائستگی کا اظہار نہیں ہوتا تھا پھر اُس نے میرا سوٹ کیس کار کی ڈکی میں رکھا اور خود ڈرائیونگ سیٹ پر آ بیٹھا۔ کار اسٹارٹ ہو کر آگے بڑھ گئی۔ میں اب خاموش اور گم صم تھی اور تو میں نے اس بارے میں سوچنا بھی چھوڑ دیا تھا۔ جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ ذہن کو پریشان کرنے سے کیا فائدہ؟ چنانچہ میں کسی حد تک پُرسکون ہو گئی تھی۔

کار مجھے ایک عمارت تک لائی جہاں فلیٹ بنے ہوئے تھے۔ اِسی عمارت کے ایک فلیٹ میں میرے لیے رہائش گاہ منتخب کی گئی تھی۔ یہ بھی دو کمروں کا ایک فلیٹ تھا جو انتہائی خوبصورتی سے آراستہ تھا۔ دُبلے پتلے شخص نے جس نے اپنا نام امجد بتایا تھا مجھے اس فلیٹ میں پہنچاتے ہوئے کہا۔ "یہ آپ کی عارضی رہائش گاہ ہے۔ فرم آپ کے لیے جلد ہی دوسری رہائش کا بندوبست کر دے گی۔ اس وقت تک آپ یہاں قیام کریں۔ ضرورت کی تمام چیزیں یہاں موجود ہیں۔ صبح کو کمپنی کی گاڑی آئے گی۔ آپ کو دفتر لے جائے گی اور آپ کل صبح ہی اپنی ڈیوٹی جوائن کر لیں گی۔"

"بہت بہتر۔" میں نے پُرسکون انداز میں گردن ہلا دی۔ اس کے علاوہ کیا کر سکتی تھی۔ البتہ اُس کے جانے کے بعد میں گہری سوچ میں ڈوب گئی۔ نازش وغیرہ کو یہ بات تو معلوم ہے کہ میں کہاں ہوں لیکن وہ فوری طور پر کچھ نہیں کر سکیں گے اور یہ بات اُن کی سمجھ میں بھی نہیں آئے گی کہ انہیں کیا کرنا چاہیے۔ بڑی دلچسپ صورت حال ہے۔ میں اس وقت ایسی منزل پر تھی جہاں سے میں کوئی فیصلہ کرنے سے قاصر تھی۔ تب میں نے یہی بہتر سمجھا کہ خود کو پُرسکون رکھ کر حالات کا تجزیہ کروں۔ اگر کوئی غلطی کر بیٹھی ہوں تو پورے سکون سے اس کا ازالہ کروں۔ خود کو منتشر رکھنے سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔

میں نے گھوم پھر کر فلیٹ کا جائزہ لیا۔ اس کے کچن کو دیکھا۔ جدید ترین کچن کا سامان موجود تھا۔ میں نے کافی کے لیے پانی گرم کیا اور پھر عمدہ سی کافی کی کئی پیالیاں معدے میں انڈیلیں۔ اس کے بعد میں بالکونی میں آ کھڑی ہوئی۔ پورا شہر روشنیوں سے جگمگا رہا تھا۔ سڑکیں بارونق تھیں۔ مقامی اور غیر مقامی لوگ نظر آتے تھے۔ یہاں کھڑے کھڑے میں نے اس شہر کے مسائل کے بارے میں سوچا۔ اس وقت ایشیا کے بہت سے ملکوں کے باشندے مشرق وسطیٰ میں ملازمت کرنے کے شائق ہیں وہ یہاں آتے ہیں اور ہر طرح کی نوکری کر کے خود کو بہتر بنا لیتے ہیں بہت سی داستانیں میرے کانوں تک پہنچ چکی تھیں۔ رہائش کا مسئلہ بھی یہاں بے حد مشکل تھا اور ایک عام قسم کے آدمی کے لیے رہائش حاصل کرنا بے حد مشکل تھا۔ ان حالات میں تو میں بھی ایک معمولی سی ملازمت پر آئی تھی لیکن میرے لیے ایک عمدہ رہائش گاہ فراہم کی گئی تھی۔ کیوں؟

رات کے لیے میں نے خود ہی ہلکا سا کھانا تیار کیا اور کھا پی کر ٹی وی دیکھتی رہی پھر جب نیند آنے لگی تو ٹی وی بند کر کے بیڈ روم میں آ گئی۔ سونے سے قبل میں نے سارے دروازے چیک کر لیے تھے......... میں نے سوچا کہ ممکن ہے رات کو کوئی حصہ میرے لیے خطرناک ہو لیکن میں ہر خطرہ مول لینے کے لیے تیار تھی میری تو دلی خواہش تھی کہ خواہ کوئی خطرہ پیش آ جائے میں کسی طور اس شخص کا اتا پتا پاؤں۔ انہیں خیالات میں نیند آ گئی لیکن پوری رات پُرسکون گزری اور صبح ہو گئی۔ سات بجے تھے میں اٹھ گئی اور نہ جانے کیوں خود کو اسی فلیٹ میں حسب معمول پا کر مجھے خوشی نہیں ہوئی تھی۔ تاہم میں نے جلدی جلدی ناشتہ تیار کیا پھر خود بھی تیار ہو گئی۔ ساڑھے آٹھ

بجے فلیٹ کی بیل بجی اور میں نے دروازہ کھول دیا۔

"میں کمپنی سے آیا ہوں۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ آپ تیار ہو جائیں گی۔" اُس شخص نے کہا۔ اُردو زبان ہی استعمال کی گئی تھی اور وہ شخص بھی اپنی ہی طرف کا نظر آتا تھا۔

"میں تیار ہوں۔"

"براہِ کرم اپنے سارے کاغذات اور پاسپورٹ وغیرہ ساتھ لے لیں۔" اُس نے کہا اور میں نے گردن ہلا دی۔ سیاہ رنگ کی وین پر احمد انٹرپرائز کا مونوگرام نظر آ رہا تھا۔ اُس شخص نے ڈرائیونگ سیٹ پر رکھی ہوئی ڈرائیوروں والی ٹوپی سر پر رکھی اور کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔

احمد انٹرپرائز بھی اچھی خاصی فرم تھی۔ ایک خوبصورت عمارت کا فرسٹ فلور اُس کے قبضے میں تھا اور اُس میں کئی سیکشن بنے ہوئے تھے۔ مجھے عمارت کے منیجر کے کمرے میں پہنچا دیا گیا اور اُس نے مجھ سے میرے کاغذات طلب کر لیے۔ تین سال کے ایگریمنٹ پر میرے دستخط موجود تھے۔ پاسپورٹ وغیرہ کمپنی میں جمع ہو گیا اور ضروری امور کے بعد مجھے میری سیٹ بتا دی گئی۔ دفتر میں چند میرے ملک کے باشندے تھے ان کے علاوہ کچھ مصری بھی تھے۔ تین لڑکیاں تھیں جن میں ایک میری ہم وطن تھی۔ چھٹی کے بعد جب دا پسی ہوئی تو میری اُس لڑکی سے گفتگو ہوئی۔ دوسرے شہر کی تھی نجمہ نام تھا اُس کی رہائش گاہ کسی الخطا نامی جگہ پر تھی۔ کم گو اور سنجیدہ معلوم ہوتی تھی اس لیے مجھے خوشی نہیں ہوئی اور اس مختصر سی ملاقات میں، میں اُس سے زیادہ بے تکلف نہیں ہو سکی یہاں تک کہ میری رہائش گاہ آ پہنچی۔

خوب ہوا ہے یہ بھی۔ مجھے تو اچھی خاصی نوکری مل گئی میں نے خود پر ہنستے ہوئے سوچا لیکن سوال یہ ہے کہ اب کیا کروں پاسپورٹ بھی فرم میں جمع ہو گیا ہے اس لیے خاموشی سے واپسی بھی ممکن نہیں ہے۔ اس کے علاوہ اس اجنبی شہر میں میں کیا کروں۔ صبر و سکون سے کچھ وقت گزارنے کے علاوہ کیا کیا جا سکتا ہے اور اس وقت میں نوکری ہی کی جائے۔ صحیح معنوں میں لطف آ گیا تھا میرے ساتھ وہ سب کچھ نہیں ہوا تھا جو دوسری لڑکیوں کے ساتھ ہوا تھا۔ اس کا مقصد یہی ہو سکتا ہے کہ میں غلط جگہ پہنچی اور جو کچھ ہوا وہ غلط اقدام ہی کا نتیجہ تھا۔ بہر حال گزارنی تھی اور گزارنے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں تھا۔

دوسرے دن نجمہ سے لنچ میں ملاقات ہوئی۔ لڑکیوں کے لیے لنچ کا بندوبست دفتر ہی کی طرف سے تھا۔ چنانچہ اس دوپہر

نجمہ میرے ساتھ لنچ میں شریک تھی: "آپ کی رہائش گاہ کہاں ہے مس نجمہ؟"

"الخطامیں۔" اُس نے جواب دیا۔

"اوہ۔ ہاں یہ تو آپ بتا چکی ہیں۔"

"تھوڑی سی تصحیح کر دوں گی۔ میں مس نہیں ہوں۔" نجمہ نے خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"معاف کیجئے گا۔ آپ کے شوہر آپ کے ساتھ ہیں؟"

"نہیں۔ وہ ہمارا ساتھ چھوڑ گئے۔" نجمہ نے سپاٹ لہجے میں کہا اور میں تاسف سے اُسے دیکھنے لگی۔

"ویری سوری۔ کیا اُن کا انتقال ہو گیا؟"

"نہیں مس شمسہ۔ انتقال نہیں ہُوا بس انہوں نے ہمیں چھوڑ دیا ہے۔ ہم بھی اُن کے قابل نہیں تھے۔" نجمہ نے جواب دیا۔

"آپ کے دوسرے اقارب وطن میں ہوں گے؟"

"کوئی نہیں ہے۔ اگر کوئی ہے بھی تو وہ لوگ ہمیں فراموش کر چکے ہیں۔ بس میرا ایک بیٹا ہے جو ایک بورڈنگ میں رہتا ہے میں اُسی کی زندگی کے لیے نوکری کر رہی ہوں۔ ورنہ... بس میری زندگی میں اُس کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔" نجمہ کے متاثر چہرے اور اُس کی فطرت کی داستان مجھے معلوم ہو گئی اور یہ داستان سن کر مجھے بہت افسوس ہُوا لیکن میں نے اُس سے کسی خاص ہمدردی کا اظہار نہیں کیا تھا۔ بعض اوقات ہمدردی بھی انسان کو گراں گزرتی ہے۔ دوسرے دن کی ملاقات میں، میں نے اُس سے کچھ اور باتیں پوچھیں، مثلاً یہ کہ وہ کتنے عرصے سے یہاں ملازم ہے۔ اس کی مدتِ ملازمت ڈیڑھ سال تھی۔

"اس دوران مس نجمہ احمد صاحب سے آپ کی ملاقات ہوئی؟" میں نے سوال کیا۔

"بس وہ ایک بار دور سے دیکھا ہے خشک مزاج انسان ہیں۔ ملازموں سے ملاقات نہیں کرتے۔ اکثر غیر ممالک میں رہتے ہیں اس لیے یہاں بہت کم نظر آتے ہیں۔" نجمہ نے جواب دیا اور میں خاموش ہو گئی۔ دس روز گزر گئے۔ اب تو طبیعت اُلجھنے لگی تھی۔ بڑی مشینی زندگی تھی جس میں کوئی دلکشی نہیں تھی... دو ایک بار میں نے بازاروں کی سیر بھی کی تھی اور بڑی مشکل کا شکار ہو گئی تھی۔ اب تک میں نے صبر سے کام لیا تھا لیکن اب مزید صبر حماقت میں شمار ہوتا۔ میں ایک غلط اقدام کے تحت یہاں آ گئی تھی لیکن اب کتنے دن یہاں گزاروں۔ مجھے یہاں سے نکلنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ چنانچہ میں اس سلسلے میں پروگرام بنانے لگی

مقامی قانون کا بھی خیال رکھنا تھا جو بہت سخت تھا اور میری کوئی غلط حرکت مجھے اُلجھن میں بھی پھنسا سکتی تھی۔ چنانچہ محتاط انداز میں وہاں سے نکلنے کی کوشش کرنی تھی۔ میں نے پہلی کوشش کے تحت مس میری کو خط لکھنے کا فیصلہ کیا اور اس میں لکھا کہ مس میری والدہ کی حیثیت سے اپنی شدید بیماری کا تار دیں اور مجھے فوراً طلب کر لیں۔ میں نے اُنہیں مختصر کوائف لکھ دیئے تھے تاکہ ایک سادہ سی کوشش کے تحت میں یہاں سے نکل سکوں... ایگریمنٹ کے تحت اگر میں تین سال کی مدت سے قبل ملازمت چھوڑنے کی کوشش کرتی تو مجھے کمپنی کے کچھ واجبات اور جرمانے ... ادا کرنے ہوتے یہ بھی مشکل کام نہیں تھا۔ میں اپنے بینک کے تحت یہاں رقم منگوا سکتی تھی۔ چنانچہ میں نے یہ خط پوسٹ کر دیا اور خود اپنی حماقت پر ہنسنے لگی۔

چھ دن مزید گزارنے پڑے۔ ساتویں دن مجھے مس میری کا تار موصول ہو گیا جسے لے کر میں غمزدہ سی مینیجر کے پاس پہنچ گئی۔ میں نے تار اپنی درخواست کے ساتھ اُس کے سامنے رکھ دیا۔ مینیجر زیادہ اچھا انسان نہیں ثابت ہُوا تھا۔ اُس نے تار پڑھ کر ناک بھوں چڑھا لیں۔ "آپ جیسی لڑکیوں کی وجہ سے ہمیں سخت نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ اب آپ بتایئے ہم نئے سرے سے دردِ سری کریں۔ کسی اور لڑکی کو تلاش کریں اور اس دوران کام میں بھی تاخیر ہوتی ہے۔"

"لیکن جناب میری مجبوری بھی تو دیکھئے۔" میں نے کہا۔

"بھئی گھر چھوڑنے سے قبل ان ساری باتوں پر غور کر لینا چاہیے۔ نوکری کھیل تو نہیں ہوتی اور اگر آپ اسے کھیل سمجھتی ہیں تو یہ آپ کی بھول ہے اگر کوئی کھیل آپ کی اپنی ذات تک...."

"مینیجر۔" میں نے کرخت لہجے میں کہا۔ "کیا ایگریمنٹ میں یہ بات بھی لکھی ہوئی ہے کہ کسی اتفاقی اُلجھن پر آپ یہ بکواس کریں گے اور مجھے سُننی پڑے گی۔" مینیجر میرے اس لہجے پر چونک پڑا اور پھر اُس نے بھی اُسی انداز میں جواب دیا۔

"جی نہیں یہ الفاظ تو نہیں ہیں لیکن یہ اقرار ضرور ہے کہ آپ کو فرم کا حرجانہ ادا کرنا پڑے گا۔"

"تو پھر آپ ایگریمنٹ سے تجاوز کیوں کر رہے ہیں۔ صرف اتنی بات کریں جو آپ کے اختیار میں ہے۔ میں آپ کو سخت جوابات بھی دے سکتی ہوں۔ واجبات کا بل بنوا کر میرے حوالے کر دیں اور میری واپسی کا بندوبست کریں۔" میں نے اُٹھتے ہوئے کہا اور میرا

میرا مُنہ دیکھتا رہ گیا۔

میرا موڈ واقعی خراب ہو گیا تھا۔ مینیجر کو اس فضول بکواس کی ضرورت تو نہیں تھی لیکن چند لوگ اپنی سیٹ پر بیٹھ کر خود کو دوسروں سے برتر سمجھنے لگتے ہیں۔ میں نے اُسی دن مس میری کو تار دیا کہ ایک معقول رقم کا ڈرافٹ بنوا کر شمسہ عرفان علی کے نام سے یہاں بھیج دیں اور مطمئن ہو گئی۔ ابھی تک مجھے دوسری رہائش گاہ میں منتقل کرنے کی کوشش نہیں کی گئی تھی اور میں یہیں موجود تھی۔ اس وقت رات کے تقریباً پونے دس بجے تھے اور میں ٹی وی پروگرام دیکھ رہی تھی کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ جب سے میں یہاں آئی تھی پہلی بار کسی نے مجھے فون کیا تھا۔ نہ ہی میرا کوئی شناسا ایسا تھا جسے میں فون کرتی۔ میں نے کسی قدر حیران ہو کر فون کا ریسیور اُٹھا لیا۔

"ہیلو۔" دوسری طرف سے ایک آواز سُنائی دی۔

"جی۔"

"کیا میں شمسہ عرفان علی سے ہم کلام ہوں؟" اس بار اُردو میں کہا گیا اور میرے ذہن پر ایک ہتھوڑا سا پڑا۔ یہ آواز شناسا تھی۔ وہ آواز جو منورِ عالم سے ملتی جلتی تھی۔ وہ آواز جس نے صباحت صاحب کو فون پر دھمکی دی تھی۔ ہاں یہ وہی آواز تھی۔

"جی ہاں۔ میں شمسہ عرفان علی ہوں۔" میں نے سنسنی محسوس کرتے ہوئے کہا۔

"غلط بے بی۔ اگر تم مجھے اجازت دو تو میں تمہیں عالیہ صغیر عایانی کہہ کر مخاطب کر لوں؟" آواز میں طنز تھا۔

"آپ کی مرضی ہے۔" میں نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔

"خوب۔ تمہاری خود اعتمادی مجھے پسند آئی۔ لیکن یہ خود اعتمادی تمہیں مہنگی بھی پڑ سکتی ہے۔"

"آپ کیا چاہتے ہیں جناب؟" میں نے پوچھا۔

"کچھ گفتگو۔ کچھ معلومات۔" جواب ملا۔

"فرمایئے؟"

"ذرا تفصیلی گفتگو ہو گی بے بی۔ مجھے یقین ہے تم ڈنر وغیرہ سے فارغ ہو چکی ہو گی۔" بھاری آواز میں کہا گیا۔

"ذرا ایک منٹ۔ میں ٹی وی بند کر دوں۔ آپ اس کی آواز سُن رہے ہوں گے۔" میں نے کہا اور دوسری طرف سے ایک ہلکا سا قہقہہ سُنائی دیا۔

"ضرور۔ ضرور۔ ویسے تم ذہین لڑکی ہو۔ مجھے پسند آ رہی ہو۔ مجھ سے گفتگو کا تعین کرنے کے لیے تم نے یہ وقفہ حاصل کیا ہے لیکن مجھے اعتراض نہیں ہے۔ ہاں تم ٹیلی ویژن بند کر دو مجھے اس کی آواز سُنائی دے رہی ہے۔"

"شکریہ۔" میں نے کہا اور ریسیور رکھ دیا۔ ویسے گفتگو دلچسپ تھی اور مقابل بھی مکمل معلوم ہوتا تھا۔ البتہ اس تحریک سے میرے وجود پر طاری جمود اچانک ٹوٹ گیا تھا اور میں بہت خوش تھی۔ کم از کم اتنا وقت فضول ضائع ہونے کی کوفت تو دور ہوئی۔ ٹیلی ویژن بند کر کے میں واپس آ گئی اور میں نے دوبارہ ریسیور اٹھا لیا۔

"جناب۔" میں نے گہری سانس لے کر کہا۔

"محترمہ عالیہ صغیر بھلیانی۔ دیارِ غیر میں اگر کوئی ہم وطن مل جائے تو اس سے ایک خاص اپنائیت کا احساس ہوتا ہے کیا ان حالات میں تم کوئی خاص کیفیت محسوس کر رہی ہو؟"

"ہاں کسی حد تک۔" میں نے جواب دیا۔

"پوچھ سکتا ہوں اس بارے میں؟"

"اس طرح نہیں۔ پہلے اپنا تعارف کرایئے۔"

"اوہ بلیک میلروں کی یادداشت اتنی خراب تو نہیں ہوتی اور پھر مجھے یقین ہے کہ تم نے پہلی ہی آواز میں مجھے پہچان لیا ہو گا۔ اب تم شانِ بے اعتنائی سے کام لو تو دوسری بات ہے ویسے میں تمہارا شکار ہوں جو دس ہزار روپے تمہیں ادا کر چکا ہے۔"

"اوٹ پٹانگ گفتگو میری سمجھ میں نہیں آتی۔"

"نہیں بے بی۔ سمجھ دار لوگوں کی طرح گفتگو کرو۔ دیکھو دیارِ غیر ہے اور اس ننھے سے مُلک کے قوانین بڑے سخت ہیں نہ تو تم مسز ہو اور نہ ہی تمہیں کسی ملازمت کی ضرورت ہے اگر یہاں کے حکمرانوں کو یہ باور کرا دیا جائے کہ تم کسی تخریبی مشن پر یہاں آئی ہو اور اسرائیل یا عربوں کے کسی دشمن مُلک کی آلۂ کار ہو تو اس کے بعد تمہارا خدا ہی حافظ۔ تمہاری حکومت تمہارے لیے کچھ نہیں کرے گی کیونکہ تم اپنی حکومت کو بھی دھوکا دے کر یہاں آئی ہو۔"

"بات تو کسی حد تک ٹھیک ہے۔"

"تو پھر دس ہزار روپے یاد آ گئے مس؟"

"ہاں۔ مجھے کچھ یاد آ رہا ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ویری گڈ۔ تو بے بی پھر وہ کیفیت والی بات؟"

"میں ٹھیک ہوں اور میری ملازمت بھی اچھی خاصی ہے۔"

"نہیں ڈیئر۔ ابتدا سے چلو۔ مسٹر صغیر بھایانی کی شخصیت ایسی نہیں تھی کہ اُسے اتنی جلدی فراموش کر دیا جائے اور پھر ایک

بڑا آدمی دوسرے بڑے آدمی سے بخوبی واقف ہوتا ہے مجھے معلوم ہے کہ مسٹر بھایانی کی دولت معمولی نہیں تھی اور تم نے مغربی ممالک میں صحافت کی اعلیٰ ترین تعلیم حاصل کی ہے اور سیاحت بھی کرتی رہی ہو۔"

"ان باتوں کو یاد دلانے سے فائدہ؟" میں نے کسی قدر افسردہ لہجے میں کہا۔ میں اب پوری طرح سنبھل گئی تھی۔

"تفصیل پیاری، پوری تفصیل؟" جواب ملا اور میں نے چند ساعت کی خاموشی اختیار کر لی پھر افسردہ لہجے میں بولی۔

"خدا ڈیڈی کی روح کو شرمندہ نہ کرے لیکن وہ میرے لیے دنیا کو کٹھن کر کے چھوڑ گئے۔ میں نہیں جانتی کہ ان کی روایتی دولت کیا ہوئی لیکن اب میں ایک معمولی سی انسان ہوں۔"

"اور اخبار میں نوکری کر رہی ہو۔"

"آپ سب کچھ جانتے ہیں۔"

"کیا اخباری رپورٹر کے لیے بلیک میلر ہونا ضروری ہے؟"

"میں بلیک میلر نہیں ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

"لیکن وہ مضامین تمہارے تحریر کردہ تھے اور تم اپنے اخبار کی مائیٹلز رپورٹر ہو۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔

"کیا رپورٹر سے اپنی پسند کی رپورٹنگ نہیں کرائی جا سکتی؟ اور پھر اس کا معاوضہ مجھے ایک ہزار روپے ملا تھا۔"

"ماننے والی بات نہیں ہے بے بی۔ اخبار کا ایڈیٹر ایک مرنجان مرنج قسم کا آدمی ہے وہ بذاتِ خود اتنا ایکٹو پارٹ پلے نہیں کر سکتا۔ ہاں بعض معاملات میں وہ ملوث ضرور ہے جیسے اس نے تمہارے اس کھیل کی تکمیل کے لیے اپنا فلیٹ دیا تھا لیکن وہ مجھے اس سے آگے کی چیز نہیں معلوم ہوتا۔"

"پھر آپ کا کیا خیال ہے؟" میں نے پوچھا۔

"دیکھو بے بی۔ آج تم سے بہت صاف گفتگو ہوگی۔ بہتر یہ ہوگا کہ تم اپنی پوزیشن صاف کر لو لیکن سچ بول کر۔ میں جاننا چاہتا ہوں کہ ان معاملات میں تمہاری دلچسپی کس حد تک ہے؟"

"کن معاملات کی بات کر رہے ہیں؟"

"ہوں۔ تو گویا تم تیار نہیں ہو۔ بہر حال تمہاری مرضی۔ میں چاہتا تھا کہ تمہاری کچھ مدد کر دوں لیکن تم میری شخصیت کا مذاق اڑا رہی ہو۔ آخری بار میں تمہیں موقع دے رہا ہوں۔ میرا وعدہ ہے کہ جتنی صاف گفتگو تم کرو گی اتنی ہی صاف گفتگو میں کروں گا۔"

"آنسٹ ہو جائے؟" میں نے پوچھا۔

"ٹھیک ہے یہ بھی سہی۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔

"تو پھر ذرا یہ فرمایئے کہ آپ کو اس مضمون سے کیا خوف پیدا ہوا تھا جس کے لیے آپ نے دس ہزار روپے ادا کیے تھے؟"

"اوہ۔ یہ بھی بہت بڑی بات نہیں ہے۔ میرا تعلق چونکہ ان واقعات سے تھا اس لیے میں لوگوں کی توجہ اس طرف نہیں چاہتا تھا۔ ہمارے عوام ذرا اسی قسم کے ہیں۔ بڑے سے بڑا جرم ہو جائے سنگین سے سنگین واردات ہو جائے انہیں کوئی پروا نہیں ہوتی اور کوئی چھوٹی سے چھوٹی بات ہو بس اخبارات ذرا اس کی حاشیہ آرائی کر دیں پھر عوام کی دلچسپیاں دیکھو۔ اس لیے میں نہیں چاہتا تھا کہ ان واقعات کو اس انداز میں اچھال کر موضوع بنایا جائے۔"

"خوب۔ میرا خیال ہے آپ درست کہہ رہے ہیں۔"

"یقیناً اس کے علاوہ کوئی بات نہیں تھی لیکن تم نے دس ہزار روپے لے کر بھی بدعہدی کی اور مجھے انگلیاں ٹیڑھی کرنی پڑیں۔"

"آپ کی ٹیڑھی انگلیاں واقعی کارآمد ثابت ہوئیں۔"

"ہاں لیکن اخبار کی حد تک۔ ذاتی طور پر تم پھر بھی باز نہ آئیں اور اپنے ننھے منے وجود کو میرے راستے میں لا ڈالا لیکن بے بی۔ میں یہ ماننے کے لیے تیار نہیں ہوں کہ تم تنہا اس کھیل کی ذمے دار ہو۔"

"کیا مطلب؟"

"تمہاری پشت پر کون ہے؟" بھاری آواز نے سوال کیا اور میرے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ پھیل گئی۔

"اس وقت تو میری پشت پر صرف دیوار ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور دوسری طرف سے ہنسنے کی آواز سنائی دی پھر کہا گیا۔

"بچوں کی شرارت کا میں برا نہیں مانتا لیکن بہتر ہے کہ کام کی باتیں بھی جاری رہیں۔"

"جناب کام کی بات ہو رہی ہے تو میں سب سے پہلے آپ پر لعنت بھیجتی ہوں کیوں کہ آپ نے امینہ کے قتل میں ملوث ہونے کا اعتراف کیا ہے۔ میں آپ کو معاشرے کا ناسور قرار دیتی ہوں۔ کیا میں پوچھ سکتی ہوں کہ ان معصوم لڑکیوں کو زندگی کی مسرتوں کا لالچ دے کر ان سے زندگی کیوں چھین لی جاتی ہے؟" میں نے لہجہ بدل دیا۔

"پوچھ سکتی ہو لیکن اس کا جواب ابھی نہیں دیا جا سکتا۔"

"پھر اس سوال کے جواب کی کیا ضرورت ہے؟"

"ہم آہستہ آہستہ اپنی معلومات کا تبادلہ کریں گے۔ تمہارا بندوبست تو بہت پہلے کیا جا سکتا تھا بے بی لیکن ہمیں تمہارے سرپرست کی تلاش ہے۔ تمہیں تو اسی وقت راستے سے ہٹایا جا سکتا تھا جب تم انسپکٹر سلطان سے ہمارے بارے میں معلومات حاصل کر رہی تھیں۔ تم نے اس انسپکٹر کو بھی بلیک میل کیا۔ لیکن وہ غریب میرے بارے میں کیا بتا سکتا تھا۔ البتہ اس کے ذریعے تمہاری جدوجہد کا علم ضرور ہو گیا اور ہم نے تمہاری پشت تلاش کرنی شروع کر دی۔ ویسے بے بی تم یا تمہارے سرپرست بہت چالاک ہیں انہوں نے تمہارا انتخاب کر کے ذہانت کا ثبوت دیا ہے۔ چلو میں تمہیں تمہارے بارے میں بتا دوں۔ صغیر بھایانی کی دولت جوں کی توں ہے اور وہ تمہارے ہی قبضے میں ہے لیکن غیر ممالک کی سیاحت اور تمہاری ایج نے تمہیں کریک کر دیا ہے۔ نہ جانے تم اپنے سینے میں کون سے خیالات سجائے جاسوسوں کی دنیا میں بھٹک رہی ہو۔ جس اخبار میں تم کام کرتی ہو اس کے مالکان نامعلوم ہیں۔ چنانچہ یہ بھی سوچا جا سکتا ہے کہ تم خود ہی اس اخبار کی مالک بھی ہو سکتی ہو۔ یہ معاملہ تمہاری ہی جستجو ہے۔ یعنی تم اس شام اس چکر میں پڑیں جب امینہ نامی لڑکی پولیس اسٹیشن پہنچی۔ لیکن اس کے بعد یہ کیس تمہارے سرپرستوں نے سنبھال لیا اور انہوں نے تمہیں ہی منظر عام پر رکھا۔ مجھے تمہارے بارے میں ذرا دیر سے اطلاعات ملیں اور بے بی نارمن ٹریولرز کا کھیل تو میں نے بند کر دیا تھا صرف اس لیے کہ لوگ اس کی طرف متوجہ ہونے لگے تھے ایک بار پھر تمہاری وجہ سے شروع کرنا پڑا۔ ہاں بے بی۔ وہ اشتہار صرف تمہاری دلچسپی کے لیے شائع کیا گیا تھا اور تم نہ صرف وہاں پہنچیں بلکہ تم نے نہایت ذہانت سے اس سلسلے میں کام شروع کر دیا جس کا ثبوت وہ فلیٹ جہاں تم نے رہائش اختیار کی اور تمہاری دوسری کاوشیں تھیں۔ تمہارا خیال تھا کہ اب تم حالات کی گہرائیوں تک پہنچ جاؤ گی لیکن تمہیں واقعی یہاں ایک اچھی اور باعزت ملازمت مل گئی کیسی رہی؟ کیا تمہاری ساری محنت پر پانی نہیں پھر گیا۔ یہاں تمہاری مدتِ ملازمت تین سال ہے عیش سے گزارو لیکن ہمیں تمہاری پشت کی تلاش ہے حیرت کی بات ہے کہ تمہارے سرپرستوں نے ابھی تک تمہاری خبر نہیں لی۔ کیا ایسے لوگ قابلِ بھروسہ ہیں؟"

میں دم سادھے یہ گفتگو سن رہی تھی اور دل ہی دل میں سوچ رہی تھی کہ میں اول نمبر کی بے وقوف ہوں جن لوگوں کے لیے میں نے بڑی کامیابی سے جال بچھایا تھا وہ میرے ذہن کی گہرائیوں میں اترے ہوئے تھے اور میری ایک ایک سوچ ان کے علم میں تھی۔

"کیا میری سنائی ہوئی کہانی میں کوئی سقم ہے بے بی؟" سوال کیا گیا۔

"اس کا جواب ضروری نہیں ہے۔" میں نے سرد لہجے میں کہا۔

"چلو ٹھیک ہے۔ میں تمہارے اس حق کا احترام کرتا ہوں لیکن اب کیا ارادہ ہے؟" بھاری آواز نے پوچھا۔

"کیا مطلب؟"

"کیا تین سالہ مدتِ ملازمت پوری کرو گی؟"

"ممکن ہے۔" میں نے بے پروائی سے جواب دیا۔

"عالیہ صغیر بھایانی۔ اگر تم واقعی اتنی ہی معمولی سی زندگی گزار رہی ہو جس کا تم نے اظہار کیا ہے تو میں تمہاری مدد کرنے کے لیے تیار ہوں۔ یہیں اسی ملک میں تمہیں بہت بڑی فرم میں بہت بڑا عہدہ مل سکتا ہے تم کم از کم چالیس ہزار روپے ماہوار کما سکتی ہو اور پھر یہاں سے تم دوبارہ بیرونی ممالک نکل سکتی ہو۔ صحافت سے اگر تمہیں خاص دلچسپی ہے تب بھی تمہارا ملک تمہاری اس خواہش کو پورا نہیں کر سکتا۔ یہاں تم وہ نہیں لکھ سکتیں جو تمہارا قلم چاہتا ہے۔ چنانچہ اپنے اس شوق کی تکمیل کے لیے تمہارے لیے بیرونی ممالک مناسب رہیں گے۔ بولو کیا چاہتی ہو؟ کیا میں تمہارے لیے کوشش کروں؟"

"اور اس کرم کے عوض مجھے کیا کرنا ہوگا؟"

"ان لوگوں کی نشان دہی جو تمہارے پشت پناہ ہیں۔"

"یہ خیال تمہارے ذہن میں کیوں سرایت کر گیا ہے کہ کوئی میرا پشت پناہ ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"نہیں بے بی۔ ہماری گفتگو جس نہج پر آ گئی ہے اس کے بعد تمہارا انحراف بے معنی ہو جاتا ہے۔"

"یعنی میں یہ اقرار کروں کہ کوئی میری پشت پر ہے؟"

"نہیں۔ صرف اس کی نشان دہی کر دو۔ یہ یقین کامل ہے کہ کوئی بڑی شخصیت تمہاری پشت پناہی کر رہی ہے۔"

"اور تم اس سے خوف زدہ ہو؟"

"چلو یہی سہی۔"

"اور اگر میں اس کی نشان دہی نہ کروں تو؟"

"تو پھر بہت سی دلچسپیاں تمہارا انتظار کر رہی ہیں۔ یہاں تمہارے لیے معقول بندوبست ہے۔"

"دھمکی؟" میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں ایک حقیقت۔ جو ہماری ضرورت بھی ہے۔ اس طرح تمہارے پُشت پناہ سامنے آجائیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔ مَیں کوشش کروں گی کہ ایسا نہ ہو سکے زندگی میں تھوڑی سی جدوجہد ضروری ہے۔" مَیں نے کہا اور دُوسری طرف سے فون بند کر دیا گیا۔ مَیں کئی منٹ تک رسیور ہاتھ میں لیے بیٹھی رہی تھی اور پھر مَیں نے رسیور رکھ دیا۔ میرے ذہن میں سنسناٹے رینگ آئے تھے۔ اتنی کھُل کر گفتگو کبھی نہیں ہوئی تھی۔ اس طرح ساری کہانی سامنے آگئی تھی۔ اس آواز نے ساری ذمے داریاں قبول کی تھیں لیکن میرا ذہن یہ ماننے کے لیے تیار نہیں تھا کہ وہ خود ہی اس پُورے کھیل کی ذمّے دار ہے۔ اس پُوری گفتگو کے دوران مَیں اس آواز کے زیروبم کو ٹٹولتی رہی تھی میرے ذہن کے خدشات جاگتے رہے تھے۔ اس وقت مَیں اپنی ذات کے سوا کسی پر بھروسہ نہیں کر سکتی تھی۔

اَنکل منوّر کی آواز اس آواز سے حد درجہ مشابہ تھی۔ اس کے علاوہ انکل کے خلاف تین چار دُوسرے شبہات بھی مضبوط تھے۔ نمبر ۱۔ درخشاں اسی علاقے میں ملی تھی جہاں منوّر عالم کی کوٹھی تھی۔ اس کے علاوہ اس علاقے میں دُور دُور تک کوئی عمارت نہیں تھی۔ نمبر ۲۔ انکل منوّر کی آواز۔ اس آواز میں ایک ہلکی سی تبدیلی بھی لائی جا سکتی ہے۔ نمبر ۳۔ انکل منوّر عالم ایک نفسیاتی حادثے کے شکار بھی تھے جس میں تل اور ٹھوڑی کا گڑھا نمایاں تھا۔ نمبر ۴۔ ان کی کوٹھی میں مصنوعی ہوائی سفر کا انتظام بھی تھا۔ بلاشبہ کسی بھی شخص کو یہ یقین ہو سکتا تھا کہ وہ ہوائی سفر کر رہا ہے۔ درخشاں کا بیان سامنے تھا۔ نمبر ۵۔ انکل منوّر بھی مشرقِ وسطیٰ کے اس ملک کا سفر کرتے رہتے تھے۔ غالباً یہاں کے حالات کا جائزہ لینے کے لیے۔ یہ پانچ شبہات اتنے مضبوط تھے کہ صاحبزادہ منوّر عالم کی گردن ہی گرفت میں آتی تھی۔ ان سے واضح شخصیت اور کوئی نہیں تھی۔

اگر ان شبہات کی نفی کوئی بات کرتی تھی تو وہ انکل شہریار کے دلائل تھے لیکن ان حالات میں یہ دلائل زیادہ منافی نہیں تھے دُوسرا جُز جو حالات کی وجہ سے میرے ذہن میں اُبھرا تھا اُس سے مَیں خود بھی شرمندہ تھی لیکن یہ حالات مجھے سب کچھ سوچنے پر آمادہ کرتے تھے یعنی انکل شہریار۔ اس دَور میں انسان اور فرشتوں کا تعین بڑا مشکل کام ہو گیا تھا۔ یہاں شیطان فرشتوں کا رُوپ دھار لیتا ہے اور انسان کی پہچان مشکل ہو جاتی ہے۔ اگر مَیں انکل شہریار کو اس خانے میں فٹ کرتی ہوں تو اُن کے بارے میں میرے شبہات کوئی خاص وزن نہیں رکھتے تھے سوائے اس کے کہ وہ میری ذات سے واقف تھے اور انہوں نے ممکن ہے اپنی ٹیم کو صرف اس لیے میرے پیچھے لگا رکھا ہو کہ وہ مجھے غلط راستوں پر لگاتی رہے۔ اس کے علاوہ تو اور کوئی خاص بات نہیں تھی۔

دفعتاً مَیں چونک پڑی۔ مجھے احساس ہُوا کہ واقعی میری پوزیشن بے حد مخدوش ہے۔ مَیں غیر قانونی طور پر یہاں آئی ہُوں۔ نام اور شخصیت بدل کر کسی مُلک میں داخل ہونا بہرحال جرم ہے اور مَیں کوئی اتنی بڑی شخصیت کی مالک بھی نہیں تھی کہ میری بچت آسانی سے ہو سکتی۔ مجھے احساس ہُوا کہ مَیں کس قدر تنہا ہوں۔ یہاں حالات کی چھان بین میں کوئی میرے ساتھ نہیں ہے اگر خدانخواستہ انکل شہریار کی شخصیت میں بھی کوئی داغ ہے تو پھر تو مَیں بے موت ماری گئی۔۔۔

میرے ذہن میں بہت سے خدشات جاگ اُٹھے تھے۔

پھر مَیں نے فوری طور پر چند فیصلے کیے۔ اب اس فلیٹ میں رہنا مناسب نہیں ہے۔ مجھے فوری طور پر یہ جگہ چھوڑ دینا چاہیے لیکن کہاں جاؤں۔ مجھے احساس ہُوا کہ اس دوران مَیں نے ایک حماقت کی ہے۔ مجھے اس شہر میں اپنے کچھ اور ٹھکانے بنانے چاہئیں تھے جو اس وقت میرے کام آ سکتے تھے لیکن اب تو یہ حماقت ہو ہی گئی تھی۔ اب کیا کیا جائے۔ مَیں نے چند ضروری چیزیں سمیٹیں اور اس دوران برق رفتاری سے سوچتی رہی۔ ایک ہی نام میرے ذہن میں آیا تھا۔ نجمہ۔ ممکن ہے وہ لڑکی میری مدد پر آمادہ ہو جائے۔ افسوس مَیں نے اس سے بھی اس کی رہائش گاہ کی تفصیل نہیں پوچھی تھی۔ اُس نے یہ تو بتایا تھا کہ وہ الخطا میں رہتی ہے لیکن یہ الخطا کیا ہے اس کے بارے میں مجھے کچھ نہیں معلوم تھا۔ بہرحال یہاں رُکنا تو کسی طور بہتر نہیں تھا اس لیے مَیں فلیٹ سے نیچے اُتر آئی اور پھر مَیں قریب و جوار میں دیکھتی ہوئی پیدل چل پڑی۔ اپنے فلیٹ سے کافی دُور آنے کے بعد مَیں نے ایک ٹیکسی کو اشارہ کیا اور ٹیکسی میرے نزدیک آکر رُک گئی۔ مَیں نے اطمینان سے دروازہ کھولا اور اندر بیٹھ گئی اور پھر مَیں نے دھڑکتے دل سے کہا "الخطا"۔ مجھے خدشہ تھا کہ ڈرائیور کہیں استفسارانہ انداز میں مجھے نہ دیکھے لیکن ڈرائیور نے گردن جھکا کر ٹیکسی آگے بڑھا دی۔

مَیں خاموشی سے دم سادھے بیٹھی رہی۔ خاصی پریشان کُن بات تھی۔ مطلب کہ اس وقت مَیں اگر الخطا پہنچ بھی گئی تو نجمہ کے بارے میں معلومات کس طرح حاصل کروں گی۔ ظاہر ہے نجمہ خود کو لیے دیے رہنے والی تنہائی پسند عورت تھی اس کے تعلقات بھی کسی سے نہ ہوں گے اس طرح اُس کے بارے میں معلومات مشکل ہی سے حاصل ہوں گی لیکن اس شخص کی دھمکی کے پیشِ نظر اپنے "بچاؤ" کا انتظام بھی ضروری تھا بہرحال جو تقدیر میں لکھا ہے وہ تو ہوگا۔

*

ٹیکسی خاصی رفتار سے سفر طے کر رہی تھی اور بارونق علاقے اب پیچھے رہ گئے تھے۔ دفعتاً باہر کا سنسان ماحول دیکھ کر مَیں چونک پڑی۔ "ڈرائیور؟" مَیں نے کسی قدر سہمے ہوئے لہجے میں اُسے پکارا اور ڈرائیور نے گردن گھما کر مجھے دیکھا۔

"کہاں جا رہے ہو؟" مَیں نے سوال کیا۔

"الخطا۔" ڈرائیور شاید میرے استفسار کا انداز سمجھ گیا تھا۔

"کتنی دُور ہے؟" مَیں نے پریشانی سے سوال کیا۔

"الخطا۔" وہ اسی انداز میں بولا اور ٹیکسی کی رفتار کچھ اور تیز ہو گئی۔ مَیں خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گئی تھی۔ مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ کوئی گڑبڑ ہو گئی ہے لیکن ان حالات میں کوئی احمقانہ قدم نہیں اُٹھایا جا سکتا تھا۔ مَیں تو بہ تقدیر ہو گئی اور پھر مَیں نے ڈرائیور سے اس بارے میں کوئی سوال نہیں کیا۔

تھوڑی دیر کے بعد میرے حسّاس کانوں نے سمندر کی لہروں کا شور سُنا اور مَیں ٹھوک نگل کر رہ گئی۔ اس علاقے میں مَیں کبھی نہیں آئی تھی۔ ٹیکسی ایک تاریک سے مکان کے سامنے رُک گئی۔

"الخطا؟" مَیں نے ڈرائیور کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پُوچھا اور اُس کے چہرے پر مکروہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

"الخطا۔" اُس نے کہا اور ہنس پڑا۔ پھر اُس نے اپنے ہاتھ کی طرف اشارہ کیا اور مَیں نے اُس کے ہاتھ میں پستول دیکھ کر گہری سانس لی۔ ڈرائیور نے نیچے اُترنے کا اشارہ کیا تھا چنانچہ مَیں خاموشی سے دروازہ کھول کر نیچے اُتر آئی۔ تب اُس نے مجھے مکان کے اندر چلنے کے لیے کہا اور مَیں نے اُس کے اس حکم کی بھی تعمیل کی۔ وہ پستول تانے میرے پیچھے چل رہا تھا اور پھر تاریک مکان کی پہلی سیڑھی پر مَیں نے ٹھوکر کھائی اور گرتے گرتے بچی لیکن دوسرے لمحے ڈرائیور نے ٹارچ روشن کی اور مجھے عقب سے دھکا دیتے ہوئے کچھ بولا جسے مَیں نہ سمجھ سکی۔۔۔ لیکن بہرحال اُس کا اشارہ مَیں سمجھ گئی تھی۔ چنانچہ مَیں سنبھل کر آگے بڑھ گئی۔

تاریک مکان میں صرف تین کمرے تھے۔ ڈرائیور نے روشنی کر دی اور مَیں نے اس عمارت کا جائزہ لیا۔ کافی خوبصورت عمارت بنی ہوئی تھی۔ یہ عمارت کسی بڑے آدمی کی سمندری تفریح گاہ تھی۔ نائلون کی کشتیاں، سمندر کے کنارے کی آرام کرسیاں برآمدے میں رکھی ہوئی تھیں۔ جس کمرے میں مجھے لایا گیا یہاں ایک خوبصورت بَیڈ پڑا ہُوا تھا۔ کونے میں ایک الماری تھی جس میں تالا لگا ہُوا تھا۔ ڈرائیور نے بَیڈ کی طرف اشارہ کیا اور کچھ کہا جسے مَیں حسبِ معمول نہ سمجھ سکی لیکن پھر وہ واپس پلٹ گیا اور جونہی وہ کمرے سے باہر نکلا مَیں نے جھپٹ کر دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ خاصا مضبوط دروازہ تھا اور اندر سے بند ہونے کے بعد اُسے باہر سے نہیں کھولا جا سکتا تھا۔ دروازہ بند کرنے کے بعد مَیں نے کمرے میں چاروں طرف نگاہ دوڑائی۔ چھت کے نزدیک تین چھوٹے چھوٹے روشندان تھے لیکن ایسے کہ اُن سے باہر نکلنے یا اندر آنے کا تصوّر بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ مَیں کسی قدر مطمئن ہو گئی۔

دل دھاڑ دھاڑ کر رہا تھا لیکن پھر مَیں نے خود کو سنبھالا۔ کیا مَیں اتنی ہی بزدل ہوں یا حالات کے بھنور میں پھنس کر اپنی صلاحیتیں کھو بیٹھی ہوں۔ میرا ماضی اتنا کمزور تو نہیں ہے۔ مَیں نے بہت کچھ سیکھا ہے۔ بہت کچھ کیا ہے۔ حالات اس انداز میں سامنے آئے ہیں کہ اب مجھے اپنی دوسری صلاحیتوں سے کام لینا ہے۔ درحقیقت مَیں ذہنی ورزش کی قائل تھی۔ جسمانی ورزش تو انتہائی ناگزیر حالات میں ہی کی جا سکتی ہے اور میرے خیال میں حالات ناگزیر تھے۔

دیر تک مَیں ڈرائیور کی دستک یا اُس کی طرف سے کسی کوشش کی منتظر رہی لیکن کوئی ایسی بات نہیں ہُوئی۔ تب میرے ذہن میں دُوسرا خیال آیا۔ ممکن ہے اس کا کام صرف اسی حد تک ہو کہ مجھے یہاں لا کر بند کر دے اور اس کے بعد وہ کوئی دُوسرا قدم اُٹھائیں۔ مَیں بستر پر بیٹھ گئی۔ انتہائی نفیس بستر تھا جس سے خوشبوئیں اُٹھ رہی تھیں۔ نیچے فرش پر قیمتی قالین تھا۔ یہ ساحلی عیش گاہ ڈرائیور کی تو نہیں ہو سکتی۔ یقیناً یہ کسی بڑے آدمی کی ملکیت ہو گی لیکن اس الماری میں کیا ہے۔۔۔؟

مَیں اُٹھ کر الماری کے قریب پہنچ گئی اور پھر مَیں نے الماری کھولنے کی کوشش کی لیکن اس میں کامیاب نہیں ہو سکی۔ کوئی چیز ایسی نہیں تھی جس سے مَیں الماری کا تالا توڑ سکتی لیکن مَیں نے

سوچا ممکن ہے الماری میں سے کوئی کام کی چیز ہی مل جائے اس لیے میں تالا توڑنے کے لیے ادھر اُدھر نگاہیں دوڑانے لگی اور پھر میری نگاہ مسہری پر رک گئی۔ مسہری کے خوبصورت ڈیزائن میں اسٹیل کی تیلیاں بھی استعمال کی گئی تھیں چنانچہ میں ان میں سے ایک تیلی نکالنے کی کوشش میں مصروف ہو گئی۔ خاصا مشکل کام تھا لیکن بہرحال میں اس کا فارمیکا توڑ کر ایک تیلی نکالنے میں کامیاب ہو ہی گئی اور پھر میں نے اس تیلی سے الماری کھول لی لیکن اندر دیکھ کر مجھے مایوسی ہوئی۔ اندر اعلا درجے کی شراب کی بوتلیں، تولیے، سافٹن اور گلاس وغیرہ رکھے ہوئے تھے اس کے علاوہ کوئی کام کی چیز نہیں ملی۔ چنانچہ میں نے ایک گہری سانس لے کر الماری بند کر دی۔ اس الماری سے مجھے کوئی فائدہ نہیں ہوا تھا۔ اس کے علاوہ کمرے میں اور کوئی کارآمد چیز بھی موجود نہیں تھی چنانچہ میں اپنی جگہ آ بیٹھی۔ مجھے یقین ہو گیا تھا کہ ڈرائیور مجھے اتفاقیہ طور پر کسی مجرمانہ ارادے سے نہیں لایا ہے بلکہ کسی کا آلہ کار ہے اور اس کا مقصد مجھے صرف یہاں قید کرنا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ کیا میں قید رہ کر کسی دوسری کارروائی کا انتظار کروں۔ یقیناً وہ کارروائی بہتر نہ ہوگی۔ پھر کچھ کرنا چاہیے۔ کچھ ضرور کرنا چاہیے۔

چند ساعت سوچنے کے بعد میں اٹھی اور میں نے احتیاط سے دروازہ کھولا۔ میرا خیال تھا کہ دروازہ باہر سے لاک کر دیا ہوگا لیکن ایسی بات نہیں تھی۔ میری کوشش سے دروازہ آسانی سے کھل گیا۔ میں نے باہر جھانکا۔ باہر تاریکی تھی بس کمرے کی روشنی دروازہ کھلنے سے باہر چھن آئی تھی۔

میں نے پلٹ کر پھر دروازہ بند کر لیا اور ایک بار پھر اُس الماری کے پاس پہنچ گئی۔ الماری سے اپنی پسند کی ایک بوتل نکالی اور اُسے ایک خاص انداز میں توڑ دیا۔ شراب فرش پر بہہ گئی اور اب ٹوٹی ہوئی بوتل ایک ہتھیار کے طور پر میرے پاس موجود تھی۔ میں دروازہ کھول کر باہر آ گئی اور آگے بڑھ گئی۔ یہاں جب داخل ہوئی تھی تو مکان کی پوزیشن دیکھنے کا موقع نہیں ملا تھا ویسے مجھے اندازہ تھا کہ یہ جگہ زیادہ بڑی نہیں ہوگی کیونکہ ساحلی مکان رہائشی نہیں تھے بلکہ انہیں وقتی طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔ یہ اندازہ درست تھا۔ یہاں سے میں دوسرے کمرے میں داخل ہو گئی۔ دیوار پر سوئچ تلاش کر کے میں نے روشنی کر دی۔ یہ کمرہ بھی خالی تھا۔ بس ایک بستر اور الماری یہاں بھی موجود تھی۔ ایک اور کمرہ سٹنگ روم تھا جہاں کچھ فرنیچر پڑا ہوا تھا اور بس۔ کچن تھا۔

میری ہمت بڑھ گئی۔ یہاں اب میرے علاوہ کسی اور کی موجودگی کے آثار نہیں ملتے تھے۔ گویا ڈرائیور مجھے قید کر کے چلا گیا تھا لیکن یہ کیسی قید تھی۔ میں داخلی دروازہ تلاش کرتی ہوئی ایک راہداری سے باہر آ گئی اور مجھے اندازہ ہو گیا کہ اس مکان میں داخلے کا یہ واحد دروازہ ہے اور یہی دروازہ باہر سے بند تھا۔ یوں بھی اب میں نے پورے مکان میں روشنی کر دی تھی اور ہر چیز صاف نظر آ رہی تھی۔ مکان سے باہر نکلنے کا اس ایک دروازے کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں تھا۔ دروازہ بھی خاصا مضبوط تھا۔ مجھے اندازہ ہو گیا کہ اسے کھولنا آسان کام نہیں ہوگا لیکن مجھے یہاں سے نکلنا تھا۔ چند ساعت میں سوچتی رہی اور پھر کسی خیال کے تحت میں نے کچن کا رخ کیا۔ کچن بہت نفیس طرز کا تھا۔ ایک الماری میں مختلف کھانے پینے کی چیزوں کے ڈبے چنے ہوئے تھے۔ الیکٹرک کے چولہے لگے ہوئے تھے۔ میں نے پُرخیال انداز میں گردن ہلائی اور پھر اپنے خیال پر عمل کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ میں نے چولہے کو اُس کی جگہ سے ہلانے کی کوشش کی اور اس میں مجھے کوئی دقت نہیں ہوئی۔ بس اُس کا کنکشن کاٹ کر مجھے اسے یہاں سے لے جانا تھا۔ کچن میں سے ٹین کٹر مل گیا۔ چنانچہ میں نے الیکٹرک کے چولہے کا کنکشن کاٹ دیا اور پھر چولہے کو اس کی جگہ سے سرکا کر کچن سے باہر لے آئی۔ اسے دروازے تک لانے میں مجھے کوئی دقت نہیں ہوئی تھی لیکن اب مجھے کسی ایسی جگہ کی تلاش تھی جہاں سے اُس کا کنکشن جوڑا جا سکے۔ یہ خیال مجھے بلاوجہ ہی نہیں آیا تھا۔ میں نے وائرنگ دیکھ لی تھی۔ یہ وائرنگ کنسیلڈ نہیں تھی اور تار بٹن پر لے جائے گئے تھے۔ چنانچہ میں نے ایک جگہ منتخب کر کے وہاں سے وائرنگ اکھاڑی اور پھر اُسے چولہے کے تاروں میں جوڑ دیا۔ اس کے بعد میں نے اسی چولہے پر چڑھ کر دروازے کے عین اوپر ایک جگہ سے وائرنگ کاٹ کر دونوں تار اس میں جوڑ دیے۔ اس کام سے فارغ ہو کر جب میں نے سوئچ آن کیا تو میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ چولہا سلگ اٹھا تھا۔

میں نے چولہا بند کر دیا۔ اپنی اس کوشش میں مجھے ایک حد تک تو کامیابی حاصل ہو گئی تھی۔ چنانچہ میں نے چند ساعت چولہے کے ٹھنڈا ہونے کا انتظار کیا اور پھر اس کا فریم اوپر سے اتار دیا۔ فریم کے نیچے کی وائرنگ میں بھی میں نے تار کے جوڑے اور پھر جلنے والی راڈ کو دروازے کے ہینڈل سے کس

تانبے کے ننگے تاروں سے میں نے اس راڈ کو خوب مضبوط کر کے باندھ دیا تھا اور اس کے بعد میں نے دھڑکتے دل کے ساتھ سوئچ پھر آن کر دیا۔

دیر طلب کام تھا۔ میں نہایت صبر و سکون سے انتظار کرتی رہی۔ راڈ سرخ ہو گئی تھی لیکن دروازے کے ہینڈل کو سرخ ہونے میں پورا پون گھنٹہ صرف ہوا۔ تالے کا فریم سرخ ہوتا جا رہا تھا اور اس کے اطراف کی لکڑی دھواں دینے لگی تھی لیکن ابھی کچھ اور دیر تھی۔ پھر دروازے میں لگے تالے کے اطراف کی لکڑی جلنے لگی۔ تالا پگھل گیا تھا اور اس کی شکل بگڑنے لگی تھی۔ میں واپس پلٹی اور چولہے کا سوئچ آف کر دیا۔ پھر میں نے چولہے ہی سے ایک ٹھوس راڈ نکال کر سرخ تالے کو ٹھوکا اور تالا نکل کر باہر جا گرا۔ میں نے اسی راڈ کو سوراخ میں ڈال کر دروازہ اپنی طرف کھینچا اور دروازہ کھل گیا۔ میں اپنی کوشش میں کامیاب ہو گئی تھی۔

ساری چیزوں کو پھلانگتی ہوئی میں باہر نکل آئی۔ لہروں کا شور اُسی طرح بلند ہو رہا تھا اور باہر تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ قرب و جوار میں کوئی موجود نہیں تھا۔ میں تیز رفتاری سے چل پڑی۔ گھڑی میں وقت دیکھا تو پونے تین بج رہے تھے۔ اجنبی جگہ تھی کوئی تعین نہیں کر سکتی تھی کہ کس طرف کا رُخ کروں۔ یہاں سے کسی کنوینس کا ملنا بھی ناممکن تھا اور پھر میں کوئی خطرہ بھی مول نہیں لینا چاہتی تھی۔ چلتی رہی اور سوچتی رہی کہ کیا کروں۔ بائیں سمت دیکھا تو ویسی ہی ایک اور ہٹ نظر آئی لیکن یہ بھی سنسان پڑی تھی۔ یہاں اور ہٹس بھی ہوں گی کیوں نہ انہیں میں ٹرائی کروں۔ ممکن ہے کوئی ہٹ آباد مل جائے۔ اس خیال سے چاروں طرف نگاہیں دوڑائیں اور پھر کافی دور ایک جگہ روشنی کی رمق نظر آئی۔ دل میں بہت سے فیصلے کرتی ہوئی میں اسی ہٹ کی طرف بڑھ گئی اور ریتیلے راستے کو عبور کر کے بالآخر اس ہٹ تک پہنچ گئی۔ ہٹ کے باہر سیاہ رنگ کی ایک کار کھڑی ہوئی تھی۔

کاش اس کار کے شیشے بند نہ ہوں۔ کاش اس کے اگنیشن میں چابی موجود ہو۔ میں نے سوچا اور کار کے نزدیک پہنچ گئی لیکن دونوں میں سے ایک بھی دعا پوری نہیں ہوئی تھی۔ کار کے چاروں دروازے لاک تھے بہرحال یہ اندازہ ہو گیا کہ ہٹ میں کوئی موجود ہے۔ ہٹ میں داخل ہونے کا فیصلہ بے حد خطرناک تھا۔ نہ جانے کس سے ملاقات ہو۔ لیکن مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق میں ہٹ میں داخل ہو گئی۔ پورے ہٹ کے ایک ہی کمرے میں روشنی تھی

میں رُک کر گہری گہری سانسیں لینے لگی اور پھر میں نے ایک تیز چیخ ماری اور زور سے نیچے گر پڑی۔ اندر سے برتن گرنے اور گلاس ٹوٹنے کی آوازوں کے ساتھ دو گھٹی گھٹی چیخیں بھی ابھری تھیں غالباً اندر لوگ سناٹے کی اس چیخ سے بدحواس ہو گئے تھے۔

میں بے سُدھ ہو کر وہیں پڑی رہی حالانکہ دروازہ کھلنے میں دیر نہیں ہونی چاہیے تھی لیکن اندر موجود لوگ خوفزدہ ہو گئے تھے اس لیے کافی تاخیر کے بعد دروازہ کھلا اور دروازہ کھلتے ہی وہاں تیز روشنی پھیل گئی۔ اس کے ساتھ ہی ایک نسوانی آواز ابھری۔

"لاش!" زبان انگریزی تھی اور لہجہ یورپی۔

"اوہ۔ کیا کہا جا سکتا ہے لیکن شاید کوئی عورت ہے۔" مرد نے کہا۔

"ہاں۔ دیکھو تو سہی رچرڈ۔ کون ہے؟" عورت بولی۔

"اس کے بجائے یہ سوچنا چاہیے کہ یہاں کیسے آ گئی؟"

"پتہ نہیں۔ لو میں ذرا گن لے لوں۔" عورت نے کہا اور میں نے دل ہی دل میں اُن لوگوں سے معذرت کی کہ میں نے اُن کے درمیان مداخلت کی تھی۔ عورت شاید اندر چلی گئی اور مرد میرے نزدیک آ کر بیٹھ گیا۔ میں گہری گہری سانسیں لے رہی تھی۔ مرد نے میری سانسیں محسوس کیں اور پھر سارے اندیشوں کو نظرانداز کر کے اُس نے مجھے بازوؤں میں اٹھا لیا اور اندر لے گیا۔ غالباً انسانی ہمدردی نے اُسے ایسا کرنے پر مجبور کیا تھا۔

وہ اندر داخل ہوا تو عورت کی آواز ابھری۔ "کیا یہ زندہ ہے؟"

"ہاں ایمی۔ بتی جلاؤ۔" مرد نے کہا اور کمرے میں تیز روشنی پھیل گئی۔ دونوں مجھ پر آ جھکے تھے۔ مرد میرے بدن کے مختلف حصوں کو ٹٹول کر غالباً میرے بدن پر کوئی زخم تلاش کر رہا تھا۔ پھر اُس نے کہا۔ "زخمی نہیں ہے۔"

"بے ہوش ہے؟"

"ہاں۔ گہرے گہرے سانس لے رہی ہے۔"

"ٹھہرو میں پانی لاتی ہوں۔" عورت نے کہا۔ پھر انہوں نے بھیگا ہوا کپڑا میرے چہرے پر پھیرا اور میں گردن جھٹکنے لگی۔ اس کے بعد میں نے آنکھیں کھول دیں۔ اتنی تیز روشنی میں اُن کے سامنے بے ہوش بنے رہنا مشکل کام نہیں تھا۔ دونوں غور سے مجھے دیکھ رہے تھے پھر عورت نے میرے بازو پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"کیا تم ٹھیک ہو؟"

"تم۔ تم کون ہو؟" میں نے متوحش انداز میں پوچھ

زبان انگریزی ہی استعمال کی تھی۔

"میرا نام اینجل ایلسی ہے اور یہ میرے شوہر رچرڈ ایلسی تم پریشان نہ ہو ہم تمہارے ہمدرد ہیں۔"

"کیا وہ۔ کیا وہ بھاگ گئے؟"

"کون؟"۔ ایبی نے پوچھا۔

"وہی دونوں۔ وہی دونوں۔" میں نے خوف زدہ لہجے میں کہا اور وہ ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگے پھر مرد نے کہا۔

"تم اسے سنبھالو ایبی میں باہر دیکھتا ہوں۔"

"اپنا ریوالور لے لو رچرڈ۔ خدا جانے باہر کون ہو۔" ایبی نے فکرمندی سے کہا اور رچرڈ نے ہینگر پر لٹکے ہوئے کوٹ سے ریوالور نکال لیا پھر وہ برق رفتاری سے باہر نکل گیا ایبی میری طرف متوجہ ہو گئی۔

"کیا میں تمہیں برانڈی دوں؟" اس نے ہمدردی سے پوچھا۔

"نہیں بس پانی پلا دو۔" میں نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا اور ایبی باہر دوڑ گئی۔ چند ساعت کے بعد وہ میرے لیے گلاس میں پانی لے آئی اور میں نے ایک ہی سانس میں گلاس خالی کر دیا۔

"اور لاؤں؟" اس نے پوچھا۔

"نہیں بس شکریہ۔"

"کیا تم زخمی ہو؟"

"نہیں۔" میں نے درد بھرے انداز میں کہا۔

"یہاں کیسے آ گئیں؟"

"مجھے اغوا کر کے لایا گیا ہے۔" میں نے جواب دیا اور خوبصورت لڑکی چونک کر مجھے دیکھنے لگی۔

"کس نے اغوا کیا ہے؟"

"افسوس میں نہیں جانتی۔" میں نے گردن جھکا کر رُندھی آواز میں کہا۔ اسی وقت رچرڈ اندر آ گیا۔

"میں نے دُور دُور تک دیکھ لیا ہے ایبی۔ باہر کوئی موجود نہیں ہے بلکہ دُور دُور تک کوئی نہیں ہے۔" رچرڈ کی آواز میں شبہ جھانک رہا تھا۔ پھر اس نے ایبی سے پوچھا۔

"کیا ان کے بدن پر کوئی زخم ہے؟"

"نہیں زخم نہیں ہے۔"

"تم کون ہو مس اور ساحل پر کس طرح آ گئیں۔ اگر تم کوئی دقت نہ محسوس کرو تو ہمیں اپنے بارے میں بتاؤ۔"

"یہ کہتی ہے کہ اسے اغوا کیا گیا ہے۔" ایبی نے بتایا۔

"کس نے اغوا کیا ہے؟"

"یہ نہیں جانتی۔"

"کہاں سے اغوا کیا گیا ہے۔ کیا تم مقامی ہو؟" رچرڈ نے پوچھا۔

"نہیں۔ میرا تعلق ایک اسلامی ملک سے ہے۔" میں نے اپنے ملک کا نام بتایا اور کہا۔ "میں اخباری رپورٹر ہوں۔ مجھے ایک تقریب میں مدعو کیا گیا اور پھر رات کو میں وہاں سے واپس آ رہی تھی کہ چند لوگوں نے میری کار رُکوا کر مجھے زبردستی اس سے اُتار لیا اور کوئی چیز سُنگھا کر بے ہوش کر دیا اس کے بعد مجھے ایک تاریک مکان میں ہوش آیا تھا۔ کئی دن تک مجھے اس مکان میں رکھا گیا اس کے بعد ایک رات کھانے میں بے ہوشی کی کوئی چیز ملا کر مجھے دوبارہ بے ہوش کر دیا گیا اور اس بار مجھے ایک بڑی لانچ پر ہوش آیا۔ لانچ نے کتنا سفر کیا مجھے معلوم نہیں۔ بس مجھے اتنا یاد ہے کہ وہ یہاں ساحل پر رُکی اور مجھے یہاں اُتار دیا گیا۔ وہ دونوں مجھے لے کر یہیں ساحل پر بنے ہوئے ایک مکان میں پہنچ گئے اور مجھے اس مکان میں قید کر دیا۔ میں تین دن سے بھوکی پیاسی وہاں قید تھی۔ اس دوران میں نے وہاں سے نکلنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہیں ہو سکی لیکن آج میرے ذہن میں ایک ترکیب آ گئی اور میں نے الیکٹرک کے چولہے کی مدد سے اس مکان کے دروازے کو جلا دیا اور وہاں سے نکل بھاگی لیکن وہ دونوں کہیں قریب ہی موجود تھے انہوں نے میرا تعاقب شروع کر دیا اور میں بدحواسی میں دوڑتی ہوئی یہاں تک آ گئی۔ تاریکی میں مجھے ٹھوکر لگی اور میں گر پڑی۔ میں سخت مظلوم ہوں مسٹر رچرڈ۔ خدا کے لیے میری مدد کریں۔ میں آپ کی شکر گزار ہوں گی۔" میں نے اداکاری کرتے ہوئے کہا۔ بڑی مشکل سے میں اپنی آنکھوں سے آنسو نکالنے میں بھی کامیاب ہو گئی تھی۔

رچرڈ اور ایبی مجھے دیکھ رہے تھے ایبی کی آنکھوں میں ہمدردی کے آثار تھے اور رچرڈ مجھے ابھی تک شبہے کی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا پھر اس نے شانے ہلاتے ہوئے کہا۔

"بہرحال ہمیں بتاؤ ہم تمہاری کیا مدد کر سکتے ہیں؟"

میرے چہرے پر عجیب سے تاثرات اُبھر آئے پھر میں نے آہستہ سے کہا۔ "میں خود شرمندہ ہوں جناب کہ میں نے اس بے تکے وقت میں آپ لوگوں کو زحمت دی۔ براہِ کرم مجھے معاف کر دیں آپ آرام کریں بہت بہت شکریہ۔" میں نے واپسی کے لیے قدم اُٹھا دیے لیکن ایبی جلدی سے آگے بڑھ آئی تھی۔ اس نے عقب سے میرا بازو پکڑتے ہوئے کہا۔

"ارے ارے۔ ان مخدوش حالات میں تم کہاں جاؤ گی اور ابھی تو تم نے رچرڈ سے مدد کی درخواست کی تھی؟"

"ہاں ایبی لیکن مجھے یہ بھی تو احساس ہے کہ میں نے تم لوگوں کو تکلیف دی ہے۔ میں اس سے زیادہ تکلیف تمہیں نہیں دے سکتی۔"

"مگر باہر تمہارے لیے خطرہ ہے۔"

"جو تقدیر میں ہو گا۔"

"تو کہاں جاؤ گی؟"

"ان لوگوں کی نگاہوں سے بچ کر شہر میں نکلنے کی کوشش کروں گی۔"

"کیا تمہیں ہم لوگوں پر بھروسہ نہیں ہے؟"

"ایبی! مسٹر رچرڈ مجھ سے سوال کر رہے ہیں کہ ہم تمہاری کیا مدد کر سکتے ہیں۔ اگر تم لوگ میرے شہر میں ان حالات سے دوچار ہوتے تو میں کبھی تم سے یہ سوال نہیں کرتی بلکہ یہ فیصلہ خود کرتی کہ مجھے اب تمہارے لیے کیا کرنا چاہیے۔ ان الفاظ سے مجھے یہ اندازہ ہو گیا ہے کہ مسٹر رچرڈ میری اس تکلیف سے متاثر نہیں ہوئے اس کے بعد میرے لیے تم لوگوں سے مدد طلب کرنے کی گنجائش نہیں رہی۔"

"یہ بات نہیں ہے مس۔ مجھے افسوس ہے لیکن یہ میرا شہر بھی تو نہیں ہے۔ میں یہاں ایک کمپنی میں انجینئر ہوں اور ایبی میری بیوی ہے۔ ہم لوگوں کو خود محتاط رہنا پڑتا ہے۔" رچرڈ نے کہا۔

"مجھے احساس ہے مسٹر رچرڈ۔"

"تاہم میں تمہاری مدد کر سکتا ہوں لیکن کیا تم مجھے وہ مکان دکھا سکتی ہو جہاں تم قید تھیں اور جس کے دروازے کو تم الیکٹرک اسٹوو سے جلا کر باہر نکلنے میں کامیاب ہوئی ہو؟" رچرڈ نے پوچھا۔

"ہاں۔ لیکن اگر وہ لوگ وہاں موجود ہوئے تو؟"

"وہ دو تھے؟" رچرڈ نے پوچھا۔

"ہاں۔"

"تب تم بے فکر رہو۔ میں اُن دونوں سے تمہارا بچاؤ کر لوں گا۔ آؤ پہلے ہم وہ مکان دیکھ لیں اس کے بعد ہی میں کوئی فیصلہ کر سکوں گا۔ ایبی تم لباس تبدیل کر لو۔" رچرڈ نے کہا اور پھر خود بھی لباس تبدیل کرنے چلا گیا۔ میں خالی الذہنی کے عالم میں کھڑی رہی۔ میری یہ کوشش بھی مصلحت سے خالی نہیں تھی۔ اس طرح یہاں سے نکلنے کی ایک کوشش کی جا سکتی تھی۔

چند ساعت کے بعد رچرڈ اور ایبی تیار ہو گئے۔ رچرڈ نے پستول ساتھ لے لیا تھا اور شاید ایبی بھی مسلح تھی۔ باہر آ کر رچرڈ نے کار کا دروازہ کھول کر مجھے اور ایبی کو پیچھے بٹھایا اور خود ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔

"کیا تم بہ آسانی اس ہٹ کی نشان دہی کر سکتی ہو؟" اس نے کار آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔ میں کوشش کروں گی حالانکہ وہاں سے آزاد ہو کر میں نے سمتوں کا تعین نہیں کیا تھا لیکن میں پوری کوشش کروں گی۔" میں نے جواب دیا اور رچرڈ نے گردن ہلا دی۔ میں نے درحقیقت اس بات کا خیال نہیں رکھا تھا نہ ہی یہ بات میرے ذہن میں تھی کہ مجھے اس ہٹ کی تلاش میں دوبارہ یہاں واپس آنا ہے اس لیے میں نے نگاہ نہیں رکھی تھی لیکن بہرحال میں پوری کوشش کر رہی تھی اور حافظے پر زور دے کر رچرڈ کو گائیڈ کر رہی تھی اور بالآخر میں اس کوشش میں کامیاب ہو گئی۔

وہ ہٹ نظر آ گیا تھا جہاں سے میں فرار ہوئی تھی۔ میں نے رچرڈ کو اشارہ کیا اور اس نے ہٹ کے عین سامنے کار روک دی پھر وہ پستول سنبھالے نیچے اُتر گیا۔ ایبی اور میں بھی دروازہ کھول کر نیچے آ گئے تھے۔ رچرڈ نے پہلے چاروں طرف کا جائزہ لیا اور پھر وہ ہٹ کے دروازے پر پہنچ گیا۔ دروازے سے میرے بیان کی تصدیق ہو گئی۔ رچرڈ نے میری کارروائی کو دیکھا اس کے بعد وہ اندر داخل ہو گیا۔ چند ساعت کے بعد اس نے گہری سانس لے کر کہا۔ "یہاں کوئی موجود نہیں ہے۔ شاید وہ لوگ تمہاری تلاش میں ناکام رہ کر چلے گئے یا ممکن ہے کہیں اور بھٹک رہے ہوں۔"

"کیا آپ نے میری کہانی کی تصدیق کر لی مسٹر رچرڈ؟" میں نے پوچھا۔

"سوری میڈم لیکن دیکھیے نا یہ ضروری تھا اس طرح میرے ذہن میں اب آپ کے لیے کوئی شبہ باقی نہیں رہا۔ مجھے آپ کے الفاظ نے واقعی شرمندہ کیا ہے۔ میں اب بخلوص دل سے آپ کی مدد کے لیے تیار ہوں۔ ایبی کیوں نہ ہم یہاں سے سیدھے واپس چلیں۔"

"جیسا تم پسند کرو رچرڈ لیکن سامان؟"

"کل دن میں منگواؤں گا۔ اس کی فکر مت کرو۔" رچرڈ نے کار میں بیٹھتے ہوئے کہا اور ہم دونوں حسبِ معمول پیچھے کی سیٹ پر بیٹھ گئیں۔ رچرڈ نے کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی تھی۔ ساحلی علاقے میں سفر کرتے ہوئے خاموشی چھائی رہی پھر کار جب سڑک پر آئی تو ایبی نے سکون کی گہری سانس لی۔ "خدا کا شکر ہے کہ ہم خطرے کی حد سے نکل آئے۔" وہ بولی اور پھر مجھ سے مخاطب ہو کر پوچھا۔ "تم نے اپنا نام نہیں بتایا؟"

"عالیہ صغیر" میں نے جواب دیا۔
"اخباری رپورٹر ہو؟"
"ہاں۔"
"تب تو اب تم اپنے بارے میں ہی ایک خوبصورت نیوز بنا سکتی ہو۔" اُس نے مُسکراتے ہوئے کہا۔
"بشرطیکہ یہاں سے نکلنے میں کامیاب ہو سکی؟"
"نہیں اب تم خطرات کو ذہن سے نکال دو، ہم تمہاری پُوری پُوری مدد کریں گے۔ کیوں رچرڈ؟"
"بے شک": رچرڈ نے اُلجھے اُلجھے لہجے میں کہا۔ میں نے اُس کے لہجے کی پریشانی نوٹ کی تھی اور میں کسی حد تک اس پریشانی کی وجہ کا اندازہ بھی لگا چکی تھی لیکن جن حالات میں میں گھری ہوئی تھی اُن میں یہی بہتر تھا کہ میں کسی نہ کسی طرح یہاں سے نکل جاؤں۔ چنانچہ میں نے رچرڈ کی پریشانی کا نوٹس نہیں لیا اور خاموشی سے بیٹھی تاریکیوں میں جھانکتی رہی۔ ویسے میرا ذہن اب ان واقعات کا تجزیہ کر رہا تھا۔ وہ آواز جس نے مجھ سے فون پر گفتگو کی تھی اب بھی میرے کانوں میں گونج رہی تھی درحقیقت کوئی زبردست شخصیت ہے جو یہاں بھی حالات پر اتنی ہی قادر ہے کہ اس اجنبی مُلک میں بھی سب کچھ کر سکتی ہے۔ اس کا مظاہرہ میں دیکھ چکی تھی۔ یہاں بھی اُس کے گرگے گردش کر رہے تھے۔ یقیناً مجھے فون کرنے سے قبل ہی اُس نے میرا بندوبست کر لیا ہوگا اور ممکن ہے کئی ٹیکسیاں اس کام کے لیے مخصوص کر دی گئی ہوں کہ میں نہ جانے کہاں اور کس ٹیکسی کو اشارا کر دوں؛

کار شہر میں داخل ہو گئی اور پھر وہ کسی بڑی فیکٹری کے بہت بڑے آہنی پھاٹک کے سامنے پہنچ گئی۔ رچرڈ نے اینی سے کہا۔ "اینی مس عالیہ کو ذرا نیچے کر دو۔ میں احتیاط چاہتا ہوں"
"او کے" اینی نے کہا اور مجھے سیٹوں کے نیچے چھپا دیا۔
چوکیداروں نے کار کے نزدیک آ کر دیکھا اور پھر رچرڈ کو پہچان کر گیٹ کھول دیا۔ فیکٹری ہی کے ایک حصّے میں رہائشی فلیٹ بنے ہوئے تھے۔ خوبصورت دو منزلہ عمارت کی اوپری منزل پر رچرڈ کی وسیع اور کشادہ رہائش گاہ تھی۔ اس خوبصورت رہائش گاہ کے ایک کمرے میں وہ دونوں مجھے لے آئے اور رچرڈ نے اینی سے کہا۔ "اینی اپنی دوست کو ہر ممکن سہولت فراہم کر دو اور ہاں اس وقت میری ضرورت تو نہیں ہے؟"
"کیا تم سونے جا رہے ہو رچرڈ؟"
"اگر تمہاری اجازت ہو تو۔"

"ٹھیک ہے۔ تم جاؤ۔" اینی نے کہا اور رچرڈ چلا گیا تب اینی نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا۔ "دیکھو عالیہ اب تم اپنے ذہن سے پریشانیاں نکال دو۔ اگر غسل کرنا چاہو تو وہ باتھ رُوم ہے میں تمہارے لیے لباس کا بندوبست کیے دیتی ہوں تکلف بالکل نہیں ہوگا۔ تم ان کاموں سے فارغ ہو جاؤ تو کافی پئیں گے اور پھر باتیں کریں گے۔" اینی اس کمرے سے باہر نکل گئی اور پھر چند ساعت کے بعد وہ ایک خوبصورت سلیپنگ شرٹ اور ایک گون لے کر آ گئی اُس نے یہ دونوں چیزیں مجھے دیں اور اُنگلی سے باتھ رُوم کی طرف اشارا کیا۔ میں ایک پھیکی سی مُسکراہٹ کے ساتھ باتھ رُوم میں داخل ہو گئی تھی۔

نیم گرم پانی کی پھواریں مجھے بھگونے لگیں۔ اس دوران میں ان دونوں میاں بیوی کے بارے میں سوچتی رہی تھی۔ میرے الفاظ نے اُنہیں بہت متاثر کیا تھا جب میں نے کہا تھا کہ اگر میرے ملک میں مدد کی ضرورت ہوتی تو میں اُن سے یہ سوال نہ کرتی کہ میں اُن کی کیا مدد کر سکتی ہوں۔ بہرحال کچھ بھی ہو ان لوگوں سے مدد لینی ہے۔ ہرچند کہ یہ میرے معیار کے خلاف بات تھی لیکن بعض اوقات انسان کا معیار کچھ نہیں رہتا۔ اس سلسلے میں میرے دماغ کی چولیں ہل گئی تھیں اور سچی بات تو یہ ہے کہ ان لوگوں نے مجھے میری ہر کوشش میں شکست دی تھی۔ یہ اعتراف میں نے خلوصِ دل سے کیا تھا۔ باہر آئی تو اینی موجود تھی۔ اس کے سامنے کافی کے خوبصورت برتن رکھے ہوئے تھے اور وہ چٹکی سے پیشانی مسل رہی تھی۔ مجھے دیکھ کر مُسکرائی اور پھر مجھے بیٹھنے کے لیے کہا۔
"میرا لباس تو تمہارے بدن پر بالکل ٹھیک رہا۔"
"ہاں۔" میں نے مُسکرا کر جواب دیا اور اینی کافی بنانے لگی۔ پھر اُس نے ایک پیالی میری طرف سرکا دی اور دُوسری اپنے سامنے رکھ کر بولی۔
"ان لوگوں کے بارے میں تمہارا اپنا کیا خیال ہے؟"
"اگر مجھے مشرقِ وسطیٰ نہ لایا جاتا تو میں کچھ اور سوچتی۔" میں نے کافی کا گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔
"کیا؟"
"اخباری زندگی بعض اوقات بے حد خطرناک ہو جاتی ہے۔ بلاوجہ کے دشمن بن جاتے ہیں۔"
"ہاں کسی کے بارے میں خبر لگ گئی تو وہ دشمن بن گیا۔ کہیں یہ تمہارے ایسے ہی کسی دشمن کی کوشش تو نہیں ہے؟"
"فیصلہ نہیں کر پائی۔"
"کوئی تو خیال ہوگا تمہارے ذہن میں؟"

"ویسے کسی دشمن کا وجود نہیں تھا۔"
"تو پھر یہ اغوا کنندہ کون ہو سکتے ہیں؟"
"نوجوان لڑکیوں کے کاروباری۔" میں نے جواب دیا۔
"ممکن ہے یہاں اطراف میں اس کی بڑی گنجائش ہے۔"
ینی نے معنی خیز انداز میں مُسکراتے ہوئے کہا۔
"سُن چکی ہوں۔" میں نے گہری سانس لے کر کہا۔
"اور میں دیکھ چکی ہوں۔"
"کیا مطلب؟"
"چھوٹے چھوٹے نخلستانوں کو جنت نظیر بنا لیا گیا ہے۔
ل کی دولت کا استعمال بعض جگہوں پر بہت غلط ہو رہا ہے۔"
نی نے جواب دیا اور میں ایک گہری سانس لے کر رہ گئی۔ چند
ا مت خاموش رہنے کے بعد اینی دوبارہ بولی۔
"تمہارا خاندان تو تمہارے لیے سخت پریشان ہوگا؟"
"میری خوش نصیبی ہے یا میرے اہلِ خاندان کی۔ کہ ان
ں سے کسی کا وجود نہیں ہے۔ البتہ میرے اخبار کے مالکان
سخت پریشان ہوں گے۔" میں نے جواب دیا۔
"اوہ۔ تم تنہا ہو؟"
"ہاں اور طویل عرصہ گزر گیا۔ رشتوں کی حقیقتیں بھول چکی ہوں۔"
"ایک طرح سے یہ بات بہتر بھی ہے اور دُوسرے طور سے
تکلیف دہ۔ بہرحال مجھے واقعی تم سے ہمدردی ہو گئی ہے۔"
"اور میں سخت شرمندہ ہوں کہ تم لوگوں کے لیے باعثِ تکلیف
بن گئی۔"
"نہیں ایسی بات نہیں ہے۔ اس دُنیا میں دو طرح کے
لوگ ہوتے ہیں۔ اچھے اور بُرے۔ مگر ہم خود کو اچھے انسانوں میں
شمار کرتے ہیں تو پھر ہمارے اوپر کچھ فرائض بھی عائد ہو جاتے ہیں
انسان پر انسان کا اتنا حق تو ہے کہ وہ اپنی پریشانی میں دوسرے
سے مدد طلب کرے۔" اینی نے کہا۔
"بے شک اینی یہ حق انسان کو انسان پر ہے۔" میں نے
تائید کی۔ اینی دیر تک مجھ سے باتیں کرتی رہی اور پھر اُس نے
مجھے سونے کی ہدایت کی اور وہاں سے چلی گئی۔ بستر پر لیٹنے کے
بعد خیالات کے ہجوم نے میرے ذہن پر یلغار کی لیکن میں نے
نہیں جھٹک دیا۔ یہ تکلیف دہ خیالات بقیہ رات کی نیند بھی اُڑا
یتے۔ اس لیے میں سو گئی اور دُوسرے دن خاصے دن چڑھے
جاگی تھی۔
اینی نے بتایا کہ مسٹر رچرڈ سروس پر جا چکے ہیں اور اب
دوپہر کو دو بجے اُن سے ملاقات ہوگی۔ پھر ہم دونوں نے ناشتہ
کیا۔ اینی کسی قدر خوش نظر آ رہی تھی اُس نے کہا۔ "اگر تم ان حالات کا شکار ہو کر یہاں نہ آئی ہوتیں تو میں تمہیں ایک طویل عرصے تک اپنا مہمان رکھتی۔ تمہاری شخصیت مجھے بہت پسند آئی ہے۔"
"شکریہ اینی۔ کتنا عرصہ ہو گیا تمہیں یہاں آئے ہوئے؟"
"ایک سال۔"
"تمہارا تعلق انگلستان سے ہے نا؟"
"ہاں۔"
"وہاں تمہارے والدین وغیرہ بھی ہوں گے؟"
"ہاں سب ہیں ڈیڈی اور ممی ابھی تین ماہ قبل ملاقات کے لیے آئے تھے اُن کے جانے کے بعد میں بہت اُداس ہو گئی تھی۔ بس یہاں کی تفریحات محدود ہیں۔ چھٹی کا دن ہم ساحل پر گزارتے ہیں وہ برٹش کمپنی کی ہے جہاں ہماری ملاقات ہوئی تھی۔"
"ہوں۔ واقعی محدود زندگی ہے۔ یہاں دُوسری خواتین بھی ہوں گی میرا مطلب ہے قرب و جوار میں رہنے والی۔ کیا ان میں کوئی فیملی انگلستان سے تعلق نہیں رکھتی؟"
"یہاں انگریز فیملی ایک بھی نہیں ہے۔ ویسے دُوسری خواتین سے میری شناسائی ہے لیکن اتفاق سے میری ہم مزاج کوئی نہیں ہے۔ میں تمہیں اُن لوگوں سے ملاتی لیکن رچرڈ کا خیال ہے کہ تمہاری آمد کو پوشیدہ ہی رکھا جائے۔" اینی نے کہا۔
"مجھے احساس ہے مسٹر رچرڈ کے لیے بھی خاصی دردِ سری ہو گئی ہے لیکن بہرحال میری مجبوریاں بھی اہمیت رکھتی ہیں۔"
"کیوں نہیں کیوں نہیں۔ میری کسی بات کو کوئی غلط معنی نہ دینا۔" اینی نے کہا۔
دوپہر کو دو بجے رچرڈ واپس آ گیا۔ بڑی خوش اخلاقی سے اُس نے مجھ سے ملاقات کی اور میری خیریت پوچھی۔ لنچ کے بعد ہماری میٹنگ ہوئی جس کی خواہش رچرڈ نے کی تھی اور پھر اُس نے کہا۔ "میں پورا دن تمہارے بارے میں سوچتا رہا ہوں مس عالیہ۔"
"مجھے شدید احساس ہے مسٹر رچرڈ۔"
"بات وہ نہیں ہے جو آپ سوچ رہی ہیں۔ میرا ذہن کچھ اور اُلجھنوں کا شکار رہا۔" رچرڈ نے جواب دیا۔
"وہ کیا جناب؟"
"مس عالیہ۔ میں اطمینان سے آپ کو مقامی حکومت کے حوالے کر سکتا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ حکومت آپ کی پوری پوری مدد کرے گی لیکن یہ سلسلہ طویل ہو جائے گا اور اس سے آپ کی پبلسٹی بھی ہوگی۔ آپ ذرا سا گہرائی میں جا کر سوچیں۔ مقامی حکومت

آپ کو آپ کے وطن پہنچا دے گی لیکن ہم کچھ لوگوں سے دشمنی پال لیں گے۔ جو لوگ اتنا بڑا کام کرتے ہیں وہ طاقت بھی رکھتے ہوں گے اگر این میرے پاس نہ ہوتی تو یقین کریں مجھے ذرا بھی تردد نہ ہوتا لیکن یہ دشمنی این کو نقصان پہنچا سکتی ہے۔"

"اوہ۔ ہاں یہ ممکن ہے۔" میں نے گردن ہلا دی۔

"لیکن میری اس گفتگو سے یہ مت سوچنا کہ میں تمہاری امداد سے پیچھے ہٹ رہا ہوں۔ یہ بات میں نے مشورے کے طور پر تم سے کہی ہے۔"

"جی۔" میں نے آہستہ سے جواب دیا۔

"اس کے متبادل ایک اور ترکیب ہے میرے ذہن میں۔ یہاں بہت سے کام ہوتے ہیں۔ بہت سے ممالک کے لوگ ناجائز طور پر اسمگل ہو کر یہاں آتے ہیں اسی طرح وہ یہاں سے واپس بھی چلے جاتے ہیں۔ میری شناسائی ایک ایسے شخص سے ہے جو یہ کام کرتا ہے کیا میں اُس سے تمہارے لیے بات کروں؟"

"ذریعہ آمدورفت کیا ہے؟"

"لانچیں۔ ایک معقول رقم لے کر وہ لوگ یہ کام کرتے ہیں اور تم بالکل بے فکر رہو یہ رقم میں فراہم کر دوں گا۔"

میں نے چند لمحات کے لیے سوچا۔ یہ بات کسی حد تک میرے حق میں ہی تھی اگر میں مقامی پولیس کے ہاتھوں میں پہنچ جاتی تو چند مشکلات پیش آ سکتی تھیں۔ احمد انٹرپرائز میں میں شمسہ کے نام سے ملازم ہوئی تھی۔ یہ صرف میرا فراڈ تھا جو ضرور سامنے آ جاتا اور بے شمار الجھنیں پیدا ہو جاتیں مجھے وہاں شناخت کر لیا جاتا اور اس بارے میں پوچھا جاتا کہ میں نے ایسا کیوں کیا۔ اس کے علاوہ میری تشہیر میرے دشمنوں کو بھی میری طرف متوجہ کر دیتی اور وہ کوئی نئی چال چل سکتے تھے۔ اس طرح تو یہ آسانی بھی فراہم ہو گئی تھی کہ میں کسی کی نگاہوں میں آئے بغیر خاموشی سے باہر نکل جاؤں چنانچہ میں نے ممنون انداز میں گردن ہلائی۔

"میں آپ کی یہ رقم وطن پہنچتے ہی واپس کر دوں گی۔" میں نے رضامندی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"رقم کوئی حیثیت نہیں رکھتی مس عالیہ۔ سوال صرف یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا آپ اس مخدوش طریقے سے سفر کرنے کے لیے تیار ہیں؟"

"حالات یہی کہتے ہیں مسٹر رچرڈ۔ میں اپنے محسن کو بھی الجھن میں نہیں پھنسانا چاہتی اور میرے لیے یہی بہتر ہے۔"

"تو پھر میں بندوبست کر لوں؟"

"یقیناً۔" میں نے جواب دیا اور رچرڈ نے گردن ہلا دی۔ میرے ذہن میں اب کوئی تردد نہیں تھا۔ میں نے سنا تھا کہ ان علاقوں میں سفر کرنے کا ایک طریق کار یہ بھی ہے اور بہرحال اگر یہ طریقہ کار مخدوش بھی تھا تو مجھے یہ خطرہ تو مول لینا ہی تھا۔ دوسری صورت پریشان کن ہوتی۔ میرا پاسپورٹ کمپنی کے پاس جمع تھا اُسے نکالنا آسان نہ ہوتا اس کے علاوہ دیگر مشکلات بھی تھیں اور ان مشکلات سے نجات حاصل کرنے کا طریقہ یہی تھا کہ میں رچرڈ کی اس پیشکش سے فائدہ اُٹھاؤں۔

رچرڈ کے مکان پر میں ایک ہفتے تک پوشیدہ رہی۔ اینی سے میری گہری دوستی تھی اور وہ میرے جانے کے خیال سے آزردہ رہتی تھی۔ میں نے اُسے دعوت دی تھی کہ وہ میرے وطن آئے اور کچھ وقت میرے ساتھ گزارے۔ رچرڈ اور اینی دونوں نے یہ دعوت قبول کر لی تھی اور رچرڈ نے کہا تھا کہ وہ پہلی فرصت میں میرے پاس آئے گا اُس نے کہا تھا کہ اُسے اور اینی کو میرا وطن دیکھنے کا شوق ہے۔ اس دوران وہ دونوں بے چارے میرے لیے خاصے پریشان رہے۔ ملنے جلنے والوں سے پوشیدہ رکھنے کے لیے بھی انہوں نے خاصی تگ و دو کی تھی۔ رچرڈ نے بتایا تھا کہ جس لانچ سے مجھے بھیجنے کی بات ہوئی ہے وہ ابھی آئی نہیں ہے۔

نویں دن رچرڈ جب اپنی ڈیوٹی سے واپس آیا تو سنسنی کا شکار تھا۔ کھانے کے بعد اُس نے انکشاف کیا۔ "لانچ آج رات جا رہی ہے۔" اینی کا منہ کھل گیا تھا۔

"تو کیا؟"

"ہاں آج رات ہم عالیہ کو خداحافظ کہیں گے۔" اینی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور میں اُسے سمجھانے لگی۔

"صورت حال کیا ہو گی مسٹر رچرڈ؟" میں نے پوچھا۔

"رات کو نو بجے لانچ ساحل سے روانہ ہو جائے گی۔ اس کا کپتان الفضیل نامی ایک یمنی ہے۔ میں نے اُس سے بات کر کے رقم ادا کر دی ہے۔ ہم ٹھیک چھ بجے یہاں سے چل پڑیں گے۔ الخطا کے بائیں سمت ایک سمندری تفریح گاہ ہے جہاں سے کشتیاں کرایے پر مل جاتی ہیں ایک تفریحی کشتی لے کر ہم سمندر میں نکل جائیں گے۔ رات کو ساڑھے نو بجے الخطا کی چٹانوں کے پاس پہنچ جائیں گے لانچ وہاں نو بج کر چالیس منٹ پر پہنچے گی اور وہیں سے تمہیں لانچ پر لے لیا جائے گا۔ میں نے پوری طرح بات کر لی ہے اس میں کوئی دقت نہیں ہو گی۔"

"میرے ملک میں کیا صورت حال رہے گی؟"

"یہ لوگ ایسے کاموں کے ماہر ہیں تمہیں کسی ایسے ساحل پر اتار دیں گے جہاں سے تم بآسانی اپنے وطن جا سکو۔"

"ٹھیک ہے یہ کوئی مشکل صورت حال نہیں رہے گی۔" میں نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ بے چاری اینی میرے بچھڑ جانے کے خیال سے بہت غمزدہ تھی سارا دن وہ مضمحل اور اُداس رہی۔ اُس نے میرے لیے بہت سے تحائف بھی خریدے تھے جنہیں اُس نے ایک بکس میں پیک کر دیا۔ گو میں نے اُن کی سخت مخالفت کی تھی لیکن وہ نہیں مانی۔ میں بھی خاموش ہو گئی تھی۔

شام کو چھ بجے ساری تیاریاں مکمل کرنے کے بعد ہم نکل آئے۔ رچرڈ نے ایک تفریحی پروگرام کی ساری تیاریاں مکمل کر لی تھیں۔ الخطا کی چٹانوں کے بارے میں مجھے معلوم ہوا کہ وہ سمندر کے درمیان ایک خوبصورت جگہ تصور کی جاتی ہے اور اکثر لوگ وہاں تفریحاً چلے جاتے ہیں لیکن حکومت کی طرف سے وہاں جانے والوں کی کوئی ذمے داری قبول نہیں کی جاتی کیوں کہ مدوجزر کے دوران اکثر وہ چٹانیں زیرآب چلی جاتی ہیں۔ اس کے باوجود لوگ اپنی ذمے داری پر وہاں چلے جاتے تھے۔

الخطا کی سمندری تفریح گاہ میں سناٹا تھا۔ عام دن تھا اس لیے لوگ تفریح کے لیے نہیں آئے تھے لیکن کشتی رانی کے چند شوقین البتہ موجود تھے۔ ساحل پر چند کشتیاں ڈولتی نظر آ رہی تھیں۔ رچرڈ نے کار پارک کی اور وہ اینی کے ساتھ کشتی حاصل کرنے چلا گیا۔

پھر وہ دونوں ضروری انتظامات کرنے کے بعد واپس آ گئے اور ہم درمیان میں سے کر کشتی کی طرف چل پڑے۔ رچرڈ کسی خیال سے مسکرا پڑا تھا۔ اینی نے اس سے مسکراہٹ کی وجہ پوچھی۔ "ممکن ہے کچھ لوگ ہم تینوں کو کشتی میں بیٹھتے دیکھ لیں۔" رچرڈ بولا۔

"پھر؟" اینی نے پوچھا۔

"ظاہر ہے یہاں سے جانے والے تین ہوں گے اور واپسی صرف دو افراد کی ہو گی۔ یہ لوگ یہ بھی سوچ سکتے ہیں کہ ہم نے اپنے تیسرے ساتھی کو قتل کر کے سمندر میں بہا دیا۔"

"اوہ ہاں رچرڈ یہ بات تو ہے۔" اینی نے تشویش سے کہا۔

"میں نے کوشش تو کی ہے۔ اسی لیے تنہا آدمیوں سے سفر کی کشتی حاصل کی ہے لیکن دیکھا جائے گا۔"

"ویسے تو یہ دوتوار میں تو کوئی نہیں ہے۔" اینی نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں عام دنوں کی سہولت ہے۔ اگر کوئی چھٹی کا دن ہوتا تو ہمیں اپنے کام میں اس قدر آسانی نہ ہوتی۔ اس وقت کشتیاں کرایے پر دینے والے لاشات کے بھی صرف دو افراد یہاں موجود ہیں۔ آؤ ذرا تیز ہو جائیں تاکہ ان میں سے کوئی اپنے کیبن سے باہر نہ آ جائے۔" رچرڈ نے کہا اور ہم نے رفتار تیز کر دی۔ چھوٹی سی خوبصورت موٹر کشتی لہروں پر ڈول رہی تھی۔ ہم تینوں اس پر سوار ہو گئے۔ رچرڈ کے اشارے پر میں کشتی میں لیٹ گئی کیونکہ اس کو کیبن کے سامنے سے گزرنا تھا۔ پھر رچرڈ نے موٹر اسٹارٹ کی اور کشتی آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگی۔

ایک کنارے پر رچرڈ بیٹھا تھا اور دوسرے پر اینی میں باہر سے نظر نہیں آ رہی تھی۔ پھر جب کشتی کیبن سے دور نکل آئی تو رچرڈ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "بس مس عالیہ اب آپ آرام سے بیٹھ جائیں۔ آپ کی سزا ختم ہو گئی ہے۔" اور میں مسکراتی ہوئی بیٹھ گئی۔ ہم سمندر کے سینے پر سست روی سے چلتے رہے رچرڈ نے موٹر بند کر کے پتوار سنبھال لیے اور کشتی کو آہستہ آہستہ چلانے لگا۔ اینی بدستور مضمحل نظر آ رہی تھی۔

"اپنے وطن واپس پہنچ کر سب سے پہلے ہمیں اطلاع دینا عالیہ۔ ہم بے چینی سے انتظار کریں گے۔"

"یہ تمہارے کہنے کی بات نہیں ہے اینی۔ میں کیا کروں گی وقت آنے پر بتاؤں گی۔" میں نے جواب دیا۔

ساڑھے آٹھ بجے تک ہم کشتی رانی کرتے رہے کشتی میں ہی کھانا کھایا گیا اور اس کے بعد رچرڈ نے گھڑی دیکھ کر کشتی کا رُخ دوبارہ الخطا کی چٹانوں کی طرف کر دیا۔ دوبارہ میں نے اس لیے کہا کہ اس سے قبل ایک بار رچرڈ ان چٹانوں کا جائزہ لے کر مجھے ان کے بارے میں بتا چکا تھا۔ معتدل موسم تھا اس لیے چٹانیں پانی میں خوب اُبھری ہوئی تھیں۔ شام کے دھندلکے میں ان پر سبزہ بھی نظر آیا تھا جو اس وقت گہری تاریکی میں چھپا ہوا تھا چٹانوں کے پاس پہنچ کر رچرڈ نے ایک جگہ منتخب کی اور ہم وہاں اُتر گئے اور اس کے بعد بے چینی سے لانچ کا انتظار کیا جانے لگا۔

تقریباً ساڑھے نو بجے دور سے لانچ کی روشنیاں دیکھ لی گئیں اور ہم تیار ہو گئے۔ لانچ آہستہ روی سے سمندر کے سینے پر بہتی ہوئی اس طرف آ رہی تھی۔ رچرڈ نے دوبارہ کشتی سنبھال لی اور ہم دونوں اس میں سوار ہو گئیں۔ رچرڈ نے کشتی کا موٹر اسٹارٹ کر دیا تھا پھر اُس نے روشنی کے سگنل دیے اور جواب میں لانچ سے بھی ویسے ہی اشارے موصول ہوئے۔ میں ان اشاروں کو دیکھ رہی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد لانچ اور ہماری

کشتی ایک دوسرے کے پاس پہنچ گئیں۔ لانچ سے کسی نے کچھ کہا جو سمجھ میں نہیں آسکا تھا لیکن اس کے ساتھ ہی سفید رنگ کی ایک سیڑھی نیچے لٹک آئی اور اوپر سے جھک کر کسی نے کہا
"خدا حافظ مس عالیہ۔" رچرڈ نے کہا۔ اس نے میرے رخسار کو الوداعی بوسہ دیا اور اس کی بھیگی آنکھوں سے آنسو میرے چہرے کو بھی بھگو گئے۔ چند لمحے سیڑھی کے ذریعے اوپر لانچ پر پہنچ گئی۔ میرا سوٹ کیس بھی اوپر آ گیا تھا۔ اس کے بعد سیڑھی کھینچ لی گئی اور لانچ آگے بڑھ گئی۔ نیچے کشتی میں وہ دونوں ہاتھ ہلا رہے تھے۔ چند ساعت میں وہیں کھڑی انہیں دیکھتی رہی اور جب وہ تاریکی میں گم ہو گئے تو میں نے گہری سانس لے کر گردن ہلائی۔ دو آدمی میرے عقب میں کھڑے ہوئے تھے یہ دونوں چھوٹے چکلے بدن کے لوگ تھے اور ان میں سے ایک شاندار سوٹ میں ملبوس تھا۔
"آیئے خاتون میں آپ کو آپ کے آرام کی جگہ پہنچا دوں" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا اور میں اس کے ساتھ آگے بڑھ گئی۔ یہ جملہ اس نے انگریزی میں ہی کہا تھا لیکن اس کی انگریزی صحیح نہیں تھی۔ چند ساعت کے بعد میں ایک بہت ہی چھوٹے کیبن میں پہنچ گئی جہاں ایک برتھ لگی ہوئی تھی۔ برتھ پر کمبل پڑا ہوا تھا۔ اس نے کہا "اس سے زیادہ آرام ہم آپ کو نہیں دے سکتے۔ لانچ کا سفر ساٹھ گھنٹے کا ہے۔ یہ ساٹھ گھنٹے آپ کو ذرا تکلیف سے گزارنے ہوں گے۔ دائیں سمت کچن ہے اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو وہاں سے طلب کر لیں۔"
"بہت بہت شکریہ۔ آپ کا نام کیا ہے؟"
"الفیصل الیمنی۔" اس نے جواب دیا۔
"آپ اس لانچ کے کپتان ہیں؟"
"ہاں۔ خدا حافظ۔" اس نے کہا اور اس مختصر سے کیبن سے باہر نکل گیا۔ میں اس برتھ نما بستر پر آ گئی۔ اس وقت کسی تکلف کی گنجائش نہیں تھی۔ چنانچہ میں کمبل اوڑھ کر لیٹ گئی ذہن کو کسی پراگندگی کا شکار کیے بغیر میں سونے کی کوششوں میں مصروف ہو گئی۔ نیند بھی عجیب چیز ہے جب آتی ہے تو کوئی جگہ نہیں دیکھتی۔ ایسی سوئی کہ صبح کو ہی جاگی درمیان میں ایک بار بھی آنکھ نہیں کھلی تھی۔ صبح کو جاگ کر مجھے حیرت ہوئی کہ میں کتنی بے فکر ہو کر سوئی۔ حالانکہ تصورات میں ایسی نیند مشکل سے ہی آتی ہے۔ لانچ بری طرح ہل رہی تھی۔ غالباً ہوائیں تیز تھیں۔

میں کیبن سے باہر آ گئی۔ بھوک تو بالکل نہیں لگ رہی تھی لیکن سر میں شدید درد تھا اور چائے کی طلب محسوس ہو رہی تھی۔ میں جانتی تھی کہ یہ کوئی پسنجر جہاز تو ہے نہیں نہ ہی میں کوئی معزز مسافر تھی جس کی دیکھ بھال کی جاتی چنانچہ میں خود ہی کیبن سے نکل کر کپتان کی ہدایت کے مطابق کچن میں پہنچ گئی کچن البتہ صاف ستھرا تھا یہاں دو افراد موجود تھے جو باورچیوں کی وردی پہنے ہوئے کاموں میں مصروف تھے۔
"ناشتہ؟" ان میں سے ایک نے بغیر کسی تمہید کے پوچھا۔
"ہاں۔ خاص طور سے چائے۔ کیا تیار ہے؟"
"بالکل۔" اس نے جواب دیا اور پھر اس نے نہایت پھرتی سے چائے بنا کر مجھے دے دی اس کے ساتھ ہی اس نے ایک کرسی اٹھا کر میرے نزدیک رکھ دی تھی۔ "بہتر ہے ناشتہ بھی ساتھ ہی کر لو کیونکہ جب بھوکے کھانے پر ٹوٹتے ہیں تو کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ کسی کے لیے کچھ بچے۔" وہ بے تکلفی سے بولا مجھے دیکھ کر اس نے نہ تو حیرت کا اظہار کیا تھا اور نہ مجھ سے تعارف حاصل کرنے کی کوشش کی تھی لہٰذا ایسا تھا جیسے پہلے سے شناسائی ہو اور کوئی اجنبیت نہ ہو
"انڈے مکھن جیلی پنیر وغیرہ اور کیا چاہیے بتاؤ؟" اس نے پوچھا۔
"نہیں شکریہ بس دو توس اور ایک آملیٹ بس۔" میں نے کہا اور وہ اس طرح مصروف ہو گیا جیسے میری ہی خدمت کے لیے مامور ہو۔ اس نے اپنے دوسرے ساتھی سے کہا۔
"جیکسن آملیٹ بناؤ۔" اور دوسرا آدمی آملیٹ بنانے لگا ذرا سی دیر میں انہوں نے ناشتے کی ٹرے سجا کر میرے سامنے رکھ دی تھی۔ میں نے ان کا شکریہ ادا کیا اور ناشتے میں مصروف ہو گئی۔ ان میں سے ایک کا نام جیکب تھا اور دوسرے کا جیکسن دونوں عیسائی تھے اور تین سال سے اس لانچ پر کام کر رہے تھے۔ بڑے بے تکلف لوگ تھے۔ میں نے اپنے بارے میں پوچھا تو انہوں نے جواب دیا
"عموماً ایسے پوشیدہ مہمان لانچ سے سفر کرتے رہتے ہیں ہمیں معلوم ہے کہ تمہیں اغوا سے بچایا گیا ہے۔"
"اوہ۔ تو گویا تم عادی ہو۔" میں نے گہری سانس لے کر کہا
"لانچ پر کام کرتے ہیں عادی نہ ہوں گے۔" جیکسن نے کہا اور اسی وقت باہر سے آواز آئی۔
"جیکب اور جیکسن ناشتہ جلدی تیار کرو۔ شیخ نوید کو

ناشتہ سرو کرنا ہے۔"
"بس تیار ہے تم فکر مت کرو۔" جیکسن نے جواب دیا اور میں ان لوگوں کے پاس سے اٹھ آئی۔ لانچ اچھی خاصی بڑی تھی۔ دن کی روشنی میں میں نے اسے بغور دیکھا۔ پوری لانچ سامان سے اٹی پڑی تھی۔ نہایت قیمتی سامان بڑی بیدردی سے پڑا ہوا تھا۔ لانچ کا عملہ جو بیس پچیس افراد پر مشتمل تھا اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھا۔ میں سامان کے درمیان سے گزرتی ہوئی انجن روم کی طرف نکل آئی۔ سامنے ہی کپتان کا کیبن تھا اس دوران مجھے کسی نے نہیں ٹوکا تھا اور میں آزادی سے گھوم پھر رہی تھی۔ یہاں سے میں عرشے کی طرف نکل گئی۔ اسی وقت میں نے اپنے عقب میں قدموں کی آوازیں سنیں اور پلٹ کر دیکھا۔ کپتان الفیصل ایک اور شخص کے ساتھ اسی طرف آرہا تھا۔ اس دوسرے آدمی کو میں رات کو بھی دیکھ چکی تھی۔ بھاری تن و توش اور مناسب جسامت کا شخص تھا۔ اس وقت بھی وہ قیمتی لباس پہنے ہوئے تھا انگلیوں میں بیش قیمت انگوٹھیاں تھیں۔ خاص طور سے ایک انگوٹھی پر میری نگاہ جم گئی۔ یہ انگوٹھی کسی پتھر کو تراش کر بنائی گئی تھی اور اس کا اوپری حصہ بندر کے سر کی مانند تھا۔ خدوخال بھی بندر ہی کے تراشے گئے تھے۔
دونوں میرے پاس پہنچ گئے۔ "معزز مہمان کو کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی؟" الفیصل نے پوچھا۔
"نہیں کپتان شکریہ۔"
"یہ خاتون اس طرح کیوں سفر کر رہی ہیں؟" دوسرے شخص نے میرے بارے میں پوچھا۔
"یہ سوال تو آپ خود اپنے آپ سے کریں۔" الفیصل ہنس پڑا۔
"اوہ۔ میری بات دوسری ہے۔"
"ان کی بات بھی دوسری ہے۔ مسٹر راحیل بھی اسی طرح سفر کر رہے ہیں خاتون جس طرح آپ۔ اس کے باوجود یہ . . . ایسا سوال کر رہے ہیں۔"
"میں تو اس کا عادی ہوں الفیصل۔ میرا خیال ہے تمہاری لانچ سے ہی میں یہ آٹھواں سفر کر رہا ہوں۔" راحیل نے کہا۔
"یہ خاتون بھی عادی ہو جائیں گی۔" الفیصل نے ہنس کر کہا اور پھر ایک خلاصی کے اشارے پر مجھ سے معذرت کر کے کیبن کی طرف چلا گیا۔ راحیل میرے پاس کھڑا رہا تھا۔

"اگر میں آپ سے گفتگو کرنے کی کوشش کروں تو آپ کو اعتراض تو نہیں ہوگا؟"
"جی نہیں۔ ایسی کیا بات ہے۔"
"شکریہ۔ میرا نام راحیل صبوحا ہے۔ نسلاً عرب ہوں لیکن زیادہ وقت یورپ اور ایشیا کے بے شمار ملکوں میں گزرا ہے۔"
"مسرت ہوئی۔ میرا نام عالیہ ہے۔" میں نے جواب دیا۔
"میرے ذہن میں آپ کے لیے تجسس ہے محترمہ لیکن یقین کریں یہ صرف فطرت انسانی کے تحت ہے ورنہ میں آپ کی کھوج نہیں لگانا چاہتا۔"
"مجھے یقین ہے۔ لیکن اگر یہ سوال میں آپ سے کروں تو؟"
"آپ کریں میں اچھے ہم سفروں کی طرح جواب دوں گا۔" اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔
"تو مسٹر راحیل آپ اس طرح سفر کیوں کرتے ہیں؟"
"میرے پاس تین پاسپورٹ ہیں مس عالیہ لیکن میرا کاروبار ذرا عام نہیں ہے۔ بس عرف عام میں آپ اسے اسمگلنگ کہہ سکتی ہیں۔ کبھی میرا سفر باقاعدہ ہوتا ہے اور کبھی بے قاعدہ۔ کہیں پاسپورٹ استعمال کرتا ہوں اور کہیں نہیں کرتا۔ اب دیکھیے سرکاری طور پر میں اس وقت مشرق وسطیٰ میں ہوں اور خفیہ طور پر ایک اور جگہ جا رہا ہوں۔ وہاں سے میں مال بک کرا دوں گا اور پھر اسی طرح واپس آجاؤں گا یہاں میں اس مال کو خود وصول کر کے فروخت کر دوں گا۔ اس طرح اطمینان سے میرا کام ہو جائے گا۔"
"واہ۔ عمدہ بات ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"ویسے میرا کام ذرا پھیلنے پھیلانے کا ہے۔ بس اپنی ضرورت کے مطابق۔ اسی لیے میں نے کسی کو پارٹنر نہیں بنایا اور جو کچھ کرتا ہوں خود ہی کرتا ہوں۔ مجھے یقین ہے اب میرے بارے میں سب کچھ سمجھ گئی ہوں گی؟"
"جی ہاں خاصی حد تک۔" میں نے جواب دیا۔
"تو اب میری باری ہے۔" راحیل بولا۔
"میں دوسری الجھن کا شکار ہوئی ہوں۔ میں ایک ملازمت کے سلسلے میں اپنے وطن سے یہاں آئی تھی۔ تین سال کا ایگریمنٹ فارم بھر لیا ہے میں نے لیکن ایک ماہ میں ہی میری نیندیں اڑ گئیں اور میں بہت پریشان ہو گئی۔ میں نے ملازمت سے استعفا دینے کی کوشش کی تو مجھ سے اتنے واجبات طلب کیے جو میں ادا نہیں کر سکتی تھی۔ پاسپورٹ کمپنی میں جمع تھا اس لیے چھپ کر واپس جا رہی ہوں۔"

"اوہ یہ بات ہے۔"

"جی۔" میں نے جواب دیا۔ اُسی وقت ایک خلاصی نے اُسے آواز دی۔

"مسٹر راحیل براہِ کرم ناشتہ کرلیں۔ مسٹر الفیصل طلب کر رہے ہیں۔"

"آیئے مس عالیہ ناشتہ کریں۔"

"شکریہ۔ میں کر چکی ہوں۔"

"اتنی جلدی؟"

"جی ہاں۔"

"لیکن میرا خیال ہے ابھی تو۔" راحیل نے تعجب سے کہا۔

"میں کچن میں چلی گئی تھی۔" میں نے مسکرا کر کہا۔

"کافی تو پی ہی لیں۔"

"تین چار پیالی چائے پی چکی ہوں۔ براہِ کرم آپ ناشتہ کریں۔" میں نے کہا اور وہ چلا گیا۔ میں اُسے جاتے دیکھتی رہی۔ عجیب سا آدمی تھا۔ اُس کے اندر کوئی ایسی بات تھی جو مجھے عجیب لگی تھی لیکن میں اپنے ذہن کو ٹٹولنے کے باوجود اندازہ نہیں لگا سکی کہ وہ کیا بات ہے چنانچہ میں نے اپنے ذہن کو جھٹک دیا اور سمندر کی لہریں دیکھنے لگی۔ میرے دل میں طرح طرح کے خیالات آ رہے تھے۔ کیسے عجیب واقعات سے دوچار ہونا پڑا ہے لیکن جب تک زندہ ہوں امینہ، درخشاں اور اُن جیسی دوسری لڑکیوں کے تاثرات کو فراموش نہیں کروں گی۔ بالآخر انہیں میرے شکنجے میں آنا پڑے گا یا پھر میں خود ہی اس کوشش میں کسی حادثے کا شکار ہو جاؤں گی۔

لانچ کا ماحول بے حد تکلیف دہ تھا۔ پوری لانچ پر ایک بھی قاعدے کا انسان نہیں تھا کہ کسی سے گفتگو ہی کر لیتی۔ راحیل بھی اس قابل نہیں تھا۔ چنانچہ میں واپس اپنے منحوس کیبن میں داخل ہو گئی جو کسی طور کیبن کہلانے کا مستحق نہیں تھا۔

خدا خدا کرکے دوپہر اور پھر شام ہوئی۔ شام کو آسمان کی کجلاہٹوں کے نیچے سمندر کا ماحول کسی قدر پُرکشش ہو گیا تھا۔ شام کی چائے جیکسن نے مجھے عرشے پر ہی دی اور میں اس موسم سے لطف اندوز ہونے لگی۔ سورج کا ڈوبتا ہوا گولا بہت پُرکشش تھا اور پھر تاریکی کی آمد تھی ہوئی گھٹائیں۔ یہاں تک کہ رات آ گئی۔ میں کئی گھنٹے سے عرشے پر کھڑے کھڑے تھک گئی تھی لیکن کیا کرتی۔ یہ جگہ تھی یا پھر وہ منحوس کیبن۔ اُس میں جاتے ہوئے ہول آتا تھا۔ جیکب نے مجھ سے کھانے کے بارے میں پوچھا اور میں نے انکار کر دیا۔ "نہیں مسٹر جیکب میں اس وقت کھانا نہیں کھاؤں گی۔"

"بالکل نہیں؟"

"ہاں۔ بالکل نہیں۔"

"جیسی آپ کی مرضی۔ کچھ کافی وغیرہ؟"

"ابھی نہیں۔ ویسے کافی ضرور پیوں گی۔" میں نے مسکرا کر کہا اور جیکب چلا گیا۔ سمندر سے ٹکرا کر چلنے والی ہوائیں اب کافی خنک ہو گئی تھیں اور بدن میں کپکپی سی طاری ہو گئی تھی۔ میں نے گہری سانس لے کر واپسی کا قصد کیا۔ مڑی ہی تھی کہ راحیل نظر آیا۔ اُس نے اوورکوٹ پہنا ہوا تھا۔

"خدا کی پناہ۔ موسم اتنا سرد ہے اور آپ نے کوئی چیز بھی نہیں پہن رکھی؟" اُس نے کہا۔

"جی ہاں۔ میں بھی سردی محسوس کر رہی ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

"آپ کو یہ جگہ بہت پسند ہے۔ میں نے کئی گھنٹے پہلے بھی آپ کو یہاں کھڑے دیکھا تھا۔"

"جی ہاں۔ جب سے میں اسی جگہ ہوں۔" میں نے عرشے کے پاس سے ہٹتے ہوئے کہا۔

"اُس وقت سے؟" راحیل حیرت سے بولا۔

"جی ہاں۔"

"تھکی نہیں آپ؟"

"اب تھک گئی ہوں۔" میں نے شستہ لہجے میں کہا۔

"کمال ہے۔ ویسے میری رائے ہے کہ خود کو قابو میں رکھیں اور اپنی جسمانی ضروریات کا خیال رکھیں ورنہ بیمار بھی ہو سکتی ہیں۔"

"جی ہاں۔ شکریہ۔"

"اب اس سردی میں آپ بغیر کسی گرم لباس کے کھڑی ہوئی ہیں۔ براہِ کرم اندر جائیں کافی وغیرہ پئیں۔"

"جی ہاں۔ میں نے جیکب سے کافی کے لیے کہا تھا۔" میں بولی۔ راحیل میرے ساتھ ہی چل رہا تھا۔ پھر اُس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"اگر آپ اجازت دیں تو میں آپ کے ساتھ بیٹھ کر کافی کی ایک پیالی پی لوں۔ ویسے مس مجھے آپ سے بے حد ہمدردی ہے میرا دل چاہتا ہے کہ آپ سے آپ کے ذاتی حالات بھی پوچھوں لیکن یہ کوئی مناسب بات نہیں ہے اس لیے احتراز کر رہا ہوں۔ ظاہر ہے انسان اپنی ضروریات کے ہاتھوں مجبور ہو کر اپنی بساط سے بڑے فیصلے کرتا ہے۔ ہاں تو کافی کے لیے کیا حکم ہے؟"

"ضرور راحیل صاحب میں جیکب سے کافی کے لیے..."

"نہیں۔ پہلے آپ جا کر کوئی گرم لباس پہنیں۔ میں کافی کا بندوبست کرتا ہوں۔" راحیل نے کہا اور پھر میری کوئی بات سنے بغیر کچن کی طرف بڑھ گیا۔ اپنے کیبن میں جا کر میں نے ایک شال اوڑھلی جو میری دوست اینی نے مجھے تحفے کے طور پر دی تھی اور پھر راحیل کا انتظار کرنے لگی۔

راحیل نے جس صاف گوئی سے اپنے کاروبار کے بارے میں بتایا تھا وہ مجھے پسند آئی تھی لیکن اُس نے یہ سب کچھ بتلانے میں اس لیے قباحت نہیں سمجھی ہو گی کہ ہم دونوں ایک ہی لانچ کے سوار تھے یعنی وہ بھی مجرمانہ طور پر سفر کر رہا تھا اور میں بھی۔ ہم دونوں ہی ایک دوسرے کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے تھے لیکن کسی حد تک شریف آدمی تھا کیونکہ میرے کیبن میں داخل ہونے سے قبل اُس نے دروازے پر دستک دی تھی۔ "آ سکتا ہوں؟" اُس کی آواز ابھری۔

"تشریف لایئے۔" میں نے کہا اور وہ ہاتھوں میں کافی کی ٹرے سنبھالے ہوئے اندر داخل ہو گیا۔

"ارے آپ نے خود ہی تکلیف کرلی؟" میں نے جلدی سے اُٹھ کر کافی کے برتن اُس کے ہاتھ سے لے لیے۔

"جی ہاں۔ میں نے خود ہی تکلیف کرلی لیکن آپ صرف یہ شال اوڑھ کر کیوں مطمئن ہو گئیں؟ سردی اس سے زیادہ ہے۔"

"بس میں ٹھیک ہوں۔" میں نے جواب دیا اور کافی بنانے لگی۔ وہ مجھے کافی بناتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ پھر جب میں نے ایک کپ میں کریم ملائی تو وہ جلدی سے بول پڑا۔

"براہِ کرم میری کافی بلیک ہی رہنے دیں۔"

"کریم نہیں پئیں گے آپ؟"

"کبھی نہیں پیتا۔" اُس نے مسکراتے ہوئے کہا اور میں نے اُس کا کپ اُس کے ہاتھ میں تھما دیا۔ وہ کافی کے چھوٹے چھوٹے سپ لینے لگا۔ پھر بولا۔ "اور بہن بھائی ہیں آپ کے؟"

"جی ہاں۔"

"کتنے ہیں؟"

"تین۔ دو بہنیں اور ایک بھائی۔" میں نے جواب دیا۔

"آپ سب سے بڑی ہوں گی؟"

"جی ہاں آپ نے کیسے اندازہ لگایا؟" میں نے کافی پیتے ہوئے کہا۔

"بس آج کل حالات کی ساری کہانیاں یکساں ہیں۔ والدین ہیں آپ کے؟"

"صرف والدہ ہیں۔"

"اور آپ بہن بھائیوں کے مستقبل کے لیے سرگرداں ہوں گی۔ بھئی خوب ہے یہ دُنیا رنگ رنگ کے لوگ لیکن ایک ہی رنگ کی کہانیاں۔ کوئی نئی بات نہیں ہے تمہاری کہانی میں جو دُنیا کے ساتھ ہوتا ہے تمہارے ساتھ بھی ہوا۔ میرا خیال ہے کافی کی ایک پیالی اور لو۔" راحیل نے کہا۔ نہ جانے کیوں مجھے اُس کی آواز کھوئی کھوئی سی محسوس ہو رہی تھی۔ میں نے نگاہیں اُٹھا کر اُسے دیکھا اُس کا چہرہ دُھواں دُھواں سا ہو رہا تھا۔ تب اُس نے کافی کی پیالی میرے ہاتھ سے لے لی اور نئی کافی بنا کر مجھے دے دی۔ میں اُسے اس اقدام سے باز نہ رکھ سکی البتہ کافی کی پیالی تھامنے کے لیے مجھے اپنے ہاتھ کی گرفت مضبوط کرنی پڑی تھی۔ میں محسوس کر رہی تھی کہ اگر میں نے پیالی کو زور سے نہ پکڑا تو وہ میرے ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑے گی۔

اوہ۔ لیکن حالت تو میری دِگرگوں ہے۔ راحیل تو ٹھیک ہے لیکن یہ مجھے یہ مجھے اچانک کیا ہو گیا۔ تب راحیل کی آواز اُبھری۔

"میرا خیال ہے تمہیں نیند آ رہی ہے۔ اب تم آرام کرو۔" وہ اُٹھ گیا اور پھر اس کے بعد مجھے کچھ یاد نہیں رہا۔ میں گہری نیند سو رہی تھی نہ جانے کب تک میں سوتی رہی۔ آنکھ کھلی تو میں نے سمجھا شاید صبح ہو چکی ہے۔ روشنی میری آنکھوں کو بُری معلوم ہوئی۔ بدن میں ایک عجیب سی اکڑاہٹ تھی اور سردی بھی کچھ زیادہ تھی تب مجھے احساس ہوا کہ میرے بدن کے کھلے ہوئے حصّوں کو سردی محسوس ہو رہی ہے اور میرا ذہن جاگ گیا۔ میں نے کمبل ٹٹولنے کی کوشش کی لیکن کمبل موجود نہیں تھا۔ میں نے بے بسی سے اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر چونک پڑی۔

یہ کھلا آسمان۔ لانچ کے کیبن سے تو کھلا آسمان نظر نہیں آتا لیکن لانچ کا کیبن۔ یہ وہ ماحول تو نہیں ہے نہ ہی لانچ کے انجن کی آواز سنائی دے رہی ہے۔ میں نے گھبرا کر اُٹھنے کی کوشش کی لیکن بدن کے گرد بندشیں تھیں۔ میرے ہاتھ اور پاؤں رسّی سے بندھے ہوئے تھے۔ اس طرح کہ میں جنبش بھی نہیں کر سکتی تھی۔ میرا ذہن جھٹک سے اُڑ گیا۔ یہ نئی اُفتاد کہاں سے آئی۔ میں نے متجسس نگاہوں سے اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر ذہن میں اندازے قائم کرنے لگی۔ جس جگہ میں پڑی ہوئی تھی وہ تختہ تھا اور قرب و جوار میں جو کچھ نظر آ رہا تھا اس سے احساس ہوتا تھا کہ میں کسی کشتی میں ہوں۔ غالباً وہ لائف بوٹ جو لانچ پر موجود تھی لیکن

نہیں تنہا تو نہیں ہو سکتی۔ میں نے اپنے بدن کو اس حد تک کھسکایا کہ میرا زاویہ بدل سکے اور میں لائف بوٹ کے دوسرے حصے کی طرف بھی دیکھ سکوں اور میں اس کوشش میں کامیاب ہو گئی۔ دوسرے سرے پر جو کوئی مجھے نظر آیا تھا اُسے دیکھ کر پہلے تو میرا چہرہ حیرت کی تصویر بن گیا اور پھر میرے جبڑے بھنچ گئے۔

یہ راحیل تھا۔ اوور کوٹ میں لپٹا وہ لائف بوٹ کے سرے پر بیٹھا سمندر کی لہروں کو گھور رہا تھا۔ نفرت کی ایک شدید لہر میرے وجود کی گرمی بن گئی۔ تو مجھے لائف بوٹ میں لانے والا یہ شخص ہے۔ مگر کس طرح؟ یہ کام اتنا آسان تو نہیں تھا میں اسے گھورتے ہوئے گزرنے والے واقعات پر غور کرنے لگی۔ میں نے کہاں دھوکا کھایا تھا۔ کہاں مجھ سے چوک ہوئی تھی تب مجھے کافی یاد آئی۔ اُس وقت تو میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ یہ سادہ سی فطرت کا شخص جس نے مجھے اپنے کالے کاروبار کے بارے میں نہایت صاف گوئی سے بتا دیا تھا۔ ایسی گھناؤنی فطرت کا مالک ہو سکتا ہے۔ میں نے تو اسے بُرے لوگوں میں ایک اچھا انسان شمار کیا تھا لیکن بُرائی ہمیشہ بُرائی ہی رہتی ہے، اور اس سے محتاط رہنا ضروری ہے۔ غلطی میری ہی تھی مگر اس کا مقصد کیا ہے؟ چند ساعت خاموشی سے سوچتی رہی پھر میں نے اُسے آواز دی۔

"مسٹر راحیل؟"

"اوہ۔ تم جاگ گئیں؟" اور وہ اُچھل پڑا۔

"مجھے سردی محسوس ہو رہی ہے" میں نے سرد لہجے میں کہا اور وہ کھسک کر میرے نزدیک آ گیا۔

"بس تھوڑی دیر کی بات ہے" اُس نے حلق صاف کر کے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"سورج چڑھ رہا ہے اور موسم تیز دھوپ سے ماند پڑ جائے گا۔ افسوس میرے پاس کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو تمہارے بدن پر ڈال دوں۔"

"لانچ سے لائف بوٹ پر تم مجھے لائے ہو؟"

"ہاں۔ یہ کام میں نے ہی کیا ہے۔" اُس نے سکون سے جواب دیا۔

"کیوں؟"

"بس کاروبار کہو۔ اپنے اس کاروبار کے سلسلے میں مجھے چند لوگوں کا تعاون بھی حاصل کرنا ہوتا ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"بھئی یوں سمجھو کہ مجھے منافع کی کوئی صورت کہیں بھی نظر آ جائے میں اُسے نہیں چھوڑتا۔" اُس نے جواب دیا۔

"مجھ سے تمہیں کیا منافع ہو گا؟"

"اِس کا تعین ابھی نہیں ہو سکا۔"

"تم مجھے کہاں لے جا رہے ہو؟"

"جنت میں۔" وہ بے اختیار مسکرا پڑا۔ "تمہارے سہارے میں بھی اس جنت کا کسی حد تک نظارہ کر لوں گا۔"

"کیا بکواس کر رہے ہو؟" میں غرائی۔

"ابھی تم اس بکواس کو نہ سمجھ سکو گی اس لیے رہنے دو۔" وہ بولا اور میں غصے سے ہونٹ کاٹنے لگی۔ تھوڑی دیر خاموشی طاری رہی وہ بھی کسی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا پھر میں نے کہا۔

"راحیل ایک بات تو بتا دو؟"

"پوچھو۔"

"تم نے مجھے بے ہوش کس طرح کیا؟"

"کافی پلا کر۔"

"اوہ۔" میں نے حیرت کی گہری سانس لی۔ "لیکن کافی تو تم نے بھی پی تھی۔"

"بلیک پی تھی۔ بے ہوشی کی دوا کے چند قطرے کریم میں ملائے گئے تھے۔" اُس نے جواب دیا اور میں اُس کی چالاکی پر عش عش کر اُٹھی۔ میں اُسے تعجب سے دیکھتی رہی پھر میں نے پوچھا۔ "کیا کپتان الفیضل کو تمہاری یہ حرکت معلوم تھی؟"

"وہ میرا رشتے دار نہیں ہے۔ مجھے جو کچھ کرنا ہوتا ہے اسے تنہا ہی کرتا ہوں اور اسی میں میری جیت ہے۔"

"لعنت ہے تمہاری اس جیت پر۔ تم نے مجھ سے کتنی اچھی گفتگو کی تھی۔ میں نے سوچا تھا کہ غلط کاروبار کرنے کے باوجود تم ایک اچھے انسان ہو۔"

"یہی تو انسان کی بھول ہے۔ اچھائیوں اور بُرائیوں کا صحیح تعین کر لیا جائے تو انسان بہت کم دھوکا کھائے۔"

"آخر تم مجھے کہاں لے جا رہے ہو؟"

"یہ میں بتانا نہیں چاہتا۔ اس کے علاوہ مجھے اپنا کام جاری رکھنے کے لیے تنہائی اور سکون درکار ہے اس لیے ..." اُس نے جیب سے ایک سرنج اور ایک چھوٹا سا انجکشن نکال لیا۔ پھر اُس نے انجکشن کا محلول اُس میں کھینچا اور میری طرف متوجہ ہو گیا۔ "دونوں کا فائدہ ہے" اُس نے سرنج سامنے کرتے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب؟" میں غرائی۔

"تم سردی کے احساس سے بچ جاؤ گی اور میں خاموشی سے اپنا کام جاری رکھ سکوں گا۔" اُس نے کہا اور سرنج کی سوئی میرے بازو میں اُتار دی۔ مدافعت بیکار تھی۔ اُس نے خوب کس کر مجھے باندھا ہوا تھا۔ اگر یہ صورتِ حال نہ ہوتی تو پھر وہ سمندر ہی میں ہوتا اور اُس کی جسمانی قوتیں مجھے زیر نہ کر پاتیں۔ میرے بدن میں سوئیاں سی چبھنے لگی تھیں اور پھر میرا ذہن سو گیا اس طرح مجھے سردی اور احساسات کی اذیت سے نجات مل گئی تھی۔ اس کے بعد پتہ نہیں کتنی دیر تک بے ہوشی طاری رہی، وقت کا کوئی احساس نہیں تھا۔ البتہ پیٹ میں دوڑتے ہوئے چوہے اور خشک حلق میں آتی ہوئی اُبکائی سی محسوس ہو رہی تھی جس سے اندازہ ہوا کہ خاصا وقت گزر گیا ہے اور میں بھوکی ہوں۔ گزرے ہوئے واقعات کا عکس میرے ذہن پر موجود تھا۔ میں نے تکلیف کے احساس سے اپنے بدن کو سکوڑا، بندھے ہوئے ہاتھ پاؤں بُری طرح شل ہو رہے تھے۔ بدن کی جنبشیں کچھ نیا انداز لیے ہوئے تھیں۔ مجھے محسوس ہوا کہ اب میرے ہاتھ بندھے ہوئے نہیں ہیں، چنانچہ میں نے ہاتھوں کو جنبش دی اور بہ آسانی اس میں کامیاب ہو گئی۔ گو دُکھن اسی مانند تھی لیکن ہاتھ پاؤں کھلے ہوئے تھے، پھر مجھے محسوس ہوا کہ بدن کے نیچے لائف بوٹ کا وہ تختہ بھی نہیں ہے جو نہایت کھردرا اور سخت تھا بلکہ اس کے برعکس بڑی نرمی کا احساس ہو رہا تھا جو آرام دِہ تھی۔ میں نے اس نرمی کا سہارا لے کر اُٹھنے کی کوشش کی اور ایک جانب لڑھک گئی لیکن لڑھکنے کے بعد پھر سنبھلی اور اُٹھ کر بیٹھ گئی اور پھر میری نگاہ نے جو کچھ دیکھا وہ ناقابلِ یقین تھا۔ میں نے اپنی آنکھوں کو دونوں ہاتھوں سے مسلا اور کمرے کا ماحول دوبارہ دیکھا اور میری حیرانی دوچند ہو گئی۔

ایک انتہائی خوب صورت کمرہ تھا جس میں آرائش کی بے بہا چیزیں موجود تھیں۔ چھت سے ایک اعلا درجے کا فانوس لٹکا ہوا تھا جس میں تقریباً پچاس بلب موجود تھے، رنگین روشنیاں کمرے کے ماحول میں قوس قزح کے مناظر بکھیر رہی تھیں، دیوار پر ایک حسین پینٹنگ آویزاں تھی، جس میں عمر خیام کی جھلکیاں نمایاں تھیں، اس کے علاوہ یہاں جو چیزیں موجود تھیں، سب کی سب بے حد قیمتی تھیں، فرش پر سُرخ رنگ کا ایک قالین بچھا ہوا تھا جو عام قسم کے قالینوں سے بہت زیادہ نفیس اور حسین تھا۔ آبنوسی میزیں، ڈیکوریشن پیس اور نجانے کیا کیا۔ واقعی یہ ماحول مجھے طلسمی ماحول محسوس ہوا، میں نے متوحش نگاہوں سے دروازے کو تلاش کیا اور ایک چوبی دروازہ مجھے نظر آ گیا جو منقش تھا اور جس پر انتہائی حسین پردے لٹکے ہوئے تھے...

یا خدا یہ سحر زدہ ماحول کہاں کا ہے، میں نے بے چینی سے سوچا اور نیچے اُترنے کے لیے مسہری سے پاؤں لٹکا دیے جس جگہ میرے پاؤں لٹکے، وہاں خوب صورت جوتیاں رکھی ہوئی تھیں اور تبھی مجھے اپنے بدن کے اس لبادے کا احساس ہوا جو عجیب سی سرسراہٹ لیے ہوئے تھا، میں نے دہشت زدہ ہو کر اس لبادے کو دیکھا۔ خدا کی پناہ۔ خدا کی پناہ۔ بہت ہی نرم ملائم اور قیمتی کپڑے کا لبادہ تھا، میرا اپنا لباس میرے بدن پر موجود نہیں تھا، میرا سر چکرا گیا۔ میرا لباس تبدیل کرنے والا کوئی تو ہو گا، کیا وہی منحوس شخص راحیل۔ میں نے نفرت سے سوچا۔ دل میں خوف و دہشت بھی تھا اور شرم کا احساس بھی، بڑی تکلیف دِہ صورتِ حال سے دوچار تھی۔ ذہنی اذیت کا یہ عالم تھا کہ اس پُرسکون ماحول کے باوجود دماغ بُری طرح دُکھ رہا تھا۔ میرا لباس کس نے تبدیل کیا۔ میں نے دانت پیس کر سوچا اور پھر میرے ذہن میں ایک خوفناک احساس پیدا ہوا...

راحیل اگر یہ حرکت تو نے کی ہے تو میں زندگی میں پہلا قتل کروں گی۔ میں نے دل میں سوچا، حالانکہ اپنی تربیت کے دوران میں نے بہت سے فنون سیکھے تھے اور ان فنون کا استعمال مجھے خاصی انوکھی شخصیت بخش سکتا تھا لیکن فطری طور پر میں ان تمام چیزوں کی قائل نہیں تھی۔ میں یہ چاہتی تھی کہ جب کبھی شدت کی ضرورت پیش آئے تو صرف اپنے بچاؤ کے لیے یہ حربے استعمال کیے جائیں، اس کے علاوہ ہر جگہ اپنی برتری ثابت کرنے کے لیے یہ حرکت کرنا یا اپنی شخصیت کا اظہار کرنا ایک بے مقصد اور فضول سی چیز ہے لیکن موجودہ حالات نے مجھے اس بات پر آمادہ کر دیا تھا، راحیل اگر میری نگاہوں کے سامنے آ جاتا تو شاید میں خود پر قابو نہ رکھ پاتی۔ میں نے جوتیوں میں پاؤں ڈالے اور آہستہ آہستہ دروازے کی جانب بڑھ گئی۔ دروازے کے سنہری ہینڈل پر ہاتھ رکھ کر میں نے اسے کھولنے کی کوشش کی لیکن معلوم ہوا کہ دروازہ بند ہے، اس کے علاوہ اور کوئی ایسی جگہ نہیں تھی جہاں سے میں باہر کے ماحول کا جائزہ لے سکتی، چنانچہ تھک ہار کر میں پھر اپنی جگہ آ بیٹھی اور دونوں

ہاتھ مسہری پر ٹکا کر کمرے کے ماحول کو ایک بیدار انسان کی حیثیت سے دیکھنے لگی۔ میری آنکھوں میں سخت پریشانی کے آثار نمودار ہو گئے تھے۔ یہ نئی اُفتاد کسی طور سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ وقت کا کوئی اندازہ نہیں ہو سکا کیوں کہ کمرے کے ماحول سے وقت کا تعین مشکل تھا۔ تھوڑی دیر تک میں اسی طرح بیٹھی رہی پھر اپنی جگہ سے اُٹھ کر میں دوبارہ دروازے کے نزدیک آگئی اور میں نے زور زور سے دروازہ پیٹنا شروع کر دیا۔ اس طرح جمود کسی قدر ٹوٹا اور چند ہی ساعت کے بعد دروازہ کھل گیا۔ ایک خوبصورت لڑکی جدید لباس میں نظر آئی۔ اُس کی آنکھوں پر چشمہ لگا ہوا تھا اور بال سمیٹ کر پیچھے باندھ دیئے گئے تھے۔ اُس کے سُرخ ہونٹوں پر مُسکراہٹ پھیل گئی اور پھر اُس نے فارسی زبان میں پوچھا "میں آپ کی کیا خدمت کر سکتی ہوں خانم؟"

فارسی میں نے بھی پڑھی تھی اور اس زبان کو بول بھی سکتی تھی چنانچہ میں نے حیرانی سے پُوچھا "کیا تم ایرانی ہو؟"

"جی۔" اُس نے جواب دیا۔

"میں اس جگہ کے بارے میں جاننا چاہتی ہوں۔"

"کیا مطلب؟" وہ حیرانی سے بولی۔

"یہ کون سی جگہ ہے؟"

"طمامہ۔" اُس نے جواب دیا لیکن اُس کے انداز میں حیرت تھی۔

"طمامہ کیا ہوتا ہے؟"

"کیا تم اس سے ناواقف ہو؟"

"ہاں۔ میں بے ہوشی کے عالم میں یہاں آئی ہوں۔"

"اوہ معاف کرنا مجھے معلوم نہ تھا۔ پہلے یہ بتاؤ کہ تمہیں کسی شئے کی ضرورت تو نہیں ہے؟"

"میں سخت بھوکی ہوں نہیں کہہ سکتی کہ کتنے گھنٹے یا دن بھوکی رہی ہوں۔ خُدا کے لیے مجھے کچھ کھانے کو دو؟"

"ابھی بندوبست کرتی ہوں۔ پیچھے ہٹو تاکہ دروازہ بند کر دوں۔" وہ معذرت آمیز انداز میں بولی اور میں پیچھے ہٹ گئی۔ لڑکی نے دروازہ دوبارہ بند کر دیا۔ میں دروازے کے قریب ہی کھڑی سوچتی رہ گئی تھی۔ یہ سب کچھ کسی طور میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا لیکن اس وقت کچھ سوچنا بھی ممکن نہیں تھا۔ خالی معدہ دوسری ہر سوچ پر احتجاج کر رہا تھا اور دماغ تعاون کے لیے تیار نہیں تھا چنانچہ میں نے واپس [illegible] قدم بڑھائے اور دوبارہ مسہری پر آ بیٹھی۔

زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ دروازہ کھلا۔ پہلے وہی لڑکی نظر آئی پھر اُس کے پیچھے دو سیاہ فام ... اندر آ گئے۔ وہ خوان اُٹھائے ہوئے تھے۔ انہوں نے ایک آبنوسی میز پر وہ خوان رکھ دیئے اور گردن جھکا کر باہر نکل گئے۔ اُن کے لباس بھی انوکھے تھے۔ اوپری بدن برہنہ صرف نچلے بدن پر شلواریں تھیں جو کسی چمک دار کپڑے کی تھیں۔ لڑکی نے مُسکرا کر میری طرف دیکھا اور پھر فارسی زبان میں بولی۔ "آؤ کچھ کھا لو۔" اُس نے خوان سے سرپوش ہٹا دیا۔ چاندی کے برتن تھے اور خوان میں پھل، خشک میوے، انتہائی عُمدہ بسکٹ وغیرہ موجود تھے۔ اس کے علاوہ کافی کی سوندھی خوشبو بھی اُٹھ رہی تھی۔

میں نے اس وقت کچھ نہ سوچا اور بسکٹوں پر ٹوٹ پڑی انسان جب شدت سے بھوکا ہو تو پھر اقدار کوئی حیثیت نہیں رکھتے چنانچہ میں نے بسکٹ مُنہ میں ٹھونستے ہوئے بمشکل کہا۔

"زمانہ قدیم کا سب سے بڑا مسئلہ درپیش ہے اور میں انسان کی روایت دُہرا رہی ہوں براہ کرم تم بھی اِس روایت میں میرے ساتھ شریک ہو جاؤ۔ میں اتنی بھوکی ہوں کہ نفاست سے کام نہیں لے سکتی۔"

لڑکی کے ہونٹوں پر مُسکراہٹ پھیل گئی۔ اُس نے دِلآویز مُسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "شکریہ۔ تم مصروف رہو۔ جب تم اس قدیم دُنیا سے واپس آجاؤ گی تو گفتگو کریں گی۔"

میں کھاتی رہی۔ لڑکی نے آگے بڑھ کر کافی بنائی اور میرے سامنے رکھ دی۔ خوب اچھی طرح کھانے پینے کے بعد میں کافی کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔ "کافی تو لو۔ میرا خیال ہے اب ماحول بدل جانا چاہیے۔"

"ہاں میں کافی تمہارے ساتھ پیوں گی۔ ویسے مجھے ایک بات پر سخت حیرت ہے۔" لڑکی نے اپنے لیے کافی انڈیلتے ہوئے کہا۔

"کس بات پر؟"

"تم پرشین بہت اچھی بول لیتی ہو۔ گو یہ تمہاری مادری زبان نہیں معلوم ہوتی لیکن اس کے باوجود اہلِ زبان بھی تمہارے لہجے میں کوئی خامی نہیں تلاش کر سکتے۔"

"ہاں مجھے فارسی پسند ہے اور میں نے اِسے سیکھا ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"تمہارے دلآویز نقوش بڑے مانوس ہیں۔ کون سے مُلک سے تعلق ہے؟" لڑکی نے پوچھا اور میں نے اپنے مُلک کا نام بتا دیا۔

"میرا بھی یہی اندازہ تھا۔" وہ بولی اور پھر اُس نے تعجب سے کہا "لیکن کیا تم اپنی موجودہ کیفیت سے ناواقف ہو؟"

"موجودہ کیفیت؟"

"ہاں تم نے اس جگہ کے بارے میں پوچھا تھا۔ کیا تمہیں علم نہیں تھا کہ تم کہاں ہو؟" لڑکی نے سوال کیا۔

"مجھے تو یہ بھی نہیں معلوم کہ تمہارا نام کیا ہے؟" میں نے جواب دیا۔

"اوہ۔ میرا نام شمس ہے لیکن میرا نام دُوسری حیثیت رکھتا ہے۔ میں تمہارے بارے میں جاننا چاہتی ہوں۔"

"ہم دونوں کی ایک ہی خواہش ہے۔ میں بے ہوشی کے عالم میں یہاں لائی گئی ہوں یقین کرو میں نہیں جانتی کہ طمامہ کیا چیز ہے؟"

"بے ہوشی کے عالم میں؟"

"ہاں۔ مجھے میرے مُلک سے اغوا کیا گیا ہے۔"

"آہ۔ بردہ فروش۔ اِس کا مقصد ہے کہ تم بردہ فروشوں کے کسی گروہ کے ہاتھوں میں پڑ کر یہاں پہنچی ہو۔ دراصل اِس وقت میں یہاں موجود نہیں تھی جب تمہیں لایا گیا۔ میں اس وقت ایک دُوسری عمارت میں تھی۔ وہاں سے مجھے یہاں لایا گیا کہ میں تمہارے ساتھ قیام کروں۔"

"ہوں۔ تو یہ بات ہے۔ شمس مجھے یہاں کے بارے میں کچھ اور بتاؤ گی؟"

"کیوں نہیں۔ مجھے تم سے ہمدردی ہے۔" شمس نے خلوص سے کہا۔

"تو براہِ کرم مجھے طمامہ کے بارے میں بتاؤ اور یہ بھی بتاؤ کہ کیا تمہیں بھی اغوا کر کے لایا گیا تھا؟"

"نہیں۔ میں تو حالات کے ہاتھوں بھٹکتی ہوئی یہاں پہنچی ہوں۔ میری کہانی بہت عام اور مختصر سی ہے۔ اباداں کے ایک چھوٹے سے قبیلے میں پیدا ہوئی اور ایک زلزلے میں والدین کی سرپرستی سے محروم ہو گئی۔ ایک رفاہی ادارے میں کچھ عرصہ رہی اور پھر وہیں سے مجھے ایک نوجوان سے محبت ہو گئی لیکن یہ انتخاب بہتر نہیں تھا۔ اُس نے مجھے ذریعہ معاش بنانے کی کوشش کی اور جب میں نے اُس سے تعاون نہ کیا تو اُس نے مجھے ایک عرب کے ہاتھ فروخت کر دیا اور اُس عرب نے کچھ منافع کے ساتھ مجھے امیر الشاط کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ طمامہ امیر الشاط کی ملکیت ہے اور یہ ایک طرح سے اُس کی حرم کی حیثیت رکھتا ہے لیکن ایسی حرم جہاں صرف کنیزیں رہتی ہیں۔ یہ ایک چھوٹا سا جزیرہ ہے جسے شکارگاہ کی حیثیت سے ترتیب دیا گیا ہے۔ دو ہزار نفوس کی آبادی ایک مخصوص حصّے میں ہے۔ باقی حصّے کی حد بندی کر کے اُسے شکارگاہ بنا دیا گیا ہے جہاں ہر قسم کے جانور چھوڑے گئے ہیں اور ان کی افزائش نسل ہوتی رہتی ہے۔ امیر الشاط کبھی کبھی یہاں آتا ہے اور سیر و شکار سے لُطف اندوز ہوتا ہے اس کے لیے نئی نئی کنیزیں خریدی جاتی ہیں اور جب وہ آتا ہے تو اُس کی خوشنودی کے حصول کے خواہاں یہ کنیزیں اُسے پیش کرتے ہیں اگر وہ کسی کنیز کو پسند کر لے تو اُسے کنیز پیش کرنے والوں کے وارے نیارے ہو جاتے ہیں۔ ورنہ وہ خود اُن لوگوں کے استعمال میں آ جاتی ہیں۔" شمس نے انکشاف کیا اور میں ششدر رہ گئی۔ مجھے احساس ہوا کہ میں کن خوفناک حالات کا شکار ہوئی ہوں۔ تب چند ساعت کے بعد میں نے اُس سے پُوچھا۔

"یہ کنیزیں کون خریدتا ہے؟"

"اس جزیرے کا متولی الطبراق۔ جسے طبرق کے نام سے مخاطب کیا جاتا ہے۔" شمس نے جواب دیا۔

"کس قسم کا آدمی ہے؟"

"جنگلی اور وحشی۔ جس کا انسانیت سے دُور کا واسطہ بھی نہیں ہے۔" شمس نے نفرت بھرے لہجے میں کہا۔

"اوہ۔ تم اس سے بہت نفرت کرتی ہو؟"

"ہر شخص کرتا ہے لیکن کیا کرے۔"

"بہت ظالم ہے؟"

"بس خُدا اس سے دُور رکھے۔" شمس نے گہری سانس لے کر کہا۔ پھر چونک کر بولی۔ "اگر تمہارا اس منحوس شخص سے سامنا ہو جائے تو خُدارا اُس کی کسی بات سے اختلاف مت کرنا۔"

"کیوں؟" میں نے پوچھا اور اُس نے بے تکان اپنے لباس کے بٹن کھول دیئے۔ اس کا ... بدن عُریاں ہو گیا۔ تب اُس نے اپنی پُشت میرے سامنے کر دی جس پر سیاہ لکیریں اُبھری ہوئی تھیں۔ صاف ظاہر ہوتا تھا کہ یہ کوڑوں کے نشانات تھے۔ میں نے ہمدردی سے اُسے دیکھا۔

"اِن کیسر ولوں میں جب سُرخی تھی تو میں نے موت کی آرزو کی تھی لیکن موت ہمارے بس میں نہیں ہوتی۔"

"تم نے اُس کی کوئی بات ماننے سے انکار کیا تھا؟"

"ہاں۔"

"کیا بات تھی؟"

"ایک محفل میں اُس نے فرمائش کی تھی کہ بے لباس ہو کر اُس کے دوستوں کو شراب پلاؤں۔" شمس کی آواز ایک سسکی کی سی شکل اختیار کر گئی۔

"تم نے انکار کر دیا ہوگا۔"

"ہاں میں نے زخم کھا کر اپنی اَنا زندہ رکھی۔ وہ آج بھی مجھ سے نفرت کرتا ہے۔ بڑا کینہ پرور انسان ہے۔"

"اب تمہاری کیا حیثیت ہے شمس؟"

"ایک خادمہ کی۔ بس اس کے علاوہ مجھے اور کوئی تکلیف نہیں ہے۔ چونکہ طبرق مجھ سے نفرت کرتا ہے اس لیے جزیرے کا کوئی مرد مجھ سے رغبت کا اظہار نہیں کرتا۔" شمس نے جواب دیا پھر مسکرا کر بولی۔ "اس طرح میں اُن کی ہوس ناکیوں سے بھی محفوظ ہوں۔"

"پھر تو یہ نشان بے حد مُبارک ہیں۔" میں نے بھی مسکراتے ہوئے کہا لیکن شمس کے ہونٹ سکڑ گئے۔

"آہ تم بھی ذہن میں ایسے خیالات رکھتی ہو۔"

"کیا مطلب؟"

"یہ خیالات تمہیں اذیت کے سوا کچھ نہ دے سکیں گے۔ میں تمہیں کس نام سے مخاطب کروں؟"

"عالیہ۔ شاید میں نے تمہیں بتایا تھا۔"

"شکریہ۔ ہاں تو عالیہ ابھی تمہاری زندگی گوناگوں پریشانیوں سے دوچار ہے۔ میری بہن یہاں آ پھنسی ہو تو اپنے ذہن سے باغیانہ خیالات نکال دو۔ انسانی اقدار تمہیں کچھ نہیں دیں گے۔ یہاں صرف تعمیل پسند کی جاتی ہے اگر تم نے...."

"شمس۔ براہِ کرم اس گفتگو سے پرہیز کرو۔ اوّل تو میرا تعلق ایک ایسے ملک سے ہے جہاں عزت و آبرو دُنیا کی سب سے قیمتی چیز سمجھی جاتی ہے۔ ہم لوگ زندگی کو چوتھے نمبر کی حیثیت دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ میں اتنی معذور بھی نہیں ہوں کہ خاموشی سے حالات کو قبول کر لوں۔ میں چند باتیں جاننے کی خواہش مند ہوں۔"

"کیا؟"

"میں یہاں کیسے آئی۔ کون مجھے یہاں لایا تھا۔ میرے بدن کا لباس کس نے تبدیل کیا وغیرہ وغیرہ؟"

"یہ میں معلوم کر لوں گی۔"

"بس اس سے زیادہ نہیں۔ ہاں کیا اس جزیرے پر عام جہاز وغیرہ آتے ہیں؟"

"نہیں۔ صرف الشاط کی لانچیں ہی یہاں آتی ہیں اور یہی لوگ آتے ہیں جنہیں یہاں آنے کی اجازت ہو۔"

"خوب۔ تو جو لوگ مجھے فروخت کرنے آئے ہوں گے؟" میں نے پوچھا۔

"میں نہیں کہہ سکتی۔ اگر وہ طبرق کے جانے پہچانے لوگ ہوں گے تو اُن کے لیے سہولتیں مہیا کی گئی ہوں گی۔"

"تم یہ معلومات حاصل کر سکتی ہو؟"

"ہاں مشکل نہیں ہوگا۔ میں تو وہاں سب کی شناسا ہوں میں یہ سب کچھ معلوم کر کے تمہیں بتا دوں گی۔"

"ٹھیک۔ دوسری بات یہ کہ کیا میں یہاں قیدی ہوں؟"

"ہاں۔ ابھی تمہارے لیے باہر نکلنے کی اجازت نہیں ہے۔ طبرق تم سے ملاقات کر کے تمہارا جائزہ لے گا۔ اس کے بعد وہ تمہارے بارے میں فیصلہ کرے گا۔ میری آخری رائے ہے عالیہ اُس کی کسی بات سے اختلاف مت کرنا۔ وقتی طور پر ہی سہی۔ اس طرح تمہیں بہت سی سہولتیں حاصل ہو جائیں گی۔"

"ہاں تمہارا مشورہ درست ہے شمس۔" میں نے اُس سے اتفاق کیا تھا۔

"اب میں چلتی ہوں۔ تمہیں کوئی ضرورت پیش آئے تو دیوار کا یہ سُرخ بٹن دبا دینا۔ وہ دونوں سیاہ فام تمہاری خدمت پر مامور ہیں۔ تمہارے ہر حکم کی تعمیل کریں گے انہیں ہدایت کر دی گئی ہے۔"

"بہت مناسب۔ تم سے کب ملاقات ہوگی؟"

"کل صبح۔"

"خدا حافظ۔" میں نے کہا اور شمس بھی مجھے خدا حافظ کہہ کر چلی گئی۔ اس کے جانے کے بعد میرے ذہن میں سناٹے در آئے۔ میں کہاں سے کہاں پہنچ گئی تھی۔ میرے تو وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ میری اس طرح مٹی پلید ہوگی۔ میں جن حالات سے دوچار ہو گئی تھی میں نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا اور یہ بالکل نئی اُفتاد پڑی تھی۔ وہ پُراسرار آواز جس نے مجھے متنبہ کیا تھا ان واقعات کی ذمے دار نہیں معلوم ہوتی تھی۔ اس کی کوشش بھی اُس ٹیکسی ڈرائیور تک محدود تھی جس نے مجھے ہٹ میں بند کر دیا تھا۔ اس کے بعد کے حالات سو فیصد اتفاقیہ تھے۔ لانچ کا کپتان الفیصل بھی ان میں ملوث نہیں تھا۔ بس وہی بدطینت انسان راحیل میری ان پریشانیوں کا باعث بنا تھا۔

راحیل... میرے دانت بھنچ گئے۔ میں تجھ سے بدلہ ضرور لوں گی۔ اگر حالات نے زندہ رکھا تو تجھے ضرور تلاش کر لوں گی۔

اس کے بعد... میں انتقام کی آگ میں سلگنے لگی لیکن پھر میں نے خود کو سنبھالا۔ اس وقت ذہن کو کسی ایسے جنجال میں پھنسانا مناسب نہیں ہے جو صلاحیتیں ہی چھین لے۔ اس وقت تو نہایت ہوشیاری سے ان حالات سے نمٹنا ہے۔ شمس کا مشورہ درست ہی ہے۔ ابھی تو امیر الشاط نہیں آرہا۔ اس دوران اگر طبرق کو بے وقوف بنا کر یہاں سے فرار کی کوشش کر لی جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

چنانچہ میں نے فیصلہ کر لیا کہ اپنی شخصیت کو موجودہ حالات کے تقاضوں کے مطابق بالکل تبدیل کر لوں گی اور اس کے لیے میں نے ذہن میں پلان بنانے شروع کر دیے۔ میں نے جس زندگی میں قدم رکھا ہے اُسے تکمیل تک پہنچانے کے لیے مجھے نہ جانے کیا کیا کرنا پڑے اس لیے خود کو حالات کے مطابق بنانا ضروری ہے۔

دوسری صبح میں نے غسل کیا اور پھر اپنے خدمت گاروں کو بلانے کے لیے گھنٹی بجا دی۔ دونوں سیاہ فام اندر آ گئے "کیا تم انگریزی سمجھتے ہو؟"

"جی ہاں محترمہ۔"

"اور کون سی زبان جانتے ہو؟"

"بس عربی اور انگریزی۔"

"اور جو لڑکی انگریزی نہیں جانتی اُس سے تم کیسے گفتگو کرتے ہو؟"

"اشاروں کی زبان میں۔" اُن میں سے ایک نے جواب دیا۔

"اچھا ٹھیک ہے ناشتہ کب ملے گا؟"

"جب آپ طلب فرمائیں۔"

"تو پھر مجھے پہلے چائے دو۔ ناشتہ ذرا دیر میں کروں گی، ہاں کیا میرے لیے دوسرے لباس کا بندوبست نہیں ہو سکتا؟"

"ہو سکتا ہے۔ براہِ کرم اس سلسلے میں شمس سے گفتگو کریں۔"

"ٹھیک ہے۔ جاؤ چائے لے آؤ۔" میں نے کہا اور وہ دونوں چلے گئے۔ میں اب کسی حد تک مطمئن ہو گئی تھی۔ چائے اور تھوڑی دیر کے بعد ہی شمس بھی آ گئی۔ وہ ایک خوبصورت لباس پہنے ہوئے تھی۔ بلند و بالا قد و قامت اور متناسب بدن کی وجہ سے وہ اس لباس میں بے حد خوبصورت لگ رہی تھی۔ نزدیک آ کر اُس نے میرے دونوں رُخسار چومے... اور مسکراتی ہوئی بولی۔

"تمہیں مطمئن پا کر مجھے دلی مسرت ہوئی ہے۔"

"میں تمہاری ہدایات پر عمل کر رہی ہوں۔" میں نے بھی مسکرا کر جواب دیا۔

"ہاں میں نے محسوس کیا ہے۔ ویسے میں نے تمہارے کہنے کے مطابق معلومات بھی حاصل کر لی ہیں۔"

"اوہ۔ کیا معلوم ہوا؟"

"جو شخص تمہیں یہاں لایا ہے اُس کا نام راحیل ہے۔ ایک لانچ بوٹ سے یہاں آیا تھا اور پہلی بار کسی ایسے سلسلے میں آیا ہے۔ اُس نے طبرق کو بتایا ہے کہ اس سے قبل وہ دو بار بن غوری کے ساتھ یہاں آ چکا ہے۔ اس بار ایک نگینہ اُس کے ہاتھ لگا تو وہ اسے لے کر طبرق کے پاس پہنچ گیا۔"

"خوب۔ بن غوری کون ہے؟"

"بہت بڑا بردہ فروش۔ بے شمار لڑکیاں اُس نے امیر الشاط کو پیش کی ہیں اور لاکھوں دینار سُرخ وصول کیے ہیں۔"

"کیا راحیل واپس چلا گیا؟"

"نہیں۔ طبرق نے اُسے واپسی کی اجازت نہیں دی ہے۔ اُس نے اس شخص کی رہائش کا بندوبست کر دیا ہے۔ اب امیر الشاط آئیں گے تو اس کی واپسی کا فیصلہ ہوگا یا اس دوران بن غوری یہاں آ گیا اور اُس نے راحیل کی سفارش کی تو اسے واپسی کی اجازت دے دی جائے گی۔"

"گویا وہ یہاں قید ہے؟"

"ہاں اُس کی کشتی ضبط کر لی گئی ہے۔ جا کیسے سکتا ہے۔"

"اُس نے میری قیمت وصول کر لی ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں بیس ہزار دینار سُرخ اصول کے مطابق اُسے ادا کر دیے گئے ہیں لیکن اب اُسے اپنے اخراجات خود ہی ادا کرنے ہوں گے جو بہت مہنگے ہیں اگر وہ ایک ماہ یہاں رہ گیا تو شاید اُس کی ساری رقم خرچ ہو جائے۔" شمس نے ہنس کر کہا اور میں بھی مسکرا دی۔

"گویا وہ خود بھی مصیبت میں گرفتار ہو گیا ہے۔" میں نے مسرت محسوس کر کے کہا۔

"بُری طرح۔ اس دوران اگر اُس سے کوئی لغزش ہو گئی تو اُسے طبرق کی طرف سے سزا بھی مل سکتی ہے۔" شمس نے بتایا اور میں گہری سوچ میں ڈوب گئی۔ میرے ذہن میں راحیل کے خلاف شدید نفرت اُبل رہی تھی....!

درحقیقت ساری زندگی میں کسی شخص کے لیے
میرے ذہن میں اتنی نفرت نہیں اُبھری تھی جتنی
شبیہ اور درخشاں کے تاجروں کی بات دُوسری تھی۔ ان لوگوں نے تو
زندگی کی تھی درندوں سے کون محبت کر سکتا ہے لیکن راحیل کی
کمینہ فطرت سے سخت کراہت محسوس ہوئی تھی۔ اس شخص نے
سائی سے اپنے کالے دھندے کے بارے میں مجھے بتا دیا تھا۔ اور
میں نے سوچا تھا کہ وہ بُرا آدمی ضرور ہے۔ اسمگلنگ جیسے لعنتی کاروبار
میں مصروف ہے لیکن اس کی فطرت میں انسانیت کا ایک پہلو مستور
پوشیدہ ہے وہ بُرائی کو بُرائی سمجھتا ہے اور بُرائی کر کے خود کو
اچھا ثابت کرنے کی کوشش نہیں کرتا۔

راحیل کی ذات بہت مختلف تھی۔ وہ اتنا لالچی شخص
تھا کہ اس نے مجھ بلیا کی ماری پر بھی رحم نہیں کھایا تھا اور دولت
حاصل کرنے کے لالچ میں مجھے یہاں لا کر فروخت کر دیا تھا۔ یہ برے
کردار کا انتہائی گھناؤنا پہلو تھا کہ دولت کے حصول کے لیے انسانیت
کے پرخچے اُڑا دیے جائیں۔ انسان کے انسان پر اعتماد کی دھجیاں
بکھیر دی جائیں۔ ممکن تھا میں سچ مچ ایسی ہی مظلوم لڑکی ہوتی،
جیسا کہ میں نے اس پر ظاہر کیا تھا۔ اگر ایسی کوئی لڑکی ان غم انگیز
حالات کا شکار ہو کر زندگی کی تلاش میں سرگرداں ہوتی اور اُس
کے ساتھ یہ سلوک ہوتا تو کیا خدا کی دی ہوئی زندگی اس پر عذاب
نہ بن جاتی۔

راحیل نے مجھ سے کیسی ہمدردی کی گفتگو کی تھی اور اس
کے بعد... اس کے بعد اُس نے کیا کیا چنانچہ میرے ذہن میں اُس
کے خلاف شدید نفرت بیدار ہو گئی تھی میں اس کے بدترین انجام
کی خواہاں تھی۔ شمس خود بھی کسی گہری سوچ میں تھی پھر ہم دونوں
بیک وقت ہی خیالات کے بھنور سے نکلے۔ شمس مجھے دیکھ کر مسکرا دی۔

"کس سوچ میں ڈوب گئیں عالیہ؟"

"بس یونہی۔ کوئی خاص بات ذہن میں نہیں تھی۔" میں نے
ایک گہری سانس لے کر کہا۔

"غالباً راحیل ہی ذہن میں ہے؟"

"ہاں میں اس کمینہ خصلت انسان کے بارے میں سوچ
رہی تھی۔"

"چھوڑو عالیہ کس کس کے بارے میں سوچو گی، دُنیا کے
ڈھنگ بہت بدل گئے ہیں۔ نہ جانے وہ لوگ کیوں زندہ رہ گئے جو
آج بھی اقدار اور انسانیت کی بات کرتے ہیں۔ یہ الفاظ صرف زیب
داستان کے طور پر زندہ رکھے گئے ہیں۔ یوں لگتا ہے جیسے کسی نظام
ورثے کو محفوظ کر لیا گیا ہو اور سائنس دُنیا آگے پیچھے کی چیز سمجھتی ہو
جو کسی زمانے میں رائج تھی۔ بھلا ہو دوران چیزوں کے لیے کوئی گنجائش
نہیں رکھتا۔" شمس نے کہا۔

"بالکل صحیح تجزیہ کیا ہے تم نے شمس۔"

"تمہیں اس شخص سے بے پناہ نفرت ہے؟"

"ہاں شمس۔ بے حد۔ اُس نے مجھ سے بڑی اچھی گفتگو کی تھی
اُس نے مجھے انسانیت کا اعتماد دیا تھا اگر وہ عام سی باتیں کرتا تو
میں اُسے ایک عام انسان سمجھتی تو مجھے اتنا دکھ نہیں ہوتا۔"

"یہ گفتگو بھی اس دور کے انسان کے پاس ایک ہتھیار کی
حیثیت رکھتی ہے۔ ایک خفیہ اعصابی ہتھیار جس سے یہ اعصاب
کو پہلے مفلوج کر دیتا ہے ذہن کو لاتعداد بھول بھلیوں میں ڈال دیتا
ہے اور اس کے بعد وار کرتا ہے۔ سب ہی یکساں ہیں۔ کس کس کے
بارے میں سوچو گی؟"

"ہاں شمس لیکن تمہاری اس بات سے مجھے تھوڑا سا اختلاف ہے"

"کس بات سے؟"

"یہی کہ سب یکساں ہیں سب یکساں نہیں ہیں شمس۔ یہ
الفاظ زندہ نہ رہتے احساس مر چکا ہوتا۔ اب بھی لاتعداد لوگ ایسے
ہیں جو خوشی سے خود کو اقدار کی چکی میں پسوا رہے ہیں اور خاموشی
سے اخلاق اور آداب کی بھٹی میں بھسم ہو کر جان دے دیتے ہیں۔"

"شاید" شمس نے کہا۔

"نہیں شمس۔ مجھے یقین ہے اگر یہ یقین مر گیا تو پھر انسان
ہمیشہ کے لیے فنا ہو جائے گا۔ ساری دُنیا میں کسی کا وجود باقی نہیں
رہے گا۔ اچھا ایک بات بتاؤ شمس خود تم نے اپنے بارے میں کیا
سوچا ہے؟"

"انوکھا سوال ہے۔" شمس ایک کرب ناک مسکراہٹ سے بولی

"کیا تم خود کو مُردہ تصور کرتی ہو؟"

"ایک ایسا مُردہ جس کی ہڈیوں کو بھی دیمک لگ گئی ہو" شمس
نے مضمحل آواز میں جواب دیا۔

"نہیں شمس۔ مایوسی موت کو کہتے ہیں اور موت اپنے
وقت پر آتی ہے تم ابھی زندہ ہو۔ زندہ رہو۔"

"ان حالات میں جس دن زندہ رہنے کا احساس [illegible]
گی۔" شمس کی آنکھیں نمناک ہو گئیں اور میں نے شدتِ جذبات
سے مغلوب ہو کر اُسے سینے سے لگا لیا۔

"لیکن میں اپنے بارے میں کیا سوچوں۔ میرے دل میں

کوئی آرزو بھی نہیں رہی۔"

"اس کی وجہ ہے۔ تم نے خود کو اس قدر مُردہ سمجھ لیا ہے کہ
تمہاری آرزوئیں گہری نیند سو گئی ہیں اور سوئے ہوئے ضرور جاگتے
ہیں یہ دُوسری بات ہے کہ حالات انہیں مُردہ قرار دے دیں۔"

"تم خود بتاؤ عالیہ میری زندگی میں کیا ہے۔ اس دُنیا میں میرا
کون ہے۔ ہر انسان اپنی زندگی میں کسی کا خواہاں ہوتا ہے۔ میں ایرانی
ہوں لیکن میرا وطن میرے لیے اجنبی ہے۔ کروڑوں انسانوں کی
آبادی میں کوئی نہیں ہے جو مجھے یاد کرے میری آرزو کرے۔ کیا ان
لوگوں کی اطاعت کر کے زندگی بسر کرنے کے علاوہ کوئی چارہ ہے
میرے لیے؟"

"حالات کا انتظار کرو شمس۔ حالات کا انتظار کرو۔"

"تم نے مجھے اتنے پیار سے سینے سے لگایا ہے عالیہ اس
کے عوض میں خاموش ہوئی جاتی ہوں۔" اس نے حزینہ مسکراہٹ
سے جواب دیا اور پھر اُٹھتی ہوئی بولی۔ "اب مجھے اجازت دو اور کوئی
تکلیف تو نہیں ہے؟"

"نہیں شکریہ۔ ہاں اگر ممکن ہو سکے تو اس طبرق کو مجھ سے
بہت جلد ملا دو تاکہ میری یہ قید ختم ہو جائے۔"

"خدا کرے" شمس نے خلوص سے کہا اور باہر نکل گئی۔

دوپہر کے کھانے کے بعد آرام کرنے لیٹی تھی کہ دروازے
پر دستک ہوئی اور پھر دو لڑکیاں اندر آ گئیں۔ معمولی شکل و صورت
کی لڑکیاں تھیں جو کنیزوں کا لباس پہنے ہوئے تھیں۔ میں نے
سوالیہ نگاہوں سے انہیں دیکھا۔

"طبرق تم سے ملاقات کے لیے آنے والا ہے اطلاع آئی ہے"

"مجھے کیا کرنا چاہیے؟" میں نے پوچھا۔

"کچھ نہیں۔ بس تمہیں اطلاع بھجوائی گئی ہے۔"

"کس نے اطلاع بھجوائی ہے؟"

"ہماری انچارج شمس نے۔"

"ٹھیک ہے میں اس کی منتظر ہوں۔" میں نے جواب دیا
اور دونوں واپس چلی گئیں۔ اس اطلاع کی چنداں ضرورت نہیں
تھی لیکن شمس نے غالباً احتیاطاً یہ کارروائی کی تھی تاکہ میں تیار
رہوں اور درحقیقت میں تیار ہو گئی۔ اس شخص کے بارے میں
جو کچھ مجھے بتایا گیا تھا اس کے تحت محتاط رہنا بہت ضروری تھا
زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ دروازہ کھلا اور ایک بدہیئت لمبا
تڑنگا آدمی اندر گھس آیا۔ اُس کے بدن پر چمڑے کا چست لباس
تھا جس میں عجیب عجیب چیزیں لٹکی ہوئی تھیں گلے میں چمک دار
موتیوں کی مالائیں پڑی ہوئی تھیں۔ پیٹی میں خنجر اڑسا ہوا تھا اس
کے ہونٹ گہرے سُرخ تھے اور آنکھیں چھوٹی اور ایک دوسرے
سے بہت قریب تھیں جس کی وجہ سے وہ اور بدنما ہو گیا تھا۔

میں اُٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ باہر کچھ اور لوگ بھی تھے جنہیں
اُس نے شاید اندر آنے سے روک دیا تھا ممکن ہے ان میں شمس
بھی ہو۔ اپنی تمام تر حرکات سے وہ وحشی معلوم ہو رہا تھا عمر چالیس
سال سے زیادہ نہیں ہو گی لیکن بہت چُست و چالاک نظر آ رہا
تھا اندر داخل ہو کر اُس نے دروازہ بند کر دیا اور پھر کمر پر دونوں
ہاتھ رکھ کر مجھے گھورنے لگا۔

"میرا نام طبرق ہے اور میں امیر الشاطا کا خاص آدمی ہوں۔
اس کے علاوہ اس جزیرے کا متولی بھی۔" اس نے کہا۔

"اوہ آپ کی کسی خادمہ نے مجھے آپ کے بارے میں بتایا تھا۔"

"ہمارے ہاتھوں میں تم ایک قیمتی پتھر کی مانند ہو جسے میں
نے بیس ہزار دینار سُرخ کے عوض خریدا ہے مجھے بتاؤ کہ تم اس
احمق بچھڑے کے ہاتھ کہاں سے لگیں؟"

"راحیل کی بات کر رہے ہیں؟"

"ہاں اُس نے اپنا یہی نام بتایا ہے۔"

"میں اُس کی ملکیت نہیں ہوں مجھے میرے شہر سے اغوا کیا
گیا تھا اور پھر میں ہزار دقتوں کے بعد اپنے وطن واپس جا رہی تھی
تو اس نے مجھے ایک لانچ سے اغوا کر لیا اور بے ہوش کر کے یہاں
لے آیا۔"

"گویا اُس نے سچ بولا لیکن اب تمہاری موجودہ حیثیت
بدل گئی ہے۔"

"میں جاننا چاہتی ہوں۔"

"تمہیں امیر الشاطا کے پاس بھیجا جائے گا۔ اگر انہوں نے
تمہیں پسند کر لیا تو یہ قیمتی پتھر چمک اُٹھے گا اور اگر تم انہیں نہ بھائیں
تو پھر تم کسی دوسرے کی ملکیت ہو گی۔ اُس کی جو میری رقم ادا
کر دے۔ میں تمہیں نیلام کر دوں گا۔"

"میری خواہش ہے کہ میرے ساتھ انسانی سلوک روا رکھا
جائے۔" میں نے کہا۔

"یہاں تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہو گی لیکن اس کے لیے
کچھ شرائط ہیں۔"

"وہ کیا؟"

"خود کو اطاعت کے راستے پر ڈالو۔ یہاں سے نکلنے کی
کوشش نہ کرو اور سب سے بڑی بات یہ کہ جب امیر آئے تو اُسے

سنبھلنے کی کوشش کرو۔"

"میں ایسا ہی کروں گی۔" میں نے گردن جھکا کر کہا۔

"کیا واقعی؟" وہ خوش ہو کر بولا۔

"میں خود بھی ایک بہتر زندگی کی خواہاں ہوں۔ بغاوت میری فطرت میں نہیں ہے۔"

"اور جس کی فطرت میں بغاوت نہیں ہوتی اُسے زندگی کا صحیح لطف ملتا ہے اگر تم اتنی ہی عقل مند ہو تو بہت کچھ حاصل کرو گی۔ امیر الشاط فطرتاً شہنشاہ ہے جس سے خوش ہو جائے اُسے نواز دے۔"

"اوہ کیا وہ کسی ریاست کا حکمران ہے؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں۔ وہ نسلاً عرب بھی نہیں ہے لیکن پشتوں سے ان علاقوں میں آباد ہے۔ اس کے آباؤ اجداد پرتگالی لٹیرے تھے جو سمندر میں قزاقی کرتے تھے۔ اس قزاقی سے انہوں نے بے پناہ دولت حاصل کی اور پھر یہیں بود و باش اختیار کر لی۔ امیر الشاط تعلیم یافتہ انسان ہے لیکن اجداد کی فطرت اور دولت کی فراوانی نے اسے بھی ان لوگوں کے نقش قدم پر چلا دیا۔ اُس کی فطرت آسمان کے بدلتے رنگوں کی مانند ہے۔" طبرق نے کہا۔

"آپ مطمئن رہیں جناب... اگر اس نے میری طرف نگاہِ التفات کی تو اُسے کسی شکایت کا موقع نہیں دوں گی۔"

"تمہارے ان الفاظ نے تمہیں جزیرے کی معزز عورتوں میں شامل کر دیا ہے۔ طبرق جنگل کا شیر ہے اور اس کی گرج قابلِ اعتماد ہے۔ اگر تمہارے ذہن کی گہرائیوں میں کوئی خرابی پوشیدہ نہیں ہے تو تم یہاں بہتر مقام پاؤ گی۔ آج سے تم اس جزیرے پر آزاد ہو۔ کچھ کنیزیں اور دو غلام تمہاری تحویل میں دیے گئے۔ جہاں چاہو سیر کرو۔ ہاں شکارگاہ خطرناک ہے۔ اس طرف رُخ کرنے والے موت کے خواہش مند ہوتے ہیں۔ اس کا خیال رکھنا۔"

"میں جزیرے کے ہر قانون کا احترام کروں گی۔" میں نے کہا۔

"اوہ حسین اور معزز خاتون۔ بیٹھو۔ یہ طبرق کی خواہش ہے۔"

"سر آنکھوں پر۔" میں نے اس گدھے کی بدنما کھال کو چھلکتے ہوئے کہا اور بیٹھ گئی۔ وہ بھی بیٹھ گیا تھا۔

غلام قہوے کے سنہرے برتن لے آئے تو میں نے بڑے احترام سے اُسے قہوہ پیش کیا اور طبرق کافی دیر تک میرے پاس بیٹھا مجھ سے باتیں کرتا رہا پھر اُس نے اُٹھتے ہوئے کہا۔

"جس قدر سہولتیں تمہیں مل سکتی ہیں، سب کی سب ملیں گی۔ طبرق کو اب اجازت دو۔" اور میں نے گردن جھکا دی۔ طبرق

چلا گیا اور اس کے جانے کے بعد میں اس سے ہونے والی گفتگو کے بارے میں سوچنے لگی۔ اس گفتگو میں کوئی جھول نہیں تھا۔ میں کسی حد تک اُس کا اعتماد حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی تھی اور اس وقت تک کے لیے سکون کی فضا مل گئی تھی جب تک امیر الشاط یہاں نہ آ جائے۔

جو آنکھ پیش آ گئی تھی اب تو اسے بھگتنا ہی تھا۔ زندگی کے ہزار رُخ ہوتے ہیں ایک رُخ یہ بھی سہی۔ شام کو شمس پھر آئی۔ اس دوران میں نے باہر نکلنے کی کوشش نہیں کی۔ شمس میرے پاس آئی تو بڑے پُرسکون انداز میں مسکرا رہی تھی۔ وہ اپنے ساتھ میرے لیے بہت سے لباس لائی تھی جو اُس نے میرے سامنے رکھ دیے اور مسکراتی ہوئی بولی۔

"طبرق جیسے منہ زور گھوڑے کو رام کرنا آسان بات نہیں ہے لیکن اب صورتِ حال یہ ہے کہ وہ تمہارے ہی گن گا رہا ہے۔"

"کیا کہہ رہا ہے؟"

"کہتا ہے حسین ذہین اور موقع شناس۔ ایسی لڑکی جو اپنے لیے ایک بہتر ماحول بنا لیتی ہے۔ وہ بلاشبہ اس قابل ہے کہ الشاط کے حرم میں داخل ہو اور وہاں حکمرانی کرے۔"

"لعنت ہے اُس کی صورت پر۔" میں نے بے اختیار کہا اور شمس ہنس پڑی۔

"یہ دوسری بات ہے لیکن طبرق تمہاری طرف سے پُرامید ہے۔ اُس کا کہنا ہے تم اس کے لیے نہایت مناسب ثابت ہو گی۔ اچھا اب یہ بتاؤ کہ آئندہ پروگرام کیا ہے؟" شمس نے پوچھا۔

"ابھی تو کچھ نہیں ہے۔ میں خود بھی تاریکی میں ہوں شمس اگر انسان کے لیے خود کچھ کرنے کی راہیں مسدود ہو جائیں تو پھر غیبی قوتیں اس کی مدد کو آ جاتی ہیں اور وہ ہو جاتا ہے جو اُس کے لیے ناممکن ہو۔"

"کیا یہاں پڑے پڑے اُکتاہٹ کا شکار نہیں ہو... باہر کا موسم اَبر آلود ہے اگر دل چاہے تو آؤ اس موسم میں ... کے کنارے کی سیر کریں۔"

"چلو۔" میں نے آمادگی ظاہر کر دی اور پھر شمس کے ... پر میں نے دوسرا لباس تبدیل کر لیا جو میرے بدن پر بالکل ٹھیک تھا۔ اس کے بعد میں شمس کے ساتھ باہر نکل آئی۔ چھوٹی سی عمارت کافی خوشنما تھی۔ صحن سنگ مرمر سے بنا

تھا اس میں کیاریاں بنی ہوئی تھیں جن میں پھول لہلہا رہے تھے۔ موسم واقعی خوشگوار تھا جس پر میں نے حیرت کا اظہار کیا تو شمس بولی۔

"یہاں عموماً ایسا ہی موسم رہتا ہے حالانکہ مشرقِ وسطیٰ کے دوسرے حصوں میں شدید گرمی ہوتی ہے۔"

"ہاں یہ تو ہے۔" میں نے تائید کی کیونکہ میں جہاں وقت گزار کر آئی تھی وہاں کا موسم شدید تھا۔

میں مسلسل آگے بڑھ رہی تھی۔ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر عمارتیں نظر آ رہی تھیں جو کافی خوبصورت بنی ہوئی تھیں لیکن ان کی کوئی ترتیب نہیں تھی۔ وہیں ایک خوبصورت محل نما عمارت نظر آ رہی تھی۔

"وہ الشاط کا محل ہو گا؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں۔" شمس نے جواب دیا۔

"جب وہ وہاں موجود نہیں ہوتا تو کون رہتا ہے اس میں؟"

"اس کے غلام اور کنیزیں۔ ان کے علاوہ وہ لڑکیاں جو اُس کی منظورِ نظر ہیں۔"

"کیا اس وقت بھی وہ لڑکیاں وہاں ہوں گی؟"

"ہاں کیوں نہیں۔"

"تمہاری ان سب سے ملاقات ہے شمس؟" میں نے اشتیاق سے پوچھا۔

"سب سے ہے۔"

"کہاں کہاں کی باشندہ ہیں؟"

"اس وقت تو وہاں آٹھ لڑکیاں ہیں جن میں دو جاپانی ہیں، دو برٹش اور چار مشرقِ وسطیٰ کی باشندہ ہیں لیکن ان آٹھوں کی فطرت ذرا دوسری ہے۔" شمس نے جواب دیا۔

"ذرا دوسری سے تمہاری کیا مراد ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"مقصد یہ کہ وہ چھچھوری لڑکیاں ہیں۔ خود کو بیگمات تصور کرتی ہیں اور اس ماحول سے پوری طرح خوش ہیں۔ بڑا عجیب ماحول ہے عالیہ۔ الشاط آتا ہے تو وہ اس کے گرد تہقہوں کی طرح بکھر جاتی ہیں اور اپنی تمام تر محبت اُس پر نچھاور کر دیتی ہیں جب وہ موجود نہیں ہوتا تو دوسرے لوگوں سے ان کے معاشقے چلتے ہیں۔"

"خوب۔ گویا انہوں نے اپنے لیے ایک ماحول بنا رکھا ہے لیکن کیا کبھی انہیں اس سے نقصان نہیں پہنچا۔ مثلاً الشاط کو معلوم ہو جائے تو؟"

"سیدھا سیدھا خنجر اُتار دیتا ہے ان کے پہلو میں۔ بہت سی اس چکر میں ماری گئی ہیں۔"

"اور مرد...؟" میں نے پوچھا۔

"وہ جو ان سے ملوث ثابت ہو جاتے ہیں انہیں اذیتیں دے کر مار دیا جاتا ہے۔"

"اس کے باوجود...؟"

"ہاں۔ اس کے باوجود بھی وہ باز نہیں آتیں بلکہ دلچسپ بات یہ ہے کہ سب ایک دوسرے کی رازدار ہوتی ہیں اور ایک دوسرے کی برائیاں چھپا کر اور مل جل کر رہتی ہیں۔"

"اچھا طبرق کی کیا کیفیت ہے؟" میں نے پوچھا۔

"وہ ذرا مختلف قسم کا انسان ہے۔ تم اُسے عورت پرست نہیں کہہ سکتیں۔"

"کیا وہ اپنے طور پر ایسے لوگوں کو سزا نہیں دیتا؟"

"ہاں اگر اسے علم ہو جائے تو بات الشاط تک نہیں پہنچتی اور الشاط ایسا بے نیاز ہے کہ وہ پوچھتا بھی نہیں کہ فلاں لڑکی کہاں گئی۔"

"خوب شان ہے۔ اچھا ایک بات اور بتاؤ۔ اگر ان میں سے کوئی لڑکی حاملہ ہو جائے تو؟"

"تو اسے سمندر میں ڈبو دیا جاتا ہے یا پھر اگر کوئی اس کی مدد کرنا چاہے تو وہ اس کی ملکیت ہو جاتی ہے لیکن اس شرط پر کہ اُس کے ہاں اولاد پیدا نہ ہونے پائے۔ اگر کوئی بچہ پیدا ہو ہی جاتا ہے تو اُسے قتل کر دینا لازمی امر ہے۔"

"خدا کی پناہ۔ یہ تو درندگی ہے۔" میں نے لرز کر کہا۔

"کون کون سی درندگی کی بات کرو گی عالیہ۔ یہ تو دنیا ہی الگ ہے۔" شمس نے گہری سانس لے کر کہا۔

دُور سے سمندر کا کنارہ نظر آ رہا تھا۔ ہمارا رُخ اُسی سمت تھا اور پھر تھوڑی دیر کے بعد ہم سمندر کے کنارے پہنچ گئے۔ تاحدِ نگاہ نیلے پانی کی چادر پھیلی ہوئی تھی۔ سمندری پرندے فضا میں پرواز کر رہے تھے۔ کبھی کبھی وہ جھکتے اور منہ میں کوئی ننھی سی مچھلی دبائے فضا میں بلند ہو جاتے۔ پرندوں کا یہ کھیل بڑا انوکھا تھا دیر تک ہم اس کھیل سے لطف اندوز ہوتے رہے پھر ہمیں دُور سے ایک گھوڑا گاڑی آتی نظر آئی۔ رُخ ہماری ہی طرف تھا۔ میں اور شمس اُسے دیکھنے لگیں۔

"یہ گھوڑا گاڑی کس کے استعمال میں رہتی ہے؟"

"عام طور سے اُنہی لڑکیوں کے استعمال میں جو الشاط کی منظورِ نظر ہیں اور محل میں رہتی ہیں۔"

"ممکن ہے اُنھی میں سے کوئی ہو۔" میں نے کہا۔ گھوڑا گاڑی ہمارے قریب آکر رک گئی اور کوچوان جو ایک رنگین لباس پہنے ہوئے تھا، نیچے اُتر آیا۔

"آقا طبرق نے مجھے تم پر مامور کیا ہے۔ جزیرے کی سیر کے لیے یہ سواری حاضر ہے۔" کوچوان نے کہا اور شمس نے گہری سانس لے کر میری طرف دیکھا۔

"طبرق کی ایک اور عنایت۔" وہ آہستہ سے بولی۔ "کیا خیال ہے جزیرے کی سیر کروگی؟"

"ہاں آؤ۔ فائدہ اُٹھائیں۔" میں نے جواب دیا اور ہم دونوں گھوڑا گاڑی میں آبیٹھیں۔ کوچوان نے گاڑی موڑ دی تھی اس کے بعد میں جزیرے کی سیر کرتی پھری۔ گھوڑا گاڑی محل کے قریب سے بھی گزری اور میں نے دُور ہی سے اس محل کو دیکھا جو انتہائی خوش نما نظر آرہا تھا پھر اُمرا کے مکانات دیکھے یہاں سب کچھ باہر سے آتا تھا اور مقامی لوگوں کی ضرورتیں باہر ہی سے پوری ہوتی تھیں۔ جزیرے پر کوئی بازار یا دُکان نہیں تھی۔ تب میں نے شمس سے پوچھا۔

"بردہ فروشوں کے جہاز یہاں آتے ہوں گے شمس؟"

"ہاں۔ تم انہیں جہاز کہہ لو۔ دراصل وہ بڑی بڑی لانچیں ہوتی ہیں۔"

"کیا وہ لوگ جزیرے پر اُترتے ہیں؟"

"ہاں۔ ایک مخصوص مقام پر وہ خیمے لگا لیتے ہیں۔"

"انہیں اَشیا کی ضرورت بھی ہوتی ہوگی؟"

"عموماً سب کچھ ساتھ لاتے ہیں لیکن اگر انہیں کوئی ضرورت پیش آجائے تو پھر سودے بازی ہوتی ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"ضرورت کی اشیا کے منہ مانگے دام وصول کیے جاتے ہیں۔"

"کون فروخت کرتا ہے؟"

"مقامی باشندے اور یہ اُن کی مرضی ہے کہ جس چیز کے وہ جتنے چاہیں دام طلب کرلیں ویسے وہ بھی مجبور ہیں۔"

"کیسی مجبوری؟" میں نے دلچسپی سے پوچھا۔

"اَشیا ایک مخصوص کوٹے کے تحت ملتی ہیں اور یہ کوٹہ ہر حالت میں وقت سے پہلے نہیں ملتا۔ اب اگر کسی چیز کی گنجائش نکالی جائے تو وہ ظاہر ہے بچت کے بعد ہی نکلتی ہوگی یعنی وہ لوگ اپنی ضروریات میں سے دیتے ہوں گے اور خود تکلیف اُٹھاتے ہوں گے۔ اِس تکلیف کی وہ جو قیمت چاہیں وصول کرلیں، انہیں کوئی نہیں روکے گا۔"

"دلچسپ بات ہے۔ ساحیل کا کیا حال ہوگا؟"

"پتہ نہیں۔"

"ویسے وہ کہاں سے کھا رہا ہوگا؟"

"معلوم کریں کسی سے؟" شمس نے مسکراتے ہوئے پوچھا اور میں نے گردن ہلا دی۔ تب اُس نے کوچوان کو مخاطب کیا۔

"سنو تمہارا نام کیا ہے؟"

"دلباش۔" کوچوان نے جواب دیا۔

"دلباش۔ کیا تم اس شخص کو جانتے ہو جس نے ابھی چند روز پہلے میری ساتھی میری دوست لڑکی کو طبرق کے ہاتھ فروخت کیا ہے؟"

"ہاں ابلق راحیل۔" دلباش نے مسکراتے ہوئے کہا اور شمس بھی جواباً مسکرادی۔

"ہاں میں اُسی شخص کی بات کررہی ہوں۔"

"جانتا ہوں، بے چارہ بڑی تکلیف کے عالم میں زندگی گزار رہا ہے۔ کئی بار لوگوں کے سامنے رو پیٹ چکا ہے۔" دلباش نے کہا اور شمس ہنس پڑی۔

"کیوں روتا کیوں ہے؟"

"شاید تمہیں معلوم نہیں ہے، وہ ایک ایسے شخص کے ہاں جا پڑا ہے جو جزیرے کا سب سے کنجوس شخص مشہور ہے۔"

"کیا الخلم...؟" شمس نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"تم ٹھیک سمجھیں خانم۔ الخلم ہی ایسا شخص ہے جس کے بارے میں جزیرے میں بے شمار روایات مشہور ہیں کہا یوں جاتا ہے کہ الخلم اپنے دونوں بیٹوں کے ساتھ ہر ماہ ملنے والی سوغات سے دس فیصد خرچ کرتا ہے اور نوّے فی صد جمع کرتا ہے تاکہ لوگوں کے ہاتھوں اچھی قیمت پر فروخت کرسکے، چنانچہ تمہیں یہ سن کر ہنسی آئے گی کہ نیا آنے والا الخلم کا مہمان ہے اور اسے بیس دینار سُرخ جو طبرق سے ملے تھے آج کل وہ ان میں سے خرچ کر رہا ہے۔ الخلم نے قسم کھائی ہے کہ چند ہی روز کے بعد وہ اس شخص کو تلاش کردے گا اور یہ طے شدہ بات ہے کہ جزیرے پر آنے والا اگر کسی شخص کا انتخاب کرے تو دوسرے لوگ اسے اُچکنے کی کوشش نہیں کرتے گویا الخلم نے اب جو کچھ طے کیا ہے اُسے پورا کرنے میں الخلم کو دِقت نہیں پیش آئے گی اور یہ بھی ممکن ہے کہ صرف چند روز میں وہ راحیل کو تلاش کردے۔"

"کیا تمہیں معلوم ہے کہ راحیل روزانہ کیا خرچ کر رہا ہے؟"

"نہیں خانم اتنا تو میں نہیں جانتا۔ البتہ اُس کے حالات دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ بیس ہزار دیناروں میں سے اب بہت تھوڑے

رہ اُس کے پاس رہ گئے ہیں جب کہ ابھی اُس نے زیادہ وقت بھی نہیں گزارا۔ اب تم خود سوچو، کوئی ایک وقت کی روٹی طلب کرے اور اُس سے ایک ہزار دینار اُسی وقت طلب کرلیے جائیں اور اسے یہ بھی علم ہو کہ اُسے ایک وقت کی روٹی اس شخص کے علاوہ اور کوئی نہ دے گا تو کیا وہ بھوکا مرنا پسند کرے گا، ہاں یہ دوسری بات ہے کہ راحیل حل میں ایک وقت ہی کھاتا ہو تاکہ تھوڑی سی رقم میں خرچ پورا ہوسکے لیکن الخلم تو اس کی رقم خطیر پر نگاہیں جمائے بیٹھا ہے۔ وہ اس رقم کو دُگنا بھی کرسکتا ہے۔ چاہے روٹی... ایک وقت کھائی جائے چاہے دو وقت۔" کوچوان نے جواب دیا۔

میں اس کی گفتگو بغور سن رہی تھی اور میرے دل میں مسرت کی سی لہریں اُٹھ رہی تھیں، کم بخت راحیل ہے اسی قابل کہ اس پر عرصۂ حیات تنگ ہوجائے کوچوان کی باتوں سے میں نے راحیل کی کیفیت کا اندازہ لگالیا تھا تب میں نے کوچوان سے پوچھا کیا راحیل کا قیام بھی الخلم کے ساتھ ہی ہے؟

"ہاں۔ یہ ضروری ہوتا ہے۔" کوچوان نے جواب دیا۔

"تم اس کی حیثیت پے انگ گیسٹ کی سی سمجھ سکتی ہو۔" شمس نے مجھے بتایا۔

"بڑی مسرت ہوئی اس خبر کو سن کر کیا میں اُس سے مل سکتی ہوں شمس؟"

"یہاں اب تمہارے اُوپر کوئی پابندی نہیں ہے لیکن بہتر یہ ہوگا کہ یہ ملاقات کل پر ملتوی کردو۔"

"چلو یونہی سہی۔" میں نے گردن ہلاتے ہوئے کہا اور پھر شام کو ہم واپس اپنی رہائش گاہ میں آگئے۔

اگلے روز میں راحیل سے ملنے پہنچ گئی۔

جس جگہ الخلم کا مکان تھا یہ جگہ ڈھلوان میں تھی چھوٹا سا مکان تھا جو باہر سے بے رنگ تھا لیکن اندر سے کافی کشادہ اور وسیع تھا اس کے لمبے چوڑے احاطے میں دس پندرہ بھیڑیں بندھی ہوئی تھیں اور ساتھ ہی ایک برآمدہ نظر آرہا تھا جس میں ایک نزار اندام شخص بیٹھا حقّے کے کش لگا رہا تھا گھوڑا گاڑی جب دروازے پر رُکی تو اُس نے حقّے کی نے مُنہ سے نکال کر باہر کی طرف دیکھا اور پھر آہستہ آہستہ اپنی جگہ سے اُٹھ کر باہر آگیا۔ باہر آکر وہ جھکا اور اُس نے مقامی زبان میں کوچوان سے کچھ پوچھا۔ جس کا جواب کوچوان نے مقامی زبان میں ہی دیا تھا البتہ راحیل کے نام کی ادائیگی سے مجھے معلوم ہوا کہ کوچوان نے اُسے میری آمد کا مقصد بتا دیا ہے تب الخلم

نے گردن اُٹھائی اور کئی دفعہ رکوع کے انداز میں جھکتا ہوا غالباً مجھے نیچے آنے کا اشارہ کرنے لگا اور میں نیچے اُتر گئی۔

یہاں انگریزی زبان بولنے والے بہت کم لوگ تھے میرا خیال ہے خاص خاص لوگوں کو منتخب کرکے باہر کے لوگوں سے گفتگو کرنے کے لیے تیار کیا گیا تھا، جن میں یہ کوچوان بھی تھا۔ میں نہیں جانتی تھی کہ راحیل ان لوگوں کے درمیان کیسے کام چلا رہا ہوگا۔ بہرحال الخلم مجھے لے کر پہلے برآمدے میں آیا اور پھر اندر ایک کمرے میں لے گیا جہاں درمیانے قسم کا فرنیچر پڑا ہوا تھا اُس نے پھر اپنے پورے بدن کو جھکاتے ہوئے غالباً مجھے بیٹھ جانے کا اشارہ کیا اور میں ایک نشست پر بیٹھ گئی تب وہ باہر نکل گیا اور چند ساعت کے بعد راحیل کے ساتھ اندر آگیا۔

راحیل کے چہرے پر حیرت کے آثار تھے صورت ہی سے وہ تباہ حال نظر آرہا تھا۔ مجھے دیکھ کر وہ ساکت رہ گیا اُس کے قدم دروازے سے آگے نہیں بڑھے تھے تب الخلم نے اُسے اندر دھکا دے دیا اور وہ گرتے گرتے بچا۔

"کیسے ہو مسٹر راحیل؟" میں نے پوچھا اور راحیل خود کو سنبھالنے لگا پھر پھنسی پھنسی سی آواز میں بولا۔

"ٹھیک ہوں۔"

"کیا واقعی؟" میں نے دلچسپی سے پوچھا اور راحیل میرے اس طنز سے تلملا اُٹھا۔ اُس نے بے چین نگاہوں سے مجھے دیکھا اور بولا۔

"تم یہاں کیوں آئی ہو؟"

"تمہاری مزاج پرسی کرنے۔ اپنے اور تمہارے حالات کا تجزیہ کرنے۔ مجھے صرف ایک بات پر حیرت ہے راحیل۔"

"کون سی بات پر؟" اُس نے بھرائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"تم نے لانچ پر مجھ سے بہت اچھی گفتگو کی تھی اور میں نے اندازہ لگایا کہ بُرے کام کرنے والوں میں تم ایک اچھے انسان ہو صاف گو اور باظرف۔"

"ہاں میں یہ سب کچھ نہیں تھا۔ میں ایک بے کردار انسان ہوں اور اپنی اس بے کرداری سے میں نے نقصان اُٹھایا ہے درحقیقت میں اس لائن کا آدمی نہیں تھا لیکن میرا ایک دوست بن غوری کے نام سے مشہور ہے۔ وہ مجھے دو تین بار اس جزیرے پر لایا تھا اور میں نے دیکھا تھا کہ اُس نے زبردست سرمایہ یہاں ... سے حاصل کیا تھا۔ تمہیں دیکھ کر میرے دل میں لالچ آگیا اور میں یہ قدم اُٹھا بیٹھا۔"

"یُوں لگتا ہے راحیل جیسے تم اپنے اس اقدام سے شرمندہ ہو؟"

"یہ شرمندگی مجھے خود اپنی ذات سے ہے۔ اپنے احمقانہ عمل سے ہے۔ میں اس بے ہودہ ماحول کے بارے میں جانے بغیر یہاں آگیا۔ مجھے نہیں آنا چاہیے تھا۔" راحیل نے جواب دیا۔

"میرے ساتھ کیے ہوئے سلوک کا تمہیں کوئی احساس نہیں ہے؟"

"نہیں۔"

"لیکن یہ تو منافقت تھی راحیل۔ تم نے مجھ سے اچھی باتیں کرکے میرے ساتھ یہ سلوک کیا۔ تم نے میری قیمت بھی تو وصول کی ہے۔"

"فضول باتیں مت کرو لڑکی۔ مجھے اس بات پر بھی غصہ آرہا ہے۔ جانتی ہو کہ اس وقت میرے پاس اُس رقم میں سے کیا رہ گیا ہے؟"

"کیا؟" میں نے پوچھا۔

"صرف چھ ہزار دینار سمجھیں۔ چودہ ہزار دینار اس ذلیل شخص نے مجھ سے وصول کر لیے ہیں۔"

"ہوں۔ صرف چند دنوں میں چودہ ہزار دینار؟"

"وہ شیطان صفت ہے کم بخت اپنی چھت کے نیچے پناہ دینے کی قیمت پانچ سو دینار وصول کرتا ہے۔ دو کمبل دیتا ہے جس کے دو سو دینار لیتا ہے۔ رات کو سردی زیادہ ہو جاتی ہے نا۔ میں زیادہ سردی برداشت نہیں کر سکتا۔ ایک وقت کی خوراک ایک ہزار دینار۔۔ وہ بھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں ملتا۔ ابتدا میں میں نے تینوں وقت کھانا کھایا تھا۔ آج کل پورے دن میں صرف ایک وقت کھانا کھا رہا ہوں۔ ایک پیالی چائے مانگتا ہوں تو دس دینار دینے ہوتے ہیں۔" راحیل مظلومیت سے بولا۔

میرے پیٹ میں قہقہے مچل رہے تھے لیکن میں نے ضبط کیا اور بولی۔ "لیکن یہ رقم تو بہت جلد ختم ہو جائے گی راحیل۔"

"اس کے بعد فاقے کروں گا۔"

"کب تک؟"

"جب تک موت نہ آجائے یا یہاں سے نکلنے کا موقع نہ مل جائے۔" راحیل ہونٹ سکوڑ کر بولا۔

"ٹھیک ہے راحیل۔ جب فاقوں سے موت آنے لگے تو میرے پاس آنا۔ میں تمہاری مدد کروں گی۔" میں نے کہا اور واپسی کے لیے اُٹھ گئی۔۔۔

"ایں۔۔۔ ایں کیا مطلب؟" وہ چونک پڑا لیکن میں نہیں رُکی تھی۔ "سُنو تو۔۔۔ یہ انوکھی بات کہی ہے تم نے۔ کیا تم مجھے دھوکا دے رہی ہو؟" وہ چند قدم میرے پیچھے چلا لیکن میں تیز قدم اُٹھاتی ہوئی باہر نکل آئی تھی اور پھر میں باہر کھڑی گھوڑا گاڑی میں آ بیٹھی۔ میں نے کوچوان کو چلنے کا اشارہ کیا اور اُس نے گھوڑا گاڑی آگے بڑھا دی۔ راحیل دوڑتا ہوا باہر آیا تھا اور پھر وہ مکان کے دروازے میں کھڑا گھوڑا گاڑی کو گھورتا رہا۔

اپنے کمرے میں آکر میں بستر پر گر پڑی۔ یہ سب کچھ ٹھیک تھا لیکن آنے والے لمحات کے لیے میرے پاس کوئی حل نہیں تھا۔ آج اس جزیرے کی کیفیت بھی دیکھ لی تھی۔ تاحدِ نگاہ بیکراں سمندر تھا۔ اس سمندر میں سفر کا تصور ہی ہولناک تھا اور پھر دیکھ بھال کرنے والے چوکس رہتے تھے۔ اُن کے پاس ذرائع بھی ہوں گے۔ جب کہ فرار کی کوشش احمقانہ تھی۔ گویا کسی طور فرار ممکن نہیں تھا۔

میں اپنے مقصد سے بہت دُور ہٹ گئی تھی۔ خونخوار درندے آزاد تھے۔ ممکن ہے اس دوران کوئی اور معصوم لڑکی ان کی ہوس کی بھینٹ چڑھ گئی ہو۔ میرے بارے میں تو وہ ہوشیار ہو گئے تھے۔ ویسے بڑی گہری چال چلی تھی کم بختوں نے۔ اچھی خاصی نوکری دلا دی تھی۔ پڑے رہو جب تک دل چاہے لیکن وہ آواز۔۔۔ نہ جانے کیوں منور عالم ہی بار بار ذہن میں آتا تھا۔ وہ شخص اتنا گرا ہے بھی یا نہیں۔ اُس کی اپنی بھی دو بیٹیاں ہیں۔ شریف اور معصوم لڑکیاں۔ کیا ایسی دو جوان بیٹیوں کا باپ انہیں بھول کر اُن جیسی لڑکیوں کی زندگی کا گاہک بن سکتا ہے۔ یقین نہیں آتا تھا لیکن اس دُنیا کے تو سارے رُوپ انوکھے تھے۔ کس کو کچھ سمجھ کر کچھ نکلتا ہے کیا کہا جا سکتا ہے

دماغ دُکھنے لگا تھا اس لیے آرام کرنے کے لیے لیٹ گئی۔

دُوسرا دن آیا۔ نئے ہنگامے نئی باتیں۔ اس روز میں نے شمس کے ساتھ شکارگاہ والے حصے کی سیر کی۔ بڑی خطرناک جگہ تھی یہ جزیرے کے ڈھلان کہے جا سکتے تھے۔ یعنی جس حصے میں رہائش گاہ تھی وہ بہت بلند تھا اور اس کے بعد گہرائیاں شروع ہوتی تھیں۔ ان گہرائیوں میں گھنے جنگل تاحدِ نگاہ پھیلے ہوئے تھے اور انہی جنگلوں میں شکارگاہ تھی۔ شمس کا خیال تھا کہ اس شکارگاہ میں درندے موجود ہیں لیکن اُسے دیکھ کر میرے ذہن میں ایک اور خیال آیا۔ کہیں اس شکارگاہ کو صرف شہرت تو نہیں دی گئی تاکہ لوگ وہاں سے دُور رہیں۔ اصل کھیل کچھ اور ہی ہو لیکن پھر حالات نے ہی میرے اس خیال کو احمقانہ قرار دیا۔

امیر الشاط مطلق العنان ہے۔ اس جزیرے میں اُس کے لیے کوئی روک ٹوک نہیں ہے پھر اسے اس ڈرامے کی کیا ضرورت ہے اور پھر میں جن حالات میں یہاں پہنچی ہوں وہ اس کہانی سے قطعی غیر متعلق ہیں۔ بلاوجہ ہر شے میں مطابقت تلاش کرنا حماقت ہے اس طرح ذہن کسی طرف جم نہیں سکتا۔ چنانچہ میں نے خود ہی اس خیال کو ذہن سے جھٹک دیا۔ شمس میرے ساتھ تھی اور دیر سے ہم دونوں خاموش تھیں۔ تب میں نے شمس سے پوچھا۔

"تم نے کہا تھا کہ جزیرہ بہت چھوٹا ہے۔ مجھے تو یہ شکارگاہ خاصی طویل لگتی ہے۔"

"ہاں خاصی بڑی ہے لیکن اتنی بھی نہیں۔ اس کا دُوسرا حصہ ایک خلیج سے جا ملتا ہے جہاں سمندری جھاڑیاں ہیں۔ بڑی خوفناک جگہ ہے۔"

"کیا جنگلی جانور خشکی سے گزر کر آبادی کی طرف نہیں آجاتے؟"

"نہیں۔ درمیان سے سلسلہ منقطع ہے۔ وہاں خندق کھود کر اس میں سمندر کا پانی لایا گیا ہے۔"

"لیکن جس طرح انسان یہ ڈھلان عبور کر کے نیچے جاتے ہوں گے اسی طرح درندے بھی بلندیاں طے کر کے اُوپر آ سکتے ہیں۔ کیا ایسا کبھی نہیں ہوا؟"

"درندے انسان سے زیادہ ذہین ہیں۔ وہ اس مخلوق کی فطرت سمجھتے ہیں اسی لیے تو جنگلوں میں چھپے پھرتے ہیں۔" شمس ہنس کر بولی اور مجھے بھی ہنسی آگئی۔ اس کے بعد ہم واپس آگئے۔ شمس مجھ سے کچھ پوچھنا چاہتی تھی لیکن نہ جانے کیوں خاموش رہی تھی۔

رہائش گاہ پر آکر وہ بول ہی اُٹھی۔ "تم نے مجھے راحیل کے بارے میں کچھ نہیں بتایا عالیہ۔ کوئی ایسی بات ہے جو چھپانے کی ہو؟"

"جس کسمپرسی میں وہ زندگی گزار رہا ہے اُسے دیکھ کر خوشی ہوتی ہے شمس۔ میں اُس ذلیل شخص سے انتقام لینا چاہتی ہوں۔"

"قدرت خود اُس سے انتقام لے لے گی عالیہ۔ تم یہ نہ سمجھو کہ ایسے لوگوں کے لیے سکون ہی سکون ہے۔"

"میں اُس سے اُس کا سب کچھ چھین لوں گی۔ اُس نے ایسے وقت مجھے اس جنجال میں پھنسایا۔۔ جب میری بہتری کے سامان پیدا ہو گئے تھے۔" میں نے پُرخیال انداز میں کہا اور شمس خاموشی سے میری صورت دیکھتی رہی۔ اس کے بعد میں نے اس سلسلے میں کچھ نہیں کہا تھا۔

وقت کچھ اور آگے بڑھ گیا۔ میں روزانہ سیر و تفریح کرتی تھی۔ بظاہر پُرسکون تھی اور اُس وقت تک کوئی پریشانی بھی نہیں تھی جب تک الشاط یہاں نہ آجائے۔ طبرق سے بھی دو بار ملاقات ہوئی تھی۔ اُس نے کسی خاص جذبے کا اظہار نہیں کیا تھا لیکن پھر ایک صبح دلچسپیوں کا آغاز ہو گیا۔ ناشتے سے فارغ ہوئی تھی۔ شمس اس صبح ناشتے میں میرے ساتھ شریک نہیں ہوئی تھی چنانچہ میں نے تنہا ہی ناشتہ کیا تھا۔ دو لڑکیاں میری خدمت پر مامور تھیں۔ اُن میں سے ایک نے آکر اطلاع دی کہ راحیل آیا ہے اور مجھ سے ملاقات کا خواہش مند ہے۔

"اوہ۔ اُسے بلا لاؤ۔" میں نے کہا اور تھوڑی دیر کے بعد راحیل میرے سامنے آگیا۔ اُس کی حالت بہت خستہ تھی۔ چہرے پر داڑھی اُگ آئی تھی۔ آنکھوں میں حلقے پڑے ہوئے تھے۔ لباس بوسیدہ ہو گیا تھا اور اُس کی آواز سے نقاہت ٹپک رہی تھی۔

"کیا حال ہے مسٹر راحیل؟" میں نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"تم نے کہا تھا۔ تمہیں یاد ہے تم نے کہا تھا۔" وہ بولا۔

"ہاں مجھے یاد ہے۔ میں نے کہا تھا۔" میں مسکراتی ہوئی بولی۔

"میں تین روز سے بھوکا ہوں۔"

"اوہ۔ ٹھہرو۔ میں تمہارے لیے ناشتہ منگاتی ہوں۔" میں نے کہا اور کنیزوں کو بلا کر اُس کے لیے عمدہ ناشتہ زیادہ مقدار میں منگایا اور راحیل سب کچھ بھول کر کھانے پر ٹوٹ پڑا۔

میں پُرسکون نگاہوں سے اُسے دیکھتی رہی تھی اور جب اُس نے سارے برتن خالی کر لیے تو میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔ "اور کچھ منگاؤں راحیل؟"

"نہیں۔ بس شکریہ۔" اُس نے آنکھیں بند کر کے گہری گہری سانسیں لیتے ہوئے جواب دیا۔

"کیسی گزر رہی ہے؟" میں نے پوچھا۔

"جان کنی کی کیفیت ہے۔"

"میرے عوض حاصل کی ہوئی دولت ختم ہو گئی؟"

"یہ لوگ۔ یہ لوگ کمینگی کی انتہا کو پہنچے ہوئے ہیں۔ افسوس میں بہت غلط جگہ آ پھنسا۔" راحیل نے کہا۔

"میرے بارے میں کیا خیال ہے راحیل؟"

"ناشکری نہ کرو۔ تم نے اس زندگی کے خواب بھی نہ دیکھے ہوں گے۔" وہ اپنی کمینگی سے اب بھی باز نہیں آیا تھا۔

"ہوں تمہارا خیال درست ہے۔ تم اب کہاں رہ رہے ہو؟"

"کوئی اب مجھے اپنی چھت کے نیچے پناہ دینے کو تیار نہیں ہے۔ میں ایک ہفتے سے کھلے آسمان کے نیچے ہوں۔ رات کو یہاں خوب سردی پڑتی ہے اور میں سردی کی وجہ سے ساری رات سو نہیں پاتا۔ اس کے علاوہ فاقے الگ۔۔۔"

"وہ لوگ اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"طبرق نے مجھے ایک وقت کی روٹی کی پیش کش کی تھی لیکن اس کے عوض مجھے گھوڑوں کی مالش کرنی پڑی۔ اُن کی غلاظت صاف کرنی پڑی۔ میں نے چھ روز قبل یہ کام کیا تھا لیکن سارا دن گھوڑوں کی مالش آسان نہیں ہے۔ آہ۔ میں تو دو دن میں مر جاؤں گا۔" راحیل بولا۔

"بڑے بزدل انسان ہو راحیل۔ صرف لڑکیاں فروخت کر کے زندگی گزار سکتے ہو۔ تمہارے بازو بے جان ہیں؟"

"بازو یہاں کیا کام دے سکتے ہیں؟" راحیل نے کہا۔

"فرار کی کوشش نہیں کی تم نے؟"

"فرار۔۔۔" راحیل منہ پھاڑ کر بولا۔ "کیا اس ویران سمندر میں فرار ممکن ہے؟ جہازوں کی گزرگاہ بھی یہاں سے بہت دور ہے۔"

"تمہیں راستہ تو معلوم ہے اور پھر میرے ساتھ تم ایک چھوٹی سی لائف بوٹ میں ہی یہاں آئے تھے؟"

"وہ لائف بوٹ اُن کے قبضے میں ہے۔"

"اُسے حاصل کرو۔"

"ناممکن ہے۔"

"تو پھر سمندر میں چھلانگ لگا کر مر جاؤ۔" میں نے نفرت بھرے لہجے میں کہا۔ راحیل نے میرے اس لہجے کا ذرا بھی بُرا نہیں مانا تھا۔ وہ کسی سوچ میں گم ہو گیا اور چند ساعت کے بعد اُس نے گردن اُٹھائی۔ اُس کی مکار آنکھیں میرے چہرے پر گڑ گئیں پھر اُس کی آواز اُبھری۔

"تم ابھی تک یہاں ناخوش ہو؟"

"ہاں۔ میں اس ماحول کو مرتے دم تک قبول نہیں کروں گی۔" میں نے تجسس بھرے لہجے میں کہا۔ راحیل کے اس سوال سے میں نے اندازہ لگایا کہ وہ میرے بچھائے ہوئے جال کی طرف آ رہا ہے۔

"تو پھر تم نے فرار کی کوشش کیوں نہیں کی؟"

"بڑا مضحکہ خیز سوال ہے۔ تم مرد ہو کر اس قدر خوف زدہ ہو میں تو عورت ہوں راحیل۔"

"اور اگر مرد اور عورت مل کر یہ کام کریں تو۔۔۔" راحیل نے سرسراتی آواز میں کہا اور میرا دل اُچھل پڑا۔ راحیل جال کے بالکل نزدیک آ گیا تھا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟"

"میری زندگی کو سہارا دو۔ میں دیکھ چکا ہوں کہ تمہیں یہاں بہت مراعات حاصل ہیں۔ کیا میں اور تم مل کر یہاں سے فرار ہونے کی کوشش نہیں کر سکتے؟"

"میں بھلا اس سلسلے میں کیا کر سکتی ہوں؟" میں نے پوچھا۔

"سنو عالیہ میں تمہیں ایک لالچ کے تحت یہاں لایا اور میرا مقصد پورا ہو گیا۔ یہ دوسری بات ہے کہ حالات نے دغا کی اور میں خود اُن کا شکار ہو گیا۔ ورنہ تمہارے عوض جو رقم مجھے حاصل ہوئی تھی اگر میں اُسے لے کر اپنی دُنیا تک پہنچ جاتا تو وہ بہت بڑی رقم تھی۔ اس دُنیا میں ایک دوسرے کا کام ایک دوسرے سے چلتا ہے۔ ایک بار پھر میں لالچ کا شکار ہو گیا ہوں۔"

"وضاحت کرو راحیل۔" میں نے سرد لہجے میں کہا۔

"طبرق ایک خونی جلاد ہے۔ وہ بہت کم لوگوں کو مراعات دیتا ہے لیکن اگر اشاطہ یہاں موجود نہ ہو تو اس کی حیثیت سب سے بڑی ہوتی ہے اور وہ مطلق العنان ہوتا ہے۔ اگر طبرق کسی کو خصوصی مراعات سے نوازے تو بہت بڑی بات ہے اور اس کا شرف تمہیں حاصل ہے۔"

"تمہیں کیا معلوم؟" میں نے پوچھا۔

"میں اندھا نہیں۔ نہ ہی حالات سے بے خبر ہوں۔"

"اچھا پھر؟" میں نے سوال کیا۔

"سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ میری زندگی فاقہ کشی کا شکار ہے۔ تم اگر چاہو تو میں فاقوں سے بچ سکتا ہوں۔"

"فرض کرو میں تیار ہو جاؤں۔" میں نے کہا۔

"اس کے بعد تمہاری جزیرے میں آزادی کام آئے گی۔ میرا خیال ہے تم پر کوئی پابندی نہیں ہے۔"

"یہ بھی درست ہے۔"

"تو پھر معلوم کرو کشتیاں کہاں ہیں؟"

"فرض کرو معلوم کر لوں؟" میں نے گہری نگاہوں سے اُسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"میں نے تم سے کہا تھا کہ ایک اور لالچ میرے ذہن میں ہے۔ اس سے قبل میں نے تمہیں دولت کے حصول کے لیے اغوا کیا تھا اور آج زندگی کا حصول میرے سامنے ہے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ بن غوزی کب تک اس جزیرے پر آئے اور یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ امیر اشاطہ بھی کب تک اس طرف کا رُخ کرے۔ ان لوگوں کا رویہ بالکل اس قسم کا ہے جیسے یہ میری موت کے خواہاں ہوں۔ میں نہیں جانتا کہ انہیں میری موت سے کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے لیکن اس کے باوجود مجھے یقین ہے کہ ان میں سے کسی کی نگاہ میں میرے لیے رحم نہیں ہے۔ چنانچہ زندگی بچانے کے لیے میری ذاتی جدوجہد ہی کسی کام آسکتی ہے اور تم۔۔۔ تم بھی اس جزیرے میں خوش نہیں ہو۔ چنانچہ کیوں نہ ہم دونوں ایک سمجھوتے کے تحت یہاں سے نکلنے کی مشترکہ کوشش کریں۔ میں تمہیں تمہارے وطن پہنچا دوں گا اور خود بھی اس جنجال سے نکل سکوں گا۔"

"سوچ لو راحیل۔ کیا اس کے بعد بھی تم مجھے کوئی دھوکا دینے کا ارادہ رکھتے ہو؟" میں نے کہا اور راحیل کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے۔ اُس نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔

"نہیں۔ اگر تم حالات کا تجزیہ کرو۔ تو ایسی کوئی صورت نہیں نکلتی۔ ہم دونوں اب ایک ہی کشتی کے مسافر ہیں۔"

"تب راحیل مجھے تمہاری شرط منظور ہے۔"

"کیا یہ سچ ہے؟" راحیل کے چہرے پر مسرت پھیل گئی۔

"میں کہہ چکی ہوں راحیل کہ میں زندگی کی تمام مسرتوں کو اُن کے لیے قربان کر سکتی ہوں جو میرے وطن میں میرے منتظر ہیں۔ یہاں کی آسائشیں میرے لیے بے معنی ہیں۔ چنانچہ میں خود بھی یہاں سے نکلنا چاہتی ہوں۔"

"تو پھر ہمارے درمیان یہ بات طے [illegible] نے پوچھا۔

"یقیناً۔ تم یہاں رہ سکتے ہو۔ میں اس کا انتظام کر لوں گی۔ فی الوقت تم باہر کسی مناسب جگہ آرام کرو۔ میری نگران لڑکی آ جائے تو میں اُس سے کہہ کر تمہارے لیے کسی مناسب جگہ کا بندوبست کر دوں گی۔"

راحیل کے واپس جانے کے بعد میں دیر تک اُس کے بارے میں سوچتی رہی۔ کتنا ابن الوقت انسان ہے یہ۔ اُس لڑکی سے مدد کا خواہاں ہے جسے اُس نے زندگی کی مسرتوں سے اتنی دور لا پھینکا کہ اب وہ ان مسرتوں کے حصول کا تصور بھی نہیں کر سکتی حالانکہ میں نے اُسے اپنی ساری بپتا سنا دی تھی اور اُس نے ایک مصلح کی مانند مجھے اس دُنیا کے افکار اور انسانی سوچ کی تفصیل بھی بتائی تھی اور پھر وہ خود اس قدر کمینہ صفت نکلا کہ مجھے فروخت کر دیا۔ میں اُس کے ہاتھوں زندگی سے اتنی دور نکل آئی۔۔۔ کہ اگر میری جگہ کوئی معصوم لڑکی ہوتی تو یا تو اس ماحول کو قبول کر لیتی یا پھر سمندر کی لہروں میں پناہ لیتی۔ کسی سے زندگی چھیننے کے بعد یہ شخص اُسی سے زندگی کا خواہاں تھا۔ میں بھی اُسے ایسی زندگی دوں گی کہ موت کے بعد بھی یاد رکھے گا۔ میرے دانت مضبوطی سے بھنچ گئے۔

دن کو گیارہ بجے شمس میرے پاس پہنچ گئی۔ حسبِ معمول اُس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

"یہ پوچھنا تو بیکار ہے کہ تمہاری رات کیسے گزری؟"

"ہاں ایک تنہا لڑکی جس طرح رات گزار سکتی ہے میں نے بھی گزاری۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تمہاری تنہائیاں بہت پاکیزہ ہیں۔ میں تمہارے الفاظ میں کسی قسم کی کھوٹ نہیں تلاش کر سکتی۔" شمس نے بھی مسکرا کر کہا۔

"ہاں اس کی کوشش کبھی مت کرنا۔ ویسے میں نے تمہارے لیے ایک خوشخبری تیار کر رکھی ہے۔" میں نے کہا۔

"وہ کیا؟" شمس نے پوچھا۔

"راحیل ابھی میرے پاس آیا تھا۔"

"اوہو۔ اچھا خیریت۔ کیا کہہ رہا تھا؟"

"وہی جس کی میں خواہاں تھی۔ شمس میں نے تم سے کہا تھا کہ زندگی میں پہلی بار میرے دل میں کسی انسان سے انتقام کی یہ شدت پیدا ہوئی ہے۔ میں آرزومند تھی کہ راحیل مصیبتوں کا شکار ہو اور میں اُس کا شکار کروں۔ چنانچہ وہ میرے جال میں آ پھنسا ہے لیکن شمس مجھے تمہاری مدد کی بھی ضرورت ہے۔"

"ہاں۔ حاضر ہوں کہو۔" شمس مستعدی سے بولی۔

"مکمل اعتماد کے ساتھ اُسے یہاں پناہ دو۔ یہ پناہ دو یا تین دن سے زیادہ نہ ہوگی اور اس دوران ہمارا کام پورا ہو جائے گا۔ کیا اس میں کوئی قباحت ہوگی؟" میں نے پوچھا۔

"بالکل نہیں۔ کوئی نہیں پوچھے گا کہ وہ یہاں کیوں موجود ہے۔"

شمس نے جواب دیا۔

"بس تو ٹھیک ہے۔ وہ باہر موجود ہے۔ تم اُسے کوئی ایسی جگہ بتادو۔ جہاں وہ رات کو پناہ لے سکے اور اُس کے کھانے پینے کا بندوبست بھی کرنا ہوگا۔"

"میں یہ سب کردوں گی۔" شمس نے کہا اور پھر میری جانب دیکھ کر بولی "لیکن تمہارے ذہن میں کیا پروگرام ہے؟"

"یہ ابھی نہیں بتاسکتی کیوں کہ میرا پروگرام خود میرے ذہن میں واضح نہیں ہے۔" میں نے آہستہ سے کہا۔

شمس نے اصرار نہیں کیا تھا۔ چند ساعت وہ میرے ساتھ بیٹھی اور پھر اُٹھ کر باہر چلی گئی۔ راحیل کو وقتی سہارا تو مل گیا تھا لیکن اُس کے اصل ٹھکانے کا میں انتخاب کرچکی تھی۔ میں نے اُس کے لیے ایک ایسا ٹھکانہ تلاش کیا تھا جو میرے دامن میں سُلگتی ہوئی آگ کو پوری طرح سرد کرسکتا۔ میں نے راحیل کے لیے ایک قبر تیار کرلی تھی اور میں اب اس بات کی خواہش مند تھی کہ وہ جلد از جلد اس قبر میں اُتر جائے۔

زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ شمس واپس آگئی۔ اُس کی نگاہوں میں وہی مسکراہٹ رقصاں تھی جو اُس کی شخصیت کا ایک جزو تھی۔ میں نے سوالیہ نگاہوں سے اُسے دیکھا اور اُس نے گردن ہلادی۔

"ہاں راحیل باہر موجود تھا۔ میں نے اس کے لیے قیام کا بندوبست کردیا ہے اور یہاں موجود لوگوں کو ہدایات دے دی ہیں۔"

"ویری گڈ۔ اچھا شمس اب یہ بتاؤ کہ تمہیں اس جزیرے کے تمام تر حالات معلوم ہیں، یا کچھ باتیں ایسی بھی ہیں جو خود تمہاری نگاہوں سے پوشیدہ ہوں؟"

"میں نہیں کہہ سکتی۔ ممکن ہے کچھ ایسی باتیں ہوں جن کا مجھے بھی علم نہ ہوسکا ہو لیکن بظاہر کوئی ایسی بات نہیں ہے۔ کیوں تم نے یہ سوال کیوں کیا ہے؟ اگر کوئی خاص بات تمہارے ذہن میں ہو تو مجھے بتاؤ؟"

"میں یہ جاننا چاہتی ہوں شمس کہ ان لوگوں کے پاس کشتیاں وغیرہ بھی موجود ہیں، یا یہ صرف آنے والی لانچوں کا انتظار کرتے ہیں۔ میرا تو خیال ہے کہ وہ کشتی بھی اِن کے پاس ہوگی جس میں راحیل مجھے اغوا کرکے یہاں لایا تھا؟"

"ہاں کیوں نہیں۔ ان کے پاس کشتیاں ہیں۔ وہ کشتی بھی ہے جس میں راحیل آیا تھا اور دوسری چند ایسی کشتیاں بھی موجود ہیں۔ جن میں بیٹھ کر بعض اوقات یہ لوگ سمندر کی سیر کو نکل جاتے ہیں یا پھر ماہی گیری کرتے ہیں۔ یہ تمام کشتیاں اُس خلیج میں ہیں جس کا تذکرہ میں تم سے کرچکی ہوں۔"

"کون سی خلیج؟" میں نے پوچھا۔

"وہی جس کے بارے میں میں تمہیں بتاچکی ہوں۔ کہ یہ خلیج شکارگاہ کے جانوروں کو انسانی آبادی میں روکنے کے لیے استعمال کی جاتی ہے۔ اس خلیج کے اُس کنارے پر اُن کی کشتیاں اور شاید ایک آدھ چھوٹی لانچ لنگرانداز رہتی ہے۔" شمس نے بتایا۔

"لیکن اُن کی سخت نگرانی ہوتی ہوگی؟" میں نے سوال کیا۔

"بلاشبہ چند افراد وہاں رہتے ہیں۔ کیوں کہ خود اس جزیرے میں رہنے والوں میں سے کچھ ایسے لوگ بھی ہیں۔ جن کے ذہنوں پر یقین نہیں کیا جاسکتا۔ جن کے دل کی گہرائیاں واضح نہیں ہیں یہ خیال بھی ذہن میں رہتا ہے کہ ممکن ہے کہ وہ فرار ہونے کی کوشش کریں۔ چنانچہ طبرق نے چند لوگوں کو وہاں مقرر کیا ہے۔"

"میں یہی معلوم کرنا چاہتی تھی۔"

"لیکن عالیہ ڈیئر مجھے نہیں بتاؤ گی کہ تمہارے ذہن میں کیا ہے؟" شمس نے کسی قدر تشویش ناک لہجے میں کہا اور میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"کیا تمہارا خیال ہے کہ میں کوئی ایسی کشتی لے کر فرار کی کوشش کروں گی؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں۔ میں یہی سوچ رہی تھی۔ کیا یہ حقیقت نہیں ہے؟"

"نہیں شمس۔ میں اتنی احمق نہیں ہوں۔ میں جانتی ہوں کہ جن لوگوں نے اس جزیرے پر اس طرح تسلط قائم کیا ہوا ہے، جن کا قانون ہے کہ یہاں آنے کے بعد کوئی واپس نہ جاسکے، انہوں نے فرار کے راستوں کو کھلا نہ چھوڑ رکھا ہوگا اور مجھ جیسی معمولی لڑکی باآسانی اُن سے فرار نہ ہوسکتی ہوگی۔ چنانچہ میں ایسی حماقت سے دور رہنا چاہتی ہوں۔۔۔ اور تم اس بات کی توقع مت کرو کہ میرا کوئی احمقانہ قدم مجھ سے یہ ساری مراعات چھین لے۔" میں نے کہا اور شمس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"ہاں میں اس بات سے مطمئن ہوں لیکن پھر تم نے اس سلسلے میں یہ سوالات کیوں کیے؟" اُس نے پوچھا۔

"یوں سمجھ لو شمس کہ یہ سب کچھ راحیل کے لیے ہے۔ میری خواہش ہے کہ مجھے بھی کچھ بتانے کے لیے مجبور نہ کرو۔ آنے والا وقت تمہیں بہت کچھ بتادے گا۔" میں نے کہا۔ شمس خاموش ہوگئی۔ وہ جانتی تھی کہ یہ اچھی لڑکی کسی بھی سلسلے میں ضد نہیں کرتی۔ چنانچہ یوں ہوا کہ دوسرے دن راحیل پھر میرے پاس آگیا۔ وہ خوش تھا اور اُس کے چہرے پر مسکراہٹ نظر آرہی تھی۔ میرے قریب بیٹھ کر اُس نے کہا۔

"انوکھی بات ہے کہ میں تمہیں اغوا کرکے لایا اور میں نے تمہیں اُن کے ہاتھ فروخت کردیا۔ گویا میں قادر تھا اور میں نے اپنے اختیار سے پورا پورا فائدہ اٹھایا لیکن حالات کچھ یوں بدل گئے کہ اب تم قادر ہو اور میں تمہارے ماتحت۔ اگر تم مجھ پر رحم نہ کرتیں تو میں یقیناً اس جزیرے میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرجاتا اور یہ لوگ مجھ پر ذرا بھی ترس نہ کھاتے۔ کیا خیال ہے تمہارا اس بارے میں؟"

"میں تم سے متفق ہوں راحیل بعض اوقات ایسا ہی ہوتا ہے۔ ہر چند کہ یہ مثال بہت پرانی ہے لیکن ہم اسے جگہ جگہ صادق پاتے ہیں کہ انسان کسی دوسرے کے لیے گڑھا کھودے تو بعض اوقات خود ہی اُس میں جا پڑتا ہے۔" میرے ان الفاظ پر راحیل کے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ پھیل گئی اور اُس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"ہاں بعض مثالیں بڑے احمقانہ انداز میں پوری ہوجاتی ہیں اور لوگ انہیں صادق مان لیتے ہیں۔ مگر میں اِن تمام چیزوں کا قائل نہیں ہوں۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ ایک انسان دوسرے انسان کے لیے گڑھا کھودتا ہے اور باآسانی اُس دوسرے انسان کو گڑھے میں دفن کرکے چین کی بانسری بجاتا ہے کیوں کہ وہ دفن کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ جو دفن کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے وہ دفن کردیتا ہے اور جن کی تقدیر میں دفن ہونا ہوتا ہے وہ صرف مثالیں دیتے ہوئے رہ جاتے ہیں۔ اپنے اپنے نظریات کی بات ہے جس نظریے کو تم اپنی ذات میں اتنا قوی سمجھتی ہو۔ میں اُسے کوئی اہمیت نہیں دیتا۔" کینہ پرور انسان نے کہا اور میرے دِل میں نفرت کی ایک لہر پھیل گئی۔ یہ شخص بدترین حالات میں بھی اپنی کمینہ صفت فطرت کو تبدیل نہیں کرسکتا تھا حالانکہ وقت اُسے جگہ جگہ دھوکا دے رہا تھا اور بدبختی اُس کے اتنے نزدیک پہنچ چکی تھی کہ اگر محسوس کرنے والا ہوتا تو احساس کرکے خوف کا شکار ہوجاتا لیکن اُس کی آنکھوں پر پٹی بندھی ہوئی تھی اور میں اس اندھے شخص کو بہرطور جہنم رسید کردینا چاہتی تھی چنانچہ میں نے اسے ان راستوں کی تفصیل بتائی اور وہ خوشی سے اُچھل پڑا۔

"مجھے یقین ہے کہ میں وہاں پہنچ جاؤں گا۔" اُس نے اعتماد سے کہا۔

"تمہارا یقین ہی تمہاری کامیابی کی ضمانت ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا پھر میں نے اُس سے پوچھا۔ "تو پھر تم کب وہاں جانے کا ارادہ رکھتے ہو؟"

"آج ہی۔ میرے لیے اس سے قیمتی کام اور کون سا ہوگا۔" راحیل نے جواب دیا اور میں نے گردن ہلادی۔ میں خود بھی تو یہی چاہتی تھی کہ وہ جلد از جلد اپنی موت کا سامان کرے۔

راحیل چلا گیا اور میں آرام کرنے لگی۔ بس شمس تھی اور میں اور وہی پرانی باتیں جو ہم بار بار دُہرایا کرتی تھیں۔ مجھے خوشی تو رات کو ہوئی جب راحیل سرخ چہرہ لیے میرے پاس آیا۔ اس کی آمد کی اطلاع پر میں نے اُسے طلب کرلیا تھا۔

"کیا رہا راحیل؟ ویسے تمہارا چہرہ تو اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ تم اپنی کوشش میں کامیاب ہوئے ہو۔"

"ہاں۔ ضرورت سے زیادہ اور میں واقعی احمق ہوں کہ اس سے قبل میں نے خود یہ کوشش کیوں نہیں کی۔ طبرق ضرورت سے زیادہ خوداعتماد شخص ہے اُسے نہ جانے کیوں یہ یقین ہے کہ لوگ یہاں سے فرار نہیں ہوسکتے شاید اس لیے کہ وہ سمجھتا ہے کہ لوگ ان چھوٹی کمزور کشتیوں کے سہارے کھلے سمندر میں جانے کی ہمت نہیں کرسکتے۔ حالانکہ مجھ جیسا آدمی تھوڑی سی کوشش کرکے کامیاب ہوسکتا ہے۔ وہاں صرف دو آدمی اِن کشتیوں کی نگرانی کرتے ہیں اور وہ بھی لاپروا لوگ ہیں البتہ اِن پہاڑیوں سے نیچے اُترنا ذرا مشکل کام ہے اور وہ بھی رات میں کیوں کہ رات کے وقت ذرا سا غلط قدم نیچے سمندر کی گہرائیوں میں پہنچا سکتا ہے۔ اس لیے ہمیں کوشش کرنی ہوگی کہ ہم کسی طور دن کے وقت ہی یہ کام انجام دیں۔ یہ کسی طور ممکن ہے عالیہ؟"

"دن میں یہ کس طرح ممکن ہے؟" میں نے جواب دیا۔

"چلو میں تو کسی نہ کسی طرح نیچے پہنچ جاؤں گا لیکن تمہیں بہت دقت ہوگی عالیہ۔ میں تمہاری وجہ سے فکرمند ہوں۔"

"تمہاری اس شرافت پر یقین نہیں آتا راحیل۔" میں نے اُسے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب؟" راحیل نے پوچھا۔

"تم اگر چاہتے تو مجھے بتائے بغیر بھی یہاں سے فرار ہو سکتے تھے۔"

"میں نے سوچا تھا۔ یقین کرو میں نے یہ بات سوچی تھی لیکن اس غلط فہمی کو ذہن سے نکال دو کہ میری شرافت نے مجھے اس کے لیے مجبور کیا ہے۔" راحیل بولا اور میں تعجب سے اُسے دیکھنے لگی۔ کیسا انسان ہے یہ۔ کیا چیز ہے پھر میں ایک گہری سانس

لے کر بولی۔
"پھر کون سی بات نے تمہیں اس کے لیے مجبور کیا راحیل؟"
"سمندر کی تنہائی بہت بھیانک چیز ہوتی ہے۔ اگر ایک ساتھی ہو تو کٹھن وقت بھی آسان ہو جاتا ہے۔ اس لیے میں تمہیں ساتھ رکھوں گا۔" راحیل نے جواب دیا اور میں نے گردن ہلا دی۔
"تمہاری صاف گوئی نے ہی ایک بار مجھے بھٹکایا تھا بہرحال یونہی سہی۔ میں تمہاری شکرگزار ہوں۔"
"تو پھر کیا ارادہ ہے؟" راحیل نے پوچھا۔
"جیسا تم پسند کرو۔"
"دیکھو عالیہ اُس وقت تک، جب تک میں نے اس جگہ کو نہیں دیکھا تھا میرے ذہن میں کوئی لگن نہیں تھی لیکن فرار کا راستہ پا کر میں بے چین ہو گیا ہوں اور اب میری خواہش ہے کہ میں جلد از جلد آخری کام انجام دے لوں تو بہتر ہوگا کہ کل رات ہم یہاں سے نکلنے کی کوشش کریں۔ حالات بدل بھی سکتے ہیں۔ کوئی بھی حادثہ ہماری راہ کی دیوار بن سکتا ہے۔ ہم حادثات کا انتظار کیوں کریں؟"
"ٹھیک ہے پھر اس سلسلے میں اور کیا تیاریاں کرنی ہوں گی؟" میں نے پوچھا۔
"تم یوں کرو کہ کھانے پینے کی مختصر سی چیزیں لے کر سیر و سیاحت کے بہانے اُس جگہ تک آ جاؤ۔ تمہارے ساتھ صرف ایک کوچوان ہوگا جب تم وہاں پہنچو گی تو میں بہ آسانی کوچوان کو قابو میں کر لوں گا۔ ہم اُسے ہلاک کر دیں گے اور اس کے بعد ہم سامان لے کر نیچے اتریں گے۔ ان دونوں نگرانوں کے بارے میں بھی میں نے یہی فیصلہ کیا ہے کہ انہیں قتل کر دوں گا تاکہ ہمارے فرار کی اطلاع کم از کم دوسری صبح تک ان لوگوں کو نہ مل سکے۔"
"مناسب پروگرام ہے۔"
"بس اس کی کامیابی کی دعا کرو۔"
"کس سے راحیل؟" میں نے مسکرا کر پوچھا اور وہ کسی قدر خجل ہو گیا۔
"خدا سے اور کس سے۔"
"کیا تم اُس کے قائل ہو؟"
"ہاں۔ اُس کے وجود سے مجھے انکار نہیں ہے لیکن بعض چیزوں سے میں اختلاف رکھتا ہوں۔ اچھا تو اب میں چلتا ہوں تم کل کس وقت وہاں پہنچو گی؟"
"سورج چھپے۔"
"نہایت ہوشیاری سے ایک ایک قدم پھونک پھونک کر رکھنا ہے۔ ذرا سی لغزش جان لے سکتی ہے۔" راحیل نے چلتے چلتے کہا اور میں نے گردن ہلا دی۔
راحیل کے جانے کے بعد میں دیر تک سوچتی رہی پھر میں نے شمس کو بلانے کی ہدایت کی۔ میری خادمہ نے بتایا کہ شمس یہاں موجود نہیں ہے تو میں نے گھوڑا گاڑی کے بارے میں پوچھا۔
"گھوڑا گاڑی موجود ہے۔"
"ہمارا مہمان راحیل کہاں ہے؟" میں نے سوال کیا۔
"اپنی آرام گاہ میں۔"
"اچھا سنو۔ اگر وہ مجھ سے ملنے کی خواہش کا اظہار کرے تو اُس سے کہہ دینا کہ میں سو رہی ہوں اور اس وقت کسی سے نہیں مل سکتی۔" میں نے خادمہ کو ہدایت کی۔ "خبردار اُسے یہ نہ معلوم ہونے پائے کہ میں کہیں گئی ہوں۔" اور خادمہ نے گردن ہلا دی۔ تب میں خاموشی سے باہر نکل آئی۔
کوچوان گاڑی کے اندر اطمینان سے سو رہا تھا۔ میں نے اُسے جگایا تو وہ چونک کر اُٹھ بیٹھا۔ میں گاڑی میں بیٹھ گئی اور پھر میں نے اُسے چلنے کا اشارہ کیا اور اُس نے گاڑی آگے بڑھا دی۔
"کہاں چلوں؟"
"طبرق کی رہائش گاہ پر۔" میں نے جواب دیا اور کوچوان نے گردن ہلا دی۔ گھوڑے تیز رفتاری سے دوڑنے لگے۔ اس سے قبل میں نے طبرق کی رہائش گاہ دُور سے دیکھی تھی۔ آج پہلی بار اس میں جا رہی تھی۔ خوبصورت عمارت کے دروازے پر دو دربان کھڑے ہوئے تھے۔ طبرق کے بارے میں معلوم ہوا کہ وہ اندر موجود ہے۔ چنانچہ میں نے دربانوں سے کہا کہ میں اُس سے ملاقات کرنا چاہتی ہوں۔ ایک دربان میری درخواست پر اجازت لینے اندر چلا گیا اور تھوڑی دیر کے بعد اُس نے آ کر اطلاع دی کہ طبرق مجھے طلب کرتا ہے۔
وحشی صفت طبرق مجھ سے نہایت خوش اخلاقی سے پیش آیا۔ وہ صورت سے وحشی نظر آتا تھا اور اس کے بارے میں جو داستانیں مشہور تھیں۔ یقیناً جھوٹی نہیں ہوں گی لیکن ابھی تک میں نے اس کی وحشت و بربریت نہیں دیکھی تھی۔ نہ جانے کیوں وہ میرے ساتھ بہت اخلاق سے پیش آتا تھا۔ اس وقت بھی وہ مجھ سے نرم لہجے میں بولا۔
"کون سی ضرورت تمہیں میرے پاس لائی ہے۔ کیا کسی نے تم سے اختلاف کیا۔ اگر ایسا ہوا ہے تو یہ میری حکم عدولی ہے۔ بتاؤ وہ کون ہے؟"

"نہیں جناب۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ آپ کی عنایتوں نے میرے دل میں آپ کے احترام کا جذبہ اور بڑھا دیا ہے اور میں نے ان عنایتوں کی شکرگزاری کا ایک راستہ تلاش کر لیا۔ اس وقت میں اپنی وفاداری کا ثبوت دینے آپ کے پاس آئی ہوں۔" میں نے جواب دیا۔
"میں اب بھی تمہاری آمد کی وجہ نہیں سمجھ سکا۔"
"وہ شخص جو مجھے یہاں فروخت کرنے لایا تھا اور جس نے میری قیمت وصول کر لی ہے جزیرے کے قانون سے بغاوت کر رہا ہے اور اُس نے اپنے ناپاک مقاصد میں مجھے بھی شریک کرنے کی کوشش کی ہے۔"
"راحیل ہے اُس کا نام؟" طبرق کی آواز غراہٹ میں بدل گئی۔
"ہاں۔ جزیرے کے قانون کے مطابق اسے امیر الشاطیا... بن غوری کا انتظار کرنا تھا جس کی ضمانت پر اُسے یہاں سے واپسی کی اجازت مل جاتی لیکن عظیم طبرق کیا کسی نمک حرام کو طبرق کے انتظامی امور میں ضرب لگانے پر معاف کیا جا سکتا ہے؟"
"ہرگز نہیں۔ اُس نے کیا کیا ہے؟"
"سازش اور اس ناپاک شخص نے اس سازش کے لیے میرا سہارا تلاش کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہ بھوکا تھا میرے پاس آیا اور خوراک طلب کی۔ میں نے ازراہ انسانیت اسے خوراک دینے کی سفارش کر دی تب اُس نے مجھ سے معذرت کرتے ہوئے اس بات پر شرمندگی ظاہر کی کہ اُس نے مجھے اغوا کر کے یہاں تک پہنچایا اور پھر مقصد پر آ گیا۔ اُس نے کہا کہ اُس نے فرار کے راستے تلاش کر لیے ہیں۔ خلیج میں پڑی ہوئی کشتیاں اُس کی نگاہوں کا مرکز ہیں۔ اُس نے اپنی اسکیم بتلاتے ہوئے مجھ سے کہا ہے کہ میں کھانے پینے کی کچھ اشیاء لے کر کل سورج چھپے خلیج کے پاس پہنچ جاؤں۔ وہ نیچے موجود دونوں محافظوں کو قتل کر کے راتوں رات یہاں سے نکل جائے گا۔ اُس نے مجھے بھی اپنے ساتھ فرار ہونے کی پیش کش کی ہے۔"
طبرق خاموشی سے میری بات سن رہا تھا پھر اُس نے گہری سانس لے کر کہا۔
"خانم۔ کیا تم یہاں سے فرار نہیں چاہتیں؟"
"میں وفا شعار ہوں۔ بے شک پہلے میں یہاں آ کر خوش نہیں تھی لیکن اب جب آپ نے مجھے ایک معزز مقام دیا ہے تو میرا ضمیر یہ گوارہ نہیں کرتا کہ میں آپ کو کوئی دھوکا دوں بلکہ جب جزیرے کے قانون کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش کی گئی تو میں نے سوچا کہ ایک قیدی کا فرار عظیم طبرق کی پیشانی کا داغ بن جائے گا۔ چنانچہ میں اپنا فرض پورا کرنے آ گئی۔"
"طبرق تمہارا شکرگزار ہے اور یوں کرو کہ اس کی ہدایات پر حرف بحرف عمل کرو اور اُسے فرار کا موقع دو۔ یہ کام ہمارے لیے ہوگا۔ باقی معاملات ہماری ذمے داری ہوں گے۔" طبرق نے کہا۔
"جو حکم۔" میں نے سر خم کر کے جواب دیا۔
"بس اب واپس جاؤ۔ اس اچھے سلوک کا خیال رکھا جائے گا۔ جو تم نے ہمارے ساتھ کیا ہے۔" طبرق نے کہا اور پھر وہ مجھے باہر گھوڑا گاڑی تک چھوڑنے آیا۔ گھوڑا گاڑی میں بیٹھتے ہوئے میں نے کہا۔
"میری خواہش ہے جناب کہ اُس پر ابھی سے نگاہ رکھی جائے۔ ممکن ہے وہ چالاک شخص پروگرام کے خلاف کچھ کرنے کی کوشش کرے۔"
"اس وقت وہ تمہاری رہائش گاہ پر ہے؟"
"جی ہاں۔"
"ٹھیک ہے تم مطمئن اور پُرسکون رہو۔ تم اپنا فرض پورا کر چکی ہو۔" طبرق نے کہا اور میں گھوڑا گاڑی میں بیٹھ کر واپس چل پڑی۔ جو کچھ میں نے کیا تھا اُس پر ذرا بھی شرمندہ نہیں تھی۔ میں نے ایک شیطان کو کیفر کردار تک پہنچایا تھا۔ میری جگہ درحقیقت کوئی مصیبت کی ماری ہوتی تو...
راحیل مطمئن تھا۔ اُسے میری مصروفیات کا علم نہیں ہو سکا۔ دوسری صبح سورج چڑھے وہ چند لمحات کے لیے مجھے یاد دہانی کرانے آیا اور میں نے اُس سے کہا کہ وہ بے فکر رہے پھر وہ چلا گیا اور میں نے شمس کو طلب کر لیا۔ شمس کسی قدر فکرمند تھی جس کا اُس نے اظہار بھی کر دیا۔
"مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے تم کوئی گہری بات سوچ رہی ہو۔ کچھ کر رہی ہو۔ خدا کے لیے مجھے بتا دو عالیہ۔ تم میرے لیے بہت قیمتی ہو۔ میں تمہیں کوئی ایسا کام نہیں کرنے دوں گی جس میں تمہاری زندگی کو خطرہ لاحق ہو۔"
"میں کوئی ایسا کام کر بھی نہیں رہی شمس۔ اپنے بارے میں تمہیں اتنا بتا دوں کہ برائیوں سے مجھے نفرت رہی ہے اور میں نے ہمیشہ اپنے سینے میں برائیوں کو ختم کرنے کا جذبہ پایا ہے۔ میں درگزر کی عادی ہوں شمس اور موجودہ حالات میرے لیے اتنے خوفناک بھی نہیں ہیں جتنے کسی عام لڑکی کے لیے ہوتے لیکن اس کا یہ مقصد بھی نہیں کہ میں نے اس جزیرے

کی لعنت کو قبول کر لیا ہے۔ مَیں اس کے خلاف ایسی جدوجہد کروں گی کہ اگر مر بھی گئی تو جزیرے والے نہیں بھولیں گے لیکن نی الوقت یہ اپشن دُوسرا ہے۔ مَیں نے زندگی میں شاید اتنی نفرت کسی سے نہیں کی جتنی مَیں راحیل سے کرتی ہُوں۔ مَیں نے اس چالاک اور مکار شخص کی موت کا سامان کیا ہے اور بس۔"

"کیا سامان کیا ہے؟" شمس نے پوچھا۔

"تم بھی میرے ساتھ اس کا انجام دیکھ لینا۔ ہر چند کہ تم میرے ساتھ نہیں جا سکو گی لیکن میرا خیال ہے اس کا انجام کسی سے پوشیدہ نہیں رہے گا۔"

"تمہاری اپنی ذات کے لیے تو کوئی خطرہ نہیں ہے؟"

"بالکل نہیں میری جان۔ یُوں سمجھ لو راحیل کے خلاف مَیں اور طبرق کام کر رہے ہیں۔" مَیں نے کہا اور میرے ان الفاظ سے شمس قدرے مطمئن ہُوئی... پھر اُس نے گردن ہلاتے ہُوئے کہا۔ "مَیں تمہاری صلاحیتوں کی خلوصِ دل سے قائل ہُوں... طبرق کو تم نے جس طرح شیشے میں اُتارا ہے یہ معمولی بات نہیں ہے۔ نہ جانے تم خود کو کس طرح محفوظ رکھو گی۔ نہ جانے تمہارے ذہن میں اپنے بارے میں کیا ہے۔"

"ابھی تک کچھ نہیں ہے شمس۔ مَیں پہلے بھی نہیں بتا چکی ہوں کہ مَیں نے صرف ایک بات کے علاوہ اور کچھ نہیں سوچا اور وہ بات یہ ہے کہ مَیں کسی قیمت پر وہ حیثیت قبول نہیں کروں گی جس کے لیے مجھے یہاں لایا گیا ہے اور نہ ہی مَیں نے اپنے ذہن پر کوئی بوجھ رکھا ہے۔ وقت پر جو کچھ ذہن میں آیا کر گزروں گی۔" مَیں نے جواب دیا۔

شام ہُوئی تو مَیں نے تیاریاں شروع کر دیں۔ طبرق کی طرف سے مجھ سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش نہیں کی گئی تھی۔ نہ ہی اس دوران راحیل کے بارے میں کوئی اطلاع ملی تھی آج اُس نے دوپہر کا کھانا بھی یہاں نہیں کھایا تھا پھر مقررہ وقت پر مَیں چل پڑی۔ میرے ذہن میں عجیب سے خیالات تھے۔ راحیل کے پروگرام میں تو خیر کسی قیمت پر شامل نہیں ہو سکتی تھی خواہ وہ کامیاب ہی کیوں نہ ہو جائے۔ وہ مکار شخص اس قابل نہیں تھا کہ اس سے کسی بہتری کی توقع رکھی جائے۔ نہ جانے طبرق نے اس سلسلے میں کیا بندوبست کیا ہے؟

گھوڑا گاڑی طویل سفر کر کے بالآخر سُورج ڈوبے اس جگہ پہنچ گئی جہاں پہاڑ کی گہرائیوں میں سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ کنارہ ناہموار تھا اور نیچے اُترنا سخت مشکل۔ مَیں نے گاڑی رُکوا دی اور کوچوان سے کہا۔ "سُنو کوچوان۔ تمہاری زندگی کو خطرہ لاحق ہے۔ تمہیں ہوشیار رہنا چاہیے۔"

"میری زندگی کو؟" کوچوان نے تعجب سے پوچھا۔

"ہاں۔ ابھی ایک شخص تم پر حملہ آور ہونے کی کوشش کرے گا۔ وہ سمندر کے راستے فرار ہونا چاہتا ہے۔"

کوچوان اس طرح میری صُورت دیکھنے لگا جیسے اُسے میری دماغی صحت پر شبہ ہو گیا ہو لیکن مَیں نے اُس کی حیرت پر توجہ نہیں دی۔ میری نگاہیں راحیل اور طبرق کی تلاش میں بھٹک رہی تھیں اور پھر مَیں نے دُور سے ایک سائے کو اپنی طرف آتے دیکھا۔ چال ڈھال سے مَیں نے اندازہ لگا لیا کہ وہ راحیل ہے تب مَیں نے دوبارہ کوچوان سے کہا۔

"وہ آ گیا ہے۔ تم اُس کی باتوں میں آنے کی کوشش مت کرنا۔ ہوشیار۔" اور کوچوان راحیل کو دیکھنے لگا۔ راحیل قریب آ گیا اور پھر اُس نے ہم دونوں کو دیکھ کر مُسکراتے ہوئے کہا۔

"آہ اتنی رات ہو گئی ہے اور تم دونوں اس ویران مقام پر کیا بات ہے۔ کیا تم کسی مشکل کا شکار ہو؟" کوچوان خاموشی سے اُس کی شکل دیکھنے لگا۔

"میرا نام راحیل ہے اور میں اس جزیرے پر تمہارا مہمان ہُوں۔" راحیل نے کوچوان کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ انداز ایسا تھا جیسے وہ اس سے مصافحہ کرنا چاہتا ہو لیکن دُوسرے لمحے وہ کوچوان پر ٹوٹ پڑا۔ اُس نے کوچوان کو بُری طرح رگیدنا شروع کر دیا اور پھر اُسے گرانے میں کامیاب ہو گیا۔ کوچوان کو پچھاڑنے کے بعد وہ اُس کے سینے پر چڑھ بیٹھا اور پھر اُس نے نزدیک ہی پڑا ہُوا ایک وزنی پتھر اُٹھایا اور اُسے سر سے بلند کر لیا لیکن اُسی وقت بے شمار روشنیوں نے اُسے گھیرے میں لے لیا۔ بڑی بڑی ٹارچوں کی روشنیاں تھیں اور جن کے ہاتھوں میں ٹارچیں تھیں وہ چند گز سے زیادہ دُور نہیں تھے۔ راحیل پتھر اُٹھائے ساکت رہ گیا پھر اُس کے حلق سے بھرائی ہوئی آواز نکلی۔ "یہ لوگ کہاں سے آ گئے؟"

"پتھر پھینک دو راحیل۔ اگر تمہارے ہاتھوں سے اُسے کوئی گزند پہنچی تو تم جزیرے کے ایک ایک فرد کی ہمدردی کھو بیٹھو گے۔" طبرق کی سرد آواز اُبھری اور راحیل نے پتھر ایک طرف پھینک دیا۔ کوچوان نے نیچے سے زور لگایا اور راحیل ایک طرف لڑھک کر کھڑا ہو گیا۔ راحیل خاموشی سے کھڑا شکست خوردہ نگاہوں سے ان سب کو دیکھ رہا تھا۔ طبرق آہستہ آہستہ اُس کے قریب پہنچ گیا۔

"تمہارے فرار کی کوشش ناکام ہو گئی راحیل؟" اُس نے کہا۔

"فرار؟ مَیں فرار ہونے کی کوشش تو نہیں کر رہا تھا۔" راحیل ہکلاتے ہُوئے بولا۔

"اوہ۔ تو تم یہاں شاید ورزش کرنے آئے تھے؟" طبرق نے مضحکہ اڑاتے ہُوئے کہا۔

"م۔ مَیں۔ مَیں تو...؟"

"عالیہ کیا راحیل یہاں پکنک پر آیا تھا؟" اس بار طبرق نے مجھ سے پوچھا۔

"یہ خود ہی بتائے گا عظیم طبرق!" مَیں نے کہا۔

"کیوں عالیہ۔ ہم لوگ۔ ہم لوگ تم بھی تو کچھ بتاؤ مسٹر طبرق ہمارے بارے میں غلط فہمی کا شکار ہو رہے ہیں۔" راحیل نے میرا سہارا لینے کی کوشش کی۔

"میرا خیال ہے راحیل تم اپنے اصُولوں اور اپنی خُوبیوں کا سہارا لو۔ میرا سہارا کمزور اور ناپائدار ہو گا؟" مَیں نے جواب دیا۔

"عالیہ!" راحیل حیرت سے بولا "تم۔ تم میرا ساتھ نہیں دو گی تم مجھ سے غداری کرو گی؟"

"کیا مَیں تمہاری وفادار بھی ہو سکتی ہُوں راحیل؟" مَیں نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"عالیہ؟" راحیل گرجا۔

"اس معصوم لڑکی کو خوف زدہ کرنے کی کوشش مت کرو راحیل۔ مجھ سے بات کرو۔"

"معصوم لڑکی؟" راحیل نے طنزیہ انداز میں کہا۔ "آپ کو یہ جان کر خوشی ہو گی مسٹر طبرق کہ اسی معصوم لڑکی نے مجھے فرار کی راہ دکھائی تھی۔"

"یہ بکواس کر رہا ہے جناب۔ عالیہ صاحبہ نے تو مجھے ہوشیار کیا تھا کہ میری زندگی خطرے میں ہے لیکن مَیں ان کی بات سمجھ نہیں سکا تھا۔" کوچوان نے جلدی سے میری طرفداری کرتے ہُوئے کہا۔

"مَیں اس بات کا ثبوت پیش کر دوں گا کہ..." راحیل نے کہنا چاہا لیکن طبرق نے اس کی بات کاٹ دی۔

"چلو مسٹر راحیل کو گرفتار کر لو۔ ہم واپس چل کر اطمینان سے ان کی گفتگو سُنیں گے۔" اور طبرق کے آدمیوں نے آگے بڑھ کر صندل کو رسیوں سے کس دیا۔ اس کے بعد اسے گھوڑا گاڑی میں بٹھا لیا گیا اور طبرق خود بھی گھوڑے سے اُتر کر اُسی گاڑی میں آ گیا۔ اُس نے مجھے بھی اپنے ساتھ بٹھا لیا تھا۔

"تم اس لڑکی کے فریب میں آ رہے ہو طبرق۔ یقین کرو۔ اسی نے مجھے یہاں سے فرار کے لیے تیار کیا تھا۔" راستے میں راحیل دوبارہ بولا۔

"تمہیں یہ سُن کر خوشی ہو گی مسٹر راحیل کہ مس عالیہ نے ہی مجھے تمہارے فرار کی داستان سُنائی تھی۔ ورنہ شاید تم اس کوشش میں کامیاب ہو جاتے۔ ہم ان کے ازحد شکر گزار ہیں کہ انہوں نے ہمیں بدنامی کے داغ سے بچا لیا۔" طبرق نے کہا اور راحیل کا مُنہ حیرت سے کھُل گیا۔

"کیا کہہ رہے ہیں مسٹر طبرق۔ آہ کیا اس لڑکی نے آپ کو بھی دھوکا دینے کی کوشش کی ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ یہ لڑکی بے حد خطرناک ہے۔" راحیل نے متحیرانہ انداز میں کہا۔

"اور آپ بے حد معصوم۔ کیوں مسٹر راحیل؟" طبرق نے مسکراتے ہُوئے کہا۔

"آہ۔ عورت کس قدر خطرناک شے ہے۔ کاش مَیں اس عورت کے فریب میں نہ آتا۔ بن غوری کا انتظار کوئی مشکل کام نہیں تھا۔"

"اب تو آپ اس فریب میں آ ہی گئے مسٹر راحیل۔"

"میں معافی چاہتا ہوں۔ مجھے صرف ایک بار معاف کر دیا جائے۔ مَیں آپ لوگوں کو عورت کے فریب سے بچانے کی کوشش کروں گا۔"

"ہاں۔ یہ بات قابلِ غور ہے۔ بہر حال مَیں اپنے ساتھیوں سے مشورہ کروں گا اگر انہوں نے اجازت دی تو پھر آپ کو مُعاف کر دیا جائے گا۔ ویسے ان دنوں ہمیں ایک ایسے شخص کی ضرورت ہے جو ہمیں عورت کے فریب سے بچائے۔ مجھے یقین ہے کہ میرے ساتھی تمہارے حق میں مشورہ دیں گے۔" طبرق نے جواب دیا اور مجھے بے اختیار ہنسی آ گئی۔ طبرق بھی ہنسنے لگا تھا۔

"کیا تم دونوں میرا مذاق اُڑا رہے ہو؟" راحیل چڑ کر بولا اور طبرق نے اپنا جوتا اُس کے مُنہ پر رکھ دیا۔

"اگر تم نے بکواس بند نہیں کی تو مَیں تمہاری صُورت بگاڑ دوں گا۔ اس کے بعد ایک لفظ زبان سے نہ نکلے۔" اور راحیل سہم کر خاموش ہو گیا۔ طبرق کا جوتا اُس کے مُنہ پر تھا اور وہ بے بس پڑا ہُوا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد طبرق نے اپنا جُوتا اُس کے مُنہ پر سے ہٹا لیا لیکن اس کے بعد راحیل نے بولنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ بالآخر ہم طبرق کی رہائش گاہ پر پہنچ گئے۔ جہاں پہنچ کر

طبرق نے اپنے لوگوں کو حکم دیا کہ راحیل کو قید کر دیا جائے پھر طبرق نے مجھے اپنے ساتھ ایک پیالی قہوہ پینے کی پیش کش کی اور میں نے اسے قبول کر لیا۔ قہوے کے سنہری برتن ہمارے سامنے پہنچ گئے۔ میں نے خود طبرق کو قہوہ پیش کیا تھا۔

"بار بار یہ جملے کہنا اچھا نہیں لگتا کہ میں تمہارا شکر گزار ہوں۔ بہر حال میں تمہارے بارے میں بہت اچھے جذبات رکھتا ہوں۔ مجھے بتاؤ لڑکی۔ ذاتی طور پر میں تمہارے لیے کیا کر سکتا ہوں۔"

"میں اس توجہ کے لیے شکر گزار ہوں۔ ویسے میری اس چھوٹی سی کاوش کو اب نظر انداز کر دیا جائے۔ یہ میرا فرض تھا جو میں نے ادا کیا۔"

"کیا تم یہاں خوش ہو؟" طبرق نے اچانک پوچھا۔

"بات یہ ہے جناب کہ میں اپنی دنیا میں بھی تنہا تھی اور یہ بھی حقیقت ہے کہ وہاں کی زندگی مجھ پر بہت سخت تھی۔ اس کے برعکس یہاں کم از کم یہ سکون ضرور ہے کہ میں لاتعداد نگاہوں میں نہیں ہوں۔"

"کیا مطلب۔ وضاحت کرو۔" طبرق بولا۔

"آپ اس جزیرے میں کب سے ہیں مسٹر طبرق؟" میں نے خود اس سے سوال کر دیا اور طبرق مجھے غور سے دیکھنے لگا پھر ایک گہری سانس لے کر بولا۔

"طویل عرصے سے۔ میں وقت بھول چکا ہوں۔"

"تب افسوس۔ آپ باہر کی دنیا کے مسائل سے ناواقف ہوں گے۔" میں نے گہری سانس لے کر کہا۔

"نہیں اب ایسی بات بھی نہیں ہے۔ میرا رابطہ بیرونی دنیا سے منقطع نہیں ہے۔ میں نہ صرف اپنے علاقے میں بلکہ دنیا کے دوسرے حصوں میں بھی جاتا رہتا ہوں۔ وہاں کے لوگوں سے میرا رابطہ ہے۔"

"ممکن ہے آپ اس دنیا کے دوسرے مسائل سے بھی واقف ہوں۔ باہر کی دنیا بھوک، افلاس، بے روزگاری جیسے موذی امراض میں گرفتار ہے۔ دنیا کی ایک بڑی آبادی زندگی اس طرح گزار رہی ہے کہ اسے جینے سے کوئی دلچسپی نہیں رہ گئی ہے۔ میرا تعلق بھی انہی لوگوں سے ہے جو کسمپرسی کے شکار تھے قدم قدم پر ہوس پرست ملتے تھے جو روٹی کے عوض سب کچھ چھین لینے پر آمادہ تھے۔ ان لوگوں سے بچتے بچتے تھکن غالب آ گئی تھی۔ اس تھکے ہوئے ماحول سے نکل کر میں بڑا سکون محسوس کر رہی ہوں۔"

"گویا تم یہاں خوش ہو؟"

"ہاں ایک سکون ضرور ہے ایک امید ضرور ہے۔ اگر میں کسی قابل ہوئی تو اس کے بعد عزت کی زندگی مل جائے گی۔" میں نے نہایت چالاکی سے ایک ایک لفظ کو تولتے ہوئے کہا اور طبرق نے خلوص سے گردن ہلا دی۔

"ہاں اس کے امکانات قوی ہیں۔ تمہاری فطرت میں نمایاں خوبیاں ہیں۔ جن کی وجہ سے بہر صورت تمہارے لیے کوئی پریشان کن صورتِ حال نہیں پیدا ہو گی۔ میں اس بات کا تمہیں یقین دلاتا ہوں۔"

"اتنے دن یہاں رہ کر مجھے آپ کے بارے میں اندازہ ہو گیا ہے جناب۔" میں نے جواب دیا۔

"اس کے علاوہ لڑکی چونکہ تم نے اس شخص کو گرفتار کرا کر میرے اوپر ایک احسان بھی کیا ہے اگر تم چاہو تو اس احسان کے عوض میں تمہیں اس جزیرے سے نکال کر باہر کی دنیا میں پہنچا سکتا ہوں۔ میری طرف سے یہ پیش کش ہے۔ تم غور کر لو۔ اس کے بعد مجھے جواب دینا۔"

میں صرف ایک لمحے کے لیے خاموش ہو گئی۔ میں نے دھڑکتے دل کے ساتھ اس پیش کش کو سنا۔ ایک لمحے کے لیے دل نے کہا کہ فوراً اس جذباتی پیش کش سے فائدہ اٹھا دیں لیکن اسی وقت میرے تجربے نے آواز دی۔ عالیہ! احمق مت بن۔ بھول کر بھی مت سوچ کہ یہ شخص جو کچھ کہہ رہا ہے اس میں خلوص ہے۔ یہ پیش کش صرف ایک چال ہے اور یہ سوال ایک احساس کی بنیاد ہے۔ راحیل نے کہا ہے کہ اسے فرار پر اکسانے والی تو ہے۔ یہ شخص تیرا امتحان لے رہا ہے۔ شمس نے اس کے بارے میں جو بتایا ہے اسے یاد رکھ۔ ذرا سی لغزش تیرے لیے مصیبت بن سکتی ہے ان لوگوں پر بھروسہ ممکن نہیں۔

صرف چند لمحات نے مجھ پر یہ انکشاف کیا اور میں سنبھل گئی۔ عین اسی وقت طبرق نے دوبارہ سوال کیا۔ "تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا؟"

"میں کچھ سوچنے لگی تھی جناب۔"

"کیا؟" اس نے پوچھا۔

"آپ کی یہ پیش کش بلاشبہ شریفانہ ہے اور اس میں خلوص ہے لیکن میں یہاں رہنے کی خواہش ظاہر کر چکی ہوں۔ اگر میرا وجود کسی طور آپ کے لیے تکلیف دہ ہو تو دوسری بات ہے ورنہ میری خواہش ہے کہ اگر امیر الشاط مجھے اپنی خدمت کا موقع نہ بھی دیں تو بھی مجھے ایک خدمت گار کی حیثیت سے یہاں رہنے دیا جائے۔"

"گویا تم کسی قیمت پر اپنی دنیا میں جانے کی خواہش مند نہیں ہو؟" طبرق نے دلچسپی سے کہا۔

"ہاں میری یہ خواہش نہیں ہے۔"

"اس شخص کے لیے کیا فیصلہ کیا جائے؟" طبرق نے دفعتاً موضوع بدل دیا۔

"کس کے لیے؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"راحیل کی بات کر رہا ہوں۔"

"جزیرے کا محافظ اس کا نگران بہتر فیصلہ کر سکتا ہے ویسے مجھے خود بھی اس کی ذات سے بے پناہ نفرت ہے۔ وہ اتنا گھٹیا اور قبیح انسان ہے کہ اس سے صرف نفرت کی جا سکتی ہے۔"

"میں تم سے متفق ہوں۔ اسے جو بھی سزا دی جائے گی۔ ہماری موجودگی میں دی جائے گی۔" طبرق نے کہا۔

"میری ایک خواہش ہے مسٹر طبرق، اگر پوری کیے جانے کے لائق ہو تو پوری کر دیں۔"

"ہاں ہاں۔ ضرور کہو۔"

"میں اس کے قید خانے میں اس سے ملنا چاہتی ہوں۔"

"اس کے بعد تم اپنی رہائش گاہ پر چلی جانا۔ کل میں تمہیں بلانے کا پیغام بھیجوں گا۔" طبرق اٹھ گیا اور پھر اس نے تالی بجائی اور دو سیاہ فام غلام اندر آ گئے۔ طبرق نے مقامی زبان میں ان سے کچھ کہا جسے میں حسبِ معمول نہیں سمجھ سکی تھی اور غلاموں نے گردن جھکا دی۔ "جاؤ ان کے ساتھ چلی جاؤ۔" میں نے اس کا شکریہ ادا کیا اور غلاموں کے ساتھ باہر آ گئی۔

طبرق کی خوشنما رہائش گاہ کے آخری حصے میں ایک دالان تھا اور اس دالان کی چوڑائی میں وہ قید خانہ تھا جس میں موٹی موٹی سلاخیں لگی ہوئی تھیں اور ان سلاخوں کے پیچھے تباہ حال راحیل بیٹھا نظر آ رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ نہ جانے اس کے ذہن میں کیا خیالات تھے۔ وہ سلاخوں کے نزدیک آ کھڑا ہوا۔

"کیوں آئی ہو؟" وہ ہذیانی انداز میں بولا۔

"تمہارے اصولوں کا تماشہ دیکھنے۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"کیا یہ واقعی درست ہے کہ تم نے طبرق کو میرے فرار سے آگاہ کیا تھا؟" اس نے پوچھا۔

"سو فیصد ٹھوس حقیقت۔"

"لیکن کیوں۔ آخر کیوں؟ میری سمجھ میں نہیں آتا۔"

"اتنی معمولی سی بات تمہاری سمجھ میں نہیں آتی راحیل، حالاں کہ تم تو بہت بڑے فلاسفر ہو۔"

"مجھے بتاؤ۔ مجھے سمجھاؤ۔ تم نے مجھ پر رحم کھایا اور اس کے بعد میرے ساتھ یہ فریب کیا آخر کیوں؟"

"بس تمہاری ذہانت چوکڑی بھول گئی راحیل۔ تم نے یہ کیوں نہیں سوچا کہ میں تم جیسے کمینہ صفت انسان پر رحم کس طرح کھا سکتی تھی۔ تم نے دوست بن کر مجھے دغا دی۔ میں نے تمہارا یہ داؤ تم پر ہی الٹ دیا۔ اس روز میں اپنے کھیل کا پہلا حصہ مرتب کرنے گئی تھی جب الحکم کے مکان پر تم سے پہلی ملاقات ہوئی۔ تھوڑے دن انتظار ضرور کرنا پڑا لیکن مجھے یقین تھا کہ تم میرے جال کی طرف ضرور آ ؤ گے اور یہی ہوا۔ تم خراماں خراماں اس طرف آ نکلے۔"

"تم کیا بکواس کر رہی ہو؟" راحیل غمزدہ لہجے میں بولا۔

"ایک ٹھوس حقیقت تمہیں بتا رہی ہوں۔ اس دن بھی میں تمہارے اندر کے انسان کی تلاش میں تمہارے پاس گئی تھی۔ میں نے سوچا تھا ممکن ہے تم شرمندہ ہو۔ ممکن ہے تم اپنے کیے پر پشیمان ہو لیکن تمہاری فطرت میں شیطان پوشیدہ ہے تم نے اپنی برائیوں کو اپنا فلسفہ بنا لیا ہے۔ مجھے شدید مایوسی ہوئی اور میں نے تمہارے بارے میں فیصلہ کر لیا جس کے نتیجے میں تم موت کے بالکل قریب ہو۔"

"لیکن کیوں۔ آخر کیوں؟"

"اس لیے کہ مجھے تم سے بے انتہا نفرت ہے۔ میں اپنی موت کی قیمت پر بھی تمہاری موت چاہتی ہوں۔"

"تت تو کیا... تو کیا طبرق مجھے مار ڈالے گا؟" راحیل نے وحشت زدہ لہجے میں پوچھا۔

"ہاں۔ یہ رات تمہاری زندگی کی آخری رات ہے۔"

"سور کی بچی۔ تو نے مجھے یہ بات کیوں بتا دی؟ تو نے مجھے یہ بات کیوں بتائی ہے؟" راحیل سلاخوں سے سر مارتے ہوئے بولا۔

"اس لیے کہ موت کا خوف تمہیں تمہاری زندگی کی آخری رات میں بھی سونے نہ دے۔ میں تم سے اتنی ہی نفرت کرتی ہوں۔ اب ساری رات اپنے اصولوں سے کشتی لڑو۔ جنہوں نے تمہارے لیے نفرت خریدی۔ میں بس اس لیے تمہارے پاس آئی تھی۔" میں واپس پلٹ پڑی۔

"ٹھہر جا عالیہ، رک جا۔ مجھ سے باتیں کر۔ میں بہت پریشان ہوں۔ سن تو سہی۔ میں بہت سی باتیں کرنا چاہتا ہوں۔" راحیل چیخنے لگا۔

"ان دیواروں سے باتیں کرو راحیل لیکن یہ بھی تمہاری دوست نہیں ہیں کیوں کہ یہ تمہیں باہر نکلنے کی جگہ نہیں دیں گی۔ غور کرو برائیاں انسانوں کو انسانوں سے کس قدر دُور کر دیتی ہیں۔"

میں باہر نکل آئی۔ میرے ذہن میں سکون ہی سکون تھا میری جو بھی حالت تھی لیکن میں نے ایک برائی ختم کر دی تھی۔ میں نے یہ امکان ختم کر دیا تھا کہ پھر کوئی معصوم لڑکی راحیل کے ہاتھ لگے گی اور وہ اُسے کسی دُوسرے جزیرے میں لے جا کر فروخت کر دے گا۔ نہ جانے کتنے لوگ ایک بُرے انسان سے نجات پا گئے تھے۔

اپنی رہائش گاہ میں داخل ہوئی تو شمس میری مسہری پر لیٹی ہوئی تھی۔ میرے قدموں کی آہٹ سُن کر اُچھل پڑی۔ اُس کے چہرے پر شدید تجسس کے آثار تھے۔ مجھے دیکھتے ہی اُس نے کہا۔

"میں سُن چکی ہوں، سب کچھ سُن چکی ہوں۔"

"خوب۔ تمہارا ذریعہ معلومات خاصا ترقی یافتہ ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"مجھ سے صرف اتنا کہہ دو عالیہ کہ تم کوئی عام لڑکی نہیں ہو۔ میں جانتی ہوں کہ راحیل خود چل کر تمہارے پاس نہیں آیا تھا۔ تم اُسے تلاش کر کے اُس سے ملنے گئیں اور پھر کوئی ایسا کھیل کھیل کر آئیں کہ وہ چند ہی روز میں تمہارے پاس آ گیا اور اس کے بعد... تم کون ہو عالیہ، تم کون ہو؟"

"تمہارے حواس ساتھ چھوڑ رہے ہیں شمس۔ میں عالیہ ہوں اور کوئی نہیں۔"

"مگر تم ایک عام لڑکی نہیں ہو۔"

"تم مجھے افلاطون سمجھ سکتی ہو۔ مجھے اعتراض نہیں ہوگا۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"طبرق تمہارے ہاتھوں میں کھلونا بن گیا ہے۔" شمس نے کہا۔

"یہ تمہاری خام خیالی ہے۔ پہلے میں نے اُسے صرف ایک وحشی صفت انسان سمجھا تھا لیکن اب مجھے اندازہ ہو گیا ہے کہ وہ ایک چالاک آدمی بھی ہے۔"

"تم سے کس نے کہا تھا کہ وہ بے وقوف ہے۔ کسی بے وقوف انسان کا نظم و نسق اتنا موثر نہیں ہو سکتا۔ اُس نے جزیرے کے سارے سرکشوں کو درست کر کے رکھ دیا ہے۔ کسی کی مجال نہیں کہ اُس کے سامنے سر اُٹھا سکے۔" شمس نے کہا۔

"یہ خوبی کی بات ہے شمس۔ عموماً یہ ہوتا ہے کہ امیر اور طاقت ور لوگ عقل سے پیدل ہوتے ہیں لیکن اگر قوت اور عقل یکجا ہو جائے تو..."

"وہ طبرق بن جاتا ہے۔" شمس نے درمیان سے میری بات اُچک لی اور پھر مسکرا کر بولی "لیکن تم نے طبرق کو بھی رام کر لیا ہے۔ ویسے تمہیں اچانک طبرق کی چالاکی کا علم کیسے ہوا؟"

"اُس نے مجھے یہاں سے نکالنے کی پیش کش کی تھی۔" میں نے شمس کو راحیل کی گرفتاری کی پوری کہانی سُناتے ہوئے کہا اور شمس کے چہرے پر شدید سنسنی کے آثار پھیل گئے وہ ایک گہری سانس لے کر بولی۔

"یقیناً اس نے تمہارے بارے میں تسلی کی ہوگی لیکن اب کیا راحیل کو قتل کر دیا جائے گا؟"

"خدا جانے۔" میں نے گہری سانس لے کر کہا۔

اُس رات شمس میرے پاس ہی سو گئی۔ رات کو دیر تک وہ مجھ سے باتیں کرتی رہی تھی۔ اُس کی ذہنی کیفیت عجیب تھی۔ وہ بار بار مجھ سے میرے بارے میں سوالات کر رہی تھی اور یہ جاننے کی کوشش کرتی رہی کہ درحقیقت میں کون ہوں لیکن صبح کو اُس کی کیفیت درست تھی۔ ہم نے ساتھ ہی ناشتہ کیا اور پھر باہر جانے کے بارے میں سوچنے لگیں لیکن اُس وقت دن کے گیارہ بجے تھے جب طبرق کی طرف سے دعوت نامہ آ گیا۔ اُس نے کوچوان کو گاڑی دے کر بھیجا تھا۔

"میں بھی چلوں؟" شمس نے پوچھا۔

"ہاں چلو۔ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔" میں نے جواب دیا اور شمس تیار ہو گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم دونوں گاڑی میں آ بیٹھیں۔ کوچوان نے بڑے ادب سے مجھے سلام کیا تھا اور اُس نے راستے میں کہا۔ "میں زندگی بھر آپ کا یہ احسان نہ بھولوں گا خانم۔ آپ نے میری زندگی بچا لی ورنہ شاید میں اس وقت اس دُنیا میں نہ ہوتا۔"

"مجھے مسرت ہے کہ خدا نے تمہیں بچا لیا۔" میں نے جواب دیا۔

"میرا نام ابن فرمان ہے۔ کسی بھی وقت آپ کو میری ضرورت پیش آئے آپ مجھے ضرور یاد رکھیں۔" وہ بولا۔

"تمہارا شکریہ۔ ویسے اس وقت ہمیں کہاں لے جا رہے ہو؟" میں نے پوچھا۔

"مخطورنہ۔ وہیں طبرق تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔"

"مخطورنہ کیا ہے؟" میں نے شمس سے پوچھا۔

"وہ جگہ جہاں آبادی کا اختتام ہے اور جس کے بعد سبزہ زار کی گہرائیاں شروع ہو جاتی ہیں۔" شمس نے جواب دیا اور میں پُر خیال انداز میں گردن ہلانے لگی۔ نہ جانے طبرق نے راحیل کے لیے کیا سزا منتخب کی تھی۔ بہر حال تھوڑی دیر کے بعد گھوڑا گاڑی وہاں پہنچ گئی جہاں بہت سے گھوڑے کھڑے ہوئے تھے۔ طبرق اور دوسرے بہت سے لوگ بھی وہاں موجود تھے۔

"بہت خطرناک جگہ ہے۔" میں متاثر ہو کر بولی۔

"تمہیں راحیل کی سزا کے بارے میں بتانا مقصود تھا۔ مجھے یقین ہے تمہاری نگاہ دُور تک کام کرتی ہوگی... اور شاید راحیل آ گیا۔ آؤ اب تماشا شروع کیا جائے۔" وہ بولا اور میری نگاہ بھی اُس طرف اُٹھ گئی۔ ایک گھوڑا گاڑی آ رہی تھی اور اس کے ساتھ چار مسلح سوار چل رہے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد گھوڑا گاڑی ہمارے پاس پہنچ گئی اور پھر اُس میں سے راحیل کو نیچے اُتار لیا گیا۔ اُس کا چہرہ خوف سے سفید ہو رہا تھا۔

طبرق کے اشارے پر اُس کے بدن کی رسّیاں کھول دی گئیں اور جونہی رسّی کھلی راحیل نے ایک طرف چھلانگ لگا دی۔ اُس سے اس پھرتی کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی لیکن دوسرے لمحے دھائیں دھائیں کی آوازیں گونجیں۔ گولیاں راحیل کے پیروں کے پاس زمین اُدھیڑ رہی تھیں اور وہ اُن سے بچنے کے لیے اُچھل کود رہا تھا۔ اُس کے پورے بدن میں کپکپاہٹ تھی اور پھر وہ چیخ کر بولا۔ "لگ جائے گی۔ رُک جاؤ۔ خدا کے لیے رُک جاؤ۔ کوئی گولی مجھے لگ جائے گی۔ آہ رُک جاؤ۔" وہ نڈھال ہو گیا۔ اُس کے چہرے کا خوف دیکھا نہیں جا رہا تھا۔ میری آنکھیں بند ہونے لگیں۔

"اُٹھ کر اپنی جگہ واپس آؤ۔ صرف ایک لمحے کے اندر، ورنہ اپنے بدن کے سوراخ نہیں گن سکو گے۔" طبرق نے غرّاتی ہوئی آواز میں کہا۔

"میں آ رہا ہوں۔ گولی مت چلانا۔ میں آ رہا ہوں۔" وہ بڑی مشکل سے اُٹھا اور پھر ہراساں نگاہوں سے چاروں طرف دیکھتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔ چند ساعت کے بعد وہ طبرق کے پاس پہنچ گیا۔

"زندگی چاہتے ہو؟" طبرق نے پوچھا۔

"زندگی۔ ہاں میں زندگی چاہتا ہوں۔" راحیل مخبوط الحواسی سے بولا۔

"تو پھر اس کے لیے جدّوجُہد کرو۔"

"کیا کروں۔ بتاؤ مجھے کیا کروں؟" راحیل نے پوچھا۔

"ان جنگلوں سے جو راستہ گزرتا ہے وہ اُسی جگہ جا کر ختم ہوتا ہے جہاں کشتیاں موجود ہیں۔ خلیج کا دُوسرا کنارہ جسے تم دیکھ چکے ہو۔ اگر تم ہمت کر کے وہاں پہنچ گئے تو طبرق اپنے باپ کی قسم کھا کر کہتا ہے کہ تمہیں یہاں سے نکلنے سے نہیں روکے گا۔ تم اپنی کشتی لے کر فرار ہو جانا۔"

"لیکن ان جنگلوں میں تو درندے ہیں۔ مجھے بتایا گیا تھا۔"

"ہاں لیکن کوشش کر کے ان سے بچا بھی جا سکتا ہے۔"

"کیوں نہ میں اسی راستے سے چلا جاؤں۔ تم مجھے جنگلوں میں جانے کے لیے مجبور مت کرو۔" راحیل نے کہا۔

"جس وقت میں یہ سُرخ رُومال اوپر اُٹھاؤں تم ڈھلان میں اُتر جانا۔ حکم عدولی تمہیں موت سے ہم کنار کر سکتی ہے۔ یہ آخری بات ہے۔" طبرق نے کہا اور جیب سے سُرخ رُومال نکال لیا۔

راحیل نے وحشت زدہ نگاہوں سے چاروں طرف دیکھا اور پھر طبرق کے رُومال اُٹھانے سے پہلے ہی ڈھلان میں اُتر گیا۔ وہ تیز رفتاری سے نیچے اُتر رہا تھا اور میں ساکت و جامد اُسے دیکھ رہی تھی۔ وہ تیزی سے نیچے اُترنے لگا۔ طبرق اُس کے دوسرے

ساتھی اور مَیں عجیب سی نگاہوں سے اُسے دیکھ رہے تھے۔ نیچے پہنچنے میں اُسے کافی دیر لگی اور جُونہی وہ نیچے پہنچا' اچانک میرا دل اُچھل کر حلق میں آگیا۔ مَیں نے سیاہ رنگ کے ایک لمبے چیتے کو اچانک درختوں کے درمیان سے نکلتے ہُوئے دیکھا تھا راحیل کی نگاہ بھی اُس چیتے پر پڑی اور دُوسرے لمحے وہ اُچھل کر بھاگا۔ چیتا بھی ایک جست لگا کر اُس پر جھپٹا تھا۔۔ لیکن راحیل درختوں میں رُوپوش ہوگیا اور وہ دونوں ہی نگاہوں سے اوجھل ہوگئے۔

میرا حلق خشک ہو رہا تھا۔ طبرق کے بارے میں جو داستانیں سُنی تھیں آج وہ حقیقت بن کر سامنے آگئی تھیں۔ وہ سچ مچ درندہ صفت تھا اور وحشیانہ سزائیں دینے کا ماہر تھا۔۔ تب وہ میری طرف رُخ کر کے مُسکرایا اور پھر اپنے لوگوں کو واپس جانے کا اشارہ کر کے خود بھی پلٹ پڑا۔

شمس ہَولے ہَولے کانپ رہی تھی۔ وہ میرے ساتھ گھوڑا گاڑی میں آبیٹھی۔ راستے بھر وہ خاموش رہی تھی۔ یہاں تک کہ ہم اپنی رہائش گاہ پہنچ گئے۔ شمس کی آنکھوں میں خوف کی پرچھائیاں تھیں۔ وہ خاموشی سے ایک طرف چلی گئی اور مَیں اپنے کمرے میں آگئی۔ میرے ذہن پر بھی بوجھ تھا لیکن مَیں خود کو حق بجانب سمجھتی تھی۔ راحیل کم بخت نے ہی مجھے زندگی اور موت کے جال میں پھنسا کر ہی رکھ دیا تھا۔ ورنہ مَیں اپنے شہر کی فضاؤں میں سانس لے رہی ہوتی۔ بے چارے رچرڈ اور اینی نے میری کس قدر مدد کی تھی۔ وہ میرے تار سے مایوس ہو ہوکر نہ جانے میرے بارے میں کیا سوچ رہے ہوں گے۔ نہ جانے بے چارے صباحت صاحب کا کیا حال ہو اور مِس مَیری کی کیا کیفیت ہو۔۔۔

دفعتاً مجھے احساس ہُوا کہ میں کیسے غیر متعلق لوگوں کے نام لے رہی ہُوں۔ کوئی بھی نام ایسا نہیں ہے جو میرے کسی اپنے کا ہو۔ سب دُور دُور کے لوگ ہیں۔ صباحت صاحب کہیں اور نوکری کرلیں گے۔ اخبار کوئی اور سنبھال لے گا۔ مِس مَیری اس فلیٹ میں ہی باقی زندگی گزار لیں گی۔ مَیں کس قدر تنہا ہُوں۔ یہ تنہائی اچھی بھی ہے اور افسوسناک بھی۔ طبیعت گھبرانے لگی تو مَیں نے شمس کو بُلا بھیجا۔ شمس آئی تو دو خادمائیں اُسے سنبھالے ہوئے تھیں اُس اُس کا چہرہ سُرخ ہو رہا تھا اور بال بکھرے ہُوئے تھے مَیں اُسے دیکھ کر چونک پڑی۔

"ارے کیا ہوگیا۔ کیا بات ہے شمس؟" مَیں بے اختیار اُس کی طرف لپکی اور اُسے سنبھال لیا۔ شمس بخار میں پھُنک رہی تھی "یہ کیا حماقت ہے تم لوگوں کی۔ اگر شمس کو بخار تھا تو مجھے اطلاع کیوں نہیں دی۔" مَیں خادماؤں پر بگڑنے لگی۔ پھر مَیں نے شمس کو سہارا دے کر بستر پر لٹا دیا اور خادماؤں سے کافی لانے کے لیے کہا۔ شمس کو مَیں نے کمبل اوڑھا دیا تھا۔ "تم نے راحیل کی سزا کا بہت اثر لیا ہے شمس۔ خود کو سنبھالو۔"

"سیاہ چیتا۔ کیا اُس نے راحیل کو چھوڑ دیا ہوگا؟" شمس پھٹی پھٹی آواز میں بولی۔

"وہ خود بھی تو بھیڑیا تھا۔ اُس کی موت سے بہت سی معصوم لڑکیوں کی آبرو بچے گی۔ اُس کی موت بہت ضروری تھی شمس"

"اوہ۔ مجھے اُس کی موت کے تصوّر سے خوف محسوس ہوتا ہے۔"

"اُس کا مَر جانا بہتر ہُوا شمس۔ وہ خود غرض اور مکّار تھا"

"عالیہ۔ میرے پاس بیٹھ جاؤ۔ مجھے خود میں سمیٹ لو۔ عالیہ میری بہن مجھے خود میں سمیٹ لو۔ مجھے بڑا ڈر لگ رہا ہے۔" اور مَیں شمس کے پاس بیٹھ گئی۔ مَیں نے اُس کا سر آغوش میں لیا اور اُسے ہَولے ہَولے دبانے لگی۔ شمس کے بدن میں تھرتھری تھی پھر خادمائیں کافی لے آئیں اور مَیں نے اپنے ہاتھوں اُسے کافی پلائی۔ شمس کی طبیعت کسی قدر سنبھل گئی تھی۔

رات کو اُس سے کھانا بھی نہیں کھایا گیا۔ مَیں نے اُسے کو اپنے پاس ہی سونے کی ہدایت کردی تھی۔ رات کو کئی بار جاگ کر وہ مجھ سے چمٹ چمٹ گئی۔ شاید ڈراؤنے خواب اُسے پریشان کر رہے تھے لیکن دُوسری صُبح اُس کا بخار اُتر گیا البتہ نقاہت نمایاں تھی۔

"میں نے تمہیں رات کو بہت پریشان کیا ہے عالیہ" اُس نے شرمندگی سے کہا۔

"فضول بات۔ اب کیسی طبیعت ہے؟" مَیں نے پُوچھا

"اب تو ٹھیک ہُوں۔ بالکل ٹھیک ہُوں۔ مَیں ناشتہ تیار کروں؟" وہ اُٹھنے کی کوشش کرتے ہُوئے بولی لیکن مَیں نے اُسے روک دیا اور خود خادماؤں کو بُلا کر ناشتہ لانے کے لیے کہہ دیا۔

چند روز اور گزر گئے۔ دل میں بڑی گھٹن تھی کبھی کبھی تو یُوں محسوس ہوتا تھا جیسے زندگی کی بقیہ سانسیں یہیں پُوری کرنی پڑیں گی۔ یہاں سے نکلنے کی کوئی سبیل کبھی پیدا نہیں ہوگی۔ بظاہر کوئی اُمید بھی نہیں تھی۔ کئی بار ذہن اِنکل شبہ

کی طرف بھی گیا۔ ممکن ہے وہ مجھے نظر انداز نہ کرپائیں اور میری تلاش شروع کردیں۔ وہ بے حد ذہین انسان تھے اور مَیں ایسے نشانات چھوڑ آئی تھی کہ اگر کوئی پُوری ذہانت صرف کر کے مجھے تلاش کرنے کی کوشش کرے تو زیادہ مشکل نہیں پیش آئے گی لیکن یہ سب خود کو بہلانے کی باتیں تھیں وہ لوگ جادوگر نہیں تھے کہ جادُو کے زور سے میرا پتہ چلا لیتے۔ خود ہی کچھ کرنا ہوگا۔

اسی اُمید و بیم کی کیفیت میں تھی کہ ایک صُبح اُس وقت جب میں بستر سے اُٹھی بھی نہیں تھی شمس بے تحاشا دوڑتی ہُوئی اندر گُھس آئی۔ اُس نے مجھے جھنجوڑ کر رکھ دیا اور مَیں گھبرا کر اُٹھ گئی۔ "عالیہ۔ عالیہ۔ امیر الشاط آرہا ہے وہ بہت قریب پہنچ گیا ہے" شمس نے بتایا اور یہ خبر سُن کر مَیں بھی سنسنی محسوس کیے بغیر نہ رہ سکی۔ مَیں سوالیہ نگاہوں سے شمس کو دیکھنے لگی اور پھر مَیں نے خود پر قابو پاتے ہوئے پوچھا۔

"تو اب۔ مجھے کیا کرنا چاہیے شمس؟"

"کچھ نہیں۔ ابھی تو کچھ نہیں۔ دیکھو اب کیا ہوتا ہے۔ مَیں تو صرف تمہارے لیے پریشان ہُوں۔ عالیہ مجھے بتاؤ اب تم کیا کرو گی؟"

"میرے ذہن میں کوئی اسکیم نہیں ہے۔" مَیں نے ایک گہری سانس لیتے ہُوئے کہا۔

"مجھ سے چھپا رہی ہو عالیہ۔ مَیں تمہاری فطرت کو کسی حد تک سمجھ گئی ہُوں۔ مجھے یقین ہے عالیہ تم الشاط کی غلامی قبول نہیں کرو گی۔ مجھے بتاؤ کیا میرا خیال غلط ہے؟" شمس نے کہا۔

"نہیں شمس۔ یہاں تک تمہارا خیال بالکل درست ہے مَیں واقعی الشاط کی غلامی پسند نہیں کروں گی۔ مَیں کوشش کروں گی کہ الشاط اچھے جذبے کے تحت مجھے رہا کردے اور میرے وطن بھجوا دے لیکن اگر وہ اس پر تیار نہ ہُوا تو۔۔۔ تو پھر شمس مَیں دنیا کو ایک اور عفریت سے نجات دلا دُوں گی۔"

"کیا مطلب؟" شمس کا بدن ایک بار پھر لرز گیا۔ اُس کی آنکھوں میں خوف و ہراس کی پرچھائیاں رینگ آئیں "کیا کرو گی تم؟"

"الشاط کو قتل کردُوں گی اور مَیں تمہیں یقین دلاتی ہُوں کہ وہ میرے ہاتھوں ضرور مارا جائے گا۔"

"اور اس کے بعد تمہارا کیا ہوگا؟" شمس سرد لہجے میں بولی

"وہ نہیں ہوگا شمس جو دُوسری لڑکیوں کا ہُوا ہے اور کیا تمہارے خیال میں یہ بہتر نہیں ہوگا؟"

"مگر مَیں۔۔۔ مَیں تمہاری زندگی چاہتی ہوں عالیہ" شمس ڈرتے ہُوئے بولی۔

"زندگی کا تصوّر تمہارے ذہن میں کیا ہے شمس؟ میرے خیال میں زندگی صرف رُوح کی بالیدگی کا نام ہے۔ رُوح مَر جائے تو پھر انسان زندہ مُردے ہی کہلاتے ہیں۔ یہ دُوسری بات ہے کہ اس دَور میں مُردوں کی تعداد زیادہ ہے۔" مَیں نے سخت لہجے میں کہا اور شمس مجھے دیکھتی رہی پھر اُس نے گردن ہلاتے ہُوئے کہا۔

"بڑا فرق ہے۔ بڑا فرق ہے تم میں اور عام لڑکیوں میں' نہ جانے تم کیا ہو؟ خُدا تمہیں زندگی دے۔ خُدا تمہاری رُوح کو زندگی دے۔"

"کیا الشاط جزیرے پر پہنچ گیا ہے؟" مَیں نے چند ساعت کے بعد پوچھا۔

"ابھی نہیں۔ صرف اُس کے جہاز کا پھریرا دیکھا گیا ہے پُورے جزیرے پر سراسیمگی پھیلی ہُوئی ہے ذرا باہر نکل کر دیکھو"

"سراسیمگی کیوں پھیلی ہُوئی ہے؟" مَیں نے پُوچھا۔

"بس صفائی ستھرائی۔ آؤ باہر کے نظارے کریں۔" شمس نے کہا اور مَیں تیار ہو کر اُس کے ساتھ باہر نکل آئی۔

شمس مجھے لیے ہُوئے ایک ایسی بلند جگہ پہنچ گئی جہاں سے سمندر کا نظارہ دُور دُور تک کیا جا سکتا تھا اور مَیں نے بھی اس جہاز کے پھریرے دیکھے جو اب صاف نظر آرہا تھا۔ خاصا بڑا جہاز تھا جس سے امیر الشاط کی دولت مندی کا اظہار ہوتا تھا۔ طبرق نے امیر کی پہلی ضیافت کا بندوبست کر لیا تھا۔ دو کشتیاں ساحل سے آلگیں اور امیر کے محافظوں نے آکر جزیرے کے انتظامات کا جائزہ لیا اور ان سے اطمینان کا اظہار کیا پھر ایک بڑی موٹر لانچ امیر کو ساحل پر لے آئی۔ شمس اب میرے پاس نہیں تھی۔ وہ بھی بے چاری ان سارے ہنگاموں میں اپنا کردار ادا کر رہی تھی۔

مَیں خاموشی سے یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ ابھی تک میری طرف کسی کی توجہ نہیں ہُوئی تھی لیکن شام کو تقریباً آٹھ بجے شمس میرے پاس آئی اور اُس نے کہا "کیا تم ضیافتِ عام میں شرکت پسند کرو گی؟"

"وہاں کیا ہوگا؟"

"بس طعام اور کوئی خاص بات نہیں۔ میرا خیال ہے کل تمہارا تعارف کرایا جائے گا۔"

"تو پھر کل پر رہنے دو۔" مَیں نے گہری سانس لے کر کہا۔

"میری خواہش تھی کہ تم اس ضیافت میں شریک ہوتیں۔

ایک نگاہ دیکھنے کا موقع ہی مل جائے گا۔" شمس نے کہا اور میں سوچنے لگی پھر میں نے پوچھا۔

"بہت سے لوگ شریک ہوں گے؟"

"ہاں تمام اُمرا تمام خاص لوگ۔"

"ٹھیک ہے چلو لیکن میں خاص تیاریاں نہیں کروں گی۔"

"لباس تو بدلو گی؟"

"ہاں عام لباس۔" میں نے جواب دیا۔ شمس ہی نے میرے لیے لباس کا بندوبست کیا تھا اور پھر وہ میرے ساتھ ہی گھوڑا گاڑی میں الشاط کے محل روانہ ہو گئی۔ محل کی رونق قابلِ دید تھی، اسے خوب سجایا گیا تھا۔ پہلی بار میں نے اسے اندر سے دیکھا۔ ایک بہت وسیع سبزہ زار پر انگریزی طرز کی ضیافت کا بندوبست کیا گیا تھا۔ سفید لباس میں منتظم اِدھر اُدھر پھر رہے تھے۔ ایک خاص حصّے میں خوب روشنیاں لگی ہوئی تھیں۔ یہاں قیمتی قالین اور مسند لگائی گئی تھی۔ ہلکی موسیقی کی لہریں اُبھر رہی تھیں اور حسین لباس میں . . . کنیزیں چاروں طرف گردش کر رہی تھیں بلاشبہ یہ حسین ترین لڑکیاں تھیں اور میں اُن کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتی تھی۔ میں نے دل ہی دل میں اس بات پر خدا کا شکر ادا کیا۔ بعض اوقات بے پناہ حُسن بھی زندگی کا عذاب بن جاتا ہے۔

میں ساکت و جامد ایک کونے میں کھڑی سارے ہنگامے دیکھتی رہی۔ لوگ اُس کے سامنے بچھے جا رہے تھے۔ دفعتاً طبرق کی نگاہ مجھ پر پڑ گئی اور دوسرے لمحے وہ میرے قریب آ گیا

"تم نے بہت معمولی لباس پہنا ہے۔ یہ مناسب نہیں ہے۔" وہ بولا۔

"کیا میں واپس جاؤں؟"

"نہیں لیکن آج میں الشاط سے تمہارا تعارف نہیں کراؤں گا۔ ویسے نزدیک آ جاؤ۔"

میں نے گردن جھکائی اور اپنی جگہ سے آگے بڑھ گئی خوبصورت لڑکیاں سمٹ کر الشاط کے گرد جمع ہو گئی تھیں لیکن میں پھر بھی دُور رہی۔ میری نگاہ ان سب کا جائزہ لے رہی تھی یہاں سے الشاط اور اُس کے ساتھی خوب واضح نظر آ رہے تھے الشاط کے بالکل نزدیک میں نے ایک اور بلند قامت شخص کو دیکھا اور ایک بار جب اُس کا چہرہ بالکل صاف میری نگاہوں کے سامنے آیا تو میں بے اختیار اُچھل پڑی۔

"نہیں نہیں یہ کیسے ممکن ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے۔" میرے ہونٹوں سے آواز نکل گئی۔ اُس چہرے نے میرے ذہن کو جھنجھنا کر رکھ دیا تھا۔ آنکھیں دھوکا کھا رہی تھیں لیکن عقل دھوکا کھانے کے لیے تیار نہیں تھی۔ ایسی انوکھی مشابہت بہت کم دیکھنے میں آتی ہے۔

اُلجھی اُلجھی سی بے ترتیب داڑھی جسے سنوار لیا گیا تھا۔ وہی دلآویز نقوش جو ذہن کو عجیب سے احساس کا شکار کرتے تھے لیکن لباس کی بے ترتیبی نہ تھی۔ اس وقت وہ ایک انتہائی خوبصورت اور قیمتی لباس میں تھا . . . اعلا درجے کے سُوٹ پر قیمتی موتیوں کی مالا پڑی ہوئی تھی، انگلیوں میں انگشتریاں جگمگا رہی تھیں جن کے قیمتی ہیرے روشن تھے لیکن شکل و صُورت . . . شکل و صُورت بقراط کی تھی۔ ہاں وہ سو فیصد بُقراط یا تصورِ عالم کا چہرہ تھا۔

میں نے بار بار آنکھیں صاف کر کے اس چہرے کو دیکھا اگر اُس کے بدن سے قیمتی سُوٹ، ہاتھوں سے انگشتریاں اُتار لی جائیں تو اُس کے بُقراط ہونے میں کوئی شُبہ نہ رہتا لیکن یہ کیسے ممکن ہے ذہن تاریک ہونے لگا۔ عقل اور آنکھوں کی جنگ ہو رہی تھی کوئی ہار ماننے کے لیے تیار نہیں تھا اگر وہ بقراط ہے تو اس کا یہ رُوپ؟ اور پھر وہ امیر الشاط کے پاس کہاں سے آ گیا ناممکن اُس جیسا بے ٹکا انسان . . .

دماغ چٹخنے لگا۔ نہ جانے کیوں میں نڈھال سی ہو گئی تھی۔ اس کی تصدیق کیسے ہو۔ کیا کروں۔ موسیقی کی دھنیں ذہن میں سُوراخ کر رہی تھیں۔ طبیعت بھاری بھاری محسوس ہو رہی تھی۔ اسی عالم میں شمس نزدیک سے گزری اور میں نے اُس کا بازو پکڑ لیا۔

"اوہ۔ عالیہ طبیعت خراب ہو رہی ہے کیا؟ بیٹھ جاؤ کسی مُناسب جگہ بیٹھ جاؤ۔" شمس نے کہا۔

"نہیں۔ میں ٹھیک ہوں۔ شمس امیر الشاط کے ساتھ یہ دُوسرے کون لوگ ہیں؟" میں نے سوال کیا۔

"اُس کے دوست۔ اُس کے حاشیہ بردار۔"

"وہ شخص کون ہے جس نے سُوٹ پہنا ہوا ہے؟"

"میں نہیں جانتی۔ نئی شکل ہے۔ اُس کا کوئی دوست ہو گا"

"کیا اس کے دوست اکثر آتے ہیں؟"

"ہمیشہ ہی نئے لوگ ساتھ ہوتے ہیں۔ وہ سب شکاری ہوتے ہیں درندوں کے لڑکیوں کے۔ وہ گینڈا نما شخص شاطر ہے۔ اس سے قبل بھی دو بار آ چکا ہے۔ بڑا منحوس انسان ہے" شمس نے ایک پستہ قامت شخص کی طرف اشارہ کیا۔

"ان کا قیام بھی امیر کے ساتھ رہتا ہے؟"

"ہاں اسی محل میں۔ اوہ مجھے بُلایا جا رہا ہے۔ تم آرام سے بیٹھو۔ یہ دعوتِ عام ہے۔ کوئی تم سے کچھ نہیں پُوچھے گا۔"

"ٹھیک ہے تم جاؤ۔" میں نے کہا اور شمس آگے بڑھ گئی لیکن میرے ذہن میں اب اُلجھنوں کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔ اگر یہ بُقراط ہے تو یہاں کیسے آ گیا۔ یہ انہونی بات ہے، عقل کسی طور تسلیم نہیں کرتی۔ ہر چند اُس کی شخصیت پُراسرار تھی لیکن وہ اتنا بھی پُراسرار نہیں تھا کہ ایسی جگہ نظر آ جاتا۔ میں چند ساعت سوچتی رہی پھر میں ایک فیصلہ کر کے آگے بڑھی۔ میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ اس وقت جو لوگ یہاں موجود ہیں وہ کسی بھی جگہ آنے جانے میں کوئی عار نہیں محسوس کر رہے اس لیے میں بھی بے تکلفی سے آگے بڑھی اور ایسی جگہ پہنچ گئی جہاں ان لوگوں کو قریب سے دیکھ سکوں۔

خوش گپیاں ہو رہی تھیں اور میری نگاہیں اُس شخص کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ بے حد وجیہہ نظر آ رہا تھا اور دُوسروں کی نسبت کسی قدر سنجیدہ بھی تھا۔ میں اُسے دیکھتی رہی پھر طعام کا اعلان ہوا اور قابیں سجائی جانے لگیں تمام لڑکیاں مصروف ہو گئی تھیں۔ میں نے ایک اور قدم بڑھایا یعنی ان لڑکیوں کے ساتھ شامل ہو گئی لیکن میرا مقصد اُس کے قریب پہنچنا تھا۔

کھانا شروع ہو گیا۔ میں چونکہ خود بخود انتظامی امور میں شامل ہو گئی تھی اس لیے کھانے میں شریک نہیں ہوئی اور سروس کرنے لگی تب میں نے ایک برتن سنبھالا اور دھڑکتے دل سے اُس شخص کے سامنے پہنچ گئی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ میں اس کے مقابل آئی لیکن میری نگاہیں اس ایک ہی موقع سے فائدہ اُٹھانا چاہتی تھیں۔ میں نے اُس کے چہرے پر نگاہیں گاڑھ دیں۔

اِتنے قریب سے دیکھنے کے باوجود مجھے اُس کے اور بُقراط کے چہرے میں کوئی فرق نہیں نظر آیا اور بس ایک بار اُس نے نگاہیں اُٹھا کر مجھے دیکھا۔ میری تمام تر ذہنی قوتیں اس وقت اُس کا جائزہ لینے میں مصروف تھیں۔ قاب کا ڈھکن نکلا ہوا تھا۔ چمچہ قاب میں بجا اور بس۔ اس کے علاوہ کوئی تغیر اُس کے چہرے پر نمودار نہیں ہوا تھا۔ اُس کی بڑی بڑی آنکھوں میں وہی سنجیدگی اور بُردباری تھی پھر اُس نے کھانا لیا اور خاموشی سے کھانے میں مصروف ہو گیا۔ میں قاب لے کر آگے بڑھ گئی اور میرے ذہن نے فیصلہ کیا۔ یہ بُقراط نہیں ہے۔

اس کے بعد میں وہاں نہ رُکی اور واپس چلی آئی نہ جانے ذہن اس قدر کیوں متاثر ہوا تھا۔ رات کو کھانا بھی نہیں کھایا دُوسری صبح بھی طبیعت کسلمند تھی۔ شمس کو میرے پاس آنے کا موقع نہیں ملا لیکن ناشتے کے بعد مجھے طبرق کا پیغام مِلا جو ایک کنیز لے کر آئی تھی۔

"دوپہر کے بعد تمہیں امیر الشاط کے ملاحظے کے لیے پیش کیا جائے گا۔ دوپہر کا کھانا تمام لڑکیاں الشاط کے ساتھ کھائیں گی۔ اُنہی میں تم بھی شامل ہو گی۔ اس لیے لباس وغیرہ کا اہتمام کیا جائے؟"

"کیا مجھے کوئی خاص لباس پہننا ہو گا؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں۔ میں مہیا کروں گی۔" کنیز نے جواب دیا اور میں نے گردن ہلا دی۔ کنیز چلی گئی لیکن میرا دل خون ہو رہا تھا . . . یہ احساس ہو رہا تھا کہ میں کتنی بے حقیقت ہو گئی ہوں۔ میری تمام ذہانت دَھری رہ گئی تھی۔ میں اتنا وقت گزر جانے کے باوجود ابھی تک کچھ نہیں کر سکی تھی۔ اس کا مقصد ہے کہ میں نے جن راستوں پر قدم اُٹھائے ہیں اُن کے قابل نہیں ہوں میری فطرت میں عورت نمایاں ہے اور ہر عورت وہ نہیں بن سکتی جو بننا چاہتی ہے۔ بہت کچھ سوچتی رہی اور پھر ایک ہی فیصلہ کیا۔ وہ فیصلہ جو عام عورت کر سکتی ہے۔ یعنی ہر اُس شخص کو ختم کر دوں گی جو میرے راستے میں آئے گا خواہ وہ امیر الشاط ہو یا کوئی اور . . . اور اب اس فیصلے کے علاوہ میں اور کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ چنانچہ میں اس پر مطمئن ہو گئی۔ دوپہر کی تیاریوں کے بعد میں محل چل پڑی۔ کنیز میرے ساتھ تھی۔ محل میں اس وقت بہت کم لوگ تھے۔ البتہ لڑکیاں زرق برق لباسوں میں اِٹھلاتی پھر رہی تھیں میں بھی اُن میں شامل ہو گئی۔ شمس نہیں نظر آئی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم سب ایک بڑے ہال میں داخل ہو گئیں جہاں ایک طویل میز لگی ہوئی تھی پھر لڑکیاں ایک قطار میں کھڑی ہو گئیں اور اس کے بعد طبرق تمام لوگوں کے ساتھ اندر داخل ہوا۔ امیر الشاط اپنے حواریوں کے ساتھ اُس کے پیچھے تھا۔

طبرق نے لڑکیوں کا تعارف کرایا۔ میری نگاہیں پھر اُس شخص کی طرف اُٹھ گئیں جو اس وقت ایک حسین سلکی لبادے میں ملبوس تھا اور ان تمام لوگوں میں نمایاں نظر آ رہا تھا۔ تعارف کراتے ہوئے الشاط لڑکیوں کو پہچان کر اُن کی خیریت پوچھ رہا

تھا یہاں تک کہ وہ میرے نزدیک آگئے۔

"ہماری نئی ساتھی محترمہ عالیہ" طبرق نے کہا اور الشاط نے نگاہیں اُٹھا کر مجھے دیکھا لیکن میں ساری لڑکیوں کی طرح مسکرائی نہیں تھی۔ میرا دل خون ہو رہا تھا۔

اسی وقت پستہ قامت شاطر میرے نزدیک پہنچا اور اُس نے انگلی سے میری ٹھوڑی کا گڑھا ٹٹولا۔ "ایک حسین کمزوری" وہ بولا۔ زبان انگریزی تھی۔ الشاط نے اُس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"آداب شرط ہیں" وہ نرم لہجے میں بولا۔

"اوہ۔ افسوس لیکن پسند کا اظہار تو ممکن ہے" شاطر نے بے حیائی سے کہا۔

"ہر اظہار کے لیے وقت کا احساس ضروری ہے۔" الشاط نے کہا۔ میری نگاہیں اب بھی بقراط کو ٹٹول رہی تھیں لیکن یہ شخص پُرسکون تھا۔ "تم بھی آؤ لڑکی" الشاط نے کہا... اور میں خاموشی سے آگے بڑھ آئی۔ اس کے بعد الشاط کسی قدر سنجیدہ ہو گیا اور پھر وہ میز پر بیٹھ گیا۔

مجھے اس منحوس شاطر کے نزدیک جگہ ملی تھی لیکن میرے عین سامنے وہی شخص تھا۔ شاطر کے چہرے پر کوئی احساس نہیں تھا۔ میں نے خود کو سنبھالا۔ امیر الشاط کے گرد دو غیر ملکی لڑکیاں بیٹھی ہوئی تھیں جب کہ بقراط کا ہم شکل تنہا تھا۔ کھانا شروع ہو گیا اور شاطر میری مدارت کرنے لگا۔ اس کے انداز میں کمینگی تھی اور میں دل ہی دل میں جھلس رہی تھی۔

سخت پریشانی کے عالم میں میں نے یہ وقت گزارا اور خدا خدا کر کے کھانا ختم ہوا۔ تب امیر الشاط نے کہا۔ "لڑکی تم شاطر کی خدمت کرو گی۔" اتنا کہہ کر وہ آگے بڑھ گیا۔ شاطر نے گردن جھکا کر مجھ سے ساتھ چلنے کے لیے کہا تھا۔ میں اُس کے ساتھ محل کے ایک گوشے میں آ گئی۔

"تو تمہارا نام عالیہ ہے؟" اس بار اُس نے مقامی زبان میں پوچھا۔

"میں اس زبان سے ناواقف ہوں" میں نے انگریزی میں کہا۔

"میرا بھی یہی خیال تھا۔ کہاں کی باشندہ ہو؟"

"اب تو اسی جزیرے پر رہتی ہوں۔"

"اب سے پہلے؟" اُس نے پوچھا۔

"بھول گئی" میں نے جواب دیا۔

"اوہ۔ بتانا نہیں چاہتیں۔ خیر کوئی بات نہیں ہے۔ یہاں کب آئی تھیں؟"

"یہ بھی یاد نہیں" میں نے کہا اور وہ چونک کر مجھے دیکھنے لگا پھر بولا۔

"عورت ہو۔ یہ یاد ہے؟ اگر یہ بھی بھول گئی ہو تو بڑی مشکلات میں پھنس جاؤ گی۔ وہاں مجھے معلوم ہوا تھا کہ نئی نئی آئی ہو لیکن نئی آنے والی لڑکیوں کو یہاں تربیت دی جاتی ہے۔ کیا نہیں یہ نہیں بتایا گیا کہ امیر الشاط کے حضور اطاعت ضروری ہے؟"

"میری کوئی بات ناگوار گزری ہو تو شرمندہ ہوں" میں نے کہا۔

"چلو ٹھیک ہے لیکن دُوسرے لوگ لڑکیوں کے معاملے میں میری طرح فراخ دل نہیں ہوتے ان کے سامنے محتاط رہنا۔"

"اس ہدایت کو یاد رکھوں گی۔ کیا آپ اکثر یہاں آتے رہتے ہیں؟"

"کئی بار آ چکا ہوں۔ امیر الشاط میرا دوست ہے۔"

"اور وہ کون ہے جو گونگا معلوم ہوتا ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"بن عارف کی بات کر رہی ہو۔ وہ جو قیمتی انگشتریاں پہنے رہتا ہے؟" شاطر نے پوچھا۔

"ہاں وہی۔"

"وہ بھی الشاط کا پُرانا دوست ہے شاید کلاس فیلو بھی۔ دونوں نے کیلی فورنیا میں ساتھ ساتھ تعلیم حاصل کی ہے۔"

"کیلی فورنیا میں؟" میں نے تعجب سے پوچھا۔

"ہاں تمہیں تعجب کیوں ہوا؟"

"کیا امیر الشاط تعلیم یافتہ آدمی ہے؟"

"ہاں اس قزاق زادے نے اعلیٰ تعلیم حاصل کی ہے لیکن اپنی آبائی فطرت کو نہیں چھوڑ سکا۔"

"اُس شخص کا نام بن عارف ہے؟"

"الشاط اُسے اسی نام سے پکارتا ہے۔"

"تمہارا دوست نہیں ہے وہ؟"

"پہلی بار ملاقات ہوئی ہے۔ میں اس سے قبل اس سے کبھی نہیں ملا۔ ویسے امیر نے اس احمق کے بارے میں بہت سی باتیں بتائی ہیں۔"

"مثلاً؟"

"بس یہی کہ وہ احمق ہے۔ شراب نہیں پیتا۔ عورت سے دُور بھاگتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔"

"پھر وہ اس جزیرے میں کیوں آیا ہے؟"

"... شکار کا شوقین ہے۔ صرف اسی شوق نے اُسے آمادہ کیا ہے لیکن لڑکی تم صرف اُس کے بارے میں گفتگو کیے جا رہی ہو۔ یہ بات مجھے ناپسند ہے۔"

"تم سے تو اطمینان سے گفتگو ہو گی" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیا وہ تمہیں بہت دلکش محسوس ہوا؟"

"دلکش نہیں۔ احمق کہو" میں نے جواب دیا اور شاطر ہنسنے لگا پھر بولا۔

"تم تعلیم یافتہ معلوم ہوتی ہو۔ مجھے تمہاری گفتگو پسند آئی ہے کہ امیر کی کنیزیں عموماً صرف عورت ہوتی ہیں۔"

"شاید" میں نے آہستہ سے کہا۔

"رات کو اپنی آرام گاہ میں تمہارا انتظار کروں گا۔ اب اجازت" شاطر نے کہا اور وہاں سے چلا گیا۔ اُس کے جاتے ہی شمس میرے پاس آئی تھی۔ وہ شاید کہیں دُور سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ میرے لیے متفکر اور پریشان تھی۔

"تم کہاں تھیں شمس؟" میں نے پوچھا۔

"طبرق نے مجھے تمہارے ساتھ ہی متعین کر دیا ہے اور بھی پریشان کن بات ہے کہ تمہیں اس ذلیل انسان کے حوالے کر دیا گیا۔ بڑا ہی کمینہ صفت انسان ہے۔ ویسے میں ایک بات بتاؤں۔ خود امیر الشاط اُس کی حرکت سے ناخوش ہے۔"

"شاطر کی؟"

"ہاں۔ میں نے اُس دُوسرے شخص سے اُس کی گفتگو سنی ہے۔ اُس دوسرے آدمی کا نام بن عارف ہے۔ الشاط کہہ رہا تھا کہ شاطر نے غیر معیاری حرکت کی ہے۔ وہ اُس کی اس حرکت سے خوش نہیں ہے۔"

"ہوں" میں نے گہری سانس لی اور پھر میں نے شمس سے کہا۔ "بہر حال اس شخص کی اس حرکت کو میں معاف نہیں کروں گی۔"

"خدا کے لیے عالیہ جو کچھ کرنا سوچ سمجھ کر کرنا۔ وہ بہر حال الشاط کا دوست ہے۔"

"تم فکر مت کرو" میں نے جواب دیا اور شمس خاموش ہو گئی۔ اس کے بعد وہ وہاں سے چلی گئی۔ میں نے دل ہی دل میں فیصلہ کر لیا تھا۔ اگر امیر الشاط سے گفتگو کرنے کا کوئی موقع ملتا تو میں اُس سے بات کرتی لیکن میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ سخت گیر انسان ہے اور اس جزیرے پر عورت کی حیثیت ایک کھلونے سے زیادہ نہیں ہے۔ چنانچہ اب کوئی ایسا عمل ضروری ہے کہ دو ہی فیصلے ہو سکیں۔ یا تو الشاط میرے قتل کا حکم دے دے یا پھر میری رہائی کی کوئی صورت بن جائے۔

چنانچہ میں ایک خنجر کی تلاش میں مصروف ہو گئی۔ میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ رات کو شاطر کو قتل کر دوں گی اور اس کے بعد نتائج کا انتظار کروں گی۔ حالات جو بھی رُخ اختیار کریں، مجھے اس کی پروا نہیں تھی۔

ایک سپاہی کا خنجر حاصل کرنے کے لیے مجھے کافی چالاکی سے کام لینا پڑا تھا لیکن بہر حال میں اپنی کوشش میں کامیاب ہو گئی اور خنجر میں نے اپنے لباس میں چھپا لیا۔ رات کو محفل شراب اور رقص برپا ہوئی۔ کنیزوں نے شرمناک رقص کیا۔ بن عارف بھی موجود تھا اور مجھے اس شخص کو دیکھ کر تعجب ہو رہا تھا۔ میں اس وقت بھی شاطر کے پاس موجود تھی۔ الشاط سب کچھ بھول کر شراب میں مست ہو گیا تھا۔

رات گزرتی رہی اور پھر شاطر نے جھک کر میری آنکھوں میں دیکھا اور بولا۔ "میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔" اس کے بعد وہ اُٹھ کر چلا گیا۔ میں نے چاروں طرف نگاہ دوڑائی کہ نہ جانے کب بن عارف یہاں سے چلا گیا تھا۔ ماحول میرے لیے ناقابلِ برداشت ہو گیا تھا چنانچہ میں بھی وہاں سے اُٹھ گئی۔ فوراً ہی ایک غلام میرے پاس پہنچ گیا۔

"آیئے خانم۔ میں آپ کو شاطر کے کمرے تک پہنچا دوں۔"

"چلو..." میں نے بھاری آواز میں کہا اور پھر اس غلام کے ساتھ اُس کمرے کے دروازے کے سامنے پہنچ گئی جہاں شاطر کا قیام تھا۔ دروازہ کھلا ہوا تھا... میں اندر داخل ہو گئی۔

شاطر کمرے کے درمیان فرش پر بیٹھا ہوا تھا حالانکہ وہاں مسہری بھی تھی لیکن وہ فرش پر اکڑوں بیٹھا ہوا تھا۔ چہرہ گھٹنوں میں چھپا ہوا تھا۔ میرے قدموں کی آہٹ پر اُس نے چونک کر مجھے دیکھا اور پھر دوبارہ گھٹنوں میں سر دے لیا۔ مجھے اُس کے اس انداز پر حیرت ہوئی تھی۔ میں دروازے پر رُک کر اُسے دیکھنے لگی پھر جب کئی منٹ گزر گئے اور اس نے سر نہ اُٹھایا تو میں حیران ہو کر آگے بڑھی اور میں نے اُسے آواز دی۔

"مسٹر شاطر۔ کیا ہو گیا آپ کو؟"

"مم میں چیانگ کائی شیک ہوں۔ میاؤں۔ میاؤں۔"

اُس نے باریک آواز میں کہا اور میری آنکھیں تعجب سے پھیل گئیں۔

"کیا بکواس ہے؟" میں نے کسی قدر سخت لہجے میں کہا۔

"مجھے معاف کر دو میرے آقا۔ میں آ ربلی کا بچہ ہوں۔ مجھے معاف کر دو۔ مجھے معاف کر دو۔" وہ میرے قدموں پر آ گرا۔ اور میں نے گہری سانس لی۔ شاید اُسے زیادہ چڑھ گئی تھی، اچھا ہی ہوا۔ اس کی کچھ سانسیں باقی ہیں ورنہ اگر ہوش میں ہوتا تو میرے ہاتھوں مارا جاتا لیکن اب مجھے کیا کرنا چاہیے۔ میں نے چند لمحات سوچا۔

اِس کمرے میں رُکنا مناسب نہیں ہے۔ ممکن ہے اِسے رات کے کسی حصے میں ہوش آ جائے۔ دُوسری طرف سے بھی میری پوزیشن محفوظ تھی۔ چنانچہ میں اِس کمرے سے نکل آئی اور اپنے کمرے میں پہنچ گئی جو دن میں میرے لیے مخصوص کر دیا گیا تھا۔ یہاں تو قدرت نے میری مدد کی لیکن آگے کیا ہوگا؟ میں اپنے بستر پر گر کر سوچنے لگی۔

دُوسری صبح میری آنکھ اُس وقت کھلی جب شمس مجھے جھنجوڑ رہی تھی۔ اُس کے چہرے پر حیرت کے نقوش تھے۔ میں جاگی تو وہ ششدر سی مجھے گھورنے لگی۔ "ساڑھے آٹھ بجے ہیں۔ اُٹھو گی نہیں؟"

"اوہ بہت جلد صبح ہو گئی۔" میں نے انگڑائی لے کر کہا۔

"الشاط نے طلب کیا ہے۔ جلدی تیار ہو جاؤ۔"

"کیوں خیریت۔ تم کچھ پریشان ہو؟"

"تم نے یہاں بھی اپنی جادُوگری دِکھا دی لیکن تمہارے لیے اُلجھنیں پیدا ہو گئی ہیں۔ خُدا تمہیں محفوظ رکھے۔" شمس نے بڑبڑانے والے انداز میں کہا۔

تھوڑی دیر کے بعد میں تیار ہو کر شمس کے ساتھ امیر الشاط کے پاس پہنچ گئی۔ یہاں امیر الشاط کے علاوہ طبرق اور بن عارف بھی موجود تھے اور چند دُوسرے لوگ بھی۔ میں نے احترام کے طور پر گردن خم کر دی اور الشاط مجھے بغور دیکھنے لگا۔

"طبرق کا کہنا ہے کہ راحیل نامی شخص نے تمہیں اغوا کر کے یہاں فروخت کیا تھا اور تم شریفانہ اوصاف کی مالک ہو لیکن شاطر کوئی معمولی شخص نہیں تھا۔ مصر میں اس نے مجرمانہ زندگی گزاری ہے اور ایک طویل عرصے تک وہاں کی پولیس کے لیے دردِ سر بنا رہا ہے۔ مجھے بتاؤ لڑکی کہ اِس کے ساتھ تم نے کیا کیا؟"

میں نے شاطر کی طرف دیکھا۔ وہ ایک صوفے پر سکڑا ہُوا بیٹھا تھا۔ آنکھیں بالکل بلیوں کی مانند بھنچی ہوئی تھیں۔ تب میں نے کہا "اگر مجھے شریفانہ اوصاف کا مالک سمجھا جا رہا ہے تو میری بات پر شک نہ کیا جائے۔ جب میں اُس کے کمرے میں داخل ہُوئی تو یہ فرش پر اکڑوں بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے اُس سے سوال کیا کہ وہ فرش کی بجائے مسہری پر کیوں نہیں ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ وہ چاینگ کائی شیک ہے اور میں اُسے معاف کر دوں۔" میں نے سادے سے لہجے میں کہا اور وہ چونک پڑا۔

"گویا تم اس کی اس حالت کا ذمّے دار خود کو نہیں سمجھتیں"

"ہرگز نہیں جناب۔ میں ایسا کوئی ذریعہ نہیں رکھتی کہ کسی انسان کو بلی کا بچہ بنا دوں۔" میں نے جواب دیا اور الشاط نے چونک کر مجھے دیکھا۔ شاید میرے لہجے کی کھنک اُسے تعجب خیز معلوم ہُوئی تھی پھر اُس نے دُوسرے لوگوں کی جانب دیکھا۔ وہ شخص جو بُقراط کا ہم شکل تھا اور جسے بن عارف کے نام سے پُکارا گیا تھا، لاتعلق سا ایک جانب کھڑا ہُوا تھا۔ الشاط نے اُس کی جانب دیکھا اور اُسے مخاطب کر کے بولا۔

"بن عارف۔ تم ذہین ترین انسان ہو کیا اس سلسلے میں تم اپنی رائے کا اظہار نہیں کرو گے؟"

"کیوں نہیں امیر الشاط۔ میں جو بات کہوں گا وہ تمہیں پسند نہیں آئے گی۔"

"نہیں نہیں۔ میں تمہاری رائے سُننا چاہتا ہوں۔"

"جو شخص اپنی زندگی برائیوں کے لیے وقف کر چکا ہو وہ کسی بھی وقت ایسے حادثات کا شکار ہو سکتا ہے۔ نفسیاتی نکتۂ نگاہ سے یہ شخص جس کا نام شاطر ہے ایک قسم کا ذہنی مریض ہے، امیر الشاط مجھے یقین ہے کہ تم میری بات سے خوش نہ ہو گے لیکن انسانی زندگی بہت سی کیفیات کا مجموعہ ہے۔ ان میں بعض خواہشات انوکھی ہوتی ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ یہ معمولی سی لڑکی اس کیفیت کی ذمّے دار نہیں ہو سکتی۔" بن عارف نے حقارت سے کہا۔

"لیکن شاطر بہت زیرک انسان تھا۔" الشاط نے کہا۔

"اور اب وہ بلی کا بچہ ہے۔" بن عارف ہنس پڑا۔

"تم ہنس رہے ہو بن عارف اور میں اس شخص کے لیے پریشان ہوں۔ شاطر بذاتِ خود ایک حیثیت کا مالک

"میں تم دونوں پر ہنس رہا ہوں الشاط۔ مجھے یقین ہے کہ تم خود بھی کسی دن مُرغی کے بچے کی طرح کٹ کٹ کر رہے ہو گے اور خود کو لنڈن بی جانسن کہہ رہے ہو گے۔" بن عارف نے کہا اور الشاط بوکھلائے ہُوئے انداز میں طبرق اور دوسرے لوگوں کی شکل دیکھنے لگا۔ یُوں لگتا تھا جیسے بن عارف اُسے ذرا بھی اہمیت نہ دیتا ہو اور الشاط کسی طور اُس سے دبتا ہو پھر اُس نے خود کو سنبھالا اور بولا۔

"کیوں لڑکی تم اس کی اس کیفیت کی نشان دہی نہیں کر سکو گی؟"

"میں نے تم سے کہا تھا الشاط کہ اس بے چاری لڑکی کو تکلیف نہ دو۔ ممکن ہے شاطر خود ہی انسان کا بچہ بن جائے اور اپنی اس کیفیت کے بارے میں بتا دے۔" میرے بجائے بن عارف نے کہا۔

"میرا ذہن تسلیم نہیں کرتا۔" الشاط بولا۔

"تو پھر تمہارا کیا خیال ہے کیا اس لڑکی نے اسے بلی کا بچہ بنا دیا ہے؟" بن عارف نے پوچھا۔

"معلوم کرنا پڑے گا۔" الشاط بولا۔

"تو پھر یہ بات تم مجھ سے کل معلوم کر لینا۔" بن عارف نے دلچسپ لہجے میں کہا۔

"وہ کیسے؟" امیر الشاط نے پوچھا۔

"تم نے یہ لڑکی شاطر کو بخش دی تھی، اب شاطر تو بلی کا بچہ بن گیا چنانچہ یُوں کرو کہ میں اپنی طویل ریاضت توڑ دیتا ہوں اور امیر الشاط مجھے بھی یہ لڑکی پسند آ گئی ہے تو کیا اُسے میرے حوالے کرنے کو تیار ہو؟"

"تم تم۔ بن عارف تم۔ بعض اوقات بڑا سنجیدہ مذاق کرتے ہو۔ تم جیسا زاہدِ خشک یہ سب کچھ کیسے برداشت کر سکتا ہے؟"

"دراصل مجھے بلّی کا بچہ بننے کا شوق ہے میں دیکھوں کہ جادُوگر لڑکی انسان کو میاؤں میاؤں کرنے پر کس طرح مجبور کرتی ہے۔" بن عارف نے ہنستے ہُوئے کہا۔

لیکن مجھے اُس کی ہنسی میں ایک عجیب سی غرّاہٹ محسوس ہُوئی۔ یہ شخص مجھے ضرورت سے زیادہ خطرناک نظر آیا کیسی انوکھی بات تھی۔ بُقراط جیسے انوکھے انسان کا ہم شکل، انوکھا یُوں کہ بُقراط بے حد معصوم شخصیت کا مالک اور یہ شخص ایسی شخصیت کا مالک، نجانے اِس کم بخت نے یہ شکل کیوں پائی تھی بہر صورت میں اِس شخص کے بارے میں بے حد پریشان تھی کیوں کہ اس کی آواز اور بولنے کا انداز بھی بُقراط سے بہت زیادہ مشابہہ تھا بس فطرتوں کی تبدیلی اور حلیے کی تبدیلی کو ذہن میں نہ رکھا جاتا تو کوئی بھی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ تصوّرِ علم نہیں ہے لیکن ایسی اجنبی جگہ، ایسے غلط ماحول میں اور ایسے غلط انسان کے ساتھ بُقراط جیسے معصوم آدمی کا تصوّر بھی نہیں کیا جا سکتا تھا اور پھر وہ جس قدر بیش قیمت لباس اور انگوٹھیاں وغیرہ پہنے ہُوئے تھا میرا خیال ہے وہ فلاش شخص ان کا تصوّر بھی نہیں کر سکتا تھا۔ یہ صرف مشابہت تھی، جسے ہم حیران کُن حد تک کہہ سکتے ہیں۔ دفعتاً امیر الشاط کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اور اُس نے میری جانب دیکھ کر مُسکراتے ہُوئے کہا۔

"حسین لڑکی انوکھی بات ہُوئی ہے، اگر شاطر ایک غیر اخلاقی انداز میں تجھے ہم سے طلب نہ کر لیتا تو ہم یقیناً تجھے اپنے قُرب کا شرف بخشتے لیکن شاطر نے ہمارا ذہن خراب کر دیا تھا اور ہم نے بحالتِ مجبُوری تجھے اُس کے حوالے کر دیا اور جب ہم کوئی چیز کسی کو دے دیتے ہیں تو پھر وہ ہمارے لیے بے مصرف ہو جاتی ہے۔ دُوسری بار تجھے ہمارے ایک ایسے دوست نے طلب کر لیا جو ہماری نگاہ میں بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اس کی وجوہات ہم تیرے گوش گزار نہیں کر سکتے لیکن اگر تو جادُوگر ہے اور اگر شاطر کی اس کیفیت میں تیرا ہی ہاتھ ہے تو ہمیں انتہائی خوشی ہو گی کہ کل یہ شخص ہمیں کُتّوں کی طرح بھونکتا نظر آئے" اُس نے بن عارف کی طرف اشارہ کیا۔

"تمہاری یہ حسرت ہمیشہ حسرت رہے گی امیر الشاط۔" بن عارف نے فخریہ انداز میں مُسکراتے ہُوئے کہا۔ تب میں نے بھی آہستہ سے امیر الشاط کی جانب دیکھا اور بولی۔

"کیا تمہارے قبیلے میں عورتوں کو بولنے کی اجازت نہیں ہوتی امیر الشاط؟"

"کیا مطلب؟" امیر الشاط کسی قدر چونکے ہوئے انداز میں بولا۔

"تمہارے علم میں یہ بات آ چکی ہے اور اس نیک نفس انسان نے تمہیں میرے بارے میں سب کچھ بتا دیا ہے۔" میں نے طبرق کی جانب اشارہ کرتے ہُوئے کہا۔ "میں اپنی مرضی سے یہاں نہیں آئی، نہ ہی میں کوئی ایسی شئے ہوں جسے فروخت کیا جا سکتا۔ میں اُلجھنوں کا شکار ایک لڑکی ہوں جو اپنے وطن جا رہی تھی کہ راستے میں راحیل جیسے مکّار شخص نے مجھے اغوا کر لیا

اور یہاں تک لے آیا اور اب میں تمہاری قیدی بن گئی۔ تو کیا امیر الشاط اس جدید دور میں تم ایک ایسی لڑکی کو صرف کھلونے کی حیثیت دے سکتے ہو جو درحقیقت کھلونا نہ ہو؟ میں لونڈی نہیں ہوں۔ میں خواہش مند تھی اس بات کی کہ تم آجاؤ تو اپنا مقدمہ تمہارے سامنے پیش کروں تاکہ تم میرے ساتھ انصاف کرو۔"

"کیا کہہ رہی ہے۔ یہ کیا کہہ رہی ہے۔" الشاط نے طبرق کی جانب رُخ کر کے کہا۔

"میں اس لڑکی کی زبان بند کر دوں گا۔" طبرق پریشان انداز میں بولا۔

"نہیں مجھے یہ بتاؤ کیا یہ درست کہہ رہی ہے؟" الشاط نے پوچھا۔

"ہاں میں نے اسے بیس ہزار دینار سُرخ کے عوض خریدا تھا۔"

"خریدنے سے پہلے کیا تم نے اس بات کا تعین نہیں کیا تھا کہ یہ فروخت ہونے والی لڑکی ہے؟"

"نہیں امیر الشاط اور نہ ہی یہ جزیرے کا قانون ہے۔ یہاں جو لڑکی لائی جاتی ہے اُسے صرف لونڈی تصور کیا جاتا ہے۔"

"ہاں بات تو ٹھیک ہے۔ گویا قصوروار راحیل ہوا۔ کیا تم نے اُس شخص کو کوئی سزا دی؟"

"ہاں وہ فرار ہونے کی کوشش میں موت کے گھاٹ اُتر چکا ہے۔"

"تب تو بڑی پریشانی کی بات ہے۔ ہمیں بہت کچھ سوچنا ہوگا۔" امیر الشاط گردن جھکا کر کچھ سوچنے لگا تھا پھر اُس نے بن عارف کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

"میرے نیک اور پارسا دوست۔ یوں لگتا ہے... جیسے تمہاری زندگی میں ان چیزوں کا گزر ہی نہیں ہے۔ تم مائل بھی ہو تو کسی لڑکی کی جانب جو تنازعہ ہے۔ اب بتاؤ میں کیا کروں؟"

"تمہاری مرضی ہے الشاط۔ میں اس تنازعے کے حل ہونے کا انتظار کروں گا۔ ممکن ہے فیصلہ میرے حق میں ہو جائے۔ لڑکی تم بیٹھو۔ تمہارے بارے میں ابھی غور ہوگا۔" بن عارف بولا۔

"ابھی نہیں عارف۔ ابھی میں شاطر کے لیے پریشان ہوں۔"

"اس کے لیے پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ جب تک اس کا دل چاہے چیانگ کائی شیک بنا رہے اور جب دل چاہے آئزن ہاور بن جائے۔ کیا ہم نے اس کا ٹھیکہ لے رکھا ہے۔" بن عارف بولا۔

"پھر بھی وہ میرا دوست ہے۔"

"تو اسے واپس بھجوا دو۔ بلکہ اگر چند روز رُک جاؤ تو میں اسے خود اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔ اسے یورپ کے کسی اسپتال میں داخل کرا دو۔ اس سے زیادہ تم اس کے لیے کیا کر سکتے ہو؟" بن عارف نے کہا۔

"تم میرے ساتھ نہیں رُکو گے بن عارف؟" الشاط نے پوچھا۔

"میں نے تمہیں اپنا پروگرام بتا دیا تھا۔ میں یہاں صرف پانچ روز رُکوں گا اور اس کے بعد تمہارا جہاز مجھے لے کر روانہ ہو جائے گا۔ چار روز سمندر میں، پانچویں روز میں اپنے نئے مشن پر چل پڑوں گا۔"

"اس میں کوئی ترمیم ممکن نہیں ہے؟"

"ہرگز نہیں۔"

"اور اگر میں تمہیں یہاں سے واپس ہی نہ جانے دوں؟" امیر الشاط نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"کس طرح روکو گے؟" بن عارف نے بھی مسکراتے ہوئے کہا۔

"جہاز واپس نہیں جائے گا۔"

"واپس نہیں جائے گا تو تباہ ہو جائے گا۔ بن عارف کے لیے یہ زیادہ مشکل کام نہیں ہے۔" بن عارف بے پروائی سے بولا اور الشاط مسکرانے لگا پھر اُس نے اپنے ساتھیوں کی طرف رُخ کر کے کہا۔

"ساری دُنیا میں صرف ایک شخص ہے دوستو۔ جو امیر الشاط کی ذات پر حاوی ہے اور وہ ہے بن عارف... میں یہ حقیقت مانتا ہوں کہ یہ اگر چاہے تو اس جزیرے کو راکھ کا ڈھیر بنا دے۔ میں نے اسے کام کرتے دیکھا ہے۔"

"یقیناً امیر کا کہا غلط نہ ہوگا۔" دوسرے لوگوں نے تائید کی۔

"خیر چھوڑو ان باتوں کو الشاط۔ اس سلسلے میں تم نے کیا فیصلہ کیا؟" بن عارف نے میری طرف اشارہ کر کے پوچھا۔

"کیوں نہ ہم لوگ تنہائی میں یہ فیصلہ کریں۔" امیر الشاط نے کہا۔

"چلو ٹھیک ہے۔ میں تمہاری بات مانے لیتا ہوں۔ لڑکی تم آرام کرو۔ تمہیں جلد ہی طلب کیا جائے گا۔ طبرق اسے لے جاؤ۔ اس کا احترام کیا جائے۔" امیر الشاط نے کہا اور طبرق نے گردن جھکا دی۔ اس نے مجھے چلنے کا اشارہ کیا اور میں طبرق کے ساتھ باہر نکل آئی۔

امیر الشاط کے بارے میں میں نے جو اندازے قائم کیے

تھے اُس کی وحشت کے جو افسانے مشہور تھے غلط نہ ہوں گے لیکن وہ بالکل ہی پاگل نہیں تھا۔ یہ بات اس سے قبل نہیں معلوم تھی کہ وہ کوئی تعلیم یافتہ شخص ہے۔ وحشت اُس کی فطرت ضرور ہوگی لیکن اس وقت اُس نے کسی قدر انسانیت کا ثبوت دیا تھا۔

طبرق مجھے لیے ہوئے اُس جگہ آگیا جہاں مجھے قیام کی ہدایت کی گئی تھی۔ وہ خاموش تھا۔ میں نے اس کی صورت دیکھی اور پھر گہری سانس لے کر بولی۔ "مجھے افسوس ہے طبرق، مگر میں تمہارا احترام کرتی ہوں۔ طبرق میں اس ماحول کی لڑکی نہیں ہوں۔ میرے ساتھ بُرا سلوک کیا تھا راحیل نے۔"

"تم بے حد جرأت مند ہو۔ میں فیصلہ نہیں کر پایا کہ تمہارے لیے میرے دل میں کون سے جذبات زیادہ قوی ہیں۔ تمہیں اندازہ ہوگا کہ میں نے ابتدا ہی سے تمہارے ساتھ احترام کا سلوک کیا ہے اور حتی الامکان تمہیں کوئی تکلیف نہیں دی ہے۔ یہاں تک کہ تم نے راحیل کے بارے میں اطلاع دی۔ اس کے بعد تمہارے لیے میرے دل میں احترام اور بڑھ گیا لیکن یہاں آ کر میں تھوڑی سی اُلجھن کا شکار ہو گیا ہوں۔ ممکن ہے امیر الشاط مجھ سے سختی سے جواب طلب کرے۔"

"میں تم سے شرمندہ ہوں طبرق۔ اس کے جواب میں تم سزا چاہو مجھے دے لو لیکن میں یہ زندگی قبول نہیں کر سکتی تھی۔"

"خیر چھوڑو۔ اب تمہارے بارے میں جو بھی فیصلہ ہو جائے لیکن میری خواہش ہے کہ فیصلے سے بغاوت مت کرنا۔ میں تمہیں اپنے ہاتھوں سے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا... ہاں کیا ایک بات کا جواب دو گی؟"

"ضرور پوچھو۔"

"یہ شاطر اپنا ذہنی توازن کیسے کھو بیٹھا؟"

"بخدا مجھے نہیں معلوم۔"

"بن عارف بھی تمہارا طلب گار ہے۔ حالانکہ وہ ایک سنجیدہ انسان نہیں معلوم ہوتا لیکن اگر وہ امیر الشاط سے ضد کرے تو امیر الشاط اپنا فیصلہ مسلط نہیں کرے گا۔"

"یہ بن عارف آخر ہے کون؟"

"میں تفصیل نہیں جانتا لیکن اس کے تذکرے کئی بار سن چکا ہوں۔ وہ امیر کا کلاس فیلو ہے اور ایک بار اُس نے نہایت خطرناک حالات میں امیر کی جان بچائی تھی۔ امیر الشاط کا کہنا ہے کہ اُس نے دوسری زندگی پائی تھی اور اگر بن عارف نہ ہوتا تو اُس کا بچنا محال تھا۔ امیر الشاط کی شہری رہائش گاہ میں بن عارف کی ایک خوبصورت یادگار بنی ہوئی ہے جس میں اُس کا مجسمہ نصب ہے۔"

"بہت خوب۔ ویسے بہت بے باک انسان ہے۔"

"امیر الشاط کو میں نے پہلی بار کسی سے اتنا بے تکلف دیکھا ہے ورنہ اُس کے دوستوں کی بھی اتنی جرأت نہیں ہے کہ وہ ایک حد سے تجاوز کریں۔"

"میں نے محسوس کیا ہے۔"

"اچھا اب مجھے اجازت دو۔" طبرق مجھے چھوڑ کر چلا گیا اور میں سوچ میں گم ہو گئی۔

دروازہ کھلا ہوا تھا کوئی اندر داخل ہو گیا لیکن آنے والے کو دیکھ کر میں چونک پڑی تھی۔ یہ بن عارف تھا۔ میں سنبھل کر بیٹھ گئی۔ "بالآخر فیصلہ ہو گیا۔" اُس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کک۔ کیا فیصلہ؟" میں نے ہکلاتے ہوئے پوچھا۔

"میرے حق میں۔ چونکہ الشاط کے خزانے سے تمہاری قیمت بیس ہزار دینار ادا ہو چکی ہے اس لیے اب تم اُس کی ملکیت ہو۔ کیا تم اُسے اپنی قیمت واپس دے سکتی ہو؟ اگر تم ایسا کر سکو تو تمہیں آزاد کیا جا سکتا ہے۔"

"یہاں اس جزیرے میں یہ ناممکن ہے۔" میں نے کہا۔

"پھر کہیں اور سے ادا ہو سکتی ہے؟"

"ہاں میں اپنے وطن میں واپس جا کر یہ رقم دے سکتی ہوں۔"

"واہ۔ بن عارف کو بے وقوف بنا رہی ہو لڑکی۔ تمہارے وطن میں کون تم سے یہ رقم وصول کر سکے گا۔ تم اُسے اپنے ملک کے قانون کے حوالے کر دو گی اور یوں بھی جانتی ہو بیس ہزار دینار کی کیا قیمت بنتی ہے؟"

"میں یہ قیمت ادا کر دوں گی۔"

"لیکن کہاں سے، تمہاری مالی حیثیت کیا ہے؟"

"لاکھوں روپے میرے پاس بیکار پڑے ہیں۔" میں نے دانت پیستے ہوئے کہا اور بن عارف نے ایک فلک شگاف قہقہہ لگایا پھر بولا۔

"مسخرہ پن مت کرو۔ ایسی باتوں پر مجھے ہنسی آتی ہے

اور پھر میں اتنا لالچی آدمی بھی نہیں ہوں کہ بیس ہزار دینار کے لالچ میں چند حسین راتوں سے محروم ہو جاؤں۔ الشاط نے اب تمہیں میری تحویل میں دے دیا ہے۔"

"تم ساری زندگی میرے حصول میں ناکام رہوگے..." میں نے گہری سانس لے کر کہا۔

"وہ کیسے؟" بن عارف نے پوچھا۔

"یہ آنے والا وقت بتلائے گا۔"

"میں سمجھ گیا۔" وہ پھر ہنس پڑا۔ "تم مجھے جنرل ڈیگال بنا دوگی اور میں بطخ کی طرح قیں قیں کرتا پھروں گا کیوں؟" میں خاموش ہو کر اسے گھورنے لگی۔ اب سے کچھ دیر قبل جتنے سنہرے تانے بانے بُنے تھے سب کے سب منتشر ہو گئے تھے۔ ایک بار پھر میں غیر یقینی حالات کا شکار ہو گئی تھی۔ وہ شرارت آمیز نگاہوں سے مجھے دیکھتا رہا پھر بولا۔

"اچھا آؤ کچھ باتیں ہو جائیں۔ تم اُس شخص راحیل کے ہاتھوں میں کیسے آ پھنسیں؟"

"میں بیکار باتوں میں نہیں اُلجھنا چاہتی۔" میں نے مُنہ بنا کر کہا۔

"لڑکی۔ شاید امیر الشاط کے بارے میں تمہاری معلومات بہت محدود ہیں۔ یہ جزیرہ مہذب آبادی سے بہت دُور ہے۔ یہاں صرف امیر الشاط کا قانون چلتا ہے اور امیر الشاط کا قانون اندھا ہے۔ اُس کی رگوں میں ایک بحری قزاق کا خون ہے جو پرتگالی تھا۔ اعلا تعلیم نے اُس کا کچھ نہیں بگاڑا۔ وہ آج بھی اُتنا ہی وحشی ہے۔ اپنے الفاظ کی کاٹ پر وہ پاگل ہو جاتا ہے جب اُسے معلوم ہوگا کہ تم نے اُس کے حکم سے انحراف کیا ہے تو تمہیں سنگسار کرا دے گا۔"

"اور کچھ؟" میں نے طنزیہ انداز میں پوچھا۔

"تم مر جاؤگی اور اس عمر میں مرنا سب سے مشکل کام ہے۔"

"تمہارا تعلق کون سے ملک سے ہے؟" اس بار میں نے اچانک اردو میں پوچھا تھا اور میری نگاہیں اُس کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں لیکن میں نے اُس کے انداز میں کوئی تغیّر نہیں دیکھا۔

"غالباً تم نے اپنی زبان میں کچھ کہا ہے؟" وہ بولا۔

"ہاں۔ میں نے پوچھا تھا کہ تمہارا تعلق کون سے ملک سے ہے؟"

"میں بین الاقوامی شخصیت رکھتا ہوں۔" اُس نے جواب دیا۔

"کیلی فورنیا یونیورسٹی میں تم کون سے سن میں تھے؟"

"یہ سب کیا شروع کر دیا تم نے۔ میرے مطلب کی بات کرو۔" اُس نے اچانک موضوع بدل دیا۔

"میں تمہیں بتا چکی ہوں جہالت کی گفتگو مت کرو۔ تمہارے بارے میں تو لوگوں کی رائے بہت اچھی تھی۔ تم گھٹیا گفتگو کیوں کرنے لگے۔ ایک تعلیم یافتہ انسان کی حیثیت سے تم جانتے ہوگے کہ عورت کا حصول درندگی سے ممکن نہیں ہے۔ وہ دور گزر گیا ہے۔ امیر الشاط کی تقدیر اچھی ہے کہ اُس نے خود میری طرف توجہ نہیں کی۔ ورنہ بحالتِ مجبوری میں آخری قدم اُٹھا لیتی۔"

"آخری قدم؟" اُس نے سوالیہ انداز میں مجھے دیکھا۔

"ہاں آخری قدم جس کی میں قائل نہیں ہوں لیکن انتہائی ناگزیر حالات میں مجبوری ہو جاتی ہے۔"

"بھلا وہ کیا ہوتا؟" بن عارف نے پوچھا۔

"اسے جاننے کی کوشش مت کرو بن عارف۔"

"بس یہی ایک کمزوری ہے میرے اندر۔ میں تجسّس برداشت نہیں کر سکتا۔ مجھے جواب دو۔ وہ آخری قدم کیا ہوتا؟"

"امیر الشاط کی موت۔" میں نے سرد لہجے میں کہا اور وہ بے اختیار ہنس پڑا۔

"کیا واقعی؟" اُس نے پوچھا۔

"مذاق اُڑا رہے ہو؟"

"نہیں اِس لطیفے سے محظوظ ہو رہا ہوں۔ بھلا وہ تمہارے ہاتھوں کیسے مرتا؟"

"تم یہاں کیوں آئے ہو؟" میں نے گہری سانس لے کر پوچھا۔

"اپنا حق وصول کرنے۔"

"اور تم حق وصول کیے بغیر نہیں جاؤگے؟"

"نہیں۔ زندگی میں پہلی بار کسی عورت کی طرف راغب ہوا ہوں۔ بہت مشکل ہے۔" اُس نے جواب دیا۔

"تمہاری مرضی۔ آؤ پھر عورت حاصل کرو۔" میں اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی اور وہ تعجب سے مجھے دیکھنے لگا پھر اُس نے شانے ہلائے اور چند قدم آگے بڑھ آیا۔ اب مجھ سے اُس کا فاصلہ ڈیڑھ گز سے زیادہ نہیں رہ گیا تھا۔ اُس کے چہرے پر تعجب کے آثار تھے اور میری آنکھوں میں ایک نشے کی سی کیفیت اُبھرتی آ رہی تھی۔ میرے سامنے نیلاہٹ پھیلتی جا رہی تھی اور اس کے بعد جیسے مجھے ہوش نہ رہا۔ اب میرا بدن ایک مشینی عمل

کے لیے تیار تھا۔ میرے بائیں سمت سنگِ مرمر کا ایک قدِ آدم مجسمہ رکھا ہوا تھا۔ دائیں سمت اخروٹ کی لکڑی کی ایک میز رکھی ہوئی تھی۔ میں نے ان دونوں چیزوں کو دیکھا اور ایک اصول میرے ذہن میں اُبھر آیا۔ وار کرنے سے قبل اپنی مہارت کا جائزہ لے لو تاکہ دشمن کو چانس نہ مل سکے۔

میرے دونوں ہاتھ جڑ گئے اور گردن خود بخود جھک گئی۔ اس وقت میری نگاہوں میں ایک شبیہہ اُبھر آئی تھی۔ ایک فرشتہ صفت معصوم انسان کی جس کی چھوٹی چھوٹی آنکھوں میں شرافت کا سمندر پوشیدہ تھا۔ جس کی چپٹی ناک اور گول چہرہ دیکھنے والوں کے لیے کچھ نہیں تھا لیکن جاننے والوں کے لیے وہ بہت کچھ تھا اور پھر میرے حلق سے ایک آواز نکل گئی۔ اس کے ساتھ ہی میں نے اُچھل کر مجسمے کے لات ماری اور دوسرے لمحے برق کی طرح کوند کر اخروٹ کی وزنی میز پر دوسری ٹانگ استعمال کی۔ مجسمہ درمیان سے دو ٹکڑوں میں تقسیم ہو گیا اور میز کے تختے میں شگاف ہو گیا۔ میں اُچھل کر سیدھی ہوئی تھی کہ بن عارف نے دروازے کی طرف چھلانگ لگا دی۔ وہ دروازے پر رُکا اور سر کھجاتے ہوئے بولا۔

"بس بس مذاق ختم پھر ملاقات ہوگی۔ خدا حافظ"... اور دوسرے لمحے وہ غڑاپ سے دروازے سے باہر نکل گیا۔

دوسرے دن شمس واپس آئی۔ وہ بے چاری اب حالات سے ناواقف تھی لیکن میں نے بھی اُسے کچھ نہیں بتایا میں نے اُسے مطمئن کرنے کے لیے کہہ دیا کہ کوئی خاص بات نہیں ہوئی۔

"تمہارے بارے میں فیصلہ ہوا تھا۔" شمس نے کہا۔

"ہاں پھر؟"

"کیا فیصلہ ہوا؟"

"میں نہیں جانتی۔"

"انوکھی باتیں ہو رہی ہیں بہت ہی تعجب خیز۔ یوں لگتا ہے جیسے امیر الشاط، امیر الشاط ہی نہ رہ گیا ہو۔" شمس نے کہا۔

"چھوڑو شمس۔ کن اُلجھنوں میں پھنسی ہوئی ہو۔ مجھے دیکھو مجھے اِن حالات کی کوئی پروا نہیں ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تم بہت بڑی ہو عالیہ۔ تم بہت بڑی ہو۔"

"باہر کا کیا حال ہے؟" میں نے گفتگو کا رُخ بدلتے ہوئے شمس سے پوچھا۔

"شکار کی تیاریاں ہو رہی ہیں شاید مجھے بھی جانا پڑے" شمس نے کہا۔

"تمہیں؟ تم وہاں جا کر کیا کروگی؟" میں نے تعجب سے پوچھا

"کنیزیں صرف کنیزیں ہوتی ہیں۔ جہاں آقاؤں کی مرضی ہو اُنہیں جانا ہوتا ہے۔ اس سے قبل بھی ایسا ہوتا رہا ہے۔ میں کئی بار شکار پر جا چکی ہوں۔" شمس نے جواب دیا اور میں گردن ہلانے لگی۔

شمس تھوڑی دیر کے بعد چلی گئی لیکن زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ طبرق نے اندر آنے کی اجازت طلب کی اور میں نے کسی قدر حیران ہو کر اُسے اندر بُلا لیا۔ اس سے قبل طبرق نے کبھی اجازت نہیں مانگی تھی۔

"محترمہ عالیہ۔ کیا آپ شکار پر جانا پسند کریں گی؟"

"مجھے اپنی پسند بتانے کے حقوق کیسے مل گئے طبرق؟"

"میں خود حیران ہوں۔ آپ کو مجبور نہ کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ آپ پر خصوصی توجہ دی جا رہی ہے۔"

"ٹھیک ہے طبرق۔ میں شکار کے لیے جاؤں گی۔ میں کوئی ایسا کام کرنے کی خواہش مند نہیں ہوں جو الشاط کے اصولوں سے ٹکرائے۔"

"یہ اعلا ظرفی کی بات ہے۔ ورنہ اتنی مراعات پر مغرور بھی ہوا جا سکتا ہے۔"

"جزیرے میں تمہارے بارے میں بے شمار کہانیاں مشہور ہیں طبرق۔ تمہیں ایک وحشی جلاد تصور کیا جاتا ہے لیکن اب تک میں جتنے لوگوں سے یہاں ملی ہوں اُن میں تم مجھے سب سے اچھے انسان نظر آئے۔ میں دل سے تمہاری عزت کرتی ہوں اور اگر زندگی نے موقع دیا تو ہمیشہ ایک اچھے انسان کی حیثیت سے تمہیں یاد رکھوں گی۔ کیا میں تم سے ایک سوال کر سکتی ہوں؟"

"ضرور۔" طبرق نے جواب دیا۔

"میرے بارے میں کیا فیصلہ ہوا ہے؟"

"میں نہیں جانتا لیکن تمہیں بن عارف کی ملکیت تصور کر لیا گیا ہے۔" طبرق نے کہا۔

"ہوں۔" میں نے ٹھنڈی سانس لی۔ "کیا بن عارف یہ اعلان کرتا پھر رہا ہے کہ اُس نے مجھے حاصل کر لیا؟"

"نہیں۔ یہ بات کسی نے نہیں سُنی۔"

"ٹھیک ہے۔ مجھے کیا تیاریاں کرنی ہیں طبرق؟"

"بس لباس وغیرہ۔ میں چلتا ہوں۔" طبرق نے کہا اور چلا گیا۔ میں نے اپنے دو لباس رکھ لیے اور تیار ہو گئی۔ شمس ہی مجھے بُلانے آئی تھی اور میں اُس کے ساتھ چل پڑی۔ شکار کی تیاریاں

بڑے زور و شور سے جاری تھیں۔ بہت دُور سے ہاؤ ہُو کی آوازیں آ رہی تھیں۔ غالباً جانوروں کو بھگایا جا رہا تھا۔ بڑی پُراسرار سی فضا تھی اور اس فضا میں یہ آوازیں انوکھی لگ رہی تھیں۔

کنیزوں کے لیے گھوڑا گاڑیاں تیار تھیں۔ میں بھی ایک گھوڑا گاڑی میں شمس کے ساتھ بیٹھ گئی۔ میں نے الشاط اور دُوسرے لوگوں کو گھوڑوں پر سوار دیکھا تھا۔ بن عارف بھی گھوڑے پر تھا اور بہت شاندار نظر آ رہا تھا۔ اس وقت بھی میری آنکھوں میں بُقراط کی تصویر ہی آئی تھی۔ اُس کی موٹر سائیکل بھی یاد آئی جو پیٹرول ختم ہو جانے کے مرض میں گرفتار تھی اور پھر مجھے گزرے ہُوئے لمحات یاد آنے لگے۔ بن عارف خوف زدہ ہو کر فرار ہو گیا تھا اور اُس وقت سے وہ میرے پاس نہیں آیا تھا۔ خواہ مخواہ میرے ہونٹوں پر مُسکراہٹ پھیل گئی۔

پھر ہم سب مطلوبہ علاقے کی طرف چل پڑے۔ شمس خاموش بیٹھی ہوئی تھی۔ دفعتاً مجھے کچھ خیال آیا اور میں نے شمس سے یہ سوال کر لیا۔ "شمس، شاطر ساتھ نہیں ہے نا، وہ ابھی تک ذہنی خرابی کا شکار ہے؟"

"ہاں۔ اُسے محل کے ایک مخصوص گوشے میں رکھا گیا ہے سُنا ہے وہ اسی جہاز میں واپس جا رہا ہے۔" شمس نے جواب دیا۔

"اوہ۔ کیا الشاط جلد چلا جائے گا؟"

"نہیں الشاط اس بار طویل قیام کرے گا بس بن عارف شاطر کو لے کر واپس چلا جائے گا۔"

"بن عارف واپس جا رہا ہے۔ میرے سامنے اس بات کا تذکرہ تو ہُوا تھا لیکن اس وقت میں دُوسری اُلجھنوں میں گھری ہُوئی تھی اس لیے میں نے توجہ نہیں دی تھی۔" میں نے پُرخیال انداز میں کہا۔

"ہاں اُسے واپس جانا ہے۔ دوسرے لوگ ابھی یہاں قیام کریں گے۔ شاید وہ دو تین دن میں واپس چلا جائے گا۔" میں خاموش ہو گئی۔ میرے ذہن میں ایک اور خیال رقص کرنے لگا تھا۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ میں بھی بن عارف کے ساتھ اس جزیرے سے نکل سکوں۔ ایک ترکیب ہو سکتی تھی۔ بن عارف الشاط سے جس قدر بے تکلف ہے۔ اس کے تحت اگر میں اُسے بے وقوف بنا سکتی تو شاید یہاں سے نکلنا ممکن ہوتا لیکن میں اُس کے مزاج درست کر چکی تھی اور اگر بن عارف اُس رات کچھ آگے بڑھنے کی کوشش کرتا تو ممکن تھا میرے ہاتھوں سخت نقصان اُٹھا جاتا لیکن زندگی بچانے کے لیے میں اپنی نسائیت کو مجروح نہیں کر سکتی تھی۔

عجیب سے خیالات کا شکار رہی اور راستے کا کوئی اندازہ نہیں ہو سکا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم ایک بار پھر اُس جگہ موجود تھے جہاں میں پہلے بھی آ چکی تھی اور جہاں سے راحیل کو موت کی وادی میں اُتار گیا تھا لیکن اس وقت یہ موت کی وادی آباد تھی۔ نیچے بے شمار افراد نظر آ رہے تھے۔ پندرہ بیس خیمے لگے ہُوئے تھے اور اُن کے گرد خاردار تاروں کی باڑھ باندھی جا رہی تھی۔ درختوں پر مچان بھی باندھے گئے تھے۔ گویا جنگلی جانوروں سے بچاؤ کے مناسب انتظامات کیے گئے تھے۔

ہم سب بھی ڈھلان عبور کر کے نیچے پہنچ گئے۔ خواتین کے لیے الگ خیمہ گاہ تھی جہاں ہمیں پہنچا دیا گیا۔ یہاں بھی پہرے کا مناسب بندوبست تھا۔ امیر الشاط اور دوسرے لوگ بھی یہاں سے زیادہ دُور نہیں تھے۔ دوپہر کو تین بجے تک انتظامات جاری رہے اس کے بعد شکاری پارٹی آگے بڑھ گئی۔

خاصی اچھی تفریح گاہ تھی۔ اگر بہتر حالات ہوتے تو جنگل میں نکل کر سیر کی جا سکتی تھی لیکن اس وقت حالات غیر مناسب تھے چنانچہ ہمیں رات بسر کرنی تھی۔ رات کو محفلِ شراب برپا ہُوئی رقص و موسیقی کا پروگرام رہا۔ کھانے میں ہرن کا گوشت اور روٹیاں تھیں۔ کوئی درندہ شکار نہیں ہُوا تھا البتہ لوگوں کو راحیل کی لاش ملی تھی جس میں کہیں کہیں سڑا ہُوا گوشت موجود تھا۔ محفلِ رقص میں، میں بھی تماشائی تھی لیکن میری حیثیت برقرار رہی کوئی ہلکا پن نہیں ہُوا تھا۔ نہ جانے کیوں میرے ساتھ یہ .. خصوصیت برتی گئی تھی۔

آدھی رات کو سونے کا وقت ہُوا لیکن زیادہ دیر نہیں ہوئے تھے کہ دھائیں دھائیں کی آوازیں اُبھریں اور جو لوگ نیم غنودہ ہُوئے تھے جاگ اُٹھے۔ سیاہ رنگ کا ایک چیتا شکار کیا گیا تھا جو کیمپ کے گرد منڈلا رہا تھا۔ قصور اُس چیتے کا بھی نہیں تھا بدنصیب کو خُون کی چاٹ لگ گئی تھی۔ پھر کسی راحیل کی تلاش میں آیا تھا۔ دُوسری صبح باقاعدہ شکار کی صُبح تھی۔ میں نے شمس سے کہا کہ کیا شکاری پارٹیوں کے ساتھ عورتیں بھی جائیں گی تو وہ ہنسنے لگی۔

"کیا تم جانا چاہتی تھیں؟" اُس نے پوچھا۔

"کیا حرج ہے؟"

"تمہاری طرح کی کوئی دُوسری اس کیمپ میں نہیں تھی ورنہ شاید یہ رسم بھی پڑ چکی ہوتی۔ جنگل بے حد خطرناک ہے

قدم قدم پر وحشی درندے تاک میں ہوتے ہیں کیا تم ان کو بھی چیلنج کرنے کی صلاحیت رکھتی ہو؟"

میں نے اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ شکاری پارٹی شام کو لوٹی۔ آج ہرن چیتل اور چند درندے بھی شکار کیے گئے تھے۔ بن عارف نے ایک زبردست شیر کا شکار کیا تھا جس کا بہت چرچا تھا۔

اور پھر شام کو وہی بزمِ طرب۔ واقعی الشاط نے اس علاقے کو اپنے لیے جنت بنا رکھا تھا لیکن مجھے تعجب تھا کہ اس غیر عرب شخص کو ان علاقوں میں اتنی مراعات کیوں کر حاصل ہیں۔ میں ابھی اس محفل میں جانے کی تیاریاں کر ہی رہی تھی کہ بن عارف میرے خیمے کا پردہ ہٹا کر اندر آ گیا۔

"آواز دے کر نہ آنے کے لیے معافی کا خواستگار ہُوں لیکن یہ بات اُن لوگوں کے لیے معیوب ہے جو اپنے حرم میں جا رہے ہوں۔ دوسرے لوگ میرا مضحکہ اُڑاتے۔"

"تم پھر آ گئے؟" میں نے اُسے گھورتے ہُوئے کہا۔

"دوستانہ فضا میں بات کروں گا۔ اگر تم اجازت دو۔"

"کیا چاہتے ہو؟"

"شاید تم محفلِ طرب میں جانے کے لیے تیار ہو؟" اُس نے پوچھا۔

"ہاں۔"

"میرے ساتھ چلنا پسند کرو گی؟"

"تاکہ تم لوگوں پر یہ ظاہر کر سکو کہ میں تمہارے قبضے میں ہُوں۔"

"یہ ضروری ہے مس عالیہ۔"

"کیوں؟"

"اس طرح تمہارے طلب گار دبے رہیں گے اگر میں یہ اعلان کر دوں کہ میں تم سے دست بردار ہو گیا ہوں تو امیر الشاط تمہیں اپنے حضور طلب کرے گا۔ خواہ تم اسے قتل ہی کیوں نہ کر دو لیکن اس طرح مصیبتوں کا شکار ہو گی۔"

"میں مصیبتوں سے نہیں ڈرتی۔"

"ڈرنا چاہیے بشرطیکہ خدا عقل دے۔ آؤ باہر چلیں۔ دوسرے تمام لوگ جا چکے ہیں۔" اُس نے کہا اور مجھے شمس کی بات یاد آ گئی۔ ویسے بن عارف بھی ٹھیک کہہ رہا تھا اگر آسانی سے کام بن جائے تو کیا حرج ہے۔ چنانچہ میں خاموشی سے اُس کے ساتھ باہر نکل آئی۔

"تم نے سُنا میں نے شیر مارا ہے؟" راستے میں اُس نے کہا۔

"ہاں سُنا ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"متاثر نہیں ہُوئیں؟" بن عارف نے پوچھا۔

"بڑی بات نہیں ہے بن عارف۔ کل اگر تم مجھے بھی شکار پر لے چلو تو میں وعدہ کرتی ہُوں کہ میں بھی شیر کا شکار کر لاؤں گی اگر نہ کر سکوں تو تم لوگ مجھے جنگلی درندوں کے درمیان چھوڑ آنا یہ میرا چیلنج ہے۔"

"ضرور قبول کرتا لیکن اس میں ایک خطرہ ہے۔"

"وہ کیا؟"

"اگر تم نے درحقیقت شیر کا شکار کر لیا تو پھر امیر الشاط تمہیں نہیں چھوڑے گا۔ ایسی غیر معمولی لڑکی اُس کے لیے باعثِ کشش ہو گی۔" بن عارف نے کہا۔

"گویا تم نہیں چاہتے کہ میں امیر الشاط کے ہاتھوں میں پڑوں؟" میں نے پوچھا۔

"ہرگز نہیں۔"

"کیوں؟"

"اس لیے کہ تم میری ملکیت ہو۔ میں تمہیں بتا چکا ہُوں عالیہ کہ زندگی میں پہلی بار کسی لڑکی کی طرف متوجہ ہوا ہُوں اس طرح تو ہار نہیں مانوں گا اور تمہارا کیا خیال ہے کیا میں تم سے خوف زدہ ہو گیا تھا؟"

"کیا مطلب؟"

"اُس وقت جب تم نے جو جسٹو کا مظاہرہ کیا تھا۔"

"پھر فرار کیوں ہو گئے تھے؟"

"ایک ضروری کام یاد آ گیا تھا۔ ورنہ ایسے کھیل میں بہت سے دیکھ چکا ہُوں۔"

ہم دونوں اُس جگہ پہنچ گئے جہاں ساز بج رہے تھے اور مطربائیں نغمہ ریزی کی تیاریوں میں مصروف تھیں۔

"اگر بُرا نہ محسوس کرو تو میرے پاس ہی بیٹھ جاؤ۔"

"کوئی حرج نہیں ہے۔" میں نے کہا۔ اچانک میری ذہنی رَو پلٹ گئی تھی۔ مجھے یاد آیا کہ میں امینہ، شکیلہ اور درخشاں کے قاتلوں کی تلاش میں ایک ایسے ہوٹل میں قیام کر چکی ہُوں جہاں دیکھی جانے والی کسی لڑکی کو فاحشہ کے علاوہ اور کچھ نہیں سمجھا جا سکتا تھا۔ اگر اس جنجال سے نکلنے کے لیے میں خود پر تھوڑا سا جبر کر لُوں تو کیا حرج ہے۔ اگر یہ شخص کسی طرح میرے کام آ سکے تو؟ میں اُس کے نزدیک بیٹھ گئی۔ تب اُس نے کہا۔ "ہاں تو

ہمارے درمیان کیا بات ہو رہی تھی۔ دراصل مجھے اس رقص و سُرود سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ مَیں تو بس شکار کا رسیا ہُوں تم دیکھتی ہو مَیں اُن لوگوں کے ساتھ شراب وغیرہ بھی نہیں پیتا۔"

"ہاں مجھے تعجب ہے اس بات پر۔ عام حالات میں تم سَو فیصد ایک شریف نوجوان نظر آتے ہو۔ شراب اور عورت سے دُور رہنے والے بُرے لوگ نہیں ہوتے لیکن پھر تم ان بُرے لوگوں کے دوست کس طرح بن گئے؟"

"بس امیر الشاط میرا کلاس فیلو تھا۔"

"کیا تم اُسے ایک اچھا انسان سمجھتے ہو؟"

"اتنا بُرا بھی نہیں ہے۔ بس فطرت میں وحشت ہے۔"

"اور یہ سب کچھ؟"

"اُس کے ذاتی معاملات ہیں۔" وہ بولا۔

"تمہاری بات بہت مانتا ہے۔"

"ہاں۔ یہ اُس کی شرافت ہے۔" بن عارف نے جواب دیا۔

"خود تمہارے مشاغل کیا ہیں؟"

"بتائے نہیں جا سکتے۔" بن عارف نے صاف گوئی سے کہا۔

"کاش تم وہ ہوتے جس کی میں توقع کر رہی تھی۔ کیا تم یقین کرو گے میرا ایک دوست تمہارا ہم شکل تھا۔ تمہیں پہلی بار دیکھ کر مَیں ششدر رہ گئی تھی۔"

"کوئی کہانی سُناؤ گی لیکن مَیں بے وقوف نہیں بن سکتا۔"

"نہیں مَیں کوئی کہانی نہیں سُناؤں گی۔ نہ ہی میں تمہیں بے وقوف بنانے کی خواہش مند ہُوں۔ ہاں اگر ایک اچھے انسان کی حیثیت سے تم میری مدد پر آمادہ ہو جاؤ تو مَیں تمہیں دوست ضرور بناؤں گی۔ تم بلاشبہ ان بُرے لوگوں میں ایک اچھے انسان ہو۔"

"میری سمجھ میں ایک بات نہیں آتی۔ تم خاصی تعلیم یافتہ اور نڈر لڑکی معلوم ہوتی ہو لیکن اس طرح ان کے چنگل میں آ پھنسیں۔ کیا تم یہاں سے نکل نہیں سکتی تھیں؟" بن عارف نے پوچھا۔

"ہاں میں اس کوشش میں کامیاب نہیں ہو سکی لیکن اس کے باوجود مَیں نے ہار نہیں مانی۔ مَیں آخری سانس تک کوشش کرتی رہُوں گی جس کی وجہ سے مَیں نے دھوکا کھایا تھا، اُسے بہر حال جہنم روانہ کر دیا اور مجھے یقین ہے کہ یہاں موجود دُوسرے لوگ بھی کسی طور مجھ پر قابو نہیں پا سکیں گے۔"

"اور اگر میں تمہارے یہ خیالات امیر الشاط تک پہنچا دُوں تو؟"

"میرا کام آسان ہو جائے گا۔"

"وہ کیسے؟"

"جو کام مجھے کل کرنا ہے۔ وہ آج کر دُوں گی۔"

"تم نے مجھ سے مدد کی بات کی تھی؟" بن عارف بولا۔

"ہاں۔ مَیں نے سُنا ہے تم یہاں سے جا رہے ہو؟"

"ہاں۔ درُست سُنا ہے۔"

"کیا مَیں بھی تمہارے ساتھ نہیں جا سکتی؟ لیکن ایک دوست کی حیثیت سے مَیں چاہتی ہُوں تم مجھے اور شمس کو ساتھ لے چلو اور کسی ایسی جگہ ہمیں چھوڑ دو۔ جہاں سے مَیں اپنے وطن واپس جا سکوں۔"

"شمس کون ہے؟"

"ایک ایرانی لڑکی جو میری خادمہ کے طور پر میرے ... ہے۔ مَیں اُسے یہاں سے ضرور لے جاؤں گی یہ میرا عزم ہے"

"کمال ہے۔ خود تمہارے یہاں سے جانے کا کوئی امکا... نہیں ہے تم نے اُس سے بھی وعدہ کر لیا ہے۔"

"وعدہ نہیں کیا لیکن مَیں اُسے لے جاؤں گی یہ میرا نیص..."

"ارے واہ۔ سارے فیصلے تم خود کر لو گی۔ جیسے میری ... اشاط کی تو کوئی حیثیت ہی نہیں ہے محترمہ عالیہ صاحبہ۔ مَیں نے ... میں کوئی اصول نہیں بنایا۔ بس میری ایک ڈگر ہے جس پر مَیں ... رہتا ہُوں۔ بس اگر شراب کی طرف طبیعت راغب ہو گئی تو اپنی ... گا کہ ان میں سے کوئی میرا ساتھ نہ دے سکے گا۔ پرسوں اگر عورت ... آئی تو پھر ایسے ایسے کئی جزیرے آباد کر دُوں گا۔ تم نے مجھے سمجھ ... ہے۔ مَیں تمہاری کوئی بات ماننے کے لیے تیار نہیں ہُوں سمجھ گئیں ..."

"تمہاری مرضی ہے بن عارف۔" مَیں نے سرد لہجے میں کہا ...

"مَیں امیر الشاط کو تمہارے ارادوں سے آگاہ کر دُوں ... اُس سے کہُوں گا کہ وہ ہوشیار رہے۔ تم شاید مارشل آرٹس ... طالب علم رہی ہو۔ جو جسٹو کے معمولی سے مظاہرے کی کوئی حیثی... نہیں ہوتی۔"

"ٹھیک ہے مَیں اب اس موضوع پر تم سے کوئی گفت... نہیں کرُوں گی۔" میں نے بدستور نرم لہجے میں کہا اور وہ اپن... سے اُٹھ گیا۔

"مَیں اب تمہارے پاس بیٹھنا بھی پسند نہیں کرتا۔" ... کہا اور وہاں سے آگے بڑھ گیا۔ مَیں خاموش نگاہوں سے ... جاتے ہُوئے دیکھتی رہی اس کے بعد مَیں تھوڑی دیر وہا... بیٹھی پھر اُٹھ کر واپس اپنے خیمے میں آ گئی۔

شکار کا دُوسرا دن اور پھر تیسرا دن گزرا۔ اس کے بعد واپسی کا اعلان ہو گیا۔ اس دوران کافی خونریزی ہُوئی تھی۔ جنگلی درندوں نے چھ انسان ہلاک کر دیے تھے۔ پانچ شیر تین چیتے دو چار جنگلی ریچھ ہلاک کیے گئے۔ ایک رات چند جنگلی سُوروں نے کیمپ پر حملہ کیا اور تین افراد کو شدید زخمی کر دیا۔ سُوروں پر بندوقوں کے دہانے کھول دیے گئے۔ ساری کی ساری گولیاں ان کے جسموں میں تراز‌و ہو گئیں لیکن وہ شدید زخمی ہونے کے ... بھاگ گئے۔

البتہ اس کے بعد بن عارف نے میری طرف رُخ نہیں کیا ... شکار میں وہ سب سے آگے رہا تھا۔ زیادہ تر درندے اُسی نے ہلاک کیے تھے۔ اُس کی کہانیاں کیمپ میں گردش کرتی تھیں ... مجھے ان ساری باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ مَیں تو کسی ... چکر میں تھی۔ کسی طرح اس جہاز سے نکلنے کی کوشش ... چاہیے۔ ذہن بہت سی باتیں سوچتا تھا۔ کیا طبرق میری مدد ... ہے لیکن یہ بہت خطرناک بات تھی۔ طبرق کے بارے میں ... نے اندازہ لگایا تھا کہ وہ سب کچھ ہونے کے باوجود امیر الشاط ... بے دام غلام ہے وہ اس کے خلاف کچھ کرنے پر آمادہ نہیں ہو گا۔

سب لوگ واپس آ گئے محل کے ہنگامے بدستور جاری ... پھر شمس نے مجھے اطلاع دی۔ "بن عارف واپس جا رہا ہے۔"

"کب؟" مَیں نے بے اختیار پوچھا۔

"شاید کل صبح۔"

"ہُوں اور کون کون جا رہا ہے؟"

"بس خاص لوگوں میں شاطر اُس کے ساتھ جائے گا۔"

"ایک بات نہیں بتاؤ گی عالیہ؟" شمس بولی۔

"پوچھو۔"

"شاطر کا ذہنی توازن کیسے خراب ہو گیا؟"

"مَیں پہلے بھی کہہ چکی ہُوں۔ میں نہیں جانتی۔" مَیں نے ... دیا اور شمس اس انداز میں خاموش ہو گئی جیسے اُسے میری ... کا یقین نہ ہو لیکن اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہ پاتی ہو۔ ... تک میرے پاس بیٹھی رہی پھر اُس نے پُوچھا۔ "بن عارف ... بھی دوبارہ تم سے ملاقات نہیں کی؟"

"ایک بار کی تھی۔" میرے ہونٹوں پر بے اختیار مُسکراہٹ ...

"تو پھر؟"

"اُسے احساس ہو گیا کہ مجھ سے ملاقات اُس کے لیے خطرناک ہی ہے۔ اس کے بعد سے اُس نے دُوسری کوئی کوشش نہیں کی۔ ویسے اُس سے کئی بار ملاقات ہُوئی ہے۔"

"حالانکہ وہ ایک خطرناک آدمی مشہور ہے لیکن عالیہ تم اپنی ان پُراسرار قوتوں کو کسی دُوسرے مقصد کے لیے کیوں نہیں استعمال کرتیں؟"

"فضول اُلجھنوں میں نہ پڑو شمس۔ یہ بیکار باتیں تمہیں کچھ نہیں دیں گی۔ کافی پلواؤ۔ کیا تمہارا موڈ ہے؟"

"مَیں ابھی منگواتی ہُوں۔" شمس نے کہا اور اُٹھ کر باہر نکل گئی پھر وہ کافی کے لیے کہہ کر واپس آ گئی۔ مَیں طبیعت میں بہت بے چینی محسوس کر رہی تھی۔ ابھی تک کوئی کار آمد بات نہیں ہو سکی تھی۔ مَیں نے سوچا ایک بار پھر امیر الشاط سے ہی رجُوع کیا جائے۔ ممکن ہے کوئی کام بن سکے۔

خادمہ کافی لے آئی اور شمس نے دو پیالیاں بنا کر ایک مجھے دی اور دُوسری خود لے کر بیٹھ گئی۔ وہ بھی کسی سوچ میں ڈُوبی ہُوئی تھی۔ سوچتے سوچتے دماغ دُکھنے لگا تھا۔ طبیعت بھاری ہو گئی تھی۔ مَیں نے شمس کو آواز دی لیکن نہ جانے کیوں مجھے اپنی زبان لڑکھڑاتی سی محسوس ہُوئی تھی۔

"شمس۔ کافی اور دو۔"

"اچھا۔" شمس نے کہا اور اُٹھنے کی کوشش کی لیکن دُوسرے لمحے اُس نے لہرا کر کوئی غیر مرئی شے پکڑنے کی کوشش کی اور پھر پیالی سمیت فرش پر ڈھیر ہو گئی۔

"آ۔ ارے۔ تو میں کیا۔ ہُوا؟" مَیں گھبرا کر اُٹھی لیکن زبان کے ساتھ اعضا بھی قابو میں نہیں رہے تھے۔ مَیں نے سنبھلنے کی کوشش کی لیکن ایک دم آنکھوں میں تاریکی چھا گئی اور پھر مَیں نے گرنے سے بچنے کی بہت کوشش کی لیکن اس میں کامیاب نہیں ہو سکی۔

آنکھ نہ جانے کب کھُلی کھُلی بھی تھی یا بس یونہی۔ ابھی تک وہی کیفیت تھی۔ پُورا بدن ہل رہا تھا۔ زمین ہچکولے لیتی محسوس ہو رہی تھی۔ کیا کافی میں کوئی اور چیز شامل تھی۔ خیالات میں ڈُوبے ہونے کی وجہ سے غور ہی نہیں کیا تھا۔ ورنہ تو ہی محسوس ہو جاتی۔ مَیں نے کافی کی پیالی کی تلاش میں نگاہ دوڑائی لیکن پھر ذہن کو ایک جھٹکا سا لگا۔ آنکھیں بھینچیں دوبارہ کھولیں لیکن وہی منظر سامنے تھا۔ یہ وہ کمرہ نہیں تھا جہاں میں بے ہوش ہُوئی تھی۔ میں ایک مسہری پر تھی اور میرے عین سامنے دُوسری

مسہری پر شمس پڑی ہُوئی تھی۔ یہ ہچکولے بھی صرف احساس نہیں تھا زمین برابر ہل رہی تھی۔ میں کسی رُخ سنبھل نہیں پا رہی تھی اور پھر ذہن نے کچھ اور ساتھ دیا تو میں نے سمجھا یہ زمین نہیں تھی۔ شاید ہم دونوں جہاز میں تھیں۔ شاید ہم اس جزیرے سے نکل آئے تھے۔

*

یقین نہیں آتا تھا۔ ذہن جن حالات کا شکار رہوا تھا انہیں نظر انداز کرنا بے حد مشکل کام تھا۔ اس خوف کے جزیرے میں بڑی بے بسی کا وقت گزرا تھا۔ میں تو ایک معمولی سی لڑکی تھی۔ وہاں تو بڑے بڑے جری لوگ بے بس تھے۔ میرا خیال ہے بہت کم لوگ ایسے ہوں گے جو خوشی سے اس جزیرے پر زندگی گزار رہے ہوں گے۔ آباد دنیا سے دُور اس اکتا دینے والی زندگی کو کون خوشی سے قبول کر سکتا ہے۔ انسان وطن سے دُور روزی کمانے جاتا ہے اپنوں کو چھوڑنا پڑتا ہے لیکن ایک سکون ایک احساس اس کا سہارا ہوتا ہے کہ وہ جب بھی چاہے حالات پر قابو پا کر اپنوں میں واپس جا سکتا ہے۔ اس دُوری کو عبور کر سکتا ہے لیکن جہاں یہ احساس ہو کہ وہاں سے نکلنا مشکل امر ہے وہاں سے اکتاہٹ یقینی ہے خواہ کیسی ہی عیش سے گزر رہی ہو۔

میں بھی خود کو قیدی تصور کر رہی تھی اور بظاہر اس قید سے آزادی کی کوئی واضح شکل میرے سامنے نہیں تھی۔ گو میں عام معذور لوگوں سے ذرا ہٹ کر تھی۔ ہر چند میں نے بارہا خود کو اس جزیرے پر بے بس تصور کیا لیکن ایک آخری کارڈ ہمیشہ میرے ہاتھ میں رہا۔ وہ یہ کہ اگر حالات کو آخری حد تک مایوس کن پاؤں تو پھر شدید جدوجہد کر کے وہاں سے نکلنے کی کوشش کروں۔ یہ جدوجہد بلاشبہ موت و زیست کی جدوجہد ہوتی لیکن انسان کچھ کر کے مرنے میں خوشی محسوس کرتا ہے کم از کم مجھے تو ایسی ہی موت پسند ہے لیکن یہ آخری لمحات کا کھیل ہوتا۔ اس وقت اس کھیل کا آغاز ہوتا جب آنکھوں کے سامنے کوئی اور موقع نہ رہتا۔ سمندر کی بے رحم موجوں کے درمیان تنہا سفر بے حد خوفناک ہوتا ہے گو مجھے کبھی اس سے سابقہ تو نہیں پڑا لیکن دُوسروں کے تجربات مشعلِ راہ تھے لیکن اگر ضرورت پیش آ ہی جاتی تو میں اس سے بھی گریز نہ کرتی۔

میں نے ایک گہری سانس لی۔ خیالات کہاں سے کہاں لے گئے تھے۔ صرف ایک مفروضے کی بنیاد پر خود کو آزاد سمجھ لیا۔ ... صرف ہلکے ہلکے ہچکولے اس بات کی علامت تھے کہ میں اس وقت بحری سفر میں ہوں۔

اس بار میں نے پُر اعتماد نگاہوں سے اس کیبن کا جائزہ لیا۔ سفید رنگ کی دیواریں۔ ایک سمت چھوٹی سی الماری۔ ایک طرف رکھی ہوئی میز اور دو کرسیاں جن پر یہ ہچکولے اثر انداز نہیں ہو رہے تھے اور اس کا یہی مقصد تھا کہ وہ کسی طور فرش میں جڑی ہوئی ہیں۔ ایک چھوٹے سے دروازے پر باتھ روم لکھا ہوا تھا۔ دُوسری سمت باہر جانے کا راستہ سو فیصد کسی جہاز کے کیبن کی نشان دہی کرتا تھا۔

دوسری مسہری پر شمس بے سدھ پڑی ہُوئی تھی۔ اس کے بدن کو بھی ہچکولے لگ رہے تھے۔ لباس اس انداز میں بے ترتیب تھا کہ اس کا بدن جگہ جگہ سے عریاں ہو گیا تھا۔ گہری نیند یا بے ہوشی کے عالم میں وہ اس وقت خود کو آغوشِ مادر میں محسوس کر رہی ہو گی۔ میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ میں اس پامال شدہ عورت کو دیکھتی رہی جس نے مصائب کو زندگی کا جُزو سمجھ لیا تھا۔ جو شاکر ہو گئی تھی اپنی تقدیر پر اور اب اس کے ذہن میں آزادی کا کوئی تصور نہیں رہ گیا تھا۔ اگر سچ مچ کسی طور آزادی مل گئی تو اس کی ذہنی کیفیت کیا ہو گی؟

میں اب مستقل ہو گئی تھی۔ تھوڑی دیر پہلے یہ ہچکولے نا[...] محسوس ہو رہے تھے لیکن اب اعصاب خود کو ان کا عادی بنا [...] تھے۔ چنانچہ میں اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ پاؤں نیچے لٹکائے تو چپلیں موجود تھیں نئی اور خوبصورت ... گویا میرے مہربان شریف النفس مجھے ضروریات کا خیال رکھنا جانتے تھے۔ میں نے مسکراتے ہوئے سو[...] لیکن اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ تبدیلی کیسی ہے اور کیوں [...]

واقعات کو ذہن کے پروجیکٹر پر پیچھے کی سمت لوٹا[...] یادیں اُبھر آئیں۔ میں اور شمس بیٹھے ہوئے گفتگو کر رہی تھیں۔ [...] ہم نے کافی پی اور بے ہوش ہو گئے۔ طے شدہ امر تھا کہ کافی [...] بے ہوشی کی کوئی دوا ملی ہوئی تھی۔

کیوں ...؟ پہلا سوال ذہن میں اُبھرا۔ اگر جزیرے سے [...] نکالنا مقصود تھا تو ہم تو بخوشی وہاں سے نکلنے پر تیار ہو جاتے [...] یہ کاروائی کیوں کی گئی۔ گزرے ہوئے واقعات کی فلم کچھ آ[...] بڑھی تو یاد آیا کہ امیر الشاط تو جزیرے سے واپسی کا کوئی ارادہ [...] سکتا تھا۔ ہاں بن عارف کے واپس جانے کی افواہ تھی۔ گویا ج[...] اس وقت بن عارف کے قبضے میں ہے اور امیر الشاط نے [...] لوگ بھی بن عارف کے حوالے کر دیا تھا۔ چنانچہ اگر واقعی میں جہ[از] میں سفر کر رہی ہوں تو اس وقت بن عارف کی قیدی ہوں۔ [...] پُر اسرار شخص ابھی تک میرے لیے معمّہ تھا۔ یوں تو امیر الشاط [...] وہ نہ ثابت ہوا تھا جو میں سمجھی تھی۔ میرا خیال تھا کہ وہ روایتی [...]

کا وحشی ہوگا۔ ہر وقت ایک خونخوار درندے کی مانند غراتا رہتا ہوگا۔ لیکن وہ ایک تعلیم یافتہ انسان تھا۔ بلاشبہ فطری درندگی اس پر حاوی تھی لیکن اس کے باوجود کچھ اقدار بھی تھے۔ بن عارف اس سے کسی قدر بہتر تھا۔ دیکھنا یہ ہے کہ اب اس شخص کے دل میں کیا ہے۔ بن عارف کو دیکھ کر مجھے ہمیشہ بقراط یاد آ جاتا تھا۔ دو ہم شکل لیکن دونوں کی فطرت میں کتنا تضاد تھا۔ نہ جانے کیا کیا اوٹ پٹانگ خیالات ذہن میں گردش کرتے رہے پھر اس وقت چونکی جب شمس کی ایک کراہ سنائی دی۔ شمس جاگ رہی تھی یا اُسے ہوش آ رہا تھا۔ اس نے کروٹ بدلی اور پھر اس کے حواس کے دریچے کھلنے لگے۔ وہ ساکت ہو گئی تھی۔ میں نے اس کی آنکھیں کھلتی دیکھیں۔ غالباً وہ حالات کو محسوس کر رہی تھی۔ میں دلچسپی سے انسانی کیفیات کا تجزیہ کرنے لگی۔ شمس کے حواس جب پوری طرح جاگ گئے تو وہ اُچھل کر بیٹھ گئی۔ اس نے متوحش نگاہوں سے مجھے دیکھا اور دوبارہ چونک پڑی۔

"عا... عالیہ!" اس کے منہ سے آواز نکلی اور میں نے مسکرا کر اسے پُر سکون کرنے کی کوشش کی۔ میری مسکراہٹ نے اُسے سکون بخشا اور اس کے ناواقف ذہن نے اندازہ لگا لیا کہ کوئی خطرناک صورتحال نہیں ہے۔ وہ بھی مسہری پر بیٹھ گئی اور اب اس نے بغور چاروں طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں اب حیرت کے نقوش گہرے ہوتے جا رہے تھے۔

"یہ... یہ تو جہاز معلوم ہوتا ہے سمندری جہاز۔" وہ خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر بولی۔

"ہاں۔ معلوم تو یہی ہوتا ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تم۔ تم بھی بے ہوش تھیں؟" اس نے پوچھا۔

"ہاں۔ ابھی چند منٹ قبل جاگی ہوں۔"

"باہر نکل کر نہیں دیکھا؟"

"نہیں۔"

"تمہارا کیا خیال ہے عالیہ۔ یہ جہاز ہی ہے نا؟" شمس نے بچوں کے سے انداز میں پوچھا لیکن میں جانتی تھی کہ اس کی ذہنی کیفیت کیا ہے اس لیے میں نے اُسے بچوں ہی کے انداز میں ٹریٹ کیا۔

"لگتا تو یہی ہے عالیہ لیکن ہم باہر نکل کر معلوم کریں گے۔"

"یہ سو فیصد جہاز کا کیبن ہے اس کی بناوٹ یہی بتاتی ہے اور پھر دیکھو یہ ہل بھی رہا ہے۔ یہ سمندری سفر کے ہچکولے ہی معلوم ہوتے ہیں۔ آہ عالیہ تو کیا ہم اس منحوس جزیرے سے نکل آئے ہیں؟" اس کی آواز میں خوشی کانپ رہی تھی۔

"امکان تو یہی ہے۔"

"لیکن اب ہم کہاں جا رہے ہیں؟ عالیہ کیا واقعی ایسا ہو چکا ہے۔ آہ اگر یہ بات ہے تو میں۔ میں سخت حیران ہوں۔ یوں بھی میری زندگی میں ایک ایسا موڑ آیا ہے جس کو میں بھول چکی تھی۔" شمس کے جذبات بکھر رہے تھے اور میں اس کے ذہن پر کوئی ناگوار اثر نہیں ڈالنا چاہتی تھی۔ میں جانتی تھی کہ یہ خوشی اس کے لیے ناقابلِ برداشت ہے اس لیے اُسے آہستہ آہستہ کنٹرول کرنا تھا۔

"ہاں شمس۔ امکان یہی ہے کہ ہم جزیرے سے نکل آئے ہیں لیکن کیا ضروری ہے کہ ہمیں آزادی ہی مل جائے۔"

"کیا مطلب؟"

"تمہیں علم ہے کہ ہم خود وہاں سے نہیں نکلے بلکہ ہمیں بے ہوش کر کے وہاں سے جہاز پر لایا گیا ہے۔ کیا تمہیں یاد ہے کہ تم جہاز پر کس طرح آئی ہو؟"

"نہیں۔" شمس کا چہرہ پھر لاعلم ہو گیا۔

"میں بھی نہیں جانتی۔ اس کا مطلب ہے کہ ہم ابھی دُوسروں کی مرضی کے تابع ہیں۔ کون جانے ہم اس جزیرے سے نکل کر کسی دُوسرے جزیرے پر پہنچ جائیں۔ کون جانے آئندہ ہمیں کیسے حالات سے دوچار ہونا پڑے۔"

"پھر بھی بُرا نہیں ہے عالیہ۔ حالات نے اگر ہمیں اتنی مُہلت دی ہے تو آیندہ بھی ان میں کوئی تحریک ضرور ہوگی۔ میں تو یہ بھول ہی چکی ہوں کہ اس جزیرے کے علاوہ بھی دُنیا میں اور کچھ موجود ہے۔ تبدیلی تو ہوگی۔ آہ عالیہ تم میرے دل کی حالت نہیں جانتیں۔ رات کو سو جاتی تو سب کچھ بھول جاتی۔ میری آنکھوں میں باہر کی دُنیا کے خواب ہوتے لیکن صبح کو جب آنکھ کھلتی تو منحوس سُورج پر بہت غصہ آتا کیوں کہ سُورج کی روشنی مجھے وہ دکھاتی جسے میں نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔ آہ! عالیہ کتنا مَلال ہوتا تھا مجھے صبح ہو جانے کا تم تصور نہیں کر سکتیں۔"

"مجھے احساس ہے شمس۔"

"لیکن اب تو کچھ نہ کچھ ضرور ہوگا اب ہم بدلے ہوئے مناظر دیکھیں گے۔"

"تم بہت خوش ہو شمس؟"

"ہاں عالیہ۔ خواہ تم اس بات کا مذاق اُڑاؤ۔ حالات کیسے بھی ہوں لیکن میں خوش ہوں۔"

شمس کی ذہنی کیفیت کا مجھے بھرپور احساس تھا۔ انسانی زندگی بعض اوقات کیسے بھیانک لمحات سے دوچار ہو جاتی ہے جب کوئی خوشی اُس کے قریب نہیں پھٹکتی۔ جب اُس کی آرزوئیں اتنی کچلی جاتی ہیں کہ ان میں زندگی کی کوئی رمق باقی نہیں رہتی اور اس وقت کوئی معمولی سی بات اس کے لیے کس قدر قیمتی ہوتی ہے اس کا احساس مجھے اس وقت شمس کی حالت سے ہو رہا تھا۔

میں چند لمحات اُسے دیکھتی رہی پھر میں نے سوچا کہ اب باہر کی کیفیات تو معلوم کی جائیں تاکہ جہاز پر اپنی حیثیت کا اندازہ ہو سکے۔ وقت کا بھی کوئی تعین نہیں تھا۔ نہ جانے کیا وقت ہو گیا ہے۔ چنانچہ میں مسہری سے اُتر کر کیبن کے دروازے کی طرف بڑھی۔ دروازے کا ہینڈل گھمایا تو وہ کھُل گیا اور میں نے باہر جھانکا سامنے ہی دُوسرے کیبنوں کے دروازے تھے۔ دروازے کے سامنے کی راہداری میں سُرخ قالین بچھا ہُوا تھا۔ ہمارے کیبن کی دیوار کے نزدیک ایک کُرسی پر کوئی بیٹھا ہُوا تھا۔ مجھے جھانکتے دیکھ کر وہ جلدی سے اُٹھ کھڑا ہُوا۔

"میرے لیے کوئی خدمت خاتون؟" اُس نے انگریزی میں پُوچھا۔

"تم کون ہو؟"

"خادم تصور فرمایئے۔" وہ شخص بڑی تہذیب سے بولا۔

"کیا وقت ہُوا ہے؟"

"صبح کے نو بجے ہیں۔"

"ناشتہ ملے گا؟"

"میں منتظر تھا کہ آپ جاگ جائیں تو ناشتے کے بارے میں دریافت کر لُوں۔ کیا ناشتہ پیش کر دُوں؟" اُس نے پُوچھا۔

"ہاں لے آؤ۔" میں نے جواب دیا اور وہ گردن جھکا کر تیزی سے آگے بڑھ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ نگاہوں سے اوجھل ہو گیا تو میں نے شمس کو آواز دی اور شمس جلدی سے میرے پاس آ گئی۔ اُس نے سحرزدہ نگاہوں سے اس راہداری کو دیکھا اور بولی۔

"جہاز ہی ہے نا؟"

"ہاں۔ اب اس میں کوئی شک نہیں ہے۔"

"تم کِسی سے باتیں کر رہی تھیں؟"

"ہاں ایک شخص تھا جو یہاں ایک کُرسی پر بیٹھا ہُوا تھا اُس نے بتایا کہ وہ یہاں ہماری خدمت کے لیے موجود ہے۔ میں نے اُس سے ناشتہ طلب کیا ہے۔"

"کچھ اور نہیں پوچھا تم نے اُس سے؟"

"نہیں شمس ابھی مناسب نہیں تھا۔ دروازہ کھُلا ہونے کا مطلب یہ تھا کہ ہماری حیثیت جہاز پر قیدیوں کی سی نہیں ہے اور وہ شخص جس انداز میں پیش آیا اس سے بھی یہی احساس ہوتا ہے کہ ان لوگوں کو ہمارا احترام کرنے کی ہدایت کی گئی ہے اور یہ ایک اچھی علامت ہے شمس، تمہارا کیا خیال ہے؟"

"بالکل، بالکل لیکن تم نے اس سے مزید کچھ معلومات کیوں نہیں حاصل کیں؟"

"ایک دم مناسب نہیں تھا شمس، اب ہم اس جہاز پر تو ہیں ہی، ذرا ناشتہ وانشتہ کر لیں اس کے بعد دیکھیں گے کہ کیا صورتِ حال ہے۔"

"تم بہت مطمئن اور پُرسکون ہو۔" شمس نے گہری سانس لے کر کہا۔

"اس کے علاوہ چارۂ کار ہی کیا ہے شمس، تم خود بتلاؤ ہمارا اضطراب ہمیں کیا دے گا۔"

"ہاں یہ تو ٹھیک ہے۔" شمس نے گردن جھکائی اور پھر دُوسرے کیبنوں کی جانب دیکھتی ہُوئی بولی۔ "کیا ان کیبنوں میں بھی لوگ رہتے ہیں؟"

"ممکن ہے۔"

"معلومات کی جائیں؟"

"پھر وہی جلد بازی، میرا خیال ہے جلد بازی نہ کریں، ناشتہ کر لیتے ہیں پھر یہاں سے نکلیں گے اور دیکھیں گے کہ ہمارے لیے کہاں کہاں روک ٹوک ہے اور کہاں ہمیں جانے کی اجازت ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" شمس نے گہری سانس لی اور میں اس کے ساتھ واپس کیبن میں آگئی۔ زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ وہی شخص ناشتے کی ٹرالی دھکیلتا ہُوا آ گیا۔ خوبصورت ٹرالی تھی جس پر ناشتے کے لوازمات سجے ہوئے تھے۔ نچلی ٹرے میں چائے کے برتن موجود تھے۔ اُس نے ٹرالی ہمارے درمیان کھڑی کر دی۔

"اور کوئی خدمت؟" اُس نے پوچھا۔

"نہیں شکریہ۔" میں نے جواب دیا اور وہ دروازے کی سمت بڑھ گیا۔

"میں باہر موجود ہُوں اگر کوئی اور ضرورت ہو تو طلب فرمالیجیے۔"

"سُنو۔" میں نے اُسے مخاطب کیا اور وہ رُک گیا۔

"کیا ہم یہاں قیدیوں کی حیثیت رکھتے ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"قیدی...؟ جی بالکل نہیں۔ اس جہاز پر کوئی قیدی نہیں ہے۔" اُس نے کہا۔

"جہاز کہاں جا رہا ہے؟"

"اس کے بارے میں میرا علم محدود ہے خاتون، اس کے بارے میں آپ کو دُوسرے لوگ ہی بتا سکیں گے۔"

"دُوسرے لوگوں سے تمہاری کیا مراد ہے؟"

"بن عارف یا ان کا کوئی ماتحت، اس جہاز سے بن عارف ہی واپس جا رہے ہیں۔"

"اوہ تو کیا اس جہاز پر بن عارف موجود ہیں؟"

"جی ہاں۔"

"اور امیر الشاط؟"

"امیر الشاط اُسی جزیرے پر رہ گئے ہیں۔ ابھی وہ اس جزیرے پر طویل قیام کا ارادہ رکھتے ہیں۔" اُس شخص نے جواب دیا اور میں نے پُرسکون انداز میں گردن ہلا دی۔ شمس کی آنکھوں میں بھی روشنی کی لہریں نظر آ رہی تھیں۔ ان تفصیلات سے وہ خاصی حد تک خوش تھی۔ جب وہ شخص باہر چلا گیا تو شمس میری طرف دیکھ کر اسی معصوم انداز میں بولی۔

"گویا یہ بات تو طے ہو گئی کہ ہم لوگ جہاز پر ہیں اور جہاز کہیں اور جا رہا ہے۔"

"اور یہ بھی طے ہو گئی کہ جہاز بن عارف کے قبضے میں ہے غالباً تم نے بھی یہ بات محسوس کی ہوگی شمس کہ امیر الشاط اور بن عارف کے درمیان یہ بات طے ہو گئی تھی کہ بن عارف چند روز گزار کر واپس چلا جائے گا۔ اب یہ شخص کہاں جا رہا ہے اس کا اندازہ ہمیں اس سے ملاقات کے بعد ہی ہو سکے گا۔"

"ویسے عالیہ تم نے بن عارف کو پڑھنے کی کوشش تو کی ہوگی۔"

"ہاں لیکن ناکام رہی۔"

"کیا مطلب؟"

"شمس، بن عارف میرے لیے ایک بہت ہی عجیب و غریب حیثیت رکھتا ہے۔ آؤ ناشتے کے درمیان باتیں کریں گے۔" میں نے کہا اور ہم لوگ ناشتہ لے کر مسہری پر ہی بیٹھ گئے۔ ٹرالی ہم نے اپنی مسہری کے نزدیک سرکالی تھی۔ میں نے کھانے پینے کی چیزیں شمس کو پیش کیں اور شمس شکریے کے ساتھ ناشتہ کرنے لگی۔

"جہاں تک شمس بن عارف کا تعلق ہے وہ میرے لیے شروع ہی سے پُراسرار رہا ہے اسی شکل کا ایک شخص میرے شہر میں میرا دوست تھا اور بن عارف اس کی ہو بہو کاپی ہے لیکن فرق صرف اتنا ہے کہ بن عارف کسی قدر ہوش مند اور خطرناک فطرت کا آدمی ہے جب کہ اس کے برعکس میرا دوست انتہائی معصوم اور بے ضرر تھا۔ حالانکہ اُس کی شخصیت بھی میرے نزدیک بے حد پُراسرار تھی اور بن عارف بھی کم پُراسرار نہیں ہے، جیسا کہ تمہیں معلوم ہے کہ امیر الشاط نے پہلے مجھے شاطر کے حوالے کیا تھا لیکن شاطر اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھا تو میں بن عارف کے قبضے میں آگئی اور میرا خیال ہے کہ بن عارف نے اب مجھے مستقلاً امیر الشاط سے مانگ لیا ہے، چنانچہ اب وہ مجھے اپنے ساتھ لے جا رہا ہے۔" میں نے کہا اور شمس گردن ہلانے لگی پھر اُس نے چونک کر کہا۔

"لیکن عالیہ اس میں میری گنجائش کہاں سے نکل آئی؟"

"یقین کرو شمس، اس وقت میں یہی سوچ رہی تھی، بلکہ میں خود اس پر حیران ہُوں۔ ویسے میں ایک اور بات تمہیں بتانا چاہتی ہوں۔"

"وہ کیا؟" شمس نے پوچھا۔

"بن عارف سے ایک بار اس کا تذکرہ ہُوا تھا۔ میں نے کہا تھا کہ اگر میں زندہ کبھی اس جزیرے سے نکل جانے میں کامیاب ہوئی تو شمس میرے ساتھ ہوگی۔ شمس کے بغیر میں اس جزیرے سے باہر جانے کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ میرا خیال ہے شمس، اگر بن عارف نے اس بات پر توجہ دیتے ہوئے تمہیں جہاز پر لانے کی کوشش کی ہے تو پھر میں یہ بات کہہ سکتی ہوں کہ وہ اتنا بُرا انسان نہیں ہے کہ ہمارے لیے ضرورت سے زیادہ خطرناک ثابت ہو۔ جہاں تک امیر الشاط کا معاملہ ہے تو تم اس کے دوستوں کو بھی اُس کی صف میں کھڑا کر سکتی ہو اور جو لوگ اُس کی عیش گاہوں کے رازداں ہیں وہ امیر الشاط کے لیے اجنبی نہ ہوں گے۔ میری مراد یہ ہے کہ بن عارف ان بُرے لوگوں کے درمیان کسی حد تک اچھا انسان معلوم ہوتا ہے۔"

شمس کے ناشتہ کرنے کی رفتار سست ہوگئی تھی وہ کسی حد تک جذباتی سی کیفیت کا شکار معلوم ہوتی تھی۔ میں نے چونک کر اُسے دیکھا اور پھر حیرت سے بولی "ناشتہ کرو شمس... رُک کیوں گئیں؟"

"عالیہ تم نے بن عارف سے یہ بات کہی تھی۔ تمہارے دل میں میرے لیے اتنی جگہ ہے؟" اُس نے بھاری لہجے میں کہا۔

"بے وقوف لڑکی میں تجھے بے حد چاہتی ہوں۔ اتنا کہ تو تصور بھی نہیں کرسکتی۔ یہ میرا عزم تھا اگر مجھے جزیرے پر زندگی اور موت میں سے کسی ایک چیز کا انتخاب کرنا ہوتا، زندگی تیرے بغیر ملتی اور موت تیرے ساتھ، تو میں موت قبول کرلیتی۔ میں نے اس عزم کا اظہار تجھ پر نہیں کیا تھا اس لیے کہ میں خود غیر یقینی حالات کا شکار تھی۔ خُدا کا شکر ہے کہ تو میرے ساتھ ہے۔" میں نے کہا اور شمس کے رُخساروں پر آنسو لڑھک آئے۔ میں نے اُسے لپٹا لیا تھا۔

"ہاں شمس۔ تقدیر نے اجازت دی تو اب بقیہ زندگی ساتھ ہی گزاریں گے۔ تو اس دُنیا میں میری سب سے بڑی رازدار ہوگی میں تجھے اپنے بارے میں سب کچھ بتا دوں گی سب کچھ۔"

"عالیہ" شمس گہری سانس لے کر بولی۔

"بس جذباتی گفتگو نہیں، اب ناشتہ کرو۔" میں نے کہا لیکن شمس جذبات میں ڈوبی رہی۔ بمشکل میں نے اُسے ناشتہ کرایا... چائے کی تین تین پیالیاں پینے کے بعد ہم سیراب ہوگئی تھیں۔

"اب کیا ارادہ ہے عالیہ؟"

"باہر چلیں گے۔ جب ہمیں باہر نکلنے کی آزادی ہے تو پھر اس سے فائدہ کیوں نہ اُٹھائیں۔"

"چلو۔" شمس نے کہا اور میں اُس کے ساتھ باہر نکل آئی۔

...باہر موجود خادم چونک کر کھڑا ہوگیا تھا۔

"میرے لیے کوئی خدمت خاتون؟" اُس نے پوچھا۔

"نہیں شکریہ۔ ہم عرشے پر جانا چاہتے ہیں۔"

"یہ جہاز کی نچلی منزل ہے۔ اس راہداری سے گھوم کر آپ اُوپر جاسکیں گی زینہ نزدیک ہے۔" اُس نے جواب دیا اور ہم دونوں شکریہ ادا کرکے آگے بڑھ گئیں۔ میں نے دیکھا وہ ہمارے پیچھے پیچھے آرہا ہے۔ یہ دیکھ کر میں رُک گئی۔

"سُنو۔ کیا تمہیں ہدایت کی گئی ہے کہ ہماری نگرانی کرو۔"

"جی ایسی ہی بات ہے۔" اُس نے کسی قدر ہچکچاتے ہوئے انداز میں کہا۔

"کوئی حرج نہیں ہے کیا ان کیبنوں میں دُوسرے لوگ موجود ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"جی نہیں۔ اس وقت کوئی نہیں ہے جب امیر الشاط سفر کرتا ہے تو اس کے دوست وغیرہ ان کیبنوں میں ہوتے ہیں۔ اس وقت یہ سب خالی پڑے ہوئے ہیں۔" اُس نے جواب دیا۔

"تمہارا کیا نام ہے؟" میں نے پوچھا۔

"حاتم غازی۔" اُس نے جواب دیا اور میں خاموش ہوگئی۔ اس سے زیادہ اُس سے پوچھنا بیکار تھا وہ پہلے ہی اس سلسلے میں معذرت کرچکا تھا۔ خوبصورت سیڑھیاں طے کرکے ہم اوپری منزل میں آگئے۔ جہاز بے حد مضبوط اور جدید طرز کا تھا۔ اس کے علاوہ قیمتی چیزوں سے آراستہ تھا۔ راہداری کی چھت میں خوبصورت فانوس آویزاں تھے۔ پُورے جہاز میں اعلا درجے کا قالین بچھا ہوا تھا پھر ہم بیرونی حصے میں آگئے۔ یہ جگہ بھی دیکھنے کے قابل تھی۔ حاتم اب ہم سے تقریباً پچیس قدم دُور چل رہا تھا۔

"امیر الشاط کے جہاز کا ہی تصور تھا میرے ذہن میں..." شمس نے کہا۔

"ہاں۔ وہ بے حد دولت مند ہے۔"

"اس کا اندازہ تو جزیرے سے ہی ہوتا ہے۔ اُس نے صرف تفریح کے لیے اتنی دولت خرچ کی ہے۔"

"ہاں۔ دولت کے کھیل انوکھے ہوتے ہیں شمس اس بارہ دری کو دیکھو کیسی حسین ہے۔" میں نے ایک طرف اشارہ کیا۔

"چاروں طرف بیکراں سمندر ہے اس کے درمیان ایک پُرسکون رنگ و رنگ کی رات کیسی ہوتی ہوگی؟" شمس بولی۔

"میں ایک اور بات سوچ رہی ہوں شمس۔"

"وہ کیا؟"

"امیر الشاط بلاشبہ دولت مند ہے لیکن وہ دوست نواز بھی ہے۔ بن عارف کے لیے یہ جہاز اتنا طویل سفر کرے گا معمولی بات نہیں ہے۔"

"ہاں یہ تو ہے۔" شمس نے جواب دیا۔ ہم دونوں ایک جگہ منتخب کرکے کھڑی ہوگئیں۔ جہاز پر بہت کم لوگ نظر آرہے تھے سفر نہایت پُرسکون تھا اور کوئی خاص بات نہیں تھی۔ شمس لہروں کو دیکھتی ہوئی نہ جانے کس سوچ میں گم تھی۔ حاتم ہم سے پچاس قدم دُور خاموش کھڑا تھا۔ کافی وقت اسی طرح گزر گیا۔ دھوپ اچھی خاصی تیز تھی لیکن بُری نہیں معلوم ہورہی تھی۔

دفعتاً ہمیں دو افراد اپنی طرف آتے نظر آئے اور ہم چونک کر اُنہیں دیکھنے لگیں۔ وہ دونوں ہمارے قریب پہنچ گئے تب ان

میں سے ایک نے کہا "بن عارف کی خواہش ہے کہ خاتون عالیہ دوپہر کا کھانا اُن کے ساتھ کھائیں۔"

"بن عارف کہاں ہے؟" میں نے پُوچھا۔

"کسی کام میں مصروف ہیں۔ کیا ہم انہیں منظوری کی اطلاع دے دیں؟" اُس شخص نے کہا۔

"کیا یہ دعوت صرف میرے لیے ہے؟"

"ہاں۔ محترمہ شمس دوپہر کا کھانا اپنے کیبن ہی میں کھائیں گی۔"

"ٹھیک ہے۔ مجھے وہاں لے جایا جائے۔" میں نے جواب دیا اور وہ دونوں واپس مُڑ گئے۔ میں نے گہری نگاہ سے شمس کو دیکھا اور وہ مسکرا دی۔

"اس کے باوجود وہ بُرا انسان نہیں ہے۔" وہ بولی۔

"کیا مطلب؟" میں نے دلچسپی سے پُوچھا۔

"اگر وہ چاہتا تو ہمارے ساتھ سخت رویّہ بھی رکھ سکتا تھا، لیکن اس کا سلوک بُرا نہیں ہے۔ ویسے ایک بات پُوچھوں عالیہ؟" شمس نے مجھے دیکھتے ہوئے کہا اور میں سوالیہ نگاہوں سے دیکھنے لگی۔ "اگر بن عارف نے تمہیں اپنی حرم میں رکھنے کی خواہش کی اور اس سلسلے میں شدت پسندی اختیار کی تو تم کیا کرو گی؟"

"شمس! اپنا مافی الضمیر تمہیں بتا چکی ہوں۔ اُس کی یہ کوشش اُس کی زندگی کی آخری کوشش ہوگی۔ ویسے بن عارف میرے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کرسکے گا۔ میں اُسے نمونہ دکھا چکی ہوں۔"

"اوہ کب؟"

"جزیرے ہی کی بات ہے۔"

"کیا وہ تم سے خوفزدہ ہوگیا تھا؟"

"میں نہیں کہہ سکتی لیکن ہوشیار ضرور ہوگیا ہوگا۔"

"اتنے نزدیک لاکر بھی اپنے بارے میں کچھ نہیں بتاؤ گی عالیہ؟" شمس نے عجیب لہجے میں پوچھا اور میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"کیا جاننا چاہتی ہو شمس؟"

"مجھے تو تمہارے بارے میں کچھ بھی نہیں معلوم سوائے اس کے کہ تمہارا نام عالیہ ہے۔"

میں نے اُسے اپنے بارے میں تفصیل سے بتایا۔

"اوہ۔ مجھے یقین تھا کہ تمہاری شخصیت معمولی نہیں ہے۔" شمس بولی۔

"خیر ایسی کوئی بات نہیں ہے شمس۔ مجھے انسان کی حقیقت معلوم ہے اور میں اس زندگی سے تجاوز نہیں کرتی جو ایک عام انسان کی زندگی ہوتی ہے۔ اسی لیے میں ایک معمولی سے فلیٹ میں رہتی ہوں اور میرے ساتھ صرف میری نگران بزرگ دوست ہمدرد بس میری رہتی ہیں۔ ان ساری باتوں کے ساتھ شمس، میرے سینے میں ایک اور دل بھی دھڑکتا ہے اور اس دل میں انسان نما درندوں سے نفرت کا سمندر موجزن ہے۔ میں ان لوگوں کے خلاف صف آرا ہوں جو انسانیت کے خلاف کمربستہ ہیں اور میری زندگی میں ایسی ایک گرہ آگئی ہے۔ میرے وطن میں ایک ایسے شخص کا وجود ہے جو معصوم لڑکیوں کو اپنی ہوس کی بھینٹ چڑھانے کا کھیل کھیلتا رہتا ہے۔ اس کی ابتدا امینہ نام کی ایک لڑکی سے ہوئی۔"

میں نے شمس کو امینہ، شکیلہ اور درخشاں کی کہانی سنائی اور پھر اس سلسلے میں اپنی کارروائی کی مختصر تفصیل بتاتے ہوئے اُسے جزیرے تک پہنچنے کے حالات بتائے۔ شمس ششدر رہ گئی تھی، میرے خاموش ہونے کے بعد بھی وہ دیر تک سکوت کے عالم میں رہی تھی پھر اُس نے گہری سانس لے کر کہا۔

"میں غلط تو نہ کہتی تھی عالیہ!"

"کیا...؟"

"یہی کہ تم عام لڑکی نہیں ہو۔ اگر راحیل تمہارے ساتھ یہ دھوکا نہ کرتا تو تم کسی طور جزیرے تک نہ پہنچتیں۔"

"ہاں یہ تو حقیقت ہے۔"

"لیکن انتہائی خطرناک حالات میں بلکہ یُوں کہو کہ دشمنوں کے درمیان رہ کر بھی تم نے اس شخص سے انتقام لے لیا جس نے تمہیں دھوکا دیا تھا۔ راحیل تمہارے ہاتھوں بے بسی کی موت مرگیا۔"

"مجھے اس شخص کی موت کا ذرا بھی افسوس نہیں ہے اگر وہ زندہ رہتا تو دُوسری معصوم لڑکیوں کے لیے عذاب بن جاتا۔ اگر میری سوچ میں یہ احساس شامل نہ ہوجاتا تو شاید صرف اپنے انتقام کے لیے میں اُسے قتل نہ کراتی۔"

"عالیہ۔ عالیہ مجھے یقین ہے کہ بن عارف تمہارا بال بیکا بھی نہ کرسکے گا۔ تم اُسے شکست دو گی۔" شمس جذباتی لہجے میں بولی۔

"ہاں اُس کے مذموم ارادے اُس کی موت تو بن سکتے ہیں اُس کے لیے میری ذات پر کامیابی ناممکن ہے۔" میں نے کہا اور شمس دیر تک سوچ میں ڈوبی رہی پھر ایک گہری سانس لے کر بولی۔

"تھک گئی ہوں۔"

"آؤ۔ واپس چلیں۔" اور ہم دونوں چل پڑیں۔ حاتم بے چارہ بھی بُری طرح تھک گیا ہوگا لیکن اُس نے ہمیں ہمارے کیبن

تک پہنچا دیا تھا. اس کے بعد ہم آرام کرتی رہیں اور پھر دوپہر کو وہی آدمی میرے پاس پہنچ گیا جس نے مجھے بن عارف کا پیغام دیا تھا. اُس نے کیبن کے دروازے پر دستک دی اور جب میں نے دروازہ کھولا تو اُس نے بتایا کہ بن عارف مجھے طلب کر رہا ہے اس دوران میں شمس کو بتا چکی تھی کہ میں بن عارف سے مل کر اُس کے مقاصد معلوم کروں گی۔ وہ تنہائی محسوس نہ کرے لیکن کیبن سے نکل کر میں نے حاتم سے کہا تھا کہ میری ساتھی کو کوئی تکلیف نہ ہونے پائے... پھر میں اس شخص کے ساتھ چل پڑی.

مجھے ایک وسیع ڈائننگ ہال میں لایا گیا جس میں ایک میز پڑی ہوئی تھی۔ پورے ڈائننگ ہال میں صرف بن عارف تھا جو اس وقت ایک عجیب سے لبادے میں ملبوس تھا۔ اُس کے سر پر پگڑی تھی جس میں ایک خوبصورت ہیرا جگمگا رہا تھا. میں نے اُسے ایسے بے تکے لباس میں پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا.

"ہیلو مس عالیہ!" اُس نے مسکراتے ہوئے میرا استقبال کیا.

"ہیلو." میں نے بھی خوش اخلاقی سے جواب دیا. مجھے یہاں تک لانے والا باہر ہی رہ گیا تھا.

"مجھے یقین ہے کہ جہاز پر تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہوئی ہوگی."

"ہاں. میں اس کے لیے شکر گزار ہوں لیکن یہ نہیں سمجھ سکی کہ اس کے باوجود میری نگرانی کے لیے کسی کو مقرر کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟"

"لڑکیاں احمق اور جذباتی ہوتی ہیں. خطرہ یہ تھا کہ کہیں تم سمندر میں کود کر خودکشی کی کوشش نہ کرو." بن عارف نے جواب دیا.

"گویا تمہاری سوچ ابھی تک احمقانہ ہے بن عارف." میں نے سرد لہجے میں کہا.

"کیا مطلب؟" اُس نے پوچھا.

"تم میرے بارے میں جان چکے ہو. میں اُن لڑکیوں میں سے نہیں ہوں جو زندگی کو ہار کر موت کی خواہاں ہوتی ہیں."

"بہر صورت میرا یہی خیال تھا اور اسی لیے میں نے تمہاری نگرانی کا فیصلہ کیا."

"میرے خیال میں اب اس فیصلے کو ملتوی کر دو بن عارف. میں خودکشی نہیں کروں گی. مجھے حالات سے لڑنا آتا ہے اور اس وقت تک لڑتی رہوں گی. جب تک جسم میں زندگی کی رمق باقی ہے." میں نے ٹھوس لہجے میں کہا اور بن عارف مجھے تعریفی نگاہوں سے دیکھنے لگا.

"درحقیقت عالیہ تم نے مجھے زندگی کے بہت سے اصولوں بھلا دیا ہے."

"میں نے؟" میں نے تعجب سے پوچھا.

"ہاں صرف تم نے، ورنہ اپنی اس مختصر یا طویل زندگی میں کسی عورت سے قطعاً متاثر نہیں ہوا تھا. میرے ذہن میں عورت کوئی خاص مقام نہیں تھا لیکن میں نے یہ بھی نہیں سوچا تھا اس کے لیے دیوانگی اختیار کر لی جائے، تم سے ملاقات کے بعد میں نے اپنے اس رویے میں تھوڑی سی تبدیلی پیدا کر لی اور اپنے اصولوں کے خلاف تمہیں امیر الشاط سے مانگ لیا. حالانکہ مانگنا میرے مزاج میں شامل نہیں ہے."

"میرے اندر ایسی کون سی خاص بات دیکھی آپ نے بن عارف؟"

"بس ایک ٹھوس کردار اور عورت کی فطرت سے ہٹ کر ایک الگ شخصیت."

"اگر تم نے میرے اندر یہ دونوں چیزیں دیکھی تھیں تو پھر تمہارے دل میں میرے حصول کا خیال کیوں پیدا ہوا؟"

"ہر انوکھی چیز مجھے پسند ہے." بن عارف نے مسکراتے ہوئے جواب دیا.

"لیکن ہر انوکھی چیز پانے کے لیے نہیں ہوتی بن عارف!" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور وہ بھی آنکھیں بند کر کے مسکرانے لگا. اس دوران میں اُس کی ان حرکات میں بقراط کی شبیہہ تلاش کرتی رہی... لیکن گہری نگاہوں سے جائزہ لینے کے بعد مجھے اندازہ ہوا کہ اُس کی فطرت میں بقراط کی سی کوئی کیفیت نہیں ہے وہ بڑا ہی مرنجاں مرنج قسم کا آدمی تھا اور اس کے برعکس یہ شخص نہایت چست و چالاک اور کسی حد تک مکاری سے گفتگو کرنے کا عادی معلوم ہوتا تھا. چنانچہ میں نے اب یہ خیال بالکل ذہن سے جھٹک دیا تھا کہ یہ بقراط ہی کا کوئی دوسرا روپ ہو سکتا ہے اور ظاہر ہے بقراط اس قسم کا انسان نہیں تھا. اسی وقت جہاز کے ملازموں نے کھانا لگانا شروع کر دیا اور ہمارے درمیان سلسلۂ گفتگو منقطع ہو گیا. بن عارف نے نہایت تپاک اور دلچسپی سے مجھے مختلف چیزوں کی پیشکش کی اور میں نے اس سلسلے میں کوئی احمقانہ تکلف نہیں کیا اور کھاتی رہی، کھانے سے فارغ ہونے کے بعد بن عارف نے کافی طلب کی اور بولا.

"اگر پسند کرو تو کافی ہم یہاں سے ہٹ کر دوسری جگہ چل کر پئیں. وہاں سے تم سمندر کا نظارہ بھی کر سکتی ہو؟"

"جیسی آپ کی مرضی بن عارف." میں نے شانے ہلاتے ہوئے کہا اور بن عارف مجھے لیے ہوئے ایک انتہائی خوبصورت

کیبن میں آ گیا جو مخصوص طرز کا بنا ہوا تھا.

جہاز بالکل جدید انداز کا تھا لیکن اس میں کچھ چیزیں اس قسم کی رکھی گئی تھیں جو ایک تفریح کی حیثیت رکھتی تھیں. یہی کیفیت اس کیبن کی تھی. میں نے اُسے بغور دیکھا. شیشوں میں سے باہر کا منظر صاف نظر آ رہا تھا. یہاں بن عارف نے کافی طلب کی اور چند ساعت کے بعد کافی آ گئی.

"ہاں تو ہمارے اور تمہارے درمیان کیا گفتگو ہو رہی تھی؟"

"بس وہی گفتگو بن عارف. غالباً تم مجھے پسند کرنے کے سلسلے میں کچھ باتیں کر رہے تھے."

"ہاں محترمہ عالیہ. تو میں بتا رہا تھا کہ اپنی تعلیمی زندگی میں بھی اور اس کے بعد کی زندگی میں بھی میں عورت سے دُور رہا لیکن آپ مجھے پسند آ گئیں اور میں نے پہلی بار کسی خاتون کو حاصل کرنے کی خواہش کا اظہار کیا."

"امیر الشاط سے؟" میں نے طنزیہ انداز میں پوچھا.

"ہاں ظاہر ہے تم پوری طرح اُس کے قبضے میں تھیں."

"یہ تمہارا خیال ہے بن عارف." میں نے طنزیہ انداز میں کہا.

"کیا مطلب؟ کیا تم اس بات کو تسلیم نہیں کرتیں کہ تم امیر الشاط کے قبضے میں تھیں." بن عارف نے تعجب سے پوچھا.

"میں اس جزیرے پر تھی اور میرے کانوں میں جو ہولناک داستانیں پہنچی تھیں انہوں نے مجھے کسی حد تک متاثر بھی کیا تھا لیکن اگر تم یہ تصور کرو کہ امیر الشاط میری ذات پر حکمران تھا یا قابض تھا تو یہ تمہاری خام خیالی ہے."

"کیوں آخر کیوں؟ اس وقت تم کیا کرتیں جب امیر الشاط تمہیں اپنے حرم میں داخل کرنے کی کوشش کرتا."

"یقین کرو بن عارف پہلے بھی تم سے کہہ چکی ہوں کہ میری قربت امیر الشاط کی زندگی میں کسی عورت کی آخری قربت ہوگی... آخری اور ناکام قربت. میں اُسے قتل کر دیتی. میں نے اس بات کا تہیہ کر رکھا تھا."

"لیکن اس کے بعد تمہاری زندگی خطرے میں پڑ جاتی عالیہ." بن عارف نے کہا.

"ہاں بن عارف میں جانتی ہوں لیکن کیا زندگی کا خطرہ اتنا شدید ہو سکتا ہے کہ اس کے لیے ضمیر کی خودکشی گوارا کر لی جائے."

"خوبصورت الفاظ حقیقت کی زندگی سے کوئی تعلق نہیں رکھتے." بن عارف نے بے رحمی سے کہا.

"وقت سب سے بڑی حقیقت ہوتا ہے." میں نے مسکراتے ہوئے کہا.

"شاط تمہارے لیے موت ہی ثابت ہوتا لیکن میری پسندیدگی نے رقابت کی شکل اختیار کر لی." بن عارف نے کہا اور میں بُری طرح چونک پڑی.

"کیا مطلب؟"

"تم اچھی طرح جانتی ہو شاط صحیح الدماغ تھا اور شاید تم اُس کے پنجے سے نکلنے میں کامیاب نہ ہوتیں لیکن میں یہ گوارا نہیں کر سکا کہ شاط میری پسندیدہ شے پر قابض ہو جائے."

"اوہ. اوہ تو کیا. تو کیا...؟" میں حیرت کا شکار ہو گئی.

"ہاں. میں نے اُسے ایک ایسی دوا دے دی تھی جس نے اُس کا دماغ اُلٹ دیا لیکن وہ ٹھیک ہو جائے گا میں اُسے ساتھ لیے جا رہا ہوں. کسی اسپتال میں چند ماہ رہنے کے بعد اس کی کیفیت اعتدال پر آ جائے گی."

"تو یہ تم نے کیا تھا بن عارف؟"

"ہاں تمہارے لیے."

"تمہارے سینے میں جو بھی جذبہ ہو عارف لیکن میں تمہارے اس احسان کی شکر گزار ہوں جو تم نے مجھ پر کیا ہے. ایک اور احسان بھی تم نے مجھ پر کیا ہے جس کے لیے میں تم سے معلوم کرنا چاہتی ہوں."

"وہ کیا...؟"

"شمس کو تم میرے ساتھ کیوں لے آئے؟"

"تم نے اس خواہش کا اظہار کیا تھا."

"تم نے صرف اس خواہش کی تکمیل کی ہے؟"

"ہاں. میں چاہتا تھا کہ تم کسی ذہنی بوجھ میں گرفتار نہ رہو. میں تم سے بہتر تعلقات کا خواہاں ہوں اس لیے کہ تم میری زندگی میں پہلی عورت ہو."

"کیا تم اپنی سوچ میں تھوڑی سی تبدیلی نہیں پیدا کر سکتے بن عارف؟" میں نے نرم لہجے میں کہا.

"کیا مطلب؟" بن عارف مجھے غور سے دیکھنے لگا.

"تم اپنے ذہن سے یہ تصور نکال دو کہ تم مجھے عورت کی حیثیت سے حاصل کر سکتے ہو. یہ تمہارے لیے ممکن نہیں ہے کسی طور ممکن نہیں ہے. ہاں یہ دوسری بات ہے کہ ایک دوست کی حیثیت سے ہم دونوں ایک دوسرے کو ہمیشہ ذہن میں رکھیں."

"تم مجھے بے وقوف سمجھتی ہو عالیہ؟" بن عارف بولا.

"کم از کم اس معاملے میں."

"ٹھیک ہے میں نے تمہیں الشاط سے حاصل کیا ہے اور میں اس حصول سے فائدہ اٹھاؤں گا۔ اب یہ میرا کام ہے کہ میں یہ سب کچھ کس طرح کرتا ہوں۔ اگر تم اس مظاہرے سے خوش فہمی کا شکار تھیں جو تم نے کیا تو اگر تم چاہو تو میں تمہیں اس کا جواب دے سکتا ہوں۔"

"بھلا وہ کیسے؟"

"امیر الشاط بھی شوقین انسان ہے شام ہونے دو۔" بن عارث نے مسکراتے ہوئے کہا اور میں نے بے پروائی سے شانے ہلا دیے۔

"بہرحال دوستی کی پیش کش برقرار ہے۔ دل چاہے تو قبول کر لینا ورنہ دوسری شکل میں ہر خرابی کے ذمے دار تم ہو گے۔"

"انوکھی لڑکی ہو۔ میری پناہ میں ہو اور مجھے دھمکیاں دے رہی ہو۔ اگر میں چاہتا تو کافی میں بے ہوشی کی دوا دینے کے بعد تم سے ہر طرح کا فائدہ حاصل کر سکتا تھا۔"

"ہاں لیکن تم خوش فہمی کا شکار ہو گئے۔ بے فکر رہو۔ آئندہ جب تک میں اس جہاز پر ہوں کچھ کھاؤں گی۔ نہ پیوں گی۔"

"بن عارث کا پس منظر کچھ اور ہے مس عالیہ۔ میں ایک نیک نفس باپ کا بیٹا ہوں اور یہ میری نسل کی برتری ہے کہ ہم لوگ کسی کو دھوکے سے نہیں مارتے۔ میں یہاں بھی اپنی نسلی برتری قائم رکھوں گا۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں دھوکے سے کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔" بن عارث نے کہا۔

میں نے اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا لیکن میں نے دل میں عہد کر لیا تھا کہ کچھ کھاؤں گی پیوں گی نہیں۔ دیر تک میں بن عارث کے ساتھ رہی اور پھر اُس کی اجازت سے شمس کے پاس چلی آئی۔ شمس بے چینی سے میری منتظر تھی۔ اُس نے بن عارث سے ملاقات کے بارے میں پوچھا اور میں نے اُسے تفصیل بتا دی۔

"تو اب کیا ہو گا؟" شمس نے پوچھا۔

"میں کچھ نہیں کھاؤں گی۔ البتہ تمہارے لیے کوئی خطرہ نہیں ہے۔" شمس پریشانی سے سوچتی رہی۔ شام کو پانچ بجے کے قریب میں شمس کے ساتھ باہر نکل آئی۔ جہاز کے عرشے پر جہاز کے خلاصیوں کا اجتماع تھا۔ وہ لوگ شاید ورزش کر رہے تھے۔ میں اور شمس بھی وہاں پہنچ گئیں۔

جوڈو کراٹے کی مشق ہو رہی تھی لیکن چند ساعت کے بعد میں نے بن عارث کو اُن کے درمیان آتے دیکھا۔ وہ سیاہ رنگ کے چست لباس میں ملبوس تھا اور اُس کا ورزشی بدن بے حد حسین نظر آ رہا تھا۔ وہ ان لوگوں کے درمیان آ گیا... اس کے عقب میں ایک اور شخص بھی تھا۔ گوشت کا پہاڑ۔ قد پونے سات فٹ سے کم نہیں ہو گا۔ سر گنجا اور مونچھیں بڑی بڑی تھیں۔ انتہائی کسا ہوا بدن تھا۔ لوگ دلچسپی سے اُسے دیکھنے لگے۔

اتفاق سے حاتم بھی قریب ہی کھڑا تھا۔ میں نے اُسے اشارہ کیا اور حاتم قریب آ گیا۔ "یہ کون ہے؟" میں نے مونچھوں والے کے بارے میں پوچھا۔

"ہاشون ہے۔ جہاز کا خاص آدمی اور الشاط کا ذاتی محافظ۔"

"خطرناک آدمی ہے؟"

"خلاصی کانپتے ہیں اس کے نام سے۔ ایک بار الشاط کے جہاز پر سمندر میں بغاوت ہو گئی تھی۔ ہاشون نے صرف ہاتھوں کی مدد سے ان میں سے گیارہ افراد کی گردنیں توڑ کر انہیں سمندر میں پھینک دیا۔ بیس آدمی زندہ گرفتار کر لیے تھے اس نے۔" حاتم نے بتایا۔

"جوڈو ماسٹر ہے؟" میں نے پوچھا۔

"شیطان ہے پورا۔ ہر فن کا ماہر ہے لیکن بن عارث نے آج ایک بہت بڑی حماقت کی ہے۔ خاص طور سے اس لیے کہ امیر الشاط بھی جہاز پر موجود نہیں ہے۔ ہاشون اگر بگڑ جائے تو پھر اُسے صرف امیر الشاط ہی کنٹرول کرتا ہے۔ ایک بار تو بڑی خطرناک صورتِ حال پیدا ہو گئی تھی۔"

"وہ کیا...؟" میں نے دلچسپی سے پوچھا۔

"امیر الشاط نے اس خطرناک انسان کو بڑی مراعات دے رکھی ہیں یہ اُس کا ذاتی محافظ ہے۔ جزیرے پر شاید امیر نے اس کی ضرورت نہیں محسوس کی ورنہ وہ عموماً اسے خود سے دُور نہیں رکھتا۔ ایک بار جہاز ہی پر امیر الشاط نے اسے چار خلاصیوں سے لڑا دیا۔ بات صرف جوڈو کراٹے کی تھی۔ اس نے خلاصیوں کی زبردست پٹائی کی اور ایک جھلائے ہوئے خلاصی نے لوہے کا ایک سریا اُس کے دے مارا۔ چونکہ بات جوڈو کراٹے کی تھی اس لیے یہ بے ایمانی اُس سے برداشت نہیں ہو سکی اور اُس نے اس خلاصی کی گردن دبا کر اُسے مار ڈالا پھر باقی تین خلاصیوں کی بھی زندگی کے درپے ہو گیا۔ جب کسی طور اُسے نہ سنبھالا جا سکا تو امیر نے اُسے گولی مار دینے کا حکم دے دیا۔ اُس کی خوش قسمتی تھی کہ یہ بلندی سے گر کر بے ہوش ہو گیا ورنہ امیر اُس دن اسے ضرور گولی مار دیتے۔"

"بن عارث نے کیا غلطی کی ہے؟" میں نے پوچھا۔

"اُسے لڑنے کا چیلنج دیا ہے۔ جوڈو کراٹے کے ماہرین چند خاص کیفیتوں کے مالک ہوتے ہیں۔ عام حالات میں ہاشون ایک نارمل آدمی ہے لیکن چیلنج کے بعد بات آن کی آ جاتی ہے۔"

"اوہ۔ یہ چیلنج بن عارث نے اُسے کب دیا تھا؟"

"ایک ڈیڑھ گھنٹے پہلے اور اُس نے ہاشون کے فن کو بچپن کی بات بتایا ہے۔ اس کے ان الفاظ سے صورتِ حال بگڑی ہے۔ اب ہاشون رعایت نہیں کرے گا۔"

"احمق آدمی ہے بن عارث۔" شمس بولی لیکن میرے ذہن میں بن عارث کے چند الفاظ اُبھر آئے تھے۔ اُس نے کہا تھا کہ وہ مجسمے توڑنے کے کھیل سے متاثر نہیں ہوا تھا اس کے بعد اُس نے شام کی نشان دہی بھی کی تھی۔ شاید یہ اسی سلسلے کی بات تھی۔

میں دلچسپی سے اس ساری کارروائی کو دیکھنے لگی۔ ہاشون نے اسی بات پر گردن جھکائی تھی اور پھر وہ پیچھے ہٹ گیا۔ دوسری طرف بن عارث بھی اپنی جگہ سے ہٹ گیا۔ خلاصیوں کے چہروں پر عجیب تاثرات نظر آ رہے تھے۔ وہ شاید اس صورتِ حال سے خوفزدہ تھے۔ پھر کئی خلاصیوں نے اس لڑائی کی مخالفت کی۔

"بن عارث اس وقت جہاز کی بڑی شخصیت ہے۔ ہمیں اس کا احترام کرنا چاہیے۔ ہاشون یہ لڑائی امیر الشاط کو پسند نہیں ہو گی۔" ایک بوڑھے خلاصی نے درمیان میں مداخلت کی۔

"اوہ فضول باتیں مت کرو۔ میں اس چوہے کو مسل کر رکھ دوں گا۔ میں اس سلسلے میں خود ذمے دار ہوں۔" بن عارث نے اسے کو پیچھے دھکیلتے ہوئے کہا اور خود آگے بڑھ آیا۔ ہاشون پُرسکون تھا اور اس کی یہ قوتِ برداشت بھی اس کی بڑائی کا ثبوت تھی۔ اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ خطرناک آدمی ہے۔ اس کے برعکس بن عارث بہت اُچھل کود مچا رہا تھا۔ وہ بار بار ہاشون پر جھپٹ رہا تھا اور خلاصی اُسے روک رہے تھے۔ شمس نے میرے کان میں سرگوشی کر کے کہا۔

"کیا یہ شخص نشے میں ہے عالیہ؟"

"کون؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"بن عارث کی بات کر رہی ہوں۔ مجھے وہ کسی دوسری ہی کیفیت میں نظر آ رہا ہے ورنہ عام حالات میں وہ اتنا غیر سنجیدہ نہیں ہے۔ اس کے علاوہ اس کا ہاشون سے مقابلہ ہی صحیح الدماغی کی علامت نہیں ہے۔ یہ سب کیا ہے عالیہ؟"

"ہمارے لیے بہتر ہی ہو گا۔" میں نے دلچسپی سے کہا۔

"کیوں؟" شمس نے عجیب سے لہجے میں پوچھا۔

"اس کی نحوست سے نجات مل جائے گی۔"

"گویا میرا خیال درست تھا۔" شمس نے سرسراتی آواز میں کہا اور اب میں اُس کے لہجے پر چونکی۔

"کیا مطلب؟"

"شاطر کی دیوانگی میں کبھی نہ بھولوں گی لیکن میرا خیال ہے تمہارا یہ فیصلہ مناسب نہیں عالیہ۔ اگر بن عارث اس کے ہاتھوں مارا گیا تو جہاز واپس جزیرے پر جا سکتا ہے۔"

"ارے تم کیا سمجھ رہی ہو شمس۔ کیا تمہارے خیال میں میں نے بن عارث کو کوئی نشہ آور شے دی ہے اور وہ اس وقت دیوانگی کے عالم میں ہے۔" میں بے اختیار مسکرا پڑی۔

"کیا ایسی بات نہیں ہے؟"

"قطعی نہیں۔ نہ ہی شاطر کو میں نے کوئی ایسی شے دی تھی بلکہ شاطر کو خود بن عارث نے پاگل کیا تھا۔"

"اوہ۔ کیوں؟"

"میرے لیے۔" میں ہنس پڑی۔ شمس کا منہ حیرت سے کھل گیا لیکن اس کے بعد وہ کچھ نہ کہہ سکی۔ ہاشون اور بن عارث ایک دوسرے کے سامنے آ گئے تھے۔ بن عارث اب بھی ہاشون کو غصہ دلائے جا رہا تھا لیکن ہاشون پُرسکون تھا اُس کی آنکھوں میں نیم غنودگی کی کیفیت تھی پھر اُس نے اپنے لباس سے ایک سُرخ پٹی نکالی اور اُسے چوم کر آنکھوں سے لگا لیا اور اس کے بعد اُسے ماتھے پر باندھ لیا پھر وہ جھکا اور بن عارث نے اُس کے گنجے سر پر زوردار چپت جھاڑ دی۔ ہاشون سیدھا ہو گیا تھا۔

"لمبے اور بے وقوف آدمی۔ میں چپتیں مار مار کر تیرا دماغ ڈھیلا کر دوں گا۔ تو نے سر گنجا ہی کیوں کرایا۔" بن عارث بولا۔ اور ہاشون نے حلق سے ایک خوفناک دھاڑ نکالی اور بائیں ٹانگ پوری قوت سے گھمائی لیکن دیکھنے والوں نے بھی عجیب منظر دیکھا بن عارث اپنی جگہ سے اُچھل کر اُس کی پھیلی ہوئی ٹانگ پر آیا اور پھر چٹاخ کی آواز گونجی۔ وہ ہاشون کے سر پر ایک زوردار تھپڑ مار کر دوسری طرف کود گیا تھا لیکن ہاشون... پھرتی سے گھوما اور بن عارث کو سوٹ کرنے کی کوشش کی۔ بن عارث درحقیقت بہت پھرتیلا تھا۔ اس بار بھی وہ اُچک کر خود کو بچا گیا۔ ہاشون اُسی طرح پُرسکون تھا اور اب وہ پینترے بدل رہا تھا۔ میں گہری نگاہوں سے دونوں کا جائزہ لے رہی تھی۔ میں نے بھی اس فن کے بارے میں بہت کچھ معلومات حاصل کی تھیں اور محسوس کر رہی تھی کہ ہاشون کو خیر تھا ہی دیو قامت اور گھٹا ہوا انسان لیکن تیور بن عارث کے بھی خراب تھے۔ میں اُس کے اندر خاص جوہر محسوس کر رہی تھی۔ اس بار ہاشون نے حلق سے کتا کا کی آواز نکال کر اس تصور کے ساتھ حملہ کیا تھا کہ بن عارث پھر اُچھل کود کر کے اُس کے وار بچانے کی کوشش کرے گا لیکن اس وقت

صرف وہ بلکہ دوسرے لوگ بھی شدید حیران رہ گئے۔ جب بن عارف نے اُس کے سارے وار ہاتھوں اور پیروں پر روک کے اور پھر اُس نے بانتے گھمانے شروع کر دیے۔ اس کے دونوں ہاتھ ایک مخصوص انداز میں گھوم رہے تھے اور فضا میں سائیں سائیں کی آوازیں اُبھر رہی تھیں...

ہاشون کسی قدر گھبرائے ہوئے انداز میں پیچھے ہٹنے لگا عام لوگ بانتے گھمانے کی کوشش نہیں کرتے نہ ہی اس فن سے پوری طرح واقف ہوتے ہیں کیوں کہ اس فن کو مارشل آرٹس کے تمام شعبوں میں آخری درجہ حاصل ہے اور اگر مارشل آرٹس کے کسی ماہر کو اس فن میں کمال حاصل ہو تو دوسرے لوگ جب تک اس سے مخصوص مقابلے کی ہمت اور مہارت نہ رکھتے ہوں، اس کے مقابل نہیں آتے۔ ہاشون فضا میں سائیں سائیں کی آوازیں سُن رہا تھا اور اُن پر غور کر رہا تھا۔ بن عارف بدستور آگے بڑھ رہا تھا بانتے کے بارے میں مجھے بھی معلوم تھا۔ ان کی آوازوں کا تسلسل ہی اُن کی مہارت کا پتہ دیتا ہے آواز بالکل ہاتھ سے چلنے والی چکی کی مانند ہوتی ہے ہوا کی سخت کاٹ اگر یکساں ہو تو فن مکمل ہے اور کہا جاتا ہے کہ ان ہاتھوں کی زد میں لوہا مڑ جاتا ہے۔ انسانی ہڈیاں خواہ وہ گوشت کے موٹے تودوں میں چھپی ہوں اُن کی ضرب سے محفوظ نہیں رہتیں۔۔

اور بن عارف کے ہاتھوں کی آواز بلاشبہ اس بات کا پتہ دیتی ہے کہ وہ مکمل ہے اور جلد ہی اس کا اعتراف ہاشون نے کر لیا۔ وہ بن عارف کی سیدھ سے پلٹ آیا تھا اور بغل میں کھڑا ہو گیا تھا۔ بن عارف سیدھا نکل گیا اور پھر وہ واپس پلٹا تو ہاشون نے... سر سے سُرخ پٹی کھول دی اور رکوع کے انداز میں جھک گیا۔ یہ اعترافِ شکست تھا۔۔

خلاصیوں کے مُنہ سے شور بلند ہوا اور بن عارف رُک گیا۔ وہ چونک کر آنکھیں پھاڑنے لگا اور اسی وقت ہاشون نے اپنی سُرخ پٹی آگے بڑھ کر بن عارف کے قدموں میں رکھ دی۔ بن عارف کے ہونٹوں پر مسکراہٹ اُبھر آئی تھی پھر اُس نے سُرخ پٹی اُٹھا کر ہاشون کو دی اور وہاں سے واپس مڑ گیا۔ میں نے بھی شمس کی کلائی پکڑ لی تھی۔

"یہ کیا ہوا عالیہ۔۔۔؟"

"خُدا جانے۔ آؤ۔" میں نے گہری سانس لے کر کہا اور پھر ہم دونوں واپسی کے لیے مُڑ گئیں۔ میں نہ جانے کیوں مغموم ہو گئی تھی۔۔۔ شمس نے میری صُورت دیکھی اور گردن ہلا کر رہ گئی۔۔ کیبن میں پہنچنے کے بعد بھی دیر تک ہم دونوں خاموش رہے۔۔

پھر شمس نے زچ ہو کر زبان کھولی: "آخر مجھے بھی تو اس ڈرا... کے بارے میں کچھ بتاؤ۔" اور میں چونک کر اُسے دیکھنے لگی۔

"ڈراما۔۔۔؟" میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"تو اور کیا۔۔۔ کیا یہ ہمیں متاثر کرنے کی ایک بچکانہ کوشش نہیں تھی؟" شمس نے کہا اور ہنس پڑی۔

"تمہارا خیال ہے بن عارف نے ہم پر رُعب ڈالا ہے؟"

"سو فیصد۔ پہلے سے طے شدہ پروگرام کے مطابق۔۔۔ ہاشون اور بن عارف درحقیقت چیونٹی اور ہاتھی کی مثال رکھتے ہیں۔" شمس نے مُنہ ٹیڑھا کر کے کہا۔

"تمہارا خیال درست ہے شمس لیکن ہاتھی کون ہے ا... چیونٹی کون؟"

"یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے؟"

"ہاں جواب دو۔"

"بن عارف ہاشون کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتا... یقیناً اُس نے ہاشون کو ہدایات دی ہوں گی کہ وہ شکست..."

"نہیں شمس بن عارف فن کا ہاتھی ہے اور ہاشون اُس کے سامنے چیونٹی کی حیثیت رکھتا ہے میں بھی اس فن کے بارے میں کچھ جانتی ہوں جزیرے پر ایک بار بن عارف سے میرا سامنا ہُوا تھا تو میں نے اپنے فن کا تھوڑا سا مظاہرہ کیا تھا اور بظاہر وہ کھسیائے ہوئے انداز میں باہر نکل گیا تھا لیکن ... نے میرا مذاق اُڑایا تھا۔۔۔"

"اوہ۔۔۔ وہ کیسے؟"

"آج اُس نے میرے حصول کا تذکرہ کرتے ہوئے... کہ وہ میری اس حرکت سے خوف زدہ نہیں ہے اور... کا ثبوت دے گا۔"

"خوب۔۔۔ تو یہ سب کچھ اس لیے تھا؟"

"ہاں لیکن اس کا دعوا غلط نہیں ہے!"

"غلط فہمی ہے تمہیں؟"

"نہیں شمس یقین کرو۔ غلط فہمی نہیں ہے۔" ... انداز میں کہا اور شمس کچھ سوچنے لگی۔ پھر بولی۔

"اس کا مطلب ہے کہ ہم ابھی محفوظ نہیں... تمہارے لیے بھی اتنی ہی فکرمند ہوں عالیہ۔۔ جتنی ... یہ کم بخت تمہیں نقصان پہنچانے کی کوشش نہ کرے..."

"دیکھا جائے گا شمس۔" میں نے کہا لیکن ... کے کھوکھلے پن کا شدت سے احساس تھا پھر میں ... نے کہا۔ "بہرحال میں کسی طور اس کے دام میں نہیں..."

گو یہ میرے لیے سب سے زیادہ مشکل وقت ہے۔"

اور یہی ہوا۔۔۔ میں نے شام کی چائے پینے سے انکار کر دیا تھا لیکن شمس کو میں نے مجبور کر کے چائے پلائی۔ "زیادہ سے زیادہ اس میں بے ہوشی کی دوا ہو سکتی ہے شمس اور اگر تم بے ہوش ہو گئیں تو بھی تمہیں کوئی خطرہ نہیں ہے لیکن میں ہوش میں رہنا چاہتی ہوں۔"

شمس نے میرے کہنے سے کچھ کھا پی لیا لیکن میں نے کسی چیز کو ہاتھ بھی نہیں لگایا تھا۔ حاتم نے ایک پیالی خالی دیکھ کر پُوچھا۔

"چائے کس نے نہیں پی؟"

"عالیہ نے۔" شمس بول پڑی۔

"اوہ کیوں؟"

"اس وقت کے بعد سے تم صرف شمس کے لیے چائے یا کھانا لایا کرو حاتم۔ میں جب تک جہاز پر رہوں گی۔ کچھ نہیں کھاؤں گی۔" میں نے سرد لہجے میں کہا۔

"لیکن کیوں خاتون؟" حاتم بولا۔

"بس حاتم۔۔۔ اس سے زیادہ کوئی سوال نہ کرو۔" میں نے کہا اور حاتم خاموش ہو گیا۔ رات کو بھی میں نے کھانا نہیں کھایا تھا۔ شمس نے بھی اس وقت کھانے سے انکار کر دیا۔ اُس نے مجھ سے کہا تھا کہ وہ صُبح کو ناشتہ کرے گی۔ اس وقت اُس کا کھانے کو دل نہیں چاہ رہا اور حاتم کھانا واپس لے گیا۔۔۔ لیکن تھوڑی دیر کے بعد حاتم نے آ کر اطلاع دی کہ بن عارف مجھے طلب کر رہا ہے۔ میں نے تعرض نہیں کیا اور بن عارف کے کیبن میں پہنچ گئی۔ وہ کسی قدر سنجیدہ اور برافروختہ نظر آ رہا تھا۔۔

"۔۔۔ تمہیں بے ہوش کرنے کے دوسرے ذرائع بھی ہیں۔" وہ تلخ لہجے میں بولا۔

"یقیناً ہوں گے۔" میں نے جواب دیا۔

"پھر کھانے سے اجتناب کیوں برتا جا رہا ہے؟"

"حتی الامکان احتیاط کے لیے۔"

"میں تمہیں اس کی اجازت نہیں دوں گا۔" وہ غرایا۔

"میں اجازت مانگنے نہیں آئی؟"

"کب تک بھوکی رہو گی؟"

"جب تک مر نہ جاؤں۔"

"تم مجھے مجبور کر رہی ہو کہ میں تم پر سختی کروں۔"

"یہی سمجھ لو۔ مقصد کیا ہے؟" میں نے تیز لہجے میں پوچھا۔

"میری خواہش ہے کہ ہم تلخیوں کا شکار نہ ہوں۔" اُس نے نرم لہجہ اختیار کر لیا۔

"ظاہر ہے ہمارے درمیان وہ فضا نہیں ہے۔ جسے دوستانہ کہا جا سکے۔ یہ تلخیاں تو لازمی ہیں۔" میں فیصلہ کُن لہجے میں بولی۔۔۔

"کیا میں اتنا بُرا ہوں کہ تم مجھے اس طرح ٹھکرا دو؟"

"احمقانہ گفتگو کر رہے ہو بن عارف۔ میں نہیں جانتی کہ مہذب دُنیا کے کون سے جانوروں کے ریوڑ سے تمہارا تعلق ہے محبتوں کے حصول کے لیے تم وحشیانہ انداز اختیار کرتے ہو۔ تم نے کون سی تعلیم حاصل کی ہے۔۔۔ تمہارا رابطہ ایک ایسے انسان سے ہے جو ایک تعلیم یافتہ وحشی ہے۔ اس کے بعد تم مجھ سے نرم خوئی کی توقع رکھتے ہو۔ میں اُس صنف سے ہی تعلق نہیں رکھتی۔۔ جو عشق و محبت کے چکر میں پڑتی ہے۔ میری طرف سے تمہیں مایوسی ہی ہو گی۔۔۔"

"سوچ لو عالیہ۔۔۔" وہ بھاری لہجے میں بولا۔

"سوچ کر ہی بات کر رہی ہوں۔"

"میں تمہیں واپس الشاط کے جزیرے پر پہنچا سکتا ہوں۔"

"الشاط کی موت کے ذمے دار بھی تم خود ہی ہو گے۔" میں نے کہا اور وہ مجھے گھورنے لگا۔۔

"کیا وہ اتنا ہی نرم چارہ ہے۔" اُس نے طنزیہ انداز میں پوچھا۔

"وقت بتا دے گا۔" میں نے جواب دیا۔

"وقت اتنے عرصے کیوں خاموش رہا؟"

"مصلحت۔ میں زندگی موت کے کھیل کو ٹالنا چاہتی تھی لیکن تم دیکھو گے یہ کھیل اگر شروع ہو گیا تو پھر اسے روکنا مشکل ہو گا۔ اس سے زیادہ میں اس سلسلے میں کچھ نہیں کہوں گی۔"

"ٹھیک ہے عالیہ میں اب تمہارے ساتھ کوئی رعایت نہیں کروں گا تم بھوک سے مرنا چاہتی ہو مر جاؤ مجھے اعتراض نہیں ہے۔ اب تم جا سکتی ہو۔" اُس نے سخت لہجے میں کہا۔۔۔ اور میں اُٹھ کھڑی ہوئی۔۔ لیکن میں سخت تشویش کا شکار ہو گئی تھی۔ صُورتِ حال بگڑ گئی ہے۔ کیا کرنا چاہیے۔ بے چاری شمس پھر مشکلات کا شکار ہو جائے گی۔ اس وقت مجھے ایک شدید احساس ہُوا۔ اپنے عورت ہونے کا احساس۔ اگر میں مرد ہوتی تو ان خصوصی اُلجھنوں کا شکار نہ بنتی۔

اس وقت واپس کیبن میں جانے کو جی نہیں چاہا اور میں عرشے کے ریلنگ کے پاس آ کھڑی ہوئی۔۔ چاند کا عکس سمندر کی لہروں پر ڈول رہا تھا اور میرے ذہن میں سوچوں کا سمندر تھا۔ مجھ سے بنیادی غلطی ہوئی ہے۔ سو فیصد بنیادی غلطی اپنے وطن میں آ کر میں نے اخبار نکال لیا اور شوقِ صحافت پورا

کرلے گی۔ میں نے اخبار کا مالک ہونے سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا
اور صرف اپنے قلم کے زور سے اپنی ایک شخصیت بنالی لیکن اس
کے ساتھ ہی میں نے جو دوسری لائن اختیار کی اس کے سلسلے میں
کوئی ورک نہیں کیا۔ انکل شہریار نے مجھے کچھ سہولتیں ضرور فراہم کر
دیں لیکن میرے ذہن نے ان سہولتوں کو پوری طرح قبول نہیں
کیا۔ میں نازش وغیرہ کو اس طرح احکامات نہیں دے سکتی

تھی جس طرح میں اپنے ذاتی اسٹاف کو دیتی۔ امینہ کے سلسلے میں
اوشیں ایک جذباتی نوعیت رکھتی ہیں لیکن اتنے عرصے ناکام
رہنے کے بعد مجھے اس جذباتی کش مکش سے نکل آنا چاہیے
تھا اور اس کے بعد ٹھوس اقدامات کرنے چاہئیں تھے۔ اگر آج
میرے ساتھ کچھ ایسے لوگ ہوتے جو صرف میرے ذاتی ملازم یا
ساتھی ہوتے تو میرے ذہن سے عورت ہونے کا احساس مٹ
سکتا تھا لیکن یہ سوچ اب بعد از وقت تھی۔ یہ کام مجھے پہلے ہی
کرلینا چاہیے تھا۔۔ اور اب میں مشکل میں تھی۔۔۔
چاند چھپ گیا۔ میں نے آسمان کی طرف دیکھا۔ بادل گھر
رہے تھے اور ستاروں کی چادر سمٹ رہی تھی۔ میں کھڑی رہی
سمندر اب تاریک ہو چلا تھا اور ماحول خوفناک ہوتا جا رہا تھا
لیکن یہ تاریکی مجھے اپنے وجود کا ایک حصہ معلوم ہوئی۔ میرا
وہاں سے ہٹنے کو دل نہ چاہا۔ بڑی دل کش لگ رہی تھی یہ تاریکی،
دور بادلوں میں بجلی چمکنے لگی۔ ہواؤں میں خنکی پیدا ہو گئی۔۔۔
مجھے یہاں کھڑے کھڑے بہت دیر ہو گئی تھی۔
میری نگاہ ایک سائے پر پڑی جو تقریباً پچاس گز
دور متحرک تھا۔۔۔
میں چونک پڑی۔۔۔ کون ہے یہ؟" اور میں نے اسے آواز
دے دی۔ میں جاننا چاہتی تھی وہ کون ہے۔۔۔ کیا خود بن عارف
۔۔۔ سایہ میرے پاس آگیا اور مجھے افسوس ہوا۔۔۔
"اوہ۔۔۔ حاتم!" میں نے کہا۔
"جی خاتون۔۔۔ میں ہی ہوں۔۔۔"
"کتنے عرصے سے الشاط کے ملازم ہو؟"
"سات سال ہو گئے۔"
"معقول تنخواہ ملتی ہو گی؟"
"جی ہاں۔"
"بیوی بچے ہیں؟"
"جی ہاں۔۔۔"

"کہاں ہیں؟"
"یمن میں۔۔۔"
"ملنے جاتے ہو ان سے؟"
"سال میں ایک بار۔"
"یاد آتے ہوں گے؟"
"کیوں نہیں۔ میرا چھوٹا بیٹا تین سال کا ہے بہت پیاری
باتیں کرتا ہے وہ سب سے زیادہ یاد آتا ہے۔" حاتم غازی نے
جواب دیا۔۔
"کب تک یہ نوکری کرو گے؟"
"بس زیادہ دن نہیں۔ اب میں زیادہ عرصے ان سے
دور نہیں رہ سکتا۔ بہت جلد ان کے درمیان چلا جاؤں گا"
"سردی محسوس کر رہے ہو؟" میں نے اس کی آواز میں
کپکپاہٹ سی محسوس کی تھی۔۔
"قطعی نہیں۔ موسم تو بہت خوشگوار ہے۔"
"مگر تمہاری آواز میں کپکپاہٹ ہے حاتم؟"
"ہاں۔ دل میں ایک احساس جاگ رہا ہے۔" حا
پرخیال انداز میں کہا۔۔۔
"کیا احساس ہے۔ مجھے بتاؤ گے؟"
"آپ کو بتانا ضروری ہے خاتون۔ کیوں کہ یہ احسا
آپ ہی سے متعلق ہے۔" حاتم نے جواب دیا اور میں کسی
حیران رہ گئی۔۔۔
"تو بتاؤ۔۔۔؟"
"آپ نے کھانا کیوں نہیں کھایا؟"
"مجھے خطرہ ہے کہ مجھے کھانے میں بے ہوشی کی دو
جائے گی۔ اس لیے میں نے کھانا چھوڑ دیا ہے۔"
"اور اگر اس کی ذمے داری میں قبول کر لوں تو
خود دیکھ بھال کر آپ کے لیے کھانا لاؤں تو کیا آپ
اعتماد کریں گی۔۔؟"
"نہیں حاتم۔۔" میں نے صاف گوئی سے کہا۔
"لیکن کب تک بھوکی رہیں گی؟"
"کوئی اہم بات نہیں ہے حاتم۔ نہ میں اس مو
زیادہ گفتگو کرنا پسند کروں گی۔" میں نے سرد لہجے
رہ گردن جھکا کر کچھ سوچنے لگا پھر اس نے ایک گ
لے کر کہا۔

"میں کچھ اور بھی سوچ رہا ہوں خاتون۔"
"اس موضوع سے ہٹ کر۔۔؟"
"ہاں خاتون عالیہ۔ میرا دل چاہتا ہے آپ کی مدد کروں،
میں ایک معمولی انسان ہوں۔ جہاز پر میری حیثیت ایک ادنیٰ
ملازم کی ہے لیکن اچھائی کے جذبے پیدا ہونے سے دلوں کی
تخصیص ضروری تو نہیں ہے۔"
"کیا کہنا چاہتے ہو؟" میں نے سرسراتی آواز میں پوچھا
اور حاتم سوچ میں ڈوب گیا۔ پھر اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔
"کل دوپہر کے وقت ہم ایک چھوٹی سی عرب ریاست
کے قریب سے گزریں گے۔ جہاز اس ریاست سے فاصلہ رکھے گا
اور وہاں رکنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے اور رات ہونے تک وہ
زیادہ سے زیادہ بیس سمندری میل دور چلا جائے گا۔ کیا ہم یہ
بیس سمندری میل واپس نہیں آسکتے۔۔۔؟"
"کیا مطلب۔۔۔؟" میں اچھل پڑی۔
"مقصد یہ کہ کیوں نہ جہاز پر سے نکلنے کی کوشش کی جائے
میں آپ کو اور آپ کی ساتھی کو ایک لائف بوٹ میں لے کر واپس
اس ریاست میں پہنچ سکتا ہوں، وہاں سے آپ کے وطن واپس
جانے کا انتظام باآسانی ہو سکتا ہے۔" حاتم نے کہا اور میرے
چہرے پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ میں اس شخص کو گہری نگاہوں سے
دیکھنے لگی۔ امیر الشاط کا یہ ملازم میرے ساتھ یہ سلوک کرنے کو
کیوں تیار ہو گیا تھا۔ چند ساعت میں سوچتی رہی، میرے دل
میں شبہات پیدا ہوتے رہے۔۔ تب میں نے حاتم سے کہا۔
"کیا تمہارا دل مذاق کرنے کو چاہ رہا ہے حاتم؟"
"نہیں۔۔۔" حاتم ٹھوس لہجے میں بولا۔ "دل کم بخت تو کچھ
اور ہی کہہ رہا ہے، مجھے جواب دیں خاتون، کیا آپ میرے اوپر
بھروسہ کریں گی؟" حاتم نے پوچھا اور میں سوچ میں پڑ گئی۔
چند ساعت سوچنے کے بعد میں نے پرخیال لہجے میں کہا۔
"حاتم اگر تم واقعی میری مدد کرنے کے لیے آمادہ ہو اور
رے دل میں میرے لیے انسانی جذبات جاگ اٹھے ہیں تو
ے لیے اس سے بڑی خوش قسمتی کیا ہو سکتی ہے لیکن ایک
ن کان کھول کر سن لو، مگر تمہاری یہ کوشش تمہاری زندگی کے
اگر مستقل خطرہ بن جائے تو میں قطعاً اس کے لیے آمادہ
نہیں ہوں۔۔۔"
"نہیں خاتون۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے آپ نے مجھ سے
باتیں کی تھیں، آپ نے میری بیوی اور بچوں کے بارے

میں پوچھا تھا، میں نے جھوٹ نہیں کہا تھا آپ سے، مجھے میرا
بچہ بہت یاد آتا ہے اور اب میں چاہتا ہوں کہ دنیا سے کنارہ کشی
اختیار کر کے اپنے بیوی اور بچوں کے ساتھ زندگی گزاروں،
اگر اس خیال کی تکمیل کے لیے ابتدا میں ایک نیک کام سے
کروں تو کیا ہی بہتر ہو، خطرات زندگی میں بہت بڑی حیثیت
رکھتے ہیں بلکہ یوں سمجھا جائے کہ خطرات اور زندگی ساتھ ساتھ
چلتے ہیں تو غلط نہ ہو گا۔ میں یہ خطرہ مول لینے کے لیے تیار
ہوں، میں جانتا ہوں کہ میرے چلے جانے سے امیر الشاط پر
کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ البتہ یہ شخص جس کا نام بن عارف ہے
میرا دشمن بن جائے گا۔ ممکن ہے بن عارف اس دشمنی میں
میرے خلاف کچھ کرنے کی کوشش کرے لیکن اپنے وطن میں
میں محفوظ ہوں۔ میرا خاندان بہت بڑا ہے اور میں ایک ایسے
چھوٹے سے دیہات میں رہتا ہوں جہاں عام لوگوں کی رسائی
ممکن نہیں ہے، میں آپ کو آپ کے وطن پہنچا کر واپس اپنے
وطن چلا جاؤں گا اور ممکن ہے میری یہ نیکی میرے کام آجائے۔"
حاتم نے کہا اور میں اس کے لہجے پر غور کرنے لگی۔۔۔ بظاہر
اس لہجے میں کوئی کھوٹ نہیں تھی، اگر دل کی گہرائیوں میں
کوئی کھوٹ ہو تو میں کہہ نہیں سکتی تھی لیکن یہ پیش کش
میرے لیے بڑی دلچسپ اور دلکش تھی۔ میں جانتی تھی کہ حاتم
ان راستوں پر سفر کرتا رہتا ہے۔ وہ جو کچھ کہہ رہا ہے غلط نہ ہو گا
اور پھر اس کی تصدیق تو کل دوپہر بھی ہو سکتی ہے، اگر حاتم کا کہنا
درست ہے تو یقیناً کل دوپہر کے وقت میں بھی اس ریاست کو
دیکھ سکوں گی جس کے قریب سے کل جہاز گزرے گا۔ اگر حاتم سچ
کہہ رہا ہے تو پھر یہ کوشش کر لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔
دیر تک خاموشی کے بعد میں نے گردن اٹھائی اور بولی۔
"اگر تم میرے ساتھ یہ سلوک کرو گے حاتم تو اس کے
جواب میں مجھے تمہارے لیے کیا کرنا ہو گا؟"
"کچھ نہیں خاتون کچھ نہیں۔ جذبے جب سینے میں جاگتے
ہیں تو وہ کسی معاوضے کے طلب گار نہیں ہوتے۔"
"اس کے باوجود حاتم اگر تم میرا یہ کام کر دو تو میں تمہیں
بہت بڑی رقم دوں گی، اتنی بڑی کہ اس کے بعد تم اپنے وطن
میں اپنے بیوی بچوں کے ساتھ باآسانی گزارا کر سکتے ہو۔"
"یہ آپ کی مرضی ہو گی خاتون۔ میں جس درجے سے تعلق
رکھتا ہوں اس میں آسانیاں بہت کم ملتی ہیں اور اگر مجھے یہ
آسانیاں مل جائیں تو ظاہر ہے میں اس سے انکار نہیں کروں گا۔"

"تو پھر یہ بات طے ہے حاتم؟"
"بالکل طے" حاتم نے کہا اور میرے اندر خوشی کی لہریں دوڑ گئیں۔ اتفاقیہ طور پر یہ عجیب و غریب صورت حال پیدا ہو گئی تھی۔ اگر اس سے فائدہ نہ اٹھاتی تو حماقت کرتی چنانچہ میں حاتم سے اس سلسلے میں مزید گفتگو کرنے کے لیے تیار ہو گئی۔
"اگر تمہارا خیال درست ہے اور ہم اپنی کوششوں میں کامیاب ہو گئے حاتم تو اس سلسلے میں تمہارا پروگرام کیا ہو گا؟"
"کچھ نہیں خاتون عالیہ، دوپہر کو ہم اس ریاست کے قریب سے گزریں گے اور اس بات کا تعین کر لیں گے کہ اگر ہمیں وہاں تک واپس آنا پڑے تو کتنا وقت صرف ہو گا۔ میں کل دن میں اپنی کارروائی جاری رکھوں گا جس لائف بوٹ سے ہم سمندر میں اتریں گے اس میں کھانے پینے کی چیزوں کا ذخیرہ کر لیا جائے گا اور اس کے بعد دوسری ضروری چیزیں بھی۔ رات کو اس وقت جب جہاز پر بالکل خاموشی طاری ہو جائے گی ہم لائف بوٹ سمندر میں اتار دیں گے پھر ہم تینوں اس میں اتر جائیں گے۔ میرا خیال ہے یہ کام زیادہ مشکل نہ ہو گا۔ آپ نے بھی اس سفر کے دوران اندازہ لگایا ہو گا کہ جہاز کے خلاصی بہت مطمئن اور پُرسکون سوتے ہیں۔ ان کے درمیان کوئی ایسا احساس نہیں ہوتا جن کی وجہ سے انہیں راتوں کو جاگنا پڑے چنانچہ مجھے یقین ہے کہ اس ماحول میں ہمیں کوئی دیکھ نہیں سکے گا۔"
"ٹھیک ہے حاتم۔ تم اس کارروائی کا آغاز کر دو... میں تیار ہوں۔"
"بہت بہتر، میرا خیال ہے آپ بہت بھیگ چکی ہیں اس لیے آرام کریں۔" حاتم نے کہا۔
"ہاں تم نے ایک ایسی صورت حال پیدا کر دی ہے کہ میں بہت سکون محسوس کر رہی ہوں اور مجھے یقین ہے کہ اب میں آرام سے سو سکوں گی۔" میں نے کہا اور واپس اپنے کیبن کی جانب چل پڑی۔ حاتم نے یہ پیش کش اچانک کی تھی۔ حالات نے مجھے یہ موقع ایک دم ہی عنایت کر دیا تھا۔ میں سوچ رہی تھی کہ کاش اس میں کوئی سازش نہ ہو۔ بہر صورت انسانوں کے بارے میں فیصلہ کرنا بے حد مشکل کام تھا، راحیل بھی تو اسی طرح میری زندگی میں آیا تھا۔ اس کم بخت نے مجھے ان مشکلات میں پھنسا دیا ورنہ نجانے اب تک میں کیا کچھ کر چکی ہوتی بہت سے خیالات تھے میرے ذہن میں... میں انہی خیالوں کو لیے ہوئے اپنے کیبن میں آ گئی اور میرا اندازہ غلط نہ نکلا۔ شمس جاگ رہی تھی اور میری منتظر تھی...
ایک لمحے میں، میں نے فیصلہ کر لیا کہ شمس کو اس بارے میں کچھ نہیں بتاؤں گی۔ حاتم کی پیش کش پر غور کرنا تھا لیکن بہر حال بے چاری شمس کو کچھ نہ کچھ اطمینان دلانا ضروری تھا اس لیے میں مسکرا دی۔
"کیوں بلایا تھا اس نے؟"
"بس شمس یہی استفسار کرنے کے لیے کہ میں نے کھانا پینا کیوں چھوڑ دیا ہے؟" میں نے بالوں سے پانی کے قطرے جھٹکتے ہوئے کہا۔
"کیا جواب دیا تم نے؟"
"یہی کہ میں اب اعتبار نہیں رکھتی۔ اس پر وہ چراغ پا ہو گیا لیکن میں کب پروا کرتی ہوں۔"
"فیصلہ کیا ہوا؟"
"یہی کہ میں کچھ نہیں کھاؤں گی۔"
"لیکن عالیہ... یہ کیسے ممکن ہے؟"
"مشکل بھی نہیں ہے شمس۔ میری درخواست ہے اس سلسلے میں فکر مند نہ ہو۔" میں نے کہا اور شمس اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔ اس نے تولیہ لا کر میرے بال اور چہرہ خشک کرتے ہوئے پوچھا۔
"کیا باہر بارش ہو رہی ہے؟"
"ہاں بڑا حسین موسم ہے سمندر گہری تاریکی میں چھپا ہوا ہے اور آسمان سے ہلکی ہلکی بوندیں برس رہی ہیں۔"
"تم بالکل مطمئن ہو عالیہ؟" شمس نے پوچھا۔
"ہاں۔ میں مطمئن ہوں تم اب آرام کرو۔" میں نے کہا۔ لہجہ ایسا تھا کہ اس کے بعد شمس کوشش کے باوجود کچھ نہیں کہہ سکی اور پھر وہ اپنی مسہری پر چلی گئی۔ میں نے بھی کپڑے بدلے اور بستر پر آ گئی۔ شمس پر میں نے یہی ظاہر کیا جیسے میں سو گئی ہوں لیکن نیند کا دور دور تک پتہ نہیں تھا۔ میں حاتم کی پیش کش اور اس کے نتائج پر غور کر رہی تھی۔ رات کے نہ جانے کون سے پہر نیند آ گئی...
دوسری صبح میں نے ناشتہ نہیں کیا۔ دوپہر کو حاتم کی بات درست ثابت ہو گئی۔ میں اس وقت عرشے پر ہی کھڑی تھی دن کے دو بجے تھے ہمیں دور سے بلند و بالا عمارتیں نظر آنے لگیں۔ کارخانوں اور فیکٹریوں کی چمنیوں سے دھواں بلند

...تھا جہاز اس ریاست کے نزدیک سے گزر رہا تھا کچھ ...رے جہاز بھی نظر آئے جو کھلے سمندر میں لنگر انداز تھے۔
شام کو چار بجے تک یہ جہاز نظر آتے رہے اور اس کے بعد ہم ریاست سے دور ہو گئے۔ جہاز کی رفتار سست تھی ...ات تک سست ہی رہی۔ اس شام بلکہ پورے دن بن عارف ...یں آیا۔ حاتم بھی بہت کم ہی نظر آیا تھا... پھر رات ہو گئی۔ ...ن آج بھی تاریک تھا حالانکہ دن میں دھوپ نکلی رہی ...ور رات کو بھی بارش تیز نہیں ہوئی تھی۔
حاتم کی تیاریوں کے بارے میں مجھے معلوم نہیں تھا۔ ...رات کو نو بجے کے قریب وہ میرے پاس آیا اور پھر اس ...خوشی کے عالم میں کہا۔ "تیاریاں مکمل ہیں۔ ٹھیک بارہ بجے۔"
"ٹھیک ہے۔" میں نے گردن ہلا دی اور حاتم واپس ...۔ شمس عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔
"کیا کہہ رہا تھا وہ؟" اس نے پوچھا اور میں نے سوچا ...شمس کو اس بات سے لاعلم نہیں رکھنا چاہیے۔
"کہہ رہا تھا تیاریاں مکمل ہیں؟" میں نے کسی تمہید کے ...بغیر جواب دیا۔
"کیسی تیاریاں؟"
"ٹھیک بارہ بجے ہم جہاز سے فرار ہو رہے ہیں۔" میں نے ...۔ شمس اچھل پڑی۔ وہ میرے نزدیک آ کر مجھے دیکھنے لگی۔
...ں...
"کیا... یہ حقیقت ہے؟"
"ہاں... حاتم نے تیاریاں مکمل کر لی ہیں۔ یہاں سے ہم ...بوٹ کے ذریعے فرار ہو کر واپس اس ریاست کی طرف جائیں ...ے پیچھے چھوڑ آئے ہیں اور پھر وہاں سے اپنے وطن واپس ...ی کوشش کریں گے۔"
"لیکن حاتم اس کے لیے کیسے تیار ہو گیا؟"
"بس شمس بعض کام خود بخود ہو جاتے ہیں۔ تم ذہنی طور پر ...خطرناک سمندری سفر کے لیے تیار ہو جاؤ۔" میں نے اس ...یں کہا کہ شمس میرا مقصد سمجھ گئی۔ اس نے اندازہ لگا لیا ...اس سلسلے میں تفصیلی گفتگو کے لیے تیار نہیں ہوں۔ ...حقیقت میں یہی چاہتی تھی۔ اس کے بعد ہم دونوں نے ...گفتگو نہیں کی۔ تیاریاں بھی کیا کرنی تھیں بس چند جوڑے ...سمیٹ لیے اور بارہ بجے کا انتظار کرنے لگیں۔ گیارہ بجے ...شمس کے ساتھ عرشے پر آ گئی۔ کوئی روک ٹوک نہیں تھی۔

ملاح اپنے کاموں سے فارغ ہو کر اپنی آرام گاہوں میں جا چکے تھے دور دور تک کسی کا پتہ نہیں تھا۔ میری نگاہیں حاتم کو تلاش کر رہی تھیں...
ساڑھے گیارہ بجے پھر بوندا باندی ہونے لگی۔ ہوا ٹھنڈی ہو گئی تھی۔ حاتم کے دیئے ہوئے وقت میں آدھا گھنٹہ رہ گیا تھا میں نے شمس سے کہا۔ "شمس تم جاؤ اور لباس اٹھا لاؤ لیکن احتیاط سے..." اور شمس نے گردن ہلا دی وہ چلی گئی اور اس کے جانے کے فوراً بعد حاتم میرے پاس پہنچ گیا۔
"آپ تیار ہیں خاتون؟"
"ہاں بالکل۔ میری ساتھی ابھی آ رہی ہے۔"
"لائف بوٹ نمبر چار۔ وہ سامنے موجود ہے۔" اس نے ایک طرف اشارہ کیا اور میں نے گردن گھما دی۔
"ٹھیک ہے۔"
"میں اس مکینزم کی طرف جا رہا ہوں جہاں سے اسے سمندر میں اتارا جا سکتا ہے۔ وہ سامنے تار ہے وہاں اس کے بندھن موجود ہیں۔ آپ اس کے نیچے پہنچ جائیے۔ میں چرخی چلاؤں گا اور جب وہ ڈیک کے نزدیک پہنچے تو آپ بلا تکلف اس میں سوار ہو جائیں۔ میں اسے نیچے پہنچا کر آپ کے پاس آ جاؤں گا۔"
"مناسب۔ کیا وہ لٹکے ہوئے ہمارا وزن سنبھال لے گی؟"
"بالکل بے فکر رہیں۔ وہ بیس انسانوں کا وزن سنبھال سکتی ہے۔" حاتم نے جواب دیا۔
"ٹھیک ہے حاتم شکریہ۔ تم جاؤ۔" میں نے دھڑکتے دل سے کہا اور حاتم تاریکی میں آگے بڑھ گیا۔ میں اسے جاتے ہوئے دیکھ رہی تھی اور سوچ رہی تھی کہ فرار کی یہ کوشش واقعی

اتنی آسانی سے کامیاب ہو جائے گی۔ بہرحال میرے ذہن میں خوف کا احساس ضرور تھا اگر یہ کوشش ناکام ہو گئی تو بیچارہ حاتم مارا جائے گا... اس کے لیے زیادہ خطرہ تھا اور پھر اس کے بعد کے حالات بھی بہرحال اہمیت رکھتے تھے...

لیکن یہ وقت ان ساری باتوں کے سوچنے کا نہیں تھا۔ ہر قدم اٹھایا جا چکا تھا اب اس کی کامیابی کے لیے کوشش اور دعائیں کرنا ضروری تھیں۔ تھوڑی دیر کے بعد شمس آ گئی... اس بے چاری کا برا حال تھا۔ بدن تھر تھر کانپ رہا تھا اور آواز شاید بند ہی ہو گئی تھی۔ میں نے اس کا سر دبا کر بازو پکڑا اور ٹہلنے کے سے انداز میں اس طرف چل پڑی۔ جہاں کے بارے میں حاتم نے کہا تھا... ہم وہاں کھڑی ہو گئیں۔ شمس کا کانپتا ہوا بدن میرے سامنے تھا لیکن میرا دل خود بھی بات کرنے کو نہیں چاہ رہا تھا۔

دفعتاً ہمیں اپنے سروں پر گھڑگھڑاہٹ سنائی دی.. سفید رنگ کی بڑی لائف بوٹ اپنی جگہ چھوڑ رہی تھی۔ ایک مخصوص اینگل پر وہ تھوڑی سی پلٹی اور پھر نیچے اترنے لگی۔ اس کا رخ سمندر کی طرف تھا۔ میں شمس کا ہاتھ پکڑ کر پیچھے ہٹ گئی۔ شمس کی تھرتھراہٹ میں اور اضافہ ہو گیا تھا لیکن میں خاموشی سے نیچے آتی ہوئی لائف بوٹ کو دیکھ رہی تھی۔ پھر جب وہ۔ ریلنگ کے پاس پہنچ گئی تو میں نے شمس کو آگے بڑھایا۔

"چلو۔ لائف بوٹ پر چڑھ جاؤ۔" اور وہ آگے بڑھی...

ریلنگ پر چڑھنے میں میں نے اسے سہارا دیا تھا اور وہ لائف بوٹ میں کپڑوں کی گٹھری سمیت جا پڑی۔ اس کے فوراً بعد میں بھی ریلنگ پر چڑھ کر بوٹ میں کود گئی اور شاید حاتم اوپر سے ہماری نگرانی کر رہا تھا۔ ایک لمحے کی دیر کیے بغیر اس نے لائف بوٹ نیچے اتار دی۔ چند ساعت کے بعد پانی میں چھپاکہ ہوا۔ بوٹ پانی پر آ گئی تھی۔

شمس میرے نیچے دبی ہوئی تھی۔ میں جلدی سے سنبھل کر کھڑی ہو گئی اور اوپر دیکھنے لگی۔ بوٹ چار موٹے تاروں سے منسلک تھی جو لوہے کے مضبوط ہکوں سے اٹکے ہوئے تھے میں نے دیکھا کہ حاتم انہی میں سے ایک تار پر پھسلتا ہوا نیچے آ رہا ہے۔ ریلنگ پر ایک لمحے کے لیے اس نے پاؤں ٹکا کر وزن سنبھالا اور پھر وہاں سے نیچے گہرائی میں پھسل آیا اور دوسرے لمحے وہ بوٹ میں کود پڑا۔ پھر تاروں کے ہک بوٹ کے ہک سے نکالنے میں میں نے بھی حاتم کی مدد کی تھی۔ شمس تو اس قابل بھی نہیں تھی کہ کھڑی ہی ہو سکے...

ہک نکل گئے اور حاتم نے فوراً پتوار سنبھال لیے۔ "آپ کو میری مدد کرنی ہو گی عالیہ خاتون۔ جہاز سے محفوظ نکل جانے کے بعد میں بادبان باندھ دوں گا۔" اس نے کہا اور میں نے گردن ہلا دی.. اس کے بعد میں نے دوسرا پتوار سنبھال لیا۔ حاتم مجھے ہدایات دیتا جا رہا تھا اور کشتی جہاز سے دور ہوتی جا رہی تھی۔ ایک گھنٹے تک ہم شدید مشقت کر کے کشتی کو جہاز کی مخالف سمت دھکیلتے رہے۔ اول تو کشتی مخالف سمت جا رہی تھی اور پھر چونکہ جہاز کا رخ بھی دوسری طرف تھا اس لیے ایک گھنٹے کے اندر اندر ہم اتنی دور نکل آئے کہ جہاز کی روشنیاں نگاہوں سے اوجھل ہو گئیں۔ تب حاتم نے کہا۔

"بس خاتون۔ میں آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے میری پوری پوری مدد کی اور وہ بھی اس شکل میں کہ آپ دو دن کی بھوکی ہیں لیکن آپ کی ساتھی کو کیا ہوا۔ اس کے بدن میں تو جنبش بھی نہیں ہے۔"

میں آہستہ سے ہنسی اور پھر شمس کے قریب پہنچ گئی۔

"کیا تم ہوش میں ہو شمس؟"

"ہاں۔ لیکن میں اٹھ نہیں سکتی۔" شمس کمزور آواز میں

"آپ کو اٹھنا چاہیے خاتون۔ میں بادبان باندھ لوں اس وقت تک یہ کریں کہ لکڑی کے بکس سے بسکٹوں کے ڈبے، اناناس اور کافی کا تھرماس نکال لیں۔ خاتون عالیہ کو کھلانے کے لیے دیں۔ کیا آپ یہ پسند کریں گی کہ خاتون عالیہ نقاہت سے گر پڑیں...؟"

اور میں نے شمس کے بدن میں جیسے برقی رو دوڑتی دیکھی۔ وہ تڑپ کر اٹھ گئی اور اس کی اس محبت نے مجھے متاثر کیا تھا۔ میں اگر چاہتی تو یہ کام خود بھی کر سکتی تھی۔ میں نے اس لیے کوئی مداخلت نہیں کی کہ شمس کا خوف کم ہو جائے...

شمس کے ہاتھ نہایت پھرتی سے چل رہے تھے۔ اس نے بسکٹوں کے ڈبے کھولے۔ نائیلون کے کپ میں کافی اور میرے پاس پہنچ گئی۔ "لو عالیہ... پلیز جلدی کھاؤ۔"

"ارے ارے۔ تم تو ٹھیک ہو گئیں۔" میں نے ہنس کر

"ہاں میں ٹھیک ہو گئی۔" شمس عجیب سے لہجے میں بولی اور میں بسکٹ کھانے لگی۔ اس وقت یہ کافی اور بسکٹ اس قدر لذیذ لگ رہے تھے کہ بیان نہیں کر سکتی۔ دو دن کے بھوکے لوگ ہی میری کیفیت کو بہتر طور سے سمجھ سکتے ہیں۔

ٹین کٹر سے اناناس کا ایک ڈبہ کاٹ رہی تھی...

میری حالت اتنی خراب نہیں تھی جتنی یہ لوگ سمجھ رہے تھے لیکن اس وقت میں نے کوئی فضول تکلف نہیں کیا.. اور ننھی ننھی بوندوں کے نیچے کافی کے چھوٹے چھوٹے گھونٹوں سے لطف اندوز ہونے لگی۔ حاتم بادبان کھڑے کر چکا تھا اور ان کا رخ درست کر رہا تھا۔ لائف بوٹ میں بادبانوں کی گنجائش نہیں تھی لیکن حاتم نے زبردست انتظامات کیے تھے جن کے بارے میں آہستہ آہستہ ہی مجھے معلوم ہوا۔ بادبانوں کے رخ درست ہونے کے بعد کشتی کی رفتار خود بخود تیز ہو گئی۔ حاتم ایک تجربے کار ملاح معلوم ہوتا تھا۔ اس تیز رفتاری سے ہلکی کشتی کو خطرہ بھی پیش آ سکتا تھا۔ اس لیے اس نے ایک چھوٹے بادبان کا رخ ہلکا سا بدل کر ہوا کو کنٹرول کر لیا اور پھر وہ ہمارے پاس آ بیٹھا۔

"خاتون شمس۔ کافی ہمیں بھی ملے گی۔ لایئے یہ ٹین میں کاٹوں۔ آپ کافی نکال لیں۔"

شمس اب کافی حد تک مطمئن ہو گئی تھی اس نے ٹین حاتم کو دے دیا اور خود کافی نکالنے لگی۔ کافی ایک بڑے برتن میں تھی اور خوب گرم تھی۔ شمس نے دو پیالیاں نکال لیں اور تیسری پیالی دوبارہ میرے لیے بھر دی۔ میں نے انکار نہیں کیا تھا۔ ہم سب مطمئن اور مسرور تھے...

بارش ذرا تیز ہو گئی تو حاتم نے اپنی کافی جلدی سے ختم کی اور اٹھ گیا... اس کے انتظامات حیرت انگیز تھے۔ غالباً اس کو پچھلی رات ہلکی بارش ہوئی تھی۔ اس لیے اس نے بارش کو بھی ملحوظ رکھا تھا۔ چند ساعت کے بعد اس نے ایک ترپال بادبانوں پر اس طرح تان دی کہ چھوٹی کشتی کشمیر کی جھیل ڈل کے شکاروں کی شکل اختیار کر گئی۔ ہم لوگ ترپال کے سائبان تلے بارش سے محفوظ ہو گئے۔ میں نے حاتم کو تعریفی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"تمہارے انتظامات قابل داد ہیں حاتم۔"

"شکریہ عالیہ خاتون۔ تقدیر نے بھی میرے ساتھ تعاون کیا۔ انتظامات کے لیے پورا دن مل گیا تھا۔ جو کچھ میری سمجھ میں آیا میں کشتی میں جمع کرتا گیا۔ گو ہمارا ریاست تک واپسی کا سفر موافق ہواؤں کے تعاون سے صبح بھی ختم ہو سکتا ہے لیکن میں نے کم از کم ایک ہفتے کا بندوبست کر لیا ہے۔ ہمارے پاس ایک ہفتے کا راشن وغیرہ موجود ہے۔"

"یہ بادبان بھی تم نے خوب بنائے ہیں۔ جب کہ ان کے لیے کوئی گنجائش نہیں تھی۔ مجھے یقین ہے یہ ہک اس مقصد کے لیے تو نہ ہوں گے؟"

"نہیں عالیہ خاتون لیکن میں نے جائزہ لے لیا تھا کہ بادبان بنائے جا سکتے ہیں اور ان میں کوئی دقت نہیں ہو گی۔"

"خوب۔ لیکن اب یہ سوچو کہ ریاست میں داخل ہو کر ہم کیا کریں گے؟ کیا وہاں ہمیں مشکلات نہیں پیش آئیں گی...؟" میں نے پوچھا۔

"یہاں بھی تقدیر کے تعاون کا انتظار کرنا ہو گا۔ میں کوشش کروں گا کہ رات کی تاریکی میں کسی ساحل سے جا لگوں۔ خواہ اس کے لیے ہمیں کھلے سمندر میں ہی کیوں نہ چکر لگانا پڑیں۔ ساحل پر اترنے کے بعد میرا خیال ہے سارے بندوبست ہو سکتے ہیں۔" حاتم نے جواب دیا۔

"وہ کس طرح؟"

"اس جگہ میرا دوست ابوالخیر رہتا ہے۔ اگر اس سے ملاقات ہو گئی تو پھر کوئی مشکل نہیں رہے گی۔"

"یہ کون ہے؟"

"بس اسمگلروں کی دنیا میں ایک معروف نام ہے۔ اکثر اس کی لانچیں اسمگلنگ کرتی ہیں۔ اسے سارے ہی ٹھکانے معلوم ہیں۔" حاتم نے جواب دیا۔

"کیا وہ تمہاری مدد پر آمادہ ہو جائے گا؟"

"ہاں۔ ہو جائے گا اور اس کی وجہ بھی امیر الشاط ہے۔" حاتم نے جواب دیا۔

"وہ کیسے؟" میں نے پوچھا۔

"ایک مرتبہ اس کی لانچ گشتی پولیس کے چکر میں آ گئی تھی، آٹھ آدمیوں نے سمندر میں کود کر پولیس سے جان بچائی، لانچ سمندر میں ہی تباہ کر دی گئی تھی، وہ پولیس کے ہاتھ نہیں لگے لیکن امیر الشاط کے جہاز میں انہیں پناہ مل گئی تھی، بعد میں سمندری پولیس امیر الشاط کے جہاز پر بھی پہنچی تھی۔ بھلا امیر الشاط کسی سے یہ کہہ دیتا کہ اس کی لانچ پر کوئی منہیں ہے اور اس کی مجال ہوتی کہ وہ جہاز پر آ کر مفرور لوگوں کو تلاش کرنے کی کوشش کرتا۔ انہی میں ابوالخیر تھا اور میں نے امیر الشاط کے جہاز پر ابوالخیر کی خدمت کی تھی، اس کے بعد بھی ایک دو بار اس سے ملاقات ہوئی۔ امیر الشاط نے اس سے کچھ مال منگوایا تھا جسے اس نے امیر الشاط کی رہائش گاہ پر پہنچایا۔ یہاں بھی میرے سپرد ابوالخیر کی خدمت کی گئی اور اس نے کئی بار مجھے اپنے علاقے

ں آنے کی دعوت دی تھی، اگر یہ ساری باتیں نہ ہوتیں محترمہ عالیہ تو میں فرار کے بارے میں نہ سوچتا۔" حاتم نے کہا اور میں کافی حد تک مطمئن ہو گئی۔ ویسے درحقیقت میرے ذہن میں کچھ عجیب سے خیالات تھے۔ حاتم کی کامیابی بڑی اَن نیچرل تھی لیکن میں اس بات کو بھی نظرانداز نہیں کر سکتی تھی کہ اتفاقات بعض اوقات بڑا ساتھ دیتے ہیں اور وہ ہو جاتا ہے جو عام حالات میں ناممکن ہوتا ہے، چنانچہ میں خاموش ہو گئی...

ہمارا سفر بڑے پُرسکون انداز میں جاری رہا، ہوائیں موافق ہی چل رہی تھیں، رات کو سونے کو کسی کا دل نہ چاہا، بارش بھی خاصی تیز ہو گئی تھی اور حاتم کشتی کو اُوپر سے برسنے والے پانی سے بچانے کی کوششوں میں مصروف رہا تھا، حاتم اُس نے بڑے اچھے انتظامات کیے تھے اور یہ انتظامات معمولی بات نہیں تھی... لیکن میں اب مزید کچھ سوچنے کی روادار نہیں تھی جو ہو رہا تھا ہوتے رہنا چاہیے... کہ یہی نوشتۂ تقدیر تھا۔

صبح ہوئی تو ہم نے سورج کو اُبھرتے دیکھا، رات بھر کے سفر کی کوئی تھکن ذہن پر نہیں تھی۔ کشتی کے کھلے ہوئے حصے میں ہم لوگ بیٹھ گئے، لیکن کشتی کے ایک ہی حصے پر وزن نہیں ڈالا جا سکتا تھا اس لیے میرے اور شمس کے درمیان طویل فاصلہ رہا۔ حاتم البتہ اپنی مصروفیات میں لگا رہا تھا۔ تب میں نے حاتم سے کہا... "حاتم اب کچھ دیر آرام کر لو تو بہتر ہے۔"

"نہیں خاتون عالیہ۔ جب آپ دو دن تک بھوکی رہ سکتی ہیں تو کیا میں ایک یا دو راتیں جاگ نہیں سکتا۔" حاتم نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"بے شک تم ایک مضبوط آدمی ہو حاتم۔ میں سونے کے لیے نہیں کہہ رہی..." میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "یوں بھی تمہارا سونا ہمارے حق میں بہتر نہیں ہوگا۔ تم کہہ رہے تھے کہ ممکن ہے صبح کے وقت ہم ریاست کے نزدیک ہوں۔"

"ہاں اس لیے میں لیٹوں گا بھی نہیں، میں وہ آثار تلاش کرنا چاہتا ہوں جو مجھے صحیح سمت کا پتہ دے سکیں..." حاتم نے کہا۔

"او تب تو ٹھیک ہے۔" میں نے کہا اور حاتم نے کشتی کا سائبان سمیٹ دیا۔ بارش اب رُک چکی تھی اور آسمان قطعی صاف تھا۔ نیلے آسمان کی چادر پر بادلوں کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے بکھرے ہوئے تھے۔

میں نے حاتم کو اُن کی طرف متوجہ کیا تو اُس نے بھی ایک سمت اشارہ کر دیا۔

"ادھر دیکھیں عالیہ خاتون۔" اور میں اُس کے اشارے پر دیکھنے لگی۔ میں نے ایک بلند عمارت کا اوپری حصہ دیکھ لیا۔ جو یقیناً اس علاقے کی بلند ترین عمارت ہوگی اور اب دُور سے جہاز بھی نظر آ رہے تھے جو سمندر میں لنگر انداز تھے۔

"حاتم... کیا ان جہازوں پر سے ہمیں دیکھا نہیں جا سکتا؟" میں نے تشویش سے پوچھا۔

"ممکن تو ہے عالیہ خاتون لیکن ہمیں ہوشیاری سے کام لینا ہوگا۔ ہم کشتی کو ساحل سے بہت دُور نہیں رکھیں گے اگر اتنی چھوٹی کشتی کھلے سمندر میں نظر آئے تو تشویش کی بات ہے۔ لوگ اس کی طرف متوجہ ہو جائیں گے لیکن اگر ہم ساحل کے آس پاس رہے تو لوگ یہی سمجھیں گے کہ ہم بوٹنگ کر رہے ہیں۔ ایسے میں آپ نہانے کے لباس میں ہوتیں تو ایک فی صد بھی خطرہ نہ رہتا۔"

"اس کے بغیر ہی کام چلاؤ۔" میں نے مسکرا کر شمس کی طرف دیکھا اور شمس بھی مسکرانے لگی۔ ہم لوگ ایسی پوزیشن میں آ گئے تھے کہ لوگ ہمیں سمندر کی لہروں سے اٹکھیلیاں کرنے والے بے فکرے سمجھیں اور کسی کو شک نہ ہو سکے۔ حاتم نے کشتی کا رُخ بدل دیا اور وہ سمندر کے کنارے کنارے چل پڑی۔ ہم یونہی ایک سمت چلتے رہے۔ پُررونق علاقے پیچھے رہ گئے تھے اور اب درخت اور سبزہ زار نظر آنے لگے تھے۔ پھر اچانک حاتم نے بادبان اُتار کر چپو سنبھال لیے اور کشتی کنارے سے لگا دی۔ سمندر کے کنارے کے بعد درختوں کا سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔ ہم نیچے اُتر آئے۔ ہمارا انداز اب بھی پکنک کا سا تھا۔ ہم چلتے رہے یہاں تک کہ درختوں کے سلسلے کے قریب پہنچ گئے۔ ہم اُن کے درمیان طویل فاصلہ طے کر کے ایک پکی اور شفاف سڑک پر نکل آئے۔

"خلافِ توقع ہمیں کامیابی ہوئی۔ ورنہ رات میں یہ زیادہ پُرخطر اور تکلیف دہ ہوتا۔" حاتم نے کہا۔ "اب ہم وا

طرف سفر کریں گے۔"

"کیوں شمس۔ تمہارا کیا حال ہے؟" میں نے پوچھا۔

"میری نہ پوچھو۔ مجھے تو یوں لگتا ہے جیسے کسی اجنبی دُنیا میں آ گئی ہوں۔ میں اب ساری زندگی چل سکتی ہوں.. بس مجھے آزادی کا یقین ہو جائے۔"

"تو یقین کر لو خاتون۔ ہم مشکلات سے گزر آئے ہیں۔ شہر میں داخل ہونا بے حد مشکل کام تھا لیکن ہم جس انداز میں آئے اُس نے کسی کو ہم پر شک نہیں ہونے دیا۔"

"لیکن اس طرح تو ان ریاستوں میں داخل ہونا بے حد آسان ہے۔"

"آپ کیا سمجھتی ہیں خاتون عالیہ۔ بے شمار لوگ ناجائز طور پر حصولِ روزگار کے لیے ان ریاستوں میں آتے ہیں۔ کبھی وہ حادثات کا شکار ہو جاتے ہیں اور کبھی کامیاب ہو جاتے ہیں۔"

ہم سڑک پر آگے بڑھتے رہے۔ "پہلے کبھی یہاں آئے ہو حاتم؟" میں نے پوچھا۔

"دو تین بار..." حاتم نے جواب دیا۔ "آخری بار کئی سال قبل آیا تھا۔ کافی تبدیلیاں ہوئی ہیں۔ ممکن ہے اس طرف بھی آبادی ہو گئی ہو یہ شہر کا مشرقی حصہ ہے۔"

تھوڑی دُور اور چلے تو عمارتیں نظر آنے لگیں۔ فیکٹریاں وغیرہ تھیں جن کی چمنیوں سے دُھواں نکل رہا تھا اور پھر ایک جگہ ٹورسٹ ان کا بہت بڑا بورڈ نظر آیا اور حاتم نے میری طرف دیکھا۔ "کسی ہوٹل کے بجائے کیوں نہ اس طرف کا رُخ کیا جائے میرا خیال ہے یہ ہوٹل سے محفوظ جگہ ہے۔"

"مناسب۔ آؤ دیکھ لیں۔"

"ہمارا تعلق کہاں سے ہے؟" حاتم نے پوچھا۔

"کسی بھی جگہ سے کہہ دیں گے۔ مثلاً انڈیا سے۔"

"میں تو مقامی ہوں۔ آپ لوگوں کا گائیڈ میں آپ کو یہاں کا سیر کرا رہا ہوں۔" حاتم نے کہا۔

"تم مقامی زبان بول لیتے ہو؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں۔ میری تو زبان یہی ہے۔" حاتم نے جواب دیا۔

ٹورسٹ ان مقامی بڑی اور کشادہ عمارت تھی۔ اس کا مالک انڈونیشیا کا ایک مسلمان باشندہ تھا جو مقامی لوگوں کے اشتراک سے یہ سرائے چلا رہا تھا۔ یہاں اُس نے اچھے ہوٹلوں کی سی سہولتیں فراہم کر رکھی تھیں لیکن شاید لوگ یہاں زیادہ قیام پسند نہیں کرتے تھے... اس لیے کچھ بے رونقی سی تھی۔ اُس نے ہمیں دو کمرے فراہم کر دیے اور حاتم نے ادائیگی کر دی۔ ایک کمرے میں دو بستر تھے۔ دُوسرا کمرہ حاتم نے اپنے لیے مخصوص کر لیا۔ سرائے کے ملازم نے ہمیں عمدہ کافی اور سینڈوچ پیش کیے اس کے بعد حاتم بولا۔ "اب میری رائے ہے کہ خوب دل کھول کر آرام کیا جائے تاکہ کشتی کے سفر کی تھکن دُور ہو جائے اس کے بعد میں اپنے کام کے سلسلے میں نکل جاؤں گا اور آپ لوگوں کو یہیں قیام کرنا ہوگا..."

"ٹھیک ہے حاتم تم آرام کرو لیکن یہ بتاؤ تمہارے پاس کرنسی کتنی ہے؟"

"کافی رقم ہے عالیہ خاتون۔ چونکہ آپ نے اس بارے میں کچھ نہیں پوچھا اس لیے میں نے بھی نہیں بتایا۔ مجھے اندازہ تھا کہ رقم کی ضرورت پیش آئے گی اس لیے میں نے بن عارف کے لباس سے اچھی خاصی رقم چرا لی تھی۔" حاتم نے کہا۔ اور ہنس پڑا۔ میں نے گردن ہلا دی لیکن نہ جانے کیوں حاتم کی یہ بات اور یہ لہجہ مجھے چبھنے لگا۔ اس کے جانے کے بعد بھی دیر تک میں خیالات میں ڈوبی رہی۔ میرا ذہن مختلف خیالات کی آماجگاہ بنا ہوا تھا اور شمس نہ جانے کب سے میرا منہ تک رہی تھی۔ مجھے اس کا خیال آیا اور میں چونک پڑی۔ اُس سے نگاہیں ملیں تو میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔

"میں تمہیں ڈسٹرب نہیں کروں گی جو سوچ رہی ہو سوچتی رہو۔" شمس بھی مسکرا کر بولی۔

"اوہ۔ ناراض ہو گئیں شمس۔" میں نے پیار بھرے انداز میں کہا۔

"خدا کی قسم بالکل نہیں۔ میں جانتی ہوں تمہارا ذہن بے حد قیمتی ہے جو سوچتی ہو اور کرتی ہو بے مثال ہوتا ہے۔ میں نے کسی عورت کے ذہن کی یہ تیز رفتاری کبھی نہیں دیکھی۔ مجھے یقین ہے کہ اس وقت بھی تم کوئی خاص بات ہی سوچ رہی ہوگی۔" شمس نے کہا۔

"ایک ضرب المثل ہے شمس کہ دُودھ کا جلا چھاچھ بھی پھونک پھونک کر پیتا ہے۔ یہی کیفیت میری ہے۔ راحیل نے جو کچھ کہا اب میں اُس کا اعادہ نہیں چاہتی۔ بے چارے حاتم نے ہمارے لیے بڑی محنت کی ہے لیکن اس کے باوجود میرا ذہن پوری طرح مطمئن نہیں ہے... بعض جگہوں پر مصنوعیت کا احساس ہونے لگتا ہے۔ مثلاً ابھی اُس نے کرنسی کی بات بتائی۔ اُسے یہ ساری کامیابیاں کس طرح حاصل

ہوگئیں؟ وہ ہمارا اتنا بڑا ہمدرد کیسے بن گیا اس دَور میں بہت سی باتیں صرف تصور کی حد تک رہ گئی ہیں اس لیے یقین نہیں آتا۔

"یہ تو تم نے درست کہا عالیہ۔۔۔ لیکن حاتم کے ذہن میں کیا ہو سکتا ہے؟"

"خدا ہی جانے۔ ابھی تک تو ہمیں کوئی کھوٹ نظر نہ آیا۔ آنے والے وقت کے بارے میں کچھ کہا نہیں جا سکتا۔" میں نے گہری سانس لے کر کہا اور شمس خاموش ہو گئی۔ میرا ذہن بھی خیالات میں ڈوب گیا۔ ایک لمحے کے لیے میرے دل میں خیال آیا کہ یہاں سے اب میں حاتم کا ساتھ چھوڑ دوں اور شمس کو ساتھ لے کر کہیں رُوپوش ہو جاؤں پھر خفیہ طور پر اپنے ساتھیوں سے رابطہ قائم کر کے یہاں سے نکلوں لیکن دل اس کی بھی گواہی نہیں دیتا تھا۔ حاتم نے اب تک جس خلوص کا مظاہرہ کیا تھا اُس کی یہ تضحیک بھی مناسب نہیں تھی۔۔۔ بہر حال اُس نے ہمارے لیے محنت کی تھی اور میں نے اُسے اس محنت کا صلہ دینے کا وعدہ بھی کیا تھا۔ میں کوئی فیصلہ نہ کر سکی۔ تھکن غالب تھی اس لیے شمس سو گئی۔ میں نے بھی کچھ دیر آرام کر لینا مناسب سمجھا۔ پھر رات کو آنکھ کھلی تھی۔ ہم نے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھایا۔ حاتم نے کہا کہ کھانے کے بعد وہ ابوالخیر کی تلاش میں نکل جائے گا اور واپسی کے وقت کا تعین مشکل ہے۔ اُس نے چند نوٹ نکال کر مجھے دے دیے تھے "آپ یہ رکھ لیں عالیہ خاتون۔ ممکن ہے ضرورت پیش آ جائے۔"

"شکریہ حاتم۔ تمہارا یہ قرض مع سود واپس ہو جائے گا۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور حاتم چلا گیا۔

شمس نے میری طرف دیکھا اور بولی "کیا خیال ہے عالیہ کہیں سیر کو چلیں؟"

میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"مناسب نہیں ہے شمس۔ میں ابھی غیر یقینی حالات کا شکار ہوں اور اس جگہ کے بارے میں کچھ نہیں جانتی۔ تم یہ بات بھی جانتی ہو کہ ان سارے واقعات کے علاوہ میرے دشمنوں کا ایک اور گروہ بھی ہے جو مجھے اس بات کی سزا دینا چاہتا ہے کہ میں نے امینہ کے قتل کی تفتیش کا آغاز کیوں کیا۔ مجھے اس گروہ سے بھی خطرہ ہے۔ ماضی میں جو حماقتیں مجھ سے ہوئی ہیں ان کا ازالہ کرنا چاہتی ہوں۔"

"اوہ ٹھیک ہے۔ میں اپنا خیال واپس لیتی ہوں لیکن ماضی کی حماقتوں کے ازالے والی بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔"

"بس شمس۔ میں نے جن راستوں پر قدم رکھا ہے اس کے لیے بھرپور انتظامات نہیں کیے تھے جن کی وجہ سے مجھے ان پریشانیوں سے دوچار ہونا پڑا لیکن اب۔۔۔" میں پُرخیال انداز میں بولی "اب ایسا نہیں ہوگا شمس۔ آنے والے لمحات میرے دشمنوں کے لیے زیادہ تکلیف دہ ہوں گے۔"

شمس خاموشی سے میری شکل دیکھتی رہی اور کافی دیر گزر گئی۔ پھر میں نے گہری سانس لے کر کہا "بہر حال تم اپنے ذہن پر زور مت دو شمس، ان حالات سے نمٹنے کے لیے اب میں کافی ہوں۔ ہاں ہمیں کچھ احتیاط ضروری کرنی ہوگی۔"

"مجھے بھی ہدایات دو۔"

"اگر حاتم لانچ کا بندوبست کر کے جیسا کہ وہ مجھ سے کہہ چکا ہے، ہمیں لے جانے کی کوشش کرتا ہے تو ہمیں لانچ پر سخت محتاط رہنا ہوگا۔ خاص طور سے کھانے پینے کے سلسلے میں لیکن حاتم کو اس کا احساس بھی نہ ہونے دیا جائے۔"

"ٹھیک ہے۔ ہم ایسا ہی رویہ رکھیں گے۔"

"باقی باتیں تم مجھ پر چھوڑ دو۔" میں نے کہا اور شمس نے گردن ہلا دی۔۔۔

حاتم رات گئے تک واپس نہیں آیا تھا یہاں تک کہ ہم نے اس کا انتظار ترک کر دیا۔ صبح کو وہ اپنے کمرے میں موجود تھا۔ ناشتے پر اُس نے بتایا کہ وہ رات کو تین بجے واپس آیا تھا اور اُس وقت اُس نے ہمیں جگانا مناسب نہیں سمجھا۔

"ابوالخیر سے ملاقات ہوئی یا نہیں؟" میں نے پوچھا۔

"ہو گئی۔۔۔ تقدیر ہمارا ساتھ دے رہی ہے۔ آج ہی رات ایک لانچ آپ کے ملک روانہ ہو رہی ہے خاتون عالیہ اُس نے تین افراد کے لیے تیس ہزار روپے طلب کیے ہیں کہہ رہا تھا آج کل بہت سختی ہے حکام کو بھی رقم دینی پڑے

"اوہ۔۔۔ پھر؟"

"میرے پاس اتنی رقم نہیں تھی لیکن مجھے اس کے لیے تھوڑا سا جھوٹ بولنا پڑا۔ میں نے یہ رقم امیر الشاط کے حساب میں لکھوا دی۔ میں نے اس گدھے کو یہی بتایا کہ یہ امیر کا کام جس پر وہ بخوشی تیار ہو گیا۔"

"خیر اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ تمہیں واپس امیر کے پاس تو نہیں جانا ہے؟"

"میں نے بھی یہی سوچا تھا اسی لیے میں نے اُس کا حو بھی دے دیا۔ رات کو ہمیں گرین ہاربر پہنچنا ہے۔ نو بجے لانچ

روانہ ہو جائے گی۔" حاتم نے اطلاع دی۔

رات کو آٹھ بجے ہم ٹورسٹ اِن سے نکل آئے۔ ٹورسٹ اِن کے مالک نے تھوڑی سی رقم کے عوض ہمیں گرین ہاربر پہنچانے کا بندوبست کر دیا اور ایک خوبصورت کار میں بیٹھ کر ہم سمندر کے ایک ویران کنارے پر پہنچ گئے جہاں گہرے پانی میں ایک بہت بڑی لانچ ڈولتی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ کنارے پر ایک چھوٹی کشتی موجود تھی جو ہمیں لے کر لانچ کی طرف چل پڑی اور تھوڑی دیر کے بعد ہم لانچ پر پہنچ گئے۔ لانچ کے مالک ابوالخیر نے ہمیں لانچ پر خوش آمدید کہا اور مسکراتا ہوا بولا "امیر الشاط کے مہمان میرے مہمان ہیں۔ مجھے خوشی ہے کہ میں اُس کے کسی ذاتی کام کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔" ہم نے اُس کا شکریہ ادا کیا اور اُس نے ہمیں ایک کیبن میں پہنچا دیا جہاں آرام کا بندوبست تھا۔

"امیر الشاط کے نام نے یہ کام کیا ہے۔ ورنہ یہ کارگو لانچ ہے اور اس پر بس دو تین ہی کیبن ہیں جو خاص لوگوں کے لیے مخصوص ہیں۔" حاتم نے بتایا۔

"کیا یہ لانچ غیر قانونی طور پر سفر کرتی ہے؟"

"نہیں۔ سو فیصد قانونی ہے لیکن ان راستوں پر چلنے والی لانچیں عموماً غیر قانونی کام بھی کر لیتی ہیں۔" حاتم نے جواب دیا اور ہم خاموش ہو گئے۔ ایک بار پھر سمندری سفر شروع ہو گیا۔ حاتم تھوڑی دیر کے بعد باہر چلا گیا تھا اور ہم دونوں آرام کرنے لگیں۔۔۔

لانچ کے تین روزہ سفر میں کوئی خاص واقعہ نہیں پیش آیا۔ حالانکہ ہم لوگوں نے سخت احتیاط برتی تھی۔ دن میں عموماً آرام کرتے تھے اور رات کو جاگتے تھے۔ رات کو نیند آتی تو باری باری سوتے۔ اس کے علاوہ کھانے پینے کے سلسلے میں بھی سخت احتیاط کی۔ بہانہ یہ کیا تھا کہ ہماری طبیعتیں خراب ہیں لیکن حاتم کو ہم نے بدگمانی کا شبہ نہیں ہونے دیا تھا۔ بالآخر لانچ میرے وطن پہنچ گئی۔ ایک ویران ساحل پر کچھ دیر کے لیے لانچ روک کر ہمیں کشتی کے ذریعے اُتار دیا گیا۔ اس وقت شام کے تقریباً چار بجے تھے۔ ساحل دُور دُور تک سنسان تھا۔ میں پورے وثوق سے یہ بھی نہیں کہہ سکتی تھی کہ یہ میرا وطن ہی ہے کیوں کہ اپنے شہر کے ایسے علاقے میرے دیکھے بھالے نہیں تھے بہر حال لانچ والوں کو اس بات سے کیا دلچسپی ہو سکتی تھی۔

"اب آپ رہنمائی کریں گی خاتون عالیہ۔" حاتم نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ابھی مزید کچھ دقتیں اُٹھانی ہوں گی۔ میں نہیں کہہ سکتی یہ کون سی جگہ ہے۔" میں نے جواب دیا۔

ہم لوگ چلتے رہے اور شام جھکتی چلی آئی۔ پھر ہمیں دُور سے کسی عمارت کے آثار نظر آئے اور میں اُسے غور سے دیکھنے لگی چند ساعت کے بعد میں خوشی سے اُچھل پڑی۔ میں اس عمارت کو پہچان گئی تھی۔ جہاز شکنی کی بہت بڑی صنعت کی عمارت تھی اور لوگ اسے تفریحی ساحل کے طور پر بھی استعمال کرتے تھے۔ اس عمارت کو پہچان کر مجھے جس قدر خوشی ہوئی تھی۔۔۔ میں بیان نہیں کر سکتی۔ حاتم بھی اس عمارت کو دیکھ رہا تھا۔ بہر حال اب میرے دل سے اس شخص کے بارے میں شک و شبہات نکل گئے تھے۔ اس کا مقصد ہے کہ اس پر شبہ بے مقصد تھا۔

"کیا آپ اس عمارت سے واقف ہیں خاتون۔۔؟" حاتم نے پوچھا۔

"ہاں حاتم۔ یہاں سے ہمیں شہر جانے کے لیے کوئی نہ کوئی سواری مل ہی جائے گی۔" میں نے کہا۔

"لیکن کیا یہ لوگ ہم پر شک نہیں کریں گے؟"

"میں بات کر لوں گی۔۔۔ تم فکر مت کرو۔" میں نے کہا اور ہم تیز رفتاری سے عمارت کی طرف چل پڑے۔ مجھے معلوم تھا کہ اس ساحل پر بہت کم لوگ آتے ہیں اس لیے ساحل کو سنسان دیکھ کر تعجب نہیں ہوا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم عمارت کے نزدیک پہنچ گئے۔ یہاں بہت سی گاڑیاں کھڑی ہوئی تھیں۔ بڑے گیٹ پر چوکیدار نے سوالیہ نگاہوں سے مجھے دیکھا اور میں ریسپشن پر پہنچ گئی۔ ریسپشنسٹ ایک درمیانی عمر کا آدمی تھا۔ اُس نے کسی قدر تعجب سے مجھے دیکھا۔ "کیا اس وقت آپ سیر کرنا چاہتی ہیں؛ چار بجے کے بعد ہم اس کی اجازت نہیں دیتے۔"

"نہیں جناب۔ ہم ایک اور مصیبت کا شکار ہو گئے ہیں۔ ہم ساحل پر سیر کرنے آئے تھے۔ کوئی ستم ظریف ہماری کار چرا کر لے گیا۔" میں نے پریشان لہجے میں کہا۔

"ارے۔ کہاں کھڑی کی تھی آپ نے؟" وہ افسوس بھرے لہجے میں بولا۔

"بس جہاں دوسری گاڑیاں کھڑی ہوئی تھیں لیکن۔۔" میں نے لہجے سے پریشانی کا اظہار کیا۔ وہ بہت متاثر ہو گیا۔

"آپ پولیس میں رپورٹ درج کرا دیں۔ کیا کیا جائے

معاشرہ ہی بگڑ گیا ہے۔"

"لیکن یہاں سے جانے کا کیا بندوبست کیا جائے۔ کیا آپ ہماری مدد کر سکتے ہیں؟" میں نے عاجزی سے کہا۔

"ہاں ہاں کیوں نہیں۔ کتنے افراد ہیں آپ کے ساتھ؟" اُس نے پوچھا۔

"تین ہیں۔" میں نے جواب دیا۔

"بلائیں آپ اُن دونوں کو بھی۔ ابھی ایک کمپنی کی وین جانے والی ہے میں اُس وین میں آپ کو بھجوا دوں گا۔" اُس نے کہا اور خود کرسی سے اُٹھ کر باہر آیا۔ اُس نے چوکیدار کو آواز دے کر کہا کہ باہر کھڑے دونوں افراد کو بھی اندر بھیج دے اور چند ساعت کے بعد شمس اور حاتم بھی کمرے میں آ گئے۔ "آپ لوگ تشریف رکھیے میں ابھی ڈرائیور سے بات کیے لیتا ہوں۔۔۔" ریسپشنسٹ باہر نکل گیا۔ میں اس شریف آدمی کی دل میں بے حد شکر گزار تھی جس نے ہماری پذیرائی کی تھی۔

تھوڑی دیر بعد وہ واپس آ گیا۔ اُس کے پیچھے ایک آدمی چائے کی پیالیاں وغیرہ اُٹھائے ہوئے تھا۔ اُس نے واپس آ کر کہا۔ "بس وین دس منٹ میں جائے گی۔ آپ لوگ اس وقت تک چائے پئیں۔"

"ارے یہ تکلیف کیوں کی آپ نے؟" میں نے انکسار سے کہا۔

"کوئی بات نہیں ہے آپ لوگ ویسے ہی پریشان ہیں مجھے افسوس ہے۔" ریسپشنسٹ نے کہا۔ ہم نے چائے پی تھوڑی دیر کے بعد سفید رنگ کی ایک وین آ کر رُک گئی۔ اس میں چار آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ ہم لوگ بھی اس وین میں سوار ہو گئے اور وین چل پڑی۔ چلتے وقت میں نے اس شریف النفس آدمی کا شکریہ ادا کیا۔ اب میرے دل پر ایک عجیب سی کیفیت طاری ہو گئی مجھے اب جا کر یقین آیا کہ میں ان مشکلات سے نکل آئی ہوں لیکن یہ مشکلات میری زندگی کا ایک انوکھا تجربہ تھیں اور اس تجربے نے مجھے بہت کچھ دیا تھا۔ بہت کچھ۔

کمپنی کی وین آبادی کے پہلے حصے میں داخل ہوئی تو میں نے ڈرائیور سے درخواست کی کہ وہ ہمیں یہاں اُتار دے۔ "اگر آپ آگے جانا چاہیں بی بی تو میں اُتار دوں گا۔ آپ پریشان نہ ہوں۔" ڈرائیور نے کہا۔

"نہیں بس یہاں ٹھیک ہے۔ مجھے اپنی کار کی چوری کی رپورٹ بھی درج کرانی ہے۔" میں نے کہا اور ڈرائیور نے وین روک دی۔ یہاں سے میں نے ایک ٹیکسی لی اور اُس میں بیٹھ کر چل پڑی۔ ڈرائیور کو میں نے اپنے فلیٹ کا پتہ بتا دیا تھا اور تھوڑی دیر کے بعد ٹیکسی نے ہمیں فلیٹ پر اُتار دیا۔

"میں پیسے بھجواتی ہوں۔ یا تم ہی میرے ساتھ آ جاؤ۔ تمہیں تکلیف تو ہو گی؟" میں نے ڈرائیور سے کہا اور اُس نے یہ تکلیف گوارا کر لی۔ بجائے اس دوسری تکلیف کے جو اس قسم کے پسنجروں کے غائب ہو جانے سے ہوتی ہے۔ ڈرائیور کو ساتھ لیے ہوئے میں فلیٹ پر پہنچی۔ مجھے یقین تھا کہ مس میری اس دوسرے فلیٹ سے واپس آ گئی ہو گی۔ میں نے اسے ہدایت کر دی تھی دستک دینے پر دروازہ کھل گیا۔

مس میری بہت کمزور ہو گئی تھی۔ اُس نے مجھے دیکھا اور اُس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ ممکن تھا کہ وہ کوئی۔۔ جذباتی حرکت کرتی لیکن میرے ساتھ دوسرے لوگوں کو دیکھ کر اُس نے خود کو سنبھال لیا۔۔ "مس میری آپ ان صاحب کو بیس روپے دے دیں۔" میں نے اُسے ہدایت کی اور پھر پیار سے شمس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے بولی۔ "آؤ شمس۔ اپنے اس چھوٹے سے گھر میں تمہیں نئی زندگی کے آغاز کی مبارک باد دیتی ہوں۔۔۔"

پھر باہر آ کر میں نے مس میری کو لپٹا لیا اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ "نہیں مس میری خود کو سنبھالو۔ میں آ گئی ہوں۔ تمہاری طبیعت کیسی ہے؟"

"ٹھیک ہوں بالکل۔ اب ٹھیک ہوں۔ مگر تم نے اتنے دن کے لیے تو نہیں کہا تھا۔" مس میری نے کہا۔

"بس ذرا زیادہ دن لگ گئے معذرت خواہ ہوں۔۔ اطمینان سے باتیں ہوں گی۔ مہمانوں کے لیے ناشتے کا بندوبست کرو۔ رات کا کھانا بھی یہ لوگ یہیں کھائیں گے۔"

"ابھی کرتی ہوں۔" مس میری نے جواب دیا اور میں واپس ڈرائینگ روم میں آ گئی۔ حاتم اور شمس خاموش بیٹھے تھے۔ "حاتم تم اگر چاہو تو ساتھ کے کمرے میں غسل وغیرہ کر لو۔ مجھے یقین ہے کہ میرے گھر میں تم کسی قسم کا تکلف نہیں کرو گے۔"

"میں آپ کی خوش قسمتی پر رشک کر رہا ہوں خاتون عالیہ۔ بڑے خطرناک ماحول سے نکل آئی ہیں آپ۔ ایسی جگہ سے جہاں سے نکلنا ناممکنات میں شمار ہوتا ہے۔ اب میرے لیے دعا کریں کہ میں بھی بحفاظت اپنے بیوی بچوں کے درمیان پہنچ جاؤں۔ میرا بھی دل بہت چاہ رہا ہے۔"

"خدا تمہیں کامیاب کرے۔ ہاں واپسی کے لیے تمہارا کیا پروگرام رہے گا؟" میں نے پوچھا۔

"کل دوپہر کو لانچ پر پہنچ جاؤں گا۔ میری اُن لوگوں سے گفتگو ہو چکی ہے۔ اُس کی لانچ کل شام کو واپس جائے گی۔ اُس نے وعدہ کر لیا ہے کہ وہ مجھے بحفاظت پہنچا دے گا۔"

"تمہاری مرضی ہے۔ اگر تم لانچ سے واپس نہ جانا چاہو تو میں یہاں سے تمہارے لیے مکمل بندوبست کر دوں گی۔۔ پاسپورٹ سے لے کر ہوائی سفر تک۔ تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہو گی۔۔" میں نے پیش کش کی۔

"نہیں خاتون۔ اگر اس کی ضرورت ہوتی تو آپ کو ہی تکلیف دیتا لیکن میں اس سے بات کر چکا ہوں۔ مجھے اسی میں آسانی ہو گی۔" حاتم نے کہا اور میں نے شانے ہلا دیے۔

تھوڑی دیر کے بعد مس میری نے شاندار چائے کا بندوبست کر دیا اور ہمیں اطلاع دی۔ میں ان دونوں کو ساتھ لے کر ڈائننگ روم میں پہنچ گئی اور ہم نے اچھی طرح ناشتہ کیا۔ حاتم نے کہا کہ وہ اب صرف آرام کرے گا۔ اس لیے ہم نے اسے اس کی خواب گاہ بتا دی اور شمس کو لے کر میں اپنی خواب گاہ میں آ گئی۔ مس میری کو بُلا کر میں نے کہا کہ کوئی فون یا مُلاقاتی آئے تو اُسے میری آمد کی اطلاع نہ دی جائے۔ پھر میں شمس کی طرف متوجہ ہوئی۔

"جی محترمہ۔ اب میں آپ کے تاثرات جاننے کی خواہش مند ہوں۔" میں نے اُسے مسہری پر اپنے نزدیک لٹاتے ہوئے کہا۔

"یوں سمجھو عالیہ میری کیفیت ایک ایسے شخص کی ہے جو دھوپ سے تپتے ہوئے صحرا کی بھول بھلیوں میں پھنس گیا ہو۔ پیاس کی شدت اُسے زندگی سے دُور کیے دے رہی ہو اور باوجود کوشش کے اس صحرا سے نکلنے کی ہر اُمید ختم ہو چکی ہو۔ اُس نے تپتی ہوئی ریت کو اپنا مقدر سمجھ کر قبول کر لیا ہو اور جب بھی اُسے سرد نخلستانوں کا خیال آتا ہو۔۔۔ وہ تڑپ کر رہ جاتا ہو۔ پھر ایک صبح اُس کی کسی نخلستان میں آنکھ کھلے اور وہ اس صبح کو اپنی زندگی کی آخری صبح بنا لینا چاہتا ہو۔ میرا ذہن ابھی تک گم ہے عالیہ۔ یہ احساس ختم کرنے میں بڑی دقت ہو گی کہ میں مصائب کے اس دور سے نکل آئی ہوں۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔"

"بس یہ احساس ختم کر دو شمس۔ تم یقین کرو کہ تم میری زندگی میں میری پہلی رازدار ہو۔ میں نے تمہیں اپنی شخصیت کا آدھا حصہ دے دیا ہے۔ اگر ممکن ہو سکے تو بقیہ زندگی میرے ساتھ گزارنے کا فیصلہ کر لو۔"

"عالیہ۔۔۔" شمس نے معصوم بچوں کی طرح میرے سینے میں مُنہ چھپاتے ہوئے کہا۔

"حاتم کو میں پچاس ہزار روپے دوں گی۔ اُس شخص نے واقعی ہمارے لیے بہت کچھ کیا ہے۔"

رات کے کھانے پر حاتم بہت خوش تھا۔ اُس نے فرمائش کی کہ اُسے رات کو شہر کی سیر کرائی جائے۔ دن کی روشنی میں وہ نہیں نکلنا چاہتا تھا۔ ہم نے پروگرام بنا لیا۔ میں نے اپنا ایک خوبصورت لباس شمس کے لیے منتخب کیا اور خود بھی دوسرے کپڑے پہن لیے لیکن جب میں نے گیراج میں جا کر کار اسٹارٹ کرنے کی کوشش کی تو اُس نے اسٹارٹ ہونے سے انکار کر دیا۔ کھڑے کھڑے بیٹری ڈاؤن ہو گئی تھی چنانچہ ٹیکسی استعمال کرنے کا فیصلہ کر لیا۔۔۔ میں اگر چاہتی تو نازش کو فون کر کے کار منگا سکتی تھی لیکن دو ایک روز تک میں کسی سے نہیں ملنا چاہتی تھی۔

ٹیکسی شہر کی پُررونق سڑکوں پر سفر کرتی رہی۔ میں نے کچھ دُکانوں پر رُک کر حاتم کے لیے بیش قیمت تحائف خریدے۔ مس میری کے پاس کافی رقم پڑی تھی جو میں نے اُس سے لے لی تھی۔ حاتم منع کرتا رہا۔۔ لیکن میں نے اس کے لیے تقریباً دس ہزار روپے کی خریداری کی۔ رات کو ایک بجے کے قریب ہم واپس آئے۔ میں نے حاتم کے لیے خریدے ہوئے تحائف شمس کی مدد سے پیک کیے پھر ہم آرام کرنے لیٹ گئے۔۔۔

رات کو پونے چار بجے تک میں اور شمس دُنیا جہان کی باتیں کرتی رہیں اور پھر سو گئیں۔ دُوسری صبح خوب دیر سے جاگی تھیں۔ میں نے مس میری کو بُلا کر حاتم کے بارے میں پوچھا تو پتہ چلا کہ وہ صبح آٹھ بجے ہی جاگ گیا تھا۔ مجھے افسوس ہوا کہ اُس بے چارے نے ہماری وجہ سے ناشتہ نہیں کیا ہو گا لیکن مس میری نے بتایا کہ وہ ناشتہ کر چکا ہے۔

وقت بہت ہو گیا تھا اور مجھے ایک کام کرنا تھا۔۔۔ چنانچہ میں نے اُن دونوں سے تھوڑی دیر کے لیے معذرت کی پچاس ہزار روپے کا ایک چیک کاٹا اور ٹیکسی کر کے چل پڑی۔ بینک پہنچ کر میں نے چیک کیش کرایا اور پھر مینیجر سے مل کر اس رقم کو ڈالر میں تبدیل کرا لیا۔ پھر واپس آ گئی۔

دوپہر کو ہم حاتم کو رخصت کرنے چل پڑے اور میں نے اُسے نفس ہار بر پہنچا دیا۔ حاتم نے ابوالخیر کی لاپٹ دیکھ لی تھی۔ تب اُس نے ہم سے اجازت چاہتے ہوئے کہا: "میں آپ لوگوں کو زندگی بھر یاد رکھوں گا۔ میرے لیے بھی دُعا کریں کہ میں اب اپنے بچوں کے ساتھ ایک پُرسکون زندگی گزار دوں۔"

"یہ حقیر سا نذرانہ قبول کرو حاتم غازی۔ ہم لوگ ہمیشہ تمہارے شکر گزار رہیں گے۔" میں نے ڈالر کا بیگ حاتم کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا اور وہ چونک پڑا: "یہ کیا ہے خاتون؟"

"ایک معمولی سی رقم ہے جو تمہارے احسان کے عوض کچھ نہیں ہے۔"

"نہیں نہیں میں یہ نہیں لوں گا۔ خدارا مجھے اس کے لیے مجبور نہ کریں۔"

"نہیں حاتم یہ تمہیں ایک اچھی زندگی کی ابتدا میں مدد دے گی۔" میں نے اصرار کیا۔

"نہیں خاتون عالیہ۔ میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہو جائے گا۔ اگر میں نے یہ رقم لے لی تو میرا ضمیر مجھے کبھی سکون نہ لینے دے گا۔ میں نے اس راز کو بمشکل راز رکھا ہے۔ مجھے اس کے افشا پر مجبور نہ کریں۔ میں اس راز کو راز رکھنے کا وعدہ کر چکا ہوں۔"

"راز...؟" میں حیران رہ گئی۔ "کیا تمہارے سینے میں کوئی راز بھی ہے؟"

"ہاں خاتون عالیہ۔ میں یہ رقم قبول نہیں کروں گا۔ آپ یہ واپس لے لیں ورنہ یہ میرے ضمیر پر بوجھ رہے گی۔"

"حاتم!" میں نے سنجیدگی سے کہا۔ "اس رقم کو تم ایک دوست کا تحفہ سمجھ کر قبول کر لو اور اگر کوئی ایسا راز تمہارے سینے میں ہے جس کے افشا سے تمہارا ضمیر مجرم بنتا ہے تو تم مجھے اس سے آگاہ مت کرو۔ میں تمہیں مجبور نہیں کروں گی۔"

"نہیں خاتون عالیہ۔ آپ یہ رقم مجھے اس لیے دے رہی ہیں کہ آپ نے اس کا وعدہ کیا تھا جب کہ میں اس کا حق دار نہیں ہوں۔ میں نے بذاتِ خود آپ کے لیے کچھ نہیں کیا۔ میں تو صرف کسی کی ہدایات پر عمل کرتا رہا ہوں... میں تو دونوں طرف سے مجرم بن جاؤں گا۔"

حاتم کے ان الفاظ نے مجھے ششدر کر دیا۔ شمس بھی حیران رہ گئی۔ تب اُس نے اس مسئلے میں مداخلت کی...

"عالیہ تمہیں یہ رقم تحفتہً دے رہی ہیں۔ ہماری تم سے محبت ہمیں اس کے لیے مجبور کر رہی ہے۔ اگر تمہارے دل میں بھی ہمارے لیے کچھ گنجائش ہے تو ہمیں اپنے راز میں شریک کر لو ورنہ ہم تمہیں اس کے لیے مجبور نہیں کریں گے۔ براہِ کرم یہ بیگ لے لو۔ یہ ساری باتوں سے الگ ہے۔" وہ بولی اور بیگ حاتم کو دے دیا۔ حاتم نے شرمساری کے ساتھ بیگ لے لیا... پھر اُس نے گہری سانس لے کر کہا۔

"جیسا کہ میں نے کہا کہ انشاط کے جہاز سے فرار کرا کے آپ کو یہاں لانے کا سہرا میرے سر نہیں ہے۔ بلکہ میں صرف کسی کا آلۂ کار تھا۔ یہ ایک حقیقت ہے۔ ابوالخیر کا معاملہ میرا ذاتی ہے لیکن پس پردہ... مجھے اس کے لیے بن عارف نے مجبور کیا تھا۔" حاتم نے کہا اور میرے ذہن میں ہزاروں شیشے ٹوٹ گئے۔ دماغ چکرا کر رہ گیا تھا۔

"بن عارف نے؟" میرے منہ سے سرسراہٹ نکلی۔

"ہاں..." حاتم گہری سانس لے کر بولا۔

"لیکن کیوں؟"

"یقین کریں خاتون۔ میں نہیں جانتا۔"

"کیا کہا تھا اس نے تم سے؟"

"میں انشاط کا ایک معمولی ملازم ہوں۔ بن عارف کو میں نے زندگی میں پہلی بار دیکھا تھا۔ ہاں اس سے قبل انشاط کے دوستوں میں اُس کا نام سُن چکا تھا لیکن جس طرح امیر انشاط نے اُسے جہاز میں رخصت کیا اس سے مجھے اندازہ ہوتا تھا کہ امیر انشاط کے دل میں اس شخص کی بہت عزت ہے۔ بہر حال جہاز میں مجھے آپ کے خدمت گار کی حیثیت سے متعین کیا گیا۔ بن عارف نے بذاتِ خود مجھے ہدایات دی تھیں کہ دونوں خواتین کو ذرہ برابر تکلیف نہ ہونے پائے۔ ہاں اُس نے یہ بھی کہا تھا کہ میں آپ دونوں کی بھرپور نگرانی کروں۔ ممکن ہے آپ لوگ کوئی جذباتی قدم اُٹھا بیٹھیں۔ یہ اُس رات کی بات ہے جس شام بن عارف نے باشون سے مقابلہ کیا تھا۔ بن عارف نے مجھے اپنے کیبن میں طلب کیا۔ مجھے سخت حیرت ہوئی تھی کیوں کہ بہر حال میں ایک عام نوکر تھا۔ اُس نے مجھے بیٹھنے کی پیش کش کی اور بولا۔

"امیر انشاط کے پاس کتنے عرصے سے ملازم ہو؟"

"تقریباً سات سال ہو گئے جناب۔"

"کیا تم اس ملازمت سے خوش ہو؟ میں یہ سوال اس لیے پوچھ رہا ہوں کہ اگر تم اس ملازمت کو چھوڑ کر اپنے وطن میں آرام کی زندگی بسر کرنا چاہو تو میں اس کا انتظام کر سکتا ہوں۔ امیر انشاط سے تمہارے بارے میں گفتگو میں خود کر لوں گا۔ لیکن تمہیں میرا ایک اہم کام راز داری کے ساتھ کرنا ہوگا۔ میں اس کام کے عوض تمہیں ایک معقول رقم بھی دوں گا جس سے تم اپنی آئندہ زندگی بہتر طور سے گزار سکو گے" اور خاتون عالیہ یہ پیش کش میرے لیے بڑی ہی سحر انگیز تھی، بارہا میرے دل میں یہ احساس جاگا تھا کہ میں بھی اپنے بیوی اور بچوں کے ساتھ زندگی بسر کروں لیکن امیر انشاط کے ہاں سے مجھے اتنی مہلت نہیں مل سکتی تھی کہ اپنی خوشی سے میں یہ کام انجام دے سکتا، اس پیش کش کو میں نے نعمت جانا اور اس بات کو میں بخوبی جانتا تھا کہ امیر انشاط کے یہاں بن عارف کی کیا قدر و قیمت ہے، اگر بن عارف یہ کوشش کرتا تو یقیناً اُسے اس میں کوئی قباحت نہ ہوتی اور پھر اُس نے جتنے اعتماد سے مجھ سے یہ بات کہی تھی اُس سے اندازہ ہوتا تھا کہ امیر انشاط کو اُس کی بات پر کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ چنانچہ میں نے خلوصِ دل سے اُس کی بات پر آمادگی ظاہر کر دی۔ تب وہ گہری نگاہوں سے مجھے دیکھ کر بولا۔

"لیکن سنو حاتم غازی۔ یہ کام تمہیں مکمل راز داری سے کرنا ہوگا اور کسی طور تم ان خواتین کو اس بارے میں نہیں بتاؤ گے۔"

"کون سی خواتین کو؟" میں نے پوچھا۔

"وہ جو تمہاری نگرانی میں ہیں، میرا مقصد عالیہ اور شمس سے ہے..."

"بہت بہتر آپ حکم دیں...! مجھے ان لوگوں کے لیے کیا کام کرنا ہوگا...؟"

"حاتم غازی تم یہ بتاؤ کہ وہ خواتین تم پر بھروسہ کرتی ہیں یا نہیں؟"

"میں نہیں سمجھا جناب! ویسے جہاں تک بھروسے کا تعلق ہے تو میرا واسطہ اُن سے صرف اتنا ہی رہا ہے کہ میں نے ان کی خدمت کی ہے، میرے ساتھ اُن کا سلوک بہت اچھا ہے، لیکن آپ خود ہی بتایئے آپ اُن سے کیا کام لینا چاہتے ہیں؟"

"اُن سے نہیں میں تم سے کام لینا چاہتا ہوں" اور اس کے بعد خاتون عالیہ، بن عارف نے مجھے وہ کام بتایا اور کہا میں خواتین کا اعتماد حاصل کرنے کی کوشش کروں اور پھر اُنہیں یہاں سے فرار ہونے میں مدد دوں، اگر وہ لوگ تیار ہو جائیں تو میں سارے انتظامات کروں اور ایک لائف بوٹ لے کر میں ان دونوں کو لے کر وہاں سے نکل جاؤں اور عالیہ خاتون بن عارف نے ہی مجھے بتایا تھا کہ میں اس ریاست میں جاؤں اور وہاں سے ابوالخیر کے سامنے اُن کا نام لے کر آپ کو یہاں تک پہنچا دوں... یہ سب کچھ میں نے بن عارف کی ہدایت کے مطابق کیا ہے۔ اُس نے مجھے اخراجات کے لیے رقم دی تھی۔ اس کے علاوہ بھی اس نے مجھے کافی رقم دی ہے لیکن آپ نے میرے ساتھ کچھ ایسا سلوک کیا ہے کہ میں اُس سے غداری کا مرتکب ہو گیا۔"

حاتم بول رہا تھا اور میرے ذہن میں گرم گرم لہریں اُٹھ رہی تھیں۔ تبھی حاتم نے کہا: "اوہ وہ ابوالخیر مجھے بُلا رہا ہے کیا مجھے اجازت ہے؟" اُس نے پوچھا اور میں نے نہ جانے کس طرح گردن ہلا دی۔ پھر ہم دونوں خالی خالی نگاہوں سے حاتم کو جاتے دیکھتی رہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ نگاہوں سے اوجھل ہو گیا لیکن میں اس کے بعد بھی وہیں کھڑی رہی۔ عقل تسلیم نہیں کرتی تھی کہ ایسا کیوں ہوا۔

"حاتم نے جاتے جاتے بڑا غلط کام کیا۔ اب ہم ہمیشہ سوچتے رہیں گے کہ بن عارف نے ایسا کیوں کیا...؟"

"ہاں۔ اُلجھن کی بات تو ہے لیکن اس قدر بھی نہیں...!" میں نے خود کو سنبھالتے ہوئے کہا اور شمس کا بازو پکڑ کر واپس چل پڑی۔ درحقیقت میرے ذہن میں زبردست دھماکے ہوئے تھے لیکن اس طویل اور اُکتا دینے والی جدوجہد سے کچھ ایسی نڈھال ہو گئی تھی کہ اب دماغ پر زور دینے کو بھی دل نہیں چاہتا تھا۔ چنانچہ ہم نے دوبارہ ٹیکسی روکی اور وہاں سے چل پڑیں۔ راستے میں میں نے ایک موٹر مکینک کی دُکان پر ٹیکسی... روکی۔ یہ شخص میری کار کی ٹیوننگ وغیرہ کرتا تھا۔ میرے اشارے پر وہ جلدی سے میرے پاس پہنچ گیا۔

"مجھے پہچانتے ہو؟" میں نے پوچھا۔

"کیوں نہیں بی بی۔ کیا گاڑی کچھ خراب ہو گئی ہے؟"

"نہیں۔ تم ایک نئی بیٹری لے کر گھر آجاؤ... گاڑی نکالو اور شام تک اُس کی سروس اور ٹیوننگ کر کے مجھے پہنچا دو۔ لو یہ پیسے رکھ لو۔" میں نے جیب سے کچھ رقم نکال کر اُسے دے دی اور احتیاطاً اُسے پتہ بھی بتا دیا۔ ٹیکسی سے اُتر کر ہم فلیٹ واپس پہنچ گئے۔ میرے ذہن میں شدید اُلجھنیں تھیں لیکن میں نے خود کو سنبھال لیا۔ بے چاری شمس کو ابھی ان اُلجھنوں میں شریک کرنا مناسب نہیں تھا۔ چنانچہ ہم ڈرائنگ رُوم میں آ بیٹھیں...

پھر میں نے مس میری کو آواز دی اور مس میری میرے

پاس پہنچ گئیں۔

"بات یہ ہے مس میری کہ یہ میری بہت ہی پیاری اور بہت ہی عزیز دوست شمس ہے۔ ہم لوگ ایک طویل عرصے کے بعد یکجا ہوئے ہیں اور میں شمس کو ہمیشہ کے لیے اپنے پاس لے آئی ہوں' بس تم یوں سمجھو مس میری کہ دُنیا میں میری ایک ہی دوست ایک ہی راز دار ہے' اس سے اس گھر کی کوئی بات کبھی بھی چھپائی نہیں جائے گی۔ اس بات کو ذہن میں رکھنا۔"

"بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر شمس۔" مس میری نے کہا اور شمس مسکرا دی۔

"اور شمس مس میری کے بارے میں تمہیں بتا دوں۔ یہ میری بزرگ نگران' محترم بلکہ اگر ان سارے الفاظ کی بجائے ایک لفظ کہہ لو کہ میری ماں کی حیثیت رکھتی ہیں۔ میں ان کا احترام بھی کرتی ہوں اور ان سے ناز نخرے بھی کر لیتی ہوں۔"

"میں بھی ان تمام چیزوں کا خیال رکھوں گی۔"

"اب یہ بتایئے صباحت صاحب کی کیا پوزیشن ہے؟"

"درجنوں بار ٹیلی فون کر چکے ہیں' بے حد پریشان معلوم ہوتے ہیں ایک بار فلیٹ پر بھی آئے تھے۔"

"اچھا کیوں؟ کیا کہہ رہے تھے؟"

"یہی کہ عالیہ کی کوئی خبر ملی یا نہیں اور اس کے بعد پریشان سے چلے گئے۔"

"اخبار کی کیا کیفیت ہے؟" میں نے پوچھا۔

"بالکل ٹھیک آ رہا ہے' میں نے اس دوران کی فائل ترتیب دے لی ہے۔" مس میری نے جواب دیا۔

"نازش کا تو فون نہیں آیا؟"

"نہیں۔ کوئی ڈولی برابر فون کرتی رہتی ہے۔ اس نے مجھے اپنا نمبر بھی دیا ہے اور تاکید کی ہے کہ جب بھی تمہارے بارے میں کوئی خبر ملے اُسے اطلاع دی جائے۔"

"خوب۔ اس دوران اور کوئی خاص بات؟"

"انسپکٹر سلطان بھی دو تین بار آیا تھا اور تمہارے ہی بارے میں پوچھ رہا تھا۔"

"بتاتی رہیے۔" میں نے مسکرا کر کہا۔

"سب سے زیادہ پریشان ان دونوں لڑکیوں نے کیا ہے یعنی افشاں اور فرزانہ نے۔ دن میں تین بار ضرور فون کرتی ہیں ناک میں دم کر دیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ میں جان بوجھ کر جھوٹ بولتی ہوں۔ تقریباً بیس چکر لگا چکی ہیں دونوں بہنیں۔"

مس میری نے کہا اور میں مسکرا پڑی۔

"ہاں۔ بقراط تو نہیں آئے ان دنوں؟"

"کون بقراط؟" مس میری بولی۔

"میرا مطلب اس شخص سے ہے جو میرا قرض واپس کرنے آتا تھا۔"

"نہیں۔ وہ کبھی نہیں آیا۔" مس میری نے جواب دیا۔ مس میری سے یہ ساری معلومات حاصل کرنے کے بعد میں نے انہیں اجازت دے دی۔ شمس ہم دونوں کی گفتگو سن رہی تھی۔ میں نے یہ گفتگو شمس کی وجہ سے انگریزی میں کی تھی اور مس میری نے بھی انگریزی ہی میں جواب دیے تھے۔ تب میں نے شمس سے کہا۔

"سب سے پہلے شمس تمہیں اُردو زبان سیکھنی ہے۔ اس کے بغیر تمہیں دِقت ہو گی۔"

"میں ضرور سیکھوں گی بلکہ تم اس کا فوری بندوبست کر دو۔۔۔"

"مس میری سے بہتر ٹیوٹر تمہیں دُوسری نہیں ملیں گی۔ تم ان سے اُردو پڑھ لینا۔ میں انہیں ہدایت کر دُوں گی۔"

"او۔کے۔۔۔"

"اب آ جاؤ چند ضروری باتوں پر اور مجھ سے اس موضوع پر بحث کرو۔ امینہ' شکیلہ اور درخشاں کی موت کے بارے میں' میں کسی حد تک تمہیں بتا چکی ہوں۔ ایک شخصیت کا غائبانہ تعارف اور کرا دُوں۔ یہ ہیں انکل ظہیر بابر۔۔۔ ملک کے ایک خصوصی محکمے کے سربراہ۔۔۔ اور میرے والد کے دوست بھی ہیں۔ انتہائی بااثر اور صاحب اختیار شخصیت ہیں۔ مجھ پر انہوں نے یہ کرم فرمائی کی ہے کہ میری معاونت کے لیے مجھے ایک ٹیم دی ہے جس کا انچارج نازش نامی ایک نوجوان ہے۔ میں اس ٹیم کے افراد کی فہرست تمہیں بتا دُوں گی تاکہ تم انہیں یاد رکھ سکو۔ جن لڑکیوں کا مس میری نے حوالہ دیا ہے وہ میری دوست ہیں لیکن ایک بات اور۔ رُخشی لوہان کے والد منور عالم پر مجھے شبہ ہے کہ وہ کسی طور ان دونوں لڑکیوں کے قتل میں ملوث ہیں۔ اس کے علاوہ میں نے تم سے ایک شخص کا ذکر کیا تھا جو بڑی تاریخ سے مشابہ تھا۔ یہ وہی شخص ہے جسے میں نے بقراط کے حوالے سے پوچھا تھا۔ یہ شخص افشاں اور فرزانہ کا تایا زاد بھائی ہے اور اس کا اصل نام منور عالم ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" شمس نے گردن ہلا دی۔

"اب تمہاری اجازت سے میں اپنے تھوڑے سے کام انجام دے لوں؟"

"پورے سکون و اطمینان سے۔ مجھے کچھ کتابیں فراہم کر دو۔ بلکہ یوں کرو کہ مس میری کو ہدایت کر دو کہ وہ مجھے ساتھ رکھیں اور مجھے اُردو کے الفاظ سکھائیں۔" شمس نے کہا۔

"یہ کام تم خود باہر جا کر کرو۔ میں چاہتی ہوں تم اس گھر میں پورے اعتماد سے ہر کام کرو۔" میں نے کہا اور شمس اُٹھ کر باہر نکل گئی۔

شمس کے جانے کے بعد چند ساعت' میں کچھ سوچتی رہی پھر میں نے صباحت صاحب کے نمبر ڈائل کیے اور ریسیور کان سے لگا لیا' چند ہی لمحات کے بعد صباحت صاحب کی آواز سنائی دی۔

"صباحت رضوی۔"

"خادمہ بول رہی ہے۔"

"یعنی۔۔۔؟" صباحت صاحب کی آواز میں حیرت تھی۔

"آپ کی رپورٹر عالیہ صغیر بھایانی۔" میں نے جواب دیا اور صباحت صاحب جیسے چند لمحات کے لیے ساکت سے رہ گئے۔ پھر ان کی آواز بھی کچھ عجیب انداز میں نکلی تھی۔

"عالیہ۔ کیا واقعی' کیا واقعی۔۔۔؟"

"کیوں صباحت صاحب بڑی غیر متوقع رہی میری آواز آپ کے لیے؟"

"عالیہ۔ خُدا کے واسطے جلدی بتاؤ۔ کہاں سے بول رہی ہو؟" صباحت صاحب گھبرائے ہوئے لہجے میں بولے۔

"اپنے فلیٹ سے۔"

"کب واپس آئیں؟"

"بس ابھی تھوڑی دیر قبل سمجھ لیجئے۔" میں نے جواب دیا۔

"میں تم سے ملنا چاہتا ہوں۔ میں تمہارے پاس آ رہا ہوں۔" صباحت صاحب بولے۔

"اگر کوئی خاص مصروفیت نہ ہو تو آ جایئے ورنہ میں خود صبح حاضر ہوں گی۔" میں نے کہا اور صباحت صاحب کی گہری سانسیں ٹیلی فون پر سنائی دینے لگیں پھر انہوں نے پوچھا۔

"تم خیریت سے تو ہو نا عالیہ؟"

"بالکل ٹھیک ہوں۔"

"میں تمہارے لیے کتنا پریشان تھا' بتا نہیں سکتا۔"

"یقیناً آپ پریشان ہوں گے' لیکن اس کی کوئی خاص ضرورت تو نہیں تھی۔ آپ میرے پروگرام سے تو واقف تھے۔"

"لیکن اتنا عرصہ اس کا تو میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا اور پھر تمہارے بارے میں کوئی خبر بھی تو نہیں ملی۔" صباحت صاحب ایک لمحے کے لیے رُکے پھر بولے۔ "میں بس میں کیا بتاؤں میری ذہنی کیفیت کیا تھی' ایسا بے دست و پا میں نے خود کو کبھی بھی نہیں محسوس کیا جتنا اس بار رہا ہوں' میرا دل چاہتا تھا میں تمہاری تلاش میں زمین و آسمان ایک کر دُوں لیکن پھر یہ بھی خیال تھا کہ کہیں یہ بات تمہارے مفاد کے خلاف نہ ہو۔"

"مجھے احساس ہے صباحت صاحب لیکن میں نے آپ سے عرض کر دیا تھا کہ میں ایک مشن پر جا رہی ہوں اور ظاہر ہے اس سلسلے میں کسی بھی وقت کا کوئی تعین نہیں کیا جا سکتا تھا۔"

"ہاں ٹھیک ہے' مجھے احساس ہے کہ میں نے حماقت کی باتیں کی ہیں لیکن بہرصورت عالیہ بیٹی اس سلسلے میں میں تمہیں اپنے جذبات بتا نہیں سکتا۔ تم بالکل ٹھیک ہو نا؟"

"جی ہاں بالکل۔ آپ مطمئن رہیے۔ اخبار کی کیا پوزیشن ہے؟"

"ٹھیک ہے۔ تمہارے پیچھے میں نے تمہاری کوئی کمی محسوس نہیں ہونے دی۔"

"مجھے یقین تھا صباحت صاحب!"

"تو پھر اب تم سے کب ملاقات ہو گی؟"

"کل حاضر ہوں گی اور اگر کوئی خاص بات ہو تو بتلایئے۔"

"نہیں بالکل نہیں' باقی ساری باتیں معمول کے مطابق رہی ہیں۔ ہاں اس سلسلے میں کوئی خاص بات تو نہیں ہوئی؟"

"نہیں صباحت صاحب' ناکامیاں میری تقدیر بن چکی ہیں۔" میں نے اعتراف کیا اور صباحت صاحب خاموش ہو گئے پھر بولے۔

"ہاں عالیہ برائی بہت مضبوط ہوتی ہے گو اس کی بنیادیں کمزور ہوتی ہیں لیکن انہی بنیادوں پر وہ طویل عرصے تک قائم رہ سکتی ہے اور یہ طے شدہ امر ہے کہ برائی کی دیواروں کو گرنا ہوتا ہے' وقت کا انتظار کرو' وقت بہت جلد ان دیواروں کو ڈھا دے گا۔" صباحت صاحب نے کہا۔

"میں انتظار کر رہی ہوں صباحت صاحب۔" میں نے جواب دیا اور پھر چند ساعت کی خاموشی کے بعد بولی۔ "بہرصورت میں نے اسی لیے آپ کو فون کیا تھا کہ اپنی آمد کی اطلاع دے دوں۔ میں بالکل ٹھیک ہوں اور کسی ایسی پریشانی کا شکار نہیں ہوں جو آپ کے لیے اُلجھن کا باعث ہو۔ اس لیے آپ بھی

پُرسکون ہو جائیں۔"

"بہت بہت شکریہ کہ تم نے مجھ سے فوراً رابطہ قائم کیا۔" صباحت صاحب نے کہا اور پھر میں نے الوداعی کلمات... کہہ کر فون بند کر دیا۔ اس کے بعد میں نے پوائنٹ تھری کے نمبر ڈائل کیے اور ریسیور کان سے لگا لیا۔ دُوسری طرف سے ایک نسوانی آواز سُنائی دی جسے میں نے پہچان لیا وہ ڈولی کی آواز تھی۔

"ہیلو ڈولی۔ عالیہ بول رہی ہُوں۔"

"مِس کیا مِس عالیہ؟" ڈولی بھی اُچھل پڑی تھی۔ "کب واپس آئیں آپ؟"

"بس یُوں سمجھ لو ابھی آئی ہُوں تم لوگوں کے کیا حال ہیں؟"

"نہ پوچھیے عالیہ صاحبہ کیا آپ کو کوئی بھی نہیں ملا؟"

"کیا مطلب؟"

"یہاں تو تقریباً چھ افراد آپ کی تلاش میں سرگرداں ہیں۔"

"کہاں کہاں؟" میں نے تعجب سے پوچھا۔

"مشرقِ وسطیٰ کے تقریباً تمام ہی ملکوں میں وہ سب لوگ وہاں بھیج گئے ہیں۔" ڈولی نے جواب دیا اور میں حیرت سے مُنہ پھاڑ کر رہ گئی۔

"... لیکن کیوں ڈولی۔ اس کی ضرورت کیوں پیش آئی؟"

"بس نازش کا خیال تھا کہ آپ کسی سازش کا شکار ہو گئی ہیں چنانچہ اُس نے تمام لوگوں کو مختلف سمتوں میں دوڑا دیا۔" ڈولی نے جواب دیا۔

"ہُوں اور لُطف کی بات یہ ہے کہ مجھ سے کسی کی بھی ملاقات نہیں ہُوئی کب کے گئے ہُوئے ہیں یہ لوگ؟"

"کافی دن ہو گئے۔ میرا خیال ہے ایک مہینے کے قریب ہونے والا ہے۔"

"تعجب کی بات ہے، ویسے ڈولی میرا خیال ہے ان لوگوں نے میرے احکامات کی خلاف ورزی کی ہے، اس کی ضرورت نہیں تھی لیکن خیر اگر تم سے کسی کا رابطہ قائم ہو سکے تو ان سب کو واپسی کی اطلاع دو اور بتا دو کہ میں پہنچ گئی ہُوں۔"

"میں روزانہ ان لوگوں کے فون وصول کرتی ہُوں۔ آج میں سب کو اطلاع دے دُوں گی۔"

"ٹھیک شکریہ۔ انکل شہریار کی کیا کیفیت ہے، کہاں ہیں آج کل؟"

"واپس نہیں آئے، نا ہی کسی طور ہم لوگوں سے رابطہ قائم کیا۔" ڈولی نے جواب دیا۔

"اُن کے محکمے سے کچھ معلومات حاصل ہو سکتی ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"ناممکن ہے۔ وہ اپنے پروگرام کسی کو نہیں بتاتے۔" ڈولی نے جواب دیا۔

"اچھا ٹھیک ہے ڈولی تو تم اُن لوگوں کو اطلاع دے دو اور پُرسکون رہو۔" میں نے کہا اور ٹیلی فون بند کر دیا۔ نازش اور دُوسرے لوگوں کی ہنگامہ آرائی پر مجھے ذرا سی حیرت بھی ہُوئی تھی کیوں کہ جو کچھ میں اُنہیں بتا کر گئی تھی اور جس انداز میں یہاں سے گئی تھی اُس کے تحت اُنہیں سکون سے رہنا چاہیے تھا اور میرے لیے زیادہ کاوش نہیں کرنی چاہیے تھی۔ لیکن بہرصُورت ممکن ہے نازش کو کوئی ایسا کلیہ ملا ہو جس کی وجہ سے وہ پریشان ہو گیا ہو۔ یہ بات تو اب مجھے نازش ہی بتا سکتا تھا کہ اُسے کون سی خبر ملی تھی...

ٹیلی فون بند کرنے کے بعد میں تھوڑی دیر تک سر پکڑے بیٹھی رہی۔ میں ان حالات پر غور کر رہی تھی اور غور کرنے کے لیے مجھے اپنا مخصوص انداز ہی اختیار کرنا زیادہ موزوں لگتا تھا۔ چنانچہ میں نے کاغذ قلم نکال لیا۔ شمس اب میری مستقل ساتھی تھی اسی لیے میں نے اُس سے تکلف نہیں رکھا اور سب کچھ اُسے بتا دیا۔ اُس جیسی بے سہارا لڑکی سے کسی قسم کا خطرہ نہیں ہو سکتا تھا اور پھر اُس کی فطرت پر بھی مجھے اعتماد تھا۔ میں نے اس تنہائی سے پُورا پُورا فائدہ اُٹھایا۔ آیندہ اقدامات کے لیے مجھے فوری حل درکار تھا... چنانچہ میں نے حالات کا بھرپُور تجزیہ کرنے کے لیے اس وقت سے اپنے معمولات جانچے جب میں یہاں سے گئی تھی۔ کاغذ پر پہلا نام "احمد انٹر پرائز" کا تھا۔

نمبر ۱ اس فرم کے مالک سے میری مُلاقات نہیں ہُوئی۔ بظاہر وہ ایک باقاعدہ فرم ہے لیکن صرف اس لیے مشکوک ہے کہ ایڈونگ لمیٹڈ کے بشیر احمد جلالی سے اُس کے تعلقات ہیں اور بشیر احمد جلالی اس سازش میں براہِ راست ملوث ہے جس کی تصدیق بھاری آواز والے کے فون سے ہو گئی ہے۔ چنانچہ بشیر احمد جلالی سے نمٹنے کے ساتھ ساتھ اس فرم کی چھان بین بھی کرنی ہے لیکن اس کے لیے انکل شہریار کے عطا کردہ لوگوں کا انتظار بھی کرنا ہے۔

نمبر ۲ ساحل جو ایک غیر متعلق شخص تھا۔ اس لیے بے کار ہے۔

نمبر ۳ خاص کردار... بن عارف۔ جو حاتم کے انکشاف سے پہلے کوئی حیثیت نہیں رکھتا تھا لیکن اب وہ سب سے مشکل شخصیت تھی۔ اُس نے شاطر کو پاگل کر کے مجھے بچایا۔ پھر شمس کو بھی ساتھ لے کر مجھ پر دُوسرا احسان کیا۔ اس کے پس پردہ اُس نے اپنی پسند بتائی لیکن اگر یہی صورتِ حال تھی تو پھر اُس نے مجھے جہاز سے کیوں نکال دیا اور وہ بھی اس چالاکی سے... اگر حاتم انکشاف نہ کرتا تو میں شاید زندگی میں اس کے بارے میں دوبارہ نہ سوچتی۔ اگر وہ چاہتا تو میری کُشتوں پر احسان کرتے ہُوئے خود ہی مجھے یہاں پہنچانے کا بندوبست کر دیتا لیکن اُس نے درپردہ میری مدد کیوں کی تھی؟ اس کا کیا مقصد ہے؟ وہ بقراط کا ہم شکل کیوں ہے؟ کیا وہ بقراط کا دُوسرا رُوپ ہو سکتا ہے؟... کیا یہ انہونی ہو سکتی ہے۔ حالاں کہ پہلے بھی میں اس سلسلے میں کافی جھک مار چکی تھی اور ہر طریقے سے اس خیال کی تصدیق کرنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن حیرت انگیز مشابہت کے علاوہ حرکات میں کوئی مماثلت نہیں ملی تھی... پھر بقراط جیسی مجہول شخصیت اس قدر شاندار کیسے ہو سکتی ہے۔ میں نے جہاز پر ہاشوم سے اُس کی جنگ دیکھی تھی۔ بلنتے جیسا فن سالہا سال کی محنت اور شدید مشقت کے بعد ملتا ہے۔ مارشل آرٹس میں یہ فن جاننے والے کراٹے کے ولی سمجھے جاتے ہیں۔ وہ بقراط نہیں ہو سکتا۔ تاہم بقراط پر گہری نگاہ رکھنی ہوگی۔ اس کے بارے میں نشاں اور فرزانہ سے ہی معلومات حاصل ہو سکتی ہیں چنانچہ پروگرام میں یہ بات سرِفہرست ہے کہ بقراط کے بارے میں مکمل معلومات حاصل کی جائیں۔ دُوسری بات یہ کہ اب اس سلسلے میں کیا کیا جائے۔ نمبر ۱ چند ایسے لوگوں کا انتخاب جو یا تو جرائم پیشہ ہوں یا پھر ایسے ذہین لوگ جو خطرناک ترین کام انجام دے سکیں۔ ایسا ایک گروہ بنا کر پھر کام شروع کیا جائے۔ اس سلسلے میں ہیڈ کوارٹر کے طور پر پوائنٹ تھری موزوں عمارت نہیں رہے گی۔ کوئی اور عمارت جس کی نگرانی شمس کرے گی...

میں غور کرتی رہی۔ کاغذ پھاڑتی رہی یہاں تک کہ دروازے پر دستک ہُوئی۔ "آ جاؤ..." میں نے سامنے رکھے ہُوئے کاغذات سمیٹ لیے۔ شمس تھی...

"کھانے کا وقت ہو گیا؟" اُس نے اُردو میں کہا۔ لہجے میں لُکنت تھی لیکن مجھے یہ الفاظ اُس کے مُنہ سے بہت بھلے لگے اور میں حیرانی سے کھڑی ہو گئی۔

"کیا مجھے اس کمرے میں گھسے کئی مہینے ہو گئے؟" میں نے اُردو میں پوچھا اور شمس احمقوں کی طرح میری شکل دیکھنے لگی۔ پھر ہنس پڑی۔

"غلط فہمی کا شکار نہ ہو۔ مِس میری نے بڑی مشکل سے یہ جُملہ مجھے رٹایا ہے اس کے علاوہ میں کچھ اور نہیں بول سکتی نہ سمجھ سکتی ہُوں۔" اُس نے ہنستے ہُوئے انگریزی میں کہا اور میں بھی ہنسنے لگی۔

"کیا وقت ہو گیا؟"

"نو بجے ہیں۔"

"کمال ہے وقت کا احساس ہی نہ ہو سکا۔ اچھا ہُوا تم آ گئیں ورنہ نہ جانے میرے بھیجے کا کیا حال ہوتا۔" میں نے کہا اور اُس کے ساتھ باہر نکل آئی۔ بڑی تھکن کا احساس ہو رہا تھا لیکن میں شمس کی موجودگی سے بہت خوش تھی۔ ہم تین عورتیں یکجا ہو گئی تھیں۔ کھانے کی میز پر شمس نے کہا "مِس میری تمہارے ساتھ کھانا نہیں کھاتیں؟"

"خود ہی تکلف کرتی ہے۔ ورنہ میں اسے کسی طور ملازم نہیں سمجھتی۔ میں لاکھ کہتی ہُوں نہیں مانتی۔"

"ویسے بڑی ذہین خاتون ہیں۔ مجھے تعجب ہے... وہ فارسی بھی اہلِ زبان کی طرح بولتی ہیں اور حافظ و سعدی کی کی ماہر ہیں۔ عمر خیام کی رُباعیاں وہ بڑے موقع سے سُناتی ہیں۔ میں تو ان سے بہت متاثر ہُوئی ہُوں۔"

"ہاں مِس میری گُوناگُوں خوبیوں کی مالک ہیں۔" میں نے گہری سانس لے کر کہا۔

کھانے کے بعد ہم دونوں خواب گاہ میں چلی گئیں۔ میں بہت کچھ سوچ رہی تھی۔ اِن سوچوں کے علاوہ میرے پاس کیا تھا۔ گزرے ہُوئے لمحات نے جو سبق دیے تھے اُن سے فائدہ اُٹھانا لازمی تھا۔ میں نے اپنے اندر جو کمی محسوس کی تھی اُس کو دُور کرنے کے لیے میرے ذہن میں لاتعداد منصوبے تھے۔

شمس میری خاموشی محسوس کر رہی تھی اور شاید اخلاقاً خاموش تھی۔ میں نے اُس کی طرف دیکھا تو وہ مُسکرا دی۔ "میں صرف ایک سوال کرنا ضروری سمجھتی ہُوں۔ اس کے بعد وعدہ کرتی ہُوں تمہارے غور و فکر میں دخل نہیں دُوں گی۔"

"ضرور کرو۔" میں نے بھی مُسکرا کر کہا۔

"کسی ذہنی پریشانی کا شکار تو نہیں ہو؟"

"قطعی نہیں شمس، میں کسی قیمت پر ان لڑکیوں کا قتل فراموش نہیں کر سکتی۔ یوں سمجھو یہ معاملہ میری ذات کے لیے چیلنج ہے۔ حالاں کہ ان ہنگاموں کو ایک طویل عرصہ گزر چکا ہے لیکن میں اب بھی مایوس نہیں ہوں۔ اگر میں اس پہلے مرحلے میں ناکام رہتی ہوں تو پھر آئندہ کچھ نہیں کر سکوں گی۔ نہ ہی خود کو اس قابل سمجھوں گی کہ میں ان معاملات میں کوئی کارکردگی دکھا سکتی ہوں۔"

"تمہارے پاس مواقع ہیں عالیہ۔ تمہیں کوئی اقتصادی الجھن بھی نہیں ہے اس لیے کوشش کرتی رہو۔ مجھے ایک بات پر حیرت ہے۔ تمہارے یہاں کی پولیس نے اتنے بڑے مسئلے میں کچھ نہیں کیا؟"

"یہ بات نہیں ہے۔ پولیس ایسے معاملات میں کام ضرور کرتی ہے لیکن وہ لوگ بھی انسان ہی ہوتے ہیں۔ صاحب اختیار لوگ جب جرم کرتے ہیں تو اپنے گرد ایسے حفاظتی جال بُن لیتے ہیں کہ ان میں داخلہ ناممکن ہو جاتا ہے۔ پولیس کو قدم قدم پر روکا جاتا ہے ایسی حالت میں وہ کیا کرے؟ اس کے علاوہ ضمیر فروشوں کی بھی کمی نہیں ہے۔ یہ ضمیر فروش دولت کے عوض ان کے پشت پناہ بن جاتے ہیں۔ بہرحال ان شکایتوں سے کچھ حاصل نہیں ہے۔ تم یہ بتاؤ شمس آئندہ زندگی گزارنے کے بارے میں تمہارے کیا خیالات ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں۔ شمس تو اب عالیہ کی ذات سے وابستہ ہے۔ شمس خود کچھ نہیں ہے۔ بس وہ عالیہ کے وجود میں مل کر مکمل ہوتی ہے میرے بارے میں جتنے فیصلے کرنے ہوں گے تمہیں ہی کرنے ہوں گے۔ میں کبھی تم سے انحراف نہیں کروں گی۔"

"شکریہ شمس تمہارا یہ اعتماد بے حد قیمتی ہے۔ میں نے اندازہ لگا لیا ہے کہ تم ذہین لڑکی ہو۔ میں تمہیں اپنی ذات میں ایک اہم مقام دینے کی خواہش مند ہوں لیکن تمہیں اس کے لیے بڑا امتحان کرنا ہوگا۔"

"میں تیار ہوں۔" شمس نے کہا اور میں خاموش ہو گئی۔ واقعی شمس سے بڑے کام لیے جا سکتے تھے۔ وہ ابھی میرے حلقے کے لیے اجنبی تھی اور میں اُسے اجنبی ہی رکھنا چاہتی تھی۔ اس کے بعد ہم دونوں گھنٹوں اپنے آئندہ پروگرام کی نوک پلک درست کرتی رہیں۔ میں نے شمس کو ایک بڑی ذمے داری سونپ دی تھی۔

دوسرے دن صبح کو تمام امور سے فراغت کے بعد میں دفتر چل پڑی۔ مکینک میری کار دے گیا تھا اس لیے اب یہ مشکل بھی دور ہو گئی تھی۔ دفتر کے دوسرے لوگوں سے علیک سلیک کے بعد میں صباحت صاحب کے کمرے میں داخل ہو گئی...

صباحت صاحب نے میرے سر کو سینے سے لگایا اور پھر مجھے اپنے سامنے بیٹھنے کی پیش کش کی۔ ان کی آنکھوں میں عجیب سے تاثرات تھے۔ "کاش میں تمہاری الجھنوں کا حل بن سکتا۔ یہ وقت جو تم نے باہر گزارا۔ کیسا گزرا...؟"

"بس تکلیف دہ۔ اس سے زیادہ نہ بتا سکوں گی۔"

"مجھے افسوس ہے۔"

"بہرحال صباحت صاحب۔ یہ معاملات تو زندگی کے ہم سفر ہوتے ہیں۔ ان کے لیے افسوس بیکار ہے۔ آپ میرا ایک کام کریں۔ کسی نفیس علاقے میں ایک کوٹھی درکار ہے... بہت اعلا پائے کی۔ میں اُسے خریدنا چاہتی ہوں۔"

"علاقے کا تعین کرو۔" صباحت صاحب بولے اور میں نے اپنی پسند کی جگہ بتا دی۔ خیابان کا علاقہ انتہائی متمول لوگوں کی رہائش گاہ تھی۔ یہاں زیادہ تر غیر ملکی سفرا اور بڑے صنعت کار بستے تھے۔ نہایت پُرسکون علاقہ تھا۔

"اتفاق سے آج ہی ہمارے اخبار کے چند اشتہارات میں ایسی ایک کوٹھی برائے فروخت ہے۔ میں ابھی اخبار نکلواتا ہوں۔" صباحت صاحب نے آج کا اخبار نکال لیا اور اشتہار میرے سامنے رکھ دیا۔

"بات کریں... لیکن سب کچھ فرضی ناموں سے۔ آپ کسی ایسے شخص کے لیے اس عمارت کی بات کریں جس نے آپ کو فون پر اس کوٹھی کے خریدنے کی درخواست کی ہے۔ یہ کام کسی طور آج ہی ہو جانا چاہیے۔"

"اسی وقت کیوں نہ ہو جائے۔ کوٹھی کے مالک نے پورا دن فون یا ملاقات کے لیے لکھا ہے۔"

"ٹھیک ہے آپ بات کریں۔ اس وقت تک میں اخبار کے لیے کچھ لکھ لوں۔" میں نے کہا اور اُٹھ کر اپنے کیبن کی طرف چل پڑی۔ میں نے ایک موضوع سوچا اور اُس پر کالم لکھنے بیٹھ گئی لیکن ابھی کالم پورا نہیں ہوا تھا کہ صباحت صاحب خود میرے کیبن میں آ گئے۔

"بات ہو گئی ہے۔ میں نے کوٹھی کا مکمل پتہ حاصل کر لیا ہے۔ تیس لاکھ کی بات کر رہا ہے۔ کیا اتنی بڑی رقم خرچ کی جا سکتی ہے...؟"

"خرید لیں صباحت صاحب مجھے اس دولت کا کرنا ہی کیا ہے جو ڈیڈی میرے لیے چھوڑ گئے ہیں۔ بیکار شے ہے میرے لیے۔" میں نے کہا اور صباحت صاحب نے گردن جھکا لی۔

"تب اُسے ایک نظر دیکھ لیا جائے۔"

"کوئی وقت دیا ہے آپ نے کوٹھی کے مالک کو؟"

"ہاں میں نے دوبارہ فون کرنے کے لیے کہا ہے۔"

"آپ اُسے دوبارہ فون کریں۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم اُسے دیکھ لیں گے۔"

"ایک بجے کے لیے کہہ دیں؟"

"ٹھیک ہے۔ ایک بجے چلیں گے۔" میں نے جواب دیا اور صباحت صاحب چلے گئے۔ میں پھر کالم پورا کرنے لگی تھی۔ ساڑھے بارہ بجے میں نے فلیٹ پر مس میری کو فون کیا کہ وہ شمس کو کھانا وغیرہ کھلا دیں۔ میں مصروف رہوں گی۔ شمس سے بھی بات ہوئی تھی اور میں نے اُسے سمجھا دیا۔

ایک بجے میں صباحت صاحب کے ساتھ چل پڑی...

خیابان سمندر کے کنارے ایک حسین آبادی تھی۔ خوابوں جیسا ماحول، چاروں طرف حسین سبزہ زار تھے اور انہی سبزہ زاروں میں گھری ہوئی وہ حسین عمارت تھی۔ صدر دروازے پر عمارت کے مالک نے ہمارا استقبال کیا۔ صباحت صاحب نے تعارف کرایا اور پھر ہم نے کوٹھی دیکھی۔ مجھے یہ عمارت اپنے مقصد کے لیے بے حد پسند آئی تھی۔ صباحت صاحب نے بتایا کہ اُن کے ایک کرم فرما نے اُن سے یہ درخواست کی تھی۔ وہ خود بیرونی ممالک میں تجارت کرتے ہیں اور اپنے اہلِ خاندان کو یہاں منتقل کرنا چاہتے ہیں۔ بہرحال مالک سے ہم نے اپنی آمادگی ظاہر کر دی اور ایڈوانس کے طور پر ایک معمولی سی رقم دے دی۔ صباحت صاحب نے کہا کہ دو تین دن میں ساری کارروائی مکمل کر کے کوٹھی کی رقم کی ادائیگی کر دی جائے گی۔

پھر ہم چل پڑے۔ راستے میں میں نے صباحت صاحب سے فرمائش کی کہ کسی اعلا درجے کے ڈیکوریٹ ادارے سے اس کوٹھی کی ڈیکوریشن کا کنٹریکٹ کر لیا جائے۔ اس کے علاوہ یہاں ملازمین جمع کر دیے جائیں۔ میں نے ان ملازمین کے لیے ایک فہرست بنا دی تھی۔ صباحت صاحب نے کہا کہ وہ اخبار میں اشتہارات جاری کر دیں گے اور اس سلسلے میں انٹرویو کے وقت میں بھی موجود رہوں۔ میں نے وعدہ کر لیا۔ یہ کچھ وقت میں خاموشی اور سکون سے انتظامات میں صرف کرنا چاہتی تھی

ان تمام کاموں سے فارغ ہو کر میں شمس کے پاس آ گئی۔ پھر ہم سیر کرنے نکل گئیں۔ میں نے شمس کو اس شہر کے تفریحی مقامات دکھائے۔ پھر ایک بڑے بازار میں رُک کر اُس کے لیے بہت سی خریداری کی۔ شمس پانی پانی ہوئی جا رہی تھی... اُس کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ میں یوں اُسے دُلہن بنا ڈالوں گی۔ میں نے اس پہلے ہی مرحلے میں اُس پر بیس پچیس ہزار روپے خرچ کر دیے تھے...

دُوسری صبح ہم ناشتے سے فارغ ہی ہوئے تھے... کہ دروازے کی بیل بجی... مس میری نے دروازہ کھولا اور پھر اُن کے بولنے کی آواز میرے کانوں تک پہنچ گئی۔ کوئی اُن کے ساتھ ہی آ رہا تھا۔ میں شمس کے ساتھ ڈرائینگ رُوم میں بیٹھی ہوئی تھی۔ ڈرائینگ رُوم کا دروازہ کھلا اور افشاں اور فرزانہ اندر گھس آئیں۔ دونوں رُوٹھی ہوئی تھیں۔ میں خوشی سے کھڑی ہو گئی...

"تشریف رکھیے محترمہ۔ ہمیں افسوس ہے کہ ہم نے آپ کو زحمت دی۔ نہ ہم آپ کا زیادہ وقت لیں گے۔ آپ اسے ہماری حماقت سمجھ کر معاف کر دیں۔ ہم بس آخری بار سمع خراشی کے لیے حاضر ہوئی ہیں۔" افشاں نے کہا۔

"بس بس۔ میں جانتی ہوں کہ تم لوگ سخت ناراض ہو اور میں تمہاری اس ناراضگی پر شرمسار ہوں۔" میں نے ان دونوں کو سینے سے لگایا لیکن اُن کے مُنہ درست نہ ہوئے تھے۔ "بیٹھو بھی اب ممکن ہے میں تمہارے موڈ درست کر سکوں۔" میں نے پیار سے کہا۔

"اگر آپ کے دل میں ہمارے لیے کوئی گنجائش تھی تو اخبار میں چھپنے والے کالم کی بجائے چند الفاظ میں ہمیں فون بھی کیا جا سکتا تھا۔"

"کیا مطلب؟"

"ہمیں تو حضور صرف اسی طرح معلوم ہوا کہ آپ تشریف لے آئی ہیں کہ ہم نے آج کے اخبار میں آپ کا کالم پڑھ لیا۔"

"اُفوہ... تو میرا خیال ہے کالم پڑھنے کے بعد تم سیدھی دوڑی چلی آئی ہو۔"

"ہاں خوش بختی ہے کہ اخبار بھی ہمیں مل گیا ورنہ کہاں ملتا ہے۔"

"صبح ہی صبح اخبار کیسے مل گیا تمہیں؟" میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"بس کچھ ہمارے اپنے بھی مسائل ہیں جنہیں آپ سے کیا عرض کیا جائے، خواہ مخواہ آپ بھی پریشان ہوں گی..."

"بھئی دیکھو یوں کرو۔ جتنا ذلیل کرنا ہے ایک دم کر لو اور اس کے بعد جب تمہارے دل کی بھڑاس نکل جائے گی تو میں کوئی بات کروں گی۔"

"ہمیں صرف ہمارے ایک سوال کا جواب مل جائے تو ہم مطمئن ہو جائیں گی۔" افشاں نے کہا۔

"ارشاد...؟"

"واپس آنے کے بعد بھی فون نہیں کیا؟"

"ہاں افشاں۔ تمہاری گرفت بہت مضبوط ہے لیکن یقین کرو اتنی طویل غیر حاضری نے بڑی الجھنوں میں گرفتار کر دیا تھا اور ابھی تک ان سے چھٹکارا نہیں مل سکا۔"

"آپ کے خیال میں ہم اِن باتوں سے متاثر ہو جائیں گی؟" افشاں نے نتھنے پھلا کر کہا۔

"ہونا تو چاہیے۔ میں کوشش جاری رکھوں گی۔"

"ہرگز نہیں۔ ہمیں جان بوجھ کر نظر انداز کیا جاتا ہے۔ ہمیں وہ مقام نہیں دیا جاتا جو ہمیں ملنا چاہیے۔ یہ بتا لیے اتنے طویل عرصے کے لیے جانا تھا تو ہمیں اس کی اطلاع کیوں نہ دی گئی؟"

"سب کچھ غیر متوقع تھا۔"

"کیا مطلب؟"

"میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ میں اتنے دن کے لیے پھنس جاؤں گی... یقین کرو بس دو چار دن کے لیے گئی تھی لیکن..."

"ہاں۔ ہاں تمام باتوں کے جواب پہلے سے تیار کر رکھے ہوں گے۔ آپ سے بھلا کون جیت سکتا ہے۔" فرزانہ نے کہا۔

"یہ بات مانتی ہو فرزانہ کہ یہ جوابات پہلے سے تیار کیے گئے ہوں گے؟"

"ہاں ہاں۔ بالکل بالکل ہم دعوے سے کہتی ہیں۔" فرزانہ کی بجائے افشاں بول پڑی۔

"تو بس افشاں۔ ذرا یہ تو بتایئے کہ انسان اپنی صفائی کہاں پیش کرتا ہے، کس کے سامنے پیش کرتا ہے۔ کیا صرف اُس کے سامنے نہیں جسے اُسے جواب دہی کرنی ہوتی ہے اور اگر کسی کی محبت کے سلسلے میں جواب دہی کرنے کی نوبت آ جائے تو اس کا مقصد ہے کہ مجرم کے دل میں اُس شخصیت کا کوئی خوف یا محبت کا احساس ہوتا ہے۔ تبھی وہ جواب دہی کے بارے میں سوچتا ہے، یہ بات تو میری محبت کے ثبوت میں جاتی ہے۔ اگر میں نے تمہارے لیے کوئی جواب تیار کیے تو صرف اس لیے کہ مجھے تمہاری محبت کے سامنے جواب دہی کرنی تھی..." میں نے مسکراتے ہوئے کہا...

"افشاں۔ افشاں۔ عالیہ بہن سے بحث نہ کرو، خواہ مخواہ ہار جاؤ گی۔ کیا فائدہ بحث کرنے کا، چلو یہ جو کچھ کہہ رہی ہیں اسے مان لو۔" فرزانہ نے کہا اور میں ہنسنے لگی، پھر میں نے سنجیدگی سے کہا۔

"اچھا بھئی اب معاف کر دو۔ کوشش کروں گی کہ تمہیں آئندہ یہ شکایت نہ ہونے پائے۔"

دونوں خاموش ہو کر مجھے گھورنے لگیں، اُن کے چہروں سے بے پایاں محبت ٹپک رہی تھی اور میں دل ہی دل میں ایک عجیب سا احساس محسوس کر رہی تھی۔ مجھے احساس ہو رہا تھا کہ مجھ سے محبت کرنے والے بھی اس دُنیا میں موجود ہیں، ورنہ میں تو خود کو تنہا ہی سمجھتی رہی تھی۔ پھر وہ دونوں آگے بڑھیں اور مجھ سے لپٹ گئیں...

"یہ تھا اس ڈرامے کا ڈراپ سین۔" فرزانہ نے کہا اور پھر شمس سے مخاطب ہو کر بولی۔

"معاف کیجیے گا خاتون، ہم لوگ کچھ ضرورت سے زیادہ ہی جذباتی ہو گئے تھے، آپ یقین کریں آپ کو نظر انداز نہیں کیا گیا۔ ہمیں ان محترمہ پر اتنا ہی غصہ تھا کہ ہم اسے برداشت نہیں کر پا رہے تھے۔"

بے چاری شمس خاموشی سے ہم سب کی صورتیں دیکھ رہی تھی۔ فرزانہ نے اُس سے جو کچھ کہا تھا یقینی طور پر اُس کی سمجھ میں نہ آ سکا ہوگا۔ وہ حیرانی سے ہمیں دیکھتی رہی اور میں ہنس پڑی، فرزانہ نے مجھے گھورا اور کہنے لگی۔

"کیوں اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے؟"

"بھئی جو کچھ تم ان خاتون سے کہہ رہی ہو نا، وہ ان کی سمجھ میں قطعی نہیں آیا ہوگا، اس لیے میں ہنس رہی ہوں کہ تم نے اتنی معافی تلافی کی اور اُن کی سمجھ میں کچھ بھی نہ آ سکا۔"

"ار سے ارے کیا مطلب؟"

"انگریزی میں بات کرو۔"

"اوہ۔ ہمارا خیال درست ہی تھا، یہ شکل و صورت سے ہمیں مقامی نظر نہیں آتی تھیں، لیکن ان کا لباس میرا خیال ہے تم نے انہیں زبردستی مقامی بنا ڈالا ہے۔" فرزانہ نے کہا

اور پھر شمس سے معذرت کرتے ہوئے انگریزی میں بولی۔ "معاف کیجیے خاتون۔ ہم یہ نہیں محسوس کر پائے تھے کہ آپ مقامی نہیں ہیں۔"

"یہ تو میری خوش بختی ہے کہ آپ لوگ مجھے اپنوں میں سمجھتی ہیں۔" شمس نے بھی مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"عالیہ کے پاس جو بھی شخصیت ہوتی ہے نایاب ہوتی ہے اور آپ تو خود بخود اپنی لگتی ہیں۔" فرزانہ نے کہا۔

"شمس ذرا یہ بتاؤ، یہ دونوں لڑکیاں کون ہو سکتی ہیں، میری دوستوں میں تمہیں کسی کے بارے میں کچھ معلوم ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"یہ افشاں اور فرزانہ ہیں۔ میں یقین سے کہتی ہوں۔" شمس نے کہا اور دونوں لڑکیوں کے چہرے کھل اُٹھے۔

"آپ کیسے کہہ سکتی ہیں شمس؟"

"بس اس محبت کے مظاہرے سے۔ عالیہ کے لہجے میں تمہارے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے بھی محبت ہوتی تھی، کسی اور کے لیے ان کا یہ لہجہ کبھی نہیں ہوا بلکہ اب تو مجھے بھی حسد ہو رہا ہے۔" شمس نے ہنس کر کہا۔

"بڑے مضبوط ثبوت اکٹھے کر رکھے ہیں عالیہ نے۔" فرزانہ ہنس کر بولی۔

"اچھا عالیہ باجی۔ اب شمس کا تعارف کرائیں؟"

"میری دوست صحافی، شمس، ایران سے تعلق رکھتی ہیں اور آج کل میری مہمان ہیں۔"

"بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر شمس۔ یہ بتایئے ہماری مہمان کب بنیں گی؟"

"میری لگام عالیہ کے ہاتھ میں ہے۔" شمس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"جی خاتون آپ جواب دیں۔"

"جب حکم ملے۔"

"بس تو پھر رختِ سفر باندھ لیا جائے۔ ہم آپ دونوں کو ساتھ لے کر جائیں گی۔" افشاں بولی۔

"کچھ رعایت کر دی جائے حضور، تا زندگی احسان مند رہوں گی۔" میں نے گڑگڑاتے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"شمس کو یہاں بہت سے سرکاری کام کرنے ہیں اور میری نوکری کا سوال ہے۔ ویسے شمس یہاں طویل عرصے تک رہیں گی۔ ضروری کاموں سے نمٹ لیں اس کے بعد یہ آپ کی بس چند روز۔" میں نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

"ہوں اگر یہ بات ہے تو ٹھیک ہے لیکن آج رات کا کھانا ہمارے ساتھ ہی کھایا جائے گا اور باقی امور وہیں طے ہوں گے۔" فرزانہ نے کہا۔

"آپ بہت رحم دل ہیں باجی۔ مجرموں کو اس طرح معاف کرنا کہاں کی دانش مندی ہے۔" افشاں نے کہا۔

"ارے یہ لوگ بھی کیا یاد کریں گی کہ کسی شاہ دل سے واسطہ پڑا تھا۔" فرزانہ اکڑ کر بولی۔ شمس ہنس رہی تھی۔

دونوں ہنگامے بیٹھ گئے۔ "اب یہ بتاؤ انکل کے کیا حال ہیں؟"

"بیمار ہیں۔"

"ارے کیا ہوا؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"بس موسمی اثرات ہیں لیکن آپ کے لیے ایک افسوسناک خبر اور ہے۔" فرزانہ نے کہا۔

"وہ کیا...؟"

"تصور بھائی کافی عرصے سے اسپتال میں ہیں۔ اُن کا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا۔"

"کب؟" میرے ذہن میں سنسناہٹ اُبھر آئی۔

"آپ نے ایک ایسا اونٹ ہمارے حوالے کر دیا ہے جس کی واقعی کوئی کل سیدھی نہیں ہے۔" فرزانہ نے کہا۔

"کیا ہوا فرزانہ، براہِ کرم مجھے بتاؤ، میں اس معصوم شخص کے لیے بے حد پریشان ہوں۔" میں نے اُلجھتے ہوئے کہا اور فرزانہ افشاں کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"حضور، ہم نے اس معصوم شخص کو واقعی آپ کے کہنے سے اپنا بھائی تسلیم کر لیا تھا۔ حضرت چند روز آتے رہے اور پھر تقریباً ایک مہینے سے بالکل ہی غائب ہو گئے۔ کوئی پتہ نشان نہیں ملا۔ چونکہ اُن کے کسی ٹھکانے کا علم اللہ میاں کے علاوہ کسی اور کو نہیں ہوگا اس لیے تشویش کے باوجود ہم ان کے بارے میں کچھ نہیں معلوم کر سکے۔ اب تم ہی بتاؤ عالیہ اگر ایسی کوئی بات ہو گئی تھی تو اُنہیں پہلے سے ہمیں فون نہیں کرنا چاہیے تھا؟"

"ہاں یقیناً..." میں نے کسی قدر افسردہ لہجے میں کہا۔

"ابھی تقریباً چار دن قبل کی بات ہے بلکہ چار دن کہاں تین ہی دن ہوئے ہیں کہ اسپتال سے فون آیا۔ کوئی ڈاکٹر صاحبہ گفتگو کر رہی تھیں اور خاصی پریشان نظر آ رہی تھیں

انہوں نے فرمایا کہ ایک صاحب جن کا نام تصوّر عالم ہے ایک ماہ سے اسپتال میں داخل تھے۔ ایکسیڈنٹ ہوا تھا اُن کا اور خاصی چوٹیں آئی تھیں۔ چنانچہ اسپتال میں زیرِ علاج رہتے ہوئے اُنہوں نے ڈاکٹرز کو یقین دلایا تھا کہ بل کی پروا نہ کی جائے۔ پھر جب صحت یاب ہوئے تو کہنے لگے کہ مَیں تو ایک بے سہارا آدمی ہوں یہ سارا بل قرض کی حیثیت سے جمع کر لیا جائے۔ یہ سارا بل اسے اقساط میں ادا کر دیا جائے گا۔ ظاہر ہے ڈاکٹر اس مذاق کے متحمل نہ ہو سکے اور اُنہوں نے سختی اختیار کی تو مجبوراً ہمیں فون کرایا۔ تب ہم لوگ پہنچے اور اُن کا بل ادا کیا گیا۔ یوں ہم اُن کو گھر لے آئے۔ اب تم ہی بتاؤ عالیہ کیا تصوّر بھائی کو ہم سے پہلے ہی رابطہ قائم نہیں کرنا چاہیے تھا۔ وہ خود ایسی حرکتیں کرتے ہیں جو کسی بھی طور پسندیدگی کا باعث نہیں ہوتیں؟" فرزانہ نے کہا اور میرے اندر کی عجیب حالت ہو گئی۔

"اوہ۔ چوٹیں شدید تھیں؟" مَیں نے سوال کیا۔ میرے ذہن میں چرخہ چل رہا تھا لیکن یہ ساری باتیں بھی بے حد پریشان کن تھیں۔۔۔

"ہاں دائیں پاؤں کی ہڈی فریکچر ہو گئی تھی، بازو وغیرہ میں بھی چوٹ آئی تھی۔ ابھی تک پلاستر کسا ہوا ہے۔" فرزانہ نے جواب دیا۔

"ایکسیڈنٹ کیسے ہوا؟"

"اُسی منحوس موٹر سائیکل سے جو نجانے کس ذلیل شخص نے اُن کے ہاتھ فروخت کر دی تھی۔" فرزانہ نے جواب دیا۔

"مجھے بہت افسوس ہوا ہے۔ کہاں ہیں وہ اس وقت؟"

"خوشی کی بات یہ ہے کہ ہمارے گھر ہی ہیں اور جناب منوّر عالم صاحب کو اُن سے ہمدردی پیدا ہو گئی ہے۔"

"اوہ کیا انکل نے۔۔۔؟" میں نے سوال کیا۔

"ہاں۔ اس وقت انکل کے دل میں محبت جاگی ہوئی ہے لیکن تصوّر بھائی دن رات اس کوشش میں مصروف ہیں کہ جلد از جلد اس محبت سے چھٹکارا پالیں۔"

"کیا مطلب؟"

"ڈیڈی عاجز ہیں اُن کی فضول باتوں سے اور آج کل تو اُن کی بکواس کچھ اور بڑھ گئی ہے۔ نہ جانے ڈیڈی کس طرح برداشت کر رہے ہیں۔ مجھے تو خطرہ ہے کہ کہیں تصوّر بھائی کے سر میں بھی چوٹ نہ آئی ہو۔" افشاں بولی۔

"بہرحال افشاں کچھ بھی ہے۔ یہ سارے معاملات تم لوگوں کو ہی سنبھالنے ہیں۔" مَیں نے کہا۔ "ہاں تہوّر عالم سے بھی رابطہ قائم کیا گیا؟"

"ابھی تک نہیں۔ ویسے ڈیڈی اِن دنوں سنجیدہ ہیں کہ اِن دونوں باپ بیٹے کے درمیان رابطہ کرا دیا جائے۔"

"بہت اچھی بات ہوگی۔" مَیں نے کہا۔ مِس مُیری کافی اور دُوسری چیزیں ایک ٹرالی میں سجا کر لے آئی تھیں۔ شمس نے اُٹھ کر سروس شروع کر دی۔ افشاں بھی اُس کے ساتھ لگ گئی تھی۔۔۔

کافی کے بعد دیر تک خوش گپیاں ہوتی رہیں۔ پھر اُن دونوں نے اجازت طلب کر لی لیکن وہ شام کو چھ بجے پہنچنے کا وعدہ لے کر گئی تھیں۔

"بہت اچھی لڑکیاں ہیں۔ بے حد پُرخلوص۔" اُن کے جانے کے بعد شمس نے تعریف کی۔

"ہاں لیکن وہ میرے ذہن میں گرہ چھوڑ گئی ہیں۔" مَیں نے سنجیدگی سے کہا۔

"وہ کیا؟" شمس نے پوچھا۔

"بس خواہ تم اسے حماقت ہی کہہ لو شمس لیکن میں کیا کروں۔ حالات میرے ذہن میں ایسے گڈمڈ ہو گئے ہیں کہ میں خود بھی اُلٹ پلٹ ہو کر رہ گئی ہوں۔ یہ گفتگو اُس شخص کے بارے میں ہو رہی تھی جس کے بارے میں مَیں نے تمہیں بتایا تھا یعنی بُقراط۔۔۔"

"مَیں سمجھ گئی۔ تم نے مجھے اُس کا اصل نام بتایا تھا۔"

"اس کے والد یعنی تہوّر عالم صاحب فرزانہ کے والد کے بڑے بھائی ہیں۔ بے حد دولت مند انسان ہیں۔ تصوّر عالم نے غیر ممالک میں تعلیم حاصل کی ہے کہاں؟۔۔۔ اس کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ کیا بن عارف نے کیلی فورنیا میں ہی الشاط سے دوستی نہیں کی تھی؟"

"ہاں۔" شمس پُرخیال انداز میں بولی۔

"تہوّر عالم صاحب نے بیٹے سے ناراض ہو کر اُسے عاق کر دیا ہے اور اب وہ بے حد کسمپرسی میں زندگی گزار رہا ہے کیا بن عارف اس کا دُوسرا رُوپ نہیں ہو سکتا؟"

"لیکن اس میں ایک بہت بڑا جھول ہے عالیہ۔۔۔" شمس نے کہا۔

"وہ کیا؟"

"بن عارف الشاط سے شروع ہی سے بن عارف کے نام سے متعارف ہوگا۔ وہ اچانک ہی ہمارے لیے بن عارف تو نہ بن گیا ہوگا؟"

"ہاں یہ ایک مضبوط دلیل ہے۔ اُسے خود کو بن عارف کی حیثیت سے متعارف کرانے کی کیا ضرورت تھی؟" مَیں نے اعتراف کیا۔

"تمہارے ذہن میں ان شبہات کی بُنیاد کیا ہے؟"

"بہت سی باتیں۔ اس کی شکل و صورت اور قد و قامت کی مماثلت۔ اس کے علاوہ اُس نے شاطر سے مجھے بچانے کے لیے اُسے پاگل کر دیا تھا۔ پھر وہ صرف میری خواہش پر تمہیں بھی جہاز پر لے آیا۔ اس کے بعد اُس نے ہم پر ظاہر کیے بغیر حاتم کو اس کے لیے مجبور کیا کہ وہ ہمیں ہمارے وطن پہنچا دے۔ یہ سب سے پُراسرار اور اُلجھا ہوا پہلو ہے۔ اس سے ہم یہ اندازہ بھی لگا سکتے ہیں کہ وہ دَرپردہ ہماری مدد کرنا چاہتا تھا اور اپنی شخصیت کو بھی چھپانا چاہتا تھا اور شمس اِن لڑکیوں سے معلوم ہُوا کہ وہ ایک ماہ سے اُن سے بھی رابطہ نہیں رکھ سکا تھا۔"

"لیکن یہ ایکسیڈنٹ؟" شمس نے پوچھا۔

"فراڈ بھی ہو سکتا ہے۔ کوئی چالاک اور ذہین آدمی خود کو شُبے سے بچانے کے لیے یہ ڈھونگ رچا سکتا ہے۔"

"بہت مشکل ہے عالیہ۔"

"آخر کیوں؟"

"اسپتال میں اُس کا ایک ماہ کا ریکارڈ ہوگا اور پھر اسپتال والے اس سے یہ تعاون کیوں کریں گے۔ یہ بات اسپتال سے معلوم ہو سکتی ہے۔"

"وَیری گڈ۔۔۔ اچھی سمجھائی ہے۔ بُقراط کو روشنی میں لانا بہت ضروری ہے شمس۔ ہم اس سلسلے میں ضرور کوشش کریں گے"

"ضرور۔" شمس نے گردن ہلائی۔

"آج شام کو اُس سے تمہاری ملاقات بھی ہوگی۔ تم نے بھی بن عارف کو دیکھا ہے۔ کوشش کرنا کہ کوئی مماثلت مل جائے۔"

"ٹھیک ہے۔"

"اب مجھے اجازت دو تا کہ مَیں اپنے کچھ کام کر لوں۔۔۔ دوپہر کے کھانے پر انتظار مت کرنا۔ اگر جلدی پہنچ گئی۔ تو ٹھیک ہے ورنہ۔۔۔"

"او۔کے۔" شمس نے جواب دیا اور ضروری تیاریوں کے بعد مَیں چل پڑی۔ جس وقت مَیں صباحت صاحب کے پاس پہنچی تو صباحت صاحب مجھے فون کرنے کے لیے تیار تھے۔ مجھے دیکھ کر ریسیور رکھ دیا۔

"مَیں تمہیں ہی فون کرنے والا تھا۔"

"خیریت۔۔۔؟"

"ابھی چند منٹ قبل اُسی آواز میں مجھے فون کیا گیا تھا جس نے ہمیں ایک بار دھمکی دی تھی اور جس سے ہم نے دس ہزار روپے وصول کیے تھے۔" صباحت صاحب نے کہا۔ اور مَیں ساکت رہ گئی۔

کیوں۔۔۔

صباحت صاحب خاموش نگاہوں سے مجھے دیکھ رہے تھے جیسے مجھ سے کچھ کہنا چاہتے ہوں۔ میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ "آپ کچھ فکرمند ہو گئے ہیں صباحت صاحب!" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"بڑی بے بسی کا شکار ہو گیا ہوں عالیہ بیٹی!" صباحت صاحب گہری سانس لے کر بولے۔

"بے بسی؟" میں نے حیرت سے دہرایا۔ "کیا میں آپ کی اس بے بسی کے بارے میں کچھ جان سکتی ہوں؟"

"میں تمہارا ملازم ضرور ہوں عالیہ لیکن تمہارا کوئی بزرگ نہیں۔ میں تمہارے لیے بہت فکرمند رہتا ہوں۔ تم نے جو راستہ اختیار کیا ہے وہ خطرناک ہے۔ کسی بھی وقت تم کسی حادثے کا شکار ہو سکتی ہو۔ میں چاہتا ہوں تم ان جھگڑوں کو چھوڑ دو، ایک پُرسکون زندگی اپناؤ لیکن میں تمہیں یہ حکم نہیں دے سکتا۔"

"صباحت صاحب۔ میں آپ کے جذبات سمجھ رہی ہوں اور یقین کریں میں نے کبھی آپ کو اپنا ملازم نہیں سمجھا۔ آپ میرے بزرگ ہیں اور میں آپ کا احترام کرتی ہوں۔ میرے مرحوم والد کی چھوڑی ہوئی دولت اور جائداد اتنی ہے کہ اگر میں شہنشاہوں کی سی زندگی بسر کروں، تب بھی ختم نہیں ہو سکتی۔ ہر انسان کے اپنے کچھ اصول ہوتے ہیں . . . ہر شخص اپنی پسند کی زندگی اپناتا ہے۔ مجھے یہی زندگی پسند ہے۔ آپ کو اس سلسلے میں فکرمند نہیں ہونا چاہیے۔ خطرات انسانی زندگی کا پیچھا کہاں چھوڑتے ہیں۔"

"ہاں۔ تم ٹھیک کہتی ہو لیکن انسان بوڑھا ہونے کے بعد بزدل ہو جاتا ہے۔" صباحت صاحب گہری سانس لے کر بولے۔

"چھوڑیے ان باتوں کو۔ مجھے اس فون کے بارے میں بتائیے . . .؟"

وہ ایک گھنٹے بعد دوبارہ فون کرے گا۔

"وہ کیا کہہ رہا تھا؟" میں نے دلچسپی سے پوچھا۔

"کہنے لگا کہ عالیہ واپس آ گئی ہے۔ میں اس سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے پوچھا کہ تم کون ہو تو ہنس کر بولا۔ صباحت صاحب آپ میری آواز بخوبی پہچان گئے ہیں اس سے زیادہ جاننا آپ کے مفاد میں نہیں ہوگا۔ بہرحال ایک گھنٹے بعد دوبارہ فون کروں گا، آپ اُسے یہ اطلاع دے دیں۔" صباحت صاحب نے کہا اور میں نے گردن ہلا دی۔

"ٹھیک ہے، بات کیے لیتے ہیں۔" میں نے بے پرواہی سے کہا۔

ہم دونوں دوسرے موضوعات پر گفتگو کرتے رہے۔ نئی کوٹھی میں کام شروع ہو چکا تھا جس کے بارے میں . . . صباحت صاحب مجھے بتاتے رہے۔ ٹھیک ایک گھنٹے بعد فون کی گھنٹی بجی تو صباحت صاحب نے ریسیور اٹھا لیا۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے منسلکہ ٹیپ ریکارڈر آن کر دیا تھا۔

"ہیلو۔" صباحت صاحب بولے۔

"خادم عرض کر رہا ہے ایڈیٹر صاحب۔ کیا آپ نے مس عالیہ کو میرا پیغام پہنچا دیا؟"

"عالیہ موجود ہیں... گفتگو کرو۔" صباحت صاحب بولے

"عالیہ صغیر بھایانی۔" میں نے ریسیور لیتے ہوئے کہا۔

"مس بھایانی۔ مشرقِ وسطیٰ سے صحیح سلامت واپسی کی مبارکباد قبول کرو۔" بھاری آواز نے کہا۔

"شکریہ . . . اور تم میری طرف سے اپنی بدترین ناکامی پر تعزیت قبول کرو۔" میں نے چہکتے ہوئے کہا۔

دوسری طرف سے ہنسی کی آواز سنائی دی۔ "نہیں بے بی ایسی بات نہیں ہے۔ تم بلاشبہ ذہین ہو، چالاک ہو، پھرتیلی ہو لیکن اس کے باوجود میں تمہیں زیادہ اہمیت نہیں دیتا... میں نے کبھی تمہارے بارے میں سنجیدگی سے نہیں سوچا ہے۔"

"خوب... لیکن اس کے باوجود تم میرے تعاقب میں وہاں تک پہنچ گئے تھے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"نہیں بے بی۔ تمہارا یہ خیال بھی غلط ہے۔ وہ میرا گھر ہے۔ میرا ایک پاؤں وہاں ہوتا ہے، دوسرا یہاں۔"

"چلو مان لیا۔ یہ بتاؤ فون کرنے کی زحمت کیسے کی؟"

"کہا نا... تمہیں مبارکباد دینی تھی۔ پوچھنا تھا... کہ آئندہ کیا پروگرام ہے بے بی؟"

"بس یہاں سے جا کر کھانا کھاؤں گی۔ کچھ دیر آرام کروں گی اور اس کے بعد شام کو چہل قدمی کے لیے نکلوں گی۔"

"میرا یہ مطلب نہیں ہے۔ میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ تمہارے ذہن سے مجھے روشنی میں لانے کا بھوت اترا یا نہیں؟" اس بار آواز قدرے سخت تھی۔

"تم بہت خوف زدہ ہو مجھ سے، کیوں؟" میں نے پوچھا۔

"چلو یہی سمجھ لو۔ بچوں کی باتوں کا میں بُرا نہیں مانتا۔"

"تو پھر یوں کرو، میرے سامنے آ جاؤ۔ اپنے گناہوں کی سزا قبول کر لو۔ میں تمہارا پیچھا چھوڑ دوں گی۔"

"خوب۔ کافی بلند پرواز ہے۔" طنزیہ انداز میں کہا گیا۔

"گویا تم مجبور کر رہی ہو کہ میں تمہارے متعلق سنجیدہ ہو جاؤں؟"

"بڑے مسخرے ہو تم۔ مجھے معلوم ہی نہیں تھا کہ اب تک تم صرف مذاق کرتے رہے ہو۔ اگر واقعی وہ تمہارا مذاق تھا، تو میری رائے ہے کہ واقعی سنجیدہ ہو جاؤ۔ رہی میری بات تو کان کھول کر سن لو۔ امینہ، درخشاں، شکیلہ اور ان جیسی دوسری مظلوم لڑکیوں کے قاتل کو بدترین موت سے ہمکنار کرنا میرا مسلک ہے۔ میں عورت ہوں اور مرد کی بدترین سرشت کے خلاف صف آرا ہوں۔"

"تمہارے خیالات اچھے ہیں، اپنا کام جاری رکھو لیکن میرے معاملے کو ذہن سے نکال دو۔ میں بھی انسان ہوں اس سے زیادہ رحم دلی میرے لیے ممکن نہیں ہے۔"

"واہ... کیا رحم دلی ہے۔ کیا تمہاری یہی رحم دلی ان لڑکیوں کی موت کا باعث بنی ہے؟"

"اُن کی بات چھوڑو۔ اپنی بات کرو۔"

"اپنی بات کیا کروں۔ مجھے تمہاری بے بسی کا احساس ہے۔ مشرقِ وسطیٰ میں تم نے میرے خلاف کیا کیا کوشش نہیں کی۔ لیکن تم ناکام رہے۔ میں نے تمہیں وہاں شکستِ فاش دی ہے۔"

"یہ تمہاری خام خیالی ہے۔" وہ غرّایا۔

"واقعی۔ اگر یہ بات ہے تو مجھے یہی بتا دو کہ میں وہاں سے کیسے نکل آئی۔ چلو میں تمہیں برتر مان لوں گی۔"

"میں فضول باتوں میں نہیں پڑتا۔ بس مجھے جو کہنا تھا کہہ دیا۔ اگر تم اپنی حرکتوں سے باز نہ آئیں تو تمہیں زندگی سے ہاتھ دھونے پڑیں گے۔"

"اگر کی بات چھوڑ دو۔ میں تو اعلان کر رہی ہوں کہ تمہاری موت میری زندگی کا مسلک ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" دوسری طرف سے کہا گیا اور فون بند ہو گیا۔

"مجھے یہ ٹیپ دوبارہ سنائیے صباحت صاحب!" میں نے کہا اور انہوں نے میری ہدایت پر عمل کیا۔ میں نے کئی بار یہ آواز سنی، اس کے تلفظ، الفاظ کی ادائیگی پر غور کیا۔ بار بار ذہن میں ایک شبہ ابھرتا تھا۔ یہ آواز منور عالم کی آواز سے مشابہہ تھی لیکن بعض چیزیں ایسی تھیں کہ بس دل نہیں مانتا تھا۔ میں دیر تک خاموش رہی۔

"بہت تلخ گفتگو کی ہے تم نے۔" صباحت صاحب بولے۔

"اپنا مافی الضمیر واضح کیا ہے۔ میرے دل میں یہی سب کچھ ہے۔"

"تمہارے خیال میں یہ وہی شخص ہے جو ان وارداتوں کی پشت پر ہے؟"

"ابھی ابھی یہی خیال میرے ذہن میں پیدا ہوا تھا.. لیکن میں اس سلسلے میں کوئی دعوا نہیں کر سکتی۔ وہ خطرناک شخص جس طرح اپنی پردہ پوشی کرتا رہا ہے اس کو مدِنظر رکھتے ہوئے یہ خیال ذہن میں ضرور آتا ہے کہ ممکن ہے یہ آواز اس کی نہ ہو اور یہ صرف اس کا کوئی خاص ہرکارہ ہو لیکن اگر یہ شخص بھی میرے ہاتھ آ جائے تو اس سے کم نہیں ہوگا۔ اس کے ذریعے میں اس تک پہنچ سکتی ہوں۔"

"مشرقِ وسطیٰ میں کیا ہوا تھا؟" صباحت صاحب نے پوچھا۔

"میں نے ایک کوشش کی تھی لیکن یہ وہاں پہنچ گیا اور مجھے ناکامی ہوئی۔ وہاں میرے اور اس کے درمیان کشمکش ہوئی لیکن وہ مجھ پر قابو نہیں پا سکا۔" میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"اچھا اب اجازت دیجیے اور یہاں میری غیر موجودگی کو کبھی محسوس نہ کریں۔ آپ اپنا کام جاری رکھیں۔ ممکن ہے میری ملاقات آپ سے نہ ہو... بلکہ میں تو ایک اور بات بھی سوچ رہی ہوں کیوں نہ میں آپ کے اخبار سے علیحدگی اختیار کر لوں۔ ممکن ہے یہ لوگ مجھ میں اور اخبار میں کوئی رابطہ تلاش کر لیں اور اخبار کو نقصان پہنچانے کی کوشش کریں۔"

"وہ اخبار کو کیا نقصان پہنچائیں گے؟" صباحت صاحب بولے

"کیوں نہ تفریحاً آپ میرا... استعفا قبول کر لیں... لطف رہے گا۔" میں نے کہا۔

"اگر اس میں کوئی مصلحت ہے تو ٹھیک ہے۔ کیا اس سلسلے کی تشہیر بھی ہو گی؟" صباحت صاحب نے پوچھا۔

"ہاں لوگ پوچھیں تو کہہ دیں کہ میں سرکش ہو کر... اخبار کی پالیسی کے خلاف جا رہی تھی۔"

"جیسے مناسب سمجھو۔ بہرحال یہ وقتی بات ہے لیکن کسی طرح بھی رابطہ ضرور رہنا چاہیے۔" صباحت صاحب نے کہا اور میں نے گردن ہلا دی۔ اخبار سے رابطہ منقطع کرنے کا فیصلہ بہت عمدہ تھا۔ اس طرح مجھے چند لوگوں کو آزمانے کا موقع بھی مل جاتا اور اس طرح مجھ تک پہنچنے کا ایک راستہ بھی مسدود ہو جاتا تھا جو اس وقت میرے لیے بہتر تھا۔ دفتر سے اٹھی تو طبیعت بشاش تھی۔ اس فون کال نے میرے ذہن پر خوشگوار اثر ڈالا تھا۔ اندر سے ایک جولانی سی اٹھ رہی تھی۔

دفتر سے اپارٹمنٹ تک خیریت ہی رہی۔ گھر کا دروازہ کھلا، تو

مس میری اور شمس نے مسکرا کر مجھے دیکھا۔ "کیا بات ہے، دونوں بہت خوش ہو؟"

"بس ہم شرط لگا رہے تھے کہ تم لنچ پر آؤ گی یا نہیں ابھی ہمارے درمیان کوئی فیصلہ نہیں ہُوا تھا کہ تم آگئیں" شمس نے کہا۔

"خوب۔ کون اس کے حق میں تھا؟"

"مس میری کہہ رہی تھیں کہ تم لنچ پر نہ پہنچو گی" شمس نے کہا۔

"یہ شمس بہت چالاک ہے مس میری۔ آپ اس سے شرط نہ لگایا کریں۔ یہ جانتی ہے کہ اب اس کے بغیر مجھے کسی کام میں لطف نہیں آئے گا۔ بہر حال کھانا لگوا لیا جائے۔ مابدولت کو بھوک لگ رہی ہے۔"

کھانے کی میز پر میں نے شمس کو اس فون کال کے بارے میں بتایا تو وہ فکر مند ہو گئی۔ "یوں تو سب کچھ منجانب اللہ ہوتا ہے لیکن اس کے باوجود تھوڑی سی احتیاطی تدابیر ضروری ہیں" اس نے کہا۔

میں نے تائید میں گردن ہلا دی اور آرام کرنے کے لیے خواب گاہ میں چلی گئی۔ شام کو پوری تیاریوں کے بعد میں اور شمس نیچے اتر آئے۔ گیراج سے کار نکالی اور چل دیئے۔ راستے میں شمس سے منور عالم کی کوٹھی کے بارے میں گفتگو ہوتی رہی۔ میرے علاوہ شمس بھی محتاط تھی۔ خاص طور سے سنسان سڑک پر تو ہمیں اور زیادہ محتاط ہونا پڑا... لیکن کوٹھی تک پہنچتے ہُوئے کوئی خاص واقعہ نہیں پیش آیا۔

فرزانہ اور افشاں ہماری منتظر تھیں۔ ہمیں دیکھتے ہی کھل اٹھیں۔ انکل منور عالم بھی ان دونوں کے ساتھ ہی کھڑے تھے۔ منور عالم نے میرے سر پر ہاتھ پھیرتے ہُوئے کہا "کیسی ہو عالیہ بیٹی؟"

میں ایک لمحے کے لیے کھو سی گئی۔ یہ وہی شخص تھا جس پر میں ایک گھناؤنے جرم کا شبہ کرتی رہی تھی لیکن اس کے لہجے میں کوئی کھوٹ نہیں تھی۔ یہ دو بیٹیوں کے باپ کا لہجہ تھا۔ ایک لمحے کے لیے یہ خیالات میرے ذہن میں آئے لیکن دوسرے لمحے میں نے خود کو سنبھال لیا۔

"ٹھیک ہوں انکل۔"

"ہم تو بدقسمت ہیں کہ ہماری تم سے ملاقاتیں بہت کم رہیں۔ افشاں اور فرزانہ البتہ تمہارے بارے میں بہت کچھ بتاتی رہی ہیں۔"

"جی۔ میں اکثر آتی رہی ہوں۔ آپ موجود نہیں تھے۔"

"ان سے تعارف کراؤ" منور عالم نے شمس کی طرف دیکھ کر کہا۔

"میری ایرانی دوست۔ شمس۔"

"بڑی خوشی ہُوئی تم سے مل کر بیٹی" انکل منور عالم نے کہا پھر ہم سب لوگ اندر چلے گئے... "تصور عالم کو بھی یہاں لے آؤ۔ وہ بھی ہمارے ساتھ ہی چائے پی لے گا" منور عالم نے کہا۔

"ابو آپ ہی زحمت کریں" افشاں نے کہا۔

"اچھا اچھا ٹھیک ہے میں جاتا ہوں" منور عالم بولے اور اٹھ کر چلے گئے اور میں نے اُن کے جاتے ہی پوچھا۔

"حضرت بقراط کو ہمارے آنے کی اطلاع دی تھی؟"

"نہیں، جان بوجھ کر نہیں دی۔ اب اچانک وہ آپ کو دیکھیں گے تو زیادہ خوش ہوں گے" افشاں نے کہا اور ہنس پڑی۔

"ویسے مجھے اُن کے حادثے کا افسوس ہے اور اس بات پر اور زیادہ دُکھ ہے کہ وہ اتنے عرصے اسپتال میں پڑے رہے اور تم لوگوں کو اس کی خبر بھی نہیں ہوئی۔ اس کا مطلب ہے کہ تم نے میری ہدایات پر عمل نہیں کیا" میں نے کہا۔

"کون سی ہدایات حضور؟" فرزانہ نے پوچھا۔

"یہی کہ اُن کی خبر گیری کی جاتی رہے تاکہ اُن کی عادات میں تبدیلیاں پیدا ہو جائیں۔"

"تبدیلیاں تو کافی پیدا ہو گئی ہیں لیکن ہمارے اندر، وہ جنہیں بقراط سے بھی وزنی کوئی چیز کہا جا سکتا ہے اپنے اندر کوئی تبدیلی پیدا کرنے پر آمادہ نہیں ہیں۔ ابھی تک یہ پتہ نہیں چل سکا کہ موصوف کا قیام کہاں ہے؟"

اسی وقت دُور سے انکل منور نظر آئے جو دو ملازموں کے ساتھ آ رہے تھے۔ ملازم ایک کرسی دھکیلتے ہُوئے لا رہے تھے جس پر حضرت بقراط جلوہ افروز تھے۔ ایک ریشمی گاؤن میں لپٹے ہُوئے تھے اور صحت کے لحاظ سے پہلے سے بہتر نظر آ رہے تھے۔ ہم لوگ سنبھل کر بیٹھ گئے۔ شمس گہری نگاہوں سے بقراط کو دیکھ رہی تھی۔

"اب دیکھو پہچانتے ہو یا نہیں؟" منور عالم نے قریب

"افسوس۔ یادداشت بھی اسپتال ہی میں رہ گئی" بقراط نے ناک سکیڑ کر کراہتے ہُوئے کہا۔ پیر پر ابھی تک پلاسٹر چڑھا ہُوا تھا باقی سب ٹھیک ٹھاک تھا۔

"گویا نہیں پہچان سکے" منور عالم نے کہا اور بقراط نے اثبات میں گردن ہلا دی۔ وہ اندھوں کی طرح پلکیں جھپکا رہا تھا۔

"مس عالیہ صغیر بھایانی۔ آپ ان سے کئی بار قرض لے چکے ہیں تصور بھائی" افشاں بولی۔

"اوہ۔ کچھ باقی رہ گیا ہے؟" بقراط نے بوکھلائے ہُوئے لہجے میں پوچھا اور پھر ہائے کا نعرہ لگایا۔

"اب یہ تو عالیہ باجی بتا سکیں گی" افشاں ہنس کر بولی۔

"نہیں کچھ باقی نہیں رہا" میں اسے بغور دیکھتے ہُوئے بولی "اور ہاں اس وقت تو میں آپ کی عیادت کے لیے آئی ہوں۔"

"ہائے۔ کس کس قیامت کی عیادت کریں گی جو بیت گئی اُس کا تصور بھی خوفناک ہے۔ ہائے" بقراط پھر کراہا۔

"پاؤں میں تکلیف ہے شاید؟" میں نے پوچھا۔

"ایں؟ وہ چونک پڑا۔ "نہیں اب تو نہیں ہے..." اُس نے حیرانی سے پلاسٹر چڑھے پاؤں کو دیکھتے ہُوئے کہا "آپ بار بار کراہتے کیوں ہیں؟"

"اس ایک ماہ میں عادت پڑ گئی ہے۔ اب تو صرف عادتاً کراہ لیتا ہوں۔ اسپتال میں ڈاکٹروں کی توجہ حاصل کرنے کے لیے یہ ضروری ہے ورنہ کوئی گھاس بھی نہیں ڈالتا۔"

"بقراط جو ٹھہرے" میں نے ہنس کر کہا۔

"بہت کم لوگ ہیں جو مجھے پہچانتے ہیں۔ درحقیقت موجودہ زمانے کو میری شدید ضرورت ہے لیکن کیا کروں، ابھی تک اپنا مقام نہیں حاصل کر سکا۔ خاتون! کیا آپ بھی مجھے قرض دیتی رہی ہیں؟" بقراط نے اس بار شمس سے پوچھا اور شمس کسی قدر بوکھلا گئی۔ وہ ابھی تک محویت سے بقراط کو دیکھ رہی تھی۔

میں نے انگریزی میں شمس کو بقراط کا سوال بتایا تو شمس ہنس پڑی۔ "جی نہیں۔ بلکہ مجھ پر آپ ہی کا کچھ قرض ہے" شمس نے جواب دیا۔

"میرا... یا خُدا۔ یہ کیسے ممکن ہے؟ بیمار میں رہا ہوں، دماغ لوگوں کا اُلٹ گیا ہے۔ خاتون میں نے ساری زندگی قرض لیا ہے۔ میں کسی کو قرض کہاں سے دے سکتا ہوں۔"

"حساب کی بات ہے جب حساب کتاب ہوگا تو میں بھی اپنا کھاتہ نکال لوں گی" شمس نے ہنستے ہُوئے کہا۔

تھوڑی دیر کے لیے خاموشی چھا گئی تھی۔ منور عالم اس دوران کئی بار مجھے دیکھ چکے تھے اور میں ان چور نگاہوں سے کسی قدر پریشان تھی پھر دفعتاً وہ بول پڑے۔ "اخبار کی نوکری سے تمہیں کیا مل جاتا ہے عالیہ؟"

"بس اتنا مل جاتا ہے کہ سکون سے زندگی بسر کر رہی ہوں" میں نے جواب دیا۔

"میں تمہیں ماضی کے بارے میں بہت کچھ بتا چکا ہوں۔ میں نہیں جانتا صغیر بھایانی نے اپنی دولت کہاں لُٹا دی لیکن بیٹی! میرے لیے تم افشاں اور فرزانہ سے کم نہیں ہو۔ میں اپنی محبت اور اپنے خلوص کا کوئی واضح ثبوت تو نہیں پیش کر سکتا لیکن میری خواہش ہے کہ تم اخبار کی نوکری چھوڑ دو۔ جو لوگ صغیر بھایانی سے واقف ہیں وہ اس کی بیٹی کو اس حیثیت میں دیکھ کر افسردہ ہو جاتے ہوں گے۔"

"میری زندگی میں کوئی کسمپرسی نہیں ہے انکل آپ یقین کریں نہایت سکون سے زندگی گزار رہی ہوں۔ کیا آپ کو یہ بات پسند نہیں کہ میں اپنے پیروں پر کھڑی ہوں اور کسی کی دستِ نگر نہیں ہوں۔ اس کے علاوہ انکل صحافت میرا شوق ہے۔ میں اسے نہیں چھوڑ سکتی۔"

"بس یہ میری خواہش تھی۔ میں تمہیں مجبور نہیں کر سکتا" انکل منور عالم نے کہا۔ اسی وقت چائے آ گئی اور سب کے سامنے سرو ہونے لگی۔ چائے پینے کے بعد انکل منور عالم اُٹھ گئے۔ "اچھا بھئی۔ میں تو چلا، اگر میری ضرورت پیش آ جائے تو آواز دے لینا۔"

اُن کے جانے کے بعد بقراط فوراً بولے "آپ کی زبان میں کوئی تکلیف ہے؟" وہ شمس سے مخاطب تھے۔

"جی نہیں ڈرتی ہوں کہیں آپ کے لیے تکلیف دِہ نہ ہو جائے" شمس بولی۔

"ہرگز نہیں۔ حافظ و سعدی کی زبان کی شیرینی تو آج تک لطف دے رہی ہے۔ آپ مجھ سے فارسی میں گفتگو کریں" بقراط نے شستہ فارسی میں کہا۔

"لیکن ہمارا کیا ہوگا تصور بھائی؟ آپ تصور تو کریں"

فرزانہ نے کہا۔

"میں فیصلہ کردوں، جب تک شمس اچھی طرح اُردو نہ سیکھ لیں ہماری محفلوں میں انگریزی کے علاوہ کوئی زبان نہیں بولی جائے گی۔" میں نے کہا اور سب نے منظور کرلیا۔

"بہرحال محترمہ عالیہ اور خاتون شمس، آپ لوگوں کی آمد کا شکریہ۔ آج سے آپ لوگ اس وقت تک اپنے آپ کو ہمارا قیدی سمجھیں جب تک آپ سے ہمارا دل نہ بھر جائے۔"

"لیکن قیامت سے پہلے انہیں اور بھی کام تو کرنے ہوں گے۔" بقراط نے درمیان میں دخل دیا۔

"قیامت سے پہلے؟ کیا مطلب؟" فرزانہ نے پُوچھا۔

"کیا قیامت تک آپ کا دل بھر جائے گا؟" بقراط نے سوال کیا اور افشاں تالیاں بجانے لگی۔ فرزانہ بھی حیرت سے بقراط کو گھورنے لگی تھی۔

"یا مظہر العجائب۔۔ اب تو تصور بھائی بھی خوب بولنے لگے ہیں۔ میرا خیال ہے اُن کی شخصیت کے مکمل نکھار کے لیے ایک اور ایکسیڈنٹ کافی ہوگا۔" فرزانہ نے کہا۔

"اور جو اس حادثے میں تصور بھائی کا انتقال ہوگیا تو۔۔۔؟" افشاں نے کہا۔

"تم بے فکر رہو، میری رُوح تمہارے ارد گرد ہی منڈلاتی رہا کرے گی۔" بقراط نے کہا۔ پروگرام کے مطابق ساری گفتگو اب انگریزی میں ہو رہی تھی اس لیے شمس بھی اس سے پُوری طرح لطف اندوز ہو رہی تھی۔ ذکر بقراط کی موٹر بائیک کا نکل آیا۔ بقراط اس کے لیے بہت غم زدہ تھا۔ اُس نے بتایا تھا کہ موٹر سائیکل کو بھی نقصان پہنچا ہے۔

"وہ ہے کہاں؟" میں نے پوچھا۔

"مکینک کے ہاں ہے۔ میں ٹھیک ہو جاؤں تو اُسے بھی ٹھیک کراؤں گا۔"

"پھر وہی بات کہی آپ نے تصور بھائی۔ ابّو آپ سے کیا کہہ چکے ہیں؟" افشاں بولی۔

"اوہ۔ افشاں۔ چچا میاں کو اچانک یاد آگیا ہے کہ میں اُن کا بھتیجا ہوں۔ اگر کسی دن یہ بات دوبارہ اُن کے ذہن سے نکل گئی تو کیا ہوگا۔ کیا میری کیفیت اسی میراثی کی سی نہ ہو جائے گی جسے ایک راجہ نے ہاتھی انعام میں دے دیا تھا۔"

"آپ کی یہی باتیں سب کو برگشتہ کر دیتی ہیں کیا اس دُنیا میں آپ کو کسی پر اعتماد نہیں ہے؟" افشاں نے اُسے گھورتے ہوئے کہا۔

"ہے۔ ضرور ہے۔" بقراط یقین سے بولا۔

"آخر کس پر۔۔۔ وہ کون ہے؟"

"میری موٹر سائیکل۔ یقین کرو افشاں، وہ مجھے اس جہاں میں سب سے زیادہ عزیز ہے۔ قصور اس کا نہیں ہے۔ وہ میرے اشارے پر چل رہی تھی۔ میری غلطی سے حادثہ ہُوا اور وہ غریب میری وجہ سے زخمی ہُوئی۔ آہ! وہ میرے ہر دُکھ درد کی ساتھی ہے۔ مجھے کہیں سے قرض مل جاتا تھا تو دونوں کا پیٹ بھرتا تھا۔ اسے پیٹرول ملتا اور مجھے روٹی، ورنہ دونوں بھوکے رہتے۔ میں کہیں بھی چلا جاؤں واپسی پر وہ مجھے اُسی جگہ انتظار کرتی ہوئی ملتی جہاں میں اُسے چھوڑ گیا ہوتا۔ اپنی مرضی سے اُس نے کبھی ایک قدم بھی نہیں اُٹھایا۔ آہ میری پیاری موٹر سائیکل۔"

"مجھے اُس مکینک کا پتہ بتایئے تصور بھائی۔" افشاں تُنتا کر بولی۔

"کیوں۔ کیا کروگی؟"

"اس موٹر سائیکل کو آگ لگا دُوں گی۔ کان کھول کر سُن لیں تصور بھائی، اب آپ اسے استعمال نہیں کریں گے۔۔۔ اور عالیہ باجی یہ ذمّے داری آپ کی بھی ہے۔ آپ ہی نے دوبارہ ہمارے دلوں میں ان کی محبت پیدا کی ہے۔ آپ دیکھ رہی ہیں یہ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔"

"آپ کو ان لوگوں کے جذبات کی قدر کرنی چاہیے بقراط صاحب۔" میں نے اُسے گھورتے ہوئے کہا۔

"کرتا ہُوں۔ یقین کریں بہت زیادہ کرتا ہُوں لیکن کیا آپ کے خیال سے میں اس موٹر سائیکل کو چھوڑ دُوں؟۔۔" بقراط نے پوچھا۔

"انکل نے کیا تجویز پیش کی ہے افشاں؟" میں نے پوچھا۔

"ڈیڈی نے کہا ہے کہ وہ اُنہیں ایک کار خرید کر دے دیں گے۔ موٹر سائیکل خطرناک سواری ہے۔" افشاں نے بتایا۔

"آپ کو اس پر کیا اعتراض ہے بقراط صاحب؟"

"عرض کر چکا ہوں کہ ہاتھی اور مراثی والی مثال ہو جائے گی۔ موٹر سائیکل میں اگر ایک لیٹر پیٹرول ڈال لیا جائے تو وہ موڈ میں آجاتی ہے جب کہ کار ایک گیلن میں بھی ساتھ نہیں دیتی۔ اب میں اس کے لیے قرض کی شرح کیسے بڑھاؤں گا۔ نتیجے میں انکل سے پیٹرول کے پیسے مانگنے پڑیں گے۔"

"ابّو نے آپ سے کچھ اور بھی تو کہا تھا؟" افشاں آنکھیں نکال کر بولی۔

"ہاں۔ وہ معاملہ ابھی زیرِ غور ہے۔" بقراط نے کسی قدر پریشانی کے عالم میں کہا۔

"وہ معاملہ کیا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"عالیہ باجی۔ ایک بات کہوں؟" شریر افشاں نے جلدی سے میری بات کاٹ دی۔ "تصور بھائی کے حالات میں آپ بہت دلچسپی لے رہی ہیں بلکہ لیتی رہی ہیں۔" افشاں نے بدستور مسکراتے ہُوئے کہا۔ حالانکہ میں ان بچکانہ باتوں میں کوئی دلچسپی نہیں لیتی لیکن نہ جانے کیوں افشاں کی اس گرفت پر میں ایک لمحے کے لیے بوکھلا سی گئی۔ یہ حقیقت تھی میں زیادہ ذرا سی مسئلے میں بولتی رہی تھی لیکن یہ صورتِ حال صرف ایک لمحے کے لیے تھی۔ دُوسرے لمحے میں سنبھل کر مسکرانے لگی۔

"ہاں افشاں۔ تمہارا خیال درست ہے اور اس کی ایک خاص وجہ ہے۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"وہ کیا؟"

"تمہارے لیے یہ صرف تصور بھائی ہیں لیکن میں اِنہیں بقراط کے نام سے جانتی ہُوں اور بہرحال ایک عظیم مفکر قوم کا سرمایہ ہوتا ہے۔ کیوں بقراط صاحب؟"

"خدا آپ کو جزائے خیر دے۔" بقراط بولا۔

"اس کے علاوہ بھی بقراط صاحب نے میرے اُوپر بڑے احسانات کیے ہیں۔ یہ ان احسانات کو تسلیم نہ کریں لیکن میں۔۔۔" میں نے کہا لیکن میرے ان الفاظ پر بقراط کا چہرہ سپاٹ ہی رہا تھا۔ "تو اب تم مجھے اس معاملے کے بارے میں بتاؤ۔"

"ابّو نے فیصلہ کیا ہے کہ تایا جان سے تصور بھائی کے بارے میں بات کریں گے اور ان دونوں کے درمیان اختلاف دُور کرائیں گے لیکن اس کے ساتھ ہی ابّو نے کچھ اور فیصلے بھی کیے ہیں۔" افشاں نے کہا۔

"وہ کیا؟"

"اگر بالفرضِ محال تایا جان نے ابّو کی بات نہیں مانی تو پھر ابّو بھی بہت ضدی ہیں وہ تصور بھائی کو اپنے سارے کاروبار کا مختارِ کُل بنا دیں گے اور اُنہیں ان کا جائز مقام دیں گے۔"

"خُدا کی قسم میں خوش ہُوئی ہوں۔ یہ نہایت مناسب قدم ہے۔ کیا بقراط صاحب بھی تیار ہیں؟"

"انہیں تیار ہونا پڑے گا۔"

"کیوں بقراط صاحب؟"

"میرے بزرگوں کی بات ہے۔ میں کیا عرض کرسکتا ہُوں لیکن اس کے بعد کے حالات بہتر نہ ہوں گے۔ مجھے یقین ہے۔"

"کیوں؟"

"ان کا مزاج میرے جنون کا متحمل نہ ہوگا۔ میں نے جہاں انسان کی تذلیل پائی وہاں میرا فلسفہ جاگ اُٹھے گا۔۔۔ اور جاگیرداری ہمیشہ انسانی فلسفے کی نفی کرتی رہی ہے نتیجہ احساسات کے تصادم کی شکل میں ظاہر ہوگا اور مجھے پھر اسی فقیری میں واپس آنا پڑے گا۔"

"کوئی درمیانی راستہ بھی ممکن ہے۔" میں نے کہا۔

"اگر نکل سکا تو میری خوش بختی ہوگی۔"

"بہرحال لچک ہے امکانات ہوسکتے ہیں۔ مجھے درحقیقت خوشی ہوگی۔" میں نے خلوص سے کہا۔ اس کے بعد ڈنر کی باری آئی اور کھانے کے بعد ہم نے جانے کی اجازت مانگی۔۔۔ اور بمشکل تمام لڑکیوں نے جانے کی اجازت دے دی۔ رات ہو گئی تھی۔ میں اور شمس کار میں آبیٹھے۔ سب نے ہمیں کوٹھی کے دروازے سے رُخصت کیا تھا اور پھر کار اس ذیلی سڑک پر دوڑنے لگی جو آگے جا کر بڑی سڑک سے جا ملتی تھی۔ سنسان ماحول ہمارے اُوپر اثر انداز تھا۔ شمس بھی متاثر نظر آرہی تھی۔ تھوڑی دُور چل کر اُس نے کہا۔

"رات کو رُک جانا چاہیے تھا۔ ماحول یُوں بھی ٹھیک نہیں ہے۔"

"اُونہہ۔ کوئی بات نہیں ہے شمس۔ فکر مت کرو۔" میں نے جواب دیا اور شمس گردن ہلانے لگی۔ "ہاں اب بتاؤ کیا کہتی ہو؟"

"سخت اُلجھن کا شکار ہوں۔" شمس بولی۔

"کیوں؟"

"بن عارف کی بات کر رہی ہو نا؟"

"ہاں؟" میں نے طویل سانس لے کر کہا۔

"عالیہ۔ یہ شخص بن عارف ہو یا نہ ہو لیکن مجھے بہت ہی چالاک انسان معلوم ہوتا ہے۔ اس کی سادہ گفتگو اس کی ذہانت کا پتہ دیتی ہے۔ جو لوگ کچھ نہ ہوتے ہُوئے بھی خود کو بہت کچھ ظاہر کرنے پر تُلے رہتے ہیں وہ اتنے خطرناک نہیں ہوتے جتنے وہ لوگ ہوتے ہیں جو بہت کچھ ہو کر بھی خود کو معمولی ظاہر کرتے ہیں۔"

"میں سمجھ رہی ہوں؟" میں نے گردن ہلائی۔

"یہ شخص ایک بڑے آدمی کا بیٹا ہے لیکن... جگہ جگہ قرض مانگتا پھرتا ہے۔ کیا یہ ایک گہری سازش نہیں ہے، اپنے باپ کے خلاف؟"

"کہہ سکتی ہو۔" میں نے کہا۔

"نہیں۔ میں دعوے سے کہتی ہوں۔ یہ انتقام کی ایک شکل ہے۔ وہ کسی بات پر اپنے باپ سے برگشتہ ہوگیا ہے اور اس طریقے سے انتقام لے رہا ہے۔"

"ممکن ہے شمس لیکن بن عارث میں اور اس میں کوئی مماثلت ملتی ہے؟" میں نے پوچھا۔

"مماثلت... ؟ صرف مماثلت ہی نہیں۔ وہ بن عارث کا دوسرا رُوپ معلوم ہوتا ہے۔ ساری ادائیں ساری حرکتیں اُسی کی ہیں لیکن وہ کامیابی سے خود کو چھپائے ہوئے ہے۔"

"تم دعوے سے کہتی ہو؟"

"نہیں عالیہ۔ بھلا دعوا کیسے کرسکتی ہوں۔ اتنی گہرائیوں میں حقیقت تلاش کر لینا اتنا آسان کام تو نہیں ہے۔"

"امکان مدِ نظر رکھا جائے؟" میں نے پوچھا۔

"بالکل۔ میں نے لوگوں میں مشابہت دیکھی ہے لیکن اِس قدر بھی نہیں کہ دونوں میں سرِ مُو فرق نہ ہو۔ اگر وہ بن عارث ہے تو خود کو بدلنے میں کوشاں ہے اور میں کہتی ہوں کامیاب بھی ہے لیکن اس کے باوجود ہم اسے دُوسری شخصیت تسلیم نہیں کرسکتے۔" شمس نے کہا۔

"بہرحال شمس، یہ معمّہ بھی حل کرنا ہے۔ تمہاری موجودگی سے مجھے بڑی تقویت ملی ہے شمس، میرے ذہن میں کچھ اور پروگرام جنم لے رہے ہیں شمس۔"

"مثلاً؟" شمس نے پوچھا۔

"میں چاہتی ہوں اپنے وطن میں ان کران گھناؤنے لوگوں کے خلاف صَف بستہ ہوجاؤں جو اخلاقی مُجرم ہوتے ہیں۔"

"بڑا نیک جذبہ ہے عالیہ۔" شمس عقیدت سے بولی۔

"اور تم اس سلسلے میں میری معاون ہوگی۔"

"میرے بدن کا بال بال تمہارا مقروض ہے۔ جب چاہو اس قرض کو وصول کرلینا۔"

"شکریہ شمس۔ میں اس سلسلے کی ابتدا کرچکی ہوں۔ بس تم تیار ہوجاؤ۔"

"میں تیار ہوں عالیہ... ارے عالیہ۔ وہ... وہ..."

دفعتاً شمس سامنے دیکھ کر چونک پڑی۔ میرے پاؤں کا دباؤ بریک پر جا پڑا اور کار کی رفتار سُست ہوگئی۔

ہیڈ لائیٹس ایک انسانی بدن کو نمایاں کر رہی تھیں جو سڑک کے درمیان پڑا ہُوا تھا۔ دفعتاً میرے ذہن نے خطرے کا احساس دلایا سڑک کے درمیان اتنی جگہ تھی کہ میں کار کو کچے میں اُتار کر نکال سکتی تھی لیکن ایک لمحے میں، میں نے فیصلہ کیا کہ صرف ایک موہُوم سے خطرے کی وجہ سے کسی انسان کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔ ممکن ہے کسی کی جان ہی بچ سکے اور میں نے کار اس طرح لے جاکر روک دی کہ اس کی روشنیاں اس بدن پر مرکوز رہیں۔ میں اور شمس بے اختیار نیچے اُتر آئے تھے اور پھر ہم اس کے قریب پہنچ گئے۔

ایک نوجوان لڑکی تھی۔ سفید لباس میں ملبوس چت لیٹی ہُوئی تھی۔ آنکھیں کھُلی ہُوئی تھیں لیکن بدن حرارت سے محرُوم تھا۔ بدن پر زخم کا کوئی نشان نہیں تھا۔ قرب و جوار میں بھی خون کے دھبّے وغیرہ نہیں نظر آرہے تھے لیکن بے نُور آنکھیں بتا رہی تھیں کہ اب اس جوان اور گداز بدن میں رُوح کا وجود نہیں ہے۔

شمس نے اس کے بدن کو کئی جگہ سے ٹٹولا اور پھر بھاری لہجے میں بولی: "مرچکی ہے۔"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میں تو پھٹی پھٹی آنکھوں سے اُس کی ٹھوڑی کے گڑھے اور اس سے کچھ اُبھرے ہُوئے سیاہ تِل کو دیکھ رہی تھی۔ وہی نشانات... اور قتل کی وجہ بھی وہی...

"لیکن اس کے بدن پر کوئی زخم نہیں ہے۔" شمس نے پھر کہا اور پھر خود ہی بولی: "ممکن ہے پُشت پر زخم ہو۔ اسے پلٹ کر دیکھوں؟" اُس نے لڑکی کے اکڑے ہُوئے بدن کو دُوسری طرف پلٹ دیا۔ لڑکی کی پُشت کے نیچے ایک سخت سفید کارڈ رکھا ہُوا تھا جسے شمس نے اُٹھا لیا۔

"اوہ۔ اس پر مقامی زبان میں کچھ لکھا ہے۔" اُس نے کارڈ میری طرف بڑھایا اور اسی وقت ہم دونوں چونک پڑے۔ کہیں قریب ہی کسی گاڑی کا انجن اسٹارٹ ہونے کی آواز سُنائی دی تھی اور پھر سڑک کے نشیب سے دو روشنیاں بلند ہُوئیں اور ایک جیپ تیزی سے ہماری طرف بڑھی... دُوسرے لمحے میں نے شمس کو پُوری قوت سے دھکا دیا اور خود بھی اوندھی گر پڑی۔ جیپ برق رفتاری سے میرے قریب

سے گزری اور اس سے گولیاں چلانے کے بجائے کوئی اور چیز ہم پر پھینکی گئی جو میری پُشت پر آکر گری تھی۔ اس کے ساتھ ہی فضا میں ایک بھاری قہقہہ گونجا۔ "سانپ۔" دفعتاً شمس کے حلق سے چیخ نکلی۔ میری پُشت پر گرنے والی شئے سیاہ رنگ کا ایک سانپ تھا جو گر کر سنبھلا اور پھر نہ جانے کیوں اُس نے بھاگ جانے میں ہی عافیت سمجھی شاید وہ تیز روشنی سے خوف زدہ ہوگیا تھا۔ میں اور شمس اُچھل کر کھڑے ہوگئے تھے۔ نگاہ کی آخری حد پر جیپ کی سُرخ روشنیاں نظر آرہی تھیں جو چند ساعت کے بعد معدُوم ہوگئیں۔ "کارڈ پر کیا لکھا ہے؟" اُس نے پوچھا اور میں جُھک کر کارڈ کی تحریر پڑھنے لگی... بچکانہ سی تحریر میں لکھا تھا۔

"خیر سگالی کی آخری کوشش۔ سانپ کے دانت اکھڑے ہُوئے تھے اور اس کا زہر نکال لیا گیا تھا۔ وہ زہریلا بھی ہو سکتا تھا، یا پھر اس کے بجائے تمہارے بدن میں لاتعداد سُوراخ بھی کیے جاسکتے تھے۔"... پھر ایک لائن کھینچی ہوئی تھی اور اس کے نیچے لکھا تھا۔ "اس لاش کو بطور تحفہ قبول کرو... یا پھر ایک امتحان سمجھو اپنی زبان کی خاموشی کو اپنی زندگی کا پیغام جانو۔

تمہارا مخلص"۔

میرے پُورے وجود میں آگ سُلگ اُٹھی تھی۔ میری ضد میں ایک اور زندگی لُوٹ لی گئی۔ ایک اور وجود فنا کر دیا گیا۔ آہ۔ درندے۔ درندے... میرا دل اندر سے چیخنے لگا۔ ایک لمحہ بڑا بھیانک گزرا تھا لیکن جذباتی ہونے سے کیا فائدہ تھا۔ وہ لوگ جاچکے تھے۔ میں خاموشی سے لڑکی کی لاش پر جُھک گئی۔

"شمس۔ آؤ اسے گاڑی میں پہنچائیں۔"

اکڑی ہُوئی لاش کو عقبی سیٹ پر ڈالنے میں خاصی دُشواری ہُوئی تھی۔ ہم نے بمشکل اُس کے پاؤں موڑے اور اُسے گاڑی میں ڈال دیا پھر میں دوبارہ اسٹیرنگ پر آ بیٹھی اور کار آگے بڑھا دی۔ میں نے کار کا رُخ پوائنٹ تھری کی طرف کر دیا... لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ میں نے تعاقب کو بھی ذہن میں رکھا تھا لیکن دُور دُور تک کسی کا نشان تک نہیں ملا پھر جب مجھے مکمل یقین ہوگیا کہ کوئی تعاقب میں نہیں ہے تو پوائنٹ تھری کی عمارت پر پہنچ گئی۔ گیٹ پر کار روکی اور پھرتی سے دروازہ کھول کر نیچے اُتر گئی تاکہ اگر کوئی ڈگی میں ہو تو نیچے نہ اُتر سکے... پیچھے جاکر پہلے میں نے ڈگی چیک کی۔ تالا لگا ہُوا تھا اور اس تالے کو اندر سے کسی طور نہیں کھولا جاسکتا تھا۔ اس طرف سے اطمینان کرکے میں گیٹ کی طرف متوجہ ہُوئی۔ رات کا چوکیدار جاگ رہا تھا۔ مجھے پہچان کر اُس نے جلدی سے گیٹ کھول دیا اور میں کار اندر لے گئی۔ اندر پہنچ کر میں نے زور سے ہارن بجایا اور اس کا نتیجہ خاطر خواہ نکلا۔ اندر سے دو افراد نکل آئے۔ یہ عدنان شیرازی اور کیپٹن یوسف تھے۔ دونوں تیزی سے میرے پاس پہنچ گئے۔ "آداب مس عالیہ۔" شیرازی نے کہا۔

"ہیلو شیرازی۔ ہیلو یوسف۔ آؤ ذرا مدد کرو۔ پچھلی سیٹ پر ایک لاش موجود ہے۔" میں نے کہا۔ اُنہوں نے لاش ایک کمرے میں پہنچا دی اور ڈولی رچرڈ اور صوفیہ بھی تھوڑی دیر کے بعد ہمارے پاس پہنچ گئیں۔ میں اور شمس ایک صوفے پر بیٹھ گئے تھے اور وہ سب کے سب لاش کے گرد جمع تھے سب ہی اس کے بارے میں جاننے کے خواہش مند تھے...

"میں تھکی ہُوئی ہوں۔ تم لوگ اس لاش کا بغور معائنہ کرو۔" میں نے حکم دیا اور ان لوگوں نے لاش کا جائزہ لینا شروع کر دیا۔ شیرازی نے کہا: "موت صرف دو صُورتوں میں واقع ہو سکتی ہے یا تو کسی طرح اس کا سانس بند کرکے دم گھونٹ دیا گیا ہے یا پھر کسی طرح حرکتِ قلب بند ہوگئی ہے۔ خوف وغیرہ کے آثار چہرے پر نہیں ہیں اور پُورے بدن پر کوئی زخم بھی نہیں ہے۔ البتہ..." عدنان شیرازی کے انداز میں جھجک پیدا ہوگئی... "اس پر دست درازی کی گئی ہے اور... اور اس میں انہیں کامیابی ہُوئی ہے۔ بدن پر کچھ دھبّے موجود ہیں۔"

"ہُوں... کوئی زخم یا نشان؟"

"کچھ نہیں ہے۔"

"ڈولی۔ کیمرا مل سکے گا؟" میں نے کہا۔

"موجود ہے چیف۔" وہ یہ کہہ کر باہر چلی گئی۔ باقی لوگ اب بھی لاش کا معائنہ کر رہے تھے پھر انہوں نے اُس کا بدن ڈھانپ دیا۔ معائنہ کرتے ہُوئے اُنہوں نے اُس کے بدن کے کچھ حصّے عُریاں کر دیے تھے۔ میں صوفے پر خاموش بیٹھی ہُوئی تھی۔ میں جانتی تھی کہ ان کے ذہنوں میں لاش کے بارے میں تجسّس ہوگا لیکن اس وقت کسی سے گفتگو کرنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔ بس میں اپنی کارروائی کی طرف متوجہ رہنے کی خواہش مند تھی۔

ڈولی کیمرے میں فلیش لائٹ فٹ کرکے کمرے میں

داخل ہو گئی اور میں نے اُس سے مخاطب ہو کر کہا: "مختلف انداز سے تصویریں اُتارو۔ چہرے اور بدن کی تصویریں علیحدہ علیحدہ اُتارنی ہیں۔"

"جی بہتر۔" ڈولی نے کہا اور پھر فلیش لائٹ کے جھماکے آنکھوں میں چکاچوند پیدا کرنے لگے۔ ڈولی اپنے کام میں مصروف ہو گئی تھی۔ میں نے عدنان اور یوسف کو متوجہ کر کے کہا۔

"تم لوگ کب واپس آئے؟"

"تقریباً دو گھنٹے گزر گئے۔ آپ کو فلیٹ پر فون کیا تھا لیکن مس میری نے بتلایا کہ آپ موجود نہیں ہیں۔" کیپٹن یوسف نے جواب دیا۔

"ہوں۔ تم کہاں گئے تھے؟" میں نے پوچھا اور جواب میں اُنہوں نے تین مُلکوں کے نام بتائے۔ ظاہر ہے اُنہیں وہاں میرے بارے میں کچھ نہیں معلوم ہو سکا ہوگا۔ میں نے اس سے زیادہ اس موضوع پر بات نہیں کی اور صُوفیہ کو کچھ ہدایات دینے لگی۔ صُوفیہ بھی گردن ہلا کر باہر نکل گئی تھی پھر وہ ایک سادہ کاغذ لے کر آ گئی۔ میری ہدایت کے مطابق اُس نے کاغذ ایک کپڑے سے پکڑ رکھا تھا تاکہ اس پر اُنگلیوں کے نشانات نہ رہ جائیں۔

"تم اُردو لکھ سکتی ہو؟" میں نے پوچھا۔

"جی نہیں۔ اُردو بس معمولی سی آتی ہے۔ بچوں کی سی رائٹنگ ہے۔" صُوفیہ نے جواب دیا۔

"گُڈ... اسی کی ضرورت ہے۔ لکھو۔" میں نے کہا اور اُس نے قلم کھول دیا۔ "لکھو... لیکن خیال رکھنا کہیں اُنگلیوں یا ہاتھ کا کوئی نشان نہ رہنے پائے۔"

"بہت بہتر۔" صُوفیہ نے جواب دیا اور احتیاط سے کاغذ پر جھک گئی۔

"محکمہ پولیس اور مُلکی انتظامیہ کے لیے چیلنج۔

"امینہ، شکیلہ، درخشاں اور ایسی بے شمار لڑکیوں کے بعد یہ نیا شاہکار مُلک کے ایک بڑے آدمی کے لیے جو خُود کو پُورے ملک کا محافظ سمجھتا ہے۔ اگر ذہانت آزمانا چاہتے ہو تو مجھے تلاش کرو۔ یہ پہلا تحفہ ہے۔ اس کے بعد مزید تحائف بہت جلد نذر کر دُوں گا۔

مخلص"

صُوفیہ نے میری بتائی ہُوئی تحریر لکھ دی اور میں نے اُسے روک دیا۔ "بس اس کاغذ کو اس لاش کے سینے پر پن کر دو۔ لیکن پن پر بھی اُنگلیوں کا کوئی نشان نہ ہو۔" میں نے ہدایت کی اور میری اس ہدایت پر بھی عمل کیا گیا۔ تب میں نے عدنان اور یوسف کی طرف دیکھ کر کہا: "اب تم دونوں کو یہ لاش نہایت ہوشیاری سے ڈی آئی جی پولیس کے بنگلے کے عین سامنے ڈالنی ہے۔ اگر تمہیں اس کام میں دِقت ہو تو بے تکلفی سے مجھے بتاؤ۔"

"نہیں مس عالیہ آپ مطمئن رہیں۔ ہم یہ کام ہوشیاری سے انجام دیں گے۔"

"تب جاؤ۔ میں تمہاری واپسی کا انتظار کروں گی۔" میں نے کہا اور وہ دونوں چلے گئے۔ لاش لے جانے کے لیے اُنہوں نے ایک چھوٹی وین کا انتخاب کیا تھا جس کی نمبر پلیٹ بدل دی گئی تھی اور اُس پر دُودھ تقسیم کرنے والی ایک کمپنی کا عارضی اسٹیکر لگا دیا تھا۔ میں نے اُن کی ذہانت پر اطمینان کا اظہار کیا۔ دُودھ لے جانے والی گاڑیوں پر رات کے کسی بھی حصّے میں کوئی توجّہ نہیں دی جاتی تھی کیوں کہ یہ کام پُوری رات جاری رہتا ہے۔ ظاہر ہے یہ لوگ اِن کاموں کے ماہر تھے اور مجھ سے بہتر انداز میں بھی سوچ سکتے تھے۔

لاش اپنی نگرانی میں روانہ کر کے ہم واپس کمرے میں آ گئے۔ میں نے ڈولی سے کہا: "مس ڈولی۔ مہمان نوازی نہیں کریں گی؟"

"آپ یقین کریں چیف۔ میں پُوچھنے ہی والی تھی۔" ڈولی نے خجالت سے مُسکراتے ہوئے کہا۔

"تب کافی پلوایئے۔" میں بولی اور ڈولی صُوفیہ کو اشارہ کر کے باہر نکل گئی۔۔۔ شمس اب تک خاموش رہی تھی۔ نہ جانے اُس کے ذہن میں کیا کیا خیالات ہوں گے۔ میں نے اُسے دیکھا تو وہ بول پڑی۔

"کاغذ پر تم نے کیا لکھ لیا تھا؟" اور میں نے اُسے اس تحریر کے بارے میں بتایا۔ "اوہ گُڈ۔۔۔ گویا تم نے بھی رُخ بدل دیا۔"

"ہاں کسی طرح تو ان لوگوں کا سر توڑنا ہے۔"

"مگر یہ بڑی ذہانت کی بات ہے۔ وَیری گُڈ۔۔۔ کیا رات یہیں گزارو گی؟" شمس نے پُوچھا۔

"فلیٹ چلنا چاہتی ہو؟"

"ہرگز نہیں۔ میں جو چاہُوں گی صاف بتا دُوں گی۔ میری کسی بات میں کوئی گہرائی نہ تلاش کیا کرو۔" شمس نے کہا پھر بولی: "لیکن وہ لوگ۔۔۔ وہ یقیناً ہمیں گولی مار سکتے تھے۔"

"یقیناً۔ لیکن اُن کی بدبختی نے اُنہیں ایسا نہ کرنے دیا۔ اُن کے ذہنوں میں برتری کا تصوّر ہی اُن کی موت کو قریب لائے گا۔ یہ تو ہماری کامیابی کی طرف قدرت کا ایک اشارہ ہے لیکن یہ بدنصیب لڑکی نہ جانے کون تھی؟"

"میرا خیال ہے اب پولیس خود اس بارے میں تفتیش کرے گی۔ ممکن ہے اخبارات میں ہمیں اس کی تفصیل مل جائے۔"

"ہاں امکان ہے۔" میں نے گہری سانس لے کر کہا۔ ڈولی عمدہ سی کافی بنا لائی اور میں نے اُس کا شکریہ ادا کیا پھر میں نے ان لوگوں سے درخواست کی۔۔۔ کہ وہ مجھے تھوڑی دیر کے لیے تنہا چھوڑ دیں اور وہ چلی گئیں۔ شمس بھی ہچکچا رہی تھی پھر اُس نے کہا۔

"اجازت دو تو میں بھی کہیں آرام کر لُوں۔ بڑی تھکن محسوس ہو رہی ہے۔" اور میں ہنس پڑی۔

"اس محبت بھرے احساس کا شکریہ۔ آؤ دُوسرے کمرے میں چلتے ہیں وہاں تم آرام کرنا اور میں ذہنی ورزش کروں گی۔ میں جانتی ہُوں تم صرف میری وجہ سے ہٹنا چاہتی ہو۔ آؤ۔" میں اُٹھ گئی۔ پوائنٹ تھری کی عمارت اب میرے لیے اجنبی نہیں رہی تھی۔ میں ایک کمرے میں پہنچ گئی جہاں میرے سوچنے کے لیے بہترین جگہ یعنی رائٹنگ ٹیبل موجود تھی۔ شمس مسہری پر چلی گئی اور میں رائٹنگ ٹیبل پر جا بیٹھی۔ تھوڑی دیر کے بعد میں بھول گئی کہ کمرے میں میرے علاوہ کسی اور کا بھی وجُود ہے۔ میں تو اُس وقت چونکی جب کسی نے دروازے پر دستک دی۔ تبھی مجھے یہ اندازہ ہُوا کہ شمس نے آنکھیں بند نہیں کی ہیں۔ وہ جلدی سے اُٹھ گئی اور سوالیہ نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگی۔

"آ جاؤ۔۔۔ کون ہے؟" میں نے تھکی تھکی آواز میں کہا اور شیرازی اندر داخل ہو گیا۔

"سوری میڈم۔۔۔ اطلاع دینے آیا تھا۔" وہ بولا۔ "کام ہو گیا۔"

"شکریہ۔ آرام کرو۔" میں نے کہا اور عدنان شیرازی گردن جھکا کر چلا گیا۔۔۔ شمس بیٹھی ہوئی تھی۔

"تم سوئی نہیں شمس؟" میں نے انگڑائی لے کر پوچھا۔

"بھلا تمہارا آرام مشترک ہے۔ مجھ سے ایسی بات مت کہا کرو جو میں نہ کر سکوں۔"

"بہتر حضور، غلطی ہُوئی۔ اِدھر تشریف لے آیئے۔" میں نے مُسکراتے ہُوئے کہا اور شمس ایک کُرسی گھسیٹ کر میرے نزدیک آ بیٹھی۔ میں نے کاغذ اپنے سامنے کھینچ لیا۔ "شمس! میں ایک اُلجھی کشمکش کا شکار ہُوں۔ اس وقت ایک بالکل ہی عجیب اور بے تکا خیال۔۔۔ میرے ذہن میں آیا ہے۔۔۔ سُنو شمس۔ انکل منوّر عالم کے بارے میں میں تمہیں کسی حد تک بتا چکی ہُوں جن لڑکیوں کو اب تک قتل کیا گیا ہے اُن کے بارے میں ایک بات تمہارے علم میں آ چکی ہے۔ یعنی ان کے نقش و نگار تو الگ الگ ضرور تھے لیکن ایک بات مشترک تھی۔ وہ یہ کہ ان کی ٹھوڑیوں پر گڑھے تھے اور ایک سیاہ تل اُن کے چہرے پر موجود تھا۔ یہ بات تمہیں معلوم ہے۔ یہ بھی یاد ہوگا کہ میں انکل منوّر پر بھی اپنی وجوہات کی بِنا پر شُبہ کرتی رہتی ہُوں۔"

شمس چونک پڑی: "ہاں تم نے تذکرہ کیا تھا۔"

"میں تمہیں درخشاں کے بارے میں بھی بتا چکی ہُوں کہ اُس نے کسی پُراسرار جہازی سفر کی بات کی تھی اور پھر یہ بھی میں نے تمہیں بتایا تھا کہ ایسا ایک مصنوعی جہاز انکل منوّر کی کوٹھی میں موجود ہے جس کی تعمیر کی کوئی معقول وجہ نہیں معلوم ہو سکی۔ اس کے علاوہ میں نے انکل منوّر کی آواز پر بھی شُبہ کیا تھا لیکن ایک بات ابھی تک تمہیں نہیں معلوم شمس۔۔۔"

"وہ کیا؟" شمس حیرت سے بولی۔

"جوانی کے دَور میں انکل منوّر عالم ایک لڑکی سے عشق کرتے تھے اور اس کے حصُول میں ناکام رہے تھے۔ اس لڑکی کے نقوش میں ایک سیاہ تِل اور ٹھوڑی کا گڑھا نمایاں حیثیت رکھتا تھا۔"

"اوہ۔ یہ نئی معلومات تمہیں کہاں سے حاصل ہوئیں؟"

"یہ معلومات بھی نئی نہیں ہیں۔ میں اِن کے بارے میں پہلے سے جانتی تھی لیکن اس کے باوجود تم یہ بتاؤ کہ کیا منوّر عالم اتنا گہرا شخص ہو سکتا ہے؟ اس کی دو جوان بیٹیاں ہیں۔ بیٹیوں کے باپ تو یُوں بھی نرم دِل ہو جاتے ہیں۔ کیا وہ ایسی درندگی کر سکتے ہیں؟ میں سخت پریشان ہُوں۔ جب ان سے ملتی ہُوں تو اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ایک شفیق انسان ہیں۔ میرا ضمیر مجھے مَلامت کرتا ہے۔۔۔ کہ میں اتنے نیک انسان کے بارے میں ایسی بات سوچ رہی ہُوں لیکن حالات۔۔۔ اس وقت پھر میرے ذہن میں اُن کے

خلاف ایک شبہ جاگ اٹھا ہے۔ کل شیلی فون پر مجھے ایک نامعلوم شخص نے دھمکی دی تھی جس کا ردِ عمل آج ہوا ہے۔ اور اس وقت ہم منور عالم کی کوٹھی سے ہی آ رہے ہیں۔ کیا اس دوران یہ کارروائی نہیں ہوئی جب کہ انکل منور عالم کو میری واپسی کے بارے میں معلوم تھا۔ درخشاں بھی مجھے اسی علاقے میں ملی تھی۔" میں نے کہا اور شمس میری باتوں پر غور کر کے ششدر رہ گئی۔

"تت۔ تو کیا تمہارا خیال ہے کہ۔۔۔ کہ منور عالم۔ منور عالم"

"میرا خیال نہیں۔ واقعات کے اشارے ہیں۔۔۔ جس وقت میں مشرقِ وسطیٰ میں تھی تو مجھے اسی آواز نے دھمکیاں دی تھیں اور ان دنوں منور عالم بھی وہیں دورے پر گئے ہوئے تھے۔"

"اوہ۔" شمس بھاری بھاری سانسیں لینے لگی۔

"لیکن مجھے جس خیال نے پریشان کیا ہے وہ کچھ اور ہے۔" میں نے کہا اور شمس پھر چونک پڑی۔

"وہ کیا؟" اس نے پوچھا۔

"بقراط۔۔۔ ان واقعات کے پیچھے وہ تو نہیں ہے۔ اس کی شخصیت مشکوک تو ہو ہی گئی ہے۔ ممکن ہے بن عارف کے گروپ میں بھی اس نے ہماری مدد اسی لیے کی ہو کہ ہم الشاط کے چکر سے نکل آئیں اور میرے ذریعے وہ لوگ روشنی میں آ جائیں جنہیں وہ اس کھیل کا اصل بانی سمجھتے ہیں میں تم سے کہہ چکی ہوں کہ وہ تنہا میری ذات کو اس سلسلے میں ملوث نہیں سمجھتے۔"

"اوہ۔" شمس ایک بار پھر شدید حیرت کا شکار ہو گئی۔ دیر تک میری صورت دیکھتی رہی پھر بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ "جربات بھی کہتی ہو اتنی وزن دار ہوتی ہے کہ عقل چکرا کر رہ جاتی ہے۔ اگر ہم بقراط پر شبہ کرتے ہیں تو یہ امکان بھی سامنے آتا ہے کہ ممکن ہے اس نے جان بوجھ کر منور عالم کو مشتبہ کیا ہو۔"

"ہوں۔" میں نے گردن ہلائی اور پھر ذہن سے سارے خیالات جھٹک دیے۔ "بہرحال شمس اب اس سلسلے میں میں بھی انتہائی اقدامات کروں گی۔ دیکھتی ہوں حالات کون سی کہانی تحریر کرتے ہیں۔"

ہم لوگ آرام کرنے کے لیے لیٹ گئے۔ نیند کسی کو نہیں آ رہی تھی بس خاموش پڑے ہوئے تھے لیکن پھر رات کے نہ جانے کون سے پہر آنکھ لگ ہی گئی اور دوسری صبح ہم نے سونے کا ریکارڈ قائم کیا۔ آنکھ کھلی تو احساس ہو رہا تھا کہ دیر ہو گئی ہے لیکن گھڑیاں دیکھیں تو میں اور شمس دونوں ہی اچھل پڑے۔

"ارے۔ پونے بارہ۔" شمس بولی۔

"تمہاری گھڑی بھی یہی بتا رہی ہے؟"

"ہاں۔۔۔"

"خدا کی پناہ۔ کیا ہم نے کافی میں بے ہوشی کی دوا پی لی تھی؟"

"ناممکن۔ کیوں کہ نیند تو بہت دیر کے بعد آئی تھی۔۔۔" شمس بولی۔

"چلو غسل کر لو۔ ناشتہ تو اب کیا ہو گا۔ کھانا کھائیں گے۔" میں نے کہا اور شمس باتھ روم کی طرف چلی گئی۔ تیار ہو کر باہر نکلے تو ماہر نظر آیا۔ مجھے دیکھ کر اس نے سلام کیا۔

"اوہ۔ ماہر تم کب آئے؟" میں نے پوچھا۔

"رات کو پونے چار بجے۔ دوسرے تمام لوگ بھی آپ کے آجانے کی خبر سن کر واپس پہنچ گئے ہیں۔" ماہر نے جواب دیا۔ کھانے کی میز پر جانے سے قبل میں نے مس میری کو فون کیا اور دوسری طرف مس میری کی آواز سنائی دی۔ "کہاں رہ گئیں عالیہ۔ میں تو پریشان ہو گئی تھی۔"

"کیوں مس میری۔ میں تو کہہ کر گئی تھی۔"

"لیکن صبح کو دس بجے کے قریب افشاں بی بی نے فون کر کے بتایا تھا کہ تم لوگ رات کو ہی واپس جا چکی ہو۔"

"اوہ۔ فون آیا تھا افشاں کا؟"

"ہاں۔"

"تم نے کیا جواب دیا مس میری؟"

"خیر میں نے ان سے کسی تشویش کا اظہار نہیں کیا کیوں کہ یہ مناسب نہیں تھا۔" مس میری نے جواب دیا۔

"شکریہ مس میری اور کوئی بات؟"

"بس اور کچھ نہیں۔ کب واپس آ رہی ہو اور کہاں ہو؟"

"دیر سے واپس آؤں گی مس میری اور بس۔" میں نے کہا اور فون بند کر دیا۔ پھر میں کھانے کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ پوری ٹیم جمع تھی۔ نازش نے کھڑے ہو کر میرا استقبال کیا تو دوسرے لوگ بھی کھڑے ہو گئے۔

"بیٹھو بیٹھو بھئی۔ تم لوگوں کی ان حرکتوں سے میں خو[د]

کو بے وقوف سمجھنے لگتی ہوں۔ ویسے نازش مجھے تمہاری واپسی کی اطلاع مل گئی تھی۔ خوب آوارہ گردی کرتے پھرے ہو تم لوگ بہانہ میری تلاش کا تھا۔ خیر اب کھانے سے پہلے کوئی گفتگو نہیں ہوگی کیوں کہ میں نے صبح کا ناشتہ بھی نہیں کیا۔" میں نے کہا اور کھانے میں مصروف ہو گئی۔ دوسرے لوگ بھی مسکراتے ہوئے کھانے میں شریک ہو گئے تھے۔

کھانے کے بعد ایک طویل نشست کا پروگرام تھا۔۔۔ نازش کے سپرد چند کام بھی کرنے تھے اس لیے چند ضروری لوگوں کے علاوہ باقی سب لوگ کمرے سے نکل گئے۔ میں نے شمس کا تعارف مختصر الفاظ میں نازش سے کرایا اور اس کے بعد مطلب کی گفتگو پر آ گئی۔

"تم اس دوران کہاں کہاں رہے نازش؟ مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ یوں بھی میری تلاش میں نکلنا عقل مندی کی بات نہیں تھی۔ بلاشبہ میں وہاں چند پریشانیوں کا شکار ہو گئی تھی جس کی تفصیل بعد میں بتاؤں گی۔ تم لوگ بروقت آ گئے ہو۔ مجھے تمہاری ضرورت تھی۔"

"حاضر ہیں مس عالیہ۔" نازش نے کہا۔ میں نے جان بوجھ کر گفتگو انگریزی میں شروع کی تھی جس کا جواب نازش نے بھی انگریزی ہی میں دیا۔

"پچھلی رات۔۔۔" میں نے سلسلۂ گفتگو شروع کیا لیکن نازش نے ہاتھ اٹھا دیا۔

"قطع کلامی کے لیے معافی چاہتا ہوں۔ میں صبح سات بجے یہاں پہنچا تھا۔ آپ کی خیریت کے ساتھ ہی آپ کی کار یہاں دیکھ لی تھی۔ میں نے پوچھا تو عدنان نے پچھلی رات کے واقعات بتائے چنانچہ میں نے مناسب سمجھا کہ اس کے بعد رپورٹ تیار رکھوں۔ ڈی آئی جی صاحب نے وہ لاش صبح کی ہوا خوری کے بعد خود دیکھی جس کے ساتھ ایک کاغذ کا پرزہ بھی منسلک تھا۔ لاش ان پر بری طرح اثر انداز ہوئی اور پولیس کے خصوصی اسکواڈ حرکت میں آ گئے۔ مقتولہ کا نام صبیحہ تھا۔ بازارِ حسن سے تعلق رکھتی تھی۔ دو دن قبل اسے کوٹھے سے اغوا کر لیا گیا تھا لیکن اس کی ماں کسی کا نام نہیں لے سکی موت دم گھٹنے سے واقع ہوئی ہے۔ لاش پوسٹ مارٹم کے لیے گئی ہوئی ہے شام کو وہ ورثا کے حوالے کر دی جائے گی۔"

"پولیس کی کوئی اور سرگرمی؟"

"ابھی تک علم میں نہیں آئی لیکن میں بندوبست کر لیا ہوں کہ کوئی خاص بات ہو تو فوراً معلوم ہو جائے۔" نازش نے جواب دیا۔

"گڈ۔ تسلی بخش ہے نازش۔ حالات کا جائزہ لے کر صبیحہ کی ماں کو اغوا کر لو۔ اسے یہاں لانا ہے۔"

"بہتر۔ رات تک کی مہلت مل سکے گی؟" نازش نے پوچھا۔

"یقیناً۔" میں نے جواب دیا اور نازش نے میری یہ ہدایت نوٹ کر لی۔

"اور حکم؟"

"جوبیر ہاؤس بلڈنگ کے دفتر نمبر ۲۷ میں ایڈورٹائزنگ لمیٹڈ کا دفتر تھا جو اب نہیں ہے اس کے پروپرائٹر بشیر احمد جیلانی کو تلاش کرنا ہے یہ ضروری ہے۔"

"بہت بہتر۔ میں ڈیوٹی لگا دوں گا۔"

"فی الوقت بس یہی کر لو اس کے بعد جیسے بھی حالات ہوں گے۔" میں نے کہا اور نازش نے گردن ہلا دی۔ مزید کچھ دیر گفتگو کرنے کے بعد میں نے نازش کو اجازت دے دی۔ انکل شہریار کے بارے میں نازش نے بتایا کہ وہ اس بار کسی مہم پر گئے ہوئے ہیں اور ان کی واپسی کا کوئی وقت تعین نہیں کیا جا سکتا ہے۔

نازش کے جانے کے بعد میں نے شمس کی طرف دیکھا اور بولی۔ "بات یہ ہے شمس کہ میں اب اس معاملے کو تیزی سے نمٹانا چاہتی ہوں۔ پے در پے پیش آنے والے واقعات نے مجھے اس کے لیے مجبور کر دیا ہے۔ یوں سمجھو کہ میں نے ہنگامی طور پر اس سلسلے میں عمل تیز کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔"

"میں اندازہ لگا رہی ہوں۔" شمس نے سنجیدگی سے کہا۔

"میں اس کام کو اور موثر انداز میں کر سکتی تھی شمس لیکن یوں محسوس ہو رہا ہے کہ میں جتنی سست رفتاری سے کام کر رہی ہوں حالات بگڑتے جا رہے ہیں۔"

"یقیناً تم نے بہتر سوچا ہو گا۔" شمس نے کہا۔

"اور اس کے لیے بہتر ہے کہ ہم چند روز اسی عمارت میں قیام کریں۔ فلیٹ پر جا کر میں کسی قدر گھریلو ہو جاتی ہوں اور کام بگڑ جاتے ہیں لیکن خدا کی قسم اس بات سے یہ نتیجہ اخذ نہ کرنا کہ میں اس حملے اور اس لاش سے خوفزدہ ہو گئی ہوں۔ میرے ذہن پر خوف کا کوئی سایہ نہیں ہے کیوں کہ معاملہ اب میرے اور خدا کے درمیان ہے۔ میں نے خدا سے دعا کی ہے کہ اگر میں سچائی کے راستے پر ہوں تو میری مدد کرے۔ اب جو اس کی مرضی۔"

"ان شاء اللہ۔ تمہیں کامیابی نصیب ہو گی۔" شمس نے کہا

پھر میں نے دُوسرے کمرے میں آکر ٹیلی فون پر پہلے صباحت صاحب سے رابطہ قائم کرنا چاہا چند ساعت کے بعد اس میں کامیابی ہو گئی۔

" آپ کی خادمہ بول رہی ہے۔"

" اوہ۔ عالیہ۔ کیسے مزاج ہیں ؟"

" بالکل ٹھیک، بہت خوش ہُوں۔" مَیں نے لہجے میں تروتازگی پیدا کر کے کہا۔

" پھر فون آیا تھا۔" صباحت صاحب بولے۔

" اوہ۔ کب ؟" مَیں نے دلچسپی سے پوچھا۔

" تقریباً بیس منٹ ہو گئے۔ سُناؤں ؟" صباحت صاحب نے پوچھا۔

" ضرور..." مَیں نے مُسکرا کر کہا۔

" تب ذرا ہولڈ کرو۔" صباحت صاحب بولے اور مَیں نے گردن ہلا دی۔ چند ساعت انتظار کے بعد وہی منحوس آواز اُبھری

" ہیلو۔ میری آواز پہچان گئے ہو گے۔" آواز حد درجے سرد تھی۔

" جناب۔ صباحت رضوی بول رہا ہُوں اور آواز پہچان چُکا ہُوں۔" یہ صباحت صاحب کی آواز تھی۔

" کیا وہ موجود ہے ؟" پوچھا گیا۔

" نہیں۔ ابھی تک نہیں آئیں۔"

" ایڈیٹر صاحب۔ مَیں اب مجبور ہو گیا ہُوں۔ اب اُس کی زندگی ممکن نہیں ہے۔ مَیں نے اُسے ہر ممکن طریقے سے سمجھایا کہ وہ میرے معاملے میں ٹانگ نہ اڑائے۔ مَیں نے اُسے ہمیشہ طرح دی لیکن بے وقوف لڑکی موت کی تلاش میں سرگرداں ہے۔ مَیں اُسے کسی بھی وقت چیونٹی کی طرح مَسل سکتا ہُوں لیکن مَیں کچھ اور چاہتا تھا۔ مَیں اُن لوگوں کی۔ تلاش میں ہُوں جنہوں نے اُسے آلۂ کار بنایا ہے۔ ظاہر ہے وہ لڑکی بذاتِ خود اس قدر نڈر اور دلیر نہیں ہو سکتی۔ اس کی پُشت پناہی کی جا رہی ہے اور اسے آگے بڑھانے والے اتنے بُزدل ہیں کہ کبھی سامنے نہیں آتے لیکن اب پانی سَر سے گزر چکا ہے۔ اب مَیں اُس کے ساتھ کوئی رعایت نہیں۔ کر سکتا..."

" کوئی خاص بات ہُوئی ہے جناب ؟" صباحت صاحب نے پُوچھا۔

" رات کو مَیں نے اُسے آخری وارننگ دی تھی لیکن اس کے جواب میں اُس نے مجھے دوبارہ چیلنج کر دیا اور اب میری دی ہُوئی رعایت ختم ہو چکی ہے۔"

" مَیں کیا عرض کرُوں جناب۔ وہ بہت سرپھری ہے مَیں نے خود بھی اُسے سمجھایا کہ ان معاملات میں نہ پڑے جو اس کی پہنچ سے باہر ہیں اور اخبار کے لیے نقصان دہ ہو سکتے ہیں لیکن وہ استعفا دینے پر آمادہ ہو گئی۔ اُس نے کہا ہے کہ وہ کسی قسم کی پابندی برداشت نہیں کرے گی۔ اُس کا یہ عمل ذاتی ہے بس اُس وقت سے گئی ہے تو ابھی تک واپس نہیں آئی۔ دراصل وہ ایک بڑے باپ کی بیٹی ہے جو باپ کی موت کے بعد حالات کا شکار ہو کر مجبوراً نوکری کر رہی ہے۔ مجھے بتایئے اب مَیں اس سلسلے میں کیا کرُوں ؟"

" کچھ نہیں۔ بس تم سے بات کرنا مَیں نے ضروری سمجھا تھا۔ ویسے ایڈیٹر مالی حالات تمہارے بھی اچھے نہیں ہوں گے۔"

" مَیں نہیں سمجھا جناب۔"

" مَیں تمہاری مدد کر سکتا ہُوں۔"

" مَیں اب بھی نہیں سمجھا جناب۔" صباحت صاحب کی آواز تھی۔

" میرے لیے کچھ کام کرنا ہو گا۔ بس اتنی سی بات معلوم کرو کہ اس کے پُشت پناہ کون لوگ ہیں۔ تمہارا اس سے رابطہ ہے یہ بات وہ تمہیں بتا سکتی ہے اگر تم اسے اعتماد میں لے لو... اس کے عوض پچیس ہزار روپے مَیں تمہیں ادا کر سکتا ہُوں۔"

" مَیں ایک بوڑھا آدمی ہُوں جناب۔ زندگی کے سارے مسائل سے نمٹ چکا ہُوں۔ اب مجھے دولت کی طمع نہیں ہے لیکن ایک شرط پر مَیں یہ کوشش کر سکتا ہُوں۔"

" وہ کیا... ؟"

" آپ اُس کے خلاف کوئی انتقامی کارروائی نہ کریں۔ مَیں حتیّ الامکان اُسے ان حماقتوں سے باز رکھنے کی کوشش کرُوں گا اور اسی دوران یہ بھی کوشش کرُوں گا کہ اُن لوگوں کے بارے میں معلوم کر لوں۔"

" مَیں تمہارا شکرگزار رہُوں گا۔" بھاری آواز کسی قدر نرم ہو گئی۔

" مَیں آپ سے رابطہ کس طرح قائم کر سکتا ہُوں۔ کوئی فون نمبر وغیرہ... ؟"

" نہیں یہ ممکن نہیں ہے۔ اگر تم کامیاب ہو جاؤ تو اخبار میں ایک انچ کا اشتہار لگا دینا جس کی سُرخی ہو " مَیں کامیاب ہو گیا۔" اشتہار دیکھ کر مَیں خود تمہیں فون کرُوں گا۔"

" بہتر ہے۔" صباحت صاحب کی آواز اُبھری۔

" ہیلو عالیہ...!"

" جی ہاں سُن لیا۔" مَیں نے ہنس کر کہا۔ " اور مَیں آپ کی گفتگو سے متفق ہُوں لیکن اب مَیں آفس ہی نہیں آؤں گی تو آپ مجھ سے رابطہ کیسے قائم کریں گے ؟"

" اوہ۔ بات تو ٹھیک ہے لیکن وہ چراغ پا کیوں ہے ؟" صباحت صاحب نے پوچھا اور مَیں نے اُنہیں مختصر تفصیل بتا دی۔ صباحت صاحب گہری گہری سانسیں لے رہے تھے پھر مَیں نے کہا۔ " آپ دِل جمعی سے اپنا کام کرتے رہیں مَیں نے تو آپ کی مُلازمت چھوڑ ہی دی ہے۔ اس کے بعد آپ کیا کر سکتے ہیں ؟ اس لیے خُدا حافظ۔"

" خُدا حافظ۔" صباحت صاحب بولے اور مَیں نے فون بند کر دیا۔ اس کے بعد مِس مَیری کو فون کر کے ہدایت کی کہ وہ سکُون سے رہیں مَیں مصروف ہُوں۔ مِس مَیری کو مَیں نے سوالات کرنے کی اجازت نہیں دی تھی۔

پُورا دن مَیں نے اسی عمارت میں گزارا چونکہ فوری طور پر مَیں نے اسی عمارت میں کام شروع کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا اس لیے یہاں موجود لوگوں کی مدد سے مَیں نے چند کمروں کا انتخاب کیا اور ان میں کچھ ترمیمیں کرنے کی ہدایت کی جس پر فوری عمل ہُوا تھا پھر رات کو ساڑھے گیارہ بجے کے قریب نازش ایک وین میں واپس آ گیا۔ اس کے ساتھ ایک بے ہوش عورت تھی۔ خود نازش پولیس کی وردی میں تھا جسے مَیں نے دلچسپی سے دیکھا۔

" مَیں اس سے پولیس افسر کی حیثیت سے ملا تھا اور پھر مَیں اسے اپنے ساتھ لے آیا اور راستے میں بے ہوش کر دیا۔" نازش نے بتایا۔

" ہُوں۔ اچھا آئیڈیا تھا۔ کتنی دیر تک ہوش میں آ جائے گی... ؟"

" جب آپ پسند کریں۔" نازش مُسکرا کر بولا۔ " دراصل کلوروفارم ڈی سے بے ہوش کیا ہے۔ اس کا ٹیگلو موجود ہے جو اسے فوری ہوش میں لا سکتا ہے۔"

" پلیز۔" مَیں نے کہا اور نازش نے گردن ہلا دی۔۔ بُزرگ خاتون کو انجکشن دے کر وہ لباس تبدیل کرنے چلا گیا۔ کمرے میں اب صرف شمس اور مَیں رہ گئے تھے... چند ساعت کے بعد بڑی بی کو ہوش آ گیا۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے چاروں طرف دیکھنے لگیں پھر گھبرا کر اُٹھ بیٹھیں اب وہ تھوک نگلتے ہُوئے ہم دونوں کو دیکھ رہی تھیں۔

" کیسی طبیعت ہے آپ کی ؟"

" اے اللہ... مَیں کہاں آ گئی۔ یہ کون سی جگہ ہے ؟" وہ بولی۔

" پولیس کا دفتر۔ ہمارا تعلق زنانہ پولیس سے ہے۔" مَیں نے کہا۔

" ہائے بی بی۔ مجھے یہاں کیوں لایا گیا ہے ؟ مَیں تو ویسے ہی دُکھیا ہُوں۔ ہائے مَیں تو برباد ہو گئی۔ لُٹ گئی مَیں تو..." بڑی بی نے رونا شروع کر دیا۔

" حوصلہ رکھیں بڑی بی۔ صبر سے کام لیں۔"

" ہائے میرا تو کوٹھا ویران ہو گیا۔ ارے ابھی اُس کی عُمر ہی کیا تھی۔ مَیں نے تو ساری کمائی اُس کی تربیت میں لگا دی تھی۔ بیس ہزار میں تو مَیں نے اُسے خریدا ہی تھا..." بڑی بی نے کہا اور میرے کان کھڑے ہو گئے۔ شمس تعجب سے بڑی بی کو دیکھ رہی تھی۔

" تو وہ تمہاری بیٹی نہیں تھی ؟" مَیں نے ایک گہری سانس لی۔ بوڑھی عورت سے میری ہمدردی خود بخود ختم ہو گئی تھی۔

" ہائے بیٹیوں سے زیادہ چاہتی تھی مَیں اُسے۔ وہ تو میرے کوٹھے کی رونق تھی۔"

" تمیز سے بات کرو۔" مَیں نے ڈپٹ کر کہا۔ " کس سے خریدا تھا تم نے اُسے ؟"

" چمن بھٹی والے کے قبضے میں تھی۔۔ وہ کہیں باہر سے لایا تھا بی بی۔ وہ سب سے بڑا سپلائر ہے۔ سب کو مال وہی دیتا ہے۔" بڑی بی نے بتایا۔

" شمس۔ ایک نام نوٹ کرو۔ چمن بھٹی والا۔" مَیں نے شمس سے کہا اور وہ جلدی سے اُٹھ گئی۔ " یہ چمن کہاں رہتا ہے... ؟"

" نواب پُورے میں۔ بڑی مشہور ہے اس کی بھٹی۔ کسی سے پُوچھ لو۔"

" نواب پورہ نوٹ کرو شمس۔" مَیں نے پھر شمس سے کہا اور شمس کاغذ پر لکھنے لگی۔

" کتنے سال پہلے خریدا تھا تم نے اُسے ؟"

"سات سال ہو گئے بی بی۔ پورے سات سال۔ ساری دولت لُٹا دی میں نے تو اُس پر۔ ہائے اب کیا رہ گیا ہے میرے پاس۔" بڑی بی نے پھر رونا شروع کر دیا اور میرا زوردار تھپڑ اُس کے مُنہ پر پڑا۔ شمس اُچھل پڑی تھی اور بُوڑھی ایکدم چُپ ہو گئی۔ شمس پھٹی پھٹی آنکھوں سے مجھے دیکھ رہی تھی میری یہ حرکت اُس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی۔

"میں تم سے کہہ چکی ہوں کہ انسانوں کی طرح بات کرو۔ تم نے پولیس سے بہت کچھ چھپایا ہے۔ بتاؤ تم نے اُسے کیوں قتل کیا؟"

"اے میرے مولا۔ کیسے قتل کیا میں نے؟" بڑی بی کا رنگ اُتر گیا۔

"صبیحہ کو۔ یا اُس کا اصلی نام جو کچھ بھی ہو۔"

"اللہ خیر۔ اے اللہ خیر۔ بچا میرے مولا مجھے۔ میں اُسے کیوں قتل کروں گی۔ ہائے میری گردن پھانسی پر چڑھا کر تمہیں کیا ملے گا موئی۔" اُس نے پھر رونے کے لیے اسٹارٹ لیا لیکن میرا اُٹھا ہوا ہاتھ دیکھ کر جلدی سے مُنہ بند کر لیا۔

"ا اغوا نہیں کیا گیا تھا۔ سمجھیں تم... اسے اغوا نہیں کیا گیا۔ کو ہے اس کے اغوا کا؟"

"اے میرے مولا کس مصیبت میں پھنس گئی۔ ہائے میں کیا کروں؟"

"اصلی بات بتا دو۔ پولیس تمہاری مدد کرے گی۔"

"مر جاؤں گی بی بی۔ وہ بہت حرامی ہے۔ جان سے مار دے گا۔ ہائے مجھے معاف کر دو۔ بس ایک بار معاف کر دو۔"

"پولیس تمہاری پوری حفاظت کرے گی۔ کسی سے مت ڈرو۔ میں وعدہ کرتی ہوں کہ کوئی تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔" میں نے کہا۔ اس غیر متوقع کامیابی سے میرے اندر ایک جوش پیدا ہو گیا تھا۔

"ارے مشکل ہے۔ بہت مشکل ہے۔ وہ مجھے نہیں چھوڑے گا..."

"ٹھیک ہے۔ ہم بھی تمہیں نہیں چھوڑیں گے۔ پھانسی کا پھندا اپنے گلے میں سمجھو۔"

"ارے نہیں۔ اللہ کے واسطے نہیں۔ مجھے پھانسی سے بہت ڈر لگتا ہے۔ ارے پھانسی دینی ہے تو اُس حرامی کو دو جس نے ہمارا جینا حرام کر دیا ہے۔"

"کون ہے وہ؟"

"نصرو حرامی۔ ناصر نام ہے۔ نصرو کہلاتا ہے۔ وہی لے گیا تھا۔ دو ہزار روپے پیشگی دیئے تھے۔ دھوکے سے لے گیا اور قتل کر دیا۔"

"کیا کہا تھا اُس نے؟" میں نے پوچھا۔

"یہی کہ کسی بڑے سیٹھ کو پسند آ گئی ہے۔ پانچ ہزار دے گا۔ دو ہزار پیشگی دیئے تھے اُس نے۔"

"صبیحہ کو یہ بات معلوم تھی کہ اُسے کہاں لے جایا جا رہا ہے...؟"

"نہیں۔ اُسے نہیں بتایا تھا۔"

"ناصر کو کب سے جانتی ہو؟" میں نے پوچھا۔ کچھ اُمید بندھ گئی اور میرا دل دھڑک رہا تھا۔

"پانچ سال سے۔ تین قتل کیے ہیں اُس نے۔ عُمر قید کی سزا ہوئی۔ پر نہ جانے کیسے بچ گیا اور جیل سے رِہا ہو گیا... کافی دِنوں کے بعد آیا تھا۔ کہنے لگا صبیحہ کو لے جائے گا۔ میں نے منع کیا تو پستول نکال لیا اور دو ہزار روپے رکھ دیئے پوچھنے لگا دونوں میں سے کیا پسند کرو گی۔ میں مجبور ہو گئی میرے اللہ۔ تو ہی جانتا ہے۔"

"کہاں رہتا ہے ناصر...؟"

"اللہ قسم۔ میں نہیں جانتی یا رو کے اڈے پر کبھی کبھی مل جاتا ہے۔ اُستاد جی بتا رہے تھے۔"

"ہوں۔ اس سلسلے میں پولیس نے تم سے پوچھ گچھ کی تھی؟"

"ہاں۔ مگر میں نے ناصر کا نام نہیں لیا اور کہہ دیا کہ میری بیٹی کو اغوا کیا گیا ہے۔"

"پولیس نے تم سے یہ نہیں پوچھا کہ تم نے رپورٹ کیوں نہیں درج کرائی؟"

"پولیس ہم سے یہ نہیں پوچھتی کیوں کہ ہماری بیٹیاں چار چھ دن کے بعد خود واپس آ جاتی ہیں۔" بوڑھی نے جواب دیا۔

میں گردن جُھکا کر سوچنے لگی۔ بڑھیا کو واپس بھیجنا کسی طور مناسب نہیں تھا ممکن ہے دُوسرے لوگوں کو تشویش ہو اگر بات کُھل گئی تو ناصر رُوپوش بھی ہو سکتا ہے پھر میں نے گردن ہلائی اور شمس کو ہدایت کی کہ بوڑھی کا خیال رکھے اس کے بعد باہر نکل کر میں نے نازش کو بُلایا۔ "بوڑھی عورت کو یہیں قید رکھنا ہے کسی کی ڈیوٹی لگا دو۔"

"بہتر۔ ویسے میں نے آپ کے دیئے ہوئے پتے پر بشیر احمد جلالی کو ٹریس کرنے کی کوشش بھی کی تھی۔ یہ کمپنی

ختم ہو گئی ہے۔ ٹیلی فون ڈائریکٹری میں اُس کا رہائشی پتہ دیکھا اور وہاں گیا تو معلوم ہُوا کہ بشیر احمد جلالی اپنا کاروبار ختم کر کے بیرونِ مُلک چلا گیا ہے۔" نازش نے بتایا اور میرے ہونٹ سُکڑ گئے۔ مگر...

"ہوں۔ ٹھیک ہے نازش۔ اس سلسلے میں کچھ اور سوچیں گے۔ تم بوڑھی کا انتظام کر دو۔"

حالات میں تیز رفتاری سے تبدیلیاں آ رہی تھیں میں نے بھی چو رُخی جدوجُہد شروع کر دی تھی۔ یعنی چاروں طرف ہاتھ پاؤں مارو اور کامیابی حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ اس سے قبل میرا خیال تھا کہ میں کام کی رفتار کچھ سُست کر دوں اور پہلے اپنے پروگرام پر عمل کر لوں۔ اس کے بعد میدانِ عمل میں نکلوں۔۔ لیکن یہ مرحلہ دیر طلب تھا۔ اگر اس دوران کچھ اور زندگیاں ضائع ہو گئیں تو میں خود کو معاف نہیں کر سکوں گی۔ میرے سامنے بہت سے لوگ تھے جن پر میرا شُبہ تھا لیکن ان میں سے کچھ تو میری دسترس سے بالکل باہر تھے۔ جیسے اطہر رضوی... اس شخص کے سلسلے میں ابھی تک میں نے کوئی مؤثر کارروائی نہیں کی تھی لیکن یہ بھی میری لسٹ میں تھا اور اس کے بارے میں بھی مجھے مزید معلومات درکار تھیں۔

بہرحال اس رات کے بعد کی صبح میرے لیے عمل کی صبح تھی۔ مختلف لوگوں کو میں نے مختلف کام بانٹ دیئے تھے اس کے علاوہ مس مَیری کو میں نے فون کیا کہ میں ایک لڑکی کو بھیج رہی ہوں۔ اس کے ساتھ چلی آئیں۔ دراصل میں اُس کی زندگی بھی خطرے میں نہیں ڈالنا چاہتی تھی۔ ڈولی کو وہاں روانہ کر کے میں بھی نازش کی کار لے کر باہر نکل آئی۔ اب میں بالکل تیار تھی اور کسی بھی خطرے کے مقابلے کے لیے خود کو آمادہ پا رہی تھی۔ میں نے چہرے پر ماسک چڑھا کر اپنے اندر کچھ تبدیلیاں پیدا کر لیں تو شمس ششدر رہ گئی۔ میں نے ایک پستول شمس کے ہاتھ میں تھما دیا اور شمس نے معنی خیز انداز میں آنکھیں نچائیں۔

"یہ ہُوئی نا بات۔ اس کے استعمال کی بھی اجازت ہے؟"

"ضرورت پڑنے پر۔ تم تفریحاً سڑکوں پر گولیاں چلانا نہ شروع کر دینا۔"

"او کے چیف۔" شمس نے گردن ہلا دی۔

شمس کا چہرہ بدلنے کی کوئی خاص ضرورت نہیں تھی۔ ہم دونوں کار میں بیٹھ کر باہر نکل آئے اور پھر میں نے کار کا رُخ شہر سے باہر کی طرف کر دیا۔ شمس نے راستے میں مجھ سے کوئی سوال نہیں کیا تھا۔ کار برق رفتاری سے دوڑتی رہی۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم اُس ذیلی سڑک پر پہنچ گئے جو منوّر عالم کی کوٹھی کی طرف... جاتی تھی۔ یہاں میں نے میک اپ ماسک اُتار دیا اور بالوں کا اسٹائل بھی حسبِ معمول کر لیا۔ اس کے بعد کار دوبارہ آگے بڑھا دی۔

کوٹھی میں داخل ہُوئے تو بیرُونی حصّہ سنسان پڑا تھا۔ البتہ جب کار روک کر نیچے اُترے تو برآمدے میں بُقراط نظر آیا جو پہیوں والی کُرسی خود دھکیل رہا تھا۔ ہمیں دیکھ کر اُس کا مُنہ کُھل گیا۔

"ہیلو مِس عالیہ۔" وہ بھرّائی ہُوئی آواز میں بولا۔

"ہیلو بُقراط صاحب۔ کوئی نیا فلسفہ؟" میں نے مُسکراتے ہُوئے کہا۔

"ہاں میں سوچ رہا ہُوں۔ انسان کی ٹانگیں نہ ہوتیں تو کیا حرج تھا۔ کم از کم وہ محتاج تو نہ ہوتا۔"

"ضرور سوچیے... انشاں وغیرہ کہاں ہیں؟"

"اپنے کمروں میں۔"

"کیسی چھن رہی ہے اُن سے؟"

"ابھی ٹانگیں ساتھ نہیں دے رہیں ورنہ ایک لمحہ یہاں نہ رُکوں۔" وہ غصیلے لہجے میں بولا۔

"اوہ۔ کیوں۔ بہت بُرا سلوک ہے ان لوگوں کا؟"

"سلوک تو بُرا نہیں ہے مگر ان کے منصوبے بہت خطرناک ہیں۔ یہ لوگ پھر مجھے میرے باپ کے چکّر میں پھنسانے پر تلے ہُوئے ہیں۔"

"کیا آپ باپ کے قائل نہیں ہیں؟" میں نے پوچھا اور میرے اس جارحانہ سوال پر اُس نے چونک کر مجھے دیکھا پھر بولا۔

"اگر سچ مچ کا باپ ہو تو چل سکتا ہے لیکن مصنوعی باپ مجھے پسند نہیں ہے۔"

"یہ آپ کا مسئلہ ہے۔ افسوس اس میں ہم دخل نہیں دے سکتے۔"

"تو کس نے کہا ہے آپ سے کہ دخل دیں۔ آپ نے خود ہی پُوچھا تھا۔ ارے واہ۔ میں کون تو خواہ مخواہ۔ واہ۔" بُقراط جَل گیا اور میں نے ہنستے ہُوئے شمس کو آگے دھکیلا... ہم

دونوں اُسے چھوڑ کر آگے بڑھ گئے اور پھر میں افشاں کے کمرے میں داخل ہو گئی۔ بغیر اطلاع کے اندر گھسی تھی۔ افشاں مسہری پر دراز ایک کتاب کی ورق گردانی کر رہی تھی۔ آہٹ پر اُس نے نگاہیں اُٹھائیں اور اُچھل پڑی۔

" ارے آپ... آپ۔ یقین نہیں آتا۔" وہ بے اختیار کتاب پھینک کر کھڑی ہو گئی۔ چہرے سے بے پناہ خوشی کا اظہار ہو رہا تھا۔

"کیوں۔ تمہیں حیرت ہوئی ہے میرے آنے سے؟" میں اُس کمرے میں پڑے ہوئے خوبصورت صوفے پر بیٹھ گئی۔

" ہونی چاہیے۔ لیکن اس سے زیادہ خوشی ہوئی ہے۔ ارے ہاں پرسوں رات آپ لوگ یہاں سے کہاں چلی گئی تھیں۔ کل ہم نے فون کیا تو مِس میری نے..."

" بس ذرا اُلجھی۔ اخبار کی رپورٹنگ کے لیے کچھ مواد مل گیا تھا۔ ایک لڑکی قتل ہو گئی تھی اس لیے اسپتال میں رک گئے۔"

" اوہ۔ کون لڑکی تھی؟" افشاں نے پوچھا۔

" یہ اُس کی تصویر ہے" میں نے لاش کی تصویر جو عدنان نے اُتاری تھی افشاں کے سامنے کر دی۔ " نہ جانے کیوں افشاں۔ یہ لڑکی کچھ جانی پہچانی سی لگتی ہے۔ میرا خیال ہے میں نے اسے تمہارے ہاں اس فنکشن میں دیکھا تھا جو کہ پیلوؤں کے اعزاز میں ہوا تھا۔ کیا میرا خیال درست ہے؟"

افشاں تصویر کو دیکھتی رہی پھر گردن ہلا کر بولی۔ "نہیں میں نے اسے کبھی نہیں دیکھا۔"

" اس کے بارے میں معلومات حاصل کر رہی ہوں اور اس وقت صرف اسی لیے آئی تھی۔ چند منٹ رُکوں گی۔ فرزانہ کو بھی بُلا لو۔" میں نے کہا اور افشاں دوڑی چلی گئی۔ فرزانہ بھی خوش خوش آئی تھی اور آتے ہوئے مشروب کے لیے بھی کہہ آئی تھی۔ میں نے تصویر اُسے بھی دکھائی لیکن فرزانہ نے بھی اس سے لاعلمی کا اظہار کیا۔

یہ لوگ حسبِ عادت مجھے روکنے لگیں لیکن میں نے معذرت کرتے ہوئے بتایا کہ اس وقت میں ڈیوٹی پر ہوں اس لیے نہ رُک سکوں گی پھر میں نے اُن سے درخواست کی کہ ہماری آمد کی وجہ کسی کو نہ بتائی جائے اور دونوں لڑکیوں نے وعدہ کر لیا۔ اس کے بعد ہم وہاں سے واپس چل پڑے۔ بقراط دوبارہ نظر نہیں آیا تھا۔ کار میں بیٹھے بیٹھے میں نے ماسک دوبارہ چہرے پر چڑھا لیا اور آئینے میں خود کو بالکل ٹھیک ٹھاک کر لیا۔ اس کے بعد دوبارہ چل پڑی۔ شمس میری کسی بات پر مجھے نہیں ٹوک رہی تھی۔

شہر آ کر میں نے آوارہ گردی شروع کر دی۔ کافی دیر تک ہم ایک بارونق بازار میں چکراتے رہے۔ چند چیزیں بھی خریدیں اس کے بعد ساحل کی طرف نکل گئے اور شام وہاں کر دی... وہاں سے واپس پلٹے تو ایک ریستوران میں داخل ہو گئے جہاں باتھ روم میں جا کر میں نے دوبارہ میک اپ کا جائزہ لیا اور واپس آ کر شمس کے پاس بیٹھ گئی۔ شمس نے کافی منگوالی تھی اور میرا انتظار کر رہی تھی۔

کافی پیتے ہوئے میں نے کہا۔ "تم نے بڑے صبر کا ثبوت دیا ہے شمس۔"

"کس سلسلے میں؟" وہ مُسکرا دی۔

" اب تک تم نے مجھ سے اس آوارہ گردی کی وجہ نہیں پوچھی۔"

" میں جانتی ہوں یہ بے مقصد نہ ہو گی۔"

" اتنا اعتماد ہے مجھ پر؟"

" اس سے بھی زیادہ۔" شمس خلوص سے بولی۔

" اچھا۔ ٹھیک ہے۔ آؤ اب ہمیں ایک اہم کام کرنا ہے یعنی کسی ہوٹل میں کمرے کا حصول۔ اس کے بعد اصل ٹھکانے پر چلیں گے۔"

" اصل ٹھکانے؟" شمس نے سوالیہ انداز میں مجھے دیکھا۔

" ہاں شمس۔ میں نے ایک آدمی کی تلاش کے لیے یہ جال پھیلایا ہے۔ یہ کام میں دوسروں سے بھی لے سکتی تھی لیکن ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے رہنا بھی مناسب نہیں ہے۔ میرا پروگرام یوں ہے۔" میں نے شمس کو اپنے پروگرام سے آگاہ کیا اور اُس کی حالت عجیب ہو گئی۔ میرے خاموش ہونے کے بعد اس نے صرف اتنا کہا۔

" تم نے ایک خطرناک کام کا بیڑا اُٹھایا ہے لیکن جو لڑکی امیر الشاطا کے شکنجے سے نکل آئی وہ دُنیا کا ہر کام کر سکتی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ تم اس سلسلے میں بھی کامیاب رہو گی۔"

" شکریہ شمس... تمہیں اپنا کردار یاد رکھنا چاہیے۔"

" بے فکر رہو۔ تمہاری ہدایت پر حرف بحرف عمل کروں گی" شمس نے جواب دیا اور ہم دونوں بل ادا کر کے باہر نکل آئے اور کار ایک بار پھر سڑک پر دوڑنے لگی۔ بالآخر میں نے ایک ہوٹل پارک ہیون کے کمپاؤنڈ میں کار روک دی اور ہم دونوں نیچے اُتر کر اندر داخل ہو گئے۔ کاؤنٹر منیجر سے میں نے ایک

کمرے کے لیے کہا اور کاؤنٹر منیجر نے رجسٹر کھول لیا۔ پارک ہیون کا کمرہ نمبر لوتے شمس کے نام الاٹ ہو گیا اور ہم چابی لے کر اُوپر چلے گئے۔

فور اسٹار ہوٹل کے خوبصورت کمرے کو شمس نے بہت پسند کیا... دس پندرہ منٹ تک میں اُس کے ساتھ رہی پھر اُسے ضروری ہدایات دے کر وہاں سے نکل آئی اور اس بار میری کار کا رُخ اینگ روڈ کی طرف تھا۔ ماربل کے بڑے بڑے شوکیسوں کے سامنے سے گزرتی ہوئی میں ایک سڑک پر مڑ گئی جہاں چھوٹے چھوٹے چائے خانے بنے ہوئے تھے۔ یہاں میں نے ایک جگہ کار روک دی اور اُسے پارک کر کے نیچے اُتر گئی۔ ایک چائے خانے کے ساتھ ایک پتلا سا زینہ بنا ہوا تھا اُوپر کوزینگی کا بورڈ لگا ہوا تھا زینے کا اختتام ایک دروازے پر ہوا اور میں بے دھڑک اس دروازے سے اندر داخل ہو گئی۔ صاف ستھرا ریستوران تھا جس کی زیادہ تر میزیں بھری ہوئی تھیں۔ بے فکرے ان میزوں پر بیٹھے ہوئے مختلف مشروبات سے شغل کر رہے تھے... ان میں بعض میزوں پر لڑکیاں بھی تھیں۔ ان میں سے کوئی بھی چہرے سے شریف نہیں معلوم ہو رہی تھی۔ بعض کی اُنگلیوں میں سگریٹ دبی ہوئی تھی لیکن ماحول میں منشیات کی بو نہیں تھی۔

میں ایک میز پر بیٹھی ہی تھی کہ ایک بھاری بدن کا ویٹر میرے پاس آ گیا۔ اُس کی آنکھیں سُرخ اور ڈراؤنی تھیں وہ تھوڑا سا جھکا اور بولا۔ "جی... کیا چاہیے؟"

" نصرو۔" میں نے کہا۔ لہجہ سخت تھا۔

" کیا؟" بات اُس کی سمجھ میں نہیں آئی۔

" نصرو آیا ہے یا ابھی نہیں؟"

" ناصر صاحب۔ ہاں وہ آ گئے ہیں۔ وہ بیٹھے ہوئے ہیں اُس کونے میں۔" اُس نے اشارہ کیا اور میری نگاہ اُس طرف اُٹھ گئی۔ کسی ہوئی شرٹ میں کسرتی بدن والا ایک نوجوان مجھے نظر آیا جس کے کھلے گریبان سے لمبے لمبے سیاہ بال جھانک رہے تھے یہی بال اُس کی چوڑی کلائیوں پر بھی نمایاں تھے۔ گورے رنگ پر یہ سیاہ بال اچھے لگ رہے تھے۔ اس کے سامنے کوک کی بوتل رکھی ہوئی تھی اور وہ اُنگلیوں میں سگریٹ دبائے خیالات میں کھویا ہوا تھا۔

" اوہ۔ میں نے دیکھا نہیں تھا۔ میں انہی کے پاس آئی تھی۔" میں نے ویٹر سے کہا اور اُس نے گردن ہلا دی۔ میں نے محسوس کیا کہ اس کے انداز میں کسی قدر احترام پیدا ہو گیا ہے۔ میں فوراً اپنی جگہ سے اُٹھ گئی اور ویٹر نے میرے لیے راستہ چھوڑ دیا۔ چند ساعت کے بعد میں ناصر کی میز کے سامنے تھی۔ ناصر نے کسی کو محسوس کر کے گردن اُٹھائی۔ اُس کی اُنگلیوں میں دبے ہوئے سگریٹ کے سرے نے اُس کی اُنگلیوں کو چھو لیا اور وہ آہستہ سے بل کھا گیا۔ اُس نے ٹکڑے کو سامنے رکھے ایش ٹرے میں مسل دیا اور پھر اُس کی آنکھوں میں سوالیہ کیفیت پیدا ہو گئی۔

" بیٹھ سکتی ہوں؟" میں نے پوچھا۔

" مقصد؟" وہ پاٹ دار آواز میں بولا۔

" کام ہے۔" میں نے کہا۔

" ہوں۔" اُس نے ماچس اُٹھا کر سگریٹ سلگایا۔ "بیٹھو۔"

" شکریہ۔" میں کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔

" کہو...؟"

" تمہارے ذریعے کچھ کاروبار کرنا چاہتی ہوں۔"

" کیسا کاروبار؟"

" تھوڑا سا مال ہے میرے پاس۔ کسی مناسب جگہ ٹھکانے لگا دو..."

" پولیس کی مُخبر ہو؟" وہ مُسکرایا۔

" نصرو پولیس کی پروا کرتا ہے؟" میں نے اُس سے سوال کیا۔

" نہیں کرتا لیکن پولیس اس کی تاک میں ضرور رہتی ہے۔"

" اطمینان کر لینا۔"

" کیا مال ہے اور کہاں سے آیا؟"

" باہر سے۔ باہر جاتا تھا لیکن مُخبری ہو گئی اس لیے اب باہر نہیں جا سکتا۔" میں نے دو ٹوک جواب دیا۔

" کیا چیز ہے؟"

" ہیروئن کا پاؤڈر۔" میں نے جواب دیا اور اُس نے جلدی سے کوک کی بوتل مُنہ سے لگا لی لیکن بوتل سے شراب کی بُو صاف اُٹھ رہی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ کوک میں شراب ملی ہوئی تھی اُس نے آدھی بوتل خالی کر دی اور ہونٹ چوستا ہوا بولا۔

" کتنا؟"

" چار کلو گرام۔" میں نے جواب دیا اور اُس نے باقی آدھی بوتل بھی خالی کر دی پھر میز کھٹکھٹائی۔ فوراً ہی ویٹر اُس کے پاس پہنچ گیا۔

" لاؤ... اور ٹھہرو۔ تم کیا پیو گی؟" یہ سوال اُس نے مجھ سے کیا تھا۔

"خالص کوک۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور وہ بھی معنی خیز انداز میں مسکرا دیا۔

"ایک خالص کوک۔ دوسری بیرے بیرے۔" اس نے ویٹر سے کہا اور ویٹر گردن جھکا کر چلا گیا۔ تب اس نے گہری نگاہوں سے مجھے دیکھا۔ "چالاک ہو اور ہونا بھی چاہیے کتنی بتائی تھی؟"

"چار کلو گرام۔"

"مقامی ہے؟"

"نہیں۔ ایران سے آئی ہے۔"

"بھاؤ... ؟"

"یہیں ساری باتیں طے کر لو گے؟"

"کیا چاہتی ہو؟"

"یہاں سے اٹھو۔"

"تھوڑی دیر رکو۔ کوک پی لو پھر چلتے ہیں لیکن تمہاری طرف سے اطمینان نہیں ہوا۔" اس نے دوستانہ انداز میں کہا۔

"کام کرنے سے قبل جس طرح چاہو اطمینان کر لینا۔"

"ہوں۔" اس نے دھواں چھوڑتے ہوئے گردن ہلائی اور پھر میز کی سطح پر گھورنے لگا پھر اس کی آنکھیں میرے ہاتھوں پر رک گئیں۔ چند ساعت وہ ہاتھوں کو گھورتا رہا پھر میرے چہرے پر نگاہ جما دی اور پھر کئی گہرے گہرے کش لے ڈالے۔ اب وہ مسلسل مجھے گھورے جا رہا تھا پھر اس کی بھاری آواز گونجی۔ "کیا میں تمہارے چہرے سے یہ ماسک نوچ کر پھینک دوں؟"

"کیا مطلب؟" میں نے خود پر قابو رکھا تھا۔

"تم میک اپ میں ہو تمہارے ہاتھوں کی کھال اور چہرے کی کھال میں نمایاں فرق ہے۔"

"تمہاری اس باریک بینی کی تعریف نہ کرنا ممکن نہیں ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیوں؟"

"ضروری تھا لیکن یہ کوئی خاص بات نہیں ہے۔"

"ہاں۔ خاص بات تو نہیں ہے لیکن۔ بہر حال ٹھیک ہے میں چوہا تو نہیں ہوں کہ جو چوہے دان سے ڈروں..." وہ خاموش ہو گیا۔ ویٹر نے ایک کھلی ہوئی بوتل اس کے سامنے رکھی اور دوسری بوتل کھول کر مجھے دے دی۔ بوتل کو منہ سے لگانے سے قبل میں نے اسے سونگھ کر دیکھا تھا۔

"بے فکر رہو... خالص ہے۔ یہاں دھوکے سے کوئی کام نہیں ہوتا۔" اس نے کہا اور میں نے بوتل سے کئی گھونٹ معدے میں اتار لیے۔ وہ بھی جلدی جلدی کوک کے گھونٹ لے رہا تھا۔ اس دوران ہم دونوں خاموش رہے اور تھوڑی دیر کے بعد دونوں بوتلیں خالی ہو گئیں۔ تب وہ اٹھ گیا۔ "آؤ..." اس نے کہا اور میں بھی اٹھ کر اس کے ساتھ چل پڑی۔ بل وغیرہ کا کوئی سوال نہیں تھا۔ سیڑھیاں اترتے ہوئے اس نے پوچھا۔

"یہ کیسے معلوم ہوا کہ میں یہاں ملوں گا؟"

"معلوم کیا تھا۔ پتہ چلا کہ تم آج کل یارو کے اڈے پر بیٹھتے ہو۔"

"میری ہی ضرورت کیوں پیش آ گئی؟"

"ناصر... بزدلی کی بات مت کرو۔ یہ لو اس میں پستول ہے۔ اس کے علاوہ میرے پاس کوئی ہتھیار نہیں ہے... پانچ گولیاں ان لوگوں کے سینوں میں اتارنا جو تمہاری دشمنی پر آمادہ ہوں۔ چھٹی گولی میرے لیے کافی ہو گی۔ اس کے بعد اگر مر جاؤ تو گھاٹے میں نہیں رہو گے۔" میں نے اپنا پرس اس کی طرف بڑھا دیا۔ ایک لمحے کے لیے وہ رک گیا۔

"سوری... لیکن تمہیں میرے سوال کا برا نہیں ماننا چاہیے۔" اس کا لہجہ بہت نرم تھا۔ اس کے بعد اس نے کچھ نہیں کہا اور خاموشی سے میرے ساتھ چلتا ہوا کار تک پہنچ گیا۔ "تمہاری کار ہے؟" وہ میرے برابر بیٹھتے ہوئے بولا۔

"ہاں۔" میں نے جواب دیا اور کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔

"اب اگر میں کوئی سوال کروں تو اسے تفتیش مت سمجھنا بلکہ دوستانہ معلومات تصور کرنا۔" وہ بولا۔ "کہاں چل رہی ہو؟"

"ہوٹل پارک ہیون۔" میں نے کہا۔ "وہاں میری ایک ایرانی دوست ٹھہری ہوئی ہے۔ مال وہی لائی تھی اور یورپ جانے کا ارادہ رکھتی تھی لیکن انٹرپول کے کسی آدمی کو اس پر شبہ ہو گیا اور وہ احتیاطاً یہاں رک گئی جب کہ انٹرپول والے ایک اور ملک میں اس کے منتظر ہوں گے وہ وہاں جائے گی ضرور... لیکن خالی ہاتھ..."

"ہوں۔ یہ بات ہے لیکن یہاں کی اور وہاں کی قیمتوں میں تو زمین آسمان کا فرق ہو گا۔"

"کچھ تو ملے گا۔ اس کے علاوہ خطرہ بھی ٹل جائے گا نفع اور نقصان تو چلتا ہی رہتا ہے۔"

"کیا تم میرے لیے کچھ اور بھی کر سکتی ہو؟" اچانک اس

نے کہا۔ "کسی طور مجھے اس ملک سے نکال دو۔ کسی بھی حیثیت سے۔ بس خاموشی سے یہ کام ہو جائے۔ اس کے لیے میں ہر خدمت کرنے کو تیار ہوں۔ میں تمہارے اس مال کی فروخت کا کوئی معاوضہ نہیں لوں گا۔"

"اوہ لیکن تم یہاں سے کیوں جانا چاہتے ہو؟"

"بچی سی بات ہے۔ دراصل میں فطری طور پر مجرم نہیں ہوں۔ نہ ہی مجھے مجرمانہ زندگی پسند ہے۔ بس ایک انتقامی جذبے نے مجھے قاتل بنا دیا اور پھر جان بچانے کے خوف نے دوسرے جرائم کی طرف متوجہ کر دیا۔ میں مجرمانہ زندگی سے خوش نہیں ہوں۔"

"تعجب کی بات ہے حالانکہ تم اس لائن میں کافی مشہور ہو۔"

"اور یہ شہرت میرے ضمیر کو کچوکے دیتی ہے۔"

میرے ذہن پر عجیب سا تاثر سوار ہو گیا... "لیکن ناصر تمہارے بارے میں تو میں نے یہ بھی سنا تھا کہ تمہیں عمر قید کی سزا ہو چکی تھی۔"

"ہاں اور اس سزا سے بچنے کے لیے میں نے وہ ساری دولت خرچ کر دی جو میں نے مجرمانہ زندگی گزارتے ہوئے جمع کی تھی لیکن پھر بھی سزا ہو گئی۔ بالآخر ایک بڑے آدمی کو میری ضرورت پڑی اور اس نے مجھے جیل سے نکال لیا۔"

"اوہ۔ تو کیا تم جیل سے مفرور ہو؟"

"نہیں مس... ارے ہاں تمہارا نام کیا ہے؟"

"عالیہ..."

"مس عالیہ۔ اس نے قانونی طور پر مجھے نکالا ہے لیکن میں اس وقت تک آزاد ہوں جب تک اس کے لیے جرائم کرتا رہوں گا۔ تم خود سوچو۔ اب میں صرف ایک کرائے کا مجرم ہوں۔ اس کے علاوہ میری اور کوئی حیثیت نہیں ہے... وہ میرے اخراجات اٹھائے گا اور بس... کیا میں جیل کی زندگی سے بدترین زندگی میں نہیں ہوں؟"

"ہاں... دیواروں کا قیدی اپنی ذات میں تو آزاد ہوتا ہے لیکن ذات کا قیدی زیادہ اذیت میں زندگی گزارتا ہے... تم تعلیم یافتہ ہو ناصر؟"

"بی۔ اے کیا تھا لیکن تم زندگی کے ان سالوں کو بیکار تصور کرو۔ جو میں نے حصول تعلیم میں صرف کیے۔ انسان تہذیب کے موٹے موٹے لحاف اوڑھ کر بھی وحشی ہی رہتا ہے۔"

"میں تمہاری باتوں سے بہت متاثر ہوں ناصر... اور تمہارے لیے کچھ کرنے کا جذبہ میرے ذہن میں پیدا ہو گیا ہے۔ یہ بتاؤ تمہیں جیل سے رہا ہوئے کتنا عرصہ گزر گیا؟"

"تین ماہ ہوئے ہیں ابھی۔"

"اوہ اچھا۔ آؤ۔ باقی باتیں پھر ہوں گی۔" میں نے کار پارک ہیون کے کمپاؤنڈ میں موڑ دی اور پھر اس کے ساتھ لفٹ کی طرف بڑھ گئی۔ دستک دینے پر شمس نے دروازہ کھول دیا۔ ناصر نے سلام کیا تھا۔ "یہ میری دوست شمس ہیں۔" میں نے اس سے تعارف کرایا۔

"مجھے ناصر کہتے ہیں۔" ناصر نے انگریزی میں کہا۔ میں نے پلٹ کر دروازہ بند کر دیا تھا اور شمس سے کہا۔ "شمس میں نے ناصر سے بات کر لی ہے۔ یہ ہماری مدد کے لیے تیار ہیں۔"

"ویری گڈ... کیا آپ بتا سکتے ہیں مسٹر ناصر کہ یہاں کیا بھاؤ چل رہا ہے؟" شمس نے پختہ لہجے میں پوچھا۔

"معلوم کر کے بتاؤں گا۔ نمونہ دینا ہو گا۔" ناصر بولا۔

"اس میں کوئی حرج نہیں ہے آپ کا کمیشن کیا ہو گا؟"

"میں تمہیں اس کے بارے میں بتا دوں گی شمس۔ ناصر صاحب برے لوگوں میں ایک اچھے انسان ہیں۔" میں نے مداخلت کی۔

"اگر یہ بات ہے تو ہم انہیں اپنا مستقل ساتھی بھی بنا سکتے ہیں۔"

"ناصر صاحب ملک سے باہر جانے کے خواہش مند ہیں۔" میں نے بات شروع کی۔

"میرا خیال ہے یہ اتنا مشکل تو نہ ہو گا۔" شمس بولی۔ اسی دوران کافی آ گئی جسے شمس نے سرو کیا۔

"آپ کافی پئیں... ناصر صاحب۔ اس کے بعد ہم آپ سے دوسری باتیں بھی کریں گے۔ کیا خیال ہے مس عالیہ۔ کافی پینے کے بعد ہم انتظار نہ کریں اور چل کر ناصر صاحب کو نمونہ دے دیں۔"

"ہاں یہی مناسب ہے۔ باقی باتیں راستے میں ہو جائیں گی۔"

"اوہ۔ کیا مال یہاں نہیں ہے؟" ناصر نے کافی پیتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں۔ ہوٹل میں رکھنا مناسب نہیں سمجھا۔ وہ میرے فلیٹ پر محفوظ ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے بلکہ بہتر ہے خطرہ مول نہیں لینا چاہیے۔" ناصر نے جواب دیا اور اپنی کافی ختم کر لی۔

چند لمحات کے بعد ہم لفٹ سے نیچے آ کر کار کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ناصر ابھی چند قدم ہی چلا تھا کہ رُک گیا۔ اُس نے دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیا تھا۔ "نہ جانے... نہ جانے" ... اُس کی بھرائی ہوئی آواز اُبھری اور پھر اُس نے چلنے کی کوشش کی تو لڑکھڑا گیا۔

"کیا بات ہے ناصر صاحب؟" میں نے شمس کو اشارہ کیا اور ہم دونوں نے اُسے دونوں بازوؤں سے سنبھال لیا۔ ناصر نے شاید کچھ کہنے کی کوشش کی تھی لیکن الفاظ ٹوٹ پھوٹ گئے۔ ہم اُسے تقریباً گھسیٹتے ہوئے کار تک لائے تھے اور پھر اُسے پچھلی سیٹ پر ٹھونسنا پڑا تھا۔ وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔ میں نے کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔ رُخ پوائنٹ تھری کی طرف ہی تھا۔

ناصر کو رات بھر ہوش نہیں آیا۔ اُسے ایسی جگہ رکھا گیا تھا جہاں ہوش میں آنے کے بعد وہ کوئی کارروائی نہ کر سکے۔ اس کے بارے میں میرے خیالات میں بڑی تبدیلی پیدا ہو گئی تھی۔ ملاقاتوں کے دوران شمس بھی اس حق میں ہو گئی کہ ناصر بُرا انسان نہیں ہے۔

صبح ناشتے سے قبل ہم نے اس سے ملاقات نہیں کی حالاں کہ اطلاع مل گئی تھی... کہ وہ ہوش میں آ گیا ہے اور بالکل خاموش ہے۔ یقیناً وہ اپنے اغوا ہونے پر ششدر ہو گا۔ ناشتے کی میز پر ہی میں نے نازش کو ہدایت کی "مسٹر نازش۔ اب آپ کو نہایت رازداری سے ایک کام کرنا ہو گا۔"

"جی ہاں۔ فرمایئے؟"

"نواب زادہ منور عالم کو جانتے ہیں نا؟"

"جی ہاں کیوں نہیں...؟"

"اُن کے بارے میں مکمل رپورٹ درکار ہے۔ ممکن ہو سکے تو اُن کا فون بھی ٹیپ کیا جائے۔"

"بہت بہتر۔" نازش نے جواب دیا۔ اس کے بعد میں اور شمس اُٹھ گئیں۔ ناصر کے کمرے کے باہر محافظ موجود تھے۔

"اُس نے ناشتہ کر لیا...؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں... اور اس عمدہ ناشتے کے لیے میزبان کا شکریہ بھی ادا کیا ہے۔" صوفیہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "نہایت پُرسکون ہے۔"

ہم دونوں دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئے... میں اُس وقت میک اَپ میں نہیں تھی۔ ناصر نے ہم دونوں کو دیکھا اور اُس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی پھر اُس کی نگاہ میرے ہاتھوں کی طرف اُٹھ گئی اور وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

"آپ یقیناً مس عالیہ ہیں۔ میں نے آپ کے ہاتھوں سے آپ کو پہچان لیا ہے۔"

"تم ایک ذہین نوجوان ہو ناصر۔" میں نے نرم لہجے میں کہا۔

ناصر نے اس مذاق یا طنز کا بُرا نہیں مانا۔ اُس نے بدستور مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیوں۔ اس میں مذاق یا طنز کا کون سا پہلو ہے؟" میں نے سوالیہ انداز میں پوچھا۔

"تم نہایت آسانی سے مجھے اس چوہے دان میں لے آئی ہو۔ اس سے ناصر کی اصلیت کھل جاتی ہے۔"

"لیکن میرا خیال کچھ اور ہے ناصر۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔

"وہ کیا حضور؟"

"تم خود کہہ چکے ہو کہ فطری طور پر تم ایک جرائم پیشہ انسان نہیں ہو۔ تم میں شرافت اور اعتماد کا ایک احساس موجود ہے۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو تم ہمارے جال میں نہ پھنستے۔"

"اوہ۔ بڑی حقیقت پسند ہو۔ بہرحال مجھے کافی میں... خواب آور دوا دے کر یہاں لانے کی کوئی خاص وجہ ضرور ہو گی؟"

"ہاں... میں تمہارے سامنے ایک ہستی کو پیش کرتی ہوں ناصر۔ ممکن ہے حالات خود بخود تمہاری سمجھ میں آ جائیں۔" میں نے شمس کو اشارہ کیا اور وہ باہر نکل گئی۔ ناصر خاموشی سے اُسے جاتے دیکھ رہا تھا پھر اُس نے کہا۔ "یہ عمارت تمہاری ہے اور ہیروئن والی بات جھوٹ تھی نا؟" اُس نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں..." میں نے مسکرا کر کہا۔

"تم خود کو بہت زیادہ ذہین مت سمجھنا۔ میں کافی نشے میں تھا اس لیے زیادہ غور و خوض نہیں کیا۔ ورنہ اتنی آسانی سے تمہارے جال میں نہ پھنستا۔"

"جب تم فطری طور پر بُرے نہیں ہو ناصر تو پھر شراب کیوں پیتے ہو؟" میں نے موضوع بدل دیا۔

"خدا کی قسم پہلے نہیں پیتا تھا۔ اُس وقت بھی نہیں پیتا تھا جب میری مجرمانہ زندگی کا عروج تھا۔ میں نے ابھی پینا شروع کی ہے۔ اُس وقت سے جب مجھے احساس ہو

گیا کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں...؟"

اُسی وقت شمس بوڑھی طوائف کے ساتھ اندر داخل ہوئی تھی۔ ناصر عجیب نگاہوں سے طوائف کو دیکھنے لگا۔ دوسری طرف بوڑھی نے اُسے دیکھتے ہی واویلا کرنا شروع کر دیا۔ "ہائے نصرو۔ ارے تجھے ڈھائی گھڑی کی آئے۔ اللہ کرے قبر میں پیٹھ نہ لگے۔ ہائے میری بچی۔ ارے ستیاناسی کہاں ہے میری صبو؟"

"اِسے یہاں کیوں لایا گیا ہے؟" ناصر نے سرد لہجے میں پوچھا۔ "کیا تم اس کی حمایت میں مجھے اغوا کر کے لائی ہو؟"

"اگر میں ہاں کہوں تو...؟" میں نے کہا۔

"تو میں تمہارے سارے ہمدردی کے الفاظ پر لعنت بھیج دوں گا اور تمہیں نفرت کی نگاہ سے دیکھوں گا کیوں کہ یہ عورتیں ذہنوں سے ماؤں اور بہنوں کا تقدس چھین لیتی ہیں۔ ان کا وجود ہی تو معاشرے میں لاتعداد جرائم تخلیق کرتا ہے۔ یہ کسی طور قابلِ ہمدردی نہیں ہوتیں۔" ناصر نفرت سے بولا۔

"ارے تیرا ستیاناس۔ مارے خدا تجھے غارت کرے۔" بوڑھی کھکھلائی "میرے باقی پیسے تو دے دے موذی۔"

"ملاحظہ ہو۔ تمہیں اس آخری پیسے پر خوشی ہوئی ہو گی کیا باقی پیسوں میں تمہارا بھی کوئی کمیشن ہے؟" ناصر پھر مسکرا دیا۔ میں نے شمس کو اشارہ کیا اور وہ بوڑھی کو واپس لے گئی۔

"تمہیں یہ بات معلوم ہے ناصر کہ صبیحہ اس کی بیٹی نہیں تھی؟" میں نے سنجیدگی سے کہا۔

"اِن کے زیرِ سایہ لڑکیاں اکثر اِن کی اولادیں نہیں ہوتیں۔ یہ کون سی تعجب کی بات ہے؟"

"تم اس کی لڑکی کو کہاں لے گئے تھے؟"

"یہ نہیں بتاؤں گا۔" اُس نے صاف گوئی سے کہا۔

"ناصر وہ لڑکی قتل کر دی گئی ہے۔" میں نے کہا اور وہ اُچھل پڑا۔

"نہیں۔" اُس کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

"ہاں ناصر۔ اُس کی آبروریزی کر کے اُسے بے دردی سے قتل کر دیا گیا۔ زمین پر رینگنے والے بدنما کیڑے بھی سانس لیتے ہیں۔ انسان حالات کے ہاتھوں مجبور ہو کر مختلف بدنما شکلیں اختیار کر لیتا ہے۔ مجھے بتاؤ ناصر کیا معاشرے میں تمہیں اچھی نگاہ سے دیکھا جاتا ہو گا۔ کیا تمہاری پیدائش کے وقت تمہارے والدین نے یہ آرزو کی ہو گی کہ تم بڑے ہو کر ایک مجرم بن جاؤ؟ کیا حالات نے تمہارے لیے جرائم کی زندگی تخلیق نہیں کی؟ کیا تم صبیحہ کو اس خانے میں فٹ نہیں کرو گے جب کہ تمہیں علم ہے کہ وہ اس طوائف کی بیٹی نہیں تھی۔ نہ جانے کہاں سے آئی تھی اور اس مکڑی کے جال میں پھنس گئی تھی۔" میں نے پُرتاثر لہجے میں کہا۔

اور ناصر کا چہرہ دھواں ہو گیا۔ وہ خشک ہونٹوں پر زبان پھیر رہا تھا... "مجھے... مجھے اس کی اُمید نہیں تھی۔" اُس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا اور میں نے وہ چند تصویریں اُس کے سامنے ڈال دیں جو میں نے صبیحہ کی موت کے بعد اُتروائی تھیں۔ ناصر پھٹی پھٹی آنکھوں سے اُن تصویروں کو دیکھنے لگا۔ اُس کی گردن شرم سے جھک گئی تھی پھر اُس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "یقین کرو۔ مجھے دلی رنج ہوا ہے۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔"

"ناصر اس لڑکی کی لاش مجھے شہر سے باہر گوجرے کے علاقے میں ملی تھی۔ میں ہی اسے اُٹھا کر شہر لائی تھی۔"

"مس عالیہ آپ کون ہیں؟"

"میں...؟" میں نے چند ساعت توقف کیا۔ "میں ایک ایسی تحریک کی رُکن ہوں جس کے مقاصد میں ایسی سماجی برائیوں کا خاتمہ کرنا ہے جو گھناؤنی ہوں۔ قانون اپنے فرائض کی انجام دہی کرتا ہے لیکن چند با اثر لوگ قانون پر حاوی ہو جاتے ہیں اور قانون اُن کے ہاتھوں میں کھلونا بن جاتا ہے۔ میری تحریک اُن لوگوں کے خلاف عمل کرے گی اور ہم نے اس کام کا آغاز کر دیا ہے۔"

"اس تحریک کا نام کیا ہے؟" ناصر نے پوچھا۔

"سفید تحریک۔"

"میں نے کبھی یہ نام نہیں سُنا۔" ناصر بولا۔

"ہم نے ابھی ابتدا کی ہے اور پھر ہمیں اس کی شہرت مقصود نہیں ہے۔"

"اس کا بانی کون ہے؟"

"شہزادی عابدہ رئیس۔" میں نے جواب دیا۔

"یہ کون خاتون ہیں؟" ناصر نے پوچھا۔

"ایک نام... ایک آواز... اور بس۔ اس سے زیادہ شاید کوئی نہ بتا سکے۔"

اُس کے چہرے سے رنج کے آثار نمایاں تھے پھر اُس نے کہا۔ "مس عالیہ آپ کی تحریک میرے لیے جو سزا تجویز کرے میں خوشی سے قبول کروں گا لیکن کیا مجھے اپنی صفائی میں

کچھ کہنے کی اجازت ہے؟"

"ہاں ناصر۔ میں اس درندے کے بارے میں جاننا چاہتی ہوں جس نے ایک معصوم زندگی کو موت کی آغوش میں دھکیل دیا۔"

"میری باتوں پر یقین کر لیں گی مس عالیہ؟"

"کوشش کروں گی۔"

"میں کہہ چکا ہوں۔ زبانی طور پر نہیں عملی طور پر۔ اگر آپ ان باتوں پر یقین نہ کریں تو میرے لیے سزا کا تعین کر لیں جیسا کہ میں نے آپ سے عرض کیا کہ میں فطری طور پر مجرم نہیں ہوں بلکہ حالات نے مجھے اس راستے پر لا کھڑا کیا۔ یہ حالات میں وہاں سے بیان کروں گا جب میں جیل چلا گیا اور مجھے طویل سزا ہو گئی میں اپنی رہائی کی تمام کوششوں میں ناکام ہو چکا تھا اور مجھے یقین ہو چکا تھا کہ اب بقیہ زندگی انہی دیواروں کے درمیان گزرے گی۔ زندگی کے اس دائرے میں آ جانے کا مجھے رنج تھا۔ تب ایک دن میرے ایک شناسا کا دوست جیل میں مجھ سے ملا اور اس نے یارو کا ایک پیغام مجھے دیا۔

"کون یارو۔ جس کے اڈے سے میں تمہیں لائی تھی۔۔۔؟"

میں نے درمیان میں لقمہ دیا۔

"ہاں۔ اسی کی بات کر رہا ہوں۔" اس نے کہا۔ "یارو نے پیغام بھجوایا تھا کہ اگر میں چاہوں تو مجھے جیل سے رہائی مل سکتی ہے۔ یہ پیش کش کسی اور نے کی ہے۔ اس کے بعد مجھے اس شخص کے لیے کام کرنا ہو گا جو مجھے جیل سے رہا کرائے گا۔ یارو نے کہلوایا تھا کہ یہ رہائی باقاعدہ ہو گی اور اس کے بعد میں آزادی کی زندگی گزاروں گا یعنی مجھے پولیس سے چھپنا نہیں ہو گا۔ مایوسی کے عالم میں مجھے یہ پیش کش بہت دلکش محسوس ہوئی اور میں نے فوراً حامی بھر لی۔ یوں بھی میرے ذہن میں ایک خیال کروٹیں لے رہا تھا۔ میں نے سوچا تھا کہ اگر اس طرح مجھے رہائی مل گئی تو میں ملک سے باہر نکل جانے کی کوشش کروں گا اور کسی دوسرے ملک میں جا کر شریفانہ زندگی بسر کروں گا۔۔۔ میرے اقرار پر یارو کے آدمی نے ایک سادہ ایگریمنٹ فارم مجھے دیا اور کہا کہ میں اس پر دستخط کر دوں۔ میری باز پرس پر اس نے بتایا کہ اس کاغذ پر ایک ایگریمنٹ لکھا جائے گا۔ جس کے تحت میں اس شخص کا پابند رہوں گا! جیل میں زندگی گزار دینے سے بہتر میں نے یہی سمجھا کہ جیل سے رہائی حاصل ہو جائے۔ چنانچہ میں نے دستخط کر دیے اور ایک ہفتے کے اندر اندر مجھے دوبارہ عدالت میں پیش کیا گیا جہاں سے مجھے ان جرائم سے باعزت بری کر دیا گیا جو میں نے کیے تھے۔ جیل سے رہائی ملی تو یارو میرے استقبال کے لیے موجود تھا۔ وہ مجھے اپنے اڈے پر لے گیا اور وہاں قیام کرنے کی پیش کش کی۔ میرے استفسار پر اس نے بتایا کہ وہ خود بھی اس شخص سے ناواقف ہے جس نے یہ سب کچھ کیا ہے۔ بس اسے اس کام کے لیے مجبور کیا گیا تھا اور اس کے کچھ ایسے جرائم کی نشان دہی کی تھی جو پوشیدہ تھے۔ میں نے یارو کی بات پر اعتبار کر لیا اور وہاں رہنے لگا۔ یہاں بس میری ضروریات کا خیال رکھا جاتا ہے اور میں ایک بے بس چوہے کی مانند زندگی گزار رہا تھا۔ میرے ذہن میں یہی خیال تھا کہ میں کچھ رقم جمع کر کے اس ملک سے نکل جاؤں۔ اس سلسلے میں، میں نے یارو کو بھی کچھ نہیں بتایا تھا آپ کے ساتھ مس عالیہ میں خاموشی سے اس لیے اٹھ آیا کہ آپ کے کام کے بعد مجھے کچھ رقم ملے گی ورنہ میں تیار نہ ہوتا۔ صبیحہ کے بارے میں مجھے فون پر ہدایت ملی تھی کہ اسے کوٹھے سے اتار کر لانا ہے اور اس کے لیے یارو سے دو ہزار روپے ملے تھے جو بوڑھی نائکہ کو دینے تھے۔ میں نے ہدایت کے مطابق صبیحہ کو گول منڈی کے چوک پر کھڑی ہوئی ایک دین میں پہنچا دیا تھا۔۔۔ اور اس کے بعد مجھے کچھ نہیں معلوم۔" ناصر خاموش ہو گیا۔ میں اس کی گفتگو کو پرکھ رہی تھی۔ بظاہر وہ جھوٹا نہیں معلوم ہوتا تھا۔ تب میں نے سوال کیا۔ "دین میں کوئی تو ہو گا؟"

"ایک ڈرائیور کے علاوہ کوئی نظر نہیں آیا تھا اور ہدایت تھی کہ کوئی بات نہ کروں۔"

"اس کی شکل و صورت؟"

"گھنی داڑھی مونچھیں اور سیاہ چشمہ۔ صاف اندازہ ہوتا تھا کہ میک اپ میں ہے۔"

"گاڑی کا نمبر نوٹ کیا؟"

"نہیں۔ ایسی بیزاری ذہن پر سوار تھی کہ یہ بھی نہیں کیا"

"ہوں۔۔۔ لیکن ناصر۔ یارو اتنا بے خبر نہیں معلوم ہوتا جتنا خود کو پوز کر رہا ہے۔" میں نے کہا۔

"ممکن ہے مس عالیہ۔"

"بہر حال میں تمہاری باتوں کو سچ مان لیتی ہوں یہ بتاؤ یہ بوڑھی عورت تمہیں کب سے جانتی ہے؟"

"صبیحہ کی نام نہاد ماں؟"

"ہاں۔ اسی کی بات کر رہی ہوں۔"

"کافی عرصے سے۔ اس کا علاقہ بھی تین سال تک ایک

بدمعاش کی حیثیت سے میرے پاس رہا ہے۔"

"یہ پولیس کو تمہارے بارے میں بیان دے سکتی ہے اور اس کے بعد تم دوبارہ پولیس کی تحویل میں چلے جاؤ گے۔" میں نے کہا۔

"اگر اس کی حمایت میں رہا تو شاید ایسا نہ ہو سکے۔" ناصر نے جواب دیا۔ "مجھے یہ ضمانت دی گئی ہے کہ اس کے کسی کام کے سلسلے میں پولیس مجھ پر ہاتھ نہیں ڈال سکے گی اس لیے جو کہا جاتے بے خوف دخطر کروں۔ مجھے اس لڑکی کی موت کا بہت صدمہ ہے یقین کرو یہ ناشکہ صرف اس لیے رنجیدہ ہے کہ اس کا مستقبل تاریک ہو گیا لیکن مجھے غم ہے کہ اس کی زندگی کا خاتمہ میرے ہاتھوں ہوا۔" ناصر کی آواز رندھی ہوئی تھی۔

"میں تمہیں ایک پیش کش کرنا چاہتی ہوں ناصر کہ اب تم جرائم کے خلاف کام کرو۔"

"کیا مطلب؟" ناصر کی آواز میں حیرت تھی۔

"شہزادی عابدہ رئیس کی نمائندہ ہونے کی حیثیت سے میں تمہیں یہ پیش کش کرتی ہوں۔ شرائط وہی ہوں گی یعنی تمہیں پولیس سے تحفظ ملے گا اور ایک پرسکون زندگی گزارنے کے لیے معقول مشاہرہ۔ اتنا کہ تم اپنی پسند کی زندگی گزار سکو۔" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"اور آپ مجھ پر اعتبار کر لیں گی؟" اس نے بدستور تعجب سے پوچھا۔

"میں نے تمہارے اندر چھپی ہوئی شرافت دیکھ لی ہے۔ ملک و ملت کے لیے کام کرتے ہوئے تمہیں ذہنی سکون ملے گا ناصر۔ یوں سمجھو ہمیں تمہاری ضرورت ہے۔"

"خدا کی قسم مس عالیہ۔ اگر آپ مجھے اس کا موقع دیں تو ... تو ...؟" ناصر کی آنکھوں سے آنسو ڈھلک پڑے۔

"یہ آنسو تمہاری سچائی کی دلیل ہیں ناصر۔ میں تمہیں موقع نہیں دے رہی بلکہ یہ پیش کش ہے اور اس پیش کش میں پورا خلوص، پورا اعتماد ہے۔ ہمیں تمہارے جیسے سچے اور مخلص کارکنوں کی ضرورت ہے۔ نہ صرف تم بلکہ اس سیکشن کے انچارج کی حیثیت سے تم دوسرے چند ایسے افراد کا انتخاب بھی کرو گے جو ہمارے کام کے ہوں۔ باعمل زندگی گزار رہے ہوں اور برائیوں سے بچنا چاہتے ہوں۔ باہر رہ گئیں دوسری چند باتیں تو انہیں بھی غور سے سن لو۔ تمہارا ہیڈ کوارٹرز دوسرا ہوگا جہاں تمہیں ہر سہولت مل جائے گی۔ وہ ایجنٹ بے کار کا غذ بھر اوّل تو وہ کبھی منظر عام پر نہیں آئے گا اور اگر آیا تو اس کی حیثیت کچھ نہ ہوگی۔ یہ ذمے داری ہماری۔ اس بوڑھی عورت کو تم دس ہزار روپے دے کر اس کی زبان بند کر دو۔ اس سلسلے میں اسے دھمکی دے سکتے ہو۔ تمہارے لیے پہلا کام یہ ہے کہ اپنے ذرائع سے یہ معلوم کرو کہ بابو کی پشت پر کون ہے اور لڑکی کس کے پاس گئی تھی؟ باقی باتیں پھر بتاؤں گی۔"

"آپ نے میری زندگی کو ایک ایسی شاہراہ پر لگا دیا ہے مس عالیہ جو مجھے سکون کی منزل تک لے جائے گی۔ میں آپ کا یہ احسان مرتے دم تک نہیں بھولوں گا۔ میں دل و جان سے آپ کے مشن کی خدمت کروں گا۔" ناصر بے اختیار رو پڑا۔

"نہیں ناصر میرے بھیا یہ سب کچھ تو ہماری زندگی پر قرض ہے اور سانسوں کا جتنا قرض اتر جائے تو غنیمت ہے۔" میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا اور ناصر روتا رہا۔

صبیحہ کی بوڑھی نگران کے لیے ناصر نے میری زیر ہدایات ایک ڈراما کیا۔ وہ ایک چھری لے کر اس کمرے میں داخل ہو گیا جہاں بوڑھی عورت موجود تھی۔ ناصر کے چہرے کے تاثرات بے حد خوفناک تھے۔ بوڑھی اس کے ہاتھ میں چھری دیکھ کر بدحواس ہو گئی۔ اس نے ایک خوفناک چیخ ماری تھی۔

"چیخنے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا بوڑھی ناگن۔ تو نے ان لوگوں کو میری نشان دہی کی ہے۔ میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا... ان لوگوں کی تو میں پروا نہیں کرتا لیکن اگر تو نے کسی دوسرے کے سامنے یا پولیس کے سامنے میرا نام لیا ہوتا تو... بس اب تو مرنے کے لیے تیار ہو جا۔" ناصر اس کے سر پر پہنچ گیا۔ بوڑھی تھر تھر کانپ رہی تھی۔ ناصر نے اسے زمین پر گرا لیا۔ تبھی میں اور شمس اندر داخل ہو گئیں۔ ہمیں دیکھ کر بوڑھی کے حلق سے بلبلانے کی سی آوازیں نکلیں۔

"ارے نہیں ناصر، نہیں۔ اسے قتل نہ کرو۔" میں نے سفارش کی۔

"نہیں مجھے نہ روکو۔ اس نے میرا نام کیسے لیا۔"

"بس غلطی ہو گئی۔ چھوڑ دو اسے۔"

"چھوڑ دوں... اور یہاں سے جانے کے بعد اگر اس نے کسی اور کے سامنے بھی میرا نام لے دیا تو؟" ناصر غرا کر بولا۔

"پنجتن پاک کی قسم کبھی نہیں لوں گی ارے ایک بار تو چھوڑ دو آئندہ میں ہمیشہ کے لیے تمہارا نام بھول جاؤں گی۔" بوڑھی کی آواز نکلی۔

"چھوڑ دو ناصر میں ذمے داری لیتی ہوں۔ اگر اس کے منہ سے آئندہ کبھی کسی کے سامنے تمہارا نام نکلے تو اس کی گردن کاٹ کر پھینک دینا۔ میں ضمانت لیتی ہوں اس کی۔" میں نے کہا اور ناصر نے بوڑھی عورت کو چھوڑ دیا۔ وہ زخمی فاختہ کی طرح زمین پر پڑی پلکیں جھپکا رہی تھی۔

"کیوں تم بتاؤ۔ اگر پولیس تم سے پوچھے گی تو ناصر کا نام لوگی؟"

"کبھی نہیں لوں گی کبھی نہیں لوں گی۔"

"پولیس تم سے پوچھے گی کہ تم کہاں غائب ہو گئی تھیں تو کیا کہو گی...؟"

"کہوں گی کہ اپنی ایک سہیلی کے ہاں چلی گئی تھی تم بے فکر رہو۔"

"ہوں ناصر تم اسے کچھ رقم بھی دو تاکہ یہ گزارا کر سکے۔ ہم اس کا وعدہ دیکھیں گے آئندہ اگر اس کے منہ سے تمہارا نام نکلا تو تم بے شک اسے قتل کر دینا میں نہیں روکوں گی۔" میں نے کہا اور ناصر نے دس ہزار روپے کی ایک گڈی نکال کر بوڑھی کو دے دی۔

"یہ دس ہزار روپے ہیں اس سے تم اپنی زندگی کے لیے کوئی سہارا بنا سکتی ہو۔ صبیحہ کو میں نے قتل نہیں کیا لیکن اگر آئندہ تمہارے منہ سے..."

"دس ہزار... پورے دس ہزار۔" بوڑھی کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا۔ وہ سارا غم بھول گئی تھی۔

ناصر میری ہدایت کے مطابق بوڑھی کو چھوڑنے چلا گیا۔ میں اپنے اقدام سے پوری طرح مطمئن تھی۔ اس دوران شمس سے میری گفتگو ہوتی رہی۔ شمس نے میری کسی بات سے اختلاف نہیں کیا تھا پھر میری ہدایت پر مس میری بھی یہیں پہنچ گئیں۔ فلیٹ سے انہوں نے ساری ضروری چیزیں ہٹا لی تھیں۔ صباحت صاحب سے فون پر رابطہ قائم کر کے میں نے نئی کوٹھی کے بارے میں پوچھا اور پھر فیصلہ کیا کہ ناصر اور مس میری کو فوری طور پر اس کوٹھی میں منتقل کر دیں۔ ناصر کے واپس آنے کے بعد میں نے اسے اور مس میری کو ساتھ لیا۔ شمس تو خیر تھی ہی میرے ساتھ اور پھر ہم سب ایک بند گاڑی میں اس نئی عمارت کی طرف چل پڑے جس کا نام سحابہ لاج تجویز کیا گیا تھا۔ ہم سب نے اس عمارت کو اچھی طرح دیکھا۔ ناصر اب یہاں کا انچارج تھا۔ اس عظیم الشان عمارت اور یہاں کے انتظامات سے وہ بہت متاثر ہوا تھا۔ "ہماری کارکردگی کے لیے یہ بہترین جگہ ہے۔" ناصر نے کہا۔

"لیکن یہاں ایک پورے گروہ کی ضرورت ہے ناصر... جو ہمارے لیے بہترین کارنامے انجام دے سکے۔"

"یہ میری ذمے داری ہے مس عالیہ لیکن اس کے لیے آپ مجھے مہلت دیں گی؟"

"کتنی...؟"

"ایک ماہ درکار ہوگا لیکن اس دوران ہمارے کام کے لوگ یہاں پہنچتے رہیں گے میں ایسے لوگوں کا انتخاب کروں گا جو کتنے ہی برے کیوں نہ ہوں لیکن جن کا خون سچا ہو تاکہ وہ بے وفائی نہ کر سکیں۔"

"یہ تمہاری ذمے داری ہے۔"

"میں اسے پورا کروں گا لیکن فی الوقت میری ایک اور خواہش ہے۔"

"ہاں کہو۔"

"میں صبیحہ کے قاتلوں کا پتہ لگانا چاہتا ہوں اور اس کے لیے فی الوقت بابو ہی میری نگاہ میں ہے۔"

"اوہ کیا تم اس سے کچھ معلوم کر سکو گے؟"

"جس طرح بھی بن پڑے گا۔" ناصر نے جواب دیا۔

"سنو ناصر وہ شخص یا وہ لوگ جنہوں نے صبیحہ کو قتل کیا ہے اس سے قبل بھی کئی ایسی لڑکیوں کو قتل کر چکے ہیں جو غریب اور نادار تھیں۔ وہ ایسی لڑکیوں کی تلاش میں رہتے ہیں جن میں ایک مخصوص مشابہت ہوتی ہے یہ مشابہت صبیحہ میں بھی تھی یعنی اس کی ٹھوڑی میں گڑھا تھا اور بائیں رخسار پر سیاہ تل۔ ایسی لڑکیاں سخت خطرے میں رہتی ہیں اور میں ان درندوں کی تلاش میں ہوں۔"

"اوہ۔ اس کا مقصد ہے کہ بہت لمبا چکر ہے۔" ناصر بولا۔

"ہاں ناصر لیکن ہمیں چاہیے کہ چھوٹے سے چھوٹے آدمی کو نظر انداز نہ کریں بس ایک کڑی مل جائے پھر ہم خود دوڑ پڑیں گے۔"

"یاد رہے میں اس شخص کے بارے میں پوچھوں گا جس سے اس کا رابطہ ہے۔"

"ٹھیک ہے لیکن کس طرح؟"

"جس طرح بھی بن پڑا۔ اگر اسے اغوا کرنا پڑا تو میں اس سے بھی دریغ نہیں کروں گا اگر ضرورت پڑی تو میں اسے یہاں لے آؤں گا۔"

"یہ سب کچھ تمہاری مرضی پر ہے میں نے تمہیں اختیارات دیے ہیں یہ سیاہ وین اب تمہارے استعمال میں رہے گی۔" میں نے اسے وین کی چابی دے کر کہا اور پھر ہم دونوں اٹھ گئے۔ مس میری کو میں نے ضروری امور سمجھا دیے تھے۔

"اب آپ ہمیں واپس چھوڑ آئیں مسٹر ناصر۔ آپ ڈرائیونگ تو کر لیتے ہوں گے۔"

"جی۔" ناصر نے گردن ہلا دی اور ہم سب وین میں بیٹھ کر

چل پڑے۔

☆☆

انکل متوحہ عالم کی برابر نگرانی ہو رہی تھی۔ ابھی تک نازش نے اُن کے بارے میں کوئی خاص رپورٹ نہیں دی تھی۔ میں نے اب اس سلسلے میں کچھ پوائنٹس ترتیب دیے تھے اور ان کے تحت کام کر رہی تھی۔ فرزانہ اور افشاں ہمیشہ اس چکر میں رہتی تھیں کہ کب اُن سے ملاقات ہو لیکن میں نے ان چند دنوں کے لیے اُن سے معذرت کر لی تھی اور کہا تھا کہ میں سخت مصروف ہوں فرصت ملتے ہی ان دونوں سے ملاقات کروں گی۔ ان دنوں میں محتاط بھی ہو گئی تھی۔ میں جانتی تھی کہ اب ان لوگوں کو میری تلاش ہوگی۔ یہ سب کچھ تھا لیکن ذہن ابھی تک کسی ایسی ہستی کا تعین نہیں کر سکا تھا جس کے بارے میں یقین سے کہا جا سکے کہ وہ میری مطلوبہ ہستی ہو سکتی ہے بہرحال چونکہ اس بار میں نے انکل شہریار کی دی ہوئی مراعات سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے ان تمام لوگوں کو مصروف کر دیا تھا اس لیے مجھے فرصت مل گئی تھی اور فرصت کے ان لمحات میں، میں اپنے ایک اور شبہے کی تصدیق کر لینا چاہتی تھی چنانچہ آج میں نے اس کے لیے تیاریاں کیں اور اپنے چہرے پر ایک سنجیدہ سا میک اپ کیا۔ شمس اس وقت یہاں موجود نہیں تھی وہ ڈولی سے بیٹھی گپیں مار رہی تھی۔ جب میں تیار ہو گئی تو ایک ملازمہ کے ہاتھ میں نے شمس کو بُلا بھیجا۔ شمس کمرے میں داخل ہو کر . . . . . ٹھٹک گئی اور میں مسکرا دی۔ "کیا خیال ہے شمس۔" میں نے اسے آنکھ ماری اور شمس بے اختیار مسکرا پڑی۔

"یہ ناچیز کیا خیال ظاہر کر سکتی ہے۔"

"کوئی خامی؟"

"وہ تو تمہاری پوری زندگی میں نہیں ہے۔"

"اچھا۔ اب بنانے پر تُل گئیں۔ آؤ آج بقراط کا آپریشن کیے لیتے ہیں۔"

"اوہ۔ میں سمجھ گئی۔ ٹھیک ہے۔ کوئی لائحہ عمل ہوگا۔"

"ہاں۔ اسپتال، بکنگ۔ یہ دو چیزیں ہیں۔ ہمیں سے کوشش کرتے ہیں۔" میں نے جواب دیا۔

"چلو۔ مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔"

"لباس تبدیل کر لو۔ میں راستے میں تمہیں پوری سچویشن سمجھا دوں گی۔"

[illegible] شمس نے کہا اور باہر نکل گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ کپڑے پہن کر باہر آ گئی اور ہم دونوں سرخ رنگ کی مرسڈیز میں بیٹھ کر چل پڑے۔ افشاں نے اس اسپتال کا نام بتا دیا تھا جس میں بقراط زیرِ علاج تھا۔ میں راستے میں شمس کو اس سلسلے میں طریقۂ کار کے بارے میں بتاتی رہی اور پھر ہم اسپتال میں پہنچ گئے... اسپتال میں، میں نے اِدھر اُدھر نگاہ دوڑائی اور ایک خوبصورت سی لڑکی مجھے نظر آ گئی جو ڈاکٹر کے لباس میں تھی۔ میں اور شمس اُس کی طرف بڑھ گئے لڑکی ہمیں اپنی طرف آتے دیکھ کر متوجہ ہو گئی تھی۔

"ہیلو۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہیلو۔" وہ بھی اخلاق سے مسکرائی اور... ہم دونوں نے اس سے مصافحہ کیا پھر میں نے کہا۔

"اجنبی خاتون۔ ہمیں ایک ضرورت آپ تک لے آئی ہے۔ ہمارا تعلق ایران سے ہے کیا آپ کے قیمتی وقت میں سے کچھ وقت ہمیں مل سکتا ہے۔"

"ضرور۔ تشریف لائیے۔ میرا نام ہُما ہے اور میں یہاں کی ایک ڈاکٹر ہوں۔" لڑکی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اتنی چھوٹی سی عمر میں اتنی اہم ذمے داری کا بوجھ اُٹھانا آپ کی ذہانت کی دلیل ہے۔" میں نے کہا اور وہ مسکرا دی۔ ہم دونوں اس کے ساتھ اس کے ائرکنڈیشنڈ دفتر میں داخل ہو گئے۔

"تشریف رکھیے۔ آپ کیا پئیں گی؟"

"کچھ نہیں بس ہمیں تو یہ احساس ہے کہ ہم آپ کا وقت برباد کر رہے ہیں۔"

"نہیں میں مصروف نہیں تھی ویسے آپ لوگوں سے تعارف حاصل ہو جائے۔"

"میرا نام عالیہ ہے اور یہ شمس۔"

"آپ دونوں حال ہی میں ایران سے آئی ہیں؟"

"ہاں۔ آج صبح ہی۔ شمس کے والد یہاں ایرانی سفارت خانے کے ایک اہم رکن ہیں۔ میں ان کی دوست ہوں۔"

"اوہ۔ آپ دونوں بہت خوبصورت ہیں اور میں خوبصورت لڑکیوں سے دوستی کرنے کی مریض ہوں۔" ہُما بولی۔

"اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ آپ بھی بے حد خوبصورت ہیں۔ انتہائی پُرکشش۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور وہ شکریہ ادا کر کے ہنسنے لگی پھر اس نے ایک وارڈ بوائے کو بُلا کر... ٹھنڈا مشروب لانے کے لیے کہا اور بولی۔

"یہاں کیسے تشریف لانا ہوا؟"

"ایک بہت ہی ضروری کام تھا۔ ہمارے ایک دوست ہیں تار دیا تھا کہ وہ ایک حادثے میں زخمی ہو گئے ہیں اور اسپتال میں ہیں۔ کیا ہمیں ان کے بارے میں معلومات مل ہو سکتی ہیں؟"

"بلاشبہ۔ نام بتایے۔"

"تصور عالم۔ خود کو بقراط کہتے ہیں۔ موٹر سائیکل سے ایکسیڈنٹ ہُوا تھا۔"

"تصور عالم۔" وہ پُرخیال انداز میں بولی پھر کہنے لگی۔ "کتنے دن پہلے کی بات ہے۔ میرا مطلب ہے وہ کب داخل ہوئے تھے؟"

"ایک یا ڈیڑھ ماہ کے اندر کوئی بھی تاریخ ہو سکتی ہے۔"

"آپ اطمینان سے تشریف رکھیں۔ میں ابھی معلوم کرائے لیتی ہوں۔ اتفاق سے میں یہاں کے ریلیشنز سیکشن کی انچارج بھی ہوں۔"

"بڑی مسرت کی بات ہے۔" میں نے جواب دیا۔ لڑکی نے پھر گھنٹی بجا دی تھی۔ اس بار ایک نرس اندر آ گئی۔

"سسٹر یونس صاحب کو بُلا لیں۔" ہُما نے کہا اور نرس گردن ہلا کر چلی گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد درمیانی عمر کا ایک شخص اندر داخل ہُوا۔ بے تاثر سا آدمی تھا اس نے اندر آ کر سلام کیا تھا...

"یونس صاحب۔ ایکسیڈنٹ کے کیس میں کوئی تصور عالم صاحب یہاں داخل ہیں؟" ہُما نے پوچھا اور یونس صاحب گردن جھکا کر کچھ سوچنے لگے پھر انہوں نے وثوق سے گردن ہلا دی۔

"نہیں۔ اس نام کا کوئی شخص یہاں نہیں ہے۔"

"ممکن ہے ڈسچارج ہو گئے ہوں۔ آپ پچھلے ماہ سے اس ماہ تک کے رجسٹر لے کر آ جائیں ذرا جلدی۔" ہُما نے حکم دیا اور یونس گردن ہلا کر چلے گئے۔ اس دوران ٹھنڈے مشروبات کی بوتلیں آ گئیں... اور ہم ان سے شغل کرنے لگے... پھر یونس صاحب رجسٹر لے کر آ گئے اور میں نے انہیں یہ نام تلاش کرنے کے لیے کہا۔ یونس صاحب ایک طرف بیٹھ کر رجسٹر کی ورق گردانی کرتے رہے اور پھر ایک جگہ رُک گئے۔

"جی ہاں یہ صاحب پندرہ دن قبل ڈسچارج ہو گئے ہیں۔" انہوں نے رجسٹر سامنے رکھ دیا۔

"داخل کب ہوئے تھے؟" میں نے پوچھا اور یونس صاحب رجسٹر دیکھنے لگے اور پھر انہوں نے دوسرا رجسٹر اُٹھا لیا اور ہمارے سامنے ہی اُس کے ورق دیکھنے لگے۔ رجسٹر میں اندراجات پر سیریل نمبر بھی لکھا تھا۔ یونس صاحب نے بالآخر داخلے کی تاریخ بھی نکال لی اور رجسٹر ہمارے سامنے کر دیا۔ شمس کے چہرے پر مایوسی پھیل گئی لیکن میں نے ایک پوائنٹ تلاش کر ہی لیا۔

"مس ہُما براہِ کرم ذرا یہ دیکھیے۔" میں نے رجسٹر اُس کے سامنے کر دیا۔ "اس رجسٹر میں مریضوں کے اندراجات کرتے ہوئے ایک مخصوص فاصلہ رکھا گیا ہے۔ پورے رجسٹر میں یہ فاصلہ برقرار ہے لیکن یہ نام دو ناموں کے درمیان اتنے کم فاصلے سے کیوں درج کیا گیا ہے۔ کیا اس سے یہ نہیں ظاہر ہوتا... کہ یہ نام... اوہ یہ بھی دیکھیے۔ اس اندراج کی سیاہی میں بھی فرق ہے۔ یعنی مخصوص فاصلے کے دونوں نام ایک ہی انک سے لکھے گئے ہیں جب کہ یہ نام دُوسری اِنک اور غالباً دُوسری رائٹنگ میں بھی ہے کیا اس سے یہ نہیں ظاہر ہوتا کہ یہ نام بعد میں درج کیا گیا ہے۔" شمس کی آنکھیں چمک اُٹھیں اور ڈاکٹر ہُما رجسٹر پر جھک گئی۔ تبھی یونس صاحب بول پڑے۔ "مجھے یاد آ گیا ڈاکٹر صاحبہ یہ نام ڈاکٹر فرزانہ نے اپنے ہاتھ سے یہاں لکھا تھا۔"

"کب؟" ہُما کے ہونٹ سُکڑ گئے۔

"پندرہ سولہ دن قبل کی بات ہے۔ ایک صاحب اُن کے ساتھ تھے ان کی موجودگی میں ہی یہ اندراج کیا گیا تھا۔ ممکن ہے اس سے کچھ کم دن ہوں مجھے یاد نہیں۔"

"کیا وہ صاحب تندرست تھے مسٹر یونس؟" میں نے جلدی سے پوچھا۔

"جی ہاں۔" یونس صاحب نے جواب دیا۔ ہُما کو اس واقعے کی سنگینی کا احساس ہو گیا تھا اور وہ کافی سنجیدہ ہو گئی۔

"یہ بات میرے علم میں کیوں نہیں لائی گئی؟" اُس نے پوچھا۔

"ڈاکٹر فرزانہ کی بات تھی اور وہ ایک ذمے دار ڈاکٹر ہیں اس لیے میں نے کوئی ایسی بات نہیں سوچی تھی آپ خود سوچیے ڈاکٹر اگر میں رجسٹر لے کر آپ کے پاس پہنچ جاتا تو یہ ایک طرح کی شکایت ہوتی۔"

"لیکن ڈاکٹر فرزانہ نے ایسا کیوں کیا مجھے تعجب ہے۔" ہُما بولی پھر ہماری طرف رُخ کر کے کہنے لگی۔ "معاف کیجیے گا خواتین کوئی ایسی ویسی بات تو نہیں اگر ہے تو میں اس سلسلے میں پوری تحقیقات کرانے کی ذمے دار ہوں۔"

"نہیں ڈاکٹر۔ آپ ذرہ برابر اُلجھن کا شکار نہ ہوں۔ تصور عالم ہمارے کلاس فیلو تھے۔ وہ ہمیشہ سے [illegible] کے عادی ہیں۔ ہمیں یہاں بُلانے کے لیے انہوں نے اس

حادثے کا پلان تیار کیا ہوگا لیکن ہمیں شبہ ہے کہ حادثہ نہیں ہُما حالانکہ وہ آج بھی پلاسٹر چڑھائے پھر رہے ہیں بس ہم اسی شبے کی تصدیق کرنے کے لیے یہاں آئے تھے"

" خدا کا شکر ہے۔ میں تو پریشان ہی ہو چکی تھی۔ آپ اُن سے ملی ہیں؟"

" ہاں ہم دونوں مل چکے ہیں"

" اگر آپ چاہیں تو میں مزید تصدیق بھی کرا دوں ویسے ڈاکٹر فرزانہ بھی اُن کی دوست ہی معلوم ہوتی ہیں اور اُنہیں تصور صاحب کے بارے میں پورا اطمینان ہوگا ورنہ وہ یہ قدم نہ اٹھاتیں"

" مزید تصدیق سے آپ کی کیا مُراد ہے؟" میں نے سوال کیا۔

" یونس صاحب۔ ان حضرت کی ڈسچارج ڈیٹ کیا ہے؟"

" بیس تاریخ"

" براہ کرم حاضری کے رجسٹر میں دیکھیں کہ پلاسٹر روم میں اس تاریخ کو کس کی ڈیوٹی تھی؟"

" مجھے علم ہے ڈاکٹر صدیق ڈیوٹی پر تھا"

" اُنہیں بتا دیں کہ میں اُن سے ملنا چاہتی ہوں" ڈاکٹر ہُما نے ہمارے ساتھ بھرپور تعاون کیا تھا۔ صدیق نامی شخص آیا اور اُس نے یہ انکشاف بھی کر دیا کہ ڈاکٹر فرزانہ کے کہنے پر اُس نے ایک ہاتھ اور ایک پیر پر پلاسٹر چڑھایا تھا جو زخمی نہ تھے۔ یہی نہیں بلکہ مزید بینڈیج بھی کی تھی"

" شکریہ ڈاکٹر ہُما، اب ذرا ڈاکٹر فرزانہ کا پتہ بھی دے دیں۔ بڑی نوازش ہوگی"

" آپ انہیں فون کر لیں۔ ویسے وہ رات کو ڈیوٹی پر آئیں گی"

" تب ٹھیک ہے ان سے رات کو ملاقات کر لی جائے گی۔ اگر آپ اس میں کوئی قباحت نہ سمجھیں تو خود اُن سے ہماری آمد کا تذکرہ نہ کریں اور ہمیں اُن کا فون نمبر دے دیں" ہُما نے ہمیں فون نمبر دے دیا۔

" اور اب اجازت بھی دے دیں"

" آپ لوگ یہاں کب تک ہیں؟"

" ابھی تو دو تین ماہ رہیں گے"

" دوبارہ ملاقات ہوگی؟"

" اگر آپ کا حکم ہو" میں نے کہا۔

" تو پرسوں شام کی چائے میرے ساتھ پئیں آپ کی آمد سے مجھے خوشی ہوگی" ہُما نے دعوت دی اس کے ساتھ ہی اپنا کارڈ بھی دے دیا۔ میں نے وہ کارڈ سنبھال کر رکھ لیا... پھر ہم دونوں وہاں سے اٹھ گئے ہُما ہمیں باہر تک چھوڑنے آئی تھی۔

جاری ہے

اس دلچسپ داستان کے بقیہ واقعات دوسرے (آخری) حصہ میں ملاحظہ فرمائیں

شہ زور

کار اسپتال کے کمپاؤنڈ سے نکل آئی تو شمس نے کہا "اس کا مقصد ہے کہ بقراط کے بارے میں ہمارا شبہ درست نکلا لیکن میری رائے میں تم ڈاکٹر فرزانہ سے بھی مل لو۔"

"بھلا کیوں....؟"

"ہمیں اس کا ٹھکانہ معلوم ہونا چاہیے۔"

"ویری گڈ۔ تمہارے خیال میں ڈاکٹر فرزانہ اس کے ٹھکانے سے واقف ہوگی؟"

"صرف ایک موہوم سا خیال ہے۔ اگر ڈاکٹر فرزانہ نے اس کی خواہش پر اس کے لیے اتنا بڑا قدم اُٹھایا ہے تو کوئی لگاؤ تو ہوگا ہی۔" شمس نے جواب دیا۔

"بات تمہاری سو فیصد درست ہے شمس لیکن اب کیا کریں ہمارے پاس تو صرف فون نمبر ہے اگر تم پہلے اشارہ دے دیتیں تو ہم وہیں سے پتہ بھی معلوم کر لیتی۔ بہرحال آؤ کہیں سے اُسے فون کریں....!"

فون کرنے کے لیے ہم نے ایک جنرل اسٹور کا رُخ کیا اور پھر وہاں سے ڈاکٹر فرزانہ کو فون کیا۔ چند ساعت کے بعد اُس سے رابطہ قائم ہوگیا۔ "مسز ڈیئر فرزانہ۔ ہم تمہارے لیے اجنبی ہیں لیکن تم سے ملاقات بے حد ضروری ہے۔"

"کون ہیں آپ؟"

"تم مجھے عالیہ کے نام سے یاد رکھ سکتی ہو۔"

"براہِ کرم ملاقات کی وجہ بھی بتا دیجیے!"

"سو فیصد ذاتی۔"

"آپ یہاں تشریف لے آئیں میں آپ سے گھر پر ہی ملاقات کر سکتی ہوں۔"

"ہم بھی یہی چاہتے ہیں لیکن افسوس گھر کا پتہ معلوم نہیں ہے۔"

"اٹھائیس ہل ٹاپ۔ نیلے رنگ کی عمارت ہے۔ ہل ٹاپ پر آپ کو دوسری کوئی عمارت نیلے رنگ کی نہیں ملے گی۔"

"میں اور میری دوست شمس ابھی تھوڑی دیر میں پہنچ رہے ہیں۔" میں نے کہا اور فرزانہ نے کہا کہ وہ انتظار کرے گی اس کے بعد ہم جنرل اسٹور سے نکل آئے۔ میں نے کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔ راستے میں ڈاکٹر فرزانہ سے گفتگو کے لیے بحث ہوتی رہی اور بالآخر ہم ہل ٹاپ کے حسین علاقے میں پہنچ گئے نیلے رنگ کی کوٹھی تلاش کرنے میں دقت نہیں ہوئی۔ برآمدے

میں ایک خوبصورت سی لڑکی سفید ساڑھی میں ملبوس نظر آ رہی تھی جو کار کو غور سے دیکھ رہی تھی۔ میں نے کار پورچ میں روکی اور شمس کے ساتھ نیچے اُتر آئی۔ لڑکی مُسکراتی ہُوئی آگے بڑھی۔

"یقیناً آپ میں سے ایک عالیہ ہیں اور دُوسری شمس۔" اُس نے کہا

"اور اس میں بھی کوئی شُبہ نہیں کہ آپ فرزانہ ہیں۔" میں نے کہا اور وہ مُسکرانے لگی۔

"اور آپ عالیہ۔ میں نے آپ کی آواز پہچان لی۔ آیئے۔" وہ ہمیں ایک خوبصورت ڈرائینگ رُوم میں لے گئی اور پھر بیٹھنے کی پیش کش کی۔ "میں بھی انہی عام لوگوں میں سے ہُوں جو کسی نئی بات پر تجسس کا شکار ہو جاتے ہیں۔ میں آپ کا بے چینی سے انتظار کر رہی تھی۔"

"کوئی بہت اہم مسئلہ نہیں ہے۔ فکرمند نہ ہوں ڈاکٹر ایک حضرت کے بارے میں معلومات حاصل کرنی تھیں۔"

"کون صاحب ہیں؟" ڈاکٹر فرزانہ نے پوچھا۔

"نام تصوّر عالم ہے لیکن حضرت خود کو بُقراط سمجھتے ہیں۔" میں نے کہا اور ڈاکٹر فرزانہ نمایاں طور پر چونکی۔

"آپ انہیں کیسے جانتی ہیں؟"

"ہم بھی اُنہی لوگوں میں سے ہیں جنہیں وہ اپنے حادثے کے سلسلے میں بے وقوف بنائے ہُوئے ہیں۔ حالانکہ ہم قیامت تک یقین نہیں کر سکتے۔" میں نے ہنس کر کہا۔

"لیکن میرا پتہ آپ کو کس نے بتایا ہے؟" ڈاکٹر فرزانہ نے پوچھا

"اُنہیں نے۔۔۔ اس سلسلے میں انہوں نے آپ سے بھی مدد لی تھی اور آپ نے نہایت خوبصورتی سے اسپتال کے رجسٹر میں اُن کا اندراج کر دیا حالاں کہ اُن کا نام آپ کو درمیان میں ٹھونسنا پڑا ہے جسے کوئی بھی پرکھ سکتا ہے۔"

"اوہ۔۔۔ اوہ۔ آپ۔ آپ رجسٹر دیکھ چکی ہیں؟" فرزانہ کے چہرے پر کسی قدر سفیدی آ گئی۔

"ارے آپ پریشان کیوں ہو رہی ہیں فرزانہ۔ یقین کریں یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے۔ بس بُقراط صاحب نے شرارت کی ہے اور ہم اُسے جھوٹا ثابت کرنے پر تُلے ہُوئے ہیں۔"

"آپ اُن کی کوئی عزیزہ ہیں؟"

"بس اتنا ہی اور آپ کی ہم نام فرزانہ کی دوست ہیں۔ یہ دونوں لڑکیاں ان کے چچا منوّر عالم کی بیٹیاں ہیں اور بُقراط صاحب آج کل وہیں مقیم ہیں۔"

"میں جانتی ہوں لیکن اُن کی نگاہوں میں میری پوزیشن بہت خراب ہو جائے گی۔"

"ایک وعدہ کیا جا سکتا ہے آپ سے اور وہ یہ کہ یہ بات کبھی ظاہر نہ ہوگی۔ یُوں بھی ہم اسپتال سے تحقیق کر چکے ہیں۔" میں نے کہا۔

"جب آپ تصدیق کر چکی ہیں تو میں کیا بتاؤں؟"

"آپ اُنہیں کب سے جانتی ہیں؟"

"تصوّر عالم صاحب سے میری ملاقات سان فرانسسکو میں ہُوئی تھی۔ وہ ایک اعلیٰ کردار کے مالک نوجوان تھے۔ اتنے ذہین کہ ہم اُن پر فخر کرتے تھے۔"

"اوہ خوب۔ تو آپ اُن کی کلاس فیلو رہ چکی ہیں؟"

"نہیں۔ ہم بہت جونیئر تھے۔ اسکول آف میڈیسن میں۔ تصوّر عالم صاحب کی حیثیت ایک مافوق الفطرت انسان کی تھی لیکن افسوس اُن کے اپنوں نے اُنہیں مسخ کر کے رکھ دیا۔"

"یہاں اکثر ان سے ملاقات ہوتی رہتی ہے آپ کی؟"

"نہیں۔ بڑی مشکل سے کبھی کبھی۔ بڑا تلاش کرنا پڑتا ہے اپنی کوٹھی میں تو وہ کبھی نہیں ملتے۔ عظمت پورہ کے ایک گندے سے محلے میں بھی ایک مکان لے رکھا ہے جہاں وہ بقول اُن کے انسانوں کی شناخت کر رہے ہیں۔"

"ہاں یہ بات میرے علم میں ہے۔ کیا نمبر ہے اس مکان کا؟"

"ایک سو بیس۔"

"ویسے کوٹھی والی بات اُنہوں نے سب سے چھپائی ہے۔ کوٹھی کہاں ہے اُن کی؟"

"گرین ہاؤس۔ چیمبر لائن۔" فرزانہ بولی۔

"بہت بہت شکریہ ڈاکٹر فرزانہ لیکن ہمارے اور آپ کے درمیان ایک معاہدہ ہونا چاہیے۔"

"وہ کیا؟"

"ہمارے مُنہ سے کبھی یہ بات نہیں نکلے گی کہ ہم نے آپ سے کچھ معلومات حاصل کی ہیں۔ اگر آپ پسند کریں تو آپ بھی کبھی تذکرہ نہ کریں۔"

"یہ آپ کی عنایت ہوگی ورنہ مجھے بڑا شرمندہ ہونا پڑے گا ویسے میں آپ لوگوں سے ایک گزارش اور کروں گی۔ خدارا اس شخص کو تباہ ہونے سے بچائیں۔ اُسے اُس کا مقام دیں۔۔۔ آپ لوگوں نے ایک ایسے ذہن کو نظر انداز کیا ہے جو قابلِ فخر ہے اگر آج بھی آپ غیر ممالک میں نکل جائیں تو آپ کو بن عارف کے پُجاری ملیں گے اور وہی آپ کو اس کے بارے میں تفصیل سے بتا سکیں گے۔"

میں اور شمس دم بخود رہ گئے تھے۔ وہ نام ہم نے اپنے کانوں سے سُنا تھا جس کے لیے ہم اس قدر بھاگ دوڑ کر رہے تھے۔ یہ انکشاف اتنا غیر متوقع تھا کہ ہمارے ذہن ایک لمحے کے لیے بُری طرح چکرا گئے تھے۔

"مس فرزانہ۔۔۔" میں نے خود کو سنبھال کر کہا۔ "یہ تصوّر صاحب آخر کتنے نام رکھتے ہیں۔ تصوّر عالم، بُقراط اور بن عارف یہ بن عارف کی کیا توجیہہ ہے؟"

"برکلے یونیورسٹی کے اسٹوڈنٹس حلقے میں وہ بن عارف کے نام سے جانے جاتے تھے۔ دراصل نواب تہوّر عالم شاعر بھی ہیں اور عارف تخلّص کرتے ہیں۔ یہ بات آپ لوگوں کو معلوم ہوگی اس لحاظ سے وہ خود کو بن عارف کہتے ہیں۔"

"ہاں خیر یہ بات تو معلوم ہے۔ ویسے مس فرزانہ آپ کس حد تک تصوّر صاحب سے متاثر ہیں؟"

"میں بھی طویل عرصے تک ان لڑکیوں میں رہی ہُوں۔۔۔ جو بن عارف کی توجہ حاصل کرنے کی خواہاں رہتی تھیں لیکن میری توجہ کے اس حصول کا کوئی غلط مطلب نہ نکال لیں۔ یہ تمام لڑکیاں اس کی شخصیت کو محبوب رکھتی تھیں۔ اُس کی ذہانت اور علمیت کی قائل تھیں اور اس سے مل بیٹھنے کے مواقع کی تلاش میں رہتی تھیں اُنہیں اس کی ذات سے عقیدت تھی اور بس لیکن یہاں وہ اپنوں کی بے حسی کا شکار ہے۔"

"آپ سے اکثر ملاقاتیں ہوتی رہتی ہوں گی؟"

"نہیں۔ یُوں لگتا ہے جیسے اُنہوں نے اپنا راستہ بدل لیا ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو بن عارف یہاں بھی اتنا ہی مقبول ہوتا۔"

"ممکن ہے کسی ذہنی حادثے نے اُن کی شخصیت بدل دی ہو؟" میں نے کہا۔

"اس بارے میں میں کیا کہہ سکتی ہُوں۔ میرے علم میں ایسی کوئی بات نہیں ہے نہ ہی میں اتنی خوش نصیب ہُوں کہ اُن کے ذاتی معاملات سے آگاہ ہو سکتی۔ آپ اندازہ لگا سکتی ہیں خواتین کہ مجھے بُقراط صاحب سے کتنی عقیدت ہے اور اسی عقیدت نے مجھے یہ سب کچھ کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔"

"ہمیں اندازہ ہے۔" میں نے کہا اور پھر ہم نے فرزانہ سے بھی اجازت لی۔۔۔ فرزانہ نے حسبِ دستور ہماری مدارات بھی کی پھر ہم وہاں سے بھی رخصت ہو کر باہر نکل آئے۔ شمس کے چہرے پر گہری سنجیدگی چھائی ہُوئی تھی۔ ہم دونوں اس قدر اُلجھے ہُوئے تھے کہ پورے راستے ہم نے کوئی گفتگو نہیں کی یہاں تک کہ میں نے جب کار کو اپوائنٹ تھری کی عمارت میں روکی تو شمس چونکی۔

"اوہ۔ واپس؟"

"سو گئی تھیں شاید۔۔۔؟" میں نے مُسکراتے ہُوئے کہا۔

"نہیں۔ بس خیالات نے ذہن پر بُری طرح قبضہ جما رکھا تھا۔ مجھے راستے کی کچھ خبر نہیں۔" شمس نے جواب دیا۔

"ہُوں۔۔۔ آؤ۔" میں نے گہری سانس لے کر کہا اور ہم دونوں نیچے اُتر کر اپنی مخصوص نشست گاہ میں داخل ہو گئے میں نے باتھ رُوم میں جا کر میک اپ اُتارا اور پھر لباس تبدیل کر کے شمس کے پاس پہنچ گئی۔ ہم دونوں دیر تک آرام کرسیوں میں نڈھال سے پڑے رہے۔ جسمانی تھکن سے زیادہ ذہنی تھکن کے شکار ہو گئے تھے۔ دونوں کی کیفیت یکساں تھی۔ کافی دیر اسی طرح گزر گئی پھر میں سنبھل کر بیٹھ گئی۔

"ہاں شمس اب اس بارے میں گفتگو ہو جائے۔" میں نے کہا اور شمس تھکے تھکے انداز میں مُسکرا دی۔

"کیا دماغ کی چُولیں ڈھیلی نہیں ہو گئیں عالیہ؟"

"لیکن ہمیں خوشی ہے کہ ہم نے بلّی تھیلے سے نکال لی۔"

"اب یہ بتاؤ کہ ان حضرت کو کس خانے میں فٹ کرو گی۔ اگر ابتدا سے جائزہ لیا جائے تو میں اُس وقت سے گفتگو کر سکتی ہُوں جب امیر الشاط جزیرے پر پہنچا تھا۔ بن عارف نے تمہیں شاطر سے بچایا اور پھر جزیرے سے نکال لایا اس سلسلے میں اُس نے مکمل کر کام کیا لیکن اپنی شخصیت کو بہتر انداز میں نہیں پیش کیا اور اگر وہ ایسا کرتا تو تم اُس کے بارے میں شُبے کا شکار ہو جاتیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اُس نے ایسا کیوں کیا۔ یہ بات تم بتا سکتی ہو عالیہ کہ بُقراط تمہارے پیچھے وہاں تک کس طرح پہنچ گیا۔ کیا وہ پہلے سے ان واقعات سے آگاہ تھا؟"

"بعض جرائم پیشہ افراد خود کو چھپانے کے لیے اس سے بھی انوکھی حرکتیں کرتے ہیں شمس۔" میں نے کہا۔

"یہ تو ہُوئی تمہاری نیگیٹو سوچ۔ ڈاکٹر فرزانہ کے بیان پر بھی نظر رکھو۔ وہ بہرحال ایک اچھی شخصیت شمار ہوتا رہا ہے۔"

"بعض لوگ بہت اچھے ہو کر لتنے ہی بُرے ہو جاتے ہیں۔ ممکن ہے کسی حادثے نے اُس کا دماغ اُلٹ دیا ہو۔"

"ہاں اس کے امکانات تو ہیں پھر؟"

"میں سوچوں گی۔ دراصل اتنے کردار یکجا ہو گئے ہیں کہ ان میں سے صحیح آدمی کا انتخاب مشکل ہے۔"

"ایک تجویز پیش کروں؟"

"ہوں۔ ضرور۔"

"ہمیں دو ٹھکانوں کا علم ہوا ہے۔ یعنی ابقراط کے دو ٹھکانوں کا۔ کیوں نہ ہم ان کی تلاشی لیں؟" شمس نے کہا اور میں خوشی سے اچھل پڑی۔

"اب تمہاری تعریف کروں شمس؟"

"کیوں...؟"

"مجھے مسرت ہے کہ تم میرے کام کی بنتی جا رہی ہو تمہاری سوچ کافی پختہ ہے۔ میں خود بھی اسی امکان کا جائزہ لے رہی تھی۔"

"ہاں میرے ذہن میں یہ خیال اسی لیے آیا تھا ممکن ہے ہمیں وہاں سے بن عارف کے بارے میں مزید معلومات مہیا ہو سکیں۔"

"تب پھر آج ہی رات۔"

"مجھے اختلاف ہے۔"

"اوہ کیوں؟"

"اگر ہم بن عارف کے بارے میں اتنے گہرے انداز میں سوچ رہے ہیں تو پھر ہمیں اس کی مکمل شخصیت پر نظر رکھنا ہوگی۔"

"اوہ... وضاحت کرو۔" میں نے شمس کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"میرا مطلب ہے کہ کیوں نہ اس سلسلے میں ہم اس بات کا جائزہ بھی لے لیں کہ جب ہم بن عارف کی کوٹھی میں داخل ہوں تو وہ کسی طور وہاں نہ پہنچ سکے، اس کے لیے بہتر طریقہ یہ ہے کہ کل دن میں ہم افشاں اور فرزانہ کے پاس پہنچ جائیں، وہاں وقت گزاریں اور پھر اس انداز میں وہاں سے واپس آ جائیں جیسے کسی ضروری کام میں مصروف ہوں لیکن ہماری وہاں سے واپسی بن عارف کے ٹھکانے پر ہو۔ اس طرح ہم دل جمعی سے کام کر سکیں گے۔"

"مناسب۔ میں نے یہ بات بھی تسلیم کر لی۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور شمس بھی مسکرانے لگی۔

☆☆

اسی شام تقریباً سات بجے ذولی نے بتایا کہ کسی ناصر کا فون ہے اور میں فون پر پہنچ گئی۔ دوسری جانب سے ناصر ہی بول رہا تھا۔

"چیف کی خدمت میں سلام عرض۔ میری خواہش ہے کہ آپ ہیڈ کوارٹرز پہنچ جائیں۔"

"کیوں ناصر خیریت؟"

"ہاں یوں تو سب خیریت ہے لیکن میں اس بدمعاش یاسر کو پکڑ لایا ہوں، بے ہوش ہے لیکن میں چاہتا ہوں کہ آپ کی موجودگی میں ہی اس سے بات کروں۔"

"اوہو، کہاں ہے وہ؟"

"ہیڈ کوارٹرز میں موجود ہے چیف۔" ناصر نے جواب دیا...

"ٹھیک ہے ناصر، ہم ساڑھے آٹھ بجے تک تمہارے پاس پہنچ رہے ہیں۔"

"مناسب چیف، اس وقت تک میں یارو کے سامنے نہیں جاؤں گا۔"

"کیا یارو کو معلوم ہے کہ تم اسے اغوا کر لائے ہو؟"

"ہاں دھوکے سے ہی لایا تھا لیکن ہیڈ کوارٹرز میں داخلے کے وقت وہ ہوش میں نہیں تھا۔" ناصر نے جواب دیا اور میں نے اسے شاباش کہہ کر فون رکھ دیا۔ مجھے مسرت تھی۔ کہ میرے تمام ساتھی نہایت ہوشیاری سے کام کر رہے تھے اب میں اسے اپنی بدقسمتی ہی کہہ سکتی تھی کہ ابھی تک میں اس کیس کو نہیں نمٹا سکی تھی لیکن جہاں تک میری سوچ کا معاملہ تھا... اور جہاں تک میں نے اپنا جائزہ لیا تھا، اس سے یہ اندازہ ہو جاتا تھا کہ اتفاق کی بات ہے کہ مجرم اتنا چالاک اور باشے ہے کہ ابھی تک اس پر میری گرفت نہیں ہو سکی، حالانکہ اگر کوئی عام انسان ہوتا تو وہ کب کا میرے شکنجے میں آ چکا ہوتا لیکن اس کی ذہانت کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا، اس نے قدم قدم پر ایسے جال بنا رکھے تھے جن کے تانے بانے کا کہیں پتہ ہی نہ چلتا تھا۔ جس طرف جاؤ ایک دوسری شخصیت سامنے آ جاتی تھی۔ اس سے یہی اندازہ ہوتا تھا کہ دراصل میری کمزوریاں نہیں ہیں بلکہ میرا واسطہ جس شخص سے پڑا ہے وہ بے پناہ چالاک اور جرائم کا ماہر ہے۔ ابھی تک چند کردار ایسے تھے جنہیں میں ٹٹول بھی نہیں سکی تھی جیسے اطہر رضوی۔ اس شخص تک ابھی میری پہنچ ہو ہی نہیں سکی تھی۔ میں اس سلسلے میں بھی بہت کچھ سوچ رہی تھی لیکن درمیانی کردار ایسے الجھے پڑے تھے کہ جب تک ان کے بارے میں وضاحت نہ ہو جائے میں کسی نئے کردار کو چھیڑنا نہ چاہتی تھی۔ میں نے شمس کو اس بارے میں بتایا اور شمس گردن ہلانے لگی۔

"یہ ناصر، حقیقت مجھے بھی خاص کام کا آدمی معلوم ہوتا ہے عالیہ اور تمہاری ذہانت کا تو کیا کہنا کہ تم نے برے لوگوں

میں بھی ایک اچھا آدمی تلاش کر لیا۔"

"ہاں۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے۔" میں نے جواب دیا... ابھی ہمارے درمیان گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ نازش کا فون آ گیا۔ نازش نے یونہی فون کر لیا تھا۔ میں نے اس سے منور عالم کے بارے میں سوال کیا۔

"چیف یوں لگتا ہے جیسے یہ حضرت بس گوشہ نشین قسم کے آدمی ہیں ابھی تک تو کوئی ایسی بات میں نے ان کے علاقے میں یا ان کے قرب و جوار میں نہیں پائی جس سے ان کی شخصیت کسی قسم کے شبے کا شکار ہو۔"

"اس کے باوجود نازش میں چاہتی ہوں کہ ان کی نگرانی رکھی جائے..."

"آپ کی اس خواہش کا احترام کیا جائے گا چیف، ویسے ایک اور اطلاع نوٹ کر لیں۔"

"ہاں ہاں کہو۔" میں نے پوچھا۔

"ہمارے باس شہریار صاحب واپس آ رہے ہیں۔"

"اوہ کب؟" میں نے خوشی سے پوچھا۔

"ابھی تعین تو نہیں ہو سکا ہے بس اطلاع ملی ہے۔"

"ٹھیک ہے، ویسے واقعی خوشی کی بات ہے۔" میں نے کہا اور پھر رسمی سی گفتگو کے بعد فون بند کر دیا گیا۔

ساڑھے آٹھ بجے کا پروگرام طے ہو چکا تھا۔ آٹھ بج کر دس منٹ پر میں اور شمس باہر نکل آئے، میں نے حسب معمول میک اپ کر لیا تھا اب میں ایسی کوئی ہنٹر والی کی بیٹی بھی نہیں تھی کہ سڑکوں پر آزادانہ گھومتی پھرتی۔ میرے دشمن میری تاک میں تھے اور انہیں میری ذات سے شدید خطرہ پیدا ہو گیا تھا اس لیے میں ان کی طرف سے شدید احتیاط برت رہی تھی۔ انکل شہریار کی دی ہوئی مراعات اتنی تھیں کہ ابھی مجھے ان میں ذاتی طور پر کوئی دقت نہیں ہو رہی تھی۔ حالاں کہ میرے پروگرام میں ابھی بہت سی باتیں تھیں۔ چنانچہ اس وقت بھی میں نے انکل شہریار کی سرخ مرسیڈیز چھوڑ دی اور ایک نئی پک اپ نکال لی... اور پھر میں اور شمس چل پڑے۔ بیس منٹ بہت زیادہ تھے۔ ہم صرف دس منٹ کے اندر عابدہ لاج پہنچ گئے۔ گیٹ پر موجود چوکیدار نے ادب سے دروازہ کھول دیا۔ شاید ناصر نے اسے ہدایت کر دی تھی۔ پک اپ وسیع و عریض کوٹھی کا بیرونی حصہ طے کر کے پورچ میں پہنچی تو ناصر منتظر ملا۔ اس وقت اس کی شکل ہی بدلی ہوئی تھی۔ سرخ قمیص اور

...چست ہلکی براؤن پتلون میں وہ بے حد اسمارٹ نظر آ رہا تھا۔ چہرے پر ویرانی کی بجائے مسرت کی سرخی دوڑ رہی تھی۔

"ہیلو ناصر۔" میں نے کار سے اترتے ہوئے کہا اور وہ جلدی سے میرے نزدیک آ گیا۔

"ہیلو چیف۔"

"کیسے ہو؟"

"بے حد خوش بہت مسرور چیف! آپ نے ناصر کو دوبارہ زندہ کر دیا ہے۔ میں جس قدر اس زندگی کے بارے میں سوچتا ہوں میرے بدن میں مسرتوں کی پھریریاں سی دوڑنے لگتی ہیں۔ میں جن راستوں پر چل پڑا تھا چیف ان سے ہٹنا میرے لیے مشکل تھا۔ مجھے ہنگامی اور پرخطر زندگی گزارنے کی عادت پڑ گئی تھی لیکن چیف کسی کو نقصان پہنچا کر مجھے بس نیند نہیں آتی تھی اور سونے کے لیے مجھے خواب آور گولیوں کا سہارا لینا پڑتا تھا لیکن چیف اب میں نہایت اطمینان سے سوتا ہوں مجھے مسرت ہے کہ ایک مجرم اب قانون کی بالادستی کے لیے کام کر رہا ہے۔"

"میں بھی تمہاری خوشی میں برابر کی شریک ہوں ناصر۔" میں نے دلی مسرت محسوس کرتے ہوئے کہا۔ ناصر ہمارے ساتھ چل رہا تھا۔ اس کے انداز میں بچوں کی سی خوشی تھی اور میں سوچ رہی تھی کہ یہ انسان ہے۔ ہاں یہ انسان ہے۔ شکم مادر سے روتا ہوا پیدا ہوتا ہے۔ بے بسی کی جیتی جاگتی مثال ہوتا ہے۔ اسے زندہ رکھو تو زندہ رہے گا۔ بے توجہی پر تو مر جائے گا لیکن یہ سب کچھ ابتدائی عمر میں ہی نہیں ہوتا اسے تو زندگی کی آخری سانس تک توجہ درکار ہوتی ہے۔ وہ مجرم نہیں ہوتا وہ مجرم نہیں بننا چاہتا بس حالات کے غلط موڑ اسے غلط راستوں پر لے جاتے ہیں... لیکن یہ غلط راستے اسے سونے نہیں دیتے۔ اس کے اپنے وجود کو سچائی کی تلاش رہتی ہے ناصر کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔

"میں نے شراب بھی چھوڑ دی ہے چیف۔ جب سے آپ سے ملاقات ہوئی ہے ہاتھ بھی نہیں لگایا اس حرام شے کو۔ ضرورت ہی نہیں محسوس ہوئی۔ اب تو مجھے انسانیت کے لیے کچھ کرنے کا نشہ ہے اور یہ نشہ اتنا سرور بخش ہے کہ کسی دوسرے نشے کی حاجت ہی نہیں رہتی۔"

"تم نے درست کہا ناصر۔" میں نے جواب دیا اور وہ جلدی سے بولا۔

"شاید میں بہت زیادہ بول رہا ہوں چیف۔ مگر میں کیا کروں۔ دِل چاہتا ہے آپ سے سب کچھ کہہ ڈالوں۔ اب آپ ہی تو میری سب کچھ ہیں۔ آپ میری باتوں سے بور تو نہیں ہو رہیں!"

"قطعی نہیں ناصر۔ خُدا کی قسم بالکل نہیں۔ میں تو خود کو تاج محل کا معمار سمجھ رہی ہوں۔ شخصیت کا یہ حسین تاج محل میں نے ہی تو تعمیر کیا ہے۔ خیر اب تم یہ بتاؤ کہ یارد کے ساتھ کیا ہوا؟"

"میں حسبِ معمول اُس کے اڈے پر گیا۔ کوئی خاص بات نہیں تھی۔ میں نے اُس سے کہا کہ میں کچھ اور بھی کرنا چاہتا ہوں جس پر وہ چونک پڑا... اور اُس نے مجھے وہ معاہدہ یاد دلایا جو مجھے جیل سے نکالنے والے نے مجھ سے کیا تھا۔ تب میں نے یارد سے سوال کیا۔" یارد اگر وہ ہستی مجھ سے کسی کے قتل کے لیے کہے تو؟"

"تو تمہیں اس کی ہدایت پر عمل کرنا ہوگا۔ کیا تم قاتل نہیں ہو؟ تمہارے لیے یہ کون سی نئی بات ہوگی" یارد نے جواب دیا۔

"لیکن یارد۔ میں نے جو قتل کیے ہیں وہ انتہائی ناگزیر حالات میں کیے ہیں، کسی کی جان لے کر تو خوشی نہیں ہوتی..."

میری اس بات پر یارد ہنس پڑا اور بولا۔

"دیکھو ناصر۔ انسان کو سب سے زیادہ فکر اپنی زندگی کی رہنی چاہیے۔ اگر تم خود زندہ رہنے کے خواہش مند ہو تو اس کی ہدایات پر عمل کرتے رہو۔ ورنہ جو ہاتھ تمہیں جیل کی چار دیواری سے باہر لا سکتے ہیں وہ تمہیں پھانسی کے پھندے تک بھی پہنچا سکتے ہیں..."

"ایک بات بتاؤ یارد۔ تم اُس شخص سے متاثر کیوں ہو؟"

"اس لیے کہ میں بھی اُس کے لیے کام کرتا ہوں" یارد نے جواب دیا۔" اور تمہاری نگرانی بھی میری ذمّے داریوں میں شامل ہے۔"

"کیا تمہارے اُوپر بھی دُوسرے کام نہ کرنے کی پابندی ہے؟"

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ کیوں؟"

"ایک سَودا ہے یارد۔ دو تین لاکھ کی بات ہے۔ اگر کرو تو آدھا آدھا بانٹ لیں گے۔"

"کیا سَودا ہے؟" یارد نے جلدی سے پُوچھا اور چیف، میں نے وہی بات دُہرا دی جو آپ نے مجھ سے کہی تھی البتہ میں نے وزن ذرا بڑھا دیا تھا۔ یعنی بیس کلوگرام ہیروئن۔۔۔ اور یارد تو پگھل کر رہ گیا۔ میں نے اُس سے کہا کہ میں اُسے پارٹی سے ملا دُوں گا اور پھر میں اُسے ساتھ لے کر چل پڑا اور راستے میں

میں نے اُسے ٹُن کر دیا اور بے ہوش کر کے یہاں لے آیا۔ اس کے بعد سے میں نے اُس سے مُلاقات نہیں کی ہے۔"

"وَیری گُڈ۔ تم ذہین انسان ہو ناصر۔ اب کیا پروگرام ہے؟"

"بس اس سے اُس شخص کے بارے میں معلوم کروں گا جس نے یہ سب کچھ کیا ہے۔"

"ہماری موجودگی ضروری ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں چیف! میں نے سوچا تھا کہ آپ بھی ہوں تو کیا حرج ہے..."

"ٹھیک سوچا تم نے... لیکن میرا کچھ اور خیال ہے ناصر!"

"وہ کیا چیف؟"

"ظاہر ہے تم اُسے قتل نہیں کرو گے۔ اُسے چھوڑنا ہوگا پھر ہم لوگ اُس کے سامنے کیوں آئیں۔ تم خود ہی اس سے سوالات کرو۔ ہاں ہم تمہاری کارکردگی دیکھنے کے لیے کہیں پوشیدہ ہو جائیں۔ کیا خیال ہے؟"

"جیسا آپ مناسب سمجھیں چیف" ناصر بولا۔

"تو پھر اس کا انتظام کرو۔"

"اوہ بہتر۔ آپ تشریف رکھیے۔ ہاں آپ کے لیے...؟"

"کافی..."

"بہتر ہے" ناصر ہمیں ڈرائنگ رُوم میں بٹھا کر جلدی سے نکل گیا اور اس کے باہر نکلتے ہی شمس ہنس پڑی۔

"کیا اس کی حرکات بچکانہ نہیں ہیں عالیہ؟"

"انسان ہر حال میں معصُوم ہے شمس۔ بے حد معصوم" میں اسے ناصر کی کارکردگی کے بارے میں بتانے لگی... اور تھوڑی دیر کے بعد ناصر واپس آ گیا۔

"میں نے کافی کے لیے کہہ دیا ہے چیف۔ کافی پینے کے بعد ہم رُوم نمبر دس میں چلیں گے وہاں میں یارد کو ٹکرا دُوں گا اور وہاں آپ ہماری گفتگو سُن سکیں گی۔"

"یہ رُوم نمبر دس کون سا ہے؟" میں نے دلچسپی سے پُوچھا۔

"یہاں موجود مُلازموں میں سے میں نے چند کام کے لوگ چھانٹ لیے ہیں اور اُنہیں اپنے مطلب کا بنا رہا ہوں اس سلسلے میں، میں نے کوٹھی کو نمبروں میں تقسیم کر دیا ہے تاکہ مُلازموں کو آسانی ہو۔"

"بہت خُوب" میں نے مُسکراتے ہُوئے کہا۔ کافی آ گئی اور کافی پینے کے بعد ہم لوگ اُٹھ گئے۔ جس کمرے کو رُوم نمبر دس بتایا گیا تھا وہ ایک دُوسرے کمرے سے منسلک تھا۔

درمیان میں ایک ایسی دیوار تھی جس کو خُوبصورتی کی خاطر مشروم قسم کا بنایا گیا تھا۔ چھوٹے چھوٹے سُوراخ دیوار میں موجود تھے جن سے آر پار دیکھا جا سکتا تھا۔ میں نے ناصر کی یہ تجویز پسند کی اور ہم دُوسرے کمرے میں پہنچ گئے۔ ناصر اسی کمرے میں رہا تھا۔ چند ساعت کے بعد دروازہ کھلا اور یارد جو درمیانی عمر کا ایک خطرناک شکل اور چھریرے بدن کا آدمی تھا، اندر داخل ہو گیا۔ اس کمرے سے ہمیں دُوسرے کمرے کا بخوبی نظارہ ہو رہا تھا اور اُس طرف کی آوازیں بھی صاف سُنی جا سکتی تھیں۔ یارد کمرے میں داخل ہُوا تو ناصر نے پُشت اُس کی طرف کر لی۔ کمرے کا دروازہ باہر سے بند ہو گیا تھا۔ شاید اس کے لیے ناصر نے ہدایات دے دی تھیں۔ "کون ہو تم اور اس حرکت..." یارد کی کرخت آواز اُبھری اور ناصر گھوم گیا۔

"تمہارا دوست۔ ناصر..."

"اس حرکت کی وجہ۔ یہ کون سی جگہ ہے؟" یارد بدستور کرخت لہجے میں بولا۔

"دوستوں اور تعاون کرنے والوں کے لیے یہ ایک آرام دہ جگہ ہے لیکن دُشمن اِسے جہنّم کے نام سے جانتے ہیں" ناصر نے جواب دیا۔

"کیا تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے ناصر۔ یہ سب کیا ہے؟"

"تم نے تو ناصر کو ایک بے بس پرندہ سمجھ رکھا تھا یارد لیکن افسوس تم اس کا ماضی بھُول گئے۔ کیا ناصر کو تم نے ہمیشہ چُوہا ہی پایا ہے؟"

"لیکن ان حالات میں یہ سب کچھ۔ تم نے مجھے دھوکا کیوں دیا؟" یارد غرّایا۔

"تم سے کچھ معلومات حاصل کرنی تھیں جانِ من۔"

"کیسی معلومات؟"

"اُس شخص کے بارے میں، جس نے مجھے جیل سے نکالنے کی کرم فرمائی کی تھی۔ میں اس کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں یارد"

"کیوں...؟"

"اس لیے کہ میں اُس کے ہاتھوں میں کھلونا بننا پسند نہیں کرتا۔ میں اُس کے لیے قتل نہیں کر سکتا۔"

"جیل میں سڑنا پسند کرتے ہو؟" یارد بولا۔

"نہیں یارد۔ میں جیل سے فرار کے منصوبے بنا رہا تھا... ایک کام کا آدمی مل گیا۔ میں نے سوچا ٹھیک ہے۔"

"گویا اب تم اس سے انحراف کرو گے؟"

"کر رہا ہوں۔ مجھے اس کے بارے میں معلومات درکار ہیں۔ تم اُس کے آلۂ کار ہو اس کا اعتراف کر چکے ہو۔"

"لیکن تمہارا دوست بھی تو ہوں ناصر۔"

"کیا واقعی؟ لیکن میرے دوست اگر تم میرے دوست ہی ہو تو کیا تمہیں یہ بات پسند ہے کہ میں ایک بڑے مجرم کے اشاروں پر ناچتا رہوں اور پیٹ بھرتا رہوں۔ میرا کوئی مستقبل نہ ہو۔"

"مستقبل خود بنایا جاتا ہے ناصر۔ تم ایک معزز مجرم تھے۔ اپنے سامنے کسی کو نہیں گردانتے تھے۔ جرائم کی دُنیا بھی سیاست کی دُنیا سے کم نہیں ہوتی۔ اپنی حفاظت کے لیے ایک پُورا حلقہ بنانا ہوتا ہے۔ مجھے دیکھو۔ میں بھی تو ان کے لیے کام کرتا ہوں لیکن اپنے طور پر آزاد بھی ہوں۔"

"مجھے بھی آزادی دِلا دو یارد؟"

"اس کا وقت گزر چکا ہے۔ اُس نے تمہیں اپنی کوششوں سے آزادی دِلائی ہے۔ اب وہ تمہارا مالک ہے۔"

"تم اس سلسلے میں کچھ نہیں کر سکتے؟"

"مجھے افسوس ہے" یارد بولا۔

"اُس نے پچھلے دنوں ایک کام میرے سپرد کیا تھا یارد... ایک طوائف کے کوٹھے سے ایک لڑکی منگوائی تھی لیکن بعد میں وہ لڑکی قتل کر دی گئی۔ کیا پولیس اس قتل کی ذمّے داری مجھ پر نہیں ڈالے گی؟"

"وہ تمہاری حفاظت کرے گا۔"

"اور اُس معصوم لڑکی کا قتل؟"

"اُس کی ضرورت ہوگی۔"

"اور میرا ضمیر...؟"

"مجرموں کا کوئی ضمیر نہیں ہوتا۔"

"لیکن افسوس میں ابھی مکمل مجرم نہیں ہوں۔ میں اُس معصوم لڑکی کا انتقام لینا چاہتا ہوں۔"

"تب میں تمہیں پاگل کے سوا کچھ نہ کہوں گا" یارد بولا۔

"یہ تمہاری مرضی ہے یارد لیکن مجھے اس شخص کے بارے میں تم ہی بتاؤ گے" ناصر نے کہا اور یارد چونک پڑا۔

"زبردستی کرو گے؟"

"ہاں۔ پاگل جو ہوں" ناصر نے مُسکراتے ہُوئے کہا۔

"تو تم مجھے اس لیے یہاں لائے ہو؟" یارد ہونٹ بھینچ کر بولا۔

"سو فیصد"

"اور ہیروئن والی بات؟"

"فراڈ تھی۔"

"چوہا سمجھتے ہو مجھے؟" یارد کی غراہٹ بے حد خوفناک تھی۔

"کبھی واسطہ نہیں پڑا تم سے۔ آؤ فیصلہ کریں۔ میں نے تمہاری جیب سے پستول نکال لیا ہے لیکن خود بھی نہتا ہوں۔۔ مقابلہ کرتے ہیں اگر تم بھاری پڑے تو یہاں سے نکل جاؤ گے، وعدہ کرتا ہوں اور اگر زیر ہو گئے تو مجھے اُس کا نام بتا دینا۔"

"ٹھیک ہے۔" یارد خطرناک انداز میں مُسکرایا اور ناصر نے جلدی سے بٹن کھول کر آستینیں چڑھالیں۔ یارد نے اُس کے چیلنج کو جس انداز میں قبول کر لیا تھا اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ بھی لڑائی بھڑائی میں دلچسپی رکھتا ہے۔ مجھے یہ منظر بہت دلچسپ محسوس ہوا اس طرح ناصر کی یہ پوزیشن بھی سامنے آ رہی تھی۔

دونوں آمنے سامنے آ گئے اور پھر ناصر ہی نے پہل کی۔ اُس نے کراٹے کے اسٹائل میں ہاتھ پھیلا دیے تھے لیکن یارد نے اُسے کوئی اہمیت نہیں دی۔ ناصر اُس پر جھپٹا تو یارد کنی کترا گیا لیکن ناصر کمزور نہیں تھا نہ ہی یہ عمل اناڑی پن سے ہُوا تھا کیوں کہ میں بھی مارشل آرٹس سے کسی حد تک واقف تھی۔ یارد نے جس انداز میں یہ وار خالی دیا تھا وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکا اور ناصر کی لات عقب سے اُس کی کمر پر پڑی۔ یارد اوندھے مُنہ گر پڑا تھا لیکن اُس نے بھی اُٹھنے میں پھرتی دکھائی اور جھلا کر ناصر پر ٹوٹ پڑا۔ نتیجے میں اُسے پے در پے کئی گھونسے کھانے پڑے تھے اور ان گھونسوں نے اس کا حلیہ بگاڑ دیا۔ اُس نے بدحواسی میں ایک سینٹر ٹیبل اُٹھا لی تھی اور دوسرے لمحے اُس نے سینٹر ٹیبل ناصر پر کھینچ ماری۔ شمس کے حلق سے آواز نکل گئی تھی لیکن میں مُسکرا رہی تھی۔ مجھے خوشی تھی کہ ناصر کا انتخاب میرا بہترین کارنامہ تھا۔ یارد کی پھینکی ہُوئی سینٹر ٹیبل ناصر نے کھڑے ہاتھ پر روکی اور ٹیبل درمیان سے دو ٹکڑے ہو گئی۔ ناصر مُسکرا سا رہا تھا اور یارد جگہیں بدل رہا تھا لیکن اُس کے انداز میں ابھی تک شکست خوردگی نہیں تھی۔ ایک بار پھر وہ ناصر پر جھپٹا اور ناصر نے جگہ بدل لی لیکن یارد نے چالاکی سے کام لیا تھا۔ اُس نے ٹوٹی ہُوئی میز کا ایک حصہ اُٹھا لیا اور دوبارہ ناصر پر ٹوٹ پڑا۔ دونوں ہاتھوں میں پکڑی ہُوئی میز سے اُس نے ناصر پر حملہ کیا لیکن لکڑی دوبارہ ٹوٹ گئی۔ دُوسرا حملہ ہُوا اور ناصر نے اُسے بھی کھڑے ہاتھ پر روکا۔

یارد کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا لکڑی کا ٹکڑا رہ گیا تھا... جس سے حملہ کرنا ممکن نہیں تھا۔

"خدا کی پناہ۔ اس کے ہاتھ تو اسٹیل کے بنے معلوم ہوتے ہیں۔" شمس بڑبڑائی۔

"میرا انتخاب لاجواب۔" میں نے ہنستے ہُوئے کہا۔ تبھی ناصر کی آواز اُبھری۔

"یہی ہاتھ تمہاری گردن بھی توڑ سکتے ہیں یارد۔ اب بھی سوچ لو۔"

"میں۔ میں مارشل آرٹس نہیں جانتا۔" یارد بولا۔ "مجھے چاقو دو تب میں تمہیں بتاؤں۔"

"بڑی معصوم بات کہی ہے یارد۔ میں تمہیں چاقو کیوں دوں گا۔" ناصر نے مُسکراتے ہُوئے جواب دیا۔

"تم مجھ سے کچھ نہیں معلوم کر سکتے۔"

"جلدی مت کرو۔ آؤ فیصلہ کیے لیتے ہیں۔ ہم اس وقت دو دشمنوں کی طرح ایک دُوسرے کے سامنے ہیں۔ میں اگر تم پر حاوی ہو گیا تو اپنی بات منوا لوں گا۔ شکست کھا گیا تو تم آزاد ہو گے کہ جو دل چاہے میرے ساتھ سلوک کرو۔ اگر تم نے شکست کھانے کے بعد بھی زبان نہ کھولی تو میں تمہیں قتل کر دوں گا اور پھر واپس تمہارے اڈّے پر پہنچ جاؤں گا۔ کون مجھ سے پوچھے گا کہ یارد کہاں ہے۔ اس کے بعد میں دُوسرے طور پر اس شخص کا کھوج لگاؤں گا...؟"

"بکواس مت کرو ذلیل۔ میں نے تمہیں پناہ دی تھی۔"

"کراٹے کی پناہ۔ تم اس کا معاوضہ وصول کرتے رہے ہو۔ آؤ دیر نہ کرو۔ ورنہ پھر یک طرفہ کام ہو گا۔" ناصر نے کہا اور خونخوار انداز میں آگے بڑھا۔ یارد درحقیقت گھبرا گیا تھا۔ ناصر نے اُسے مارنا شروع کیا۔ وہ ایک جوان اور پھرتیلا شخص تھا۔ یارد کی ہر کوشش ناکام ہو رہی تھی۔ وہ زمین پر گر کر ہانپنے لگا اور ناصر اُس کے سر پر پہنچ گیا۔

"اُٹھو گے نہیں یارد؟" وہ بڑے پیار سے بولا۔

"ذلیل۔ کمینے۔ کتّے...!" یارد خون تھوکتا ہُوا بولا۔

"گڈ۔ گویا چھٹی۔ اب آخری بات کرو۔" ناصر نے جیب سے لمبا چاقو نکال لیا اور اُس کی کرکراہٹ گونج اُٹھی۔ "ہاں یارد وہ کون شخص ہے جو تمہیں ہدایات دیتا ہے اور جس نے مجھے جیل سے نکالا ہے؟"

"بکواس مت کرو۔" یارد دہاڑا اور ناصر اُس کے اُوپر چھلانگیں لگانے لگا۔ شائیں شائیں کی آوازیں اُبھر رہی تھیں۔ یارد کی آنکھوں میں خوف اُبھرتا رہا تھا۔ ناصر بڑے وحشیانہ انداز میں چھلانگیں لگا رہا تھا اور پھر وہ جھکا اور چاقو یارد کے سینے

سے چھو گیا۔ یارد کی قمیص پر خون کی ایک لکیر اُبھر آئی تھی اور وہ جلدی سے اُٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔

"آخری موقع یارد؟"

"تو... تو آستین کا سانپ ہے ناصر۔ کاش۔ کاش..."

"میں صرف تین تک گنتی گنوں گا۔" ناصر نے کہا۔۔ اور یارد خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا پھر بولا۔

"اُس کا نام... اُس کا نام بشیر احمد جلالی ہے۔" ناصر نے چاقو جیب میں رکھ لیا اور نرم لہجے میں بولا۔

"پتہ...؟"

"ایلڈونگ لمیٹڈ۔ وہ اس فرم کا پروپرائٹر ہے۔"

"فرم کہاں ہے؟"

"جونیئر ہاؤس بلڈنگ نمبر ۲۷۔"

"اِس بیان میں صداقت کتنی ہے؟"

"میں نے جھوٹ نہیں بولا۔"

"لیکن میری جان تصدیق کے بغیر تمہاری رہائی ممکن نہیں ہے۔ اطلاع جھوٹ ہوئی تو تمہارا جرم ڈبل تصوّر کیا جائے گا اور مزید کوئی باز پُرس کیے بغیر تمہیں قتل کر دیا جائے گا۔"

"میں جانتا ہُوں۔" یارد نے جواب دیا۔ میں نے گہری سانس لے کر شمس کی طرف دیکھا اور بولی۔

"کوئی بات نہیں بنی شمس۔ جو نام سامنے آیا ہے وہ ٹھیک ہے لیکن اب یہ فرم اس عمارت میں نہیں ہے۔ بشیر احمد جلالی صرف ایک عُہدہ ہے۔ اس کی اپنی کوئی حیثیت نہیں ہے لیکن... لیکن اوہ... شمس ایک اور ترکیب میرے ذہن میں آئی ہے۔ اوہ مگر ممکن ہے اس طرح کام بن جائے۔ ممکن ہے۔" میری آنکھیں گہری سوچ میں ڈوب گئیں۔

دُوسری طرف ناصر نے ملازموں کو بُلا کر یارد کو اُن کے حوالے کر دیا تھا۔

ناصر کے چہرے پر مایوسی کے آثار پھیل گئے تھے لیکن میں نے اُسے تسلی دیتے ہُوئے کہا۔ "اس میں افسردہ ہونے کی بات نہیں ہے ناصر۔ ہمیں اس سے بھی فائدہ ہُوا ہے اس طرح کم از کم یہ تو معلوم ہو گیا کہ بشیر احمد جلالی یہاں اسی مُلک، اسی شہر میں موجود ہے۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی کہ بہرحال وہ اس شخص کا ایک اہم مُہرہ ہے اور اس مُہرے کی تلاش ہمارے لیے سُودمند ہوگی۔"

"لیکن اب بہت سے سوالات پیدا ہو گئے ہیں۔ یارد کے لیے کیا حکم ہے عالیہ صاحبہ؟" ناصر نے پوچھا۔

"اس کا فیصلہ تم خود کرو۔"

"میرے ذہن میں ایک ترکیب آئی ہے۔ یارد کو بے ہوش کر کے اُس کی رہائش گاہ پر چھوڑ دُوں اور پھر اُس کی نگرانی کروں۔ اس کے علاوہ اس کا فون بھی ٹیپ کروں گا ممکن ہے کوئی کام کی بات معلوم ہو جائے۔"

"اچھا خیال ہے لیکن یارد ہوشیار ہو جائے گا۔ وہ ضرور سوچے گا کہ تم نے اُسے چھوڑ کیوں دیا؟"

"ہاں یہ ممکن ہے پھر آپ کا کیا حکم ہے؟" ناصر نے پوچھا۔

"یارد کو بے ہوش کر کے اُسے اُس کی رہائش گاہ کے آس پاس چھوڑ دو اور نہایت ہوشیاری سے اُس کی نگرانی کرو۔" میں نے جواب دیا اور ناصر نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ دیں کیونکہ ابھی یہی بات اُس نے مجھ سے کہی تھی تو میں نے اُس کی مخالفت کی تھی۔

"اس کی وجہ یہ ہے ناصر کہ اس وقت اس کے علاوہ اور کوئی ترکیب ہمارے ذہن میں نہیں ہے۔ میں تمہیں ایسا ڈکٹافون مہیا کر دوں گی جس کے ذریعے تم کہیں بھی بیٹھ کر یارد کی ٹیلی فون کال سُن سکتے ہو۔" میں نے مسکراتے ہُوئے کہا اور ناصر نے گردن ہلا دی۔

"ٹھیک ہے چیف۔ اس کے لیے میں رات کا انتظار کروں گا۔" ناصر نے جواب دیا اور میں نے اس سے اختلاف نہیں کیا۔

دُوسرے کمرے میں آ کر میں نے صباحت صاحب کے فون نمبر ڈائل کیے اور انتظار کرنے لگی۔ صباحت صاحب مستعد انسان تھے۔ فوراً ہی اُنہوں نے فون ریسیو کیا۔

"ہیلو۔" اُن کی آواز اُبھری۔

"آپ کی سابقہ رپورٹر۔ عالیہ۔"

"اوہ۔ آپ ہیں۔ فرمایئے۔ کیا دوبارہ مُلازمت کی بحالی چاہتی ہیں؟" صباحت صاحب خوشگوار موڈ میں تھے۔

"نہیں جناب۔ بفضلِ خدا میرا دُوسرا کاروبار بخوبی چل رہا ہے۔ میں تو دیرینہ تعلقات کی بنیاد پر آپ سے ایک درخواست کرنا چاہتی تھی۔"

"جی...؟ فرمایئے؟" صباحت صاحب بولے۔

"چند مخصوص اخبارات میں ایک اشتہار شائع کرانا چاہتی

ہُوں لیکن اس شکل میں کہ آپ اپنی شخصیت نمایاں نہ کریں اور اشتہار ہر قیمت پر چھپ جائے۔"

"ہمارا اخبار اس قابل نہیں ہے؟" صباحت صاحب نے پوچھا۔

"ہرگز نہیں۔ آپ بھی اس کی ساکھ بنایئے۔"

"اشتہار کیا ہے؟"

"نوٹ کر لیجیے۔" میں نے جواب دیا۔

"ایک منٹ۔" صباحت صاحب بولے پھر دوبارہ اُن کی آواز اُبھری۔ "فرمایئے کیا مضمون ہے؟"

"سُنہرے مستقبل کی خواہش مند لڑکیاں متوجہ ہوں
مُلک سے باہر جا کر دولت کے ڈھیر سمیٹ لایئے
آپ کا تعلق زندگی کے کسی بھی شعبے سے ہو۔ ہم آپ
کو بہترین مُلازمت مہیا کریں گے۔ مشرقِ وسطےٰ کے
کئی ممالک میں آپ کا حسین مستقبل آپ کا منتظر ہے
فوراً رجوع کریں۔

نارمن ٹریولرز۔ انیس بلڈنگ
رُوم نمبر ۱۷"

میں نے نوٹ کرایا اور خاموش ہو گئی۔ صباحت صاحب فوراً بولے۔ "یہ اشتہار تمہاری طرف سے ہے؟"

"جی ہاں۔ اسے کسی گمنام حیثیت سے شائع کرا دینا آپ کا کام ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"خیر شائع ہونے کی فکر مت کرو لیکن اِس کا مقصد سمجھ میں نہیں آیا؟" صباحت صاحب نے پُرتجسّس لہجے میں پوچھا۔

"فون پر اس بارے میں اس سے زیادہ گفتگو کیسے ممکن ہے صباحت صاحب۔"

"اوہ۔ ہاں سوری اور کوئی حُکم؟"

"بس یہی درخواست تھی۔ خدا حافظ۔" میں نے کہا اور فون بند کر دیا۔ اس کے بعد میں نے کام کا موڈ ختم کر دیا اور مس میری، میں اور شمس بیٹھ کر گفتگو کرنے لگیں۔ سارے بوجھ ذہن سے جھٹک دیے گئے تھے۔ دورانِ گفتگو طے ہُوا کہ افشاں اور فرزانہ سے گفتگو کی جائے چنانچہ میں نے افشاں کے فون نمبر ڈائل کیے لیکن دُوسری طرف سے بُقراط کی آواز سنائی دی۔

"کون صاحب بول رہے ہیں؟" میں نے جان بُوجھ کر انجان بننے کی کوشش کی۔

"دورِ حاضر کا بے کس جسے بُقراط ہونے کا دعوا ہے اور لوگ اُس کے ساتھ سقراط کا سا سلوک کر رہے ہیں۔" بُقراط کی آواز اُبھری۔

"لوگوں کو آپ کے اس دعوے پر اعتراض ہوگا؟"

"لوگوں کو دُوسروں کی زندگی پر بھی اعتراض ہے۔ کیا آپ کے خیال میں انسان نہ جیے؟"

"دُوسرے لوگوں کی طرح جیے۔ اُسے کون روکے گا۔"

"گویا جینے کے انداز بھی متعین ہیں۔ میرے مالک انسان کتنا مظلوم ہے۔ وہ اپنی پسند کی زندگی سے بھی محروم ہے۔ اختتامِ کائنات کر دے اگر یہ دُنیا فانی ہے تو اب اس کے مزید ایّام بڑھانے سے فائدہ؟" بُقراط نے فریاد کرنے والے انداز میں کہا۔

"دیکھا آپ نے۔ انسان تو خُدا کو بھی اپنی مرضی کے تابع کرنے کے خواب دیکھتا ہے۔ آپ کو اپنی پسند کی زندگی نہیں مِلی تو آپ پوری دُنیا کو فنا کر دینے کے مشورے دے رہے ہیں یہ ہے انسان؟"

"ارے ارے۔ آپ ہیں کون۔ بلا وجہ بے تکلف ہو رہی ہیں۔۔۔ کچھ بھی کہہ لیں خاتون آپ نہ بُقراط بن سکتی ہیں نہ سقراط۔۔۔ خواتین نے ایسی کوئی تاریخ نہیں چھوڑی۔" بُقراط نے کہا۔

"معاف کیجیے گا جناب۔ خواتین تو بُقراط اور سقراط گر ہیں اور ان دونوں حضرات نے کبھی اس سے انکار نہیں کیا۔ ویسے میں عالیہ بول رہی ہُوں اور افشاں یا فرزانہ سے بات کرنا چاہتی ہُوں۔"

"اوہ۔۔۔ اور آپ نے میرے ساتھ اتنا وقت ضائع کر دیا معلوم ہوتا ہے ٹیلی فون آپ کے دفتر میں ہے اور اس وقت آپ کے افسران موجود نہیں ہیں۔"

"ایسی ہی بات ہے۔ اب آپ ان افسران پر رحم کھاتے ہُوئے ذرا ان دونوں میں سے کسی کو بُلا دیں۔"

"اِن میں سے کوئی موجود نہیں ہے۔ دراصل ان لوگوں نے گورکنی کا پیشہ اپنا لیا ہے اور وہ اس وقت میری قبر تعمیر کرنے گئی ہیں۔"

"خیریت۔ کیا آپ انتقال فرمانے کا ارادہ رکھتے ہیں؟"

"باحسرت و یاس۔ دل تو نہیں چاہتا تھا لیکن اہلِ کرم زہر کا پیالہ لیے کھڑے ہیں۔ انکار کا یارا نہیں۔"

"قصّہ کیا ہے؟" میں نے ہنستے ہُوئے پُوچھا۔

"یہ حضرات مجھے میرے میکے بھیجنے پر تُلے ہُوئے ہیں۔ میکہ ہی ہوتا تو غنیمت تھا والدہ صاحبہ اتنی بُری نہیں ہیں لیکن اتفاق سے وہ "باپ کا" بھی ہے اور باپ بہت خوفناک چیز ہوتی ہے۔"

"اوہو۔ یہ لوگ تہوّر عالم صاحب کے پاس گئے ہیں؟"

"جی ہاں۔ ابھی تک فون پر گفتگو چل رہی تھی جو اتنی جذباتی نہیں تھی لیکن آمنا سامنا خطرناک بھی ہو سکتا ہے۔"

"خطرناک کن معنوں میں؟"

"بھئی سمجھا کریں آپ۔ پھُولتے پچکتے نتھنے اور سُرخ آنکھیں بہت کچھ منوا لیتی ہیں ہاں؟" بُقراط نے جواب دیا۔

"بہرحال میری دُعا ہے کہ آپ اپنے والدین سے جا ملیں" میں نے خلوص سے کہا۔

"گویا آپ نے بھی دُشمنی کا کھُل کر اعلان کر دیا۔ خیر محترمہ آپ پر بھی کیا موقوف ہے۔ میرے سارے دُشمن آج کل یہی دُعائیں کر رہے ہیں۔ کاش آپ میں سے کوئی مجھے دُعا بھی دے سکتا۔" بُقراط نے جواب دیا اور میں نے خدا حافظ کہہ کر فون بند کر دیا پھر میں نے ہنستے ہُوئے شمس کو ساری گفتگو بتا دی۔

"تم بھی عجیب ہو عالیہ۔ تمہاری گفتگو سے تو کہیں اندازہ نہیں ہوتا کہ تم اُس کی طرف سے مشکوک ہو۔"

"نہیں شمس۔ یہ صرف تمہارا خیال ہے۔ درحقیقت یہ گفتگو ریاکاری کی تھی۔ میں نے اُسے کوئی غلط احساس نہیں ہونے دیا۔" میں نے جواب دیا اور پھر ہم لوگ آج کے دُوسرے پروگرام بنانے لگے۔

ם

سُورج دُوسری سمت جُھک گیا تھا۔۔۔ ہم دونوں اِس خُوبصورت عمارت سے باہر نکل آئے۔ آج میں نے شمس کے حُلیے میں بھی تبدیلی کی تھی۔ اُس کے سُنہرے بالوں کو ایک عارضی اسپرے سے سیاہ کر دیا تھا اور ایک اور اسپرے سے رنگ کی سفیدی بھی مار دی تھی۔ بالوں کے درمیان مانگ نکال کر انہیں مقامی انداز میں باندھ دیا اور ایک معمولی کپڑے کا لباس پہنا کر اُسے تیار کر دیا۔ خود میں نے بھی عام لباس ہی پہنا تھا۔ ہمارا پروگرام پہلے عظمت پورہ جانے کا تھا چنانچہ عمارت سے باہر نکل کر ہمیں تقریباً ایک میل پیدل چلنا پڑا پھر ایک آٹو رکشے میں بیٹھ کر عظمت پورے چل پڑے یہ ایک نواحی بستی تھی جو کافی پھیلی ہُوئی تھی۔ ہر طرح کے لوگ اِس بستی میں رہتے تھے۔ عظمت پورہ میں اُتر کر ہم نے رکشے والے کو پیسے دیے اور پھر ایک دُکان سے وہ مکان نمبر معلوم کیا جو ہمیں مِلا تھا۔ یہ مکان بھی کافی دُور تھا۔ راستے کی دُھول نے شکل ہی بدل دی لیکن یہ بدلی ہُوئی شکل بھی ہمارے لیے کارآمد تھی ہم ان لوگوں کے درمیان اجنبی نہیں رہے تھے۔ خدا خُدا کر کے اس مکان تک پہنچے۔ انتہائی بوسیدہ مکان تھا چھوٹا سا دروازہ نیچی نیچی دیواریں جن کے دُوسری طرف بہ آسانی دیکھا جا سکتا تھا۔

جونہی ہم دروازے پر رُکے، برابر کے گھر سے ایک عورت ایک گندے سے بچے کو گود میں لیے برآمد ہُوئی اور ہمیں دیکھ کر چونک پڑی۔ میں نے اُسے فوراً سلام کیا۔

"جیتی رہو بہن۔ کِسے تلاش کر رہی ہو؟" عورت نے اخلاق سے پوچھا۔

"جی۔ وہ اس گھر میں۔۔۔" میں نے مکان کے دروازے کی طرف اشارہ کیا اور عورت جلدی سے بول پڑی۔

"ارے بچّو کے گھر آئی ہو۔ وہ کمبخت تو مہینے ڈیڑھ مہینے سے غائب ہے۔ تم کہاں سے آئی ہو بہن اور کون لگو ہو اُس کی؟"

"جی یہ اُن کی خالہ زاد بہن ہیں اور میں پھُوپھی زاد۔" میں نے جلدی سے کہا۔

"اسے بڑا ہی کمینہ ہے۔ کہتا تھا دُنیا میں اس کا کوئی نہیں ہے۔ میں سمجھ گئی گنج آباد سے آئی ہو گی تم دونوں؟"

"جی ہاں آپ بالکل ٹھیک سمجھیں۔ انہوں نے ہمیں خط لکھا تھا کہ وہ بیمار ہیں۔ ہم تو بڑے پریشان تھے اُن کے لیے۔۔۔" میں نے فکرمندی سے کہا۔

"بیمار ہے۔ اگر بیمار ہے تو کیا کسی اسپتال میں ہے۔۔؟" عورت کے لہجے سے سخت تشویش کا اظہار ہو رہا تھا۔

"یہ تو معلوم نہیں مگر اُنہوں نے ہمیں خط میں لکھا تھا کہ عظمت پورے میں اُن کا گھر موجود ہے ہم وہاں پہنچیں اور اگر وہ نہ ہوں تو انتظار کریں لیکن گھر میں تو تالا لگا ہُوا ہے۔۔۔" میں نے پریشان سی شکل بنا کر کہا۔

"ارے شفّو آپا کے بارے میں کچھ نہیں لکھا اُس نے؟ بڑا ہی کمینہ ہے۔ ہر ایک کو پریشان کرتا ہے۔ تم فکر مت کرو بی بی گھر کی چابی میرے پاس رہتی ہے ہمیشہ۔ میں اُس کی بہن ہُوں ابھی لائی۔" شفّو آپا جلدی سے گھر میں داخل ہو گئیں۔ اِس بار وہ آئیں تو بچّہ اُن کی گود میں نہیں تھا۔ اُنہوں نے جلدی سے مکان کا تالا کھول دیا۔ گھر کا صحن صاف سُتھرا پڑا تھا۔ ایک دالان، ایک کمرہ۔ دالان میں دو چارپائیاں پڑی ہُوئی تھیں۔۔ ایک کونے میں حُقّہ رکھا ہُوا تھا۔ کمرے میں نہ جانے کیا تھا۔ ہم لوگ شفّو آپا کے ساتھ دالان میں بیٹھ گئے۔

"ایک دفعہ کہہ رہا تھا کہ گنج آباد میں اُس کے کچھ رشتے دار

رہتے ہیں اور وہ کبھی کبھی وہاں چلا جاتا ہے مگر تمہارے بارے میں اُس نے کبھی کچھ نہیں بتایا۔"

"وہ ایسے ہی آدمی ہیں کبھی کسی کے بارے میں کچھ نہیں بتاتے۔ اب دیکھیے نا ہمیں بھی کبھی آپ کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔"

"کمینہ ہے پاجی کہیں کا۔ مَیں اُس کی مُنہ بولی بہن ہُوں سگی بہنوں کی طرح چاہتا ہے مجھے۔ اللہ بخشے جب سے نفو کے ابا مَرے ہیں اسی نے سنبھالا ہے ہمیں ورنہ دَر دَر کی بھیک مانگتے۔ اب بھی دیکھو خود بیمار پڑا ہے مگر میرا منی آرڈر نہیں رُکا۔ ابھی کل ہی تو پیسے ملے ہیں۔"

"اوہ۔ نفو کے ابا آپ کے کون تھے؟" مَیں نے پوچھا۔

"شوہر تھے میرے۔ تین بچے ہیں۔ مَیں نے تو بڑے کو کام پر لگا دیا تھا مگر اُس نے اُٹھا لیا اور اب آسے اسکول میں پڑھا رہا ہے۔ ارے وہ تو اپنی کمائی ایسے ہی لُٹاتا ہے۔ محلّے کا کون سا گھر ہے جس کو اُس نے قرض نہیں دے رکھا۔ ہر ایک کے اچھے بُرے میں کام آتا ہے۔ بس خُدا ہی اُسے عقل دے۔"

"کرتے کیا ہیں بکّو بھائی؟" مَیں نے ہنسی روک کر پُوچھا۔

یہ بکّو بھائی شاید بُقراط کی بگڑی ہُوئی شکل تھی۔

"اللہ جانے کِسی فیکٹری میں کچھ ہے۔ کافی اچھی تنخواہ ملتی ہے۔ مَیں نے لاکھ کہا گھر بسا لے مگر وہ کوئی انسان ہے۔ ایک... پھٹ پھٹیا ہے۔ بس اُس کے ناز نخرے اُٹھاتا رہتا ہے۔"

"یہ پھٹ پھٹیا کون خاتون ہیں؟" مَیں نے چونک کر پوچھا اور شفّو آپا ہنس پڑیں۔

"خاتون تھوڑی ہیں بی بی۔ وہ جو ہوتی ہے نگوڑی موٹر سائیکل بس جب بھی یہاں آتا ہے اُسی کی ناز برداری کرتا رہتا ہے کبھی صفائی کر رہا ہے کبھی صابن سے دھو رہا ہے۔"

مَیں گہری سانس لے کر خاموش ہو گئی۔

"چائے بنا کر لے آؤں بس ذرا سی دیر لگے گی۔ ابھی آئی۔" شفّو آپا نے کہا اور مَیں نے گردن ہلا دی۔ بے چاری شمس زبان کا شکار تھی۔ ہماری گفتگو ظاہر ہے اُس کے پلّے نہیں پڑی ہو گی لیکن اُس کی پیشانی پر ذرّہ برابر شکن نہیں تھی۔

"یہاں زیادہ دیر نہیں رُکیں گے شمس اور اس سلسلے میں جتنی باتیں ہیں راستے میں کریں گے تم بور مت ہونا۔"

"ہرگز نہیں۔ تم اپنا کام جاری رکھو مَیں بالکل بور نہیں ہو رہی۔" شمس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"وہ چائے بنانے گئی ہے کچھ دیر تو لگے گی کیوں نہ اس دوران میں اپنا کام کر لُوں۔ باہر نگاہ رکھنا ویسے یہ کسی طور خطرناک جگہ نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔ تم جاؤ۔" شمس نے کہا اور مَیں اس واحد کمرے میں داخل ہو گئی... بجلی موجود تھی روشنی کر کے مَیں نے کمرے کا جائزہ لیا۔ ایک چھوٹی سی میز پر ایک سُوٹ کیس رکھا تھا جس میں کوئی تالا نہیں لگا ہُوا تھا۔ مَیں نے اُسے کھول کر دیکھا۔ چند جوڑے کپڑوں کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں تھی مَیں نے اُسے ٹٹول کر بند کر دیا اور پھر کمرے کی دُوسری اور آخری چیز کی طرف متوجہ ہو گئی... یہ ایک رائٹنگ ٹیبل تھی جس پر ایک پُرانی طرز کا ٹیبل لیمپ رکھا ہُوا تھا۔ پہلی ہی دراز میں چمڑے کے کَور کی ایک نوٹ بُک ملی جس کے اوپری صفحے پر "انسان کی شناخت از بُقراط" لکھا ہُوا تھا۔

مَیں نے جلدی جلدی کچھ صفحات پلٹے۔ جگہ جگہ تحریر... نظر آئی۔ یہ چیز ایسی نہیں تھی کہ مَیں اسے نظر انداز کر دیتی۔ چنانچہ مَیں نے اُسے اپنے لباس میں پوشیدہ کر لیا۔ دُوسری درازوں میں قسم رَف کاغذ اور دُوسری ایسی ہی چیزوں کی بھرمار تھی چنانچہ درازیں بند کر کے مَیں نے بتی بُجھا دی اور پھر باہر نکل کر شمس کے پاس آ بیٹھی۔

شمس ٹٹولنے والی نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگی۔ "کوئی خاص چیز نہیں ملی شمس۔" مَیں نے کہا۔ اُسی وقت بے چاری شفّو آپا ایک تیل سی ٹرے اُٹھائے اندر آ گئیں جس میں چائے کی دو پیالیاں اور ایک پلیٹ میں بسکٹ رکھے ہُوئے تھے۔ مَیں نے اور شمس نے بغیر کِسی ہچکچاہٹ کے بسکٹ لے لیے۔ شمس نے بھی میری تقلید کی تھی... بالآخر ہم دونوں نے چائے ختم کر لی پھر مَیں نے شفّو آپا سے کہا۔

"شفّو آپا۔ ہم دونوں نے گھر دیکھ لیا ہے۔ اسی لیے سیدھے پہلے یہاں آئے تھے تاکہ مکان تلاش کر لیں۔ سامان اسٹیشن پر ہی چھوڑ دیا تھا اب ہم جا کر سامان لے آتے ہیں۔ اس دوران اگر بکّو بھائی آ جائیں تو اُن سے کہہ دیں کہ اُن کی گنج والی بہنیں آ گئی ہیں اور اسٹیشن سے سامان لینے گئی ہیں۔"

"اچھا۔ کتنی دیر میں آ جاؤ گی تم لوگ۔ مَیں کھانا پکا کر رکھوں گی۔" شفّو آپا نے کہا اور مَیں چونک پڑی۔

"ارے نہیں شفّو آپا۔ رات کا کھانا ہم دونوں میں کوئی نہیں کھاتا آپ بالکل نہ پکائیں۔ ہاں کل دن میں ہم

ضرور کھائیں گے۔ نہ صرف کھائیں گے بلکہ آپ کے ساتھ مل کر پکائیں گے بھی۔ ٹھیک ہے؟"

"تھوڑا بہت تو کھاؤ گی ہی رات کو؟"

"آپ یقین کریں ایک نوالہ نہیں کھاتے۔ آپ تو اپنی ہیں کوئی تکلف تھوڑی ہے۔" مَیں نے بڑے پیار سے کہا اور پھر اُن سے اجازت لے کر باہر نکل آئے۔ کافی دُور تک پیدل چلے اور پھر ایک ٹیکسی میں بیٹھ گئے۔ مَیں نے ڈرائیور کو پلانٹ ٹھری کے علاقے کا پتہ بتایا تھا ٹیکسی چل پڑی۔

"مجھے یہ ایک نوٹ بُک وہاں سے ملی ہے جو مَیں لے آئی ہُوں۔" مَیں نے نوٹ بُک شمس کے سامنے رکھ دی اور شمس اُسے کھول کر دیکھنے لگی پھر اُس نے بے بسی سے میری طرف دیکھا۔

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے سب ٹھیک ہو جائے گا۔ اب ...کا ترجمہ سُنو۔ اِس کا آغاز ہے 'انسان کی شناخت' اور یہ ...کا پہلا اقتباس ہے۔

"اِس کی نمود جنّت میں ہُوئی اور وہ واپس بُلایا جائے ...دیا خُدا کی نگاہ میں وہ اس قابل ہے۔ نہ ہوتا تو کائنات کا ...اہی کیوں پھیلایا جاتا۔ یُوں ہم ذہنِ خالق پڑھتے ہیں۔

...۲۔ طبقات کا تعین انسان کا بدترین گناہ ہے جب کہ ...کی تخلیق اِس کی نفی کرتی ہے۔ اگر تعین مقصود ہوتا تو ...رکھی جاتی۔

...۳۔ یہ چھوٹی سی بستی انسان کی امتحان گاہ ہے شفّو آپا ...بھائی۔ علی یار خان۔ شمس خالد۔ ابراہیم علی اور بے شمار ...ے۔ لیکن مَیں ان کے درمیان ہُوں۔ یہ میرے ہیں... ...ت پورے کی عظمت بحال نہ ہُوئی تو زندگی میں ایک خلا ...ئے گا۔

...۴۔ اُدھار دینے والوں میں ایک نیا نام مِس عالیہ صنیر ...ی..." عجیب سی تحریریں تھیں جن میں کوئی رَبط نہیں تھا ...ن سے بُقراط کے ذہن اور اُس کے عمل کا کوئی پتہ چلتا ...ں اُنہیں پڑھتی رہی اور انگریزی میں ترجمہ کر کے شمس ...رہی۔ شمس کے چہرے پر بھی اُلجھن نظر آ رہی تھی پھر ...یں خاموش ہُوئی تو اُس نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔

"اس ساری بکواس سے ایک نتیجہ نکالا جا سکتا ...ہے..."

"وہ کیا محترمہ شمس۔" مَیں نے مُسکراتے ہوئے پوچھا۔

"وہ بُرا انسان نہیں ہو سکتا۔"

"اتنی جلدی فیصلہ کر لیا؟"

"نہیں یہ فیصلہ جلدی میں نہیں ہُوا۔ تم خود دیکھو عالیہ اُس نے بن عارف بن کر ہماری مدد کی اور اپنا کوئی احسان ہم پر نہیں رکھا۔ بلکہ ایک طرح سے اپنا کردار داغدار ہی رکھا تاکہ ہم اُس کے بارے میں اچھے انداز میں نہ سوچیں پھر باری آتی ہے ڈاکٹر فرزانہ کی اُس نے بن عارف، بُقراط یا تمہارے تصورِ عالم کے بارے میں جو کچھ بتایا ہے کیا وہ قابلِ توجہ نہیں ہے اور اب یہ تیسری جگہ۔ یعنی کوئی شخص ایسا نہیں ملا جس نے اُس کی کسی بُرائی کی نشاندہی کی ہو۔ ان حالات میں یہ فیصلہ جلدبازی کا نہیں ہو سکتا۔"

"اس کے باوجود ہم اس کی دُوسری کوٹھی بھی دیکھیں گے۔" مَیں نے مُسکراتے ہوئے کہا۔

"ہاں اِس میں کوئی حرج نہیں ہے لیکن تم اس سلسلے میں کچھ نرم ہُوئیں یا نہیں؟" شمس نے کہا۔

"آخری بات نہیں کہوں گی شمس۔ یہ انسان عجیب گورکھ دھندا ہے۔ کیا سوچتے ہیں کیا نکلتا ہے۔ بہرحال حقیقت کسی نہ کسی طور سامنے آئے گی۔ ہر کام میں کچھ دیر لگتی ہے۔"

"وہاں رات کو چلو گی؟"

"ہاں۔ چوروں کی طرح ضروری تیاریوں کے ساتھ۔" مَیں نے جواب دیا اور شمس گردن ہلانے لگی۔

رات کو گیارہ بجے مَیں اور شمس دوبارہ باہر نکل آئے اس وقت کا حُلیہ بالکل مختلف تھا۔ ہم دونوں نے چُست لباس استعمال کیے تھے اور ان پر چمڑے کی جیکٹیں تھیں جن میں اسلحہ موجود تھا۔ مَیں نے چند اور چیزیں بھی ساتھ رکھی تھیں جن کی میرے خیال میں ضرورت پیش آ سکتی تھی۔

ایک اسپورٹس کار میں بیٹھ کر ہم سڑک پر نکل آئے.. اور کار کا رُخ چیمبر لائن کی طرف کر دیا۔ راستہ خاموشی سے کٹا اور تھوڑی دیر کے بعد ہم شہر کے اس خُوبصورت رہائشی علاقے میں داخل ہو گئے۔ اب یہاں گرین ہاؤس تلاش کرنا تھا لیکن اس میں کوئی دقت نہیں ہُوئی۔ ایک انتہائی کُشادہ اور حسین عمارت کے باہر گرین ہاؤس کی تختی نظر آ گئی... مَیں کار... اس عمارت کے سامنے سے گزار لے گئی تھی... چوکیدار کا کیبن بہت ہی خوبصورت تھا اور وہاں لوگوں کی موجودگی کا پتہ چلتا تھا۔ گویا چوکیدار مستعد تھے۔

"شمس... یہ گرین ہاؤس دیکھا؟"

"ہاں۔" شمس آہستہ سے بولی۔

"شاندار عمارت معلوم ہوتی ہے۔"

"بے شک۔" شمس بھی متاثر نظر آ رہی تھی۔ کار کو کافی دُور سے جا کر میں نے دُوسری ذیلی سڑک پر اُتار دیا جو یقیناً گرین ہاؤس کے عقب سے گزرتی ہوگی۔ عقب میں سرسبز و شاداب درختوں کی قطاریں نظر آ رہی تھیں۔ دُوسری رَد کے بنگلوں کی پُشت بھی اسی سمت تھی لیکن ان اطراف میں کوئی کار نہیں نظر آ رہی تھی۔ اس لیے میں نے کار وہاں نہیں کھڑی کی۔ ویسے کوٹھی میں داخلے کے لیے یہی رُخ مناسب تھا چنانچہ میں کار کو دوبارہ دُوسری سڑک پر لے گئی اور پھر اُسے ایسی جگہ کھڑا کر دیا جہاں کوئی اُسے مشکوک نہ سمجھے لیکن یہ جگہ گرین ہاؤس سے دُور تھی۔ اس کے بعد ہم دونوں نیچے اُتر آئے۔

یہ علاقہ دُوسرے بڑے لوگوں کے رہائشی علاقوں کی مانند سنسان پڑا تھا۔ بے حد خاموشی اور سکون تھا۔ ہم بنگلوں کی عقبی سمت چل پڑے اور تھوڑی دیر کے بعد گرین ہاؤس کے عقب میں پہنچ گئے۔ عقبی دیوار پر پہلے میں نے شمس کو چڑھایا اور پھر خود بھی اُوپر پہنچ گئی اور چند ساعت کے بعد ہم دونوں نیچے تھے۔

"کُتے نہ ہوں۔" شمس نے خیال ظاہر کیا۔

"امکان تو نہیں ہے۔"

"کیوں؟"

"گیٹ پر چوکیدار موجود ہیں۔ ایسی شکل میں کُتے اگر ہوں بھی تو کھُلے نہ ہوں گے۔" میں نے جواب دیا اور شمس نے گردن ہلا دی۔ ہم دونوں درختوں کی آڑ میں رُک کر چند لمحات آہٹیں لیتے رہے اور پھر آگے بڑھ گئے۔ ہمارا رُخ اصل عمارت کی طرف تھا۔ عقبی دروازے بند تھے۔ میں نے کئی دروازے آزمائے لیکن کوئی بھی کھُلا ہُوا نہیں تھا۔ دیر تک ہم اندر داخل ہونے کی جگہ تلاش کرتے رہے لیکن ظاہر ہے چوکیداروں نے دروازے اندر سے بند کر دیے ہوں گے۔ البتہ بغلی سمت سے اُوپر راہداری میں جانے کا راستہ مل گیا اور ہم راہداری میں پہنچ گئے۔ سبز رنگ کا قالین گھاس کی مانند معلوم ہو رہا تھا۔ پُوری راہداری میں قالین بچھا ہُوا تھا اور اسی سے میچ کرتا ہُوا دیواروں کا رنگ تھا۔ کمروں کے دروازوں پر باہر رنگین شیڈ لگے ہُوئے تھے جن کی مدھم روشنی نے قالین کے سبز رنگ کو اور خوبصورت بنا دیا تھا۔ اسی طرح دیواریں بھی حسین لگ رہی تھیں۔ اس عمارت کو دیکھ کر ہم دونوں دَنگ رہ گئے تھے۔ میرے ذہن میں عابدہ لاج کے لیے جو تصوّر تھا وہ اس عمارت کے عشرِ عشیر بھی نہ تھا۔

بہرحال ہم خاموشی سے آگے بڑھتے رہے اور پھر عمارت کے سامنے کے دروازے پر پہنچ گئے۔ بڑا سا وسیع ہال تھا جسے عارضی ڈرائنگ رُوم بھی کہا جا سکتا تھا لیکن وہ ایسے قیمتی فرنیچر سے سجا ہُوا تھا کہ حیرت ہوتی تھی۔ ایسے ایسے اعلا درجے کا ڈیکوریشن کا سامان تھا کہ نگاہ نہیں ٹھہرتی تھی۔ دونوں سمت سے زینے اُوپر گئے تھے۔ میں نے ایک گہری سانس لے کر شمس کی طرف دیکھا۔ شمس بھی محویت کے عالم میں ایک ایک چیز دیکھ رہی تھی۔ "آؤ۔" میں نے شمس کا ہاتھ پکڑا اور ایک سمت کے زینے کی طرف بڑھ گئی۔ پہلی سیڑھی پر قدم رکھا تھا کہ پیانو کی سی ہلکی آواز اُبھری اور ہم دونوں ٹھٹک گئے۔ سُر کی آواز ابھی تک گُونج رہی تھی۔ میں نے سیڑھی کو دیکھا بظاہر کوئی خاص بات نہیں تھی۔ میں نے دُوسری سیڑھی پر پاؤں رکھا اور دُوسرا حسین سُر سُنائی دیا۔

"اُوپر بھی نہیں جانے دے گا یہ بدبخت۔" میں نے دانت پیس کر کہا اور نیچے اُتر آئی۔

"یہ بقراط کا مکان ہے۔" شمس بڑبڑائی۔

"پاگل کر دے گا یہ شخص۔" میں نے کہا۔

"اس کی دونوں رہائش گاہوں میں کتنا تضاد ہے؟"

"انسان کی شناخت جو کر رہا ہے۔"

"وہ اتنا گہرا ہوگا کون سوچ سکتا ہے۔" شمس بولی۔

"اور ذلیل انسان ایک سڑی سی موٹر سائیکل پر پھرتا ہے اور اس میں پٹرول ڈالنے کے لیے لوگوں سے قرض مانگتا پھر

"انسان کی شناخت جو ٹھہری۔" شمس نے کہا۔ میں خاموشی سے کچھ سوچ رہی تھی اور پھر دفعتاً میرے ذہن میں ایک خیال آیا۔ میں دوبارہ زینے کی طرف بڑھ گئی لیکن اس بار میں نے پہلی سیڑھی پر قدم رکھنے کی بجائے دُوسری سیڑھی پر قدم رکھا تھا لیکن اس بار کوئی آواز نہ ہُوئی اور میں تیسری سیڑھی چھوڑ کر چوتھی سیڑھی پر چڑھ گئی۔ سیڑھیاں خاموش تھیں۔ میں خوشی سے اُچھل پڑی اور میں نے شمس سے کہا۔

"بس اسی انداز میں اُوپر آ جاؤ۔" شمس نے بھی یہی کو[ش]ش کی اور سیڑھیوں پر پڑنے والے دباؤ میں رابطہ نہیں تھا ہُوا۔ اس طرح کوئی آواز نہیں نکلی اور ہم اُوپر پہنچ گئے۔ اُوپر جا کر میں نے ایک طویل سانس لی تھی۔ شمس نے

نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ اس نے آنکھیں بند کر کے گردن ہلائی۔ یہاں بھی ایک راہداری تھی جس میں سُرخ قالین بچھا ہُوا تھا۔ درمیان میں سفید پھُولوں کی بیل پڑی ہُوئی تھی۔ ہم دونوں اس پر آگے بڑھتے رہے اور پھر جونہی ہم راہداری میں گھُومے ایک آواز اُبھری۔

"خوش آمدید۔ گو اس عمارت میں تمہارا داخلہ غیر قانونی اور غیر دوستانہ ہے لیکن میں انسان دوست ہُوں۔۔۔ مجھے ضرورت مندوں سے نفرت نہیں ہے۔ چوری کرنے آئے ہو؟"

ہم دونوں متوحش انداز میں چاروں طرف دیکھ رہے تھے لیکن بولنے والا کہیں نظر نہیں آیا تھا۔

"آگے قدم بڑھاؤ۔ میں تمہاری امداد کا خواہش مند ہُوں۔ راہداری میں مُڑ کر بائیں سمت کے دروازے میں داخل ہو جاؤ۔ سامنے میز پر تمہیں ایک حقیر سی رقم ملے گی بس اس سے زیادہ میں تمہارے لیے کچھ نہیں کر سکتا۔" آواز پھر آئی اور میں اُس کے الفاظ پر غور کرنے لگی پھر میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اور میں نے کہا۔

"کیا تم میری آواز سُن رہے ہو؟" لیکن کوئی جواب نہ ملا۔

"آؤ شمس۔ کوئی نہیں ہے۔" میں نے شمس کا ہاتھ پکڑا اور دُوسری طرف مُڑ گئی یعنی میں اُس طرف نہیں مُڑی تھی جس طرف کی نشاندہی کی گئی تھی۔

"کیا مطلب۔۔۔؟ پھر یہ کون بول رہا ہے۔۔۔؟" شمس نے پوچھا۔

"بس ایک ڈرامائی کوشش ہے۔ شاید ریکارڈ چل رہا ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"اوہ۔ تمہیں یہ بات کیسے معلوم ہُوئی؟"

"ابھی میں نے اس کی تصدیق کی تھی۔"

"ہاں کی تھی لیکن اندازہ کیسے ہُوا تھا؟"

"اُس نے ہمیں مذکر کے صیغے میں مخاطب کیا تھا۔ اگر کوئی دیکھنے والا ہوتا تو ہمیں ہماری اصلیت سے مخاطب کرتا۔۔۔ اس پُوری عمارت میں میکنزم کے جال بچھے ہُوئے ہیں۔ ویسے ہم اسے خطرناک ترین عمارت کہہ سکتے ہیں۔"

"وہ کیوں؟"

"کوئی بھی جگہ ایسی ہو سکتی ہے جو چوکیداروں کو ہماری طرف متوجہ کر دے۔" میں نے جواب دیا۔

"واقعی کہیں نہ کہیں سے گیٹ تک رابطہ بھی ہوگا تو پھر اب کیا خیال ہے؟"

"آؤ دیکھتے ہیں۔" میں نے کہا اور شمس کو ساتھ لے کر مخالف سمت بڑھ گئی۔ شمس ایک ایک قدم پھُونک پھُونک کر رکھ رہی تھی۔ عمارت کا حُسن مسحور کُن تھا۔ ایک ایک شئے سے مکین کی دولت اور سلیقے کا اندازہ ہو رہا تھا۔

"میں نے زندگی میں ایسی کوئی عمارت نہیں دیکھی۔ اس عمارت کو دیکھ کر تو اندازہ ہوتا ہے کہ امیر الشاط کی دولت اس کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتی ہے۔"

"امیر الشاط بلاوجہ ہی تو بن عارف کا مدّاح نہ ہوگا۔ کوئی نہ کوئی وجہ تو ضرور ہوگی۔" میں نے جواب دیا اور پھر ہم راہداری کی پُشت پر پہنچ گئے۔ اب سامنے ہی ایک دروازہ نظر آ رہا تھا جس میں تالا لگا ہُوا تھا۔

میں نے خطرات کو نظر انداز کر کے اس دروازے کو کھولنے کا فیصلہ کر لیا اور میری جیب سے ایک چھوٹی سی مشین نکل آئی جو سیل سے چلتی تھی۔ یہ مشین میں جرمنی سے اپنے ساتھ لائی تھی۔ میں نے مشین کا بٹن دبایا اور اُسے قفل کے سُوراخ سے لگا دیا۔ کھٹ کھٹ کی تین آوازیں ہُوئیں۔ چوتھی کوشش نے قفل کھول دیا تھا۔ تب میں دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئی۔ اس کے ساتھ ہی میں نے سینے پر لگی ہُوئی ٹارچ روشن کر لی جو میرے لباس میں نصب تھی۔

یہ بھی چھوٹا سا ہال تھا جس میں نیچے جانے کی سیڑھیاں بنی ہُوئی تھیں۔۔۔ "اوہ۔ آؤ۔ نیچے چلیں۔" میں نے شمس سے کہا۔ شمس نے پھر اُسی انداز میں اُترنے کی کوشش کی یعنی ایک سیڑھی چھوڑ کر لیکن میں نے یہاں اس کی ضرورت نہیں سمجھی تھی اور میرا ہی اندازہ دُرست نکلا۔ یہاں کوئی ایسا میکنزم نہیں تھا۔ ہم نیچے پہنچ گئے۔ یہاں تاریکی پھیلی ہُوئی تھی یعنی یہ جگہ اُوپر کی مانند روشن نہیں تھی لیکن جیبی ٹارچ ہماری رہنمائی کر رہی تھی البتہ ہم یہاں زیادہ محتاط ہو گئے تھے کیوں کہ اُوپر کی نسبت یہاں زیادہ خطرات ہو سکتے تھے۔ البتہ ایک بات کا میں نے اندازہ لگا لیا تھا وہ یہ کہ اگر پُوری رات بھی کوشش کی جاتی رہے تب بھی میں اس عمارت کی مکمل تلاشی نہیں لے سکتی اس لیے بہتر یہ ہے کہ چند اور کمرے دیکھ کر یہاں سے واپسی کا فیصلہ کر لیا جائے۔ قفل کھولنے کی مشین یہاں بہترین طور پر

کارگر ہوئی تھی۔ اس لیے میں نے کئی کمروں کے قفل کھول ڈالے اور وہاں کی سرسری تلاشی لے کر نکل آئی۔ اس بار میں نے جس کمرے کو کھولا تھا وہ ایک خواب گاہ تھی لیکن یہاں میں پریشان ہو گئی کیوں کہ جیسے ہی ہم نے دروازہ کھولا فلیش لائٹ کا ایک جھماکا ہوا اور ہماری آنکھیں چندھیا گئیں۔

چند لمحات تک آنکھوں کے سامنے دائرے رقص کرتے رہے اور پھر بصارت بحال ہو گئی۔ "یہ تو... یہ تو یوں لگتا ہے جیسے کیمرے کی فلیش لائٹ بھی ہو۔" شمس نے کہا

"ہاں۔ میرا خیال ہے ہماری تصویریں کھینچ گئی ہیں۔"

"خدا کی پناہ۔ یہ عمارت ہے یا کوئی سائنسی لیبارٹری۔"

"بس بات مت کرو شمس میں یہاں آ کر سخت حسد کا شکار ہو گئی ہوں۔"

"کیوں... ؟"

"خود میرے ذہن میں بھی ایسی انوکھی عمارت نہیں تھی۔ میں اپنے ہیڈ کوارٹر کے بارے میں بہت کچھ سوچتی تھی لیکن یہ سب کچھ میرے ذہن میں بھی نہیں تھا۔"

"اوہ۔ واقعی۔" شمس نے تائید کی۔

"لیکن یہ کیمرا کہاں ہے؟" میں نے پُرخیال انداز میں کہا "ہمیں اسے ضائع کر دینا چاہیے۔"

"وہ کیسے؟"

"ٹھہرو۔ میں کوشش کرتی ہوں۔" میں نے کہا اور اس حسین خواب گاہ کا دروازہ بند کر دیا پھر زمین پر لیٹ کر میں نے شمس سے کہا: "شمس دروازہ کھولو۔" اور شمس میرا مقصد سمجھ گئی۔ اس نے دروازہ اندر سے کھولا لیکن اس بار کوئی روشنی نہیں ہوئی تھی۔ میں یہاں بھی ناکام رہی تھی۔

دروازہ دوبارہ بند کر دیا گیا۔ میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ کمرہ ساؤنڈ پروف ہے اس لیے میں نے اندر سوئچ تلاش کر کے روشنی کر دی اور ایک خواب ناک منظر نمایاں ہو گیا۔ ایک خوبصورت مسہری پڑی ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ اعلا درجے کا فرنیچر بھی تھا۔ مسہری میں ایک سائیڈ دراز بھی تھی۔ دوسری چیزوں کو ٹٹولتے ہوئے میں نے سائیڈ دراز بھی کھول لی اور ننھی ننھی روشنیاں جگمگانے لگیں۔ یہ روشنیاں دو خوبصورت انگوٹھیوں میں جڑے ہوئے ہیروں کی تھیں... میں نے انگوٹھیاں نکال لیں اور ایک بار میں خوشی سے اچھل پڑی "شمس۔ شمس یہ دیکھو۔ اوہ۔ ثبوت اعلا درجے... کا ثبوت۔"

"کیا مطلب؟"

"ممکن ہے تم نے توجہ نہ دی ہو لیکن یہ انگوٹھیاں میں نے بن عارف کی انگلیوں میں دیکھی تھیں۔" میں نے مسرت سے کانپتے لہجے میں کہا۔

"اوہ... ہاں مجھے یاد آ رہا ہے۔ اوہ۔ بے شک۔ تمہاری نگاہ بھی خوب ہے۔" شمس نے جواب دیا۔

"گویا شمس، گویا..." میں نے کہا۔

"میں سمجھ گئی لیکن یہ یقین تو ڈاکٹر فرزانہ سے گفتگو کرنے کے بعد ہی ہو گیا تھا۔" شمس گہری سانس لے کر بولی۔

"میں انہیں رکھ لیتی ہوں۔ آؤ اب یہاں سے چلیں۔" میں نے کہا اور شمس فوراً تیار ہو گئی۔ وہ اس عمارت سے کافی خوفزدہ تھی۔ میرے ذہن میں بھی بہت سے خیالات تھے اور میں سوچ رہی تھی کہ کوئی بھی حرکت چوکیداروں کو ہماری طرف متوجہ کر سکتی ہے اور ایسی شکل میں اچھا خاصا ہنگامہ ہو جائے گا جو بہر حال کسی طور درست نہیں تھا۔ چنانچہ ہم اسی راستے سے واپس چل پڑے جس سے یہاں تک آئے تھے اور خدا خدا کر کے اس عمارت سے باہر نکل آئے۔

"خدا کی پناہ۔ عمارت تھی یا عجائب گھر؟" میں نے کار کی طرف بڑھتے ہوئے کہا اور شمس میری طرف دیکھ کر مسکرانے لگی۔

"میں تو اس شخص سے بہت متاثر ہو گئی ہوں عالیہ۔"

"بقراط سے؟"

"ہاں..."

"میری نگاہوں میں بھی وہ بے حد پُراسرار ہو گیا ہے۔ انوکھی شخصیت کا مالک ہے۔ تم یقین کرو شمس۔ میں اسے طویل عرصے تک ایک کاہل نکما اور معاشرے کے لیے ایک بدنما انسان تصور کرتی رہی ہوں۔"

"مگر وہ کیا نکلا۔"

"وہ مجھ سے قرض مانگتا رہا ہے لیکن شمس ایک بات سمجھ میں نہیں آتی۔"

"وہ کیا...؟"

"ایسی عمارت کی تکمیل میں بات لاکھوں سے نکل کر کروڑوں تک پہنچ جاتی ہے کیا تمہیں اس سے انکار ہے؟"

"ہرگز نہیں۔" شمس بولی۔

"یہ دولت اس کے پاس کہاں سے آئی؟"

"کیا مطلب؟"

"بھئی مطلب یہ ہے کہ اس کا باپ بے شک ایک دولت مند انسان ہے لیکن اس نے روزِ اوّل ہی سے اسے ساری مراعات سے محروم کر رکھا ہے۔ اس کے علاوہ وہ ایک طالب علم کی زندگی گزارتا رہا ہے۔ گویا عملی زندگی میں ابھی تک اس نے کوئی کارہائے نمایاں انجام نہیں دیے۔ ان حالات میں ایسی عظیم الشان عمارت کی تکمیل کے لیے اس نے دولت کہاں سے حاصل کی۔"

"کچھ بھی ہو عالیہ ایک بات تو میں کہوں گی وہ بہر حال کوئی بُرا انسان نہیں ہے تم مانو یا نہ مانو۔ میں کسی طور اسے بُرا نہیں سمجھتی۔"

"جلد بازی نہ کرو۔ کم از کم اس وقت تک ہم فیصلہ کُن بات نہیں کر سکتے جب تک اس کی پوزیشن واضح نہ ہو جائے۔" میں نے کار کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا اور پھر ہم دونوں کار میں بیٹھ کر چل پڑے۔ رُخ پوائنٹ تھری کی طرف ہی تھا۔

⧉

دوسری صبح میں نے اخبارات میں نارمن ٹریولرز کا اشتہار دیکھا اور فوری طور پر تیاریاں شروع کر دیں۔ میں اپنی اس کوشش سے بہت پُرامید تھی اس لیے میں نے نازش کو بُلا لیا۔

"آج کچھ خاص کام کرنے ہیں نازش؟"

"جی عالیہ صاحبہ حکم دیجیے۔"

"یہ اشتہار دیکھو..."

"جی دیکھ چکا ہوں۔"

"تمہیں اس کے بارے میں تھوڑی سی تفصیل بتا چکی ہوں۔"

"جی ہاں میں نے اشتہار دیکھتے ہی اس بارے میں سوچا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ آپ اسے دیکھ کر ضرور چونکیں گی۔"

"ہاں لیکن میں نہیں چونکی اور اس کی ایک وجہ بھی ہے۔"

"وہ کیا عالیہ صاحبہ؟"

"یہ کہ اشتہار میں نے ہی شائع کرایا ہے۔"

"اوہ..." اس بار نازش چونکا تھا... "آپ نے؟"

"ہاں چارہ ہے۔ ممکن ہے شکار آ ہی پھنسے... تم اپنی ذمے داری سمجھ لو شمس میک اپ میں وہاں جائے گی اور وہ میک اپ وہی ہو گا جس کی طرف وہ لوگ متوجہ ہوتے ہیں۔ تمہیں اُس آدمی پر نگاہ رکھنی ہے جو شمس کو ٹریس کرے گا۔ نہ صرف نگاہ رکھنی ہے بلکہ اس کے بارے میں مکمل معلومات بھی حاصل کرنی ہیں۔ کسی طور پر وہ شخص نگاہوں سے اوجھل نہ ہونے پائے۔"

"جی خاتون۔"

"تم اس کی اہمیت سمجھ رہے ہو گے؟"

"جی ہاں لیکن چند سوالات ذہن میں ہیں۔" نازش بولا۔

"براہِ کرم پوچھو۔"

"اگر وہ اشتہار اس نے نہیں دیا تو پھر وہ اس کی طرف کیوں متوجہ ہو گا... بلکہ وہ تو اسے کوئی سازش ہی سمجھے گا۔"

"تمہارا سوال اہمیت رکھتا ہے لیکن میں نے کہا نا کہ صرف ایک کوشش کی ہے۔ میرے اندازے کے مطابق وہ صرف ایک مہرہ ہے۔ اشتہار ممکن ہے کہیں اور سے ریلیز ہوتا ہو اور اس کی ڈیوٹی صرف یہ ہو کہ وہ اپنی مطلوبہ لڑکیوں کو ٹریس کرے اور انہیں وہاں تک پہنچا دے۔"

"ہاں یہ ممکن ہے۔" نازش نے اعتراف کیا۔

"اس طرح یہ بھی ممکن ہے کہ وہ اشتہار دیکھ کر اپنی ڈیوٹی پر چل پڑے اور ہم اس پر ہاتھ ڈال دیں۔"

"نہایت جامع پروگرام ہے۔"

"اس لیے اس وقت تک اس پر نگاہ رکھو جب تک اس کے نگاہوں سے اوجھل ہونے کا خطرہ نہ ہو۔ جو کچھ معلومات حاصل ہو سکیں وہ حاصل کر دو اور پھر اُسے اغوا کر لو۔ میں چاہتی ہوں وہ کسی قیمت پر ہاتھ سے نہ نکلے... اگر ہم نے اسے زیادہ وقت دے دیا تو ممکن ہے اس پر اس حقیقت کا انکشاف ہو جائے کہ اشتہار کسی اور نے دیا ہے۔"

"میں سمجھ رہا ہوں لیکن کیوں نہ اس پر براہِ راست ہاتھ ڈال دیا جائے...؟"

"نہیں تھوڑی سی مہلت ضرور دو۔ ممکن ہے ہم کسی عمدہ ٹھکانے سے واقف ہو جائیں۔"

"او۔ کے چیف!" نازش نے میری بات سے اتفاق کرتے ہوئے کہا۔ "میں آپ سے دوسری ملاقات نہیں کروں گا کیونکہ میں فوراً اپنی ڈیوٹی پر روانہ ہو رہا ہوں۔"

"خدا حافظ۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور نازش چلا گیا۔ تب میں نے اور شمس نے جلدی جلدی ہلکا سا ناشتہ کیا اور پھر میں شمس کو لے کر میک اپ روم میں آ گئی۔

شمس کے چہرے پر میں نے اپنی تمام تر مہارت کے ساتھ میک اَپ کیا تھا۔ اس کی ٹھوڑی میں ایک خوبصورت گڑھا بنایا تھا اور بائیں گال پر ایک تل نمایاں کر دیا تھا جو اُس کے سفید رنگ پر بے حد حسین لگ رہا تھا پھر جب شمس نے خود کو آئینے میں دیکھا تو بولی۔ "ہائے کاش... میری اصلی شکل یہی ہوتی۔"

"اچھا اب بیکار باتیں مت کرو اور سنو۔ تم نسلاً ایرانی ہو ایک غم زدہ لڑکی جو بے حد پریشان حال ہے۔ ایک مقامی نوجوان جس کا نام عادل تھا تمہیں محبت کا جھانسہ دے کر یہاں لے آیا۔ اس نے تم سے شادی کر لی اور تمہیں یہاں کی شہریت مل گئی تین ماہ وہ تمہارے ساتھ رہا اور پھر ایک رات تمہیں چھوڑ کر چلا گیا... جو کچھ تم ساتھ لائی تھیں اُس میں سے کوئی چیز اُس نوجوان نے نہیں چھوڑی تھی۔ اس کے بعد تم بے کسی کی زندگی گزار رہی ہو۔ تم گھر واپس نہیں جانا چاہتیں کیوں کہ تم نے جن لوگوں کو دھوکا دیا ہے اب ساری عمر اُنہیں مُنہ نہیں دکھاؤں گی۔ اِس لیے تمہیں ملازمت کی تلاش ہے کیا سمجھیں؟"

"خُدا کی پناہ۔ کیا واقعی میں یہ سب کچھ کر چکی ہُوں؟" شمس آنکھیں پھاڑ کر بولی۔

"ہاں کر چکی ہو۔ جاؤ اب لباس بدل لو۔ تمہارے پرس میں دس پندرہ روپے سے زیادہ نہیں ہونے چاہئیں... جس عمارت کے سامنے تم جاؤ گی وہاں نارمن ٹریولرز نامی کوئی فرم نہیں ہے لیکن تم ریسیپشنسٹ سے کہو گی کہ وہ تمہاری مدد کرے۔"

"او۔ کے۔" شمس نے گردن ہلا دی اور پھر وہ وہاں سے اُٹھ کر باہر نکل گئی۔ میں اب اپنے چہرے کی جانب متوجہ ہو گئی تھی۔ میں خود بھی شمس سے دُور نہیں رہنا چاہتی تھی۔ چنانچہ میں نے اپنے چہرے کی مرمت بھی کر لی اور خاص تبدیلیاں کر کے اُس سے مطمئن ہو گئی۔

تھوڑی دیر کے بعد شمس نے دروازے پر دستک دی اور میں اُٹھ کر دروازے پر پہنچ گئی۔ "کون ہے؟" میں نے پُوچھا۔

"شمس۔" جواب ملا۔

"تیار ہو گئیں؟"

"بالکل۔"

"تو دفع ہو جاؤ۔ موٹر رکشا میں سفر کرنا۔ ٹیکسی میں بہت پیسے خرچ ہوتے ہیں اور اتنا خرچ تم جیسی لڑکی کو زیب نہیں دیتا۔"

"دروازہ نہیں کھولو گی؟" شمس نے پوچھا۔

"جی نہیں۔ آپ اب یہاں سے رفوچکر ہو جائیں..." میں نے جواب دیا۔

"اچھا خدا حافظ۔" شمس نے کہا اور اُس کے قدموں کی چاپ دُور ہو گئی۔ میں اپنی موجودہ شکل میں اُس کے سامنے نہیں آنا چاہتی تھی کیوں کہ میرا خود بھی یہی پروگرام تھا کہ میں اُس سے دُور نہ رہوں۔ شمس کی زندگی کے لیے میں کوئی خطرہ مول نہیں لے سکتی تھی لیکن اگر شمس کو اندازہ ہو جاتا کہ میں اُس کے ساتھ ہُوں تو وہ زیادہ خود اعتمادی سے کام نہیں لے سکتی تھی۔ اس لیے میں اس کے سامنے نہیں آنا چاہتی تھی۔ ہاں اُس کے جانے کے بعد میں جلدی سے باہر نکل آئی اور پھر ایک کار لے کر اُس علاقے کی طرف چل پڑی جہاں نارمن ٹریولرز کی بلڈنگ تھی یعنی وہ بلڈنگ جس میں اس دفتر کا وجود نہیں تھا۔

شمس اس وقت تک وہاں نہیں پہنچی تھی میں تھوڑی دیر رُک گئی اور پھر جب میں نے اسے رکشے سے اُترتے دیکھ لیا تو عمارت میں داخل ہو گئی۔ وہی مظلوم ریسیپشنسٹ سر پکڑے بیٹھا تھا جو اس اشتہار سے سخت پریشان ہو جاتا تھا... سامنے ہی وہ پلیٹ رکھی ہُوئی تھی جس پر لکھا تھا۔

"نارمن ٹریولرز نامی کوئی ادارہ اس بلڈنگ میں نہیں ہے اخبار کا اشتہار جعلی اور جھوٹا ہے۔"

میں آہستہ آہستہ اُس کی طرف بڑھ گئی۔ تھوڑے فاصلے پر ہی کئی لڑکیاں موجود تھیں اور کچھ گفتگو کر رہی تھیں۔ جوں جوں میں ریسیپشنسٹ کی طرف بڑھ رہی تھی وہ کسی مُرغے کی طرح پھُولتا جا رہا تھا۔

"اے تختی پڑھ لو بی بی۔ میرے کو کچھ بولنے سے پہلے تختی پڑھ لو۔" اُس نے دانت پیستے ہُوئے کہا۔

"ہیلو..." میں نے باریک آواز میں اُسے مخاطب کیا۔

اُسی وقت شمس بھی وہاں پہنچ گئی۔ اُس نے مجھ پر غور نہیں کیا تھا جس کا مطلب تھا کہ اُسے میرے اُوپر کوئی شُبہ نہیں ہُوا ہے۔

"اے بولو بابا۔ خُدا کا واسطہ بولو۔ اے کاٹے کو میرا جندگی حرام کرتا بابا بولو۔ مگر پہلے تختی پڑھ لو۔"

"مجھے معاف کیجیے گا جناب۔ میں اُردو نہیں سمجھتی... یہ نارمن ٹریولرز۔" میں نے کہا۔

"ارے باپ رے۔ نام جرور لو گی۔ نارمن ٹریولرز نامی کوئی

فرم اس عمارت میں موجود نہیں ہے۔ اخبار کا اشتہار جھُوٹا ہے۔ اپنے گھر جا کر آرام کرو۔ یہ اشتہار صرف مذاق ہے..." اُس نے انگریزی میں کہا۔

"یہ مذاق کس نے کیا ہے؟"

"میں نے نہیں کیا بی بی... خُدا کسم میں نے نہیں کیا جس نے کیا اُس کا ستیاناس ہو جائے۔" وہ بے اختیار پھر اُردو بول پڑا لیکن پھر اُس کا انگریزی میں ترجمہ کرنے لگا شمس بھی وہیں کھڑی اُس کی گفتگو سُن رہی تھی۔ میں نے اس بے چارے کو زیادہ پریشان کرنا پسند نہ کیا اور مایوس سی وہاں سے پلٹ آئی۔ اس کے بعد شاید شمس نے بھی ریسیپشنسٹ سے اپنا حصہ وصول کیا تھا۔ میں دُور کھڑی اُسے دیکھ رہی تھی اور اُس کے ساتھ ہی میری نگاہیں چاروں طرف بھٹک رہی تھیں۔ مجھے بشیر احمد جلالی کی تلاش تھی لیکن دُور دُور تک اس کا کوئی نشان نہیں تھا۔

میں دیکھتی رہی۔ شمس بھی افسردہ سی وہاں سے پلٹ آئی۔ اس وقت میں شمس کی کارکردگی کا بھی جائزہ بہ آسانی لے سکتی تھی اور مجھے خوشی ہُوئی کہ شمس نہایت کامیابی سے اپنا کردار ادا کر رہی تھی۔

پروگرام کے مطابق تھوڑی دیر تک وہ وہاں کھڑی رہی اور پھر سُست قدموں سے عمارت کے بیرونی راستے کی طرف چل پڑی اور اسی وقت میرا دل اُچھل کر حلق میں آ گیا جب میں نے ایک لمبے کوٹ والے بوڑھے آدمی کو اُس کی طرف بڑھتے دیکھا۔ میک اَپ۔ میرے ذہن نے نعرہ لگایا۔ میں اس شخص کی جسامت پر غور کرنے لگی۔ سو فیصد... بشیر احمد جلالی... وہ مارا ... میرے ذہن نے خوشی سے نعرہ لگایا اور میں آہستہ آہستہ چل پڑی...

بوڑھا آدمی شمس کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا اور اب شمس اس سے باتیں کر رہی تھی۔ وہ دونوں سُست روی سے آگے بڑھ رہے تھے پھر بوڑھے آدمی نے جیب سے ایک کارڈ نکال کر اُسے دیا اور شمس کارڈ دیکھنے لگی۔ اُس نے کارڈ دیکھ کر گردن ہلائی تھی اور پھر اُس کی گردن جھُک گئی۔ بوڑھے نے اُس کے سر پر ہاتھ رکھا تو شمس بسورنے لگی۔ وہ نہایت کامیابی سے اپنا پارٹ پلے کر رہی تھی اور میں بہت خوش تھی پھر بوڑھا شمس کو سہارا دے کر ایک طرف لے گیا۔ میں نے ان دونوں کو سُرخ رنگ کی ایک اسٹیشن ویگن کے پاس رُکتے ہُوئے دیکھا۔ بوڑھے نے جیب سے چابی نکال کر لاک کھولا اور پھر اندر بیٹھ کر دُوسری طرف کا دروازہ کھول دیا۔ شمس اُس کے ساتھ بیٹھ گئی تھی۔ میں برق رفتاری سے اپنی کار تک پہنچی تھی لیکن وہاں نازش، عدنان اور باسط کو بھی میں نے دیکھ لیا تھا۔

باسط اور عدنان موٹر سائیکلوں پر تھے اور نازش سفید رنگ کی ایک نئے ماڈل کی کرولا میں تھا۔ یہ تینوں بھی سُرخ ویگن کے پیچھے چل پڑے گویا نہایت کامیابی سے کام ہو رہا ہے۔ ممکن ہے اس بار کچھ کامیابی نصیب ہی ہو جائے۔ بڑے دنوں سے ٹامک ٹوئیاں مار رہی ہُوں۔ میں نے گہری سانس لے کر سوچا اور کامیابی سے ان لوگوں کا تعاقب کرتی رہی لیکن اس وقت مجھے سخت حیرت ہُوئی تھی جب میں نے اسٹیشن ویگن کو جونیئر ہاؤس بلڈنگ کے سامنے ہی رُکتے دیکھا۔ مجھے تو علم ہُوا تھا کہ بشیر احمد جلالی اب اس بلڈنگ میں موجود نہیں ہے۔

دونوں کار سے اُتر کر اُوپر چل پڑے اور میں رُک کر دیکھنے لگی۔ نازش نہایت پھُرتی سے کار سے اُتر کر اُن کے ساتھ چل پڑا تھا اور اُس کے پیچھے میرے دُوسرے دونوں کارکن۔

ان حالات میں، میں نے اُوپر جانا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ کام بخوبی ہو رہا تھا چنانچہ میں انتظار کرتی رہی اور تقریباً آدھے گھنٹے تک انتظار کرنا پڑا پھر مجھے شمس نیچے آتی نظر آئی۔ اس سے کچھ فاصلے پر باسط تھا جو اس سے لاتعلق سا چل رہا تھا۔ نیچے آ کر شمس رکشے کی تلاش میں نگاہیں دوڑانے لگی اور پھر دُور کھڑے ہُوئے ایک آٹو رکشا کی طرف بڑھ گئی۔ اسی وقت باسط سیدھا میری طرف آیا اور میں چونک پڑی۔

"سوری چیف۔ کیا آپ مس شمس پر نگاہ رکھیں گی... اس وقت میری یہاں ضرورت ہے۔"

"اوہ۔ تم نے مجھے کیسے پہچان لیا باسط؟"

"اس گاڑی سے چیف۔" باسط مُسکرایا۔

"خُوب۔" میں نے گردن ہلائی۔ "ہاں ٹھیک ہے... تم جاؤ میں اس پر نگاہ رکھوں گی۔" میں نے کہا اور باسط گردن ہلا کر چلا گیا۔ یہ بھی خوب رہی۔ ظاہر ہے گاڑی ڈپارٹمنٹ ہی میں ہی رہتی تھی۔ وہ اُسے کیوں نہ پہچانتے۔

شمس آٹو رکشا میں بیٹھ گئی اور میں وہاں کھڑی قرب و جوار میں نگاہ دوڑانے لگی لیکن میں نے کسی کو شمس کے تعاقب میں جاتے نہیں دیکھا تھا۔ اس کا مطلب ہے

کہ شمس کا تعاقب ضروری نہیں سمجھا گیا پھر میں نے کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔ آٹو رکشا اب کار سے تھوڑے فاصلے پر جا رہا تھا۔ تعاقب میں کوئی گاڑی نہ تھی۔ میں نے پوری طرح یقین کر لیا کہ شمس کا تعاقب نہیں کیا جا رہا تو تو کسی قدر مطمئن ہو گئی۔ شمس نے پوائنٹ تھری کی عمارت سے کافی فاصلے پر رکشا رکوایا اور نیچے اتر کر پیسے ادا کرنے لگی۔ اس کے بعد وہ پیدل چل پڑی۔

رکشا مڑ کر نگاہوں سے اوجھل ہو گیا تو میں نے کار آگے بڑھائی اور شمس کے پاس پہنچ گئی۔ قریب جا کر میں نے ہارن دیا تو وہ چونک پڑی۔

"شمس۔ آ بھی جاؤ۔ . . ؟" میں نے اصل آواز میں کہا اور شمس کی رفتار کو بریک لگ گئے۔ وہ اپنی جگہ کھڑی رہ گئی تھی۔ میں نے گاڑی آگے بڑھا دی اور دروازہ کھول دیا۔

"تشریف لایئے سرکار۔" میں نے کہا اور وہ خاموشی سے کار میں آ بیٹھی۔

"تو یوں ہمیں اُلو بنایا گیا تھا ؟" اس نے منہ پھلاتے ہوئے کہا۔

"ہرگز نہیں۔ یہ ایک ضرورت تھی شمس۔ اگر میں تمہیں صورتِ حال بتا دیتی تو تم اس خود اعتمادی سے کام نہ کرتیں۔"

"اچھا بیکار باتیں بند۔ آؤ۔" میں کار سے اترتی ہوئی بولی اور ہم دونوں دوسرے لوگوں کو نظر انداز کر کے ایک کمرے میں آ بیٹھے۔ "مجھے بے حد مسرت ہے شمس کہ میری یہ کوشش کامیاب رہی۔"

"لیکن میری عقل بیکار ہو کر رہ گئی ہے عالیہ۔"

"کیوں . . . ؟"

"کیا بتاؤں کس قدر نرم خو اور مخلص انسان تھا۔ میرے ذہن کی کیفیت اس کی باتوں سے عجیب ہو رہی تھی۔"

"ابتدا سے شروع کرو۔"

"تم تو نگرانی کر ہی رہی تھیں۔ وہ اچانک میرے پاس پہنچا تھا اور پھر بڑے پیار سے اس نے مجھے بیٹی کہہ کر مخاطب کیا۔ میں ٹھٹک گئی تو بولا۔ میں نے تمہیں ایک مقدس نام سے پکارا ہے بیٹی . . . اس لیے اُمید ہے تکلفات چھوڑ دو گی۔"

فرمایئے جناب۔" میں نے کہا۔

"کیا تم بھی اسی ذلیل مذاق کا شکار ہوئی ہو؟"

"کون سا ذلیل مذاق ؟"

"نارمن ٹریولرز ؟"

"جی ہاں۔ میری بدبختی نے یہاں بھی میرا ساتھ نہیں چھوڑا۔"

"پریشان حال ہو ؟"

"نہ ہوتی تو یوں اپنی ذات کو ملیامیٹ نہ کر دیتی۔"

"مقامی نہیں معلوم ہوتیں ؟"

"جی ہاں ایرانی ہوں۔"

"آہ۔ اتفاق سے میری پیدائش بھی ایران کی ہے۔ ماں مقامی تھی اور باپ ایرانی۔ میرا نام شاہان یزدانی ہے۔ بیٹی اس سے قبل بھی میں اس اشتہار سے واقف ہوں۔ کوئی دیوانہ یہ غیر انسانی حرکت کرتا ہے۔ پریشان حال لڑکیوں کو اس طرح بلا کر ان کا مذاق اُڑاتا ہے لیکن بیٹی تم تنہا بیرونِ ملک کیوں جانا چاہتی ہو ؟"

"میرے حالات مجھے اس کے لیے مجبور کرتے ہیں۔"

"مجھ پر اعتماد کرو تو تھوڑا سا وقت مجھے دو۔ ممکن ہے میں تمہاری کوئی مدد کر سکوں۔ میں لاولد انسان ہوں اور میں نے تمہیں بیٹی کہہ کر مخاطب کیا ہے۔"

"فرمایئے . . . ؟" میں نے کہا۔

"آؤ میرے ساتھ۔" اس نے کہا اس کے بعد عالیہ وہ مجھے جونیئر ہاؤس بلڈنگ لے گیا جہاں کمرہ نمبر تیس میں اس کا ایک چھوٹا سا دفتر یزدانی ٹریڈرز کے نام سے موجود ہے۔ دفتر میں ایک چپراسی کے علاوہ کوئی نہیں تھا۔ اس نے ایک مشروب سے میری تواضع کی اور پھر مجھ سے میرے حالات پوچھے تو میں نے تمہاری رٹائی ہوئی کہانی سنا دی جس پر وہ دیر تک ملول رہا پھر اس نے پیش کش کی کہ وہ مجھے میرے والدین کے پاس بھجوا سکتا ہے جسے میں نے سختی سے مسترد کر دیا۔ اس کے بعد اس نے کہا کہ میں باہر جانے کا خیال دل سے نکال دوں اور اس کے پاس کام کروں۔ وہ مجھے تین ہزار روپے ماہوار تنخواہ دے گا۔ ظاہر ہے مجھے اس کا ممنون ہونا چاہیے تھا۔"

"یقیناً۔" میں نے ہنس کر کہا۔

"تو میں اس کی ممنون ہوئی اور کل سے میں اپنی ڈیوٹی سنبھال لوں گی۔ ابتدائی ضروریات کے لیے یہ ایک ہزار روپے اس نے مجھے دیئے ہیں۔" شمس نے ایک ہزار روپے کے نوٹ مجھے تھما دیئے۔

"ہوں۔" میں نے گہری سانس لی۔ "تو انہوں نے طریق کار

بدل دیا۔

"کیا مطلب ؟"

"یعنی اِن دنوں وہ لڑکیوں کو ملک سے باہر نہیں بھیج رہے۔"

"لیکن عالیہ تمہیں یقین ہے ؟" شمس نے پریشان لہجے میں کہا۔

"کس بات کا ؟"

"یہی کہ وہ تمہارا مطلوبہ آدمی ہی تھا ؟"

"تم اُس سے بہت متاثر ہوئی ہو ؟"

"بڑی عجیب سی شخصیت تھی۔ ایک تھکا تھکا سا انسان پُرمحبت۔ اُس کی آنکھوں سے محبت پھوٹتی تھی۔"

"وہ میک اپ میں تھا شمس۔"

"کیا مطلب ؟" شمس اُچھل پڑی۔

"ہاں۔ وہ سفاک درندہ میک اپ میں تھا۔ وہ کوئی بوڑھا انسان نہیں ہے۔"

"خدا کی قسم یقین نہیں آتا۔"

"یقین آج رات تک آجائے گا۔" میں نے وثوق سے کہا اور شمس گردن جھکا کر کچھ سوچنے لگی۔ لیکن اُسے رات تک انتظار نہیں کرنا پڑا۔ ہم دونوں دوپہر کے کھانے سے فارغ ہوئے تھے کہ نازش پہنچ گیا۔

"بے وقت تکلیف دینے کی معافی چاہتا ہوں محترمہ عالیہ لیکن کیا کروں کام وقت سے بہت پہلے ختم کرنا پڑا۔" نازش نے کہا۔

"اوہ۔ کیا بات ہے نازش ؟" میں نے چونک کر پوچھا اور نازش نے دروازے کی طرف رُخ کر کے آواز دی۔

"ڈولی۔ اندر آجاؤ۔" ڈولی اندر آ گئی۔ اُس نے تین انچ کے قطر کا ایک چھوٹا سا بکس میز پر رکھ دیا اور نازش اس پر مصروف ہو گیا۔ میں تعجب سے اس بکس کو دیکھ رہی تھی۔ چند ساعت کے بعد اُس میں ایک سرخ بلب روشن ہو گیا اور پھر ہلکی سی کھرکھراہٹ کی آواز اُبھری۔ اس کے بعد ایک آواز . . . "ہیلو۔ ہیلو۔ وائی نائن۔ ہیلو وائی نائن۔"

"خیریت مسٹر جلالی ؟" دوسری بھاری آواز سنائی دی اور میں بُری طرح اچھل پڑی۔ یہ وہی آواز تھی جسے میں کئی بار سن چکی تھی۔

"جناب۔ ایک موتی دستیاب ہو گیا ہے۔"

"کیا مطلب ؟"

"ہم نے بدلے ہوئے پروگرام کے تحت اُسے حاصل کرایا ہے کل . . ."

"کیا بکواس کر رہے ہو جلالی ؟" دوسری طرف سے بات کاٹ دی گئی۔

"جی وہ۔ میرا مطلب ہے۔" پہلی آواز میں حیرت نمودار ہو گئی تھی۔ "میرا مطلب ہے جناب۔ پروگرام کے تحت۔۔"

"کون سے پروگرام کی بات کر رہے ہو ؟"

"اوہ۔ کوئی خاص بات ہے جناب ؟ میرا مطلب ہے آپ مصروف ہیں ؟"

"نہیں لیکن مجھے تفصیل بتاؤ ؟"

"اشتہار تھا آج جناب"

"کیا . . . ؟" بھاری آواز میں حیرت تھی۔

"جی، وہ اخبار میں اشتہار۔"

"اوہ رُکو۔ رُکو۔ ایک منٹ ہولڈ کرو۔" بھاری آواز کا اضطراب نمایاں تھا اور پھر کئی منٹ گزر گئے پھر وہی آواز اُبھری۔ "جلالی . . ."

"جنابِ عالی . . ." جلالی پریشان لہجے میں بولا۔

"سازش ہوئی ہے۔ اشتہار ہماری طرف سے شائع نہیں ہوا۔ جعلی اشتہار ہے کوئی جال بچھایا گیا ہے۔"

"اوہ . . . مم . . . مجھے اندازہ نہیں تھا۔"

"کوئی آیا ہے ؟"

"جی ہاں۔ ایرانی نژاد ہے۔ ہوبہو ہمارے معیار کی۔"

"کہاں ہے اس وقت ؟"

"میں نے کل بلایا ہے ؟"

"ضروری چیزیں لے کر وہاں سے نکل آؤ . . . اور جہاں روپوش ہو سکتے ہو، ہو جاؤ۔ میک اپ بدل کر باہر آنا اور تعاقب کا خیال رکھنا۔ اگر کوئی تعاقب میں ہو تو اُسے ڈاج دینا ہے اسی پر تمہاری زندگی کا انحصار ہے۔ ورنہ تمہیں نقصان دہ سمجھا جا سکتا ہے۔" بھاری آواز میں غراہٹ پیدا ہو گئی۔

"جنابِ عالی۔ کیا میں آپ کے پاس . . . ؟"

"گولی مار دوں گا اگر میری طرف کا رُخ کیا۔" آواز نے خوفناک لہجے میں کہا۔

"بب بہت اچھا جنابِ عالی۔" آواز بند ہو گئی اور نازش نے بکس کا سوئچ آف کر دیا۔ میرا چہرہ جوشِ مسرت سے سرخ ہو رہا تھا۔

"یہ گفتگو تم نے کہاں سے ٹیپ کی نازش ؟"

"خوش بختی سے مجھے اس میں دِقت نہیں ہوئی۔ میں یہاں سے انتظام کر کے چلا تھا۔ بس دو تار ٹیلی فون لائن سے ملانے پڑے اور کام بن گیا۔" نازش نے جواب دیا۔

"اس ذہانت اور اعلا کارکردگی پر میری طرف سے دلی مبارک باد قبول کرو۔ یہ تمہاری ذاتی محنت ہے۔ میری طرف سے اس کی کوئی ہدایت نہیں تھی۔" میں نے کہا۔

"یہ ہماری ڈیوٹی ہے چیف۔ ہم نے آپ کا مقصد سمجھ لیا تھا۔" نازش بولا۔

"خیر... اس کے بعد کیا رہی؟"

"بشیر احمد جلالی کے پاس شاید دفتر میں میک اپ کا سامان موجود نہیں تھا اس لیے وہ بدحواسی میں یونہی نکل آیا اور پھر اُس نے ساحلی علاقے کے ایک مکان میں پناہ لی تھی۔ اس کے بعد میں نے اُسے وہاں چھوڑنا مناسب نہیں سمجھا اور مکان میں داخل ہو کر ہم نے اُسے بے ہوش کیا اور اُٹھا لائے۔"

"کہاں ہے وہ؟"

"روم نمبر بارہ میں موجود ہے۔"

"مکان کی تلاشی لی؟"

"ایک بھی کام کی چیز نہیں ملی۔"

"اُس کے پاس سے بھی کچھ برآمد نہیں ہوا؟"

"کچھ نہیں۔ میرے خیال میں کچھ تھا ہی نہیں۔ ویسے عدنان کو میں نے دفتر کی تلاشی کے لیے چھوڑ دیا ہے۔ ممکن ہے وہ کوئی کام کی چیز لائے۔" نازش نے جواب دیا اور میں گردن ہلاتی رہی۔ نازش کی کارکردگی بلاشبہ قابلِ تحسین تھی۔ اس کے بعد بھی میں نے اُس سے بہت سے توصیفی کلمات کہے اور پھر پوچھا۔

"کب تک ہوش میں آ جائے گا؟"

"ممکن ہے آ گیا ہو۔" نازش بولا۔

"لباس میں کوئی غلط چیز تو نہیں ہے؟"

"نہیں چیک کر لیا ہے۔"

"اُسی میک اپ میں ہے؟"

"جی ہاں۔"

"ٹھیک ہے نازش۔ تھوڑی دیر آرام کر لو۔ ہاں ذرا اسے آپریٹ کرنے کا طریقہ بتاؤ۔ میں یہ گفتگو ایک بار پھر سنوں گی۔" میں نے اس... بکس کی طرف اشارہ کیا اور نازش مجھے اس کے بارے میں بتانے لگا اور پھر وہ باہر چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد میں نے شمس کی طرف دیکھا۔

"افسوس۔ ابھی میں گونگی اور بہری ہوں۔" وہ ٹھنڈی سانس لے کر بولی۔

"فکر مت کرو۔ تمہاری یہ کمی جلد پوری ہو جائے گی۔"

"تم بہت پُرجوش ہو۔ اس کا مطلب ہے کہ تمہیں اپنی کوشش میں کامیابی ہوئی ہے۔" شمس نے کہا۔

"ہاں شمس۔ غیر معمولی کامیابی۔" میں نے کہا اور شمس کو پوری تفصیل بتا دی۔ اس کے بعد میں نے دوبارہ ٹیپ سنا اور اس کا ترجمہ کر کے شمس کو بتاتی رہی۔ شمس بھی دلچسپی سے یہ سب سُن رہی تھی۔

"تمہارے ساتھی بے حد ذہین ہیں۔ اب کیا پروگرام ہے؟"

"بس اب اُس سے معلومات حاصل کرنی ہیں۔ یقین کرو شمس یہ میری پہلی ٹھوس کامیابی ہے۔ میں بہت خوش ہوں ابھی تھوڑی دیر کے بعد میں اُس شریف آدمی کا بھرم کھولوں گی۔ جس سے تم بے حد متاثر ہوئی ہو۔"

"کیا وہ اعتراف کرے گا؟" شمس نے پوچھا۔

"اُسے کرنا ہو گا شمس۔ ورنہ زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے گا۔" میں نے خونخوار لہجے میں کہا اور شمس خاموش ہو گئی۔ شام کو پانچ بجے میں اور شمس تیار ہو گئیں۔ ہم نے نازش کو بھی اطلاع کرا دی تھی اور نازش نے ضروری تیاریاں کر لی تھیں میں نے نازش کو اس سلسلے میں ہدایات دیں اور نازش نے گردن ہلا دی پھر یہ پورا گروہ اس کمرے میں داخل ہو گیا۔ جہاں بشیر احمد جلالی موجود تھا۔ اُس نے گہری نگاہوں سے ہم سب کا جائزہ لیا تھا اور پھر اُس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"ہیلو..." اُس نے بڑے جاندار لہجے میں کہا اور میں آگے بڑھ آئی۔

"تم نے ابھی تک اپنا میک اپ نہیں اُتارا بشیر احمد جلالی"

"اُتار دوں؟" اُس نے پوچھا۔

"بہتر ہو گا۔ میری دوست تمہاری اصلی شکل دیکھنا چاہتی ہے۔" میں نے شمس کی طرف اشارہ کر کے کہا... زبان انگریزی استعمال ہو رہی تھی۔ اس لیے شمس بھی سب کچھ سمجھ رہی تھی۔ بشیر احمد جلالی نے خاموشی سے میک اپ اُتار دیا اور اُس کی اصلی شکل نمایاں ہو گئی۔ شمس دم بخود رہ گئی تھی۔

"تمہاری بازیابی کے لیے ہم نے جو تگ و دو کی ہے اس کا اندازہ تمہیں ضرور ہو گا جلالی؟" میں نے کہا۔

"بخوبی... لیکن ایک سوال ہے ذہن میں۔" وہ پورے اعتماد سے گفتگو کر رہا تھا۔

"کیا...؟"

"یہاں بھی تم ہی نمایاں نظر آتی ہو جب کہ ہم لوگ کسی طور پر یہ ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں کہ اس مشن کی رُوحِ رواں تم ہو۔"

"یہاں جتنے لوگ موجود ہیں سب اس مشن کے رُوحِ رواں ہیں۔"

"پھر بھی تمہارا سربراہ تو کوئی ہو گا ہی؟"

"تم ابھی تک اُس کی تلاش میں ہو؟"

"میں نہیں۔ میرے کرم فرماؤں کو اس کی تلاش ضرور ہے۔ بہرحال میرے لائق جو خدمت ہو مجھے بتاؤ۔" اُس نے کہا۔

"تمہیں خود بھی اندازہ ہو گا بشیر احمد۔"

"بخوبی... ویسے سُنو۔ اذیت رسانی کے جو آلات تم لوگ ساتھ لائے ہو میں بلاشبہ انہیں دیکھ کر خوف زدہ ہوں... اور شاید میرا وجود اس اذیت کو برداشت بھی نہیں کر سکے گا... میں تعلیم یافتہ انسان ہوں اور حالات کو سمجھنے کی اہلیت رکھتا ہوں بڑے لوگوں کا کوئی معیار نہیں ہوتا۔ اُن کی نگاہ میں وہی لوگ قابلِ عزت اور بھروسہ ہوتے ہیں جو کوئی لغزش کیے بغیر اُن کے لیے کام کرتے رہیں اور جب اُن سے کوئی لغزش ہو جاتی ہے تو پھر اُن کی زندگی کا ہر لمحہ موت سے ہمکنار ہوتا ہے۔ ایسا ہی مجھ سے ہوا ہے اور میں اسے اپنی خوش قسمتی سمجھتا ہوں کہ تم لوگ مجھ تک پہنچ گئے اور مجھے یہاں اُٹھا لائے۔ ممکن ہے اس طرح میری زندگی کے کچھ لمحات بڑھ جائیں۔ میں اُن سارے کاموں کا اعتراف کروں گا جو میں نے کیے ہیں۔ مجھے قید رکھ کر اُن کی تصدیق کر لینا۔ اگر ایک بات بھی جھوٹ نکل آئے تو میں خودکشی کرنے کو تیار ہوں۔ اب آگے تمہاری مرضی ہے۔" بشیر احمد نے کہا۔

"ٹھیک ہے بشیر احمد۔ ہم تم سے تعاون کریں گے..." میں نے کہا۔

"شکریہ عالیہ خاتون۔" بشیر احمد نے کہا۔

"خوب۔ تو تم مجھے جانتے ہو؟" میں نے مسکرا کر کہا۔

"ہاں بخوبی... مجھے آپ کے بارے میں تفصیل بتائی گئی تھی۔"

"بہت خوب۔ اچھا بشیر احمد صاحب مخصوص خدوخال کی لڑکیوں کے حصول اور اُن کے قتل کا ذمے دار کون شخص ہے؟"

"یہ معلوم کرنے کے لیے ابھی آپ کو بہت کچھ کرنا ہو گا۔ میں آپ کو صرف اتنا بتا سکتا ہوں کہ ان لڑکیوں کے حصول کے لیے کروڑوں روپے خرچ کیے گئے ہیں اور کئی سیکشن اس کے لیے کام کرتے ہیں۔ سب ایک دُوسرے سے الگ الگ اور ناواقف ہوتے ہیں۔ اس شخصیت نے خود کو پوشیدہ رکھنے کے لیے اتنا طویل جال پھیلایا ہے کہ آپ تصور نہیں کر سکتیں۔ شاید اس کے بارے میں بتانے کے لیے آپ کو کوئی آخری آدمی نہ مل سکے۔ آپ کوشش کر لیں۔" بشیر احمد نے کہا۔

"تم اُسے نہیں جانتے؟"

"ذرّہ برابر نہیں۔"

"تمہیں کسی پر شبہ بھی نہیں ہے؟"

"کوشش کی تھی شبہ کرنے کی۔ ناکام رہا۔"

"مقصد سے بھی لاعلم ہو؟"

"ایک مقصد تو سب کے علم میں ہے کہ انہیں قتل کر دیا جاتا ہے۔"

"لیکن کیوں؟"

"یہ بات مجھے نہیں معلوم۔"

"نارمن ٹریولرز کیا ہے؟"

"وہی جس کا آپ دو بار تجزیہ کر چکی ہیں۔"

"لڑکیوں کا حصول تمہارے ذمے ہے؟"

"نہیں۔ دُوسرے لوگ بھی کام کرتے ہیں۔"

"اِن دُوسرے لوگوں کے بارے میں تفصیل بتاؤ؟"

"میں نہیں جانتا۔"

"تم اِن لڑکیوں کو کہاں پہنچاتے ہو؟"

"وزڈم پیلس۔" بشیر احمد نے جواب دیا۔

"یہ کہاں ہے؟"

"آٹرن کالونی میں۔ یہ ڈاکٹر فراست کی عمارت ہے۔ آپ اسے بہ آسانی تلاش کر سکتی ہیں۔"

"ڈاکٹر فراست کون ہے؟"

"گومٹو لمیٹڈ کا مالک۔ گومٹو لمیٹڈ آلاتِ جراحی برآمد کرنے والی ایک فرم ہے جس کا دفتر بھی آٹرن کالونی میں ہی ہے۔"

"وہ بھاری آواز کس کی ہے جو تمہیں ہدایات دیتی ہے؟"

میں نے پُوچھا۔
"ڈاکٹر فراست کی۔ یہ تو پوچھنے کی بات ہی نہیں ہے۔"
"کیا تمہارے خیال میں ڈاکٹر فراست ہی وہ جنونی شخصیت نہیں ہو سکتی؟"
"ہرگز نہیں..."
"یقین سے کہہ رہے ہو؟"
"ہاں۔ میں نے عرض کیا نا... کہ ہر ذی عقل انسان متجسّس ہوتا ہے۔ میں نے اپنے طور پر بھی اس شخصیت کو جاننے کی کوشش کی ہے۔ وہ ڈاکٹر فراست نہیں ہے۔ ویسے آپ خود بھی تحقیق کر لیں۔"
"اس یقین کی کوئی وجہ ضرور ہوگی؟"
"ہاں۔ میں نے اسے خود بھی ہدایات کے لیے مجبور پایا ہے۔"
"تمہیں علم تھا کہ ان لڑکیوں کو قتل کر دیا جاتا ہے جنہیں تم اس بہانے سے اغوا کرتے ہو؟" میں نے پوچھا۔
"ہاں۔"
"تمہارے ضمیر نے کبھی اس کام پر ملامت نہیں کی؟"
"ابتدا میں یہ احمقانہ جذبات پیدا ہوئے تھے لیکن بہت جلد یہ اندازہ ہو گیا کہ صرف میرے کام نہ کرنے سے یہ سلسلہ رُک نہیں سکتا۔ اس کے مددگار ایسے ایسے لوگ ہیں جن پر آپ کبھی شبہ نہیں کر سکتیں۔"
"لیکن اس بھیانک جُرم کے حصّے دار تو تم بھی ہو۔"
"ہاں۔ بالکل ہُوں۔"
"کسی رعایت کی توقع رکھتے ہو؟"
"ہرگز نہیں۔ میں نے زندگی کے کچھ لمحات بڑھ جانے کی بات کی تھی زندگی بچ جانے کی بات نہیں کی۔"
"مشرقِ وسطیٰ سے تمہارا کیا رابطہ ہے؟"
"احمد انٹر پرائز وہاں کے معاملات کی نگرانی کرتی ہے جیسے گرین بیگ کا مسئلہ۔ کوئی خاص اُلجھن پیش آ جائے تو مسٹر احمد ان معاملات کو سنبھال لیتے ہیں۔"
"یہ مسٹر احمد کون ہیں؟"
"میں نے انہیں کبھی نہیں دیکھا۔"
"انسپکٹر سُلطان کا ان معاملات سے کیا تعلق ہے؟"
"نوکری کا... یا لاکھ دو لاکھ کا اور بس۔" بشیر احمد نے جواب دیا۔
"ناصر کو جانتے ہو؟"
"کون ناصر؟"
"ایک جرائم پیشہ شخص جسے قتل کے جُرم سے بچایا گیا۔"
"اوہ ہاں۔ کیا آپ ہی تم لوگوں نے...؟" بشیر احمد نے چونک کر کہا۔
"اس کا ان معاملات سے کیا تعلق ہے؟"
"اسے سیکشن تین کے لیے نکالا گیا تھا۔ اس جیسے لوگ کام کرتے ہیں جن میں کچھ صرف عارضی ہیں اور کچھ مستقل۔" بشیر احمد نے جواب دیا۔ وہ بے تکان اور فوری جوابات دے رہا تھا جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ جھوٹ نہیں بول رہا...
"تمہارے اہلِ خاندان؟" میں نے پُوچھا۔
"پوری دُنیا میں تنہا ہُوں۔" بشیر احمد نے مُسکرا کر جواب دیا۔
"اس سلسلے میں اور کوئی مدد کر سکتے ہو؟"
"بس اس سے زیادہ کچھ نہیں جانتا۔ اگر کوئی اور بات معلوم ہو تو مجھ سے اس کے بارے میں پوچھ سکتی ہو۔" بشیر احمد نے جواب دیا۔
"ہُوں۔" میں نے گردن ہلا دی۔ واقعی اس سے زیادہ اور کوئی معلومات حاصل نہیں ہو سکتی تھیں۔ چنانچہ میں تمام لوگوں کے ساتھ وہاں سے نکل آئی۔ نازش اور تمام دُوسرے لوگ خاموش تھے۔ تب میں نے نازش کے لیے کچھ ہدایات جاری کیں اور نازش نے حسب عادت گردن جھکا دی۔

شمس کو میں نے عابدہ پیلس بھجوا دیا تھا اور اُس سے کہہ دیا تھا کہ اب خاص ضرورت پڑنے پر ہی اُسے تکلیف دُوں گی۔ شمس خاموشی سے چلی گئی تھی اور میں کاغذ پنسل لے کر بیٹھ گئی تھی۔ رات کو تقریباً گیارہ بجے میں پوائنٹ تھری سے نکل آئی۔ انکل شہریار کی پُوری ٹیم میرے ساتھ تھی۔ سیاہ رنگ کی ایک لمبی وین ہمیں لے کر آئرن کالونی چل پڑی۔ وین میں اسٹین گنیں فٹ کی ہُوئی تھیں۔ اس کے علاوہ دُوسرا اسلحہ بھی تھا۔ میں ایک خطرناک ارادہ کر کے چلی تھی۔
آئرن کالونی میں داخل ہوتے ہُوئے ہم سب نے سیاہ نقاب پہن لیے تھے پھر ونڈرم پیلس کے نیون سائن نظر آتے ہی ہم نے وین روک دی۔ میں، نازش اور شیرازی پستول ہاتھ میں لیے نیچے اُتر آئے اور خاموشی سے ونڈرم پیلس

سامنے پہنچ گئے۔ گیٹ پر روشنی تھی۔ تین چوکیدار وہاں تھے۔ وہ ہمیں دیکھ کر چونکے لیکن مین خاموش آوازوں نے انہیں ہمیشہ کے لیے خاموش کر دیا اور اس کے بعد ہاتھ کے اشارے پر تمام ممبر اسٹین گنیں لیے اندر گھس آئے۔
سیاہ رنگ کی ایک لمبی کار پورچ میں کھڑی ہُوئی تھی ... دروازے سے گزر کر اندر داخل ہو گئے۔ بڑے ... میں چند لوگ بیٹھے تاش کھیل رہے تھے لیکن اسٹین گنوں نے انہیں سنبھلنے نہ دیا اور وہ سب ڈھیر ہو گئے۔ ان میں ... کی چیخیں اُبھری تھیں اور بس۔ اس کے بعد خاموشی ... میں نے حکم دے دیا تھا کہ کسی بھی زندہ انسان کو دیکھو ... دو تاکہ عمارت خالی ہو جائے اور میں اور میرے ساتھی ... رہے تھے۔
اس طرح ہم نے یہاں موجود تقریباً چودہ افراد کو قتل ... مجھے ان لوگوں پر ذرّہ برابر رحم نہیں آ رہا تھا۔ بہرحال ... ایک کمرے کی تلاشی لیتے پھر رہے تھے۔ مجھے مسٹر ... کی تلاش تھی لیکن میں اُس کی تلاش میں ناکام رہی ... پُوری ہی عمارت دیکھ لی گئی تھی۔
دفعتاً ہم چونک پڑے۔ عمارت کے اندرونی حصّے میں ... کسی کار کے انجن کی ہلکی سی آواز سُنائی دی... آواز ... ہی ہم باہر دوڑے تو سیاہ رنگ کی کار کوٹھی کے گیٹ سے ... نظر آئی تھی۔
"اوہ۔ غلطی ہو گئی ... ہم میں سے کچھ کو باہر رہنا ... تھا۔" میں نے ہاتھ مَلتے ہُوئے کہا۔
"پیچھا کروں...؟" نازش نے پوچھا۔
"نہیں۔ نکل گیا۔ اب ہاتھ آنا مشکل ہے لیکن کوئی بات ... ہے نازش۔ اس خالی عمارت کو نیست و نابُود کر دو... ... کی کوئی اینٹ اپنی جگہ نہیں رہنی چاہیے۔ اسے تباہ کر ... نازش..."
"عمل..." نازش نے کہا اور سیاہ وین سے اسلحے کے ... نیچے اُتارے جانے لگے اور پھر عمارت کے تمام مخصوص حصّوں ... ڈائنا مائیٹ لگا دیے گئے۔ اس کے بعد پُوری عمارت کو ... پل میں بھگو دیا گیا اور پھر ہم سب وہاں سے باہر نکل آئے ... میری آنکھوں میں دیوانگی تھی اور ذہن آتشِ غضب سے جھلس رہا تھا۔ باسط نے عمارت پر ماچس کی تیلی پھینکی تھی اور پیٹرول نے آگ پکڑ لی تھی۔

آن کی آن میں آگ دُور دُور تک پھیل گئی اور اس کے بعد پہلا دھماکا ہُوا پھر تو دھماکوں کا طُوفان آ گیا۔ ونڈرم پیلس کے پڑوس میں پہلی عمارت بھی ایک فرلانگ سے کم دُور نہیں تھی۔ قرب و جوار کی عمارتوں کو نقصان ضرور پہنچا ہوگا لیکن اتنا نہیں کہ کوئی زندگی خطرے میں پڑ جاتی۔
وین میں بیٹھ کر ہم نے نقاب اُتار لیے تھے اور وین برابر چل رہی تھی پھر اسے ایک ایسی جگہ روکا گیا جہاں سے تھوڑے فاصلے پر ایک پبلک کال بوتھ نظر آ رہا تھا۔ کال بوتھ میں، میں اور نازش داخل ہُوئے۔ نازش نے سکّے ڈال کر ڈی آئی جی کے نمبر ڈائل کیے۔ یہ اُن کے گھر کے نمبر تھے۔ کافی دیر کے بعد فون ریسیو کیا گیا تھا۔ "کون بول رہا ہے؟" نازش نے کرخت لہجے میں پُوچھا۔
"آپ کو کس سے بات کرنی ہے؟"
"ڈی۔ آئی۔ جی صاحب سے۔" نازش نے جواب دیا۔ میں اُسے اس گفتگو کے بارے میں بتا چکی تھی۔
"وہ سو رہے ہیں جگایا نہیں جا سکتا۔"
"تب اُنہیں ایک پیغام دے دیا جائے۔" نازش بولا۔
"جی۔ فرمایئے؟"
"اُن سے کہہ دیا جائے کہ قانون جب گہری نیند سو جاتا ہے تو لاقانونیت جاگ اُٹھتی ہے۔ آپ کی خدمت میں ایک لاش بھیجی گئی تھی۔ ایسی دُوسری لاشیں بھی شہر میں پائی گئی ہیں۔ قانون نے ابھی تک قاتلوں کو کیوں نہیں گرفتار کیا..؟ قانون کو مطلع کیا جاتا ہے کہ ونڈرم پیلس میں رہنے والا ڈاکٹر فراست قاتلوں کا خاص کارکُن ہے۔ اُسے گرفتار کر کے اُس سے قاتلوں کے بارے میں معلومات حاصل کی جائیں۔ اس سلسلے میں ونڈرم پیلس ہمارے عتاب کا شکار ہو چکا ہے اگر لاقانونیت کو قانونی طور پر نہ ختم کیا گیا تو ہم اسے اُسی کے پیمانے سے ناپ کر ختم کریں گے۔ کل اگر شہر جہنّم بن جائے تو قانون، لاقانونیت کا رونا نہ روئے۔ بس یہ پیغام اُنہیں دے دیں۔"
"آپ کون صاحب ہیں اور کہاں سے بول رہے ہیں؟"
"بس اب تم بھی چاہو تو فون رکھ کر سو جاؤ۔ خُدا حافظ۔"
نازش نے فون بند کر دیا اور ہم دونوں بوتھ سے نشانات صاف کر کے نکل آئے۔ تھوڑی دیر کے بعد وین پوائنٹ تھری کی طرف جا رہی تھی۔ سب خاموش تھے۔ میں اُن کے

تاثرات سے ناواقف تھی لیکن اتنا جانتی تھی کہ وہ سب میرے وفادار ہیں اور رہیں گے۔

پوائنٹ تھری میں داخل ہو کر ہم لوگوں نے ایک دُوسرے سے کوئی بات نہیں کی اور خاموشی سے اپنے اپنے لباس تبدیل کرنے چلے گئے۔ لباس تبدیل کر کے نازش میرے پاس آیا تھا۔

"میرے لیے کوئی خاص ہدایت ہے محترمہ عالیہ؟"

"نہیں نازش آرام کرو۔ ویسے تمہارے ذہن میں تو کوئی خاص بات نہیں ہے؟"

"جی بالکل نہیں۔"

"اس ہنگامے سے تم غیر مطمئن تو نہیں ہو؟" میں نے پوچھا۔

"یقین کریں قطعی نہیں۔ اس طرح کم از کم کچھ حرکت تو ہوئی۔ کسی بھی کام میں اگر تعطّل پیدا ہو جائے تو اس سے دلچسپی کم ہو جاتی ہے۔ میں مطمئن ہوں لیکن وہ کم بخت نکل گیا۔"

"ہاں ویسے اس کی تلاش ابھی مناسب نہیں ہے کیوں کہ پولیس اور انتظامیہ کے دوسرے محکموں کی کارکردگی دیکھ لی جائے اگر وہ لوگ کسی خاص ردِ عمل کا اظہار نہیں کرتے تو پھر اعلا پیمانے پر ڈاکٹر فراست کو تلاش کیا جائے گا۔ اس شخص کے بارے میں میرا خیال ہے کہ یہ ہمارے لیے بے حد کام کا آدمی ثابت ہوگا۔"

"اگر آپ حکم دیں تو میں اس کے بارے میں رپورٹ حاصل کروں؟"

"نہیں نازش ابھی نہیں۔ پہلے پولیس کی کارروائی دیکھ لی جائے۔" میں نے کہا اور نازش نے گردن ہلا دی پھر وہ مجھ سے اجازت لے کر سونے چلا گیا اور میں اپنے خیالات میں گم ہو گئی۔

ویسے رات کی کارکردگی کافی منفعت بخش ثابت ہوئی تھی دُوسری صبح کے اخبارات انہی خبروں سے بھرے تھے میں دیر سے جاگی تھی۔ نازش نے پہلی چائے کے ساتھ ہی اخبارات لا کر میز پر رکھ دیے تھے اور میں دلچسپی سے ان اخبارات میں کھو گئی۔ ایک اخبار کا ایڈیٹوریل تھا۔

"انتظامیہ خوابیدہ ہے۔"

میں نے طویل سانس لی اور پھر دُوسری خبریں دیکھنے لگی۔ ڈاکٹر فراست کے بارے میں بھی بہت سے اخبارات نے لکھا تھا اس کے بارے میں تھوڑی سی تفصیل بھی تھی جو ہمارے کام کی تھی۔ میرے اخبار نے بھی رات کی واردات کی خبر چند تصاویر کے ساتھ چھاپی تھی۔ اس کے علاوہ ڈی آئی۔ جی صاحب کے بیان سے میں بہت متاثر ہوئی تھی انہوں نے اُس لاش کا حوالہ بھی دیا تھا جو صبیحہ ایک لڑکی کی تھی اور اُن کی کوٹھی کے دروازے پر ملی تھی، اُس نوٹ کا حوالہ بھی انہوں نے پورے خلوص سے دیا تھا جو اُس لاش سے منسلک تھا اور رات کے ٹیلی فون کال بھی انہوں نے اخبارات کو مِن و عَن دے دی تھی جس سے اُن کی صاف دِلی کا پتہ چلتا تھا۔ اس کے علاوہ ڈی۔ آئی۔ جی صاحب نے اپیل بھی کی تھی کہ قانون کو ہاتھ میں نہ لیا جائے اگر ڈاکٹر فراست مجرم ہے تو اُسے تلاش کر کے سزا دی جائے گی۔ غرض یہ کہ رات کی کارروائی نے ہلچل مچا دی تھی اور میں ان ہنگاموں سے غیر مطمئن نہیں تھی۔ نہ جانے کب تک ان اخبارات کو چاٹتی رہی۔ یہاں تک کہ مُلازمہ ناشتہ لے آئی میں نے ناشتہ بھی وہیں کیا تھا اور پھر اُس وقت تک نہیں چونکی جب تک ٹیلی فون کی گھنٹی نہ بج اُٹھی۔ فون کی آواز سُن کر ڈولی اندر آ گئی تھی۔ اُس نے فون رسیو کیا پھر ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر بولی۔

"آپ کا فون ہے چیف۔"

"اوہ۔ کون صاحب ہیں۔" میں نے پوچھا۔

"صباحت صاحب۔" جواب مِلا اور میں نے فون کا ریسیور ہاتھ میں لے لیا۔

"ہیلو... صباحت صاحب!"

"سوری عالیہ۔ افشاں کا فون آیا تھا۔ اُس کی پُر زور درخواست کی ہے کہ تم سے بات کرا دوں۔ اُس کی بات ہے کہ اتنا ہی ضروری کام ہے کہ بات کرنا ضروری ہے۔"

"ٹھیک ہے صباحت صاحب میں اُس سے بات کر لوں گی۔"

"اور مجھ سے مُلاقات کب کرو گی؟"

"آپ تو بے چین ہو رہے ہوں گے؟" میں نے ہنس کر پوچھا۔

"گویا میرا اندازہ درست ہے۔" صباحت صاحب کی سرسراتی آواز اُبھری۔

"ہاں۔" بالکل درست ہے۔"

"بس ٹھیک ہے۔ میرا خیال ہے اب مجھے مت کرو میں فون کو قابلِ اعتبار نہیں سمجھتا۔ اس لیے

بہت جلد میں خود بھی کوشش کروں گی۔"

"ٹھیک ہے۔" صباحت صاحب نے جواب دیا اور انہوں نے فون بند کر دیا۔ ان دونوں بے وقوف لڑکیوں نے ناک میں دَم کر رکھا تھا۔ اب نہ جانے کیا مُصیبت آ ئی ان پر۔ میں نے اخبارات ایک طرف رکھ دیے اور پھر فون اُٹھا کر افشاں کے ٹیلی فون نمبر ڈائل کرنے لگی۔

فون فرزانہ نے رسیو کیا تھا اور میری آواز بھی پہچان لی "عالیہ صاحبہ۔ خیریت تو ہے؟"

"ہاں فرزانہ۔ تم سُناؤ۔"

"الحمدُللہ۔ تین دن سے آپ کی تلاش میں سرگرداں تھے دونوں۔ آخر تھک ہار کر اخبار کے دفتر سے رابطہ قائم کیا۔ آپ سے جو خبر ملی ہے کیا وہ درست ہے؟"

"کون سی خبر؟"

"استعفے والی۔ کیا تم نے واقعی استعفا دے دیا ہے؟"

"ہاں فرزانہ۔"

"تو پھر اب؟"

"چند روز بقراط صاحب کی طرح اُدھار مانگ کر کام چلاؤں گی۔ اس کے بعد مُلازمت مِل ہی جائے گی۔"

"ابّو کی پیش کش پر غور نہیں کریں گی؟"

"اخبار نکالنے والی؟"

"ہاں۔"

"ارے نہیں فرزانہ۔ میں اتنی باصلاحیت نہیں ہوں۔ انکل بلاوجہ میرے بارے میں غلط فہمیوں کا شکار ہیں۔ کسی اخبار میں نوکری کرنا دُوسری بات ہے اور خود اخبار نکالنا دوسری بات۔ میں اتنی ذِمّے داری سنبھالنے کی اہل نہیں ہوں۔ اور نہ مجھے انکل کی رقم ضائع کرانے کا شوق ہے۔"

"اوہ ٹھیک ہے۔ یہ سوال بس میں نے یونہی کر دیا ہے، فی الحال آپ کو ایک دُوسرے سلسلے میں تو مطلع کرنا ہے۔ اسی لیے آپ کی تلاش تھی۔"

"حکم...؟"

"کل شام کو پانچ بجے آپ غریب خانے پر مع محترمہ شمس تشریف لے آئیں۔ ہم کل نواب زادہ تہوّر عالم کی امانت اُن کے سپرد کر رہے ہیں اور ابّو نے اس سلسلے میں ایک چھوٹی سی تقریب نواب زادہ صاحب کے مکان پر منعقد کی ہے۔"

"اوہ گڈ۔ یعنی معاملات طے ہو گئے؟"

"جی ہاں۔"

"مُبارک باد دے دینا میری طرف سے بقراط صاحب کو لیکن یہ تقریب سمجھ میں نہیں آئی۔ کیا تقریب میں بہت سے لوگ مدعو ہیں؟"

"جی ہاں۔"

"تو کیا اس میں یہ اعلان کیا جائے گا کہ اب تصوّر عالم اور تہوّر عالم کے درمیان اختلافات ختم ہو گئے ہیں؟"

"نہیں گھر کی بات دُوسروں کے علم میں تو نہیں لائی جا سکتی۔ یہ تقریب سالگرہ کی ہوگی۔ اتفاق سے کل تصوّر عالم صاحب کی سالگرہ بھی ہے۔ البتّہ نواب صاحب یہ اعلان کریں گے کہ آج اُن کے سارے کاروبار کی ذِمّے داریاں فلاسفر صاحب سنبھال رہے ہیں اور بقراط صاحب کو اُن کا اصل حق مِل جائے گا۔"

دُوسری دوپہر میں شمس کے پاس پہنچ گئی۔ ناصر نے عابدہ لاج کے احاطے میں میرا استقبال کیا تھا۔ میں خوش اخلاقی سے اُس سے مِلی۔ "میں آپ کے لیے بے چین تھا مس عالیہ۔"

"خیریت...؟"

"کل کے اخبارات دیکھے آپ نے پرسوں رات کا ہنگامہ؟"

"ہاں ناصر۔ وہ ضروری تھا۔"

"اوہ۔ تت تو کیا۔ کیا میرا خیال درست تھا؟"

"کیا خیال تھا تمہارا؟" میں نے مُسکرا کر پوچھا۔

"دِل بار بار کہتا تھا کہ اس میں آپ کا ہاتھ ہے۔"

"تمہارا دِل ٹھیک کہتا تھا۔" میں ہنس پڑی۔

"لیکن مس عالیہ۔ میں اس سعادت سے کیوں محروم رہا؟" ناصر نے آزُردگی سے کہا۔

"اس لیے کہ تمہارے سپرد دُوسری ذِمّے داریاں ہیں۔ اِن چھوٹی چھوٹی باتوں کی پروا نہ کیا کرو ناصر۔ تم کیا کر رہے ہو؟"

"اُس کم بخت کی نگرانی۔ وہ تو گوشہ نشین ہو کر رہ گیا ہے۔ کہیں نکلتا ہی نہیں نہ ہی کسی کو فون کرتا ہے۔"

"اُس کی جاں بخشی کر دو۔" میں نے کہا۔

"اوہ۔ بہتر۔ گویا اب اُس کی ضرورت نہیں ہے؟"

"ہاں۔ میں نے بشیر احمد جلالی کو پکڑ لیا ہے۔" میں نے کہا اور ناصر مُنہ پھاڑ کر رہ گیا۔ بہر حال اُس نے اس بارے میں مزید سوالات نہیں کیے تھے۔ چند ساعت خاموش رہنے کے بعد وہ بولا۔

"میرے لیے کیا خدمت ہے اب؟"

"کم از کم بیس آدمیوں کا گروہ تیار کرو ناصر۔ تم اُن سے اُن کی پسند کا معاوضہ طے کر سکتے ہو لیکن وہ سب ایسے لوگ ہونے چاہئیں کہ ہر ایک اپنے فن میں طاق اور لاثانی ہو۔ عام لوگوں کی اس گروہ میں کوئی گنجائش نہیں ہوگی۔ اسلحے کے استعمال میں وہ بے مثال ہوں۔ آگ کے سمندر میں کود جانے کی اہلیت رکھتے ہوں اور کسی کام میں بھی عار نہ سمجھیں۔"

"جی۔" ناصر نے گردن ہلائی۔

"وہ سب شہزادی عابدہ کے مُلازم ہوں گے اور ان کی تمام تر خدمات ہمارے لیے ہوں گی۔ کسی بھی وقت اُنہیں ملک سے باہر جا کر خدمات بھی انجام دینا ہوں گی۔ اس سلسلے میں تم اُن سے شرائط طے کر سکتے ہو۔"

"جی..." ناصر اسی انداز میں بولا۔

"میرا خیال ہے اس کام میں بھی تمہیں کافی وقت لگ جائے گا۔"

"جی ہاں چیف۔ اپنی پسند کے لوگوں کی تلاش آسان کام تو نہ ہوگی۔" ناصر گہری سانس لے کر بولا۔

"تمہارے پاس کافی وقت ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"کیا انہیں اس عمارت میں جمع کرنا ہے؟"

"ضروری نہیں ہے ہم انہیں ان کی پسند کی رہائش گاہ مہیا کریں گے۔ فون وغیرہ کی آسانیاں فراہم کریں گے تاکہ کسی بھی وقت اُن سے رابطہ قائم کر لیا جائے۔" ناصر نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"اب میں ذرا مس میری وغیرہ سے مل لوں۔" میں نے آگے بڑھتے ہوئے کہا اور ناصر نے گردن جھکا دی۔ چند ساعت کے بعد میں ان لوگوں کو تلاش کرنے میں کامیاب ہوگئی۔ اس وقت بھی مس میری اور شمس سر جوڑے بیٹھی ہوئی تھیں میں کمرے میں داخل ہوئی تو دونوں اُچھل پڑیں۔

"ارے۔ اچانک بغیر اطلاع۔" شمس خوش ہو کر بولی۔

"مداخلت کے لیے معافی کی طلب گار ہوں۔" میں نے ہنس کر کہا۔

"چلو معاف کر دیا۔ تم بھی کیا یاد کرو گی کہ کسی رئیس... بلکہ عابدہ رئیس سے واسطہ پڑا تھا۔" شمس نے ہنس کر کہا۔

"کیا ہو رہا ہے؟"

"اُردو سیکھی جا رہی ہے۔"

"بہت اعلا پیمانے پر کام ہو رہا ہے شاید؟"

"ہاں۔ بہت جلد بہتر نتائج برآمد ہوں گے۔" شمس نے جواب دیا۔

"لیکن میں پھر مداخلت کے لیے حاضر ہوگئی ہوں۔"

"کیا مطلب؟" شمس مجھے دیکھنے لگی۔

"اُن دونوں بے وقوفوں نے ایک بار پھر ڈسٹرب کیا۔ مجبوری ہے شمس۔ میں انہیں ٹال نہیں سکتی تھی۔"

"افشاں اور فرزانہ؟" شمس مُسکرا کر بولی۔

"ہاں۔ جب دو بے وقوفوں کا تذکرہ ایک ساتھ ہو تو ان کے علاوہ کسی اور کے بارے میں کب سوچا جا سکتا ہے۔" میں نے کہا اور شمس ہنسنے لگی پھر بولی۔

"کیا بات ہے، کوئی چکر چلایا ہے انہوں نے؟"

"ہاں۔ شام کی دعوت دی ہے۔ بُقراط صاحب بھی ہے اور خاص بات یہ ہے کہ یہ سالگرہ ان کی اپنی نواب زادہ تہور عالم صاحب کی کوٹھی میں منائی جا رہی ہے۔"

"اوہ۔ ویری گڈ۔ اس کا مطلب ہے کہ تہور عالم اپنی کوششوں میں کامیاب ہو گئے...؟"

"ایسا ہی لگتا ہے۔ بہرحال شمس چلنا ہے وہاں تیاری کر لو۔" میں نے کہا اور شمس ہنسنے لگی پھر بولی۔

"تم جس پروگرام سے بیزاری کا اظہار کر رہی ہو اس پر بہت خوش ہوں۔ دیکھا جائے حضرت بُقراط والد کیا چیز ہیں اور پھر اُن کی سالگرہ بھی ہے عالیہ۔ بُقراط کو...؟"

"اس کا انتخاب بھی کر لیں گے۔" میں نے جواب دیا۔

"کس وقت چلنا ہوگا؟"

"شام کو پانچ بجے کے بعد یہاں سے ساڑھے پانچ نکل چلیں گے۔ بازار سے کوئی عمدہ سا تحفہ خرید لیں گے۔"

ہم دونوں تیار ہو کر نکلے تھے۔ ناصر کو میں نے ڈرائیونگ کے لیے ساتھ لے لیا تھا اور اُسے صورتِ حال سمجھا دی۔ اس وقت میں اصلی شکل میں جا رہی تھی۔ اس لیے خطرات زیادہ تھے۔ میں خود تو دل میں کوئی خوف نہیں پا رہی تھی بہرحال صورتِ حال سے آنکھ بند کر لینا بھی حماقت ہوتی۔ اس لیے میں نے پستول وغیرہ بھی ساتھ رکھ لیا تھا۔ ناصر ڈرائیور کی وردی پہن لی تھی۔

بہرحال دیر تک بازار میں آوارہ گردی کرتے رہے۔ پھر بُقراط کے لیے میں نے چند قیمتی تحائف کے بنڈل بنوائے۔

اس مد میں خرچ کر دی گئی تھی اور پیشکش صرف شمس کا کارڈ ان تحائف پر لگوا دیا گیا تھا۔

"صرف میری طرف سے؟" شمس نے کار میں بیٹھتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔ میرا تحفہ الگ ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"بھئی مطلب یہ ہے کہ میں اُسے دوسرا تحفہ دوں گی۔"

"وہ کیا ہوگا۔ ہمیں نہیں بتاؤ گی؟" شمس نے کہا۔

"دیکھو گی؟" میں مُسکرا کر بولی۔

"اگر ناگوارِ خاطر نہ ہو۔" شمس نے کہا اور میں نے اپنے ... دو خوبصورت ڈبیاں نکال لیں جو میں نے بڑے اہتمام ... تھیں پھر جب میں نے ڈبیاں کھولیں تو شمس ... ان ڈبیوں میں وہی انگوٹھیاں تھیں جو میں نے بُقراط کی ... حاصل کی تھیں۔

"خدا کی پناہ۔ یہ تحفہ دو گی؟"

"ہاں کیوں۔ اعتراض ہے؟"

"ہرگز نہیں لیکن کیا بُقراط پریشان نہ ہو جائے گا؟"

"میں اس شخص کو کھولنا چاہتی ہوں۔ کیا سمجھتا ہے خود کو ... مخلص ہے تو بے وقوف کیوں بنانے کی کوشش کرتا ... ناکام کوشش۔ آج کے بعد فیصلہ ہو جائے گا۔" میں ... دیا۔

"بڑے خطرناک ارادے ہیں؟" شمس گہری سانس ...

"نہیں شمس۔ غور کرو اس میں ہماری توہین ہے۔ اُس ... ہمارے اوپر احسان کیا ہے لیکن پھر خود کو شیر ... کوشش کیوں کرتا ہے۔ اگر اُس نے اب بھی اداکاری ... ہم لوگ اُسے پہچاننے سے بھی انکار کر دیں گے۔ یہ ... ہے۔"

"ٹھیک ہے عالیہ۔ میں تم سے متفق ہوں۔" شمس نے ... دی۔

ناصر کو میں نے نواب زادہ تہور عالم کی کوٹھی کا پتہ بتا دیا ... ناصر خاموشی سے ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ تھوڑی دیر کے ... عالی شان کوٹھی میں داخل ہو رہے تھے جو قدیم ... باہر سے وہ ایک قلعہ نما عمارت نظر آتی تھی۔ سُرخ ... سے بنی ہوئی عمارت جس کے عظیم الشان دروازے پر ... رکھے ہوئے تھے۔

شمس بڑی دلچسپی سے اس ماحول کو دیکھ رہی تھی۔ دروازے سے اندر داخل ہو کر ہم ایک چوڑی سڑک پر چل پڑے جس کے دونوں سمت گھاس کے وسیع لان بچھے ہوئے تھے جن کے اختتام پر درخت تھے۔

"ہمارے مُلک میں عالیہ، ہر شخص اعلا حیثیت کا مالک ہے۔ جسے دیکھو اپنی ایک علیحدہ دُنیا رکھتا ہے۔" شمس نے کہا۔

"نہیں شمس۔ یہ بہت غریب مُلک ہے۔ چند گنے چُنے لوگوں کی بات چھوڑ دو۔" میں نے گہری سانس لے کر جواب دیا۔

"تو پھر یوں کہہ لو کہ صرف چند گنے چُنے لوگوں سے ہی میری مُلاقات ہوئی ہے۔" شمس ہنس کر بولی اور میں خاموش ہو گئی۔ کوٹھی کے عقبی لان پر پارٹی کا بندوبست تھا۔ یہ عقبی لان بھی بے حد حسین تھا اور اندازہ ہوتا تھا کہ تہور عالم صاحب آج بھی نواب ہیں۔

کاروں کی قطار میں ناصر نے بھی کار روک دی، اور ہم دونوں نیچے اُتر آئے۔ لان پر مہمان نظر آ رہے تھے۔ ہم نے فرزانہ اور افشاں کو نہیں دیکھا تھا لیکن وہ تو جیسے ہماری تاک میں ہی لگی ہوئی تھیں۔ دوڑتی ہوئی ہمارے نزدیک آگئیں... اور بڑے تپاک سے ملیں۔

"مجھے دیر تو نہیں ہوئی افشاں؟"

"نہیں عالیہ باجی! خدا کی قسم چراغوں کی روشنی ختم ہوگئی۔" افشاں بولی۔

"اچھا...؟ یہ چراغ کہاں جل رہے ہیں؟"

"سامنے لان پر دیکھو۔ سب نے ہی محفل لوٹنے کی کوشش کی ہے لیکن اب مزا آئے گا۔ شراب اور دو آتشہ۔" افشاں نے کہا۔

"سچ عالیہ۔ خدا نے تمہیں انوکھا حُسن دیا ہے اور یہ شمس مجھے تو یوں لگتا ہے جیسے حسین لوگ خود بخود ایک دوسرے سے قریب آجاتے ہیں۔" فرزانہ بولی۔

"جیسے ہم لوگ؟" میں نے چوٹ کی۔

"ارے نہیں ہماری بات مت کرو۔ ہم تو محروم لوگ ہیں بس کبھی کبھی آپ لوگ ہاتھ لگ جاتے ہیں اور ہم اُس وقت تک خود پر ناز کرتے رہتے ہیں۔ جب تک دوبارہ ملاقات نہیں ہو جاتی۔"

"اچھا اچھا۔ آج بہت اچھے موڈ میں ہو۔ کیا کوئی خوشخبری

سُننے کو ملے گی؟" مَیں نے کہا۔

"کیوں۔ خوشخبری ابھی تک ملی نہیں ہے کیا؟ میرا مطلب ہے کہ آپ تصوّر بھائی کی حیثیت کی بحالی سے خوش نہیں ہیں؟"

"کیوں نہیں... کیوں نہیں لیکن مَیں کچھ اور خوشخبری سُننا چاہتی ہُوں۔ جلدی سے سُنا دو فرزانہ۔" مَیں نے کہا۔

"کون سی خوشخبری؟" فرزانہ تعجب سے بولی۔

"حضرت بُقراط جب معتوب ہُوئے تھے تو اُن کی ایک اور حیثیت ختم کر دی گئی تھی۔ فرزانہ کے منگیتر کی حیثیت۔ میرے خیال میں اب وہ بھی بحال ہو جانی چاہیے۔" مَیں نے کہا اور فرزانہ سنجیدہ ہو گئی۔

"نہیں عالیہ۔ خُدا کی قسم۔ اب ایسا کبھی نہیں ہو گا۔ تم یقین کرو۔ اب میرے ذہن میں کوئی... تصوّر بھی نہیں ہے اور یوں بھی اب یہ کسی طور ممکن ہے نہ مناسب۔" اُس نے کہا۔

مہمان مسلسل آ رہے تھے اور دونوں بھائی یعنی تہوّر عالم اور منوّر عالم ان کا استقبال کر رہے تھے۔ ہم لوگ بھی اُن کے پاس پہنچ گئے... اور انکل منوّر عالم مجھے دیکھ کر خوشی سے اُچھل پڑے۔ "اوہو۔ میری بیٹی آ گئی۔ بھائی جان میری بیٹی سے ملیے یہ عالیہ ہے۔ آپ سوچ بھی نہیں سکتے یہ کون ہے۔"

"ہیلو...؟" تہوّر عالم بولے۔ "کون ہو بیٹی۔ تم خود بتا دو۔" تہوّر عالم صاحب نے کہا۔

"مَیں عالیہ ہی ہوں انکل! انکل منوّر عالم مجھے بیٹی سمجھتے ہیں۔ یہ میری خوش بختی ہے جس پر مَیں ناز کرتی ہُوں۔" مَیں نے کہا۔

"صغیر بھایانی کی بیٹی ہے یہ۔" منوّر عالم نے کہا اور تہوّر صاحب چونک پڑے۔

"ارے۔ اوہ۔ کب آئیں بیٹی یورپ سے۔ ہم سے مِلی بھی نہیں، بھئی مَیں تو تمہارے والد کے گہرے دوستوں میں سے ہُوں۔"

"بدقسمتی سے یورپ سے واپسی پر مَیں بے سہارا ہو گئی تھی۔ ڈیڈی زندہ ہوتے تو یہاں میرا تعارف کراتے لیکن تقدیر نے مجھے اس قابل نہیں رہنے دیا۔ بہرحال میری خوش نصیبی ہے کہ حالات مجھے پھر سے اپنوں میں لے آئے ہیں۔"

"مجھے تو تم سے بہت سی باتیں کرنی ہیں بیٹی۔ براہِ کرم مہمانوں کا انداز نہ اختیار کرنا۔ فرزانہ یہ جانے نہ پائیں اور یہ دُوسری بیٹی کون ہے؟" تہوّر عالم نے شمس کے بارے میں پوچھا۔

"شمس۔ اپنے نام کی مانند۔ یہ ہماری عالیہ بیٹی کی دوست ہے۔" منوّر عالم صاحب نے کہا۔ ان دونوں حضرات نے بڑی پذیرائی کی تھی ہماری۔ حالانکہ مَیں منوّر عالم کے بارے میں ابھی تک... تذبذب کا شکار تھی اور اب بھی اُن کی نگرانی ہو رہی تھی لیکن ان جذباتی باتوں سے متاثر ہونے کو مَیں حماقت سمجھتی تھی۔ جب تک صُورتِ حال واضح نہ ہو جائے کوئی فیصلہ کرنا مناسب نہیں تھا۔ انکل منوّر عالم صاحب کی شخصیت بہرحال مشکوک تھی۔

فرزانہ اور افشاں ہمیں لے کر آگے بڑھ گئیں اور ہم نے درخواست کی کہ زیادہ لوگوں سے ہمارا تعارف نہ کرایا جائے۔ بُقراط صاحب البتّہ ابھی تک نظر نہیں آئے تھے پھر ہم نے ایک ایسی شخصیت کو دیکھا جسے دیکھ کر ہم کسی قدر تذبذب کا شکار ہو گئے تھے۔ یہ ڈاکٹر فرزانہ تھی۔ خاموش سی پُراسرار سی لڑکی۔ یہاں اُس کی چند شناسا موجود تھیں جن میں وہ گُم ہو گئی۔ موقع ملتے ہی مَیں نے شمس سے کہا تھا۔ "شمس تم نے ڈاکٹر فرزانہ کو دیکھا؟"

"ہاں۔" شمس نے جواب دیا۔

"میرا خیال ہے اس سے دُور رہنے کی کوشش کرو۔ مجھے تو وہ نہیں پہچان سکے گی لیکن تمہیں پہچان لے گی۔"

"اوہ۔ ہاں۔ اُس سے ملتے ہُوئے تم میک اَپ میں تھیں۔" شمس نے کہا۔ اُسی وقت بُقراط یا تصوّر عالم نظر آئے... اعلا درجے کے سُوٹ میں وہ بہت جچ رہا تھا۔ مَیں نے شمس کو ٹھوکا دیا۔

"بُقراط..."

"مَیں دیکھ رہی ہُوں عالیہ کیا اس وقت بنِ عارف ہمارے سامنے موجود نہیں ہے۔ میرا خیال ہے اس وقت اس شخص نے بہروپ بننے کی کوشش نہیں کی ہے اور اپنی اصل حیثیت میں نظر آ رہا ہے۔"

"مَیں محسوس کر رہی ہُوں۔" مَیں نے آہستہ سے کہا۔ چند ساعت کے اندر لوگوں نے اُسے گھیر لیا اور وہ ہم تک نہ پہنچ پایا۔ تفریحات جاری رہیں۔ بے شمار مہمان اکٹھے ہو گئے تھے... پھر رسمِ سالگرہ شروع ہُوئی اور ایک کئی منزلہ کیک میز پر رکھ دیا گیا۔ اس وقت ہم لوگ بُقراط کے قریب پہنچ گئے۔

بُقراط کی شخصیت میں ایک انوکھا پن پیدا ہو گیا تھا۔ اُس نے خوش اخلاقی سے ہم دونوں کو ریسیو کیا۔

"آپ کے زخم اب بالکل ٹھیک ہیں بُقراط صاحب

"جی ہاں۔ پُرانے تو سب ٹھیک ہو گئے۔ البتّہ یارانِ طریقت نئے زخموں کے لیے پیش کر دیا ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"یہ جو والد صاحب ہیں۔ بظاہر ٹھیک نظر آتے ہیں لیکن ...سے..." بُقراط گہری سانس لے کر بولا۔

"آپ کے دل میں ابھی تک اُن کے لیے وسوسے ...ود ہیں؟" مَیں نے کہا۔

"تجربات کی بنا پر کہہ رہا ہُوں۔"

"میرے خیال میں وہ ایک سنجیدہ اور نرم خو انسان ہیں۔" ...س بولی۔

"مجھے اس سے کب انکار ہے لیکن اُن کے اور میرے ...یالات میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ وہ ایک صنعت کار اور ...رمایہ دار ہیں اور مَیں فطرتاً انسان دوست ہُوں۔ وہ انسان ...بے بسی کو ماحول کی ضرورت سمجھتے ہیں اور مَیں اس بے بسی ...معاشرے کی لعنت گردانتا ہُوں۔" بُقراط بولا۔

"لیکن مَیں نے تو کچھ اور سُنا ہے۔" مَیں مُسکرا کر بولی۔

"کیا...؟"

"یہی کہ آج اُن کا سارا کاروبار، صنعتیں اور ساری چیزیں ...ہاری طرف منتقل ہو رہی ہیں۔"

"یہیں سے ابتدا ہو گی۔"

"کیسی ابتدا؟"

"اختلافات کی۔ مَیں ضرورت مندوں کو اُن کا حق دُوں گا ...د وہ وِلن بن جائیں گے اور ایک بار پھر مَیں ہُوں گا اور میر...ر کی اُداس سڑکیں جن پر میری موٹر سائیکل کی آواز گونجا ...رے گی۔"

"ہماری دُعا ہے کہ ایسا نہ ہو۔ کوئی بھی درمیانی راستہ نکال لیا جائے۔ مسائل خود بخود حل ہو جائیں گے۔"

"بدقسمتی سے مجھے درمیانی راستے پسند نہیں ہیں مَیں ...سیدھے اور صاف راستوں کا قائل ہُوں۔ بہرحال اللہ مالک ہے۔"

"ہاں 'انسان کی شناخت' آسان کام نہیں ہے۔" مَیں ...نے کہا اور بُقراط ایک دم خاموش ہو گیا۔ اُسی وقت اُسے ...کیک کاٹنے کے لیے طلب کر لیا گیا اور وہ ایک گہری سانس ...لے کر آگے بڑھ گیا۔ مَیں بغور اُس کے چہرے کا جائزہ لے رہی ...تھی... بہت گہرا انسان تھا۔ میرے اس جملے نے اُسے خاموش ...ضرور کر دیا تھا لیکن اب اُس کے چہرے سے کسی ردِّ عمل کا اظہار نہیں ہو رہا تھا۔

کیک کٹا اور تحائف کے ڈھیر لگ گئے۔ شمس نے بھی اپنا تحفہ پیش کر دیا تھا۔ مَیں البتّہ ابھی اس کی خوشی میں خلل انداز ہونا نہیں چاہتی تھی۔ اس کے بعد بُقراط لوگوں میں گھر گیا اور دیر تک ہمارے ہاتھ نہ لگا۔ مَیں اس کی باتوں پر غور کر رہی تھی۔ شمس افشاں کے ساتھ ایک دُوسرے گروپ میں چلی گئی تھی...

پھر دُوسری رسم ہُوئی اور اس میں تہوّر عالم صاحب نے اعلان کیا کہ آج سے اُن کا سارا کاروبار اور جائداد اُن کے بیٹے تصوّر عالم کو منتقل ہو گیا ہے۔ اس لیے وہ کاروباری امور سے سُبکدوش ہو رہے ہیں۔ تمام حضرات اب اس سلسلے میں تصوّر عالم سے رابطہ رکھیں گے...

زبردست تالیوں سے اس اعلان کا خیر مقدم کیا گیا تھا لیکن بُقراط کے چہرے پر کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ وہ بدستور سنجیدہ تھا۔ شمس دوبارہ میرے پاس واپس آ گئی... اور ہم خوش گپیوں میں مصروف ہو گئے۔ کافی دیر کے بعد مَیں نے بُقراط کو تلاش کیا۔ وہ اس وقت ایک وجیہہ معمّر شخص سے محوِ گفتگو تھا۔ اتنی عُمدہ شخصیات کبھی کبھی نگاہ سے گزرتی ہیں اس شخص کی عمر پچاس اور ساٹھ کے درمیان تھی۔ بلند و بالا قد، کنپٹیوں کے بال سفید تھے۔ چہرے سے گویا خون ٹپک رہا تھا۔ آنکھیں بڑی بڑی اور کشادہ تھیں۔ پیشانی سے... اقبال مندی کا اظہار ہو رہا تھا۔ اعلا تراش کے سُوٹ میں وہ یہاں موجود لوگوں میں ممتاز نظر آ رہا تھا۔ مَیں اُس کی شخصیت سے کافی متاثر ہُوئی تھی۔ بہرحال مَیں نے اُن کے درمیان مداخلت کی کوشش نہیں کی اور دُوسری طرف متوجّہ ہو گئی لیکن تھوڑی دیر کے بعد ہی عقب سے بُقراط کی آواز سُنائی دی۔ "مِس عالیہ۔ آیئے آپ کو ایک ممتاز شخصیت سے ملاؤں۔" اور مَیں گھوم گئی۔ اس وجیہہ شخص کو اپنے مقابل پا کر مَیں سنبھل گئی تھی۔ مَیں نے اُسے نزدیک سے دیکھا... اُس کی بڑی بڑی آنکھوں میں شفقت تھی۔

"ہیلو..." اُس نے گردن خم کی۔

"یہ محترمہ عالیہ صغیر بھایانی ہیں... مُلک کے ایک ممتاز اخبار سے منسلک ہیں اور نامور صحافیوں میں شمار ہوتی ہیں۔"

"ہاں۔ یہ نام میرے لیے اجنبی نہیں ہے۔" اس شخص کی مُسکراہٹ بھی بے حد پاکیزہ تھی۔

"شکریہ جناب۔" مَیں نے بھی خلوص سے کہا۔

"اور مس عالیہ۔ آپ ملک کے بہت بڑے صنعت کار، سرمایہ دار ایسی شخصیت ہیں جن کے سارے اوصاف ایک نشست میں گنوانا مشکل ہے۔ جناب اطہر رضوی۔"

میرے کان ایک دم بند ہو گئے تھے۔ ایک عجیب سی سنسناہٹ میری رگوں میں دوڑ گئی تھی لیکن مَیں نے اس دھماکے سے سنبھلنے میں دیر نہیں لگائی اور میرے ہونٹوں پر پُرخلوص... مسکراہٹ پھیل گئی۔

"میرے لیے بھی یہ نام اجنبی نہیں ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ میری پرواز محدود ہے۔" مَیں نے کہا۔

"کیوں بیٹے۔ محدود پرواز سے تمہاری کیا مُراد ہے...؟" اطہر رضوی نے شیریں لہجے میں پوچھا۔

"محترم تصوّر عالم میرا تعارف کرا چکے ہیں۔ ایک اخبار سے منسلک ہُوں لیکن اب نکال دی گئی ہُوں اور ان دنوں نوکری کی تلاش میں سرگرداں ہُوں۔ ہم اخبار نویس اُس وقت قابلِ قدر ہوتے ہیں جب اخبارات کے لیے تازہ بہ تازہ اور سنسنی خیز خبریں مہیا کر سکیں۔ جہاں حالات ٹھنڈے ہُوئے مالکان کے مزاج بھی سرد ہو جاتے ہیں یا پھر کسی طور ہماری پُشت مضبوط ہو جائے اور اس کے بھی کچھ مخصوص طریقے ہیں۔"

"وہ کیا...؟" رضوی صاحب نے دلچسپی سے پوچھا۔

"کسی اتنے بڑے شخص کا انٹرویو جو اخبار کی تقدیر بدلنے پر قادر ہو۔ اخبارات کے مالکان کو ان سے کچھ بھی نہ ملے لیکن یہ بات ہی اُن کے لیے قابلِ فخر ہوتی ہے کہ کسی اتنی بڑی... شخصیت نے اُن کے اخبار کو یہ عزت بخشی۔ اس لیے مَیں اپنی پہنچ محدود سمجھتی ہُوں۔"

"اوہ لیکن اگر تم مجھے اس قابل سمجھتی ہو بیٹے تو مَیں حاضر ہُوں اور مجھے بتاؤ وہ کون سا اخبار ہے۔ مَیں اُس کے مالک کو فون کر دُوں گا کہ ہماری پیاری بیٹی کو فوراً مُلازمت پر بحال کیا جائے۔ ورنہ اخبار بند کرا دیا جائے گا۔" اطہر رضوی نے کہا۔

"پہلی شکل مناسب ہے جناب۔ اگر اخبار کے لیے آپ کا انٹرویو مل جائے تو کام خود بخود بن جائے گا۔ ورنہ ساری عمر سفارشی کہلاتی رہُوں گی۔" مَیں نے کہا اور اطہر رضوی نے جیب میں ہاتھ ڈال کر اپنا کارڈ نکال لیا پھر اُس کی پُشت پر قلم سے لکھ دیا۔

"یہ بیٹی جس وقت بھی مجھ سے ملنا چاہے فوراً مجھ سے رابطہ قائم کیا جائے۔" اور پھر اُس نے وہ کارڈ مجھے دے دیا۔

"مَیں اگر فوری وقت نہ دے سکا تو وقت کا تعین ضرور کر دُوں گا۔"

"مَیں بے حد شکر گزار ہُوں۔" مَیں نے جواب دیا۔

"اور کوئی حکم بیٹے؟" اطہر رضوی نے پوچھا۔

"حکم نہیں التجا ہے۔"

"کہو...؟"

"طویل عرصے تک زندہ رہیں تاکہ جب اچھے انسانوں کا تصوّر ذہن میں آئے تو آپ تک رسائی حاصل کر لی جائے۔" مَیں نے کہا اور اطہر رضوی مُسکرانے لگا۔

"سوری بے بی۔ اس کے لیے تمہیں خُدا سے رابطہ قائم کرنا ہوگا۔" اُس نے کہا اور پھر چند لوگ ان دونوں کے پاس پہنچ گئے۔ رضوی صاحب اُن کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔

... "لیکن بُقراط اب اُن سے علیحدہ ہو گیا۔" وہ دونوں بُقراط کی خالائیں کہاں گئیں۔" اُس نے مجھ سے پوچھا۔

"بُقراط کی خالائیں؟" مَیں ہنس پڑی۔

"ہاں۔ اُن کے خیال میں مجھ میں اور شیطان میں کوئی فرق نہیں ہے بلکہ شیطان بہ شکلِ انسان زمین پر موجود ہے۔"

"کیا وہ اس کا اظہار کر چکی ہیں؟" مَیں نے پوچھا۔

"زبان سے نہیں عمل سے۔"

"میرا خیال اس سے مختلف ہے۔"

"خواتین دُنیا کی ہر بات سے اختلاف کرتی ہیں۔"

"خیر چھوڑیے۔ مَیں آپ کو خصوصی مبارک باد پیش کرتی ہُوں بُقراط صاحب۔" مَیں نے ہنستے ہُوئے کہا۔

"ہاں میرے مصائب میں اضافہ ہو گیا۔"

"آپ کسرِ نفسی سے کام لے رہے ہیں۔ اب تو آپ بھی بہت بڑے انسان بن گئے ہیں۔"

"فلسفے کی زبان میں جواب دُوں گا تو آپ بور ہو جائیں گی۔ بڑا انسان صرف وہ ہے جس کی نیندیں اپنی ہوں۔ دولت نیندیں چھین لیتی ہے۔ بے شک مجھے اب آپ لوگوں سے قرض نہیں مانگنا پڑے گا لیکن اب مجھے اس دولت کے حساب کتاب میں نیندیں حرام کرنی پڑیں گی جو والد صاحب نے بلاوجہ جمع کر رکھی ہے لیکن خیر... مَیں بھی بہت چالاک ہُوں۔"

"ہاں آپ بہت چالاک ہیں بُقراط صاحب۔"

"یُوں سمجھو۔ بس چند روز کی الف لیلیٰ ہے۔ اس کے بعد وہی دن رات ہوں گے۔ مَیں یہ ساری دولت اُن لوگوں کے

درمیان ٹھکانے لگانے کی کوشش کروں گا جن کے ذریعے یہ جمع کی گئی ہے۔"

"آپ کے والد صاحب اجازت دیں گے؟" مَیں نے پوچھا۔

"توبہ توبہ توبہ۔ کہیں آپ میرا یہ بیان اخبارات میں نہ چھاپ دیں عالیہ صاحبہ۔ ورنہ آپ بہتوں کی حق تلفی کی مرتکب ہوں گی۔ مَیں اس وقت تک یہ کام کرتا رہوں گا جب تک والد صاحب کو اس کا علم نہ ہوگا۔ علم ہونے کے بعد بچا کھچا اُن کا اور میرا خیال ہے اُن کے لیے کافی ہوگا۔"

"اور آپ...؟" مَیں نے پوچھا۔

"مَیں تو فلسفی آدمی ہُوں۔ منطق سے پیٹ بھر لیتا ہُوں مجھے کسی اور شئے کی حاجت نہیں ہے۔" بُقراط نے جواب دیا۔

"آپ نے میرے اُوپر ایک احسان بھی کیا ہے بُقراط صاحب۔"

"خُدا کے لیے۔ خُدا کے لیے کوئی ہنسانے والی بات نہ کریں۔ مَیں اس وقت ہنسنا نہیں چاہتا۔"

"مَیں اُس احسان کی بات نہیں کر رہی ہُوں... جسے آپ تسلیم نہیں کرنا چاہتے۔ مَیں اطہر صاحب کی سفارش کی بات کر رہی ہُوں۔"

"کیا اخبار والوں نے واقعی؟ میرا مطلب ہے آپ اخبار سے واقعی علیحدہ کر دی گئی ہیں؟"

"ہاں یہ حقیقت ہے۔"

"تو لعنت بھیجیے اُس پر، اپنا اخبار نکالیے۔"

"مَیں اس کا جواب افشاں وغیرہ کو دے چکی ہُوں۔"

"ضرورت سے زیادہ خودداری حماقت ہوتی ہے۔"

"ہاں مَیں احمق ہُوں لیکن آپ نے تو میری مُلازمت بحال کرا دی۔ بہت گہرے مراسم معلوم ہوتے ہیں آپ کے رضوی صاحب سے؟"

"ہاں۔ ان بے چاروں نے مجھے کئی کاروبار بتائے ہیں اور کہا ہے کہ وہ مجھے گائیڈ کریں گے۔ بے حد مخلص انسان معلوم ہوتے ہیں۔ ویسے لفظوں کے جال آپ کے پاس بھی خوب ہیں۔" بُقراط نے کہا۔

"آپ مطمئن رہیں۔ مَیں ان سے کوئی فائدہ نہیں اُٹھاؤں گی۔" مَیں نے چلبلاتے ہُوئے انداز میں کہا۔

"ارے آپ بُرا مان گئیں۔" وہ جلدی سے بولا۔

"آپ نے اس دُنیا میں کسی کو اپنا ہم پلہ سمجھا ہے بُقراط صاحب؟" مَیں نے سرد لہجے میں کہا۔

"نہیں۔ مَیں نے خود کو ہمیشہ...۔"

"آپ خود کو انسان کا شناور کہتے ہیں۔"

"ارے کب کہا... مَیں نے؟"

"آپ فرشتہ ہیں۔"

"بس بُقراط ہُوں صرف۔" وہ کسی قدر گھبرا گیا تھا۔

"براہِ کرم۔ میری طرف سے یہ حقیر سا تحفہ قبول فرمایئے...۔" مَیں نے پرس سے ایک پیکٹ نکال کر اُس کے ہاتھ میں تھما دیا۔

"یہ... یہ تحفہ... سس سالگرہ کا ہے؟"

"جی ہاں۔ یہی سمجھ لیں۔"

"مم۔ مگر آپ تو تحفہ دے چکی ہیں۔ مم۔ میرا مطلب ہے مس شمس...۔" وہ بولا اور مَیں مُڑ کر شمس کی طرف چل پڑی... جو تھوڑے فاصلے پر کھڑی ہم دونوں کو دیکھ رہی تھی۔ بُقراط اسی جگہ کھڑے ہو کر پیکٹ کھول رہا تھا۔ اُس نے پیکٹ کھول کر دیکھا اور پھر زور زور سے دونوں کان جھاڑنے لگا جیسے کانوں میں کوئی کیڑا گھس گیا ہو پھر اُس نے جلدی سے پیکٹ جیب میں رکھ لیا تھا لیکن اُس نے مُڑ کر ہماری طرف دیکھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

خاصی رات تک ہم لوگ وہاں رُکے۔ رات کا کھانا بھی چند مخصوص لوگوں کے ساتھ کھایا۔ اس کے بعد مَیں نے واپسی کی اجازت مانگی۔ تہوّر عالم صاحب بھی بظاہر خشک انسان نہیں تھے۔ کھانے کے بعد دیر تک وہ مجھ سے میرے خاندانی حالات کے بارے میں گفتگو کرتے رہے تھے۔ بُقراط بھی کھانے کی میز پر موجود تھا لیکن مکمل طور سے پُرسکون نظر آ رہا تھا جیسے کوئی خاص بات نہ ہو۔ مَیں نے اجازت مانگی تو منوّر عالم صاحب بول پڑے۔

"بھئی عالیہ بیٹے۔ یہ بات میرے لیے باعثِ تکلیف ہوگی کہ تم بھی مہمانوں کی طرح آ کر مہمانوں کی طرح ہی واپس چلی جاؤ اور پھر آج تو بھائی جان نے اُن بچیوں کو بھی روک لیا ہے۔ میری خواہش ہے کہ تم بھی رُک جاؤ۔"

"تعمیلِ حکم کرتی انکل... لیکن ایک بڑی مصروفیت ہے ضروری واپس جانا ہے۔" مَیں نے ادب سے کہا۔

"کوئی گنجائش نکل سکے تو؟"

"یقین کریں دُوسری بار کچھ کہنے کی جرأت نہ کرتی۔" مَیں نے عاجزی سے جواب دیا۔

"اب بولو بھئی۔ اب کیا کروں؟" منوّر عالم نے افشاں اور

فرزانہ کی طرف دیکھ کر پوچھا اور میں مسکرا پڑی۔

"ان کی محبت میری زندگی کا ایک قیمتی سرمایہ ہے اگر فرصت ہوتی ہے تو میں نے کبھی انکار نہیں کیا ہے لیکن بس۔"

"اتوان سے یہ تو پوچھیں نوکری چھوڑ کر بیٹھی ہوئی ہیں اب کیا مصروفیت ہے؟" افشاں جھلا کر بولی۔

"نہیں بیٹی۔ یہ بات پوچھنے کی نہیں ہوتی ہے ضرور کوئی مصروفیت ہوگی۔ ہمیں عالیہ بیٹی پر اعتماد ہے۔"

"ہائے بے چارے بے اعتماد تو ہم لوگ ہیں۔ کیوں شمس آپ بھی شدید مصروف ہوں گی؟"

"مم۔ میں، نہیں تو۔" شمس بے چاری بے اختیار بول پڑی۔

"تو پھر آپ تو رک جائیں تاکہ ہم تھوڑی سی بغلیں بجالیں اجازت لے لیں ممکن ہے آپ کو اجازت مل جائے؟"

"شمس تم آج رک جاؤ۔ کل میں یہاں آکر تمہیں لے جاؤں گی۔ یہ ٹھیک ہے افشاں؟ شمس بطور ضمانت...؟" میں نے ہنستے ہوئے کہا اور دوسرے لوگ بھی ہنسنے لگے۔ میں نے خلوص سے شمس کو اجازت دے دی تھی۔ چنانچہ شمس وہاں رک گئی اور میں وہاں سے واپس ہونے والی آخری مہمان تھی۔

ناصر بے چارا صبر و سکون سے کار میں بیٹھا میرا انتظار کر رہا تھا۔ بقراط کے علاوہ سب لوگ مجھے چھوڑنے آئے تھے بقراط نہ جانے کہاں چلا گیا تھا۔ بہرحال میں ان لوگوں کو سلام کر کے واپس چل پڑی۔ کار کوٹھی سے باہر نکلی تو میں نے ناصر سے معذرت کرتے ہوئے کہا۔

"سوری ناصر۔ میں تم سے شرمندہ ہوں۔ آج تمہیں میری وجہ سے کافی پریشان ہونا پڑا ہے۔"

"ارے نہیں چیف۔ آپ یہ بات کہہ کر مجھے شرمندہ کر رہی ہیں۔ میں کیا پریشان ہوا آرام سے بیٹھا ہوا تھا اور پھر میں جانتا ہوں کہ اس کی ضرورت ہوگی ورنہ آپ مجھے ڈرائیور کی حیثیت سے نہ استعمال کرتیں۔" ناصر نے پورے خلوص سے کہا۔

"ہاں ناصر محسوس مت کرنا۔"

"قطعی نہیں چیف۔ قطعی نہیں۔"

"یہاں تمہیں کوئی شناسا شکل نظر آئی؟" میں نے سوال کیا۔

"ہاں مس عالیہ۔ میں آپ کو بتلانے ہی والا تھا۔" ناصر نے کہا اور میں چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

"کون تھا...؟" میں نے پوچھا۔

"آپ یقیناً اسے نہیں جانتی ہوں گی لیکن میں اسے دیکھ کر بُری طرح چونکا ہوں۔ وہ قادر تھا۔ قادر بھیڑیا۔ طویل عرصے تک لوٹ مار کرتا رہا ہے۔ بہت سے قتل کیے تھے... اور پھر جیل سے فرار ہوگیا تھا۔ عین اس رات جب اسے سزائے موت ہونی تھی۔ اس کے بعد پولیس اسے کافی دن تک تلاش کرتی رہی تھی پھر یہ خیال کر لیا تھا کہ وہ ملک سے باہر نکل گیا اور اس کے بعد میں نے اسے آج دیکھا ہے۔"

"کہاں تھا؟" میں نے پوچھا۔

"سفید رنگ کی کیڈلک ڈرائیو کر رہا تھا۔ داڑھی رکھ لی ہے اور پٹھانوں کا کلاہ باندھے ہوئے تھا۔"

"کیڈلک کا نمبر نوٹ کیا؟" میں نے پوچھا۔

"بالکل۔" ناصر نے نمبر دہرا دیا اور پھر بولا۔ "یوں بھی کیڈلک گاڑیاں دو تین ہی ہوں گی شہر میں۔"

"اس کے ساتھ جو آیا تھا اسے بھی تم نے دیکھا تھا ناصر؟"

"جی ہاں۔ گرے کلر سوٹ میں ایک شاندار آدمی تھا۔"

ناصر نے جواب دیا اور میں نے ایک ٹھنڈی سانس بھری... گرے سوٹ میں اطہر رضوی ہی تھا۔ میں گہری سوچ میں ڈوب گئی لیکن ایک لمحہ بھی نہیں گزرا تھا کہ دفعتاً ناصر کے حلق سے ایک آواز نکلی۔

"سنبھلیے چیف۔" اور میں اچھل پڑی۔ میں نے بے اختیار سامنے دیکھا۔ دو تیز روشنیاں جو ایک دوسرے سے کافی فاصلے پر تھیں جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ کوئی بڑی گاڑی ہے۔ اس جارحانہ انداز سے آ رہی تھیں کہ کار کا بچنا مشکل تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ کار کو لپیٹ میں لینے آ رہی ہو "میں کار روک رہا ہوں آپ نیچے کود جایئے۔" ناصر نے دوبارہ کہا اور دوسرے لمحے اس نے پورے بریک لگا دیے۔ میں نے سستی نہیں کی تھی... اور برق رفتاری سے نیچے کود گئی تھی۔ ناصر نے بھی میرے ساتھ ہی گاڑی سے چھلانگ لگا دی تھی۔ اس نے شاید لانگ پن دبا دیا تھا جس سے پاؤں کے دباؤ کے بغیر گاڑی چلتی رہتی ہے اس لیے کار تیزی سے آگے بڑھ گئی تھی اور پھر وہی ہوا۔

ایک خوفناک دھماکا ہوا اور سامنے سے آنے والی گاڑی کی روشنیاں گل ہوگئیں۔ شاید اس کی ہیڈلائٹس بھی ٹوٹ گئی تھیں۔ ہماری گاڑی کا تو نہ جانے کیا حشر ہوا تھا...؟ لیکن اس کا حشر جلد معلوم ہوگیا۔ دفعتاً گاڑی میں آگ کے شعلے بھڑک اٹھے تھے اور پھر شاید پیٹرول کی ٹنکی ایک زبردست دھماکے سے پھٹ گئی اور یہ شعلے دور دور تک بکھر گئے...

ایک جلتا ہوا حصہ میرے بالکل نزدیک آکر گرا اور عین ممکن تھا کہ میں خود بھی آگ کی لپیٹ میں آجاتی لیکن دوسرے لمحے میں سنبھل کر اٹھی اور سڑک کے نشیب میں دوڑنے لگی لیکن اسی وقت تڑ تڑ گولیاں چلنے لگیں اور میں نے جلتے ہوئے انگارے اپنے دائیں بائیں سے گزرتے دیکھے۔

میں نے ایک لمبی چھلانگ لگا دی تھی پھر میں نے اپنے بالکل نزدیک سے فائرنگ کی آواز سنی۔ یہ تین گولیاں ناصر نے چلائی تھیں اور یکے بعد دیگرے تین چیخیں سنائی دی تھیں۔ دوسرے لمحے ناصر نے میرا ہاتھ پکڑا اور دوڑنے لگا۔ میں نے مزاحمت نہیں کی تھی۔

ہم دونوں نشیب میں دوڑ رہے تھے کہ دفعتاً ایک روشن لکیر آسمان کی طرف بلند ہوئی اور ہماری نگاہیں بے اختیار اوپر اٹھ گئیں لیکن جلد ہی اس روشن لکیر کا مقصد بھی سمجھ میں آگیا اوپر جا کر ایک ہلکا سا دھماکا ہوا اور پھر جیسے سورج نکل آیا۔ تیز دودھیا روشنی کا گولا فضا میں تیر رہا تھا اور ہر چیز جیسے دودھ میں نہا گئی تھی۔ ہم لوگ اس روشنی میں نمایاں ہوگئے تھے اور دوسرے لمحے ہم پر دوبارہ گولیوں کی بارش ہوگئی۔ اس بار میں ہوشیار تھی۔ ہم دونوں پھر زمین پر گر پڑے۔ ناصر نے نیچے گرتے ہوئے پھر لگاتار تین فائر کیے تھے لیکن اس بار اس کی یہ کوشش کامیاب نہیں ہوئی تھی۔ اسٹین گنوں سے گولیاں برس پڑی تھیں اور کم بخت روشنی کی وجہ سے بڑے خوفناک نشانے مار رہے تھے لیکن ہم لوگ بھی تیز رفتار سانپوں کی طرح رینگ رہے تھے۔

"آپ آگے بڑھیے مس عالیہ۔ آپ کا پستول تو محفوظ ہے؟" ناصر نے سرگوشی کی۔

"ہاں... اور تمہارا؟"

"خالی ہوگیا ہے۔ دوبارہ لوڈ کرنا ہوگا بشرطیکہ مہلت ملے۔" ناصر کی آواز میں خوف کا عنصر نہیں تھا۔

"لاؤ مجھے دو۔ یہ تم لے لو۔" میں نے ناصر کو اپنا پستول دیتے ہوئے کہا اور ناصر نے شکریے کے ساتھ پستول لے لیا۔ اس نے پھر دو فائر کیے تھے اور اسی وقت روشنی بجھ گئی میں نے ناصر کا ہاتھ پکڑا اور فوراً جگہ بدل دی۔ یہ وقت ایسا تھا کہ ہم جتنی دور نکل جاتے بہتر تھا۔ چنانچہ جگہ بدلتے ہی ہم نے پھر اٹھ کر دوڑنا شروع کر دیا تھا۔

لیکن وہ لوگ بھی چالاک تھے۔ اب وہ بھی شاید سڑک کے نشیب میں آگئے تھے اور دور دور تک پھیل کر گولیاں برسا رہے تھے۔ اس کے علاوہ ان کی دوسری کوششیں بھی جاری تھیں چنانچہ ایک اور روشن لکیر آسمان کی طرف بلند ہو گئی... پھر جب اس نے اپنا عمل پورا کیا اور فضا میں تیز روشنی پھیلی تو دور سڑک پر ایک خوفناک دھماکا ہوا پھر دوسرا اور پھر تیسرا... اور اس کے ساتھ ہی فضا میں آگ کا ایک گولا بلند ہوگیا۔

نہ جانے کیا ہوا تھا۔ ہمارے کان سن ہوگئے تھے۔ اعصاب کشیدہ ہوگئے تھے اور ایک لمحے کے لیے ہم ساکت ہوگئے تھے۔ تیز روشنی میں اوپر سڑک کا منظر نمایاں تھا۔ سیاہ رنگ کی ایک دیوہیکل گاڑی دھڑا دھڑ جل رہی تھی۔ جانے کیسے ان کی گاڑی بھی تباہ ہوگئی تھی اور اسٹین گنوں کی فائرنگ رک گئی تھی لیکن صرف چند لمحات کے لیے۔ دوسرے لمحے پھر فائرنگ ہونے لگی اور ہم حیران رہ گئے کیوں کہ یہ فائرنگ سڑک پر ہو رہی تھی شاید کہیں سے ہمارے لیے کمک آگئی تھی لیکن کون ہو سکتا ہے ممکن ہے پولیس ہو۔

اوپر چیخیں بلند ہو رہی تھیں لیکن ہمارا رکنا ہمارے حق میں بہتر نہیں ہوا وہ لوگ جو سڑک سے نیچے اتر کر گولیاں برسا رہے تھے بے تحاشہ دوڑتے ہوئے ہمارے سروں پر پہنچ گئے۔ جونہی ان کی آہٹ ہوئی ناصر نے فوراً گولیاں چلانا شروع کر دیں۔ میں نے تین آدمیوں کو نیچے گرتے دیکھا لیکن ان کی تعداد زیادہ تھی اور وہ اتنے قریب آچکے تھے کہ اب ان سے بچنا مشکل تھا۔ ایک دیوانے نے مجھ پر چھلانگ لگائی اور میں اسے ڈاج دے گئی لیکن گرتے گرتے اس نے میری دونوں ٹانگیں پکڑ کر کھینچیں اور میں اس بُری طرح گری کہ میرا سر پوری قوت سے زمین سے ٹکرایا۔ ایک دم آنکھوں کے نیچے اندھیرا چھا گیا تھا۔ میں نے حواس سنبھالنے کی لاکھ کوشش کی لیکن سر کی چوٹ اس قدر جان لیوا تھی کہ یوں لگ رہا تھا جیسے بھیجہ باہر نکل پڑا ہو اور پھر اندھیرا... گہرا اندھیرا... اور یہ اندھیرا کس قدر پُرسکون ہوتا ہے مجھے اب احساس ہوا تھا۔

میں آغوشِ مادر میں ہچکولے کھا رہی تھی۔ نہ جانے کیا کیا خواب دیکھ ڈالے تھے۔ اس دوران یورپ کی پُرفضا وادیاں۔ سوئٹزرلینڈ کے تفریحی مقامات اور لون کا شاداب علاقہ۔ لیوڈے اوما کا شاندار گرجا گھر... اپنے ڈیڈی اور نہ جانے

کیا کیا بس ایک عجیب سا احساس تھا جیسے میں کسی تیز رفتار سواری میں بیٹھی ہوئی ہوں اور مناظر بدلتے جا رہے ہوں۔ بس وقت میری یہ تیز رفتار سواری شاید کسی سُرنگ میں داخل ہو گئی تھی۔۔ کیوں کہ ایک دم اندھیرا سا چھا گیا تھا۔ میں نے چونک کر دیکھا تو سامنے ہی سُرخ الفاظ جگمگا رہے تھے۔

" سگریٹ نوشی نہ کریں "

یہ سُرخ الفاظ ؟ اوہ۔ اوہ۔ شاید میں ہوائی سفر کر رہی ہوں میں نے سوچا۔ حواس کچھ اور بحال ہوئے تو میں بے اختیار اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ واقعی میں کسی طیارے میں تھی لیکن تنہا۔۔ ساری سیٹیں خالی پڑی تھیں۔ میرے قرب و جوار میں کوئی دُوسرا انسانی وجود نہیں تھا۔ طبیعت اُلٹی جا رہی تھی۔ دماغ سائیں سائیں کر رہا تھا۔ زبان پر پیاس کی شدت سے کانٹے پڑتے جا رہے تھے۔ بمشکل تمام میرے حلق سے آواز نکلی۔

"کوئی ہے... ؟"

لیکن اس آواز کا کوئی جواب نہیں ملا۔ جہاز کی ہلکی سی گُونج کے سوا اور کوئی آواز نہیں تھی۔ خُدا کی پناہ۔ کیا میں اس پُورے طیارے میں تنہا ہُوں۔ باقی مُسافر کہاں مر گئے۔۔ میں کہاں جا رہی ہُوں ؟ دیر تک اپنی جگہ بیٹھی سوچتی رہی اور پھر گزرے ہُوئے واقعات یاد آئے۔ سب کچھ یاد آیا تو ایک بار پھر وحشت سے اُچھل پڑی۔ تہوّر عالم کی کوٹھی سے واپسی کار کی تباہی۔ ناصر... ہنگامہ اور اس کے بعد کے واقعات ذہن میں اُجاگر نہیں تھے۔ گویا۔ گویا۔ میں۔ میں کسی کی قید میں ہُوں۔ اس احساس نے بدن میں چنگاریاں بھر دیں۔ سب کچھ بھُول گئی اور اُچھل کر کھڑی ہو گئی۔ سَر دُکھ رہا تھا۔ دماغ میں چوٹ لگی تھی لیکن میں اب سب کچھ بھُول گئی تھی۔ میں صرف یہ اندازہ لگانے کی کوشش کر رہی تھی کہ اس خالی طیارے میں مجھے کہاں لے جایا جا رہا ہے۔

چند لمحات میں اسی طرح کھڑی رہی۔ سفر کا احساس مکمل طور پر نمایاں تھا۔ میں نے دونوں ہاتھ[illegible] سے دُکھتے ہُوئے سَر کو سہارا دیا اور ایک بار پھر چونک پڑی۔ اُوپر بینڈیج تھی۔ گویا مجھے بے ہوش ہُوئے کافی وقت گزر چکا ہے لیکن اب۔ اب کیا کروں۔ بجائے اس کے کہ حواس معطل ہو جائیں۔ جلد بازی کچھ اور خرابیاں پیدا کر دے گی۔ اس خوفناک صُورتِ حال۔۔

دماغ میں ایک اور ٹیس پیدا ہُوئی اور خیالات میں ایک سُورج سا چمکا۔ درخشاں اور شکیلہ یاد آ گئیں۔ کہیں یہ وہی مصنوعی طیارہ تو نہیں ہے جس میں لڑکیوں کو مشرقِ وسطےٰ بھیجا جاتا ہے۔ وہ کہانی بھی تو ایسی ہی تھی اور منوّر عالم کی کوٹھی میں میں اس طیارے کی سَیر بھی کر چکی تھی۔ اوہ۔ اوہ... تو کیا میں منوّر عالم کی کوٹھی میں ہُوں۔ تو کیا اب نواب زادہ منوّر عالم کھُل کر سامنے آ جائیں گے ؟

پھر میں نے قرب و جوار کے ماحول کا جائزہ لیا اور اندازہ لگانے لگی کہ یہ وہی مصنوعی جہاز ہے جسے میں دیکھ چکی ہُوں یا میرا وہم ہے لیکن کوئی صحیح فیصلہ نہیں کر سکی۔ انکل منوّر عالم کی کوٹھی میں جو مصنوعی جہاز دیکھا تھا اُس کے ہوسٹس کیبن میں سے بُقراط برآمد ہُوا تھا۔

ہوسٹس کیبن موجود تھا۔ میں اُٹھ کر اُس کی طرف بڑھ گئی اور کیبن کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئی۔ بالکل وہی ماحول تھا یہاں پانی موجود تھا۔ میں نے دو گلاس ٹھنڈا پانی پیا اور بے حد سکون ہُوا۔ میں کسی ایسی چیز کی تلاش میں بھی تھی جسے بطورِ ہتھیار استعمال کیا جا سکے لیکن ایسی کوئی شئے یہاں نظر نہیں آئی اور میں مایُوس ہو گئی۔ بہر حال پھر میں ہوسٹس کیبن سے نکل آئی لیکن باہر اب تیز روشنی ہو گئی تھی۔ نو اسموکنگ کے سُرخ الفاظ بجھ گئے تھے۔ میں نے جہاز کے دروازے کی طرف دیکھا اور آہستہ آہستہ دَبے قدموں اُس کی طرف بڑھ گئی...

دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھ کر میں نے ایک جھٹکے سے اُسے کھولنے کی کوشش کی لیکن حسبِ معمول ہینڈل لاک تھا

مجھے یہاں بھی مایُوسی ہُوئی تھی اور اب اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں تھا کہ میں پائلٹ کیبن کا رُخ کروں۔۔ کاش کوئی ہتھیار پاس ہوتا۔ میں نے سوچا لیکن مجھے یہاں لانے والے میری شخصیت سے بھی واقف ہوں گے اس لیے اُنہوں نے ایسی کوئی شئے یہاں نہیں چھوڑی تھی پھر دَبے دَبے لیکن پُراعتماد قدموں سے میں پائلٹ کیبن کی طرف بڑھ گئی اور اُس کا ہینڈل کھول دیا۔ دُوسری طرف بھی تیز روشنی تھی۔ پائلٹ کیبن میں سیٹ پر پائلٹ موجود تھا اور اس کے سامنے انجن کا میکنزم بورڈ تھا۔

لیکن میں اُس کی شکل نہیں دیکھ سکی۔ اُس نے ایک چُست لباس پہنا ہُوا تھا اور اس کا پُورا چہرہ سیاہ نقاب میں تھا۔ نقاب کے نیچے سے اُس کے خدوخال واضح نہیں تھے البتّہ داڑھی کی جگہ اُبھری نظر آ رہی تھی۔ چوڑے چکلے ہاتھ پاؤں بھی سیاہ چُست لباس سے ڈھکے ہُوئے تھے۔ اس کا مطلب

[illegible] کہ وہ کوئی داڑھی والا شخص ہے۔ وہ نہایت انہماک سے [illegible]منے دیکھ رہا تھا۔ تب میں نے ٹھنڈے اور پُراعتماد لہجے میں [illegible]ے مخاطب کیا۔ "ہیلو۔۔" اور وہ سنبھل کر بیٹھ گیا۔

"ہیلو۔ مِس عالیہ صغیر" اُس نے بھرّائی ہُوئی آواز میں کہا۔ [illegible]ا اُکھڑا اُکھڑا اور غیر ملکیوں کا سا تھا۔

"بس اب یہ ڈراما ختم کر دو مسٹر"

"کیا مطلب" زبان اُردو ہی تھی لیکن لہجے سے پتہ چلتا تھا اُس کی مادری زبان نہیں ہے۔

"جہاز کے انجن بند کر دو" میں نے کہا۔

"گویا تم خودکُشی کرنا چاہتی ہو"

"ہاں ..."

"سَوری۔ میں ابھی غیر شادی شُدہ ہُوں" اُس نے ہلکا سا [illegible]ہ لگا کر کہا۔

"انجن بند کر دو۔ میں تمہاری شادی کرا دُوں گی" میں ایک [illegible]گے بڑھ گئی۔

"جہاز گِر پڑے گا مِس"

"نہیں گِرے گا۔ میں یقین دِلاتی ہُوں۔ شاباش یہ کھیل [illegible]ردو تاکہ دُوسرے کھیل کا آغاز کیا جائے" میں نے پُراعتماد [illegible]یں کہا۔

"لیکن... ؟"

"میں جانتی ہُوں ڈیئر یہ مصنوعی جہاز ہے" میں نے کہا۔

"اوہ۔ وَیری گڈ۔ تمہاری معلومات شاندار ہیں" وہ بولا۔

اس پُوری گفتگو کے دوران میں یہ اندازہ لگانے کی کوشش میں مصرُوف تھی کہ میں نے یہ آواز کبھی پہلے بھی سُنی ہے یا نہیں لیکن لہجہ اور آواز قطعی اجنبی تھی۔ یہ احساس بھی نہیں ہوتا تھا کہ وہ آواز بدل کر بول رہا ہے پھر اُس نے جہاز کے انجن بند کر دیے اور چند لمحات کے بعد سناٹا چھا گیا۔ اتنا سناٹا کہ ہم دونوں کے... سانسوں کی آواز بھی صاف سُنائی دے رہی تھی۔ "یہاں تمہارے علاوہ اور کوئی نہیں ہے"

"نہیں" وہ بولا۔

"آؤ باتیں کریں گے یہاں سے نکلو" میں نے کہا اور وہ نقاب کے سوراخ سے میرا جائزہ لینے لگا۔ کم بخت کی آنکھوں کی جگہ بھی گہرے شیشے لگے ہُوئے تھے جن کی دُوسری طرف نہیں دیکھا جا سکتا تھا پھر وہ پائلٹ کی سیٹ سے اُٹھ گیا۔ بلند و بالا قد و قامت کا اسمارٹ آدمی تھا۔ میں اس کے ساتھ جہاز سے باہر نکل آئی۔ وہ محتاط انداز میں چل رہا تھا لیکن میں صُورتِ حال سے باخبر ہُوئے بغیر کوئی اندھا قدم نہیں اُٹھانا چاہتی تھی۔۔ چنانچہ میں ایک سیٹ پر بیٹھ گئی اور میں نے اُسے مزید اطمینان دِلانے کے لیے سیٹ کھول لی اور اس میں نیم دراز ہو گئی... وہ مسلسل میرا جائزہ لے رہا تھا۔ نہ جانے اُس کے ذہن میں کیا خیالات تھے۔

"میرے ساتھ میرا ڈرائیور تھا۔ کیا تم مجھے اُس کے بارے میں بتا سکتے ہو"

"نہیں۔ مجھے معلوم نہیں" اُس نے جواب دیا۔

"اوہ۔ کیا میرے اُوپر حملہ کرتے وقت تم اُن لوگوں کے ساتھ نہیں تھے ؟"

"نہیں"

"ہُوں۔۔" میں نے ایک گہری سانس لی "گویا تمہاری ڈیوٹی مجھے یہاں بے وقوف بنانے پر تھی"

"یہی سمجھو..."

"اب کیا پروگرام ہے ؟"

"تمہیں سمجھانا چاہتا ہُوں مِس عالیہ صغیر۔ تم اس وقت ہمارے چنگل میں ہو۔ یہاں اس جگہ تمہارے ساتھ ہر سلوک کیا جا سکتا ہے۔ تم جن لوگوں کے مقابلے پر آئی ہو وہ حکومت کے بس کے نہیں ہیں تم کیا چیز ہو۔ سُنو مِس عالیہ۔ انتظامیہ کے کچھ ارکان بِک سکتے ہیں اور یہ نچلی سطح کے لوگ ہوتے ہیں تم نے اپنی کوششوں سے بات اتنی بلندی تک پہنچا دی ہے کہ اب صدرِ مملکت نے بھی اس سلسلے میں مداخلت کی ہے لیکن وہ اب بھی محفوظ ہے جو اس کیس کا سرغنہ ہے"

"کب تک محفوظ رہے گا" میں نے پُرسکون لہجے میں کہا

"ممکن ہے وہ کبھی جال میں پھنس جائے لیکن تم اپنی زندگی کھونے پر کیوں تُلی ہُوئی ہو" اُس نے کہا۔

"ایک جذباتی اور پُرجوش تقریر سُننا پسند کرو گے"

"سناؤ..." اُس نے بیزاری سے کہا۔

"دیکھو دوست۔ شکمِ مادر سے برآمد ہونے والے بے بس ہوتے ہیں۔ گزرنے والے لمحات اور اُن کا ماحول اُن کے لیے سمتیں متعین کرتا ہے اور وہ تعین شدہ سمت چل پڑتے ہیں کچھ مصائب کا شکار ہو کر خود کو بھُول جاتے ہیں اور قدرت اُنہیں یاد رکھنے کے مواقع فراہم کرتی ہے وہ یاد رکھتے ہیں۔ مجھے یاد ہے کہ زندگی اس کائنات کی سب سے بے حقیقت چیز ہے لیکن

خالقِ کائنات نے انسان کے دل میں جینے کا جذبہ رکھا ہے اور کوئی شخص کسی بھی حال میں ہو جیتے رہنا چاہتا ہے۔ میں بھی جینا چاہتی ہوں۔ اس لیے کہ میرے سامنے جینے کا مقصد ہے۔"

"ایک منٹ۔ قطع کلامی کی معافی چاہتا ہوں۔ کیا اس مقصد کی وضاحت کرو گی؟"

"ہاں۔ یہ ضروری ہے بلکہ میری خواہش ہے کہ ہم آزادانہ طور پر ہر گفتگو کریں۔ تم بھی کھُل کر بولو اور میں بھی۔"

"لیکن ضروری حدود کے اندر۔" وہ بولا۔

"یہ تمہاری مرضی ہے۔ میں جانتی ہوں تمہارے ساتھ بھی کچھ مجبوریاں ہوں گی میں تمہیں حدود سے باہر نہیں لے جاؤں گی۔"

"شکریہ مس عالیہ۔" اُس نے شرافت سے کہا۔

"تو بات مقصد کی ہو رہی تھی۔ میں یہ خواہش دِل میں رکھتی ہوں کہ میرے وطنِ عزیز سے ان گھناؤنے لوگوں کا خاتمہ ہو جائے جو معاشرے کا کوڑھ ہیں۔ ایک غیرت مند بھائی اگر اپنی بہن کو شرمناک حالت میں دیکھ کر کسی کو قتل کر دیتا ہے تو وہ قاتل ضرور ہے لیکن میری نگاہ میں مجرم نہیں۔ میری خواہش ہے کہ قانون اُس کے ساتھ انصاف کرے لیکن اگر یہ انصاف مجھ پر چھوڑ دیا جائے تو اگر اُس غیرت مند بھائی نے اپنی کوتاہی سے اس بہن کو یہ موقع فراہم نہیں کیا تو میں اُسے باعزت بَری کر دُوں گی۔"

"خوب... لیکن جس جال میں تم آ پھنسی ہو۔ اب اس سے نکلنا ممکن ہے؟"

"کوشش کروں گی۔" میں نے جواب دیا۔

"اگر اس کوشش میں ناکام ہو گئیں تو کسی کو یہ بھی نہیں معلوم ہوگا کہ تم نے ایک نیک کام کے لیے جان دی ہے۔"

"مجھے تو معلوم ہے... نہیں ڈیئر... جس کام میں نمائش کا جذبہ اور دُوسروں سے خراجِ تحسین حاصل کرنے کا تصور پیدا ہو جائے وہ طلب کی صحیح نمائندگی نہیں کرتا۔ ارے ہم سب اپنی ذات میں زندہ ہیں۔ طلبِ تحسین سے زیادہ رُوح کی طلب رُوح پرور ہوتی ہے۔ مجھے کسی نمائش کی خواہش نہیں ہے۔"

"تم اتنی ٹھوکریں کھانے کے بعد بھی نہیں سنبھلیں عالیہ؟"

"ٹھوکریں؟" میں ہنس پڑی۔

"کیوں۔ اِس میں ہنسنے کی کیا بات ہے؟"

"کیا طلبِ لیلیٰ میں قیس نے ساری عمر صحراؤں میں نہیں گزار دی۔ یہ تو عشق کی بات ہے۔ اُس سے پوچھتے تو وہ یہی کہتا کہ اِن ریگستانوں ہی میں تو زندگی سے پیار ہوتا ہے ان سے اُکتا نا کیا...۔"

"جہاں تک مجھے معلوم ہے تم ایک دولت مند باپ کی بیٹی ہو۔ ممکن ہے کسی وجہ سے وہ دولت تمہارے پاس نہ رہی ہو لیکن جو زندگی تم گزار رہی ہو وہ تمہارے قابل ہے؟"

"مقصد...؟" میں نے پوچھا۔

"تمہیں اتنی دولت دی جا سکتی ہے کہ تم پھر وہی زندگی گزارنے لگو جو تمہارے معیار کی ہے بس کام یہ ہے کہ تم اپنے کام سے کام رکھو۔"

"یعنی اپنی زبان بند رکھوں؟"

"ہاں..."

"ایک بات کا جواب دو گے؟" میں نے کہا اور وہ چونک کر مجھے دیکھنے لگا پھر بولا۔

"پوچھو...؟"

"کیا تم وہی شخص ہو جو یہ جرائم کر رہا ہے جس نے کئی معصوم لڑکیوں کی زندگی موت کی آغوش میں ڈال دی ہے؟" میں نے سوال کیا اور وہ کسی سوچ میں ڈُوب گیا پھر بولا۔

"نہیں۔"

"اُس کے عزیز ہو؟"

"نہیں۔"

"اُس کے آلۂ کار ہو؟"

"ہاں۔ یہی سمجھو۔"

"تو سُنو۔ میں تمہیں اتنی دولت دے سکتی ہوں کہ تمہاری سات پُشتیں عیش سے زندگی گزار سکیں۔ دس لاکھ۔ بیس لاکھ... پچاس لاکھ۔ مانگو کیا مانگتے ہو۔ میں یہ سب کچھ تمہیں دینے کو تیار ہوں۔ اس خونی قاتل کو اذیت کی موت مار دو۔ اس کے بدن کا رُواں رُواں کاٹ کر میرے سامنے ڈال دو۔ بولو منظور ہے؟"

"شاید تم پاگل ہو گئی ہو۔" وہ ہنس پڑا۔

"کیوں... آخر کیوں؟" میں نے پوچھا۔

"اتنی دولت تمہارے پاس کہاں سے آئی؟"

"آؤ۔ معاہدہ کر لو۔ پہلے ادائیگی کروں گی اس کے بعد تم سے کام لُوں گی۔" میں نے پُرجوش انداز میں کہا۔

"اگر تمہارے پاس اتنی دولت ہے تو پھر یہ معمولی سی زندگی کیوں گزار رہی ہو؟"

"یہ زندگی اپنی پسند کے مطابق گزار رہی ہوں اس لیے کہ اس رُوئے زمین کی ساری آبادی ایسی ہی زندگی گزارتی ہے۔ چند ہی لوگ تو ہیں جو مسائل سے بے نیاز ہیں۔ میں انہیں اپنی دُنیا کا انسان نہیں گردانتی۔ وہ بے حس، بے ضمیر اور بے غیرت لوگ ہیں جو اپنے ائیر کنڈیشنڈ بنگلوں کے رنگین شیشوں سے فٹ پاتھ پر سخت دُھوپ میں بیٹھے اُس انسان پر نظر نہیں ڈالتے جو سائے سے محرُوم ہے۔ میں ان سارے بے ضمیر لوگوں کی دشمن ہوں۔"

"تم اپنی دولت کو خود پر استعمال کیوں نہیں کرتیں؟"

"کرتی ہوں لیکن صرف ضرورت کے مطابق۔"

"لیکن مس عالیہ صغیر۔ یہ تو انوکھی بات ہے۔ انسان جس قدر محنت کرتا ہے اُسی قدر حاصل کرتا ہے۔ اپنی محنت سے حاصل کی ہوئی مراعات وہ دُوسروں کی جھولی میں کیوں ڈال دے؟" وہ بولا۔

"لیکن وہ دُوسروں سے اس قدر بے نیاز بھی تو نہ ہو جائے۔"

"آپ کسی قانون کے تحت اُسے مجبور نہیں کر سکتیں۔"

"غلط... میں اُنہیں خُدائی قانون کا حوالہ تو دے سکتی ہوں۔ وہ تونگر ہی سہی... لیکن اپنے جیسے چند انسانوں کو بہتر زندگی تو دے سکتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے لیکن اُنہیں دُنیاوی قانون سے مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ یہی کیفیت اُن لوگوں کی ہے جو تمہاری نظر میں اخلاقی اور سماجی مجرم ہیں۔ ایسے مجرم تو قدم قدم پر موجود ہیں۔ آپ... کس کس کو سزا دیں گی مس عالیہ؟"

"جس کی گردن میری گرفت میں آ جائے گی۔"

"لیکن افسوس۔ اس وقت تو آپ کی گردن اُن کی گرفت میں ہے۔" اُس نے ہنس کر کہا۔

"تم نے میری پیش کش پر غور نہیں کیا؟"

"نہیں۔ اِس لیے کہ میں نے اسے صرف ایک فریب سمجھا ہے۔ فریب نہ بھی ہوتا تو میں اپنے مالک سے غداری نہیں کر سکتا...۔"

"ٹھیک ہے۔ اب تمہارا کیا ارادہ ہے؟"

"یہ میری ڈیوٹی ہے کہ پہلے تمہیں سمجھاؤں اور اگر تم نہ مانو تو تمہیں قتل کر دُوں۔" اُس نے کہا۔

"تو اب تمہیں چاہیے کہ مجھے قتل کر دو۔" میں نے ہنس کر کہا۔

"تم بے وقوف معلوم ہوتی ہو عالیہ۔ تمہیں چاہیے کہ جھوٹ بول کر اپنی زندگی بچا لو۔ یہاں سے آزاد ہو کر جو دل چاہے کرتی رہنا۔"

"خُدا کی قسم اتنی ہی نفرت کرتی ہوں اُس درندے سے کہ اُس کے بارے میں جھوٹ بولنے کو بھی دل نہیں چاہتا۔"

"دلچسپ لڑکی ہو۔ کیا تمہارے ذہن میں اُس کے بارے میں تجسس بھی نہیں ہے کیا تم اُس کی شخصیت کے بارے میں بھی جاننا نہیں چاہتیں؟"

"ہاں۔ یہ میری خواہش ہے۔"

"ایک شرط پر میں تمہاری یہ خواہش پُوری کر سکتا ہوں۔"

"شرط...؟"

"ہاں۔"

"کہو...؟" میں نے اُسے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"اگر تم سچی ہو تو تمہیں تمہاری سچائی کی قسم۔ اُس وقت تک کوئی عملی اقدام کرنے کی کوشش مت کرنا جب تک میں تمہارے ساتھ ہوں۔ جب میں تم سے دُور ہٹ جاؤں تو تم آزاد ہو گی۔"

"میں نہیں سمجھی؟"

"جو کچھ میں تمہیں دِکھاؤں اُسے ایک خاموش تماشائی کی حیثیت سے دیکھنا۔ اگر تم نے اس وقت کامیابی حاصل کرنے کی کوشش کی تو میں تمہارا احترام کھو بیٹھوں گا۔" اُس نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

"احترام... کیا تم میرا احترام کرنے لگے ہو؟"

"ہاں۔ میں تم سے بے حد متاثر ہُوا ہُوں۔" اُس نے اعتراف کیا اور میں خاموش ہو گئی۔ تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد میں نے پوچھا۔

"تم مجھے اُس کی شخصیت سے رُوشناس کراؤ گے؟"

"ہاں... کسی حد تک۔"

"پھر تم میری مرضی کے مطابق مجھ سے تعاون کیوں... نہیں کرتے؟"

"ابھی اِس کا وقت نہیں ہے۔"

"یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔"

"وعدہ کرتا ہوں تمہیں سمجھا دوں گا۔"

"ٹھیک ہے دوست... میں بھی وعدہ کرتی ہوں کہ تمہاری مرضی کے خلاف کچھ نہیں کروں گی۔" میں نے کہا۔

"تم جیسی لڑکی کے وعدے پر مجھے اعتبار ہے۔ اس وقت کی خاموشی ہم دونوں کے حق میں بہتر ہو گی۔" اُس نے کہا اور میں خاموش ہو گئی۔ اُس نے کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی میں وقت

دیکھا اور بولا۔ "ابھی ہمیں ایک گھنٹہ اسی جگہ گزارنا ہوگا۔ تمہارے سر کی چوٹ کیسی ہے؟"

"بالکل ٹھیک ہے اس کی فکر مت کرو۔" میں نے ہنس کر جواب دیا اور وہ خاموشی سے ایک سیٹ پر بیٹھ گیا۔ میں بغور اُس کا جائزہ لے رہی تھی پھر میں نے اُس سے پوچھا۔ "تمہارا نام کیا ہے؟"

"جس نام سے چاہو پکار لو۔ میں اپنا اصل نام تمہیں نہیں بتاؤں گا۔" اُس نے ہنس کر کہا۔

"تب پھر ایک دوسری بات بتا دو۔ تم نے اتنی بڑی رقم کی پیش کش ٹھکرا دی ہے اور اب مجھ سے تعاون بھی کر رہے ہو۔ اس کی وجہ؟"

"کوئی وجہ نہیں ہے۔ بس مجھے بھی پاگل ہی تصور کرو۔"

"اس جگہ کے بارے میں بھی کچھ نہیں بتاؤ گے؟"

"ابھی نہیں لیکن جو وعدہ میں نے تم سے کیا ہے وہ ضرور پورا کروں گا۔" اُس نے کہا اور میں خاموش ہو گئی۔ اس کا رویّہ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ نہ جانے کس قسم کا انسان تھا... ابتدا میں میں اُسے کوئی خطرناک آدمی سمجھی تھی... لیکن وہ کسی قدر نرم فطرت کا مالک تھا۔ یہ نقاب بھی میری سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ اس کے بعد کافی دیر تک خاموشی چھائی رہی پھر میں نے ہی یہ سلسلۂ خاموشی توڑا۔

"کیا اتنی دیر ہم خاموش بیٹھے رہیں گے؟"

"تم گفتگو کرو۔ کوئی جواب دینے کی بات ہوئی تو میں جواب دوں گا۔"

"کوئی خاص بات نہیں ہے میں ذہن میں اِس وقت بس تمہارے بارے میں سوچ رہی تھی۔ یہاں میری آمد سے دُوسرے لوگ بھی واقف ہوں گے؟"

"ہاں۔ کیوں نہیں۔"

"تو پھر میرے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟"

"یہ سوال قبل از وقت ہے اگر تم مجھ سے تعاون کرتی رہیں تو میں تمہارے بارے میں بہتر انداز میں سوچوں گا۔"

"ہُوں..." میں نے اس سلسلے میں مزید سوالات مناسب نہ سمجھے ممکن ہے میرے سوالات کا سلسلہ اسے بور کر دے یا پھر وہ سوچنے لگے کہ میں خوف کا شکار ہوں۔ اسی لیے اُس سے یہ سوالات کر رہی ہوں چنانچہ میں خاموش ہو گئی اور اس کے بعد میں نے اُس وقت تک اُس سے کوئی بات نہیں کی جب تک وہ خود ہی نہ بول اُٹھا۔

"آؤ عالیہ۔ ہمیں باہر چلنا ہے لیکن براہِ کرم اپنی اور میری زندگی خطرے میں مت ڈالنا۔"

"میں وعدہ کر چکی ہوں۔" میں نے جواب دیا اور وہ پائلٹ کیبن کی طرف بڑھ گیا۔ میں اپنی جگہ کھڑی رہی تھی لیکن پھر میں اُس وقت چونک پڑی جب جہاز کا دروازہ خود بخود کھل گیا... غالباً اُس کے کھولنے کا میکنزم پائلٹ کیبن ہی میں تھا۔

کھلے ہوئے دروازے سے ہوا کے سرد جھونکے اندر آنے لگے۔ ماحول بے حد خوشگوار تھا۔ ہوا کے جھونکوں کے ساتھ پھولوں کی خوشبو بھی اندر آ رہی تھی۔ باہر اُوکھی ٹھنڈی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ وہ پائلٹ کیبن سے باہر آ گیا اور پھر میرے ساتھ دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ پہلے اُس نے جھانک کر اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر نیچے اُتر گیا۔ جہاز کے دروازے سے نیچے اُترنے میں کوئی دقت نہیں ہوئی تھی۔ میں نے ہوا میں گہری گہری سانسیں لیں...

"درختوں کی آڑ میں ہو کر آگے بڑھو۔" نقاب پوش کی آواز اُبھری اور میں اُس کی ہدایت پر عمل کرنے لگی۔ اس انکشاف نے مجھے حیران کر دیا تھا کہ یہ نواب زادہ منوّر عالم کی کوٹھی نہیں ہے... بلکہ اندر ہی اندر میں خوش تھی۔ انکل منوّر عالم مجھے بڑے خلوص سے بیٹی کہتے تھے لیکن مجھے ہمیشہ اُن کے خلوص میں سیاہی نظر آتی تھی اور میں اُن الفاظ پر شک کرتی تھی۔ اس کے علاوہ افشاں اور فرزانہ مجھے اس قدر چاہتی تھیں اور اکثر میں سوچتی تھی کہ ان بے لوث محبت کرنے والیوں کو ایک دن میں کتنے بڑے صدمے سے دوچار کروں گی لیکن اس وقت میرا ذہن اس بوجھ سے آزاد ہو گیا تھا۔ انکل منوّر عالم اتنے ہی مخلص ہیں جس قدر نظر آتے ہیں۔ یہ بات بڑی دل خوش کُن تھی۔

ہم دونوں نے تقریباً ایک میل کا فاصلہ طے کیا اور پھر مجھے دُور سے کچھ روشنیاں ٹمٹماتی نظر آئیں اور اس کے ساتھ ہی میرا ساتھی رُک گیا۔

"درخت پر چڑھ سکتی ہو؟" اُس نے پُوچھا۔

"ہاں۔ بہ آسانی۔"

"تو آؤ۔ جلدی کرو۔ وہ اسی طرف آئیں گے۔" اُس نے ایک گھنے درخت کی طرف بڑھتے ہوئے کہا اور پھر درخت کے پاس پہنچ کر جُوتے اُتارنے لگا۔ میں نے بھی اُس کی پیروی کی تھی۔ درخت پھیلی ہوئی شاخوں والا تھا۔ اس لیے ہم نے ایک محفوظ جگہ منتخب کر لی اور وہاں جم گئے۔ مجھے حیرت اُٹھی

رہی اس درخت سے وہ مجھے کیا دکھانا چاہتا ہے لیکن اب میں نے اُس سے کوئی سوال کرنا مناسب نہیں سمجھا تھا چنانچہ میں خاموشی سے بیٹھی رہی۔

دفعتاً مجھے کچھ آہٹیں محسوس ہونے لگیں اور میری نگاہ سامنے اُٹھ گئی۔ دُور سے جو روشنیاں ٹمٹما رہی تھیں وہ کسی عمارت کی تھیں اور اس عمارت سے ایک پگڈنڈی اُسی طرف آتی تھی اُسی پگڈنڈی پر کچھ دُھندلے دُھندلے سائے نظر آ رہے تھے جن کا رُخ اُسی طرف تھا۔ میں نے اُس پگڈنڈی پر نگاہ جما دی آنے والے ٹہلنے کے سے انداز میں چل رہے تھے۔ اُن کی تعداد دس پندرہ سے کم نہیں ہوگی۔ آہستہ آہستہ وہ قریب پہنچ گئے۔ چاندنی میں اُن کی شکل و صُورت بھی دیکھی جا سکتی تھی لیکن میں جس وجود کو دیکھ کر دنگ رہ گئی وہ ایک انوکھی شخصیت تھی۔ ایک یا دو... اس کا فیصلہ کرنا مشکل تھا۔ مجھے بارش کی وہ شام یاد آ گئی جب امینہ انسپکٹر سُلطان کے سامنے بیٹھی کہہ رہی تھی۔

"میں آپ سے سچ کہہ رہی ہُوں جناب۔ وہ ایک عجیب شخصیت تھی۔ ایک جسم لیکن دو وجود۔ جی ہاں میں نشے میں نہیں ہُوں آپ میری بات پر یقین کریں اور پھر درخشاں کی آواز... اُف وہ کتنا بھیانک منظر تھا۔ کتنا بھیانک..."

اور یہ بھیانک منظر آج میری نگاہوں کے سامنے تھا۔ ہاں میں نے ان لوگوں کے درمیان ایک انوکھا وجود دیکھا... وہ ایک دوشاخہ انسان تھا۔ کمر تک ایک شخصیت تھی اور کمر سے اوپر وہ دوشاخہ ہو گئے تھے۔ دو مکمل اوپری بدن لیکن نیچے سے ایک۔ ایسا انوکھا وجود اس سے قبل تصوّر بھی نہیں کیا تھا۔ دونوں پاؤں چل رہے تھے۔ لباس کی فٹنگ انوکھی تھی۔ دونوں جسموں پر اوپری لباس مکمل تھا یہاں تک کہ قمیص کے کالروں میں دو مختلف رنگوں کی ٹائیاں بندھی ہوئی تھیں۔ بالوں کا اسٹائل بھی ایک دُوسرے سے مختلف تھا۔ چہروں کے تاثرات اتنی دُور سے نہیں دیکھے جا سکتے تھے لیکن اس کا ہوش بھی کسے تھا۔ میں تو یہ اندازہ لگا رہی تھی کہ کیا یہ صرف نظری دھوکا ہے... یا درحقیقت قدرت نے یہ انوکھا وجود پیدا کیا ہے۔

اُس کے ساتھ چلنے والے اس کے غلام محسوس ہوتے تھے۔ وہ سب نہایت عاجزی سے گفتگو کر رہے تھے۔ میں اُن کی آوازیں سُننے کی کوشش کرنے لگی لیکن وہ سب مدھم لہجے میں بول رہے تھے اس لیے میں کچھ نہ سُن سکی۔ وہ درخت کے بالکل نزدیک سے گزرے تھے اور پھر وہ وہاں سے آگے بڑھ گئے۔ میں دُور تک اُنہیں جاتے دیکھتی رہی تھی... میرا حلق خشک ہو گیا تھا اور بدن میں عجیب سی بے چینی محسوس ہو رہی تھی۔ بمشکل تمام میں نے خود کو سنبھالا۔ پُراسرار نقاب پوش میرے نزدیک ہی موجود تھا۔ جب وہ کافی دُور نکل گئے... تو وہ بولا۔

"آپ نے اس سے قبل ایسا کوئی وجود دیکھا ہے خانم؟"

"نہیں۔" میں بے اختیار بول اُٹھی۔

"لیکن یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے۔ کوئی فریب نہیں ہے اس بات میں۔"

"آہ یہی وجود تو... یہی وجود تو اس وحشت کے پس پردہ ہے۔" میں نے بے بسی سے کہا۔

"آیے نیچے اُتریں لیکن احتیاط سے۔" اُس نے کہا۔

"کیا یہ لوگ ابھی واپس نہیں آئیں گے؟"

"آئیں گے لیکن ابھی نہیں۔ تقریباً دو گھنٹے میں اُن کی واپسی ہوگی۔" اُس نے جواب دیا۔

"دوست۔ مجھے اس جگہ کے بارے میں تو بتا ہی دو۔ میں زندگی بھر تمہاری احسان مند رہوں گی۔" میں نے عاجزی سے کہا۔

"معزز خاتون۔ میں آپ سے وعدہ کر چکا ہوں کہ آپ کو اس سلسلے میں ہر ممکن معلومات فراہم کر دُوں گا لیکن یہاں سے نکل تو چلیں ابھی اُس وقت تک جب تک وہ چہل قدمی میں مصروف ہے یہ عمارت بھی محفوظ ہے ورنہ اس کے بعد یہاں خونخوار کُتّے چھوڑ دیے جائیں گے جو کسی جاندار کا وجود نہیں برداشت کرتے۔ اِس لیے پہلے اس علاقے سے نکل چلیے۔" اُس نے کہا اور میں خاموشی سے درخت سے نیچے اُترنے لگی۔

نیچے اُتر کر ہم دونوں نے جُوتے پہنے اور پھر وہ بولا۔ "تشریف لایے لیکن بڑی احتیاط سے ہمیں ایک خطرناک سفر کرنا ہے" اور میں نے گردن ہلا دی۔ اس شخص کا رویّہ عجیب ہو گیا تھا اور مجھے کسی قدر غیر فطری سا لگ رہا تھا تاہم اس وقت اُن باتوں پر غور کرنا ممکن نہیں تھا اس لیے میں اُس کی رہنمائی میں آگے بڑھنے لگی اور وہ درختوں کی آڑ لیتا ہُوا اُسی سمت چلتا رہا جس سمت سے میں نے ان لوگوں کو آتے ہُوئے دیکھا تھا۔

ایک قدیم طرز کی عمارت اُجاگر ہوتی جا رہی تھی۔ انوکھی عمارت تھی۔ اس پر چاروں طرف بُرجیاں سی بنی ہُوئی تھیں۔ درمیان میں کنگورے نظر آ رہے تھے۔ درختوں کے جھنڈ اُس کے چاروں طرف پھیلے ہُوئے تھے۔ وہ عمارت کے بالکل نزدیک

سے گزر کر اُس کے دُوسری طرف پہنچ گیا اور پھر اُس نے ایک جگہ رُک کر کہا۔

"اب اس درخت پر چڑھ کر ہم اس عمارت کے احاطے سے باہر نکل سکتے ہیں۔ اس کی شاخیں دُوسری طرف پھیلی ہُوئی ہیں۔"

"چلیں؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں" وہ بولا اور میں ایک بار پھر جُوتے اُتار کر درخت پر چڑھنے لگی۔ میں بہ آسانی درخت کے ایک مخصوص حصّے پر پہنچ گئی اور وہاں سے ایک شاخ سے لٹک کر نیچے کُود پڑی۔ وہ بھی بالکل میرے ہی انداز میں نیچے کُودا تھا لیکن اُسی وقت ہمارے کانوں میں ایک خوفناک غرّاہٹ گونجی اور میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے...

وہ بھی اُچھل پڑا تھا لیکن ایک سیاہ عفریت نے ایک خوفناک آواز کے ساتھ ہم پر چھلانگ لگا دی تھی۔ اُس کی آواز کی گُونج سے ہی اُس کی نسل کا پتہ چلتا تھا۔ ایسے کتّے شکار کو ایک لمحہ نہیں دیتے اور ذرا سی دیر میں اُس کے نرخرے کو دانتوں میں دبا کر اُسے ختم کر دیتے ہیں۔ اُس کا نشانہ میں ہی تھی لیکن میرے ساتھی نے برق کی سی تیزی سے میرے سامنے آ کر خود کو کتّے کے نشانے پر دے دیا اور اُسے ہاتھوں پر سنبھال کر دُوسری طرف اُچھال دیا۔ یہ معمولی مہارت کی بات نہیں تھی۔ وہ سانپ کی طرح پلٹا اور پھر اُس کے ہاتھ سے ہلکی سی آواز کے ساتھ ایک شُعلہ نکلا اور کتّے کی دُوسری غرّاہٹ اُبھری۔ اُس نے پھر ہمارے اُوپر چھلانگ لگائی لیکن میرے ساتھی کے سائلنسر لگے پستول سے دُوسرا شُعلہ لپکا اور کتّے کی... چھلانگ مکمل نہ ہو سکی۔ وہ درمیان ہی میں گر کر اُچھلنے کُودنے لگا۔

"آیئے..." میرے ساتھی نے کہا اور ایک طرف چھلانگ لگا دی۔ میں جُوتے بھی نہیں پہن سکی تھی لیکن اِس وقت اِن تکلّفات کی گنجائش بھی نہیں تھی۔ میں نے جُوتے ہاتھ میں لیے اور دوڑنا شروع کر دیا۔

"براہِ کرم سنبھل کر۔ زمین ناہموار بھی ہو سکتی ہے۔" اُس نے کہا۔

"تم فکر مت کرو لیکن کیا تم نے سمت کا تعین کر لیا ہے؟"

"ہاں۔ میرے پیچھے چلی آیئے۔" اُس نے کہا اور میں دوڑتی رہی لیکن کچھ دُور چل کر ہمیں رُکنا پڑا۔ تھوڑی ہی دُور سے کتّوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ اس کے ساتھ ہی ہمیں ٹارچ کی روشنی بھی نظر آئی۔

"اوہ۔ کم بختوں نے پُورے جنگل میں ڈیرا ڈال رکھا ہے" میرے ساتھی نے بڑبڑانے والے انداز میں کہا اور پھر مجھے ٹٹولتے ہُوئے بولا۔ "آپ کہاں ہیں خاتون؟"

"یہ موجود ہُوں۔"

"یہ پستول رکھیں۔ میں نے چیمبر چیک کر لیے ہیں خیال رکھیں صرف چھ گولیاں ہیں ایک بھی ضائع نہ ہونے پائے۔"

"اور تمہارے پاس؟" میں نے پوچھا۔

"میرا پستول میرے پاس موجود ہے۔ یہ شاید آپ کا اپنا پستول ہے۔"

"اوہ۔ ہاں۔ شاید۔" میں نے بلاوجہ ہی کہہ دیا جب کہ مجھے پستول کی شناخت نہیں ہُوئی تھی اور اندھیرے میں یہ ممکن بھی نہیں تھا۔

"لیکن آپ اسے بحالتِ مجبوری استعمال کریں۔ کیوں کہ اس میں سائلنسر نہیں ہے۔" وہ بولا۔

"تمہارے پستول میں سائلنسر لگا ہُوا ہے؟"

"جی ہاں۔ آپ دیکھ چکی ہیں۔"

"کتّے اس طرف آ رہے ہیں۔ وہ شاید بے قابو ہو چکے ہیں" میں نے گھبرائی آواز میں کہا۔ اُس نے اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ پھر وہ بے اختیار بولا۔

"براہِ کرم اس بات کو محسوس نہ کریں۔ آیئے!" اُس نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور پھر مجھے ایک طرف گھسیٹنے لگا لیکن اس طرح وہ زیادہ دُور نہیں گیا اور پھر رُک گیا۔

"آپ نے کتّوں کی آواز پر غور کیا؟"

"کیا مطلب؟"

"وہ صرف دو ہیں اور اُن کے رکھوالے بھی دو سے زیادہ نہیں ہوں گے کیوں نہ ہم اُنہیں خاموش کر دیں۔ اوہ... شاید محافظوں نے کتّے کھول دیے ہیں۔ اب وہ آن کی آن میں ہماری بُو سُونگھ کر یہاں پہنچ..." وہ گفتگو کرتے کرتے رُک گیا اور پھر مجھے دُور دُور کی دو آوازیں سُنائی دیں۔ میں نے تو اُن مہیب سایوں کو دیکھا بھی نہیں تھا جو ہمارے قریب پہنچ چکے تھے لیکن میرے خوفناک ساتھی کی نگاہیں شاید رات میں بھی دن ہی کی مانند دیکھتی تھیں۔ اُس نے دونوں کتّوں پر کامیاب نشانے لگائے تھے۔ ایسے نشانے کہ اُن کی آوازیں بھی نہیں نکل سکی تھیں اور وہ ڈھیر ہو گئے تھے۔ چند ہی ساعت کے بعد دوڑتے ہُوئے قدموں کی آوازیں سُنائی دیں اور ہم

...ں زمین پر بیٹھ گئے۔

"کتّے کدھر گئے؟" ایک آواز اُبھری۔

"شاید دُور نکل گئے۔ ویسے اسی طرف سے گزرے ہیں۔"

...ی آواز تھی۔

"ٹارچ جلاؤ؟"

"اوہ نہیں مناسب نہیں ہے۔"

"کیوں؟"

"احمق ہو۔ جو کوئی بھی ہے مسلّح بھی ہو سکتا ہے۔" دُوسرے ...نے جھلّائی ہُوئی آواز میں کہا۔ بس دو آوازیں ہی سُنائی ...تیں۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ صرف دو تھے۔

"ممکن ہے جانوروں کو دھوکا ہی ہُوا ہو۔" پہلے نے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ ہم جانوروں کی بے چینی پر دوڑ پڑے۔ ...ندھیرے میں کہاں ٹامک ٹوئیاں مارتے پھریں۔"

"ان میں سے ہر ایک کتا کم از کم پچاس پچاس ہزار روپے ...یت کا ہے اور اتنے قیمتی کتّے احمق نہیں ہوتے۔"

"ہم ضرور احمق ہیں۔" پہلے آدمی نے جھلّاتے ہُوئے لہجے ...ا۔

"وہ کیوں؟"

"ایسی بے تکی نوکری جو کر رہے ہیں۔"

"فضل فضل ہوش کی باتیں کرو تم چوکیدار ہو اور تمہاری تنخواہ دو ہزار روپے ہے۔ پھر بھی ناشکری کر رہے ہو۔" دُوسرے آدمی نے ملامت کرنے والے انداز میں کہا اور پھر تشویش ناک آواز میں بولا۔ "یہ کتّے آخر کہاں مر گئے؟ انہوں نے نہ تو ابھی تک شکار پکڑا ہے اور نہ ہی اُن کی آواز سنائی دی۔"

"سیٹی دو۔" پہلے آدمی نے کہا اور اس کے ساتھ ہی ایک تیز سیٹی فضا میں گونج اُٹھی۔ یہ آواز مُنہ سے ہی نکالی گئی تھی لیکن کافی تیز تھی اور دیر تک فضاؤں میں گونجتی رہی تھی پھر اُس کی آواز معدوم ہی ہُوئی تھی کہ ویسی ہی آواز دُوسری طرف سے اُبھری لیکن یہ آواز کافی دُور سے آئی تھی۔

"پُورے علاقے میں بکھرے ہُوئے ہیں۔" میرا ساتھی سرگوشی کے انداز میں بولا۔ میں نے اُس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا تھا اور ان لوگوں کی طرف دیکھ رہی تھی جن کے سائے بخوبی نظر آ رہے تھے۔

"بہتر ہے یہ لوگ خاموشی سے گزر جائیں۔ میں اِن کے خون سے ہاتھ رنگنا نہیں چاہتا لیکن اگر انہیں ختم کرنے کی ضرورت پیش آ ہی گئی تو..." وہ خاموش ہو گیا۔

"کمال ہے بھئی۔ آؤ آگے بڑھیں۔ آخر یہ کتّے کہاں گئے مر۔" ان میں سے ایک نے کہا اور وہ آگے بڑھنے لگے لیکن یہ اُن کی خوش بختی تھی کہ وہ کتّوں کی لاشوں کو دیکھے بغیر آگے بڑھ گئے۔ اگر وہ کتّوں کو دیکھ لیتے تو یقیناً شور مچانے کی کوشش کرتے اور اس کے بعد اُن کی زندگی ممکن نہیں تھی۔

پھر اُن میں سے کسی نے دُور جا کر ٹارچ روشن کی تھی اور اس کے بعد وہ دوبارہ سیٹیاں بجانے لگے پھر جب اُن کی آواز کافی دُور چلی گئی تو نقاب پوش ساتھی نے کہا۔

"آیئے محترمہ۔ فی الحال یہ مصیبت ٹل گئی ہے۔ آیئے..."

اُس نے خود ہی ایک سمت متعین کی اور میں اُس کے ساتھ آگے بڑھ گئی۔ راستہ میرے لیے بالکل اجنبی تھا اور اپنے ساتھی کے چلنے کے انداز سے بھی میں نے یہی تاثر لیا تھا کہ وہ خود بھی راستے سے ناواقف ہے۔ وہ چلتے چلتے ٹھٹک جاتا تھا۔

"یوں لگتا ہے جیسے تم خود بھی ان راستوں سے ناواقف ہو۔" تھوڑی دُور چل کر میں نے کہا۔

"ہاں۔ ان خطرناک حالات میں، میں یہ اعتراف کرنے میں عار نہیں سمجھتا۔" اُس نے کہا۔

"تو پھر ہم کسی غلط سمت نہ بڑھ رہے ہوں؟" میں تشویش سے بولی۔

"کوئی نہ کوئی راستہ مل ہی جائے گا۔ چلتی رہیے۔" وہ بولا۔ اس کے علاوہ چارۂ کار بھی کیا تھا چنانچہ ہم خاموشی سے چل پڑے اور پھر دیر تک کسی اور حادثے کے بغیر چلتے رہے... اب ہمارے کانوں میں ایک عجیب سی آواز اُبھرنے لگی تھی۔ ایک تیز سنسناہٹ کی سی آواز تھی۔ پہلے تو ہم نے اس آواز کی طرف توجہ بھی نہیں دی لیکن پھر ہم دونوں ہی چونک پڑے۔

"یہ آواز پانی کی ہے؟" وہ بولا۔

"اوہ۔ ہاں یقیناً۔ اوہو۔ یہ تل گھاٹ کا علاقہ ہو سکتا ہے لیکن لیکن..." اُس کے انداز میں اضطراب پیدا ہو گیا۔

"کیوں کیا ہُوا؟" میں نے پوچھا لیکن ابھی وہ کوئی جواب بھی نہیں دے پایا تھا کہ دفعتاً زور زور سے سیٹیاں بجنے لگیں۔ یہ سیٹیاں مُنہ سے نہیں بجائی جا رہی تھیں بلکہ باقاعدہ سیٹیاں تھیں۔ ہم دونوں اُچھل پڑے تھے۔

"...شش شروع ہو گیا ہنگامہ۔" اُس نے کہا اور ایک بار

پھر میرا ہاتھ پکڑ لیا لیکن اس کے بعد ایک اور خوفناک بات ہوئی جس عمارت کو ہم نے دیکھا تھا اور جواب کافی پیچھے رہ گئی تھی۔ اس کی چوبرجیوں سے اچانک تیز روشنی کی زبانیں نکل پڑی تھیں۔ اتنی تیز روشنی تھی کہ اگر اس سے آنکھیں ملالی جاتیں تو انسان ہمیشہ کے لیے اندھا ہو جاتا۔ ان روشنیوں نے اس بھیانک علاقے میں دن نکال دیا تھا اور ہم بھی روشنی میں نہا گئے تھے۔

یک لخت ہم پر بائیں سمت سے فائرنگ شروع ہو گئی۔ گولیاں ... کافی دوری سے گزر رہی تھیں لیکن گولیاں چلانے والے بہت پرجوش تھے۔ وہ دیوانگی کے عالم میں ہم پر فائرنگ کرتے ہوئے ہماری طرف دوڑ رہے تھے اور اب خاموشی حماقت تھی۔ میں نے لگاتار چار فائر کیے اور ان چاروں کو ڈھیر کر دیا۔

"گڈ..." میرے ساتھی کی آواز میں خوشی تھی پھر اس نے بے اختیار دوڑنا شروع کر دیا۔ روشنیوں کی لکیریں جو پہلے متحرک تھیں اب ساکت ہو گئی تھیں اور ہم ان کی زد میں تھے کم بختوں نے عجیب جال پھیلایا تھا۔ اتنی دور سے انہوں نے فائرنگ کی سمت کا اندازہ لگا لیا تھا۔

پھر چوبرجی سے ایک گرج سنائی دی اور ایک خوفناک سنسناہٹ کے ساتھ ہی ایک مہیب دھماکا ہم سے تھوڑے فاصلے پر ہوا۔ شاید مارٹر داغی گئی تھی۔ میرے ساتھی نے دوڑنے کی رفتار تیز کر دی تھی۔ اس کے آہنی ہاتھ کی گرفت میری کلائی کی ہڈی توڑے دے رہی تھی۔ غالباً اس نے مجھے مضبوطی سے اس لیے پکڑ لیا تھا کہ کہیں میں گر نہ پڑوں لیکن بہر حال میں اتنی کمزور بھی نہیں تھی البتہ ننگے پاؤں دوڑنے سے پاؤں کی بری حالت ہو گئی تھی۔ ممکن ہے تلوے زخمی بھی ہو گئے ہوں لیکن مجھے ان کی پروا نہیں تھی۔

پھر ایک گولے سے بچنے کے لیے ہمیں ایک لمبی چھلانگ لگانی پڑی اور اس کے بعد ہمارے پاؤں زمین پر نہیں ٹکے تھے۔ یوں لگا تھا جیسے زمین الٹ گئی ہو۔ ہمارے سر نیچے اور پاؤں اوپر ہو گئے تھے اور پھر دوسرا احساس یہ ہوا کہ کسی نے ہمیں بجلی کی سی تیزی سے کھینچنا شروع کر دیا تھا میرے ساتھی نے بے اختیار مجھے اپنی طرف گھسیٹ کر اپنے بدن میں بھینچ لیا۔ میرے ناک، حلق اور آنکھوں میں پانی بھر گیا تھا اور پھر میرے منہ سے عجیب سی آوازیں نکلنے لگیں... تب مجھے اندازہ ہوا ... کہ ہم کسی تیز رفتار نالے میں گر گئے ہیں

پانی کی سنسناہٹ کانوں کے پردے پھاڑے دے رہی تھی اور ہم دونوں ایک دوسرے سے لپٹے ہوئے کسی تنکے کی طرح بہہ رہے تھے میرے سر میں دھماکے ہونے لگے ... سے بندھی پٹی کھل گئی تھی اور شاید زخم کا منہ بھی ... میں کوشش کے باوجود حواس پر قابو نہیں پا رہی تھی... لیکن دو مضبوط ہاتھ مجھے خود میں بھینچے ہوئے تھے۔ میرا بدن اس بدن میں ... طرح پیوست تھا جیسے اسی کا ایک حصہ ہو اور بس... اس ... بعد کوئی احساس نہیں رہا تھا۔

انسان بعض اوقات برے برے خواب دیکھتا ہے۔ خوابوں ہی خوابوں میں وہ موت کی آغوش میں جا پہنچتا ہے ... جب کسی آہٹ سے اس کی آنکھ کھل جاتی ہے تو دیر تک ... زندگی کا یقین نہیں آتا اور پھر جب اسے محسوس ہوتا ہے کہ ... کوئی خواب دیکھ رہا تھا تو زندگی بچ جانے کی خواہش کا شکار ... ہے۔ یہی کیفیت میری تھی۔ میں جیسے کسی خواب سے جاگ پڑی تھی۔ یہ خواب پوری طرح میرے ذہن میں محفوظ تھا... اور ... آنکھیں کھولے چھت کو تک رہی تھی۔ روشن چھت جسے دیکھ کر سخت تعجب ہوا تھا۔

خوفناک نالے کا شور اور ایک اجنبی بدن کا دباؤ ... تک میرے اعصاب میں رچا ہوا تھا اور میرے بدن کے ... حصے غیر اختیاری طور پر کسمسا رہے تھے۔ ایک بار تو جی چاہا ... تیرنا شروع کر دوں اور جان بچانے کی کوشش کروں لیکن ... میں نے ذہنی قوتیں بروئے کار لا کر اس اعصابی کشیدگی کو ... اور گردن گھمائی۔ میری بائیں سمت وہی اجنبی نقاب پوش ... آرام کرسی پر دراز تھا۔

میں اچھل پڑی۔ میں نے عجیب سی نگاہوں سے ... دیکھا اور پھر ایک دم اٹھ کر بیٹھ گئی... "تم ... تم ٹھیک ٹھیک ہو نا؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں ٹھیک ہوں لیکن ہم دونوں قیدی ہیں۔" ... نے انکشاف کیا اور میں منہ کھول کر رہ گئی... پھر بمشکل ... "لل... لیکن... کک کس کے؟"

"میرے۔" دروازے سے ایک مانوس آواز سنائی ... اور میری گردن گھوم گئی۔

یہ مانوس آواز میری سماعت میں رچی ہوئی تھی۔ مجھے ... آواز سے بے پناہ نفرت تھی۔ اس آواز کے بارے میں مجھے نہ جا... کتنے لوگوں پر شبہ ہوا تھا لیکن اس وقت جو شکل مجھے دروا...

... وہ میرے لیے اجنبی تھی۔ متناسب بدن کا ایک اسمارٹ سا آدمی ... میں نظر آ رہا تھا جس کے بدن پر عمدہ تراش کی پتلون اور ... تھی۔ رنگ گورا تھا اور عمر کا صحیح تعین مشکل تھا بہر حال وہ ... اور چالیس کے درمیان کی عمر کا ہو گا... لیکن اس کے ... کی چوڑائی میں پھیلی ہوئی گھنی اور سیاہ مونچھیں اس کی پوری ... سے اجنبی لگ رہی تھیں یہ مونچھیں نقلی لگتی تھیں۔

اس کے چھوٹے چھوٹے لیکن چمک دار دانت نظر آنے ... نیچے سے نوکیلے ہونے کی وجہ سے بدنما لگ رہے تھے اور ... دروازے سے اندر آ گیا۔ "تم لوگ میرے قیدی ہو۔" وہ آگے ... بولا۔ میں خاموش رہی اور میرا ساتھی نقاب پوش بھی بے ... حرکت بیٹھا رہا۔

"میری شکل و صورت تمہارے لیے اجنبی ہو گی عالیہ بیگم... میری آواز تم ضرور پہچانتی ہو گی۔" اس نے کہا۔

"شاید۔" میں نے گہری سانس لے کر کہا۔

"آواز پہچاننے کے بعد تمہارے ذہن نے جواب دے دیا ... یہ قید کس لیے ہے؟"

"تم ڈرامائی انداز میں گفتگو کرنے کے عادی معلوم ہوتے ہو ... تم اس وقت خود کو کوئی فلمی ولن سمجھ رہے ہو گے۔" میں نے ... وہ ہنس پڑا۔ میرا ساتھی بھی مذاق اڑانے والے انداز میں ہنسنے ... تھا۔

"عالیہ بیگم۔ بالآخر آپ اپنی ساری صلاحیتوں کے ساتھ ہمارے ... دام میں آ پھنسیں۔ اب اگر آپ خود کو ارسطو ظاہر کرنے کی ... کریں تو کرتی رہیں اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟"

"تمہارا نام کیا ہے؟" میں نے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ابھی تم تجسس کا شکار رہو، نام بھی بتا دوں گا... ویسے ... یاد ہے ہماری تمہاری شناسائی کہاں سے شروع ہوئی تھی؟"

"نچلے درجے کے لوگوں کو میں ذرا کم ہی یاد رکھتی ہوں..." ... نے جواب دیا اور مونچھوں کے نیچے اس کے نوکیلے دانت نظر ... لگے۔ وہ ہنس رہا تھا۔

"مس عالیہ۔ میں بہت ٹھنڈے دل و دماغ کا آدمی ہوں ... یقین کریں مجھے زندگی میں دو چار بار ہی غصہ آیا ہے یوں سمجھیں ... بے غیرتی کی حد تک ٹھنڈا آدمی ہوں اس لیے مجھے غصہ ... نے کی ہر کوشش ناکام ہو گی۔"

"لفظ بے غیرتی سے میں متفق ہوں۔ کوئی بھی غیرت مند شخص ... دوں کا آلۂ کار بن کر اتنے گھناؤنے جرائم میں ملوث نہیں ہو سکتا ... تم واقعی ایک بے مثال بے غیرت ہو۔"

"بہت بہت شکریہ۔ آپ نے میری ایک صفت تو قبول کر لی۔ تہ دل سے شکر گزار ہوں۔" اس نے گردن جھکا کر کہا۔ "بہر حال میں اس وقت کی بات کر رہا تھا جب آپ پہلی بار میری آواز سے آشنا ہوئی تھیں۔ میں نے آپ کے اخبار کے چیف ایڈیٹر کو فون کیا تھا۔"

"ہاں اور گدھے پن میں دس ہزار روپے بھی بھجوائے تھے جو آج تک تمہیں واپس نہیں مل سکے۔"

"دس ہزار..." وہ ہنس پڑا۔ "آپ کے ایک اشارے پر دس لاکھ روپے بھی لٹائے جا سکتے ہیں۔ آپ ہم لوگوں کو کیا سمجھتی ہیں؟"

"تم صرف اپنی بات کرو جان من۔ کرائے کے ٹٹوؤں کو گھوڑ دوڑ میں نہیں شامل ہونا چاہیے۔ تم خود بخود پانچویں سوار بن گئے ہو؟"

"اچھا اب مذاق ختم کرو۔ آؤ کچھ کام کی باتیں ہو جائیں... ویسے ہمارا اور تمہارا کافی ساتھ رہا ہے۔ خاص طور سے مشرق وسطیٰ میں تم نے مجھے خوب ڈاج دی۔ درحقیقت تم خوب غائب ہوئی تھیں۔ میں نے تمہاری تلاش میں لاکھوں روپے خرچ کیے لیکن تم نہ ملیں۔"

"تم نے حسب عادت مجھے چوہے کے بلوں میں تلاش کیا ہو گا بہر حال وہاں تمہیں شکست ہوئی۔" میں نے کہا۔

"شکست تو مجھے کئی جگہ ہوئی ہے مس عالیہ۔ میں نے کب کہا کہ میں آپ پر حاوی رہا ہوں بلکہ یقین کرو ایک لڑکی کو اس قدر اعلیٰ کارکردگی کا مالک دیکھ کر مجھے سخت حیرت ہوئی ہے اور اب یہ حیرت عقیدت میں بدل گئی ہے میں تمہارا مداح ہوں۔"

"بہت خوب۔ اس کے باوجود تم نے اپنا نام نہیں بتایا؟"

"اوہ۔ مجھے قادر علی کہتے ہیں اور قریب سے جاننے والے مجھے قادر بھیڑیے کے نام سے پکارتے ہیں۔"

"تمہاری ہی طرح کے گدھے ہوں گے اور انہوں نے زندگی میں کبھی بھیڑیے نہیں دیکھے ہوں گے۔" میں نے بے پروائی سے کہا اور وہ مسکرانے لگا۔

"ممکن ہے ایسی ہی بات ہو لیکن میں اپنی آنکھوں سے درحقیقت ایک شیرنی دیکھ رہا ہوں جس کے تیور جال میں پھنس جانے کے باوجود جوں کے توں ہیں۔ خوف و دہشت کا کوئی نشان نہیں ہے اس کے چہرے پر..."

"چلو مان لیا کہ تم دنیا کے سب سے بڑے بے غیرت ہو لیکن یہ بتاؤ اب کیا چاہتے ہو؟"

"کچھ معلومات درکار ہیں سرکار... اور یہ بہت ضروری ہے"

"اطہر رضوی نے تمہاری یہی ڈیوٹی لگائی ہے؟" میں نے کہا اور پہلی بار اس کی مسکراہٹ سکڑ گئی۔ میں نے نقاب پوش کو بھی نمایاں طور پر چونکتے ہوئے محسوس کیا تھا...

تھوڑی دیر کے لیے مکمل خاموشی چھا گئی پھر وہ بولا۔ "ہاں تمہارا خیال درست ہے رضوی صاحب ابتدا ہی سے اس بات کے خواہش مند ہیں کہ تمہاری پشت پناہی کرنے والوں کو تلاش کیا جائے۔"

"میرے لیے تعجب کی بات ہے۔" میں نے کہا۔

"کیوں...؟"

"اطہر رضوی صاحب اس ملک میں اتنی بڑی حیثیت رکھتے ہیں۔ میرے خیال میں تو وہ حکومت کے تمام شعبوں میں خاصی پہنچ رکھتے ہیں، اس کے بعد بھی وہ مجھ جیسی معمولی شخصیت سے خوف زدہ ہیں اور ابتدا سے میری کھوج میں لگے ہوئے ہیں۔"

"اصل میں یہی تو تعجب کی بات ہے کہ اطہر رضوی صاحب اس قدر معلومات رکھنے کے باوجود ابھی تک تمہاری طرف سے غیر مطمئن ہیں اور ان لوگوں کے بارے میں نہیں معلوم کر سکے جو تمہارے پس پشت ہیں۔ ہم زندگی کے ہر شعبے کے لوگوں کو خرید لیتے ہیں، ہماری یہی خواہش تھی کہ خون خرابہ کیے بغیر ان لوگوں کو بھی خود میں شامل کر لیں جو ہمارے مخالف ہیں اور جن میں تم بھی شریک ہو لیکن وہ چوہے ایسے بلوں میں گھسے ہوئے ہیں کہ آج تک ہم انہیں نہیں نکال پائے، یہ بات اطہر رضوی صاحب کے لیے سخت تجسس کا باعث ہے کہ آخر وہ کون لوگ ہیں جو اس سلسلے میں کام کر رہے ہیں اور مس عالیہ آپ اس بات پر بھروسہ کریں کہ آپ کو کسی بھی وقت زندگی سے محروم کیا جا سکتا تھا لیکن ہمارے ذہن میں یہی ایک احساس ہے کہ صرف آپ کو مار دینے سے کام نہیں چلے گا۔ آپ کیا حیثیت رکھتی ہیں، سوائے ایک آلۂ کار کے، ہمیں تو اصل شخصیت کی تلاش ہے۔" قادر نے پُرسکون اور ٹھہری ٹھہری آواز میں کہا۔

اس بھاری آواز کو میں اپنے ذہن میں دُور سے محسوس کر رہی تھی اور اب اس بات میں کوئی شک و شبہ نہیں رہا تھا کہ یہی وہ شخص تھا جو ٹیلی فون پر کئی بار ہم لوگوں سے گفتگو کر چکا تھا اور جس کی آواز کے ریکارڈ ہمارے پاس موجود تھے۔

حالاں کہ اس وقت میرے ذہن میں خیال تھا... کہ یہ شخصیت وہی ہوگی جو ان سارے جرائم کے پس پردہ ہے لیکن اب قادر سے مل کر یہ خیال باطل ثابت ہو چکا تھا۔ اس آواز نے مجھے بہت دھوکے دیے تھے۔ بے چارے منور عالم جیسے فرشتہ صفت انسان پر میں شبہ کرتی رہی تھی، اس کے علاوہ اطہر رضوی صاحب کی آواز بھی میرے لیے تعجب خیز رہی تھی لیکن اصل آواز یہی تھی جو اس وقت میرے سامنے تھی۔

میں نے ایک طویل سانس لی اور بولی۔ "ٹھیک ہے تم انہیں تلاش کرو لیکن میرا خیال ہے جس طرح اطہر رضوی صاحب سات پردوں میں پوشیدہ بیٹھے یہ خوفناک کھیل کھیل رہے تھے اسی طرح تم میرے آقاؤں کے بارے میں بھی کچھ معلوم نہیں کر سکو گے۔ تم جتنی کوششیں کرنی چاہو اس سلسلے میں کرو۔ مجھے تمہاری کسی بھی کوشش سے کوئی عار نہ ہوگا۔" میں نے پُرسکون اور سرد لہجے میں کہا۔

قادر کی آنکھوں میں دلچسپی کی ایک چمک نظر آئی اور وہ مجھے تعجب سے دیکھنے لگا۔

"نہیں نہیں، یہ ناممکن ہے۔ یہ ناممکن ہے۔" اس نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

"کیا مطلب؟" میں چونک پڑی لیکن اس نے مجھے اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ وہ بڑی دلچسپی سے میری تمام حرکات و سکنات پر غور کر رہا تھا۔ میں اس کی اس دلچسپی کو محسوس کر رہی تھی۔ چند لمحات اسی طرح گزرے، تب میں نے اسے دوبارہ مخاطب کیا...

"آپ کچھ کہہ رہے تھے قادر صاحب؟"

"مس عالیہ آپ بلاشبہ بہت بڑی اداکارہ ہیں، آپ مجھے دھوکا دینے کی ایک اور شاندار کوشش کر رہی ہیں۔"

"میں اب بھی نہیں سمجھی ارسطو صاحب۔" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"ہمارے استفسار پر آپ نے اپنے آقاؤں کی جو نشاندہی کی ہے اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ آپ ہمیں بھٹکانے کی کوشش کر رہی ہیں یعنی یہ تصور کیا جا سکتا ہے کہ آپ کے پس پشت کوئی نہیں ہے اور آپ خود ہی اس سارے عمل کی روحِ رواں ہیں لیکن یہ بات بعید از عقل ہے کہ آپ اب تک جو کچھ کرتی رہی ہیں وہ صرف آپ کی اپنی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ مجھے ذاتی طور پر یہ معلوم ہے کہ کچھ پُراسرار لوگ آپ کے لیے کام کرتے رہتے ہیں۔"

"تعجب کی بات ہے، آپ جیسا شخص ایسی ذہانت کی باتیں کر رہا ہے مسٹر قادر۔" میں نے بدستور طنزیہ انداز میں مسکرا کر کہا۔

"اس کی بنیادی وجہ ہے مس عالیہ، شاید یہ بات آپ ہی نہیں بلکہ لاتعداد لوگوں کو نہیں معلوم ہوگی کہ میں نے نفسیات کی کتابیں لکھی ہیں۔ میں نفسیات میں ایم۔ اے کرنے کے بعد عرصے تک ریسرچ کرتا رہا ہوں اور میرا اپنا خیال ہے کہ میں اس کام میں کافی مہارت حاصل کر لی ہے۔"

"اوہ... گویا تعلیم یافتہ آدمی ہو؟"

"ہاں مس عالیہ آپ جس انداز میں مجھ سے عدم تعاون کر رہی ہیں اور جس طرح میرا مذاق اُڑا رہی ہیں لیکن آپ یقین کریں میرے ذہن میں ابھی تک غصے کی ایک بھی لہر بیدار نہیں ہوئی۔ میں عام حالات میں ایک صلح پسند اور اخلاق کو ہاتھ سے نہ جانے دینے والا آدمی ہوں لیکن اگر ہم سنجیدگی سے گفتگو کریں تو آپ کو بھی میرے بارے میں کچھ حیرت انگیز انکشافات ہوں گے اور آپ متعجب رہ جائیں گی۔"

"تم نفسیات دان ہو۔" میں نے اسے دیکھتے ہوئے کہا...

اس نے گردن جھکا دی۔ "لیکن ماہرِ نفسیات تمہاری طرح بے وقوف تو نہیں ہوتے مسٹر قادر... تم مسلسل اپنے بارے میں کچھ بتانے کے خواہاں ہو، اور میں تم سے یہ بات بار بار کہہ چکی ہوں کہ مجھے تمہاری شخصیت سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ ہاں... اگر بتا سکتے ہو تو اپنے آقا اطہر رضوی کے بارے میں بتاؤ، یہ بھیڑ نما بھیڑیا خونی کھیل کیوں کھیل رہا ہے؟"

"خیر اب میری اتنی جرأت بھی نہیں ہے مس عالیہ کہ میں اپنے آقاؤں کے مزاج یا اُن کے ذاتی مسائل کے بارے میں کچھ کہہ سکوں۔ مجھے آپ سے بھی یہی جاننا تھا کہ آپ کے پس پردہ کون لوگ ہیں اور میری ڈیوٹی ہے کہ میں یہ سب کچھ معلوم کروں۔ میری دلی خواہش ہے مس عالیہ کہ آپ مجھے اس کے لیے تشدد پر آمادہ نہ کریں اور مجھ سے تعاون کریں۔ ورنہ ظاہر سی بات ہے کہ آپ میرے قبضے میں ہیں، میں آپ سے بہت کچھ معلوم کر سکتا ہوں۔" قادر نے کہا۔

"ٹھیک ہے کوشش کرو، ممکن ہے کامیابی حاصل ہو جائے۔" میں نے کہا اور کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر لیں۔ قادر مجھ سے کچھ فاصلے پر کھڑا مجھے گھورتا رہا پھر وہ میرے ساتھی کی طرف متوجہ ہوا۔

"دلیر آدمی۔ اپنی مالکہ کو سمجھاؤ یہ اب احمقانہ دلیری سے کام لے رہی ہیں۔ تم مرد ہو، سوچ سکتے ہو۔ ان سے کہو کہ یہ اب حالات کے اس رُخ کو تسلیم کریں۔ ہم تمہیں یہاں تک نہیں لائے۔ تم اپنے پیروں سے چل کر یہاں تک آئے ہو لیکن یہاں آنے کے بعد اب واپسی کس طرح ممکن ہے۔ مس عالیہ نے اطہر رضوی کا نام لیا ہے۔ یہ اور خوفناک بات ہے۔ کیا اس کے بعد رضوی صاحب پسند کریں گے کہ کوئی ہستی اُن سے واقف ہونے کے بعد آزادی کا سانس لے سکے؟"

میرا ساتھی خاموش رہا تھا لیکن میں چونک کر اُسے دیکھنے لگی۔ قادر کی یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ یہ شخص تو خود اُن لوگوں میں شامل تھا اور بے ہوشی کے بعد اسے میری نگرانی پر مامور کیا گیا تھا پھر وہ لوگ اسے میرا ساتھی کیوں سمجھ رہے تھے؟

"تم نے میری بات کا جواب کیوں نہیں دیا؟" قادر بولا۔

"اس لیے کہ مس عالیہ میری مالکہ یا آقا نہیں ہیں۔" وہ کہنے لگا۔

"کیا مطلب؟"

"ہاں۔ میں ان کے ساتھیوں میں سے نہیں ہوں۔"

"پھر تم کون ہو؟"

"یہ رضوی صاحب کو ہی بتاؤں گا۔"

"مجھے اُن کا قائم مقام سمجھ سکتے ہو۔"

"نہیں۔ تم اُن کے ایک مہرے ضرور ہو قادر — اُن کے ہم پلہ نہیں ہو۔" اس نے جواب دیا۔

قادر کی باتوں نے مجھے شدید حیران کر دیا تھا۔ یہ ناصر تو نہیں ہو سکتا۔ ناصر بلاشبہ ایک شاندار آدمی تھا لیکن وہ اتنا باصلاحیت نہیں تھا اور پھر اسے مجھ سے چھپنے کی کیا ضرورت تھی۔ اس کے علاوہ اس نے اس مصنوعی جہاز میں جو گفتگو کی تھی وہ ناصر کی گفتگو نہیں ہو سکتی لیکن قادر کی باتوں سے یہ معلوم ہو گیا تھا کہ وہ ان کا آدمی نہیں ہے لیکن اس نے جس طرح میری مدد کی تھی اس کے تحت میں اس کا راز افشا نہیں کر سکتی تھی۔

"تم نے ہمیں گرفتار کس طرح کیا؟" نقاب پوش نے پوچھا...

"رضوی صاحب نے نہایت معقول بندوبست کر رکھا ہے۔ آپ لوگ نہایت کامیابی سے ہمارے بہت سے ساتھیوں کو قتل کر کے اور ہمارے کئی قیمتی کتوں کو ہلاک کر کے نکل گئے تھے لیکن تل گھاٹ کے جس نالے کے ذریعے آپ لوگوں نے نکل جانا چاہا تھا اس میں حفاظتی جال پڑے ہوئے ہیں۔ یہ جال بہنے والی ہر چیز کو روک لیتے ہیں۔ آپ دونوں بھی

بے ہوشی کے عالم میں اِنہی جالوں میں پھنسے ہوئے ملے تھے۔"

"ہوں۔ بہر حال تم اسے ہماری بد قسمتی کہہ سکتے ہو۔" نقاب پوش بولا۔

"نہیں۔ ہم اسے اپنی خوش قسمتی کیوں نہ کہیں۔"

"تمہاری مرضی۔ جو دل چاہے کہو۔" وہ بولا۔

"ویسے اس بات پر مجھے تعجب ہوا ہے۔ تم کون سی پالیسی کے تحت خود کو مس عالیہ کا ساتھی تسلیم کرنے سے انکار کر رہے ہو؟"

"کوئی پالیسی نہیں۔ میں ان کا ساتھی نہیں ہوں بس۔"

"پھر تم کون ہو؟"

"کہا نا۔ کہ یہ میں اطہر رضوی کو ہی بتاؤں گا۔"

"اُن سے پہلے مجھے بتانا ضروری ہے۔" قادر بولا۔

"یہ تمہارے لیے مشکل ہے قادر۔"

"اوہ نہیں میرے دوست۔ میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ اپنا یہ نقاب اُتار دو۔" قادر بولا۔

"اس کے لیے تمہیں مجھے قتل کرنا ہوگا۔"

"یہ بھی ہو سکتا ہے میرے خیال میں ان حالات میں تمہاری یہ ضد بے کار ہے۔ تم ہمارے قبضے میں ہو اور ہمارے پاس ایسے ایسے لوگ موجود ہیں جو بہ آسانی تمہاری یہ نقاب نوچ کر پھینک سکتے ہیں۔" قادر بولا۔

"تب پھر اُن لوگوں کو طلب کر لو لیکن وعدہ کرو کہ اگر وہ لوگ مجھے بے نقاب نہ کر سکے تو تم مجھے اطہر رضوی سے۔۔ ملاقات کی اجازت دے دو گے؟" نقاب پوش نے کہا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" قادر حیرت سے بولا۔

"یہ ایک دلچسپ کھیل ہوگا مسٹر قادر۔۔۔ وہ لوگ جن کے بارے میں تمہارا یہ خیال ہے کہ مجھے بے نقاب کر سکتے ہیں۔ مجھے بے نقاب کرنے کی کوشش کریں گے اگر وہ مجھے بے نقاب کرنے میں کامیاب ہو گئے تو ٹھیک ہے تم مجھ سے واقف ہو جاؤ گے اور اگر اس میں وہ ناکام رہے تو تم پھر مجھے اطہر رضوی کے سامنے پیش کر دو گے؟"

"ہوں۔ کھیل واقعی دلچسپ ہوگا۔ مجھے ایسے کھیل بے حد پسند ہیں۔" قادر بے اختیار مسکرا دیا۔ اس کی ذہنی کیفیت ایک دم بدل گئی تھی پھر اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔۔

"ٹھیک ہے پھر مجھے اجازت دو کہ میں اس کھیل کا انتظام کر لوں۔۔۔؟"

"اجازت ہے۔" نقاب پوش نے کہا اور قادر پلٹ کر باہر نکل گیا۔ اُس کے جانے کے بعد دیر تک خاموشی چھائی رہی۔ میرا ذہن قادر کی باتوں میں اُلجھا ہوا تھا۔

بہر حال یہ ساری باتیں تھیں لیکن اب نقاب پوش میرے ذہن میں بُری طرح کھٹکنے لگا تھا۔ یہ شخص کون ہے۔۔؟ مصنوعی جہاز میں بے ہوشی کے دوران مجھے ملا تھا بلکہ یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ اسی کی وجہ سے مجھے ہوش آیا تھا اور جب ہوش آیا تھا تو یہ جہاز کے میکنزم کو پوری طرح کنٹرول کیے ہوئے تھا جس کا مقصد یہ ہے کہ یہ اس میکنزم سے پوری طرح واقف تھا۔ ان حالات میں یہ شبہ بھی نہیں کیا جا سکتا تھا کہ وہ مجرموں کے ساتھیوں میں سے نہ ہو۔ یہ دُوسری بات ہے کہ وہ میری گفتگو سے میری مدد پر آمادہ ہو گیا تھا۔

لیکن اب یہ انکشاف ہوا کہ دراصل وہ ان کے ساتھیوں میں سے ہی نہ تھا۔ تو پھر یہ کون ہے؟ میں نے گہری نگاہوں سے اُس کے چہرے کا جائزہ لینے کی کوشش کی۔ وہ بھی میری جانب ہی متوجہ تھا۔ اُس نے آہستہ سے گردن ہلائی پھر بولا۔

"میں جانتا ہوں مس عالیہ آپ کیا سوچ رہی ہیں؟"

"مجھے یقین ہے کہ تم ضرور جانتے ہو گے لیکن مجھے یہ بتاؤ کہ کیا میری اس سوچ کا کوئی جواب بھی مل سکتا ہے؟"

"آپ شاید میرے اُس وعدے کو بھول گئیں۔" وہ گہرے لہجے میں بولا۔

"کون سا وعدہ؟"

"یہی کہ میں آپ کو اپنے بارے میں سب کچھ بتا دوں گا لیکن ابھی اس کے لیے مجھے وقت درکار ہے۔"

"مسٹر! یہ تو میں جانتی ہوں کہ تم ناصر نہیں ہو لیکن قادر کی گفتگو سے یہ پتہ چلتا ہے بلکہ تم نے بھی تسلیم کیا ہے کہ تم ان لوگوں کے ساتھیوں میں سے نہیں ہو۔ باقی رہا مسئلہ اُس وقت کے آنے کا۔۔ جب تم کچھ انکشافات کرو گے تو میرے خیال میں ہم اُس وقت کا۔۔۔ نہ تو تعین کر سکتے ہیں اور نہ ہی یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ وقت ہمیں مل ہی جائے گا۔ اس کے علاوہ میں تمہاری نیت پر شبہ نہیں کروں گی۔ تم بلاشبہ ایک عظیم انسان ہو۔ تم نے اب تک جس طرح میری مدد کی ہے میں اس کے لیے تمہاری احسان مند ہوں۔ تاہم ایک دوست کی حیثیت سے یہ تجسس میرے ذہن میں اُبھر آیا ہے کہ تمہارے بارے میں جانوں آخر تم کون ہو، کہاں سے آئے ہو؟" میں نے کہا۔

"مس عالیہ! براہ کرم مجھے اس کی مہلت دیں۔ آپ سے ں موضوع پر گفتگو کرنا ابھی میرے لیے مناسب نہیں ہوگا۔۔ ے یقین ہے کہ آپ میری اس بات کو محسوس نہیں کریں گی۔" ں نے کہا اور میں خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگی پھر میں نے یک گہری سانس لے کر کہا۔

"ٹھیک ہے تم نے مجھے شدید سسپنس کا شکار کر دیا ہے ب میں تمہارے بارے ہی میں ذہن دوڑاتی رہوں گی۔"

"اصل میں یہ بھی میرے اس مقصد کے پورا ہونے کی لیل ہے۔" نقاب پوش نے کہا۔

میں خاموش نگاہوں سے اُسے دیکھتی رہی پھر میں نے ہری سانس لے کر کہا۔ "بہر حال یہ بات طے ہو گئی کہ تم اُن ے ساتھیوں میں سے نہیں ہو۔"

"ہاں۔ میں تسلیم کرتا ہوں۔"

"کچھ اور سوالوں کے جواب دو گے؟"

"خلوصِ دل سے۔" وہ بولا۔

"کیا یہ حقیقت ہے کہ تہور عالم کی کوٹھی سے واپسی کے د جب میں ان لوگوں سے نبرد آزما تھی تم وہاں موجود تھے؟"

"موجود نہیں تھا۔ پہنچ گیا تھا۔"

"جس وقت میں اور ناصر اُن کے چنگل سے نکلنے کی کوشش ر رہے تھے تم نے ہی سڑک سے اُن پر گولیاں چلائی تھیں؟"

"جی ہاں۔ آپ کی توجہ قابلِ تعریف ہے۔"

"تم اُس وقت تنہا تھے؟"

"بالکل تنہا۔"

"میرے زخمی ہونے کے بعد تم ہی مجھے اُٹھا کر لائے تھے؟"

"جی ہاں۔"

"سیدھے یہاں آ گئے تھے؟"

"یہ بھی درست ہے۔" وہ بولا۔

"اس کی وجہ؟" میں نے اُسے گہری نگاہوں سے دیکھتے وئے پوچھا۔

"میں نے ایک پُرانی کہاوت پر عمل کیا تھا یعنی چوری ے مال کو ساہوکار کے گھر میں چھپا دو سب سے محفوظ جگہ ہے۔ ں جانتا تھا کہ وہ آپ کو ان جگہوں پر تلاش کریں گے جہاں پ کے ملنے کے امکانات ہوں گے۔ اس لیے میں نے آپ دا نہی کے گھر میں پوشیدہ کیا۔ وہ آپ کے لیے بہترین۔۔۔ فاظت گاہ تھی۔"

"اس کا ایک مقصد ہوا۔۔۔ وہ یہ کہ تم اس عمارت کے بارے میں اچھی طرح جانتے تھے؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں۔" اُس نے اعتراف کیا۔

"اور اس مصنوعی جہاز کے بارے میں بھی؟"

"جی ہاں۔ اس کے بارے میں تو آپ بھی جانتی تھیں۔"

"وہ محض اتفاق تھا۔ خیر تو تمہیں یہ بھی معلوم ہوگا کہ یہ کوٹھی ان مجرموں کا اکھاڑہ ہے؟"

"ہاں میں جانتا تھا۔"

"تو پھر یہ بھی تمہیں معلوم ہوگا کہ اس کوٹھی میں کیسے بھیانک جرم ہوتے ہیں؟"

"جی ہاں۔ یہ بھی جانتا تھا۔"

"تمہارے ضمیر نے تمہیں یہ مشورہ نہیں دیا کہ تم ان مجرموں کا قلع قمع کر دو۔ کیا ان لوگوں کا جرم ایسا نہیں ہے کہ اس پر انسانی ضمیر چیخ اُٹھے؟"

"میں آپ سے متفق ہوں لیکن آپ بھی تو طویل عرصے سے ان لوگوں کے خلاف صف آرا ہیں؟"

"بے شک لیکن تم مجھ سے بہت پہلے ان لوگوں کی گردنوں تک پہنچ سکتے تھے۔"

"بس۔ یہیں آپ کی سوچ غلط ہے محترمہ۔ آپ بہت پہلے کی بات نہ کریں۔ میں دُوسری بار اس عمارت میں داخل ہوا تھا اور اس کے قرب و جوار سے بھی سرسری سی واقفیت تھی ورنہ آپ یقین کریں اتنی آسانی سے اس چوہے دان میں نہ پھنستا۔" آخر میں اُس کا لہجہ سخت اور پُر اعتماد ہو گیا تھا۔

"اوہ۔ تم ان لوگوں کی کھوج میں تھے؟"

"ظاہر ہے ورنہ اس قدر تگ و دو کیوں کرتا۔"

"اس کی وجہ بتاؤ گے؟"

"ابھی نہیں محترمہ۔ یہ سوال وہی ہے جو آپ مجھ سے اس مصنوعی جہاز میں کر چکی ہیں اور جس کے لیے میں معذرت کر چکا ہوں۔"

"تم اُس دوہری شخصیت کے عجوبے کو بھی پہلے دیکھ چکے تھے؟"

"جی ہاں۔ ورنہ آپ کو کیسے دکھاتا۔"

"وہ کیا چیز ہے؟"

"یقین کریں ابھی اُس کے بارے میں کچھ نہیں معلوم کر سکا۔"

"ہوں۔ اچھا یہ بتاؤ میرے ساتھی ناصر کے بارے میں کچھ معلوم ہے۔ وہ ان لوگوں کا شکار ہو گیا یا زندہ ہے؟"

"مجھے نہیں معلوم۔"
"میں تمہارے بارے میں کچھ کہوں؟"
"میرے بارے میں؟"
"ہاں۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ضرور فرمایئے۔ میں آپ کو کیسے روک سکتا ہوں؟"
"تم... بقراط ہو۔" میں نے نہایت پُراعتماد لہجے میں کہا۔
"اوہ۔ نہیں۔ مجھے فلسفے سے کوئی دلچسپی نہیں ہے محترمہ۔ میں تو عام سا انسان ہوں۔" اُس نے کہا۔

"نواب زادہ تصورِ عالم۔ کہاں کہاں چھپو گے۔ بن عارف کی حیثیت سے بھی تم میرے علم میں آچکے ہو۔ تمہاری ان ہمدردیوں کے پس پشت کیا ہے؟ یہ میں نہیں جانتی لیکن میں بہرحال تمہاری شکر گزار ہوں۔"

"نواب زادہ تصورِ عالم۔" نقاب پوش زیرِ لب بولا اور پھر ہنس دیا۔

"آپ ایک ذہین خاتون ہیں محترمہ لیکن میں نہیں جانتا آپ نے مجھے تصورِ عالم کیوں سمجھا ہے۔ وہ تو ایک بے عمل سا انسان ہے جو شاید خود کو خبطی ظاہر کرنے کا بھی شوقین ہے۔"
"تم اُسے جانتے ہو؟" میں نے مسکرا کر پوچھا۔
"ہاں۔ میری اس تنگ دَود کے درمیان وہ بھی سامنے آیا تھا لیکن آپ جیسی ذہین خاتون کے مُنہ سے یہ نام سُن کر مجھے تعجب ہوا ہے۔"
"تو تم تسلیم نہیں کرو گے کہ تم بقراط ہو؟"
"نہیں۔ میں وہ نہیں ہوں لیکن اس سلسلے میں آپ سے بحث نہیں کروں گا۔"

اِس کے بعد ہمارے پاس کوئی موضوع گفتگو کرنے کے لیے نہیں رہ گیا تھا چنانچہ ہم اس وقت تک خاموش رہے جب تک چند افراد ہمارے کمرے میں نہ داخل ہو گئے۔ یہ سب مسلح تھے اور قادر کی طرح نرم خُو نہ تھے۔

"اُٹھو۔ باہر چلو۔" ان میں سے ایک نے کرخت لہجے میں کہا اور ہم دونوں خاموشی سے اُٹھ گئے پھر ہم کمرے سے نکل کر ایک دُوسرے ہال کمرے میں آگئے جس میں سُرخ قالین بچھا ہُوا تھا۔ قادر چند لوگوں کے ساتھ وہاں موجود تھا۔ اُس نے مسکرا کر ہم دونوں کو دیکھا۔

"مِس عالیہ۔ آپ یہاں آجائیں ہمارے پاس۔" اُس نے کہا اور میں اُس جگہ پہنچ گئی جہاں ایک ووڈن پارٹیشن لگا ہُوا تھا جو ذرا بلندی پر تھا۔ یُوں لگتا تھا جیسے وہ کوئی عدالت ہو۔ قادر نے مجھے ایک کرسی پیش کر دی تھی البتہ نقاب پوش نیچے کھڑا تھا۔

"کیا اس تفریح میں اطہر رضوی صاحب دلچسپی نہیں لیں گے؟" نقاب پوش نے پوچھا۔

"نہیں... انہیں ایسے کھیلوں سے دلچسپی نہیں ہے البتہ بے فکر رہو۔ یہاں تمہارے اس کھیل کے بہترین قدر دان موجود ہیں۔" قادر نے کہا۔

میرے ذہن میں عجیب سے خیالات تھے۔ اس وقت دل یہ فضول تماشا دیکھنے کو بالکل نہیں چاہ رہا تھا بس اس نقاب پوش کی شخصیت ایسی تھی جس سے میں اُلجھن کا شکار تھی اور یہ ساری چیزیں دیکھنے کے لیے مجبور تھی۔ نقاب پوش کمرے کے وسط میں جا کھڑا ہُوا۔ دو آدمیوں نے آگے بڑھ کر کمرے کے دونوں دروازے بند کر دیئے تھے۔ تیسرا دروازہ شاید اندرونی سمت کھلتا تھا جس پر کپڑا پڑا ہوا تھا۔

میں پیش آنے والے کسی واقعے کی منتظر تھی۔ تب میں نے دیکھا۔ بالکل چُست لباس میں ملبوس دو خوبصورت لڑکیاں اندر داخل ہُوئیں۔ ان کے قد ساڑھے پانچ فٹ سے اُونچے ہی تھے اور جسم نہایت تندرست اور کسے ہُوئے تھے۔ چُست لباس میں چھپے ہُوئے جسموں سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ جمناسٹک کی ماہر ہیں۔

دونوں لڑکیاں کم از کم اس مُلک سے تعلق نہیں رکھتی تھیں۔ میرا اندازہ تھا کہ وہ اسپینش ہیں۔ قادر واقعی کوئی کھلنڈرا شخص معلوم ہوتا تھا۔ اُس کی آنکھوں اور چہرے پر کچھ ایسے تاثرات تھے... جیسے وہ اس کھیل سے نہایت لُطف اندوز ہو رہا ہو... دونوں لڑکیوں نے آکر سَر جُھکایا اور نقاب پوش دیوار سے جا ٹکا... لڑکیاں اب سیدھی ہو گئی تھیں۔

"مسٹر قادر۔ یہ کیا احمقانہ بات ہے۔" نقاب پوش نے بھرّائے ہُوئے لہجے میں کہا۔
"کیوں کیوں خیریت...؟"
"کیا یہ لڑکیاں میری نقاب کشائی کریں گی؟" اُس نے پوچھا۔
"ہاں۔ انہیں حکم تو یہی مِلا ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ یہ اس حکم کی تعمیل میں کامیاب بھی ہوتی ہیں یا نہیں۔" قادر نے جواب دیا۔
"بہرحال میرے لیے افسوس کی بات ہے۔" نقاب پوش بولا اور دونوں لڑکیاں اچانک حرکت میں آگئیں۔ انہوں نے تھوڑے تھوڑے فاصلے پر ہٹ کر دونوں ہاتھ سامنے بڑھا لیے۔ ان کے چہرے بھیانک ہوتے چلے گئے اور دانت باہر نکل آئے پھر ان

[...]ں سے ایک نے انتہائی وحشیانہ انداز میں چیخ مار کر نقاب پوش [...]چھلانگ لگائی۔ اُس کا ایک ہاتھ نقاب پوش کی طرف بڑھا لیکن اصل [...]وہ پاؤں تھا جس نے نقاب پوش کے پیٹ پر ضرب لگانے [...] کوشش کی تھی۔ میں نے دیکھا نقاب پوش گھوما۔ اُس نے ایک [...]ں سے لڑکی کی ضرب کو ناکام بنایا اور اس کا پھیلا ہُوا ہاتھ [...]ڑ کے اُسے زور سے دیوار کی سمت دھکیل دیا۔ لڑکی پوری [...]ت سے دیوار سے ٹکرائی تھی لیکن اس کے ساتھ ہی دُوسری [...]کی نقاب پوش پر آگری... نقاب پوش جُھکا اور پھر اُس کا [...]یاں ہاتھ لڑکی کے پیٹ پر پڑا اور لڑکی قلابازی کھا کر دُور جا [...]ی۔ نقاب پوش ان دونوں کے درمیان سے نکل کر کمرے [...]ے وسط میں آکھڑا ہُوا۔

دونوں لڑکیاں کچھ اور زیادہ خوفناک ہو گئی تھیں... پھر [...]ہوں نے رقص کے انداز میں کئی چکر لگائے اور پھر وہ دوبارہ [...]ی وحشیانہ قوت کے ساتھ نقاب پوش پر آپڑی تھیں۔ یہ حملہ [...]نوں سمت سے ہُوا تھا۔ نقاب پوش نیچے بیٹھا اور لڑکیاں آپس [...]ں ٹکرا گئیں لیکن اس کے ساتھ ہی نقاب پوش کے دونوں [...]تھ پھیلے اور لڑکیاں دُور جا گریں۔ قادر نے پُرجوش انداز میں [...]لیاں بجائی تھیں...

نقاب پوش پھر ایک جانب کھڑا تھا اور لڑکیاں بھی اب [...]ا نظر آرہی تھیں۔ ان کے چہروں کے وحشیانہ تاثرات میں [...]ا اضافہ ہو گیا تھا۔ یُوں لگتا تھا جیسے وہ عام لڑکیاں نہ ہوں [...]ان کا انداز کچھ مشینی سا تھا پھر ان دونوں لڑکیوں نے زمین [...]قلابازیاں کھائیں اور پھر کچھ اس طرح اُلجھا دیے دیئے کہ ان [...]ے چاروں پاؤں نقاب پوش کے گِرد آکر لپٹ گئے... پھر [...]ابازی کھا کر ان لوگوں نے نقاب پوش کو اُلٹنے کی کوشش کی [...]ن وہ کچھ اس طرح ان کے درمیان سے نکلا جیسے مچھلی کسی کے [...]اتھ سے پھسل گئی ہو۔ لڑکیاں پھر ایک دُوسرے سے ٹکرائی تھیں [...]ور چند ہی لمحات کے بعد اندازہ ہو گیا کہ نقاب کشائی لڑکیوں کے [...]بس کی بات نہیں ہے۔ قادر کا چہرہ دلچسپی کے انداز میں پھیلا ہُوا تھا [...]ور لڑکیاں پینترے بدل رہی تھیں۔

دفعتاً ایک آدمی اُسی وقت کمرے کے دروازے سے باہر نکلا اور اُس نے لکڑی کے دو ٹکڑوں کے درمیان پھنسی ہُوئی [...]ایک زنجیر لڑکیوں کی طرف اُچھال دی۔ یہ نن چکو کہلاتا ہے۔ لڑکیوں [...]نے نن چکو کا ایک سِرا پکڑ لیا اور پھر کمرے میں سائیں سائیں کی آوازیں گونجنے لگیں۔ مارشل آرٹس میں نن چکو بڑی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کا اگر ایک ہی وار کارگر ہو جائے تو بڑا مہلک ثابت ہو سکتا ہے۔ لڑکیاں بڑی چابک دستی سے اُسے گھما رہی تھیں اور دُوسری طرف نقاب پوش نے بھی ایک پوز بنا لیا تھا۔ اُس کا سینہ پھُول گیا تھا اور لباس کے اندر سے ہی اُس کا فولادی بدن جھلک رہا تھا...

میرا دِل دھڑک اُٹھا۔ مجھے امیر الشاط کے جہاز پر لڑتا ہُوا بن عارف یاد آیا جس نے مارشل آرٹس کے ایک بڑے ماہر کو شکست دی تھی اور میرا ذہن پھر بقراط بقراط چیخنے لگا۔

دونوں لڑکیاں نن چکو گھماتی ہُوئی نقاب پوش کی طرف لپکیں اور پھر نن چکو کی سخت اور فولاد سے زیادہ مضبوط کڑیاں بیک وقت اُس کے بدن کی طرف لپکیں لیکن یہ کڑیاں آپس میں ٹکرا گئی تھیں۔ نقاب پوش نے ایک اُونچی چھلانگ لگائی تھی اور اُن کے اس وار سے بھی بچ گیا تھا۔

لڑکیوں کے نن چکو آپس میں پھنس گئے تھے اور یہی اُن کی ہار بن گئے۔ نقاب پوش نے زمین پر آتے ہی پُوری قوت سے اُن دونوں کی گردنیں پکڑیں اور اُن کے سَر ایک دُوسرے سے ٹکرا دیئے۔ لڑکیاں بُری طرح چیخی تھیں اور پھر نن چکو اُن کے ہاتھ سے چھُوٹ گئے اور وہ جھُولنے لگیں۔

لیکن بات ابھی ختم نہیں ہُوئی تھی۔ دروازے میں ایک طویل القامت شخص نظر آیا جس کے بدن پر صرف ایک پتلون تھی اوپری بدن برہنہ تھا البتہ سَر پر ایک چُست پگڑی بندھی ہُوئی تھی۔ اُس کے بدن پر گوشت کی تہیں چڑھی ہُوئی تھیں۔ اُس نے عجیب انداز میں بدن کو گردش دی اور اُس کے بدن کے پٹھے گردش کرنے لگے۔ گردن کے قریب کا پچھلا حصّہ کئی اِنچ اُونچا نکل آیا تھا۔ اُس کے ہونٹوں پر تضحیک آمیز مسکراہٹ تھی تب اُس نے پیچھے مُڑ کر کسی سے کچھ کہا اور چند لوگ باہر نکل آئے۔ وہ لڑکیوں کو پکڑ کر اندر لے گئے تھے اور اب طویل القامت شخص نقاب پوش کے سامنے تنا ہُوا کھڑا تھا۔

"تمہیں اس کی نقاب اُتارنی ہے برلو۔" قادر نے کہا اور اُس نے گردن جُھکا دی پھر اُس نے دونوں ہاتھ سیدھے پھیلا دیئے اور نقاب پوش نے بھی پینترا بدل لیا۔ وہ شخص جس کا نام برلو لیا گیا تھا نیم دائرے کی شکل میں قدم قدم ہٹنے لگا اور پھر اُس نے ایک خوفناک دباؤ کے ساتھ نقاب پوش پر چھلانگ لگا دی۔ وہ تقریباً آٹھ فٹ

کی بلندی پر پہنچ گیا اور جب نقاب پوش پینترا بدل کر پلٹا تو اُس نے فضا ہی میں اپنا رُخ بدل لیا اور پھر وہ چکر کھاتا ہُوا نیچے آیا۔ نشانہ نقاب پوش تھا لیکن نقاب پوش اُس کی گرفت میں نہیں آیا تھا...

برلُو زمین پر آ کر پھر اُچھلا اور اس بار تو بالکل یہی لگا تھا جیسے وہ فضا میں معلّق ہو گیا ہو لیکن میں نے نقاب پوش کو اِس بار خطرناک موڈ میں محسوس کیا۔ برلُو اس بار جیسے ہی زمین پر آیا۔ نقاب پوش نے ایک بھرپور لات اُس کی کمر پر ماری اور وہ کئی فٹ اُچھل کر نیچے گرا۔ اس بار وہ اِس پھرتی سے نہ اُٹھ سکا تھا اور نقاب پوش پر جیسے دورہ پڑ گیا۔ اُس نے دُوسری لات گھمائی جو برلُو کے چہرے پر پڑی اور اُس کی ناک نے خُون اُگل دیا۔ تیسری لات نے اُس کے چہرے کو ناقابلِ شناخت بنا دیا اور اس کے بعد نقاب پوش نے پلٹ کر اُس کی گردن دونوں... پیَروں کی قینچی میں پھنسالی اور پھر وہ دو بار گھُوما۔ ایک بار ایک سمت اور دُوسری بار دُوسری سمت۔ میں نے اتنا خوفناک منظر اپنی آنکھوں سے اس سے قبل نہیں دیکھا تھا۔ نقاب پوش ایک طرف ہٹ گیا تھا اور اس کے ہٹتے ہی برلُو اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔ اُس نے دونوں ہاتھوں سے اپنی گردن سنبھالنے کی کوشش کی لیکن اُس کی گردن ایک طرف لٹک گئی۔ دُوسرے لمحے اُس کی ناک، مُنہ اور کانوں سے خُون کی پھُواریں نکل کر دُور تک پھیل گئی تھیں اور اس کے ساتھ ہی بھگدڑ مچ گئی۔

قادر اور اُس کے ساتھی کمرے سے نکل کر اس بُری طرح بھاگے کہ انہوں نے پلٹ کر نہیں دیکھا۔ باہر نکلتے ہی دروازہ بند کر دیا گیا تھا اور پھر اندرونی دروازہ بھی اسی قوّت سے بند ہو گیا...

میں ششدر کھڑی ہو گئی تھی۔ نقاب پوش کے حلق سے غرّاہٹیں نکل رہی تھیں اور دُوسری طرف طویل القامت شخص کے حلق سے آخری خرخراہٹیں بلند ہو رہی تھیں۔ اُس کے نرخرے سے ایسی خوفناک آوازیں نکل رہی تھیں کہ رونگٹے کھڑے ہُوئے جا رہے تھے۔ غالباً وہ اپنی ٹوٹی ہُوئی گردن میں سانس بحال کرنے کی کوشش کر رہا تھا اور سانس نرخرے میں پھنس رہی تھی۔ اس کے تمام اعضا بُری طرح پھڑک رہے تھے۔ جسم میں اچانک قید ہو جانے والی سانسیں پُورے بدن کے کسی حصّے کو پھاڑ کر آزاد ہونے کی کوشش کر رہی تھیں اور چُوں کہ وہ عام ...

انسانوں سے کئی گُنا طاقت وَر تھا۔ اس لیے بدن سروں قبول نہیں کر رہا تھا۔

جان کنی کا اس سے زیادہ خوفناک منظر تصوّر میں نہیں لایا جا سکتا۔ وہ بار بار زمین سے اُٹھتا۔ خود کو سنبھالنے کی کوشش کرتا اور پھر نیچے گر پڑتا۔ آخری بار وہ اتنی زور سے اُچھلا کہ اُوپر کُرسیوں پر جا پڑا۔ بس یہ اُس کی آخری قوّت تھی۔ کُرسیاں ایک دُوسرے سے اُلجھیں اور اس کے بعد وہ ساکت ہو گیا۔

میری آواز بند ہو گئی تھی... کوشش کے باوجود میں کچھ نہ بول سکی لیکن نقاب پوش ابھی تک ہوش میں نہیں آیا تھا... اُس نے آگے بڑھ کر ایک لات اندرونی دروازے پر ماری اور دروازہ درمیان سے پھٹ گیا۔ دُوسری لات نے اُسے اُکھاڑ کر پھینک دیا اور نقاب پوش اندر گھُس گیا۔ میری اتنی ہمّت نہ ہُوئی کہ اس کے پیچھے اندر جا کر دیکھوں لیکن چند ساعت کے بعد وہ اندر سے نکل آیا۔ اب وہ کسی قدر نارمل تھا۔

"اندر کوئی نہیں ہے۔ غالباً وہ کسی ایسے دروازے سے نکل گئے ہیں جو پوشیدہ ہے۔ کیا میں یہ دروازے توڑ دُوں؟" اُس نے بیرُونی دروازوں کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"مناسب نہیں ہوگا۔ وہ لوگ اسلحہ لے آئے ہوں گے۔" میں نے جواب دیا اور نقاب پوش خاموش ہو گیا پھر وہ ایک کُرسی اُوپر سے اُٹھا کر بولا۔

"بیٹھ جایئے مس عالیہ۔"

"اوہ۔ شش شکریہ۔" میں نے لڑکھڑاتے ہُوئے لہجے میں کہا اور جلدی سے بیٹھ گئی۔ میرے پیَروں کی جیسے جان نکل رہی تھی۔ وہ بلند چبوترے سے ٹیک کر کھڑا ہو گیا۔

"سوری مس عالیہ۔ آپ کو ان منحوس مناظر سے گزرنا پڑا۔"

"خاموش ہو جاؤ۔ خدا کے لیے خاموش ہو جاؤ۔" میں نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر سنبھال کر کہا جو بُری طرح گھُوم رہا تھا

"بزدل قادر علی کس طرح بھاگ گیا۔ ارے میں اس جیسے بہت سوں کو جانتا ہُوں۔ صرف زبان چلتی ہے ایسے لوگوں کی۔"

"لیکن اب اُن کا رویّہ تمہارے خلاف سخت ہو جائے گا۔"

"میں کسی کی پروا نہیں کرتا۔" وہ بے جگری سے بولا۔

"تمہاری ہی طرح ایک اور شخص بھی تھا۔ مارشل آرٹس کا ماہر امیر الشاط کے جہاز پر تم نے، میرا مطلب ہے اُس نے مارشل آرٹس کے ایسے ہی ایک ماہر کو بدترین شکست دی تھی۔"

"میرے جیسے لاکھوں ہوں گے مادام آپ صرف ایک ی بات کر رہی ہیں۔"

"دیکھنا یہ ہے کہ اب ان لوگوں کا رویّہ ہمارے ساتھ کیسا ہوتا ہے۔" میں نے ایک دَم بات بدل دی۔

"سوچنا چھوڑ دیں جو ہوگا دیکھا جائے گا۔" اُس نے گہری سانس لے کر کہا اور میں خاموش ہو گئی۔ شام کو دروازہ کھُلا اور ہار آدمی اسٹین گنوں سے مسلح ہو کر اندر داخل ہو گئے۔ اسٹین نوں کا رُخ ہماری طرف ہی تھا۔

"آؤ۔ تم لوگ باہر آؤ۔" اُنہوں نے کہا اور پھر بولے "لیکن دونوں اپنے اپنے ہاتھ سَر سے بلند کر لو۔" اس کے حلق سے غرّاہٹ نکلی اور پھر اُس نے میری طرف دیکھا۔

"تم نے دیکھا اُس چھوٹے آدمی کو؟"

"ہاتھ بلند کر لو۔ کوئی حرج نہیں ہے۔" میں نے آہستہ سے کہا اور اُس نے ہاتھ اُٹھا دیے۔ ہم دونوں باہر نکل آئے۔ کئی راہداریوں سے گزر کر ہم ایک ایسی جگہ پہنچ گئے جو پتھروں سے بنی ہُوئی تھی۔ پہاڑوں کے وزنی پتھروں سے یہ جگہ بنائی گئی تھی بڑی پوری چٹانیں جوں کی توں استعمال کی گئی تھیں۔

ہمیں ایک دروازے میں داخل ہونے کے لیے کہا گیا اور ہم اندر داخل ہو گئے لیکن جونہی ہم اندر داخل ہُوئے وہ دروازہ کسی میکنزم کے تحت بند ہو گیا جس سے ہم اندر داخل ہوئے تھے...

وہ چونک کر پلٹا تھا۔ دروازے پر ایک چوڑی پتھریلی سِل کھسک آئی تھی۔ اُس کے ہونٹوں پر زہریلی مُسکراہٹ پھیل گئی۔

"یہ ہماری برتری کا اعتراف ہے مس عالیہ۔" میں خاموش رہی تھی۔ دفعتاً ایک سرسراہٹ سُنائی دی اور ہماری نگاہیں بے اختیار اُوپر اُٹھ گئیں اور پھر نقاب پوش نے مجھے جلدی سے دروازے سے پیچھے گھسیٹ لیا۔ لوہے کی موٹی موٹی سلاخوں کا ایک پنجرہ دروازے پر آ پڑا تھا۔ سلاخیں نیچے کے سُوراخوں میں فٹ ہو گئیں۔ ہم نے پہلے اِن سُوراخوں کو نہیں دیکھا تھا۔

"خُوب۔ بہترین انتظامات ہو رہے ہیں۔" اُس نے مسکراتے ہُوئے کہا۔ میں خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گئی تھی۔ چند ساعت وہ اسی طرح کھڑا اِن سلاخوں کو دیکھتا رہا پھر کمرے کی چٹانی دیواروں کو ٹٹولنے لگا۔ نہ جانے وہ کیا دیکھ رہا تھا۔ پھر وہ کشادہ کمرے کے دُوسرے کونے میں پہنچا تھا کہ اچانک

ایک تیز دھڑدھڑاہٹ کے ساتھ چھت کے بالکل درمیان سے ایک دُوسرا ایسا ہی کٹہرہ زمین تک آ گیا۔ یہ میرے اور اُس کے درمیان تھا۔ وہ چونک کر اِس کٹہرے کو دیکھنے لگا تھا۔

"اس کا مطلب ہے مس عالیہ کہ وہ اب آپ کو مجھ سے علیحدہ رکھنا چاہتے ہیں۔" وہ گہری سانس لے کر بولا۔

"میں بھی تمہارے ہی الفاظ دُہراؤں گی۔ یعنی میں کسی کی پروا نہیں کرتی۔" میں نے مسکراتے ہُوئے کہا اور وہ ہنسنے لگا۔

"میں جانتا ہُوں۔" اُس نے گردن ہلا دی۔ پانچ چھ منٹ گزرے ہوں گے کہ مین دروازے سے وہ پتھریلی چٹان ہٹ گئی جو کسی میکنزم کے تحت تھی لیکن سلاخوں والا دروازہ بدستور موجود تھا اور دروازے کے دُوسری طرف قادر علی اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ نظر آیا۔

نقاب پوش قادر علی کو گھُورنے لگا تھا پھر وہ سلاخیں پکڑ کر بولا "کیوں قادر علی۔ کیا ہمارے ساتھ انصاف ہُوا ہے؟"

"میں تمہیں سمجھا دوست۔" قادر علی یکم بخت پتھر کا بنا ہُوا تھا اُس کے لہجے سے یا چہرے سے کسی تاثر کا اظہار نہیں ہوتا تھا۔ وہ اِس وقت بھی نرم اور بے تاثر تھا۔

"تم نے ایک چیلنج دیا تھا۔ میں نے قبول کر لیا اور تمہارے ایما پر تمہارے آدمی سے جنگ لڑی۔ یہ تو ایک معاہدے کے تحت ہُوا تھا اور میں صرف اس بات کا خواہش مند تھا کہ تم مجھے رضوی صاحب کے سامنے پیش کر دو گے۔ تمہارے لڑاکے کو بھی میں نے اسی لیے ہلاک کیا ہے کہ میں اپنے جیسے کسی دُوسرے کو نہیں چاہتا تھا۔"

"تم کسی مست ہاتھی کی مانند طاقت وَر ہو دوست... اور کسی چیتے سے زیادہ پھُرتیلے لیکن قادر علی بہت محتاط انسان ہے تم ہمارے لیے عذاب بن سکتے تھے۔"

"ہرگز نہیں قادر علی۔ مارشل آرٹس میں مختلف آوازوں کی زبان ہوتی ہے بالکل اسی طرح جیسے موسیقی کے سات سُر ہوتے ہیں۔ ہر سُر کی لذت ہوتی ہے اور راگی پہلے اُس راگ کے سُر بناتا

ہے جسے وہ گا رہا ہوتا ہے۔ اسی طرح مارشل آرٹس کے بھی ... کاشن ہوتے ہیں۔ نمائشی مقابلہ کرنے والے اپنے مقابل کو اشارہ دیتے جاتے ہیں کہ وہ ... کون سا وار کر رہے ہیں۔ اس طرح مقابل اس وار کے خطرناک نتائج سے بچنے کے لیے تیار ہو جاتا

ہے۔ تم نے جس شخص کو میرے مقابل کیا تھا وہ "ہان گین" کا ماہر تھا اور ہوا میں اُڑ کر حملہ کرنے کی طاقت رکھتا تھا۔ ایسے لوگ اپنے مقابل پر اگر اپنا آخری داؤ آزماتے ہیں تو یُوں سمجھو کہ وہ مقابل کی زندگی کے لاگو ہیں اور اس جنگ کے دوران وہ مقابل کو کاشن نہیں دیتے۔ وہ ابتدا میں ایک بڑے جنگجو کی مانند لڑا لیکن آہستہ آہستہ اُسے معلوم ہو گیا کہ اُس کا مقابل بھی معمولی نہیں ہے۔ اس کے بعد اُس نے خطرناک کاشن لینا شروع کر دیے اور میں نے جب اس کے تمام خطرناک وار روک دیے تو پھر وہ "ہان گین" پر اُتر آیا۔ اُس نے کاشن دینا بند کر دیے جس کا مقصد یہ تھا کہ وہ میری جان لینے پر تُل گیا ہے۔ تاہم قادر علی کیا میں خاموشی سے مر جاتا۔ میں نے اس کے باوجود اسے کاشن دیے، اُسے سمجھانا چاہا۔ اُس سے کہا کہ وہ خطرناک جنگ نہ لڑے اِس میں اُس کی زندگی کو بھی خطرہ ہے لیکن وہ نہ مانا... وہ پاگل ہو گیا تھا اور قادر علی جب کتا پاگل ہو جائے تو اُسے ختم کر دینا زیادہ بہتر ہوتا ہے۔" نقاب پوش نے جواب دیا۔ قادر علی بہت متاثر نظر آ رہا تھا۔

"ممکن ہے تم ٹھیک کہہ رہے ہو دوست، لیکن میں پھر وہی بات کہوں گا۔ تمہارے بارے میں یہ جاننے کے بعد کہ تم ایک خطرناک شخص ہو اور بہت سے افراد پہ بھاری... میرے لیے یہ ضروری تھا کہ میں تمہیں قید کر دُوں۔"

"میں سمجھتا ہُوں یہ میرے ساتھ زیادتی ہے۔ تاہم اگر تم یہ زیادتی کر کے خوش ہو تو ٹھیک ہے۔ بہرحال اب تم یہ بتاؤ کہ تم نے میرے لیے کیا فیصلہ کیا؟"

"ابھی کچھ نہیں دوست، اُس وقت تک تمہارے بارے میں کوئی صحیح فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔ جب تک کہ ہمارے باس یعنی مسٹر اطہر رضوی کوئی صحیح فیصلہ نہ کر دیں۔"

"میں بھی یہی چاہتا ہُوں۔" نقاب پوش نے کہا۔

"کیا...؟" قادر علی چونک کر بولا۔

"یہی کہ تم مجھے اطہر رضوی کے سامنے پیش کر دو۔ میں اُن سے گفتگو کر لوں اور اس کے بعد جو مناسب فیصلہ ہو وہ کریں..." نقاب پوش نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے ایسا ہی ہوگا۔" قادر علی نے کہا "لیکن حفظِ ماتقدم کے طور پر اگر ہم نے ایسا کر لیا ہے تو اس کے لیے تم محسوس نہ کرو۔" پھر نرم لہجے میں بولا۔ "میں تمہارے لیے شام کی چائے بھجواتا ہُوں۔ اطمینان رکھو اس میں ایسی کوئی مضر چیز نہیں ہوگی جس سے تمہیں کوئی نقصان پہنچے۔"

"شکریہ قادر علی۔ بہرصورت ہم اس بات سے انکار نہیں کر سکتے کہ ہم تمہارے قیدی ہیں، مارشل آرٹس کے گُر ایسے نہیں ہوتے جو چالاکی کے مقابلے پر آ سکیں۔" نقاب پوش نے کہا۔ اور قادر علی نے گردن ہلا دی پھر وہ میری طرف دیکھ کر مُسکرایا۔

"مادام عالیہ آپ بھی مجھے معاف کر دیں گی لیکن آپ کو شاید رات کو یہاں قید نہ رہنا پڑے۔"

"کیا مطلب؟" میں نے تیکھی نگاہوں سے اُسے دیکھ کر پوچھا۔

"میرا مطلب ہے خُدانخواستہ ایسی ویسی کوئی بات نہیں ہے میں تو آپ سے صرف یہ کہنا چاہ رہا تھا کہ آپ کے لیے ایک آرام دہ قیام گاہ کا بندوبست کر دیا جائے گا۔"

"بکواس مت کرو۔ جب تک میرا ساتھی یہاں سے نہیں نکلے گا میں بھی یہیں رہوں گی۔"

تھوڑی دیر کے بعد مخصوص قسم کے برتنوں میں خشک میوے اور ایسی ہی چند چیزیں۔ اس کے علاوہ چائے کا سامان آ گیا۔

"انسان بھی کیسی عجیب چیز ہے۔ ہم اس ماحول میں بھی اپنے پیٹ کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔" وہ مُسکراتا ہُوا بولا۔

"ہاں لیکن مجھے تم سے شکایت ہے۔" میں نے کہا اور وہ چونک کر مجھے دیکھنے لگا۔

"کیسی شکایت مادام؟"

"تم میرے اتنے قریب آنے کے باوجود مجھے اپنا چہرہ نہیں دکھا رہے۔ گویا بے اعتمادی کا ایک ایسا رشتہ ابھی ہمارے اور تمہارے درمیان قائم ہے جو میری طرف سے تو نہیں ہے لیکن تم نے اِسے برقرار رکھا ہے۔" میں نے کہا۔

"میں آپ سے اس کے لیے سخت شرمندہ ہُوں مادام عالیہ اور یقین کریں اپنی اِس زیادتی کا ازالہ بھی میں خود ہی کروں گا۔"

"ٹھیک ہے میں تمہیں اس کے لیے مجبور نہیں کر سکتی۔ یہ تو ایک دوستانہ خواہش ہے۔" میں نے کہا اور برتن اُس کے ہاتھ سے لے کر سمیٹنا شروع کر دیے پھر سارے برتن میں نے سلاخوں کے نزدیک رکھ دیے۔

رات ہُوئی تو اِس قید خانے کی روشنیاں جل اُٹھیں اور پھر رات کا کھانا بھی نہایت پُرتکلف تھا لیکن شام کو ہم نے جو کچھ کھایا تھا اُس سے ہمارا پیٹ اتنا بھر گیا تھا کہ رات کے کھانے پر ہم زیادہ توجہ نہ دے سکے تاہم تھوڑا بہت کھا ہی لیا تھا... کھانے کے بعد نقاب پوش میری طرف رُخ کر کے بولا۔

"آپ کے لیے تو انہوں نے پُرتکلف رہائش گاہ کا بندوبست کر لیا ہے لیکن مجھے اسی کھُردری زمین پر سونا پڑے گا۔"

"ہاں سب ٹھیک ہے لیکن میں خود یہاں سے آپ کو چھوڑ نا پسند نہیں کروں گی۔" میں نے جواب دیا۔

"آپ بالکل متفکر نہ ہوں مس عالیہ۔ میں ہر طرح سے آپ کے ...ب رہوں گا۔" اُس نے کہا۔

"انوکھی بات کہہ رہے ہو۔ اس چٹانی قید خانے میں رہ کر تم ...ے لیے کیا کر سکتے ہو؟" میں مُسکرا کر بولی۔

"ممکن ہے کچھ کر ہی سکوں مس عالیہ۔ میرا خیال ہے انہوں نے ...ے شایانِ شان بندوبست نہیں کیا۔ مجھے اب بھی چانس ہے۔"

"آہستہ بولو۔ آہستہ بولو۔ کیا تم یہاں سے نکل سکتے ہو...؟" ...نے مضطربانہ انداز میں کہا۔

"ہاں میرا خیال ہے یہاں وہ پھر اُسی خود اعتمادی کا شکار ...ے ہیں جس طرح اپنے لڑاکے بروس کے سلسلے میں ہُوئے تھے۔ ...ا قید خانے میں کچھ کمزوریاں ہیں جن کے بارے میں انہوں نے ...ں سوچا۔"

چند ساعت خاموش رہنے کے بعد میں اچانک مُسکرا پڑی ...ب بات کہوں دوست۔ محسوس تو نہیں کرو گے؟"

"نہیں۔ فرمایے؟"

"تم اس وقت سے اب تک جو اُردو بولتے رہے ہو اُس ...ا ایک اجنبیت ہے یعنی یہ ایک ایسے شخص کا لہجہ ہے جو ...و سے اچھی طرح واقف ہے لیکن اہلِ زبان نہیں ہے اسی ...اس کے لہجے میں... اُکھڑا پن ہے لیکن ابھی تھوڑی دیر ...تم نے ایک ایسی بات کہی ہے جس سے یہ اندازہ ہو گیا کہ ...ا یہ لہجہ مصنوعی ہے۔"

"مثلاً؟" اُس نے دلچسپی سے پوچھا۔

"مارشل آرٹس کے بارے میں بتاتے ہُوئے تم نے سنگیت ...مروں کا بھی ذکر کیا تھا۔ یہ معلومات عام لوگوں کو نہیں ہوتیں۔"

"معمولی سی بات ہے مس عالیہ۔ اگر آپ مجھے مقامی سمجھ ...ی ہیں تو اس میں حرج بھی کیا ہے۔ اگر مجھے بیرونی آدمی سمجھ ...ی ہیں تو جو شخص اُردو سے اس طرح واقف ہو وہ سنگیت ...وں کے بارے میں بھی تو جان سکتا ہے۔"

"ٹھیک ہے کوئی حرج نہیں ہے۔ میں انتظار کروں گی۔"

اس وقت رات کے تقریباً گیارہ بجے تھے جب قادر علی... ...ب معمول اپنے چند دوستوں کے ساتھ سلاخوں کے قریب آ گیا۔

اُس نے اشارہ کیا اور سلاخیں اُوپر اُٹھ گئیں، تب اُس نے مجھے باہر آنے کا اشارہ کیا۔

"کہاں...؟" میں نے پوچھا۔

"تشریف لایے مس عالیہ۔ ہمارا آپ سے وعدہ ہے کہ آپ کو اُس وقت تک ہماری ذات سے کوئی تکلیف نہ پہنچے گی جب تک اطہر رضوی صاحب آپ کے بارے میں فیصلہ نہ کر لیں گے۔"

"اوہ تم غلط سمجھ رہے ہو۔ چلو۔" میں نے کہا اور پھر میں اُس کے ساتھ چل پڑی۔ قادر علی نہایت بے پروائی سے چل رہا تھا جیسے اُسے میری طرف سے کوئی خطرہ نہ ہو۔

پھر وہ ایک ایسے کمرے کے دروازے کے سامنے پہنچ گیا جو گول تھا۔ دروازہ بھی گول ہی تھا۔ اندر نہایت پُرتکلف فرنیچر تھا درمیان میں ایک میز پڑی ہُوئی تھی جس کی ٹاپ پر کئی رنگین بٹن لگے ہُوئے تھے۔ کمرے کی ایک دیوار پر پُورا پردہ پڑا ہُوا تھا۔

"تشریف رکھیے۔" قادر علی نے ایک کرسی کی طرف اشارہ کیا اور میں بیٹھ گئی۔ "کافی پینا پسند کریں گی یا کوئی ٹھنڈا مشروب؟"

"شکریہ۔ کچھ نہیں۔"

"بغرضِ احتیاط؟" اُس نے پوچھا۔

"ہاں۔ میں اعتراف کرتی ہُوں۔"

"میں مجبور نہیں کروں گا۔ ہاں مس عالیہ۔ آپ کے علم میں ہے کہ میں نے طویل عرصے تک آپ پر نگاہ رکھی ہے۔ آپ بلاشبہ اس خطرناک شخص سے بھی زیادہ خطرناک ہیں جس نے آج مارشل آرٹس کا عجیب و غریب مظاہرہ کیا ہے۔ یہ بات میں آپ کو خوش کرنے کے لیے نہیں کہہ رہا۔"

"بہرحال آگے گفتگو کریں۔" میں نے کہا۔

"میرے ذہن میں چند سوالات ہیں۔"

"جی..."

"آپ ان معاملات میں کب سے ملوّث ہُوئیں؟"

"کافی پُرانی بات ہے۔ اس وقت کی بات جب امینہ نامی لڑکی کو قتل کیا گیا۔"

"اوہ۔ بات واقعی پُرانی ہے۔"

"سوالات میں بھی کروں گی اور میرا خیال ہے تمہیں بھی اسی فراخدلی سے جواب دینا ہوں گے۔"

"بصد خلوص۔"

"سُلطان تمہارا آدمی تھا؟"

"براہِ راست نہیں لیکن اُس تک ہدایات پہنچ جاتی ہیں

اس کے لیے کچھ دُوسرے لوگ مخصوص تھے؟"
" مثلاً بشیر احمد جلالی ؟"
"جسے آپ نے اغوا کر لیا۔" وہ بھی مُسکرا کر بولا۔
" ہاں۔ وہ میرے پاس ہے۔" میں نے کہا۔
" غالباً اس اشتہار کے ذریعے جو آپ نے شائع کرایا تھا؛ قادر علی نے کہا۔
" تمہارا یہ خیال بھی بالکل درُست ہے۔" میں نے مُسکراتے ہُوئے کہا۔
" مِس عالیہ بے حد تعجب خیز بات ہے۔ ہم نے لاکھ کوشش کی ہے کہ آپ کے پیچھے جھانکیں لیکن اس میں ناکام رہے ہیں۔ اسی طرح کئی بار یہ گمان بھی گزرا کہ ممکن ہے آپ تنہا ہوں لیکن کچھ ایسے پُراسرار لوگ آپ کے ساتھ نظر آئے جن کے بارے میں ابھی تک کوئی اندازہ قائم نہیں ہو سکا۔ آپ کا اس بارے میں کیا جواب ہے؟"
" یہی کہ میں تنہا ہوں۔"
" اور وہ لوگ ؟"
" ضرورت پڑنے پر کرائے کے آدمیوں کا حصول زیادہ مشکل نہیں ہوتا۔" میں نے مُسکراتے ہُوئے کہا۔
" میں طویل عرصے تک جرائم کی دُنیا میں رہا ہُوں اِس لیے جرائم پیشہ لوگوں سے بخوبی واقف ہُوں۔ اس کے علاوہ مجھے اُن لوگوں کا ذہنی اسٹینڈرڈ بھی معلوم ہے جو لوگ آپ کے لیے کام کرتے نظر آئے ہیں وہ معمولی لوگ نہیں ہوتے۔"
" میری ہدایت کے تحت کام کرتے ہیں۔"
" اور یہ شخص ؟" قادر نے مُسکراتے ہُوئے پوچھا۔
" تم میری بات پر یقین کرو گے قادر ؟"
" ضرور کروں گا...۔"
" یہ میرا ساتھی نہیں ہے۔ تم نے دیکھا وہ شروع سے نقاب لگائے ہُوئے ہے۔ میں نے خود بھی اس کی شکل نہیں دیکھی۔" میں نے کافی سوچ سمجھ کر جواب دیا۔ مجھے یقین تھا کہ اس بات سے میرے مددگار کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔
" وہ آپ کا ساتھی نہیں ہے ؟"
" ہرگز نہیں۔"
" لیکن نالے میں آپ دونوں ساتھ ملے تھے ؟"
" ہاں۔ میری اس سے ملاقات اسی عمارت میں ہُوئی تھی۔"
" کس طرح ؟"
" یہ جواب نہیں دیا جاسکتا۔"

" ٹھیک ہے لیکن اس کے بارے میں آپ کچھ اور پسند کریں گی ؟"
" اس سے زیادہ کچھ جانتی بھی نہیں ہوں۔"
" بہر حال جو کوئی بھی ہے شاندار آدمی ہے۔ ہاں تو عالیہ بات پھر وہیں آجاتی ہے۔ سُلطان شاید آپ کا دیرینہ شناسا ہے اور بشیر احمد جلالی سے بھی اس کی دوستی ہے۔ اُس نے کو تمہارے بارے میں تفصیلات بتاتے ہُوئے کہا تھا کہ تم کسی دولت مند شخص کی بیٹی ہو۔ ملک سے باہر رہی ہو اور باپ کی موت کے بعد ہی یہاں آئی ہو۔"
" ہاں۔ یہ درُست ہے۔"
" لیکن وہ دولت ؟"
" ختم ہو گئی تھی۔"
" تمہارے یہاں آنے سے قبل ؟"
" ہاں۔ میں یہاں تلاش آئی تھی۔"
" ظاہر ہے یہ پوچھنا فضول ہے کہ تم تلاش کس طرح
" بالکل فضول ہے۔"
" ہاں۔ بالکل ہی ذاتی نوعیت کا سوال ہے۔ بہر حال اُس تم خود انسپکٹر سُلطان کے پاس گئی تھیں وہاں تم نے امینہ کو د اور پھر اُس کی لاش بھی اتفاق سے تمہیں مل گئی۔ اس کے بعد نے کیا کیا ؟"
" مجھے انسپکٹر سُلطان سے پرخاش ہو گئی تھی لیکن اس بعد کچھ اور لڑکیوں کو بھی قتل کیا گیا اور میں تم لوگوں کی دشمن
" ہُوں۔ اس زمین پر روزانہ لاکھوں جرائم ہوتے ہیں ظاہر ہے تم اُنہیں نہیں روک سکتیں پھر تم نے اپنی پُرسکون کو یہ روگ کیوں لگا لیا ؟"
" یہ سوال بھی حماقت آمیز ہے۔ ہم اپنے گھر میں لگی ہُوئی کی طرف سے بھی متفکر نہ ہوں۔"
" اس دور کے کامیاب ترین لوگ وہی ہیں جو ہر چیز کر آنکھیں بند کر لینے کے عادی ہوں۔ کھُلی آنکھیں اور زندہ ضمیر بہر حال اس وقت ناکام لوگوں کی نشان دہی کرتی ہیں۔"
" میں ضمیر کی زندگی کو سب سے اہم سمجھتی ہُوں۔"
" خیر۔ تم نے یہ اندازہ لگا لیا کہ خاص قسم کی لڑکیاں اِس حادثے کا شکار ہوتی ہیں اور تم نے اس خاص لڑکی کی حیثیت سے خود کو پیش بھی کیا۔"
" بالکل درُست لیکن ایک بات بتاؤ۔ یہ گرین بیگ

ہے؟"
ایک مصنوعی نام۔"
لیکن اس کے تحت کام تو تمام ہوتے رہے ہیں ؟"
ہاں۔ ہمارا کارکن احمد وہاں موجود ہے وہ اس سلسلے کے معاملات ڈیل کرتا ہے۔"
ایک اور سوال کروں ؟" میں نے اُسے بغور دیکھتے ہُوئے کہا۔
میں نے ابھی تک تمہیں تمہارے کسی سوال سے نہیں روکا۔"
ن خوفناک جرائم کا پس منظر کیا ہے ؟" میں نے پوچھا اور مسکرانے لگا پھر اُس نے کہا۔
میں واقعی ایک فراخ دِل انسان ہُوں۔ میں تمہیں اس جواب بھی ضرور دُوں گا۔" اُس نے کلائی پر بندھی ہُوئی وقت دیکھا اور پھر بولا۔" آؤ اُٹھو۔ اتفاق سے وقت ہے۔"
کیسا وقت ؟"
آؤ۔ تم چند دلچسپ مناظر دیکھو گی۔" اُس نے کہا اور پھر وہ اُٹھ اس کے ساتھ چل پڑی۔ اس بار ہم عمارت سے باہر نکل عمارت کی چوبرجیاں اور اُس کی ساخت دیکھ کر میں نے سانس لی۔ یہ وہی عمارت تھی جس کو میں پہلے دیکھ چکی یہاں مجھے خوفناک تجربات سے دوچار ہونا پڑا تھا... ہم راستے پر جارہے تھے جہاں پچھلی رات میں اس پُراسرار کے ساتھ تھی۔ مجھے یاد آگیا کہ اُس نے بھی ایک خاص انتظار کیا تھا۔
سنو مِس عالیہ۔ یہاں آپ کو خاموشی سے چند گھنٹے گزارنے یہ چند گھنٹے شاید آپ کی زندگی کا سب سے تلخ تجربہ اگر آپ نے اس وقت کوئی جذباتی حماقت کی... تو وہ آپ کی زندگی کی آخری حماقت ہوگی۔ میرا فرض اسی وقت اسی جگہ آپ کو گولی مار دُوں۔ اگر میں یہ نہ کر سکا تو محافظ دستہ ہم دونوں کو گولی سے اُڑا دے ایسے لمحات کو برداشت کرنے کی ہمت رکھتی ہوں تو ورنہ یہاں سے واپس چلیں۔ ابھی وقت ہے۔"
کیا ہوگا یہاں ؟"
جس کا آپ خواب میں بھی تصوّر نہ کر سکیں۔ درندگی کا کوئی مت دری کا کوئی منظر۔ یہ لمحات آپ کی جدوجہد کا نچوڑ ہوں کے بعد آپ بہت کچھ جان جائیں گی۔ آپ کے ذہن سے ہٹ جائے گا جو اس سلسلے میں ہے۔" قادر نے جواب دیا۔

میں خاموش ہو گئی۔ پچھلی رات کے خوفناک واقعات میرے ذہن میں تازہ ہو گئے اور میں اِس عجوبے کے بارے میں سوچنے لگی جسے میں ابھی تک نہیں سمجھ سکی تھی۔ قادر سے ہونے والی گفتگو سے بہت سے انکشافات ہُوئے تھے۔ بہت سے سوالات کے جواب مِل گئے تھے۔ ان لوگوں کے اس عظیم الشّان جال کے بارے میں مجھے پُوری تفصیل معلوم ہو گئی تھی لیکن اب بھی دو بڑے سوالات میرے ذہن میں اُلجھے ہُوئے تھے اور ان سوالات کے جواب ضروری تھے۔
" قادر علی۔ کیا ہم گفتگو کر سکتے ہیں ؟"
" براہِ کرم دُوسرے سوالات کچھ دیر کے لیے ملتوی کر دیں۔ وقت ہو چکا ہے۔ اوہ شاید وہ لوگ آچکے ہیں۔ بس بس مِس عالیہ خاموش ہو جائیں اور سُنیں آخری بار کہہ رہا ہُوں خود کو قابو میں رکھیں ورنہ اپنی موت کی ذمّے دار آپ خود ہوں گی۔" قادر نے کہا۔
یہ گوشہ شاید اس قدر محفوظ تھا کہ قادر علی اطمینان سے یہاں پوشیدہ ہو گیا تھا۔ گویا اُسے اُمید تھی کہ اس طرف کوئی نہیں آئے گا پھر میں نے دفعتاً سرسراہٹ سی محسوس کی۔ درختوں کی آڑ سے کوئی نکلا تھا اور میری نگاہیں اُس پر مرکوز ہو گئیں۔ سفید ریشمی لبادے میں ملبوس ایک لڑکی تھی۔ بکھرے ہُوئے بال، خواب آلود آنکھیں۔ عُمر اٹھارہ اُنیس سال سے زیادہ نہ ہوگی۔ وہ آنکھیں پھاڑے اِس ماحول کو دیکھ رہی تھی اور اِدھر اُدھر ڈول رہی تھی پھر میں نے اُسے بڑبڑاتے ہُوئے سُنا۔
" یہ کون سی جگہ ہے۔ میں کہاں ہُوں ؟" اس کے بعد وہ زور سے چیخی۔" میں کہاں ہُوں۔ کوئی ہے یہاں ؟"
لیکن اُس کی آواز صدا بصحرا رہی۔ کسی نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔" روشن، ممتاز... سب مر گئے۔ میں پُوچھتی ہُوں یہ کون سی جگہ ہے ؟" وہ پھر بولی اور اُس کے چہرے پر خوف کے آثار نمودار ہو گئے۔
میں صبر و ضبط سے اُس کی صُورت دیکھ رہی تھی۔ اُس کے گال کا تِل اور ٹھوڑی کا گڑھا نمایاں تھا۔ یعنی اُسی شبیہہ کی لڑکی جو مخصوص انداز میں قتل کر دی جاتی تھیں۔
لڑکی بہت پریشان تھی۔ اُس کے انداز سے پتہ چلتا تھا کہ وہ کسی اچھے گھرانے سے تعلق رکھتی ہے۔ غالباً وہ اپنے مُلازموں کو آواز دے رہی تھی اور پھر درختوں کی آڑ میں دوبارہ سرسراہٹ سُنائی دی۔
" کون ہے۔ اس طرف کون ہے مجھے ڈرنگ رہا ہے۔ براہِ کرم

مجھے ڈرانے کی کوشش مت کرو۔ سامنے آؤ۔ کون ہے ؟" اور پھر وہ اُس کے سامنے آگیا۔ لڑکی کی خوف زدہ چیخ سُنائی دی تھی۔۔۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس دو شاخے کو دیکھ رہی تھی۔ دوہرا انسان جس کا بدن ایک تھا لیکن اُوپر سے وہ دو شاخوں میں تقسیم ہوگیا تھا۔ آج میں زیادہ قریب اور زیادہ غور سے اُسے دیکھ رہی تھی۔ وہی کیفیت، وہی انداز۔ ایک کے چہرے پر شیطانیت، دُوسرے کے چہرے پر بیزاری۔ لڑکی پھولوں کے ایک کُنج سے آٹکی۔ یہ کُنج ہمارے بہت قریب تھا اور یہاں سے میں اُس کی حرکات و سکنات بغور دیکھ سکتی تھی۔

دو شاخہ آہستہ آہستہ اُس کی طرف بڑھ رہا تھا اور لڑکی وحشت زدہ انداز میں ادھر اُدھر دیکھ رہی تھی پھر وہ گھُٹی گھُٹی آواز میں چیخی "رُک جاؤ۔ خُدا کے لیے رُک جاؤ۔"

"زلیخا۔ زلیخا" دو شاخے میں سے ایک کی آواز اُبھری۔ "تو مجھ سے کب تک نفرت کرے گی۔ آخر تو مجھ سے کب تک نفرت کرے گی ؟"

"مم۔ میں زلیخا نہیں ہوں۔ مم۔ میں تو روبینہ ہوں۔ سُنو تمہیں غلط فہمی ہُوئی ہے۔ تم دھوکے سے مجھے اُٹھا لائے ہو۔ کیا تم کوئی جن ہو ؟"

"میں تجھے چاہتا ہُوں زلیخا۔ میں تجھ سے محبت کرتا ہُوں تیرے بغیر میری زندگی ممکن نہیں ہے۔" وہ لڑکی کے بالکل قریب پہنچ گیا۔

"میں زلیخا نہیں ہوں جن بھائی۔ تمہیں ضرور غلط فہمی ہُوئی ہے۔" لڑکی نے عاجزی سے کہا۔

"جھوٹ بولتی ہے۔ تیری ٹھوڑی کا حسین گڑھا، تیرے رُخسار کا سیاہ تل۔ جھوٹ بولنے سے کیا فائدہ۔ تو مجھ سے کتنی ہی نفرت کر لیکن میں تجھے چاہتا رہوں گا۔"

"جن بھائی۔ مجھے چھوڑ دو۔ مجھے معاف کر دو۔ تمہیں حضرت سُلیمان کی قسم۔ مجھے چھوڑ دو۔" لڑکی دونوں ہاتھ جوڑ کر بولی۔

"تنویر۔۔۔ تنویر۔ اب بھی تیرے دل میں رحم نہیں جاگے گا۔ دیکھ وہ کتنی معصوم ہے اس کے الفاظ سُن۔ ان پر غور کر۔ وہ کسی بچی کی طرح معصوم ہے۔ اسے تو بخش دے ظالم۔۔۔" یہ دُوسری آواز تھی۔ یہ اُس دُوسری شاخ سے نکلی تھی۔ اس آواز میں ہمدردی تھی، گھبیرتا تھی۔ انسانی جذبات تھے۔

"معاہدے کی خلاف ورزی مت کرو نادر۔ تم خاموش رہو یُوں سمجھو۔ یہ تمہارے سونے کا وقت ہے۔" پہلی شاخ نے کہا۔

"آہ۔ کب تک سوتا رہوں۔ کیسے سوتا رہوں۔ تُونے۔۔ تُونے میری ذات کو چکنا چُور کر دیا ہے تنویر۔ ظالم بھیڑیئے۔ اگر رشتہ کی کوئی ساخت ہوتی ہے تو تو میرا بھائی ہے۔ دیکھ وہ تجھے جن [illegible] رہی ہے۔ تجھے بھائی کہہ رہی ہے۔ میں بھی اس کا بھائی ہُوا۔ تیرا دل اس کے لیے نہیں پسیجتا تو میرے لیے ہی اسے معاف [illegible] دے۔ جانے دے اس معصوم لڑکی کو۔۔۔"

"یہ فضول بکواس تو تمہاری عادت بن گئی ہے نادر۔۔۔ [illegible] تمہاری غذا موجود ہے۔" پہلی شاخ نے اپنے اوپری لباس سے [illegible] سفید گولیاں نکال کر دُوسری شاخ کی طرف بڑھا دیں۔

"تنویر۔ میرے بھائی۔ مان جا۔ میرے لیے مان جا۔"

"تم جانتے ہو۔ میں تمہاری بات کبھی نہیں مانتا۔ آج پھر [illegible] اُوپر انسانیت کا بھوت سوار ہُوا ہے ؟"

"آہ۔ انسان تو تو بھی ہے۔" دُوسری شاخ بولی۔

"بکواس۔ میں نے یہ بات کبھی نہیں مانی۔ میں انسان [illegible] تم انسان ہو۔ کیا انسان ایسے ہی ہوتے ہیں جیسے ہم دونوں [illegible]" پہلی شاخ نے کہا۔

"پھر ہم کیا ہیں تنویر۔ آخر ہم کیا ہیں ؟"

"قدرت کا ایک مذاق انسان کے ساتھ۔ چنانچہ میں قد[illegible] کے ساتھ انسان کا مذاق پیش کرتا ہوں حساب برابر۔"

"یہ ظلم ہے۔" نادر بولا۔

"اور یہ ظلم جو ہمارے ساتھ ہُوا ہے۔"

"یہ تقدیر ہے۔"

"لو تم تقدیر سنوارنے کی گولیاں کھا لو سب ٹھیک ہو [illegible] گا۔ لو مجھے بور نہ کرو۔" تنویر نے کہا اور دُوسری شاخ نے وہ گو[illegible] لے کر حلق میں ڈال لیں۔ تنویر بدستور لڑکی کو دیکھ رہا تھا۔

"تو نے سُنا زلیخا۔ یہ بے وقوف کتابیں پڑھ پڑھ کر انسان [illegible] گیا ہے۔ مجھے بتا انسان کسی بھی دَور میں انسان رہا ہے ؟ ایک [illegible] چوبیس ہزار پیغمبر دُنیا میں آئے۔ ہر ایک انسانیت کا پیغام [illegible] کیا انسان مکمل ہوگیا ؟ یہ نامکمل مخلوق ہے تا اَبد نامکمل رہے [illegible] بہرحال یہ فضول آدمی سو گیا۔۔ آؤ زلیخا۔ رنجشیں بھُول جائیں۔ تمہاری ضرورت ہے۔"

"خبردار۔ میرے نزدیک مت آنا۔" لڑکی نے ایک تیز چیخ لگائی لیکن میں اس دو شاخے کی پھرتی دیکھ کر دنگ رہ گئی۔ ایک ہی جنبش میں اُسے جا لیا تھا۔

"میں کسی گھوڑے سے زیادہ تیز رفتار ہوں۔ میں ایک

[illegible] مجموعہ ہوں۔ میں ان درختوں کو جڑ سے اُکھاڑ کر پھینک [illegible] میں ان پتھروں کو مُٹھی میں لے کر ریزہ ریزہ کر سکتا ہوں [illegible] مجھ سے فرار ناممکن ہے۔ [illegible] سے تعاون کرو۔۔۔ ورنہ پھر میری وحشت خیزی تمہیں زندہ [illegible] گی۔"

"[illegible] میں۔ میں تجھے مار ڈالوں گی۔ میں تجھے۔۔۔"

"[illegible] بھی تو میں بھی چاہتا ہوں زلیخا۔ مجھے مار ڈالو۔ ارے میاں [illegible] چاہتا ہے۔ زندگی جب تک مجھ سے مذاق کرتی رہے گی [illegible] سے مذاق کروں گا زلیخا۔ مجھے بھڑکنے نہ دے۔ مجھ پر تیل نہ [illegible] ورنہ یہ آگ تیری برداشت سے باہر ہوگی۔"

"مجھے جانے دے۔ مجھے جانے دے۔" لڑکی نے کہا اور اس نے بہت لمبی چھلانگ لگائی تھی۔

"[illegible] یہ بات ہے تو ٹھیک ہے۔ جا بھاگ جا۔ وہ دروازہ ہے [illegible]" عفریت نے کہا اور لڑکی نے اُس کے اشارے کی سمت [illegible] وہ برق رفتاری سے دوڑی تھی لیکن جونہی وہ دروازے [illegible] پہنچی ابلیس نے ایک زقند بھری اور لڑکی کے سامنے [illegible]

"[illegible] طلب وصالِ یار میرے بدن میں برق ہے۔" اُس نے لڑکی [illegible] لیا اور وہ چیخنے لگی۔ عفریت کے حلق سے بھیانک آواز [illegible] یہ آواز قہقہہ نما تھی۔ اُس نے کسی پھُول کی مانند لڑکی [illegible] لیا اور پھر ایک کنارے لے گیا۔ "مان جا زلیخا۔۔۔ مان جا۔"

"[illegible] چھوڑ دو۔ آہ۔ مجھے چھوڑ دو۔" لڑکی نے کہا اور اُسی لمحے اُس [illegible] پر ایک زوردار تھپڑ پڑا اور وہ نیچے جا پڑی۔ وحشی صفت [illegible] نے اُس کا لباس نیچے تک پھاڑ دیا اور اس کے بعد۔۔۔۔ [illegible] میرے بدن میں شعلے بھڑک رہے تھے۔ میں بے قابو [illegible] رہی تھی اور پھر میرے حلق سے ایک غراہٹ نکلی لیکن [illegible] قادر نے ایک شیشی میرے ناک کے قریب کر کے اُس کا [illegible] ٹاپ دبا دیا۔ کلوروفارم جیسی بُو میری ناک سے ٹکرائی۔ وہ [illegible] تیز اور سریع الاثر تھی کہ میں اس کے بعد دُوسری جُنبش بھی [illegible] میرے حواس ساتھ چھوڑ گئے تھے۔

پھر جب دوبارہ ہوش آیا تو دن کی روشنی کھڑکیوں سے [illegible] رہی تھی۔ میں ایک آرام دہ بستر پر پڑی ہُوئی تھی اور میرے [illegible] عجیب سی اینٹھن ہو رہی تھی۔

زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ دروازے پر آہٹ ہُوئی اور پھر قادر اندر داخل ہوگیا۔

"آپ جاگ گئیں مس عالیہ ؟" اُس نے دوستانہ انداز میں کہا لیکن میں اُسے خاموشی سے گھُورتی رہی تھی۔ "مجھ سے ناراض ہیں آپ ؟"

"تم نے رات کو مجھے بے ہوش کیوں کیا تھا ؟" میں نے کرخت لہجے میں پوچھا۔

"آپ کی جان بچانے کے لیے خاتون۔ ہمارے اور آپ کے درمیان ایک بات طے ہوگئی تھی لیکن اس کے بعد آپ جذباتی ہوگئیں۔ آپ یقین کریں خاتون اگر وہاں آپ کی موجودگی ظاہر ہو جاتی تو میں کسی قیمت پر آپ کی جان نہیں بچا سکتا تھا۔ میں اس لیے انتظام کر کے چلا تھا۔"

"اس معصوم لڑکی کے ساتھ جو کچھ ہُوا تمہارے دل میں اس کے لیے کوئی احساس نہیں ہے قادر علی ؟"

"میں اس بات کا کوئی جواب نہیں دے سکتا۔ اس دُنیا میں سب کچھ ہوتا ہے اور اس کے بارے میں سبھی جانتے ہیں۔۔۔ میں اب جذبات اور احساسات جیسے فضول الفاظ کے سحر سے آزاد ہو چکا ہوں۔ اس لیے تم میرا جواب نفی میں سمجھو۔"

"ہوں۔" میں نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔ "وہ لڑکی کون تھی ؟"

"صرف ایک لڑکی۔"

"کہاں سے لائے تھے اُسے ؟"

"معلوم نہیں یہ کام دُوسروں کا ہے۔"

"کیا اسے بھی نارمن ٹریولرز کے تحت پھانسا گیا ہے ؟"

"نہیں۔ وہ اسکیم اب ختم کر دی گئی ہے۔"

"کیا مطلب ؟"

"جب سے تم نے اس اسکیم سے فائدہ اُٹھا کر بشیر احمد جلالی پر ہاتھ ڈالا وہ اسکیم ختم کر دی گئی اور ہم نے اس کا نعم البدل دریافت کر لیا۔"

"وہ کیا ؟" میں نے پوچھا۔

"دراصل اس شہر میں اب ایسی لڑکیاں تقریباً ختم ہوگئی ہیں جن کے گال پر سیاہ تل اور ٹھوڑی میں گڑھا ہے لیکن ہمیں ایک ایسا شخص مل گیا ہے جو میک اَپ کا ماہر ہے۔ اب کسی بھی لڑکی کو وہ شبیہہ دی جا سکتی ہے۔"

"اوہ۔۔۔ تو وہ لڑکی ؟"

"ہاں۔ وہ اس کی اصلی شکل نہیں تھی۔"

"کیا تم نے اس کی لاش ٹھکانے لگا دی؟"

"نہیں۔ وہ زندہ ہے۔ نرسیں اُس کی دیکھ بھال کر رہی ہیں۔"

"کیا وہ ذہنی توازن کھو چکی ہے؟"

"اس کا اندازہ نہیں ہو سکا لیکن آپ نے یہ سوال کیوں کیا؟"

"بس یُونہی۔"

"آپ شاید ابھی جاگی ہیں؟"

"ہاں..."

"تو براہِ کرم غسل وغیرہ کر لیں۔ کیا میں ناشتہ گرم کرا دوں؟"

"نہیں شکریہ۔ مَیں ٹھیک ہُوں۔ ناشتہ کرنے کو جی نہیں چاہ رہا۔"

"اوہ مس عالیہ۔ براہِ کرم ذہانت کی گفتگو کریں۔ آپ کو ایک طویل وقت یہاں گزارنا ہے۔"

"طویل وقت۔ کیوں؟"

"مَیں نہیں جانتا۔ میرے مالک کا حکم ہے۔" قادر علی نے جواب دیا۔

"تمہارے مالک۔ یعنی اطہر رضوی صاحب؟"

"ہاں۔ میں اُنہی کی بات کر رہا ہوں۔"

"قادر۔ کیا درحقیقت یہ سارا کھیل اطہر رضوی کے ایما پر ہی کھیلا جا رہا ہے؟ مجھے یقین یُوں نہیں ہے کہ تم نے نہایت اطمینان سے اُن کے نام کو تسلیم کر لیا ہے۔" مَیں نے سوال کیا۔

"میرے آقا نے مجھے اجازت دی ہے کہ اب اُن کا نام چھپایا نہ جائے اور پھر جہاں تم موجود ہو وہاں سے اس نام کے باہر جانے کا کوئی خطرہ نہیں ہے۔"

"گویا اطہر رضوی ہی وہ سنگدل انسان ہے؟" مَیں نے دانت پیستے ہُوئے کہا۔

"آپ غسل کر لیں مس عالیہ۔"

"بیٹھ جاؤ قادر علی بیٹھ جاؤ۔ ورنہ میرا دماغ پھٹ جائے گا۔ اگر کسی بھی وجہ سے تمہیں میری زندگی سے دلچسپی ہے... تو مجھے میرے سوالات کا جواب دو؟"

"پوچھو عالیہ۔ تم بے حد ضدی لڑکی ہو۔" قادر علی کے انداز میں اچانک تبدیلی رُونما ہو گئی۔ وہ بیٹھ گیا۔

"وہ دو شاخہ شخص کون تھا؟"

"اس کا جواب میرے لیے ممنوع ہے۔"

"درندگی کا وہ مظاہرہ کس لیے تھا؟"

"وہ اس ہستی کی ضرورت ہے۔"

"لیکن دیوانو۔ اگر تمہیں یہ دیوانگی کرنی ہی ہے تو اس کے لیے نت نئی لڑکیوں کو کیوں اغوا کرتے ہو؟ کیوں انسانی زندگیوں سے کھیلتے ہو۔ اگر یہ سب کچھ ضروری ہے تو کسی ایک لڑکی پر اکتفا کیوں نہیں کی تم نے؟"

"کاش یہ ممکن ہوتا۔"

"کیوں؟"

"کسی لڑکی نے اس حیثیت کو قبول نہیں کیا۔ رضوی نے لاکھوں روپے کی پیش کش کی۔ وہ سب کچھ دینے کا وعدہ جو ایک انسان کی ضرورت ہوتی ہے لیکن ایسی مجبوریاں پیش آ گئیں کہ یہ کسی طور ممکن نہ ہو سکا۔"

"کیا مجبوریاں تھیں؟"

"کسی بھی لڑکی نے اُسے قبول نہ کیا اور اس کی وحشت نے کسی بھی لڑکی کو قبول نہیں کیا۔ وہ دیوانگی کے عالم میں ہلاک کر دیتا ہے۔"

"تم بالکل ہی بے ضمیر ہو قادر علی۔"

"ہاں مَیں بھیڑیا ہُوں۔ لوگ میرا پُورا نام قادر بھیڑیا کہتے ہیں اور بھیڑیا مجھے میری صفات کی وجہ سے ہی کہا گیا ہے اس لیے تم مجھے اخلاقیات کے سبق مت پڑھاؤ۔ مَیں اس بات کی کوشش نہیں کر رہا تھا کہ تم آ کر میری اصلاح کرو۔ لڑکی اگر مَیں بھیڑیا نہ بنتا تو اب تک کوئی بھیڑیا مجھے بھیڑ سمجھ کر ہلاک کر چکا ہوتا۔"

"ہاں جیسے دُنیا میں سارے لوگ ہلاک ہو چکے ہیں؟"

"جو بھیڑیے ہیں زندہ ہیں اور جو بھیڑ ہیں وہ آہستہ آہستہ ختم ہو جائیں گے۔" قادر نے جواب دیا۔

"اور اس کے بعد اس دُنیا میں بھیڑیا راج ہو گا۔"

"بے شک۔ اس کے بعد ان بھیڑیوں میں طاقت آزمائی ہو گی۔"

"اور ان میں سے بھی کمزور بھیڑیے ہلاک ہو جائیں گے۔"

"یہ دُنیا کا اصُول ہے۔"

میری ذہنی حالت اس وقت ضرورت سے زیادہ خراب ہو رہی تھی۔ شاید رات کی بے ہوشی کا اثر تھا یا پھر اس دوا کا جو بے ہوشی کے لیے استعمال کی گئی تھی۔

میں دیر تک متضاد کیفیات کا شکار رہی۔ پھر کچھ سوچ کر ملحقہ باتھ رُوم میں جا کر مُنہ ہاتھ دھویا اور ناشتے کے پاس آ گئی۔ ٹھنڈی کافی اور ٹھنڈا ناشتہ بُرا نہیں لگا تھا۔ مَیں نے ڈٹ کر ناشتہ کیا اور اس کے بعد اطمینان سے بیٹھ گئی۔ دیر نہیں گزری تھی کہ دو آدمی اندر آ گئے۔

"مس عالیہ۔ تشریف لایئے۔ براہِ کرم۔" اُنہوں نے نرم لہجے میں کہا اور مَیں اُٹھ گئی۔

"کہاں چلنا ہے؟"

"چیف نے آپ کو طلب کیا ہے۔"

"اوہ۔ قادر علی نے؟"

"نہیں۔ رضوی صاحب نے۔" اِن میں سے ایک نے جواب دیا۔ مَیں سنسناہٹ محسوس کیے بغیر نہ رہ سکی۔ بہرحال مَیں نے ہمت پیدا کی اور ان دونوں کے ساتھ چل پڑی۔

اس بار مجھے ایک بالکل نئے کمرے میں لے جایا گیا تھا۔ میرے خدشات ایک محور پر آ کر تھم گئے۔ کمرے میں اطہر رضوی تھا۔ نرم اور سنجیدہ سی شخصیت کا مالک اطہر رضوی۔ اُس کے ہونٹوں میں ایک موٹا سگار دبا ہُوا تھا۔ کسی طور وہ کوئی شریر اور مجرم قسم کا انسان نہیں معلوم ہوتا تھا۔

"ہیلو انکل۔" مَیں نے طنزیہ انداز میں کہا اور اطہر رضوی کی گردن جھک گئی۔

"ہیلو عالیہ۔" وہ نرم لہجے میں بولا۔

"مجھے پہچان گئے انکل؟"

"مَیں نے تمہیں تمہارے نام سے مخاطب کیا ہے عالیہ۔"

"آپ نے مجھے ایک کارڈ بھی دیا تھا انکل۔"

"ہاں۔"

"اور کہا تھا کہ بیٹے کو جب بھی یہ میرے پاس آنا چاہیے آ جائے۔"

"ہاں کہا تھا۔"

"اس وقت آپ کے کیا جذبات ہیں انکل؟"

"کیا مطلب؟"

"کیا اس وقت بھی آپ مجھے بیٹی کہہ سکتے ہیں؟ دراصل آپ مسلسل عالیہ کہہ کر پکار رہے ہیں۔ مجھے آپ کی زبان سے "بیٹے" بہت اچھا لگا تھا۔"

"بیٹھ جاؤ عالیہ بیٹے۔" وہ نرم لہجے میں بولا۔

"شکریہ انکل۔ دراصل مَیں بے حد چالاک ہُوں۔ اب ایک باپ، ایک بزرگ کا تحفظ حاصل ہو گیا ہے۔" مَیں نے مُسکراتے ہُوئے کہا۔

"مَیں نے ہدایت کر دی تھی کہ تمہارے ساتھ کوئی بُرا سلوک نہ کیا جائے۔ کیا اس ہدایت کی خلاف ورزی ہُوئی ہے؟"

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

"میری نگاہوں میں تمہاری عزت ہے عالیہ۔ پہلے میرے ذہن میں تمہارے لیے کچھ اور خیالات تھے لیکن اُس شام تہور عالم کی کوٹھی پر تم سے مُلاقات ہُوئی تو مَیں تم سے بے حد متاثر ہُوا تھا اور میرے خیالات تمہارے بارے میں بدل گئے تھے۔"

"اوہ انکل۔ آپ بے حد عظیم ہیں۔ غالباً اسی لیے وہاں سے واپسی پر آپ نے مجھے قتل کرانے کی کوشش کی تھی؟" مَیں نے کہا اور ہنس پڑی۔

"خُدا کی قسم نہیں۔ یہ پروگرام قادر علی کا تھا مَیں بذاتِ خود ان معاملات میں زیادہ مداخلت نہیں کرتا۔ مجھے یہ علم نہیں تھا کہ قادر علی اس شام کے لیے کیا پروگرام بنا چکا ہے۔"

"حالاں کہ وہ آپ کے ساتھ تھا۔"

"یہ بھی اتفاق ہے۔ وہ مجھے وہیں ملا تھا۔ حالاں کہ وہ تمہارے لیے آیا تھا لیکن مجھے یہ بات معلوم نہیں تھی۔ اگر معلوم ہوتی تو مَیں فوری طور پر اس پروگرام کو کینسل کرا دیتا۔ جب مجھے یہ معلوم ہُوا تو مجھے بے حد افسوس ہُوا تھا لیکن مَیں قادر سے بھی کچھ نہیں کہہ سکتا تھا کیوں کہ مَیں نے اُسے تمہیں ختم کرنے کا حکم دے دیا تھا۔"

"پھر کیا ہُوا انکل؟"

"پھر مجھے معلوم ہُوا کہ تمہیں تل گھاٹ کے نالے سے گرفتار کیا گیا ہے اور تم نے کسی کے ساتھ مل کر میرے چند بہترین کتے اور چند ساتھی ہلاک کر دیے ہیں تو مَیں نے حکم دیا کہ تمہیں وہیں رکھا جائے اور تمہارے ساتھ کوئی بدسلوکی نہ ہو۔ مجھے یقین ہے کہ میرے حکم کی تعمیل ہُوئی ہو گی۔"

"ہاں انکل۔ مَیں اب تک سکون سے رہی ہُوں۔" مَیں نے کہا اور پھر مَیں کچھ کہنے والی تھی کہ چند افراد اُسی نقاب پوش کے ساتھ اندر داخل ہو گئے۔ اُن میں قادر علی بھی تھا۔

اطہر رضوی نے بھنوئیں اُٹھا کر قادر علی کو دیکھا۔ "کیوں قادر علی کوئی خاص بات ہے؟"

"جی ہاں چیف یہ دُوسرا شخص ہے۔ مَیں نے عرض کیا تھا نا... کہ مس عالیہ کے ساتھ ایک خطرناک مددگار بھی ہے۔"

"اوہ۔ ہاں۔ اس کے ساتھ تم لوگوں نے کیسا سلوک کیا؟"

"آپ کی اجازت کے بغیر کچھ نہیں کیا جا سکتا چیف لیکن یہ اس کی رپورٹ ہے۔" قادر علی نے جواب دیا اور ایک فائل باادب سے اطہر رضوی کے سامنے رکھ دیا۔

"بھئی بے وقت مداخلت کی ہے تم لوگوں نے۔ ہم دونوں نہایت اہم گفتگو کر رہے تھے۔" اطہر رضوی نے جیب سے چشمہ

نکال کر آنکھوں پر لگاتے ہوئے کہا اور پھر وہ رپورٹ پڑھنے لگے۔ چند ساعت خاموشی رہی پھر اطہر رضوی کے ہونٹ گول ہوئے

"ہوں بہت خوب۔ بہت عمدہ۔ مجھے تم جیسے لوگ بے حد پسند ہیں نوجوان لیکن تم عالیہ کے ساتھی نہیں ہو تو پھر کون ہو؟ کیوں عالیہ بیٹے۔ کیا یہ بات درست ہے؟"

"ہاں۔ میری ان سے اسی جگہ ملاقات ہوئی تھی۔"

"کون ہو میاں تم، بتا دو اپنے بارے میں، میں فضول الجھنیں پسند نہیں کرتا۔"

"میری دلی خواہش تھی مسٹر رضوی کہ آپ سے ملاقات کروں۔ میں نسلاً اسپین کا باشندہ ہوں۔ مشرقِ وسطیٰ میں میں نے طویل وقت گزارا ہے اور احمد زماں سے اچھی طرح واقف ہوں احمد زماں، گرین بیگ اور اس کے بعد آپ سے واقف ہوا اور میں نے سوچا کہ آپ کے جاں نثاروں میں میری کمی ہے لیکن آپ تک رسائی حاصل کرنے کے لیے کچھ نمونہ ضروری تھا سو میں نے پیش کر دیا اور اب آپ کے ساتھیوں میں شامل ہونا چاہتا ہوں۔"

"نقاب اتارو۔" اطہر رضوی نے کہا اور میرے چہرے پر سنسنی پھیل گئی۔ نقاب پوش نے نقاب اتار دیا تھا۔ تیکھے نقوش کا نوجوان تھا۔ گالوں پر داڑھی اُگی ہوئی تھی۔

"ہوں... لیکن دوست یہ شعبہ قادر کا ہے۔ قادر تم اس شخص سے بات کر لو میک اپ وغیرہ کا جائزہ لے لو۔ اگر کوئی گڑبڑ ہو تو گولی مار دو اور اگر کام کا آدمی ہو تو جیسی تمہاری مرضی۔"

"مجھے اعتراض ہے جناب۔" نوجوان بولا۔

"کیا اعتراض ہے؟"

"آپ لوگ ایڈونچر پسند ہیں۔ مسٹر قادر علی کا اور میرا امتحان لے لیں۔ ہم میں سے کوئی ایک ہی رہ سکتا ہے۔ میں ان کی ماتحتی میں کام کرنا پسند نہیں کروں گا۔ میں آپ کے تمام مفادات کا بہترین نگران ثابت ہو سکتا ہوں۔ معمولی سی بات ہے قادر علی طویل عرصے کی کوششوں کے باوجود مس عالیہ کی پُشت پر موجود لوگوں کے بارے میں کچھ نہیں جانتے جب کہ میں اُن کی نشاندہی کر سکتا ہوں۔"

اطہر رضوی چونک کر اُسے دیکھنے لگا تھا۔ چند ساعت وہ خاموشی سے اُسے دیکھتا رہا پھر بُرا سا مُنہ بنا کر بولا۔ "دیکھو دوست۔ میں جرائم پیشہ انسان نہیں ہوں اس لیے مجھے مجرموں کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ میری ایک مجبوری مجھے یہ سب کچھ کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ بہ حال خدا مجھے معاف کرے۔"

"ٹھیک ہے رضوی صاحب۔ ممکن ہے میں آپ کے دُشمنوں ہی کی کوئی مدد کر سکوں۔ پہلے میں نے آپ کے ہار[...] کوشش کر لی ہے آپ مجھے موردِ الزام نہیں ٹھہرا سکتے۔"

"کیا نام ہے تمہارا؟" رضوی نے پوچھا۔

"جیک فیرل۔"

"اتنے ذہین نہیں ہو جیک فیرل جتنا خود کو سمجھتے ہو۔ اگر ذہین ہوتے تو اس محفوظ قلعے میں رہ کر مجھے یہ چیلنج نہ کرتے۔ بہرحال میں تم سے یہ معلوم کرنے کی کوشش ضرور کروں گا کہ عال[...] کی پُشت پر کون لوگ ہیں اور اس کے بعد تمہارا ہلاک کر دین[...] ضروری ہوگا۔ قادر علی اِس شخص کا خیال رکھا جائے۔ جاؤ ہم لو[...] گفتگو کر رہے ہیں۔"

"چلو۔" قادر علی نے کرخت لہجے میں کہا اور نوجوان شانے [...] کر واپس چلا گیا۔

"یہ حقیقت ہے عالیہ بیٹے کہ میں قطعاً جرائم پیشہ انسا[ن] نہیں ہوں۔ میں نے ساری زندگی مُلک و مِلت کی خدمت میں گزار[ی]"

"میں یہ ساری باتیں مانتی ہوں رضوی صاحب۔"

"اگر مانتی ہو تو پھر میرے ایک چھوٹے سے مسئلے میں [...] کیوں نہیں اختیار کرتیں۔ کیوں میری اس مجبوری کو اُچھالتی ہو[...]" رضوی صاحب کے لہجے میں ایک معصومانہ شکایت تھی۔

"کون سی مجبوری کی بات کر رہے ہیں رضوی صاحب" میں نے پوچھا اور رضوی صاحب نے گردن جھکا لی۔ وہ کسی [...] میں ڈوب گئے تھے۔ چند ساعت کے بعد اُنہوں نے گردن اُٹھا[ئی] اور پھر اُٹھ کھڑے ہوئے۔ وہ نزدیک رکھے ہوئے ایک ٹیلی[فون] کے پاس پہنچ گئے تھے۔ انہوں نے رسیور اُٹھا کر ایک نمبر [...] کیا اور رسیور کان سے لگا لیا۔

"ہوں۔ کیا کر رہے ہیں وہ دونوں۔ ٹھیک ہے۔ تنویر کو [...] ہاں انجکشن دے دو۔ بس میں پانچ منٹ میں آ رہا ہوں۔" اُنہو[ں نے] کہا اور فون بند کر دیا۔ تنویر کا نام سُن کر میں چونکی تھی لیکن [...] رضوی صاحب سے اس بارے میں کوئی سوال نہیں کیا۔ رضوی [...] کافی نڈھال نظر آ رہے تھے پھر وہ بولے۔ "آؤ عالیہ میرے ساتھ" اور میں بھی اُٹھ گئی۔ ہم دونوں خاموشی سے اس عظیم ال[شان] عمارت کے مختلف حصّوں سے گزرتے ہوئے بالآخر ایک کمر[ے کے] دروازے پر پہنچ گئے۔ یہاں چار آدمی کھڑے ہوئے تھے جنہو[ں نے] رضوی صاحب کو دیکھ کر گردن ہلا دی۔

رضوی صاحب مجھے اشارہ کر کے اندر داخل ہو گئے۔

[...]ن خواب گاہ تھی جس کی ایک مسہری پر وہ عجیب الخلقت وجود [...]ز تھا۔ ان میں سے ایک سو رہا تھا اور دُوسرا جاگ رہا تھا... [...]لنے والا نادر تھا۔ اُس کے ہاتھ میں ایک کتاب تھی۔ یہ کتاب [افلا]طون کا فلسفۂ کائنات تھی۔

ہمارے قدموں کی چاپ سُن کر اُس نے نگاہ اُٹھائی اور پھر [...]ی سے کتاب رکھ دی۔

"آداب ڈیڈی۔" اُس کا لہجہ نرم اور پُر اخلاق تھا۔ اُس نے [...] لمحے کے لیے مضطربانہ انداز میں سوتے ہوئے بھائی کو دیکھا تھا [...] پھر اُس کے چہرے پر سکون پھیل گیا۔

"اوہ۔ شاید ابھی مُنشی نے تنویر کو اسی لیے انجکشن دیا تھا۔" [...]ر نے مُسکراتے ہوئے کہا۔

"ہاں بیٹے۔"

"لیکن یہ خاتون کون ہیں؟"

"عالیہ صغیر بھابانی۔" رضوی صاحب نے جواب دیا... اور [...]وان کے ہونٹوں پر پھیکی سی مُسکراہٹ پھیل گئی۔

"آپ نے بڑا خطرہ مول لیا ہے ڈیڈی۔ کیا آپ نے اِن [...]ون کے خدوخال پر غور نہیں کیا؟"

"تنویر سو رہا ہے نادر۔"

"ہاں۔ وہ تو ٹھیک ہے لیکن۔ بہرحال آپ بہتر سمجھتے ہوں گے" [...]ن نے کہا اور پھر میری طرف دیکھ کر بولا۔ "آپ شاید ہمیں دیکھنے [...]یں مس عالیہ؟"

"ایں... ہاں" میں چونک پڑی۔

"یہ دوشاخہ مینار کیسا لگا آپ کو؟" وہ مُسکرا کر بولا۔ میں نے [...]ملائے ہوئے انداز میں رضوی صاحب کو دیکھا تھا تب رضوی [صا]حب بولے۔

"عالیہ کچھ وقت نادر کے ساتھ گزارو۔ فکرمند نہ ہونا... تم [...] محفوظ ہو۔ یہ میری ذمّے داری ہے۔" رضوی صاحب بولے [...]باہر نکل گئے۔ میں بڑی سنسنی محسوس کر رہی تھی۔ اِس دوشاخے [...]تصوّر کے ساتھ ہی ایک درندے کا تصوّر ذہن میں اُبھر آتا تھا [...] دروازے کے پاس صرف اُسے چھوڑا جاتا تھا جو اس کا [...]ار ہو لیکن اس وقت میں...

"آپ تشریف رکھیے مس عالیہ۔ میری خوش بختی ہے کہ آج [...] ایسی شخصیت سے گفتگو کے چند لمحات مل گئے ہیں جو اجنبی [...]ضرور نہ یکساں ماحول۔ یکساں حالات۔ براہِ کرم تشریف رکھیے۔"

"شکریہ۔" میں ایک کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔ میں

اپنی حالت پر قابو پانے کی کوشش کر رہی تھی۔

"میرا نام نادر رضوی ہے اور یہ... آپ اِسے میرا بھائی ہی سمجھیں یہ تنویر رضوی ہے۔"

"جی..."

"ہم لوگ قدرت کا مذاق ہیں مس عالیہ۔ اگر کسی دولت مند باپ کے بیٹے نہ ہوتے تو کسی میوزیم میں ہوتے یا کسی ایسے شخص کے پاس جو ہماری نمائش کر کے روزی کما رہا ہوتا۔" وہ بولا۔

"مجھے افسوس ہے نادر صاحب۔"

"آپ چونکہ اجنبی ہیں اس لیے یہ باتیں کرنے کو دل چاہ رہا ہے ورنہ یقین کریں کہ اب تو ہم لوگوں نے اپنے عجیب الخلقت ہونے پر شرمانا بھی چھوڑ دیا ہے۔ کیا کیا جائے۔ شرم ہی نہیں آتی۔" وہ ہنس پڑا۔ میں سنجیدگی سے اُسے دیکھ رہی تھی۔

"میں آپ سے آپ کے بارے میں سوالات کر سکتی ہوں۔ نادر صاحب؟"

"اگر اس قابل سمجھتی ہیں تو ضرور کریں۔" نادر گہری سانس لے کر بولا۔

"یہ کیفیت پیدائشی ہے؟"

"ظاہر ہے۔ بعد میں کوئی بھی سائنسی تجربہ دو انسانوں کو اس طرح نہیں جوڑ سکتا تھا۔"

"لیکن پیدائش کے وقت رضوی صاحب نے آپ کا آپریشن کیوں نہیں کرا دیا؟"

"ہماری پیدائش جرمنی میں ہوئی تھی۔ قبلہ رضوی صاحب اس تصوّر کے ساتھ والدہ صاحبہ کو باہر لے گئے تھے کہ ڈلیوری میں

کوئی پریشانی نہ ہو لیکن اس پریشانی کا وہ کیا کرتے جو اب پیش آ گئی تھی...؟"

"کئی ملکوں کے ماہرین جمع ہو گئے۔ آپریشن کی تجویز زیرِ غور تھی لیکن ان سب کا متفقہ فیصلہ تھا کہ آپریشن کی کامیابی کا ایک فی صد بھی امکان نہیں ہے۔ ہمارے بدن اس طرح جُڑے ہوئے ہیں کہ ان کا علیحدہ کرنا ناممکن ہے۔ ماہرین جائزہ لیتے رہے یہ تجویز بھی زیرِ غور آئی کہ ہم میں سے ایک کو باقی رہنے دیا جائے اور دُوسرے کو ختم کر کے ایک بدن کو جس حد تک بھی ممکن ہو ہموار کر دیا جائے۔ ہم دونوں زندہ تھے لیکن اس طرح... دیکھیں۔" نادر نے تنویر کے بدن سے چادر اُلٹ دی۔" نیچے سے ہمارا بدن ایک ہے لیکن کمر کے بعد سے ہماری شخصیتیں جُدا ہو گئی ہیں۔

" رضوی صاحب نے بحالتِ مجبوری ڈاکٹروں کو اس بات کی اجازت دے دی تھی کہ ان میں سے ایک کا وجود برقرار رہنے دیا جائے۔ چنانچہ ہمارے سسٹم کا آبزرویشن ہونے لگا... نہایت باریک بینی سے ہمارا جائزہ لیا جانے لگا اور پھر تمام ڈاکٹروں نے متفقہ طور پر کہا کہ یہ آپریشن ناکام رہے گا... اور دونوں کی ۔ ت واقع ہو جائے گی۔ اس کے بنیادی نکتے یہ تھے یعنی ہمارا جسمانی فارمولا یوں تھا۔"

" دماغ... دو۔"

" دِل... دو۔"

" کمر سے اُوپر کے اعصاب الگ الگ اور کمر سے نیچے کا سارا نظام ایک۔ کامیابی کا امکان صرف یُوں تھا کہ اگر ایک بدن کو کمر کے اوپر سے علیحدہ کر دیا جائے تو کمر کا نیچے کا سارا نظام ناکارہ ہو جائے گا یعنی ایک ناہموار وجود جو زندہ بھی رہ سکتا ہے لیکن اس کا پُورا بدن معذور ہو جائے گا اور وہ ایک اپاہج کی حیثیت سے زندہ رہے گا۔"

"مِس عالیہ میرا خیال ہے کہ رضوی صاحب کو یہ خطرہ مول لینا چاہیے تھا۔ اگر ہم مر ہی جاتے تو بہتر تھا۔ ہماری زندگی کو تماشا بنانے سے کیا فائدہ تھا... اور رضوی صاحب نے فیصلہ کیا کہ ہمیں اس عالم میں زندہ رہنے دیا جائے اور مِس عالیہ ہم زندہ ہیں۔ آپ دیکھ رہی ہیں ہم زندہ ہیں۔" اس کی آواز رندھ گئی۔ میرا حلق خشک ہو رہا تھا۔ دماغ سائیں سائیں کر رہا تھا۔ یہ وجود قابلِ رحم تھا لیکن لیکن... میں دیر تک کھوئی رہی اور پھر میں نے خود کو سنبھال کر پوچھا۔

"آپ دونوں میں ذہنی تضاد ہے؟"

" سو فی صد۔ میری اور تنویر کی سوچ بالکل مختلف ہے۔"

" یعنی...؟"

" مختلف معاملات میں۔ افسوس میں اس کی تفصیل نہیں بتا سکوں گا۔ میری کچھ مجبوریاں ہیں۔" اُس نے جواب دیا۔

" خود آپ کے جذبات کیا ہیں تنویر صاحب کے بارے میں؟"

" میں اسے بے حد چاہتا ہُوں اور یہی کیفیت اس کی ہے۔"

" کیا خیالات کا تضاد آپ کے ذہنوں میں نفرت پیدا نہیں کرتا...؟"

" مجھے اس کی اور اسے میری چند عادتیں ناپسند ضرور ہیں لیکن ہم نفرت نہیں کر سکتے ایک دُوسرے سے۔"

" آپ کی پسند بھی مختلف ہے؟"

" ہاں۔ سو فی صد مختلف۔ اُس کا اپنا ذہن ہے میرا اپنا۔"

" آپ نے تعلیم حاصل کی ہے نادر صاحب؟"

" ہاں میں بہترین اُستادوں سے پڑھتا رہا ہُوں۔ مجھے علم و ادب سے دلچسپی ہے لیکن تنویر ان چیزوں سے کوئی دلچسپی نہیں لیتا۔"

" زندگی کا کوئی مقصد ہے آپ کی نگاہ میں؟"

" ہاں۔ میری خواہش ہے کہ اُس وقت تک زندہ رہوں جب تک میرے ڈیڈی زندہ ہیں۔ میں اُس شخص کے لیے زندہ رہنا چاہتا ہُوں جس نے ہمارے لیے اپنی شخصیت مسخ کر لی ہے۔" نادر نے جواب دیا۔

تنویر اب کسمسانے لگا تھا۔ نادر کی نگاہ اُس پر پڑی تو وہ کسی قدر خوف زدہ نظر آنے لگا۔ "مِس عالیہ میں بداخلاقی سے کام ضرور لے رہا ہُوں لیکن یہ آپ کے حق میں بہتر ہے براہِ کرم اب باہر جایئے۔ جلدی کیجیے اب آپ کا یہاں رُکنا مناسب نہیں ہے۔" نادر نے کہا۔

"کیوں مسٹر نادر۔ خیریت؟"

" جلدی کریں۔ آہ جلدی کریں۔ ورنہ میرے سینے میں ایک اور زخم بن جائے گا۔ خدا کے لیے جلدی کریں۔" وہ کسی قدر خوف زدہ لہجے میں بولا اور میں اُٹھ کر باہر نکل آئی۔ دروازے پر رضوی صاحب کو دیکھ کر میں چونک پڑی تھی۔

" آپ یہاں کیوں کھڑے ہیں؟"

" آؤ۔" رضوی صاحب بولے اور میں اُن کے ساتھ چل پڑی۔ رضوی صاحب پر گہری سنجیدگی طاری تھی وہ ایک بار پھر اپنی نشست گاہ میں آ گئے اور پھر ایک کرسی کی طرف اشارہ کرتے

ہوئے۔" یہ تھی میری مجبوری عالیہ۔ تم نے دیکھ لی؟"

" کیا مطلب؟"

" میں تم دونوں کی گفتگو سُن رہا تھا۔ جس حد تک معلومات انہیں نادر نے فراہم کی ہیں وہ ناکافی ہیں۔ اس کے بعد کی تفصیلات میں تمہیں بتاؤں گا۔" رضوی صاحب نے کہا اور میں خاموشی سے ان کی صُورت دیکھنے لگی۔ وہ خاموشی سے گردن جھکائے بیٹھے تھے پھر اُن کی بھرّائی ہُوئی آواز اُبھری۔" یہ دوہرا وجود پیدائش سے لے کر اب تک میرے لیے باعثِ اذیت ہے۔ اس کی تولید کے بعد سے آج تک مجھے سکون کی نیند نہیں نصیب ہو سکی۔ ہاں عالیہ۔ میں ان کی موت کا خطرہ مول نہیں لے سکا۔ اسے ایک انسان کی خود غرضی سمجھ لو یا بے پناہ محبت۔ میں ان دونوں کو ساری دُنیا سے زیادہ چاہتا ہُوں۔ میں ان کی بقا کے لیے ساری دُنیا کو فنا کر سکتا ہُوں۔ میں جرائم سے نفرت کرتا ہُوں لیکن اگر ان کی حیات کے لیے مجھے قتلِ عام کرنا پڑے تو میں اس سے دریغ نہیں کروں گا۔

میں نے دُنیا کی نگاہوں سے پوشیدہ رکھ کر اُن کی... پرورش کی۔ میں جانتا تھا کہ وہ دُنیا کے لیے عجوبہ ہیں۔ ایسے عجوبے کو لوگ تماشا بنا لیں گے۔ میں اپنی اولاد کو تماشہ بنانا کس طرح پسند کرتا۔ اس لیے میں نے اُنہیں دُنیا کی نگاہوں سے چھپا کر رکھا۔ یہ دونوں ایک جان دو قالب ہیں لیکن دونوں کی سوچ مختلف ہے۔ دونوں کی پسند مختلف ہے۔ دونوں کے مزاج مختلف ہیں۔ میں انہیں خصوصی تیاریوں کے بعد وطن لے آیا لیکن یہاں بھی میں نے انہیں دُنیا کی نگاہوں سے چھپا کر رکھا اور یہ جوان ہو گئے اور پھر یہاں سے میری سیاہ بختی کا دُوسرا دَور شروع ہو گیا۔

" زلیخا میری چچا زاد بہن کی بیٹی تھی۔ میری بہن اور بہنوئی بُرے حالات کا شکار ہو گئے۔ بہنوئی پولیس افسر تھے ایک خطرناک مجرم سے اُن کی دشمنی ہو گئی اور ایک رات اُس نے اُن دونوں کو قتل کر دیا۔ زلیخا اتّفاق سے گھر میں موجود نہیں تھی اس لیے اس کی جان بچ گئی لیکن وہ مجرم اُس کی تلاش میں سرگرداں ہو گیا۔ مجھے جب ان حالات کی اطلاع ہُوئی تو میں زلیخا کو اپنی شہر والی کوٹھی میں لے آیا لیکن اس کوٹھی میں اُس پر کئی جان لیوا حملے ہُوئے۔ بھودا اس خاندان کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کا تہیّہ کر چکا تھا۔ میں نے سوچا کہ کہیں وہ زلیخا کی جان لینے میں کامیاب ہی نہ ہو جائے۔ چنانچہ میں بحالتِ مجبوری اُسے اس عمارت میں لے آیا جہاں تم اس وقت موجود ہو اور بدبختی سے ان دونوں نے زلیخا کو دیکھ لیا۔

" تنویر ہر وقت اُس کا پیچھا کرتا رہتا تھا ہر چند نادر اُسے سمجھاتا تھا لیکن نادر کی شخصیت اُس کی شرافت کی وجہ سے شروع ہی سے دَبی دَبی تھی۔ وہ تنویر کے معاملات میں بہت کم دخل دیتا تھا لیکن اُس نے ہر طرح تنویر کو روکنے کی کوشش کی اور اس میں ناکام رہا۔ پھر ایک بار تنویر نے اُس پر مجرمانہ حملہ کرنے کی کوشش کی۔ یہاں نادر سے اُس کا شدید اختلاف ہو گیا اور دونوں میں ہاتھا پائی بھی ہُوئی... جس میں تنویر زخمی ہو گیا لیکن نادر خود بھی بخار میں پُھنکتا رہا تھا۔ دونوں کو یکساں تکلیف تھی۔

" میں اس صُورتِ حال سے سخت پریشان ہو گیا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کروں۔ دُوسری طرف زلیخا یہاں رہ کر بے حد پریشان ہو گئی۔ چنانچہ میں نے اُسے وہاں سے ہٹا دیا۔ میں اس بچّی کے لیے کوئی مُصیبت نہیں چاہتا تھا لیکن اس کا ردِّ عمل تنویر پر بہت شدید ہُوا۔ اُس نے خودکشی کی کوشش کی اور لینے کے دینے پڑ گئے۔ تنویر کے ساتھ نادر بھی موت کی کشمکش میں گرفتار ہو گیا تھا۔

" میرے ہاتھوں سے طوطے اُڑ گئے۔ نہ جانے کیسی کیسی کوششوں سے ڈاکٹروں نے ان کی جان بچائی تھی لیکن تنویر کو ضد ہو گئی۔ اُس نے دھمکی دی کہ وہ ضرور خودکشی کر لے گا... ورنہ زلیخا اُسے دے دی جائے اور اس کے بعد میرے لیے کوئی چارہ نہ رہا سوائے اس کے کہ میں زلیخا سے مدد مانگوں۔ میں نے اُس سے بات کی اور وہ میری مانگ پر حیران رہ گئی۔"

" کیا آپ اپنے احسانات کا یہ صلہ چاہتے ہیں؟" وہ بولی۔

" یہ میری انتہائی مجبوری ہے زلیخا۔ یقین کرو اگر میرے پاس اس کے سوا کوئی چارہ کار ہوتا تو میں قیامت تک تم سے یہ بات کہنا پسند نہ کرتا۔" میں نے کہا۔

" آپ مجھے مجبور سمجھ کر یہ بات کہہ رہے ہیں انکل۔ اگر میں مجبور نہ ہوتی تو آپ یقیناً اس انداز میں مجھ سے یہ بات نہ کہتے... وہ دونوں یا وہ ایک کیا اس قابل ہیں کہ اُنہیں اپنی زندگی میں شریک کیا جا سکے۔ اس کے علاوہ آپ یہ بتایئے کہ مجھے کرنا کیا ہو گا؟ کیا میں شادی کروں گی؟ اگر آپ کا جواب اثبات میں ہے تو پھر مجھے بتایئے کہ مجھے کس سے شادی کرنا ہو گی؟ تنویر سے یا نادر سے؟ اگر اُن میں سے کسی ایک سے، تو پھر میری تنہائیوں میں ان

میں سے کون ہوگا انکل رضوی کیا آپ مجھے بھی اسی تجربے میں شامل کردینا چاہتے ہیں، بتایئے نا میری خلوت میں ایک مرد کی حیثیت سے کیا وہ دونوں ہوں گے ؟ انکل اگر آپ کے دل میں یہ خواہش ہے تو براہِ کرم مجھے تماشا بنانے کی بجائے ہلاک کر دیجیے۔" زلیخا کی بات سُن کر میں سخت پریشان ہوگیا۔ اُس کا کہنا بھی درست ہی تھا، کِسی ایسی شخصیت کو اپنے وجود میں بھلا کون لڑکی شامل کرسکتی تھی جس کے دوہرے وجود ہوں، اس لڑکی کی خلوتوں میں تنہائی نہ ہو۔ وہ اس تماشے کو کیسے برداشت کرسکتی تھی۔ یہ بات میں خود بھی جانتا تھا لیکن تنویر نے میری زبان کھلوا دی تھی۔ میری مجبوریوں نے مجھے اتنا بے بس اور لاچار کر دیا تھا۔"

" میں زلیخا کے پاس سے واپس آگیا۔ میں نے تنویر کو سمجھانے کی کوشش کی لیکن اُس کی ایک ہی ضد تھی کہ وہ زلیخا کا حصول چاہتا ہے اور اس کے بغیر زندگی گزارنے کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔ یہ خواہش دیوانگی کی حدود میں داخل ہوگئی تھی اور مجھے خطرہ تھا کہ وہ دوبارہ خودکشی کی کوشش کرے گا۔ مجبور ہوکر پھر میں نے زلیخا سے رجوع کیا۔

" زلیخا باہر کی دُنیا میں تمہارے لیے موت ہے' میں تمہیں زندگی کی اُن تمام آسائشوں سے بہرہ ور کر دوں گا جن کا تصور تم نے کبھی اپنی زندگی میں نہ کیا ہوگا۔ میں تمہیں ساری دُنیا دِکھاؤں گا اور ایک ایسی حیثیت دے دُوں گا کہ تم شہزادیوں اور رانیوں کی طرح زندگی گزارو۔ بس اُنہیں قبول کرلو، کِسی بھی حیثیت سے، تم بھول جاؤ کہ تم بھی اسی جہاں کی ایک فرد ہو۔ بس یہ مجبوری تمہاری زندگی میں سب سے بڑی حیثیت اور اہمیت رکھتا ہے۔" اس بار میں نے ذرا سخت لہجہ اختیار کرلیا تھا۔ تب زلیخا نے کہا۔

" انکل آپ بھول رہے ہیں۔ میری زندگی میں نہیں بلکہ آپ کی زندگی میں، اور آپ مجھے کسی بھی طور مجبور نہیں کرسکتے کہ میں دُنیا کے سامنے تماشا بنوں۔" زلیخا نے ذرا سخت لہجے میں کہا اور مجھے بھی غصہ آگیا۔

" تجھے یہ میری بات قبول کرنا ہوگی زلیخا۔ محبت کی زبان سے نہ سہی، نفرت کی زبان سے سہی۔ میں تجھے تنویر کی خلوت میں پہنچا دوں گا۔ اس کے سوا میرے پاس کوئی اور چارۂ کار نہیں ہے۔" میں نے کہا اور زلیخا خاموش ہوگئی لیکن میں نے اُس کی آنکھوں میں نفرت کا وہ عزم نہیں دیکھا تھا جو اس وقت پرورش پا رہا تھا، میں اُسے آخری وقت دے کر چلا آیا اور آنے کے تھوڑی دیر بعد مجھے یہ اطلاع ملی کہ زلیخا نے خودکشی کرلی ہے۔"

" ہاں عالیہ اُس لڑکی نے خودکشی کرلی تھی وہ گردن میں پھندا ڈال کر چھت سے لٹک گئی تھی اور میں بے بس ہوگیا میری بے بسی عروج پر پہنچ گئی تھی۔ کیوں کہ دُوسری جانب تنویر شدت سے زلیخا کا مطالبہ کر رہا تھا، میں نے اُسے یہ نہیں بتایا تھا کہ زلیخا نے جان دے دی ہے بلکہ میں نے ایک اور لڑکی کو اس بات کے لیے تیار کرلیا کہ وہ تنویر کی خلوت میں چلی جائے۔ لڑکی کو صحیح صُورتِ حال نہیں بتائی گئی تھی... بہرصُورت میں نے اُسے اس عمارت کے ایک مخصوص حصے میں بھیج دیا۔ تنویر نے اُسے دیکھا اور شدتِ غضب میں آکر اُس لڑکی کو قتل کردیا۔ اُس کا کہنا تھا کہ یہ لڑکی زلیخا نہیں ہے۔ زلیخا کی ٹھوڑی میں گڑھا اور گال پر تِل تھا۔

تنویر کی یہ پہچان مجھے لے ڈوبی اور میں نے اس دُوسری لاش کو بھی ٹھکانے لگا دیا لیکن تنویر کا جنون بڑھتا ہی رہا۔ اور اُس وقت تک فرو نہ ہُوا جب تک میں نے مجرمانہ عمل کے تحت ایک اور لڑکی کو اُس کی خلوت میں نہ پہنچا دیا۔ اس لڑکی کی ٹھوڑی میں گڑھا تھا اور گال پر تِل کا نشان بھی تھا۔ حالانکہ اس کے باقی خدوخال بالکل بے کار سے تھے لیکن تنویر کی ذہنی حالت کچھ ایسی ہوگئی تھی کہ اُس نے اس لڑکی کو زلیخا تسلیم کرلیا...

" اور پھر عالیہ... وہ اس لڑکی کے حصول میں کامیاب ہوگیا لیکن کامیاب ہونے کے بعد اُس نے اُسے قتل بھی کر دیا وہ ایک عجیب سے جنون کی شکل اختیار کرگیا ہے اور اس کی زندگی اِسی میں مُضمر ہے کہ مخصوص خدوخال کی لڑکیاں اُس کے لیے فراہم کی جاتی رہیں۔ ان میں سے کچھ لڑکیاں بچ جاتی ہیں کچھ کو وہ خود قتل کر دیتا ہے اور بعض خود بخود دہشت کا شکار ہوکر مر جاتی ہیں۔

" بتاؤ عالیہ میں کیا کروں ؟ مجھے کیا کرنا چاہیے ؟ ان حالات میں ایک باپ کی مجبوریاں کیا ہوسکتی ہیں' میں ان دونوں کے لیے رُسوا ہوگیا ہُوں۔" رضوی پھُوٹ پھُوٹ کر رونے لگا لیکن میری آنکھوں میں نفرت کی چنگاریاں اُبھر رہی تھیں میں نے نفرت بھرے انداز میں اُسے دیکھا اور زمین پر تھوک دیا لیکن رضوی نے میری اس حرکت کو نہیں دیکھا تھا۔

" مجھے بتاؤ عالیہ میں کیا کروں۔ بتاؤ میں کیا کروں ؟"

" میں تمہاری مدد کرسکتی ہُوں مسٹر رضوی۔" میں نے نفرت ...رے لہجے میں کہا۔

" کیا... کیا مدد کرسکتی ہو عالیہ۔ کیا تم مجھے اس ذہنی اذیت ...نجات دِلا سکتی ہو ؟"

" ہاں۔ بشرطیکہ تم میری مدد کرو۔" میں نے جواب دیا۔

" بتاؤ عالیہ۔ کیا تجویز ہے تمہارے ذہن میں ؟ بتاؤ تم اِس ...لے میں میری کیا مدد کرسکتی ہو ؟"

" مجھے ایک پستول دے دو مسٹر رضوی۔ جس میں چھ کارتوس ...ں۔ میں چار گولیاں اُس ناپاک عفریت کے وجود میں اُتار دُوں ...اور اس کے بعد اس کے پُورے وجود کو پتھروں سے کچل کر ...ہ ریزہ کر دُوں گی اور اس کے بعد باقی دو گولیاں میں تمہارے ...اور دماغ میں اُتار دُوں گی تاکہ تم اُن کی محبت میں نہ تڑپ سکو ...ا سے بہتر کوئی تجویز نہیں ہے میرے پاس۔" میں نے نفرت ...رے لہجے میں کہا اور رضوی چونک کر مجھے دیکھنے لگا۔ اُس کی ...ھوں میں حیرت کے آثار تھے۔ چند ساعت وہ خاموش رہا پھر بولا۔

" اس کے علاوہ اور کوئی تجویز نہیں ہے تمہارے پاس ؟"

" ہے۔" میں اسی نفرت بھرے لہجے میں بولی۔

" وہ کیا ؟" رضوی بولا۔

" اس قابلِ نفرت وجود پر پٹرول چھڑک کر اُس میں آگ ...دی جائے۔ یہ دُوسری تجویز ہے۔"

" عالیہ۔" رضوی تڑپ کر کھڑا ہوگیا۔ "تم میری اولاد کے بارے ...یہ سب کچھ کہہ رہی ہو۔ یہاں میری چھت کے نیچے بیٹھ کر ؟"

" میں وہی کہہ رہی ہُوں مسٹر رضوی جو میرے دِل میں ہے۔ ...ش میں اس کے لیے اس سے بھی زیادہ اذیت ناک موت تجویز ...کتی..."

" میں ان کا باپ ہُوں عالیہ۔" رضوی بولا۔

" تم... تم طاعون ہو رضوی۔ تم کینسر ہو۔ تم ساری دُنیا کی ...م چیزوں سے زیادہ بدنُما انسان ہو۔ باپ بن کر اولاد کے لیے ...یشان ہو۔ ناپاک انسان اُن سارے باپوں کو بھول گئے جن کی ...و تم نے اس گھناؤنے وجود کی بھینٹ چڑھا دی۔ اس وجود کے ...ہ جسے پیدا ہوتے ہی مر جانا چاہیے تھا۔ مسائل کے بوجھ سے ...ا ہُوئی اُن معصوم لڑکیوں کی زندگیاں اس بدہیئت انسان سے ...یں زیادہ قیمتی تھیں جس کی زندگی کا کوئی جواز نہیں ہے جو ...نیا پر ایک بدنُما بوجھ ہے۔ خود غرض بھیڑیے تجھے ان معصوم ...ں کو مسلنے کا حق کس نے دیا ہے۔ تُو کون ہوتا ہے اُن کی آبرو اور زندگی سے کھیلنے والا... لعنت ہے تجھ پر۔ لعنت ہے تجھ پر۔" شدید غصے کے عالم میں میرا بدن کانپنے لگا تھا اور رضوی سکتے کے عالم میں بیٹھا مجھے دیکھ رہا تھا۔

"تیرے یہ جذبات حقیقی ہیں عالیہ۔ واقعی مجھے اِس نفرت کا احساس ہے۔ میں جانتا ہُوں بلکہ مجھے علم ہُوا ہے کہ میں اسی قدر قابلِ نفرت ہُوں۔ میں نے خود بھی اس بارے میں سوچا تو یہی فیصلہ کیا کہ میں بدترین جرائم کا مرتکب ہو رہا ہُوں لیکن اس جُرم کے بارے میں کِسی کے جذبات پہلی بار میرے علم میں آئے ہیں۔ میں نے اپنے خلاف نفرت کی تصویر پہلی بار دیکھی ہے میں... عالیہ... میں تجھے اس سچائی پر مُبارک باد دیتا ہُوں۔ مجھے مُہلت دے میں اس سلسلے میں غور کرلُوں۔ تھوڑے سے غور کا موقع دے مجھے۔"

میں خاموش رہی۔ رضوی کا چہرہ پھیکا پڑ گیا تھا۔ پھر وہ اُٹھ گیا۔ "اب آرام کرو عالیہ۔ میں دوبارہ تم سے مُلاقات کروں گا۔" اور اس کے بعد وہ باہر نکل گیا۔

کافی وقت اسی غور و خوض میں گُزرا۔ میں یہاں بیٹھے بیٹھے بور ہوگئی تھی لیکن اس کے علاوہ کر بھی کیا سکتی تھی کہ خود پر جبر کرُوں۔ رات کو تقریباً دس بجے میری طلبی ہُوئی۔ رضوی نے مجھے بُلایا تھا...

اِس بار مجھے ایسی جگہ لے جایا گیا جو ایک بلند مینار سے جیسی تھی۔ غالباً وہ چوبُرجی میں سے ایک بُرج تھا لیکن اوپری حصے میں بہترین آرام گاہ بنی ہُوئی تھی۔ بُرج میں بڑی بڑی کھڑکیاں تھیں جن کے باہر رات کا خاموش سناٹا پھیلا ہُوا تھا کھُلا آسمان نظر آرہا تھا اور ٹھنڈی ہَوا چل رہی تھی۔ یہاں رضوی موجود تھا...

لیکن اس وقت اُس کے خدوخال بدلے ہُوئے تھے ان میں پہلے جیسی نرمی اور شفقت نہیں تھی۔ مجھے دیکھ کر اُس کے ہونٹوں پر مُسکراہٹ پھیل گئی۔

" ہیلو عالیہ۔" وہ بولا۔

" ہیلو مسٹر رضوی۔" میں نے فوراً جواب دیا۔

" کیسے حال ہیں ؟"

" ٹھیک ہُوں۔" میں نے کہا۔

" بیٹھو۔" وہ نرم لہجے میں بولا۔

" شکریہ۔" میں نے ایک نشست سنبھال لی۔ رضوی نے نزدیک رکھے سگار بکس سے ایک سگار نکال لیا اور اُس کا گوشہ توڑ کر اُسے دانتوں میں دبا کر سُلگانے لگا۔ پھر اُس نے

گاڑھے دھوئیں کے کش چھوڑتے ہوئے کہا۔

" تمہاری بیباکانہ گفتگو سے میں بے حد متاثر ہوا ہوں۔۔ عالیہ۔ یقین کرو تمہارے بارے میں سوچ سوچ کر سخت حیران ہوتا رہا ہوں۔"

" وہ میرے دل کی آواز تھی جناب۔" میں نے کہا۔

" میری حیثیت پہچانتی ہو؟"

" کیا مطلب؟"

" تمہیں علم ہے کہ اعلاحکام سے میرے کیسے تعلقات ہیں؟"

" جی ہاں علم ہے۔"

" یہ تعلقات میں نے اس لیے قائم نہیں کیے ہیں عالیہ کہ میں ان کے ذریعے اپنے جرائم کی پردہ پوشی کروں۔ یقین کرو۔۔ میرا کاروبار قطعی صاف ستھرا ہے۔ میں نے کبھی اسمگلنگ۔۔۔ بلیک مارکیٹنگ یا کوئی بھی ایسا کاروبار نہیں کیا جو حکومت کی نگاہوں میں جرم کی حیثیت رکھتا ہو۔ شدید محنت کر کے میں نے اس کاروبار کو اتنا پھیلایا ہے کہ آج مجھے اپنی دولت کا خود اندازہ نہیں ہے اگر میں نے اپنی زندگی میں کوئی جرم کیا ہے تو صرف اپنی اولاد کی خاطر۔ بہر صورت میرے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اعلاحکام مجھ سے اس لیے متاثر ہیں کہ میں نے حکومت کے اہم مسائل میں حکومت کا ہمیشہ ہاتھ بٹایا ہے میں نے حکومت کی ہر ضرورت پر اپنی دولت حکومت کے لیے وقف کردی ہے اور اس کے بدلے میں حکومت کی نگاہوں میں میری اتنی وقعت ہے کہ اگر میں کوئی بھی کام کسی سے کہہ دوں تو وہ اس سے انکار نہیں کرسکتا۔ چھوٹے لوگ مجھ تک رسائی حاصل کرنے کے لیے میری ہر خدمت کرنے کے لیے تیار رہتے ہیں، میں ان کی تبادلے کرا دیتا ہوں، ان کے عہدے بڑھوا دیتا ہوں اور ضرورت پڑنے پر ان کی مالی مدد بھی کر دیتا ہوں۔ یہ تمام چیزیں ایسی ہیں بس عالیہ کہ اس کے بعد میری آواز کا وزن اپنے اصل حجم سے لاکھوں گنا زیادہ بڑھ جاتا ہے اور معمولی لوگ تو غیر معمولی ہوتے ہیں، اعلاترین لوگ بھی میری آواز سے بڑھ کر بات کرنے کی ہمت نہیں کرپاتے۔۔۔ تو میرے کہنے کا مقصد یہ تھا عالیہ کہ ان ساری باتوں کے باوجود میرے اندر ایک انسانی حس موجود ہے۔ میں رحم کرنا جانتا ہوں لیکن میں خود قابل رحم نہیں بن سکتا۔" رضوی کی آواز میں ایک تناؤ سا پیدا ہوگیا پھر وہ کہنے لگا ——— " میں تمہیں ایک پیش کش کرنا چاہتا ہوں عالیہ۔" رضوی اصل مقصد پر آگیا۔

" پیش کش؟" میں نے سوالیہ انداز میں اُسے دیکھا۔

" ہاں پیش کش۔۔۔ تم صغیر بھایانی کی بیٹی ہو، تمہارے بارے میں مجھے جس قدر معلومات حاصل ہوسکی ہیں وہ یہ ہیں۔۔۔ کہ تمہارا دولت مند باپ تمہارے لیے کچھ نہیں چھوڑ گیا۔ ایسا کن حالات میں ہوا میں نہیں جانتا لیکن انسان کی زندگی میں ایسے نشیب و فراز آتے رہتے ہیں اور موت کسی کی تابع نہیں ہوتی۔۔ صغیر بھایانی نے جو کچھ ضائع کردیا تھا ممکن تھا وہ اسے حاصل کرنے کی کوشش میں سرگرداں ہو اور زندگی نے اس کا ساتھ نہ دیا ہو۔ بہر صورت صغیر بھایانی کے مرنے کے بعد تمہارے لیے پریشانیاں ہی پریشانیاں رہ گئیں، مجھے علم ہے کہ تم ایک اخبار میں ملازم ہو بلکہ سنا یہ ہے کہ شاید میری ہی وجہ سے اس اخبار سے تمہاری ملازمت بھی چھٹ گئی ہے۔ میرے علم میں یہ بات بھی آئی ہے عالیہ کہ تمہیں صحافت سے بہت دلچسپی ہے اور اس پیشے کو تم نے اپنی دلچسپی کی بنا پر ہی اپنایا ہے۔ میں نے اُس دن بھی تمہیں پیش کش کی تھی کہ اگر تم چاہو تو میں تمہاری مالی مدد کرسکتا ہوں، اس وقت بھی میری خواہش ہے عالیہ۔۔۔ کہ تم میری اس مجبوری سے چشم پوشی اختیار کرلو، اپنا اخبار نکالو، میں اس کے لیے تمہیں پچاس لاکھ روپے دینے کے لیے تیار ہوں۔۔ اس کے علاوہ تمہارے اخبار کے لیے جو بھی ضروریات ہوں گی مثلاً پریس، عمارت اور دوسری ایسی تمام چیزیں، جن کی تمہیں ضرورت پیش آسکتی ہے تمہارے لیے مہیا کردی جائیں گی۔۔۔ سرکاری طور پر تمہارے اخبار کو اتنے اشتہار ملیں گے کہ تم سوچ بھی نہیں سکتیں، میرا مقصد ہے کہ تم پہلے سے کئی گنا بہتر زندگی گزارو گی۔"

رضوی چند ساعت خاموش رہا پھر بولا۔

" میں ان کی زندگی کے لیے سب کچھ کرسکتا ہوں۔" تمہاری گفتگو پر میں نے بہت غور کیا ہے۔ میں نے تمہارے انسانی جذبات کو بھی محسوس کیا ہے لیکن میں خود کو تم سے متفق نہیں کر سکتا۔ میں نے پوری زندگی میں ان کے سوا کچھ نہیں دیکھا اور میں اپنے سرمایۂ حیات کو ضائع نہیں کرسکتا۔ ہاں مجھے تم سے بھی ہمدردی بلکہ یوں کہو عقیدت ہے۔ تم ایک اچھی لڑکی ہو۔ میں کسی طور تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچانا چاہتا۔"

اطہر رضوی کے بدلے ہوئے لہجے کو میں نے بخوبی محسوس کیا تھا لیکن خدا کی قسم میرے دل میں کوئی خوف نہیں ابھرا۔ میں تو اس سے کہیں زیادہ پاگل تھی۔ امینہ، شکیلہ اور درخشاں کی کربناک چیخوں کا سودا نہیں کیا جاسکتا تھا۔ چنانچہ میں خاموشی

میں اُس کی گفتگو سنتی رہی پھر جب وہ خاموش ہوگیا۔۔ تو میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

" اور کچھ رضوی صاحب؟"

" نہیں۔ اب تم میری بات کا جواب دو۔"

" میرا جواب برداشت کرسکیں گے آپ؟"

" ہاں ضرور۔"

" میں صرف اُن کی موت چاہتی ہوں اور اُن کے لیے جرائم پر تمہاری بھی موت کی طالب ہوں سمجھے۔ یہ میرا آخری جواب ہے موت بھی اس میں کوئی ترمیم نہیں کرسکتی۔"

" مجھے اُن سے بہت محبت ہے عالیہ۔"

" اور مجھے ان سے اتنی ہی محبت ہے جنہیں تم ہلاک کر چکے ہو۔"

" تم پاگل ہو۔ وہ تمہاری کون تھیں؟"

" میری بیٹیاں۔ میری بچیاں۔"

" گویا تم خودکشی کرنا چاہتی ہو؟" رضوی بولا۔

" ہاں۔۔۔ یہی ارادہ ہے میرا۔"

" تمہیں یہ بھی احساس نہیں ہے کہ تم میرے سامنے بے بس ہو۔"

" تم محسوس کر رہے ہو گے کہ میں بے بس نہیں ہوں۔"

" کیا مطلب؟"

" میں اپنے مشن کی ناکامی کے بعد صرف موت کی خواہش مند ہوں اور تم مجھے موت سے نہیں روک سکتے۔"

" آہ۔۔۔ کاش میں تمہارے ارادے کی اس پختگی کی داد دے سکتا لیکن یہاں تو خود میری گردن پھنسی ہوئی ہے۔۔۔ میں انسان کی خوبیوں کا قائل ہوں لیکن تم بہت ضدی ہو۔۔۔ بولو میں کیا کروں۔۔۔؟"

" میری ہدایات پر عمل کرو۔"

" کوئی نہیں کرسکتا۔ کوئی فرشتہ بھی یہ سب کچھ نہیں کرسکتا۔" رضوی نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

" تب تم ایک کام کرو رضوی۔" میں نے کہا۔

" عالیہ تم کچھ عرصہ قبل مجھے انکل کہتی رہی ہو۔۔۔ اب یہ انداز کیوں بدل گیا؟"

" رشتوں میں تقدس ہوتا ہے رضوی صاحب! احترام ہوتا ہے اور میں کسی مجرم کا احترام نہیں کرسکتی۔"

" خیر۔ تم کون سے کام کے لیے کہہ رہی تھیں عالیہ؟"

" میری تھوڑی میں گڑھا ہے اور میرے گال پر تل بھی ہے تم مجھے بھی اپنے بیٹے کی ہوس گاہ میں بھیج دو؟"

" کیا مطلب؟"

" میں اپنے مشن کی تکمیل کی کوشش کروں گی۔"

" یہ تمہارے حق میں بہتر نہ ہوگا۔"

" کیوں۔۔۔؟"

" وہ بے پناہ طاقت ور ہیں۔ اس عجوبے میں لاتعداد خوبیاں بھی ہیں۔ نادر ایک ذہین دماغ رکھتا ہے اور تنویر کا ذہن مجرمانہ صلاحیتوں کا حامل ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اگر میں انہیں جرائم کی دنیا میں چھوڑ دوں تو وہ تہلکہ مچا دیں گے۔ تم اگر کسی غلط فہمی کا شکار ہو تو یہ خیال ذہن سے نکال دو۔"

" ہاں۔ میں غلط فہمی کی شکار ہوں۔"

" خیر۔ میں ایسا نہیں کروں گا۔ میرے دل میں اس کے باوجود تمہارا احترام ہے۔ میں چاہتا ہوں۔۔۔"

رضوی نے اتنا ہی کہا تھا کہ اچانک ایک کریہہ آواز گونج اٹھی اور رضوی خاموش ہوگیا۔ یہ آواز میں پہلے بھی سُن چکی تھی۔ خطرے کا سائرن تھا۔ ایسا ہی سائرن جب میں نے اور اس نقاب پوش نے فرار کی کوشش کی تھی تو گونج اٹھا تھا۔

رضوی نے اپنے قریب رکھا انٹرکام آلہ آن کردیا اور پھر اُس کی بھاری آواز ابھری۔

" ہیلو۔۔ ہیلو؟"

چند ساعت کوئی جواب نہیں ملا اور رضوی نے ایک اور سوئچ آن کردیا۔ اس بار ایک سُرخ بلب اسپارک کرنے لگا تھا اور پھر دُوسرے لمحے ایک گھبرائی ہوئی آواز سنائی دی۔

" یس سر۔ یس سر۔"

" کہاں مر گئے تھے؟" رضوی غرایا۔

" وہ سر۔۔ سر سائرن بجا ہے۔" گھبرائی ہوئی آواز سنائی دی۔

" کیوں بجا ہے؟"

" ابھی معلوم نہیں ہوسکا سر۔ ابھی معلوم کرتا ہوں۔"

" معلوم کر کے بتاؤ۔" رضوی نے کہا اور پھر خاموش ہوگیا لیکن اُس کے انداز میں اضطراب نہیں تھا۔ وہ بے حد پُراعتماد تھا۔ اس طرح پُراعتماد جیسے وہ عام انسانوں سے کوئی تعلق نہ رکھتا ہو۔

تھوڑی دیر کے بعد انٹرکام پر آواز ابھری۔" سر۔۔۔ میں نے معلومات حاصل کی ہیں۔"

" کیا بات ہے؟"

"وہ غیر ملکی فرار ہو گیا جو ہمارا قیدی تھا۔"

"اوہ۔ کیسے؟" رضوی دھاڑا۔

"سر ابھی پوری تفصیل نہیں معلوم ہو سکی لیکن شاید اُس نے۔ اُس نے قادر علی کو قتل کر دیا ہے۔" انٹرکام پر آواز اُبھری اور اطہر رضوی تعجب سے مُنہ کھول کر رہ گیا۔ دیر تک اُس کے مُنہ سے کوئی آواز نہیں نکلی تھی۔ دُوسری طرف سے انٹرکام پر کچھ اور آوازیں سُنائی دینے لگی تھیں۔ یہ آوازیں واضح نہیں تھیں لیکن شاید کسی موضوع پر کوئی بات ہو رہی تھی پھر آواز دوبارہ اُبھری۔ "ہیلو...؟"

"ہاں۔ موجود ہوں۔ کیا بات ہے؟"

"سر... قادر علی کی موت کی تصدیق ہو گئی ہے۔ اُس نے قادر علی کی گردن توڑ دی ہے۔ قادر علی کی لاش بارہ دری کے پاس پڑی ہوئی ہے۔"

"ہوں۔ اُس کی تلاش میں کون ہے؟" رضوی نے پوچھا۔

"سر میں چارلی بول رہا ہوں۔ وہ عمارت سے باہر نکل گیا ہے۔ اُس کے پیچھے کتے لگے ہوئے ہیں جو اُسے چاروں طرف سے گھیر رہے ہیں۔ اس کے علاوہ اُس کے پاس کوئی ہتھیار موجود نہیں ہے اس لیے بہت جلد گرفتار ہو جائے گا... آپ بالکل فکر نہ کریں۔"

رضوی نے جھلاہٹ میں انٹرکام بند کر دیا۔ اُس کے چہرے پر اندرونی کش مکش نظر آ رہی تھی اور پھر تھوڑی دیر کے بعد وہ پُرسکون ہو گیا۔ وہ میری طرف مُڑا اور بولا۔

"یہ شخص واقعی غیر ملکی ہے یا میک اَپ میں تھا؟"

"میں نہیں جانتی۔" میں نے جواب دیا لیکن رضوی نے میرا جواب پُورا نہیں سُنا تھا۔ وہ ایک بار پھر انٹرکام کے پاس پہنچ گیا اور اُس نے سوئچ آن کر دیا۔

"ہیلو...؟"

"جی سر۔ میں بول رہا ہوں۔"

"کوئی اور رپورٹ؟"

"جی ابھی تک نہیں۔"

"سُنو۔ اعلان نشر کرا دو۔ اُسے زندہ پکڑنے کی کوشش کی جائے۔ بشدید زخمی بھی نہ کیا جائے۔"

"جی۔ بہتر ہے۔ میں کوشش کرتا ہوں۔" دُوسری طرف سے جواب مِلا اور رضوی نے دوبارہ انٹرکام بند کر دیا پھر وہ کھڑکی کے پاس جا کھڑا ہُوا اور پھر میری طرف دیکھ کر مُسکرا کر بولا۔

"عالیہ۔ آؤ۔ تماشا دیکھو۔" میں بے اختیار کھڑکی کے پاس پہنچ گئی۔ وہی منظر تھا جسے ایک بار پہلے بھی میں دیکھ چکی تھی روشنی کی زبانیں لہرا رہی تھیں کہیں بہت دُور سے کتّوں کے بھونکنے کی آوازیں سُنائی دے رہی تھیں۔ رات کی گھور تاریکی یہ منظر بے حد پُراسرار لگ رہا تھا۔ ہم دونوں خاموشی سے وہاں کھڑے رہے۔

تلاش جس انداز میں جاری تھی اُس سے اندازہ ہوتا تھا کہ ابھی تک وہ لوگ اُسے نہیں پا سکے۔ تھوڑی دیر کے بعد میں چونک پڑی۔ بہت دُور سے کسی مشین کے اسٹارٹ ہونے کی آواز سُنائی دی تھی۔ اس آواز کو سُن کر رضوی بھی چونک پڑا اور پھر وہ بڑبڑایا۔ "شاید وہ علاقے سے باہر نکل گیا۔"

"یہ آواز ہیلی کاپٹر کی ہے؟"

"ہاں۔ وہ بیرُونی علاقے میں اُسے تلاش کرنے نکل پڑے ہیں لیکن جو شخص ان بھُول بھلیوں سے نکل جائے وہ کھُلے علاقے میں ان کے ہاتھ نہیں آئے گا۔ اب اُس کی گرفتاری ممکن نہیں ہے۔" اُس نے تیسری بار انٹرکام آن کیا۔

"سر۔ سر میں آپ کو کال کرنے ہی والا تھا۔" دُوسری طرف سے روتی سی آواز اُبھری۔

"کوئی خوشخبری؟" اطہر رضوی مُسکرا کر بولا۔

"نہیں سر۔ وہ شاید باہر نکل گیا۔ ہیلی کاپٹر اُس کی تلاش میں گیا ہے۔"

"بند کر دو۔ اس کے بعد مجھے اور کوئی اطلاع مت دینا۔" رضوی نے کہا اور سوئچ آف کر کے میری طرف مُڑا۔ "آؤ عالیہ آرام کرو۔ یہ مسخرے فضول بکواس کرتے رہیں گے آؤ۔" اور میں اُس کے ساتھ نیچے جانے والے راستے پر چل پڑی میں بڑی سُستی محسوس کر رہی تھی۔

اپنی خواب گاہ میں پہنچ کر میں نے دروازہ اندر سے بند کر لیا اور چکراتے ہُوئے ذہن کو پُرسکون کرنے کی کوشش کرنے لگی۔

نو بج گئے۔ میں نے سوچا اور طویل انگڑائی لے کر اُٹھ گئی مُنہ کا مزا خراب تھا۔ بدن بھاری بھاری ہو رہا تھا۔ آنکھیں بند کر کے دو تین بار سر جھٹکا تو اچانک کوئل کی آواز پر خیال گیا اور میں اُچھل پڑی۔ یہ مانوس آواز عام تو نہیں تھی۔ یہ خوبصورت وال کلاک میں نے جرمنی میں خریدی تھی اور اس کی آواز مخصوص

لیکن... لیکن...

میں نے گردن گھما کر ادھر اُدھر دیکھا اور پھر دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔ "میرے خُدا۔ میرے خُدا۔" میرے مُنہ سے نکلا۔ یہ میرا فلیٹ ہی ہے لیکن... لیکن... میں مضطربانہ انداز میں اُٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ "میں یہاں تک کیسے پہنچی؟ یہ ناممکن ہے امکان نہیں ہے اس کا۔"

لیکن اب اس حقیقت کو کیا کرتی۔ یہ میرا ہی فلیٹ تھا اور سنسان۔ بہت سا سامان یہاں سے ہٹا دیا گیا تھا ابھی کافی سامان یہاں موجود تھا۔ جس میں میرا ٹیلی فون تھا۔

ٹیلی فون کے تار میں نے خود کاٹ دیے تھے لیکن اس میری حیرت اور بڑھ گئی جب میں نے تار جُڑے ہُوئے کسی نے اُنہیں جوڑ دیا تھا لیکن اُن پر ٹیپ نہیں لگایا گیا یہ بات بھی فوری طور پر میری سمجھ میں نہیں آئی میں دیوانوں کی طرح چاروں طرف دیکھ رہی تھی۔ کافی دن کے بعد اس فلیٹ میں آئی تھی ایک عجیب سا احساس ہو رہا تھا جسے مناسب الفاظ نہیں دے سکتی۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ یہ نہیں معلوم تھا کہ میں کس طرح فلیٹ میں آئی ہوں۔ چند لمحے میں وہاں رُکی رہی۔ اس کے بعد کمرے سے باہر نکل آئی۔ ایک ایک کمرہ کچن اور دُوسری تمام جگہیں دیکھ ڈالیں لیکن ایسا نشان کوئی ایسی بات نہیں معلوم ہو سکی جس سے یہ پتہ ہوتا کہ میں اپنے فلیٹ میں کس طرح واپس آ گئی ہوں۔

دماغ تھا کہ چٹخا جا رہا تھا اور جب کوئی اور بات نہ بن پڑی تو میں باتھ رُوم میں چلی گئی۔ باتھ رُوم میں پہنچ کر میں نے شاور کھولا اور دیر تک اپنے بدن کو پانی کی پھواروں سے بھگوتی رہی۔ ٹھنڈے پانی نے میرا ذہنی اور جسمانی بوجھل پن کچھ کم کر دیا۔ میں نے تولیے کے لیے اِدھر اُدھر نگاہیں دوڑائیں لیکن اس ٹائپ کی کوئی چیز یہاں موجود نہیں تھی چنانچہ میں یونہی ٹپکتی ہُوئی باہر نکل آئی اور اپنے بیڈ رُوم میں پہنچ گئی۔ الماری میں تالا لگا ہُوا تھا۔ میں نے کچن سے چھُری لا کر اس کا تالا توڑ دیا۔ اس الماری میں میرے عام قسم کے لباس موجود تھے۔ اس میں سے میں نے تولیہ نکال کر اپنا چہرہ اور بال خشک کیے اور ایک ہلکا لباس نکال کر پہن لیا۔

میرا ذہن اب بھی بھُول بھلیوں میں اُلجھا ہُوا تھا تب میں بیڈ رُوم ہی کی ایک کرسی پر بیٹھ گئی اور میں نے اپنے ذہن کو یکسو کرنے کی کوشش شروع کر دی۔ دیر تک ذہن قابُو میں نہ آیا لیکن پھر آہستہ آہستہ میں معتدل ہونے لگی۔ یہ جو کچھ تھا خواب نہیں تھا اور خوابوں میں کھوئے رہنا بہتر نہیں تھا۔ مجھے یہاں پہنچایا گیا ہے کس طرح...؟ اس کا جواب ابھی میرے پاس نہیں تھا۔

دفعتاً مجھے کچن کا خیال آیا۔ ممکن ہے اس میں کافی وغیرہ کا سامان موجود ہو۔ یہ ساری چیزیں تو ہم لوگ نہیں لے گئے تھے چنانچہ میں کچن کی طرف بڑھ گئی اور اس وقت میں کافی بنا رہی تھی کہ دُور سے مجھے ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے کی آواز سُنائی دی۔ کافی کی پیالی میرے ہاتھ سے گرتے گرتے بچی تھی۔ میری ذہنی رَو نجانے کس طرف تھی۔ میں قطعی کچھ نہ سمجھ سکی پھر میرے ذہن میں آیا کہ میں نے تو ٹیلی فون کے تار کاٹ دیے تھے۔ "اوہ تو ٹیلی فون کے تار اسی لیے جوڑے گئے ہیں شاید۔" میں نے دل ہی دل میں سوچا اور لپکتی ہُوئی ٹیلی فون کے کمرے میں پہنچ گئی... میں نے جلدی سے ریسیور اُٹھا لیا تھا۔

"ہیلو عالیہ...؟" اور میں اس آواز کو پہچان گئی۔ اطہر رضوی کے علاوہ کسی کی آواز نہیں تھی۔

"ہیلو رضوی صاحب۔" میں نے لہجے کو پُرسکون بناتے ہُوئے کہا۔

"کیسے مزاج ہیں عالیہ؟"

"نہایت ہی عُمدہ۔ آپ کے اس ڈرامے پر میں آپ کی توقع کے مطابق ہی حیران ہو رہی ہُوں۔" میں نے جواب دیا۔

"اوہ۔ اوہ۔ وَیری گڈ۔ بات کرنے کا ڈھنگ تمہارے پاس بہت اچھا ہے۔ مجھے تمہاری اس بے باک فطرت سے ہمیشہ خوشی ہوتی ہے عالیہ۔ بہرصُورت کیا محسوس کر رہی ہو؟"

"میں نے کہا نا اتنی ہی حیران ہُوں جتنی آپ توقع کر رہے ہوں گے۔" میں نے پھر سنجیدہ لہجے میں جواب دیا۔

"دراصل عالیہ۔ میں نے اپنی سوچ میں تھوڑی سی تبدیلی پیدا کی ہے۔" رضوی صاحب نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"مثلاً...؟" میں نے پوچھا۔

"رات کو وہ شخص جس نے اپنا نام نجانے کیا بتایا تھا میں تو بھُول بھی گیا، فرار ہو جانے میں کامیاب ہو گیا اُس نے حسبِ معمول بلکہ حسبِ توقع یہاں کافی خُون ریزی کی ہے اور میرے دستِ راست قادر علی کے علاوہ بھی کئی افراد قتل ہو گئے ہیں۔ یُوں سمجھ لو کہ اُس نے ایک طرح سے جنگل کا وہ نظام ناکارہ کر دیا ہے جس پر مجھے بہت

نازتھا اور جس کے بارے میں میرا یہ خیال تھا کہ یہاں آنے کے بعد کسی شخص کا بچ نکلنا معجزہ ہی ہو سکتا ہے۔ بہرحال وہ میرے آدمیوں کے ہاتھ نہیں آسکا اور مجھے اس کی اطلاع مل چکی ہے چنانچہ عالیہ میرے سوچنے کے اس انداز میں ذرا سی تبدیلی پیدا ہوئی۔ میں نے اب تک تم سے تعاون کی بات کی تھی... میں نے تمہیں پیش کش بھی کی تھی کہ میں تمہارے لیے اس معمولی سی خاموشی کے عوض کیا کر سکتا ہوں لیکن تم نے قبول نہیں کیا۔ میں اپنے بچوں سے بے حد پیار کرتا ہوں۔ میں انہیں اپنی زندگی سے زیادہ چاہتا ہوں۔ اگر انہیں کسی قسم کی کوئی تکلیف پہنچی تو میرا وجود بھی بیکار ہو کر رہ جائے گا۔ چنانچہ جب میں نے تمہارے الفاظ پر غور کیا تو مجھے یہ احساس ہوا کہ تم میرے بچوں کی دشمن نمبر ایک ہو... مجھے تمہاری سوچ سے اختلاف نہیں ہے بے شک وہ ایک اچھی سوچ ہے لیکن میری بھی کچھ مجبوریاں ہیں عالیہ۔ اب میں تم سے ان کا رونا نہیں روؤں گا بلکہ میں تم سے ایک بات ٹھوس لہجے میں کہتا ہوں۔ عالیہ بیگم تمہیں آزادی ہے کہ جس طرح چاہو میرے خلاف عمل کرو۔ تم وہ جگہ بھی دیکھ چکی ہو اور اس کی نشاندہی بھی بخوبی کر سکتی ہو لیکن سنو عالیہ ان تمام باتوں سے تمہیں کچھ حاصل نہ ہوگا۔ میں نے اب تک جو پوزیشن بنائی ہے، حکومت کی نگاہوں میں میرا جو وقار ہے اس کے تحت مجھے یقین ہے کہ جو کچھ میں نے دیا ہے اسے میں واپس مانگنے کا حق بھی رکھتا ہوں اور مجھے وہ چیزیں واپس ہوں گی لیکن اس شکل میں کہ تمہاری ہر بات کو رد کر دیا جائے، چنانچہ عالیہ آؤ... میرے مقابل آؤ اور جو کچھ میرے خلاف کر سکتی ہو کرو۔ میں نے تمہیں آزادی دے دی ہے۔ ایک اچھائی پر عمل کر رہی ہو بہتر بات ہے لیکن کاش میری مجبوریوں کو سمجھ سکتیں۔" اطہر رضوی نے کہا اور میں حیرانی سے اس کی گفتگو سنتی رہی۔ جب میں نے محسوس کیا کہ اس کی بات ختم ہو گئی ہے تو میں بولی۔

"اس گفتگو کے بعد مجھے کیا کہنا چاہیے مسٹر رضوی؟"

"کچھ نہیں۔ میں نے سوچا اپنے فلیٹ میں آ کر تم حیران ہو رہی ہو گی۔ میں تمہاری حیرت رفع کر دوں۔ ویسے اس فلیٹ سے تم شفٹ ہو گئی ہو شاید؟"

"جی ہاں۔"

"کہاں چلی گئی ہو؟"

"بتاؤں گی نہیں۔" میں نے ہنس کر کہا۔

"تمہاری مرضی ہے لیکن میں ایک بات تمہیں ضرور بتا دوں۔ اب مجھے تمہاری ذات سے کوئی دلچسپی نہیں رہی۔ میری طرف سے مطمئن رہو۔ میرا کوئی آدمی اس کے بعد تمہارا رخ نہیں کرے گا۔ میں تمہیں مکمل آزادی دے چکا ہوں۔"

"آپ بے حد پُراعتماد ہیں رضوی صاحب؟"

"ہاں عالیہ۔ بہرحال میں نے زندگی بھر بھاڑ نہیں جھونکا۔ تنویر اور نادر محفوظ ہیں انہیں کوئی گزند نہیں پہنچ سکتی۔"

"ممکن ہے ایسا ہی ہو۔"

"اچھا پھر خدا حافظ۔"

"ایک منٹ رضوی صاحب۔ کیا آپ خود مجھے یہاں چھوڑنے آئے تھے؟ آپ نے فلیٹ کے بارے میں گفتگو کی تھی نا...؟"

"ہاں میں خود آیا تھا۔"

"مجھے بے ہوش کیا گیا تھا؟"

"ہاں۔ یہ ضروری تھا۔"

"آخری بات رضوی صاحب۔"

"کہو کہو ضرور کہو؟"

"اگر میں آئندہ کبھی آپ سے رابطہ قائم کرنا چاہوں تو؟"

"تو اس میں کیا قباحت ہو گی تمہیں؟"

"میرا مطلب ہے..."

"اطہر رضوی کے ٹیلی فون نمبر ڈائرکٹری کے صفحات میں بکھرے پڑے ہیں کسی بھی نمبر پر رنگ کر کے وقت لے سکتی ہو۔ اس کے علاوہ میری شہری رہائش گاہ موجود ہے جہاں چاہو رابطہ قائم کر سکتی ہو۔"

"بہتر ہے شکریہ۔" میں نے جواب دیا اور دوسری طرف سے فون بند ہو گیا۔ میں نے بھی ریسیور رکھ دیا تھا۔

میں دیر تک بیٹھی رہی پھر میں نے ذہن جھٹک دیا اور دوبارہ ٹیلی فون کے پاس پہنچ گئی۔ سب سے پہلے میں نے عابدہ لاج میں رنگ کیا تھا۔ دوسری طرف سے مس میری نے فون اٹھایا تھا۔ "ہیلو مس میری؟"

"اوہ عالیہ۔" مس میری کی چیخ سنائی دی تھی۔ "کہاں؟ تم خیریت سے ہو نا...؟"

"بالکل ٹھیک ہوں مس میری۔ شمس کہاں ہے؟"

"دوسرے کمرے میں ہے۔ میں ابھی بلاتی ہوں۔"

"اوہ ٹھہرو مس میری۔ یہ بتاؤ ناصر صاحب کہاں ہیں؟"

"آرام کر رہے ہیں۔ ڈاکٹر نے انہیں مکمل آرام کا مشورہ دیا ہے" مس میری نے کہا۔

"کیا کیفیت ہے ان کی میرا مطلب ہے... انہیں کیا ہوا ہے؟"

"شدید زخمی ہیں۔ شمس کہتی ہیں کہ ان کے پیٹ میں دو گولیاں لگی ہیں۔ اس کے علاوہ ٹانگیں اور بازو بھی زخمی ہیں۔"

"ہوں۔ کوئی خطرے کی بات تو نہیں ہے؟"

"نہیں۔ جب بھی ہوش آتا ہے شمس انہیں انجکشن لگا دیتی ہیں۔"

"انہوں نے اپنے زخمی ہونے کے بارے میں کچھ نہیں بتایا؟"

"نہیں۔"

"ڈاکٹر کون لایا تھا؟"

"ملک صاحب۔ ڈاکٹر صاحب ملک صاحب کے... دوست تھے۔"

"ملک صاحب کون ہیں؟"

"وہی ملک صاحب جو ہمارے ہاں رہتے ہیں۔ ناصر کے دوست ہیں۔"

"اوہ۔ اچھا اچھا۔ بہرحال شمس سے ابھی گفتگو نہیں کروں گی۔ اس سے کہنا میں بخیریت ہوں بہت جلد وہاں آؤں گی۔"

"کب آؤ گی؟" مس میری نے پوچھا۔

"خدا حافظ۔" میں نے اس بے وقوفی کی بات کا جواب دینا نہیں سمجھا تھا اور پھر ڈسکنکٹ کر کے میں نے صباحت کے فون نمبر ڈائل کیے اور ریسیور کان سے لگا لیا۔

"صباحت رضوی۔" صباحت صاحب کی آواز سنائی دی۔

"خادمہ عالیہ۔"

"اوہ کیسی ہو چیف؟"

"بالکل ٹھیک۔ آپ سنائیے۔"

"بس عیش ہو رہے ہیں تمہارے راج میں۔ اسٹاف کو شکایت پیدا ہو گئی ہے۔"

"کیوں؟" میں نے پوچھا۔

"سب اس بات پر احتجاج کر رہے ہیں کہ عالیہ کا استعفا منظور کیا گیا۔ وہ شاید تم سے رابطہ قائم کرنے کے بارے میں سوچ رہے ہیں۔" صباحت صاحب نے بتایا۔

"اوہ۔ آپ کسی طور ان کو سنبھال لیں یا پھر کہہ دیں کہ میں آنے پر غور کر رہی ہوں۔" میں نے کہا۔

"خوش آمدید مس عالیہ۔ ہمارے اخبار کے دروازے ہمیشہ آپ پر کھلے ہوئے ہیں۔" صباحت صاحب نے ازراہ مذاق کہا اور میں ہنس پڑی۔

"شکریہ جناب۔ میں آپ کی خادم ہوں۔" میں نے کہا اور پھر خدا حافظ کہہ کر فون بند کر دیا۔ آخری فون میں پوائنٹ تھری کرنا چاہتی تھی لیکن میں نے اس وقت مناسب نہیں سمجھا۔ ان لوگوں سے بھی فضول باتیں کرنی پڑیں گی اور اب میرا ان باتوں کے لیے دل نہیں چاہ رہا تھا۔ میں یکسو ہو کر سوچنا چاہتی تھی۔ اپنے اسی مخصوص انداز میں جو سوچنے میں مجھے بہت مدد دیتا تھا۔ اس طرح وہ سارے پوائنٹ میری نگاہوں میں رہتے تھے اور اس وقت تو ایک طویل تفصیل میرے سامنے تھی۔ ٹوٹے ہوئے تمام دھاگوں کے سرے مربوط ہو گئے تھے اور اب انہیں ایک مکمل شکل دینی تھی چنانچہ میں اپنے مخصوص کمرے میں آ گئی جہاں میری رائیٹنگ ٹیبل موجود تھی۔ اس میں میری ضرورت کا سامان بھی مل گیا اور میں خیالات میں گم ہو گئی۔

"خصوصی بات۔" میں نے لکھا۔

"ان لوگوں کو میرے فلیٹ کے علاوہ اور کوئی ٹھکانہ معلوم نہیں ہے ورنہ وہ مجھے اس جگہ پہنچانے کی کوشش کرتے۔ گویا دوسری دونوں جگہیں محفوظ ہیں۔"

"پرانے حالات۔"

"بالآخر اصل شخصیت یعنی اطہر رضوی اس شخص کی حیثیت سے سامنے آ گیا جو ان بھیانک جرائم کے پس پردہ تھا۔"

"اس کی شخصیت۔"

"عام حالات میں وہ ایک نارمل اور کافی شریف انسان ہے لیکن اولاد کی محبت نے اسے دیوانہ کر دیا ہے اور وہ ہر قیمت پر ان شیطانوں کو زندہ رکھنا چاہتا ہے محبت کا جنون اسے تمام اقدار سے بالاتر کر دیتا ہے۔"

"اطہر رضوی ایک بااثر شخصیت ہے اور اس کے خلاف کوئی باقاعدہ مہم مشکل سے ہی کامیاب ہو گی اس لیے اس کے خلاف اقدامات کرنے سے قبل بہت کچھ سوچنا ہو گا۔"

"اس کے لوگ دور دور تک پھیلے ہوئے ہیں اور اس کے مفادات کی نگرانی کرتے ہیں۔ کوئی ایسی ترکیب۔ کوئی ایسا داؤ۔" اور اس کے بعد میں دیر تک سوچتی رہی۔ کوئی ترکیب ذہن میں نہیں آتی تھی... پھر میرے ذہن میں ایک اور خیال ابھرا۔ میں نے لکھا۔

"جیک فیرل؟"

"بُقراط۔"

"تصورِ عالم۔" اور یہ خیال سب سے دلکش تھا... وہ شخص بھرپور رہے۔ کوئی ایسی ترکیب۔ کوئی ایسی کوشش لیکن اس سے مُلاقات۔ نواب زادہ تصورِ عالم۔ ان کی کوٹھی۔"

اور میں دُور کی ایک کوڑی لے ہی آئی۔ میرے ہونٹوں پر مسرت آمیز مُسکراہٹ پھیل گئی۔ دُوسرے لمحے میں نے پنسل ہاتھ سے رکھ دی اور دوبارہ فون کے قریب پہنچ گئی۔ میں نے فرزانہ اور افشاں سے رابطہ قائم کرنے کا فیصلہ کیا تھا اور پھر فون پر افشاں مل گئی۔

"حضور کی خادمہ عالیہ بول رہی ہے۔"

"اوہ۔ عالیہ باجی۔ خیریت بتایئے۔"

"بالکل ٹھیک ہُوں۔"

"مصروفیت ختم ہو گئی آپ کی؟"

"کون سی مصروفیت؟"

"شمس بتا رہی تھیں آپ کسی ضروری کام سے باہر گئی ہیں۔"

"ہاں بس پندرہ منٹ قبل تمہارے شہر میں وارد ہوئی ہُوں۔ شمس سے بھی ابھی تک مُلاقات نہیں ہُوئی۔"

"پہلے مجھے فون کیا ہے؟"

"ہاں بھئی۔ تمہاری ناراضگی کا بہت خوف رہتا ہے۔"

"اوہ۔ شکریہ باجی۔ بہت بہت شکریہ۔"

"فرزانہ کہاں ہیں؟"

"گئی ہُوئی ہیں۔ ایک دلچسپ بات بتاؤں؟"

"ضرور بتاؤ۔"

"ایک رشتہ آیا ہے فرزانہ باجی کے لیے اور آج کل وہ چکرائی ہُوئی ہیں۔ ڈیڈی نے بڑی دیر اُن سے گفتگو کی ہے۔"

"کیا...؟" میں نے پوچھا۔

"مجھے شریک نہیں کیا گیا اس گفتگو میں لیکن مجھے یقین ہے شادی کے بارے میں ہی بات چیت ہُوئی ہوگی۔"

"فرزانہ نے کچھ نہیں بتایا؟"

"نہیں اور اسی وجہ سے میں اُن سے ناراض ہو گئی ہُوں آج اسی لیے اُن کے ساتھ باہر بھی نہیں گئی۔"

"ایک بات بتلاؤ افشاں؟"

"جی...؟"

"کیا تمہارے خیال میں فرزانہ کے دل میں اب تصورِ عالم کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے؟"

"میں خود بھی اسی کُرید میں ہُوں باجی۔ ممکن ہے فرزانہ باجی کے دل کی گہرائیوں میں کوئی خیال ہو۔"

"اگر ایسی بات ہے تو صُورتِ حال بہت خراب ہو جائے۔"

"ہاں مجھے بھی تشویش ہے۔"

"فرزانہ کھلے تو کچھ سوچا جائے اس بارے میں۔ بھئی کوئی المیہ نہیں ہونا چاہیے۔" میں نے کہا۔

"آپ بہ آسانی اُنہیں کھول سکتی ہیں۔" افشاں بولی۔

"میں کوشش کروں گی۔ ہاں بُقراط صاحب سے کب مُلاقات ہُوئی؟" میں نے پوچھا۔

"بس اُس رات کے بعد نہیں ہُوئی۔ رات کو ہم انکل کی کوٹھی میں ہی رہے تھے۔ تقریب کے بعد وہ ہاتھ ہی آئے اور پھر علی الصباح غائب ہو گئے لیکن ابّو نے ایک ہی کہانی سُنائی ہے۔"

"کیا؟" میں نے دلچسپی سے پوچھا۔

"تایا جان کا فون آیا تھا ابّو کے پاس۔ تصور بھائی دِن سے غائب ہیں جس رات تقریب ہُوئی تھی کسی کو کوئی اطلاع نہیں ہے۔ تایا جان ناراض ہو رہے تھے۔ کہہ رہے تھے کہ ابّو نے خواہ مخواہ ایک ایسی کوشش کی ہے جس کا کوئی نتیجہ نہیں ہے وہ بگڑا ہُوا شخص کبھی راہِ راست پر نہیں آ سکتا۔ اس بات پر ابّو نے پھر تایا جان سے جھگڑا کیا۔"

"اوہ۔ وہ کیوں؟" میں نے لہجے کی کپکپاہٹ پر قابو پاتے ہُوئے کہا۔ یہ خبر پھر میرے اعصاب پر تشنج کا باعث بن گئی تھی کہ بُقراط اُسی رات سے غائب ہے۔ وہ خیال پھر میرے ذہن پر حاوی ہو رہا تھا کہ جیک فیرل دراصل بُقراط تھا۔

"ابّو نے کہا کہ تایا جان نے اپنی آتش مزاجی سے اس حال پر پہنچایا ہے اب وہ پھر وہی تیزی دِکھا رہے ہیں۔ تصور بھائی کو آہستہ آہستہ راہِ راست پر لایا جائے۔"

"ہُوں۔ پھر کیا؟"

"تایا جان ٹھنڈے ہو گئے ہیں۔"

"پھر بُقراط واپس آئے ہیں یا نہیں؟"

"معلوم نہیں۔"

"خیر ٹھیک ہے۔ میں جلدی تم سے ملوں گی افشاں۔ پھر دوسرے موضوع پر گفتگو کریں گے۔ یعنی فرزانہ کی شادی کے سلسلے میں۔ خدا حافظ۔" میں نے کہا اور فون بند کر دیا۔

اس کے بعد میں نے سارے کاغذات پھاڑ دیے۔ ...کا استعمال اب ضروری نہیں تھا اس لیے میں نے فون ...پھر الگ کیے اور اس کے بعد میں وہاں سے نکل آئی۔ ...ناصر کو دیکھنا چاہتی تھی۔

ٹیکسی مجھے لے کر چل پڑی اور تھوڑی دیر کے بعد ...مخصوص فاصلے پر اُتر پڑی۔ جہاں سے مجھے پیدل سفر ...کوٹھی میں داخل ہو کر میں سیدھی اندرونی حصّے میں ...دوسرے لوگ مجھے دیکھ کر چونک پڑے تھے۔

...مس میری سے ملاقات ہُوئی۔ کسی کو میرے اُوپر گزرنے ...واقعات کا علم نہیں تھا سوائے شمس کے۔ شمس کو ناصر ...نے بتایا ہوگا۔ نہ جانے اُس بے چاری کی کیا حالت ہوگی ...بہر حال میں پہلے شمس کے کمرے میں ہی داخل ہُوئی۔ ...ہی کمرے میں تھا اور شمس نے اُس کی تیمارداری کے ...سنبھال رکھے تھے۔ مس میری نے شاید شمس کو میرے ...آنے کی اطلاع دے دی تھی اس لیے شمس کے انداز میں ...بہت بڑا تاثر نہیں پیدا ہُوا، وہ ناصر کے پاس سے ...میرے نزدیک آ گئی تھی پھر وہ گہری نگاہوں سے مجھے ...دیکھنے لگی۔

"خدا کا شکر ہے کہ تم بخیریت ہو، یہ پیشانی پر ٹیپ ...کیسا لگا ہُوا ہے؟" اُس نے پوچھا۔

"پہلے تم بتلاؤ ناصر کی کیا حالت ہے؟"

"اب بالکل ٹھیک ہے۔ کافی زخمی ہو گیا تھا بے چارا ...اس لیے سخت پریشان تھا۔"

"اِس وقت کیا سو رہا ہے؟"

"ہاں... انجکشن کے زیرِ اثر ہے۔" شمس نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے، ویسے ناصر نے تمہیں تفصیلات تو بتائی ہیں؟"

"زیادہ نہیں، وہ بے حد محتاط شخص ہے۔ اُس نے یہی ...کہ تم پر حملہ ہُوا تھا لیکن حملہ آور شاید کامیاب نہیں ...دراصل ناصر کی ذہنی حالت ایسی تھی ہی نہیں کہ وہ ...صحیح بات بتا سکتا۔" شمس نے کہا۔

"اوہ۔ تمہاری ذہنی حالت کا کیا عالم ہے؟"

"میں اس سلسلے میں کوئی بات نہیں کروں گی پلیز۔" ...نے جواب دیا اور مجھے اب اُس کی سنجیدگی کی وجہ معلوم ...وہ مجھ سے بہت زیادہ ناراض تھی۔

"ناراض ہو مجھ سے شمس؟"

"نہیں عالیہ۔ پلیز مجھ سے ایسی باتیں مت کرو۔"

"ارے ارے ارے۔ اگر فضول باتیں کروگی نا تو ایک تھپڑ لگا دوں گی۔" میں نے کہا اور شمس کی آنکھوں سے آنسو لڑھک پڑے۔

"خدا کی پناہ بھئی عورت ہونے میں یہ سب سے بڑا نقصان ہے۔ مرد دوست اگر ناراض بھی ہوتے ہیں تو کم از کم روتے دھوتے تو نہیں لیکن عورتوں کا مسئلہ بڑا ٹیڑھا ہے۔ جہاں کوئی ایسی ویسی بات ہُوئی لگی دھاڑیں مارنے، آخر ایسی کیا بات ہو گئی مجھ سے؟"

"کچھ نہیں عالیہ خدا کی قسم کچھ نہیں۔ بس یُوں ہی آنکھوں میں آنسو نکل آئے ہیں۔ ناصر کو اِس قدر زخمی دیکھنے کے بعد اور تمہیں نہ پا کر میرے ذہن میں نجانے کیا کیا خیالات آ رہے تھے، بس اب تمہیں دیکھ کر ٹھیک ہو گئی ہُوں۔ دراصل مجھے صرف اس بات کا افسوس ہے کہ مجھے حالات سے لاعلم رکھا گیا..."

"گویا مجھے اس بات کا علم تھا کہ میں تمہیں چھوڑ کر باہر نکلوں گی اور ہمارے اُوپر حملہ ہوگا۔ ناصر زخمی ہو جائے گا۔ میں گرفتار ہو جاؤں گی۔ اگر مجھے یہ ساری باتیں معلوم ہوتیں شمس تو میں پوری تفصیل تمہیں بتا کر باہر نکلتی تاکہ تم گرفتاری کی جگہ تو پہنچ سکتیں۔"

"گرفتار...؟" شمس نے ہکلاتے ہُوئے لہجے میں پوچھا۔

"ہاں۔ ان دنوں میں قید رہی ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

"کس کی قید میں رہی ہو؟"

"ساری تفصیل کھڑے کھڑے پُوچھ لوگی؟"

"اوہ سوری۔ بیٹھو۔" شمس نے کہا اور میں ناصر کے نزدیک ہی بیٹھ گئی۔ بے چارہ ناصر سخت کمزور نظر آ رہا تھا اُس کی آنکھوں میں حلقے پڑے ہُوئے تھے۔ بہر حال یہ وفادار شخص تھا۔ نہایت قابلِ اعتماد۔

میں دیر تک ناصر کے بارے میں معلومات حاصل کرتی رہی۔ مس میری نے کافی بتا کر ہم دونوں کو پیش کر دی تھی اور پھر میں شمس کو اپنی گرفتاری اور اُس حملے کے بارے میں بتانے لگی۔

شمس ششدر رہ گئی تھی۔ "گاڑی تباہ ہو گئی؟" اُس نے بے اختیار کہا۔

"ہاں۔ ناصر نے نہیں بتایا؟"

"نہیں۔ میں نے کہا نا۔ اُس نے کوئی تفصیل نہیں بتائی۔"

"بہرحال شمس۔ مجرم سامنے آگیا اور اس کے ساتھ ہی اس مجرم کی کہانی بھی لیکن ایسی دماغ خراب کر دینے والی باتیں ہیں کہ بس پاگل ہونے کی کسر باقی رہ گئی ہے۔"

"مناسب سمجھو تو مجھے بتا دو؟"

"یہ مناسب اور نامناسب کیا ہے؟ شمس میں ناراض ہو جاؤں گی۔ میں جن حالات سے گزری ہوں اس کے بعد مجھے سکون اور ہمدردی چاہیے نہ کہ مجھ سے طنزیہ باتیں کی جائیں۔" میں نے کہا۔

"تو پھر بتاؤ نا۔" شمس بولی اور میں نے آہستہ آہستہ اُسے پوری تفصیل بتا دی۔ شمس آنکھیں پھاڑے سب کچھ سُن رہی تھی۔ میرے خاموش ہونے کے بعد وہ دیر تک گم صُم بیٹھی رہی پھر بمشکل تمام بولی۔

"گویا... گویا کھیل ختم ہو گیا؟"

"کیوں؟ کھیل ختم کہاں ہوا؟"

"مجرم تمہارے سامنے ہے؟"

"ہاں... اور یہ سب سے زیادہ دردناک بات ہے شمس۔"

"کیوں؟"

"میری شدید محنت بار آور ہو گئی ہے لیکن اس کے بعد میرے ہاتھ پاؤں کس کر باندھ دیے گئے ہیں۔"

"میں نہیں سمجھی؟"

"اطہر رضوی اگر چاہتا تو مجھے قتل کر کے ہمیشہ کے لیے خاموش کر سکتا تھا لیکن اب وہ اپنی قوت کے مظاہرے پر تُل گیا ہے۔"

"وہ کیسے؟"

"اُس پر ہاتھ ڈالنا آسان تو نہ ہوگا۔"

"کیا قانون تمہاری مدد نہیں کرے گا؟"

"کرے گا لیکن میرے پاس ثبوت کہاں ہیں... میری آنکھیں یا زبان ثبوت تو نہیں بن سکتیں اور پھر... اطہر رضوی کے تعلقات..."

"تعلقات ایک حد تک ہی ساتھ دیتے ہیں۔ کیا حکومت کسی ایسے مجرم کو چھوڑ سکتی ہے جس نے اپنی انا کی تسکین کے لیے اتنی معصوم اور بے گناہ لڑکیوں کو قتل کر دیا ہو...؟" شمس نے کہا۔

میں خاموش ہو گئی۔ شمس کو اس بارے میں کو
جواب نہیں دے سکتی تھی۔ اب یہ تو آنے والا وقت بتا
کہ کون سے معاملے میں مجھے کیا کامیابی نصیب ہوگی...

"اس کے علاوہ جیک فیرل۔ کیا تم نے میک
اندازہ نہیں لگایا؟" شمس دوبارہ بولی۔

"شمس۔ وہ شخص جس سطح کا ہے اُس کے تحت
اُس کے بارے میں کچھ نہیں جان سکتے، میں فراخ دل
حقیقتوں کو تسلیم کر لینے والوں میں سے ہوں اور یہ با
میں عار نہیں محسوس کرتی کہ اگر وہ بقراط ہے۔ میرا مطلب
تہور عالم کا بیٹا تصور عالم، تو یہ شخص عام انسانوں
سے بہت اونچا ہے۔ اُس نے اطہر رضوی جیسے عفریت
شکست دی ہے۔ اس کی اتنی مضبوط قلعہ گاہ سے نکل
بات نہیں تھی، خاص طور سے ان حالات میں جب کہ اطہ
اور اُس کے گرگے پوری طرح سے اُس کی حفاظت پر
تھے، اس کے علاوہ اُس نے اطہر رضوی کے دستِ راست
قادر بھیڑیے کو جس انداز میں قتل کر دیا، میرا خیال ہے
رضوی خواب و خیال میں بھی یہ بات نہیں سوچ سکتا

"تم سوچو، جو شخص ایک آدمی پر اپنے اس عظیم الشا
یا جرائم خانے کے سلسلے میں پورا بھروسہ رکھتا ہے اُس
اُس کے اتنے بڑے معتمد کو اس انداز میں ہلاک کر دیا جا
کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ میں دعوا کرتی ہوں شمس کہ اگر
کو بقراط پورے اعتماد کے ساتھ مل جائے تو شاید وہ اُسے
پر اپنے ساتھ رکھنے پر آمادہ ہو جائے گا۔"

"اگر ایسی بات ہے عالیہ تو پھر تم اس سے ملاقات نہیں کرتیں؟"

"بقراط سے؟"

"ہاں۔"

"نہیں شمس اس میں بھی ایک قباحت ہے۔"

"کیا...؟" شمس نے پوچھا۔

"یہ سارا معاملہ میری کسی کمزوری کی بنیاد نہیں
اپنا کوئی جرم چھپانے کے لیے تگ و دو نہیں کر رہی
اور سماجی معاملہ ہے۔ اگر وہ محبِ وطن ہے تو اُسے
نشانہ ہونا چاہیے اور اگر وہ خود ہی کسی سرخروئی کا خواہا
مجھے اُس کی مدد کی ضرورت نہیں ہے۔"

"اوہ..."

"ہاں شمس، میں اب اُس سے نہیں ملوں گی۔"

"میں تمہارے جذبات سمجھ رہی ہوں۔" شمس نے گردن ہلا
ی وقت ناصر نے کراہ کر کروٹ بدلی تھی۔ وہ ہوش میں آگیا
لچہ میں اُس کی طرف متوجہ ہو گئی اور پھر میں اُس کے قریب
ناصر مجھے دیکھ رہا تھا۔

"ہیلو ناصر..." میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"آپ کیسی ہیں چیف؟" وہ بولا۔

"بالکل ٹھیک ناصر۔"

"سوری چیف۔ میں۔ میں..."

"گریٹ ناصر۔ یہ ساری باتیں فضول ہیں بس جلدی سے
ہو جاؤ۔ مجھے تمہاری ضرورت ہے۔"

"میں اب ٹھیک ہو جاؤں گا چیف۔"

"میں نے سارے پروگرام اُس وقت تک کے لیے ملتوی
ہیں جب تک تم ٹھیک نہ ہو جاؤ۔"

"شکریہ چیف۔" ناصر کے چہرے پر سکون جھلکنے لگا اور پھر
ک مجھ سے باتیں کرتا رہا پھر شمس نے اُسے آرام کی...
اور ہم دونوں باہر نکل آئے۔

"کس قدر مطمئن نظر آ رہا ہے وہ۔ اب تک شدید اضطراب
ر رہا تھا۔"

"نیک اور وفادار آدمی ہے۔ اچھا شمس اب میں چلتی
میں نے کہا اور تیار ہو کر باہر نکل آئی۔ میرے ذہن میں
ص پروگرام نہیں تھا۔ بس یونہی آوارہ گردی کرنے کو دل
تھا۔ عابدہ لاج میں کئی کاریں ہو گئی تھیں۔ میں اُن میں
ے کار لے کر نکل پڑی۔

اس وقت بلوسائن ریستوران کے سامنے کار روک کر
چ رہی تھی کہ کیوں نہ کچھ دیر ریستوران میں بیٹھوں۔ کہ
یہ صورت کار میرے نزدیک آ کر رُک گئی۔

"خاتون۔ آپ نے غلط پارکنگ کی ہے۔ براہِ کرم کار سائیڈ
ی کر دیں۔" کار میں سے کسی نے کہا اور میں نے چونک
سلطان تھا جو پولیس کار میں تھا اور ڈی۔ ایس۔ پی
ی میں جچ رہا تھا۔

"اوہ۔ ہیلو سلطان...؟" میں نے خوش دلی سے کہا۔

"کسی پولیس والے کے ساتھ ایک کپ چائے پینے میں
اعتراض تو نہ ہوگا؟" اُس نے کہا۔

"نہیں۔ آؤ..." میں نے کہا اور کار مناسب جگہ پارک
کر کے سلطان کے ساتھ اندر داخل ہو گئی۔ بلوسائن اعلا درجے کے ریستورانوں میں سے تھا۔ اس کے خنک ہال میں چند میزیں بھری ہوئی تھیں۔ ہم دونوں ایک میز کے گرد بیٹھ گئے۔

"تو ڈی ایس پی بن گئے ہو؟" میں نے مسکرا کر پوچھا۔

"ہاں۔ تم تو جل گئی ہوگی؟" سلطان نے ازراہِ مذاق کہا۔

"نہیں۔ میں ایسی باتوں پر غور نہیں کرتی۔"

"تو مجھے مبارک باد دو۔" سلطان بولا۔

"یہ بھی نہیں کر سکتی سلطان۔ یہ مقدس عہدہ ایک غلط شخص کو دیا گیا ہے۔ تم جیسے لوگ اس کے حقدار نہیں ہوتے۔"

"اس قدر صاف گوئی بھی اچھی نہیں ہوتی عالیہ۔ میں نے آخر تمہارا کیا بگاڑا ہے اور پھر اگر ہم اتنے ہی دُور ہیں تو پھر یہاں بیٹھنے کی کیا ضرورت تھی۔" سلطان نے کہا۔

"سوری سلطان۔ بہرحال ہم شناسا ہیں لیکن میں نے اصول کی بات کہی ہے۔ میں جانتی ہوں کہ تم بشیر احمد جلالی کے آلۂ کار رہے ہو۔"

"ایسی بات نہیں ہے عالیہ۔ بے شک میں تمہاری بات سے انحراف نہیں کروں گا لیکن اگر میں وہ سب کچھ نہ کرتا تو اپنے عہدے سے معزول ہو جاتا اور میری جگہ کوئی دُوسرا یہ سب کچھ کرتا..."

"میں ضمیر کی بات کر رہی ہوں۔ خیر چھوڑو ان باتوں کو اور سُناؤ اس کے علاوہ کیا مشاغل ہیں؟"

"شادی کر رہا ہوں۔"

"اس کی مبارک باد قبول کرو۔" میں نے کہا لیکن اس وقت میں چونک پڑی۔ میرے تصور میں بھی نہیں تھا کہ بقراط سے یہاں ملاقات ہو سکتی ہے۔ وہ ایک عمدہ سُوٹ میں ملبوس یہاں داخل ہوا تھا۔ تنہا تھا۔ ہم پر نگاہ پڑی تو سیدھا ہماری میز کی طرف آگیا۔

"ہیلو مس عالیہ۔ ہیلو مسٹر گلفام؟" اُس نے گردن خم کر کے کہا۔

"سلطان؟" سلطان نے تصحیح کی۔

"کیسے مزاج ہیں آپ حضرات کے؟ کیا میں آپ کے ساتھ بیٹھ سکتا ہوں؟"

"ہم ضروری گفتگو کر رہے ہیں تصور عالم صاحب۔ اُمید ہے آپ محسوس نہ کریں گے۔" میں نے خشک لہجے میں کہا۔ وہ ٹھٹک گیا پھر ایک دم مسکرا کر بولا۔

"تب میں آپ کو ڈسٹرب نہیں کروں گا لیکن براہِ کرم

میری چائے میری میز پر بھجوادیں۔ میں انتظار کر رہا ہوں۔ بات دراصل یہ ہے کہ دفتر سے اُٹھا تو پرس میز کی دراز میں بھول آیا۔ ویسے یہ دلچسپ بات ہے۔ انسان اگر دولت مند کے نام سے مشہور ہو جائے تو پھر اُسے پرس جیب میں رکھنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ کوئی اُسے قلاش سمجھ ہی نہیں سکتا۔ دولت مند ہونے کے بہت سے فوائد ہیں جن پر کسی وقت تفصیلی روشنی ڈالوں گا۔ تو براہِ کرم میری چائے میری میز پر بھجوادیں۔۔۔" وہ تھوڑے فاصلے پر دُوسری میز کے گرد پڑی ہوئی ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔۔۔

میرا موڈ بُری طرح خراب ہو چکا تھا۔

اور یہ اچانک ہی ہوا تھا۔ پہلے سے میں نے بقراط کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کیا تھا۔ بس اُسے دیکھ کر اچانک سنک چڑھ گئی تھی۔ یہ شخص اگر کچھ ہے تو مجھ سے پوشیدہ کیوں رہتا ہے کیا ضروری ہے کہ یہ میرے پیچھے لگا رہے۔ کیوں یہ بن عارف کی حیثیت سے امیر الشاط کے جزیرے پر گیا تھا اور کیوں اُس نے میری آبرو اور زندگی بچائی تھی۔ اس کے بعد اگر یہ اطہر رضوی کے پاس بھی پہنچ گیا تھا تو پھر وہاں نقاب پوش بنے رہنے کی کیا ضرورت تھی۔۔۔؟

بس یہ خیالات تھے جو اس وقت میرے اعصاب پر سوار ہو گئے تھے لیکن پھر سلطان کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔

"عالیہ کس سوچ میں ڈوب گئیں؟"

"نہیں کوئی خاص بات نہیں۔"

"اس شخص کو دیکھ کر تمہارا موڈ کچھ خراب ہو گیا ہے۔"

"ہاں۔ یہ مجھے ناپسند ہے۔"

"کون ہے یہ؟ میرا خیال ہے ایک بار میں نے اسے تمہارے فلیٹ پر بھی دیکھا تھا؟" سلطان نے کہا۔

"تم اسے نہیں جانتے؟" میں نے پوچھا۔

"بس اسی حد تک کہ میں نے اسے تمہارے فلیٹ پر دیکھا تھا۔" سلطان نے جواب دیا۔

"لیکن اس نے تمہیں گلفام کہہ کر پکارا تھا؟"

"نام ذہن سے نکل گیا ہوگا۔"

"وہ تمہیں کیسے جانتا ہے؟" میں نے سوال کیا اور انسپکٹر سلطان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"اب تمہارا یہ نیاز مند اتنا غیر معروف بھی نہیں ہے۔ شعبہ ہائے زندگی کے لوگ سلطان سے واقف ہیں اور جو نہیں ہیں وہ بھی ہو جائیں گے۔ محکمہ پولیس میں اس عہدے پر آ کر کچھ دکھانا چاہتا ہوں۔" سلطان نے کہا۔

"بہت خوب۔ کیا دکھانا چاہتے ہو؟" میں نے مسکرا کر۔۔۔

"جرائم پیشہ افراد کے خلاف میں ایک ایسا جال بننا چاہتا ہوں کہ کوئی شخص جرم کرنے کے بعد چند گھنٹوں سے زیادہ آزاد نہ رہ سکے۔ اس طرح آہستہ آہستہ جرائم کی رفتار میں کمی ہوگی اور ہم ایک ایسے معاشرے کی بنیاد رکھ سکیں گے جو جرائم سے پاک ہو۔ یہ میری دلی خواہش ہے۔"

"تمہارے یہ افکارِ زرّیں میرے ذریعے اب کسی اخبار میں نہیں چھپ سکتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میں صحافت کی زندگی ترک کر چکی ہوں اور اخبار کی ملازمت میں نے چھوڑ دی ہے۔"

"اوہ۔ عالیہ۔ بات دراصل یہ ہے کہ تمہارے دل میں میرے لیے کدورت ہے۔ اگر کچھ دیر کے لیے اس کدورت کو بھول کر۔۔۔ کرو تو میں تمہارا شکر گزار ہوں گا۔ انسان کو اس کی ایک حماقت سے رد نہیں کر دینا چاہیے۔ تم مانو یا نہ مانو۔ میں اتنا بُرا انسان نہیں ہوں۔"

"میں تمہیں قیامت تک ایک اچھا انسان تسلیم نہیں کر سکتی۔ جو کچھ آنکھوں سے دیکھ اور کانوں سے سن چکی ہوں۔۔۔ کے بعد میرے خیالات میں تبدیلی کس طرح آ سکتی ہے۔" ۔۔۔ نے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"بارش کی وہ خوشگوار شام جب میں اپنے ایک دو۔۔۔ انسپکٹر سلطان کے پاس گئی تھی لیکن وہاں مجھے ایک ۔۔۔ شخص نظر آیا جس نے ایک معصوم لڑکی کی زندگی کی درخواست ٹھکرا دی تھی۔ اس کی دادرسی کرنے کے بجائے اُس نے ۔۔۔ اُس کے لیے آسان کر دی۔ ایسا بے ضمیر انسان کس طرح ۔۔۔ ہو سکتا ہے؟"

"تم میری ذات کے خلاف یہ منافرت دُور نہیں کر سکتیں عالیہ؟" سلطان نے بجھے بجھے لہجے میں کہا۔

"کر سکتی ہوں۔"

"کس طرح؟" سلطان نے پوچھا۔

"ڈی۔ ایس۔ پی بن گئے ہو۔ اصلاحِ معاشرہ کا ٹھیکہ لیا ہے تم نے۔ امینہ، شکیلہ، اور درخشاں کے قاتلوں کو گرفتار کر لو۔ ۔۔۔رے لیے تو اِن تک پہنچنا بہت آسان ہے؟"

"ہُوں۔" سلطان نے ہونٹ سکوڑ کر گہری سانس لی۔۔۔ ۔۔۔حال تم ایک ایسی بات کہہ رہی ہو جو میرے بس میں نہیں ہے۔ ۔۔۔ میں تمہیں مطمئن کر سکتا۔ تم نے مجھے اس شخص کے بارے میں نہیں بتایا۔"

"بہت بڑے آدمی کا بیٹا ہے۔ نواب زادہ تہوّر عالم کا نام ۔۔۔ ہے؟"

"اچھی طرح۔"

"اُن کا بیٹا تصوّر عالم ہے۔"

"یہ۔۔۔؟" سلطان چونک پڑا۔ "کیا واقعی یہ تہوّر عالم کا ۔۔۔ ہے؟"

"کیوں۔ تعجب کی کیا بات ہے؟"

"کسی طور نواب زادہ نہیں لگتا۔ تہوّر عالم تو بہت بڑے ۔۔۔ ہیں۔ کروڑ پتی لوگوں میں شمار ہوتا ہے۔"

"ہاں۔ کروڑ پتی لوگوں کی صورتیں تو مختلف نہیں ہوتیں؟" ۔۔۔ نے کہا۔

"بے شک لیکن آداب و اطوار تو مختلف ہوتے ہیں۔" سلطان ۔۔۔ کہا۔۔۔ اور ویٹر کو اشارہ کیا۔ اس بار اُس نے چائے میں اہتمام کے لیے کہا تھا پھر وہ بولا۔ "لیکن تم نے اس کے ساتھ بُرا سلوک کیا ہے۔"

"پھسل گئے سلطان۔" میں ہنس پڑی۔

"یہ بات نہیں مس عالیہ۔ ہمیں لوگوں کے اسٹیٹس کا خیال رکھنا ہی پڑتا ہے۔ ہماری ڈیوٹی ہے۔"

"پھر میرے خیال میں تم چائے اس کے ساتھ پیو سلطان۔ ۔۔۔ حاصل کرنے کا بہترین موقع ہے؟"

"ابھی نہیں یہ موقع پھر بھی مل جائے گا۔ ویسے کچھ عجیب ہے۔" سلطان نے بقراط کی طرف دیکھ کر کہا۔

"کیوں؟"

"تم سے بہت بے تکلف معلوم ہوتا ہے۔ ورنہ عام لوگوں ۔۔۔ چائے کے لیے اس طرح نہیں کہا جاتا۔ ویسے عالیہ میں نے ۔۔۔ بات خاص طور سے محسوس کی ہے۔"

"وہ کیا سلطان معظم؟" میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"تمہارے تعلقات اعلا پائے کے لوگوں سے ہی ہیں میں نے دُوسرے صحافیوں کو بھی دیکھا ہے۔ بے شک اخباری نمائندوں کی حیثیت سے اُن کی رسائی اعلا حلقوں میں ہوتی ہے لیکن اس بنیاد پر نہیں۔ میرے ذہن میں اس کی ایک ہی وجہ آتی ہے۔"

"وہ بھی بتا دیں عالم پناہ۔" میں نے کہا۔

"تمہارے والد کا نام۔۔۔ کاروباری حلقوں میں اُن کا نام آج بھی عزت سے لیا جاتا ہے اور لوگ اُن سے واقف ہیں۔"

"آپ کا خیال درست ہے۔"

"پھر تم اس بات سے فائدہ کیوں نہیں اُٹھاتیں عالیہ؟" سلطان نے ہمدردی سے کہا۔

"کیسا فائدہ؟"

"بھئی یہ سب تمہارے والد کے دوست ہیں۔ ہر طرح تمہاری امداد کر سکتے ہیں۔ تم کوئی کاروبار کر لو۔ یا پھر اپنا اخبار ہی نکال لو۔"

"سلطان میاں۔ نہایت بدمزا چائے ہے یہ۔ جس کے عوض ایسی گندی گندی باتیں برداشت کرنی پڑ رہی ہیں۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ تم مجھے اس چائے سے معاف رکھو؟"

"اوہ۔ خُدا کی قسم تمہاری اہانت مقصود نہیں تھی۔ بس یہ خیال یونہی میرے ذہن میں آ گیا تھا۔ تم نے ابھی کہا تھا نا کہ تم نے اخبار کی ملازمت چھوڑ دی ہے۔"

"ہاں۔ اپنی مرضی سے چھوڑی ہے اور بہت خوش ہوں۔"

"کچھ کرنے کا ارادہ ہے؟"

"ابھی تک نہیں۔"

"مالی پریشانیاں ہو گئی ہوں گی؟"

"اُن کا بھی ابھی آغاز نہیں ہوا ہے۔ ویسے اگر ایسا ہوا تو بھی مجھے پریشانی نہیں ہوگی۔ تم جیسے لوگ میرے لیے کمائی کریں گے۔ میں تمہاری ایک کل مروڑوں گی تو ایک ماہ کی ضرورت پوری ہو جائے گی۔"

"میں دوستی کے ناتے تمہاری ہر مدد کرنے کے لیے تیار ہوں لیکن وہ کل میری سمجھ میں نہیں آئی جو تم مروڑو گی۔۔۔؟" سلطان نے کہا۔

"امیر علی۔ شیخ فرزند الدین اور لنکاس لمیٹڈ جیسے نام میرے لیے بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ ڈی۔ ایس۔ پی صاحب۔ آپ کے نئے عہدے کے بارے میں دوبارہ غور بھی ہو سکتا ہے۔"

"کیا فضول بکواس ہے۔ تم۔۔۔ تم میری زد میں رہتی ہو۔۔۔" سلطان کا رنگ پھیکا پڑ گیا تھا۔

"میں نے تو ایک بات کہی ہے سلطان۔ تم اتنی دیر سے ایسی فضول بکواس کر رہے ہو۔ میں تو چراغ پا نہیں ہوئی؟"

"میں ہمیشہ دوستی کا جذبہ لے کر تمہاری طرف بڑھا عالیہ لیکن تم نے ہمیشہ اسے خاک میں ملا دیا۔"

"ارے۔ اب کیا ہوا؟"

"یہ تینوں نام جو تم نے لیے ہیں۔ ان کے بارے میں کیا جانتی ہو؟"

"کیا کرو گے پوچھ کر؟"

"مجھے بتاؤ عالیہ۔ پلیز مجھے بتاؤ۔"

"بھئی امیر علی کانڈا والا کے خسر ایک حادثے کے شکار ہو گئے اور ان کی ساری دولت امیر علی کو مل گئی۔ میرا مطلب ہے اُس کی بیوی کو مل گئی۔ حالاں کہ خسر صاحب کو قتل کیا گیا تھا اور اس حادثے کی تحقیقات سلطان نے کی تھی۔ قتل کو نہایت خوب صورتی سے حادثہ قرار دے دیا گیا اور شیخ فیروزالدین ... اُن کی زمینیں بھی تمہاری بدولت بچ گئیں۔ لنکاس لمیٹڈ کی دواؤں کا وہ ٹرک جس میں دواؤں کی شیشیوں کی بجائے منشیات۔"

میں نے اتنا ہی کہا تھا کہ سلطان اُٹھ کھڑا ہوا۔ "مجھ پر ہارٹ اٹیک بھی ہو سکتا ہے مس عالیہ۔"

"جاؤ۔ واپس چلے جاؤ۔ ابھی تمہیں شادی بھی کرنی ہے ہاں۔ ایک بددعا تمہیں ضرور دوں گی۔ خدا کرے تمہاری بیوی کی ٹھوڑی میں گڑھا اور اُس کے گال پر تل ضرور ہو۔"

سلطان چند لمحے آنکھیں پھاڑے کھڑا رہا اور پھر وہ خاموشی سے واپس پلٹ گیا۔ مجھے اُس کی ذہنی حالت کا بخوبی اندازہ تھا۔ میں خاموشی سے اُسے جاتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ اُس کے قدموں میں لڑکھڑاہٹ نمایاں تھی۔

میں نے چائے کی پیالی اُٹھا کر منہ سے لگالی اور اُسی وقت کوئی کرسی کھسکا کر میرے نزدیک آ بیٹھا۔ بقراط کے علاوہ کون ہو سکتا تھا۔ "مم۔ معافی چاہتا ہوں لیکن مجھے تشویش ہو گئی ہے۔"

"کس بات پر؟" میں نے نرم لہجے میں پوچھا۔

"وہ۔ میرے خیال میں وہ چائے کا بل ادا کر کے نہیں گیا۔"

"میں ادا کر دوں گی۔" میں نے جواب دیا۔

"اوہ۔ آپ کے پاس پیسے موجود ہیں؟"

"جی ہاں۔"

"خدا کا شکر ہے۔ ویسے پیسے اب میرے پاس بھی ہوتے ہیں لیکن بس وہ عادت سمجھیے۔" بقراط نے شرما کر کہا۔

"کیسی عادت؟"

"بس ہاضمہ خراب ہو گیا ہے۔ ہر وقت دل چاہتا ہے کہ لوگوں سے اُدھار مانگ لوں۔ اُدھار مانگ کر اگر سُوکھی روٹی بھی کھالی جائے تو وہ بے حد لذیذ لگتی ہے۔ دراصل طویل عرصے کی عادت ہے۔"

"شاید۔" میں نے خشک لہجے میں کہا۔

"ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں مس عالیہ۔"

"جی فرمایے۔"

"آپ کا رویّہ میرے بارے میں بے حد خشک ہو گیا ہے۔ اس سے قبل آپ مجھ سے ہمدردی سے گفتگو کرتی تھیں۔ آپ کا انداز دوستانہ ہوتا تھا۔ اب یہ تبدیلی کیوں آگئی ہے آپ کے اندر...؟"

"اوہ۔ آپ ان باتوں کو محسوس کرتے ہیں بقراط صاحب۔"

"کیوں نہیں۔"

"دوستی کا کوئی معیار ہے آپ کی نگاہ میں؟"

"بے شک ہے۔"

"تو معاف کیجیے وہ نہایت گھٹیا ہے۔ دوستی میں ایک خلوص ایک اعتماد ضروری ہے جس کا فقدان ہے آپ کے اندر۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"آپ کسی کے لیے کچھ کرتے ہیں لیکن دوست بن کر نہیں بلکہ صرف اپنی کسی انا کی تسکین کے لیے۔ ممکن ہے اس میں یہ احساس بھی پوشیدہ ہو کہ دوسرا آپ کے بارے میں سوچتا ہے آپ کے لیے پریشان رہے۔"

"اللہ کے لیے اب ان باتوں کا اُردو میں ترجمہ کر دیں۔" بقراط بولا۔

"وہی ناکام کوشش۔ میں نے آپ کو ایک تحفہ دیا تھا؟"

"انگوٹھیاں؟"

"جی ہاں۔"

"بے حد قیمتی ہیں۔ میں انہیں آج تک پہننے کی جرأت نہیں کر سکا بلکہ یہ سوچتا ہوں کہ اس قیمتی تحفے کا بوجھ کیسے اُتار۔ آپ جانتی ہیں کہ میں قرض کی ادائیگی کے سلسلے میں مستعد آدمی ہوں۔" بقراط نے کہا۔

"لیکن وہ انگوٹھیاں تو آپ کی ملکیت ہی تھیں اور میں نے مجرمانہ طور پر انہیں حاصل کیا تھا۔"

"کک کیا مطلب؟" بقراط تعجب سے بولا۔

"کچھ نہیں۔ میں ایسی ہی باتیں کرنے لگتی ہوں بعض اوقات ویسے آپ کے والد سے کیسے تعلقات چل رہے ہیں؟"

"وہ ماحول مجھے راس نہیں ہے۔"

"ہاں۔ میں نے سُنا تھا کہ آپ اُسی رات سے مفرور ہیں ...ں رات آپ کو تہور علی صاحب کی کوٹھی میں اعزازات ملے تھے۔"

"جی ہاں۔ اُن اعزازات کو پا کر مجھے وہ لوگ یاد آئے جو ...ے بُرے وقت کے ساتھی تھے اور میں بے اختیار اُن کی طرف ...ہ گیا۔"

"اور پھر کئی دن غائب رہے؟"

"جی ہاں۔"

"خیر یہ آپ کا معاملہ ہے۔ مجھے بتایے میں آپ کی کیا خدمت ...کتی ہوں؟"

"نہیں نہیں۔ آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں نے اُدھار ...گنا واقعی چھوڑ دیا ہے۔ مجھے کچھ نہیں چاہیے۔"

"بہتر ہے۔ خدا حافظ۔" میں نے کہا۔

"خدا حافظ کیوں۔ میں ابھی یہاں بیٹھنا چاہتا ہوں۔"

"تو تشریف رکھیے۔" میں نے چلبلاتے ہوئے انداز میں کہا ...ل کی رقم پرس سے نکال کر میز پر رکھی اور وہاں سے واپس ...آ گئی۔ اب مجھے اس شخص سے چڑ ہو گئی تھی جو خواہ مخواہ خود ...پانے کی کوشش میں گھٹیا ہو گیا تھا۔

باہر آ کر میں اپنی کار میں بیٹھی اور چل پڑی۔ کوئی خاص مقصد ...میں نہیں تھا بس دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا رہی تھی ...لطان کے تو میں نے حواس درست کر دیے تھے۔ بدنصیب ...مخواہ مجھ سے آ ٹکرایا تھا لیکن بقراط۔ یہ شخص خود کو نہ جانے ...جھتا ہے۔

پھر نہ جانے کیا خیال آیا کہ میں نے کار کا رُخ پوائنٹ تھری ...ف کر دیا اور تھوڑی دیر کے بعد میں پوائنٹ تھری کی عمارت میں ...ہو گئی جہاں میری آمد کی اطلاع ملتے ہی ہنگامہ ہو گیا تھا۔ تمام ممبر میرے گرد جمع ہو گئے اور میں انہیں اپنی خیریت ...گی۔ کسی کو میرے حالات کا پتہ نہیں تھا۔ نازش نے کہا...

"چیف واپس آ گئے ہیں مس عالیہ۔"

"اوہ۔ انکل شہریار؟" میں اچھل پڑی۔

"جی۔"

"کہاں ہیں۔ میں اُن سے ملنا چاہتی ہوں۔"

"وہ خود بھی آپ کے لیے سخت پریشان ہیں۔ ہمیں ہدایت ہے کہ جس وقت بھی آپ کے بارے میں اطلاع ملے فوراً انہیں آگاہ کیا جائے۔"

"اس وقت کوٹھی پر ہیں؟"

"جی ہاں۔"

"ٹھیک ہے۔ میں انہیں رنگ کیے لیتی ہوں۔" میں نے کہا اور تیزی سے اُس کمرے کی طرف بڑھ گئی جہاں فون موجود تھا۔ انکل شہریار کے آنے کی مجھے بے حد خوشی ہوئی تھی اور میرے ذہن سے ایک دم بہت سے بوجھ ہٹ گئے تھے۔

دوسری طرف سے فون اُٹھا لیا گیا۔ آواز انکل شہریار ہی کی تھی۔ "میں عالیہ بول رہی ہوں انکل۔"

"خدا کا احسان ہے تمہاری آواز تو سُنی۔ آج ہی صباحت صاحب کو فون کر کے تمہارے بارے میں پوچھا تھا لیکن وہاں سے بڑا دلچسپ جواب ملا۔ کہنے لگے تم ملازمت چھوڑ کر جا چکی ہو۔"

"جی ہاں۔ میں نے تھوڑے عرصے کے لیے ملازمت چھوڑ دی ہے۔ آپ کب واپس آئے انکل؟"

"کل شام۔ تمہارے بارے میں پتہ چلا کہ تم بہت سے ڈرامے کر چکی ہو۔ دل سخت پریشان تھا۔"

"اب میں آپ سے کیسے ملوں انکل؟" میں نے لاڈ سے پوچھا۔ یہ شخص میرے لیے بہت کچھ تھا اور اس کے سامنے میں بچی بن جاتی تھی۔

"بیٹے کو یہ سوال کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ اگر کوئی خاص بات نہیں ہے تو یہاں آجاؤ اور اگر خاص بات ہے تو پھر میں آجاتا ہوں یہاں کے لوگ ہمیں باتیں نہیں کرنے دیں گے۔"

"تو پھر یہاں آجایے انکل۔ بہت سی خاص باتیں جمع ہو گئی ہیں۔"

"مجھے یقین تھا لیکن تم مجھے ایک گھنٹے کی مُہلت دے دو۔ ایک بہت اہم شخصیت میرے پاس آنے والی ہے۔ میں تمہیں اُس سے ملاؤں گا لیکن ابھی نہیں۔ پہلے میں اس سے ایک ملاقات کر لوں۔"

"ٹھیک ہے انکل۔ میں یہاں موجود ہوں اور آپ کا انتظار کر رہی ہوں۔"

"او۔ کے۔" انکل شہریار نے کہا اور میں نے فون بند کر دیا۔

... انکل شہریار آ گئے۔ میں نے برآمدے میں اُن کا استقبال کیا ... انہوں نے بے اختیار میرا سَر اپنے سینے سے

لگالیا... بہت پیار سے ملتے تھے بالکل ایک مشفق باپ کی طرح۔ دُوسرے لوگوں سے بھی اُنہوں نے خیریت پوچھی اور پھر میرے ساتھ اندرونی کمرے میں آگئے۔

" بھئی نازش میاں۔ دوران گفتگو ہمیں کافی ملنی چاہیے کوئی بھی گفتگو کافی کے بغیر بے مزا ہوتی ہے۔" اُنہوں نے کہا اور نازش گردن جھکا کر چلا گیا۔

" ہاں۔ پہلے مجھے پیشانی پر چپکے ہُوئے اس ٹیپ کے بارے میں بتاؤ۔ یہ چوٹ کیسے لگ گئی ہے؟"

" تفصیلی گفتگو میں اس کا ذکر بھی آجائے گا انکل۔ شدید نہیں ہے بلکہ اب تو ٹھیک ہو چکی ہے۔"

" خود لگی ہے یا کسی کی لگائی ہُوئی ہے بس اتنا بتادو؟"

"کیوں انکل؟"

" اگر کسی کی لگائی ہُوئی ہے تو اس کی شامت مسلّم۔ یہ ہمارا فیصلہ ہے۔"

" جی ہاں۔ ایسی ہی بات ہے۔" مَیں نے ہنس کر کہا۔

" اوہ۔ ٹھیک ہے۔ ہم اپنے عہد کا خیال رکھیں گے لیکن اب ذرا تفصیلی گفتگو ہوگی عالیہ۔ اس بار ہم ایک طویل عرصے بلکہ اگر ممکن ہو سکا تو ہمیشہ کے لیے فارغ ہو کر آئے ہیں۔" انکل شہریار نے کہا۔

" کیا مطلب؟"

" بھئی ریٹائرمنٹ لینے کے موڈ میں ہُوں۔ بہت جدوجہد کرلی ہے۔ اب بڑھاپے کا احساس ہونے لگا ہے۔"

" آپ کی ذمّے داریاں آپ کو بوڑھا ہونے دیں گی انکل؟"

" ہاں اگر کوئی جوانی مل جائے تو۔" انکل شہریار نے کہا۔

" مَیں نہیں سمجھی۔"

" کوئی صحیح نعم البدل مل جائے تو پھر اطمینان ہو جائے گا۔"

" کوئی امکان ہے؟" مَیں نے پوچھا۔

" ہے تو سہی لیکن سو فی صد نہیں۔"

" براہِ کرم تفصیل سے بتلیے؟"

" چلو ٹھیک ہے۔ پہلے میری رپورٹ سُن لو۔ اس بار بڑا ہنگامی سفر رہا ہے یوں سمجھو زندگی اور موت ساتھ ساتھ دوڑتی رہی ہیں کبھی زندگی آگے نکل جاتی تھی اور کبھی موت... بہر حال واپس آگئے۔"

" اوہ۔ کوئی خطرناک مُہم تھی؟"

" ہاں۔ ایسی مُہم جس کے اثرات ابھی دیر تک رہیں گے جن لوگوں کو میرے ہاتھوں زک پہنچی ہے وہ بدلہ ضرور لیں گے اس لیے اپنی حفاظت کا بندوبست بھی کرنا ہے۔"

" خُدا آپ کو محفوظ رکھے انکل۔"

" انشاءاللہ محفوظ رہُوں گا۔ ابھی جس شخص سے مُلاقات کرکے آیا ہُوں اُس سے بڑی اُمیدیں وابستہ ہیں لیکن بس ذرا لاابالی انسان ہے۔ صحیح معنوں میں ابھی اُس کی شخصیت بھی واضح نہیں ہے۔"

" کون ہے وہ؟"

" مَیں تم سے اس کا تذکرہ کرچکا ہُوں۔ بے شمار نام ہیں اُس کے۔ اس مُہم میں بھی اتفاق سے لیبیا میں مل گیا تھا۔ وہ خود کسی کام میں مصروف تھا۔ الجزائر تک ساتھ رہا اور پھر وہاں سے چلا گیا لیکن اس دوران ہی اُس نے میرے لیے وہ زبردست کام کیا تھا جس کی انجام دہی میں مجھے طویل عرصہ لگ جاتا۔"

" اگر مَیں تفصیل میں جاؤں گا تو تمہیں ایک طویل کہانی سُننی پڑے گی۔ یوں سمجھ لو مُلکی مفاد کے لیے ایک بار مجھے ایک مغربی ملک میں پوشیدہ حیثیت سے جانا پڑا۔ اسرائیلی ایجنٹ وہاں ہمارے ملک کے خلاف ایک خوفناک کارروائی کر رہے تھے اور اُنہوں نے نہایت ذہانت سے ہمارے چاروں طرف جال پھیلا رکھے تھے لیکن مجھے اس وقت سخت مشکل پیش آگئی جب اُنہیں میری وہاں موجودگی کا علم ہو گیا۔ میرے محکمے کے تین بہترین آدمی ہلاک ہوگئے اور مَیں شدید زخمی لیکن چند پاکستانی نوجوانوں نے صرف اس لیے میری مدد کی کہ مَیں پاکستانی تھا۔ اُنہی میں ثاقب دُرّانی بھی تھا۔"

" انوکھی شخصیت کا مالک۔ اُس نے مجھ سے چند سوالات کیے ظاہر ہے مَیں اُسے اصل بات نہیں بتا سکتا تھا لیکن عالیہ اس کے بعد بھونچال آگیا۔ اُس نے اسرائیلی ایجنٹوں کو ناکوں چنے چبوا دیے۔ ان میں سے سترہ افراد ہلاک ہوگئے اور ان کا مشن بُری طرح فیل ہو گیا اور یہ کام ثاقب دُرّانی نے کیا تھا۔ جس وقت وہ مجھے ائرپورٹ چھوڑنے آیا تو اُس نے مجھے پُوری تفصیل بتادی۔ یہاں تک کہ میرے مشن کی کہانی بھی اُسی نے مجھے سُنائی تھی۔

" مَیں دَنگ رہ گیا تھا لیکن اُس نے کہا کہ وہ بھی پاکستانی ہے اور یہ فرض صرف میرا ہی نہیں تھا۔ وہاں سے چل کر مَیں دُوسرے مُلک میں آیا جہاں سے مجھے پاکستان آنا تھا لیکن وہاں میرے استقبال کے لیے اسرائیلی ایجنٹ موجود تھے۔ ٹھیک وقت

مجھے ایک فون ملا کہ میرے کمرے کو بم سے اُڑایا جانے والا ہے مجھے ایک جگہ پہنچنے کے لیے کہا گیا۔ مَیں کمرے سے نکل کر لفٹ سے نیچے اُترا ہی تھا کہ ہوٹل لرز اُٹھا۔ اگر مَیں اپنے کمرے میں ہوتا میری زندگی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔"

" فون کرنے والے نے مجھے جس جگہ بُلایا تھا وہاں میرا ستقبال ثاقب دُرّانی نے کیا۔ مَیں تو اُسے جن سمجھنے لگا تھا لیکن ں نے بتایا کہ اُس نے میرے ساتھ ہی سفر کیا ہے کیوں کہ ں کے خیال میں مَیں خطرے سے باہر نہیں تھا۔ نوجوان نے ے کہا کہ ابھی وہ تعلیم حاصل کر رہا ہے۔ وطن واپسی میں اتنے یر لگے گی لیکن اُس نے وعدہ کیا کہ واپسی کے بعد وہ مجھ سے ضرور ملے گا۔

" اس کے بعد ایک بار وہ مجھے بیروت میں ملا۔ اس وقت ب بیرُوت جل رہا تھا اور مسلمانوں کو زندگی گزارنا مشکل ہو رہا تھا۔ مَیں نے اُس کی مدد سے کافی کام کیا تھا اور میرے بیشتر مقصدوں کی تکمیل میں اُس نے میرا بھرپور طور پر ہاتھ بٹایا... ہاں بھی میرا اور اُس کا ساتھ تقریباً پندرہ روز رہا اور اس کے بعد میں واپس چلا آیا لیکن اس دوران مَیں نے مسلسل یہ کوشش جاری رکھی تھی کہ اُسے کسی بھی طور وطن واپسی پر آمادہ کروں۔ اُس نے کہا تھا کہ وہ بہت جلد وطن پہنچے گا۔ مَیں نے مقصد بھی اُسے بتا دیا تھا کہ مَیں کیا چاہتا ہُوں اور اُس نے کہا اس موضوع پر وطن واپسی پر ہی گفتگو ہو سکے گی۔

" بہر حال مَیں یہاں آگیا اور اس بار پھر مجھے ایک اہم مشن پر جانا پڑا یوں سمجھو کہ یہ مشن میری زندگی کا ایک اہم ترین مشن تھا۔ میری چپقلش جن لوگوں سے چل رہی ہے وہ ساری دنیا میں پھیلے ہُوئے ہیں۔ لیبیا میں مَیں پھر سخت پریشانیوں کا شکار ہو گیا تھا لیکن یہاں بھی وہ فرشتۂ رحمت کی طرح میرے پاس پہنچ گیا اور یہاں پر اُس نے ایسے خوفناک کارنامے انجام دیے کہ مَیں دَنگ رہ گیا۔ یُوں سمجھو کہ مجھے بار بار موت کے مُنہ سے نکال کر زندگی کی طرف لانے والا وہی شخص تھا۔

" لیکن اس بار اُس نے کہا کہ وہ ایک اہم کام سے آیا ہُوا ہے اور زیادہ عرصے تک میرا ساتھ نہ دے سکے گا۔ چنانچہ وہ مجھ سے اجازت لے کر چلا گیا لیکن جاتے وقت اُس نے کہا تھا کہ وہ وطن واپس پہنچ جائے گا۔ اور جب مَیں اپنے مُلک واپس جاؤں گا تو وہاں مجھ سے ملاقات کرے گا اور عالیہ تمہیں یہ سُن کر حیرت ہوگی کہ میرے یہاں پہنچتے ہی مجھے اُس کا ٹیلی فون ملا اور مَیں نے اُسے مُلاقات کا وقت دے دیا۔ تم نے جس وقت ٹیلی فون کیا تھا تو مَیں بے چین ہو گیا تھا۔ مَیں ایک لمحے میں تمہارے پاس پہنچ جاتا لیکن اس اہم شخصیت سے گفتگو کی جو تمنّا میرے دل میں تھی اس کا اندازہ تمہیں بخوبی ہو سکتا ہے چنانچہ اسی لیے مَیں رُک گیا تھا۔"

" ویری گڈ انکل۔ بہر صُورت مَیں آپ سے متفق ہُوں۔ اگر ایسی کوئی شخصیت ہے اور آپ مُلکی مفاد کے لیے اس سے استفادہ بھی کرنا چاہتے ہیں تو میرے خیال میں آپ کو اُسے نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔"

" خیر یہ تو ہوئی میری رپورٹ اور اب میرے ذہن میں جو لاوا اُبل رہا ہے ذرا اُس کی بھی تسکین کردو۔" انکل شہریار نے مُسکراتے ہُوئے کہا اور مَیں نے گہری سانس لی۔

" آپ مجھے ایک ناکارہ ترین لڑکی کہہ سکتے ہیں انکل۔ ایک چھوٹے سے مسئلے میں اُلجھ کر مَیں طویل وقت برباد کرچکی ہُوں اور ابھی تک کچھ نہیں کرسکی حالانکہ آپ نے میری بے پناہ مدد کی ہے۔"

" نہیں بیٹے تمہارا یہ خیال غلط ہے۔ مُجرم جُرم کرنے سے قبل اپنے گرد ایسے حفاظتی جالے بُنتا ہے جن میں محصور ہو کر وہ خود کو یقیناً محفوظ سمجھنے لگتا ہے اور اس کی یہ کاوش بلاشُبہ اُس کے لیے ضروری ہوتی ہے۔ بے شمار مکڑی کے جالے میں چُھپا ہُوا شخص عام لوگوں کے سامنے تو نہیں ہوتا، ہاں ذہین لوگ صرف ذہانت سے اس کی کھوج کرتے ہیں۔ جالوں کا ایک ایک تار توڑنا پڑتا ہے تب کہیں جاکر مجرم کی اصل شکل نظر آتی ہے... عالیہ اب تکلّف بہت ہو چکا اور ہمیں تکلّف کی باتیں چھوڑ دینی چاہئیں۔ اب تم مجھے یہ بتاؤ کہ اس دوران تم نے کیا کیا کیا؟"

" جی انکل، پُورا کیس آپ کے علم میں ہے۔ امینہ، شکیلہ اور درخشاں اور ایسی بہت سی دُوسری لڑکیاں اس جنونی قاتل کی بھینٹ چڑھ چکی ہیں اور اس قتل کی وجہ یہ ہے کہ ان لڑکیوں کے چہروں میں خاص مماثلت تھی۔ یعنی ٹھوڑی کا گڑھا اور بائیں گال کا تل۔ مَیں نے یہ بھی سوچا تھا اس دوران کہ ممکن ہے قاتل نے ڈراما ہی کیا ہو لیکن بعد میں پتہ چلا کہ یہ صرف ڈراما نہیں تھا بلکہ ان چیزوں میں خاص گہرائی تھی۔ رپورٹ کے مطابق انکل... نارمن ٹریولر نامی ایک فرم کے تحت لڑکیوں کو ملازمت کے لیے بُلایا جاتا تھا حالانکہ اس فرم کا کوئی وجود نہیں تھا۔ لڑکیوں کو گرین بیگ نامی فرم میں ملازمت دی جاتی تھی اور اُنہیں مصنوعی

طریقے سے مُلک سے باہر لے جایا جاتا تھا، یعنی وہ ملک ہی میں رہتی تھیں لیکن یہ محسوس کرتی تھیں کہ وہ مُلک سے باہر جا چکی ہیں پھر انہیں ہَوس کی بھینٹ چڑھا کر یا تو چھوڑ دیا جاتا تھا یا پھر وہ جنونی قاتل انہیں قتل کر دیتا تھا۔ میں نے خود کو ایسی ہی لڑکی کی حیثیت سے پیش کیا اور اس کی وجہ میرے چہرے سے ان کی مماثلت بھی تھی۔ ان لوگوں نے مجھے ملازمت کے لیے منتخب کر لیا اور مشرقِ وسطےٰ بھیج دیا۔ وہاں میں "احمد انٹرپرائزز" نامی ایک فرم میں ملازم ہو گئی لیکن مجھے تعجب تھا کہ میرے ساتھ وہ سب کچھ نہیں ہُوا تھا جو دُوسری لڑکیوں کے ساتھ ہُوا تھا اور اس کی پول بھی جلد ہی کھُل گئی۔

مجھے پتہ چل گیا کہ وہ لوگ بڑی اچھی طرح سے مجھ سے واقف ہیں اور جان بُوجھ کر مجھے بے وقوف بنایا گیا ہے، چنانچہ اَنکل وہاں سے میں مختلف حادثات میں گھر گئی اور بالآخر کسی نہ کسی طرح یہاں پہنچ گئی لیکن میری جستجو ختم نہیں ہُوئی تھی۔ میں اس کیس کو اپنی زندگی کا نصب العین بنا چکی ہُوں اگر میں اس کیس کو حل کرنے میں کامیاب ہو گئی تو ٹھیک ہے اور اگر نہ کر سکی تو اس زندگی کو ہمیشہ کے لیے خیرباد کہہ دُوں گی۔ یہ میرا جذباتی فیصلہ ہی سہی لیکن میں اس پر کاربند رہوں گی۔ اَنکل، اس کے بعد میں مسلسل جدوجہد میں مصروف رہی جس کی تفصیل میرا خیال ہے بالکل غیر ضروری ہے لیکن بالآخر تقدیر نے مجھے ان لوگوں تک پہنچا ہی دیا۔"

میں سانس لینے کے لیے رُکی۔ اَنکل شہریار کا چہرہ آگ کی طرح سُرخ ہو رہا تھا وہ متجسس اور بے چین نظر آ رہے تھے چند لمحات کی خاموشی کو اُنہوں نے محسوس کیا لیکن کچھ کہا نہیں اسی دوران نازش نے ہمارے لیے کافی بھجوا دی تھی۔

اَنکل شہریار نے کافی تیار کی۔ ایک پیالی میرے سامنے رکھی اور دُوسری اپنے سامنے رکھ کر بیٹھ گئے۔ میں نے خود کافی بنانے کی پیش کش کی لیکن اُنہوں نے منع کر دیا۔

"دیکھو بھئی میں تجسس کا اتنا زیادہ شکار ہو رہا ہُوں کہ تھوڑا سا ذہن بٹنا ضروری ہے ورنہ نجانے کیا ہو؟"

"اوہ نہیں اَنکل۔ آپ خود پر قابو رکھیں۔" میں نے بھی ہنس کر کہا اور اَنکل شہریار ہنسنے لگے۔ چند ساعت کافی کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ لیتے ہُوئے میں خیالات کو مجتمع کرتی رہی، میں نے سوچا کہ اَنکل شہریار کو پُوری تفصیل بتا کر بور کرنے سے کیا فائدہ ... اُنہیں صرف وہ باتیں بتاؤں جو ضروری ہیں۔ چنانچہ میں نے تہوّر عالم کی کوٹھی سے شروع ہونے والے اس عجیب و غریب ڈرامے کی تفصیل شروع کی۔ میں نے اَنکل شہریار کو بتایا کہ کس طرح میری مُلاقات ایک اطہر رضوی نامی شخص سے ہُوئی --- اور اطہر رضوی کس مشفقانہ انداز میں مجھ سے پیش آیا پھر میں نے وہاں سے واپسی پر اپنے اُوپر حملے کی تفصیل بتائی اور اس کے بعد وہاں موجود اُس شخص کی بھی جس کا نام جیک فیرل تھا۔ ساری تفصیلات بتاتے ہُوئے میں نے اَنکل شہریار کو اس خُونی ڈرامے کا پسِ منظر بتایا اور اس دوہری شخصیت کی تفصیل بتائی جس کی وجہ سے اطہر رضوی جیسا شخص یہ ساری حرکات کر رہا تھا اس کے بعد میں نے یہ بھی بتایا کہ اطہر رضوی نے بالآخر نہایت سکون اور اعتماد کے ساتھ چھوڑ دیا اور میں اپنے فلیٹ میں پائی گئی۔ گویا اطہر رضوی نے سب کچھ تسلیم کرتے ہُوئے اس بات کا اعلان کر دیا تھا کہ میں جس طرح چاہوں اُس کے خلاف کوشش کر لُوں۔ مجھے کوئی کامیابی نصیب نہیں ہوگی۔ یہ تمام تفصیل اَنکل شہریار کو بتانے کے بعد میں خاموش ہو گئی۔

اَنکل شہریار سکتے کے سے عالم میں بیٹھے ہُوئے تھے اُن کی پیالی میں ابھی کافی موجود تھی جو ٹھنڈی ہو چکی تھی لیکن میرے خاموش ہونے کے بعد بھی اُن کے بدن میں جنبش نہیں ہُوئی۔ اُن کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے اور بس وہ خاموش سے بیٹھے خلا میں گھُور رہے تھے پھر وہ ہونٹوں ہی ہونٹوں میں بڑبڑائے "اطہر رضوی۔ اطہر رضوی۔ اس سے زیادہ تعجب کی خبر میرے لیے کوئی اور نہ ہوگی؟"

"کیا مجھے بولنے کی اجازت ہے اَنکل شہریار؟" میں نے گہری سانس لے کر کہا اور اَنکل چونک پڑے۔

"ہاں ہاں کہو۔"

"میں اُس شخص کے بارے میں آپ کے خیالات جاننا چاہتی ہُوں؟" میں نے کہا۔

"عالیہ شاید تم اس بات پر بھروسا نہ کرو کہ اس وقت میں اپنی زندگی کے سب سے عجیب مرحلے سے گزر رہا ہُوں۔ میری جگہ کوئی اور شخص ہو تو شاید اسے اپنے دِل و دماغ پر قابو رکھنا مشکل ہو جائے۔ اطہر رضوی میرے بہترین دوستوں میں سے ہے ایک ایسا شخص جسے مُلک کے لیے میں قیمتی سرمایہ سمجھتا ہُوں۔ مُلک و مِلّت کا اتنا درد ہے اُس کے دل میں کہ میں بیان نہیں کر سکتا

"یہ ایک ٹھوس حقیقت ہے کہ حکومت کے حلقوں میں اس شخص کا زبردست احترام ہے اور اس کے خلاف کوئی بھی

کارروائی کرتے ہُوئے ہر شخص اس پریشانی کا شکار ہو جائے گا کہ اسے کوئی غلط فہمی ہُوئی ہے یا کوئی غلط اطلاع اُسے پہنچائی گئی ہے؟" اَنکل شہریار نے کہا۔ میں نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ شہریار بھی پریشان نگاہوں سے مجھے دیکھ رہے تھے پھر اُنہوں نے آہستہ سے کہا۔

"عالیہ کیا تمہارے اس خیال میں کوئی سقم مل سکتا ہے؟"

"اَنکل شہریار مجھے افسوس ہے۔" میں نے صرف اتنا کہا اور اَنکل شہریار گردن ہلانے لگے۔

"میں سمجھ رہا ہُوں عالیہ میں سمجھ رہا ہُوں جو کچھ تم نے بتایا ہے وہ بے حد عجیب ہے۔ اُف میری ذہنی حالت بہت خراب ہو گئی ہے۔" اَنکل شہریار نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔

میرے ذہن میں جنون اُبھرنے لگا تھا۔ اس سے قبل کہ میں کچھ بولتی، اَنکل شہریار خود بول اُٹھے۔

"اس کے باوجود عالیہ۔ اس کے باوجود میں یہ فیصلہ کرنے میں کوئی عار نہیں سمجھتا کہ اطہر رضوی نے کسی بھی مجبوری کے تحت یہ سب کچھ کیا لیکن بہر صُورت یہ ایک گھناؤنا جُرم ہے اور اسے اس کا کوئی حق نہیں پہنچتا..."

"لیکن اَنکل شہریار آپ ایک بات کان کھول کر سُن لیجیے اطہر رضوی کتنی ہی بڑی شخصیت کیوں نہ رکھتا ہو اُس نے کچھ بھی کیا ہو، میں اس جُرم کو نظر انداز نہیں کر سکتی اور نہ ہی معاف کر سکتی ہُوں، اگر حکومتی پیمانے پر اس سلسلے میں میری کوئی مدد نہ ہُوئی تو میں اس کی پَروا نہیں کروں گی اَنکل شہریار۔ مُجرم میری نگاہوں میں آ چکا ہے، میں دُوسرے طریقے سے اس کے بارے میں سوچوں گی، مجھے غور کرنا پڑے گا کہ اسے کیفرِ کردار تک پہنچانے کے لیے قانون میری راہ میں کہاں کہاں رُکاوٹ کھڑی کر سکتا ہے۔ اَنکل شہریار میں نے امینہ کے وہ معصوم الفاظ سُنے تھے جس میں وہ اپنی زندگی کے خطرے کا اظہار کر رہی تھی، کیا اطہر رضوی یا اُس کے جُڑواں بیٹے امینہ کی زندگی سے زیادہ قیمتی ہیں ... اَنکل شہریار یہ تو خُدا کا قانون ہے، انسان کو انسان کے خلاف کچھ کرنے کا حق نہیں پہنچتا۔ قاتل کو سزا ملنی ہی چاہیے یہ سزا اگر آپ کا قانون نہ دے سکا تو میں دُوں گی اطہر رضوی کو۔" میرے ہونٹ لرزنے لگے اور میرے چہرے سے نجانے کیسے تاثرات کا اظہار ہُوا کہ اَنکل شہریار چونک پڑے۔ اُنہوں نے عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھا اور پھر اُن کی گردن جھک گئی۔

"نہیں عالیہ اس قدر جذباتی نہ ہو، میں مِلّت فروش نہیں ہُوں تم جانتی ہو کہ میں نے اپنی زندگی بھی مُلک و مِلّت کے لیے داؤ پر لگا رکھی ہے اور مُلک و مِلّت کو افراد سے تصوّر کیا جاتا ہے اور افراد ہر مُلک میں ایک ٹھوس اور جامع حیثیت رکھتے ہیں۔ اگر مُلک کے سنبھالنے والے ہی قانون اور اُس کے محافظوں سے مطمئن نہ ہوں تو پھر قانون کی ضرورت ہی باقی نہیں رہ جاتی۔ میں صرف اتنا کہنا چاہتا ہُوں عالیہ کہ اب جب کہ حالات ہمارے سامنے آ چکے ہیں ہمیں بہت غور و خوض کرنا ہوگا۔ ہم کوئی ایسا ہلکا کام نہیں کریں گے جس کے بعد ہمیں ناکامیوں کا سامنا کرنا پڑے۔ میں ابھی اس سلسلے میں غور کرنے کی مہلت چاہتا ہُوں کسی ٹھوس فیصلے پر پہنچنے کے بعد میں تمہیں اس سلسلے میں آگاہ کروں گا۔ میں وزیرِ داخلہ سے بھی بات کروں گا حالانکہ بڑے خدشات ہیں اور جب تک ہمارے پاس کوئی ٹھوس ثبوت نہ ہو ہم اعلیٰ حکام تک یہ بات پہنچاتے ہُوئے بھی سراسیمہ رہیں گے۔ چنانچہ میں اس سلسلے میں باقاعدہ کام کروں گا اور میری ساری کارکردگی تمہاری نگاہوں میں رہے گی۔"

"شکریہ اَنکل لیکن آپ کی محبت اور شفقت کو مدِ نظر رکھتے ہُوئے میں آپ پر یہ اظہار کیے بغیر نہیں رہ سکتی کہ آپ جو کچھ بھی کرتے رہیں میری زیرِ زمین عدالت اور میرے دِل کی حکومت اس مُجرم کے خلاف مناسب فیصلے کرے گی اور ایک ایسا لائحہ عمل مرتب کرے گی جس کے تحت وہ سزا سے نہ بچ سکے، خواہ یہ سزا مجھے اپنے ہاتھوں سے ہی کیوں نہ دینی پڑے۔"

"عالیہ... عالیہ میں تمہارے جذبات سمجھ رہا ہُوں لیکن مجھے تھوڑی سی مہلت درکار ہے، تم یقین کرو میرے دِل میں بھی اس مُجرم کے لیے اتنی ہی نفرت ہے جس نے ان معصوم لڑکیوں کو موت کے گھاٹ اُتارا، جتنی تمہارے دِل میں ہے۔ اس سلسلے میں اطہر رضوی کیا کوئی اور بھی ہو، خواہ وہ میری ہی اولاد کیوں نہ ہو، اگر مُجرم ہے تو اُسے سزا ملنی چاہیے، ہمیں صرف یہ سوچنا ہوگا کہ اطہر رضوی کو سزا دینے سے قبل ہمیں اس کے گرد ایسی مضبوط گرفت قائم کرنی ہوگی جس سے وہ نکل نہ سکے۔ اُس نے قانون کو کھیل سمجھ کر نہیں باہر کی دنیا میں لا پھینکا ہے، میرے خیال میں قانون کی یہ توہین کوئی بھی قانون کا محافظ برداشت نہیں کر سکتا۔ میں بھی اُنہی میں سے ایک ہُوں لیکن بس مجھے مہلت درکار ہے اور تم مجھ سے وعدہ کرو اس وقت تک تم کوئی غلط قدم نہیں اُٹھاؤ گی، جب تک کہ میں اپنی بے بسی کا اعلان نہیں کر دُوں گا۔"

"انکل شہریار اس کے لیے کتنا وقت درکار ہے آپ کو؟"
"ایک ہفتہ۔ ایک ہفتے کے بعد میں تمہیں اپنے کسی جامع پروگرام سے آگاہ کروں گا۔"
"ٹھیک ہے انکل آج منگل ہے آئندہ منگل کو میں آپ سے اس سلسلے میں بات کروں گی۔" میں نے کہا۔
"ٹھیک ہے عالیہ لیکن اس دوران ہماری ملاقاتیں برابر ہوا کریں گی؟"
"جی انکل۔ اس میں مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔"
"یوں کرو عالیہ کل شام کو چار بجے تم چائے میرے ساتھ پیو اس دوران ثاقب بھی وہاں آئے گا۔ میں تمہاری اس سے ملاقات کرواؤں گا۔" انکل شہریار نے کہا۔
"ٹھیک ہے جیسا آپ مناسب خیال کریں۔" میں نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔
"اب مجھے اجازت دو؟"
"تشریف رکھیے۔ بہت عرصے کے بعد آپ سے ملاقات ہوئی ہے۔"
"عالیہ اس وقت مجھے نہ روکو، تم نہیں جانتیں اس وقت میری ذہنی حالت کیا ہے۔ اگر اطہر رضوی کے علاوہ کسی دوسرے شخص کا ذکر ہوتا تو اس کی مجھے کوئی پروا نہ ہوتی لیکن یہ شخص، مجھے تعجب ہے عالیہ۔ مجھے تعجب ہے۔" انکل شہریار نے گمبھیر لہجے میں کہا اور میں اُن کے ساتھ ہی اُٹھ گئی پھر میں انہیں کوٹھی کے دروازے تک چھوڑنے آئی تھی۔ انکل شہریار کی گاڑی چل گئی تو میں نے ایک طویل سانس لے کر اپنی پشت پر دیکھا جہاں نازش اور دوسرے لوگ خاموش کھڑے ہوئے تھے۔ میں اُن کے نزدیک پہنچ گئی۔
"اچھا بھئی نازش اب مجھے اجازت دو۔"
"ہمارے لیے کوئی حکم ہے محترمہ عالیہ؟" نازش نے پوچھا۔
"نہیں آرام کرو۔ قانون گہری نیند سو گیا ہے۔" میں نے جواب دیا اور اپنی کار کی طرف بڑھ گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد میری کار... عابدہ لاج کی طرف جا رہی تھی۔
میں ذہنی طور پر خاصی اُداس تھی اور اب تھوڑی سی شگفتگی چاہ رہی تھی۔ ان معاملات نے جس قدر میرے ذہن پر غلبہ کیا تھا اُن سے نجات پانے کے لیے ضروری تھا کہ تھوڑی دیر کے لیے میں ان تکلیف دہ واقعات کو فراموش کر دوں۔
عابدہ لاج میں مس میری تھیں اور میری بہترین دوست شمس بھی۔ میں ان کے درمیان قہقہے لگانا چاہتی تھی۔ کار برق رفتاری کے ساتھ عابدہ لاج کی طرف دوڑ رہی تھی لیکن میں نے اب بھی ان تمام باتوں کا خیال رکھا تھا جو میرے لیے بہت ضروری تھیں یعنی کوئی تعاقب وغیرہ نہ ہو رہا ہو لیکن اطہر رضوی شاید مجھے بالکل ہی فراموش کر بیٹھا تھا کوئی تعاقب نہ ہوا اور تھوڑی دیر کے بعد میں عابدہ لاج میں داخل ہو گئی جہاں برآمدے میں مس میری اور شمس خوب صورت کرسیوں پر بیٹھی کسی بات پر ہنس رہی تھیں، میری کار دیکھ کر وہ کھڑی ہو گئیں اور پُر محبت انداز میں کار پورچ کی جانب بڑھ گئیں۔ مس میری نے کار کا دروازہ کھولا اور میں مسکراتی ہوئی نیچے اُتر آئی۔
"کیا ہو رہا ہے خواتین۔ ماحول بے حد خوشگوار معلوم ہوتا ہے۔"
"آپ کے چہرے کی شگفتگی بھی موسم کے حسین ہونے کی اطلاع دیتی ہے۔" شمس نے اُردو میں کہا۔ زبان میں لکنت ضرور تھی لیکن تلفظ درست تھا۔ میں ہنس پڑی۔
"واہ۔ واہ۔ مس میری نے اس دوران اپنا کام دکھا دیا۔" میں نے ہنستے ہوئے اُردو میں ہی کہا۔
"ہاں اور آپ اس کی داد ضرور دیں گی مس عالیہ۔" شمس بھی مسکراتے ہوئے بولی۔
"بالکل بھئی بالکل۔ یہ مشکل الفاظ تم اس آسانی سے بول رہی ہو کہ مجھے حیرت ہو رہی ہے۔" میں نے کہا۔
"آئیں بھئی ہمارے ساتھ چائے پئیں، اب تو آپ کی حیثیت ایک مہمان کی سی ہو گئی ہے۔"
"ہاں بھئی یہ محترمہ عابدہ رئیس اتنی بڑی شخصیت ہیں۔۔۔ کہ ان کے ہاں مہمان کی حیثیت ہی سے آیا جا سکتا ہے۔ بہرصورت چائے کی پیش کش کا شکریہ۔ منگوا لی جائے۔" میں نے کہا اور بیٹھ گئی۔ مس میری اندر دوڑ گئیں تھیں۔ شمس پیار بھری نظروں سے مجھے دیکھتی رہی پھر بولی۔
"یہ حضور نے ہمارا جو بائیکاٹ کر رکھا ہے یہ کچھ اچھا نہیں لگ رہا۔ اس دوران جو کچھ ہوا ہے اس کے بارے میں تسلی بخش حد تک معلومات نہیں حاصل ہو سکیں، کیا ہمارا عہدہ اس سلسلے میں کچھ گھٹ گیا ہے؟" شمس نے کہا اور میں مسکرانے لگی۔
"اوہ نہیں شمس یہ بات نہیں ہے، بہت جلد میں تمہیں تفصیلی حالات سے آگاہ کروں گی، اس وقت انکل شہریار سے مل کر آ رہی ہوں۔"
"اوہ۔ وہی صاحب جن کا تم نے تذکرہ کیا تھا؟"

ہاں۔"
خوب۔ کیا کیا باتیں ہوئیں اُن سے؟"
بس اُن کے دورے کے بارے میں اور موجودہ حالات ے میں۔" میں نے جواب دیا اور شمس پُرخیال انداز میں ہلانے لگی تھی۔ بہرصورت میں اس وقت کسی سنجیدہ گفتگو میں نہیں تھی۔ چنانچہ میں نے بات چیت کا رُخ بدل دیا۔ ی بھی آ گئیں اور ہم لوگ قہقہے لگاتے رہے۔۔۔ ناصر کی کے بارے میں شمس نے بتا دیا تھا پھر اُس نے کہا۔ "نا ایک نفیس انسان ہے۔" شمس کو تعجب ہوا تھا کہ وہ آخر زندگی میں کیسے آ گیا، اس جیسے انسان کو غلط نہیں ہونا یہ شمس کا خیال تھا۔ پھر وہ کہنے لگی۔
وہ تو بڑا حساس اور مخلص قسم کا انسان ہے، ایسے لوگ زندگی سے کسی طرح متعلق رہ ہی نہیں سکتے، بہرصورت ہوا تم نے اُسے اپنے ساتھ رہنے کا موقع دیا۔"
"وہ ٹھیک ہو جائے شمس تو اس کے بعد ہم اس سلسلے یہ اقدامات کریں گے۔" میں نے کہا لیکن مجھے اپنے لہجے کے ہے پن کا شدید احساس ہو رہا تھا۔ مجھے اندازہ تھا کہ میں وہ نہیں کر پائی جو مجھے کرنا چاہیے تھا اور اس کے لیے میں ں میں بڑی عجیب سی کیفیات محسوس کر رہی تھی۔ دیر تک گفتگو کرتے رہے پھر وہاں سے اُٹھ گئے۔ اب ہمارا کوئی پروگرام نہیں تھا۔ چنانچہ شمس، مس میری اور میں رات فضول قسم کی باتیں کرتے رہے۔ افشاں اور فرزانہ کا آیا۔ ان دونوں سے کبھی کبھی ملا جا سکتا تھا۔ اچھی لڑکیاں اور پھر شمس نے ہی بقراط کا تذکرہ نکال دیا اور میرے ں نفرت کی چنگاریاں پھیل گئیں۔
"شمس مجھے اُس شخص سے شدید نفرت ہو گئی ہے۔" نے کہا۔
"ہاں اُس کی بنیادی وجہ معلوم ہے۔"
"تمہیں کیا معلوم ہے؟"
"یہی کہ وہ اس قدر نزدیک ہونے کے باوجود دُور ہتا ہے اگر وہ بھی ہمارے دوستوں میں شامل ہو جاتا ل ہے خاصے بہتر حالات رہیں گے۔" شمس نے کہا۔
"میرے خیال میں ضرورت سے زیادہ خود پسند آدمی ہے۔ دگی پر نازاں۔ باقی اس کی جو تمام حرکات ہیں۔۔۔ وہ اس کی طرف دلالت کرتی ہیں کہ وہ خود کو بہت کچھ سمجھتا ہے۔" میں نے جلے کٹے لہجے میں کہا۔
"ہو نہہ ہو گا چھوڑو۔۔۔ ویسے ایک بات میرے ذہن میں کھٹکتی ہے عالیہ۔" شمس نے کہا۔
"کیا۔۔۔؟"
"یہ فرزانہ اور افشاں بے چاری فلیٹ پر تو آ سکتی تھیں لیکن اب جب تک ہم نہ چاہیں وہ ہم سے رابطہ قائم نہیں کر سکتیں حالانکہ مجھے یہ لڑکیاں پسند ہیں۔"
"ہاں۔۔۔ لیکن اُن کا یہاں آنا بہتر نہیں ہے۔" میں نے جواب دیا۔
"ٹھیک ہے جیسا تم پسند کرو۔"
"ویسے اگر تم چاہو شمس تو جب دل چاہے تم اُن سے مل سکتی ہو۔"
"ہاں ہاں اس میں کوئی خاص بات نہیں ہے۔" شمس نے جواب دیا۔
دوسری صبح حسب معمول تھی۔ میں رات کو شمس کے سونے کے بعد دیر تک سوچ میں ڈوبی رہی تھی۔ انکل شہریار آخری سہارا تھے۔ اُن سے جو گفتگو ہوئی وہ بھی کوئی خاص تسلی بخش نہیں تھی یعنی ایک طویل عرصے تک میں اس مجرم کی تلاش میں سرگرداں رہی تھی جس نے زندگی کے بدترین مظاہرے کیے تھے۔ اس عرصے میں، میں نے اُس کی تلاش کے لیے جو کچھ کیا تھا اُسے میرا دل ہی جانتا تھا۔
انکل شہریار اطہر رضوی کے تذکرے پر جس طرح پریشان ہو گئے تھے اسی سے میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ اس سلسلے میں انہیں مجبور کرنا بے سود ہو گا۔
بہرحال اطہر رضوی سے انتقام میرا ذاتی مسئلہ بن چکا تھا۔ حسب پروگرام شام کو میں تیار ہو گئی، چار بجے سے قبل انکل شہریار کی کوٹھی پر پہنچنا تھا۔ چنانچہ دن بھر تفریحی مشاغل رہے تھے۔ تین بجے البتہ میں نے شمس اور مس میری کو چھوڑ دیا تھا تاکہ آخری تیاریاں مکمل کر لوں۔ پونے چار بجے میری کار انکل شہریار کی خوب صورت کوٹھی میں داخل ہو گئی۔
انکل شہریار نے شاید اپنے ملازموں کو میرے بارے میں ہدایات کر دی تھیں۔ چنانچہ بڑے احترام سے مجھے اندر لے جایا گیا۔ انکل شہریار ڈرائینگ روم میں بیٹھے ہوئے تھے۔ مجھے دیکھ کر مسکرا دیے اور پھر پیار بھرے لہجے میں بولے۔
"آؤ بھئی تمہارا ہی انتظار کر رہا تھا۔"

"صرف میرا؟"

"نہیں میرا مقصد ہے بلکہ مجھے یقین تھا کہ تم چار بجے سے پہلے پہنچ جاؤ گی۔"

"اِن حضرت کے بارے میں کوئی نئی اطلاع تو نہیں ملی؟"

"نہیں نہیں۔ ثاقب کی بات کر رہی ہو؟"

"جی ہاں۔"

"نہیں، وقت پر پہنچے گا۔" انکل شہریار نے جواب دیا۔

چار بجنے میں دو یا تین منٹ باقی تھے کہ چند ملازم ایک طویل القامت شخص کو لے کر اندر داخل ہوگئے۔ انکل شہریار اور میں کھڑے ہوگئے تھے اور جب میری نگاہ اس شخص پر پڑی تو ایک بار پھر میرا پورا وجود ہل کر رہ گیا۔

بن عارف میرے سامنے موجود تھا۔ داڑھی مونچھوں سے بے نیاز، شگفتہ چہرہ، سنہری فریم کی عینک لگائے ہوئے اور بالوں کے بدلے ہوئے انداز کے ساتھ وہ بقراط کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ میری دلی کیفیت عجیب ہوگئی تھی۔ طبیعت تھی کہ اندر سے بُری طرح بگڑنے لگی تھی، خود کو سنبھالنا بے حد مشکل ہوگیا تھا۔ یہ نفرت انگیز شخصیت، یہ کریہہ انسان کہاں کہاں میرا تعاقب کرے گا۔ کون کون سے رُوپ ہیں اس کے... میں نے نفرت بھرے انداز میں سوچا۔ دُوسری جانب انکل شہریار کہہ رہے تھے۔۔ "میری بہت ہی پیاری بیٹی عالیہ صغیر بھایانی۔"

"بڑی خوشی ہوئی خاتون آپ سے مل کر۔" بقراط کی آواز اُبھری اور میں نے نفرت بھری نگاہوں سے اُسے دیکھا۔ میں نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

"تشریف رکھیے۔" بقراط نے صوفے کی جانب اشارہ کیا اور میں دَھم سے بیٹھ گئی۔ انکل شہریار بھی اسی صوفے پر بیٹھ گئے تھے جس پر میں بیٹھی تھی۔

بقراط بڑی نفاست سے دُوسرے صوفے پر بیٹھ گیا۔ اُس کے جسم پر بہترین تراشش کا سُوٹ تھا۔

انکل شہریار ثاقب دُرّانی کا تعارف کرا رہے تھے اور میں دل ہی دل میں کھَول رہی تھی۔ انکل شہریار کو میرے چہرے کے تاثرات کا شاید احساس ہوگیا تب ہی وہ خاموش ہوکر مجھے دیکھنے لگے لیکن میں نے اپنے چہرے میں کوئی تبدیلی نہیں کی تھی۔

"کیا سوچ رہی ہو عالیہ بیٹے؟" انہوں نے کہا اور میرے ہونٹوں پر طنزیہ مُسکراہٹ پھیل گئی۔

"اِنہی حضرت کے بارے میں سوچ رہی ہوں۔" میں نے ثاقب دُرّانی کی طرف اشارہ کر کے نفرت بھرے لہجے میں "تمہارا لہجہ عالیہ...؟"

"ہاں آپ نے میرے لہجے کا درُست اندازہ لگایا۔ شہریار میں ان حضرت کو بخوبی جانتی ہوں۔"

"اوہو... کیسے؟" انکل شہریار نے پوچھا۔ ثاقب دُ بھی مخصوص انداز میں بھنویں اُٹھا کر مجھے دیکھنے لگا تھا۔ بقراط کا یہ انداز کبھی نہیں دیکھا تھا۔ بلاشبہ انداز کی یہ تبد بھی کافی ذہانت رکھتی تھی لیکن میں دھوکا کھانے والوں میں نہیں تھی۔

"بس انکل بعض لوگ اپنی زندگی میں اپنی ذات کو عجوبہ بنانے کے خواہش مند ہوتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ اُن کی شخصیت کے بارے میں سوچتے رہیں اور اس سلسلے میں وہ بڑی بڑی انوکھی حرکتیں کرتے ہیں۔"

"عالیہ۔ عالیہ... میرا خیال ہے تمہیں ثاقب کے بارے میں کچھ غلط فہمی ہو رہی ہے۔" انکل شہریار بے چارے پریشان ہو رہے تھے۔

"جی ہاں اکثر ہوتی رہی ہے۔ بارہا ہوئی ہے کیوں صاحب میں غلط تو نہیں کہہ رہی؟"

"میں کیا عرض کرسکتا ہوں خاتون۔ میرے خیال میں آپ کی گفتگو سے کچھ ایسا اندازہ ہوتا ہے جیسے واقعی آپ کو میرے بارے میں کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ کیا آپ مجھ سے ملتی جلتی شخصیت سے واقف ہیں؟"

"جی ہاں۔" میں نے طنزیہ انداز میں جواب دیا۔

"کون ہے وہ؟" انکل شہریار بولے۔

"انکل کیا ثاقب صاحب مقامی باشندے ہیں؟" سوال کیا۔

"ہاں یہیں کے رہنے والے ہیں۔"

"یہاں ان کے عزیز واقارب بھی ہوں گے؟" پوچھا اور ثاقب ہنس پڑا۔

"بڑے دلچسپ سوالات کر رہی ہیں آپ۔ جی ہاں عزیز واقارب موجود ہیں یہاں۔ میرے والد ہیں، والدہ، ان دونوں کے علاوہ اور کوئی عزیز نہیں ہے لیکن میرا ہے۔ یہ دُوسری بات ہے کہ میں وہاں بہت کم رہا ہوں"

"انکل۔ کیا ثاقب صاحب میری ایک بچکانہ خواہش کرسکتے ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"فرمایے۔ فرمایے۔ بچوں کی باتیں کسے پیاری نہیں ہوتیں" نے کہا اور ایک بار پھر میرے ذہن میں دُھواں ہی دُھواں میں نے بمشکل تمام خود پر قابو پایا تھا پھر میں بولی۔

"تو انکل، کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ ہم ثاقب صاحب کے والدین سے ابھی اور اسی وقت ملیں اور میں ان کی کوٹھی بھی دیکھ لوں۔"

"بھئی یہ سب کچھ ہوسکتا ہے۔ ثاقب کے بارے میں، میں طرح جانتا ہوں لیکن مجھے یہ بتاؤ تمہارے ذہن میں کیا ہے؟" شہریار نے کہا۔

"کیوں ثاقب صاحب آپ بتا سکتے ہیں، میرے ذہن میں کیا ہے؟" میں نے ثاقب دُرّانی سے سوال کیا۔

"نہیں خاتون میں ٹیلی پیتھی سے واقف نہیں ہوں بلکہ آپ کی دلچسپ غلط فہمی سے مجھے بھی بڑا لُطف آرہا ہے اور یہ اتفاق ہے کہ میں ایک سنجیدہ گفتگو کے لیے انکل شہریار کے پاس حاضر ہوا تھا لیکن یہ گفتگو ایک دلچسپ رُخ اختیار کر گئی۔ بہرصُورت میں اس سے بور نہیں ہو رہا ہوں بلکہ مجھے آپ کی غلط فہمی میں لُطف آرہا ہے، پہلے یہ تو بتایے آپ مجھے کیا سمجھ رہی ہیں؟"

کس طرح گفتگو کر رہا ہے یہ کم بخت، کتنا اجنبی کتنا انوکھا میرے سامنے پیش ہوا ہے حالانکہ اُس نے آواز بدلنے کی کوشش نہیں کی لیکن لہجے کا انداز اور اپنی مخصوص گفتگو کے انداز بدل لیے ہیں، کتنا بڑا شاطر ہے یہ، کتنا کمینہ ہے یہ انسان میں نے سوچا۔ میں چند ساعت کے لیے خاموش ہوگئی تھی۔ مجھے احساس ہو رہا تھا کہ میں نے ہلکے پن کا مظاہرہ کیا ہے یہاں بھی مجھے نظر انداز کرنا چاہیے تھا۔ آخر وہ خود کو کیا سمجھتا ہے تب ہی شہریار کی آواز اُبھری۔

"لیکن انکل شہریار، مس عالیہ صغیر بھایانی کی شخصیت میرے لیے ابھی تک نامکمل ہے۔"

"بھئی ثاقب جو دلچسپ اتفاق یا غلط فہمی تم لوگوں کے درمیان موجود ہے میں اس سے متاثر نہیں ہوں گا۔ یُوں لگتا ہے آج کل حالات خود میرا دماغ پلٹنے میں مصروف ہیں، کچھ ایسی باتیں میرے علم میں آئی ہیں جو مجھے پاگل کر دینے کے لیے کافی ہیں اور یہ ایک نیا شوشا اُٹھ گیا ہے۔ بہرحال تم دونوں کے درمیان جو بھی ہو، میں جو کچھ کہے جا رہا ہوں اس سے تمہیں اتفاق ہو لیکن ایک بات میں تمہیں ضرور بتا دوں۔۔"

"ضرور۔ میں آپ کی ہر بات سُننے کے لیے تیار ہوں انکل۔" ثاقب دُرّانی نے کہا۔

"عالیہ صغیر بھایانی میرے لیے میری بچی کی حیثیت رکھتی ہے اور ثاقب تمہاری شخصیت سے مجھے اس قدر عقیدت اور محبت ہے کہ میں تمہیں کسی بھی صُورت خود سے دُور نہیں سمجھتا۔ میرے دِل میں تو یہی احساس ہے کہ میں تم دونوں کا احترام کرتا رہوں اور دونوں سے ایک جیسی محبت کرتا رہوں۔ اس محبت کے تحت میرے دل میں یہ خواہش تھی کہ میں تم دونوں کی... شخصیتیں ایک دُوسرے سے پوشیدہ نہ رکھوں۔ ہاں اگر عالیہ بیٹی مجھے اس کی اجازت نہ دے تب پھر مجبوری ہے۔ کیوں عالیہ کیا کہتی ہو تم؟"

"مُم... میں نہیں سمجھی انکل؟"

"مقصد یہ کہ اگر میں ثاقب کو تمہارے بارے میں سب کچھ بتا دوں تو کیا تمہیں اس پر اعتراض ہوگا؟ یہ سوال میں اس لیے کر رہا ہوں کہ تم نے ثاقب کے بارے میں عجیب سے خیالات کا اظہار کیا ہے حالانکہ ثاقب دُرّانی کے بارے میں، میں تمہیں سب کچھ خود بتا چکا ہوں۔" انکل شہریار نے کہا۔

"انکل یہ آپ کی بھُول ہے اور آپ کو یقیناً اِس بات پر افسوس ہوگا کہ آپ نے جس شخص سے اتنی عقیدت رکھی... اُس نے اپنی اصلیت تک آپ کو نہ بتائی۔" میں نے ثاقب کو گھُورتے ہُوئے کہا اور ثاقب بدستور مُسکرانے میں مصروف تھا۔

"بھئی ثاقب تمہارا بولنا ضروری ہے۔"

"مِس عالیہ میری بھرپُور نمایندگی کر رہی ہیں انکل شہریار۔" ثاقب دُرّانی نے تمسخرانہ انداز میں کہا اور میں جل کر رہ گئی۔ ایک لمحے کے توقف کے بعد وہ پھر گویا ہُوا۔ "انکل شہریار، مِس عالیہ جو کچھ بھی میرے بارے میں کہیں گی میں اُسے تسلیم کر لُوں گا... آخر یہ کہنا کیا چاہتی ہیں؟" ثاقب نے پوچھا۔

"بس میں کچھ نہیں چاہتی۔" میں نے جواب دیا... اور ثاقب ہنس پڑا۔

"اب بتایے انکل میں کیا کروں؟"

"بھئی عالیہ بیٹے مجھے اُلجھن میں گرفتار مت کرو۔"

"نہیں انکل وَیری سَوری۔ آپ جو کچھ کہنا چاہتے ہیں اُس کا اختیار رکھتے ہیں۔ آپ جس انداز میں چاہیں... گفتگو کریں۔ مجھے اعتراض نہ ہوگا۔" میں نے جواب دیا۔

"شکریہ عالیہ بیٹے۔ ہاں تو ثاقب عالیہ میرے ایک عزیز دوست صغیر بھایانی کی بیٹی ہے۔ اس نے اپنی طویل زندگی غیر ممالک میں گزاری ہے۔ صغیر بھایانی کا انتقال ہُوا تو یہ اپنے وطن واپس آگئی اور یہیں فروکش ہوگئی۔ اس کے ذہن میں مُلک و ملت کا گہرا درد موجود ہے اور یہ اپنی سرزمین کو محبت کی زمین بنانا چاہتی ہے۔ ان وطن فروشوں، غداروں، بے ضمیروں سے پاک کرنا چاہتی ہے اس زمین کو، جو مُلک و ملت کے

ناموس پر سیاہ داغ ہوتے ہیں۔ اس لڑکی کا یہ جذبہ بہت عظیم ہے۔ باہر سے یہاں آکر اس نے اخبار کا ایک دفتر قائم کیا کیوں کہ صحافت سے اس کو دلچسپی تھی اور اس کے مضامین نے بلاشبہ اس کے اخبار کو ایک عظیم حیثیت دلادی لیکن عام نگاہوں میں یہ اس اخبار کی ایک ادنیٰ کارکن ہیں اور صحافی کی حیثیت سے کام کرتی ہیں لیکن یہ بات کوئی نہیں جانتا کہ عالیہ صغیر بھایانی اس اخبار کی مالک بھی ہے۔"

"اوہ..." ثاقب نے سیٹی بجانے والے انداز میں ہونٹ سکوڑے اور میں جل بھُن کر رہ گئی۔ اس کے انداز سے صاف ظاہر تھا کہ وہ مجھے چھیڑ رہا تھا، چیلنج کر رہا تھا۔ کہ دیکھا مس عالیہ آپ کی شخصیت میری نگاہوں میں کس طرح کھُل گئی، جب کہ آپ اب تک میرے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتیں۔

میں خاموشی سے صوفے کی پشت سے گردن لگائے بیٹھی تھی۔ تب ثاقب نے کہا۔

"مس عالیہ قابلِ احترام ہیں انکل شہریار لیکن ان جیسی خاتون میرے بارے میں کسی غلط فہمی کا شکار ہیں، یہ بڑے تعجب کی بات ہے۔"

"میں ان الفاظ پر احتجاج کرتی ہوں۔" میں نے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"مسٹر ثاقب مسلسل خود کو چھپائے جا رہے ہیں۔"

"اچھا اچھا مس عالیہ آپ مجھے ضرور کھول کر رکھ دیں۔ مجھے اعتراض نہ ہوگا۔ بہرصورت مجھے آپ کی ذات سے ایک عقیدت اور دلچسپی پیدا ہوگئی ہے۔ اس لیے میں آپ کی کسی بھی بات کا بُرا نہیں مانوں گا۔"

"شکریہ۔" میں نے ہونٹ سکوڑ کر جواب دیا۔

"بھئی عالیہ بیٹے اس وقت تو تم بالکل ایک چھوٹی سی بچی لگ رہی ہو۔ بہرحال ثاقب کے اور تمہارے درمیان جو بھی... غلط فہمی موجود ہے یا اگر کوئی حقیقت بھی ہے تو فی الوقت ہم اسے

زیرِ بحث نہیں لائیں گے۔ کیا خیال ہے، کچھ کام کی باتیں کرلی

"جیسا آپ مناسب سمجھیں انکل۔" میں نے جواب

بس نہیں چل رہا تھا کہ میں یہاں سے اٹھ جاتی، بلاشبہ

شخصیت میں ہلکا پن پیدا ہوگیا تھا اور میں محسوس کر رہی

کہ میری یہ شدت پسندی اس وقت مجھے رُسوا کرنے کا با

بن گئی ہے۔ میری کیفیت اس وقت بالکل احمق قسم کے

جیسی ہوگئی تھی اور میں اس بات کو شدت سے محسوس کر

"ہاں تو ثاقب صاحب۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ

آپ کے بارے میں عالیہ کو سب کچھ بتا چکا ہوں۔ کل آپ کے

ہمارے درمیان مختصر سی گفتگو ہوئی تھی۔ میں چاہتا

ثاقب کہ اب تم یہیں مقیم ہوجاؤ اور اپنی ان تمام صلاحیتوں

مُلک و ملت کو فائدہ پہنچاؤ۔ میری مُراد ہے کہ میں تمہیں حکو

میں ایک باقاعدہ عہدے دار کی حیثیت سے دیکھنا چاہتا ہوں

"اوہ۔ انکل شہریار کیا یہ ساری گفتگو اسی وقت ضر

ہے۔" ثاقب نے پوچھا۔

"ضروری تو نہیں ہے لیکن اگر عالیہ کی موجودگی کی وجہ

تم سوچ رہے ہو تو میں تم سے پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ یہ میر

لیے میری بیٹی کی حیثیت رکھتی ہے۔ دوسرے انداز میں ایک

ایسے قابلِ اعتماد ساتھی کی جس پر مجھے مکمل بھروسہ ہے۔"

انکل شہریار نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے تو اس سلسلے میں میرا جواب اگر آپ کے

لیے تکلیف دہ ہو تو مجھے معاف کردیں۔ دراصل محترم میں کو

عہدہ کسی قیمت پر قبول نہیں کرسکتا۔ بے شک میں اب ا

وطن ہی میں قیام کروں گا اور میرے دل میں وطن کی محبت ان

لوگوں سے کم نہیں ہے جو خود کو محبِّ وطن سمجھتے ہیں لیکن بعض

فطرتوں کا تضاد انوکھی کیفیات کا حامل بن جاتا ہے۔ قانون

شخص کے لیے شہ رگ کی حیثیت رکھتا ہے لیکن مجھے معا

کیجیے گا میں نے اس مُلک کے قانون کی جگہ جگہ تذلیل دیکھی

یوں لگتا ہے جیسے مُلک کی بڑی آبادی باغیوں کے گروہ

سے تعلق رکھتی ہے۔ وہ قانون توڑنا فرض سمجھتی ہے۔ اس

چھوٹے بڑے تمام لوگ شامل ہیں۔ ہر شعبہ ہائے زندگی کے

اپنے مفاد کو قانون سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں۔ آپ کا قانون

گھر کی چار دیواری میں پردہ نشین ہے۔ اس چار دیواری

باہر نکلیے آپ کو چاروں طرف قانون شکن نظر آئیں گے۔ ہر

جرم کرنے پر تُلا بیٹھا ہے۔ دوکاندار گراں فروشی پر آمادہ ملا

مارکیٹنگ پر کمربستہ ذخیرہ اندوز اپنے کام میں مصروف

نئی نئی گھاتوں میں لگے ہُوئے ہیں۔ ٹریفک کا نظام

کا شکار ہے۔ سڑکوں پر پیدل چلنے والے بھی قانون شکنی

وصول کر رہے ہیں۔ جس سمت نگاہ اٹھائیں قانون شکن

نظر آتے ہیں۔ میں خود اپنا مذاق بننے کے لیے تیار نہیں ہوں۔"

کل شہریار بے بسی سے اُسے دیکھ رہے تھے۔ ویسے مجھے

کی یہ بات پسند آئی تھی۔ یہ میرے دل کی آواز بھی تھی۔

کی کون سی بات بُری ہوتی تھی سوائے ایک کے...

خود کو ضرورت سے زیادہ چالاک سمجھتا تھا اور نہ جانے

ت رُوپ میں رہنے کا خواہش مند تھا۔ نہ جانے کیوں

پُراسرار بنانے کا شوق تھا۔ کسی ایک سے بھی تو وہ

تھا۔

قب دُرانی کے خاموش ہونے کے بعد بھی کافی دیر تک

اری رہی پھر وہ بولا۔

پ کو یقین ہوگا انکل شہریار کہ میں نے اس گفتگو میں

ئی نہیں کی ہے میں اپنی شکایات میں مخلص ہوں۔

ہدے دار بننے کے لیے کچھ پابندیاں بھی قبول کرنی

بس میں انہی سے گھبراتا ہوں۔ دوسری شکل میں میں

گا اپنی مرضی سے کروں گا۔"

ٹھیک ہے لیکن اس سلسلے میں اور سوچ لو ثاقب

تمہارے ذہن میں میری اس پیش کش کے لیے کوئی

ل آئے۔" انکل شہریار نے کہا۔

نہیں انکل۔ یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔ ویسے میں آپ کی

تحت ہر کام کرنے کو تیار ہوں۔"

س کا شکریہ بیٹے۔ بس میں ہونہار جوانوں کو ملک کے

ن دیکھنے کا خواہش مند ہوں بہرحال ملک کے لیے

دں کا انتخاب میری ڈیوٹی میں نہیں ہے۔ حکومت خود

کو مناسب عہدے تفویض کردے گی۔" انکل شہریار

ہو گئے۔

س عالیہ۔ میں اس سلسلے میں آپ کی رہنمائی چاہتا

ب دُرانی میری طرف متوجہ ہو کر بولا۔

وری مسٹر ثاقب ظاہر ہے یہ معاملہ میری ذہنی پہنچ

ہے۔ میں اس سلسلے میں اپنی کسی رائے کا اظہار نہیں

نے جواب دیا۔ انکل شہریار کچھ بجھ سے گئے تھے۔

تک وہ خاموش رہے پھر انہوں نے اپنے انداز میں

کچھ تبدیلی پیدا کی۔

"اچھا بھئی چھوڑو ان باتوں کو۔ یہ ایک پیش کش تھی جس کے سلسلے میں، میں صرف اس حد تک جذباتی تھا جتنا بتا چکا ہوں اس سے زیادہ میرا اس میں کوئی فائدہ نہیں ہے تو ثاقب تم اب اپنے وطن میں قیام کا ارادہ رکھتے ہو؟"

"جی..."

"مشاغل کیا رہیں گے تمہارے؟"

"میں بتاؤں انکل؟" میں نے خود کو سنبھالتے ہوئے کہا اور ثاقب دُرانی اور انکل شہریار چونک کر مجھے دیکھنے لگے۔

"بتائیں بھئی آپ ہی بتائیں۔" انکل شہریار نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ثاقب دُرانی صاحب کوئی معمولی شخصیت نہیں ہیں۔ ایک بے حد دولت مند گھرانے کے چشم و چراغ ہیں اور حال ہی میں ان کے سپرد بہت اہم ذمے داریاں کی گئی ہیں جنہیں اگر یہ پورا کرنے میں واقعی مخلص ہو جائیں تو انہیں سر اٹھانے کی مہلت نہ ملے۔ چنانچہ ان کے مشاغل تو متعین ہو چکے ہیں۔ ہاں کچھ تفریحی مشغلوں کے بارے میں میں نہیں کہہ سکتی ممکن ہے جاری رہیں۔"

ثاقب دُرانی بے اختیار ہنس پڑا اس کے خوبصورت دانت جھلکنے لگے تھے۔ اُس نے بدستور ہنستے ہوئے کہا۔

"مس عالیہ بہتر یہ ہے کہ آپ اپنے دل سے میرے بارے میں غلط فہمیاں دُور کر دیں۔ میں آپ کو وہ سارے ثبوت دینے کے لیے آمادہ ہوں جو آپ کی غلط فہمیاں دُور کر سکیں، کیوں نہ ہم اس مسئلے کو اُس وقت تک کے لیے اُٹھا رکھیں جب تک آپ میرے مسئلے میں کوئی مناسب فیصلہ نہ کر لیں۔"

"یہ فیصلہ کتنے دن میں کیا جا سکے گا مسٹر ثاقب۔" میں نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"دن میں نہیں گھنٹوں کی بات کریں۔ آیئے میں آپ کو اپنے گھر لے چلوں، اپنے عزیز و اقارب سے ملاؤں۔ میرا خیال ہے اس کے بعد آپ کے ذہن سے خود بخود یہ غلط فہمی دُور ہو جائے گی۔ یہ سب کچھ جو میں کرنا چاہتا ہوں اس میں ایک دلچسپ پہلو بھی پوشیدہ ہے۔ یعنی یہ کہ میری ذات کو مجھ سے مختلف سمجھا جا رہا ہے اور دوسری بات آپ سے عقیدت کی ہے وہ جذبہ جسے انکل شہریار نے ہوا دی ہے۔ میرا مطلب ہے کہ انہوں نے آپ کے بارے میں یہ سب کچھ بتا کر مجھے آپ کے مقام کے بارے میں بتا دیا ہے اور آپ یقین کریں میں آپ کی دل سے عزت کرتا ہوں۔" ثاقب دُرانی نے کہا۔

"کیوں بھئی عالیہ اب کیا خیال ہے؟"

"انکل میں ان کا گھر ضرور دیکھوں گی۔" میں نے بچکا[نہ] انداز میں کہا۔

"آپ بھی اگر زحمت فرمائیں انکل تو کیا ہرج ہے؟" دُرانی نے کہا۔

"نہیں بھئی مجھے اس وقت معاف رکھو۔ ویسے میں [تم] سے اس بارے میں تفصیلات پوچھ لوں گا اور ویسے تم لوگ سے ملتے تو رہو گے؟" انکل شہریار نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیوں نہیں۔ کیوں نہیں۔" ثاقب دُرانی نے جواب [دیا]۔ اس کے بعد یہ موضوع ہی ختم کر دیا گیا۔ ہم لوگ مختلف مو[ضوعات] پر گفتگو کرتے رہے لیکن اس میں اطہر رضوی کا کوئی مس[ئلہ] سامنے نہیں آیا تھا اور پھر انکل شہریار نے ہماری خاطر [مدارات] کی اور اس کے بعد میں اُٹھ گئی۔

ثاقب دُرانی بھی میرے ساتھ ہی اُٹھ گیا تھا۔ ہم انکل شہریار سے اجازت لے کر باہر نکل آئے۔ دروازے [سے] باہر قدم رکھتے ہوئے میں نے کہا۔

"مسٹر بقراط۔ میں نہیں سمجھ سکتی کہ آپ یہ سارا ڈ[رامہ کس] لیے کر رہے ہیں۔ آخر اس کی کیا ضرورت ہے؟"

"بقراط..." ثاقب دُرانی ہنس پڑا۔ "کیا یہ میرا نیا [نام ہے؟]"

"ہونہہ... اچھا ٹھیک ہے اب میں اس سلسلے [میں] کچھ نہیں کہوں گی۔" میں ہونٹ بھینچ کر خاموش ہو گئی۔

"آپ کے پاس گاڑی تو یقیناً ہو گی؟"

"جی ہاں موجود ہے۔"

"تب براہ کرم میری گاڑی کے ساتھ ساتھ چلی آ[ئیے]۔" اُس نے کہا اور اپنی کار کی جانب بڑھ گیا۔

میں جلی بھُنی سی اپنی گاڑی میں بیٹھ گئی۔ اس [وقت] پر تو میں قیامت تک یقین نہیں کر سکتی تھی کہ میں ا[تنی] بے وقوف ہوں۔ ایک شخص بار بار مجھے بے وقوف بنا ر[ہا ہے] مختلف بھیس بدل بدل کر۔ کبھی بن عارف بن کر اور کبھی [...] بن کر، کبھی کچھ بن کر اور کبھی کچھ بن کر، اور میری آنکھیں [اس] قدر اندھی ہیں کہ میں اس کی شخصیت یا اصلیت بھی نہ [پہچان] سکوں۔ وہ احمقانہ انداز میں مجھے بے وقوف بنا رہا ہے لیک[ن] لیکن... ثاقب دُرانی کی کار اسٹارٹ ہو کر آگے بڑھ گئی [اور] میں نے بھی اپنی کار اُس کے پیچھے لگا دی۔ اب دیکھ[نا]

[ہے یہ کہاں] لے جاتا ہے، میں نے سوچا اور پھر ذہن کو جھٹکے دے [کر اسے] پُرسکون کرنے کی کوشش کرنے لگی۔

[...] تب کچھ اور خیالات میرے ذہن میں آئے۔ آخر مجھے اس [...]لی لوٹ میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے، میں کیوں اس [...] اس قدر پریشان ہو گئی ہوں، جو کچھ وہ بننا چاہتا ہے [...]تم میں جائے، مجھے اس سے کیا... بلاوجہ میں اپنی شخصیت [...]ی کھوج میں لگا کر ہلکا کر رہی ہوں۔ بہر صورت یہ [...]رحلہ طے ہو جائے اس کے بعد اس کی صورت پر [...] ... میں نے سوچا۔

[...] کار مختلف سڑکیں طے کرتی ہوئی ایک خوبصورت رہائشی [...]یں داخل ہو گئی اور پھر ایک کوٹھی کے سامنے رُک [...]ٹی پر "ثاقب ولا" لکھا ہوا تھا۔

[...] پیتل کی اس خوبصورت پلیٹ پر "ثاقب ولا" لکھا دیکھ [...]ل دھک سے ہو گیا تھا۔ گویا اس کم بخت نے اپنے [...]م کے سلسلے میں انتہائی تیاریاں کر رکھی تھیں۔ اپنی [...]ت میں کہیں کوئی سُقم نہیں چھوڑا تھا اس کی باتوں [...] قسم کا جھول نہیں تھا۔ اگر وہ میری نفی کر رہا تھا تو وہ [...]ا کہ میری اس بات کا اُس کے پاس معقول جواز ہے [...] وہ ثبوت کے طور پر مجھے "ثاقب ولا" لے آیا تھا۔

بہر صورت اُس کی کار دیکھتے ہی چوکیدار نے خوبصورت [...]ھول دیا اور ثاقب مجھے اشارہ کرکے اپنی کار اندر لے [...] نے بھی کار کو اُس کی کوٹھی کے گیٹ کے اندر موڑ لیا۔ ثاقب نے کار پورچ میں روک دی اور نیچے اتر آیا پھر [...] میرے نزدیک آ کر کہا۔

"[...] تشریف لایئے مس عالیہ۔" اس کا انداز انتہائی پُر اخلاق [تھا]۔ [میں] مسکراتی ہوئی اُس کے ساتھ سیڑھیاں چڑھ کر اندر [داخل ہو] گئی، بڑے دروازے سے ہم ایک راہداری میں داخل [ہوئے۔ ر]اہداری کے اختتام پر ایک حسین ڈرائنگ روم موجود [تھا۔ و]ہ مجھے ڈرائنگ روم میں لے آیا اور بولا۔

"[...] تشریف رکھیے... یا اس کوٹھی کی تلاشی لینا چاہتی ہیں؟"

"[...]نہیں ثاقب صاحب، تلاشی لینے کا میں کوئی حق نہیں [رکھتی]۔ [...] بھی اگر آپ کو میری یہ فضول باتیں ناگوار گزری ہوں [تو میں مع]افی چاہتی ہوں۔ کسی کو کسی کے بارے میں کھوج کرنے [کا اتنا حق] نہیں ہے جتنا کہ میں نے یہ حق استعمال کیا۔ بس انکل شہریار [...]ا سی بے تکلفی بھی ہے اس لیے اُس وقت میں نے آپ کو دیکھ کر یہ ساری باتیں کہہ دی تھیں لیکن اب مجھے احساس ہو رہا ہے کہ میری یہ باز پُرس بالکل بے معنی ہے۔"

"نہیں مس عالیہ آپ بھروسہ کریں اس بات پر کہ آپ کی شخصیت کے بارے میں معلوم کرکے میں آپ سے کافی متاثر ہوا ہوں۔ براہ کرم آپ تشریف رکھیے۔" اُس نے کہا اور میں صوفے پر بیٹھ گئی۔ وہ خود بھی میرے سامنے ہی بیٹھ گیا تھا۔

"مجھے اس دلچسپ شخصیت سے ملنے کا بڑا شوق ہے جس نے آپ کو میرے بارے میں غلط فہمی کا شکار کیا، یقیناً وہ مجھ سے اتنا ہی ملتا جلتا ہو گا اور اپنے ہم شکل کو دیکھنے کا شوق کسے نہیں ہوتا۔" ثاقب دُرانی نے کہا اور اُسی وقت ایک مُلازم اندرونی دروازے سے ڈرائنگ روم میں آ گیا اور ثاقب دُرانی نے مجھ سے مخاطب ہو کر پوچھا۔

"کیا پئیں گی آپ؟"

"کچھ نہیں ثاقب صاحب تکلفاً نہیں بلکہ حقیقتاً۔" میں نے کہا۔

"نہیں۔ میں آپ کو کچھ نہ کچھ ضرور پلاؤں گا۔ کوئی ٹھنڈا مشروب لے آؤ۔" اُس نے مُلازم سے کہا اور مُلازم گردن جھکا کر آگے بڑھا تب ہی ثاقب نے چیخ کر کہا۔ "سنو شکور بات سنو۔"

"جی صاحب۔" مُلازم رُک گیا۔

"ممی اور ڈیڈی کہاں ہیں؟"

"موجود ہیں جناب۔"

"براہ کرم اُن سے کہو کہ اندر ڈرائنگ روم میں تشریف لے آئیں۔ میں انہیں اپنی ایک عزیزہ سے ملانا چاہتا ہوں۔"

"جی بہتر۔" مُلازم نے جواب دیا اور اندرونی کمرے میں چلا گیا۔ میں خشک ہونٹوں پر زبان پھیر رہی تھی۔

"تو مس عالیہ بات ہم اُس شخص کی کر رہے تھے۔ کیا آپ مجھے اس کے بارے میں اور کچھ بتائیں گی؟"

"بس کیا بتاؤں، جانے دیں اِن باتوں کو۔"

"آپ کی مرضی۔ میں آپ کو مجبور نہیں کر سکتا لیکن ہم پھر اُس موضوع پر آ جاتے ہیں کہ میری آپ سے عقیدت اور دلچسپی اُسی حد تک برقرار ہے۔ خاص طور سے اس لیے کہ آپ نے ان نامساعد حالات کو اپنایا ہے جو ہمارے ملک میں ایک بڑی تکلیف دہ حقیقت رکھتے ہیں، آپ کی شخصیت میں ایک اہم بات یہ ہے کہ آپ نام و نمود کی خواہش مند نہیں ہیں۔ اخبار کی مالک ہونے کے باوجود اُس میں صرف ایک صحافی کی حیثیت سے کام کر رہی ہیں۔ افسوس میں نے آپ کے مضامین آپ کے

آرٹیکل نہیں پڑھے لیکن اب ضرور پڑھوں گا۔ کیا آپ باقاعدہ رپورٹنگ کرتی ہیں؟"

"باقاعدہ نہیں بس کبھی کبھی۔ پچھلے دنوں اس سلسلے میں زیادہ محنت کر رہی تھی لیکن اب کچھ لاپروا ہو گئی ہوں۔"

"نہ ہوں، براہِ کرم نہ ہوں۔ میں نہیں جانتا کہ آپ کے اخبار کی پالیسی کیا ہے لیکن آپ کی فطرت کا اندازہ کرتے ہوئے مجھے یقین ہے کہ وہ ایک غیر جانبدار اخبار ہو گا۔"

"جی ہاں۔ میں نے یہ کوشش کی ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"اچھا مس عالیہ آپ کا قیام کہاں ہے؟"

"بس ایک چھوٹے سے فلیٹ میں رہتی ہوں لیکن عموماً تنہا ہونے کی وجہ سے دوستوں کے ساتھ ہی وقت گزارتی ہوں۔"

"اگر آپ پسند فرمائیں تو مجھے بھی اپنے دوستوں میں شمار کریں۔ میرے لائق کسی بھی وقت کوئی بھی خدمت ہو تو میں حاضر ہوں۔"

"بہت بہت شکریہ۔" میں نے کہا اور مسکرا پڑی۔ وہ میری اس مسکراہٹ سے کچھ خجل سا ہو جاتا تھا لیکن بہرصورت بڑے اخلاق سے پیش آ رہا تھا۔

چند ساعت کے بعد میں نے ایک پُروقار جوڑے کو ڈرائنگ رُوم میں آتے دیکھا۔ خاتون بھی خاصی قدآور تھیں اور ان کے ساتھ جو معمّر شخص تھے وہ بھی ایک اچھی شخصیت کے مالک تھے لیکن ایک بات میں دعوے سے کہہ سکتی تھی کہ ان دونوں کے چہروں میں ثاقب کی کوئی جھلک نہیں تھی یا یوں کہا جائے کہ ثاقب کی شخصیت میں ان دونوں کی شخصیت کا کوئی عکس نہیں تھا۔ دونوں اندر آ گئے۔ معمّر شخص مسکراتے ہوئے میری جانب بڑھے...

"میں معزز مہمان کو خوش آمدید کہتا ہوں... میرا نام عابد دُرّانی ہے اور یہ محترمہ میری منکوحہ ہیں۔" انہوں نے اپنی بیگم کا تعارف کراتے ہوئے کہا۔ میں کھڑی ہو گئی تھی۔

خاتون نے آگے بڑھ کر میرے سر پر ہاتھ رکھا۔ "بیٹھو بیٹی بیٹھو۔" اور میں شکریہ ادا کر کے بیٹھ گئی۔ وہ دونوں بھی میرے بائیں سمت صوفوں پر بیٹھ گئے تھے۔

"ہاں بھئی ثاقب ذرا مکمل طور پر تعارف ہو جائے۔"

"ڈیڈی یہ عالیہ مغیر بھایانی ہیں۔ ایک اخبار کی رپورٹر خاندانی شخصیت ہیں اور بہت سے معاملات میں قابلِ احترام۔ بس یونہی میں انہیں آپ سے ملانے کے لیے لے آیا تھا۔"

"بھئی بڑا اچھا کیا۔ ان کا پیشہ تو بہرصورت ایک پُرکشش پیشہ ہے۔ ہمیں بڑی خوشی ہوئی بیٹی آپ کے آنے سے... اور ہماری یہ بھی خواہش ہے کہ آتی رہا کرو۔ ویسے ملکی سیاست کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"نہیں ڈیڈی یہ سیاست ہمیشہ میرے ذہن میں چبھتی ہے چنانچہ میں سیاست پر گفتگو کرنا پسند نہیں کرتا۔ آپ عالیہ سے صرف ان کے بارے میں بات کریں اور اپنے بارے میں بات کریں۔ ملکی معاملات پر بحث پھر سہی، مجھے یقین ہے یہ اب آتی رہیں گی۔"

"جی ہاں کیوں نہیں۔" میں نے جواب دیا اور معمّر شخص مسکرانے لگا۔

"بھئی یہ شخص ہمیشہ سیاست سے بھاگتا ہے حالانکہ یہ موضوع ہی یہ رہا ہے۔" معمّر شخص نے ہنستے ہوئے کہا۔

"جی۔" میں خاموشی سے گردن ہلانے لگی۔ ان دونوں کے رویّے کو میں ثاقب کے ساتھ اچھی طرح نوٹ کر رہی تھی۔ میرے ذہن میں ایک خلش تھی ایک چبھن تھی۔ حالانکہ اس حد تک آنے کے بعد مجھے مطمئن ہو جانا چاہیے تھا لیکن اس چبھن کا کیا کرتی جو سکون نہیں لینے دے رہی تھی۔

مشروب آ گیا۔ ہم سب نے مل کر مشروب سے شغل کیا۔ مختلف باتیں ہوئیں۔ ثاقب نے اپنی کوٹھی دکھانے کی پیشکش کی جسے میں نے شکریے کے ساتھ مسترد کر دیا اور کہا کہ پھر کبھی آؤں گی اور اس کے بعد میں اجازت لے کر اُٹھ گئی۔

میرا ذہن بُری طرح اُلجھا ہوا تھا۔ ثاقب مجھے کار پورچ چھوڑنے آیا اور اس نے مجھے مسکراتے ہوئے کہا۔

"خاتون اگر میری شخصیت بہت زیادہ ناگوار نہ گزرا ہو تو براہِ کرم کبھی کبھی رابطہ قائم کرتی رہا کریں، اس کے علاوہ میرے لائق جو بھی خدمت ہو مجھے ضرور یاد کریں اور ہاں یہ تو فرمایئے کیا آپ کے ذہن سے وہ غلط فہمی نکل گئی؟"

"ثاقب صاحب ابھی نہیں۔ بس اس سے زیادہ کچھ نہیں کہوں گی۔" میں نے کہا اور کار میں بیٹھ گئی۔ ثاقب نے دونوں ہاتھ ہلائے اور پھر خدا حافظ کہہ کر واپس مڑ گیا۔ میں کار لے کر باہر نکل آئی تھی۔

... پھر ایک ریستوران کے ہال کے ایک گوشے میں بیٹھ کر میں نے کافی منگوائی اور اس کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ لے کر قرب و جوار میں نگاہیں دوڑانے لگی۔ ذہن کو میں نے آزاد چھوڑ دیا تھا۔ اور سامنے دیکھنے لگی لیکن جو شخص

داخل ہوا تھا اُسے دیکھ کر ایک بار پھر میری آنکھیں تعجب سے پھیل گئیں۔

اگر میری نگاہوں کو دھوکا نہیں ہو رہا تھا... تو یہ جیک فیرل وہی شخص جس نے اطہر رضوی کی کوٹھی میں میری بھرپور مدد کی اور جو اطہر رضوی کو چکمہ دے کر صاف نکل آیا تھا۔ جیک فیرل آہستہ چلتا ہوا ایک میز کے نزدیک پہنچ گیا۔ وہ کسی خیال میں ڈوبا نظر آ رہا تھا۔ اُس نے ایک بار بھی میری طرف نگاہ اُٹھا کر نہیں دیکھا تھا۔ پھر وہ کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔ میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئی تھیں، اس شخص پر بھی مجھے بقراط کا شبہ ہوا تھا لیکن بعد میں جب اُس نے اطہر رضوی کے سامنے اُسے مار ا تھا اور اپنے بارے میں بتایا تھا تو وہ بقراط نہیں تھا لیکن میں بدستور تذبذب کا شکار تھی۔ اس وقت اُسے یہاں دیکھ کر مجھے حیرت بھی ہوئی اور اس اتفاق پر میں تھوڑی سی چوکنی ہو گئی۔ جیک فیرل نے بیٹھنے کے بعد ویٹر کو چٹکی کے اشارے سے بُلایا اور اُسے کسی چیز کا آرڈر دے دیا۔ وہ خیالات میں ڈوبا ہوا رہا تھا۔ اُس نے جیب سے سگریٹ کا پیکٹ نکالا اور اُس سے ایک سگریٹ نکال کر ہونٹوں سے لگا لیا۔ سگریٹ نہایت نفاست سے سُلگایا گیا تھا جب کہ میں نے بقراط کو کبھی سگریٹ پیتے نہیں دیکھا تھا۔

بقراط بقراط... بقراط... لعنت ہے مجھ پر، سو بار لعنت۔ آخر میں ہر شخص میں اُسی کو کیوں تلاش کر رہی ہوں، آخر وہ کیوں میرے ذہن پر سوار ہو گیا ہے۔ بلاوجہ مجھے اپنی ذات سے نفرت محسوس ہوئی اور اُسی وقت جیک فیرل کی نظریں میری جانب اُٹھ گئیں۔ میں نے سگریٹ اُس کی انگلیوں سے گرتے دیکھا تھا جسے اُس نے بڑی چابک دستی سے ایک لمحے میں سنبھال لیا اور پھر میری جانب متوجہ ہو گیا۔ میں نے مسکرا کر سر خم کیا اور دوسرے لمحے وہ کرسی کھسکا کر کھڑا ہو گیا اور بے تکلفی سے میرے نزدیک آ گیا۔

"او میرے خدا یہ آپ ہی ہیں نا مس عالیہ؟"

"ہاں۔ بیٹھیے۔" میں نے پُروقار لہجے میں کہا اور وہ کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔

"کمال ہے۔ شدید حیرت ہوئی آپ کو دیکھ کر۔ میں تو تصور نہیں کر سکتا تھا کہ اس طرح کسی کھلے ماحول میں آپ سے ملاقات ہو جائے گی۔"

"ہاں اتفاقات اس دُنیا کا ایک بہت بڑا حصہ ہیں۔" میں نے جواب دیا۔

"لیکن آپ۔ آپ وہاں سے کیسے نکلیں؟" اُس نے بے اختیار پوچھا۔ ویٹر اُس کی میز کے نزدیک پہنچ گیا تھا، چنانچہ اُس نے اشارے سے ویٹر کو اپنے قریب بُلا لیا اور ویٹر اُس کا سامان لے کر میری میز پر آ گیا۔

"آپ کے لیے کچھ اور منگواؤں مس عالیہ؟"

"نہیں شکریہ۔ میں نے ابھی کافی پی ہے۔"

"جی ہاں۔ بہرصورت تو براہِ کرم مجھے بتایئے کہ آپ وہاں سے کیسے نکل آئیں؟"

"بتاؤں گی۔ بتاؤں گی، بے صبری ٹھیک نہیں ہوتی۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"مس عالیہ۔ آپ یقین کریں میں آپ کے لیے بے حد فکرمند تھا اور مستقل اسی غور و فکر میں ڈوبا ہوا تھا کہ کس طرح آپ کو اس شخص کے شکنجے سے نکالوں۔ دراصل اس ملک میں اس شہر میں، میں بالکل بے بس ہوں، یوں سمجھیں کہ یہاں سے مجھے زیادہ واقفیت نہیں ہے۔ میں کسی ایسے شخص کو بھی تلاش نہیں کر سکا جسے اپنی مدد پر آمادہ کروں۔ دیکھیے حالانکہ آپ کی وہ قید غیر قانونی تھی لیکن قانون کے محافظ مجھ جیسے آدمی کی مدد کہاں کرتے۔"

"یقیناً یقیناً مجھے آپ کی اس مجبوری کا احساس ہے اور میں آپ کے اس جذبے کے لیے شکر گزار بھی ہوں۔ مجھے آپ سے مل کر خود بھی اسی قدر خوشی ہوئی ہے مسٹر جیک فیرل جس قدر آپ کو۔" میں نے کہا۔

"شکریہ مس عالیہ۔ میرا سوال ابھی تک تشنہ ہے؟"

"آپ کے اس سوال کے جواب پر میں یہ بتاؤں کہ اطہر رضوی نے خود ہی مجھے چھوڑ دیا۔"

"اوہ!" جیک فیرل نے گہری سانس لی پھر بولا۔ "کیا کسی معاہدے کے تحت؟"

"نہیں اپنی برتری کے ثبوت کے طور پر۔"

"برتری...؟"

"ہاں ملکی قوانین پر برتری۔ اپنی ذات، اپنی شخصیت پر بہت بڑا اعتماد کرتے ہوئے اُس نے مجھے چیلنج کیا کہ وہ مجھے چھوڑے دے رہا ہے لیکن میں کھلی دُنیا میں جا کر بھی اُس کا کچھ نہیں بگاڑ سکوں گی۔"

"ہوں۔ بہرصورت مجھے خوشی ہے کہ آپ کم از کم اُس کے

چنگل سے آزاد ہو گئیں۔ اب ہم از سرِ نو گفتگو کریں گے۔ کیا آپ اس کے لیے تیار ہیں؟ معاف کیجیے گا مس عالیہ۔۔ میں زبردستی آپ پر مسلط ہوا ہوں لیکن بہر صورت ایک چھوٹا سا رابطہ تو ہے ہمارے درمیان۔ اگر آپ اس سلسلے میں کوئی قباحت محسوس کر رہی ہوں تو میں آپ کو پریشان نہیں کروں گا۔"

"نہیں مسٹر جیک فیرل۔ یہ مسئلہ میرے ذہن میں اتنا ہی شدید اور چپکا ہوا ہے جتنا آپ کے ذہن میں ہوگا۔۔۔" میں نے جواب دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد جیک فیرل نے اِدھر اُدھر دیکھا اور بولا۔

"ویسے ہم یہاں محفوظ ہیں؟ کوئی خاص شخصیت موجود نہیں ہے؟"

"ہاں ہم یہاں بالکل محفوظ ہیں۔" میں نے پُر خیال انداز میں کہا۔

"مس عالیہ۔ میں نے اطہر رضوی کے بارے میں معلومات حاصل کی ہیں۔ میری معلومات کے مطابق اطہر رضوی آپ کے مُلک کا ایک بہت بڑا دولت مند ہے اور بے حد با اختیار کہلاتا ہے۔ بے شمار ممالک میں اُس کے کاروبار پھیلے ہوئے ہیں۔ مجھے اس کے بارے میں ایک بیرونی ملک میں ہی اطلاع ملی تھی اور میں یہاں ایک تصور لے کر آیا تھا۔ معاف کیجیے گا۔ میں آپ کے مُلک اور اس کے مفادات سے مخلص تو نہیں ہو سکتا کیونکہ میں یہاں کا باشندہ نہیں ہوں لیکن بہر صورت میں اپنے اس مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا جس کے لیے میں یہاں آیا تھا۔ میں جرائم کی زندگی میں اس شخص کا زیادہ ساتھ دینا نہیں چاہتا تھا بس یوں سمجھیں میں اپنا حصہ وصول کر کے یہاں سے نکل جانا چاہتا تھا لیکن اُس نے میری ذات کو ایک حقیر سی شئے سمجھ کر ٹھکرا دیا ہے لیکن مجھے اپنی ذات کی حیثیت برقرار رکھنے کے لیے اس کے خلاف جنگ کرنا ہوگی اور اگر اس سلسلے میں آپ کے مُلکی قوانین کی کچھ مدد ہو جائے تو مجھے اس میں اعتراض نہ ہوگا، نفع نقصان تو زندگی میں چلتا ہی رہتا ہے۔ اگر اس سلسلے میں مجھے کچھ حاصل نہ ہو سکا تو مجھے اس بات کی پرواہ نہ ہوگی۔"

"مسٹر جیک فیرل یہاں آپ کے الفاظ میں تھوڑا سا تضاد محسوس کر رہی ہوں۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"میں نے آپ کو ایک پیش کش کی تھی جسے آپ نے نہایت بے رُخی سے ٹال دیا تھا اس کی دو ہی وجوہ ہو سکتی ہیں، یا تو آپ کو یہ یقین نہ ہوگا کہ میں آپ کو کوئی بڑی رقم ادا کر سکتی ہوں، یا پھر آپ کے ذہن میں اس رقم کی کوئی حیثیت ہی نہ ہوگی پھر آپ اس نقصان کا تذکرہ کیوں کر رہے ہیں۔۔۔؟" جیک فیرل ایک لمحے کے لیے خاموش ہو گیا تھا پھر اُس نے مُسکراتے ہوئے کہا۔

"آپ کی گرفت بے حد مضبوط ہے لیکن مس عالیہ۔ انسان کے اپنے کچھ اصول ہوتے ہیں۔ میں نے زندگی میں بے شمار جرائم کیے ہیں لیکن ان جرائم میں ایک خاص رُوح کو برقرار رکھا ہے۔ یعنی کم از کم جرائم کا ایک معیار ہونا چاہیے۔ یوں تو ایک معمولی سا شخص کسی دُکان سے کوئی قیمتی چیز اُٹھا کر بھی بھاگ جاتا ہے اور جُرم کرتا ہے لیکن یہ اُس کی اپنی ذہنیت کی بات ہوتی ہے۔ میں اس ذہنیت کا انسان نہیں ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔ یہ ایک ضمنی سا سوال تھا۔۔۔ بہر صورت اطہر رضوی کے بارے میں اور کیا معلوم کیا تھا آپ نے؟"

"بس اس کی پُر اسرار شخصیت کے بارے میں معلوم کر کے مجھے یہ اندازہ ہوا تھا کہ میں اس سے ایک اچھی رقم کما سکتا ہوں اسی مقصد کے تحت میں یہاں آ گیا تھا۔ یہاں آ کر میں نے اس کے بارے میں معلومات حاصل کیں اور نتیجتاً وہ عجیب و غریب واقعہ میرے سامنے آ گیا جسے میں بھی بُھگت چکا ہوں اور آپ بھی۔ اس سلسلے میں تفصیلات میں جانا بے کار ہے۔ ہاں آپ یہ بتائیے کہ آپ اس سلسلے میں مزید کیا کر سکی ہیں؟"

"مسٹر جیک فیرل آپ کو میرے بارے میں معلوم ہے کہ میں ایک معمولی سی رپورٹر ہوں۔ کچھ لوگ ان لڑکیوں کے قتل کا سُراغ چاہتے ہیں اور یہ لوگ بے پناہ دولت مند ہیں۔ وہ اس سُراغ کے سلسلے میں ہر قیمت ادا کرنے کو تیار ہیں اور اس کی پیش کش مجھے کر چکے ہیں لیکن اس کے باوجود آپ یقین کیجیے میں کسی دولت کے لالچ میں یہ سب کچھ نہیں کر رہی۔۔۔ بلکہ یہ میرا اخلاقی فرض تھا کہ میں ان لڑکیوں کے قاتلوں کی نشاندہی کرتی۔ وہاں سے نکلنے کے بعد میں نے بے شمار باتیں سوچی ہیں۔ اطہر رضوی کا کردار میرے سامنے آیا تو میں نے یہ فیصلہ کیا کہ ممکن ہے میرے وہ کرم فرما جو اس واردات کے مُجرم کو منظرِ عام پر لانا چاہتے ہیں ممکن ہے اطہر رضوی کی شخصیت سے واقف ہوں اور اس سے کسی قسم کی رقابت کا شکار ہوں چنانچہ انہوں نے اس سلسلے میں یہ کثیر سرمایہ خرچ کرنے کے بارے میں سوچا ہو۔ بہر صورت مجھے اس سے غرض نہیں ہے۔ اطہر رضوی جو

ے اُسے منظرِ عام پر آنا چاہیے لیکن آپ کو میری اس
پر ممکن ہے افسوس ہو کہ میں اپنے مُلک میں اتنی بے بس
جتنے دوسرے یعنی وہ لوگ جو اطہر رضوی کے خلاف کچھ
ر سکتے۔ وہاں سے باہر نکلنے کے بعد میں نے بہت کچھ
ور اپنے وسائل کو اتنا محدود پایا کہ میں اُس کے خلاف
اص عمل نہیں کر سکتی۔ بس ان دنوں میں اسی اُلجھن
ار ہوں۔"

"لیکن مس عالیہ کیا آپ نے ہار مان لی؟"

"کیا مطلب؟" میں نے نگاہیں اُٹھا کر اُسے دیکھا۔

" مطلب یہ کہ میں آپ کے ساتھ ہوں۔ میں نے ہار نہیں
بے شک اطہر رضوی نے میری بات تسلیم نہیں کی لیکن
پنی شخصیت کا بھرم قائم رکھنے کے لیے اُس کے خلاف کمربستہ
ں گا اُس وقت تک جب تک کہ اُسے کوئی معقول سزا نہ
ئے۔"

"بغیر کسی لالچ کے؟"

"جی۔۔۔"

"اور اگر میں تمہیں پیش کش کروں کہ ایک معقول رقم تمہیں
ی جائے گی تو تمہارے تاثرات کیا ہوں گے؟"

"کچھ نہیں۔ میں اس معقول رقم کو آپ کے ذریعے وصول
کروں گا۔ ہاں براہِ راست اگر کہیں سے مجھے یہ پیش کش
تو ظاہر ہے میں اس پیش کش کو نہیں ٹھکراؤں گا۔ یوں
ے عمل میں یہ منافع بھی شامل ہو جائے گا۔" اُس نے
راتے ہوئے کہا۔

"میرے ذریعے یہ پیش کش کیوں نہیں قبول کریں گے؟"

"اس لیے کہ آپ کی عزت آپ کا احترام میرے دل میں
د ہے۔ آپ جیسی ٹھوس شخصیتیں بہت کم نظر آتی ہیں۔۔۔"
فیرل نے کہا اور میرے ہونٹوں پر مُسکراہٹ پھیل گئی۔

"آپ نے قید کے دوران ایک بات کہی تھی مسٹر فیرل
پ اپنے بارے میں مجھے حقیقت بتا دیں گے۔"

"اطہر رضوی کے سامنے میں نے اپنا راز کھول دیا تھا۔"
ا۔

"اس کے علاوہ؟" میں نے پوچھا۔

"اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے مس عالیہ۔ بس یوں سمجھ
بچپن سے غلط راستوں کا راہی ہوں اور اب بھی زندگی
یکن چھوٹے موٹے کام نہیں کرتا اور سارے راستے صرف دولت کے حصول کی طرف نہیں جاتے۔ دولت میرے لیے ثانوی حیثیت رکھتی ہے۔ جس کا اندازہ آپ نے کر لیا ہوگا۔"

"ہاں اندازے تو میں نے آپ کے بارے میں بہت سے قائم کیے ہیں مسٹر فیرل۔" میں نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔

"یعنی اس کے علاوہ بھی اور کچھ؟" اُس نے مُسکراتے ہوئے پوچھا لیکن میں نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ میں خاموش بیٹھی رہی تب اُس نے کہا۔

"بہر حال مجھے دوسری باتوں سے اتنی زیادہ دلچسپی نہیں ہے۔ میں تو یہ جاننا چاہتا ہوں کہ اطہر رضوی کے بارے میں آپ نے کیا سوچا ہے؟"

"میں نے کہا نا کہ کوئی مناسب فیصلہ نہیں کر پائی ہوں۔۔۔ ابھی اُلجھنوں کا شکار ہوں۔ آگے حالات جو بھی فیصلہ کریں۔"

"مس عالیہ۔ میں آپ کو ایک دوستانہ پیش کش کرنا چاہتا ہوں۔"

"جی۔ فرمایئے۔"

"اطہر رضوی کے معاملے میں، میں خود بھی اتنی ہی دلچسپی لے رہا ہوں جتنی آپ۔ چنانچہ اگر اس سلسلے میں کسی وقت آپ کو میری ضرورت پیش آ جائے تو میں حاضر ہوں۔"

"مجھے آپ کی اہمیت کا اندازہ ہے مسٹر فیرل اور یہ میری خوش بختی ہے کہ آپ نے یہ پیش کش کی۔ کیا میں آپ سے آسانی سے رابطہ قائم کر سکتی ہوں؟"

"میں آپ کو ایک فون نمبر دے رہا ہوں۔ آپ اس پر مجھ سے رابطہ قائم کر سکتی ہیں۔" اس نے فون نمبر مجھے دے دیا۔ "اس کے علاوہ میری بھی یہی خواہش ہے کہ آپ مجھے اپنا فون نمبر دے دیں۔"

میں نے اطمینان سے اُسے فلیٹ کا فون نمبر دے دیا اور اُس نے یہ نمبر نوٹ کر لیا۔

"کیا خیال ہے آپ تشریف رکھیں گی؟"

"آپ جا رہے ہیں؟"

"جی۔"

"بہتر ہے۔ پھر ملاقات ہوگی۔" میں نے کہا اور وہ بل کی ادائیگی کرنے لگا۔ میں نے اُسے روک دیا تھا پھر وہ سلام کر کے نکل گیا۔ میں اُسے جاتے دیکھ رہی تھی اور میرے ذہن میں۔۔ عجیب سے خیالات دفعتاً تھے اس شخص کا قد و قامت تو

بُقراط سے ملتا جلتا تھا لیکن کیا یہ بُقراط ہو سکتا ہے؟

میرے ذہن میں ایک دُھواں سا اُٹھا۔ مجھے اپنے وجود سے نفرت ہونے لگی۔ میں جو زندگی میں ہمیشہ منفرد رہی بالآخر ایک ایسے جال میں پھنس گئی جس کی وجہ سے میری شخصیت خود میری اپنی نگاہوں میں گر گئی۔ آخر میں بُقراط کی مریضہ کیوں ہو گئی ہوں۔

'بُقراط...' میرے ہونٹ بھنچ گئے۔ 'تم نے میرے دل میں نفرت پیدا کر دی ہے۔ میں کسی وقت کوئی ایسا قدم اُٹھاؤں گی کہ تمہاری ساری چالیں ناکام ہو جائیں گی۔'

دیر تک میں بیٹھی دل ہی دل میں کھولتی رہی اور پھر بل ادا کر کے وہاں سے اُٹھ گئی۔

ذہن دُھواں دُھواں سا تھا۔ طبیعت پر اضمحلال طاری تھا مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے میں اپنی شخصیت کھو بیٹھی ہوں۔ بہت کچھ نکل گیا ہے میرے ہاتھ سے۔ میں وہاں سے سیدھی عابدہ لاج گئی تھی۔

مِس میری اور شمس کو میں اس بارے میں کچھ نہیں بتانا چاہتی تھی۔ اس لیے اُن کے سامنے اضمحلال کی نقاب اُتارنی پڑی۔ ہاں ایک خیال جو میرے ذہن میں مستقل سُلگ رہا تھا اس کے بارے میں، میں نے شمس سے کہا۔

"شمس حالات سے تمہیں کسی حد تک واقفیت ہو چکی ہے"

"اطہر رضوی کی بات کر رہی ہو؟"

"ہاں۔"

"یقیناً اور سچ جانو عالیہ مجھے بے حد دُکھ ہے۔"

"کس بات پر؟"

"یہی کہ ایک مجرم نگاہوں کے سامنے آ چکا ہے لیکن نہ تو ہم اس کے خلاف کوئی ثبوت رکھتے ہیں اور نہ اُس پر ہاتھ ڈالنا آسان ہے۔"

"ہُوں لیکن میرے ذہن سے ایک افسوسناک احساس اب ختم ہو چکا ہے۔"

"کون سا؟"

"یہی کہ صرف میں، عورت ہونے کی وجہ سے اُس کے خلاف کچھ کرنے سے معذور ہُوں۔ وہ ایک انوکھا مجرم ہے شمس ایک انتہائی نیک نام شخص۔ ایک ایسا انسان جس کا نام لاکھوں لوگ محبت سے لیتے ہیں لیکن وہ مجرم ہے اُس کا جُرم گھناؤنا اور بدترین ہے اور سماج، معاشرہ، مذہب یا انسانیت اس بات کو قیامت تک نہیں مان سکتے کہ ایک شخص اپنی محبت پر انسانی زندگی کو اس قدر ارزاں کر دے۔ دُوسروں کی زندگی کو یوں بھول جائے۔

"یقیناً لیکن۔"

"وہی بتا رہی ہُوں شمس۔ میں نے خلوصِ دل سے اپنی بے بسی تسلیم کر لی ہے۔ میں اسے قانونی ذرائع سے سزا دلوانے میں ناکام رہوں گی کیوں کہ اُس کے پنجے بہت گہرے ہیں۔ لیکن میں اسے سزا ضرور دوں گی۔ میں نے اس مجرم کے لیے موت کی سزا تجویز کی ہے۔"

شمس تعجب سے مجھے دیکھنے لگی تھی پھر وہ بولی۔ "میں نہیں سمجھی عالیہ؟"

"موت کی یہ سزا میں اُسے اپنے ہاتھوں سے دوں گی۔" میں نے سرد لہجے میں کہا۔

"اوہ۔ کس طرح؟"

"وہ ایک مشہور شخصیت ہے۔ منظرِ عام پر نظر آتا ہے میں اُسے کہیں بھی ہلاک کر دوں گی۔" میں نے کہا اور شمس اُچھل پڑی

"عالیہ...؟" وہ تھوک نگل کر بولی۔

"یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔"

"لیکن عالیہ؟"

"نتیجے کی بات کرو گی شمس؟ مجھے معلوم ہے۔ مجھے میرے جرم کی سزا ملے گی۔ مجھے یہ سزا قبول ہے لیکن بہت سے مجرموں کی پوزیشن میری نگاہوں میں صاف ہو گئی ہے۔ میں ان جرائم کی رُوح سے واقف ہو گئی ہوں جو بے بسی کے عالم میں کیے جاتے ہیں۔ میرے خیال میں وہ مجرم بھی میری طرح بے گناہ ہوتے ہیں۔"

"یہ جذباتی فیصلہ میرے خیال میں مناسب نہیں ہے عالیہ۔ مجرم کو کیفرِ کردار تک پہنچانا تمہاری ڈیوٹی نہیں بلکہ ایک جذباتی مسئلہ ہے جس کا تعلق صرف تمہاری ذات سے ہے اور اب تو صورتِ حال بالکل مختلف ہے۔" شمس نے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"مجرم تمہارے سامنے آ گیا ہے۔ انتظار کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ کوشش کرتی رہو۔ ممکن ہے کامیابی کی کوئی صورت نکل آئے۔"

"ہاں شمس۔ میں جلد بازی سے کام نہیں لُوں گی یہ تو آخری صورت ہو گی۔ اُس وقت یہ سب کچھ ہو گا جب کوئی چارۂ کار نہیں

[رہے] گا۔"

"میرا بھی یہی مقصد ہے۔" شمس نے کہا۔

"ٹھیک ہے شمس۔ میں بھی زندگی کو اتنا ارزاں نہیں [سمجھتی] کہ اسے یُونہی لُٹا دیا جائے لیکن مقصد اور زندگی میں مقصد [ک]ی قیمت ہوتی ہے۔ اب ہمیں واپس پُرانی زندگی میں لوٹنا ہو گا

"کیا مطلب؟"

"میں اخبار پھر جوائن کر رہی ہوں۔"

"تو کر لو۔"

"اخباری رپورٹر کی حیثیت سے میرا قیام فلیٹ ہی میں [ہے] کیوں نہ تم اور مس میری یہیں رہو؟"

"سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ یہاں کیا خوبی ہے؟"

"چلو گی میرے ساتھ؟"

"سو فی صد۔"

"تو بس تیاریاں کرو۔ ناصر حسب معمول یہاں رہے گا۔ [فی ا]لحال تو وہ کسی قابل نہیں ہے اس لیے اُس کی چھٹی ہی [رہ]ے گی۔ اس کے بعد از سر نو ہم اپنے پروگرام کا جائزہ لیں گے۔"

یہ ہنگامی تبدیلیاں دُوسرے دن عمل میں آ گئیں فلیٹ [پھ]ر سے آباد ہو گیا اور اُس شام میں نے شمس سے اجازت لے [کر ا]خبار کے لیے ایک مضمون لکھا۔ یہ مضمون آگ لگانے والا تھا [میں] نے اس میں اطہر رضوی کا نام تو نہیں لیا تھا لیکن ایک [ایس]ی شخصیت کا حوالہ ضرور دیا تھا جو حکام کی نگاہ میں تھی لو[گ] [ع]لم اس کی پردہ پوشی کر رہے تھے۔

مضمون کی تکمیل کے بعد میں نے صباحت صاحب [کو ف]ون کیا اور تھوڑی دیر کے بعد اُن سے رابطہ قائم ہو گیا۔

"سر۔ میں عالیہ بول رہی ہوں۔"

"آداب محترمہ۔"

"سر میں نادم ہوں اور اپنا استعفا واپس لینا چاہتی ہوں۔"

"اوہو۔ مس عالیہ۔ ہم آپ کو آپ کے پُرانے ریکارڈ [سمیت] اپنا پر واپس لینے کے لیے تیار ہیں۔"

"بڑی نوازش جناب۔ کل کے اخبار کے لیے ایک [مض]مون ہے۔"

"خوب۔ کتنے کالم میں آ جائے گا؟" صباحت صاحب [ن]ے پوچھا۔

"کم از کم ڈھائی کالم بنے گا۔"

"کسی کو بھیج دوں یا خود آ جاؤں؟"

"جیسا مناسب خیال فرمائیں۔ بلکہ بہتر ہے خود ہی آ جائیں ذرا تبادلۂ خیال بھی ہو جائے گا۔" میں نے کہا اور صباحت رضوی صاحب کی آواز سُنائی دی۔

"ٹھیک ہے میں آ رہا ہُوں۔ کوئی خاص کام نہیں ہے۔"

میں فون بند کر کے انتظار کرنے لگی۔ صباحت رضوی صاحب میرے بارے میں ہمیشہ سسپنس کا شکار رہا کرتے تھے چنانچہ ایسی کسی ملاقات پر وہ خود کو کیسے باز رکھ سکتے تھے چنانچہ انتہائی تیز رفتاری کے ساتھ وہ میرے فلیٹ پر پہنچ گئے... دروازے پر دستک سُنائی دی اور مس میری انہیں لیے ہوئے ڈرائنگ رُوم میں پہنچ گئیں۔ صباحت رضوی صاحب ایک جگہ بیٹھ گئے۔ وہ حسبِ معمول تھے، اُن میں کوئی خاص تبدیلی نہیں آئی تھی۔ چند رسمی کلمات ادا کرنے کے بعد وہ مجھ سے گویا ہوئے۔

"ہاں بھئی تو اخبار میں تمہاری واپسی پر میں بے حد خوش ہوں لیکن کیا خادم کو اس بارے میں کچھ تفصیلات بھی معلوم ہو سکتی ہیں؟" صباحت صاحب نے پوچھا۔

"کوئی خاص تفصیل نہیں ہے صباحت صاحب، مختصراً تو آپ کو بتا چکی ہوں۔ مزید یہ کہ اخبار میں کام نہ کروں گی تو پھر کیا کروں گی۔ جس مسئلے کے لیے جدوجہد کر رہی تھی وہ ایک نہج پر آ کر رُک گیا ہے اور اس کے بعد اُس کے آگے بڑھنے کا کوئی راستہ میرے ذہن میں نہیں ہے۔"

"اوہ اچھا... ذرا وہ مضمون مجھے دِکھاؤ۔" صباحت صاحب بولے اور میں نے وہ کاغذات صباحت کے حوالے کر دیے جو میں نے ابھی لکھے تھے۔ صباحت صاحب دلچسپی سے مضمون پڑھنے میں مصروف ہو گئے۔ وہ اس طرح کھوئے کہ انہوں نے آخری لفظ تک پہنچے بغیر گردن نہ اُٹھائی، اُن کے چہرے پر بلا انتہا سنجیدگی نظر آ رہی تھی۔

"بہت عمدہ بلکہ یُوں کہوں گا کہ طویل عرصے کے بعد تم نے پھر اپنے قلم کا جادو جگایا ہے لیکن عالیہ اگر اجازت دو تو اس سلسلے میں کچھ سوالات کروں؟"

"جی فرمایئے۔"

"صاف ظاہر ہوتا ہے کہ تم کسی آدمی کی طرف اشارہ کر رہی ہو۔ اگر اسی قدر اشارہ مقصود ہے تو پھر کیوں نہیں اُس کا نام کھل کر لکھتیں، نتیجہ جو کچھ بھی ہو گا دیکھا جائے گا۔"

"خدانخواستہ میرے اپنے ذہن پر کوئی بار نہیں ہے۔ میں تو خلوصِ دل سے تیار ہوں اگر حکم دو تو آج کی اشاعت میں میرا

مطلب ہے کل کے اخبار میں یہ مضمون شائع ہو جائے گا"
"نہیں آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں اور پھر ایک دوسری وجہ بھی ہے، میرے ایک کرم فرما مجھ سے ایک ہفتے کی مہلت مانگ چکے ہیں۔ آپ کے احساس دلانے پر مجھے یہ خیال ہُوا کہ اُن کے لیے واقعی مشکلات پیدا ہو جائیں گی۔"
"ہاں یہ مضمون میرے خیال میں آخری نوعیت رکھتا ہے اور اس کے بعد میں یہی کہوں گا کہ جس گمنام شخصیت کو تم نے نام سے محروم رکھا ہے کھُلے طور پر اُس کا نام لے دیا جائے تاکہ عوام کی نگاہوں میں بھی یہ بات آ جائے۔ اس کے بعد زیادہ سے زیادہ یہی ہو گا ناکہ ہم گرفتار ہو جائیں گے۔ جو ہو گا دیکھا جائے گا۔" رضوی صاحب بولے۔

"نہیں رضوی صاحب آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ مناسب یہی ہے کہ ابھی اس کی اشاعت روک دی جائے، مجھے افسوس ہے کہ میں نے آپ کو تکلیف دی۔" میں نے کہا۔
"نہیں بھئی تکلیف کی کیا بات ہے، میں تو خود اس کے حق میں ہُوں بس اتنی سی بات تھی۔"
بہرصورت صباحت رضوی صاحب پر میں ان ساری باتوں کا اظہار نہیں کر سکتی تھی۔ تھوڑی سی گفتگو کے بعد وہ رُخصت ہو گئے۔ ذہن اس قدر زخمی تھا کہ جلن سی ہو رہی تھی۔ اپنے وطن میں میری رُوح بُری طرح کُچلی گئی تھی۔۔۔ میں اچھائیوں کے راستے پر چل رہی تھی لیکن تنہا تنہا سی تھی۔ کوئی ساتھی نہیں نظر آ رہا تھا۔
صباحت صاحب کے جانے کے بعد دیر تک سوچ میں ڈُوبی رہی اور پھر نہ جانے کیا خیال آیا کہ میں نے انکل منوّر عالم کی کوٹھی کا نمبر ڈائل کر لیا اور انتظار کرنے لگی۔ چند ساعت کے بعد دُوسری طرف سے انکل منوّر عالم کی آواز سُنائی دی۔
"منوّر عالم۔"
"اوہ" میں نے انہیں سلام کیا پھر بولی۔ "آپ نے مجھے نہیں پہچانا ہو گا انکل؟"
"نہیں بیٹے۔ تمہاری آواز میرے لیے اجنبی نہیں ہے کیسی ہو؟"
"ٹھیک ہُوں انکل۔ آپ کے مزاج کیسے ہیں؟"
"میں بھی ٹھیک ہُوں بیٹے۔ تم آئی نہیں ہمارے ہاں مجھے تمہاری ضرورت بھی ہے۔"
"جب حکم دیں حاضر ہو جاؤں۔ کوئی خاص بات ہے؟"

"ہاں خاص ہی سمجھو۔ وہ فرزانہ کی شادی کے سلسلے میں کچھ گفت و شنید ہو رہی ہے۔ تم سے بھی مشورہ کرنا ہے۔"
"کل حاضر ہو جاؤں گی انکل شام کو پانچ بجے۔"
"ٹھیک ہے۔ میں انتظار کروں گا۔۔۔ لیکن اب مشغلہ کیا رہے۔ میں نے سُنا ہے تم نے اخبار چھوڑ دیا ہے؟"
"چھوڑ دیا تھا انکل۔ اب دوبارہ اس سے منسلک ہو گئی ہُوں۔"
"ہُوں۔ تم نے جو بہتر سمجھا ہو گا وہی کیا ہو گا۔ میں اس میں اور کیا کہہ سکتا ہُوں۔"
"میں اپنی اسی زندگی میں مگن ہُوں انکل اور میں سمجھتی ہُوں کہ میرے وطن میں میرے لیے اس سے زیادہ دسعت بھی نہیں ہے۔"
"میں نہیں سمجھا عالیہ۔ تمہارے یہ الفاظ میرے لیے کسی قدر ناقابلِ فہم ہیں۔" انکل منوّر عالم نے کہا۔
"حالات انکل بس کیا تفصیل بتاؤں۔ یُوں سمجھیں میں نے اپنی اُڑان سے زیادہ اُڑنے کی کوشش کی تھی لیکن۔۔۔ لیکن۔۔۔"
"مجھے بتاؤ کیا بات ہے؟"
"ایک بات بتایئے انکل۔ اطہر رضوی صاحب سے آپ کے کیسے تعلقات ہیں؟" میں نے پوچھا۔
"اطہر رضوی۔ اوہ خیریت۔ ان کا نام کیوں ذہن میں آیا؟"
"آپ جواب دیں انکل؟"
"بھئی ان سے کوئی کام ہے تو میری سفارش کی ضرورت نہیں ہے۔ تم براہِ راست اُن کے ہاں چلی جاؤ اور اپنی ضرورت یا خواہش بیان کر دو۔ مجھے یقین ہے وہ تمہیں مایوس نہ کریں گے۔"
"کیا وہ بہت انسان دوست ہیں؟"
"تم تو اخباری رپورٹر بھی ہو عالیہ۔ تمہیں تو اس عظیم شخصیت کے بارے میں مکمل معلومات ہونی چاہئیں۔" منوّر عالم نے کہا۔
"ابھی کچی ہُوں انکل بعض شخصیتوں کے بارے میں ابھی کچھ نہیں جانتی۔" میں نے طنز سے مسکراتے ہوئے کہا۔
"بہرحال کوئی کام ہے تو مجھے بتاؤ۔ اگر تم چاہو گی تو میں اس بارے میں اُن سے بات کر لوں گا۔"
"نہیں انکل۔ کوئی خاص بات نہیں۔ بس اُن کے بارے میں آپ کے خیالات جاننا چاہتی تھی۔"
"میرے خیالات دُوسروں سے مختلف نہیں ہیں۔ وہ ایک

شخصیت ہے۔ بس یُوں سمجھ لو۔ ایک درویش صفت دولت مند دولت کے حصول سے کوئی دلچسپی نہیں ہے لیکن دولت آندھی کے رُخ کے ساتھ طوفان ہی کی رفتار سے اُس ت اُڑی چلی آ رہی ہے۔"
"ایک اور سوال انکل؟"
"ہاں۔ ہاں پوچھو۔"
"آپ کی کوٹھی میں ایک مصنوعی جہاز ہے؟"
"ہاں ہے۔" منوّر عالم ہنس پڑے۔
"اس کی تعمیر کی ضرورت کیوں پیش آئی؟"
"اوہ۔ بیٹے بس اس کی حیثیت ایک کھلونے کی سی میں نے ڈزنی لینڈ میں دیکھا تھا ایسا پسند آیا کہ میں نے بھی تعمیر کرا لیا۔"
"اطہر رضوی صاحب نے بھی آپ کی کوٹھی میں یہ کھلونا دیکھا تھا؟"
"مجھے یاد نہیں۔ ممکن ہے دیکھا ہو۔ کیوں؟"
"بس یونہی انکل۔ ایسے ہی پُوچھ لیا۔ رضوی صاحب کی اولاد بھی ہے؟"
"نہیں وہ اولاد سے محروم ہے۔"
"یہ لوگ کہاں ہیں انکل۔ میری مُراد افشاں وغیرہ سے ہے؟"
"موجود ہیں لیکن بھئی اطہر رضوی کے بارے میں تمہارے سوالوں نے مجھے متجسّس کر دیا ہے۔ کچھ لکھنا چاہتی ہو ان کے بارے میں؟"
"آپ کا خیال درُست ہے انکل۔ میں اس درویش صفت دولت مند کے بارے میں ایک مضمون لکھنا چاہتی ہُوں۔"
"اوہ۔ یہ بات ہے۔ ضرور لکھو بھئی وہ قابلِ احترام شخصیت ہے۔"
"آپ ذرا افشاں وغیرہ کو اطلاع دیں۔"
"اچھا اچھا۔ ہولڈ کرو۔" منوّر عالم کی آواز اُبھری اور پھر چند ساعت کی خاموشی کے بعد افشاں اور فرزانہ کی ملی جُلی آوازیں سُنائی دیں۔
"ہیلو عالیہ باجی؟"
"ہیلو خواتین۔ کیسے مزاج ہیں؟"
"بالکل بخیر۔ آپ سُنایئے؟"
"یہاں بھی سب خیریت ہے بس آپ لوگوں کی خیریت معلوم کرنی تھی اس لیے فون کر دیا۔"
"ہمیں تو آپ نے اس فون کی سہولت سے بھی محروم کر دیا ہے۔"

"نہیں بھئی۔ ایسی بات نہیں ہے۔" میں نے ہنس کر کہا۔
"بات تو ہے۔ بتایئے کہاں سے فون کر رہی ہیں؟"
"فلیٹ سے۔"
"اوہ۔ تو کیا آپ فلیٹ میں واپس آ گئی ہیں؟"
"ہاں۔ دُنیا گول ہے۔" میں نے کہا۔
"آیئے باجی کسی وقت، کاش ہمارے پاس کوئی ایسی۔۔۔ ترکیب ہوتی کہ ہم مستقل طور پر آپ پر قبضہ جما سکتے۔"
"کل پانچ بجے آ رہی ہُوں لیکن صرف تھوڑی دیر کے لیے ہاں اپنے بُقراط صاحب کا کیا حال ہے؟"
"تصوّر بھائی خیریت سے ہیں۔ خود کو بدلنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ویسے چند حیرت ناک باتیں بھی سُننے میں آئی ہیں۔" افشاں ہنس کر بولی۔
"کیا۔۔۔؟" میں نے دلچسپی سے پوچھا۔
"جناب تہوّر عالم صاحب اپنے بیٹے تصوّر عالم سے بہت خوش ہیں۔ انہوں نے کوئی ایسا پیچیدہ کاروباری مسئلہ حل کر دیا ہے جس کے حل کی کوئی صُورت نہیں تھی اور اب تہوّر عالم صاحب بیٹے سے بہت مطمئن ہیں۔"
"بہت خوب۔ خوشی کی بات ہے۔"
"لیکن یہاں کچھ گڑبڑ ہو رہی ہے۔" افشاں نے شرارت بھرے لہجے میں کہا۔
"بدتمیزی نہیں افشاں۔ لاؤ رسیور مجھے دو۔" یہ فرزانہ کی آواز تھی اور پھر اُس نے رسیور چھین لیا پھر بولی۔ "بھئی عالیہ باجی آپ کل کی بجائے آج ہی کیوں نہیں آ جاتیں۔ مجھے آپ کی ضرورت ہے۔"
"اب اس وقت؟"
"ہاں ایمان سے فضول باتوں نے میرا دماغ خراب کر کے رکھ دیا ہے۔ آ جائیں رات کو یہیں رُک جائیں۔ شمس کہاں ہے؟"
"دُوسرے کمرے میں ہے۔"
"اُسے بھی لے آئیں۔"
"اس وقت مشکل ہے فرزانہ کل تک صبر کر لو۔ پلیز۔"
"کل کس وقت پہنچ رہی ہیں؟"
"پانچ بجے۔"
"ٹھیک ہے میں انتظار کروں گی۔" فرزانہ نے کہا اور پھر مزید کچھ گفتگو کے بعد فون بند کر دیا گیا پھر میں وہاں سے اُٹھ کر شمس کے پاس آ گئی اور ساری باتیں بھُول کر اس سے گفتگو میں مصروف ہو گئی۔ شمس اب زیادہ تر گفتگو اُردو میں ہی

کر رہی تھی اور مجھے اس کی یہ اردو بہت دلچسپ بہت پیاری لگ رہی تھی۔

دوسری صبح ہم ناشتے سے فارغ ہی ہوئے تھے... کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجی اور میں نے رسیور اٹھالیا۔

"مس عالیہ سے بات کرنی ہے۔" دوسری طرف سے آواز آئی اور میں چونک پڑی۔

"اوہ۔ انکل۔ میں بول رہی ہوں۔"

"مجھے علم ہوا تھا کہ تم فلیٹ پر ہو۔" انکل کی آواز میں سنجیدگی تھی۔

"جی ہاں۔ اوقات پر آگئی ہوں۔" میں نے ہنس کر کہا۔

"عالیہ بیٹے۔ ہمارے درمیان ایک معاہدہ ہے۔ اسے نظر انداز مت کرو۔" انکل شہریار بدستور سنجیدگی سے بولے۔

"اوہ سوری انکل۔ بس میں بے حد بزدل ہوں۔"

"اس کی ضرورت نہیں ہے عالیہ۔ میں دوسرے تمام لوگوں سے زیادہ تم پر بھروسا کرتا ہوں۔ میری سوچ کے دھارے کچھ بھی ہوں لیکن میں انہیں تمہارے خیالات کے ساتھ بدل رہا ہوں بلیو۔"

"انکل۔ بڑی ڈھارس دی ہے آپ کے ان جملوں نے۔" میں نے جواب دیا۔

"آج کی کیا مصروفیت ہے؟"

"کوئی خاص نہیں آپ فرمایئے؟"

"ایک گھنٹے کے بعد پوائنٹ تھری پہنچ جاؤ۔ چند کام ہیں۔"

"بہتر پہنچ رہی ہوں۔"

"بس اسی لیے فون کیا تھا۔"

"او۔ کے انکل خدا حافظ۔" میں نے جواب دیا اور انکل نے فون بند کردیا۔ میں تھوڑی دیر تک انکل شہریار کے الفاظ کے بارے میں سوچتی رہی تھی پھر میں نے گردن جھٹک دی اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ ٹھیک ایک گھنٹے کے بعد میں پوائنٹ تھری کی عمارت میں داخل ہورہی تھی۔

انکل شہریار وہاں پہنچ چکے تھے۔ انہوں نے میرا استقبال کیا اور پھر نازش سے بولے "آؤ نازش۔ اب یہاں رکنا بیکار ہے۔ جاؤ... گاڑی لے آؤ" اور نازش چلا گیا۔

میں نے اس وقت انکل شہریار سے یہ پوچھنا مناسب نہیں سمجھا تھا کہ وہ کہاں جا رہے ہیں، اپنی گاڑی میں نے وہیں چھوڑ دی۔ انکل شہریار کی اپنی گاڑی بھی یہیں کھڑی ہوئی تھی۔ نازش ایک دوسری گاڑی لے کر آیا جس پر کچھ مخصوص نشانات بنے ہوئے تھے اور جس کے شیشے رنگین تھے۔ یعنی اندر بیٹھنے کے بعد باہر سے اندر بیٹھے ہوئے لوگ نظر نہیں آسکتے تھے۔ نازش نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی اور بڑی گاڑی چل پڑی۔

راستے بھر مکمل خاموشی رہی تھی۔ ہم سب لوگ اپنی اپنی جگہ مختلف سوچوں میں ڈوبے ہوئے تھے۔ میں نے انکل شہریار کو ڈسٹرب کرنا مناسب نہیں سمجھا پھر جب گاڑی شہر کے ایک مخصوص علاقے سے نکل کر ملٹری ایریا میں داخل ہوئی۔ میں آہستہ سے چونکی تھی۔ اسی وقت انکل شہریار نے بھی مڑ کر مجھے دیکھا پھر گویا چونک کر بولے۔

"ارے بھئی بڑی خاموشی ہے، کیا سوچنے لگی ہو؟" انکل شہریار نے پوچھا۔

"کچھ نہیں انکل بس آپ کی خاموشی میں مداخلت مناسب نہیں سمجھی۔" میں نے جواب دیا۔

"معاف کرنا۔ بس یونہی خیالات میں ڈوب گیا تھا۔ دراصل ایک پروگرام بنایا ہے چھوٹا سا، جس کا کوئی خاص مقصد تو نہیں ہے لیکن یوں سمجھ لو اس سلسلے کی کوششوں میں سے ایک ہے۔" انکل شہریار نے کہا۔

"جی۔" میں نے مختصراً جواب دیا۔

"تم خود بھی کسی گہری سوچ میں معلوم ہوتی ہو۔" انکل شہریار بولے...

"نہیں انکل آپ یقین کریں ایسی کوئی خاص بات نہیں ہے۔ بس میں یہ سوچ رہی تھی کہ آپ کا کیا پروگرام ہے؟"

"ہاں میں وہی بتانے جا رہا تھا میں نے اصل بات ابھی تک کسی کو نہیں بتائی ہے۔ تمہارے اس انکشاف نے میرے دماغ کی چولیں واقعی ہلا کر رکھ دی تھیں، میں مسلسل سوچ میں ڈوبا ہوا ہوں کہ مجھے کیا کرنا چاہیے... میں مانتا ہوں کہ کہ معاملہ بڑا ہی نازک ہے۔ اطہر رضوی کی پوزیشن اس قدر مضبوط ہے کہ اس کے بارے میں کسی سے کچھ کہنا بڑا ہی عجیب لگے گا لیکن بہرحال عالیہ ہم قانون کے محافظ ہیں۔ قانون شکن کوئی بھی ہو ملکی سربراہوں کو معاف نہیں کیا جا سکتا تو پھر عام لوگ کیا حیثیت رکھتے ہیں البتہ ان کے گرد جال ڈالنے میں تو مشکل پیش آتی ہی ہے اور میں اب تک صرف ان مشکلات پر قابو پانے کے بارے میں سوچتا رہا ہوں۔ اطہر رضوی کے بارے میں میرے خیالات جو کچھ بھی تھے، تمہارے انکشاف کے بعد اب

دوسرے انداز سے سوچنے لگا ہوں۔ حالانکہ میں اس حیرت انگیز انکار نہیں کرسکتا جو آج بھی میرے ذہن میں باقی ہے اور امکانات کا جائزہ بھی لیتا رہا ہوں کہ ممکن ہے کسی اور نے رضوی کے روپ میں تمہیں بھٹکانے کی کوشش کی ہو بہرصورت حقیقت سامنے لانا ہی ہوگی خواہ کچھ بھی ہو۔"

"جی انکل؟"

"ویسے تمہارا کیا خیال ہے عالیہ کیا اس بات کے کچھ امکانات ہیں؟"

"کس بات کے؟"

"یہی کہ اطہر رضوی کے روپ میں کوئی دوسری شخصیت ملی ہو؟"

"میں نہیں کہہ سکتی انکل آپ اس ملک کے قدیم رہنے والے ہیں اور میرے بارے میں تو آپ جانتے ہی ہیں کہ میں نے زیادہ وقت باہر گزارا ہے۔ ہاں اگر اس پانے کی کوئی دوسری صورت ہو تو آپ اسے ٹٹولیں ورنہ دوسرا ذریعہ یہ ہے کہ آپ اس علاقے تک چلیں جہاں مجھے لے جایا گیا تھا۔"

"ہاں ہاں میں نے اسی علاقے کے بارے میں چھان بین کی ہے اور بہت جلد ہمیں اس بارے میں تفصیلات معلوم ہو جائیں گی۔ ویسے آج ہم اسی کا جائزہ لینے کے لیے چل رہے ہیں۔"

"کیا مطلب؟"

"میں نے بتایا نا یہاں میں صرف اس لیے آیا ہوں کہ میں نے اپنے ایک دوست سے ہیلی کاپٹر کے لیے کہا ہے۔ یہ فوجی اقدام ہوگا لیکن اس کے سارے معاملات میرا دوست کرے گا۔ ہم اس علاقے کو دیکھنے جائیں گے اور پھر میں اس علاقے کے بارے میں مکمل معلومات حاصل کرلوں گا۔ میں نے تم سے کہا تھا نا عالیہ کہ اس کیس کے بارے میں میں کوئی کوتاہی نہیں کروں گا اور میں نے بھی یہی فیصلہ کیا ہے کہ اپنے تمام مشاغل ترک کر کے اس سلسلے سے نمٹ لیا جائے۔" انکل شہریار نے کہا۔

"میں پھر یہی عرض کروں گی انکل کہ آپ میرے لیے بہت سہارا ہیں۔ ورنہ اگر میں بددل ہو جاتی تو شاید اپنا وطن ہی چھوڑ جاتی۔" میں نے کہا۔

"ارے، نہیں بھئی اس کی ضرورت نہیں ہے، جب تک ہم اپنی ناکامی کا اعلان کردیں تب تمہارا دل جو چاہے وہ کر ڈالنا۔" انکل شہریار نے کہا اور پھر بولے "ایک بات بتاؤ عالیہ؟"

"جی۔"

"بھئی وہ شخص ثاقب درانی میرے ذہن پر اس طرح سوار ہے کہ میں کوشش کے باوجود اسے جھٹک نہیں سکتا۔ اس نے میری پیشکش مسترد کردی تھی لیکن میں اس نایاب ہیرے سے کچھ کام لینا چاہتا ہوں۔"

"وہ کیا انکل؟" میں نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"اس مسئلے میں ہم کیوں نہ اسے بھی شریک کرلیں؟"

"یہ آپ کا اپنا معاملہ ہے انکل میں کیا کہہ سکتی ہوں..." میں نے سنجیدگی سے کہا۔

"اس دن کے بعد سے اب تک اس سے ملاقات نہیں ہوئی۔ ویسے نازش نے اس کے بارے میں معلومات حاصل کی ہیں۔ اس کے والدین موجود ہیں اور تجارت کرتے ہیں۔"

"میں بھی ان سے مل چکی ہوں۔"

"اس کے والدین سے؟"

"جی ہاں۔"

"اوہ۔ اس کا مطلب ہے کہ تمہارے ذہن سے وہ غلط فہمی دور ہوگئی ہے۔ خود میرا بھی یہی خیال تھا کہ یہ صرف غلط فہمی ہے۔" انکل شہریار نے کہا۔ میں خاموش ہی رہی تھی۔ "بہرحال میں تمہاری رائے جاننا چاہتا ہوں۔"

"کس بارے میں انکل؟"

"اس سلسلے میں کیا اسے بھی اس مہم میں شریک کرلیا جائے؟"

"مجھے اعتراض نہیں ہے انکل۔"

"تم سے کچھ چھپانا ضروری نہیں سمجھتا عالیہ۔ اطہر رضوی سے میں ہی نہیں لاکھوں افراد عقیدت رکھتے ہیں۔ میں اس سے اپنے تعلقات بھی بچانا چاہتا ہوں اس سلسلے میں میری خواہش ہے کہ بچ کر کام کروں اور ثاقب اس سلسلے میں میرا بہترین مددگار ثابت ہوسکتا ہے۔"

"جی۔" میں نے آہستہ سے کہا۔

گاڑی مخصوص علاقے میں داخل ہوگئی اور پھر چند فوجی افسروں نے ہمارا استقبال کیا۔ انکل شہریار کے دوست بریگیڈیئر شیرازی نے ہماری تواضع کی اور پھر انکل شہریار بولے۔

"میرا کام ہوگیا ہے؟"

"بالکل تیار ہے۔" بریگیڈیئر شیرازی نے جواب دیا۔

"تو پھر دیر نہ کی جائے تو بہتر ہے۔"

"او۔ کے۔ اٹھو۔ تینوں افراد جائیں گے؟"

"ہاں۔" انکل شہریار نے کہا اور ہم وہاں سے باہر نکل کر

ایک ہیلی پیڈ پر پہنچ گئے۔ ہیلی کاپٹر کا پائلٹ ہیلی کاپٹر کے پاس موجود تھا۔ انکل نے بریگیڈیئر کا شکریہ ادا کیا اور ہم لوگ ہیلی کاپٹر میں سوار ہو گئے۔ نازش کے پاس ایک انتہائی قیمتی اور جدید ساخت کا کیمرہ موجود تھا جسے وہ پوائنٹ تھری سے ہی ساتھ لایا تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد ہیلی کاپٹر فضا میں بلند ہو گیا۔ ہم خاموش تھے اور ہیلی کاپٹر فضا میں ایک مخصوص سمت آگے بڑھ رہا تھا۔ انکل شہریار نے جیب سے ایک کاغذ نکال لیا۔ یہ ایک نقشہ تھا۔

"اسے دیکھو عالیہ۔" انہوں نے کہا۔

"جی۔" میں نے کاغذ اُن کے ہاتھ سے لے لیا لیکن یہ مخصوص اصطلاحات میری سمجھ میں نہیں آئی تھیں۔

"سمجھ میں آیا؟" انکل شہریار نے پوچھا۔

"نہیں انکل۔"

"تم نے جو تفصیل بتائی تھی یہ نقشہ اس کے مطابق ہے۔"

"براہِ کرم مجھے سمجھائیں۔"

"سرکاری طور پر شہر اور اس کے نواح آٹھ حصّوں میں تقسیم ہیں جس علاقے کا تم نے حوالہ دیا تھا اسے ہم سیکٹر سات کہتے ہیں۔ سیکٹر سات جنوبی سمت کا علاقہ ہے یوں سمجھو کہ منوّر عالم کی کوٹھی دیکھی ہے؟"

"جی ہاں۔"

"وہ سیکٹر سات کی جانب ہے اور یہاں سے یہ علاقہ بلیس میل کے نواح میں آتا ہے۔ فرض کرو یہ منوّر عالم کی کوٹھی ہے یہاں سے ہم چلتے ہیں تو اس سمت ایک نواحی بستی کون پورہ پہنچ جاتے ہیں اور اس کی مخالف سمت چلتے ہوئے ہم قلعہ جھار کی طرف جاتے ہیں۔"

"قلعہ جھار کیا ہے؟"

"کسی مغل بادشاہ کی شکارگاہ۔ قدیم عمارت تھی جس کے بارے میں ابھی تفصیلات موصول نہیں ہو سکیں میں نے ہدایات دے دی ہیں۔ یہ عمارت نالہ تل گھاٹ کے قریب ہے۔"

"کوئی تیز رفتار پہاڑی نالہ؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں۔"

"اس قلعے کی کوئی تفصیل ہے آپ کے علم میں؟"

"نہیں۔ ابھی نہیں ہے۔"

"بہرحال اگر وہ تل گھاٹ کے نالے کے قریب ہے تو پھر ہم نے صحیح سمت سفر شروع کیا ہے۔"

"یعنی قلعہ جھار؟"

"جی ہاں۔"

"بہت خوب۔ اِتنے وثوق سے یہ بات کیسے کہہ رہی ہو؟"

"اس لیے انکل کہ میں نے اس نالے میں سفر کیا ہے۔"

"اوہ۔ کیا مطلب؟" انکل چونک کر بولے۔

"اس عمارت سے فرار کی کوشش کی تھی لیکن نا... میں جال پڑے ہوئے ہیں۔ اطہر رضوی معمولی شخصیت نہیں..."

"خدا کی پناہ۔ کیا تم اس جال میں پھنس گئی تھیں؟"

"جی ہاں۔"

"پھر اس کے بعد؟"

"دوبارہ اسی قلعے میں تھی۔ اس کے اطراف کے جنگل میں خونخوار کتے اور علاقے کے محافظ پھیلے ہوتے ہیں۔"

انکل شہریار خاموش ہو گئے اور تھوڑی دیر کے بعد وہ پائلٹ کو ہدایات دینے لگے۔ پائلٹ نے گردن ہلا دی تھی پھر انکل شہریار نے نازش سے تیار ہونے کے لیے کہا اور نازش کیمرے کے لینس درست کرنے لگا۔

میں نیچے دیکھ رہی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد میری آنکھوں نے وہی بُرجیاں دیکھیں جن میں میں نے کچھ وقت گزارا تھا سوفی صد وہی علاقہ تھا وہی منحوس عمارت تھی جہاں میں دُنیا کا آٹھواں عجوبہ دیکھا تھا جہاں اطہر رضوی نے اپنی درندگی کو بے بسی کا نام دینے کی کوشش کی تھی۔

"ہم بالکل ٹھیک آئے ہیں انکل۔" میں نے کہا۔

"ہوں۔" انکل شہریار نے پائلٹ کو ہدایات دیں اور نازش کو۔ ہیلی کاپٹر نیچے جُھکا تھا اور نازش نے کیمرا اسٹارٹ کر لیا تھا۔ ہیلی کاپٹر کافی نیچی پرواز کر کے پہلے اس جنگل پھر قلعہ جھار کے اوپر سے گزرا اور سیدھا نکل گیا۔ اس کے بعد اُس نے دوبارہ پلٹنے کی کوشش نہیں کی تھی اور میں اس کا مقصد بھی سمجھ رہی تھی۔

"دیکھیں اس کوشش کا کیا نتیجہ نکلتا ہے۔ بہرحال مقام ہے تمہیں پورا یقین ہے؟"

"جی انکل۔"

"واپس چلو۔" انکل شہریار نے پائلٹ کو حکم دیا اور اُس نے ہیلی کاپٹر کا رُخ بدل دیا۔

چند ساعت کے بعد ہم واپس اسی ہیلی پیڈ پر اُترے۔

بریگیڈیئر شیرازی موجود نہیں تھے اس لیے وہاں وقت برباد ہوا اور ہم واپس چل پڑے۔ رُخ پوائنٹ تھری کی طرف تھا۔

پوائنٹ تھری پہنچنے کے بعد انکل شہریار نے نازش سے کہا "تم اپنے ساتھ جسے چاہو معاون کی حیثیت سے ساتھ لو اور یہ پرنٹ تیار کر لو۔ کھانا ہم لوگ یہیں کھائیں گے۔"

"بہتر جناب۔" نازش نے جواب دیا اور چلا گیا۔ تب شہریار مجھ سے بولے۔

"اس فوٹوگرافی سے کوئی بہت خاص بات تو معلوم نہ ہوگی لیکن بہرحال یہ تسلی ہو گئی کہ قلعہ جھار ہی وہ جگہ تھی۔"

"جی ہاں۔ اب اس میں کوئی شُبہ نہیں ہے۔"

"میں نے بھرپور طور سے کام کیا ہے عالیہ۔ میرے خاص ذرائع سے اطہر رضوی کے بارے میں تمام رپورٹیں اکٹھی کر رہے ہیں۔ اس علاقے کے اور قلعے کے بارے میں بھی میں آخری حکم دیے دیتا ہوں۔ یہ بہت جلد معلوم ہو جائے گا کہ قلعہ جھار کس کی ملکیت ہے۔" انکل شہریار نے کہا اور ٹیلی فون نمبر ڈائل کرنے لگے۔ میں صوفے کی پُشت سے گردن ٹکا کر بیٹھی تھی۔ انکل شہریار نے جس شخص کو مخاطب کیا تھا اُسے حکم دیا کہ قلعہ جھار کا نام نوٹ کر لے اور یہ معلوم کر کے بتائے کہ یہ کس کی ملکیت ہے اس کے بعد انہوں نے فون بند کر دیا اور پھر کسی سوچ میں ڈوب گئے۔ کچھ ہی دیر کے بعد ایک ملازم اندر آیا۔ اُس نے آ کر کہا کہ کھانا تیار ہے۔ ہم لوگ کھانے کی طرف بڑھ گئے۔ دوپہر کا کھانا میں نے انکل شہریار کے ساتھ ہی کھایا۔ اس دوران مختلف موضوعات پر باتیں ہوتی رہیں پھر نازش نے تین بجے کے قریب ہمارے پاس آ کر اطلاع دی کہ فلم کے پرنٹ تیار ہو گئے ہیں اور انہیں پروجیکٹر پر لگا دیا گیا ہے۔

"اوہ کیا وہاں کی فلم تیار کی گئی ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"ہاں آؤ دیکھیں۔" انکل شہریار نے کہا اور ہم پروجیکشن روم میں چلے گئے۔ یہاں عدنان اور ڈولی موجود تھے... دونوں پروجیکٹر پر مصروف تھے۔

سامنے لگے ہوئے پردے پر ہم نے قلعہ جھار اور اس کے گرد و جوار کے مناظر دیکھنا شروع کر دیے۔ خاصی عمدہ فلم بنائی گئی تھی۔ نازش نہ جانے کون کون سی چیزوں کا ماہر تھا پھر کیمرا بھی مخصوص ہی معلوم ہوتا تھا۔ چونکہ اتنی بلندی سے پرواز کر لینے کے باوجود قلعہ جھار کی چھوٹی چھوٹی چیزیں ہمارے سامنے نمایاں تھیں اور میں حیران رہ گئی تھی۔

عمارت کے اُوپر سے گزرتے ہوئے چند افراد نظر آئے اور اس کے ساتھ ہی باغ کے کچھ حصّے بھی لیکن ایسی کوئی نمایاں بات ان تصویروں میں نہیں تھی جس پر ہم بغلیں بجا سکتے۔ البتہ یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ وہاں افراد اب بھی موجود ہیں اور وہاں کا نظام بدستور چل رہا ہے۔ انکل شہریار نے کئی بار یہ فلم دیکھی اور اس کے بعد ہاتھ اُٹھا کر پروجیکٹر بند کرنے کا اشارہ کر دیا۔ عدنان نے جلدی سے آگے بڑھ کر پروجیکٹر بند کر دیا تھا۔ تب انکل شہریار میری طرف متوجّہ ہوئے۔

"ہاں عالیہ کوئی خاص بات نہیں؟"

"نہیں انکل کوئی خاص بات نہیں۔ بس یہ بات اور کنفرم کر دُوں کہ یہی وہ جگہ تھی۔ میں ایک بُرج میں اطہر رضوی کے ساتھ بیٹھ کر باہر کے مناظر بھی دیکھ چکی ہوں یہ بُرج بھی ہمارے سامنے ہے شاید آپ نے اس کی کھڑکیاں دیکھی ہوں۔"

"ہاں میں نے دیکھی ہیں۔"

"قلعے میں ایک بھرپور نظام موجود ہے جس سے اس کی حفاظت کی جاتی ہے۔ میرا خیال ہے یہاں سینکڑوں افراد اس کے محافظوں کی حیثیت سے کام کرتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے عالیہ۔ بس آج کا ہمارا کام ختم۔ اب میں تمہیں یہ معلوم کر کے رپورٹ دُوں گا کہ قلعہ کس کی ملکیت ہے اس کے بعد باقی دوسرے معاملات کی رپورٹ بھی تم تک پہنچ جائے گی۔ یوں سمجھ لو کہ اس کیس کی انچارج بدستور تم ہی ہو اور ہم سب تمہارے معاون ہیں دیگر یہ کہ تمہاری اجازت سے میں ثاقب دُرّانی سے بھی رابطہ قائم کروں گا اور اس سے کہوں گا کہ وہ خود بھی اس کیس میں دلچسپی لے۔" انکل شہریار نے کہا پھر بولے "کیا تمہاری اجازت ہے عالیہ بیٹے؟"

"جیسا آپ مناسب سمجھیں انکل۔" میں نے جواب دیا اور پھر بولی "مجھے اجازت ہے؟"

"ہاں اب تم جانا چاہو تو جاؤ۔ میں کل کسی وقت دن میں تمہیں فون کروں گا۔"

"بہت بہتر۔" میں نے جواب دیا اور پھر میں وہاں سے نکل آئی۔ شام کو پانچ بجے افشاں وغیرہ سے وعدہ کیا تھا کہ وہاں پہنچوں گی چنانچہ ابھی وہاں جانے کی بھی تیاریاں کرنی تھیں۔ تقریباً پونے چار بجے میں فلیٹ پہنچی۔ مس میری اور شمس حسبِ

معمول اپنی مشغولیات میں مصروف تھیں۔ مجھے دیکھ کر شمس نے شکایتی لہجے میں کہا۔

"کیوں جناب دوپہر کے کھانے کے بارے میں بھی کوئی اطلاع نہیں دی گئی؟"

"ہاں شمس سوری، مجھے خود بھی اندازہ نہیں تھا ویسے تم لوگوں نے کھانا کھا تو لیا ہوگا؟"

"یقیناً۔ کیا ہم نے غلط کیا؟"

"ارے نہیں بھئی۔ بلکہ یہ تو تعاون کی بات۔ مصروف ہوتی ہوں تو تم اس سلسلے میں کوئی تکلف نہیں کیا کرو۔"

"جی بہتر۔ ناصر کا ٹیلی فون آیا تھا۔" شمس نے کہا اور میں نے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیوں کوئی خاص بات ہے؟"

"بس آپ کی خیریت پوچھ رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ چیف سے ملنا چاہتا ہوں۔ اب اُس کی طبیعت کافی حد تک ٹھیک ہے۔"

"ٹھیک ہے مل لوں گی اُس سے۔" میں نے جواب دیا پھر شمس سے بولی۔ "شمس جلدی سے تیار ہو جاؤ ہمیں افشاں کے پاس چلنا ہے۔"

"اوہو اوہو۔ وہ لڑکیاں پھر سے یاد آگئیں؟"

"ہاں میں نے اُن سے وعدہ کیا تھا۔" میں نے جواب دیا اور شمس خوشی خوشی تیار ہونے لگی۔

چار بج کر بیس منٹ پر ہم لوگ گھر سے نکل آئے اور میں نے کار کا رُخ انکل منور کی کوٹھی کی جانب کر دیا۔ پانچ بجے سے کچھ پہلے ہی ہم وہاں پہنچ گئے تھے اور جیسا کہ مجھے یقین تھا افشاں وغیرہ برآمدے میں موجود تھیں اور میرا انتظار کر رہی تھیں لیکن اُن کے ساتھ انکل منور اور وہ منحوس شخصیت بھی تھی جو آج کل میرے ذہن پر بُری طرح سوار تھی یعنی نوابزادہ تصور عالم۔ اُسے دیکھ کر میرے ذہن میں ایک کوفت سی پیدا ہو گئی تھی۔ نہ جانے کیوں اس شخص سے مجھے بُغض سا پیدا ہو گیا تھا اس بُغض کو میں کوئی الفاظی رنگ نہیں دے سکتی۔

میں گاڑی سے اتر گئی۔ افشاں اور فرزانہ نے دروازہ کھول دیا تھا۔

"چشم ما روشن دلِ ما شاد۔" افشاں نے کہا۔

"بس بس۔ تم لوگ میرا استقبال اس طرح مت کیا کرو کہ میں خود کو چُغد محسوس کروں۔ میں ایک معمولی سی اخباری رپورٹر ہوں اور مجھے اپنی اوقات پر ہی رہنے دیا کریں۔"

"ہرگز نہیں۔ آپ ہماری عالیہ باجی ہیں ہم جس طرح چاہیں گے آپ کا استقبال کریں گے۔"

"بھئی یہ بات غلط ہے۔ تم لوگ یہیں شروع ہو گئیں۔ گفتگو ہو گی سب کے درمیان ہو گی۔" انکل منور عالم نے کہا۔ ہم سب اندر پہنچ گئے۔ بُقراط نے بھی مجھے سلام کیا تھا۔ میں نے خشک سے انداز میں اُس کے سلام کا جواب دے دیا۔ بس۔ اس سے زیادہ گفتگو میں نے نہیں کی تھی۔

اندر نشست ہوئی اور مختلف موضوعات پر گفتگو ہوتی رہی۔ شمس بھی اپنی اُردو سے سب کو محظوظ کرتی رہی تھی۔ بُقراط کے ساتھ اس وقت خوب زیادتی ہو رہی تھی اُسے کسی نے مخاطب نہیں کیا تھا لیکن وہ بھی ایک ڈھیٹ انسان تھا۔ اُس نے اس بات کی قطعاً پروا نہیں کی تھی البتہ تھوڑی دیر کے بعد اُس نے اجازت طلب کر لی۔

"اوہ۔ بیٹھو تصور۔ جلدی کیا ہے؟"

"بس کچھ مصروفیت ہے پھر حاضر ہوں گا۔" اُس نے کہا اور اُٹھ گیا۔ مجھے اندازہ ہو گیا کہ اُسے اپنے نظر انداز کیے جانے کا احساس ہو گیا ہے لیکن مجھے اس بات سے خوشی تھی۔

وہ چلا گیا تو انکل منور نے کہا۔ "بھئی لڑکیو۔ کیا تم تھوڑی دیر کے لیے عالیہ کو مجھے قرض دے سکتی ہو؟"

"کیا کریں گے ابو آپ ان کا؟"

"بھئی یہ تھوڑی تھوڑی سب کی ملکیت ہیں۔ چنانچہ میں اس سوال کی اجازت نہیں دے سکتا۔ آخر عالیہ پر میرا بھی حق ہے۔" انکل منور نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"عجیب ہیں یہ عالیہ باجی بھی۔ سب کو یہ احساس دلاتی ہیں جیسے وہ اُنہی کی ملکیت ہیں اور ہوتی کسی کی بھی نہیں ہیں۔ ٹھیک ہے ابو لے جائیے آپ۔ آپ بھی کیا یاد کریں۔" افشاں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"جب تک تم شمس سے باتیں کرو۔ اس کی اُردو مجھے بڑی پسند آئی ہے۔ بڑی خوبصورت اُردو بولتی ہے۔" انکل نے کہا اور شمس جھینپے ہوئے انداز میں ہنسنے لگی۔

"دیکھیے جناب میں نے آپ کی زبان اپنائی ہے۔ میرا مذاق اُڑانے کی بجائے میری حوصلہ افزائی کی جائے۔" شمس نے کہا۔

"ارے ارے نہیں بیٹے مذاق اُڑانے کا تصور بھی نہ کرنا کہیں اپنی اولاد کا مذاق اُڑایا جاتا ہے، ہاں ان سے تھوڑا مذاق ضرور کر لیا جاتا ہے۔ آؤ عالیہ ورنہ اگر میرے منہ سے اولا…

…ل گئی تو یہ شمس بیگم بُرا مانیں گی۔" انکل منور عالم نے کہا اور … کے ساتھ دوسرے کمرے میں پہنچ گئی۔

"بیٹھو بھئی عالیہ۔ بار بار تم سے یہ باتیں کرنا بڑا عجیب لگتا … ئی اب تو تمہیں یہ اندازہ ہو ہی جانا چاہیے کہ ہم تمہارے … پنے ہیں۔ میرا تم سے ایک خاص رابطہ ہے، میں اس … کو زندگی کے آخری سانس تک نظر انداز نہیں کر سکتا۔ … خواہش ہے کہ میں تمہیں اس کا احساس نہ دلایا کروں … مجھے اس کے لیے مجبور کر دیتی ہو۔ بہرصورت کہنے کا … صرف یہ ہے کہ اب تم مجھے یہ بتاؤ کہ میں تمہارے لیے … سکتا ہوں؟"

"دیکھیے انکل آج آخری اور فیصلہ کن بات ہو رہی ہے … یقین کیجیے کہ جس وقت بھی مجھے آپ کی کسی مدد کی ضرورت … ئی تو میں انکار نہیں کروں گی یہ میرا وعدہ ہے۔ تکلف … کروں گی۔ یہ میرا آپ سے وعدہ ہے، باقی کسی بھی سلسلے … میری طرف سے پریشانی کا شکار نہ رہا کریں۔ میں جو کچھ … ہوں اس سے پوری طرح خوش اور مطمئن ہوں۔"

"بس عالیہ یہ آخری گفتگو تھی اس کے بعد اس موضوع … سے کچھ نہیں کہوں گا۔"

"ٹھیک ہے انکل۔"

"اچھا یہ بات تو رہی الگ اب وہ دوسری بات جس کا … تم سے فون پر تذکرہ کیا تھا۔"

"یعنی فرزانہ کی شادی کے سلسلے میں؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں۔"

"فرمایئے میرے لائق کیا خدمت ہے؟"

"بھئی میں تم سے معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ تمہاری نگاہ میں … عالم کیسا لڑکا ہے؟"

"انکل آپ کے خاندان کے ہیں۔ آپ سے زیادہ بہتر اُن … کے بارے میں اور کون جان سکتا ہے۔"

"نہیں بھئی میرے خاندان سے تو تم بھی ہو۔ میرا مقصد یہ … لڑکیوں کی نگاہ کچھ مختلف ہوتی ہے اور میں نہیں چاہتا کہ … اور فرزانہ اپنی ماں کی کمی محسوس کرتے ہوئے کسی الجھن کا شکار ہو جائیں۔"

"جی ہاں آپ کا یہ خیال تو بالکل درست ہے۔" میں نے کہا۔

"اور اسی نظریے کو سامنے رکھتے ہوئے تم مجھے اس کے … بارے میں بتاؤ۔" انکل منور عالم بولے۔

"دیکھیے انکل جہاں تک تصور عالم کی شخصیت کا تعلق ہے وہ تعلیم یافتہ ہیں آپ کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں بہتر مالی حالات کے حامل ہیں۔ اس لیے اگر والدین کے … نقطۂ نگاہ سے سوچا جائے تو وہ گوناگوں خوبیوں کے حامل ایک ایسے شخص ہیں جنہیں دوسرے عام نوجوانوں پر ترجیح دی جا سکتی ہے۔"

"بے شک اس میں کوئی شک نہیں ہے۔" انکل منور عالم نے کہا۔

"تو پھر ان معاملات میں سوچنا کیا معنی رکھتا ہے؟"

"بھئی فرزانہ کا مسئلہ کچھ مختلف ہے۔"

"وہ کیا...؟" میں نے پوچھا۔

"اس سے قبل بھی ہم لوگوں کے ذہن میں یہی خیال تھا اور اس وقت شاید وہ ذہنی طور پر اس رشتے کے لیے آمادہ بھی تھی لیکن پھر تصور عالم واپس آیا اور اُس نے ایک... عجیب و غریب شخصیت کا مظاہرہ کیا۔ تو فرزانہ بھی اس سے بددل ہو گئی، بلکہ یوں سمجھو کہ ہم سب اُس سے بددل ہو گئے۔ اس وقت کے بعد سے مجھے فرزانہ کی اندرونی یا دلی کیفیات کا علم نہیں ہے البتہ اس دوران میں نے یہ ضرور محسوس کیا ہے کہ وہ تصور عالم کو ناپسند کرتی ہے۔"

"ممکن ہے انکل اس کی وجہ اُن کی شخصیت ہو۔"

"میرا بھی یہی مقصد ہے۔ شخصیت کی اس تبدیلی کو فرزانہ قبول کر سکتی ہے یا نہیں۔"

"آپ کا اپنا اس بارے میں کیا خیال ہے انکل؟" میں نے پوچھا۔

"بھئی میں کیا کہہ سکتا ہوں بھائی جان نے یہ سوال اُٹھایا ہے اور اسی لیے میں نے اس بارے میں سوچنا شروع کیا ہے لیکن ان دونوں لڑکیوں کی طرف سے پریشان ہوں۔ نہ جانے اب اُن کے کیا خیالات ہیں۔" انکل نے کہا۔

"میں بات کر لوں؟"

"ہاں یہی میری خواہش ہے، تم ہی ایک ایسی شخصیت ہو جو ہم دونوں کے درمیان رابطے کا کام انجام دے سکتی ہو۔ فرزانہ سے اس موضوع پر بات کرو اور براہ کرم مجھے اس بارے میں جواب دو۔"

"بہتر ہے آج ہی کر لوں گی بلکہ یہ مسئلہ حل کر کے ہی جاؤں گی۔"

"بہت بہت شکریہ عالیہ۔ میں نے اسی لیے تمہیں تکلیف دی تھی کیوں کہ بہر صورت میں اس ذمّے داری سے سُبکدوش ہونا چاہتا ہوں۔" انکل منوّر عالم نے کہا۔

"مجھے خوشی ہے انکل۔ آپ نے ایک بہتر بات سوچی ہے اور کچھ فرمایئے؟"

"بس دُوسری بات میرے ذہن میں وہ کھٹک رہی ہے جو تم نے مجھ سے فون پر کہی تھی۔"

"یعنی۔۔۔؟" میں نے پوچھا۔

"اطہر رضوی کے بارے میں تم نے مجھ سے اتنے پُراسرار انداز میں کیوں معلوم کیا تھا؟" منوّر عالم نے پوچھا اور میں سوچ میں ڈوب گئی۔

"انکل اگر آپ بات کو جانے ہی دیں تو بہتر ہے۔" میں نے کہا۔

"کیوں کوئی خاص بات ہے عالیہ؟ دیکھو میں صرف اس لیے پوچھ رہا ہوں کہ ممکن ہے میرے لائق کوئی کام نکل آئے۔۔۔ تمہارے پُوچھنے کا انداز کچھ عجیب سا تھا۔ اگر اطہر رضوی سے کچھ چاہتی ہو تو مجھے بتاؤ، براہِ راست بات نہ کرنا چاہتی ہو تو میرے اُن سے ایسے تعلقات ہیں کہ میں اُن سے ہر قسم کی بات بآسانی کہہ سکتا ہوں، مجھے بتاؤ کیا کام ہے اُن سے؟" انکل منوّر عالم نے کہا۔

"کوئی کام نہیں ہے انکل منوّر عالم مجھے اُن سے۔۔۔ اپنی شخصیت سے تھوڑا سا پردہ اور سرکائے دیتی ہوں۔ غیر ممالک میں رہ کر میرے ذہن میں کچھ خرابیاں پیدا ہو گئی تھیں، میرے دِل میں یہ احساس جاگ اُٹھا کہ میں ایک عام لڑکی سے ہٹ کر ذرا مختلف قسم کی لڑکی بنوں اور میں نے اس سلسلے میں۔۔۔ کاوشیں کیں جس میں میرے ڈیڈی نے میری مدد بھی کی یعنی مجھے سُراغ رسانی سے کچھ شوق پیدا ہو گیا اور میں نے اس سلسلے میں کچھ تربیت بھی لی۔ یہاں آنے کے بعد چند ایسے واقعات میرے سامنے آئے جنھوں نے مجھے اپنی جانب متوجہ کر لیا۔ شاید آپ کے علم میں بھی ہو کہ ایک مخصوص شکل و صورت کی کچھ لڑکیوں کو قتل کر دیا گیا تھا۔ اس سلسلے میں میں خاموش نہ رہ سکی اور میں نے اپنے طور پر معلومات حاصل کرنا شروع کر دیں۔ ان معلومات کے حصول کی کہانی طویل ہے لیکن جہاں پر ان کا اختتام ہوا وہ ایک عجیب و غریب جگہ ہے اور وہ جگہ اطہر رضوی صاحب کی ملکیت ہے۔"

"ایں۔۔۔؟" انکل منوّر عالم بھی چونک پڑے۔

"جی ہاں۔ اطہر رضوی صاحب کے بارے میں میں نے جس قدر معلومات حاصل کیں وہ یہی ہیں کہ وہ نیک دِل خدا ترس اور انتظامیہ کی نگاہ میں بے حد شریف انسان ہیں اور ان سے کسی جُرم کا منسوب کیا جانا بہت بڑی حماقت ہے لیکن انکل منوّر عالم آپ اس بات کو کیا کہیں گے کہ خود اطہر رضوی صاحب نے اس جُرم کا اعتراف کیا ہے؟"

"کیا۔۔۔؟" منوّر عالم صاحب پھر چونک پڑے۔

"وہی جو میں عرض کر رہی ہوں۔"

"لل لیکن۔۔۔ لیکن کسی جُرم میں اطہر رضوی کا ملوّث ہونا بڑی عجیب بات ہے۔"

"جی ہاں یہی الفاظ ہر جگہ سُن چکی ہوں۔"

"مگر۔۔۔ مگر عالیہ بیٹے تمہیں یقین ہے کہ۔۔۔ کہ ان جرائم میں اطہر رضوی کا ہاتھ ہے؟"

"انکل میں آپ سے کچھ سوالات کروں گی۔"

"ضرور کرو۔"

"کیا اطہر رضوی صاحب ایک ایسی یقینی شخصیت ہیں کہ جن کے بارے میں ہر شخص آخری اور فیصلہ کُن لہجے میں یہ بات کہہ رہا ہے کہ وہ کسی جُرم میں ملوّث نہیں ہو سکتے؟"

"بھئی عالیہ دیکھو انسان صرف انسان ہے اور جب کوئی جُرم کرتا ہے یا کسی جُرم میں ملوّث ہوتا ہے تو خود کو چھپانے کی انتہائی کوشش کرتا ہے لیکن اطہر رضوی طویل عرصے سے نگاہوں کے سامنے ہے اور ہم اس کے بارے میں کوئی بُری بات نہیں کہہ سکتے۔ میں اُسے فرشتہ نہیں سمجھتا لیکن عالیہ ہر انسان ایک شخصیت ہوتی ہے، میرا خیال ہے اس میں جُرم کرنے کی صلاحیت ہی نہیں ہے وہ تو ایک نیک دل انسان ہے۔ ایک ایسا انسان جسے دُنیا سے محبت ہے، وہ تو سراپا چاہت ہے عالیہ۔ وہ دُنیا کے لیے بہت کچھ کرنا چاہتا ہے، بلکہ یُوں کہو کہ تاجروں اور صنعت کاروں کی نگاہ میں وہ ایک بے وقوف شخص ہے جس نے دُنیا کی ہمدردی میں اپنے آپ کو احمق بنا کر رکھ دیا ہے۔" انکل منوّر عالم نے جواب دیا۔

"ممکن ہے انکل ان تمام باتوں کے پسِ پردہ وہ کچھ ہو جسے وہ چھپانا چاہتے ہوں۔"

"ہاں ہاں ہو سکتا ہے لیکن عالیہ بیٹے ان جرائم میں اس کا ملوّث ہونا بڑی تعجب خیز بات ہے۔"

"اچھا یہ بتایئے انکل، کیا اُن کی کوئی اولاد نہیں ہے؟"

ہیں۔ بے چارے کی کوئی اولاد نہیں ہے۔"

بیگم کی کیا کیفیت ہے؟"

وہ مر چکی ہے۔"

ب؟"

ب طویل عرصہ ہو گیا اُسے مرے ہُوئے۔"

س کے بعد کیا اطہر رضوی نے دُوسری شادی نہیں کی؟"

ہیں۔"

س کی وجہ؟"

جہ عام طور سے یہی سمجھی جاتی ہے کہ درویش صفت اسی وجہ سے اس نے شادی نہیں کی۔"

ی۔ اچھا ایک بات اور بتایئے؟" میں نے کہا اور انکل احب متوجہ ہو گئے۔ وہ شدید حیران نظر آ رہے تھے۔

نکل اب آپ مجھے یہ بتائیں کہ اگر میں اطہر رضوی پر ہاتھ ں تو کیا میں کامیاب ہو سکتی ہوں؟"

ممکن؟" انکل منوّر عالم نے جواب دیا اور میں اس ا پر اُنہیں چونک کر دیکھنے لگی۔

پ کو یقین ہے؟"

ں۔"

یا یہ اچھی بات ہے انکل؟"

دیکھو عالیہ اطہر رضوی کی شخصیت اتنی مکمل اور جامع ہے معاشرے میں کوئی بھی شخص بُرے خیالات بڑی مشکل میں لا سکتا ہے پھر اُس کے تعلقات اتنے وسیع ہیں اوقات حکومت کے اہم کاموں میں بھی مداخلت کر بیٹھتا د تعجب ہے کہ وہ ایسی کسی کیفیت کا شکار ہے لیکن ہیں آخر اس پر کیسے شبہ ہُوا بلکہ تم تو یہ بھی کہہ چکی د اپنے جرائم کا اقرار کر چکا ہے۔"

مذاق کر رہی تھی انکل۔" میں نے بے اختیار قہقہہ ہے کہا اور انکل منوّر عالم پھر چونک پڑے۔

الیہ کیا کہہ رہی ہو؟"

ی انکل یونہی ایک کہانی ترتیب دے رہی ہُوں اپنے اور اس کہانی کا کردار میں نے اطہر رضوی کو بنایا ہے۔ اپنے مضامین کے لیے مختلف انداز میں ریسرچ ہوں۔ اطہر رضوی صاحب کا نام میرے لیے بڑا دلچسپ ثابت ہُوا تھا۔ مجھے یُوں لگا تھا جیسے وہ ایک ایسی طرت شخصیت ہوں جس کا کوئی کچھ نہ بگاڑ سکے، میں نے یہی سوچا تھا کہ ایک ایسی شخصیت کو کراس کرنے کے لیے کیا کچھ کرنا پڑتا ہے لیکن بڑی پُرلُطف بات یہ ہے کہ مجھے ہر جگہ ناکامی ہُوئی ہے۔" میں نے بات کو ٹالنے کی کوشش کی۔

"اوہ خُدا کی پناہ۔۔۔ اگر واقعی یہ معاملہ اس حد تک ہے تو عالیہ بیٹے مجھے بڑی خوشی ہے۔ دراصل اطہر رضوی نیک فطرت انسان ہے، اس سے کسی بُرائی کا منسُوب کرنا بڑی تکلیف دِہ بات ہے، کوئی بھی اس بات پر یقین نہیں کرے گا اور میری خواہش ہے عالیہ بیٹے کہ اس قسم کے لوگوں کے بارے میں کچھ لکھتے ہُوئے تم اپنے اخبار میں بھی محتاط رہا کرو۔ کوئی ایسی بات کہنا مناسب نہیں ہے جس سے حکومت کی نگاہوں میں تمہاری پوزیشن خراب ہو جائے۔ بھئی دیکھو نا ہر شخص کا اپنا ایک اسٹیٹس ہوتا ہے۔ وقار ہوتا ہے اور کوئی بھی بات کہتے ہُوئے یا لکھتے ہُوئے اپنے وقار کو مدِّنظر رکھنا چاہیے۔"

"بے شک بے شک۔ بس یُونہی میں نے بتایا نا کہ یہ بات میرے ذہن میں آئی تھی کہ شہر کے کچھ بڑے لوگوں کے بارے میں اس قسم کی تفریحات میں حصّہ لُوں۔"

"نہیں بھئی نہیں۔ یہ تفریحات بہت مہنگی پڑ سکتی ہیں اور پھر یہ بھی ممکن ہے کہ مس عالیہ صغیر بھایانی کسی دن اپنے انکل منوّر عالم پر بھی قلم اُٹھا دیں، بہر صورت میں تو تمہارا اپنا ہُوں جو بھی کہو گی اُسے ہنس کر برداشت کر لُوں گا۔" منوّر عالم صاحب نے کہا اور میں نے بات ہنسی میں اُڑا دی۔

"اچھا انکل اب مجھے اجازت دیں ذرا ان لڑکیوں سے بھی نمٹ لُوں ویسے مجھے بڑی مسرت ہوگی کہ اگر اس قسم کا کوئی سلسلہ شروع ہو جائے۔ انکل میں اس گھر کو اپنا ہی گھر سمجھتی ہُوں اور اس گھر کے مسائل میں اتنی ہی دلچسپی لیتی ہُوں۔۔۔ جتنے آپ لوگ۔"

"مجھے یقین ہے بیٹے۔ ہم لوگ بھی تمہارے بارے میں یہی خلوص اور یہی جذبہ رکھتے ہیں۔" انکل نے کہا اور پھر میں انکل سے اجازت لے کر لڑکیوں کے پاس آ گئی۔

شمس ان لڑکیوں میں بیٹھی اپنی اُردو بول رہی تھی اور دونوں لڑکیاں بعض باتوں پر ہنس ہنس کر دُہری ہُوئی جا رہی تھیں۔۔۔

"اچھا اچھا میری غیر موجودگی میں یہ ہنگامے ہو رہے ہیں کیوں؟" میں نے آنکھیں نکال کر کہا۔

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے آپ اتو سے دوستی کریں، ہم آپ

کے کون لگتے ہیں؟" افشاں بولی۔

"اچھا اچھا فضول باتیں بند۔ شمس کیا گفتگو ہو رہی تھی اس وقت تم لوگوں کے درمیان؟"

"بس مختلف باتیں۔" شمس نے کہا۔ "جن کا کوئی سر پیر نہیں البتہ میں جو اُردو بول رہی ہوں وہ ان لوگوں کے لیے بہت دلچسپ ہے۔" شمس نے جواب دیا۔

"اچھا اب ایک سنجیدہ مسئلے کی طرف بات آتی ہے۔" میں نے کہا اور افشاں مسکراتی نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگی۔

"اوہو میں سمجھ گئی، بلکہ شاید فرزانہ باجی بھی سمجھ گئی تھیں کہ ابّو نے آپ کو اندر کیوں طلب کیا ہے۔"

"بھئی افشاں ان فضول باتوں کو رہنے دو۔" فرزانہ نے کہا۔

"میں کب کر رہی ہوں باجی۔ یہ عالیہ صاحبہ کچھ تیاریاں کر کے آئی ہیں۔ جی عالیہ باجی تو وہ سنجیدہ مسئلہ کیا ہے؟"

"وہی ہے جو تم نے سوچا۔" میں نے جواب دیا اور فرزانہ کے چہرے پر ناگواری کی شکنیں نمودار ہو گئی تھیں۔ تب میں نے فرزانہ کی آنکھوں میں دیکھا اور کہا۔ "دیکھو فرزانہ ہم سب لوگ ایک دوسرے سے بے تکلف ہیں بلکہ یوں سمجھا جائے تو غلط نہیں ہے کہ ہم سب ایک دوسرے سے ذرا بھی الگ نہیں ہیں۔ چنانچہ میری جو تم سے گفتگو ہو گی وہ بڑی سنجیدہ ہو گی اور یقین کرو میں اس گفتگو کے لیے انکل منوّر عالم کے سامنے جواب دہ ہوں گی۔"

"جی فرمایے۔" فرزانہ نے ناک چڑھے انداز میں کہا۔

"بات رہی تصوّر عالم کی ہے۔" میں نے کہا۔

"یعنی...؟" فرزانہ نے گہری سانس لے کر پوچھا۔

"سنا ہے نواب زادہ منوّر عالم صاحب اپنے بیٹے سے کچھ زیادہ ہی خوش ہو گئے ہیں۔ چنانچہ وہ اس سلسلے میں پرانے تعلقات کو پھر سے استوار کرنا چاہتے ہیں۔ میری مراد تصوّر عالم اور تمہاری نسبت سے ہے۔ یعنی وہ اس رشتے کو طے کرنا چاہتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے پھر؟" فرزانہ نے پوچھا۔

"انکل اس سلسلے میں تمہاری رائے جاننا چاہتے ہیں اور انہوں نے اس کا ذریعہ مجھے بنایا ہے تم مجھے بتاؤ فرزانہ کیا تمہیں اس رشتے پر کوئی اعتراض ہو گا؟"

"ہاں سو فی صد۔" فرزانہ نے پختہ اور ٹھوس لہجے میں جواب دیا اور میں چونک پڑی۔ افشاں اور شمس بھی سنجیدہ ہو گئی تھیں۔

"کیا واقعی فرزانہ، تم سچے دل اور غیر جذباتی انداز میں یہ بات کہہ رہی ہو؟"

"بات اس قدر سنجیدہ اور میری زندگی سے اتنا گہرا تعلق رکھتی ہے تو میں بھی غیر سنجیدگی کا مظاہرہ نہیں کروں گی۔"

"یعنی تم اس رشتے پر تیار نہیں ہو؟"

"قطعی نہیں۔ ایک فی صد نہیں۔" فرزانہ نے جواب دیا۔

"میں یہ پوچھنے کا حق رکھتی ہوں کہ آخر کیوں؟"

"ضرور رکھتی ہیں۔"

"تو پھر بتاؤ؟"

"دیکھیے عالیہ باجی ابتدا میں میں نے ابّو کی بات سے گ... نہیں کیا تھا لیکن میرے بھی احساسات و جذبات ہیں، ایک ایسے شخص کو جس کا ذہن قطعی طور پر غیر سنجیدگی کا حامل ہو اور اپنی فطرت میں ایک ایسا مضحکہ خیز پہلو پوشیدہ رکھتا ہو جسے کو... بھی لڑکی پسند نہیں کر سکتی تو کیا ہم اُس کی شخصیت کو بدل سکی...

میں گہری نگاہوں سے اُسے دیکھ رہی تھی۔ فرزانہ کی ر... رائے معلوم ہو چکی تھی۔ تب میں نے کہا۔ "لیکن فرزانہ انکل منوّ... اپنا یہ فیصلہ تم پر مسلّط تو نہیں کر رہے۔ انہوں نے یہی کہا تھ... تمہاری خواہش معلوم کر لی جائے تا کہ وہ کوئی فیصلہ کر سکیں۔"

"ٹھیک ہے انہیں میری خواہش سے آگاہ کر دیا ج..." فرزانہ نے سنجیدگی سے کہا۔

"تم جذباتی ہو گئیں فرزانہ؟"

"مسئلہ ہی ایسا ہے۔ میں تایا جان کو اچھی طرح جانتی... وہ ہمیشہ مفاد پرست رہے ہیں۔ کبھی انہوں نے کوئی بات مطلب کے نہیں سوچی۔ وہ ابّو کو مجبور کر رہے ہوں گے۔"

"کیا منوّر عالم صاحب ان کا بہت احترام کرتے ہی..."

"ابّو...؟" فرزانہ نے گہری سانس لی۔ "ابّو بس کچھ ع... سی شخصیت کے مالک ہیں کبھی کبھی کسی مسئلے میں اس ط... الجھ جاتے ہیں کہ اپنی رائے ہی کھو بیٹھتے ہیں اور دوسرے ... کہے پر عمل کرنے لگتے ہیں۔"

"خیر اس مسئلے میں ایسا کوئی خدشہ نہیں ہے اور ... تمہاری رائے آج اُن تک پہنچائے دیتی ہوں تا کہ یہ معاملہ ... ہو جائے۔"

"شکریہ عالیہ باجی آپ اس معاملے میں پوری پوری د... لیں۔" فرزانہ نے کہا۔ اس کے بعد موضوع بدل دیا گیا۔ تفریح... ہونے لگی جس میں تصوّر عالم کو بھی زیرِ بحث لایا گیا۔ میں نے...

...کے تذکرے سے زیادہ دلچسپی نہیں لی تھی۔

شام کو ہم نے واپسی کی اجازت مانگی۔ اس سے قبل میں ...وّر عالم صاحب کو فرزانہ کے خیالات سے آگاہ کر دیا تھا اور ...توقع کوئی پریشانی نہیں ہوئی۔ انہوں نے فراخ دلی سے ...وئی حرج نہیں ہے بھئی۔ یہ تو بہتر ہوا کہ ہم نے کوئی غلط ...نہیں کیا۔ بھائی جان اس سلسلے میں دوبارہ مجھ سے کہیں ...میں انکار کر دوں گا۔"

بہرحال ہم واپس چل پڑے۔ شمس اس تھوڑی سی ...سے بہت خوش ہوئی تھی۔ "اچھا یہ بتاؤ۔" اُس نے ...یت سے کہا۔ "میں اُردو کیسی بولنے لگی ہوں؟"

"ایمان سے بہت اچھی۔ بڑی پیاری۔" میں نے مسکرات...ے جواب دیا۔

فلیٹ واپس پہنچی تو ناصر موجود تھا۔ ڈرائنگ روم میں بیٹھا ...تھا۔ ہمیں دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔

"ارے ناصر خیریت کیوں تکلیف کی؟"

"کوئی خاص بات نہیں ہے۔ بس وہاں بور ہو رہا تھا۔"

"اچھا اچھا بیٹھو۔ دوسرے لوگ کیا کر رہے ہیں؟"

"میں آپ سے یہی سب کچھ معلوم کرنے آیا ہوں محترمہ عالیہ۔"

"یعنی؟"

"میں اب ٹھیک ہو چکا ہوں۔ خاموش بیٹھنے سے بوریت ...ہی ہے کوئی کام بتایے۔ خاص طور سے اُن لوگوں کی آزادی ...ے لیے سوہانِ روح ہے جنہوں نے اُس رات ہم پر حملہ ...یا۔"

"ابھی اُن لوگوں کی آزادی ضروری ہے ناصر۔ وقت آنے ...اُن سے نمٹ لیں گے۔ تم ابھی آرام کرو۔ اگر اور کوئی پریشانی ...و مجھے بتاؤ؟"

"نہیں بس یہی بات ہے۔"

"کوئی فکر مت کرو ناصر۔ کہیں تفریحاً جانا چاہتے ہو تو چلے ...چند روز خاموشی کے ہیں۔ ہاں اگر اس دوران ضرورت ...ا تو..."

"بہتر ہے میں اس لیے بھی آ گیا تھا کہ آپ مجھے دیکھ لیں... بالکل ٹھیک ہوں اور اب کام کر سکتا ہوں۔"

"ہاں ہاں مجھے اندازہ ہے۔ کیا پیو گے؟"

"جی بس کچھ نہیں مس میری کافی پلا چکی ہیں۔ بے حد ...تا اور پُر اخلاق خاتون ہیں۔" ناصر نے کہا اور اُٹھ کھڑا ہوا...

ناصر کے جانے کے بعد میں اور شمس فرزانہ وغیرہ کے بارے میں گفتگو کرتے رہے۔

دوسرے دن کا آغاز ہی بہت دلچسپ اور سنسنی خیز تھا میں فلیٹ پر ہی تھی اور انکل شہریار کے فون کا انتظار کر رہی تھی دن کے ساڑھے گیارہ بجے تھے کہ فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ میں نے جلدی سے آگے بڑھ کر فون اُٹھا لیا تھا۔

"ہیلو...؟"

"صباحت بول رہا ہے۔"

"اوہ۔ رضوی صاحب۔ کیسے مزاج ہیں؟"

"ٹھیک ہوں۔ ایک دعوت نامے کے بارے میں اطلاع دینی ہے جو آج موصول ہوا ہے۔"

"کہاں سے؟"

"شہر کے ایک مخیّر اور متموّل شخص کی جانب سے جناب اطہر رضوی صاحب نے عوام الناس کی بھلائی کے لیے شہر سے تقریباً پینتیس میل دُور نالہ تل گھاٹ کے کنارے ایک پُر فضا مقام پر ایک سینی ٹوریم بنایا ہے جس میں ایک ہزار مریضوں کے لیے بندوبست کیا گیا ہے۔ آج شام پانچ بجے وہ اس سینی ٹوریم کا افتتاح کر رہے ہیں۔ چنانچہ شہر کے بے شمار لوگوں کو مدعو کرنے کے ساتھ ساتھ انہوں نے پریس کو بھی دعوت دی ہے۔"

ایک لمحے کے لیے میرا دماغ گھوم کر رہ گیا تھا۔ میں حیرت کے عالم میں ریسیور ہاتھ میں لیے بیٹھی رہ گئی تھی۔

"ہیلو...؟" رضوی صاحب کی آواز اُبھری۔

"جی رضوی صاحب۔"

"دعوت نامے کے ساتھ ایک نقشہ بھی منسلک ہے۔ یہ عمارت پہلے قلعہ جہار کے نام سے مشہور تھی۔ اب وہ رضوی سینی ٹوریم کہلائے گی۔"

"براہِ کرم کسی کے ہاتھ دعوت نامہ میرے پاس بھجوا دیں..."

میں نے بمشکل کہا اور فون بند کر دیا۔ اس کے بعد میں سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔ میں اس گہری چال پر غور کر رہی تھی۔ قلعہ جہار سینی ٹوریم یہ کیسے ممکن ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے۔ کل ہی تو ہم نے وہ عمارت دیکھی ہے۔ کتنی خوفناک چال ہے یہ۔ کتنی جامع چال ہے مجھے ناکام بنانے کی...

آدھے گھنٹے کے بعد رضوی صاحب کا آدمی دعوت نامہ لے کر میرے پاس پہنچ گیا۔ میں نے اس خوبصورت اور قیمتی کارڈ کو دیکھا لفافے پر خاص طور سے میرا نام لکھا ہوا تھا۔ آہ اس شخص کو میرے

بارے میں کیسی مکمل معلومات حاصل ہیں۔ میں نے سوچا اور پھر میں تیار ہو کر باہر نکل آئی۔ رُخ انکل شہر یار کے علاوہ اور کس طرف ہو سکتا تھا۔

انہوں نے اپنی کوٹھی میں میرا استقبال کیا۔ دعوت نامہ اُن کے ہاتھ میں بھی موجود تھا۔ میں نے بھی پرس سے یہ دعوت نامہ نکال کر اُن کے سامنے رکھ دیا۔

"اوہ یہ تمہارے پاس بھی پہنچ چکا ہے؟"

"جی۔" میں نے جواب دیا اور انکل شہر یار پُرخیال انداز میں گردن ہلانے لگے۔

"اطہر رضوی اتنا خطرناک انسان ہوگا کوئی سوچ بھی نہیں سکتا۔" وہ جیسے خود سے مخاطب تھے اور میں اُن کی شکل دیکھ رہی تھی۔

انکل شہر یار کے چہرے سے اُن کی ذہنی کیفیت عیاں تھی وہ سخت پریشان نظر آتے تھے اور اُن کا چہرہ اُترا ہوا تھا۔ میں خاموش بیٹھی انہیں دیکھتی رہی۔ میں نے بھی تہیہ کر لیا تھا کہ جب تک وہ خود نہ بولیں گے میں بھی خاموش رہوں گی لیکن شاید انکل کے پاس بھی اب بولنے کے لیے کچھ نہیں رہا تھا۔

جب ہم دونوں کی خاموشی حماقت کی حدود میں داخل ہونے لگی تو انکل کو ہی اس کا احساس ہوا۔ انہوں نے میری طرف دیکھا اور خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر مسکرانے لگے۔

"کچھ بولو بھئی۔ بالکل ہی خاموشی چھا گئی ہے۔"

"میں آپ سے کچھ سننے کی منتظر ہوں انکل۔" میں نے کہا۔

"معاف نہیں کرو گی؟" وہ پھیکی سی ہنسی کے ساتھ بولے۔

"نہیں انکل۔ خدا کی قسم ایسی باتیں نہ کریں۔ میں کون ہوتی ہوں۔ میں تو بس یہ چاہتی تھی کہ آپ مجھ پر یقین کر لیں۔ میں نے اس نفرت انگیز شخصیت کو تلاش کرنے میں بڑی محنت کی ہے بس اتنا چاہتی تھی کہ آپ کی نگاہیں بھی نقاب کے پار دیکھ لیں ورنہ اس مُلک کا نظام آپ کے بل پر تو نہیں چل رہا... تمام باتوں کے ذمّے دار آپ ہی تو نہیں ہیں۔"

"نہیں عالیہ۔ انتظامیہ کا ہر فرد اس بات کا ذمّے دار ہے ایک مجرمانہ ذہنیت رکھنے والے شخص کو حکومت کی نگاہوں میں یہ مقام حاصل ہی کیسے ہوا۔ اُسے اتنی بڑی حیثیت ہی نہیں ملنی چاہیے تھی کہ وہ ناقابلِ تسخیر بن جاتا۔ اس سلسلے میں ہم سب ذمّے دار ہیں۔"

"اطہر رضوی کے بارے میں اب آپ کے کیا خیالات ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"یقین کرو عالیہ۔ تمہاری کاوشوں کو میں نے کبھی تحقیر کی نگاہ سے نہیں دیکھا۔ تم نے اطہر رضوی کے بارے میں انکشافات کیا تو میں حیران ضرور رہ گیا لیکن میں نے تمہاری بات پر کوئی شک نہیں کیا تھا۔ ہاں میرے ذہن میں یہ خیال بھی تھا کہ ممکن ہے کسی دُوسرے نے اطہر رضوی کے میک اَپ میں دھوکا دینے کی کوشش کی ہو لیکن یہ دعوت نامہ....."

"اس کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟"

"متضاد خیالات ہیں۔ یہ احساس بھی ہے کہ ممکن ہے اطہر رضوی نے تمہیں وہاں سے آنے کی اجازت دے کر یہ انتظامات شروع کر دیے ہوں تاکہ تم اس حیثیت سے اس کی نشان دہی نہ کر سکو یا پھر یہ خیال بھی میرے ذہن میں ہے کہ ہماری کارکردگی سے بوکھلا کر اُس نے یہ کام کیا ہو لیکن یہ دُوسری بات ذرا پھیکی ہے کیوں کہ کسی عام جگہ کو چند گھنٹوں میں سینی ٹوریم تو نہیں بنایا جا سکتا۔"

"گویا آپ کو اس بات پر یقین آ گیا کہ اطہر رضوی نے ایک مضبوط جال پھیلایا ہوا ہے؟"

"ہاں۔ اب میں تم سے متفق ہوں۔" انکل شہر یار نے کہا۔

"اب ایک اور سوال میرے ذہن میں پیدا ہوا ہے انکل۔"

"وہ کیا بیٹے؟"

"انکل کیا آپ کے اختیارات اتنے وسیع ہیں کہ آپ براہِ راست اطہر رضوی پر ہاتھ ڈال سکیں؟"

"بہت مشکل سوال کر دیا ہے تم نے عالیہ۔ اگر میں نفی میں جواب دیتا ہوں تو خود میری انا مجروح ہوتی ہے۔ میں نے بارہا وطن کی حفاظت کے لیے زندگی خطرے میں ڈالی ہے۔ موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مسکرایا ہوں۔ اگر اس سلسلے میں خود کو بے بس سمجھوں تو شاید میری وفاداریاں برقرار نہ رہ سکیں لیکن میں ابھی جذبات میں اس قدر بہنا نہیں چاہتا۔ میں عالیہ میں پوری پوری کوشش کروں گا کہ اسے قانون کی گرفت میں لے آؤں۔" انکل شہر یار کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پیدا ہو گئے تھے۔

میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتی تھی۔ صرف ایک میں ہی محبّتِ انسانیت نہیں تھی دُوسروں کے دِلوں میں بھی

انسانیت کی تڑپ ہوتی ہے۔ خود کو بہت زیادہ پوز کرنا مناسب نہیں تھا۔ آخر میں انکل سے باز پُرس کا کون سا حق رکھتی ہوں۔ ... انھوں نے تو حتی الامکان میری مدد کی تھی۔ ہر سہارا دیا تھا اس سلسلے میں انہوں نے۔ چنانچہ میں اُن کی ذات سے مطمئن ہو گئی۔ مجھے قرار سا آ گیا تھا۔ جو کچھ میرے دل میں تھا اسے کون نکال سکتا تھا۔ مجھ سے جو بن پڑے گا کروں گی۔ چنانچہ میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اور میں نے کہا۔

"اس سینہ زوری کے بارے میں کیا خیال ہے انکل؟"

"دعوت نامے کی بات کر رہی ہو؟"

"جی۔"

"میری رائے ہے جاؤ۔ دیکھو تو سہی کہ اُس نے کیا کارنامہ انجام دیا ہے؟" انکل شہر یار نے کہا۔

"بہت بہتر۔ میں اخبار کے نمایندے کی حیثیت سے ہی جاؤں گی۔"

"یقیناً۔"

"اور آپ انکل؟"

"مجھے بھی جانا ہے لیکن وہاں ہم دونوں مکمل طور پر اجنبی ہی رہیں گے۔"

"سو فی صد۔ یہ بھی کوئی کہنے کی بات ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ انکل کسی گہری سوچ میں ڈوب گئے تھے پھر وہ بولے۔

"ویسے عالیہ۔ اطہر رضوی اگر قانون کے شکنجے میں نہ آیا تو میں نہیں کہہ سکتا کہ آیندہ میرے کیا تاثرات ہوں گے۔"

"کس بارے میں انکل؟"

"اپنی وفاداریوں کے بارے میں۔ میں اُسے چھوڑوں گا نہیں خواہ اس کے لیے مجھے اپنے پُورے کیریئر کی بازی کیوں نہ لگانی پڑے..."

"ایک بات میں بھی عرض کروں انکل۔ نوکری پیٹ بھرنے کے لیے کی جاتی ہے ———— اور کیریئر کوئی حیثیت نہیں رکھتا جب اُس پر مقصد فوت ہو جائے۔ مجھے معاف کیجیے یہ میں آپ کے بارے میں بھی کہہ رہی ہوں۔"

"اس نصیحت کا شکریہ استادِ محترم۔ میں اسے گرہ میں باندھ کر رکھوں گا۔ کیوں کہ یہ ایک باعمل واعظ کے الفاظ ہیں۔"

"میں بہت بکواس کر چکی ہوں اب مجھے اجازت دیں۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا اور اُٹھ کھڑی ہوئی۔ انکل بھی ہنسنے لگے تھے پھر وہ مجھے باہر تک چھوڑنے آئے اور نہ جانے کیوں میرے منہ سے نکل گیا۔

"ثاقب سے تو ملاقات نہیں ہوئی انکل؟"

"اُس دن کے بعد سے نہیں حالانکہ میں نے اُسے دو تین بار فون کیا ہے۔"

"کہاں؟"

"اُس کے گھر پر۔"

"تہور عالم کی کوٹھی پر بھی فون کر لیں۔ ممکن ہے وہاں مل جائے۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا اور کار میں بیٹھ گئی۔

"بھئی اب مجھے زیادہ پریشان مت کرو۔ میں پہلے ہی بہت پریشان ہو چکا ہوں۔" انکل شہر یار نے کہا۔

"اس مسئلے سے نمٹ لیں انکل۔ اس کے بعد میں اس بہروپیے کا کچا چٹھا بھی آپ کے سامنے پیش کر دوں گی۔" میں نے کار اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا اور انکل کو سلام کر کے کار آگے بڑھا دی۔

انکل شہر یار کے پاس سے میں سیدھی عابدہ لاج آئی تھی شام پانچ بجے کے لیے میں نے چند ضروری تیاریوں کی فہرست بنائی تھی۔ مجرم سامنے آ چکا تھا۔ وہ طاقت ور تھا۔ اتنا طاقت ور کہ میں تصور بھی نہیں کر سکتی تھی لیکن میں بھی زندگی موت کی جنگ لڑنا چاہتی تھی اور لڑ رہی تھی۔ مجھے اب کسی بات کی پروا نہیں تھی۔ ایک بے کار وجود اگر کسی مقصد میں صرف ہو جائے تو سودا مہنگا نہیں تھا۔

سب سے پہلی ملاقات میں نے ناصر سے کی تھی۔ ناصر اب بالکل ٹھیک تھا اور اُس کی سنجیدگی بدستور قائم تھی۔ مجھے اپنے کمرے میں داخل ہوتے دیکھ کر وہ جلدی سے اُٹھ گیا۔

"ہیلو چیف؟"

"ہیلو ناصر۔ بھئی میں نے تمہاری بیکاری ختم کر دی ہے۔"

"تہِ دل سے شکر گزار ہوں چیف۔" ناصر نے کہا اور میں اُسے اُس کا کام بتانے لگی۔ ناصر غور سے سُن رہا تھا۔ اُس نے مستعدی سے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "تعمیل ہو گی چیف آپ مطمئن رہیں۔"

"تمام تیاریاں مکمل ہونی چاہییں؟"

"مجھے اپنی پہلی ناکامی کا شدید احساس ہے چیف۔ میں نے آپ سے معذرت نہیں کی۔ نہ میں نے معافی مانگی اور یہ میں نے

صرف اس لیے کیا ہے کہ اپنی آیندہ کارکردگی سے میں اپنے لیے گراؤنڈ بناؤں گا تاکہ پھر معافی مانگ سکوں۔"

"اوہ تمہیں ناصر، اتنا زیادہ حساس اور سنجیدہ ہونا اچھی بات نہیں ہے۔ زمانے کی اقدار بدل گئی ہیں اور پھر اس ہنگامے کو ناکامی نہیں کہا جا سکتا۔ حالات اتنے اچانک بدل گئے تھے کہ کوئی بھی کچھ نہیں کر سکتا تھا۔"

"یہ آپ کی عظمت ہے چیف لیکن میں اپنا حق ادا نہیں کر سکا تھا۔" ناصر نے کہا۔

"سب ٹھیک ہے بھیا۔ اب اتنا پریشان نہ ہو۔ ہم پہلے سے کسی حادثے کے لیے تیار نہیں ہوتے ورنہ حادثہ ہی نہ ہو۔ ہاں ایک اطلاع نہیں دے دوں۔ وہ قادر بھیڑیا ہلاک ہو چکا ہے اس رات کے ہنگاموں میں اس کا ہی ہاتھ تھا۔" میں نے کہا اور ناصر اچھل پڑا۔

"کیا۔ کیا واقعی چیف؟"

"ہاں۔ اسے بدترین موت سے دوچار ہونا پڑا ہے۔"

"اوہ لیکن لیکن کیسے؟"

"تفصیل اُدھار رہی پھر بتاؤں گی۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا اور ناصر نے گردن ہلا دی۔ وہاں سے میں فلیٹ کی طرف چل پڑی تھی۔ شمس سے کچھ دیر باتیں رہیں اور پھر میں شمس کی مدد سے دوسری تیاریاں کرنے لگی تھی۔ میں نے اس شام کے لیے معقول بندوبست کیا تھا۔

ساڑھے تین بجے میں گھر سے نکل آئی۔ میں نے اپنی عام کار استعمال کی تھی۔ میرے پیچھے ہی ناصر بھی اس بند گاڑی میں چل پڑا تھا جس میں بظاہر الیکٹرک کی درستگی کا سامان تھا۔ وہ پہلے ہی میری ہدایت پر فلیٹ کے نیچے پہنچ چکا تھا۔

طویل فاصلہ بڑے پُراطمینان انداز میں ڈیڑھ گھنٹے میں طے ہو گیا تھا۔ راستے میں بہت سے لوگ اس طرف جاتے ہوئے ملے تھے۔ یہ شہر کے اعلیٰ طبقے کے لوگ تھے۔ قیمتی کاروں کا ہجوم اطہر رضوی کے ایک اشارے پر اُس کی طرف چل پڑا تھا اور میں دل ہی دل میں ہنس رہی تھی۔ میں نے اپنی اس زندگی کی ابتدا ایک ایسے مجرم سے کی تھی جو ناقابل تسخیر تھا لیکن لطف بھی اسی میں تھا اگر میں کامیاب ہو گئی اور زندہ بچی تو پھر عام قسم کے مجرم میرے لیے بے حیثیت تھے۔

قلعہ جبار سے تقریباً ایک میل پہلے ہی پولیس کی ایک چوکی قائم ہو گئی تھی۔ پولیس والے چاروں طرف پھیلے ہوئے تھے لیکن کوئی روک ٹوک نہیں تھی۔ لوگ اطمینان سے آجا رہے تھے۔ جس خوفناک علاقے میں میں نے خوفناک ہنگامے دیکھے تھے وہ اس وقت بے حد پُرسکون تھا۔ دُور تک پھیلے ہوئے جنگل ایک خوشگوار تاثر دے رہے تھے حالانکہ ان جنگلوں پر ایک خوفناک رات میرے لیے بڑی سنسنی خیز گزری تھی۔

میں اس چوبرجی قلعے میں داخل ہو گئی۔ وسیع علاقے میں کاروں کا ہجوم تھا۔ کاروں کا اتنا بڑا اجتماع اس سے قبل دیکھنے میں نہیں آیا تھا۔ میں نے اپنی کار بھی وہیں پارک کر دی۔ تقریباً تمام ہی اخبارات کے نمایندے وہاں موجود تھے۔ ان میں سے بے شمار میرے شناسا بھی تھے۔ میں نے اپنی حیثیت کو سامنے رکھا۔ اس وقت بڑے لوگوں میں گھسنے کی کوشش کسی اخباری رپورٹر کے لیے مضحکہ خیز تھی۔

چنانچہ میں ایک بلند مقام پر پہنچ گئی اور سب سے پہلے میں نے کاروں کے اس ہجوم کی تصویر بنائی۔ میرے... نزدیک ہی "کرائم" کا نامہ نگار موجود تھا اُس کا نام فضلی تھا۔

"ہیلو مس عالیہ۔" اُس نے مجھے مخاطب کیا۔

"ہیلو۔" میں نے گردن خم کر کے کہا۔

"کیسے مزاج ہیں؟"

"گزر رہی ہے فضلی صاحب۔" میں نے سرسری طور پر کہا

"غلط کہہ رہی ہیں آپ۔ گزرنا اور بات ہے۔ یوں کہیں شاندار گزر رہی ہے۔" فضلی نے کہا۔

"آپ صحافی ہیں جس طرح چاہیں اضافہ کر لیں۔" میں نے ہنس کر کہا۔

"سُنا ہے آپ نے کچھ عرصے کے لیے اخبار چھوڑ دیا تھا؟"

"جی ہاں۔"

"کیوں؟"

"بس تفریحاً۔" میں نے جواب دیا۔

"آپ کسی دُوسرے اخبار کو کیوں نہیں ٹرائی کرتیں۔ اس ایک اخبار میں ہی کیا رکھا ہے؟"

"کوشش کی تھی لیکن کسی نے توجہ ہی نہیں دی۔"

"میں بات کروں؟"

"ارے نہیں۔ آپ کہاں تکلیف کریں گے۔"

"آپ اسے تکلیف کہتی ہیں۔ یہ تکلیف تو میرے لیے دُنیا کی سب سے بڑی مسرت ہو گی۔ میں۔ میں یہ خوشی حاصل کرنا چاہتا ہوں مس عالیہ۔"

"بڑی نوازش۔" میں نے کہا۔

"آپ نہیں جانتیں مس عالیہ۔ کبھی نہیں جان پائیں گی ے دل میں آپ کے لیے کیا جذبات ہیں۔" فضلی صاحب اتی ہو گئے۔

"اوہ۔ واقعی مجھے نہیں معلوم۔" میں نے تحیر آمیز انداز میں کہا۔

"اگر آپ کو معلوم ہو جائے تو کیا آپ ان جذبات کی ائی کریں گی؟"

"سوچوں گی اس بارے میں۔"

"کیا آپ ہمدردی سے سوچیں گی مس عالیہ... کیا میں د رکھوں؟"

"فضلی صاحب ابھی تو مجھے آپ کے جذبات معلوم بھی نہیں ے؟" میں نے ہنسی روکتے ہوئے کہا۔

"آہ کیا اب بھی کچھ کہنے کی ضرورت باقی رہ گئی ہے۔ آپ ہی سمجھ لیں مس عالیہ۔ میں آپ سے محبت کرتا ہوں۔ میں آپ قیدت رکھتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں ہمارے کیمرے ایک ہو ں۔ ہماری تحریریں ایک ہو جائیں۔"

"تو آپ اپنا کیمرا توڑ دیں؟"

"جی؟"

"ایک کیمرا رہ جائے گا۔"

"میں مذاق نہیں کر رہا مس عالیہ۔"

"میں بھی مذاق نہیں کر رہی۔ اگر آپ سچ بول رہے ہیں ر مجھے یہاں کی رپورٹنگ کرنے دیں اپنا کیمرا توڑ دیں۔"

"توڑ دوں۔ مم۔ مگر یہ تو دفتر کی ملکیت ہے۔" فضلی صاحب ر بولے۔

"پھر آپ کون سے کیمرے کی بات کر رہے ہیں؟" میں دلچسپی بولی۔

"اوہ مس عالیہ۔ مس عالیہ۔" فضلی صاحب سے کوئی نہیں بن پڑا۔

"ویسے فضلی صاحب یوں لگتا ہے جیسے آپ نے اطہر لے سے گہری ساز باز کر رکھی ہے۔ انھوں نے یہ سینی ٹوریم اس یم کرایا ہے کہ ہم لوگ یہاں جمع ہوں اور آپ مجھ سے دل ت کہہ دیں۔ کیوں؟"

"شاید۔" فضلی صاحب بولے۔

"اس طرح تو آپ کے رضوی صاحب سے گہرے تعلقات گے؟"

"جی ہاں۔ وہ مجھے بہت پسند کرتے ہیں۔ دعوت نامہ بطور خاص میرے لیے بھیجا تھا۔" فضلی صاحب نے کہا۔

"آیئے۔ ذرا میرا اُن سے تعارف کرا دیں۔" میں نے آگے بڑھتے ہوئے کہا اور فضلی صاحب بوکھلا گئے۔ بہر حال وہ میرے ساتھ آگے بڑھ آئے تھے۔ تھوڑے فاصلے پر مہمانوں کے لیے نشستوں کا بندوبست کیا گیا تھا۔ لاتعداد لوگ پہنچ چکے تھے باوردی بیروں کی پوری پلٹن مہمانوں کی خاطر مدارات میں مصروف تھی۔ چاروں طرف مشروبات کی ٹرالیاں گردش کر رہی تھیں... بڑے اعلیٰ پائے کے انتظامات تھے۔ کئی ہوٹلوں کے مونوگرام نظر آ رہے تھے...

فضلی صاحب میرے پیچھے چلتے چلتے غائب ہو گئے تھے میں نے ایک بار پلٹ کر دیکھا اور مجھے ہنسی آ گئی۔ بہر حال میں اپنے کام میں مصروف رہی۔ اس دوران میں نے کئی فوٹوگراف بنائے تھے۔

انکل منوّر عالم نظر آئے۔ انھوں نے بھی مجھے دیکھ لیا تھا میں نے ادب سے انھیں سلام کیا اور وہ خود ہی میرے پاس آ گئے۔ "ایک تصویر ہماری بھی ہو جائے محترمہ عالیہ۔"

"ضرور جناب۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور تصویر بنا لی۔ اُسی وقت ایک اور صاحب منوّر عالم کے پاس پہنچ گئے اور وہ مجھ سے معذرت کر کے آگے بڑھ گئے۔ میری نگاہیں بغور چاروں طرف کا جائزہ لے رہی تھیں۔ کچھ عرصہ قبل یہ ایک ہیبت ناک جگہ کہی جا سکتی تھی لیکن اب بے حد نفیس ہو گئی تھی۔ بلاشبہ یہ جلد بازی کا کام نہیں تھا۔ غالباً میرے یہاں سے نکلتے ہی اطہر رضوی نے اس کا حلیہ بدلنا شروع کر دیا تھا۔ نہ جانے کیا کیا ہو چکا ہو گا یہاں پھر مجھے انکل شہریار بھی نظر آئے۔ نواب زادہ جہور عالم کے ساتھ کھڑے ہوئے تھے۔ میں چونک پڑی۔

انکل شہریار کی نواب زادہ صاحب کے پاس موجودگی بے معنی نہیں تھی۔ انکل بہت زیرک انسان تھے۔ وہ میری کسی بات کو نہیں بھولے ہوں گے لیکن کیا بقراط بھی یہاں موجود ہے؟ میں نے دُور دُور تک نظریں دوڑائی تھیں۔ بقراط نظر نہ آیا البتہ ڈاکٹر فرزانہ مجھے نظر آ گئی۔ میں تیزی سے اُس کی طرف چل پڑی اور میں نے اُس کے قریب پہنچ کر کہا۔

"ہیلو ڈاکٹر۔"

"اوہ۔ آپ؟" فرزانہ ہنس کر بولی۔

"کیسے مزاج ہیں آپ کے؟"

"میں تو ٹھیک ہوں آپ سُنائیے۔ ویسے آپ نے مجھے خوب بے وقوف بنایا تھا اُس روز۔"

"کیوں؟" میں نے پوچھا۔

"ہمیں بھی آپ کے بارے میں معلومات حاصل ہو چکی ہیں خاتون۔ بڑی چھپی رُستم ہیں آپ۔ کبھی آیئے نا اس کے بعد تو ملاقات بھی نہیں ہوئی... کیا اتنی ہی بور شخصیت ہے ہماری؟" ڈاکٹر فرزانہ نے کہا۔

"نہیں ڈاکٹر۔ یہ بات نہیں ہے۔"

"پھر کیا بات ہے۔ مصروفیت کا رونا روئیں گی؟"

"یہ بھی نہیں ہے۔"

"تو پھر ارشاد؟"

"بس ایک معمولی سی رپورٹر زیادہ بڑے لوگوں کے سامنے کمپلکس کا شکار ہو جاتی ہے۔"

"آپ جتنے بڑے شخص کی بیٹی ہیں اس کے بعد یہ الفاظ میں تسلیم نہیں کروں گی۔" فرزانہ نے ہنستے ہوئے کہا۔

"تصورِ عالم سے ملاقات ہوئی؟" میں نے پوچھا۔

"بس فون پر۔ کوئی ضرورت نہیں پیش آئی ہو گی۔" فرزانہ نے جواب دیا اور پھر چونک کر بولی۔ "وہ آ رہے ہیں حضرت۔" اور میں چونک کر دیکھنے لگی۔ تصورِ عالم اطہر رضوی کے ساتھ تھا۔ وہ بڑے دوستانہ انداز میں ہاتھ میں ہاتھ ڈالے آ رہے تھے اور دوسرے بہت سے لوگ ساتھ تھے۔

ایک جگہ ڈائس بنایا گیا تھا۔ جہاں مہمانوں کو اپنے خیالات کا اظہار کرنا تھا۔ کافی وقت گزر چکا تھا اس لیے اناؤنسر نے تقریب کے آغاز کا اعلان کیا۔

پہلے تلاوت کلامِ پاک ہوئی اور قرآن کی اُن آیات کا ترجمہ سُنایا گیا جن میں انسان پر انسان کے حقوق کی تلقین کی گئی تھی اس کے بعد شہر کے سب سے بڑے ڈاکٹر فرقان نے اس سینی ٹوریم کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کیا پھر حکومت کے اہم ترین لوگ آئے اور انہوں نے اطہر رضوی کی شان میں قصیدہ خوانی کی اور ان کی انسان دوستی کے کارناموں کو سراہا۔ اس کے بعد اطہر صاحب سے درخواست کی گئی کہ وہ اپنے خیالات کا اظہار کریں۔

اطہر صاحب ڈائس پر آ گئے۔ اُنہوں نے نہایت پُر وقار لہجے میں کہا۔

"حکمِ خداوندی ہے کہ کوئی نیک کام کرو تو اس کی تشہیر مت کرو لیکن بعض اوقات انسان بعض معاملات میں مجبور ہو جاتا ہے۔ تپ دق جیسے موذی مرض کے شکار لوگوں کے لیے میرے دل میں بے پناہ ہمدردی ہے اور اس کا محرک ایک خون تھوکتا ہوا مدقوق انسان تھا جس نے میرے سامنے دم توڑ دیا تھا۔ اُس وقت سے میں نے دل میں تہیہ کر لیا تھا کہ ایسے مریضوں کے لیے کوئی خدمت سر انجام دوں گا۔"

شہر کی فضاؤں سے ہٹ کر یہ جگہ مجھے اس کام کے لیے پسند آئی اور میں نے تیاریاں شروع کر دیں۔ خدا کا فضل ہے کہ آج میں جدید ترین مشینوں اور اس موذی مرض کے خلاف سارے ہتھیاروں سے مسلح یہ سینی ٹوریم عوام کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔ یہاں اس مرض کے شکار ہر شخص کے لیے گنجائش ہے اور یہی نہیں بلکہ ماہرین یہاں اس کے خاتمے کے لیے بھی کوشاں رہیں گے۔"

"آخر میں صرف چند الفاظ کہوں گا۔ میں ایک محروم اور گنہگار انسان ہوں اور انسان کی گوناگوں مجبوریوں اور کوتاہیوں کا مجموعہ ہوں۔ لوگوں کو مجھ سے شکایتیں بھی ہوں گی، میں دلی طور سے خواہش مند ہوں کہ ان شکایتوں کا ازالہ کر دیا جائے۔ بعض جگہوں پر میری مجبوریاں مجھے انسانیت سے بہت دُور بھی لے جا سکتی ہیں، میرے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ انسان سے کوتاہیاں بھی ہوتی ہیں۔ اگر وہ اچھائیوں کے راستے کی جانب گامزن ہو تو بعض اوقات اس کی کوتاہیاں بھی نظر انداز کر دینی چاہئیں۔ میں اپنے دوستوں سے اس بات کا خواہش مند ہوں کہ وہ میری اس اپیل پر غور کریں اور اگر مجھ سے کوئی غلطی سرزد ہو گئی ہو تو مجھے معاف کر دیں۔ شکریہ۔"

اطہر رضوی خاموش ہو گئے۔ اس کے بعد تقاریر کا ایک طویل دَور چلا۔ بہت سے لوگوں نے اطہر رضوی کی شان میں قصیدہ خوانیاں کیں اور اس کے بعد تقاریر کا یہ سلسلہ ختم ہو گیا۔ تب اطہر رضوی نے پیش کش کی کہ چند منتخب افراد سینی ٹوریم کو اندر سے بھی دیکھ لیں۔ خاص طور سے انہوں نے یہ دعوت اخباری نمائندوں کو دی تھی۔

چنانچہ ایک پُورا گروہ اُن کے ساتھ چل پڑا۔ زیادہ لوگوں کے لیے اندر گنجائش نہیں تھی اس لیے اطہر رضوی صاحب نے پیش کش کی کہ اگر وہ بھی سینی ٹوریم کو اندر سے دیکھنا چاہیں تو گروپوں کی شکل میں اندر چلے جائیں۔ یعنی جب ایک

[…]معائنہ کر کے واپس آ جائے تو پھر دُوسری ٹیم اندر چلی جائے [...]وں نے سر ہلا ہلا کر اس بات کی منظوری کا اعلان کیا۔

اخباری نمائندوں کی پہلی ٹیم کے ساتھ میں بھی شامل تھی [...]چلی گئی۔ وہ جگہ جو ایک خوفناک اذیت خانہ تھی اب [...]ین طبی مشینوں سے آراستہ تھی۔ صاف شفاف کمرا ہیں [...]ے ہوئے تھے اور حفظانِ صحت کے ان تمام اصولوں پر [...]یا گیا تھا جو ضروری تھے

اطہر رضوی صاحب خود ایک ایک بات کی تفصیل بتاتے [...]ے تھے کہ انہوں نے کچھ غیر ملکی ڈاکٹروں کی خدمات بھی حاصل کی ہیں [...]ہ لوگ مقامی ہی تھے۔ وہ نوجوان ڈاکٹر جو اپنی تعلیم [...]غ ہوتے ہیں اور ہاؤس جاب کر رہے ہوتے ہیں یہاں [...]عاوضے پر عوام کی خدمت کریں گے.... اور وہ [...]لسلے میں ایک باقاعدہ فنڈ جاری کریں گے۔ اُنہوں نے یہ بھی [...]ہر کے متمول اور مخیر حضرات اس سلسلے میں اپنے عطیات روانہ [...]رمایا کریں تاکہ اطہر رضوی صاحب کی امداد ہو جائے۔ بہت سے [...]ضرات نے فوری طور پر عطیات کی پیش کش کی تھی۔ بہر صورت [...]سلہ بھی ختم ہوا اور اس کے بعد اطہر رضوی صاحب نے طعام [...]واست کی۔

رات ہو چکی تھی، لوگ یُوں لگتا تھا جیسے گھروں کو واپس [...]کا ارادہ ہی نہ رکھتے ہوں، سب کے سب اپنی تفریحات میں [...]ل تھے۔ میں بھی عام لوگوں میں شامل ہو گئی لیکن میری نظریں [...]بھٹک رہی تھیں اس دوران میں نے جو کچھ دیکھا تھا [...]پر مجھے حیرت بھی تھی اور دل ہی دل میں میں کچھ افسردہ بھی [...]اطہر رضوی نے ہر وہ نشان مٹا دیا تھا جو میرے لیے ثبوت [...]ثیت رکھتا تھا لیکن بالآخر میرا کام بن ہی گیا۔ میں نے ایک [...]ہوئے بدن کے شخص کو دیکھا جو ایک خوب صورت سوٹ [...]ملبوس مہمانوں کی خاطر تواضع میں مصروف تھا۔ اس شخص کو [...]نے پہلے بھی اسی عمارت میں دیکھا تھا، یقیناً یہ واحد شخص [...]ان لوگوں میں سے مجھے نظر آیا تھا جو اس عمارت میں مجرموں [...]ثیت سے مقیم تھے اور یہی میں چاہتی تھی۔

میں نے ناصر کو تلاش کیا اور بندرین کے پاس مجھے [...]ل گیا۔ اس وقت کوئی کسی کی جانب متوجہ نہیں تھا ممکن [...]ہ لوگ میرے نگراں ہوں لیکن میں نے اس بات کی پروا [...]ی اور ناصر کے پاس پہنچ گئی۔

"نیلا سُوٹ جس کی جیب میں سفید کلیاں لگی ہوئی ہیں"

"اوہ۔ کس طرف ہے خاتون عالیہ؟"

"وہ سامنے دیکھ رہے ہو۔ درمیانے قد کا گٹھے ہوئے جسم کا۔"

"جی۔ جی ہاں۔ جی ہاں۔"

"بس وہی ہے۔"

"بہتر ہے۔ میں چلا جاؤں؟"

"کیا مطلب؟" میں نے پوچھا۔

"میرا مقصد ہے میں اپنا کام کر کے واپس جا سکتا ہوں؟"

"ہاں ناصر۔ بہت مناسب۔" میں نے جواب دیا اور ٹہلتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔

پھر کھانے کی ایک میز تک پہنچی اور کھانے کے لیے میں نے پلیٹ سنبھال لی۔ لوگوں سے الگ تھلگ رہنا مناسب نہیں تھا، میں پلیٹ میں اپنے لیے کھانا لے کر ہٹی ہی تھی کہ عقب سے آواز آئی۔

"نہیں بی بی یہ ممکن نہیں ہے۔" میں نے چونک کر دیکھا۔ اطہر رضوی تھے۔ میری جانب بڑی محبت بھری نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ "تم عام لوگوں کے ساتھ کھانا نہیں کھاؤ گی۔ پلیٹ رکھ دو۔"

"جی۔ وہ۔ کیا مطلب؟" ایک لمحے کے لیے میں گڑبڑا سی گئی تھی لیکن اُنہوں نے بڑی خوش اخلاقی سے جواب دیا۔

"بھئی ہماری ایک علیحدہ میز لگے گی، تم انتظار کرو۔ آؤ باتیں کرتے ہیں۔ آؤ پلیز۔" اطہر رضوی صاحب نے میرے ہاتھ سے پلیٹ لے کے رکھ دی اور میں شرمندہ سی اُن کے ساتھ چل پڑی۔

"بڑی دیر سے میں تمہیں تلاش کر رہا تھا۔ ایک دو بار مجھے نظر بھی آئیں لیکن میرے قریب نہیں پھٹکیں۔" انہوں نے شکایتی لہجے میں کہا۔

"اوہ اطہر رضوی صاحب آپ کے قریب اتنے بڑے لوگ تھے کہ میری اُن میں گنجائش کہاں تھی؟"

"بڑائی کا تصور تمہارے ذہن میں جو کچھ بھی ہو، میرے ذہن میں نہیں ہے۔ میرے لیے تم بھی بہت بڑی ہو عالیہ۔" اطہر رضوی صاحب نے کہا۔

"بہت بہت شکریہ۔"

"میں نے اپنی تقریر کے دوران بھی تمہارے لیے کچھ الفاظ کہے تھے۔" اطہر صاحب نے کہا۔

"اوہ اچھا۔ میں بھی نہیں۔"

"نہیں عالیہ میں نے کہا تھا کہ مجبوریاں انسان کے اندر بعض اوقات کوتاہیاں بھی پیدا کر دیتی ہیں لیکن اگر وہ اچھائیوں کے راستے پر گامزن ہو تو اس کی چند برائیوں کو نظر انداز کر دینا چاہیے عالیہ یہ الفاظ میں نے تم سے اپیل کے طور پر کہے تھے۔"

"مجھ سے؟" میں نے تعجب سے کہا۔

"ہاں تم سے۔ عالیہ تم سے۔" اطہر رضوی صاحب نے اپنے لہجے پر زور دیتے ہوئے جواب دیا۔

"مگر میں کیا حیثیت رکھتی ہوں جناب آپ کی نگاہ میں؟"

"نہیں عالیہ تم حیثیت رکھتی ہو۔"

"مذاق کر رہے ہیں اطہر رضوی صاحب۔ آپ نے چند دنوں میں جو کچھ کر ڈالا۔ کیا اس کے بعد مجھے اپنی حیثیت کا احساس نہیں ہونا چاہیے؟"

"نہیں عالیہ۔ یہ تصور میرے ذہن میں بہت عرصے سے موجود تھا اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ تم نے یہاں جدید ترین طبی مشینری دیکھی ہے تو تمہارے خیال میں یہ صرف چند روز کا کام ہے؟"

"نہیں میں مانتی ہوں لیکن اس عمارت کے بارے میں آپ کے ذہن میں پہلے خیال نہیں آیا؟" میں نے کہا۔

"ہاں یہ حقیقت ہے عالیہ۔ اس عمارت کو میں نے اپنے بچوں کے لیے محفوظ کر رکھا تھا۔"

"تو پھر؟"

"پھر کیا تم نے اس بات کو پسند نہ کیا۔"

"پھر میں یہی کہوں گی جناب کہ میں کیا اور میری حیثیت کیا۔"

"عالیہ۔ اگر تمہاری حیثیت نہ ہوتی تو میں اتنا ڈسٹرب نہ ہوتا۔ میں نے یہ سب کچھ کتنی مشکل سے کیا ہے۔ اس کا تم تصور بھی نہیں کر سکتیں۔"

"جی ہاں اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ چند روز میں اس عمارت کا حلیہ ہی بدل ڈالنا بڑا مشکل کام تھا لیکن بہرصورت آپ نے کر لیا کیوں کہ آپ ان حالات پر قادر ہیں۔"

"نہیں عالیہ۔ یقین کرو ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ قدرت نے مجھے دولت ضرور دی ہے اور میں اس کا استعمال بھی کرتا ہوں لیکن اگر تم میرے بارے میں مکمل طور پر چھان بین کرو تو یقین کرو عالیہ میرے دل میں انسانیت کا درد پاؤ گی۔۔۔ میں نے حتی المقدور مجھ سے جو کچھ ہو سکا ہے انسانوں کے لیے کیا ہے اور میں نے کیا کیا۔ یوں سمجھو خدا نے مجھے دیا اور میں نے آگے بڑھا دیا۔ عالیہ میرے ذہن میں غرور کا شائبہ بھی نہیں ہے۔ میں جو کچھ کر سکتا ہوں وہ کبھی نہیں کرتا۔ میں اگر چاہتا تو تمہیں راستے سے ہٹانے کے لیے بہت سے اقدامات کر سکتا تھا۔ میں جس حیثیت کا مالک ہوں اور اگر اپنی اس حیثیت سے فائدہ اٹھانا چاہوں تو مجھے کون روک سکتا ہے لیکن عالیہ میں یہ سب کچھ کرنا نہیں چاہتا۔ میں نے یہ سب کچھ نہیں کیا۔ میں نے تمہیں اپنی مجبوریاں بتائیں، تم نے انہیں قبول نہیں کیا یہ دوسری بات ہے۔"

"رضوی صاحب بات پھر وہیں آجاتی ہے۔ میں اس وقت آپ کی مہمان ہوں آپ کے دروازے پر ہوں، آپ کا کھانا بھی کھانا ہے مجھے لہٰذا مجھ سے وہ باتیں مت کہلوائیے جو آپ کی شان کے خلاف ہوں۔"

"نہیں عالیہ میں صاف گوئی پسند کروں گا، میں تمہارے خیالات جاننا چاہتا ہوں۔"

"میرے خیالات کیا جانیں گے آپ رضوی صاحب۔ میں اُن معصوم لڑکیوں کو نہیں بھول سکتی جو آپ کے ذریعے موت کے گھاٹ اتاری گئی ہیں۔ مجھے بتائیے رضوی صاحب اُن کا کیا قصور تھا۔ انہیں ایک ایسی بھیڑ کیوں بنایا گیا جو شیر کے سامنے چارے کے طور پر ڈالی جاتی ہے؟"

"میری مجبوری عالیہ۔ میری مجبوری۔ میں اُسے زندہ رکھنا چاہتا ہوں۔ اگر وہ مر گیا تو میں بھی مر جاؤں گا۔"

"دو افراد کی زندگی کے لیے آپ نے اتنے افراد کی زندگیاں اپنے نام کر لیں۔ اپنی بھینٹ چڑھا لیں۔ آخر کیوں؟ کس حق کے تحت؟ میں آپ سے پوچھتی ہوں مجھے بتائیے۔ آپ نے ایسا کیوں کیا؟ کیا آپ کی ان نیکیوں پر سیاہی نہیں پھر جاتی۔ اس وقت جب کوئی معصوم لڑکی زندگی کی تلاش میں دہشت زدہ ہو کر بھاگتی ہے اور ایک عفریت اُس کا پیچھا کرتا ہے اور پھر۔۔۔ عفریت اُسے اپنی ہوس کا نشانہ بنا کر زندگی سے محروم کر دیتا ہے اطہر رضوی صاحب اس عفریت کو آپ اپنے ہاتھوں سے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالیں یہی آپ کی نیک نفسی کی دلیل ہوگی لیکن آپ ایک نمائشی انسان ہیں۔ آپ اتنے ہی خود غرض ہیں جتنے لوگ ہوا کرتے ہیں۔ اب اس خود غرضی پر آپ کتنے ہی لبادے ڈال لیں آپ کی مکروہ شکل چھپ نہیں سکے گی۔" میرے ہونٹ بھنچ

اور میرا چہرہ بدل گیا تھا۔

لیکن رضوی صاحب کے انداز میں کوئی تبدیلی نہ آئی وہ نرم رہے۔

"بہرحال عالیہ تمہارا یہ اختلاف اپنی جگہ درست ہے میں نے کیا اس کے بارے میں بہت کچھ سوچا بھی تھا اور جب ہر طرف سے خود کو مجبور پایا تو میں نے یہ اقدام کر ڈالا جب میں انسانوں کی زندگیوں کے لیے یہ سب کچھ کر سکتا ہوں تو ان میں سے چند کی زندگیوں پر میرا حق بھی ہے۔"

"یہی بات فرعون بھی کہتا تھا۔" میں نے کہا۔

"نہیں عالیہ میرے لیے ایسے تلخ الفاظ استعمال نہ کرو میں درخواست کرتا ہوں۔"

"مجھے افسوس ہے رضوی صاحب میں معافی چاہتی ہوں۔" میں نے کہا اور رضوی صاحب مجھے پریشان نگاہوں سے دیکھنے لگے۔

"کوئی ایسی صورت نہیں ہے عالیہ کہ ہمارے اور تمہارے درمیان اس سلسلے میں مفاہمت ہو جائے؟"

"ہے۔" میں نے کہا۔

"وہ کیا۔۔۔؟"

"آپ اپنے ہاتھوں سے اُسے قتل کر دیں اور اس کے بعد پھر میں آپ کے بارے میں کسی سے ایک لفظ نہ کہوں گی یہ میرا وعدہ ہے۔" میں نے کہا اور رضوی صاحب عجیب سی نظروں سے دیکھنے لگے پھر ہنس پڑے۔

"تمہیں بھی اب اتنا بڑا دھرماتما بھی نہیں ہوں میں۔ تم مخالفت برقرار رکھنا چاہتی ہو تو رکھو۔ میں نے تو تمہیں پہلے بھی کہہ دیا تھا۔ ہاں ایک اچھے انسان کی حیثیت سے میرا خیال ہے کہ تمہارے دل میں میرے خلاف کوئی بغض باقی نہ رہے۔"

"چھوڑیے اطہر رضوی صاحب۔ اس سینی ٹوریم کی تعمیر میں لاکھوں روپے خرچ کیے ہوں گے آپ نے؟"

"ہاں بے شک۔"

"اس کے علاوہ بھی بہت کچھ کرنا پڑا ہوگا آپ کو؟"

"کیا مطلب؟"

"اوہو۔ اوہو۔ ایک بات اور میرے ذہن میں آئی ہے۔"

"وہ کیا؟" اطہر رضوی صاحب بولے۔

"کیا اس سینی ٹوریم کے ذریعے تو اب آپ وہ مشغلہ جاری رکھنا نہیں چاہتے؟"

"کون سا مشغلہ؟"

"میرا مقصد ہے۔۔۔ مخصوص خدوخال کی لڑکیوں کا حصول۔ میرا مطلب ہے یہاں نرسیں بھی ہوں گی، ڈاکٹرز بھی ہوں گی اور وہ بے چاری خواتین بھی یہاں آئیں گی جن کے عزیز و اقارب علاج کی خاطر یہاں داخل ہوں گے۔ ظاہر ہے اُن میں سے آپ کے مطلب کی بھی کچھ نہ کچھ لڑکیاں ضرور مل جائیں گی۔"

"نہیں عالیہ۔ میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے۔"

"اچھا پھر؟"

"پھر کیا؟"

"میرا مطلب ہے اب آپ اپنے اس عجوبے کے لیے کیا کریں گے؟"

"تم اُن کا تذکرہ بڑے توہین آمیز انداز میں کرتی ہو۔ حالانکہ اُن سے میرا جذباتی رشتہ ہے۔ اُن کے لیے میں نے اپنی ذات کو بدنما بنا لیا ہے۔" اطہر رضوی صاحب کچھ سنجیدہ نظر آنے لگے تھے۔

"ٹھیک ہے آئندہ احتیاط کروں گی۔" میں نے کہا۔

"اُن کے لیے میں نے جو کچھ کیا ہے وہ اطمینان بخش ہے اور ظاہر ہے جو کچھ میں نے کیا ہے اس بارے میں میں تمہیں نہیں بتا سکتا۔"

"کیا وہ اب بھی یہاں موجود ہیں؟"

"نہیں۔" اطہر رضوی صاحب کے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ پھیل گئی۔

"کہاں گئے؟"

"میں نے کہا نا عالیہ یہ میں تمہیں نہیں بتا سکتا کیونکہ بہرحال تم اُن کی دشمن ہو۔"

"یہ بھی ٹھیک ہے۔" میں نے گردن ہلا کر کہا پھر مسکرا کر بولی۔ "بہرحال بہت بہت شکریہ آپ کی اس کرم نوازی کا۔۔۔ کہ آپ نے ان حالات کے باوجود مجھے اس قدر اہمیت دی۔"

"میں ابھی تمہیں کچھ اور اہمیت دینا چاہتا ہوں عالیہ۔" اطہر رضوی صاحب بولے۔

"وہ کیا؟" میں نے سوال کیا۔

"بھئی دیکھو غصہ تھوک دو۔ میری پیش کش کو رشوت نہ سمجھو۔ میری خواہش ہے عالیہ۔۔۔ تم بہتر زندگی گزارو۔"

"اوہو۔ آپ کی خواہش میرے بارے میں ہی کیوں ہے؟"

"اس لیے کہ تم صغیر بھایانی کی بیٹی ہو اور اس شخص سے میری بھی شناسائی تھی؟"

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے رضوی صاحب۔ وہ لڑکیاں، بھی کسی نہ کسی طور آپ سے رشتہ رکھتی تھیں۔ نہ سہی کوئی خونی رشتہ، دوستی کا انسانیت کا رشتہ تو تھا۔ آپ نے اُن کے بارے میں نہ سوچا تو میرے بارے میں کیا سوچیں گے، مجھے آپ جو پیشکش کریں گے وہ سو فی صد رشوت پر مبنی ہو گی۔"

"ٹھیک ہے میں اس سے زیادہ تم سے کچھ کہنا نہیں چاہتا۔" رضوی صاحب نے کہا اور جھٹکے سے دوسری طرف مڑ گئے۔ میں تمسخرانہ نگاہوں سے اُنہیں جاتے دیکھتی رہی تھی۔ بھیڑ کی کھال میں چھپا ہوا یہ بھیڑیا کس قدر خوفناک تھا۔ اس کی نرم خوئی اور مجبوریوں کا اظہار ایک عجیب و غریب حیثیت رکھتا تھا جو آج تک میری سمجھ میں نہ آئی تھی۔ مجھے تو وہ ایک مسخرہ ہی لگتا تھا اور میں اسے کبھی ایک اچھا انسان تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں تھی۔ بہر صورت میرا ایک بہت بڑا کام ہو گیا تھا۔ اتنا بڑا کام کہ میں اس پر بے انتہا مسرور تھی۔

یہ کیمرا جو میری گردن میں پڑا ہوا تھا۔ صرف کیمرا ہی نہیں تھا بلکہ اس کی فلش گن کے ساتھ ہی ایک انتہائی طاقت ور اور حساس ٹیپ ریکارڈر منسلک ... تھا یہ تیاریاں آج میں نے دن ہی میں کی تھیں اور اس وقت میں اپنی اس کامیابی پر بے حد نازاں تھی۔ یعنی اطہر رضوی سے میری جو گفتگو ہوئی تھی وہ میں نے ریکارڈ کر لی تھی اور اطہر رضوی کے خلاف میرے پاس ینا قابل تردید ثبوت موجود تھا۔ میری خواہش تھی کہ وہ مجھ سے کچھ اور باتیں کرتا۔ ایسی باتیں جن میں اِن جرائم کا اعتراف ہوتا۔ بہر صورت جو کچھ اُس نے کہا تھا اُن سے میری باتوں کی تصدیق تو ہو جاتی تھی۔ میں اپنی اس کوشش پر مسرور و نازاں تھی اور اب اس کیمرے کو لے کر نہایت احتیاط کے ساتھ یہاں سے نکل جانا چاہتی تھی۔

لیکن جلد بازی بھی مناسب نہ تھی۔ اطہر رضوی جتنا چالاک شخص تھا اس سے کوئی بات بعید نہیں تھی۔ ممکن ہے یہ سب کچھ کرتے ہوئے بھی اُس نے کچھ نگرانوں کو میرے پیچھے لگا رکھا ہو جو میری ایک ایک جنبش پر نگاہ رکھ رہے ہوں۔ میں انہیں پہچان نہیں سکتی تھی ظاہر ہے اتنے افراد کے مجمعے میں کسی ایسے شخص کا پہچان لیا جانا ناممکن تھا لیکن بہر صورت میں محتاط ضرور رہنا چاہتی تھی۔

ٹیپ ریکارڈر کا بٹن آف کر کے میں پھر ادھر اُدھر گھومنے لگی۔ تھوڑی دیر کے بعد اطہر رضوی نے مجھے دوبارہ طلب کر لیا۔ کھانے کی میز لگی ہوئی تھی جس میں انکل منوّر عالم، انکل شہر یار، اطہر رضوی صاحب، بقراط اور ایسے ہی چند دوسرے افراد تھے۔ مجھے بطور خاص ان لوگوں میں شریک کیا گیا تھا۔

اطہر رضوی صاحب نے مسکراتے ہوئے دوسرے لوگوں سے میرا تعارف کرایا۔

"بھئی آپ ہماری اس بیٹی کو نہیں جانتے ہوں اس سے ہماری ملاقات تو منوّر عالم کی کوٹھی میں ہوئی تھی لیکن یہ ہمیں جس قدر عزیز ہے، ہم ہی جانتے ہیں۔"

"محترمہ عالیہ۔" انکل شہر یار نے کہا۔

"اوہو۔ آپ انہیں جانتے ہیں؟" اطہر رضوی نے شہر یار سے پوچھا۔

"ہاں بھئی، ایک اخباری رپورٹر کا سرکاری افسران سے براہِ راست تعلق ہوتا ہے۔ اگر ہم ان لوگوں کو نہ جانیں تو اپنی عزت برقرار رکھنا مشکل ہو جائے گا۔" انکل شہر یار نے کہا۔

"یہ لڑکی کوئی معمولی حیثیت نہیں رکھتی۔ صغیر بھایانی کا تو آپ نے سنا ہو گا۔ یہ اُن کی صاحبزادی ہیں۔ میں تو یہ سمجھتا کہ یہ صرف بطور شوق صحافت سے وابستہ ہیں۔"

"لیکن لکھتی بھی خوب ہیں۔" انکل منوّر عالم نے کہا۔

"ہاں بدقسمتی سے ان کے آرٹیکل میری نظروں سے گزرے لیکن میں نے سوچا ہے کہ اب ان پر نگاہ ضرور رکھوں۔"

"آپ کو نگاہ رکھنی چاہیے اطہر رضوی صاحب۔" میں مسکراتے ہوئے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"ہاں ہاں یقیناً۔ یقیناً۔" اطہر رضوی صاحب بھی ہنس کھانا شروع ہو گیا تھا۔ بقراط خاموشی سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ میں نے کئی بار محسوس کیا کہ وہ مجھ پر نظریں جمائے ہے۔ نہ جانے وہ مجھے کیوں دیکھ رہا تھا۔ چند لمحات کے لیے میں نے انکل شہر یار کو بھی دیکھا لیکن اُن کے چہرے پر کوئی خاص بات نہیں تھی۔

بہر صورت کھانا ختم ہو گیا۔ سب لوگ ادھر اُدھر

میں اب واپسی کا پروگرام بنا رہی تھی۔

ناصر کی دین غائب تھی، اس کا مقصد یہ تھا کہ وہ اپنا ...کے جا چکا تھا۔ اس بات پر میں یقین اس لیے کر رہی ...ں کے بعد مجھے وہ شخص نظر نہیں آیا تھا۔ ناصر نے یقیناً ...ہانت سے اپنا کام انجام دے لیا تھا۔

بہر طور آج مجھے دوہری خوشی ہوئی تھی۔ میں نے دو ...کر لیے تھے جن سے میں بہت کچھ کر سکتی تھی۔ واپسی پر محتاط انداز میں کار ڈرائیو کر رہی تھی اور قرب و جوار پر ...بھی پوری نگاہ تھی۔ کیمرا میں نے احتیاط سے سیٹ ...کھ لیا تھا۔ اس وقت یہ میرا قیمتی سرمایہ تھا۔

بہت سی کاریں واپس جا رہی تھیں۔ ان کی روشنیاں ...رہی تھیں لیکن ایک کار کے بارے میں میں نے

...ہ کار کافی دیر سے میرے پیچھے آ رہی تھی۔ میں نے محسوس ...ھ سے آگے نہیں نکلنا چاہتی تھی، میں محتاط ہو گئی۔ ...اپنے بیگ سے پستول نکال کر نزدیکی سیٹ پر رکھ ...نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اگر اس وقت کوئی خطرہ پیش ...ے جو کچھ بن پڑا کر گزروں گی۔

...یکن کار مجھ سے آگے نہ آئی وہ میری کار کے پیچھے ...رہی۔ یہاں تک کہ میں شہر میں داخل ہو گئی۔ میرا ...ب طور سے منتشر رہا تھا اور میں اس کار کے بارے میں ...ہی تھی۔

شہر میں داخل ہونے کے بعد جب میں بھری پری سڑکوں ...دفعتاً میں نے اس کار کو آگے بڑھتے دیکھا۔ کار تیز ...سے آگے نکل گئی تھی لیکن اس کی سیٹ پر بیٹھے ہوئے ...میں نے دیکھ لیا تھا۔ یہ بقراط تھا۔

...یک بار پھر میرے ذہن میں نفرت کی ایک لہر پیدا ہو ...اس نے میرا تعاقب کیوں کیا تھا۔ کیا حفاظت کی غرض ...یہ میرا محافظ کیوں بن بیٹھا۔ میں اس شخص پر لعنت ...مجھے اس شخص سے بے انتہا نفرت ہے۔ میں ...اور کار کا رُخ بدل دیا۔ کافی دیر تک میں سڑکوں پر ...اس کے بعد فلیٹ پہنچ گئی۔ براہ راست میں... ...نہیں جانا چاہتی تھی۔ فلیٹ پر پہنچ کر میں نے کیمرے ...ہنگ کر لیا اور اُسے احتیاط سے رکھ دیا۔

تھوڑی دیر تک میں بیٹھی رہی، میرا ذہن عجیب سی بھول بھلیوں میں گم تھا۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا، بقراط کیوں میرے پیچھے لگا ہوا ہے۔ یہ بات بھی اچنبھے کا باعث تھی۔ میرا ذہن تھکا تھکا سا تھا۔ نہ جانے کیوں ایک شدید تھکن کا احساس غالب آ رہا تھا۔ غالباً یہ اس اہم کام کی انجام دہی کے بعد کی کیفیت تھی۔ میں نے مس میری کو آواز دے کر کافی لانے کے لیے کہا اور شمس کے بارے میں پوچھا۔

سبق یاد کر رہی ہے۔" مس میری نے ہنس کر کہا۔

"بھیج دو۔" میں نے بدستور تھکے تھکے انداز میں کہا اور مس میری باہر نکل گئیں۔ تھوڑی دیر کے بعد شمس اندر آ گئی تھی۔

"کون سا سبق یاد کیا جا رہا تھا؟"

"ایک بادشاہ تھا۔" شمس نے کہا اور ہنس پڑی۔ میں بھی اس کے ساتھ ہنسنے لگی تھی۔

"ہاں شمس ہمارے یہاں اب بھی بادشاہوں کی کہانیاں لکھی جاتی ہیں۔" میں نے آہستہ سے کہا۔

"کیا بات ہے۔ بہت تھکی تھکی لگ رہی ہو؟"

"واقعی تھک گئی ہوں۔"

"کوئی خاص وجہ؟"

"نہیں کوئی نہیں۔"

"افتتاح کی تقریب کیسی رہی؟"

"بے حد شاندار۔"

"کچھ لکھو گی اس پر؟"

"ابھی نہیں سوچا لیکن خانہ پری کرنی ضروری ہے ورنہ لوگ خواہ مخواہ متوجہ ہوں گے کہ اس اخبار کو اطہر رضوی سے نہ جانے کیا کد ہے؟"

"ہاں یہ تو ٹھیک ہے۔" شمس نے میری بات کی تائید کی پھر بولی: "اس کے علاوہ بھی کوئی کام بنا؟"

"زبردست لیکن شمس مجھے اب شدید احساس ہونے لگا ہے کہ اطہر رضوی پر کسی قانونی ذریعے سے ہاتھ ڈالنا بہت مشکل ہے۔ اس کے تعلقات اور لوگوں پر اس کا اثر اتنا ہے کہ میں تو حیران رہ گئی ہوں۔" میں نے کہا اور شمس پُر خیال انداز میں گردن ہلانے لگی۔

"ذرا وہ ٹیپ ریکارڈر اُٹھاؤ۔" میں نے کہا اور شمس نے میرے اشارے کی سمت دیکھا پھر وہ ٹیپ ریکارڈر اُٹھا لائی۔

میں سیدھی ہو کر بیٹھ گئی تھی اور اس کے بعد میں نے ٹیپ ریکارڈر آن کر دیا۔ کیسٹ کو ریوائنڈ کر کے میں نے آواز کا سوئچ دبا دیا۔ شور کی آوازوں میں اطہر رضوی کی اور میری گفتگو کی آواز اُبھرنے لگی۔ شمس ان آوازوں کو غور سے سُن رہی تھی۔ میرے الفاظ سُن کر اس کی آنکھوں کی چمک بڑھتی جا رہی تھی۔ پوری گفتگو سُننے کے بعد شمس کی عجیب کیفیت ہو گئی۔

"دوسرے کسی تبصرے سے پہلے اتنا ضرور کہوں گی عالیہ کہ خدا نے تمہیں بہت جرأت دی ہے۔ اطہر رضوی اگر تم سے خوفزدہ ہے تو بلاوجہ تو نہیں ہے۔ جو کچھ دل میں ہو اُسے کہہ دینا دُنیا کا سب سے مشکل کام ہے۔ تم نے اپنی گفتگو میں اسے واقعی لاجواب کر دیا ہے۔"

"شکریہ۔ ویسے اس آواز کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"کیا مطلب؟"

"کیا اس گفتگو کو ہم بطور ثبوت پیش کر سکتے ہیں؟"

"ایک ہزار فی صد۔ یہ مکمل ثبوت ہے۔"

"لیکن افسوس شمس یہ ثبوت بھی میرا مددگار نہیں ہو سکتا۔" میں نے کہا اور شمس ایک ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گئی۔ اس بات پر تبصرہ کر کے وہ میرا دل نہیں دُکھانا چاہتی تھی۔

مس میری کافی لے آئی اور شمس نے دو پیالیاں بنا کر ایک میرے سامنے رکھ دی۔ ہم دونوں کافی کے گھونٹ لیتے رہے پھر میں نے کافی ختم کرنے کے بعد فون اُٹھا کر گود میں رکھ لیا اور اس کے بعد ریسیور اُٹھا کر صباحت صاحب کے نمبر ڈائل کرنے لگی۔ تھوڑی دیر کے بعد اُن سے رابطہ قائم ہو گیا۔

"رضوی صاحب کی تقریب کی رپورٹ تیار کر رہی ہوں صباحت صاحب۔ پہلے صفحے پر جگہ رکھیں۔"

"بہتر۔ میں خود بھی اس بارے میں سوچ رہا تھا۔ کتنے کالمی نیوز ہو گی؟"

"میرے خیال میں چار کالم دس انچ۔ کچھ تصویریں بھی ہوں گی۔"

"بہت بہتر اور کوئی حکم؟"

"جی ہاں۔" میں نے شرارت سے کہا۔

"فرمایئے؟"

"رمضان کو اب سے دو گھنٹے کے بعد بھیج دیں اور تصویریں وغیرہ منگوالیں۔ میں فلم مارک کر کے بھیج دوں گی۔"

"او۔ کے۔"

"بس۔ خدا حافظ۔" میں نے ڈسکنکٹ کیا اور اس بار نا[صر] کو عابدہ لاج فون کیا۔ کسی اور نے فون وصول کیا تھا۔ "ناصر کو بُلاؤ۔"

"بہتر چیف۔" دوسری طرف سے میری آواز پہچان لی گ[ئی] تھی۔ چند ساعت کے بعد ناصر فون پر آ گیا۔

"ہیلو چیف؟"

"ہیلو ناصر۔ خیریت بتلاؤ؟"

"سب ٹھیک ہے۔ یہ بھی میرے شناساؤں میں سے [ہے]۔ قمر نام ہے اور قادر کے ساتھیوں میں ہی تھا۔"

"اطمینان سے لے آئے؟"

"جی ہاں چیف۔" ناصر نے شرمندہ سے لہجے میں کہا۔ ایسے سوالات پر اس بے وقوف کے ذہن میں وہی رات گھو[م] جاتی تھی حالانکہ میرا مقصد یہ نہیں ہوتا تھا۔

"کہاں رکھا ہے اسے ناصر؟"

"نیچے پہنچا دیا ہے۔ آپ کا کوئی اور حکم ہے؟"

"بالکل نہیں۔ اسے آرام سے رکھو۔ بس کوئی حرکت [نہ] کرنے پائے۔ میں تھک گئی ہوں اس لیے اس وقت تم [سے] نہیں ملوں گی۔"

"بہت بہتر۔" ناصر نے جواب دیا اور میں نے فون بن[د] کر دیا۔ اس کے بعد میں نے شمس سے اجازت مانگی اور شمس نے گردن ہلا دی۔ اس کے جانے کے بعد میں لکھنے کی میز [پر] چلی گئی اور میں نے آج کی رپورٹ لکھنا شروع کر دی۔ اس رپورٹ میں میں نے کاروباری رنگ اختیار کیا تھا البتہ رضوی صاحب کی تقریر جوں کی توں دی تھی جس میں انہوں نے اپ[نی] کمزوریوں کا اعتراف کیا تھا۔ پھر ایک لے آؤٹ بنا کر میں دف[تر] سے بہت پہلے اپنے کام سے فارغ ہو گئی۔

صباحت صاحب نے رمضان کو دو گھنٹے کے بعد بھیج [دیا] تھا۔ میں نے مضمون اس کے حوالے کر دیا اس کے ساتھ ہی فلم بھی دے دی تھی اور پھر میں آرام کرنے لیٹ گئی۔ کوئی اور کام کرنے کا موڈ نہیں تھا۔ صبح کو البتہ رات کی تھکن کا کوئی احساس نہیں تھا۔ خوشگوار ماحول میں ناشتہ کیا۔ شمس سے خوش گپیاں ہوتی رہیں اور پھر میں نے اخبارات دیکھے۔ تقریباً شہر کے سارے اخبارات ہی آتے تھے اور ان اخبارات نے حق نمک ادا کیا تھا۔ تین اخباروں نے کئی کئی صفحات کے ضمیمے چھاپے تھے۔ دو اخبا[رات]

[ص]فحے پر کوئی اور خبر ہی نہیں دی تھی۔ اندرونی صفحات تصویروں کی بھرمار تھی سوائے میرے اپنے اخبار کے۔ اخبارات کی پالیسیوں سے واقف لوگ ہی اس خبر کی [اہمی]ت سمجھ سکتے تھے۔ گیارہ بجے کے قریب صباحت صاحب [نے فون کی]ا۔ میں نے ریسیور اُٹھا کر اُن سے بات کی تو وہ بولے۔

[”]رضوی صاحب نے براہِ راست فون کیا ہے سُنو گی؟"

"اوہ۔ آپ نے ریکارڈ کر لیا ہے؟"

"ہاں۔"

"سُنایئے۔" میں نے کہا اور صباحت صاحب نے ٹیپ آن کر دیا۔ دوسری طرف سے آوازیں آنے لگیں۔

"ایڈیٹر صاحب؟"

"بول رہا ہوں جناب۔"

"میں اطہر رضوی ہوں۔ آج کے اخبار میں سینی ٹوریم سے [متعلق آپ کی] وقار رپورٹ پر میں آپ کو مبارکباد پیش کرتا ہوں۔"

"شکریہ رضوی صاحب۔"

"[آ]پ کی یہ رپورٹر آپ کے اخبار کا قیمتی سرمایہ ہے... [ویسے ت]و دوسرے بہت سے اخبارات نے کل کی تقریب کی [خبر] چھاپی ہے لیکن یقین کریں انہوں نے مجھے شرمندہ کر [دیا ہے]۔"

"[کیوں جناب]؟" یہ صباحت صاحب کی آواز تھی۔

"[کیونکہ ا]بھی ان لوگوں نے جس طرح میری مدح سرائی کی ہے [تم]ام لوگوں کے ذہنوں پر یہی تاثر قائم ہو جائے گا کہ [میں نے ا]نہیں اس کا معاوضہ ادا کیا ہے۔ قارئین اخبارات [سے] بلامعاوضہ فراخ دلی کی توقع نہیں رکھتے۔ ان کی [سوچ] مختلف ہوتی ہے۔"

"[ج]ی آپ کا خیال درست ہے۔" صباحت صاحب نے کہا۔

"[آ]پ کا اسم شریف کیا ہے؟"

"[خا]دم کو صباحت رضوی کہتے ہیں۔"

"[ب]ہت خوب۔ صباحت صاحب اس اخبار کا مالک کون [ہے؟ کیا آ]پ اس کے مالک ہیں؟"

"[ج]ی نہیں۔ میں ایک ادنیٰ خادم ہوں۔"

"[لیک]ن پرنٹ لائن پر آپ ہی کا نام ہوتا ہے؟"

"[م]یرے محترم مالک کی فرمائش تھی اور اُنہی کی خواہش [تھی کہ میں ا]ن کا نام نہ ظاہر کروں۔"

"اس کی وجہ؟"

"میں پوچھنے کی جرأت نہیں کر سکا۔"

"اور اگر میں جاننا چاہوں تو؟"

"مجھے یقین ہے کہ آپ میری وفاداری کو مجروح نہیں کریں گے۔" صباحت صاحب نے کہا۔

"آپ کی بات پسند آئی صباحت صاحب۔ بہرحال مجھے شکریہ ادا کرنا تھا اور اس کے ساتھ ہی ایک درخواست بھی۔"

"حکم دیجیے جناب۔" صباحت صاحب نے کہا۔

"عالیہ صغیر کو اس ادارے میں میرا آدمی سمجھا جائے۔ اسے بہتر مراعات دی جائیں۔ میں اخبار کی ہر اُلجھن اور پریشانی دُور کرنے کے لیے تیار ہوں۔ کوئی کام ہو تو بے تکلفی سے مجھے بتا دیں۔"

"آپ کا یہ حکم میں مالک تک پہنچا دوں گا۔"

"خدا حافظ۔" رضوی صاحب نے کہا اور فون بند ہو گیا اور پھر چند ساعت کے بعد صباحت صاحب کی آواز سُنائی دی۔

"ہیلو عالیہ صاحبہ۔"

"جی۔" میں نے کہا اور ہنس پڑی۔ "تو آپ مالک سے میری سفارش کر رہے ہیں؟"

"ابھی فیصلہ نہیں کر سکا۔" صباحت صاحب نے کہا اور تھوڑی سی گفتگو کے بعد میں نے فون بند کر دیا۔ اس کے بعد ضروری کاموں سے فارغ ہو کر میں نے اس ٹیپ کی تین نقلیں تیار کیں اور ان میں سے ایک نقل لے کر فلیٹ سے باہر نکل آئی۔

تھوڑی دیر کے بعد میری کار عابدہ پیلس جا رہی تھی۔ عابدہ پیلس میں ناصر سے ملاقات ہوئی۔ ٹھنڈی طبیعت کا یہ سلجھا ہوا

انسان مجھے بہت پسند تھا۔ میں نے مسکرا کر اس کی خیریت دریافت کی۔

"ہمارے نئے مہمان کا کیا حال ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ٹھیک ہے۔ ناشتہ اُسے دیا ہے؟"

"وہ تمہیں پہچانتا ہے؟"

"ہاں پہچان گیا ہے۔"

"پوچھ رہا ہوگا؟"

"ہاں۔ میں نے کہا ہے کہ انتظار کرے۔"

"کوئی گڑبڑ تو نہیں کی؟"

"بس رضوی کا نام لیتا ہے بار بار۔ میں نے ایک تھپڑ رسید کر دیا ہے۔" ناصر نے جواب دیا۔

"آؤ اس سے ملاقات کریں۔" میں نے کہا اور ہم دونوں قید خانے کی طرف چل پڑے۔ چند ساعت کے بعد ہم قیدی کے سامنے تھے۔ وہ مجھے بغور دیکھ رہا تھا۔

"پہچانا مجھے؟" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور وہ ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔

"جواب دو۔" ناصر گرجا۔

"ہاں۔" وہ بولا۔

"کون ہوں میں؟"

"عالیہ بھابی۔"

"خوب۔ کہاں ملاقات ہوئی تھی مجھ سے؟"

"جھار کے قلعے میں۔"

"کب؟"

"پندرہ بیس روز پہلے کی بات ہے۔"

"ویری گڈ۔ مجھے سچائی پسند ہے لیکن ابھی کچھ اور معاملات میں بھی مجھے تمہاری سچائی کی ضرورت ہے۔" میں نے کہا اور اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات نظر آنے لگے پھر وہ بولا۔

"سنو لڑکی اس شخص کو میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ شاید یہ تمہارا کرائے کا ٹٹو ہے۔ اس نے مجھے دھوکے سے اغوا کر لیا ہے لیکن میں تمہیں وارننگ دیتا ہوں کہ اگر خیریت چاہتی ہو تو مجھے فوراً رہا کر دو۔ ورنہ تمہارے لیے اس ملک کے کسی گوشے میں پناہ نہ ہوگی۔"

"خوب۔ وہ کیسے؟" میں نے پوچھا۔

"میں رضوی صاحب کا خاص آدمی ہوں۔"

"بہت خاص آدمی ہو۔۔۔؟" میں نے متاثر ہونے کی اداکاری کی۔

"ہاں اتنا کہ وہ میری تلاش کے لیے پریشان ہو جائیں گے اور اس کے بعد تمہارا جو بنے گا وہ تمہاری اپنی ذمے داری

"اگر تم رضوی صاحب کے ایسے ہی خاص آدمی ہو تو مجھے ان کے بارے میں ساری تفصیل بتاؤ میں تمہیں چھوڑ دوں

"کیسی تفصیل؟"

"قلعہ جھار کو سینی ٹوریم میں بدلنے کی تیاریاں کب شروع ہوئیں؟"

"مجھے نہیں معلوم۔" وہ حقارت سے بولا۔

"قلعہ جھار کی خاص شخصیت، میری مراد رضوی صاحب کے بگڑے ہوئے بیٹوں سے ہے، کہاں گئی؟"

"پاگل ہوئی ہو تم؟"

"ابھی نہیں ہوئی ہو جاؤں گی۔ سینی ٹوریم بننے سے پہلے قلعہ جھار میں کیا ہوتا تھا؟"

"کبڈی کھیلی جاتی تھی۔" وہ ہنس پڑا۔

"کیا جھار کے سارے چوکیدار وہیں موجود ہیں یا وہاں سے کہیں چلے گئے؟" میں نے پوچھا۔

"ہوش میں نہیں آؤ گی تم؟" وہ آنکھیں نکال کر بولا اور ناصر آگے بڑھ آیا۔

"اب تم ہوش میں آ جاؤ پیارے۔ پہلے سوال کا جواب دینا شروع کر دو۔"

"ناصر، ہم تم دونوں ایک ہی لائن کے آدمی ہیں اس حق میں۔۔۔" اُس نے کہنا چاہا لیکن ناصر اس سے زیادہ برداشت نہیں کر سکا تھا۔ اُس نے پوری قوت سے ہاتھ گھمایا اور قمر بری طرح دیوار سے ٹکرایا۔ اُس نے گال پکڑ لیا تھا۔ ناصر آگے بڑھا اور اس بار اُس نے قمر کی گردن گرفت میں لے لی تھی۔ اُس نے شانوں کے اوپر کی رگوں پر دباؤ ڈالا اور قمر کے حلق سے چیخ نکل گئی۔ اُس نے خود کو ناصر کی گرفت سے چھڑانے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکا اور پھر اس کی منہ سے چیخیں نکلنے لگیں۔

"جواب دو قمر؟"

"چھوڑ دے ناصر۔ دیکھ مجھے چھوڑ دے آہ میں مر

"جواب دو قمر۔ ورنہ۔ تم واقعی مر جاؤ گے۔"

"چھوڑ تو دے۔ آہ۔ اُف۔ چھوڑ دے بتاتا ہوں۔"

ناصر نے اُسے چھوڑ دیا۔ قمر اوندھے منہ گر پڑا تھا۔ شاید کوئی ایسا ہی دباؤ تھا کیوں کہ قمر کے بدن میں تشنجی کیفیت طاری تھی۔ اس کے دونوں ہاتھ بار بار اوپر اُٹھ رہے تھے، جیسے وہ گردن دبانے کی اس تکلیف کو دور کرنا چاہتا ہو۔ ناصر اُس کے پاس ہی کھڑا اس کا جائزہ لے رہا تھا پھر اُس نے قمر کے ایک ٹھوکر رسید کرتے ہوئے کہا۔

"اطہر رضوی کا خیال چھوڑ دو قمر، یہاں جو کچھ تم سے پوچھا جا رہا ہے اس کا جواب دو۔ یہی تمہاری زندگی کی ضمانت ہے ورنہ تمہاری گردن پر پاؤں رکھ کر گردن کی ساری ہڈیاں توڑ دی جائیں گی اور اس کے بعد تمہاری لاش کو اُٹھوا کر بہ آسانی کسی بھی کوڑے دان میں پھنکوایا جا سکتا ہے۔" ناصر نے کسی قدر سفاکی سے کہا۔

"تم لوگ۔۔۔ تم لوگ مصیبتوں کا شکار ہو جاؤ گے مگر مجھے کیا، تم جو کچھ پوچھ رہے ہو اس کا جواب خود تمہارے ذہنوں میں ہونا چاہیے، اگر اطہر رضوی کے بارے میں سب کچھ جانتے ہو تو مجھ جیسے معمولی آدمی سے یہ سارے سوالات بے کار ہیں۔"

"کیا مطلب؟" ناصر نے سوال کیا۔

"مطلب یہی ہے کہ اطہر رضوی جیسے انسان کے ذاتی رازوں کو اور کو کیسے معلوم ہو سکتے ہیں؟"

"میں ذاتی رازوں کی بات نہیں کر رہی قمر صاحب، میں تو وہ سوالات کر رہی ہوں جو آپ کو معلوم ہونے چاہئیں۔" میں نے اُسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"تم یہی پوچھنا چاہتی ہو نا کہ اطہر رضوی کا جڑواں بیٹا اس وقت کہاں ہے؟"

"ہاں ہاں یہ بھی میرے ذہن میں ہے۔" میں نے کہا۔

"تو یقین کرو شاید یہ بات تمہیں اطہر رضوی کے علاوہ اور کوئی نہ بتا سکے۔ اگر کسی سے معلوم کر لو تو میری گردن اپنے ہاتھوں سے کاٹ کر پھینک دینا۔"

"وہ کیوں؟"

"اس لیے کہ اس بارے میں اور کوئی نہیں جانتا۔ اطہر رضوی نے اپنی ساری عزت اپنا سارا وقار اپنی ساری کائنات اپنی ظاہری شخصیت کے لیے قربان کر دی ہے۔ وہ اس کے کمزور پہلو تمہیں سوچنا یوں عام لوگوں کو اس کے بارے میں نہیں معلوم ہو سکتا۔ میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ اگر کسی بھی ذریعے سے تمہیں اس کے بارے میں کچھ معلوم ہو جائے تو تم مجھے جو سزا دو گی۔ میں قبول کر لوں گا۔" قمر نے جواب دیا۔

"کیا یہ حقیقت ہے کہ اطہر رضوی کے پاس عجوبے کے لیے لڑکیوں کو اغوا کر کے لایا جاتا تھا اور پھر وہ ان سے وحشیانہ کھیل کھیلتا تھا۔ اس کے بعد یا تو انہیں قتل کر دیا جاتا تھا یا پھر انہیں قید کر دیا جاتا تھا؟" میں نے قمر سے پوچھا۔

"ہاں لڑکیاں لائی جاتی تھیں۔ اس بارے میں مجھے معلوم ہے لیکن لانے کے بعد ان سے کیا سلوک کیا جاتا تھا اس بارے میں میں کچھ نہیں جانتا۔" قمر نے جواب دیا۔

"قلعہ جھار کے گرد و نواح میں جو لوگ پھیلائے گئے تھے وہ کہاں ہیں؟"

"محافظ؟"

"ہاں محافظ اور کتے۔"

"سب کو منتقل کر دیا گیا ہے۔ ظاہر ہے اب وہاں ان میں سے کسی کی ضرورت نہیں ہے۔"

"ٹھیک۔ یہی تم سے معلوم کرنا تھا لیکن یہ الفاظ تمہیں ایک اور شخص کے سامنے بھی کہنا ہوں گے۔ بولو اس کے لیے تیار ہو؟"

"کون شخص ہے وہ؟" قمر نے سوال کیا۔

"کوئی بھی ہو تمہیں اس سے غرض نہیں ہونی چاہیے۔" میں نے سخت لہجے میں کہا اور قمر گردن ہلانے لگا۔

"جب میں نے تمہارے سامنے یہ الفاظ دہرا دیے ہیں تو پھر کسی دوسرے کے سامنے دہرانے میں کیا حرج ہے۔۔۔؟ نتائج کے ذمے دار تم خود ہو گے۔ ممکن ہے میرے اوپر بھی کوئی عتاب آئے لیکن بہرصورت میں اس عتاب کو جھیل لوں گا۔" قمر نے جواب دیا اور میں نے دونوں ہاتھ ہلا دیے۔ اس کا مقصد تھا کہ اب مجھے کچھ اور نہیں پوچھنا۔ یوں بھی یہ بات مجھے اچھی طرح معلوم تھی کہ قمر جیسے لوگوں کو ساری تفصیلات کا علم نہیں ہو سکتا۔ میں تو صرف انکل شہریار کے سامنے اُس سے یہ اعتراف کرانا چاہتی تھی کہ جو کچھ میں نے انکل سے کہا ہے اس میں ذرہ برابر شک نہیں ہے۔ چنانچہ میں نے اسے اس کے لیے تیار کر لیا تھا۔ میں اور ناصر تہ خانے سے واپس پلٹ آئے۔ اوپر پہنچنے کے بعد میں نے ٹیلی فون سنبھال لیا اور انکل شہریار کو رِنگ کرنے لگی۔ انکل شہریار اپنی رہائش گاہ پر ہی مل گئے۔ میں نے اُن سے درخواست کی کہ وہ پوائنٹ تھری پر پہنچ جائیں۔

"اوہ کوئی خاص بات ہے عالیہ؟" انکل شہریار نے پوچھا۔

"جی ہاں خاص ہی بات ہے۔ لیکن آپ نے یہ سوال کیوں کیا؟ اگر آپ مصروف ہوں تو اس وقت نہ سہی پھر سہی۔"

"ارے نہیں بھئی یہ بات نہیں ہے، بس یونہی میں نے پوچھ لیا تھا۔ میرے ذہن میں تجسس پیدا ہوا تھا۔"

"جی انکل آپ کو زحمت تو ہوگی براہ کرم تشریف لے آئیے" میں نے کہا اور انکل شہریار نے آدھے گھنٹے کے اندر اندر وہاں پہنچنے کا وعدہ کر کے ٹیلی فون بند کر دیا۔ تب میں بھی ٹیلی فون بند کر کے ناصر کی طرف پلٹ آئی۔

"ناصر اسے فوراً پوائنٹ تھری پہنچانا ہے۔"

"بہتر۔ کس طرح لے چلیں؟"

"میرے خیال میں بے ہوش کر کے لے جانا مناسب ہے ہمیں کوئی رسک نہیں لینا چاہیے۔" میں نے کہا اور ناصر نے گردن ہلادی۔

"میں تہ خانے میں جارہا ہوں، ابھی بے کرتا ہوں اُسے کیا خیال ہے وین میں لے چلیں گی یا کار میں؟"

"میرا خیال ہے وین کی ضرورت نہیں ہے۔ کار کی پچھلی سیٹوں کے درمیان ڈال دینا۔" میں نے جواب دیا اور ناصر نے گردن ہلادی۔

تقریباً پندرہ منٹ کے بعد میں اور ناصر اگلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے تھے اور پچھلی سیٹوں کی درمیانی جگہ پر قمر پڑا ہوا تھا وہ بے ہوش تھا لیکن پھر بھی اُس کے مُنہ میں کپڑا ٹھونس کر ٹیپ چپکا دیا گیا تھا اور دونوں ہاتھ پُشت سے باندھ دیے گئے تھے تاکہ کوئی پریشانی نہ رہے۔ اس کے بعد ہم پوائنٹ تھری میں داخل ہوگئے۔ ناصر نے بے ہوش قمر کو اُٹھایا اور اندر لے گیا۔ نازش اور دُوسرے افراد میرے نزدیک آگئے تھے۔

انکل شہریار ابھی نہیں پہنچے تھے، میں اُن لوگوں سے باتیں کرنے لگی اور ناصر اپنا کام کر کے واپس آگیا۔ چند ہی منٹ کے بعد انکل شہریار کی کار گیٹ سے اندر داخل ہوتی نظر آئی۔ میں نے اُن کا برآمدے میں استقبال کیا۔ انکل شہریار مُسکرائے لیکن اُن کی مُسکراہٹ پھیکی پھیکی سی تھی، چہرے پر بھی کچھ عجیب سے تاثرات نمایاں تھے۔ میں اُن کے ساتھ نشست کے کمرے میں آگئی اور وہ میرے سامنے بیٹھ گئے۔

"ہاں بھئی کہو کیا بات ہے؟" انکل شہریار نے کہا۔

"پہلے میں یہ سوال آپ سے کروں گی۔" میں مُسکرا کر بولی

"مجھ سے کیا سوال کرو گی عالیہ، یقین کرو میں ذہنی طور پر بہت اُلجھا ہوا ہوں۔"

"کل کے واقعات سے؟"

"ہاں کل کے ہی نہیں بلکہ اُن تمام واقعات سے [illegible] بڑا ذہنی صدمہ ہوا ہے، ایک انسان کی حیثیت سے بھی او[ر] ایک وطن پرست کی حیثیت سے بھی۔" انکل شہریار نے جوا[ب]

"کیوں انکل؟" میں نے پوچھا۔

"بھئی عالیہ تم خود غور کرو، کسی شخص کے لیے ہم [illegible] نگاہ میں کوئی تصور قائم کرتے ہیں، ہمارے دل میں اُن [illegible] لیے ایک احساس ہوتا ہے، ہم اُن کی قدر کرتے ہیں۔ اُن [illegible] عزت کرتے ہیں اور یہ سوچتے ہیں کہ اس تباہ حال زمانے [illegible] ابھی کچھ ایسے لوگ موجود ہیں جن کے سینوں میں انسانیت [illegible] درد ہے، انسانیت سے محبت ہے۔ ہم انہیں ایک مینار [illegible] طرح دیکھتے ہیں اور اگر یہ مینار ٹوٹ کر نیچے گر پڑے... تو ذ[illegible] کیفیت کیا ہونی چاہیئں عالیہ؟"

"میں سمجھ رہی ہوں انکل آپ نے اس مٹی کے [illegible] کو پرکھ لیا ہے، آپ نے دیکھا اطہر رضوی کا حسین بت کتن[ی] جلدی ٹوٹ گیا؟"

"ہاں عالیہ میں نے اُسے جانچ لیا ہے۔ مجھے حیرت [illegible] میں نے ہیلی کاپٹر سے اس جگہ کو دیکھا تھا۔ وہ فلم بھی دیک[ھی] تھی بعد میں۔ کوئی ایسے آثار نظر نہیں آرہے تھے لیکن بہر صور[ت] اُس نے چالاکی سے اس جگہ کو سینی ٹوریم بنادیا۔ یہ ایک [illegible] اقدام ہے۔ تپ دق کے مریضوں کے لیے بلاشبہ اچھی [illegible] ہے، اطہر رضوی نے اس پر بلاشبہ بے پناہ پیسہ خرچ [کیا] ہے لیکن اگر اس کی آڑ میں اُس کے ذہن میں کوئی غلط [illegible] ہے تو یہ بڑے افسوس کی بات ہے۔ بجانے آدمی اپنی سطح [illegible] اس طرح کیوں گر جاتا ہے؟" انکل شہریار نے افسُردگی [illegible]

"ہاں انکل اس میں شک نہیں ہے، بہر صورت [illegible] آپ کا زیادہ وقت نہیں لوں گی۔ میں جانتی ہوں اس سل[سلے] میں آپ کی کیفیت کیا ہے لیکن میں آپ کے سامنے د[illegible] پیش کرنا چاہتی ہوں، اس کے بعد وعدہ کرتی ہوں آپ [کو] مزید پریشان نہیں کروں گی اور آپ جس طرح بھی پسند [کریں] اس سلسلے میں اپنے اقدامات کریں۔ میں آپ کو تنگ [نہیں] کروں گی۔" میں نے کہا۔

"کیا مطلب؟" انکل شہریار نے پوچھا اور میں نے ریکارڈر نکال کر اُن کے سامنے رکھ دیا۔

"کل اطہر رضوی سے گفتگو کرنے کا تھوڑا سا موقع مِلا تھا [illegible]نے چالاکی سے اس گفتگو کو ریکارڈ کر لیا تھا۔"

"ارے؟" انکل شہریار بُری طرح چونک پڑے۔

"جی ہاں یہ ضروری ہے۔ میں نے ایک اچھا ثبوت فراہم [ک]یا ہے۔ ممکن ہے یہ آپ کے کسی کام آسکے۔" میں بولی اور [میں] نے ٹیپ ریکارڈر آن کر دیا۔ انکل شہریار کان لگا کر بیٹھ [گئے] تھے۔ اطہر رضوی سے ہونے والی ساری گفتگو شروع ہو گئی۔ انکل شہریار بغور اس گفتگو کو سُن رہے تھے اور اُن [کے] چہرے میں بڑی تبدیلیاں پیدا ہوتی جارہی تھیں۔ کبھی اُن [کا چہ]رہ سُرخ ہو جاتا اور کبھی وہ کھسیائے کھسیائے سے نظر آنے [لگتے۔] بہر صورت اس طویل گفتگو کا ریکارڈ ختم ہو گیا اور میں نے [ایک] گہری سانس لے کر ٹیپ ریکارڈر بند کر دیا۔

"براہِ کرم ایک بار اور سُناؤ۔" انکل شہریار نے کہا اور [میں] نے کیسٹ ریوائنڈ کر دیا۔ دُوسری بار بھی انکل شہریار نے اس [گفت]گو کو بغور سُنا اور پھر ٹھنڈی سانس لے کر گردن ہلانے لگے۔

"ٹھیک ہے اب اس کے بعد کیا رہ جاتا ہے؟"

"ایک شخص۔" میں نے جواب دیا۔

"کیا مطلب؟"

"میں اُسے بھی یہاں لے آئی ہوں۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"جی ہاں۔ کل میں نے اُسے سینی ٹوریم سے اغوا کیا تھا۔"

"ارے؟" انکل شہریار پھر اُسی انداز میں اُچھل پڑے۔ [اغوا ک]یا تھا تم نے؟ کب... کیسے؟"

"بس انکل کام تو کر ہی رہی ہوں۔ چنانچہ اغوا کرنا بھی مشکل [ن]ہیں ہوا۔" میں نے جواب دیا۔

"کون ہے وہ شخص؟"

"اُن میں سے ایک جو اس وقت قلعہ جھار میں موجود [تھا] جب میں وہاں قید تھی اور وہ شخص بھی اس بات کی گواہی [دیتا] تھا کہ سینی ٹوریم بننے سے پہلے یہ جگہ قلعہ جھار تھی اور قلعہ جھار [اُس] وقت ایک اذیت گاہ تھا۔ جہاں ایک خوفناک ڈرامہ ہوتا [تھا] یعنی وہ دُہرا وجود معصوم لڑکیوں کو اپنی ہوس کا نشانہ بناتا [او]ر بعد میں یا تو انہیں قتل کر دیا جاتا تھا یا پھر اُنہیں قید [کر د]یا جاتا تھا۔ یوں وہ کسی نہ کسی طور مر جاتی تھیں۔ اطہر رضوی [نے] اس مقصد کے لیے بہت سے جال پھیلا رکھے ہیں اور [و]ہ اس دُہرے وجود کے لیے بھیانک کام کر رہا ہے۔"

"اس شخص کا کیا نام ہے؟" انکل شہریار نے کہا۔

"قمر ہے۔ اطہر رضوی کا ملازم ایک جرائم پیشہ شخص۔" میں نے جواب دیا۔

"کہاں ہے وہ؟"

"تشریف لائیے اس سے مُلاقات کراؤں۔" میں نے کہا اور انکل شہریار اُٹھ گئے۔ میں انہیں قمر کے سامنے لے گئی۔ وہ ہوش میں آچکا تھا۔ میں نے اُس کے مُنہ سے کپڑا نکالا اور وہ انکل شہریار کو بغور دیکھنے لگا۔ تب میں نے قمر سے کہا۔

"قمر تمہیں وہی الفاظ دُہرانے ہیں جو تم میرے سامنے کہہ چکے ہو۔"

"بے کار باتیں ہیں سب۔ بے کار باتیں ہیں، سُنو۔" اُس نے انکل شہریار کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "یہ لڑکی چاہتی ہے کہ میں تمہیں اطہر رضوی کے بارے میں کچھ بتاؤں۔ ہاں ٹھیک ہے۔ سینی ٹوریم بننے سے پہلے قلعہ جھار اطہر رضوی کے جُڑواں بیٹوں کی رہائش گاہ تھی، اس کو تم جُڑواں بیٹا سمجھ لو یا بیٹے۔ بہر حال یہ ذہنی مریض تھا اور ایک مخصوص خدوخال کی لڑکی اس کے لیے فراہم کی جاتی تھی۔ وہ شخص اس لڑکی کو وحشیانہ انداز میں استعمال کر کے قتل کر دیا کرتا تھا لیکن اب وہ وہاں نہیں ہے۔ کہاں ہے یہ بات مجھے نہیں معلوم اور نہ ہی کسی عام آدمی کو معلوم ہوگا۔ میں نے یہ ساری باتیں اس لڑکی کو بتا دی ہیں۔ میں اطہر رضوی کا مُلازم ہوں اور اطہر رضوی کے مفادات کی نگرانی کے لیے مجھے رکھا گیا تھا۔ اس سے پہلے میں ایک جرائم پیشہ شخص تھا۔ بس یا اور کچھ؟" اُس نے مشینی انداز سے کہا اور میری طرف دیکھنے لگا۔ انکل شہریار کسی سوچ میں گُم تھے۔ اُن کے چہرے پر عجیب و غریب تاثرات موجود تھے۔

"بہت کافی ہے قمر ڈیئر۔" میں نے مُسکراتے ہوئے کہا۔

"تو اب مجھے چھوڑ دیا جائے"

"چھوڑ دیا جائے گا۔ بے فکر رہو۔" میں نے جواب دیا اور انکل شہریار کے ساتھ اُس کمرے سے نکل آئی۔ انکل شہریار کسی گہری سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے۔ وہ اپنی ٹھوڑی کھُجا رہے تھے۔

"عالیہ بیٹے کیا یہ ٹیپ مجھے دے سکتی ہو؟"

"حاضر ہے انکل۔"

"میں بدستور کوششوں میں مصروف ہوں، فی الوقت یہ کوششیں صرف سوچ کی حد تک محدود ہیں لیکن جلد ہی ان میں

عملی اقدام بھی شامل کر لوں گا۔ تم بے فکر رہو۔ اپنا کام کرتی رہو اور اگر مناسب سمجھو تو جو کچھ بھی کرو اس میں مجھے بھی شامل کر لو اس شخص کو میں اپنی تحویل میں رکھوں گا۔ اس کی جانب سے تم بالکل مطمئن رہو۔ یہ میرے پاس تمہاری امانت ہے یہ اقصد ہے یہ فرار نہیں ہو سکتا۔"

"نہیں انکل مجھے اب اس کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ جس طرح چاہیں اسے استعمال کریں۔ یہ ٹیپ ریکارڈر بھی موجود ہے"

"بہت بہتر عالیہ۔ میں واقعی بے حد شرمندہ ہوں... میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ میرے وطن میں ایسے ایسے سانپ پل رہے ہیں۔" انکل شہریار نے کہا اور میں نے گردن ہلا دی۔

"انکل آپ شرمندہ نہ ہوں۔ ظاہر ہے ہر جگہ ہر قسم کے لوگ موجود ہوتے ہیں، ہمیں ان ساری کالی بلیوں کو سامنے لانا ہے جو نجانے کہاں کہاں چھپی بیٹھی ہیں۔ یہ میرا مشن ہے انکل اور یوں سمجھیے کہ اس کیس سے میری اس زندگی کا آغاز ہوا ہے اگر میں اس میں ناکام ہو گئی تو پھر کیا مزا رہے گا۔"

"انشاء اللہ تعالیٰ تم ناکام نہیں رہو گی۔ کچھ نہ کچھ ہو ہی جائے گا۔" انکل شہریار نے مجھے دلاسا دیتے ہوئے کہا۔

"ہاں انکل آپ کی دعائیں ساتھ رہیں تو مجھے یقین ہے میں ضرور کچھ نہ کچھ کر لوں گی۔"

"انشاء اللہ۔ انشاء اللہ۔" انکل نے دعائیہ انداز میں کہا اور میں نے اُن کا شکریہ ادا کر کے گردن ہلا دی۔

یہ دونوں اہم چیزیں انکل شہریار کے حوالے کر کے میں مطمئن ہو گئی اور پھر میں اُن سے اجازت لے کر وہاں سے چل پڑی اب کوئی خاص مصروفیت نہیں تھی۔ میں اس سلسلے میں جو کچھ کر سکتی تھی کر چکی تھی، انکل شہریار کو بھی اس سے زیادہ پریشان کرنا مناسب نہیں تھا ہاں اگر وہ اس سلسلے میں خود ہی کوئی حکم دیتے تو دوسری بات تھی۔

چنانچہ وہاں سے واپسی پر میں نے ناصر کو تو عابدہ بیگم بھیج دیا اور خود اخبار کے دفتر چل پڑی۔ صباحت صاحب بے چارے میرے استقبال کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے کئی دنوں کے بعد اُن سے ملاقات ہوئی تھی۔ فون پر گفتگو ضرور ہوتی تھی لیکن ملاقات نہیں ہوئی تھی۔

صباحت صاحب کی ایک ایک ادا سے معلوم ہوتا تھا کہ اُن کے دل میں میرے لیے صرف کاروباری محبت ہی نہیں ہے بلکہ وہ مجھ سے بزرگانہ شفقت بھی رکھتے ہیں۔

میں مسکراتی ہوئی اُن کے سامنے بیٹھ گئی۔ "کیسے مزاج ہیں صباحت صاحب؟"

"ٹھیک ہوں عالیہ بس تمہارے لیے دعا گو رہتا ہوں خداوند کریم تمہاری حفاظت کرے تم بہت ٹھوس اور مضبوط لڑکی ہو لیکن بزرگوں کے دلوں کا حال خدا جانتا ہے۔"

"جب آپ کی دعائیں میرے ساتھ ہیں تو پھر مجھے کس چیز کا خدشہ لاحق ہو سکتا ہے؟" میں نے خلوص سے کہا۔ صباحت رضوی صاحب خاموش ہو گئے تھے۔ تب میں نے کہا۔ "ان دنوں فراغت ہے میرے لائق کوئی خدمت ہو تو بتائیے؟"

"کیا بتاؤں۔ اخبار سے مطمئن ہو؟"

"یہ کوئی پوچھنے کی بات ہے؟"

"حسابات وغیرہ کے سلسلے میں؟"

"کیوں۔ کوئی مشکل ہے؟"

"نہیں بس یونہی۔ اگر ایک نگاہ ڈال لیتیں تو بہتر تھا۔"

"نہیں صباحت صاحب۔ میرے چھوٹے سے ذہن پر اتنا بار نہ ڈالیے آپ نے مجھے جو آزادیاں دے ڈالی ہیں انہیں واپس کیوں لینا چاہتے ہیں؟"

"جیسے تمہاری مرضی بیٹے جب تک میں زندہ ہوں ہر بات سے مطمئن رہنا۔"

"مجھے یقین ہے صباحت صاحب۔ خدا آپ کو ہمیشہ میرے سر پر قائم رکھے۔ میں آپ کو ڈیڈی کا نعم البدل سمجھتی ہوں اور اسی طرح آپ پر نازاں ہوں۔ اسی بنیاد پر نخرے کر لیتی ہوں آپ سے۔ اگر اس کے بعد بھی کوئی گنجائش ہے تو مجھے بتا دیں۔" میں نے کہا اور صباحت صاحب کی گردن جھک گئی۔

"نہیں بیٹے۔ بس اور کوئی بات نہیں ہے۔ ہاں یہ چند مستقل اشتہارات مع چیک کے آئے ہیں۔ یہ خط بھی منسلک ہے"

"اوہ کہاں سے آئے ہیں؟"

"اطہر رضوی صاحب کی عنایت ہے۔ خط میں یہی لکھا ہے کیا خیال ہے ہم انہیں قبول کریں یا نہ کریں؟" صباحت صاحب نے خط میری طرف بڑھا دیا۔ ایک پبلسٹی فرم کا لیٹر تھا جس میں لکھا تھا کہ رضوی صاحب کی سفارش پر یہ اشتہار دیے جا رہے ہیں اور آئندہ بھی اخبار سے رابطہ رکھا جائے گا۔ میں سوچ میں ڈوب گئی تھی۔

"کیا خیال ہے؟" صباحت صاحب نے پوچھا۔

"اطہر رضوی کے ذہن کے کسی گوشے میں اس اخبار کے

…ں کوئی خیال ضرور ہے صباحت صاحب۔ اگر یہ بات …ی تو صرف ایک رپورٹر کو وہ اتنی اہمیت نہ دیتا۔ اس کا …ٹیلی فون کی اس گفتگو سے بھی ملتا ہے جس کا ریکارڈ …نے مجھے سنایا تھا۔"

"ممکن ہے۔" صباحت صاحب نے گردن ہلا دی۔

"…میرے خیال میں چھاپیں۔ اسے یقین نہیں ہونا چاہیے …د پر میرا اثر ضرورت سے زیادہ ہے۔"

"مناسب۔" صباحت صاحب نے جواب دیا پھر بولے …ا ملاپ کہاں ہے؟"

"ہنوز دلی دور است۔" میں نے مسکرا کر کہا۔

"وہ بہت با اثر انسان ہے"

"ہاں صباحت صاحب بد دل ہوتی جا رہی ہوں۔ جب …ر ہی اس کی پشت پناہی کر رہے ہیں تو میں کیا کر سکتی …اس طرح اس وطن سے اجنبیت کا احساس جاگنے لگا …میرے دل میں۔"

"نہیں عالیہ۔ سوچ کا یہ انداز غلط ہے۔ اگر ملک میں وبا …جائے تو کیا اسے چھوڑ دیا جاتا ہے۔ تمہاری کیفیت ایک …سی ہے اور انتہائی نفاست پسند ڈاکٹر بھی کسی تعفن زدہ …سے نفرت نہیں کرتا۔ وہ اس مرض کو دور کرنے کا خواہاں …ہے۔"

میں خاموشی سے صباحت صاحب کی باتیں سن رہی تھی …رے ذہن میں دھواں سا اٹھ رہا تھا۔ دیر تک میں صباحت …ب کے پاس بیٹھی اُن سے باتیں کرتی رہی پھر وہاں سے …اپنے کیبن میں چلی گئی۔ میں نے کیبن میں بیٹھ کر دیر تک …پر غور کیا تھا اور پھر پُرسکون ہو گئی تھی۔ دفتر سے واپسی …میں نے صباحت صاحب سے کہا۔

"ممکن ہے میں دو تین دن دفتر نہ آؤں۔ اگر میری کوئی …ت پیش آ جائے تو منور عالم صاحب کے ہاں فون کر دیں۔"

"بہتر ہے۔" صباحت صاحب نے کہا اور میں وہاں سے …ئی فلیٹ پر پہنچ کر میں نے نازش کو اور پھر ناصر کو بھی …عالم کے ہاں کے فون نمبر دیے اور اس کے بعد شمس سے …ہونے کے لیے کہا۔ دو چار جوڑے کپڑے بھی گاڑی میں …لیے گئے... اور پھر میں منور عالم کی کوٹھی کی طرف چل پڑی

افشاں، فرزانہ تو میری بھوکی رہتی تھیں۔ اچانک پہنچ …نے پر بہت خوش ہوئیں۔ انکل منور عالم بھی مجھے دیکھ کر

خوش ہو گئے تھے اور جب انہیں یہ معلوم ہوا کہ میں فرصت میں ہوں تو اُن کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ کئی تفریحی پروگرام بنے اور تین دن کے بجائے میں پانچ دن تک ان لوگوں کے ساتھ رہی البتہ ان پانچ دنوں میں بقراط سے ملاقات نہیں ہوئی تھی۔

چھٹے دن میں نے ان لوگوں سے اجازت مانگی... اور دونوں لڑکیوں نے بڑے افسوس سے مجھے اجازت دے دی فلیٹ آنے پر کوئی خاص بات نہیں معلوم ہوئی تھی۔ سوائے اس کے کہ سلطان نے فون کیا تھا۔

بے کار آدمی تھا میں نے اس بات پر کوئی توجہ نہیں دی۔ ناصر وغیرہ سے بھی اس کی خیریت معلوم کر لی تھی پھر میں نے نازش کو فون کیا اور نازش نے فون ریسیو کیا۔

"عالیہ بول رہی ہوں۔"

"اوہ عالیہ خاتون۔ کیا چیف سے ملاقات ہوئی؟"

"نہیں۔ چھٹیاں منا رہی تھی۔"

"گویا آپ کو وہ خبر نہیں معلوم؟"

"کون سی؟"

"چیف نے استعفا دے دیا ہے۔" نازش نے کہا اور میں اچھل پڑی۔

"کب؟" میں نے سنسنی خیز لہجے میں پوچھا۔

"پرسوں۔ سنا ہے وہ سوئٹزر لینڈ جا رہے ہیں لیکن حکومت کی طرف سے انہیں اجازت نہیں ملی۔"

"حیرت انگیز نازش۔ کیا استعفا منظور ہو گیا؟"

"ابھی نہیں۔"

"اور کوئی تفصیل؟"

"نہیں مس عالیہ۔ ہم لوگ خود بھی پریشان ہیں۔" نازش نے کہا اور میں ریسیور ہاتھ میں لیے بیٹھی رہ گئی۔ "عالیہ صاحبہ" نازش نے پکارا۔

"ہاں نازش بڑی افسوس ناک خبر ہے۔"

"تعجب ہے شہریار صاحب نے آپ کو اطلاع نہیں دی"

"کیا انہیں بتا دیا گیا تھا کہ میں کہاں ہوں؟"

"جی ہاں۔"

"ٹھیک ہے نازش میں اُن سے خود بات کر لوں گی۔"

"یہ عمارت بھی ہم خالی کر رہے ہیں۔ چیف نے حکم دیا ہے۔"

"اوہ کب تک؟"

"بس ایک آدھ دن میں۔"

"وہ انکل گھر پر ملیں گے نازش؟"

"میرا خیال ہے ضرور ملیں گے۔"

"او۔ کے۔ ویسے فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"نہیں مس عالیہ۔ ہم فکر مند نہیں ہیں۔ البتہ ہم نے اپنے طور پر ایک فیصلہ کیا ہے۔"

"وہ کیا؟" میں نے پوچھا۔

"ہمارے استعفے بھی ہمارے محکمے کو جلد ہی مل جائیں گے میرا خیال ہے کم از کم تیس افراد محکمہ چھوڑ دیں گے۔"

"یعنی تمہاری ٹیم کے علاوہ دوسرے بھی؟"

"ہاں، محترمہ عالیہ۔ دراصل یہ پوری ٹیم شہریار صاحب کو بے حد چاہتی ہے۔ کوئی بھی ان کے بغیر محکمے میں رہنے کے لیے تیار نہیں ہے۔"

"یہی ہونا چاہیے نازش۔ میں تم لوگوں کو اس فیصلے پر دلی مبارکباد دیتی ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

"کوئی حکم محترمہ؟"

"نہیں نازش شکریہ۔ میں ابھی انکل سے رابطہ قائم کر رہی ہوں خدا حافظ۔" میں نے کہا اور ڈسکنکٹ کر کے شہریار انکل کے فون نمبر ڈائل کرنے لگی۔ فون انکل شہریار نے ہی ریسیو کیا تھا۔

"خادمہ عرض کر رہی ہے۔"

"اوہ۔ محترمہ خادمہ کیسے مزاج ہیں؟"

"ٹھیک ہوں جناب۔"

"بھئی اپنا نام مت بتانا۔ چند گدھوں نے میرا فون ٹیپ کر لیا ہے اور وہ اس وقت بھی بیٹھے میری گفتگو سُن رہے ہوں گے" انکل شہریار نے کہا اور ریسیور پر میری گرفت سخت ہو گئی۔ میں ایک لمحے کے لیے گنگ رہ گئی تھی پھر میں نے سنبھل کر کہا۔

"ملاقات۔؟"

"اطلاع مل جائے گی۔"

"او۔ کے۔" میں نے فون بند کر دیا لیکن میرے اعصاب میں تناؤ پیدا ہو گیا تھا انکل شہریار سخت ہو گئے ہیں۔ ان کے اس اقدام سے مجھے اُن کی ذات سے اور عقیدت ہو گئی تھی۔ حالات میں ایک ذرا سنسنی پیدا ہو گئی تھی۔ دیکھنا یہ تھا کہ اب یہ بیل کس طرح منڈھے چڑھتی ہے۔

فون بند کر کے میں دیر تک خاموش بیٹھی رہی تھی۔ ان حالات میں مجھے اب کیا کرنا چاہیے۔ میں سوچ رہی تھی۔ بہرحال انکل اس کوشش میں اس قدر آگے بڑھ گئے تھے۔ میں بھی کوئی شایانِ شان قدم اُٹھانا چاہتی تھی۔ چنانچہ میں نے تیاریاں شروع کر دیں۔

امینہ، درخشاں اور شکیلہ کی تصویریں میرے پاس موجود تھیں میں نے اُن کو سامنے رکھ کر ایک رپورٹ تیار کرنی شروع کر دی اور اس کے بعد ایک طویل وقت میں نے اس مضمون کی تکمیل میں گزارا۔

شام ہو چکی تھی اس دوران مجھے کسی نے ڈسٹرب نہیں کیا تھا۔ میں اس مضمون سے فارغ ہی ہوئی تھی کہ فون کی گھنٹی بج اُٹھی۔ میں نے اُنگلیاں چٹخاتے ہوئے ریسیور اُٹھا لیا

"ہیلو۔"

"صباحت بول رہا ہے۔"

"جی صباحت صاحب؟"

"انفارمیشن کی جانب سے ایک حکم نامہ موصول ہوا ہے اگر مصروف نہ ہوں تو میں آجاؤں؟"

"تشریف لے آئیے صباحت صاحب۔ مجھے آپ کی ضرورت ہے۔"

"حاضر ہو رہا ہوں۔" صباحت صاحب نے کہا اور فون بند کر دیا۔ میں نے مس میری کو بُلا کر کافی طلب کی اور شمس کو بھی بلوا لیا۔

"بھئی بڑی سعادت مند بچی ہو۔ میں کام کرتی ہوں تو میرے قریب بھی نہیں پھٹکتیں۔ آؤ کافی پیو میرے ساتھ۔"

"نوازش۔" شمس ہنستی ہوئی بیٹھ گئی۔

"ہوں۔ اور کیسے مزاج ہیں؟" میں نے کہا۔

"بس حضور کی دُعائیں ہیں۔"

"میرے خیال میں شمس۔ تمہیں اور مس میری کو عابدہ تاج دوبارہ آباد کرنی پڑے گی۔"

"کیا حرج ہے۔ دونوں ہمارے گھر ہیں کبھی یہاں کبھی وہاں۔"

"بور تو نہیں ہوتیں؟"

"قطعی نہیں بلکہ دلچسپی رہتی ہے۔"

"شکریہ۔ ویسے حالات دلچسپ رُخ اختیار کر گئے ہیں۔"

"کچھ تفصیل سرکار؟"

"اطہر رضوی کے بارے میں کسی قدر تو بتا چکی ہوں تمہیں۔"

"ہاں۔"

"میرا خیال ہے انکل شہریار بھی ناکام رہتے ہیں۔"

"وہ کیسے اندازہ لگایا؟"

"اُنہوں نے استعفٰے دیا ہے۔"

"کب؟" شمس نے چونک کر پوچھا اور میں نے اُسے تفصیل بتا دی۔ شمس کے چہرے پر بھی سنسنی اُبھر آئی تھی ں نے کہا۔ "اب کیا پروگرام ہے؟"

"میں بھی انکل شہریار سے پیچھے نہ رہوں گی۔ یہ تو برائی طلاف جہاد ہے۔ اور میں خود کو ایک مجاہدہ تصور کرتی ہوں کے لیے موت کو آواز دینا پڑتی ہے۔ میں بھی زندگی اور کے اس کھیل کا آغاز کر چکی ہوں۔ انکل شہریار نے استعفا کر اس کھیل کا آغاز کیا ہے۔ میں نے دوسری راہ سوچی ہے۔"

"کیا عالیہ۔ مجھے نہیں بتاؤ گی؟"

"کیوں نہیں شمس۔ تم میری رازدار ہو۔ میں اطہر رضوی کے ت پوری رپورٹ شائع کر رہی ہوں۔ اس کے بعد مجھے جن ت سے گزرنا ہے اُس کا کسی حد تک اندازہ کر چکی ہوں۔ تمہارے سپرد چند ضروری کام کرنے ہیں۔"

"کہو عالیہ۔" شمس نے جواب دیا۔ وہ ہراساں ہو رہی میں نے اُسے تسلیاں دیتے ہوئے کہا۔

"تم خود کو اس جہاد میں شریک سمجھو شمس۔ اگر یہ تصور ن میں قائم کر لو گی تو بہت سی آسانیاں ہو جائیں گی... میں ارے نام سے اکاؤنٹ کھول چکی ہوں۔ اس میں کافی رقم موجود صباحت صاحب کے گھر والوں کو ذرا بھی تکلیف نہ ہونے ئے اور میرے سلسلے میں بھی تمہیں چند ضروری کام کرنے ہوں جن کی تفصیل میں تمہیں بعد میں بتا دوں گی۔"

"کب...؟"

"بہت جلد۔ ابھی مجھے اپنے کام کے آغاز کے لیے کافی وقت درکار ہے۔"

"ٹھیک ہے عالیہ۔ میری طرف سے مطمئن رہو۔" شمس نے ا۔ دروازے کی بیل بجی تھی۔ غالباً صباحت صاحب آگئے مس میری صباحت صاحب کو لیے ہوئے اندر آگئی۔ میں نے ور شمس نے کھڑے ہو کر اُن کا استقبال کیا۔ صباحت صاحب نے شمس سے اُس کی خیریت دریافت کی اور پھر شمس کافی کے برتن سمیٹ کر باہر نکل گئی۔

"جناب عالی۔" میں نے مُسکراتے ہوئے کہا۔

"یہ حکم نامہ ہے۔" صباحت صاحب نے ایک لفافہ جس پر انفارمیشن ڈیپارٹمنٹ کے نشانات تھے میری طرف بڑھا دیا لکھا تھا۔ "ملک کی سربرآوردہ اور معزز شخصیتوں کے خلاف نفرت پھیلانے کی ایک سازش کی جا رہی ہے۔ اخبارات کو ہدایت کی جاتی ہے کہ اس مُہم میں کوئی حصہ نہ لیں۔ خاص طور سے ہدایت ہے کہ ملک کی ایک معزز شخصیت اطہر رضوی کے بارے میں کوئی خبر یا کوئی مراسلہ نہ شائع ہو۔"

"یہ لفافہ دوسرے اخبارات کو بھی موصول ہوا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"جی ہاں۔ تمام اخبارات کو ملا ہے۔"

"کیسے معلوم ہوا؟"

"میں نے ٹیلی فون پر رابطہ قائم کر کے پوچھا ہے۔"

"ٹھیک ہے صباحت صاحب اور کوئی خاص بات؟"

"جی ہاں۔ یہ ایک اور لفافہ ہے جو ایک نوجوان دستی دے گیا ہے۔ شہریار صاحب کے نام سے۔"

"اوہ۔" میرے مُنہ سے نکلا اور میں نے جلدی سے لفافہ اُن کے ہاتھ سے لے کر کھول لیا۔ مختصر سی تحریر تھی۔

"یوریا اسپتال کے پاس ملو۔ میں نیلے رنگ کی مرسڈیز میں ملوں گا۔ ٹھیک گیارہ بجے
شہریار۔"

میں ایک گہری سانس لے کر رہ گئی تھی۔ میں نے لفافہ صباحت صاحب کی طرف بڑھا دیا۔ وہ اس تحریر پر حیران نظر آنے لگے تھے۔ "کیوں۔ اس طرح ملنے کے لیے کیوں لکھا ہے؟"

"اس لیے کہ انکل شہریار نے استعفٰے دیا ہے۔ اطہر رضوی کے سلسلے میں شاید اعلا حکام سے اُن کے اختلافات ہو گئے ہیں۔" میں نے جواب دیا اور صباحت صاحب کے چہرے پر تاسف کے آثار اُبھر آئے۔

"مجھے بہت افسوس ہوا ہے۔ یہ تو بڑی عظیم شخصیت تھی لیکن بہرحال میں اس سلسلے میں کسی کو قصوروار نہیں سمجھتا۔ ملکی قوانین میں ایسے بااثر لوگوں کے احترام کی شق بھی موجود ہے جو ملک کے لیے سُودمند ہوں۔ اطہر رضوی کا ریکارڈ پریشان کُن ہے۔ یہ شخص اس جُرم کے علاوہ بالکل بے داغ ہے بلکہ یُوں کہنا چاہیے کہ ملک کے لیے اس کی خدمات کی ایک طویل فہرست ہے۔ اس فہرست کو یک لخت نظر انداز کرنا بھی تو مشکل ہے۔"

"ٹھیک ہے لیکن بہرحال شہریار صاحب نے ایک بے حد جُرأت مندانہ قدم اُٹھایا ہے۔"

"ہاں اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ زندگی بھر کی کمائی کو یُوں لُٹا دینا آسان کام نہیں ہے۔"

"میں بھی کچھ لُٹانے کے موڈ میں ہوں صباحت صاحب۔"

میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیا...؟" صباحت صاحب سوالیہ انداز میں بولے اور میں نے اپنا مضمون تصویروں سمیت اُن کے سامنے رکھ دیا۔ صباحت صاحب اس مضمون کو دیکھنے لگے تھے اور پھر اُن کے چہرے پر کش مکش کے آثار پھیل گئے۔

"اس ہدایت نامے کے باوجود؟" تھوڑی دیر کے بعد وہ بولے۔

"جی۔ اس کے باوجود۔"

"نتائج پر غور کرلیا ہے؟"

"جی ہاں۔ آپ کے جواب کی منتظر ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔ مشکلات پیدا ہوں گی۔"

"میں تو اس کے لیے تیار ہوں۔"

"تمہارا خیال ہے میں پیچھے رہوں گا۔" وہ مُسکرا پڑے۔

"سوچ لیں صباحت صاحب میں نے پہلی بار آپ سے آپ کی محبت کا ثبوت طلب کیا ہے بعد میں آپ کو احساس نہ ہو۔"

"یہ مضمون صبح کے اخبار میں آنا ہے۔" صباحت صاحب نے میری بات نظر انداز کر کے کہا۔

"ٹھیک بارہ بجے اطلاع دوں گی۔ آپ اُس وقت تک اسے تیار کرالیں۔"

"مجھے اجازت دو؟"

"او۔کے۔ خُدا حافظ۔ باقی کسی بات کا آپ کوئی خیال نہ کریں۔" میں نے کہا اور صباحت صاحب مُسکرانے لگے پھر وہ باہر نکل گئے۔ ان کے جانے کے بعد بھی میں دیر تک سوچتی رہی اور پھر میں نے تیاریاں شروع کر دیں۔ انکل شہریار بڑے رازدارانہ انداز میں مجھ سے ملاقات کر رہے تھے اس لیے میں بہت سنجیدگی سے ہر کام کرنا چاہتی تھی۔

ٹھیک گیارہ بجے میں نے انکل شہریار کی نیلی مرسڈیز دیکھی اور اُن کے قریب پہنچ گئی۔ وہ مجھے دیکھ کر مُسکرائے... ہشاش بشاش نظر آرہے تھے۔ "بھئی خود ہی کسی مناسب جگہ کا انتخاب کرو۔ پوائنٹ تھری نہیں جائیں گے۔" انہوں نے کہا۔

"میں اپنی کار یہیں چھوڑ دوں؟"

"لے چلو۔ کہاں چلو گی؟"

"تب پھر تشریف لائیے۔" میں نے کہا اور کار آگے بڑھا دی۔ مرسڈیز بھی پیچھے چل پڑی تھی۔ پہلی بار انکل شہریار کو عابدہ لاج لائی تھی۔ انکل شہریار دلچسپی سے اس عمارت کو دیکھ رہے تھے لیکن وہ خاموشی سے کار سے اُتر کر میرے ساتھ اندر آ گئے۔ میں اُنہیں لیے عابدہ لاج کے عظیم الشان ڈرائنگ رُوم میں آگئی تھی اور پھر میں نے ایک مُلازم کو بُلا کر کافی لانے کے لیے کہا۔

"تمہاری اپنی عمارت ہے؟" انکل نے پوچھا۔

"جی انکل۔ ضروری کاموں کے لیے میں نے خرید لی تھی" میں نے شرمندہ سے لہجے میں کہا۔

"بہت ضروری تھی۔ بہر حال تمہاری ذہانت نے نہ جانے کیا کیا گُل کھلائے ہوں گے۔ میں جانتا ہوں۔"

"خاک ذہین ہوں انکل۔ آپ کے لیے درد سری پیدا کرتی رہتی ہوں۔ بہر حال اب مجھے جلدی حالات سے آگاہ کریں میں بہت بے چین ہوں۔"

"میرے استعفے کی خبر سن لی ہوگی؟"

"جی ہاں۔"

"کوئی خاص بات نہیں وہی مسئلہ ہے۔ اعلا حکام اس سے ڈرتے نہیں ہیں لیکن اُس کے بارے میں سارے حوالے دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ سابقہ بنیادوں پر اور اُس کی انسان دوستی کو دیکھتے ہوئے آنکھیں نہیں بدلی جاسکتیں۔ اس بات سے میں بھی متفق ہوں لیکن غصہ مجھے صرف ایک بات پر آیا۔"

"وہ کیا انکل...؟"

"اُنہوں نے وہ ثبوت تسلیم نہیں کیے۔ اُنہوں نے کہا کہ اطہر رضوی اس آواز کو چیلنج بھی کرسکتا ہے کہ یہ اُس کی نہیں ہے۔ نیز قمر نامی جرائم پیشہ شخص کے بارے میں بھی وہ کہہ سکتا ہے کہ اس شخص کو کرائے پر حاصل کیا گیا ہے لیکن اس جواب کو میں نے اپنی توہین تصور کرتے ہوئے استعفا دے دیا ہے۔ میں نے وجہ لکھتے ہوئے کہا ہے کہ میری ساری عمر کی خدمات کو نظر انداز کر کے مجھے کسی کے خلاف سازش کا بانی قرار دیا گیا ہے۔ اس لیے میں یہ نوکری نہیں کرسکتا۔ اس کے ساتھ ہی میں نے کچھ زبانی دھمکیاں بھی دے ڈالی ہیں جس کا ردِ عمل خاطر خواہ ہُوا ہے۔"

"وہ کیا انکل...؟" میں نے پوچھا۔

"یہی کہ اگر میں مُلکی مفادات کے لیے خطرناک ایجنٹوں کے خلاف جنگ کرسکتا ہوں تو اپنے وطن کے کسی مسئلے کو حل کرنا میرے لیے مشکل نہیں ہوگا اور اس سلسلے میں انہوں نے سخت حفاظتی انتظامات کر ڈالے۔ میرا ٹیلی فون ٹیپ کیا جا رہا ہے کوٹھی کی نگرانی ہو رہی ہے۔ بلا مبالغہ سو سے زیادہ ٹیلی فون

ول ہوئے ہیں۔ مجھ سے مُلاقات کی کوششیں بھی کی گئی ہیں
ن آخری فون پر میں نے کہا ہے کہ اگر وہ مجھے گرفتار کریں
بہتر ہے۔ دُوسری کوئی صُورت نہیں ہے۔"

"اوہ۔ اس کے جواب میں کیا کہا گیا انکل؟"

"کچھ نہیں لیکن پُورا کمیشن بیٹھ گیا ہے۔ معاملے کو میں نے
ی بلندی پر پہنچا دیا ہے اور یہیں تک نہیں... یوں اسے
واماں کے دائرے میں اور آگے تک لے جاؤں گا۔"

"بس انکل۔ میری درخواست ہے کہ اس سے آگے کچھ
ریں۔"

"میں حالات بگڑنے نہیں دُوں گا عالیہ۔ تم فکر مت کرو۔"
شہریار نے کہا۔

"نازش نے بتایا ہے کہ آپ سوئٹزرلینڈ جا رہے ہیں؟"

"ہاں میں نے یہ اعلان بھی کیا تھا لیکن مجھ پر پابندی
دی گئی ہے۔"

"کیا یہ سب کچھ بہتر ہے انکل؟"

"ذاتی رائے پوچھ رہی ہو عالیہ؟"

"ہاں۔"

"بہت سے لوگ مجبور ہیں۔ میں ان کی مجبوریاں سمجھتا
بس چند خاص لوگوں کی وجہ سے قانون کی راہ میں یہ
دٹ پیدا ہو رہی ہے لیکن یہ نئی بات نہیں ہے۔ دُنیا کے
تر ممالک میں اس سے بھی زیادہ پیچیدہ حالات پیدا
تے ہیں ان کا حل بھی دریافت ہو جاتا ہے۔"

"تو پھر اب آپ کا کیا ارادہ ہے انکل؟"

"تم سے ایک اجازت درکار ہے عالیہ۔ مجرم سامنے آ
ا ہے... ناممکن ہے کہ اسے ان حالات کے بارے میں معلوم
ہو۔ اس کے مہربانوں نے اُسے تفصیل تو بتا دی ہوگی۔
حالات میں کم از کم وہ کوئی نیا جرم تو نہیں کرے گا لیکن میں
ں پر ذہنی دباؤ ڈالنا چاہتا ہوں۔ اگر تم محسوس نہ کرو تو میں کچھ
ں کے لیے گُم ہو جاؤں۔ اس دوران حالات کا جائزہ
تے رہیں گے۔"

"کہاں جائیں گے انکل؟"

"اس سلسلے میں ابھی کوئی فیصلہ نہیں کیا ہے لیکن جہاں
جاؤں گا حالات سے باخبر رہوں گا اور مناسب وقت پر
ی قدم اُٹھاؤں گا۔"

"ٹھیک ہے انکل۔ میں آپ کے اس فیصلے سے متفق ہوں۔" میں نے کہا۔

"دراصل اس طرح مجھ پر سے وہ دباؤ بھی کم ہو جائے گا۔ مجھے خطرہ ہے کہ خود اطہر رضوی مجھ سے ملاقات کی کوشش نہ کرے۔ میرے اُس سے خاصے مراسم رہ چکے ہیں میں اس ملاقات سے بھی بچنا چاہتا ہوں۔"

"بالکل ٹھیک۔ میں اس دوران میں آپ سے رابطہ نہیں قائم کرسکتی؟"

"مشکل ہوگا عالیہ۔"

"کوئی حرج نہیں ہے۔ مجھے یقین ہے آپ نے جو سوچا ہوگا بہتر سوچا ہوگا۔" میں نے کہا اور خاموش ہوگئی۔ انکل شہریار کی اپنی پوزیشن متاثر ہوگئی تھی۔ اس وقت خود اُن کے اپنے کیریئر کی بات تھی۔ میں اپنی ضد اور اپنی خواہش کے لیے اُن کی ذات کو مجروح نہیں کرسکتی تھی۔ ہاں اس کے بعد میرا اپنا جو کردار تھا اُس پر انکل شہریار بھی اثر انداز نہیں ہوسکتے تھے۔

کافی دیر تک انکل میرے پاس بیٹھے رہے پھر اُنہوں نے اجازت مانگ لی۔

"یہاں سے گھر واپس نہیں جاؤں گا۔ گھر والوں سے میں نے کہہ دیا ہے۔ ہاں نازش وغیرہ بہر حال کسی نہ کسی طور تم سے رابطہ رکھیں گے۔ ویسے استعفے کے بعد میرا اُن پر کوئی دباؤ نہیں رہا ہے لیکن وہ اچھے لوگ ہیں۔ مجھے اُستاد کی حیثیت دیتے ہیں۔ اچھا خُدا حافظ۔" انکل شہریار مرسڈیز میں بیٹھ گئے۔ میں نے الوداعی انداز میں ہاتھ ہلا کر اُنہیں رُخصت کیا تھا اور پھر اُن کے جانے کے بعد گہری سوچ میں ڈوبی اندر واپس آگئی۔

انکل شہریار بہت بڑی حیثیت کے مالک تھے۔ وطن کے لیے اُنہوں نے ہمیشہ زندگی کی بازی لگائی تھی لیکن اطہر رضوی کے سامنے وہ بھی بے بس ہو گئے تھے۔ وہ اس کے خلاف حُکام کو متاثر کرنے میں ناکام رہے تھے۔ یہ رُوپوشی اگر اُن کی ناکامی سے منسوب کی جائے تو غلط نہیں ہوگا۔

ٹھیک ہے یہ ایسی کوئی خاص بات نہیں ہے بعض اوقات ایسے واقعات سے بھی سابقہ پڑتا ہے۔ میں بس اپنا کردار ادا کر دینا چاہتی تھی۔ اس کے بعد جو ہوگا دیکھا جائے گا... اور انکل شہریار سے ملاقات کے بعد میرے اس عزم میں اور پختگی آگئی تھی لیکن اب یہ مسئلہ میری نگاہ میں کچھ اور سنگین ہو گیا تھا۔ میں نے جو کچھ لکھا تھا وہ بہت بُرا نہیں تھا۔ اتنا نہیں تھا جتنی بڑی بات تھی۔ چنانچہ میں نے ایک فیصلہ کیا اور پھر

شیلی فون کا ریسیور اُٹھا کر صباحت صاحب کے نمبر ڈائل کیے۔

"ہیلو عالیہ بیٹی تمہارے فون کا انتظار کر رہا تھا۔"

"آج اسے روک دیں صباحت صاحب۔"

"ٹھیک ہے جیسے آپ کی مرضی۔"

"کل اس سلسلے میں مزید تیاریاں کرنی ہوں گی۔"

"اوہ۔ بہتر۔" صباحت صاحب بولے۔

"بس یہی کہنا تھا۔"

"خدا حافظ۔" صباحت صاحب نے کہا اور فون بند کر دیا۔

صباحت صاحب سے گفتگو کرنے کے بعد میں وہاں سے نکل آئی اور پھر میں نے ناصر کو طلب کر لیا۔ ناصر مستعدی سے میرے پاس پہنچ گیا تھا۔ میں نے اُس سے کہا۔

"ناصر تم فلیٹ چلے جاؤ۔ مس میری اور شمس کو یہاں لے آؤ۔ میں نے اُن سے کہہ بھی دیا تھا۔ بس تم اُن سے یہ کہنا کہ مختصر سی تیاریوں کے ساتھ یہاں آ جائیں۔"

"بہت بہتر۔" ناصر نے وجہ پوچھے بغیر کہا اور باہر نکل گیا۔

میں ایک آرام کرسی پر دراز ہو کر خیالات میں ڈوب گئی تھی۔۔۔ تقریباً پونے گھنٹے کے بعد مس میری اور شمس پہنچ گئیں اور میں اُن سے خوش گپیوں میں مصروف ہو گئی۔

اس کے بعد رات کو آرام سے سونے کے لیے لیٹ گئی آرام سے کہنا خود کو دھوکا دینا ہے۔ ذہن پر خیالات کی ایسی یلغار تھی کہ پیچھا چھڑانا مشکل ہو رہا تھا۔ بہت سی باتیں سوچ رہی تھی۔ اپنے مستقبل کے بارے میں، اخبار کے مستقبل کے بارے میں، انکل تہور یار کے بارے میں وغیرہ وغیرہ اور انہی سوچ بچار کے درمیان مجھے نیند آ گئی۔

صبح کو جاگی۔ ذہن پر کوئی خاص بوجھ نہیں تھا۔۔۔ اور شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ میں اپنے دل میں چند فیصلے کر چکی تھی اور جب کسی مسئلے میں کوئی آخری فیصلہ کر لیا جائے تو پھر بوجھ خود بخود ختم ہو جاتا ہے۔

نو بجے کے قریب دفتر چل پڑی۔ صباحت صاحب میرے پہنچنے کے چند منٹ کے بعد پہنچے تھے۔ میں اپنے کیبن میں بیٹھی تھی کہ چپراسی نے مجھے اُن کے آنے کی اطلاع دی اور میں اُن کے پاس پہنچ گئی۔

صباحت صاحب نے گردن خم کر کے میرا استقبال کیا تھا۔ "جی جناب کیا فیصلے کیے گئے ہیں؟" انہوں نے پوچھا۔

"بس صباحت صاحب آج اس سلسلے میں تیاریاں مکمل کر لی گئی ہیں۔ آپ کو اپنے جو کام کرنے ہوں وہ کر لیں۔ میں مضمون میں ذرا سی تبدیلیاں کروں گی۔ براہِ کرم مجھے مضمون واپس کر دیں۔ ہاں تصویریں وغیرہ بنوا لی ہیں؟"

"تصویریں کیا۔ میں نے تو وہ مضمون کتابت بھی کرا لیا ہے۔"

"کوئی حرج نہیں ہے صباحت صاحب۔ لائیے وہ مضمون مجھے دے دیں۔" میں نے کہا اور صباحت صاحب نے کتابت شدہ مضمون میرے حوالے کر دیا۔

"فلمیں بنوا لی ہیں اس کی؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں فلم نہیں بنوائی تھی۔ کیوں کہ تمہاری طرف سے جواب کا انتظار تھا۔" صباحت صاحب نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔" میں مضمون لے کر واپس اپنے کیبن میں آ گئی اور پھر کیبن کا دروازہ بند کر کے میں اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔ چار گھنٹے تک مسلسل میں نے اس آرٹیکل پر کام کیا تھا اور اس کے ایک ایک لفظ سے مطمئن ہونے کے بعد ہی میں نے اُسے فائنل کیا تھا۔

مضمون کو آخری ٹچ دینے کے بعد میں صباحت صاحب کے پاس پہنچ گئی۔ اس دوران صباحت صاحب فلمیں وغیرہ سیٹ کر چکے تھے۔ میں نے اُن سے کہا کہ اس مضمون کے لیے ہمیں ایک سیاہ حاشیے میں ایک پورا صفحہ مخصوص کرنا پڑے گا اور صباحت صاحب گہری نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگے، وہ میری ذہنی کیفیت کو سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے۔۔۔

"ٹھیک ہے کون سا صفحہ لو گی؟"

"میرا خیال ہے پہلا صفحہ۔"

"اوہ۔ باقی خبروں کے بارے میں کیا رائے ہے؟"

"پچھلے صفحے پر اور اندرونی صفحات پر لگائی جائیں گی۔ ظاہر ہے کل کا اخبار ہماری زندگی کے لیے کچھ اہم فیصلے کرے گا دیکھنا یہ ہے کہ وہ اہم فیصلے کیا ہوتے ہیں، حالانکہ ان کے بارے میں تجزیہ تو کیا ہی جا سکتا ہے۔"

"ہاں۔"

"آپ نے انتظامات کر لیے ہیں صباحت صاحب؟"

"ہاں بھئی میری طرف سے تو بے فکر رہو۔ میں بوڑھا آدمی ہوں اور جو لوگ میری زندگی سے وابستہ ہیں اُنہیں تم نے ضرورت سے زیادہ مطمئن کر رکھا ہے۔ باقی کیا چاہیے۔ پھانسی تو ہو گی نہیں۔" صباحت صاحب ہنس کر بولے۔

"ہاں بالکل۔" میں نے سرسری انداز میں کہا پھر بولی۔

ایک اور عرض کرنا چاہتی تھی صباحت صاحب انتہائی ۔۔۔ اور شرمندگی کے ساتھ۔ مجھے اُمید ہے کہ آپ مجھے اس ۔۔۔ معاف کر دیں گے۔" میں نے کہا۔

"خیریت۔ کہو؟"

"وعدہ کریں محسوس نہیں کریں گے؟"

"وعدہ۔"

"پچیس ہزار روپے کا ایک چیک گھر بھجوا دیں اور یہ بتائیں ۔۔۔ علاوہ اور کوئی ضرورت تو نہیں رہ جاتی؟"

"نہیں۔ بس ایک ترمیم کر دو۔" صباحت صاحب بے تکلف ۔۔۔ بولے۔

"جی۔"

"پچیس کے دس کر دو بھئی۔ ورنہ میری پوزیشن خراب ۔۔۔ ئے گی۔"

"پوزیشن کیوں خراب ہو جائے گی؟"

"سمجھا کرو بھئی گھر والے سوچیں گے کہ میں نے کہیں سے ۔۔۔ تو نہیں لی۔" وہ ہنس کر بولے۔

"مجھے یقین ہے صباحت صاحب آپ کے گھر والے ۔۔۔ بات نہیں سوچیں گے۔" میں نے ہنس کر کہا۔

"کیوں؟"

"اس لیے کہ آپ کی پوری زندگی اُن کی نگاہوں میں ہے۔"

"یہی تو سب سے خطرناک بات ہے۔ ہم ایک ایسے شخص ۔۔۔ کا لکھ رہے ہیں جس کی پوری زندگی عوام کی نگاہوں میں ہے۔"

"بہت خوب۔ اُس میں اور آپ میں فرق ہے۔"

"زمانے کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا عالیہ۔ بڑی ۔۔۔ ہوتی ہے بعض اوقات۔ انسان اور گرگٹ میں کس قدر ۔۔۔ ہے۔ بہرحال دس ہزار والی بات ایک دوسری حیثیت ۔۔۔ رکھتی ہے۔"

"وہ کیا۔۔۔؟"

"اگر ان لوگوں کو پچیس ہزار روپے مل گئے تو وہ اخراجات ۔۔۔ معاملے میں خوب فراخ رہیں گے اور سوچیں گے کہ میرا ۔۔۔ جانا اُن کے لیے کس قدر سود مند رہا ہے پھر وہ آرزو ۔۔۔ یں گے کہ میں اکثر جیل جاتا رہوں۔" صباحت صاحب ۔۔۔ اور میں ہنس پڑی۔

صباحت صاحب اسی طرح پُرمزاح گفتگو کرتے رہے ۔۔۔ کے بعد ہم کام میں مشغول ہو گئے۔ میرے نئے مضمون کو اُنہوں نے غور سے دیکھا دیکھتے رہے اور بے حد متاثر نظر آنے لگے۔

"ہاں یہ بھرپور ہے۔ پہلے سے کہیں زیادہ تاثر انگیز۔"

"لے آؤٹ بہت خوبصورت ہونا چاہیے۔"

"لے آؤٹ کی ڈمی بنا لیتے ہیں۔" صباحت صاحب نے مشورہ دیا اور میں اُن سے متفق ہو گئی۔

"کیوں نہ ہم اس صفحے کو رنگین چھاپیں؟"

"رنگین کر لو۔" صباحت صاحب بولے۔ اخبار کی زندگی میں ہم نے کسی ایک صفحے پر اس سے زیادہ محنت نہیں کی تھی۔ سارا دن تیاریاں ہوتی رہیں اور رات کو وہ صفحہ جب چھپ کر آ گیا اور ۔۔۔ ہم دونوں نے اس کی پروف ریڈنگ کر لی۔ تب کہیں جا کر فراغت ہوئی تھی اور پھر دوسرے دن کے اخبار کی تزئین یوں تھی۔ اخبار کے نام کی لوح کے خون کے سُرخ قطرے ٹپک رہے تھے اور اُن کے نیچے چار لڑکیوں کے چہرے خون میں ڈوبے ہوئے تھے۔ سُرخی تھی۔

"امینہ، شکیلہ، درخشاں، رخسانہ کے قاتل کو سزا دو۔"

"معاشرے کے بھیانک عفریت کے نوکیلے دانتوں سے ان کا خون ٹپک رہا ہے۔ اس کا چہرہ بے نقاب ہو چکا ہے لیکن ہزاروں ہاتھ اسے ڈھکنے کی کوشش میں مصروف ہیں۔ کیوں؟ آخر کیوں۔۔۔؟"

(اسٹاف رپورٹر عالیہ صغیر بھابانی کے قلم سے)

"بارش کی ایک شام میں، میں انسپکٹر سلطان کے پاس گئی جہاں امینہ نامی لڑکی انسپکٹر سے اپنی زندگی کی بھیک مانگ رہی تھی لیکن میری موجودگی میں انسپکٹر سلطان نے اُسے پاگل قرار دے کر وہاں سے بھگا دیا اور اس کے بعد مجھے اس لڑکی کی کچلی ہوئی لاش ایک بھیگی سڑک پر ملی۔"

"شکیلہ نامی ایک لڑکی نے خوف و دہشت کے عالم میں دم توڑ دیا۔ اُس نے بھی اپنی عزت لوٹنے والے ایک خون آشام کی کہانی سُنائی تھی پھر درخشاں، رخسانہ اور ایسی کئی لڑکیاں منظرِ عام پر آئیں جو ایک ہی درندے کی وحشت کا شکار ہوئی تھیں۔ میں عالیہ صغیر بھابانی قومی جذبے کے تحت اس خون آشام کی تلاش میں مصروف ہو گئی اور میری تحقیقات کا ماحصل یہ ہے۔

۱۔ مخصوص خدوخال کی لڑکیوں کو اس درندگی کا نشانہ بنایا جاتا تھا۔

۲۔ زیادہ تر یہ لڑکیاں ایسے غریب گھرانوں سے تعلق رکھتی

تھیں جو مالی مسائل میں اُلجھے ہوتے تھے اور جہاں لڑکیوں کو لڑکا بن کر رہنا پڑتا تھا۔

۳۔ ان لڑکیوں کو نارمن ٹریولرز نامی ایک جعلی فرم کے اشتہا کے ذریعے بلایا جاتا تھا اور مشرقِ وسطیٰ بھیجنے کا لالچ دیا جاتا تھا۔ تاکہ ان کے والدین اپنی بیٹیوں کی گمشدگی پر فکرمند نہ ہوں۔

۴۔ نارمن ٹریولرز کا کوئی وجود نہیں تھا اسی طرح مشرقِ وسطیٰ میں اس فرم کا بھی کوئی وجود نہیں تھا جس کا نام گرین بیگ رکھا گیا تھا بلکہ اس فرم کے جعلی نام کی نگرانی احمد انٹرپرائز نامی ایک فرم کرتی ہے جس کے پروپرائٹر کوئی احمد صاحب ہیں۔"

نوٹ: میرے پاس امینہ وغیرہ کے پاس سے برآمد ہونے والے وہ کاغذات بطور ثبوت موجود ہیں جن پر ان لڑکیوں کو۔۔ اپائنٹمنٹ لیٹر دیے گئے تھے۔

ان ساری معلومات کی روشنی میں میں ان درندہ صفتوں کی تلاش کرتی رہی جو یہ خونی کھیل کھیل رہے تھے اور میں نے بالآخر اس شخص کا سُراغ پا لیا۔ ایک دولت مند شخص جو اپنی دولت کے سہارے ولی صفت بن بیٹھا ہے ان سارے کھیلوں کا رُوحِ رواں تھا۔

اور اس کا نام ہے... اطہر رضوی

ہاں اس نام کو لیتے ہوئے مجھے لاکھوں کے شیشۂ دل پاش پاش ہو جانے کی ذمّے داری قبول کرنی پڑ رہی ہے۔۔۔ عقیدت کے ہزاروں بُت ٹوٹ رہے ہیں لیکن میں بُت شکنوں کی بیٹی۔ ان بُتوں کو توڑتے ہوئے فخر محسوس کر رہی ہوں کہ میں نے اپنے اسلاف کی روایت دُہرائی ہے۔

سینکڑوں سماجی اداروں کا یہ سرپرست خود ایک ایسی لعنت کا شکار ہے جس کو معاف نہیں کیا جا سکتا اور یہ لعنت اُس کی بہت بڑی مجبوری ہے۔ اس کے بارے میں خود اطہر رضوی نے مجھے جو کہانی سُنائی وہ یوں ہے۔

"مشیتِ ایزدی کا ایک رُوپ جو دو جُڑواں انسانوں کی شکل میں ہے کمر کے پاس سے یہ وجود دو حصّوں میں منقسم ہو جا۔ ہے۔ ان دونوں کے الگ الگ نام ہیں۔ الگ الگ ذہنیتیں ہیں۔ ان میں ایک درندہ صفت ہے۔ دُوسرا اس درندگی سے نفرت کرتا ہے۔ درندہ صفت کی زندگی کے لیے ان لڑکیوں کی ذاہمی ضروری ہوتی ہے اور اس کا پس منظر یہ ہے کہ وہ اپنی پُر ہیبت ہیئت کے باوجود ایک لڑکی کو چاہنے لگا تھا لیکن اسی خاندان کی اس لڑکی نے اسے قبول

نہ کیا جس کی وجہ سے اُس کی ذہنی کیفیت خراب ہو گئی اور
کی زندگی اسی طور ممکن ہے کہ اُسے اس خدوخال کی لڑکیو
انتقام کا موقع دیا جاتا رہے۔

قلعہ جھار نامی جگہ پر یہ خونی کھیل کھیلا جاتا تھا
بے شمار لوگ اس میں رضوی صاحب کے معاون تھے۔
اس قلعے کی ایک ایک چیز دیکھ چکی ہوں اور میں نے وہ
کھیل اپنی نظروں سے دیکھا ہے۔ رضوی صاحب نے
اپنی مجبوریاں بتاتے ہوئے کہا کہ اگر وہ ان دونوں وجود
علیحدہ کراتے تو ان کی موت کا خطرہ تھا اور وہ اپنی اولاد
لیے یہ خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے۔۔

ان عجیب الخلقت انسانوں کی نمود جرمنی میں ہو
اگر حکومت کوشش کرے تو آسے وہاں سے ریکارڈ مل
ہے۔ میں نے رضوی صاحب کو لعنت ملامت کی تو انہوں
مجھے آزاد کر دیا اور کہا کہ میں اُن کے خلاف اس مُلک میں
نہیں کر سکتی اور پھر اُنہوں نے اس اذیت گاہ کو سینی
میں تبدیل کر دیا اور بڑی دُھوم دھام سے اس کا افتتا
کیا جس میں میں بھی شریک ہوئی تھی۔

یہاں تنہائی میں رضوی صاحب سے میری گفتگو ہو
جس میں انہوں نے اعتراف کیا کہ صرف میری وجہ سے انہ
نے یہ اقدام کیا ہے۔ اس گفتگو کو میں نے ریکارڈ کر لیا ہے
ثبوت کے طور پر میں وہ ریکارڈ پیش کر سکتی ہوں۔ نیز ایک
ایسے شخص کو بھی پیش کیا جا سکتا ہے جو میری وہاں موجو
کا گواہ اور رضوی صاحب کے کارناموں میں اُن کا معاون

ابتدا میں جب میں نے اس سلسلے میں حکومت کی تو
مبذول کرائی تھی تو رضوی صاحب کے ایک خاص کارکن
بھیڑیا نے مجھے فون کیا کہ آئندہ اس بارے میں کچھ نہ لکھا
اس آواز کا ریکارڈ بھی میرے پاس موجود ہے۔ جسے میں عد
. . . . . میں پیش کر سکتی ہوں۔ اس کے علاوہ
دس ہزار روپے بھی پیش کیے گئے جو میں نے امینہ مرحو
کی والدہ اور بھائی کو بطور امداد دے دیے تھے۔

یہ حقائق ہیں اور میں اب ان حقائق کو عوام کی
میں پیش کرتی ہوں۔

۱۔ قوم کی مظلوم بیٹیاں جو حالات کی مجبوریوں
گھر کی چہار دیواری سے نکلتی ہیں اور خود کو معاشرے
کے لیے وقف کر دیتی ہیں۔ کیا عزت وقار کے ساتھ زند

نے کی مستحق نہیں ہیں؟

۲۔ کیا سماجی اداروں کو مالی امداد دے کر ایک مُجرم اپنے
جرائم کے لیے آزاد ہوتا ہے؟

۳۔ کیا ایک دولت مند کی اولاد کی زندگی اتنی قیمتی ہوتی
س کے لیے دُوسرے بے گناہوں کو قتل کیا جاتا ہے؟
اگر نہیں تو میں اہلِ دل کو دعوت دیتی ہوں کہ میری مدد
کلا میرے شانہ بشانہ آئیں اور اس کیس کو دائر کرنے میں
مدد کریں۔ میں عدالت سے ان بے گناہوں کا انصاف طلب
ں اور اگر یہ ممکن نہیں تو میں مطالبہ کرتی ہوں کہ مجھے گرفتار
یک دیوتا کی شان برقرار رکھنے کے لیے پھانسی دے
ئے۔
مجھے پھانسی دی جائے۔

یہاں پر یہ تحریر ختم تھی۔ صباحت رضوی صاحب کے
ں اس تحریر میں تشنگی تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ میں اس
ن کو ذرا تفصیل سے لکھوں لیکن میں ان حقائق کو۔۔
شکل دینے کے حق میں نہیں تھی۔ میں نے مختصراً یہ
تحریر کر دی تھی۔

بہرحال اخبار بازار میں آ گیا اور میں شمس وغیرہ سے
کے بعد دفتر پہنچ گئی۔ صباحت رضوی صاحب بھی
وجود تھے۔ ہم کافی پیتے رہے اور قہقہے لگاتے رہے
یارہ بجے پولیس کی گاڑیوں نے دفتر کی عمارت کو گھیرے
لیا اور چند پولیس افسران صباحت صاحب کے کمرے
خل ہو گئے۔

صباحت رضوی؟" ایک افسر نے سوالیہ انداز میں پوچھا۔
خادم ہے۔" صباحت صاحب نے دونوں ہاتھ۔۔۔
یے۔

محترمہ عالیہ صغیر بھایانی؟"
دونوں مجرم حاضر ہیں جناب۔" میں نے مسکراتے ہوئے
ران نے ہمارے ہتھکڑیاں نہیں لگائی تھیں۔
دفتر میں اس اخبار کی کاپیاں ہوں گی؟"
جی ہاں موجود ہیں۔"
براہِ کرم وہ ہماری تحویل میں دے دیں۔"
صباحت صاحب نے گھنٹی بجا کر ایک سب ایڈیٹر کو
رائیں سے کہا "آج کے اخبار کی جتنی کاپیاں موجود
ٹھی کر کے پولیس کے حوالے کر دی جائیں"۔۔۔ اور

سب انسپکٹر چلا گیا۔

ایس پی۔ پولیس مسکرانے لگا تھا "آپ لوگ کافی پی رہے تھے؟" اُس نے پوچھا۔

"جی جناب۔"

"میں بھی پیوں گا۔ کیا بیٹھنے کی اجازت ملے گی؟"

"اوہ تشریف رکھیے۔ صباحت صاحب بولے اور ایس۔ پی بیٹھ گیا۔ صباحت صاحب نے اس کے لیے کافی طلب کر لی تھی۔

"محترمہ عالیہ۔ کیا یہ تفصیل حقائق پر مبنی ہے؟"

"اتنے بڑے آدمی کو بلیک میل کرنا ممکن ہے جناب؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں یہ ممکن نہیں ہے۔" ایس پی نے کہا۔

"تب حقائق ہی اتنے بیباک ہو سکتے ہیں۔" میں نے بدستور مسکراتے ہوئے کہا۔

"مجھے اس کا اعتراف ہے۔" ایس پی نے کہا۔

"آپ نے مجرموں کو آزاد چھوڑ رکھا ہے ایس پی صاحب" صباحت صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میری دُعا ہے کہ آپ کے ساتھ انصاف ہو۔" ایس۔ پی نے کہا۔

"ایسی باتیں نہ کریں ایس۔ پی صاحب کہ آنسو نکل پڑیں" میں بولی اور ایس۔ پی مجھے دیکھنے لگا۔

"کیا آپ ہمیں انسانوں کی صف سے خارج سمجھتی ہیں محترمہ؟"

"ہرگز نہیں لیکن میں قانون کو مجبور نہیں دیکھنا چاہتی۔"

"قانون کبھی کسی مُلک میں مجبور نہیں ہوتا۔ ہاں بعض اوقات اس پر کچھ بوجھ آ پڑتے ہیں لیکن تاریخ شاہد ہے کہ یہ بوجھ دیرپا نہیں ہوتے۔ نہ صرف میں، بلکہ آپ کی گرفتاری کے احکامات کے وقت جتنے پولیس افسران موجود تھے سب ہی آپ کے لیے افسُردہ تھے۔ آپ بالکل مطمئن رہیں قانون کبھی آپ سے انتقام نہیں لے گا۔ ہم لوگوں میں بھی کچھ لوگ مجبور ہوتے ہیں۔ وجہ خواہ کچھ بھی ہو لیکن اُن کی تعداد انگلیوں پر گنی جا سکتی ہے۔ ورنہ ہمارا ضمیر بھی ہم سے حساب طلب کرتا ہے۔

پولیس افسر نے نہایت دوستانہ ماحول میں کچھ وقت ہمارے ساتھ گزارا اور پھر اُس نے ہم سے چلنے کی درخواست کی۔ دفتر میں ہمیں ہتھکڑی نہیں لگائی گئی تھی۔ ہاں پولیس اسٹیشن پر ہمارے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال کر کچھ تصاویر لی گئیں۔ اس کے بعد یہ زیور اُتار دیا گیا اور ہمیں لاک اپ میں

پہنچا دیا گیا۔

ذہن و دل میں ایک سکون تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے دل سے ایک بوجھ ہٹ گیا ہو۔ دوپہر کو ہمیں ایک دوسری جگہ منتقل کر دیا گیا۔ یہ بھی کوئی پولیس اسٹیشن تھا لیکن یہاں لاک اپ میں ہمارے لیے بہترین انتظامات تھے۔ یہاں ہمیں لنچ بھی دیا گیا جو صاف ستھرے برتنوں میں تھا۔

رات کو لاک اپ سے نکال کر ایک اور کمرے میں لے جایا گیا جہاں چند بڑے افسران موجود تھے۔ ایک افسر نے مجھ سے سوال کیا۔ ”وہ ٹیپ کہاں ہیں؟“

”میرے فلیٹ پر موجود ہیں۔“

”اور وہ شخص؟“

”قمر نامی ایک شخص ہے۔ پہلے جرائم پیشہ تھا۔ اب اطہر صاحب کی ملازمت میں ہے۔ اُس نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ جب میں اُسے طلب کروں گی وہ آجائے گا۔“ میں نے اصل بات گول کر دی تھی۔

”اطہر رضوی سے آپ کی کیا پرخاش تھی محترمہ؟“

”یہی کہ وہ مجرم ہونے کے باوجود آزاد ہیں۔“

”کیا آپ نے حکام سے رابطہ قائم کیا تھا؟“

”نہیں۔ قدم قدم پر مجھے جس طرح روکا گیا تھا اس سے مجھے کوئی اُمید نہیں رہی تھی۔“ میں نے جواب دیا۔

”کیا زندگی اتنی ہی ارزاں چیز ہے؟“

”اس سے بھی کہیں زیادہ آفیسر۔“

میں صرف معاشرے کے ناسوروں کو فنا کرنا چاہتی ہوں۔ میں اپنے وطن کو آلودگیوں سے پاک دیکھنا چاہتی ہوں۔“

”کیا یہ ممکن ہے؟“

”سو فی صد بشرطیکہ آپ لوگ مخلص ہوں۔“ میں نے کہا اور افسر بے حد متاثر ہو گیا۔

اُس نے کہا۔ ”بیٹے جوانی کے یہ باغیانہ جذبے بعض اوقات زندگی کے لیے ضرر رساں بھی بن جاتے ہیں۔ ازل سے خوبیوں اور خرابیوں کی فراوانی ہے۔ بُرے نہ ہوں تو بھلائی کی تمیز کیسے ہو۔ بُرائیوں کے خاتمے کا جذبہ اچھی بات ہے لیکن اس کے لیے حد سے گزرنا بہتر نہیں ہوتا۔“

”میری مسلسل ناکامیوں نے مجھے اس حد تک مجبور کیا ہے۔“

”آپ نے بھی اس نوجوان رپورٹر کو نہیں سمجھایا ایڈیٹر؟“

”حقیقت کی زبان بند کرنا میرے لیے ممکن نہیں تھا“

”آپ اس اخبار کے مالک ہیں؟“

”یہی سمجھا جائے۔“

”لیکن ہمارے علم میں آیا ہے کہ اس کا مالک کوئی اور ہے“

”یہ اطلاع بھی درست ہے لیکن مالک اس ملک میں موجود نہیں ہے اور اُس نے ساری ذمے داریاں مجھے سونپ دی ہیں۔“

”وہ کون ہے؟“

”یہ نہیں بتاؤں گا۔“

”اس کیس میں یہ ضروری ہو جائے گا۔“

”پرنٹ لائن پر میرا نام ہے۔ اس کے بعد کچھ ضرور نہیں ہے۔ اخبار کا ڈیکلریشن بھی میرے ہی نام سے ہے“

”ہوں۔ گویا مالک محفوظ رہے گا؟“

”سو فی صد۔“

”آپ لوگ اپنا بیان درج کرا دیں۔“

”اخبار کے مضمون کو ہی ہمارا بیان سمجھا جائے۔“

”یہ آخری فیصلہ ہے آپ کا؟“ افسر نے پوچھا۔

”جی۔“ صباحت صاحب نے جواب دیا۔

پوچھ گچھ کا یہ سلسلہ ختم ہوا۔ ہمیں دوبارہ لاک اپ بند کر دیا گیا تھا۔ رات کو گیارہ بجے کے قریب جب ہم کھا[نے] سے فارغ ہو چکے تھے۔ ہمیں پھر زحمت دی گئی۔ ہمیں ایک دوسرے کمرے میں لایا گیا جہاں انکل منور عالم بیٹھے ہوئے ایک افسر اُن سے باتیں کر رہا تھا۔ ہمیں دیکھ کر وہ خاموش ہو گئے۔ انکل منور عالم کے چہرے پر پریشانی عیاں تھی۔

”عالیہ بیٹے یہ سب کچھ...؟“ انہوں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

”میں نے اپنے پیشے سے انصاف کیا ہے انکل“

”لیکن تمہیں مشورہ ضرور کر لینا چاہیے تھا۔“

”ایک مجرم کی نشان دہی کی ہے میں نے۔ کوئی جرم نہیں کیا۔“

”وہ تو ٹھیک ہے لیکن...“

”فکر مند نہ ہوں انکل۔ مجھے بڑی تقویت ملی ہے سمجھیں میری آنکھیں کھلی ہیں۔ اب تک میرے ساتھ جو ہوا ہے اُس نے میرے دل کی پیاس بجھا دی ہے“

[بلن]د ہو گئی ہے۔“

[ک]یسی غلط فہمی؟“

[یہ]ی کہ ہمارے معاشرے میں بے ضمیروں کی تعداد نہ [ہونے کے] برابر ہے۔ چند افراد کی خرابی پورے معاشرے [کی خرابی ن]ہیں ہوتی۔ اس سے قبل میں بزدل تھی لیکن اب [یقین] ہے کہ چند بے ضمیر جڑ نہیں پکڑ سکیں گے۔ یہ [سب] مرجھائیں گے۔“

[یقی]ناً ایسا ہی ہوگا۔“ انکل نے کہا پھر بولے۔ ”کسی چیز [کی ضرورت] ہو تو؟“

[...]کل نہیں انکل ہم مطمئن بلکہ یوں سمجھیں خوش ہیں“ [...]اب دیا اور انکل منور عالم پولیس افسر سے بولے۔ [...]سر۔ یہ لڑکی میری بیٹی کی حیثیت رکھتی ہے۔“ [...]مطمئن رہیں۔ یہ ہماری بہن بھی ہے۔“ پولیس [...]ب دیا۔

[...]کریہ آفیسر۔“ انکل نے اجازت طلب کر لی اور پھر [...]ہمیں دوبارہ بند کر دیا گیا تھا۔

[...]اپ کی دوسری صبح ہمیں ناشتہ دیا گیا۔ میں نے [...]اخبارات طلب کیے تھے جو مجھے فراہم کر دیے [...]ت دیکھ کر میری آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھیں [...]جب تبی گم تھے۔

[...]تفصیل کو ایک نیا ہی رنگ دے دیا گیا تھا...

[...]تھیں...

[...]ر کی ایک نیک نام شخصیت کو بدنام کرنے کی ایک [...]ش۔

[...]ر رضوی ملک کی ایک ایسی مقتدر شخصیت ہیں جو کسی [...]حتاج نہیں لیکن انسان عجیب و غریب خصائل کا [...]اطہر رضوی کی یہ نیک نامی اور مقبولیت بھی کچھ لوگوں [...]ر کا باعث بن گئی۔ اس کی بنیادی وجہ یہ بھی ہے کہ [...]بات میں لوگوں نے اطہر صاحب سے الیکشن لڑنے [...]درخواست کی ہے اور وہ اس کے لیے نیم رضامند [...] تھے۔ اُن کے حریف جانتے تھے کہ اطہر صاحب کی [...]کے سامنے اُن کی دال نہیں گلے گی اس لیے انہوں [...]خبار کا سہارا لے کر ایک مذموم کوشش کی ہے لیکن [...]ں کوشش کو ناکام بنا دے گی۔ پولیس کو ان لوگوں [...]ہے جنہوں نے یہ اقدام کیا ہے۔ اخبار کے دفتر کو

سیل کر دیا گیا ہے اور اس کا پورا ریکارڈ پولیس نے اپنی تحویل میں لے لیا ہے۔ اس کے علاوہ اس کے ایڈیٹر صباحت رضوی اور رپورٹر مس عالیہ صغیر بھایانی کو گرفتار کر لیا گیا ہے۔

ہم اخبارات کی اس پالیسی کی مذمت کرتے ہیں جو کسی کے مفادات کے لیے ایسی غیر ذمے دارانہ حرکتوں پر اُتر آئیں۔

تمام اخبارات نے اسی قسم کی خبریں چھاپی تھیں۔ ایک اخبار میں ایک چھوٹی سی خبر قابلِ توجہ تھی۔ جس میں تحریر تھا کہ وکلا کے ایک اجلاس میں اس اپیل پر غور کیا گیا جو عالیہ صغیر نے کی ہے۔ اس کے علاوہ ایک سماجی ادارے نے پولیس سے مطالبہ کیا ہے کہ اس الزام کی غیر جانبدارانہ تحقیقات کی جائے۔

باقی اور کوئی بات قابلِ توجہ نہیں تھی۔ وہ دن بھی گزر گیا اور پھر دوسرے دن ایک حیرت انگیز بات عمل میں آئی۔ ہمیں طلب کر کے کچھ کاغذات پر دستخط لیے گئے اور رہا کر دیا گیا۔

”مس عالیہ اور مسٹر صباحت صاحب۔ آپ لوگوں کی ضمانت لے لی گئی ہے۔ آپ جا سکتے ہیں۔“

”کس نے ضمانت لی؟“ میں نے حیران ہو کر پوچھا۔

”محترم اطہر رضوی نے۔“ جواب ملا اور میرے تن بدن میں آگ لگ گئی۔

”لیکن میں اس ضمانت کو قبول نہیں کرتی۔“

”مجبوری ہے خاتون۔ آپ لوگ جا سکتے ہیں۔“ پولیس افسر نے کہا اور میں جلبلاتی ہوئی پولیس اسٹیشن کی عمارت سے باہر نکل آئی۔ صباحت صاحب خاموش تھے۔

”یہ اچھا نہیں ہوا صباحت صاحب۔“ میں نے کہا۔

”بُرا بھی نہیں ہوا۔ آؤ میرے ساتھ گھر چلو۔“ صباحت صاحب نے کہا اور ہم ایک ٹیکسی کر کے چل پڑے۔

”میں آپ کا موقف نہیں سمجھی صباحت صاحب۔“

”لاک اپ میں میں ایک بات سوچتا رہا ہوں عالیہ۔“

”وہ کیا؟“ میں نے پوچھا۔

”ہمیں اس دوران ایک امتحان سے گزرنا پڑا ہے۔ میرے خیال میں ہمیں بہترین تجربات حاصل ہوئے ہیں۔“

”براہِ کرم تفصیل؟“

”بعض اوقات حقیقتوں سے چشم پوشی بھی کرنی پڑتی ہے اور بڑے بڑے صاحب اثر لوگوں کو یہ کڑوی گولیاں نگلنی پڑتی ہیں۔ کیا تمہارے خیال میں منور عالم اور دوسرے لوگوں نے تمہاری ضمانت کی کوشش نہ کی ہوگی؟“

"ممکن ہے۔"

"ممکن نہیں یقینی بات ہے۔"

"خیر... پھر...؟"

"لیکن وہ کامیاب نہیں ہوئے اور وہاں بھی اطہر رضوی کی برتری قائم رہی۔ اُس نے ایک تیر سے دو شکار کیے ہیں۔"

"وہ کس طرح؟" میں نے پوچھا۔

"اگر تم گرفتار رہتیں تو تمہارے لیے ہمدردی کی ایک فضا قائم ہو جاتی... ممکن ہے وکلا سامنے آجاتے۔ بہرحال اخبارات کتنے ہی ضبط کیے گئے ہوں لیکن ان کی کچھ کاپیاں تو لوگوں کے ہاتھوں میں گئی ہوں گی۔"

"بے شک۔" میں نے کہا۔

"ضمانت کے بعد معاملہ ٹھنڈا پڑ گیا ہے اور اطہر رضوی کی انسان دوستی کی ایک اور مثال قائم ہو گئی ہے۔ اب اس معاملے کو سو فی صد سازش قرار دیا جائے گا اور یہ کہا جائے گا کہ اطہر رضوی اپنے دشمنوں کو بھی معاف کر دیتا ہے۔"

"ہاں یہ فائدہ اُٹھایا جائے گا۔" میں نے کہا۔ ٹیکسی صباحت صاحب کے مکان پر پہنچ گئی تھی۔ صباحت صاحب نے بل کی رقم منگوائی اور ٹیکسی ڈرائیور کو ادا کرنے کے بعد ہم اندر چلے گئے... تھوڑی دیر تک اُن کے گھر والوں کا ہنگامہ رہا اور پھر صباحت صاحب نے اُن سے تنہائی کی درخواست کی۔

"ہاں تو بات ادھوری رہ گئی تھی عالیہ بیٹے۔"

"جی..."

"یہ سارے فائدے اطہر رضوی کو حاصل ہوئے لیکن ہم بھی گھاٹے میں نہیں رہے۔ ہم نے بہرحال لوگوں کے دلوں میں بال ڈال دیا۔ اب ایک طبقہ تو ضرور اس بارے میں سوچے گا لیکن میں کچھ اور کہہ رہا تھا۔"

"کیا صباحت صاحب؟"

"ہمیں بھی اب چالاکی سے کام لینا چاہیے۔ جس کام کا بیڑا اُٹھایا ہے اس پر تو عمل درآمد جاری رہے گا لیکن دشمن کو چالاکی سے مات نا سود مند رہے گا۔" صباحت صاحب آہستہ آہستہ مجھے کچھ سمجھانے لگے۔ میں اُن کی تجویز سے متفق نہیں تھی تاہم میں نے کہا کہ میں سوچوں گی۔

"ویسے اب تمہارا پروگرام کیا ہے؟"

"ابھی کوئی فیصلہ نہیں کیا۔ ٹیلی فون پر کوئی اہم بات نہ کہیں ان لوگوں نے اسے ٹیپ کر لیا ہو گا۔"

"ہاں یہ عرصہ احتیاط سے گزارنا ہو گا۔" صباحت صاحب بولے۔ تھوڑی دیر کے بعد میں نے اُن سے اجازت طلب کی۔ وہاں سے سیدھی فلیٹ پر آئی تھی اور ٹیکسی میں بیٹھے بیٹھے تعاقب کا اندازہ بھی لگا لیا تھا۔ کوئی میرے پیچھے لگا ہوا تھا لیکن میں نے اس بات کی پروا نہیں کی اور فلیٹ میں داخل ہو گئی۔ اندر پہنچ کر مجھے بخوبی اندازہ ہو گیا کہ فلیٹ کے ہر کونے کھدرے کی تلاشی لے لی گئی ہے۔ وہ ڈپلی کیٹ ٹیپ بھی لے گئے تھے جن میں اطہر رضوی کی آواز ریکارڈ تھی۔ میں نے ضروری درُست کیا اور کچن میں جا کر چائے کا پانی رکھ دیا۔ چائے پیتے ہوئے میں اپنے مخصوص انداز میں سوچ رہی تھی۔ لیکن کاغذ اور پنسل میرے ہاتھ میں تھا۔

اس بات میں کوئی شک و شبہ نہیں تھا کہ اگر اطہر رضوی خود ہی میری ضمانت نہ کراتا تو اس وقت کوئی دوسری ہستی یہ ضمانت نہیں کرا سکتی تھی کیوں کہ میرے اوپر ڈبل الزام تھا۔ پریس آرڈی نینس کی خلاف ورزی اور ایک محترم شخصیت پر کیچڑ اُچھالنے کا الزام۔ اطہر رضوی کے دوستوں نے جس طرح میری جذباتی کاوش کو دوسرا رنگ دے دیا تھا۔

اور یہ حقیقت بھی تھی۔ انکل شہریار جیسی شخصیت اس کوشش میں ناکام رہی تھی تو میں کس کھیت کی مولی تھی لیکن اس آخری کوشش کی ناکامی مجھ سے برداشت نہیں ہو رہی تھی اور میں اس کا کوئی ایسا بدل چاہتی تھی جس سے میرے سینے کے یہ داغ دُھل جائیں۔ میرا اچھالنا کا ایک مضحکہ خیز بات بن گئی تھی۔

رات کے نو بجے تھے جب کسی نے کال بیل بٹن دبایا اور میں نے خود ہی دروازہ کھول دیا۔ چار خوش پوش لوگ کھڑے ہوئے تھے۔ "مجھے احمد چاندنا کہتے ہیں۔ میں وکیل ہوں۔ یہ حضرات بھی میرے دوست ہیں۔"

"تشریف لائیے۔" میں نے کہا اور وہ اندر آگئے۔ میں نے اُنہیں ڈرائنگ رُوم میں بٹھایا اور چائے سے اُن کی تواضع کی۔ ضروری رسمیات سے فارغ ہو کر چاندنا نے کہا۔

"آپ کی ضمانت کب ہوئی تھی؟"

"چند گھنٹے گزرے۔"

"اخبار کے ایڈیٹر صاحب بھی آپ کے ساتھ ہی بلا لیے گئے تھے؟"

"جی ہاں۔"

...تون۔ آپ تو خود بھی ایک معزز فیملی سے تعلق رکھتی ہیں" ...پھر میں نے ایسی مذموم حرکت کیوں کی۔ یہی کہنا چاہتے ...؟"

"...ہرگز نہیں۔ آپ کی کوشش تو بے حد جرأت مندانہ تھی ...یں اس کا رنگ ہی بدل دیا گیا۔ اُسے نہایت ذہانت ...ایسا رُخ دے دیا گیا کہ خود آپ ہی اپنے جال میں ...ں۔"

"...ں ایسا ہی ہُوا ہے۔"

"...شاید آپ کو علم نہ ہو کم از کم ہزاروں افراد ایسے تھے جو ...اخبار کی ایک ایک کاپی ایک ایک ہزار روپے میں ...پھرے ہیں۔ ٹرینوں اور ہوائی جہازوں سے جتنے اخبار ...نہیں بھی ہوائی اڈوں اور اسٹیشنوں پر رکوا دیا گیا جو ...تھے انہیں ہر ممکن ذریعے سے حاصل کر لیا گیا۔ آپ ...لیوں ناکام بنا دی گئی ہے اور اس کے ساتھ ہی ...عب کو سیلسٹی کا ایک ذریعہ بھی مل گیا ہے لیکن اگر ...ب سمجھیں تو ہم پر اعتماد کر لیں۔"

"...ں نہیں سمجھی؟"

"...ہم لوگ پُورے خلوص کے ساتھ آپ کی معاونت کرنا ...ہمیں بتائیں ان تفصیلات کے پیچھے کیا ہے؟" ...نے جو حوالے دیے ہیں ان کی تصدیق کر لیں۔"

"...اس دوسرے وجود کو آپ نے خود دیکھا ہے؟"

"...ں۔ میں نے دیکھا ہے۔"

"...طہر رضوی صاحب نے آپ سے اس کا اقرار بھی ...

"...ں۔" میں ٹھنڈی سانس لے کر بولی۔

"...چیزیں۔ وہ ثبوت؟"

"...یے آپ کو ایک ثبوت تو دے ہی دوں۔" میں نے ...ہوئے کہا اور ان چاروں وکلا کو لے کر فلیٹ کے کمرے ...ہاں سارا سامان بے ترتیب پڑا تھا۔ "یہ سب کچھ ...س لیے نہیں کیا کہ آپ حضرات آتے ہوں گے۔ اگر ...ں کا وجود نہیں تھا تو انہیں تلاش کرنے کی ضرورت ...ں آئی؟"

"...بلاشبہ۔ قابلِ غور بات ہے۔"

"...بہرحال ان باتوں کو جانے دیں۔ میں اطہر رضوی کے ...نا ہار گئی ہوں۔ مجھے احساس ہو گیا ہے کہ میں اس کے خلاف کچھ نہیں کر سکوں گی۔"

"اس وکالت نامے پر دستخط کر دیں۔ آپ کو وکیلوں کی ضرورت پیش آئے گی۔ ہم اس سلسلے میں اپنی خدمات پیش کرتے ہیں۔ بغیر کسی معاوضے کے ہم آپ کی پیروی کریں گے۔ یہ آپ کی سچائی کا اعتراف اور حالات کے سامنے آپ کے سرنگوں ہونے کا اظہارِ افسوس ہے لیکن محترمہ۔ ایک بات پر یقین رکھیں سچائی کی آواز دب ضرور جاتی ہے فنا نہیں ہوتی۔ وہ بار بار اُبھرتی رہتی ہے۔ اُس وقت تک جب تک اُس کی برتری ثابت نہ ہو جائے۔ اگر آپ سچی ہیں تو آپ کا یہ مقدمہ صرف اس مُلک کی عدالت میں نہیں ایک اور عدالت میں بھی چل رہا ہے جو آسمانوں میں قائم ہے اور تاریخ کا ہر ورق گواہ ہے کہ فیصلہ آسمانوں کی عدالت سے ہی ہوتا ہے۔" چاندنا نے کہا اور میری آنکھوں میں آنسو آگئے۔

میں نے وکالت نامے پر دستخط کر دیے تھے اور پھر میں نے کہا۔ "چاندنا صاحب آپ نے میرے ذہن کی تاریکیوں میں جو مشعل روشن کی ہے میں اس کے لیے بے حد شکر گزار ہوں۔ میں آپ کے اس سہارے کو زندگی بھر یاد رکھوں گی۔"

چاروں افراد تھوڑی دیر تک بیٹھے دلجوئی کی باتیں کرتے رہے اور پھر چلے گئے۔ میں ٹھنڈی سانس بھر کر حالات پر غور کرنے لگی تھی۔ زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ ایک بار پھر دروازے پر دستک ہوئی اور میں اُس طرف بڑھ گئی۔ اس بار جو شکلیں نظر آئیں وہ اجنبی تھیں۔

"محترمہ عالیہ؟" ایک نے کہا۔

"جی..."

"کیا آپ تنہا ہیں یا اندر اور کوئی موجود ہے؟"

"کوئی نہیں ہے۔"

"اطہر رضوی صاحب نے آپ کو طلب کیا ہے۔ کیا آپ ہمارے ساتھ چلنا پسند کریں گی؟"

میں نے صرف ایک لمحے تک سوچا اور پھر رضامندی کا اظہار کر دیا۔ بس یوں ہی دل میں سما گئی تھی۔ اس وقت تو میں بے یار و مددگار تھی ہی اور ان حالات میں مجھے زندگی کی کوئی پروا نہیں تھی۔

ایک لمبی سیاہ رنگ کی کار مجھے لے کر چل پڑی۔ ان دونوں نے مجھے پیچھے بیٹھنے کی پیش کش کی تھی اور خود آگے بیٹھے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد کار ایک خوب صورت کوٹھی میں

داخل ہوگئی اور اس کے بعد مجھے ایک اعلا پائے کے ڈرائنگ رُوم میں پہنچا دیا گیا جہاں اطہر رضوی ایک صوفے پر بیٹھا پائپ پی رہا تھا۔

مجھے دیکھ کر وہ کھڑا ہوگیا۔ "اپنی رُوٹھی ہوئی بیٹی کی خدمت میں آداب۔" اُس نے کہا۔ مجھے لانے والے واپس چلے گئے تھے میں خاموش کھڑی رہی۔ "اس پُراعتماد انداز میں آ جانے کا بھی شکریہ۔ میں جانتا ہوں کہ عالیہ سینے میں شیر کا دِل رکھتی ہے۔ بیٹھو بیٹے۔ بیٹھو۔" اُس نے کہا اور میں بیٹھ گئی۔

"تو بیٹے نے ابھی تک ہمیں معاف نہیں کیا؟"

"کس سلسلے میں رضوی صاحب؟"

"ایک ہی مسئلہ ہے ہمارا عالیہ اور کون سی بات ہوسکتی ہے۔" رضوی نے مُسکراتے ہوئے کہا۔

"آپ بہت غیر محتاط انسان ہیں رضوی صاحب۔" میں نے کہا۔

"کیوں بیٹے کیوں؟" وہ بدستور نرم لہجے میں بولا۔

"ممکن ہے میرے پاس اس وقت بھی کوئی ٹیپ ریکارڈر موجود ہو۔" میں نے کہا اور رضوی آہستہ سے ہنس پڑا۔

"تم جانتی ہو عالیہ کہ یہ ساری چیزیں میرے لیے... بے مقصد ہیں۔ تمہاری پہلی ہی کوشش نے تمہیں کون سا فائدہ پہنچایا، مجھے جواب دو... جواب دو مجھے اس بات کا اور میں غیر محتاط اس لیے بھی ہوں کہ فطرتاً جرائم پیشہ نہیں ہوں میرے دل میں تو اس دُکھی انسانیت کے لیے بڑا درد ہے۔

میں تو یہ چاہتا ہوں کہ سسکتے ہوئے انسان سسکنا چھوڑ دیں وہ انسانوں کی مانند زندگی گزاریں اور یقین کرو عالیہ اس میں کوئی مبالغہ نہیں ہے کہ مجھ سے جہاں تک بن پڑا ہے میں نے یہ کوششیں کی ہیں۔ اب میری بدقسمتی نے میری ذات پر ایک سیاہ داغ لگا دیا ہے۔ اب تم ہی بتاؤ میں کیا کروں۔ میں تو یہ سوچتا ہوں کہ کاش میرے پاس اس مسئلے کا بھی کوئی حل ہوتا تو میں اس کو پُورا کرنے میں اپنی آخری کوشش تک صرف کر دیتا لیکن مجبوری ہے اور میں اپنی اس مجبوری کے لیے تم سے معافی کا خواستگار ہوں عالیہ۔ تم ایک باپ کے جذبات کو نہیں سمجھ سکتیں لیکن یقین کرو عالیہ اولاد ایسی ہی چیز ہے، اس کے لیے سب کچھ کیا جا سکتا ہے۔ اطہر رضوی نے کہا۔

"خیر اطہر رضوی صاحب۔ ان باتوں میں کیا رکھا ہے۔ میرے پاس اب کوئی ٹیپ ریکارڈر موجود نہیں ہے اور میں جانتی ہوں کہ آپ کے وسائل لامحدود ہیں۔"

"تم نے یہ بات تجربہ کرکے ہی تسلیم کی ہے عالیہ یہ ایک افسوس ناک بات ہے۔ میں تو تم سے پہلے ہی کہہ چکا تھا۔ آخر میں بے وقوف تو نہیں ہوں۔ میں نے ایک جانب کچھ غلط کاریاں کی ہیں تو دُوسری طرف میں نے انہیں برابر کی کوشش بھی کی ہے۔ مجھے بتاؤ کہ تمہیں میرے خلاف کرنے پر کس نے اُکسایا؟"

"میرے دل نے میرے ضمیر نے۔"

"نہیں عالیہ۔ میں یہ بات نہیں مان سکتا۔ کچھ اور شخصیات بھی میرے علم میں آئی ہیں۔ میں جاننا چاہتا ہوں کہ اُن سے تمہارا کیا رابطہ ہے؟" اطہر رضوی نے پوچھا۔

"کیا میں اُن شخصیتوں کا نام جان سکتی ہوں اطہر صاحب؟"

"میں کبھی نہیں بتاؤں گا۔ بلکہ تمہیں خود اُن کے بارے میں انکشاف کرنا ہوگا۔"

"بہت خوب، شاید اس طرح آپ اپنے کچھ مخالفین کے خلاف کوئی محاذ قائم کرنا چاہتے ہیں؟"

"نہیں نہیں نہیں۔" اطہر رضوی کی آواز میں غرّاہٹ پیدا ہوگئی۔ "مخالفین کو ختم کرنا میرے لیے بہت ہی معمولی سا کام ہے۔ میں تو یہ جاننا چاہتا ہوں کہ تمہیں میرے خلاف کس نے اُکسایا ہے اور میری مخالفت میں کون ایسا شخص ہے جو اس بھرپُور طریقے سے تمہاری مدد کر رہا ہے۔ میں اس کا نام جاننا چاہتا ہوں۔"

"اس کے بارے میں آپ کو بتا چکی ہوں۔"

"یعنی تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ تنہا تم اس سلسلے میں کام کر رہی ہو۔" اطہر رضوی نے سوال کیا۔

"ظاہر ہے میرا مددگار اور کون ہوسکتا ہے۔"

"خیر عالیہ اگر تم اس بات پر مُصر ہو تو میں اسے بھی تسلیم کرتا ہوں۔ میرے جتنے مخالفین ہیں اپنی موت آپ مر جاتے ہیں۔ تم دیکھ چکی ہو کہ مجھے ہاتھ پاؤں ہلانے کی ضرورت بھی پیش نہیں آتی۔ تم نے اخبار میں ایک پُورا صفحہ ترتیب دے کر ایک ڈرامائی کوشش کی تھی جس کا علم بھی مجھے اس وقت ہوا جب ان کوششوں کا سدِباب کر لیا گیا تھا۔ میں نے تو کوئی احکامات بھی نہیں دیئے تھے اور اگر میں کسی کو کسی سلسلے میں احکامات دے دُوں تو پھر اُس کا ٹھکانا زمین کی گہرائیوں میں ہوگا جہاں سے کوئی اس کے بارے میں [illegible]

...سکے گا۔ یہ سب کچھ میرے ان معمولی سے دوستوں نے ... جنہیں میں نے کبھی نہیں نوازا اور تم اس حقیقت ... طرح سے جان چکی ہو، مجھے بتاؤ عالیہ... میں تمہیں ... کارروائی کے سلسلے میں کیا سزا دلواؤں؟"

... میں نے اپنی اس سزا کا بھی مطالبہ کیا تھا رضوی صاحب۔"

... کیا مطلب؟"

... میں نے کہا تھا مجھے پھانسی دلوائی جائے۔"

... وہ ایک جذباتی حماقت تھی۔"

... نہیں رضوی صاحب۔ آپ اسے حماقت نہیں کہہ سکتے ... حقیقت تھی، میرے دل کی آواز تھی۔"

... عالیہ آخر تم مجھے ہی اس دُنیا میں مجرم کیوں سمجھتی ہو؟ ... سماج اور معاشرے کی رگوں پر سرطان کی حیثیت رکھنے ... لاتعداد مجرم اس دُنیا میں دندناتے پھر رہے ہیں، تم نے ... طرف توجہ کیوں نہیں کی۔ مجھے بتاؤ عالیہ کیا صرف میں ہی ... ایک گنہگار نظر آتا ہوں۔ میں جو اپنی ایک اولاد کو زندہ ... رکھنا چاہتا ہوں۔ میں جو مجرم نہیں ہوں لیکن میری بدنصیبی نے ... جرم کی طرف راغب کر دیا ہے۔ عالیہ غور سے سُن لو میری ... بات کو انتہائی غور سے سُن لو۔ میں اپنے بچوں کو ہلاک ... نہیں کر سکتا، کسی قیمت پر بھی نہیں۔ میں انہیں موت کی آغوش ... میں نہیں دے سکتا۔ خواہ اس کے لیے مجھے چند ایٹم بم خرید ... کر دُنیا کے مختلف حصے تباہ کرنے پڑیں۔ میں تباہی کی انتہائی ... حدوں تک پہنچ جاؤں گا۔ میں ہر اُس چیز کو فنا کر دُوں گا ... جو میرے بچوں کی زندگی کے آڑے آئے گی۔ یہ میرا آخری فیصلہ ... ہے عالیہ۔ بالکل قطعی اور آخری فیصلہ۔ جب تک میں زندہ ہوں ... اپنے بچوں کو قائم رکھوں گا اور مرتے وقت بھی یہ کوشش کرتا ... رہوں گا کہ میرے بچوں کو کوئی گزند نہ پہنچے۔ یہ میرا پہلا اور آخری ... فیصلہ ہوگا۔ اس کے علاوہ مجھ سے جو کچھ کہا جائے میں کرنے کو ... تیار ہوں۔"

"رضوی صاحب میں ایک بات کا جواب چاہتی ہوں..." ... میں نے کہا۔

"ہاں ہاں کہو۔"

"آپ مجھے اتنی حیثیت کیوں دے رہے ہیں۔ آپ مجھے چٹکیوں میں مسل سکتے ہیں پھر آپ میری زندگی کو ختم کیوں نہیں کر دیتے ... لڑکیوں کی طرح جنہیں آپ اپنے بیٹے کی ہوس کی بھینٹ ... چڑھا چکے ہیں۔"

"عالیہ میں نے بذاتِ خود کچھ نہیں کیا ہے، بس چند لوگوں کو اُن کی ذمے داری سونپ دی تھی، وہی سب کچھ کرتے رہے ہیں پہلے قادر بھٹی یہ کام کرتا تھا اب اُس کے بعد دُوسرے چند لوگ ہیں یقین کرو عالیہ میں نے خود کبھی کچھ نہیں کیا جو کچھ میرے کانوں تک پہنچتا رہا ہے اُسے سُن کر مجھے اتنی ندامت ہوتی ہے کہ میں بیان نہیں کر سکتا لیکن جب مجھے اُن کی زندگی کا خیال آتا ہے تو میں معذور ہو جاتا ہوں میں خود غرض بن جاتا ہوں اور میں اپنی اس خود غرضی کو ترک نہیں کر سکتا۔ عالیہ تم بھروسا کرو۔ مجھے تم سے محبت ہے، میں تمہیں کسی تکلیف میں نہیں دیکھنا چاہتا۔ میرے اُوپر جو کچھ بھی تم نے لکھا اور اس کے جواب میں تمہارے ساتھ جو کارروائی کی گئی میں اُس سے خوش نہیں ہوں اور کیا تم اس بات پر بھروسا کرو گی کہ تمہاری گرفتاری کی اطلاع ملتے ہی میں نے اعلا حکام کو ٹیلی فون کر دیا تھا کہ تمہیں کوئی گزند نہ پہنچے۔ تمہارے ساتھ کوئی بدسلوکی نہ کی جائے اب اسے تم کوئی بھی نام دے لو۔ میں اس میں بھی اعتراض نہ کروں گا کہ اگر تم مجھے جھوٹا کہو۔ میری بچّی میری درخواست ہے کہ تو مجھے معاف کر دے۔ میں تجھ سے معافی مانگنا چاہتا ہوں۔ میں تیرے خلاف کچھ نہیں کرنا چاہتا۔ یقین کرو تمہارے خلاف کچھ نہیں کرنا چاہتا۔"

اطہر رضوی کی آواز گلوگیر ہوگئی۔ میں خاموشی سے اُسے دیکھتی رہی تھی ظاہر ہے اس شخص کی اداکاری پر میرے ذہن میں کوئی جذبہ پیدا نہیں ہوسکتا تھا۔ میں تو صرف ایک بات جانتی تھی کہ وہ اُن معصوم لڑکیوں کا قاتل ہے جن کا کوئی قصور نہیں تھا۔

چند ساعت خاموش رہی اس دوران ہم اپنے اپنے خیالات میں ڈُوبے رہے تھے پھر میں نے نرم لہجے میں پوچھا۔

"آپ نے مجھے کیوں طلب کیا ہے رضوی صاحب؟"

"اس کی ایک خاص وجہ ہے عالیہ۔ میں اپنی ساری باتیں کہہ چکا ہوں اب اور کچھ نہیں کہوں گا۔ ہاں یہ بتاؤ اخبار میں تمہاری کیا حیثیت ہے۔" اطہر رضوی نے پوچھا۔

"میں رپورٹر ہوں اس کی۔"

"کیا اخبار کا ایڈیٹر ہی اخبار کا مالک ہے؟"

"نہیں۔ صباحت صاحب کا بیان ہے کہ اخبار میں سرمایہ کسی اور شخص کا لگا ہوا ہے البتہ منتظم اعلا وہی ہیں۔"

"مجھے تعجب ہے کہ وہ عمر رسیدہ اور تجربہ کار شخص بھی

تمہاری باتوں میں آگیا اُس نے تمہاری بات کیسے تسلیم کرلی؟ کہ میرے خلاف پُورا صفحہ چھاپ دے؟"

"اس کے لیے میں نے صباحت صاحب کو مجبور کیا تھا" میں نے جواب دیا۔

"بار بار یہی بات میرے ذہن میں کھٹکتی ہے کہ تم لوگ تنہا نہیں ہو۔ تمہاری پُشت پر دُوسرے لوگ بھی موجود ہیں۔ بس مجھے اُن کے بارے میں معلوم ہو جائے۔ میں کچھ اور نہیں چاہتا"

"آپ کی اس بات سے میرے ذہن میں ایک سوال پیدا ہوتا ہے رضوی صاحب۔ آپ کسی سے خوف زدہ بھی ہیں"

"نہیں... لیکن اگر مجھے ان لوگوں کے بارے میں معلوم ہو جائے تو میں انہیں اپنا دوست بنانے کی کوشش کروں۔ اس سے زیادہ میری کوئی اور خواہش نہیں ہے"

"خیر آپ اس کے لیے پریشان نہ ہوں۔ ایسی کوئی شخصیت ہماری پُشت پر نہیں ہے۔ اگر کوئی ہوتا تو ہماری مدد ضرور کرتا"

"تب تم بڑی ہی بے وقوف لڑکی ہو۔ میں کسی سے ذاتی دشمنی نہیں چاہتا۔ تم نے انفارمیشن کے احکامات کی بھی خلاف ورزی کی ہے۔ میں اپنا کیس ختم بھی کرا دوں... تب بھی وہ کیس ضرور چلے گا تم پر۔ بہرحال میں کوشش کروں گا کہ اخبار کا ڈیکلریشن بحال ہو جائے اور تمہارے اُوپر سے سارے مقدمات ختم ہو جائیں۔ فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہو سکے تو میری مجبوری کو سمجھ کر میرے بارے میں اپنا رویّہ نرم کرنا۔ ورنہ پھر میں یہی کہوں گا کہ کوشش کرتی رہو۔ جب میرے لیے ناقابلِ برداشت ہو جاؤ گی تو سڑک کی کسی گندی نالی میں تمہاری لاش مل جائے گی"

اطہر رضوی کے لہجے میں بے پناہ غرور تھا۔ میں نے اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا اور خاموش بیٹھی رہی لیکن اس کے یہ الفاظ دل میں چبھ گئے تھے۔ گویا میں اس قدر حقیر تھی۔ کیا انسان کے ہاتھوں میں انسان کی زندگی دے دی گئی ہے۔ اطہر رضوی کتنی ہی بھیڑ کی کھال اوڑھ لے وہ بھیڑیا ہے اور یہ بھیڑیا جب تک زندہ رہے گا معصوم لڑکیاں اسی طرح اس کی بھینٹ چڑھتی رہیں گی۔

"اب تم جا سکتی ہو" اُس کی نفرت بھری آواز اُبھری۔ اور میں نے واپسی کے لیے قدم اُٹھا دیے۔

باہر وہی دونوں آدمی موجود تھے۔ میں نے اُن کی یہ پیش کش مسترد کر دی کہ مجھے میرے فلیٹ پہنچا دیا جائے اور کوٹھی سے نکل کر پیدل چل پڑی۔ دُور دُور تک کوئی ٹیکسی نہیں تھی۔ مجھے تعاقب کا بھی خدشہ تھا۔ پھر ایک سڑک پر مڑ رہی تھی کہ نیلے رنگ کی ایک کار میرے نزدیک پہنچ کر رُک گئی۔ میں نے چونک کر دیکھا۔ ناصر تھا۔ اُس نے دروازہ کھول دیا۔

"تم...؟" میں نے تعجب سے کہا۔

"تشریف لائیے چیف؟"

"بے وقوفی کی ہے تم نے ناصر۔ جاؤ چلے جاؤ۔ فلیٹ پر مجھے فون مت کرنا۔ ان دونوں سے کہنا میں محفوظ ہوں"

"اوہ لیکن...؟"

"پلیز ناصر۔ جاؤ۔ جاؤ" میں نے کہا اور ناصر نے دروازہ بند کر لیا پھر اُس نے کار آگے بڑھا لی اور تھوڑی دیر کے بعد نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ یہ بے چارہ نہ جانے کہاں سے پیچھے لگا ہوا تھا۔ یہ سب میرے لیے جس قدر مضطرب ہوں گے میں جانتی تھی... لیکن...

کافی دُور پیدل چلنے کے بعد ٹیکسی ملی اور میں اس میں بیٹھ کر فلیٹ چل پڑی۔ فلیٹ پر کسی کی موجودگی میرے لیے تکلیف دہ ہوتی۔ یہ خوش بختی تھی کہ کوئی موجود نہیں تھا اور پُرسکون تنہائی میسّر تھی۔ میں اس تنہائی میں سوچنا چاہتی تھی اور میں سوچتی رہی۔ لاتعداد خیالات ذہن میں تھے... میں اگر چاہتی تو یہ ملک چھوڑ کر جا سکتی تھی۔ میرے پاس بھی دولت کی کمی نہیں تھی۔ والد صاحب کے انتقال کے بعد میں تو غیروں کو چھوڑ کر اپنوں میں آئی تھی لیکن...

میری فطرت شاید یہاں کے ماحول کو سمجھ نہیں سکی ہے مجھ میں کوئی ایسی خامی ہے جو مجھے ناکامیوں سے دوچار کر رہی ہے۔ وہ کیا خامی ہے۔ میں بس اسی نکتے سے واقف ہونے کی خواہش مند تھی۔ بہت سی باتیں سوچیں اور پھر نیند آنے لگی۔ میں گہری نیند سو گئی تھی۔

دُوسری صبح کال بیل سے ہی آنکھ کھلی تھی۔ میں نے گاؤن بدن پر ڈالا اور آنکھیں ملتی ہوئی دروازے پر پہنچ گئی۔ انکل منوّر عالم افشاں اور فرزانہ تھے۔ دونوں لڑکیوں کے چہرے اُترے ہوئے تھے۔ اندر داخل ہوتے ہی وہ مجھ سے لپٹ گئیں۔ دونوں رونے لگی تھیں۔

"ارے ارے خُدا کی بندیو۔ تم دونوں کو کیا ہو گیا" میں

نے حیرت سے کہا اور ان دونوں کو بازوؤں میں بھینچ لیا... نورعالم خاموش کھڑے تھے۔ بمشکل تمام میں نے ان دونوں دخاموش کرایا۔ "چلو اندر چلو۔ بیٹھو"

"آپ ہمارے ساتھ چلیں۔ بس تیاری کریں ہمارے ساتھ چلیں" فرزانہ نے کہا۔

"چلوں گی بھئی۔ آؤ تو سہی" میں ان لوگوں کو لے کر ندر آ گئی۔ انکل منوّر عالم بھی سنجیدہ تھے۔

"دونوں بے وقوف مسلسل پریشان ہیں حالانکہ میں نے ہا تھا کہ عالیہ تمہارے جیسی نہیں ہیں۔ وہ بالکل پریشان نہیں م لوگ بھی پریشان نہ ہو لیکن بس کیا کہوں" منوّر عالم بولے۔

"آپ چلیں باجی۔ بس یہاں سے چلیں" میں نے بھی ب لمحے کے لیے سوچا جو فیصلہ میں نے کیا تھا اس کے فت یہ چند روز مجھے خاموشی سے گزارنے تھے۔ یہاں فلیٹ بں نہ جانے کیسے کیسے واقعات سے دوچار ہونا پڑے۔ اس یے ان لوگوں کے ساتھ چلے جانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

چنانچہ میں تیار ہو گئی۔ تھوڑے سے سامان کے ساتھ بں اُن کے ساتھ نیچے اُتر آئی۔ انکل کی سیاہ رنگ کی بینیڈوج مڑی ہوئی تھی۔ وہ خود ہی اُسے ڈرائیو کرتے ہوئے لائے ھے چنانچہ اس بار بھی انہوں نے ہی اسٹیئرنگ سنبھال لیا۔

"تمہارے لیے اب بھی خطرات ہیں عالیہ؟" انہوں نے پوچھا۔

"قطعی نہیں انکل" میں نے مطمئن لہجے میں کہا۔

"ہُوں۔ رضوی نے تمہاری ضمانت کرائی ہے؟"

"جی ہاں"

"تم نے یہ ضمانت قبول کیوں کر لی؟" منوّر عالم بولے۔

"میں نے نہیں کی تھی۔ بس انہوں نے کہا کہ ہماری ضمانت ہو چکی ہے۔ اب ہم لاک اپ میں نہیں رہ سکتے"

منوّر عالم چند ساعت خاموش رہے پھر بولے "آج کے خبارات تو نہیں دیکھے ہوں گے تم نے؟"

"نہیں انکل کہاں۔ آپ کی بیل پر تو آنکھ کھلی تھی" میں نے جواب دیا۔

"ہُوں۔ موجود ہیں دیکھ لینا"

"کوئی خاص بات ہے انکل؟"

"ہاں مدح سرائی کی ہے انہوں نے"

"کرنی ہی تھی۔ مقصد یہی تھا"

"ویسے بیٹے۔ تم نے بڑی جلد بازی کی۔ اگر ہم لوگوں سے مشورہ بھی کر لیتیں تو ہم تمہیں اس اقدام سے باز رکھتے"

"آپ مجھے حق گوئی سے باز رکھتے انکل؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں لیکن کم از کم تمہیں اس بات سے آگاہ ضرور کرتے کہ اس کے خلاف کسی کارروائی کی کیا نوعیت ہونی چاہیے اور کون سا قدم اس کے لیے موثر رہے گا" منوّر عالم نے جواب دیا۔

"ویسے انکل میرے مضمون کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟"

"پاگل کر دیا ہے اس مضمون نے مجھے۔ مجھ سے زیادہ بھائی صاحب کی حالت خراب ہے۔ مجھ سے تو اچھی خاصی جھڑپ ہو گئی"

"کیوں؟"

"اطہر رضوی اُن کی نگاہوں میں بھی فرشتہ صفت ہے اور وہ اس بات پر چراغ پا تھے کہ ایسا لغو مضمون اُس کے نام سے کیوں منسوب کیا گیا۔ میں البتہ سخت پریشان تھا"

"آپ کیوں پریشان تھے انکل؟" میں نے مسکرا کر پوچھا۔

"اگر یہ تحریر تمہاری نہ ہوتی عالیہ تو میں بھی یہی سوچتا کہ کسی حاسد نے اطہر کی شہرت پر ایک ضرب لگانے کی کوشش کی ہے لیکن تم نے ساری باتیں اپنے حوالے سے لکھی ہیں"

"جی ہاں۔ یہ تو ہے"

"مجھے یاد آیا تھا درمیان میں بھی تم اس کے بارے میں چھان بین کرتی رہی ہو"

"یہ قصّہ بہت پُرانا ہے انکل"

"لیکن اس کی حقیقت کیا ہے؟"

"اپنے مرحوم باپ کی قسم۔ ایک ایک لفظ حقیقت پر مبنی ہے۔ اپنی ماں کی قسم اس میں حبّہ برابر جھوٹ نہیں ہے آپ کے سامنے یہ قسمیں ہی میری سچائی ہیں اور میں آپ کے علاوہ کسی اور کے سامنے قسمیں نہیں کھاؤں گی" میں نے کہا اور منوّر عالم سکتے میں رہ گئے۔

اس کے بعد بقیہ راستے میں وہ کچھ نہ بول سکے تھے۔ لڑکیاں بھی خاموش رہی تھیں۔ گھر پہنچ کر ہم ڈرائنگ رُوم میں جا بیٹھے "میں اس انکشاف پر پاگل ہو رہا ہوں۔ اطہر رضوی۔ اطہر رضوی" منوّر عالم نے پریشان لہجے میں کہا۔

"اس کے باوجود انکل۔ وہ انوکھی شخصیت ہے... اگر اصُول کی بات نہ ہوتی تو میں اسے معاف کر دیتی" میں نے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"وہ دوہری شخصیت کا مالک ہے۔ اولاد کی محبت میں حد سے گزر جانے والا۔ اس کے اندر انسانیت اور شرافت موجود ہے اور وہ فطرتاً ایک نیک انسان ہے لیکن وہ دوہرا وجود اس کے لیے ایک نفسیاتی مرض بن گیا ہے اور اس کے شعور کی گہرائیوں میں اُسے زندہ رکھنے کی خواہش دیوانگی بن گئی ہے یہ دیوانگی اُسے دوہری فطرت دیتی ہے اور وہ دو زبانیں بولتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اگر اُس کی اولاد کا وجود خطرے میں ہُوا تو وہ ایٹم بم خرید کر علاقوں کو تباہ و برباد کر ڈالے گا۔ قتلِ عام کرے گا۔ اس نے مجھ سے کہا ہے کہ میرے اُوپر سے سارے مقدمات ختم ہو جائیں گے اور اگر میں اُس کے لیے ناقابلِ برداشت ہو گئی... تو میری لاش شہر کی کسی گندی نالی میں پڑی ہوگی۔"

"کیا۔ کیا ضمانت کے بعد تم سے یہ بات ہُوئی تھی؟"

"ہاں۔ کل رات کو اُس نے مجھے طلب کیا تھا۔"

"اوہ... اور اُس نے یہ گفتگو کی؟"

"جی انکل۔"

"تعجب ہے۔ خُدا کی قسم تعجب ہے۔ مجھے تفصیل سے بتاؤ عالیہ۔ بڑی حیران کُن بات ہے میرے لیے۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔" اور میں نے امینہ کے قتل سے لے کر اب تک کی ساری رُوداد انکل منوّر عالم کو سُنا دی۔ اس میں مشرقِ وسطٰی کا سفر، امیر الشاط کی قید اور باقی سارے واقعات بھی بتا دیے۔ صرف دو شخصیتوں کو میں نے چھپایا تھا، بن عارف اور انکل شہریار۔ ان کے بارے میں میں نے کوئی تذکرہ نہیں کیا تھا۔ انکل منوّر عالم پاگلوں کی طرح مُنہ پھاڑے یہ کہانی سُن رہے تھے۔ میرے خاموش ہونے کے بعد دیر تک اُن کے مُنہ سے کوئی آواز نہیں نکلی پھر وہ ہوش میں آئے اور بولے۔

"اور تم بے وقوف لڑکیو۔ اسے اپنی مانند سمجھتی ہو... اپنے جیسا جانتی ہو اُسے۔ یہ گرفتاری اس کے لیے کیا حیثیت رکھتی ہے؟" ان کا تخاطب افشاں اور فرزانہ سے تھا۔

"یہ حقیقت ہے انکل۔ یہ گرفتاری میرے لیے کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔"

"تعجب ہے لیکن جھوٹ بھی نہیں ہے اطہر رضوی... بہرحال اب وہ اتنی بڑی چیز بھی نہیں ہے کہ پورا مُلک اُس کی مُٹھی میں ہو۔ میں صدرِ مملکت سے ملوں گا اور اس کے بارے میں..."

"اوہ۔ نہیں انکل۔ آپ کو میری قسم ہے آپ ایسی کوئی کارروائی نہیں کریں گے۔" میں نے کہا۔

"کیوں؟"

"غرور میں ڈُوبے ہُوئے اُس شخص نے کہا ہے کہ میری لاش کسی نالی میں پڑی ہوگی۔ میں اسے ان الفاظ کی سزا دُوں گی۔"

"نہیں عالیہ بیٹی تمہیں اس کی اجازت نہیں دُوں گا۔" منوّر عالم بولے۔

"یہ میری آن کا سوال ہے انکل۔ مجھے اُمید ہے آپ مجھے مجبُور نہ کریں گے۔"

"لیکن بیٹے..."

"وقت گزرنے دیں انکل۔ وقت گزرنے دیں۔ ویسے مجھے اپنے وطن سے بڑی شکایت ہے۔" انکل منوّر عالم نے گردن جُھکا لی اور پھر گہری سانس لے کر بولے۔

"نہیں بیٹی وطن سے بددل نہ ہو۔ بعض اوقات ایسے لوگ اپنی مُجرمانہ سازشوں سے مسلّط ہو جاتے ہیں اور خود وطن کی زمین کو نقصان پہنچا دیتے ہیں لیکن ہم نے ایسے لوگوں کو ساری زندگی سُرخرو نہیں دیکھا بلکہ اُن کا انجام بے حد عبرت ناک ہوتا ہے۔ ایسی لاتعداد مثالیں تمہارے سامنے موجود ہیں۔"

"ہاں یہ دُرست ہے انکل۔" میں نے کہا۔

"اخبار کے ایڈیٹر صاحب کی بھی ضمانت ہو گئی؟"

"جی ہاں۔ میرے ساتھ ہی۔"

"ویسے ان لوگوں نے بھی خوب تعاون کیا تم سے۔ وہ خود بھی عتاب کا شکار ہو گئے۔"

"ایک بات عرض کرنا چاہتی ہُوں انکل۔" میں نے کہا۔

"ہاں کہو۔"

"آپ کی حیثیت میرے لیے ایسے بزرگ کی ہے کہ میں آپ سے کوئی بات پوشیدہ رکھ کر خود بھی شرمسار رہتی ہُوں۔"

"کیا مطلب؟"

"اخبار میرا اپنا ہے۔ میں ہی اس کی مالک ہُوں۔ صحافت میرا شوق ہے اور صحافت کی اصل زندگی کو اپنانے کے لیے ہی میں نے یہ ڈھونگ رچایا ہے۔ اگر میں اخبار کی مالک رہتی تو سچی صحافت کا اصل رنگ برقرار نہیں رہ سکتا تھا اس لیے میں نے خود کو مالک نہ رکھا۔"

"اوہ۔" انکل منوّر عالم کے علاوہ لڑکیاں بھی چونک پڑیں۔

نہیں۔" "تو کیا تمہارے مالی وسائل؟"

"کئی کروڑ روپے چھوڑے ہیں ابّو نے میرے لیے سب کا سب بے کار پڑا ہُوا ہے۔ کوئی مصرف نہیں ہے اس کا۔"

"اور تم ایک چھوٹے سے فلیٹ میں زندگی گزار رہی ہو؟"

"جی ہاں۔ میں نے عرض کیا تھا کہ سچی زندگی کا لُطف اُٹھانے کے لیے۔"

"خُدا کا احسان ہے کہ تمہیں ایسی کسی مشکل کا شکار نہیں ہونا پڑا۔ میں خود بھی حیران تھا۔ صغیر بھایا نی کی زندگی کے ساتھ کوئی ایسی خاص بات نہیں چپکی ہُوئی تھی جس سے یہ تصوّر کیا جاتا کہ وہ اپنی کمائی ہُوئی دولت کسی غلط طریقے سے گنوا بیٹھا ہوگا۔ مجھے حیرت تھی عالیہ لیکن میں نے کبھی تم سے اس کی تفصیل نہیں پُوچھی۔ بہرحال آج بڑے بڑے انکشافات ہُوئے ہیں لیکن بیٹے سچی زندگی گزارنے کا مقصد یہ نہیں ہے کہ تم اپنے اُوپر تعیشات کے دروازے بند کر لو۔ آخر یہ دولت کس کام آئے گی۔ عیش کرو۔ اپنی پوزیشن سامنے لاؤ۔"

"نہیں انکل۔ انسان کی اصل پوزیشن اُس کی اپنی ذات میں پوشیدہ ہوتی ہے۔ آپ یقین کریں۔ مجھے زندگی گزارنے میں کوئی دقت پیش نہیں آتی۔ میں بڑی مطمئن... اور خوش کن زندگی گزار رہی ہُوں۔ ویسے میں نے ایک بہت خُوبصورت اور عالی شان کوٹھی بھی خرید لی ہے۔ جب کبھی خود کو بڑا دیکھنے کا شوق ہوتا ہے تو اس کوٹھی میں منتقل ہو جاتی ہُوں۔"

"ارے وہ کہاں ہے؟" افشاں ایک دم بول پڑی۔

"ہے افشاں۔ تمہیں بھی دکھاؤں گی۔" میں نے مُسکراتے ہُوئے جواب دیا۔

"ہُوں تبھی تو میں سوچ رہی تھی کہ آخر یہ مس میری اور شمس کہاں ہیں۔ یقیناً وہ اس کوٹھی میں ہوں گی۔" افشاں بولی۔

"ہاں حالات ایسے ہی ہیں کہ ان دونوں کو میں نے فلیٹ پر رکھنا مناسب نہیں سمجھا۔"

"بڑی ہی چالاک ہیں آپ عالیہ باجی کیسی مسکین اور معصوم بنی پھرتی ہیں۔ اب پتہ چلا کہ آپ بھی سرمایہ دار ہیں۔" افشاں نے کہا۔

"چھوڑو افشاں۔ سرمایہ کیا حیثیت رکھتا ہے اس کے بارے میں تم بھی بہتر طور پر واقف ہو۔"

"بہرحال عالیہ بیٹی۔ اب تم کچھ دن میرے ساتھ رہو... بھائی جان بھی تمہارے سلسلے میں ذرا سے بددل ہیں۔ میں تمہاری اُن سے مُلاقات کراؤں گا اور اُنہیں بتاؤں گا کہ اصل صُورتِ حال کیا ہے... رہا اطہر رضوی تو میں مانتا ہُوں کہ اُس نے کثیر دولت خرچ کر کے جو چکر چلا رکھے ہیں اُن کی آڑ میں وہ بہت زیادہ نیک نام بن گیا ہے لیکن کب تک اپنا چہرہ نقاب میں رکھ سکے گا۔ بالآخر ایک نہ ایک دن یہ نقاب اُتر ہی جائے گا۔ ہم لوگ بھی اس سلسلے میں بھرپور کوشش کریں گے تم اس سلسلے میں بالکل بے فکر رہو۔" انکل منوّر عالم نے کہا۔

"میں بالکل بے فکر ہُوں انکل اور آپ سے عرض کر چکی ہُوں کہ آپ کوئی کوشش نہ کریں اطہر رضوی کو بہرحال میں ہی سزا دُوں گی ہاں ایک گزارش ضرور ہے۔"

"کیا...؟" منوّر عالم نے پوچھا۔

"انکل آج تک میں نے کبھی مکّاری سے کام نہیں لیا لیکن مجھے احساس ہو رہا ہے کہ یہی میری سب سے بڑی حماقت تھی اور اب میں اس حماقت کا ازالہ کرنا چاہتی ہُوں۔"

"کیا مطلب؟"

"مقصد یہ کہ میں ماحول کو وہی چیز دُوں گی جو اس کی ڈیمانڈ ہے۔ جو اس کی ضرورت ہے۔ مجھے آج تک جو ناکامی ہُوئی ہے اس کی بُنیادی وجہ یہی ہے۔ چنانچہ میں اگر کوئی ایسا کام کروں یا کوئی ایسی بات کروں جس پر آپ کو میری ذات ہلکی نظر آئے تو براہِ کرم میرے بزرگ کی حیثیت سے اسے محسوس نہ کریں میں کسی سے یہ الفاظ نہ کہتی لیکن آپ سے جو رشتہ قائم ہے اُسے میں نظر انداز نہیں کر سکتی۔ میں نہیں چاہتی آپ کے دل میں میرے لیے کچھ غلط خیالات پیدا ہوں..."

"اوہ... اوہ میں سمجھ رہا ہُوں لیکن نجانے تمہارا کیا پروگرام ہے؟"

"میرا ابھی کوئی پروگرام نہیں ہے انکل۔ البتہ آنے والے وقت میں میں خود اپنا پروگرام ترتیب دُوں گی۔"

"ٹھیک ہے بیٹے۔ تم نے مجھے یہ بتا دیا۔ تمہارے بارے میں میرے دِل میں ایک عجیب سا احساس قائم ہو گیا ہے میں اسے مجرُوح نہیں دیکھنا چاہتا۔ تم نے مجھے بتا دیا بہت اچھا کیا۔"

بہت دیر تک ان لوگوں سے گفتگو ہوتی رہی پھر میں نے ٹیلی فون کرنے کی اجازت مانگی اور فون کے نزدیک پہنچ گئی۔ میں نے عابدہ لاج کے نمبر ڈائل کیے اور ریسیور کان سے لگا لیا۔ دُوسری طرف سے مس میری نے فون ریسیو کیا تھا۔

"مس میری عالیہ بول رہی ہُوں۔"

"کہاں ہیں عالیہ بی بی؟"
"اس وقت تو انکل منوّر عالم کی کوٹھی میں ہوں۔ ذرا شمس اور ناصر کو بُلا دو۔" مَیں نے کہا۔
"اچھا ہولڈ کریں۔" مس مہری نے کہا اور تھوڑی دیر کے بعد شمس کی آواز سنائی دی۔
"عالیہ۔ جان کیسی ہو؟"
"بالکل ٹھیک۔ تم سُناؤ۔"
"ہائے عالیہ۔ کئی پونڈ کم ہو گئی ہوں۔"
"زیادہ دُبلا ہونا اچھی بات نہیں ہے مطمئن رہو سب ٹھیک ہو جائے گا۔"
"کب آؤ گی...؟"
"ابھی نہیں۔ بلکہ یوں سمجھو ایک طویل عرصے تک نہیں۔ حالات خطرناک ہیں تم لوگوں کو سامنے نہیں لانا چاہتی۔ آرام سے رہو۔ مجھے فون کرنے کی ضرورت نہیں ہے میں خود ہی رابطہ قائم کروں گی۔"
"ٹھیک ہے۔" شمس نے کہا۔
"ناصر آ گئے؟"
"جی موجود ہیں۔"
"فون دے دو۔" میں نے کہا اور چند ساعت کے بعد ناصر کی آواز سُنائی دی۔
"ہیلو ناصر بھئی کل رات تمہاری آمد میرے لیے بے حد خطرناک ہو گئی تھی۔ کہاں سے تم نے میرا تعاقب شروع کیا تھا؟"
"اُس وقت سے میں آپ کے پیچھے تھا عالیہ صاحبہ جب آپ کو پولیس نے دفتر سے اُٹھایا تھا۔"
"ارے... اور اس کے بعد؟"
"بس آپ کے پیچھے رہا۔ جن تھانوں میں آپ کو منتقل کیا گیا وہاں میں نے نگرانی رکھی اور اندر کے حالات سے بھی باخبر رہا۔"
"اندر کے حالات سے؟"
"جی ہاں۔"
"وہ کس طرح؟"
"ہمارے اپنے وسائل بھی ہوتے ہیں۔ میں نے طے کر لیا تھا کہ اگر کہیں آپ کے ساتھ بدسلوکی کی گئی تو چیف میں خونریزی شروع کر دوں گا۔ نتیجہ جو بھی نکلے۔"
"اوہ۔ خُدا کا شکر ہے۔ اس کی نوبت نہیں آئی۔" میں نے کہا۔
"بس میں اسی وقت سے آپ کے پیچھے تھا چیف، میری خواہش ہے کہ مجھے استعمال کریں۔ میں اس قدر ناکارہ بھی نہیں ثابت ہوں گا۔"
"مجھے یقین ہے ناصر۔ تم یہ احساس کیوں کرتے ہو کہ تم کسی طور ناکارہ ہو۔ اگر تمہارے ذہن میں وہ رات ہے تو میں تم سے یہی کہوں گی کہ یہ تمہاری احمقانہ سوچ ہے اور کچھ نہیں۔ میرے ذہن کسی گوشے میں تمہارے لیے ایسا کوئی تصوّر نہیں ہے، بلکہ میں اپنے لیے بے حد کارآمد اور ایک محبت کرنے والا انسان سمجھتی ہوں، تم یہ احساسات ذہن سے نکال دو۔"
"ٹھیک ہے چیف۔"
"بس میں تمہیں چند ہدایات دینا چاہتی ہوں ناصر... فی الوقت مجھ سے دُور رہو، جب تک میں تم لوگوں سے رابطہ قائم نہ کروں۔ تم مجھ سے ملنے کی کوشش مت کرنا اور نہ ہی میرے لیے فکرمند ہونے کی ضرورت ہے۔ کم از کم ایک بات میں جانتی ہوں کہ میری زندگی کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔"
"ٹھیک ہے چیف۔" ناصر نے جواب دیا۔
"اچھا بس تم سے یہی کہنا چاہتی تھی۔ خُدا حافظ۔" میں نے کہا اور ٹیلی فون بند کر دیا۔ اس کے بعد میں واپس ابھی لوگوں میں آ گئی تھی۔ افشاں اور فرزانہ تو تھیں ہی بےوقوف۔ اب انہیں اس بات کا سودا ہو گیا تھا کہ میں نے یہ مُہم کیسے سرانجام دی۔ میرے ذہن میں مستقبل کے کیا پروگرام ہیں وغیرہ وغیرہ۔ میں بھی اُن کی حماقتوں میں شامل ہو گئی۔

یوں وقت عمدہ گزر گیا اور گزرتا رہا۔ چند روز کے لیے میں نے بالکل خاموشی اختیار کر لی تھی۔ پرائیٹ نگری کی عمارت خالی ہو چکی تھی۔ دوبار انکل شہریار کے گھر بھی فون کیا لیکن ان سے مُلاقات نہیں ہوئی تھی۔ انکل منوّر عالم نے میری درخواست پر وکیل چاندنا سے رابطہ قائم کر لیا تھا اور چاندنا نے میرے اس کیس کی ساری ذمّے داریاں سنبھال لی تھیں۔

مقدمہ ضرور قائم ہو گیا تھا لیکن چونکہ اطہر رضوی کی طرف سے کوئی ہمّت افزائی نہیں تھی اس لیے کیس کی نوعیت معمولی رہ گئی تھی پھر ایک شام اطہر رضوی نے فلیٹ پر مجھے فون کیا اُس کی آواز سُن کر میں سنبھل گئی تھی۔ "رضوی بول رہا ہے عالیہ بیٹے۔"
"ہیلو رضوی صاحب۔"
"بھئی میں نے اخبار کا ڈیکلریشن بحال کرنے کی ہدایات دے دی ہیں۔ کل صباحت صاحب کو انفارمیشن آفس بھیج دینا۔

یرہ سنبھال لو۔"
"میں شکر گزار ہوں رضوی صاحب۔" میں نے کہا اور
ں نے فون بند کر دیا۔ اس فون کے بعد میں سوچ میں
ئی تھی۔ میرے ذہن میں بہت سے خیالات تھے میں ایک
لابی قدم اُٹھانا چاہتی تھی۔ گو یہ قدم میری شخصیت پر
در پر سیاہی پھیر دیتا لیکن میرے دل میں نفرت کا جو جہنم
رہا تھا میں اُس سے مغلوب ہو گئی تھی اور اب میں اُنہی
ں پر کام کرنا چاہتی تھی جو رائج نہ تھے۔ یہ بات میری
وچ کا نتیجہ تھی۔
چنانچہ میں نے اس فون کے بعد صباحت صاحب کو
ا اور دُوسری طرف سے صباحت صاحب کی آواز سُن کر کہا۔
"سر میں آپ سے ملاقات کرنا چاہتی ہوں۔ ابھی ابھی
ضوی صاحب کا فون ملا ہے۔"
"اوہ۔ اچھا کوئی خاص بات ہے؟"
"جی ہاں سر۔ اُنہوں نے مجھے خوشخبری سُنائی ہے کہ انہوں
رے اخبار کا ڈیکلریشن بحال کرا دیا ہے۔ کل آپ انفارمیشن
جا کر ہدایات وصول کر لیں۔"
"اوہ۔ اچھا اچھا۔"
"تو میں آپ سے کہاں ملاقات کروں؟"
"میرے گھر آ جاؤ۔"
"میں پہنچ رہی ہوں سر۔" میں نے فون رکھ دیا اور پھر
باحت صاحب کی طرف چل پڑی۔ تھوڑی دیر کے بعد میں
ہ سامنے بیٹھی تھی۔ "دفتر کے دُوسرے لوگوں سے رابطہ
رلیں صباحت صاحب۔ پرسوں ہم اخبار چھاپیں گے۔"
"ہوں۔ ٹھیک ہے۔"
"میں اخبار کے لیے ایک مضمون لکھ رہی ہوں۔"
"اوہ۔ کس نوعیت کا؟"
"آپ دیکھ لیں۔ دلچسپ ہو گا۔"
"مم۔ میرا خیال تھا عالیہ۔ ہمیں کچھ توقف کرنا چاہیے۔ کیا
دن بھی تم رضوی کے خلاف لکھو گی؟"
"ہاں۔ یہ مضمون بھی اس کے خلاف ہی ہو گا لیکن سمجھنے
ا کے لیے۔"
"کیا مطلب؟"
"مضمون دیکھ کر اندازہ لگائیں۔" میں نے کہا اور صباحت
ب گردن ہلانے لگے۔ میں نے اُنہیں مختلف ہدایات دیں اور
اس کے بعد میں وہاں سے چلی آئی پھر تیسرے دن اخبار چھپا اور اس میں میرا یہ مضمون بھی چھپا تھا۔
"شاخسانہ"
"۲۷ جولائی کی اشاعت میں چونکا دینے والے جذبے کے ساتھ ایک صفحہ شائع کیا گیا تھا۔ یہ عوام کا ایک نفسیاتی تجزیہ تھا مقصد یہ تھا کہ کسی نیک نام شخصیت پر اگر کیچڑ اُچھال جائے تو اس کا ردِعمل کیا ہوتا ہے لیکن عوامی ردِعمل معلوم ہونے کے بجائے ہمیں خود لینے کے دینے پڑ گئے۔ لاک اپ میں رہے۔ اخبار کا ڈیکلریشن کینسل ہو گیا اور گوناگوں مسائل میں اُلجھنا پڑا لیکن اچھے کردار کی کچھ اور اچھائیاں سامنے آئیں جن سے عوام کو آگاہ کرنا ضروری ہے۔ یہ مضمون اطہر رضوی کے خلاف تھا۔ جس میں اُن پر گھناؤنے الزامات لگائے گئے تھے۔ پولیس نے بھرپور ایکشن لیا لیکن ہم ناقابلِ ضمانت لوگوں کی ضمانت اسی فرشتہ صفت ا[illegible]ان نے کرائی اور پھر اخبار کا ڈیکلریشن بحال کرنے میں بھی اسی نے ہماری مدد کی۔ ہم اس تجربے کو دلچسپ بھی کہتے ہیں اور افسوسناک بھی، بہرحال جو کچھ ہوا اس پر ہم رضوی صاحب سے معافی مانگتے ہیں۔ اخبار اُن کا شکر گزار ہے کہ انہوں نے ہمارے ذہنوں پر اپنی برتری قائم رکھی۔"
عالیہ صغیر بھابانی۔
صباحت صاحب نے اس مضمون کی نہ مخالفت کی تھی نہ موافقت۔ بس خاموش رہے تھے لیکن رُوحِ مضمون اُن کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ اگر تجزیہ کیا جاتا تو یہ توصیف بھی اطہر رضوی کے لیے ایک تازیانہ تھی۔ میں نے عوام کو بتایا تھا کہ سچ لکھنے کے لیے ہمیں کن مصائب سے گزرنا پڑا اور جب تک ہم نے اُس سے معافی نہ مانگی ہمارے اُوپر عرصۂ حیات تنگ رہا لیکن یہ بات سمجھنے والوں کے لیے تھی۔ میں نے صحافت کی ایک چال چلی تھی جو صباحت صاحب کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔
دوپہر کا وقت تھا۔ میں اخبار کے دفتر میں ہی بیٹھی تھی کہ کسی نے میرے کیبن کے دروازے پر دستک دی۔ "آ جاؤ..." میں نے کہا لیکن جو کوئی اندر آیا تھا اُسے دیکھ کر میں سنبھل گئی یہ بُقراط تھا۔ نہایت سنجیدہ اور کسی قدر بدلا ہوا۔ اُس کی مُٹھی میں اخبار کی رول کی ہوئی کاپی دبی ہوئی تھی اور اُس کے ہونٹ بھنچے ہوئے تھے تب اُس نے کہا۔
"ایک مشورہ دینے حاضر ہوا تھا خاتون۔ آپ کو صحافت ترک کر کے اب شادی کر لینی چاہیے۔ دو چار بچے پیدا کر لیں اور

سکون کی زندگی گزاریں۔ نیک مشورہ ہے اور مفت بھی۔" اُس نے مُٹھی میں دبا اخبار کھولا اور اُس کے پُرزے پُرزے کر کے میرے مُنہ پر دے مارا۔ اُس کے چہرے پر بے پناہ نفرت تھی اور میں حیرت سے اُسے دیکھتی رہ گئی۔

بقراط جیسے ٹھنڈی فطرت کے مالک انسان سے ایسی کسی حرکت کی توقع میرے لیے ناممکن تھی

میں تعجب سے اُسے دیکھتی رہی پھر سرد لہجے میں بولی۔

"کیا یہ کوئی مذاق ہے؟"

"یہ مذاق تو آپ نے کیا ہے مس عالیہ۔ آپ کو لوگوں کے جذبات سے کھیلنے کا حق کس نے دیا ہے؟" بقراط نے چیختے ہوئے لہجے میں کہا۔

"تصور عالم صاحب، میں ڈرامائی گفتگو کی عادی نہیں ہوں۔ آپ تو بہروپ بدلنے کے ماہر ہیں لیکن میں کوئی بہروپ نہیں بدل سکتی۔ نہ ہی بہروپ کو سمجھنے کی صلاحیت رکھتی ہوں اس لیے اگر کچھ کہنا چاہتے ہیں تو صاف اور واضح الفاظ میں کہیں۔ آپ نے اخبار کے پُرزے کر کے میرے مُنہ پر مارے ہیں اور میں آپ سے اس بدتمیزی کا حساب لوں گی۔ آپ کو اس بدتمیزی کا حق کس نے دیا ہے؟"

"میں جذباتی انسان نہیں ہوں مس عالیہ لیکن آپ کے لیے دل چاہتا ہے کہ آپ کو سنگسار کر دوں؟" بقراط بولا اور نہ جانے کیوں غصے کے باوجود مجھے ہنسی آ گئی۔ مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں تھی لیکن تجسس ضرور پیدا ہو گیا تھا۔

"تشریف رکھیے؟" میں نے کہا اور وہ کُرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔

"جی کیوں سنگسار کریں گے آپ مجھے؟"

"آپ نے سارا بھرم توڑ دیا میرا۔"

"وہ کس طرح؟"

"کیا اخبار کا مضمون آپ کے کمزور ارادوں کا مظہر نہیں ہے؟"

"براہِ کرم مزید وضاحت کریں؟"

"آپ نے صحافت کا مذاق اُڑایا ہے۔ اتفاق سے حالات میرے علم میں ہیں۔ میں جانتا ہوں آپ کی کیا حیثیت ہے۔ اگر یہ بات تھی تو آپ نے اپنی ہمت سے بڑھ کر کام کیوں کیا تھا۔ آپ نے اطہر رضوی کی نقاب کُشائی کیوں کی تھی؟

"اور پھر آپ نے نہایت بھونڈے الفاظ میں اُس کی تردید کی ہے تاکہ آپ کی روزی برقرار رہے۔ کم از کم آپ سے یہ توقع نہیں تھی... آپ ایک بڑے باپ کی بیٹی ہیں۔ کروڑوں روپے کی جائداد اور دولت ہے آپ کے پاس، ایک اخبار بند ہو جاتا تو کیا تھا؟"

"آپ کا اس سے کیا تعلق بقراط اعظم؟"

"صرف اتنا مس عالیہ کہ میں آپ کے عزائم کی قدر کرتا تھا۔"

"بدبختی سے میں آپ جیسے بے کردار انسانوں کے درمیان رہ رہی ہوں مسٹر تصور عالم۔ جس مُلک کے نوجوان بے حس ہوں اُس میں کوئی جذباتی کیفیت کیسے قائم رہ سکتی ہے!"

"یہ آپ کی غلط فہمی ہے۔ بلکہ یوں کہا جائے کہ یہاں آپ کی فطرت میں عورت جھلک رہی ہے تو غلط نہ ہوگا۔"

"کاش تم مرد لوگ اس کمزور عورت کے جذبات کا کوئی تاثر قبول کر سکتے۔" میں نے کہا۔

"لیکن مس عالیہ۔ اخبار کا ڈیکلریشن بحال ہونے کے بعد آپ نے یہ توصیفی مضمون کیوں لکھا؟"

"میری مرضی۔ میں کسی کی پابند نہیں ہوں۔"

"آپ ہیں مس عالیہ۔ یہ آپ کی غلط فہمی ہے۔"

"ہرگز نہیں یہ تم لوگوں کی بزدلی کی علامت ہے۔ میں نے قانونی اور اخلاقی جُرم کے خلاف جدّوجہد کی۔ مصائب اُٹھائے لیکن تنہا رہی۔ کسی نے بھی میرے ساتھ تعاون نہ کیا۔"

"میں نے آپ کے ساتھ قدم ملائے ہیں مس عالیہ۔ حالانکہ آپ نے کسی کو ساتھی نہیں بنایا تھا۔ آپ نے سارے میدان تنہا مارنے چاہے تھے لیکن اس کے باوجود میں آپ سے پیچھے نہ رہا۔"

"آپ...؟" میں نے اُسے شرارت سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں میں۔ یاد کریں۔ میں آپ کے قرض کی رقم واپس کرنے آیا تھا اور اسی دوران انسپکٹر سُلطان آپ کے پاس آ گیا۔ اُس کے اور آپ کے درمیان ہونے والی گفتگو سے مجھے کچھ سن گن ملی لیکن چونکہ حقیقت معلوم کرنے میں کچھ دیر ہو گئی اور اس دوران میں آپ مشرقِ وسطیٰ فرار ہو گئیں۔ آپ کو کیا معلوم کہ آپ کو تلاش کرنے میں مجھے... کتنی مُشکلات پیش آئی تھیں... اور اگر بھاگ دوڑ کر کے میں امیر النشاط تک نہ پہنچتا تو ساری طراری دھری رہ جاتی۔ میں نے آپ کو اُس گدھے سے محفوظ رکھنے کے لیے کیا نہیں کیا؟"

"آپ نے...؟ لیکن میں تو اس محسن کو بن عارف کے نام سے جانتی ہوں۔"

"ضروری نہیں تھا کہ میں آپ کو سب کچھ بتا دیتا۔ اگر میں نہ چاہتا تو آپ کو میری کوٹھی سے وہ انگوٹھیاں نہیں مل سکتی تھیں۔ مجھے معلوم ہے کہ آپ نے بڑے جتن کر کے اور ڈاکٹر فرزانہ کو قابو میں کر کے سب کچھ معلوم کر لیا تھا۔"

"خوب تو آپ بن عارف ہونے کا اعتراف کر رہے ہیں؟"

"صرف آپ کی بات کا جواب دینے کے لیے۔ اس کے بعد

پُرجوش فطرت اطہر رضوی سے جا اُلجھی اور مجھے یہاں بھی آپ کی مدد کرنی پڑی۔ اُس رات اگر میں آپ کو اُٹھا کر نہ لے جاتا تو..."

"کس رات کی بات کر رہے ہیں؟"

"اُس رات کی جب آپ اطہر رضوی کے عشرت کدہ میں رونق افروز تھیں۔"

"ارے ارے آپ تو اپنے نیر دلی ہونے کا اعتراف بھی کر رہے ہیں۔ وہی وہ غیر ملکی تھے؟" میں نے مُسکراتے ہوئے کہا۔

"مجھے آپ سے سخت شکایت ہے مس عالیہ۔ آپ کو یہ توصیفی مضمون نہیں لکھنا چاہیے تھا۔"

"پچھلی باتیں ابھی پوری نہیں ہوئیں جناب نواب زادہ صاحب، کیا آپ ہی نیر دلی تھے۔ آپ ہی مجھے اُٹھا کر اطہر رضوی کی رہائش گاہ پر لے گئے تھے؟"

"جی۔ اُس وقت آپ کی حفاظت وہیں ہو سکتی تھی کیونکہ آپ کو چپے چپے میں تلاش کیا جا رہا تھا۔"

"خیر۔ وہ ٹھیک ہے لیکن آپ کے کتنے رُوپ ہیں۔ بقراط، تصور عالم، ذیشانی، بن عارف، نیر دلی اور نہ جانے کیا کیا۔ کیا آپ جیسا بہروپیا قابلِ اعتماد ہو سکتا ہے؟"

"میں کسی بھی رُوپ میں رہا آپ کے لیے نقصان دہ تو نہیں رہا۔"

"قابلِ اعتماد بھی نہیں رہے مسٹر بقراط۔ بہرحال آپ نے میری جہاں حفاظت کی اور جس رُوپ میں بھی کی، اس کے لیے میں شکر گزار ہوں اور اس کا ہر ممکن صلہ بھی دے سکتی ہوں لیکن اس کے باوجود بھی میں آپ کو یہ حق نہیں دے سکتی کہ آپ میرے دفتر میں داخل ہو کر اس بے تکلفی کا مظاہرہ کریں۔ میں صرف اُن احسانات کے عوض آپ کو معاف کرتی ہوں جو آپ میری ذات پر کر چکے ہیں لیکن میری اس ہدایت کو یاد رکھیں۔ میں دوبارہ آپ کو اپنے قریب نہیں دیکھنا چاہتی۔"

وہ خاموشی سے مجھے دیکھتا رہا اُس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔ پھر اُس نے بے پروائی سے دونوں شانے ہلائے۔

"ہاں یہ آپ ٹھیک کہتی ہیں، آپ کو کسی کام کے لیے مجبور نہیں کیا جا سکتا لیکن میری درخواست ہے مس عالیہ کہ آپ جو کر رہی ہیں اس کو اس طرح ملیا میٹ نہ کریں۔"

"میں آپ کی یہ درخواست ماننے سے انکار کرتی ہوں۔"

"آپ کو انکار نہیں کرنا چاہیے میں آپ کو تعاون کی پیش کش کرنے آیا ہوں۔"

"کیسا تعاون...؟" میں نے تمسخرانہ انداز میں پوچھا۔

"آپ کو علم ہے کہ میں نے اُس وقت سے اطہر رضوی کا قرب حاصل کرنے کی کوششیں شروع کر دی تھیں جب سے آپ کی اس جدّوجہد کے بارے میں مجھے معلوم ہوا تھا۔ آپ نے اطہر رضوی کو عام طور سے میرے قریب دیکھا ہوگا۔ یہ معلوم کرنے کے بعد کہ یہ شخص اُن جرائم کی پُشت پناہی کر رہا ہے میں نے اُس کی قربت حاصل کرنا شروع کر دی تاکہ اس کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کر کے اُسے اس جُرم سے باز رکھنے کی کوشش کروں یا پھر قانون کے حوالے کرنے کی کوشش کروں۔"

"بہت خوب۔ آپ نے اس میں کہاں تک کامیابی حاصل کی؟"

"میں بھی بہرصورت اس ملک کا شہری ہوں۔ آپ کو یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ ہر دورِ حکومت میں اچھے اور بُرے ہر قسم کے لوگ شامل ہو جاتے ہیں۔ دولت کے بل بوتے پر ایک شخص طویل عرصے تک ایک عالم کو بے وقوف بنا سکتا ہے اور کچھ مراعات حاصل کر سکتا ہے تاکہ اس کے گرد ایک حفاظتی خول تیار ہو جائے۔ اطہر رضوی کی اس حیثیت کو آپ چیلنج نہیں کر سکتیں کہ اس شخص نے ملکی مفاد اور انسانیت کی بھلائی کے لیے بہت کچھ کیا ہے، میں اب یہ بات کہنے میں عار محسوس نہیں کرتا کہ وہ ایک ذہنی مریض ہے، اپنے بگڑے ہوئے بیٹوں کو بچانے کے لیے وہ مجرم بن گیا ہے، جب کہ فطرتاً وہ جرائم پیشہ شخص نہیں بلکہ وہ اپنے دل میں انسانیت کے لیے شدید ہمدردی رکھتا ہے۔ اس کا ثبوت بارہا مل چکا ہے میں خود عجیب کشمکش و رنج کا شکار ہوں۔ اطہر رضوی کو جب چاہوں سڑکوں پر گھسیٹ سکتا ہوں لیکن بس یہ احساس مار دیتا ہے کہ وہ بُرے آدمیوں میں ایک بہت اچھا انسان ہے۔"

"ٹھیک ہے مسٹر بُقراط، آپ کی بُقراطیت کا تو میرے پاس کوئی جواب نہیں ہے، البتہ کاش آپ اُن مظلوم اور معصوم لڑکیوں کو دیکھنے اور اُن کے اہلِ خاندان سے ملتے، جنہیں اس شخص نے اپنی ہوس کی بھینٹ چڑھا دیا ہے تو آپ کے دل میں اُس کے لیے کوئی ہمدردی نہ ہوتی۔ میں عورت ہوں اور اپنے جیسی عورتوں کا درد بہتر طور سے جانتی ہوں اس کمزور مخلوق کو جس طرح اس کے وسائل کی بہتری کا لالچ دے کر ہوس کی بھینٹ چڑھایا گیا میں اس بات کو کبھی نہیں معاف کر سکتی اور مسٹر بُقراط یہ جنگ جاری رہے گی جب تک میرے بدن میں خون کا ایک قطرہ بھی باقی ہے، آپ کیا سمجھتے ہیں۔ میں آپ جیسے کسی بے حس انسان کا سہارا ایک لمحے کے لیے بھی پسند نہیں کرتی، اس بے حس معاشرے کے آپ جیسے افراد میرے معاون نہیں بن سکتے۔ میں تنہا اپنی منزل کی جانب گامزن ہوں اور میں نے یہ طے کر لیا ہے کہ میری ذات میرا وجود بھی معاشرے کے اس گندے انسان کی بھینٹ چڑھ چکا ہے جو مجھ جیسی کئی لڑکیوں کو ہوس کی بھینٹ چڑھا چکا ہے چنانچہ میں وقت آنے پر جو کچھ کر سکتی ہوں کروں گی۔ اس سے زیادہ نہ مجھے کسی کی مدد کی ضرورت ہے اور نہ میں کسی کو اپنا ہمراز بنانا چاہتی ہوں۔"

میں جوش کے عالم میں نہ جانے کہاں سے کہاں جا نکلی گئی تھی اور بُقراط تعجب سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ پھر اُس کے ہونٹوں پر گہری مسکراہٹ پھیل گئی اور اُس کی آنکھوں میں سکون و اطمینان نظر آنے لگا۔

"اوہ... اوہ مس عالیہ... مس عالیہ میں آپ کا شکرگزار ہوں"

"کس بات پر...؟" میں نے تیکھی نگاہوں سے اُسے دیکھا۔

"غصے کے عالم میں آپ کے چہرے سے نقاب اُٹھ گئی۔"

"کیا مطلب؟" میں نے غصیلے لہجے میں پوچھا۔

"گویا... گویا آپ اطہر رضوی کے خلاف آج بھی اُسی طرح نبرد آزما ہیں؟" اُس نے کہا۔

"کیا...؟" میں بُری طرح اُچھل پڑی۔ "یہ تمہیں میری کس بات سے معلوم ہوا؟"

"کچھ نہیں... کچھ نہیں مس عالیہ۔ اچھا خدا حافظ۔" کہہ کر وہ کرسی سے اُٹھ گیا۔

"بیٹھو، مجھے میری باتوں کا جواب دو۔" میں نے سرد لہجے میں کہا۔

"اب اس کی ضرورت نہیں رہی ہے۔ درحقیقت میں اسی چکر میں آیا تھا کہ دو چار پتھر مار کر آپ کا سر پھاڑ دوں۔ بڑا ہی شدید غصہ آیا تھا مجھے آپ کا مضمون دیکھ کر۔ اب آپ سے گفتگو کر کے یہ احساس ہوا کہ آپ تو اپنی جگہ بالکل ٹھوس اور اٹل ہیں۔"

"نہیں مسٹر بُقراط ہرگز نہیں میں اب اس معاشرے کی غلاظت اور بُرائیوں سے تعاون کروں گی، آپ دیکھیں گے کہ میں خود بھی انہی بُرے آدمیوں کی صف میں شامل ہوں۔"

"سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ آپ جو کچھ جوش کے عالم میں بیان کر گئی ہیں، اُس نے آپ کی حقیقت اُگل دی ہے۔"

"اُف..." میں نے دانت بھینچ لیے۔ خود پر شدید غصہ آ رہا تھا۔ درحقیقت میں ان الفاظ کی گونج اپنے ذہن میں محسوس کر رہی تھی جو ابھی ادا کر چکی تھی۔ جوش کے عالم میں میں اپنی دلی بات کہہ گئی تھی اور وہ شخص اس بات پر مُسکرا رہا تھا۔

"آپ کسی غلط فہمی کو اپنے دل میں جگہ نہ دیں۔ میں نے جو کچھ کہا ہے اس کا ابھی کوئی فیصلہ نہیں کر پائی ہوں۔"

"شکریہ مس عالیہ، میں اب اور کچھ نہ کہوں گا۔ درحقیقت میرا اعتماد قائم رہ گیا ہے... لیکن آخر اخبار میں اس مدح سرائی کی کیا ضرورت تھی؟"

"فضول باتیں بند کرو۔ میں اس موضوع پر ایک بات بھی نہیں کرنا چاہتی۔"

"آپ کی مرضی... لیکن میں ایک پیشکش ضرور کرنا چاہتا ہوں"

"کیسی پیشکش؟"

...ہر تعاون آپ کے لیے حاضر ہے، میں نے آپ کے سامنے ...یقتوں کا اعتراف کر لیا ہے۔ میں بن عارف ہوں، فرویل ...درانی ہوں۔ بُقراط ہوں، تصورِ عالم ہوں سب کچھ ہوں۔ ...جو کچھ آپ کے لیے کرتا رہا ہوں، اس میں آپ پر کوئی ...تھا بلکہ یوں کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ میں آپ کا ہم نوا ...مس عالیہ میری اِن خدمات سے آپ آئندہ بھی فائدہ اُٹھا ...میری خواہش ہے کہ آپ آئندہ بھی مجھ سے رابطہ قائم رکھیں ...طور غلط آدمی ثابت نہ ہوں گا۔"

...آؤٹ..." میں حلق پھاڑ کر چلائی اور وہ تھکے تھکے ...دیکھتا رہا۔

...صورت آپ نے مجھے وہ کچھ دے کر واپس کیا ہے جسے ...ہاتھوں سے کھوتا ہوا محسوس کیا تھا۔ اب مجھے اس ...پروا نہیں ہے۔ آپ میری نگاہوں میں اب بھی اُسی ...ترام ہیں۔ بات یہ ہے مس عالیہ کہ مجھے اُن شخصیتوں سے ...اپنے دائرہ کار سے بڑھ کر صرف چند جذباتی معاملات ...بے باک ہو جاتی ہیں کہ اُن کا جُرم ان کی اپنی ذات ...بڑھ جاتا ہے۔ میری دُعا ہے کہ آپ اپنے اس جُرم میں ...؟" اُس نے کہا اور باہر نکل گیا۔ میں تعجب سے اُسے ...یکھتی رہ گئی تھی۔

...عالم کے جانے کے بعد دیر تک میں عجیب کیفیات کا ...میں سوچ رہی تھی کہ میں نے اُس کی پیشکش ...تو نہیں کی۔ میں نے اُس کے ساتھ یہ سلوک کر کے ...میں کی۔ اُس نے بہرحال میرے اُوپر بڑے احسانات ...امیر الشاط کے پھندے سے نکلنا واقعی آسان نہیں ...کی حیثیت سے نہ صرف اُس نے میری جان بچائی ...خواہش پر شمس کو بھی نئی زندگی سے ہمکنار کر دیا تھا۔ ...اطہر رضوی کی اُس منحوس رہائش گاہ میں بھی اس نے ...جان کی بازی لگا دی تھی۔ بہرحال مجھے بُقراط سے کوئی ...تھی جو ایک کھٹیچر سی موٹر سائیکل پر قرض مانگتا پھرتا ...منہ تصورِ عالم سے کوئی دلچسپی تھی... جو خود ...منا چاہتا تھا...

..." میں نے گردن جھٹک دی اور میں دوسری باتیں ...وقت صباحت صاحب کا اردلی میرے کیبن میں آ گیا۔

...نے بُلایا ہے بی بی۔"

...اچھا..." میں نے کہا اور اُٹھ کر صباحت صاحب کے دفتر کی طرف چل پڑی۔ صباحت صاحب نے نیچے رکھے ریسیور کی طرف اشارہ کر دیا اور میں نے مزید کچھ پوچھے بغیر فون اُٹھا لیا۔

"ہیلو..."

"عالیہ...؟" دُوسری طرف کی آواز میں پہچان گئی تھی۔

"جناب..."

"اپنے فلیٹ کب پہنچو گی؟"

"کوئی حکم جناب؟" میں نے ادب سے پوچھا۔

"بات کرنی ہے تم سے۔ جو یہاں نہیں ہو سکتی۔"

"جی میں اُٹھنے ہی والی تھی۔"

"آدھے گھنٹے کے بعد میں تمہیں فلیٹ پر رِنگ کروں گا۔"

"بہتر میں ابھی روانہ ہو رہی ہوں۔"

"او۔ کے۔" اطہر رضوی نے فون بند کر دیا۔ صباحت صاحب نے سوالیہ انداز میں مجھے دیکھا تھا۔

"کوئی خاص بات نہیں ہے۔ رضوی صاحب فون پر گفتگو کرنا چاہتے ہیں لیکن فلیٹ کے فون پر۔"

"خیریت تو ہے؟"

"میرا خیال ہے اسی مضمون کے بارے میں گفتگو کریں گے۔" میں نے کہا اور صباحت صاحب سے جانے کی اجازت مانگی۔ وہ مسکرانے لگے تھے۔ میں اپنا پرس اُٹھا کر نکل آئی اور بیس منٹ کے اندر فلیٹ واپس پہنچ گئی۔

ٹھیک تیسویں منٹ پر فون کی گھنٹی بج اُٹھی تھی۔ میں نے ریسیور اُٹھا لیا...

"عالیہ...؟"

"[illegible] بول رہی ہے۔"

"گرین ٹاؤن کی کوٹھی نمبر بیس میں آ سکتی ہو؟ یہ جگہ تمہارے فلیٹ سے دو میل کے فاصلے پر ہے۔"

"ضرور حاضر ہو سکتی ہوں جناب۔"

"تو براہِ کرم تکلیف کرو۔" فون بند ہو گیا۔ میں نے معنی خیز انداز میں گردن ہلائی تھی۔ گرین ٹاؤن کوٹھی نمبر بیس۔ میں نے زیرِ لب دُہرایا۔ اور پھر گاڑی کی چابی لے کر نیچے آ گئی۔ اطہر رضوی کے خلاف کوئی کوشش حماقت کے علاوہ اور کچھ نہیں تھی۔ مجھے جو کچھ کرنا تھا بہت سوچ سمجھ کر کرنا تھا۔

کار گرین ٹاؤن میں داخل ہو گئی۔ کوٹھی نمبر بیس بھی بہت خوبصورت کوٹھی تھی۔ کم از کم پندرہ سو گز پر تعمیر ہو گی۔ پورچ میں ایک خوبصورت کار کھڑی ہوئی تھی۔ میں نے اپنی کار بھی اُس کے قریب ہی کھڑی کر دی۔

برآمدے میں ایک شخص کھڑا ہُوا تھا جو تیز رفتاری سے میرے قریب پہنچ گیا۔ اُس نے جلدی سے میری کار کا دروازہ کھول دیا تھا۔

" عالیہ خاتون ؟" اُس نے سوالیہ انداز میں کہا۔

" جی ۔۔۔؟"

" تشریف لائیے۔" اُس نے کہا اور میں اُس کے ساتھ چل پڑی۔ وہ مجھے ساتھ لیے ہُوئے ایک حسین ڈرائینگ رُوم میں داخل ہوگیا۔ جہاں اطہر رضوی موجود تھا۔ اُس نے سنجیدگی سے میرا استقبال کیا۔

" بیٹھو۔۔" اُس نے صوفے کی طرف اشارہ کیا اور میں بیٹھ گئی۔ اطہر رضوی دُوسرے صوفے پر بیٹھ کر بُجھے ہُوئے پائپ کو سُلگانے لگا۔ مجھے یہاں تک لانے والا واپس جا چکا تھا۔ اطہر رضوی نے پائپ کے دو تین گہرے گہرے کش لیے اور بولا۔" سب سے پہلے میں تمہارے اخبار کے مضمون کے بارے میں بات کرنا چاہتا ہُوں۔"

" جی ۔۔" میں نے کہا۔

" جہاں تک میرے علم میں آیا ہے عالیہ۔ لوگ تمھیں ایک۔۔۔ بے باک صحافی کی حیثیت سے جانتے اور پسند کرتے ہیں۔"

" جی ۔۔؟" میں آہستہ سے بولی۔

" ایسی صُورت میں تمہارا یہ مضمون بے حد بچکانہ اور تمھاری شخصیت کے منافی ہے۔" اطہر رضوی نے کہا۔

" لیکن جناب ۔۔۔؟"

" میں اس مضمون میں تمھارے خلوص کو تلاش کر چکا ہُوں۔ اس لیے تم سے باز پُرس نہیں کر رہا لیکن یہ میرے حق میں نہیں رہا ہے عالیہ۔"

" میں نہیں سمجھی جناب۔"

" نادانستگی میں تم نے اپنے پچھلے مضمون کو پُختہ کر دیا ہے۔ سوچنے والے دُوسرے انداز میں بھی سوچ سکتے ہیں بلکہ میرا خیال ہے لوگوں نے اسی انداز میں سوچا ہوگا۔"

" کِس انداز میں ؟" میں نے معصومیت سے پُوچھا۔

" صحافت میں بڑی گتھیاں ہیں۔ اخبارات کو گہری نگاہ سے دیکھنے والے اور اس کی پالیسیوں کو سمجھنے والے تمھارے اس مضمون کو دُوسری نگاہ سے دیکھیں گے۔ وہ سوچیں گے کہ میں نے اخبار خرید لیا ہے اور یہ مضمون کسی دباؤ کا نتیجہ ہے۔ اس دباؤ کی تفصیل بھی موجود ہے۔ یعنی تمھاری گرفتاری اور اخبار کے ڈیکلریشن کی منسوخی۔ لوگ یہی سوچیں گے کہ یہ سب دباؤ کے تحت ہُوا ہے۔"

" لیکن جناب۔ میں نے تو سرے سے اُس پہلے مضمون کی حقیقت ہی ختم کر دی ہے۔" میں نے کہا۔

" بے شک تم نے نہایت ذہانت اور دیانت داری سب کچھ کیا ہے لیکن اُس میں بچکانہ پن کی علامات ملتی ۔۔۔ کچھ ہُوا عالیہ اسے بھُول جاؤ اور میری ایک ہدایت یاد ۔۔۔

" جی ۔۔۔"

" آج کے بعد اخبار میں میرے بارے میں کوئی خبر نہ ۔۔۔ جان بُوجھ کر مجھے نظر انداز کرو گی۔ بلکہ بہتر یہ ہوگا کہ کچھ دنوں ۔۔۔ میرے خلاف کچھ چھاپ دو۔"

" آپ کے خلاف ؟"

" ہاں۔ اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ بس یُوں ۔۔۔ اس مضمون کا اثر زائل کرنے کی بات ہو گی۔"

" لیکن میں کیا چھاپوں گی جناب ؟"

" بھئی کچھ بھی۔ یہ تمھاری ذہانت پر منحصر ہے۔ یُوں ۔۔۔ سینی ٹوریم کے خلاف کچھ لکھو۔ ایک بار وہاں کا دورہ کرو ۔۔۔ انتظامیہ پر نکتہ چینی کر دو۔ لکھو کہ وہاں بھی ایک مخصوص طبقہ ۔۔۔ دی جاتی ہے وغیرہ ۔۔" اطہر رضوی نے مُسکراتے ہُوئے ۔۔۔ کردو کہ تم دبے دبے الفاظ میں میرے خلاف زہر اُگلتی رہو ۔۔۔ انداز اختیار کرو کہ لوگ تمھیں میرے زیرِ اثر نہ محسوس کر ۔۔۔ تمھاری صلاحیتوں پر منحصر ہے کہ تم لوگوں کو کس طرح ۔۔۔ متوجہ کرتی ہو اور اس کے بعد تم ہر اُس شخص کے بارے ۔۔۔ اطلاع دو گی جو تمھاری نگاہ میں مشکوک ہو۔ اور اس ۔۔۔

عالیہ۔۔۔ تم جو کچھ طلب کرو گی میں تمھیں فراہم کروں گا۔ ایک ۔۔۔ ذہن نشین کر لو عالیہ۔۔۔ میری زندگی میں اس بدنصیبی کے اور کوئی جھول نہیں ہے لیکن میری وسعتیں صرف اسی ۔۔۔ محدُود نہیں ہیں۔ دُنیا کے بیشتر ممالک میں میں تمھارے ۔۔۔ سہولت فراہم کر سکتا ہُوں جو تم پسند کرو۔"

" مجھے اندازہ ہو چکا ہے رضوی صاحب۔" میں نے سے کہا۔

" اس لیے تمھاری یہ کاوشیں بے معنی نہ رہیں گی۔"

" میں تیار ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

" یقیناً۔ مجھے اُمید ہے کہ تم سمجھ داری سے کام لوگی۔ بس ۔۔۔ اسی لیے تمھیں تکلیف دی تھی۔"

" بہتر جناب۔ اجازت ؟"

" شکریہ۔۔۔ اور ہاں فون پر کبھی کوئی تفصیلی گفتگو ۔۔۔ میں تمھیں ایسے ذرائع بتا دوں گا جن کے ذریعے تم مجھ سے ۔۔۔ کر سکو گی۔"

۔۔۔ بہتر۔" میں نے جواب دیا اور رضوی صاحب سے اجازت ۔۔۔ آئی۔ یہاں سے میں سیدھی فلیٹ پر آئی تھی میرے ۔۔۔ اور نفرت کا جہنم سُلگ رہا تھا۔

۔۔۔ پر پہنچ کر میں اپنے مخصوص کمرے میں آ بیٹھی۔۔۔ میں ۔۔۔ پر غور کر رہی تھی۔ اس سلسلے میں بھی کوئی مؤثر بات ۔۔۔ تھی اور میں نے سوچنے کے لیے قلم کاغذ نکال لیا۔ پینسل ۔۔۔ کاغذ پر چلتی رہی اور پھر میں اُس وقت چونکی جب ۔۔۔ ٹی بجی۔ میں نے گہری سانس لے کر سارے کاغذات ۔۔۔ اُنھیں مُٹھی میں دبائے فون والے کمرے میں پہنچ گئی۔

۔۔۔" میں نے ماؤتھ پیس میں کہا۔

۔۔۔ عالیہ کی خدمت میں آداب۔" شمس کی آواز سُنائی دی۔

۔۔۔ ہو بیٹی۔" میں نے جواب دیا۔

۔۔۔ میں بھُول گئی ہیں۔ آپ کو یہ بات معلوم نہیں ہے۔ کہ ۔۔۔ الوطن آپ کی محبت کے خواہاں ہیں ؟

۔۔۔ ہے مجھے ۔۔۔؟"

۔۔۔ یسی بھی کیا بے مروّتی ؟

۔۔۔ رہی ہُوں تمھارے پاس۔" میں نے کہا۔

۔۔۔ نصیب۔ ویسے ان دونوں لڑکیوں کو یہاں کا نمبر آپ نے ۔۔۔

۔۔۔؟" میں نے چونک کر پُوچھا۔

۔۔۔ اور فرزانہ کو ؟" شمس نے کہا۔

۔۔۔ فون کیا تھا اُنھوں نے ؟" میں نے پُوچھا۔

۔۔۔ کیے جا رہی ہیں اور میں ہر بار پولیس اسٹیشن سے بولتی ۔۔۔

۔۔۔ ؟" میں ہنس پڑی۔

۔۔۔ تو معلوم ہی نہیں تھا حالانکہ میں نے افشاں کی آواز ۔۔۔ میں نے کہا ' پولیس اسٹیشن ' اور اُس نے فون بند کر ۔۔۔ سے بھی سات آٹھ کالیں آ چکی ہیں۔" شمس نے ۔۔۔ بے اختیار ہنس پڑی۔

۔۔۔ ہے اب بات کر لوں گی۔ تم آ رہی ہو ؟"

۔۔۔ پہنچ رہی ہُوں۔" میں نے فون بند کر دیا اور کوئی خاص ۔۔۔ لیے میں فلیٹ سے نکل آئی۔ عابدہ لاج تک ۔۔۔ پہلے تعاقب کا خیال رکھا تھا لیکن اب میری ذات ۔۔۔ کے لیے زیادہ دلکش نہیں رہی تھی اس لیے کسی ۔۔۔ کیا۔۔

عابدہ لاج کے برآمدے میں شمس اور ناصر کھڑے ہُوئے دونوں کسی بات پر بحث کر رہے تھے۔ ناصر مجھے دیکھ کر مؤدب ہو گیا۔ شمس آگے بڑھ آئی تھی۔

" مِس میری تو تمھیں اپنا سُہاگ سمجھتی ہیں عالیہ۔ جب تم نہیں ہوتیں تو ان کی کیفیت کسی بیوہ کی سی ہو جاتی ہے۔"

" ہُوں۔۔۔ اور تمھاری ؟"

" میں نے تو صبر کی عادت ڈال لی ہے۔"

" اچھی عادت ہے۔۔۔ اور ناصر تم کیسے ہو ؟"

" ٹھیک ہُوں چیف۔" ناصر نے کہا اور میں شمس کے ساتھ مِس میری کے پاس آ گئی۔ دیر تک ہم گفتگو کرتے رہے پھر تھوڑی سی تفریحات میں مشغول ہو گئے۔ کوئی خاص شغل تو تھا نہیں۔ یُوں رات ہو گئی۔ میں نے شمس کو بُقراط کے بارے میں بھی نہیں بتایا تھا۔ یہ موضوع اب سوہانِ رُوح ہو گیا تھا۔

دُوسرے دن میں نے البتہ ایک پروگرام بنایا اور گیارہ بجے کے قریب شمس کو لے کر چل پڑی۔ کار کا رُخ رضوی سینی ٹوریم کی طرف تھا۔ شمس خاموش رہی۔۔۔ طویل سفر کر کے میں سینی ٹوریم پہنچ گئی۔ وہاں کے انچارج سے میں نے کہا کہ میں پریس کے نمائندے کی حیثیت سے سینی ٹوریم کا معائنہ کرنا چاہتی ہُوں۔

انچارج ذرا حُسن پرست آدمی معلوم ہوتا تھا۔ اُس ۔۔۔ نے نہ صرف ہمارے ساتھ تعارف کیا بلکہ دوپہر کا کھانا بھی اُس نے اِصرار کر کے ہمیں اپنے ساتھ کھلایا اور اس کے بعد دُوسری ملاقات کا وعدہ لے کر رُخصت کیا۔۔۔

رات کو میں نے ایک چھوٹا سا مضمون لکھا اور فون پر صباحت صاحب کو ڈکٹیٹ کرا دیا۔ مضمون کی تفصیل سُن کر صباحت صاحب دَنگ رہ گئے تھے۔ بہر حال اُنھوں نے خاموشی سے مضمون لکھا۔۔۔ پھر بولے۔۔۔

" عالیہ بیٹی ایک بات کہوں ؟"

" جی ۔۔۔"

" میرے خیال میں یہ مضمون مناسب نہیں ہے۔"

" کیوں صباحت صاحب ؟"

" دَرپردہ یہ اطہر رضوی کے خلاف ہے۔"

" ہاں۔۔۔ مجھے احساس ہے۔ میں نے جان بُوجھ کر یہ کیا ہے۔"

" عالیہ۔ اس طرح اخبار کی پالیسی متاثر ہوتی ہے۔"

" ہرگز نہیں صباحت صاحب۔ اخبار کی پالیسی حقیقت پسندانہ ہے۔"

" اگر تم بہتر سمجھتی ہو تو ٹھیک ہے۔" صباحت صاحب بولے اور میں

نے اُن کو دُوسری ہدایات دے کر فون بند کر دیا۔

دُوسرا دن کسی اہمیت کا حامل نہیں تھا سوائے اس کے۔۔کہ تصویروں کی نظم میں نے صباحت صاحب کو بھجوادی تھی اور صباحت صاحب سے اس سلسلے میں گفت وشنید بھی ہُوئی تھی۔

"ان میں سے تصویر نمبر تین اور چار آپ اخبار میں لگا دیں میں نے ان پر نمبر دے دیے ہیں۔" میں نے صباحت صاحب سے کہا۔

"ایک بار پھر سوچ لو عالیہ، دراصل میں اس سلسلے میں بہت کچھ سوچتا رہا ہُوں۔"

"صباحت صاحب۔ آپ نے میرا مضمون دیکھ لیا ہے؟"

"ہاں..."

"ذرا دُہرایئے تو...؟"

"بہتر..." صباحت صاحب نے کہا اور پھر مضمون تلاش کر کے پڑھنے لگے۔ میں نے مضمون بڑے غور سے سُنا اور ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "ٹھیک ہے صباحت صاحب۔ میں نے سُن لیا اب آپ یہ بتائیں کہ اس میں اطہر رضوی کے خلاف کیا بات ہے؟"

"میرا مطلب ہے تم نے خاص طور سے اس ہاسپتال کا تذکرہ کیا ہے...؟"

"کوئی فرق نہیں پڑتا۔ صباحت صاحب اور براہِ کرم آپ اس سلسلے میں زیادہ پریشان نہ ہوں۔ یہ تمام ذِمّے داری میری ہے اور میں اپنی تمام ذمّے داریوں کو نبھانا جانتی ہُوں۔" میں نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔" صباحت صاحب نے جواب دیا اور میں نے فون بند کر دیا۔ اس کے علاوہ آج اور کوئی خاص کام نہیں تھا۔ چنانچہ مس مَیری اور شمس کی درخواست پر میں نے آج کا دن یہیں گزارنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ ظاہر ہے کسی کی پابند تو نہیں تھی۔ تھوڑی دیر بعد میں نے انکل تہوّر عالم کو فون کر کے اَفشاں اور فرزانہ کو اپنے پاس رکھنے کی اجازت مانگی، جو اُنھوں نے بڑی خوشی سے دے دی۔ چنانچہ میں نے ناصر اور شمس کو اُنھیں لانے کے لیے بھیج دیا۔

تین بجے کے قریب یہ چنڈال چوکڑی عابدہ لاج میں... پہنچ گئی... میں اُس وقت بھی اوپری منزل کی اُس کھڑکی میں تھی اور میں نے کار کو داخل ہوتے دیکھ لیا تھا۔

لیکن کار سے اُن لوگوں کے ساتھ بُقراط کو اُترتے دیکھ کر میرا مُنہ بن گیا تھا۔ 'یہ شخص کیوں آمرا!' میں نے سوچا۔ بُقراط کو دیکھ کر ایک لمحے کے لیے میں سوچ میں ڈوب گئی تھی۔ پھر میں نے فیصلہ کر لیا بُقراط سے زیادہ گرم جوشی کا مظاہرہ نہیں کروں گی لیکن بداخلاقی سے بھی نہیں پیش آؤں گی۔ کیا فائدہ دُوسروں کو اپنی رنجش سے آگاہ کیا جائے۔

چنانچہ میں وہاں سے اُٹھ کر نچلی منزل کی طرف چل پڑی اور پھر ہال میں میں نے اُن کا استقبال کیا... اور میں اُن سب کے ڈرائنگ رُوم میں آگئی مس مَیری کو بھی میں نے پرائیویٹ ڈرائنگ میں بُلا لیا تھا مس مَیری نے بُقراط کو دیکھتے ہی پوچھا۔

"اب کتنے رہ گئے؟"

"حساب بیباق ہے مس مَیری پُوچھ لیجیے۔ اس وقت آ ایک مہمان کی حیثیت رکھتا ہُوں۔" بُقراط جلدی سے بولا۔

تھوڑی دیر یُونہی اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں۔" یہ کوٹھی دکھائی جائے۔" افشاں نے فرمائش کی اور میں نے گر دی۔ مس مَیری باورچی خانے میں چلی گئی تھیں۔ اُنھیں شام کی چائے کا بندوبست کرنا تھا۔

افشاں اور فرزانہ کو یہ کوٹھی بے حد پسند آئی تھی۔ دونوں کی تعریفیں کرتی رہیں۔ بُقراط بھی پیچھے لگا ہُوا تھا اور سچی بات کہ میں اس کی موجودگی میں بے تکلف نہیں ہو پا رہی تھی لیکن کسی بداخلاقی کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔ پھر شام ہوگئی اور ہم پینے کے لیے ڈائننگ رُوم میں آگئے۔

"یہ تصوّر بھائی بلاوجہ ہمارے پیچھے لگ گئے ان کی وجہ تکلّف کی ایک فضا قائم ہے۔" افشاں نے کہا۔

"تکلّف کی بات یہ ہے کہ تنہا مرد ہیں اس وقت۔" فرزانہ بُقراط زیادہ دُور نہیں تھا۔ مجھے یقین تھا کہ اُس نے اِن دونوں باتیں سُن لی ہوں گی۔ چنانچہ وہ پلٹ کر بولا۔

"بس۔ بس رات کے کھانے تک رُکوں گا۔ اگر تم لوگ دو تو۔ اس کے بعد وعدہ کرتا ہُوں کہ چلا جاؤں گا۔" بُقراط ایک ڈِھیٹ تھا۔

"ارے آپ نے سُن لیا۔" افشاں ہنس پڑی۔

"کیوں عالیہ... کیا خیال ہے تصوّر بھائی کو رات کے تک برداشت کیا جا سکتا ہے؟" فرزانہ نے پُوچھا۔

"نہیں بھائی۔ وہ بھی میرے مہمان ہیں جب تک دل چاہے" بے اختیار میری زبان سے یہ جُملے نِکل گئے۔

رات کے کھانے کے بعد بُقراط نے مایُوسی سے کہا۔ "حسبِ وعدہ مجھے چلے جانا چاہیے۔"

"اس میں سوچنے کی کیا بات ہے تصوّر بھائی۔" افشاں

"ایک خیال تھا ذہن میں۔" وہ بولا۔

"کیا...؟"

"صبح کو ناشتہ کر کے چلا جاتا تو بہتر تھا۔"

یہ ناممکن ہے۔" فرزانہ چیخ پڑی۔

آپ کو جانا پڑے گا۔" افشاں نے کہا۔

ں۔ لگتا تو ایسا ہی ہے۔ بہرحال میں نے تو ایک بات کہی تھی ں کو منظور نہیں تو ٹھیک ہے۔ اچھا۔ خُدا حافظ۔" اُس نے بھاری قدموں سے باہر نکل گیا۔ میں نے بھی اُسے روکنے ش نہیں کی تھی۔

لڑکیاں کیا ہنگامے کرتی رہیں مجھے اس بات سے زیادہ دلچسپی ۔ جہاں تک بن سکا میں نے اُن کا ساتھ دیا پھر اپنی مصروفیات لی...

دُوسرے دن صباحت صاحب کا فون ملا اور میں نے گھنٹی بجنے ا اُٹھا لیا۔

عالیہ صاحبہ سے بات کرنی ہے۔" صباحت صاحب کی سری۔

وہ خادمہ ہی بول رہی ہے صباحت صاحب۔" میں نے کہا۔

یسے مزاج ہیں عالیہ؟"

بس دُعائیں..."

رضوی صاحب کا فون آیا تھا حکم دیا ہے کہ اُن سے گفتگو کر ۔"

ٹھیک ہے صباحت صاحب۔ اور کوئی حُکم؟"

ں کچھ نہیں اور کوئی خاص مضمون وغیرہ تو نہیں ہے؟"

ہیں آپ اپنا کام جاری رکھیں۔"

ہتر ہے۔ خُدا حافظ۔" صباحت صاحب نے جواب دیا اور فون بند کر دیا... پھر چند ساعت کے بعد میں نے اطہر رضوی ل کیے اور ریسیور کان سے لگا لیا۔ کسی اور سے رابطہ قائم

ں نے اُن سے رضوی صاحب سے بات کرنے کی خواہش ور جب اپنا نام بتایا تو بڑے پُراخلاق انداز میں مجھ سے کہا سیکنڈ انتظار کر دں اور اس کے بعد اطہر رضوی صاحب سنائی دی۔

ہیلو عالیہ بیٹے...؟"

جی میں خادمہ ہی بول رہی ہُوں۔"

ہمی تمھارے اخبار کا مضمون دیکھ لیا۔ بہت خوشی ہُوئی نہایت نداز میں تم نے اپنا کام کیا ہے۔ میں خوش ہُوں لیکن عالیہ وشی مجھے اس وقت ہوگی جب تم میرا ایک کام کر دو گی... نے کہا اور میں نے نفرت سے مُنہ سکوڑ لیا لیکن بہرصُورت فرت کا اظہار اُس کے سامنے نہیں کرنا تھا اس لیے پُراخلاق

لہجے میں بولی۔۔۔ "جی۔" میں نے آہستہ سے کہا۔

"مجھے یقین ہے کہ اب تمھارے دِل میں میرے خلاف کوئی بات نہ ہوگی اور میرے بارے میں تو تم جانتی ہی ہو۔ میں دل کا بُرا انسان نہیں ہُوں۔ ویسے میں نے انفارمیشن سے تمھارے سلسلے میں بات کر لی ہے۔ میرے سخت اصرار پر اُنھوں نے وعدہ کر لیا ہے کہ تمھارے خلاف کوئی قدم نہیں اُٹھایا جائے گا۔"

"بہت بہت نوازش رضوی صاحب! مجھے آپ سے ایسی محبت کی توقع تھی۔" میں نے کہا۔

"... میں نے تمھیں اسی لیے ٹیلی فون کیا تھا کہ جس وقت بھی ضرورت محسوس کرو۔ مجھے رِنگ کر لینا۔ اچھا خدا حافظ۔" اطہر رضوی نے کہا اور ریسیور رکھ دیا۔ میں ریسیور کو دیکھتی رہ گئی تھی۔

چند ساعت ریسیور ہاتھ میں لیے بیٹھی رہی تھی پھر ایک ٹھنڈی سانس لے کر میں نے ریسیور رکھ دیا۔ اس شخص کے بارے میں میرے خیالات کبھی دُرست نہیں ہو سکتے تھے۔ میرے دِل میں اس شخص کے لیے جو نفرت تھی وہ کبھی دُور نہیں ہو سکتی تھی۔ بھیڑ کی کھال میں چھپا ہُوا بھیڑیا بہرصُورت دُنیا کے سامنے نہ سہی لیکن میرے سامنے تو نمایاں ہو چکا تھا۔ اپنی ذات کے لیے کوئی بھی انسان دُوسروں کی زندگیوں سے کھیلنا پسند نہیں کرتا۔ اگر وہ اچھا انسان ہوتا تو اُسے یہ چاہیے تھا کہ خود ہی اپنی اولاد کو زہر دے کر مار دیتا، خواہ کچھ بھی تھا۔ اُسے کیا حق پہنچتا تھا کہ وہ دُوسروں کی زندگیوں سے کھیلتا۔

لیکن اب یہ جذباتی باتیں سوچنے کا وقت نِکل گیا تھا۔ رضوی مُجرم تھا اور اسے سزا ضرور ملنی چاہیے تھی، یہی میرا نصب العین تھا، تھوڑی دیر کے لیے میں وہیں رُکی رہی۔ میں سوچ رہی تھی کہ رضوی کو احمق بنانے کے لیے مجھے مزید کیا کرنا ہوگا۔ پھر انکل منوّر عالم بھی آگئے

اُنھوں نے یہ رُوٹھی دیکھ کر بڑی خوشی کا اظہار کیا تھا اور بہت سی دُعائیں دی تھیں۔ پھر اُنھوں نے خود ہی اطہر رضوی کا تذکرہ نکال لیا۔

"تم نے ایک معذرتی مضمون لکھا تھا عالیہ۔ مَیں نے وہ پڑھا تھا۔"

"جی اَنکل۔ آپ کے کیا تاثرات ہیں اس بارے میں؟"

"بس کیا کہوں بیٹی۔ ٹھیک ہی کیا تم نے... لیکن عالیہ تمھارا وہ توصیفی مضمون عجیب حیثیت رکھتا ہے۔"

"آپ بھی یہ بات کہہ رہے ہیں اَنکل منوّر عالم؟"

"کیوں بیٹے... کیا مجھے اس کا احساس نہیں ہوگا؟"

"یقیناً ہوگا لیکن یہ تو دیکھیے میری کوئی ضمانت بھی نہیں کرا سکا تھا؟"

"ہاں ہاں اس میں کوئی شک نہیں ہے۔"

"اطہر رضوی نے میری ضمانت کرائی۔ اخبار کا ڈیکلریشن بحال کرایا اور بہرصورت میرے اُوپر یہ احسانات لاد دیے۔ تو کیا مَیں یہ سب کچھ نہ کرتی؟

"مَیں نے اس مضمون میں عوام کے سامنے اپنی بے بسی کا اظہار کیا ہے۔ مَیں نے عوام کو بتایا ہے کہ سچ لکھنے کی سزا کیا ہوتی ہے اور اس کے بعد جھوٹ بولنے پر زندگی کا دار و مدار ہوتا ہے... اخبار بیں طبقہ جو اخباری زندگی سے بخوبی واقف ہے اس حقیقت کو سمجھ چکا ہوگا۔ مَیں نے اپنے فرض سے غفلت نہیں برتی اَنکل اور نہ ہی میں نے کوئی صحافتی غلطی کی ہے۔ مَیں نے تو لوگوں کو یہ بتا دیا ہے کہ ایک بڑے آدمی کے بارے میں مَیں نے جو کچھ لکھا اُس کا کیا نتیجہ مجھے بھگتنا پڑا یہاں تک کہ مجھے خود ہی اس سچ کی تردید کرنا پڑی۔"

"اوہ... مَیں نے اس انداز میں نہیں سوچا تھا۔" اَنکل منوّر عالم کے چہرے پر خُوشی کے تاثرات نمودار ہو گئے۔ "واہ بھئی واہ۔" وہ ایک دَم اُچھل کر بولے۔ "یہ حقیقت ہے اس میں کوئی شک نہیں ہے۔"

"بہرصُورت اَنکل منوّر عالم، حالات کا جائزہ لیتے رہیے۔ دیکھیے پردۂ غیب سے کیا ظہور میں آتا ہے۔"

"تم اب اس سلسلے میں کیا کر رہی ہو؟"

"میری بات نہ پُوچھیں اَنکل۔ مَیں تو پاگل ہُوں۔ مَیں آپ کے سامنے پہلے بھی اس بات کا اظہار کر چکی ہُوں کہ اگر اطہر رضوی کے سلسلے میں ناکام رہی تو خودکشی کر لُوں گی۔" مَیں نے کہا۔

"گویا اب بھی تمھارے دِل میں یہ سب کچھ موجود ہے؟" اَنکل منوّر عالم نے حیرت سے پُوچھا۔

"آپ کیا سمجھتے ہیں اَنکل۔ میرا سینہ جہنّم تو بن چُکا ہے۔ اِس میں صرف شُعلے ہیں، اگر آپ میرے چہرے پر اُن شعلوں کی تپش نہیں دیکھ سکتے تو یہ کوئی خاص بات نہیں ہے۔ مَیں نے اس آگ کو یہ میں چھپا رکھا ہے۔ وقت آنے پر یہ آگ اس طرح نمایاں ہوگی دُنیا دیکھ لے گی۔"

"اوہ...؟" منوّر عالم نے سر پکڑ لیا... پھر بولے "عالیہ بیٹے آئندہ کوئی قدم اُٹھانے سے پہلے اگر مناسب سمجھو تو مشورہ ضرور کر لینا۔ مجھے تمھاری زندگی اپنی بیٹیوں کی طرح عزیز ہے۔"

"مجھے آپ کی محبت پر فخر ہے اَنکل... یقین کریں آپ نے مجھے ایک ایسی اپنائیت دی ہے جس کا مَیں ڈیڈی کی موت کے بعد تصوّر بھی نہیں کر سکتی تھی۔ مَیں آپ سے وعدہ کرتی ہُوں کہ کوئی قدم نہ اُٹھاؤں گی اور جو کچھ کروں گی سوچ سمجھ کر کروں گی لیکن اس بات سے روکنے کی کوشش کبھی نہ کریں کہ مَیں اپنا فرض پورا نہ کروں۔ اَنکل جو لڑکیاں اُن درندوں کی بھینٹ چڑھ گئی ہیں اور مزید چڑھیں گی اُن کا انتقام یقینی ہے۔ مَیں اطہر رضوی کو نہیں چھوڑوں گی۔ کبھی نہیں چھوڑوں گی۔" میری آواز میں ہلکی سی غراہٹ پیدا ہو گئی تھی۔ اس کے بعد اَنکل منوّر عالم نے مجھ سے کچھ نہ کہا۔ لڑکیاں اس بات پر خوفزدہ ہو گئی تھیں کہ ممکن ہے اَنکل منوّر عالم اُنھیں لینے کے لیے آئے ہوں۔ چنانچہ اُنھوں نے مجھ سے کانا پھوسی کی اور مَیں نے اَنکل منوّر عالم سے اس بارے میں پُوچھا۔

"کیا افشاں اور فرزانہ کو آپ لے جائیں گے اَنکل؟"

"بھئی میری جُرأت کہاں۔ وہ لوگ جانا چاہیں تو ٹھیک ہے ورنہ جیسا تم مناسب سمجھو۔"

"ابھی انھیں کچھ روز یہاں رہنے دیں اَنکل۔ میرا ذہن بٹا رہے گا۔"

"رہنے دو۔ رہنے دو۔ کوئی حرج نہیں ہے۔" اَنکل منوّر عالم نے کہا اور پھر وہ رخصت ہو گئے۔

درحقیقت افشاں اور فرزانہ سے ایسی ہی اُنسیت ہو گئی تھی کہ میرا دِل بھی اُن سے دُور رہنے کو نہیں چاہتا تھا اور یوں بھی یہ وقت مَیں خوشگوار طریقے سے گزارنا چاہتی تھی۔ اس کے بعد مَیں اپنے آئندہ پروگرام پر عمل پیرا ہونے کا ارادہ رکھتی تھی۔

یہ اَنکل منوّر عالم سے ملاقات کے چوتھے یا پانچویں دن کی بات ہے کہ ایک شام ٹیلی فون کی گھنٹی بجی اور شمس نے آ کر مجھے بتایا کہ عالیہ تمھارا فون ہے اور اطہر رضوی بول رہا ہے۔ شمس سے یہ اطلاع پاتے ہی مَیں جلدی سے اُس کمرے میں پہنچ گئی جہاں ٹیلی فون موجود تھا۔

"ہیلو...؟" مَیں نے ریسیور اُٹھا کر مؤدب لہجے میں کہا۔

"اطہر رضوی بول رہا ہے۔"

"ہیلو رضوی صاحب۔ کیسے مزاج ہیں؟"

"ٹھیک ہُوں تم سُناؤ...؟"

"مَیں بھی ٹھیک ہُوں جناب۔" مَیں نے سرسری انداز میں کہا۔

"میرے لیے کیا کر رہی ہو؟"

"آپ کے لیے؟"

"ہاں..."

"مَیں کیا کر سکتی ہُوں جناب۔ حکم دیجیے۔" مَیں نے کہا اور دُوسری طرف سے ہلکی سی ہنسی سُنائی دی لیکن ہنسی کا انداز بدل گیا تھا۔ ...راط کی آواز سُنائی دی۔

"آواز کی اس تبدیلی پر معافی کا خواستگار ہُوں مس عالیہ۔" ...نے کہا اور مَیں بُری طرح اُچھل پڑی۔

"کون...؟"

"خادم کو بُقراط کہتے ہیں۔" جواب ملا اور میرے ہونٹ بھنچ گئے۔

"ہُوں... تو تم آواز بدل کر بول رہے تھے؟"

"جی ہاں۔ دراصل آج کل مَیں باقاعدہ تمھاری جاسوسی کر رہا ہُوں۔"

"کیوں...؟" مَیں نے کُھردرے لہجے میں پُوچھا۔

"...مجھے تمھارے اُوپر کچھ شک ہو گیا ہے۔"

"...س قسم کا شک؟" مَیں نے تیکھے انداز میں سوال کیا۔

"...عالیہ۔ اخبار کے اس مضمون کے بارے میں میرے خیالات کچھ بدل گئے ہیں۔ مجھے یقین ہو گیا ہے کہ تمھارا نظریہ کیا ...راط نے کہا۔

"فون کہاں سے کر رہے ہیں بُقراط صاحب؟"

"...یسی جگہ سے جہاں سے اس کے بارے میں اندازہ کرنا ...ہے۔"

"...س کے باوجود مَیں آپ سے درخواست کروں گی کہ کوئی ...ت نہ کہیں جو میرے لیے نقصان دہ بن جائے؟"

"...و پھر مجھے اپنی کوٹھی میں آنے کی اجازت دے دو؟"

"...کیا کہنا چاہتے ہیں آپ مجھ سے؟"

"پہلے اجازت دے دو پھر بتاؤں گا۔ ظاہر ہے تم نے فون پر ...بتانے سے منع کر دیا ہے۔" بُقراط نے کہا اور مَیں سوچ ...میں پڑ گئی۔

"کوئی خاص بات ہے کیا؟"

"ہاں خاص ہی بات ہے۔"

"تو پھر تشریف لے آئیے۔ ویسے بھی مَیں نے آپ کو یہاں آنے کے لیے منع نہیں کیا ہے۔"

"ہاں یہ تو دُرست ہے عالیہ۔ مجھے اس کا بخوبی احساس ہے۔ مَیں خود بھی تمھارے سَر پر مسلّط رہنا نہیں چاہتا لیکن بات کچھ ایسی ہی ہے۔" بُقراط نے سنجیدگی سے کہا۔

"مَیں آپ کا انتظار کر رہی ہُوں۔" مَیں نے جواب دیا اور دُوسری طرف سے فون بند ہو گیا۔ مَیں اُس کے لہجے کی سنجیدگی پر غور کر رہی تھی۔ عجیب انسان تھا۔ اعلا صلاحیتوں کا مالک... حالانکہ مَیں نے اُس کے ساتھ بہت بُرا سلوک کیا تھا لیکن یوں لگتا تھا جیسے اُس نے نوٹس ہی نہ لیا ہو۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ آ گیا۔ ڈھنگ کے لباس میں تھا اور ایک خوبصورت سی گاڑی میں آیا تھا۔ مَیں نے کسی کو اُس کی آمد کے بارے میں نہیں بتایا تھا لیکن سب نے اُسے دیکھ لیا اور پورچ ہی میں گھیر لیا گیا۔

"تو آپ نے یہاں بھی آنا شرُوع کر دیا؟" افشاں نے پُوچھا۔

"تم لوگ یہاں ہو۔ وہاں اَنکل نہیں ملتے۔ کیا کروں؟"

"اوہ۔ کیا ہم لوگ بہت یاد آ رہے تھے؟"

"بھئی تصوّر صاحب سے تمھارا سب سے قریبی رشتہ ہے... یہ بھی کوئی پُوچھنے کی بات ہے؟" شمس نے کہا۔

"تم لوگ کب تک یہاں رہو گی؟"

"جب تک آپ ہماری جان چھوڑنے کا وعدہ نہ کریں...۔" فرزانہ بولی۔

"مَیں کیا کروں۔ اَنکل مجھے حکم دیتے ہیں اور مَیں انکار نہیں کر سکتا۔ وَیسے میرا خیال ہے بہت جلد مَیں تم لوگوں سے دُور چلا جاؤں گا۔"

"اوہ۔ کہاں؟"

"مَیں یہ شہر چھوڑنے کا ارادہ کر رہا ہُوں۔ ڈیڈی کا کاروباری چکر مجھے پسند نہیں آیا۔ میری وہی زندگی میرے لیے بہتر تھی۔" بُقراط نے جواب دیا۔ لڑکیاں اُس سے بکواس کرتی رہیں۔ اُس کے انداز میں بھی کوئی جلدبازی نہ تھی۔

مَیں نے لڑکیوں سے کہا کہ وہ تصوّر عالم کے لیے چائے وغیرہ کا بندوبست کریں لیکن صرف شمس چلی گئی تھی۔ باقی لڑکیاں مسلّط رہیں اور پھر چائے وغیرہ کا دَور چلا اور اس کے بعد بُقراط نے اجازت مانگی۔

"اتنی جلدی؟ یقین نہیں آتا۔" افشاں نے کہا۔

"یقین کر لو۔" بُقراط نے کہا... اور پھر میری طرف رُخ کر کے

بولا۔ "آپ سے ایک ضروری کام ہے مس عالیہ۔"

"جی فرمائیے..."

"اگر محسوس نہ کریں تو ان لوگوں سے تھوڑی دیر کے لیے معذرت کریں۔" بقراط نے کہا۔

"آئیے میں آپ کو باہر تک چھوڑ دوں۔" میں نے کہا اور لڑکیاں رک گئیں۔ میں بقراط کے ساتھ باہر نکل آئی تھی۔

"جی... تصوّر عالم صاحب؟"

"ایک اطلاع ہے آپ کے لیے۔"

"جی..."

"بندرگاہ پر نیڈرین نامی ایک جہاز لنگر انداز ہے جو ہانگ کانگ کی ایک شپنگ کمپنی کا ہے۔"

"جی...؟" میں نے اُسے بغور دیکھا۔

"جہاز فرانس سے یہاں آیا ہے اور مال اُتار چکا ہے۔ یہاں سے اُسے کچھ مال لے کر جانا ہے لیکن ابھی اُسے لوڈنگ برتھ نہیں ملی اس لیے وہ کھلے سمندر میں جا کھڑا ہوا ہے... لائٹ ہاؤس کے جنوب میں اسے ہانگ کانگ کے مخصوص نشان کے ساتھ دیکھا جاسکتا ہے۔"

"مجھے اس سے کیا دلچسپی ہوسکتی ہے محترم؟"

"اس میں اطہر رضوی کا وہ جڑواں عجوبہ موجود ہے۔ خدا حافظ۔" بقراط نے کہا اور اپنی کار کی طرف بڑھ گیا۔ میں ایک لمحے کے لیے ساکت رہ گئی تھی۔ میں اس کے الفاظ پر غور کر رہی تھی۔ دُوسرے لمحے اس کی کار اسٹارٹ ہو کر باہر نکل گئی۔

"نیڈرین، ہانگ کانگ۔" میں نے زیرِ لب دُہرایا اور پھر میرے بدن میں چیونٹیاں سی رینگنے لگیں۔ بلاشبہ یہ اطلاع بہت بڑی تھی۔ بہت ہی اہم۔ میرے دل میں بارہا یہ خواہش سر اُبھار رہی تھی کہ میں اُس کا ٹھکانہ جان جاؤں لیکن یہ بھی جانتی تھی کہ یہ بہت مشکل کام ہے اور یہ معلوم کرنا آسان نہ تھا۔ اطہر رضوی نے اسے پاتال کی گہرائیوں میں پوشیدہ کر دیا ہوگا...

لیکن اب یہ اطلاع... اور بقراط کا یہ انداز؛ ایک دُوسرا احساس میرے ذہن میں جاگ اُٹھا۔ بقراط کا خیال ہوگا کہ اِس اطلاع پر میں پاگل ہو جاؤں گی۔ مزید تفصیلات معلوم کرنے کے لیے اُس کی تلاش میں سرگرداں ہو جاؤں گی لیکن یہ ممکن نہیں تھا۔

میرے اندر ایک ضد تھی۔ بقراط سے مجھے بُغض تھا آخر وہ خود کو کیا سمجھتا ہے۔ خود کو اس طرح کیوں چھپاتا رہا ہے مجھ سے۔ ایک اچھے دوست کی طرح کھل کیوں نہیں گیا۔ اگر وہ خود کو لیے دیے پھرتا ہے تو ٹھیک ہے۔ مجھے بھی اُس سے کیا دلچسپی ہوسکتی ہے اور اس وقت بھی میں نے یہی فیصلہ کیا کہ بقراط سے اس بارے میں کوئی مدد نہیں لوں گی۔ اُس نے مجھے یہ اطلاع دی ہے، ٹھیک ہے لیکن اب اس بارے میں جو کچھ کرنا ہے وہ خود ہی کروں گی...

لڑکیاں میری واپسی کا انتظار کر رہی تھیں اور اُن کے انداز میں استفسار تھا۔ "خیریت۔ کیا تصوّر بھائی نے پھر اُدھار شروع کر دیا؟"

"ہاں۔ ایسی ہی بات تھی۔" میں نے بات بنا دی۔

"لیکن اب کیا ضرورت پیش آگئی؟" افشاں تعجب سے بولی۔

"خدا جانے بتانے سے انکار کر دیا۔"

"مذاق کر رہے ہوں گے۔ اُن کے مذاق ایسے ہی بے تُکے ہوتے ہیں۔" فرزانہ نے ناک سکوڑ کر کہا۔

میں حتی الامکان کوشش کر رہی تھی کہ لڑکیوں پر کوئی بات واضح نہ ہوسکے۔ اس لیے میں نارمل انداز میں ان کے ساتھ ہنستی بولتی رہی۔ ان لوگوں پر میں نے کسی طور یہ ظاہر ہونے نہ دیا تھا کہ میں کسی ذہنی اُلجھن کا شکار ہوں لیکن بہرصورت باتوں ہی باتوں میں میں اُن سے تھوڑی دیر کے لیے نجات حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی اور پھر میں اپنے کمرے میں آگئی۔

بقراط کی اطلاع بڑی سنسنی خیز تھی، لیکن مجھے اس پر مزید کچھ غور بھی کرنا تھا۔ یہ بھی ممکن تھا کہ بقراط نے مجھے اس سلسلے میں احمق بنانے کی کوشش کی ہو، حالانکہ ایسے کسی مسئلے میں اس کا امکان ذرا مشکل ہی تھا... وہ جس سنجیدگی سے یہ سب کچھ بتا کر گیا تھا اس سے یہی اندازہ ہوتا تھا کہ اُس کی بات میں ذرا بھی جھوٹ نہیں ہے، لیکن اُس نے اپنی مدد کی پیشکش بھی کی تھی اور میں نے اس پیشکش کو صرف اس لیے منظور نہیں کیا تھا کہ میں اُس سے الرجک تھی...

البتہ اس دلکش خبر کو میں ہضم بھی نہیں کرسکتی تھی... اگر وہ دونوں یا ایک بقراط کی اطلاع کے مطابق یہیں پر موجود ہیں تو پھر اطہر رضوی کو زبردست شکست دینے کے لیے اس سے عمدہ ترکیب اور کوئی نہ ہوگا کہ ان دونوں کو ہلاک کر دیا جائے۔ ان کو قتل کرنے کے لیے کسی پولیس فورس کی ضرورت نہیں تھی اور نہ ہی کسی باقاعدہ اعلان کی۔ بس خاموشی سے کسی بھی طرح انھیں مار دیا جائے۔ اطہر رضوی خود اپنی موت آپ مر جائے گا۔

یہ ایک ایسا احساس تھا جس سے میرے بدن میں سنسنی

رہی تھی۔ میں نے کمرے کا دروازہ بند کر لیا تھا اور ایک ...سی پر آنکھیں بند کر کے دراز ہو گئی تھی۔ میں کوئی ٹھوس ...ز فیصلہ کر لینا چاہتی تھی۔

...کافی سوچ بچار کے بعد میں نے اس سلسلے میں ناصر سے ...نے کا فیصلہ کر لیا اور خاموشی سے وہاں سے نکل آئی...

فرزانہ اور افشاں شاید ڈرائنگ رُوم میں بیٹھی ہوئی تھیں ...قہقہوں کی آواز باہر تک آرہی تھی جس میری کچن میں ...میں ناصر کے کمرے کی طرف چل پڑی۔ ناصر اپنے کمرے میں ...ی رسالے کی ورق گردانی کر رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر جلدی ...کھڑا ہو گیا...

"جی عالیہ صاحبہ مجھ سے کوئی کام ہے؟" اُس نے گھبرائے ...انداز میں پوچھا۔

"...کیوں گھبرا کیوں گئے؟"

"جی گھبرایا تو نہیں۔ بس میں یہ سوچ رہا تھا کہ آپ مجھے ہی ...یں...؟"

"نہیں کوئی بات نہیں ہے ناصر۔ ان تکلفات کو میرے اور درمیان سے ہٹا دو۔" میں نے کہا اور ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔ ...وازہ بند کر دو۔" میں نے دُوسری بار کہا اور ناصر نے آگے بڑھ ...دروازہ بند کر دیا۔

"بیٹھ جاؤ۔" میں نے اپنے سامنے پڑی ہوئی کرسی پر اُسے ...کا اشارہ کیا اور وہ بیٹھ گیا۔

"بہت خاص مسئلہ آپڑا ہے ناصر۔" میں نے کہا۔

"خیریت...؟" وہ ہمہ تن گوش ہو کر بولا۔

"مجھے ایک اطلاع ملی ہے۔ میں نہیں کہہ سکتی کہ اس میں کہاں ...صداقت ہے لیکن ممکن ہے یہ غلط بھی نہ ہو۔"

"کیا اطلاع ہے مس عالیہ؟"

"اطہر رضوی کے وہ جڑواں بیٹے بندرگاہ پر موجود ہیں۔"

"اوہ..." ناصر نے پُراشتیاق انداز میں گردن ہلائی۔ "یہ ...کیسے معلوم ہوئی چیف... لیکن وہ...؟"

"ہانگ کانگ کی کسی شپنگ کمپنی کا ایک جہاز نیڈرین نامی ہے ...مال اُتار کر کھلے سمندر میں جا کھڑا ہوا ہے اور ابھی کھڑا ہے ...چونکہ لوڈنگ برتھ پر جگہ نہیں ملی۔ سنا ہے اسی جہاز پر وہ ...کا وجود موجود ہے۔"

"اطلاع کا ذریعہ کیا ہے چیف؟"

"بس قابلِ بھروسا سمجھو۔"

"ٹھیک ہے۔ ہمیں بے پروائی نہیں برتنی چاہیے۔ میرے لیے فرمائیے کیا حکم ہے؟" ناصر نے پوچھا۔

"حکم کوئی نہیں ہے ناصر۔ اس سلسلے میں کسی مناسب لائحہ عمل کا فیصلہ کرنا ہے۔" میں نے کہا۔

"میرے خیال میں چیف، چیک کر لیا جائے۔ آپ مجھے اجازت دیں۔ میں کسی طور اس جہاز تک پہنچنے کی کوشش کرتا ہوں۔" ناصر نے کہا۔

"تنہا...؟" میں نے پوچھا۔

"جی۔ اندازہ لگاؤں۔ اس کے بعد آپ کو اطلاع دُوں گا اور پھر جو مناسب اقدام ہوگا کر لیا جائے گا۔"

"اس میں تھوڑی سی ترمیم کر لو ناصر۔ میں بھی تمھارے ساتھ چلوں گی۔"

"جیسا آپ پسند کریں چیف۔ کب کا پروگرام ہے؟"

"میں صبر نہیں کرسکتی۔" میں نے کہا اور ناصر خفیف سا مسکرا دیا۔ تب میں نے کہا۔ "ساحل سے کشتیاں عموماً کرایے پر مل جاتی ہیں۔ ہم ایسی ہی ایک کشتی لے لیں گے اور سمندر کی سیر کے انداز میں چلیں گے۔"

"کشتی والا بھی ساتھ ہوگا؟"

"زائد رقم دے کر اگر اسے ساحل پر روکا جاسکا تو روکیں گے۔ اس کے باوجود اگر کام نہ بنا تو دیکھا جائے گا۔ آج کا پروگرام صرف یہ رکھتے ہیں کہ نیڈرین کے گرد چکر لگائیں گے اور کوئی ایسی جگہ تلاش کریں گے جہاں سے اُوپر پہنچا جاسکے۔"

"جی..."

"تم تیاریاں کرو۔ سب سے اچھی بات یہ ہے کہ ابھی ہمارے پاس وقت ہے۔ اگر کوئی فوری معاملہ ہوتا تو میں آج ہی رات کچھ کرنے کی کوشش کرتی لیکن وقت ہے تو ہم پلاننگ بھی کرسکتے ہیں۔"

"تیاریوں کے لیے کوئی خاص حکم؟"

"نہیں ناصر۔ بس عام کھلنڈرے نوجوان کا لباس۔ میں میک اپ کر کے چلوں گی اور کشتی پر ہماری حیثیت ایک رومانی جوڑے کی سی ہوگی۔ یہ انتظامات صرف احتیاطاً کرنے ہوں گے۔"

"میں سمجھ رہا ہوں چیف۔ ہتھیار وغیرہ؟"

"میرے خیال میں مناسب نہ ہوں گے۔ البتہ سیر و تفریح کا سامان ضرور لے لینا۔"

"بہت بہتر..." ناصر نے ادب سے جواب دیا۔

"رات کے کھانے کے بعد فوراً چل پڑیں گے اور ساحل تک

جانے کے لیے ٹیکسی استعمال کریں گے۔" میں نے کہا اور اُٹھ کھڑی ہُوئی۔ اب اس چنڈال چوکڑی سے نمٹنا تھا۔ ساری صُورتِ حال کسی کو نہیں بتائی جاسکتی تھی بہرحال کوئی بہانہ ہی کارگر ہو سکتا تھا۔ چنانچہ میں اُن کے درمیان پہنچ گئی۔

"اب میں تم لوگوں سے چند گھنٹوں کی معذرت چاہتی ہُوں۔"

"چند گھنٹوں کی؟" افشاں نے چونک کر پوچھا۔

"ہاں۔ اخبار کا کچھ معاملہ ہے ممکن ہے دفتر میں رہنا پڑے یا باہر وقت گزارنا پڑے۔ تم لوگوں کو کوئی اعتراض تو نہیں ہے؟"

"ہرگز نہیں۔ میں جو موجود ہُوں۔" شمس نے صُورتِ حال سمجھ ... لی تھی۔

"آپ اکیلی جائیں گی باجی؟"

"ہاں۔ زیادہ سے زیادہ ناصر کو ساتھ لے لُوں گی۔" میں نے جواب دیا اور لڑکیاں خاموش ہوگئیں۔ رات کے کھانے کے بعد میں میک اپ رُوم میں چلی گئی اور پھر میں نے چہرے پر ایک تبدیلی کی جس میں دس منٹ سے زیادہ نہیں لگے تھے۔ اس کے بعد میں باہر نکل آئی۔

ناصر کے کمرے میں پہنچی تو وہ تیار ملا اور ہم دونوں خاموشی سے کوٹھی سے نکل آئے۔ اُن لوگوں کو اطلاع تو دے دی گئی تھی اب باقاعدہ ملاقات کی ضرورت نہیں تھی ورنہ پھر اُن کے سوالات کا شکار ہونا پڑتا۔

کافی دُور تک پیدل چلنا پڑا۔ اس کے بعد ٹیکسی مل سکی اور ہم دونوں اُس میں بیٹھ کر چل پڑے۔ ناصر نے کافی ذہانت سے انتظامات کیے تھے چنانچہ اُس کے سامان میں ایک گٹار بھی نظر آرہی تھی۔

پون گھنٹے کے سفر کے بعد ہم مطلوبہ جگہ پہنچ گئے۔ یہاں ناصر نے کشتیوں کے سلسلے میں تگ و دَو کی اور بالآخر ایک بادبانی کشتی حاصل کرلی جس کے لیے خاصی رقم دینی پڑی تھی۔ ہم لوگوں نے سامان کشتی میں بار کرلیا اور اس کے بعد ناصر نے بادبان کھول دیے۔ تیز ہَوا نے کشتی کو آن کی آن میں ساحل سے دُور کردیا اور ہم کھُلے سمندر کی طرف بڑھنے لگے۔ ہماری نگاہیں اندھیروں میں بھٹک رہی تھیں۔ سمندر کے درمیان بہت سے جگنو چمک رہے تھے... یہ جہاز تھے جو پانی میں کھڑے ہُوئے تھے۔ ہم اُن کے درمیان سے گزرتے رہے۔ میں نے اس دوران سامان کشتی میں پھیلا دیا تھا سو فی صد ایک خُوبصورت پکنک کا سامان تھا۔

بھئی ناصر... بلاشُبہ تم ایک ذہین انسان ہو۔"

"شُکریہ چیف۔"

"آپ کو جہاز کی صحیح سمت کا اندازہ ہے چیف؟" تھوڑی دیر کے بعد ناصر نے پُوچھا۔

"ہاں چلتے رہو۔ ہم بالکل صحیح رُخ پر جا رہے ہیں۔" بقراط نے جو کچھ بتایا تھا اُس کے تحت فیڈرین کو کھُلے سمندر میں ہی تلاش کرنا تھا۔ کھُلے سے مُراد یہ بھی نہیں تھی کہ جہاز سمندر کے کسی خاص حصّے میں ہو بلکہ اسی علاقے میں جہاں جہاز کھڑے ہُوئے تھے فیڈرین نامی جہاز کو تلاش کرنا تھا۔

ہم سمندر میں گھُومتے رہے۔ ابتدائی تاریخوں کا چاند اُبھر آیا تھا... اور آہستہ آہستہ سمندر پر روشنی پھیلتی جا رہی تھی۔ اس روشنی سے ہمیں خاصا فائدہ ہُوا۔

میں کسی ایسے جہاز کی تلاش میں تھی جو عام جہازوں سے ذرا الگ تھلگ ... ہی کھڑا ہُوا ہو۔ تقریباً سوا گھنٹے کے سفر کے بعد مجھے ایک ایسا جہاز نظر آیا اور میں نے ناصر کو اُس کی جانب متوجہ کیا۔

ناصر نے بھی جلد ہی اس جہاز کو دیکھ لیا اور پھر میری طرف دیکھ کر گردن ہلانے لگا۔

"اوہ۔ ہاں چیف کیا بادبانوں کا رُخ بدل لُوں؟"

"ہاں۔" میں نے جواب دیا۔ جلد ہی بادبانوں کا رُخ بدل گیا اور ہم سُست رَوی سے جہاز کی جانب چل پڑے۔ تقریباً دو سو گز کے فاصلے سے گزرتے ہُوئے میری آنکھوں نے فیڈرین کے چمکتے ہُوئے الفاظ دیکھ لیے تھے۔ یہی فیڈرین تھا۔ ناصر نے بھی فیڈرین کے الفاظ پڑھ لیے تھے اور اُس کے چہرے پر تجسّس کے آثار پھیل گئے تھے۔

"اس کا مقصد ہے کہ اطلاع بالکل دُرست ہے۔" اُس نے آہستہ سے کہا۔ میں نے اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ ہم نے فاصلہ اور کم کرنا شروع کردیا اور نہایت سُست رَوی سے فیڈرین کے قریب سے گزرتے رہے۔ قُرب و جوار میں دُور دُور تک اور کوئی جہاز نہیں تھا۔ البتّہ یہاں سے اُن جہازوں کی روشنیاں ضرور نظر آرہی تھیں جو دُور دُور تک کھڑے ہُوئے تھے۔ ظاہر ہے سمندر میں روشنیوں کے درمیان کوئی رُکاوٹ نہیں تھی...

بہرصُورت ہم آگے بڑھتے رہے یہاں تک کہ فیڈرین کا فاصلہ ساٹھ ستّر گز سے زیادہ کا نہ رہا۔ یہاں سے جہاز نمایاں نظر آرہا تھا۔ خاصا بڑا جہاز تھا اور اس پر روشنیاں جگمگا رہی تھیں۔

...ں کی متجسّس نگاہیں جہاز کے عرشے پر جمی ہُوئی تھیں۔ ...جبانی سُست رَوی سے چل رہی تھی بالآخر ہم جہاز ...رے سرے تک پہنچے اور پھر وہاں سے گھُوم گئے... ...ے فاصلہ کچھ اور کم ہوگیا۔ اب ہم جہاز سے صرف ...گز کے فاصلے پر تھے۔

...کیا خیال ہے؟" ناصر نے پُوچھا۔

...ایک بار پھر کشتی کو گھُمانا ہے۔" میں نے جواب دیا اور ...بانوں کے رُخ پھر تبدیل کرنے لگا۔

...کیا جہاز کے لوگ اس بات سے مشکوک نہ ہوجائیں گے؟" ...بشرطیکہ اُنھوں نے ہم پر توجّہ دی۔" میں نے کہا اور ناصر ...نت ہلادی۔

...اس بات کے امکانات کم ہی تھے۔ ہر چند کہ یہاں کوئی ...ی موجود نہیں تھی لیکن ویسے بھی سمندر میں کسی کشتی کی طرف ...اس توجّہ کیوں دی جاتی۔ ہم پھر جہاز کے نزدیک سے گزرنے ...س وقت ہم جہاز کے داہنی سمت تھے اور آہستہ رَوی سے ...ھ رہے تھے اُوپر عرشے پر چند لوگ نظر آرہے تھے جن کا ...ہماری جانب تھا لیکن اُن کے انداز میں کوئی خاص بات ...تھی۔ ان کے خدوخال تو کسی طور نمایاں نہ تھے البتّہ ان کے ...ہونے کا مکمل طور پر احساس ہو رہا تھا۔ یہاں تک کہ ایک ...جہاز کا وہ سرا ختم ہوگیا اور ہم وہاں سے آگے بڑھ گئے ...ب جہاز کے دُوسری جانب گھُومنا واقعی اُن لوگوں کو متوجّہ ...ا جو جہاز پر موجود تھے۔ کیونکہ اس سے وہ یہ ہی سمجھتے کہ ہم ...ے گرد چکر لگا رہے ہیں۔ چنانچہ ہم تھوڑے فاصلے پر پہنچ ...سے آگے بڑھتے چلے گئے لیکن ہمارا رُخ کھُلے سمندر کی ...نہیں تھا بلکہ ساحل کی جانب ہی تھا۔ یہ بات دُوسری تھی ...ل کا فاصلہ بھی یہاں سے کافی دُور تھا۔

دفعتاً ہم نے اپنے عقب میں کسی موٹر بوٹ کے انجن کی ...تی اور ہمیں سخت تعجب ہُوا۔ یہاں سے چکر لگاتے ہُوئے ...نے تا حدِ نگاہ دیکھا تھا۔ جو جہاز فاصلوں پر کھڑے ہُوئے تھے ...علاوہ یہاں تو کوئی موٹر بوٹ موجود نہیں تھی لیکن اس ...ٹ کی آواز اچانک ہی سُنائی دی اور یُوں لگا تھا جیسے ...کا فاصلہ زیادہ نہیں ہے۔ ہم نے پلٹ کر دیکھا موٹر بوٹ ...ری ہی جانب آرہی تھی۔ اُس کے سامنے کے حصّے پر ایک ...سرچ لائٹ لگی ہُوئی تھی۔

"شاید بحری پولیس ہے۔" ناصر نے کہا۔

"بحری پولیس نہیں ہوسکتی ناصر کیونکہ بحری پولیس اس جہاز سے تو نہ اُترتی۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ ابھی تھوڑی دیر پہلے یہاں کوئی موٹر بوٹ نہیں تھی۔ اس کا فوراً نمودار ہونا یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ جہاز سے اُتری ہے۔"

"اوہ۔ ممکن ہے۔" ناصر نے کہا اور میں متجسّس نگاہوں سے موٹر بوٹ کو دیکھنے لگی۔

بادبانی کشتی کی رفتار سُست تھی اور موٹر بوٹ تیز رفتاری سے آرہی تھی۔ چنانچہ وہ بہت جلد ہمارے قریب پہنچ گئی۔

"رُک جاؤ۔ کشتی روک دو۔" موٹر بوٹ سے کہا گیا۔ زبان اُردو تھی۔

"کیا حکم ہے چیف؟" ناصر نے پوچھا۔

"روک دو۔ کوئی حرج نہیں ہے۔" میں نے کہا اور ناصر نے بادبان کا رُخ بدل دیا پھر اُسے جھُکا دیا اور کشتی کی رفتار سُست ہوگئی۔ موٹر بوٹ کشتی سے آلگی تھی۔ ان لوگوں نے ایک رسّہ پھینک کر کشتی کو ہُک میں پھنسا لیا اور پھر چند لوگوں نے اُسے قریب گھسیٹ لیا۔ اُن کے انداز میں جارحیت تھی۔

آن کی آن میں چند افراد کشتی پر کُود آئے۔ یہ سادہ لباس میں تھے اور اُن کے ہاتھوں میں پستول نظر آرہے تھے۔

"کیا بات ہے؟ کون ہو تم لوگ؟" ناصر نے کڑک کر پوچھا۔

"یہ تو تم بتاؤ گے؟" ایک آدمی نے کہا۔

"تم لوگ بحری پولیس سے تو تعلق نہیں رکھتے؟" ناصر بولا۔

"رکھتے ہیں دوست۔ ہاتھ بلند کردو۔" وہی شخص بولا۔

"ہرگز نہیں۔ اگر تمھارا تعلق سمندری انتظامیہ سے ہے تو اپنا شناختی کارڈ دِکھاؤ۔ ورنہ میں اسے جارحیت قرار دُوں گا۔" ناصر نے کہا۔

"سُنو دوست۔ ہم کسٹم کے آدمی ہیں اور اسمگلروں سے نمٹنے کے لیے سمندر میں گھُومتے رہتے ہیں۔ شناختی کارڈ ہمارے پاس نہیں ہیں۔ اس لیے وہ طلب نہ کرو اور ہمیں اپنے بارے میں... مطمئن کردو۔" اس بار دُوسرے شخص نے کہا تھا۔ اس کا لہجہ پہلے آدمی کی نسبت نرم تھا۔

"میں بھی سرکاری مُلازم ہُوں اور ایک اچھے عہدے پر کام کرتا ہُوں۔ میرے خیال میں تمھاری طرف سے جارحیت ہُوئی ہے تاہم۔ بولو کیا چاہتے ہو؟"

"تمھارے پاس کوئی ہتھیار ہے؟"

"نہیں..."

"تلاشی کی اجازت دوگے؟"

"حکومت کے نام پر؟" ناصر نے ہاتھ بلند کر دیے۔

"بہت بہت شکریہ۔" نرم خو شخص نے کہا اور خود ہی آگے بڑھ آیا۔ اس کے ساتھ ہی اُس نے دُوسرے لوگوں سے کہا... "تم لوگ کشتی کے چپّے چپّے کی تلاشی لے لو۔" اور دُوسرے تینوں آدمی کشتی میں پھیل گئے۔ نرم خو شخص نے پہلے میری اور پھر ناصر کی تلاشی لی لیکن اس دوران اُس نے کوئی بدتمیزی نہیں کی تھی

"شکریہ۔ ہاتھ گرالو... لیکن رات کے اس وقت خطرناک سمندر میں نکل آنے کا کیا مقصد تھا؟"

"خطرناک سمندر؟ ہم ساحل سے زیادہ دُور تو نہیں ہیں؟" ناصر نے کہا۔

"بہت خوب۔ یہ سمندر بادبانی کشتیوں کے لیے موزوں تو نہیں ہے۔ تم ساحل سے بیس میل دُور ہو... خیر... تو میں اس کی وجہ پوچھ رہا تھا۔"

"یہ رات ہم نے سمندر میں گزارنے کا فیصلہ کیا تھا۔"

"یہ خاتون کون ہیں؟"

"میری منگیتر۔ آیندہ ماہ ہماری شادی ہونے والی ہے۔" ناصر نے بے تکلفی سے کہا۔

"ایک ماہ انتظار ہی کر لیا ہوتا سرکار۔" اُس نے کشتی میں نگاہ دوڑاتے ہوئے کہا۔ انداز مضحکانہ تھا۔ ناصر نے کوئی جواب نہ دیا۔ تینوں آدمی بھی تلاشی سے فارغ ہو گئے تھے۔

"کچھ نہیں ہے۔" اُس بدتمیز سے شخص نے کہا۔ جس کی پُرہوس نگاہیں بار بار میری طرف اُٹھ جاتی تھیں لیکن وہ کسی کے دباؤ میں تھا اور کوئی بدتمیزی نہیں کر سکتا تھا۔

"ہُوں۔ چلو۔ واپس چلو۔ سوری دوستو! لیکن بہتر یہ ہے کہ تم لوگ ان اطراف سے چلے جاؤ۔ یہاں اکثر سمگلروں کی لانچیں سفر کرتی ہیں اور ہمیں اُن سے نمٹنا پڑتا ہے اور تم... اِن دونوں کی تصویریں بنالو..." اُس نے ایک تیسرے آدمی کو اشارہ کیا۔

"وہ کیوں...؟" ناصر چونک اُٹھا۔

"یہ ایک ضروری کارروائی ہے۔ براہِ کرم اس میں مداخلت مت کرو۔" اُس نے کہا... پھر ایک کیمرے سے ہماری تصویریں اُتاری گئیں اور پھر ہمیں جانے کی اجازت دے دی گئی۔

ناصر نے بادبان کا رُخ درست کیا۔ ہُک ہٹا لیا گیا اور موٹر لانچ اسٹارٹ ہو کر آگے بڑھ گئی۔ ہم دونوں ساکت کھڑے اُسے دیکھتے رہے۔ وہ جہاز کی طرف نہیں گئی تھی جب اُس کی روشنیاں نگاہوں سے اوجھل ہو گئیں تو ناصر نے ایک گہری سانس لی۔

"یہ کسی طور کسٹم کے لوگ نہیں تھے۔" اُس نے کہا۔

"سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ وہ جہاز سے اُترے تھے۔ لانچ پر غور نہیں کیا تھا تم نے؟" میں نے کہا۔

"اوہ نہیں... کیوں؟"

"مقصد یہ کہ وہ جدید ترین لانچ تھی اور مقامی محکمہ کسٹم کے پاس ایسی لانچیں نہیں ہیں۔" میں نے جواب دیا۔

"میں نے غور نہیں کیا تھا۔" ناصر بولا۔

"چلو۔ واپس چلو۔ بہر حال ان لوگوں کے اس قدر محتاط رہنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ کوئی گڑبڑ ضرور ہے۔"

"یقیناً۔" ناصر نے واپسی کے لیے تیاریاں کیں۔ ہم دونوں خاموشی سے واپسی کا سفر کر رہے تھے۔ میرے ذہن میں بہت سے اُلجھاوے تھے اور میں آیندہ کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ ہوا پُرسکون تھی اور سمندر میں خاموشی طاری تھی۔ اس طرح کشتی کی رفتار بھی سُست ہو گئی تھی۔

دفعتاً ناصر چونک پڑا۔ اُس کی متجسس نگاہیں کشتی میں بھٹک رہی تھیں اور پھر اُس نے ساحل کی طرف دیکھا جو کافی دُور تھا... ناصر پاگلوں کی طرح کشتی کی ایک ایک چیز ٹٹولنے لگا۔ میں اُس کی بے چینی محسوس کر رہی تھی۔

"کیا بات ہے ناصر؟" میں نے پوچھا۔ ناصر اب بھی دیوانوں کی مانند کشتی کے سامان میں کچھ تلاش کر رہا تھا۔

"ناصر کیا بات ہے۔ مجھے بھی تو بتاؤ؟"

"اوہ۔ اوہ۔ مِس عالیہ۔ مِس عالیہ... ایک منٹ خاموش رہ کر یہ آواز سُنیں۔" ناصر نے کہا اور میں خاموش ہو گئی۔ ناصر خود بھی خاموش ہو کر ساکت ہو گیا تھا۔ تب میرے کانوں میں کٹ کٹ کٹ کی ایک ہلکی سی آواز اُبھری اور میں چونک پڑی۔ میرے کان بھی اس آواز کی حقیقت سے ناآشنا نہ رہ سکے تھے... بہر صورت میں نے ناصر کا مطلب سمجھ لیا اور پھر خود بھی اسی کوشش میں مصروف ہو گئی۔ ناصر بُری طرح پریشان نظر آ رہا تھا اور پھر ہماری یہ محنت بار آور ہو گئی...

کم بختوں نے کمینے پن کی انتہا کر دی تھی۔ ناصر کے ٹوٹے ہوئے گٹار کے اندر ایک چھوٹا سا بکس رکھا ہُوا تھا جس میں سے کٹ کٹ کٹ کی آواز اُبھر رہی تھی۔ یہ ٹائم بم تھا۔

بہرصورت یہ ٹائم بم کیوں رکھا گیا اور اس کا مقصد کیا تھا، اس وقت یہ سوچنے کی تو مہلت ہی نہ تھی لیکن جونہی اس کا انکشاف ہُوا ناصر نے اُسے ہاتھ میں اُٹھایا اور انتہائی قوت صرف کر کے اُسے سمندر میں اُچھال دیا۔ بم پانی میں گر پڑا۔ ہم نے یہ بھی نہیں دیکھا تھا کہ اس کے پھٹنے کا وقت کیا تھا۔ دیکھنے کا موقع ہی نہ تھا۔ بہرصورت وہ پانی میں گر پڑا تھا اور ... میں تھا۔

میں نے گہری گہری سانسیں لیں۔ ناصر بھی پسینہ پسینہ ہو رہا تھا۔ وہ بھی کشتی کے ایک سِرے سے ٹک گہری گہری سانسیں لے رہا تھا۔ دھماکے کی کوئی آواز سُنائی نہ دی تھی۔ کشتی تیز رفتاری سے ساحل کی جانب بڑھ رہی تھی۔ تب ناصر نے مسکرا کر میری طرف دیکھا...

"لعنت ہے ان کم بختوں پر۔" وہ بولا۔

"واقعی لعنت ہے... لیکن ناصر کتنی تعجب خیز بات ہے، آخر اس کی ضرورت کیوں پیش آ گئی؟"

"میرا خیال ہے چیف۔ یہ سب اُسی کمینے شخص کی حرکت تھی جس نے پہلے آپ سے گفتگو کی تھی۔"

"ٹھیک ہے میرا بھی یہی خیال ہے اور شاید اس دُوسرے کو اس بارے میں معلوم بھی نہیں تھا۔"

"ہاں دُوسرا شخص ہی ان لوگوں میں نمایاں حیثیت کا حامل ... تا تھا۔"

"بچ گئے ناصر۔ ورنہ مزہ آ جاتا۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا اور ... ہنس پڑا۔

"لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے چیف کہ آخر ایسا کیوں کیا ان ... نے؟"

"حفظِ ماتقدم کے طور پر اور کیا کہا جا سکتا ہے۔" میں شانے ... لی۔

"ہوں ٹھیک ہے۔ بہرصورت تقدیر نے بچا دیا۔"

"چلو ساحل پر چلو۔ میرا خیال ہے ہم اس رات کو ضائع نہیں ... دیں گے۔"

"کیا مطلب...؟"

"پھر واپس آئیں گے ناصر؟"

"اوہ... جیسی چیف کی مرضی۔" ناصر نے شانے ہلاتے ہوئے ... کا اظہار کر دیا۔

ہم ساحل کی جانب بڑھ رہے تھے لیکن ساحل تک پہنچتے پہنچتے مجھے اپنے ارادے میں تھوڑی سی تبدیلی کرنا پڑی۔ اتنی رات ہو گئی تھی اور سارے انتظامات کا فوراً ہو جانا مشکل تھا۔ ظاہر ہے اس بار ہمیں کافی انتظامات کے ساتھ آنا تھا اور جلدبازی میں گڑبڑ بھی ہو سکتی تھی۔ چنانچہ ساحل پر اُترتے ہوئے میں نے ناصر کے ساتھ آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

"اس رات میرا خیال ہے واپسی ممکن نہ ہو سکے گی۔"

"جی..." ناصر آہستہ سے بولا۔

"سب سے پہلے تو یہاں ٹیکسی کا ملنا ہی مشکل ہے۔"

"جی ہاں۔ کافی پیدل چلنا پڑے گا۔"

"خیر کوئی بات نہیں ناصر۔ اتنی جلدبازی کی کیا ضرورت ہے کل رات کا پروگرام رکھ لیتے ہیں۔" میں نے کہا۔

"بہتر چیف۔" ناصر نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ وہ مجھ سے کبھی کسی بات پر اختلاف نہیں کرتا تھا اور دیکھا جائے تو یوں بھی اختلاف کی کوئی بات نہیں تھی ایک طے شدہ بات تھی یہاں سے گھر پہنچنا اور مطلوبہ چیزوں کی فراہمی بہت ساری مشکلات پیش آ سکتی تھیں۔ ہم نے کشتی، کشتی کے مالک کو واپس کر دی اور اس کے بعد پیدل چل پڑے۔

ہمیں تقریباً ڈھائی یا تین میل چلنا پڑا تھا۔ اس کے بعد بندرگاہ کے علاقے میں ایک ٹیکسی نظر آئی جس کا ڈرائیور اندر سو رہا تھا۔ اس ڈرائیور کو جگانا بھی ایک مسئلہ تھا، پر اُسے جگایا گیا اور اُس نے مُنہ سے ٹوپی اُٹھا کر کہہ دیا۔

"خالی نہیں ہے۔"

بلاشبہ ٹیکسی خالی نہیں تھی۔ ٹیکسی کا ڈرائیور اُس کے اندر موجود تھا اور سو رہا تھا۔ بہرصورت ہم نے اُس کی خوشامد در آمد کی۔ سَو سَو کے دو نوٹ اُس کے سامنے رکھے تب کہیں جا کر ٹیکسی خالی ہُوئی۔ ڈرائیور صاحب باہر نکلے، نیچے اُتر کر اُنھوں نے ہیٹر کا کپڑا کھولا اور ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گئے۔ ہم دونوں پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئے تھے۔ میں نے اُسے پتہ بتایا اور ڈرائیور نے ٹیکسی اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔

رات کے تقریباً ڈھائی بج رہے تھے جب ہم لوگ کوٹھی میں داخل ہوئے۔ کوٹھی سنسان پڑی تھی شاید سب سو چکے تھے، صرف گیٹ پر موجود مُلازم جاگ رہا تھا۔ اُس نے ہمیں سلام کیا اور ہم آگے بڑھ گئے۔ ناصر سونے کے لیے اپنے کمرے میں چلا گیا اور میں اپنے کمرے میں آ گئی لیکن میری آنکھوں میں نیند نہیں تھی۔

لباس وغیرہ تبدیل کر کے میں بستر پر لیٹ گئی لیکن نیند کا

کیا سوال تھا۔ ہم چند گھنٹوں کے اندر جن حالات سے گزر کر واپس آ گئے تھے اُن پر کوئی یقین بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اگر ناصر کی سماعت کام نہ کرتی تو وقت مقررہ پر بم پھٹ جاتا اور کشتی کے پرخچے اُڑ جاتے۔ کسی کو علم بھی نہ ہوتا کہ کیا حالات تھے۔

ویسے چند باتیں علم میں آ گئی تھیں۔ اس دوسرے وجود کے مقامی محافظ بھی جہاز پر موجود تھے۔ یقیناً جہاز کے عملے کو بھی شامل کر لیا ہوگا۔ یوں بھی اطہر رضوی بین الاقوامی حیثیت رکھتا تھا... جہازراں کمپنی پر اُس کا اختیار بھی ہوگا۔ ورنہ عام طور پر یہ سب کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ ممکن ہے جہاز کے ذریعے اطہر رضوی اسے کہیں اور بھجوانا چاہتا ہو۔ اب کیا کرنا چاہیے۔ میں سوچتی رہی۔

چنانچہ دُوسرے دن کی تیاریوں کے لیے میں نے ایک فہرست تیار کی۔ میری تو خواہش تھی کہ ناصر بھی میرے ساتھ نہ جائے۔ میں تو زندگی کی بازی لگا رہی تھی لیکن ناصر کو میں اس سلسلے میں جھونکنا نہیں چاہتی تھی کیا ناصر اس کے لیے تیار ہو جائے گا۔

کافی غور و خوض کے بعد میں نے ایک پروگرام ترتیب دے ہی لیا اور کسی قدر اطمینان ہو گیا۔ جب ذہن کو سکون ہوا تو نیند بھی آ گئی۔ اور دُوسرے دن دس بجے تک سوتی رہی ناشتہ کرنے کے بعد کچھ دیر شمس اور اُن لڑکیوں سے باتیں کرتی رہی۔ پھر ان لوگوں کو یہاں سے رفوچکر کرنے کے بعد میں نے ناصر کو طلب کر لیا اور اُسے ہدایات جاری کرنے لگی۔ ناصر تفصیلات نوٹ کر رہا تھا پھر اُس نے کہا۔

"لیکن عالیہ صاحبہ۔ مجھے اس پروگرام میں کچھ اُلجھنیں نظر آ رہی ہیں۔"

"مثلاً...؟"

"آپ کی واپسی کیسے ہوگی؟"

"میں نے اس سلسلے میں دُوسرے لوگوں کا بندوبست کیا ہے۔" میں نے ناصر کو مطمئن کرنے کے لیے کہا۔

"اوہ۔ تب ایک تبدیلی کی درخواست قبول کر لیں۔" ناصر لجاجت سے بولا۔

"وہ کیا؟"

"میں بھی آپ کے ساتھ ہی رہوں تو کیا حرج ہے؟"

"نہیں ناصر یہ ممکن نہیں ہے تاہم تم سمندر میں موجود رہو گے۔ اگر تمھاری ضرورت ہوئی تو میں تمھیں سبز سگنل دوں گی۔ جہاں سے میں سگنل دوں تم وہاں پہنچ جانا اور اگر ضرورت نہ پیش آئی... تو تم صبح کو ساحل پر واپس آ جانا۔"

"جو حکم...؟" ناصر نے آہستہ سے کہا۔

"تب پھر آج تم مصروف رہو اور ان تمام چیزوں کا بندوبست کر لو۔" میں نے کہا اور ناصر اُٹھ گیا... وہ کمرے سے نکل گیا لیکن میں وہیں بیٹھی اس پروگرام کے بارے میں سوچتی رہی۔ جو میں کرنے جا رہی تھی اُسے میں اپنی زندگی کی سب سے خطرناک مہم کہہ سکتی تھی۔ میں یقینی طور پر جہنم کے سفر کا پروگرام بنا چکی تھی اور اس پروگرام میں میرے زندہ بچ جانے کے امکانات صرف دس پندرہ فی صد تھے لیکن مجھے اس کی پروا نہیں تھی۔ میرے ذہن میں ایک مقصد تھا اور مقصد کا حصول قربانی چاہتا ہے۔

میں نے یہ قربانی دینے کا مکمل فیصلہ کر لیا تھا۔ ہاں اگر زندہ ہے تو یہ بھی ممکن ہے کہ میں اپنا فرض پُورا کرنے کے بعد واپس پہنچ جاؤں لیکن یہ میرا آخری فیصلہ تھا کہ اگر جہاز پر میں اس دوسرے وجود کو پانے میں کامیاب ہو گئی تو اُسے زندہ نہ چھوڑوں گی۔

اِس کے بعد میں اُن لڑکیوں کے درمیان آ گئی اور پُوری زندہ دلی سے اُن کے ساتھ ہنسی مذاق میں مصروف ہو گئی۔

رات کی تاریکی میں... میں ناصر کے ساتھ باہر نکل آئی دِن کی روشنی میں ناصر سارے انتظامات کر چکا تھا۔ چنانچہ ہم دونوں نہایت اطمینان کے ساتھ سون بن کریگ پہنچ گئے۔ یہاں بھی شپ بریکنگ کا ایک چھوٹا سا یارڈ تھا جو عارضی طور پر قائم کیا گیا تھا کیوں کہ یہاں سے تھوڑے فاصلے پر ایک غیر ملکی جہاز ریت میں دَھنسا ہوا تھا اور چونکہ وہ کنارے پر لے جانے کے قابل نہیں تھا اس لیے یہاں اُسے توڑنے کے انتظامات کیے گئے تھے۔

لکڑی کی بنی ہوئی عارضی عمارت میں ایک بھی چیز ایسی نہیں تھی جس کے چُرائے جانے کا خطرہ ہو۔ اس لیے یہاں حفاظت کے لیے کوئی انتظام نہیں کیا گیا تھا اور عمارت اس وقت خالی تھی تاروں کی چھاؤں میں اس کا ہیولا بے حد پُراسرار نظر آ رہا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد ناصر نے اپنی کار اُس جگہ روک دی۔ اُسے میں نے اپنی ضروریات سے آگاہ کر دیا تھا اس لیے اُس نے میری ضرورت کے مطابق سارے انتظامات کر دیے تھے۔

"یہ سون بن کریگ ہے؟" میں نے کار سے اُتر کر چاروں طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"جی...؟" ناصر مختصراً بولا۔

"کیا یہاں ساحلوں کی نگران پولیس نہ ہوگی؟"

"گشت پر رہتی ہے لیکن میں نے دُوسرے انتظامات کر لیے ہیں۔"

"کیا...؟"

"کسٹمز کا اجازت نامہ میرے پاس موجود ہے۔ یوں سمجھیں کہ اس

...دونوں ساحلی نگرانوں کی حیثیت رکھتے ہیں اور اگر بحری ...سے ہمارا ٹکراؤ بھی ہو جائے تو ہمیں کوئی دِقت نہ ہوگی۔"

...اوہ۔ یہ اجازت نامہ...؟

...میں نے اپنے ایک قدیم دوست سے حاصل کیا ہے جو کسٹمز ...بڑا افسر ہے۔ بُری زندگی میں بھی میں نے کچھ اچھے کام کیے ...بدنام اسمگلر میری مخبری سے گرفتار ہوئے تھے اُسی وقت ...صاحب سے شناسائی ہے۔"

...ہوں..." میں نے گہری سانس لی۔ "اُنھوں نے تمھارے ...فی اعتماد کیا؟"

...جی ہاں۔ نہ صرف اعتماد بلکہ اس سلسلے میں اُنھوں نے میری کافی ...کی ہے لیکن اس شکل میں کہ میں آئندہ بھی اُن کے لیے کام کرتا ...گا اور کوئی بڑا کیس پکڑوا دوں گا۔" ناصر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

...یہ بات ہے؟" میں نے گردن ہلا دی۔ اِس دُنیا سے بے غرضی ...ہو گئی تھی۔ ہر شخص اِس ہاتھ دے اُس ہاتھ لے کے اصول پر ...تھا۔ ناصر مجھے لیے ہوئے ایک لانچ کے پاس پہنچ گیا جو ...سے زیادہ دُور نہیں تھی۔ سفید لانچ کافی بڑی تھی۔

...یہ لانچ بھی کسٹم کی ہے۔" ناصر نے بتایا۔

...خوب۔ واقعی ان صاحب نے تمھارے اُوپر ضرورت سے زیادہ ...کی ہے۔ خیر کسی نہ کسی طرح اُن کی اس مہربانی کا بدلہ اُتار دیں ...نے کہا اور لانچ میں سوار ہو گئی۔ ناصر کنٹرول کیبن کی طرف ...تھا۔ "تم نے اس کنٹرول کے بارے میں معلوم کر لیا ہے؟"

...جی۔" ناصر نے جواب دیا اور کنٹرول کیبن میں پڑے سامان کی طرف ...کے بولا۔ "آپ ان چیزوں کا جائزہ لے لیں۔ بظاہر میں نے ...نہیں چھوڑی ہے لیکن پھر بھی دیکھ لیں اور غوطہ خوری کا ...پہن لیں۔"

...او۔ کے۔" میں نے جواب دیا اور اس سامان کے پاس پہنچ ...کے تھیلے میں غوطہ خوری کا لباس رکھا ہوا تھا۔ انتہائی ...کے دو پستول بھی موجود تھے اور اُن کی ڈبل بیلٹ بھی ...کارتوس لگے ہوئے تھے۔ باریک شعاع والی ٹارچ، ایک ...چاقو اور ایسی ہی چند چیزیں جو مجھے اس مہم میں درکار ہو ...سکتی تھیں۔ میں اس سامان کو لے کر کیبن سے باہر نکلنے لگی تو ناصر ...آگے بڑھا دوں چیف؟" اور میں نے گردن ہلا دی۔ جس ...غوطہ خوری کا لباس پہن رہی تھی میں نے لانچ کا انجن... ...ہونے کی آواز سُنی۔ لانچ آگے بڑھ گئی تھی۔

...تمام چیزیں میری مرضی کے مطابق تھیں۔ میں نے اُنھیں محفوظ کیا اور چند ساعت کے بعد اپنے کام سے فارغ ہو گئی۔ ناصر انتہائی انہماک سے سامنے نگاہ جمائے لانچ چلا رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر اُس نے مطمئن انداز میں گردن ہلائی۔

"کوئی کمی چیف؟"

"نہیں ناصر شکریہ۔ سب ٹھیک ہے۔"

"میرے لیے وہی حکم برقرار ہے؟"

"ہاں۔ اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہے۔"

"میں پریشان رہوں گا چیف۔" اُس نے التجائیہ انداز میں کہا۔

"افسوس کوئی ترمیم ممکن نہیں ہے اور نہ میں اب اس موضوع پر گفتگو کر کے وقت ضائع کرنا چاہتی ہوں۔" میں نے کہا اور ناصر ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گیا پھر چند ساعت کے بعد بولا۔

"میں اسی ساحل پر صبح تک رہوں گا چیف۔ آپ حسبِ ضرورت مجھے سگنل دیں گی۔"

"یقیناً ناصر۔ اور اگر سگنل نہ ملے تو تم اپنی طرف سے کوئی کارروائی نہیں کرو گے۔"

"بہت بہتر۔" وہ آہستہ سے بولا۔

"جہاز کا رُخ معلوم ہے؟" میں نے پُوچھا۔

"جی ہاں۔ اس جگہ سے زیادہ دُور نہیں ہے۔ وہ سامنے آپ اسے دیکھ سکتی ہیں۔" ناصر نے سمندر میں نظر آنے والی روشنیوں کی طرف اشارہ کیا اور میں حیران رہ گئی۔

"کیا مطلب؟"

"یہی وہ جہاز ہے۔"

"فیڈرین؟" میں نے سخت تعجب کے عالم میں پوچھا۔

"جی ہاں۔"

"کیا اس نے جگہ بدل دی ہے؟"

"جی نہیں۔ اُسی جگہ ہے۔ بس ہم نے نیا راستہ اختیار کیا ہے۔ اُس طرف سے یہ بہت دُور تھا۔"

"تعجب ہے۔ پہلے اس جگہ کے بارے میں نہیں معلوم ہو سکا۔"

"جی ہاں۔ کل ہی دیکھ لیتے اسے۔ مگر یہاں گہری تاریکی ہے اس لیے یہ جگہ نظر نہیں آئی تھی۔" ناصر نے جواب دیا اور اس کے ساتھ ہی میں نے محسوس کیا کہ اُس نے لانچ کی رفتار بڑھا دی ہے۔ میں اُس کا مقصد سمجھ گئی تھی۔ پچھلی رات کا تجربہ نہیں دُہرایا جا سکتا تھا۔ آج تو صُورتِ حال بھی دُوسری تھی۔ کوئی بہانہ بھی نہیں چل سکتا تھا اور پھر وہ لوگ اتنے ذلیل تھے کہ اُن سے نمٹنا مشکل ہی تھا۔ حالانکہ ہم نے پچھلی رات اُنھیں کسی حد تک مطمئن کر دیا تھا

لیکن اس کے باوجود اُنھوں نے ہمیں ختم کرنے کی کوششوں میں کسر نہیں چھوڑی تھی۔

اس بات سے ان لوگوں کی سفاکی کا اندازہ ہوتا تھا بہرحال اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ تیز رفتاری سے دوڑتی ہوئی لانچ کو دو جھٹکے لگے اور اس کے ساتھ ہی ناصر کی آواز سنائی دی "میں رفتار ہلکی کر رہا ہوں چیف، اب ہم جہاز کے بالکل نزدیک ہیں۔"

"او۔کے ناصر... خدا حافظ۔ تم اس کے بعد سیدھے نکلے چلے جاؤ گے اور پھر طویل چکر کاٹ کر مطلوبہ جگہ پہنچو گے۔"

"خدا حافظ چیف!" ناصر نے کہا اور میں کیبن سے باہر نکل کر لانچ کے عقبی حصے میں پہنچ گئی۔ آخری بار میں نے سامنے نگاہ دوڑائی اور پھر سمندر میں اُتر گئی۔ لانچ تیر کی طرح نکل چلی گئی تھی۔

چند ساعت میں پانی کے نیچے رہی اور پھر گردن نکال کر دیکھا چاروں طرف سکوت چھایا ہوا تھا۔ جہاز زیادہ دُور نہیں تھا۔ اس کی روشنیاں پانی پر منعکس تھیں۔ عرشہ خالی پڑا تھا۔ اس کے باوجود کوئی خطرہ مول نہیں لیا جاسکتا تھا۔ ممکن ہے کوئی موجود ہی ہو اور اُسے شبہ ہو جائے۔ ہر چند میں اپنے مشن کی تکمیل کے لیے ہر خطرہ مول لینے پر آمادہ تھی لیکن اس کے ساتھ ہی اس بات کی خواہش مند بھی تھی کہ کوئی بے مقصد قدم نہ اُٹھائے اور میری کوششیں ناکام نہ رہ جائیں۔

اس لیے میں نے پانی کے نیچے نیچے تیرتے ہوئے آگے بڑھنا مناسب خیال کیا اور غوطہ لگا کر گہرائیوں میں پہنچ گئی۔ سمندر کی خاموش دُنیا پُرسکون تھی۔ آبی جانور گہرائیوں میں محوِ گردش تھے۔ دن اور رات کا تعین کائنات کے گوشے گوشے میں ہے اور خالق کائنات کے متعین کردہ اصولوں کی پابندی ہر مخلوق کرتی ہے۔ میں آہستہ آہستہ طے شدہ راستے کی طرف بڑھتی رہی اور چند ساعت کے بعد میں نے ایک سیاہ ہیولا دیکھا جو لہروں پر ڈگمگا رہا تھا۔

یہ جہاز کا لنگر تھا اور اس سے بندھی ہوئی موٹی زنجیر ہی جہاز تک میری رہنمائی کرسکتی تھی۔ چنانچہ میں نے زنجیر پکڑ لی اور اس کے ساتھ ساتھ آگے بڑھنے لگی۔ تھوڑی دُور جاکر یہ زنجیر بلند ہوگئی تھی۔ اب اس کے سوا کوئی اور چارہ کار نہیں تھا کہ میں دُوسرے خطرات کو نظر انداز کر کے اس زنجیر سے لٹک جاؤں... اور اس کے ذریعے جہاں تک جاسکوں جاؤں پھر دُوسرا طریقہ کار اختیار کروں کیوں کہ پانی میں رُک کر جہاز کے عرشے پر کمند پھینکنا ناممکن تھا۔ اس کے لیے کسی ٹھوس جگہ تک پہنچنا ضروری تھا۔

چنانچہ میں نے بلند ہوتی ہوئی موٹی کڑیوں میں لٹک کر آہستہ آہستہ آگے بڑھنا شروع کردیا۔ عرشے کی طرف میں نے دیکھنا ہی چھوڑ دیا تھا۔ خواہ مخواہ اگر کوئی منظر آگیا تو نروس ہو کر پانی میں گر پڑوں گی۔ اس سے بہتر ہے کہ اُوپر دیکھا ہی نہ جائے اور اگر کچھ لوگ اُوپر میرے استقبال کے لیے موجود ہوں تو اُن کے درمیان پہنچ کر ہی اُن کے بارے میں سوچا جائے۔

زنجیر کی فولادی کڑیاں میرے وزن کو بہ آسانی برداشت کر رہی تھیں۔ اِن میں کوئی جنبش بھی نہیں ہو رہی تھی۔ کسی کڑی کا زا... بھی نہیں بدلا تھا میرے بوجھ سے اور میں بڑے اطمینان سے اُن کے درمیانی خلا میں اُنگلیاں پھنسا پھنسا کر اُوپر چڑھ رہی تھی۔ میں... ان کڑیوں کا شمار نہیں کیا تھا۔ کیا ضرورت تھی۔ یہ کٹھن منزل تو طے کرنا ہی تھی۔ چنانچہ جب میں جہاز کی لنگر مشین کے نزدیک پہنچ گئی تب میں نے اُوپر دیکھا تھا۔

چوڑے چوکور خلا میں کافی گنجائش تھی۔ میں اطمینان سے اُس کے پلیٹ فارم پر کھڑی ہوگئی اور پھر میں نے وہ جدید فولادی کمند نکالی جس کے ذریعے مجھے باقی سفر کرنا تھا۔

جہاز کے درمیانی حصے سے میں نے وہ کمند ایک مخصوص انداز میں اُوپر کی طرف اُچھالی اور مضبوط اسٹیل کا ہک ایک تیز سرسراہٹ کے ساتھ جہاز کی ریلنگ کی طرف بڑھا اور کلک کی آواز کے ساتھ ریلنگ میں جا پھنسا۔ اس سلسلے کی پہلی ہی کوشش کارآمد ثابت ہوئی تھی۔ کم از کم اس حد تک کہ جہاز کے عرشے تک پہنچنے کی سیڑھی تیار ہوگئی تھی۔

میں چند ساعت خاموش کھڑی رہی۔ اُوپر سے کوئی اور آواز نہیں اُبھری تھی۔ جب اس بات کا کسی حد تک اطمینان ہوگیا تو میں نے پستول نکال کر دانتوں میں دبا لیا۔ پستول کی نال پہ سائلنسر لگا ہوا تھا۔ اس سے یہ فائدہ تھا کہ اگر ہنگامی طور پر کسی کو ہلاک کرنے کی نوبت آجائے تو وقتی طور پر دُوسروں کو اطلاع نہ ہوسکے۔ بہرحال میں کمند کے تار کو مضبوطی سے پکڑ کر پلیٹ فارم سے نیچے کھسک آئی اور اب میں تار پر معلق تھی۔ ایسے ہی خیالات میں... آہستہ آہستہ عرشے کی طرف کھسک رہی تھی یہاں تک کہ میں نے تھوڑی دیر کے بعد خود کو اُوپر پایا۔ ریلنگ کے ٹھنڈے لوہے کو پکڑ کر میں دُوسری طرف کود گئی۔

کسی قدر مسرت کے عالم میں میں نے چاروں طرف دیکھا... قرب و جوار میں اب بھی کسی کا وجود نہیں تھا۔ گویا میری تقدیر نے میرا ساتھ دیا ہے اور ابھی تک میں دُشمنوں کی نگاہ سے محفوظ ہوں... کامیابی کی خوشی کی گرم لہریں میرے بدن میں دوڑ رہی تھیں۔

...پستول دانتوں سے نکال کر ہاتھ میں لے لیا۔ چند ساعت ...ہ کر قرب و جوار کا جائزہ لیتی رہی۔ پھر کمند کے ہُک کو ...پھر ٹے کے اُس چھوٹے سے تھیلے میں ڈال لیا جو میری کمر ...ا بندھا تھا۔

...س کے بعد میں نے اس جگہ سے ہٹ جانا مناسب سمجھا۔ ...ہا کی بھی ٹھیک نہیں تھی تاروں کی روشنی میں دیکھ لیے ... امکان بھی تھا۔ اس لیے کوئی مناسب آڑ لے کر جائزہ لینا ...ھا۔ یہ جہاز کا عقبی حصہ تھا اور عرشے پر جگہ جگہ رسیوں کے ...ر ہے تھے۔ بہت سے ڈرم چنے ہوئے تھے جن میں نہ جانے ... اُن کی طرف جانے والا راستہ کسی قدر ڈھلوان تھا یعنی اس ...دی تھی۔ رسیوں کی آڑ میں پوشیدہ رہا جاسکتا تھا چنانچہ ... ایک ڈھیر کے عقب میں مورچہ بنا لیا۔ یہاں دس منٹ تک ...ں حالات کا جائزہ لیتی رہی۔

...عظیم الشان جہاز تھا۔ نہایت جدید۔ ساری چیزیں موجود تھیں۔ ...وچا اگر اس رات میں اپنے مشن میں ناکام رہی تو دن کی روشنی ...کے لیے کون سی جگہ مناسب رہے گی۔ ایسی جگہ جو میرے ...ین پناہ گاہ ثابت ہو۔

میری نگاہیں جہاز کا جائزہ لیتے لیتے اُن لائف بوٹس پر جا ... ہینگر میں لٹکی ہوئی تھیں اور میرے ذہن میں ایک خیال ... حالات میں یہ موٹر بوٹس توجہ کا مرکز نہیں ہوتیں نہ ہی ان ...ب یا صفائی ہوتی ہے اور پھر خاص طور سے اُس وقت جب ...ساحل پر کھڑا ہو اُن کی طرف کوئی توجہ نہیں ہوتی۔ اگر ان ...کوئی لائف بوٹ میری پناہ گاہ بن جائے تو بہترین رہے گی۔ ...تک پہنچنے کا راستہ... مجھے اس کے لیے جہاز کے اوپری ...جانا تھا۔

چنانچہ جہاز پر پھیلی ہوئی خاموشی سے مطمئن ہو کر میں اپنی جگہ ...آئی اور پھر اُوپر جانے والا راستہ تلاش کرنے لگی۔ جس کے ...زیادہ پریشان نہ ہونا پڑا۔ جہاز والے ضرورت سے زیادہ ...ھے۔ میں جہاز کے اوپری حصے میں پہنچ گئی اور ہینگر میں ...لی پہلی لائف بوٹ کے پاس جا کھڑی ہوگئی۔

...یہاں روشنی تھی۔ یہ روشنیاں اوپری منزل کے کیبنوں سے ...ہی تھیں۔ کہیں دُور سے موسیقی کی ہلکی آوازیں بھی اُبھر ...۔ اس جگہ زیادہ دیر رُکنا مندوش تھا۔ میں نے لائف ...یکھا۔ اُس پر ترپال ڈالی ہوئی تھی۔ لائف بوٹ کے کھلے ہوئے ...سائز کی ترپال تھی جو ہکس میں اٹکائی ہوئی تھی۔ ان ہکس کو کھولنا مشکل نہ ثابت ہوا اور میں لائف بوٹ میں اُتر گئی... اندر داخل ہو کر میں نے اطمینان سے کھلے ہوئے ہک دوبارہ اٹکا دیئے۔ نہایت محفوظ جگہ تھی۔ اندر گھٹن بھی نہیں تھی کیونکہ کھلے ہوئے ہکس میں سے ہَوا اندر آرہی تھی۔ دن کی روشنی میں اگر یہاں پوشیدہ رہنا پڑے تو کیا مشکلات پیش آسکتی ہیں۔ میں سوچ رہی تھی، یہاں بھی میں نے کئی منٹ صرف کیے اور یہ اندازہ لگایا کہ اس سے عمدہ جگہ اور کوئی نہیں ہوسکتی۔

اِکا دُکا خلاصی یا دُوسرے لوگ چلتے پھرتے نظر آجاتے تھے۔ میں اُن لوگوں کی نگاہوں سے محفوظ رہنے کے لیے چھپ جاتی تھی بہرحال اوپری لائف بوٹ تک پہنچنے میں بھی کوئی دقت پیش نہیں آئی۔ لائف بوٹ ہینگر میں کسی ہوئی تھی۔ میں اس میں داخل ہوگئی اور درحقیقت جہاز میں پوشیدہ رہنے کے لیے اس سے عمدہ مقام اور کوئی نہیں تھا۔ میں نے اپنا ضروری سامان اس لائف بوٹ میں منتقل کردیا اور یہاں سے جہاز کے دُوسرے حصّوں پر بھی نگاہ رکھی جاسکتی تھی۔ لائف بوٹ میں تھوڑی دیر رُک کر میں پھر وہاں سے چل پڑی۔ پستول میرے ہاتھ میں تھا اور میں چوکنّی بلّی کی مانند دبے قدموں چل رہی تھی۔

اطہر رضوی نے اپنے بیٹے کو بڑے اعتماد سے یہاں منتقل کیا تھا اور پھر پچھلی رات اُس کے آدمیوں سے بھی مڈبھیڑ ہوئی تھی۔ اس بات سے اندازہ ہوتا تھا کہ جہاز پر اس کے بڑے اثر و رسوخ ہوں گے۔ اس طرح جہاز پر جو سب سے آرام دہ رہائش گاہ ہوگی وہاں اس خونخوار وجود کو رکھا گیا ہوگا۔ چنانچہ اُسے تلاش کرنے کے لیے ایسی ہی جگہوں کی تلاش زیادہ مناسب تھی۔ میں جہاز کے رہائشی کیبنوں میں جھانکتی پھر رہی تھی۔ کئی کیبنوں میں مجھے بہت سے مناظر نظر آئے لیکن مجھے اُن سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ میں تو اپنی مطلوبہ شے تلاش کر رہی تھی۔

اس طرح بھٹکتی ہوئی میں نہ جانے کہاں سے کہاں نکل آئی اور پھر جہاز کی سب سے نچلی منزل کے ایک خوبصورت کیبن میں روشنی دیکھ کر میں رُک گئی۔ کسی نہ کسی طرح میں نے اندر جھانکنے کی جگہ تلاش کر ہی لی اور پھر اندر جو کچھ دیکھا اُسے دیکھ کر میرے پورے بدن میں سرد لہریں دوڑ گئیں۔ میں نے اپنا ٹارگٹ تلاش کرلیا تھا۔ اندر تیز روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ کیبن انتہائی عمدہ فرنیچر اور ضرورت کی دُوسری چیزوں سے آراستہ تھا۔ اس وسیع اور کشادہ کیبن میں وہ تنہا نہیں تھا۔ ایک خوبصورت لڑکی قابلِ اعتراض حالت میں وہاں موجود تھی۔ ویسے شکل و صورت سے وہ

ابھی لڑکی نظر نہیں آئی تھی۔ دراز قامت اور سرخ بالوں والی لڑکی جس کی ٹھوڑی پہ گڑھا تھا اور داہنے گال پر تل بھی نظر آ رہا تھا۔ وہ مسکرا بھی رہی تھی لیکن اس دوہرے وجود میں ایک کی گردن جھکی ہوئی تھی اور دوسرا لڑکی کو دیکھ رہا تھا۔ اُس کے ہونٹ سکڑے ہوئے تھے۔

"تو اب میرے ساتھ یہ دھوکا دہی ہونے لگی ہے"۔ وہ بولا اور دوسرے نے بھی چونک کر گردن اُٹھالی۔

میں نے اُن کی آواز سننے کے لیے کان اُس جھری سے چپکا دیے تھے اور چونکہ راہداری کا سناٹا تھا کوئی دوسری آواز نہیں اُبھر رہی تھی... اس لیے اُن کی آوازیں سننے میں مجھے کوئی دقت نہیں ہو رہی تھی۔

"کیا میں خوبصورت نہیں ہوں؟" لڑکی نے شیریں آواز میں کہا۔

"فضول باتیں مت کرو۔ تم مصنوعی ہو۔"

"مصنوعی...؟" لڑکی ہنس پڑی پھر بولی "تم غلط فہمی کے شکار ہو۔ مجھے چھو کر دیکھو۔ میں اصلی لڑکی ہوں۔"

"جھوٹ بکواس۔ تمھارے گال کا تل مصنوعی ہے۔"

"یہ تمھارے لیے ہے۔" لڑکی بولی۔

"ڈیڈی اب مجھ سے اُکتا گئے ہیں۔" وہ نفرت سے بولا۔ "بھاگ جاؤ مجھے تم سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔" اُس نے کہا۔

"مگر مجھے تم سے بہت دلچسپی ہے ڈارلنگ۔ تم انوکھے ہو۔ میں اس انوکھے وجود کا تجربہ کرنا چاہتی ہوں۔" لڑکی ہنس کر بولی۔

وہ کچھ سوچنے لگا۔ پھر اُس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"میں بھی بے وقوف ہوں۔ بالکل بے وقوف۔" اُس کی آواز میں کوئی ایسی بات تھی جس سے دوسرا وجود بھی چونک پڑا اور اُس کے انداز میں اضطراب نظر آنے لگا۔ لڑکی بھی چونک کر اُس کے اچانک بدل جانے والے موڈ کو دیکھنے لگی تھی۔

"میں نہیں سمجھی جناب۔" وہ بولی۔

"تم لڑکی ہو۔ جوان اور خوبصورت کیا تم زلیخا ہو؟"

"جی نہیں۔ میرا نام شہلا ہے۔ میں آپ کو بتا چکی ہوں۔"

"تمھاری فطرت بھی اس سے مختلف تو نہ ہوگی۔" وہ بولا اور پھر اُس نے ہاتھ پھیلا دیے۔ "آؤ میرے نزدیک آجاؤ... زلیخا۔ آؤ بھی۔" اُس نے کہا اور لڑکی مسکرا کر کھڑی ہوگئی۔

"چند لمحات کے لیے مجھے زلیخا ہی سمجھ لو۔ کیا فرق پڑتا ہے۔" وہ بولی۔

"ہاں اس میں حرج ہی کیا ہے۔" وہ اب لڑکی کے بالکل نزدیک پہنچ گیا۔ میں نے اُس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک

دیکھی تھی اور دوسرے لمحے میں مضطرب ہوگئی۔ اس لڑکی سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ نہ جانے یہ کون تھی۔ اُس کا کاروبار بھی نفرت انگیز تھا لیکن میں ایک اور زندگی کے لیے مضطرب ہو گئی تھی۔ میں ایک اور خون نہیں چاہتی تھی لیکن حالات شاید ... ماحول سے عدم واقفیت اور خود میں کھو جانا ہر شخص کے لیے ... نقصان دہ ثابت ہوتا ہے۔ میرے ساتھ بھی یہی ہوا۔ مجھے اندازہ ہی نہیں ہو سکا کہ چند لوگ کب اور کس طرح میرے نزدیک پہنچ گئے۔ کسی طرف سے کلائی پر ایسی ضرب پڑی کہ میرا ہاتھ جھنجھنا گیا ... اور پستول ہاتھ سے نکل گیا تھا اور اس کے بعد اُن گنت ہاتھوں نے مجھے پکڑ لیا تھا۔ یہ سب کچھ اس طرح اور اچانک ہوا کہ میں مدافعت کے لیے جنبش بھی نہیں کر سکی۔ ان لوگوں نے مجھے بے بس کرنے کے ساتھ میرا منہ بھی بند کر لیا تھا۔ پھر وہ سب مل کر مجھے اُٹھائے ہوئے اس راہداری سے باہر نکل آئے۔ اُن کی تعداد کا میں کوئی اندازہ نہیں لگا سکی تھی۔

وہ سب مجھے لیے ہوئے ایک ایسی جگہ آ گئے جہاں خوب تیز روشنی ہو رہی تھی۔ یہاں اُنھوں نے مجھے نیچے اُتار دیا اور تب میں نے اُن کی شکلیں دیکھیں۔ سب کے سب ہانگ کانگ اور سنگاپور کے باشندے تھے۔ اُنھوں نے اپنی زبان میں باتیں شروع کر دیں... دو آدمیوں کے ہاتھوں میں پستول بھی نظر آ رہے تھے۔

پستول والوں نے مجھے متوجہ کیا اور پھر اُن میں سے ایک نے ٹوٹی پھوٹی انگریزی زبان میں کہا۔ "اپنا چہرہ دکھاؤ۔" میں نے توقف کیا تو اُس نے پستول کو نال کی طرف سے پکڑ کر میرے شانے پر مارا اور غصیلے لہجے میں اپنا مطالبہ دہرایا۔ میں نے گہری سانس لے کر غوطہ خوری کی ماسک اُتار دی۔ میرے بال بکھر گئے تھے۔

اور اس کے ساتھ ہی ان لوگوں کے چہروں پر شیطانی مسکراہٹ پھیل گئی۔ سب خوش ہو کر ایک دوسرے کو میرے عورت ہونے کا مژدہ سنانے لگے۔ اُن کا انداز بڑا احمقانہ تھا اور اُن کے منہ سے طرح طرح کی آوازیں نکل رہی تھیں۔

لیکن پھر ہال کے دروازے سے ایک غراہٹ سنائی دی اور اُن کی زبانیں بند ہوگئیں۔ ایک طویل القامت گنجا آدمی جو یورپ کے کسی ملک سے تعلق رکھتا تھا، دروازے میں کھڑا سرخ سرخ آنکھوں سے اُنھیں گھور رہا تھا۔

"کیا شور مچا رکھا ہے تم لوگوں نے؟" وہ غرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"اوہ۔ کیپٹن۔ کیپٹن۔ یہ۔ یہ لڑکی۔ یہ۔" ٹوٹی پھوٹی انگریزی بولنے والے نے کہا۔ تب اُس نے میری طرف دیکھا۔

...ن ہے یہ؟"

...ہاز سے تعلق نہیں رکھتی۔ مشکوک حالت میں پائی گئی ہے۔"

...جہاز پر...؟" کیپٹن تعجب سے بولا۔

...اں کیپٹن۔"

...سلح تھی؟"

...اں کیپٹن۔ ہم نے اس کا پستول چھین لیا ہے۔" ایک دوسرے ...یہ ا پستول اُس کے سامنے کر دیا۔

...ڈ تعجب ہے۔" وہ مجھے گھورنے لگا۔ پھر کلائی سے ہونٹ خشک ...ں مڑ گیا۔ "اسے میرے کمرے میں لے آؤ۔"

...ر آپ اجازت دیں کیپٹن تو ہم اسے کہیں بند کر دیں... صبح ...شخص بولا اور کیپٹن پلٹ پڑا۔ اُس کی آنکھیں بے حد ...یں۔ ایک لمحے تک وہ اس شخص کو گھورتا رہا اور اس ...حالت خراب ہوگئی۔ پھر وہ دوبارہ واپس مڑ گیا اور اس ...ی پستول والے نے مجھے ٹھوکا دیا۔ "چلو..." اس کا لہجہ ...تھا۔ میں آگے بڑھ گئی۔ کیپٹن کا کیبن یہاں سے زیادہ ...ھا۔ غالباً اسی لیے اُس نے یہ آوازیں سن لی تھیں۔ پستول ...مجھے اس کیبن کے اندر دھکیل دیا۔ کیپٹن نے میری طرف ...ہیں دی تھی۔

...ولے سے خوبصورت کیبن کے فرش پر سرخ قالین بچھا ...اریں سفید تھیں۔ ایک دیوار پر جہاز کی بہت بڑی تصویر ...ہ ایک جانب مسہری پڑی ہوئی تھی۔ اس کے نزدیک ...ڑے ہوئے تھے۔ صوفوں کے سامنے سینٹر ٹیبل پر شراب ...دتھی اور اس کے نزدیک رکھے ہوئے گلاس کے ...شراب نظر آ رہی تھی۔ جس وقت اُسے شور کی آواز سنائی ...س وقت وہ غالباً شراب پی رہا تھا اور اپنی یہ تفریح ...چھوڑ کر اُٹھ گیا ہوگا۔

...ی طرف سے انتہائی بے پروا وہ دوبارہ صوفے پر جا ...سے شراب انڈیلی اور پانی ملائے بغیر اُس کے دو تین ...گھونٹ لیے پھر ہونٹ چوس کر میری جانب دیکھا ...سے وحشیانہ انداز میں مسکرایا۔

...ازہ بند کر دو۔"

...یکن... لیکن جناب؟"

...دو؟" وہ کسی بھیڑیے کی سی غراہٹ کے ساتھ بولا اور ...گہری سانس لے کر دروازہ اندر سے بند کر دیا۔

...سامنے آؤ۔" وہ پھر بولا اور میں اُس کے سامنے پہنچ گئی...

"غوطہ خوری کے لباس کے نیچے تمھارا اپنا لباس بھی ہوگا؟" وہ پھر اُسی وحشیانہ انداز میں مسکرایا۔

"ج ج جی ہاں، جی ہاں۔" میں نے کہا۔ اس شخص سے میں ذرا بھی مرعوب نہیں ہوئی تھی لیکن ابھی حالات کو کنٹرول کرنا تھا، اس کے ساتھی قرب و جوار میں یقیناً موجود ہوں گے اور اگر فوری طور پر کوئی حرکت کی جائے تو وہ اُنھیں آواز دے کر بلا بھی سکتا تھا، اس لیے میں نے نرم رویہ ہی اختیار کیا۔

"تو پھر یہ فضول سا لباس اُتار دو، عجیب لگ رہا ہے تمھارے بدن پر...؟"

"جناب... جناب میں...؟"

"یہ ساری باتیں بعد میں بھی ہو سکتی ہیں، انسان بنو، اس دلچسپ ماحول میں دلچسپی لو۔" اُس نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے کوئی بلی چوہے سے کھیل رہی ہو، وہ مجھے اپنے سامنے بے حقیقت سمجھ رہا تھا۔ ویسے یہ شخص میرے اپنے نزدیک یا تو فرانسیسی ہو سکتا تھا یا فرانس کے قرب و جوار کا کوئی باشندہ، اس کی انگریزی بھی کچھ اسی قسم کی تھی۔ میں ان جیسے افراد سے خاصی واقفیت رکھتی تھی، چنانچہ میں نے غوطہ خوری کے لباس کی زپ کھول دی۔ اُس کے نیچے میرا لباس موجود تھا۔

"بیٹھو...؟" اُس نے مسکرا کر، للچائی ہوئی نگاہوں سے دیکھا۔ "آؤ بیٹھو۔ بیٹھ جاؤ؟"

"نہیں میں یہاں ٹھیک ہوں۔"

"چلو ٹھیک ہے، تعارف تو ضروری ہے۔" وہ جیسے خود ہی فیصلہ کر کے بولا۔ "ہاں اب تم اپنے بارے میں بتاؤ۔"

"کیا بتاؤں؟"

"تم جہاز پر کیسے آئیں؟"

"لنگر کی زنجیر پکڑ کر۔" میں نے جواب دیا۔

"بڑا مشکل کام ہے۔"

"میں ایسے مشکل کام بہ آسانی کر لیتی ہوں۔"

"بہت چالاک ہو۔" وہ پھر مسکرایا۔

"یہاں آنے کا مقصد...؟" اُس نے پوچھا۔

"بس میں اپنے منہ سے کیا بتاؤں۔ آپ خود سمجھ گئے ہوں گے؟"

"میں نہیں سمجھا ڈارلنگ، اگر میرے سمجھنے کی بات کرتی ہو تو میں یہی کہوں گا کہ تم میری تنہائی دور کرنے کے لیے آئی ہو، یوں بھی یہ تنہائیاں مجھے زیادہ پسند نہیں تھیں۔" وہ ہلکا سا قہقہہ

لگا کر بولا اور پھر ایک دَم سنجیدہ ہوگیا: جواب دو۔ جہاز پر کیوں آئی تھیں ؟"
" بس چور... چوری کرنے۔"
" واہ... مقامی لڑکیاں ایسے کام بہت کم کرتی ہیں۔"
" میرا یہی... یہی پیشہ ہے۔" مَیں نے ڈھٹائی سے جواب دیا۔
" اچھا پیشہ ہے، مجھے پسند ہے۔ کم از کم اس میں تحریک رہتی ہے، لیکن یہ انوکھی چوری میری سمجھ میں نہیں آئی۔"
" کیوں جناب انوکھی چوری کیوں ؟" میں نے پوچھا۔
" بھئی اتنا پریشان کُن سفر طے کرنے کے بعد کسی جہاز میں داخل ہونا۔ جب کہ چوری کے بے شمار مواقع تو شہر میں ہی میسّر ہوتے ہیں۔"
" مَیں اسی لائن پر کام کرتی ہوں۔"
" یعنی... ؟"
" بس بندرگاہوں کے کھلے ہوئے حصّے میں کھڑے غیر ملکی جہازوں میں چوری کرتی ہوں۔"
" خوب تو تمھارے ساتھی بھی ہوں گے ؟"
" نہیں مَیں تنہا ہوں۔" مَیں نے جواب دیا۔
" خیر مجھے ان سے کوئی غرض، کوئی دلچسپی نہیں ہے، مَیں تو صرف یہ سمجھتا ہوں کہ اس وقت تم صرف میرے لیے آئی ہو۔" اُس نے کہا اور دوبارہ گلاس میں شراب انڈیلنے لگا۔ چند لمحات کے لیے مَیں سٹپٹا گئی تھی۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ مَیں کیا کروں۔ چنانچہ یہ سوچ کر مَیں نے فوری طور پر ایک فیصلہ کیا۔ اگر کام بن جائے تو ٹھیک ہے، ورنہ جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ چنانچہ مَیں ایک گہری سانس لے کر ایک اسٹول پر بیٹھ گئی۔
" گڈ... یہاں نہیں بیٹھو گی میرے پاس ؟"
" نہیں جناب، شراب کی بُو سے الرجی ہے مجھے۔"
" ٹھیک ہے، ٹھیک ہے، مَیں تمھیں مجبور نہیں کروں گا۔" اُس نے جواب دیا اور پھر صوفے پر ٹک گیا۔ " تمھارا کام صرف چوری ہے۔" وہ بولا۔۔
" نہیں جناب دُوسرے کام بھی کر لیتی ہوں۔"
" مثلاً... ؟"
" دراصل مختلف لوگ مجھے اپنے مختلف مقاصد کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ مَیں خاصی دلیر لڑکی ہوں۔ کسی بھی خطرناک کام میں ہاتھ ڈالنے پر مجھے کوئی عار نہیں ہوتا۔ چنانچہ ایک شخص جس کا نام فریدالدین ہے، کافی دنوں سے مجھے ایک کام کے لیے کہہ رہا تھا اور اب اُس نے مجھے کچھ اطلاعات فراہم کی ہیں اور یہ کہا ہے کہ اگر جہاز پر سے مَیں کوئی چیز چُرا کر نہ لا سکوں تب بھی وہ مجھے اِس کام کا معاوضہ پانچ ہزار روپے دے گا۔"
" اوہو۔ خوب، کیا کام ہے ؟ مَیں تمھاری مدد کروں گا۔" اس سلسلے میں کیپٹن فلش نے کہا۔ گلاس تیسری بار لبریز ہوگیا... اور کیپٹن نے اسے معدے میں انڈیل دیا۔ چوتھی بار مَیں نے بوتل کی تلچھٹ تک اُس کے گلاس میں انڈیل دی تھی اور وہ میری اِس کارروائی سے بہت خوش ہُوا اور ہنسنے لگا۔ " ہاں ڈارلنگ تم نے بتایا نہیں کیا کام ہے وہ ؟"
" ایک خاص شخصیت کے بارے میں معلومات۔"
" خاص شخصیت ؟"
" ہاں...؟"
" کون ہے وہ ؟"
" یہیں اسی جہاز پر موجود ہے۔"
" کوئی مقامی شخصیت ہے ؟"
" جی...؟" مَیں نے کہا، اس دوران میں کیپٹن فلش کے چہرے کا جائزہ لیتی رہی تھی، اُس کا چہرہ آگ کی طرح سُرخ ہو رہا تھا، یقیناً وہ اس بات کوشش کر چونکتا لیکن شراب اُس کے حواس پر بُری طرح اثر انداز ہو چکی تھی۔ اس لیے وہ میری باتوں پر کم اور میرے وجود پر زیادہ توجہ دے رہا تھا۔
" کون ہے وہ۔ مجھے اُس کے بارے میں بتاؤ۔" کیپٹن فلش نے کہا۔
" چھوڑیے جناب کیا رکھا ہے اِن باتوں میں۔ آپ اِس جہاز کے کپتان ہیں ؟"
" ہاں...؟"
" آپ کی شخصیت بے حد دِلکش ہے۔" مَیں نے مُسکراتے ہوئے کہا۔ اگر شراب اس خطرناک شخص کے حواس پر اثر انداز نہ ہوتی تو شاید یہ اِس قدر احمق نہیں ثابت ہوتا لیکن اِس کی موجودہ کیفیت میرے لیے معاون تھی۔ وہ پُوری بوتل خالی کر چکا تھا۔
" تمھارا شکریہ۔ تمھارا کیا نام ہے ؟"
" جولیا۔"
" اوہ۔ کرسچن ہو ؟"
" جی ہاں۔"
" یہ اور اچھی بات ہے۔ مَیں ناروے کا باشندہ ہُوں۔ جولیا ڈارلنگ۔ وہ ٹیپ ریکارڈر آن کر دو، اور اس کے عقب کی الماری سے شراب کی دُوسری بوتل نکال لاؤ۔ اس تہبارات میں مَیں

تھا کہ تھوڑی سی پی کر سو جاؤں گا لیکن تمھاری آمد نے میری ...یاں بڑھا دی ہیں۔"
" شکریہ جناب۔" مَیں نے جواب دیا اور نہایت سعادت مندی ...ٹھ گئی۔ یہ بات تو میرے حق میں جاتی تھی۔ مَیں نے ٹیپ ریکارڈر ...ر دیا اور الماری سے شراب کی بوتل نکال لی۔ پھر اُس کے ...ب بیٹھ کر بوتل کھولی اور اُس کا گلاس بھر دیا۔ ہلکی موسیقی ...نے لگی تھی اُس نے یہ گلاس بھی خالی کر دیا۔
" تم نے مجھے اُس شخصیت کے بارے میں نہیں بتایا ؟"
" آپ میرا مذاق اُڑائیں گے۔" مَیں نے ہنس کر کہا۔
" کیوں... ؟"
" بس کچھ ایسی ہی بات ہے۔ کیا کسی ایک انسان کے دو وجود ...تے ہیں ؟" مَیں نے بدستور ہنستے ہوئے کہا۔
" کیوں نہیں ہو سکتے ؟"
" کیا مطلب ؟"
" ایسی ایک شخصیت اِس جہاز پر موجود ہے۔"
" کیا واقعی ؟"
" مَیں تمھیں دکھا سکتا ہُوں۔"
" اوہ۔ تعجب ہے۔ اِس کا مطلب ہے اُس شخص نے مجھ سے ...کہا تھا ؟" مَیں نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔
" ہاں۔ وہ بجوبہ اِس جہاز پر موجود ہے۔ کل دِن کی روشنی میں ...ہ دیکھ لینا۔"
" ضرور دیکھوں گی مسٹر فلش۔ ویسے کیا وہ شخص مقامی ہے ؟"
" ہاں۔ ایک بڑے سرمایہ دار کا بیٹا۔" کیپٹن فلش نے کہا ...سنے دوبارہ اُس کا گلاس بھر دیا۔
" لیکن وہ یہاں کیوں موجود ہے ؟"
" اُسی شخص کی درخواست پر۔ اُس کے خیال میں چند لوگ ...رے وجود کے دُشمن ہو گئے ہیں۔"
" آپ لوگوں کا اس سرمایہ دار سے کیا تعلق ہے...؟" مَیں ...چھا۔
" اوہ۔ ڈیئر۔ وہ ہمارے ڈائرکٹروں میں سے ہے۔ اِس شپنگ ...سب سے بڑا حِصّے دار جس کا یہ جہاز ہے۔"
" گڈ... تو کیا وہ اپنے بیٹے کو یہاں سے باہر بھیج رہا ہے ؟"
" اس بارے میں ہمیں کوئی ہدایت نہیں ملی۔" کیپٹن فلش ...مَیں دورانِ گفتگو اُس کا گلاس بھرتی جا رہی تھی اور یہ ...ہ خالی ہوتی جا رہی تھی۔ جب پُوری بوتل خالی ہو گئی... تو مَیں نے اُس سے نئی بوتل کے بارے میں پُوچھا تو وہ ہنس پڑا...
" تھوڑی دیر کے بعد۔ اب تم مجھے اپنے بارے میں بتاؤ۔"
" کیا... ؟" مَیں نے پُوچھا۔
" سمجھنے کی کوشش کرو۔" اُس نے کہا۔ وہ اپنی جگہ سے اُٹھ گیا اور مَیں اُچھل کر کھڑی ہو گئی۔
" تھوڑی سی گفتگو اور کریں مسٹر فلش ؟"
" کریں گے۔ تمھاری پسند کی ساری گفتگو ہو گی لیکن..." اُس نے میرا بازو پکڑ لیا۔ کم بخت کی گرفت یُوں محسوس ہُوئی تھی جیسے میرا بازو کسی مشین میں آگیا ہو۔
" آہ... آپ نے تو میرا بازو توڑ ہی دیا مسٹر فلش۔" مَیں نے کہا۔ لیکن میرا دُوسرا ہاتھ شراب کی خالی بوتل کو گرفت میں لے چکا تھا۔
" آؤ ڈارلنگ۔ مَیں زیادہ انتظار کا عادی نہیں ہُوں۔" اُس نے مجھے مسہری کی طرف گھسیٹا اور مَیں نے بوتل پُوری قوت سے اُس کے سَر پر دے ماری۔ بوتل ٹوٹ گئی اور اُس کی کرچیں بکھر گئیں۔ ایک ہلکی سی آواز کے ساتھ اُس نے میرا بازو چھوڑ دیا
لیکن اُس کے انداز نے میرے رونگٹے کھڑے کر دیے۔ بوتل کے اِس بھرپُور وار سے تو موت بھی واقع ہو سکتی تھی لیکن وہ اُسی طرح کھڑا ہُوا تھا جیسے یہ ضرب اُس کے لیے کوئی اہمیت نہ رکھتی ہو آنکھوں پر بہہ آنے والے خُون کو اُس نے پُونچھ لیا اور غرّایا۔
" آؤ... تمھاری عافیت اسی میں ہے۔"
" نہیں مسٹر فلش۔ مَیں یُوں بھی بخیریت ہُوں۔" مَیں نے کہا اور اُس کی آنکھوں میں جنون نظر آنے لگا۔
" کتیا۔ خود کو بہت چالاک سمجھتی ہے۔ ہے نا ؟" اُس کی سفّاک مُسکراہٹ پھر اُبھر آئی اور اُس نے دونوں ہاتھ پھیلا دیے۔
" خُود پر قابو رکھو مسٹر فلش۔ ورنہ زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھو گے۔" مَیں نے سرد لہجے میں کہا اور وہ ہنس پڑا۔
" آجا۔ آگے آجا۔ جو کچھ کر چکی ہے مَیں اسے مُعاف بھی کر سکتا ہُوں۔" اُس نے ہنستے ہوئے کہا۔
" تم گدھے ہو کیپٹن فلش۔ مَیں تمھیں زندگی سے محرُوم کر دُوں گی۔ ورنہ خود کو قابو میں رکھو۔" مَیں نے کہا۔
" اتنی دیر سے خود کو قابُو میں رکھے ہُوئے ہُوں جانم۔ اس کا تجھے احساس نہیں ہے۔ تُو اپنی دانست میں مجھے اتنی دیر سے بے وقوف بنا رہی ہے۔ شراب پلائے جا رہی ہے اس اُمید پر کہ مَیں بے ہوش ہو جاؤں۔ تجھے یہ سُن کر خوشی ہو گی کہ مَیں چھ بوتلیں صبح اور چھ رات کو پیتا ہُوں اور آج تک میرے کسی ساتھی نے

مجھے نشے میں نہیں دیکھا۔ ابھی تو صرف دو بوتلیں ہوئی ہیں۔ تیرا کیا خیال ہے کیا میں اتنی سی بات نہیں سمجھ سکا کہ تُو اطہر رضوی کے مخالف گروپ سے ہے اور اُس کے بیٹے کے خلاف جاسوسی کرنے آئی ہے۔"

"ہوں۔ تم واقعی چالاک ہو کیپٹن فلش۔۔۔ لیکن تمھاری اِس قدر معلومات میرے حق میں بہتر نہیں ہیں۔"

"میری یادداشت بہت خراب ہے اگر تُو میرے ساتھ تعاون کرے تو میں سب کچھ بھول جاؤں گا اور خاموشی سے تجھے واپسی کی اجازت دے دُوں گا۔"

"چنانچہ تمھاری زندگی مناسب نہیں ہے۔" میں نے اُس کی بات پر توجہ دیے بغیر کہا اور پستول نکال لیا۔ پستول دیکھ کر کیپٹن فلش ایک لمحے کے لیے چکرا گیا تھا۔ اُس کے ساتھیوں نے اُسے اطلاع دی تھی کہ میرا پستول چھین لیا گیا ہے لیکن اُن سے بُنیادی غلطی ہو گئی تھی۔ وہ یہ کہ اُنھوں نے میرے پُورے بدن کی تلاشی نہیں لی تھی۔ دُوسرا پستول اب بھی میرے لباس میں پوشیدہ تھا۔

"تُو حماقت کر رہی ہے" جولیا۔ اس وقت اطہر رضوی کے متعین کردہ محافظوں میں سے کوئی جہاز پر موجود نہیں ہے، صُورتِ حال میرے قابو میں ہے۔ کوئی تیرے بارے میں نہیں جان سکے گا۔۔۔ تُو اطمینان سے نکل کر جا سکتی ہے۔"

کیپٹن فلش کیبن کی ایک دیوار سے ٹِک گیا لیکن میں نے اُس کی چالاکی محسوس کر لی تھی۔ وہ دیوار کے ایک بٹن پر انگلی رکھنے جا رہا تھا۔ چنانچہ دُوسرے لمحے میں نے گولی چلا دی۔ سائلنسر لگے پستول سے کوئی آواز نہیں نکلی تھی۔ میں نے دُوسری اور پھر تیسری گولی بھی چلا دی۔ اُس کی سخت جان کا میں نے اندازہ لگا لیا تھا۔

تین سُوراخ ہو گئے تھے اُس کے بدن میں لیکن کوئی آواز نہیں نکلی تھی۔ وہ خونخوار انداز میں مجھ پر لپکا اور چوتھی گولی میں نے اُس کی پیشانی پر ماری تھی۔ وہ اوندھے مُنہ میز پر گر گیا۔

دُوسرے لمحے میں نے پستول کا چیمبر کھول کر اُس کے خالی خانے پُر کر لیے اور پھر بُرق رفتاری سے دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ جُونہی میں نے دروازہ کھولا تین چار آدمی مجھ پر ٹُوٹ پڑے۔ غالباً کیپٹن فلش نے بٹن دبانے میں کامیابی حاصل کر لی تھی۔۔۔

میں زمین پر لیٹ گئی اور صرف ایک فائر کرنے میں کامیاب ہو سکی۔ دُوسرے لمحے کسی نے عقب سے میرے سَر میں ٹھوکر ماری اور میرا دماغ چکرا گیا اور اس کے بعد وہ سب دوبارہ مجھ سے چمٹ گئے۔ بدن کے کئی حصّوں پر زوردار ٹھوکریں پڑیں اور میرے حواس گُم ہو گئے۔

مکمل بے ہوشی نہیں طاری ہُوئی تھی لیکن حواس بھی بحال نہیں تھے۔ آوازیں کانوں میں گُونج رہی تھیں لیکن وہ کیا کہہ رہے ہیں کیا کر رہے ہیں، یہ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا بس ایک عجیب سی کیفیت تھی۔ نہ جانے کتنی دیر گزر گئی۔ نہ جانے کیا دَور ہُوا تھا۔ نہ جانے اس دوران کیا ہوتا رہا تھا کسی بات کا کوئی صحیح احساس نہیں تھا۔ ہاں پھر کانوں میں ایک زوردار چھپاکے کی آواز اُبھری۔ بدن کو جھٹکا لگا اور پھر ایک دَم پانی میں بھیگنے کا احساس ہُوا تو حواس واپس آ گئے۔

پانی سَر سے اُونچا ہو چُکا تھا۔ میں سمندر کی گہرائیوں میں اُتر رہی تھی۔ ہاں میں پانی ڈُوب رہی تھی اور۔۔۔ اور میں نے تیرنے کے لیے دونوں ہاتھ سیدھے کرنے کی کوشش کی لیکن دونوں ہاتھ پُشت پر بندھے ہُوئے تھے۔ میں نے پیروں کو جُنبش دینا چاہا لیکن پاؤں۔۔۔ وہ تو مَنوں وزنی ہو رہے تھے۔

آہ۔ یہ کیا۔۔۔ میرے پیروں میں وزنی پتھر بندھے ہُوئے تھے۔ ان لوگوں نے مجھے سمندر میں ڈبونے کی کوشش کی تھی۔ سانس لینا ممکن نہیں تھا۔ دَم گُھٹ رہا تھا اور میں گہرائیوں میں بیٹھتی جا رہی تھی۔ اب بے حواس ہونا کیسے ممکن تھا۔ موت بدن کو چھُو رہی تھی۔ اُس کا کرب ناک لمس اس سے قبل اس طرح محسوس نہیں کیا تھا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ بچنے کی کیا کوشش کروں۔۔۔ ابھی چند لمحات کے بعد۔ صرف چند لمحات کے بعد دَم گُھٹ جائے گا اور میں گہرائیوں میں پہنچنے سے قبل ہی ختم ہو جاؤں گی۔ موت۔ آہ۔۔۔ آہ۔۔۔ موت نے مجھے میری دُنیا سے دُور کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

کوئی بات نہیں ہے۔ یہ تو ہونا ہی تھا۔ یہ تو۔۔۔ سوچنے سمجھنے کی قوتیں سلب ہونے لگی تھیں اور پُورے بدن میں موت کی اینٹھن ہونے لگی تھی۔ تبھی کوئی بڑی مچھلی قریب سے گزری اور نہ جانے کیوں پاؤں ہلکے ہو گئے اور پھر کچھ ہُوا۔ شاید مچھلی نے میری کمر پکڑ لی تھی۔ پھر بچّوں کے قہقہوں کی سی آوازیں۔ پھر نہ جانے کیا ہوا مجھے نیند آ گئی۔ اِس کے بعد صبح ہو گئی۔

جیسے کسی خواب سے جاگی ہُوں۔ چُوڑی دار پاجامے اور شیروانی میں ملبُوس کوئی میرے قریب ہی کھڑا تھا۔ پاؤں گھٹنوں تک نظر آ رہے تھے۔ اس سے اُوپر دیکھنا ممکن نہیں تھا۔

"کون ہے؟" میں نے پُکارا۔۔۔ اور شیروانی میرے نزدیک بیٹھ گئی۔

"بندوں کو تصوّر عالم کہتے ہیں۔" جانی پہچانی آواز شیروانی سے

میں نے نہ جانے کیوں آنکھیں بند کر لی تھیں۔ دماغ کی بُری ۔۔۔ بُری طرح سنسنا رہا تھا۔ دل چاہ رہا تھا بس سو جاؤں۔ ۔۔۔ تک سوتی رہُوں جب تک سوتے سوتے تھک نہ جاؤں۔ ۔۔۔ یہ آواز اور گزرے ہُوئے واقعات۔ دونوں کا آپس میں کیا تعلق ۔۔۔ اس احساس نے پھر جگا دیا۔

"یہ کون سی جگہ ہے؟"

"بابر پوائنٹ۔ نہایت پُر فضا مقام ہے۔"

"آپ یہاں کیسے آ گئے؟"

"تصویر کشی کا شوق لے آیا۔ آج کل مصوّری کی مشق کر رہا ۔۔۔ آئیے میں آپ کو اپنی نئی تصویر دِکھاؤں۔"

"سمندر کے نیچے تصویر کشی ہو رہی تھی؟"

"نن۔ نیچے۔ توبہ کریں۔ مجھے صرف پانی سے خوف آتا ہے۔ اس ۔۔۔ زیادہ کبھی دُنیا کی کسی چیز سے نہیں ڈرا۔"

"ہُوں۔ اب آپ یہ کہیں گے کہ مجھے سمندر سے بچانے والے ۔۔۔ نہیں ہیں۔"

"سمندر سے بچانے والے؟" بُقراط تعجب سے بولا۔ "سمندر آپ ۔۔۔ بگاڑ رہا تھا؟"

"تصوّر صاحب، تصوّر صاحب۔ اِس وقت میرا دماغ اِس ۔۔۔ نہیں ہے کہ میں آپ سے سَر کھپاؤں، اللّٰہ کے واسطے میری حالت ۔۔۔ کیجیے۔"

یہ شخص پھر اُنہی فضول باتوں پر اُتر آیا تھا جن سے مجھے ۔۔۔ تھی۔ حالانکہ میرے دل میں اس بات کا اعتراف تھا۔ کہ یہ ۔۔۔ آبرو بھی بچا چکا ہے اور زندگی بھی۔ لیکن اس کی بکواس، ۔۔۔ نے یہی بہتر سمجھا کہ اس بار اس سے کوئی گفتگو نہ کی جائے ۔۔۔ ذہن میں جھنجلاہٹ پیدا نہ ہو۔ بُقراط میری طرف خاموشی سے ۔۔۔ رہا تھا۔ پھر اُس نے کہا۔

"آپ میری تصویر نہیں دیکھیں گی؟"

"دِکھاؤ کہاں ہے تصویر؟" میں نے نالاں انداز میں کہا اور ۔۔۔ نے ایک طرف اشارہ کر دیا اور واقعی اُس طرف دیکھ کر میری ۔۔۔ تعجب سے پھیل گئی تھیں۔

بُقراط کی وہی مشہُورِ زمانہ موٹر سائیکل کھڑی ہُوئی تھی اس ۔۔۔ ایک کینوس بورڈ اور اُس کا اسٹینڈ موجود تھا۔ اسٹینڈ ۔۔۔ تصویر لگی تھی، اور اُس کے قریب ہی ایک تپائی پر ایزل ۔۔۔ برش وغیرہ نظر آ رہے تھے۔ میں نے گہری سانس لی۔

"بُقراط صاحب اگر آپ محسوس نہ کریں تو ایک زحمت اور

فرمائیں۔ مجھے کسی ایسی جگہ چھوڑ دیں جہاں مجھے واپسی کی سواری مل جائے۔"

"سواری کی کیا ضرورت ہے خاتون، میری موٹر سائیکل موجود ہے۔ چلیے میں آپ کو آپ کے فلیٹ پہنچا دوں۔" بقراط نے کہا اور میں نے شکریہ ادا کر کے گردن ہلا دی۔

بمشکل تمام قدموں کو گھسیٹتی ہوئی وہاں تک پہنچی جہاں بقراط کا ایزل اور تصویر کشی کا دُوسرا سامان رکھا ہوا تھا۔ اسٹینڈ پر لگی تصویر پر میں نے غور کیا تو مجھے بے اختیار مسکرانا پڑا۔ تصویر میں سمندر کے کنارے تین گدھے ایک دُوسرے کی طرف منہ کیے کھڑے ہوئے تھے۔

"ذرا اس طرف غور کیجیے۔" بقراط نے اپنی تصویر کی طرف اشارہ کیا۔

"خُدا کے لیے... خُدا کے لیے مجھ پر رحم کھائیے بقراط صاحب، میں اس وقت کسی چیز پر غور نہیں کر سکتی۔"

"اوہ یہ بد ذوقی ہے۔ کور ذوقی ہے۔ خیر برداشت کرنا پڑے گی، آیئے تشریف لائیے۔" وہ بولا اور اُس نے اپنا سامان سمیٹنا شروع کر دیا۔ سامان سمیٹ کر اُس نے عجیب سے انداز میں موٹر سائیکل کے مختلف حصّوں میں ٹھونسا اور پھر موٹر سائیکل اسٹارٹ کرتے ہوئے بولا۔

"آیئے تشریف رکھیے۔" میں پچھلی سیٹ کی جانب بڑھ گئی، لیکن بڑی ہی دردناک صورتِ حال تھی۔ پچھلی سیٹ اس قابل تو تھی کہ میں اُس پر بیٹھ سکوں اور موٹر سائیکل کے کسی پیڈل پر پاؤں بھی ٹکا سکوں لیکن اس میں ایسی کوئی چیز نہیں تھی جس سے میں اپنا بیلنس سنبھال سکتی۔ اِس کے سوا کوئی صورتِ حال نہیں ہو سکتی تھی کہ میں بقراط کی کمر میں ہاتھ ڈال لوں اور یہ بات مجھے سخت ناپسند تھی۔

میں بیٹھ تو گئی اور بقراط نے موٹر سائیکل اسٹارٹ کر کے آگے بڑھائی۔ بڑی مشکل سے میں نے خود کو گرنے سے بچایا تھا اور اس کے بعد میں نے بقراط کی کمر پکڑ لی۔ بقراط موٹر سائیکل پر لچکنے لگا تھا اور اُس کے مُنہ سے ہنسی کی آوازیں بھی نکل رہی تھیں۔

"کیا مصیبت نازل ہو گئی تم پر؟" میں نے جھلاتے ہوئے انداز میں کہا۔

"گدگدیاں ہو رہی ہیں، ذرا ہاتھ تھوڑے سے اُوپر کر لیجیے..."

اُس نے بدستور لچکتے ہوئے کہا اور میں نے جھلاتے ہوئے انداز میں اُس کی کمر چھوڑ دی... لیکن وہی مصیبت، کمر چھوڑتی تو نیچے گر پڑتی کیونکہ اعصاب قابو میں نہیں تھے، خیر میں نے ہاتھ تھوڑے سے اُوپر کر لیے،

میں بدستور اُس کی کمر تھامے بیٹھی ہوئی تھی اور حالات اُلجھنیں میرے ذہن میں چکرا رہی تھیں۔ تھوڑی دیر کے بعد موٹر سائیکل شہر میں داخل ہو گئی لیکن بقراط اپنی مرضی سے آگے آگے بڑھائے چلا جا رہا تھا۔ ایک سڑک پر جب وہ مڑا تو میں نے اُس سے اس بارے میں سوال کر ہی دیا۔

"کہاں جا رہے ہو بقراط؟"

"مناسب جگہ آپ فکر نہ کریں۔"

"لیکن کہاں، میں پُوچھتی ہوں کہاں؟"

"محترمہ عالیہ، تصورِ عالم اتنا بُرا انسان تو نہیں ہے کہ آپ کسی تشویش کا شکار ہو جائیں۔" اُس نے کہا، اس بار اُس کے لہجے میں سنجیدگی تھی، چنانچہ میں خاموش ہو گئی۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد موٹر سائیکل جس جگہ داخل ہوئی اُسے دیکھ کر میں حیران رہ گئی۔ یہ ڈاکٹر فرزانہ کا کلینک تھا باہر ہی ایک بورڈ نظر آ رہا تھا۔ بقراط نے کلینک کے احاطے میں موٹر سائیکل روک دی۔

"یہاں کیوں...؟" میں نے سوال کیا۔

"براہِ کرم اندر تشریف لائیے، جو کچھ کر رہا ہوں آپ کے حق میں بہتر ہے۔" بقراط کا لہجہ اس بار بھی کچھ سنجیدہ اور بدلا بدلا سا تھا۔ میری سمجھ میں کوئی بات نہیں آئی، بقراط مجھے لے کر ڈاکٹر فرزانہ کے آفس میں پہنچ گیا۔ ڈاکٹر فرزانہ چند کاغذات میں مصروف تھی۔ ہمیں دیکھ کر اُس نے گردن اُٹھائی اور پھر اُس کے چہرے پر حیرت اور مسرّت کے مِلے جُلے تاثرات نظر آنے لگے۔

"ارے آپ لوگ۔ آپ لوگ۔ اوہ، مگر یہ حلیہ کیا بنا رکھا ہے!"

"ڈاکٹر فرزانہ۔ آپ سے کچھ کام ہے۔" بقراط بولا۔

"جی جی کہیے، کیا کام ہے؟" ڈاکٹر فرزانہ کے چہرے پر شرارت آمیز مسکراہٹ تھی۔

"محترمہ عالیہ تقریباً ایک ہفتے سے بیمار ہیں اور آپ کے کلینک میں داخل ہیں، آپ کے پاس جتنے کاغذات موجود ہیں، جتنے رجسٹر ہیں، سب میں اُن کی ایک ہفتے پہلے آمد کا اندراج ہو گا۔ ابھی یہ مزید ایک ہفتے تک اس قابل نہیں ہو سکتیں کہ اُنھیں اسپتال سے رُخصت دی جائے، براہِ کرم آپ انتظامات کر لیں۔ بیماری کا تعین آپ خود کریں گی، کیا میں اُمید رکھوں کہ آپ یہ سب کچھ کر لیں گی؟"

"ہاں ہاں کیوں نہیں۔" ڈاکٹر فرزانہ نے پُرخیال انداز میں کہا۔

میں حیران نگاہوں سے ڈاکٹر فرزانہ کو دیکھ رہی تھی۔ ابھی تک کوئی ایسی بات نہیں تھی جو میری سمجھ میں آئی ہو۔

بقراط نے جتنی سنجیدگی اور اعتماد سے یہ گفتگو کی تھی اُس نے مجھے خاموش کر دیا تھا۔ فرزانہ سامنے نہ ہوتی تو میں شاید اُس سے اُلجھ پڑتی لیکن حواس پر تھوڑی سی بوکھلاہٹ طاری تھی اس لیے ان دونوں کو دیکھ رہی تھی۔ خود فرزانہ بھی متحیّر تھی، اُس ہیں، میں اس قدر غبی تو نہ تھی کہ بقراط کا سہارا لیتی، فرزانہ سے اچھی علیک سلیک ہو گئی تھی۔ "کیا پئیں گے ...؟" چند ساعت کے بعد اُس نے پُوچھا۔

...انی۔ دو پیالیاں اِن کے لیے تین میرے لیے شکریہ۔"
...کہا اور فرزانہ نے مسکراتے ہوئے کافی کے لیے کہہ دیا۔
...پ اصلی عالیہ صاحبہ ہی ہیں نا؟" ڈاکٹر فرزانہ نے گہری ...سے میرا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

...یں اس سلسلے میں جواب دینا چاہتا ہوں ڈاکٹر فرزانہ" ...پڑا۔

...تصور صاحب۔ یہ آپ عالیہ صاحبہ کے معاملے میں اِتنے ...کیوں ہیں حالانکہ میرے ان سے براہِ راست تعلقات ...؟" ڈاکٹر فرزانہ نے پُرمزاح لہجے میں کہا۔

بقراط نے گردن ہلا دی۔ "بے شک میں مانتا ہوں، لیکن ...ت میری ہدایات موقع محل کے لحاظ سے ضروری ہیں، آپ ...یمان ہیں تو میں تا زندگی مشکور رہوں گا۔" بقراط کے ...سنجیدگی اب بھی برقرار تھی۔

میں خاموش نہ رہ سکی۔ "دیکھیے بقراط صاحب! آپ نے ...ا ہے، بلاشبہ میرے لیے سُودمند رہا اور میں اس احسان ...یہ ادا کر چکی ہوں، لیکن میں کسی کو خود پر مسلط نہیں کرتی ...پ کر رہے ہیں اس کی وجہ میرے علم میں نہیں ہے چنانچہ ...اس کے بارے میں تفصیل سے بتا دیں، اگر مناسب ...یں آپ کے مشورے سے انحراف بھی نہیں کروں گی اور ...پھر آپ کا شکریہ ادا کروں گی۔" میں نے کہا۔

...آپ کے پاس شکریے کا ایک وسیع اسٹاک ہے عالیہ ...ہاں تو میں یہ عرض کرنا چاہتا تھا کہ اس وقت یہ داخلہ آپ ...میں بہتر ہو گا۔ جو لوگ آپ کے خلاف عمل پیرا ہیں وہ ...ت کر رہے ہیں۔ گزشتہ راتوں میں سے کسی رات میں آپ ...میں دیکھا گیا اور آپ کی تصویر حاصل کر لی گئی۔ یہ تصویر ...دشمن خصوصی کے پاس پہنچ گئی ہے، اور اُس نے اس

کے بارے میں تحقیقات شروع کر دی ہیں، آپ سمجھ گئی ہوں گی کہ ان حالات میں میرا مقصد کیا ہے؟"

میں ششدر رہ گئی مگر مجھے یاد آ گیا کہ جب ناصر کے ساتھ میں کشتی کے ذریعے سمندر میں گئی تھی تو اُس رات اُن لوگوں نے میری اور ناصر کی تصویر حاصل کی تھی۔ گویا اطہر رضوی میری جانب سے پھر مشکوک ہو گیا۔ لیکن یہ بقراط، یہ بھی مسلسل تگ و دو میں لگا ہوا ہے۔ نجانے کیا گل کھلائے گا۔ چند ساعت میں خاموشی سے بقراط کی شکل دیکھتی رہی، پھر میں نے آنکھیں بند کر کے گردن ہلا دی۔ "اس عمدہ تجویز کا شکریہ بقراط صاحب۔"

وہ مسکرا کر ڈاکٹر کی طرف متوجہ ہو گیا۔ "بسم اللہ کیجیے ڈاکٹر صاحبہ۔"

ڈاکٹر فرزانہ نے گردن ہلا دی۔ "ٹھیک ہے میں اپنا کام بخوبی سمجھتی ہوں آپ مطمئن رہیں۔"

پھر کافی آ گئی۔ بڑی کیتلی میں تھی۔ بقراط نے اپنی پیالی میں کافی انڈیلی اور پھر کیتلی ہم لوگوں کی جانب بڑھا دی... بڑا ہی عجیب انسان تھا۔ ایک پیالی کافی پی لینے کے بعد اُس نے دوسری پیالی بھری اور دُوسری پیالی ختم کرنے کے بعد اُٹھ گیا۔ "میرا خیال ہے میرا زیادہ دیر رُکنا مناسب نہیں ہے اس لیے اجازت خُدا حافظ۔"

"ارے وہ آپ کی تیسری پیالی؟" ڈاکٹر فرزانہ نے کہا۔

"نہیں وہ پھر کبھی سہی۔" بقراط نے کہا اور کمرے سے نکل گیا۔

"تصور صاحب شاید اپنی عمر کے آخری حصّے میں بھی سنجیدہ انسان نہیں بن سکیں گے، لیکن ان کی غیر سنجیدگی بھی بڑی قابلِ احترام ہے۔" ڈاکٹر نے ہنس کر کہا۔

"آپ ان سے بہت متاثر ہیں ڈاکٹر فرزانہ؟"

"عالیہ صاحبہ میں نے جو کچھ دیکھا ہے اُسے بھول نہیں سکتی، اس عجیب و غریب شخصیت کے پیچھے جو انسان چھپا ہوا ہے۔ خُدا کی قسم اگر آپ اسے پہچان لیں تو آپ کی کیفیت بھی مجھ سے مختلف نہ ہو گی۔"

"شاید۔" میں نے گہری سانس لی۔

"تصور صاحب نے جو کچھ کہا ہے، کیا واقعی اس کی ضرورت ہے؟"

"ہاں ڈاکٹر فرزانہ۔ آپ کو علم ہے کہ میں ایک پریس رپورٹر ہوں۔ اس کے علاوہ میری دیگر مصروفیات بھی ہیں۔ میری یہ مصروفیات بعض افراد کے لیے ناپسندیدہ ہیں۔ اسی سلسلے میں

چند لوگوں سے تکرار ہو گئی ہے اور وہ میرے دشمن بن گئے ہیں۔"

"اگر یہ بات ہے تو سارے انتظامات ابھی ہو جاتے ہیں۔ میں ایک خصوصی کمرے میں آپ کے بیڈ کا انتظام کر کے سائیڈ پر چارٹ وغیرہ بنوا لیتی ہوں۔" ڈاکٹر فرزانہ نے کہا اور چند ساعت کے اندر اندر ہی ساری کارروائی مکمل کر دی پھر مجھے میرا کمرہ دکھا کر بولی۔ "بہتر یہ ہے کہ آپ یہاں آرام کریں۔ اگر آپ اسپتال کا لباس پہننا پسند کریں تو یہ میرا وعدہ ہے کہ بالکل صاف ستھرا اور نیا لباس بھیجوں گی۔"

"اس وقت تو اس کا بندوبست کر ہی دیں ڈاکٹر فرزانہ بعد میں دوسرا لباس منگوا لوں گی، اور ہاں کیا مجھے ٹیلی فون کی سہولت مہیا ہو سکتی ہے؟"

"یقیناً۔ جب بھی آپ کو ٹیلی فون کی ضرورت ہو نرس کو بتا دیں۔ آپ کے کمرے کے برابر ڈاکٹر قریشی کا کمرہ ہے ان کے دفتر سے ٹیلی فون آپ کے پاس پہنچ جائے گا۔"

"ارے نہیں اتنی ضرورت نہیں ہے، ایک دو ضروری کالز کرنی ہیں۔ وہ میں وہیں سے کیے لیتی ہوں لیکن براہِ کرم تنہائی چاہیے۔"

"ضرور... ضرور!" ڈاکٹر فرزانہ نے کہا اور تھوڑی دیر کے لیے اپنے آفس سے نکل گئی۔ میں نے سب سے پہلے صباحت صاحب کے نمبر ڈائل کیے تھے۔

صباحت صاحب نے فوراً میری آواز پہچان لی۔ "کہاں ہیں عالیہ؟" انھوں نے پوچھا۔

"اس وقت یہ نہیں بتاؤں گی صباحت صاحب۔ پہلے یہ بتایئے کہ کوئی خاص بات تو نہیں ہے؟"

"اطہر رضوی صاحب آج دو بار ٹیلی فون کر چکے ہیں اور تمھارے بارے میں معلوم کرنے کے لیے بے چین ہیں لیکن میں نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ میں خود بے خبر ہوں۔"

"اوہ اچھا۔ ٹھیک ہے صباحت صاحب۔ اب آپ یوں کریں کہ ایک نمبر نوٹ کر لیں۔"

"جی..." صباحت صاحب نے چند ساعت توقف کے بعد کہا اور میں نے نمبر دُہرا دیے۔ "اس نمبر پر اطہر رضوی کو ٹیلی فون کریں اور انھیں بتائیں کہ میں ایک اسپتال میں زیرِ علاج ہوں۔ میں بیمار ہو گئی تھی اور تقریباً چھ یا سات دن سے میری طبیعت بے حد خراب تھی چنانچہ کسی اطلاع کے بغیر اسپتال میں داخل ہو گئی اور اب بھی وہیں موجود ہوں خصوصی کمرہ نمبر آٹھ۔ اطہر رضوی کو آپ یہ اطلاع دے دیں۔"

"مگر عالیہ کیا واقعی طبیعت خراب ہے؟"

"کوئی خاص بات نہیں۔" میں نے جلدی سے کہا پھر رسمی گفتگو کے بعد صباحت صاحب نے ٹیلی فون بند کر دیا... اور میں علیحدہ پیلس کے نمبر ڈائل کرنے لگی۔ تھوڑی دیر بعد وہاں سے بھی رابطہ قائم ہو گیا۔ ناصر کی آواز سنائی دی۔ اس نے خاصی بھاری آواز میں کہا تھا۔ "کون، ناصر صاحب بول رہے ہیں؟" میں نے کہا۔

ناصر بُری طرح چونک پڑا۔ "اوہ عالیہ صاحبہ خدا کے لیے اپنی خیریت بتایئے۔ آپ خیریت سے تو ہیں؟" ناصر نے پریشان کن لہجے میں پوچھا۔

"ہاں بالکل خیریت سے ہوں۔ کیوں؟ تمھیں کیا پریشانی ہے ناصر؟"

"براہِ کرم یہ سوال نہ کریں۔ میں شدید ذہنی انتشار کا شکار ہوں اس وقت۔ ویسے آپ کہاں تشریف رکھتی ہیں چیف..." ناصر نے پوچھا۔

"فی الحال تمھاری تسلی کے لیے اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ محفوظ جگہ ہوں۔"

"خدا کا شکر ہے۔" ناصر نے مطمئن ہوتے ہوئے کہا۔

میں نے شمس، مس میری، فرزانہ اور افشاں کے بارے میں پوچھا تو اس نے جواب دیا۔ "وہ موجود ہیں اور آپ کے لیے پریشان ہیں لیکن میں نے انھیں یہ کہہ دیا ہے کہ چیف ایک نہایت ضروری کام میں مصروف ہیں، ابھی ان کی واپسی میں وقت لگے گا۔"

"اوہ، بڑا اچھا کیا تم نے ناصر۔ میرا خیال تھا، میں اُن سے گفتگو کروں لیکن اب ضرورت نہیں۔ اُن سے کہہ دینا اپنی مصروفیت سے فارغ ہونے کے بعد ہی اُن تک پہنچ سکوں گی۔" یہ کہہ کر میں نے ٹیلی فون بند کر دیا اور اپنے کمرے میں آ گئی۔

ڈاکٹر فرزانہ نے میرے لیے جس کمرے کا انتخاب کیا تھا وہ نہایت کشادہ اور ہوا دار تھا، یہاں ایک نرس بھی موجود تھی جس نے مجھے اسپتال کا لباس دیا اور میں نے وہ لباس پہن لیا۔ نرس نے مجھ سے میری کسی ضرورت کے بارے میں پوچھا اور میں نے شکریہ کہہ کر انکار کر دیا اور اس سے کہا کہ وہ تھوڑی دیر آرام کرے میں تنہائی چاہتی ہوں۔

وہ باہر نکل گئی تو تنہائی، خاموشی اور سکون ملا۔ طبیعت میں واقعی کچھ فرحت سی پیدا ہوئی۔ اس وقت میں اُن کے متعلق سوچنا چاہتی تھی جو نیڈرین پر موجود تھے اور میری دسترس سے باہر تھے۔ میں انھیں ہلاک کرنا چاہتی تھی لیکن اس میں کامیاب نہ ہو سکی، یہ بات میرے لیے شدید دُکھ کا باعث تھی لیکن یہ میری کمزوریاں نہیں تھیں جو اب تک مجھے کامیابی سے دُور رکھے ہوئے تھیں بلکہ انکل شہریار جیسا آدمی اس سلسلے میں کوئی مؤثر قدم نہیں اٹھا سکا تھا، نجانے انکل شہریار نے رُوپوشی کیوں اختیار کر رکھی

ہے، بعض معاملات انسان کے بس سے باہر ہو جاتے ہیں۔ اگر انکل شہریار کے بس کی بات ہوتی تو وہ یقینی طور پر میری بھرپور مدد کرتے۔ اچانک میرے ذہن میں وہ عجیب و غریب شخصیت اُبھر آئی، جس کا نام القواط ... اور میں اُس کے متعلق سوچنے لگی۔ سوچ اور غور و خوض کرنے کے علاوہ اس کمرے میں میرے لیے اور کوئی مصروفیت نہیں تھی میں نے سو جانے کی کوشش کی اور آنکھیں بند کر کے لیٹ گئی۔ میں اسپتال کے لباس میں سچ مچ خود کو مریضہ ہی تصور کرنے لگی تھی، یا پھر میری ذہنی تکان اس قدر بڑھ گئی تھی کہ میرے اعصاب مضمحل ہونے لگے تھے۔ نیند آ گئی اور میں گہری نیند سو گئی، پھر ڈاکٹر فرزانہ نے ہی مجھے جگایا تھا۔ نرس اُس کے ساتھ تھی اور ڈاکٹر فرزانہ معائنہ کر رہی تھی۔ میں جاگی تو وہ مسکرا دی۔

"بھئی واہ، تم تو باقاعدہ مریضہ ہو گئیں۔" اس نے کہا۔ "آپ کو ہلکا بخار بھی ہے۔" ڈاکٹر فرزانہ نے کہا۔

"یہ تو میری خوش بختی ہے۔" میں نے ہنس کر کہا۔

"واہ بخار خوش بختی کیسے ہو سکتا ہے؟" ڈاکٹر فرزانہ نے پوچھا۔ میں نے کسی قدر اُلجھی ہوئی نگاہوں سے نرس کو دیکھا۔

"یہ نرس ہی نہیں عالیہ، میری دوست بھی ہیں، رضیہ نام ہے ان کا۔ ان کی طرف سے تم بالکل مطمئن رہو۔ یوں سمجھو کہ یہ ہماری تمھاری حیثیت کا درمیانی حصّہ ہیں۔"

"اوہ۔ یقیناً۔ یقیناً۔" میں نے کہا اور نرس بھی مسکرانے لگی۔

"کوئی خاص بات تو نہیں ہوئی ڈاکٹر فرزانہ؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں کوئی خاص بات نہیں ہوئی۔ ہاں ایک صاحب کا ٹیلی فون آیا تھا، تمھیں پوچھ رہے تھے۔ نام تو انھوں نے نہیں بتایا۔ البتہ تمھارے بارے میں معلومات حاصل کی ہیں۔"

"ہوں۔" میں چند لمحے سوچتی رہی پھر بولی۔ "آپ صورتِ حال سمجھ رہی ہیں نا ڈاکٹر؟"

"بالکل بالکل۔ تم اس سلسلے میں فکر مت کرو۔ تصوّر صاحب نے مجھے اس بارے میں تھوڑی سی معلومات فراہم کر دی ہیں۔"

"اوہ کیا وہ آئے تھے؟"

"نہیں۔ ٹیلی فون کیا تھا اور کہہ رہے تھے کہ یہ عالیہ صاحبہ خاصی بد دماغ ہیں، کبھی کبھی تھوڑی سی کھسک جاتی ہیں، اس کا میں محسوس نہ کروں اور پوری تندہی سے ان کی خدمت کروں۔"

"کیا آپ کے خیال میں وہ خود کھسکے ہوئے نہیں ہیں؟" میں نے ڈاکٹر فرزانہ سے پوچھا۔

"اللہ ہی بہتر جانے۔ میں تو آج تک یہ فیصلہ ہی نہیں کر پائی کہ وہ خود کھسکے ہوئے ہیں یا ساری دُنیا کو کھسکا ہوا سمجھتے ہیں۔" ڈاکٹر فرزانہ نے کہا اور ہنستے ہوئے پوچھا۔ "کچھ بھوک لگی عالیہ؟"

"بھوک لگ رہی ہے۔" میں نے کہا اور فرزانہ نے گردن ہلا دی۔ تھوڑی دیر کے بعد مجھے عمدہ قسم کا سوپ اور پھل وغیرہ فراہم کر دیے گئے اور میں بیماری کے مزے لینے لگی۔

یہ دوسرے دن دوپہر کی بات ہے کہ نرس رضیہ نے مجھے ایک ملاقاتی کی آمد کی اطلاع دی۔ ڈاکٹر فرزانہ اس وقت موجود نہیں تھی۔ ملاقاتی نے اپنا نام نہیں بتایا تھا لیکن جب وہ کمرے میں داخل ہوا تو اُسے دیکھ کر میرے عضلات تن گئے۔ وہ اطہر رضوی تھا۔ میں نے احتراماً اُٹھنے کی کوشش کی تو رضوی صاحب نے کمال مہربانی سے مجھے آرام کرنے کے لیے کہا پھر کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئے اور نرس کو باہر جانے کا اشارہ کیا۔

"مجھے تمھاری بیماری کی اطلاع بھی نہیں مل سکی جب کہ ہمارے درمیان سے تمام اختلافات اُٹھ چکے ہیں۔" نرس کے جاتے ہی اطہر رضوی نے سنجیدگی سے کہا۔

"اوہ جناب۔ کوئی بیماری بھی تو ہو۔ بس اعصابی تھکن ہے... جو ان حالات میں ہونی بھی چاہیے تھی..." میں نے مسکرا کر کہا۔

"تم میرے لیے بہت اہمیت اختیار کر گئی ہو عالیہ۔ ایک... بار پھر مجھے تم سے بدظن کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ ایسی چال چلی گئی تھی کہ میں بھی چکرا کر رہ گیا تھا۔"

"خیریت رضوی صاحب؟" میں نے تحیّر زدہ لہجے میں پوچھا۔

اطہر رضوی نے کوٹ کی جیب سے ایک تصویر نکال کر میرے سامنے کر دی پھر میرے چہرے پر نگاہ جما کر پوچھا۔ "اس شخص کو پہچانتی ہو؟"

میں نے تصویر غور سے دیکھی۔ یہ ناصر کی تصویر تھی جسے میری تصویر کے پاس سے کاٹا گیا تھا۔ "نہیں۔ یہ شخص میری یادداشت میں محفوظ نہیں ہے۔"

"اب یہ تصویر دیکھو۔" رضوی صاحب نے اس بار دوسری تصویر میرے سامنے کر دی۔ یہ میری اور ناصر کی مکمل تصویر تھی جو کشتی پر کھینچی گئی تھی۔

"اوہ۔ اوہ۔ کیا یہ فوٹو گرافی کا کمال ہے؟" میں نے متحیرانہ انداز میں کہا۔

"ہرگز نہیں۔ اوریجنل تصویر ہے۔ میرے آدمیوں نے بنائی ہے۔"

"کہاں سے؟"

"سمندر سے۔ میرے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ لوگ اس طرح

مجھے تم سے بدظن کر رہے ہیں۔ ان حالات میں تمھاری گم شدگی بھی میرے لیے تشویشناک تھی۔ تم اگر مجھے اپنی بیماری کی اطلاع دے دیتیں تو بہتر تھا۔"

"مجھے اس سازش کے بارے میں تو معلوم نہیں تھا۔"

"خیر چھوڑو۔ جلد یا بدیر وہ لوگ منظرِ عام پر آجائیں گے۔ مجھے ان کی پروا نہیں ہے اور ہاں مناسب ہوگا کہ اس اسپتال سے نکل کر میرے اسپتال میں داخل ہو جاؤ۔"

"بہت نوازش رضوی صاحب۔ میں اب دو چار دن سے زیادہ یہاں نہیں رہوں گی۔ کافی بہتر محسوس کر رہی ہوں۔ پھر ان حالات میں آپ کے اسپتال میں داخل ہونا تو کسی طرح بھی مناسب نہیں ہے۔"

تھوڑی دیر بیٹھنے کے بعد رضوی صاحب چلے گئے اور میں نے اطمینان کی گہری سانس لی۔ رضوی میرے بارے میں شک و شبہے کا شکار تھا اور اس وقت گھبرا ملنے جو کچھ کیا تھا اس سے بہتر کوئی ترکیب نہیں ہو سکتی تھی... لیکن میں بیمار نہیں تھی اور نہ ہی ان معاملات سے دستبردار ہونے کے لیے تیار تھی۔ اسی لیے آج رات میں نے دوبارہ کوشش کرنے کا فیصلہ کر لیا البتہ آج میں نے ناصر کو تکلیف نہیں دی تھی، صباحت صاحب کو فون کر کے میں نے کچھ ہدایات دیں اور پھر ڈاکٹر فرزانہ سے بھی اس سلسلے میں مختصراً بات چیت کی۔ وہ میرے ساتھ ہر تعاون کے لیے تیار تھی۔ اخبار کا ایک ملازم شام کو ایک پیکٹ مجھے دے گیا جو صباحت صاحب نے بھجوایا تھا۔ اس کے ساتھ ہی ایک کار کی چابی تھی۔

تقریباً گیارہ بجے میں نے لباس تبدیل کیا اور کمرے سے باہر آ گئی۔ راہداری میں مکمل سناٹا طاری تھا مدھم روشنیاں جل رہی تھیں میں راہداری کے دوسرے موڑ کی طرف گھومنے کی بجائے اس کی گیلری کود کر اسپتال کے عقبی حصے میں نکل آئی اور پھر اسی رازداری سے کمپاؤنڈ کی دیوار بھی کود گئی۔ نیلے رنگ کی کار تاریکی میں مدغم تھی۔ میں نے اس کا دروازہ کھولا اور اسے اسٹارٹ کر کے چل پڑی اور جلد ہی اس ویران ساحل کے نزدیک پہنچ گئی۔ جہاں تک کار جا سکتی تھی میں اسے لے گئی اور پھر اتر کر دروازہ لاک کیا اور چابی احتیاط سے رکھ لی۔ پھر میں ساحل کی طرف بڑھ گئی۔

آج میرے پاس نہ غوطہ خوری کا لباس تھا اور نہ کوئی ہتھیار اس لیے میں پانی میں تو نہیں اتر سکتی تھی لیکن ساحل سے میں فیڈرین پر ہونے والی نقل و حرکت کا جائزہ لینے آئی تھی میں نے سمندر کے کنارے کھڑے ہو کر آنکھیں پھاڑیں لیکن فیڈرین جہاز اپنی جگہ موجود نہیں تھا۔ میرا دل مسوس ہو کر رہ گیا... کیا فیڈرین یہاں سے روانہ ہو گیا؟ کیا اطہر رضوی کے بیٹے اس ملک سے نکل جانے میں کامیاب ہو گئے۔ اگر ایسا ہوا ہے تو مجھے شکست فاش ہوئی ہے۔ میں اپنی طویل تر اور تمام تر کاوشوں میں ناکام ہوئی ہوں اور اطہر رضوی کو واقعی مجھ پر مکمل برتری حاصل ہے۔ اگر اطہر رضوی اتنا ہی کامیاب انسان ہے تو پھر اس ملک میں رہنے سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ میرے دل میں غم و غصہ بھر گیا۔ اچانک خیال آیا کہ ممکن ہے فیڈرین کو برتھ مل گئی ہو۔

رات کی گہری تاریکی میں تنہا اس سنسان مقام پر جیسی تدری آسان بات نہیں تھی لیکن میرے دل میں خوف کا شائبہ تک نہیں تھا۔ دور دور تک ویرانی اور خاموشی طاری تھی۔ میں نے واپسی کا فیصلہ کیا اور اسی لمحے دو تیز روشنیاں مجھ پر پڑیں اور میں اُن میں نہا گئی۔ میں نے چندھیائی ہوئی آنکھوں سے اُن کی جانب دیکھا کسی کار کی تیز ہیڈ لائٹس تھیں۔ اچانک کئی فائر ہوئے اور گولیاں سنسناتی ہوئی میرے لباس کو چھوتی گزر گئیں۔ میں برق کی سی تیزی سے زمین پر گر گئی اور لڑھکتی ہوئی اپنی جگہ سے کئی گز دور ہٹ گئی۔ گولیاں پھر چلائی گئیں اور اس کے ساتھ ہی کسی گاڑی کا انجن اسٹارٹ ہونے کی آواز سنائی دی۔ پھر وہ روشنیاں میری طرف بڑھنے لگیں۔ میں سمجھ گئی کہ ان لوگوں کو یہ اندازہ ہو گیا ہے کہ میں غیر مسلح ہوں۔

میں نے ادھر اُدھر دیکھا ریت کے ٹیلے دور دور تک پھیلے ہوئے تھے لیکن اُن تک پہنچنے سے قبل ہی روشنیاں میرے نزدیک آسکتی تھیں۔ اب اس کے سوا کوئی ترکیب نہیں تھی کہ میں پانی کا رُخ کروں۔ میں کسی آبی جانور کی مانند پانی کی طرف بڑھ گئی ایک بڑی سمندری لہر نے میری مدد کی تھی۔ وہ تیزی سے میرے اُوپر آ گئی اور اس کی آڑ میں میں گہرائی کی طرف تیزی سے بڑھی لیکن وہ لوگ مجھے کسی قیمت پر نہیں چھوڑنا چاہتے تھے۔ بہت سی گولیاں پانی سے ٹکرائیں لیکن میں محفوظ رہی۔ اب میں خاصی گہرائی میں تھی۔ میں نے سر اُبھار کر دیکھا تو دوبارہ روشنی میں آ گئی۔ وہ تبھی میں نے کسی کی آواز سُنی اور اس کے ساتھ ہی کئی آدمی پانی میں گھس آئے۔ وہ مسلسل گولیاں چلا رہے تھے۔ اسی بار میں نے اسٹین گن کی آواز سُنی تھی لیکن دُوسرے ہی لمحے میں حیران رہ گئی۔ کار سے اُترنے والے جو پانی میں داخل ہوئے تھے بے تحاشا چیخ پڑے، کوئی میرے قریب گرا اور میں نے آنکھیں پھاڑ کر اسے دیکھا۔ چست لباس اور سیاہ نقاب میں ملبوس کوئی شخص تھا جس کے سینے میں گولیاں لگی تھیں سینے میں جو سُوراخ بیک

...کے لیے محسوس ہوئے تھے وہ یقیناً اسٹین گن سے چلائی ہوئی ...وں کے تھے اس کا پستول پانی میں ڈوب گیا تھا، اس لیے میرے لیے ...کار تھا، لیکن میں شدید حیران تھی کہ اسٹین گن چلانے والا کون ...ہے اور اُس نے ان لوگوں پر حملہ کیوں کیا ہے؟

ساحل پر خاصی چیخ دھاڑ مچ رہی تھی، پانی اُچھل رہا تھا ...ا وہ لوگ جو پانی میں داخل ہوئے تھے، پلٹ پلٹ کر بھاگ رہے ...یا پوزیشن لے رہے تھے لیکن پانی کی تیز لہریں اُنھیں قدم جمانے ...وقع نہیں دے رہی تھیں۔ کار سے گولیوں کا تبادلہ شروع ہو گیا ...لگتا تھا جیسے دو گروہوں میں ٹھن گئی ہو لیکن ان لوگوں کے پاس ...ف پستول تھے جب کہ دُوسری جانب سے اسٹین گن استعمال کی ...رہی تھی... پھر شیشے ٹوٹنے کی آوازیں سُنائی دیں، غالباً کار ...اسٹین گن سے گولیوں کا برسٹ مارا گیا تھا، مجھے سنبھلنے کا ...قع مل گیا۔ میں نے تقریباً سو گز کا فاصلہ برق رفتاری سے طے کر ...پانی کی بڑی بڑی لہریں میری معاون تھیں۔ تھوڑے ہی فاصلے ...ریت کا ایک ٹیلہ تھا۔ میں تیزی سے بھاگ کر اس کی آڑ میں ہو ...ئی اور اپنا سانس بحال کرنے لگی۔ گولیوں کا تبادلہ بدستور جاری تھا ...جانے یہ اسٹین گن والے کون تھے؟ کافی زور دار مقابلہ ہو رہا تھا ...اسٹین گن سے گولیاں چلانے والوں کی تعداد صرف دو معلوم ہوتی تھی ...لیکن وہ اس لیے جیت رہے تھے کہ مسلسل گولیاں برسا رہے ...تھے۔ غالباً مخالف گروپ نے بھی مورچہ بندی کر لی تھی کیونکہ پستول ...وقفے وقفے سے گرج رہے تھے۔ حواس قائم ہوتے ہی میں نے ...سوچا کہ یہاں رُکنا بے سُود ہے۔ مقابلہ کرنے والے کوئی بھی ہوں ...انھوں نے میری مدد کی تھی اور میری زندگی بچائی تھی۔ میں نے یہ جگہ ...چھوڑ دی اور دُوسرے ٹیلے تک پہنچی لیکن شاید تقدیر کچھ اور کھلانا ...چاہتی تھی۔ دُوسرے ٹیلے کے پیچھے میرے مخالف لوگوں ...میں سے دو افراد نے مورچہ بنا رکھا تھا۔ میں جونہی اس طرف پہنچی ...وہ چونک کر میری جانب متوجہ ہوئے اور اُنھوں نے پستول کا رُخ ...میری طرف کر دیا۔ اب یہ میری انتہائی پھرتی اور سوجھ کا ہی نتیجہ تھا ...کہ میں نے دونوں مٹھیوں میں ریت بھر کے اُن کے چہروں پر ڈال ...دی اور اُن کے حلق سے کریہہ آوازیں نکل گئیں... فائر ہوئے ...لیکن گولیاں بہک گئیں۔ میں نے بھاگ کر ایک ٹیلے کی اوٹ میں ...پناہ لے لی لیکن اب میری یہ کوشش بے سُود ہو چکی تھی کیونکہ دُوسرے ...ہی لمحے وہ دونوں چیختے دھاڑتے اپنی جگہ سے نکل آئے لیکن تقدیر ...میری معاون تھی، پلک جھپکتے میں وہ دونوں اسٹین گن کی گولیوں کے شکار ہو گئے، لیکن میں بچ گئی اور اس کے بعد کار کی طرف دوڑنے لگی لیکن ٹیلوں کی بھول بھلیوں کے درمیان میں سمت بھول گئی اور جب میں ایک ٹیلے کی آڑ سے نکلی تو میں نے وہی گاڑی دیکھی، جس کی تمام ہیڈ لائٹس ٹوٹ چکی تھیں، یہ ایک سیاہ رنگ کی جیپ تھی جس کے پیچھے دُبکے چند افراد اسٹین گن والوں پر گولیاں برسا رہے تھے۔ کاش میرے پاس پستول ہوتا! میں نے سوچا، لیکن بدحواسی میں میں نے اُن لوگوں کے پستولوں پر بھی قبضہ کرنے کی کوشش نہیں کی تھی جن کی آنکھیں میں خراب کر آئی تھی اور نہ ہی مجھے اس کا موقع ملا تھا۔ اس گاڑی کو دیکھ کر ایک بار پھر میں نے سمت متعین کی اور اُلٹے قدموں وہاں سے لوٹ پڑی۔ فائرنگ کی آواز اب بھی میرے کانوں میں گونج رہی تھی۔ میں سمت کا اندازہ کرتی ہوئی آگے بڑھتی رہی۔ حتیٰ کہ کار کے قریبی ٹیلے تک پہنچ گئی لیکن ایک بار پھر مجھے محتاط ہونا پڑا۔ کوئی ٹیلے کی دُوسری جانب موجود تھا۔

میں ساکت و جامد رہ گئی۔ یقیناً یہ شخص میری کار کی نگرانی کر رہا تھا۔ میں ایک لمحہ سوچتی رہی، ادھر اُدھر دیکھا لیکن کوئی ایسی چیز نظر نہ آئی جسے میں ہتھیار کے طور پر استعمال کر سکتی۔ میں نے اس شخص کو دیکھا وہ گاڑی کی چھت پر گردن لٹکائے کھڑا ہوا تھا۔ میں آہستہ آہستہ آگے بڑھی۔ میں نے یہی سوچا تھا کہ اس سے پستول چھیننے کی کوشش کروں گی۔ جونہی میں اس کے قریب پہنچی اور اُس نے میرے قدموں کی آہٹ محسوس کر لی اور برق رفتاری سے پلٹا لیکن اس سے قبل کہ وہ مجھ پر حملہ آور ہوتا۔ میں نے فوراً ہی نیچے بیٹھ کر اس کی دونوں ٹانگیں پکڑ لیں، اُسے ایک زور دار جھٹکا دے کر نیچے گرا لیا اور اُس کے سینے پر سوار ہو گئی۔ اُس کا پستول والا ہاتھ میں نے اپنی ایک ٹانگ کے نیچے دبا لیا تھا۔ تبھی اُس کے مُنہ سے آوازیں نکلیں۔

"ارے۔ ارے ارے مس عالیہ!"

میں فوراً اُس کے سینے سے ہٹ گئی اور وہ کپڑے جھاڑتا ہوا کھڑا ہو گیا۔

"مس عالیہ! میں نازش ہوں۔" اُس نے کہا اور میرے بدن میں سرد لہریں دوڑ گئیں۔

"نازش؟"

"ہاں۔ اگر پستول آپ کے ہاتھ میں ہوتا تو یقیناً آپ مجھے ہلاک ہی کر دیتیں۔"

"مگر نازش تم؟"

"بیٹھیے مس عالیہ بیٹھیے۔ ہمارا مقصد صرف آپ کی زندگی

بیٹھا تھا، میں کار کی حفاظت کر رہا تھا۔ مجھے خطرہ تھا کہ اگر وہ لوگ آپ کی بازیابی سے مایوس ہو گئے تو سب سے پہلے کار تباہ کرنے کی کوشش کریں گے۔"

"تم لوگ میرا مطلب تم لوگ، وہ اسٹیلن گن۔۔؟"

"ہاں۔ ہمارے ساتھی اُن لوگوں سے مقابلہ کر رہے ہیں اور کافی کامیاب ہیں۔" نازش نے جواب دیا۔ "آپ اگر پسند فرمائیں تو اپنی کار لے کر واپس جا سکتی ہیں، ہم ان سے نمٹ کر آجائیں گے۔"

"کتنے افراد ہیں تمھارے ساتھ؟"

"صرف دو۔۔۔ عدنان اور شیرازی۔ تیسرا میں ہوں۔ میرا خیال ہے آپ ٹیلے کی آڑ میں ہو جائیں۔ فیصلہ ہو چکا ہے لیکن کون بھاری رہا اس کا اندازہ مشکل ہے۔"

میں نے اُس کی ہدایت پر عمل کیا لیکن کوئی اس طرف نہیں آیا۔ سناٹا بڑا عجیب محسوس ہو رہا تھا جب کہ تھوڑی دیر پہلے یہاں خاصا ہنگامہ رہا تھا۔ ہم دونوں دیر تک اپنی جگہ کھڑے منتظر رہے لیکن جب کافی دیر ہو گئی تو نازش نے اپنی کار کے ٹرانسمیٹر سے کسی سے رابطہ قائم کیا۔ "عدنان؟ شیرازی؟ کیا پوزیشن ہے؟"

"اُن کی جیپ جوں کی توں کھڑی ہے۔۔۔ وہ مارے گئے یا پھر بھاگ گئے۔ اب کوئی آہٹ نہیں ملتی لیکن عالیہ صاحبہ کہیں نظر نہیں آرہیں۔ پوزیشن چھوڑ کر انھیں تلاش کریں؟"

"نہیں۔ وہ میرے پاس پہنچ گئی ہیں۔ تم بھی واپس چلے جاؤ۔" اُس نے سلسلہ منقطع کر کے میری طرف دیکھا تو میں نے کار کی چابی اُس کے حوالے کر دی۔ اُس نے کار اسٹارٹ کر دی۔ اور آسے ریورس کرنے لگا۔ میں نے کار کی پچھلی سیٹ سے سر ٹکا دیا۔ اُسی وقت نازش نے اپنا پستول مجھے دیتے ہوئے کہا۔ "یہ رکھ لیں میرا خیال ہے کہ آپ غیر مسلح ہیں۔"

"ہاں۔ میرے پاس پستول نہیں ہے لیکن تم نے یہ اندازہ کیسے لگایا؟"

"اپنی جان بچ جانے سے۔" نازش نے کہا اور ہنس پڑا۔

"کیا مطلب؟"

"خدانخواستہ آپ کے پاس پستول ہوتا تو آپ ہاتھوں سے مجھ پر حملہ کرنے کی بجائے اُسے استعمال کر ڈالتیں۔" وہ بدستور ہنستا ہُوا بولا۔

میں بھی ہلکے ہلکے انداز میں ہنسنے لگی پھر میں نے کہا۔ "تم لوگوں کے بارے میں میرے ذہن میں لاتعداد سوالات ہیں۔ کیا اس وقت وضاحت کا موقع ہے؟"

"آپ کوئی سوال کریں گی تو میری مجال ہے کہ جواب نہ دُوں" نازش بولا۔

"انکل کہاں ہیں؟"

"اِسی شہر میں موجود ہیں۔"

"مجھ سے کیوں نہیں ملے؟"

"یقین کریں، یہ بات مجھے نہیں معلوم۔"

"کیا کر رہے ہیں؟"

"اطہر رضوی کے خلاف جال بُن رہے ہیں۔" نازش نے بے تکان جواب دیا اور میں گہری سانس لے کر رہ گئی۔

"اُن کا استعفا منظور ہو گیا؟"

"کسی کی ہمت نہیں ہے کہ منظور کرے۔ بات نہ جانے کہاں سے کہاں پہنچ گئی ہے لیکن شہریار صاحب کسی سے رابطہ نہیں قائم کر رہے۔ سِوائے ایک شخصیت کے۔" نازش نے جواب دیا۔

"اور وہ کون ہے؟"

"کمانڈر انچیف۔" نازش نے جواب دیا اور میں چند ساعت کے لیے خاموش ہو گئی۔ پھر میں نے اُس سے پوچھا کہ یہ لوگ ساحل پر کیا کر رہے تھے؟ کیا انھیں میری یہاں موجودگی کا علم تھا؟

"جی ہاں۔" نازش نے جواب دیا۔

"کس طرح؟"

"اسپتال سے یہاں تک ہم نے آپ کا تعاقب کیا ہے۔"

"خدا کی پناہ۔ تم لوگوں کو اسپتال کے بارے میں معلوم ہے؟" میں نے متحیرانہ انداز میں کہا۔

"جی ہاں۔ اس دوران ہم نے صرف چند بار آپ کو کھو دیا۔ ورنہ آپ کی مکمل نگرانی کی جا رہی ہے۔ وَیسے اسپتال کے بارے ہمیں چیف نے ہی اطلاع دی تھی۔"

"یہ لوگ میرے پیچھے یہاں تک آئے تھے؟"

"جی ہاں، اور ہم اُن کے پیچھے۔ دراصل ہماری کار شیرازی کی حماقت سے ریت میں دھنس گئی تھی جس کی وجہ سے دیر ہو گئی ورنہ شاید آپ کو پانی میں داخل ہونے کی ضرورت ہی نہ پیش آتی۔ آپ یہاں سے اسپتال ہی واپس جائیں گی مِس عالیہ؟"

"ہاں۔ اچھا ایک بات اور بتاؤ نازش۔ کہ تم لوگ کس کے تحت کام کر رہے ہو؟"

"کسی کے تحت نہیں بس دفتر میں حاضری ہو رہی ہے۔

چیف کا حکم ہے۔ ورنہ ہم سب نے اجتماعی استعفا تیار کر رکھا ہے۔"

"انکل کو میری یہ درخواست پہنچا دینا کہ وہ مجھ سے کسی وقت [ر]ابطہ کریں۔ اسپتال کے فون پر ہی سہی۔ اب صرف ایک بات بتا دو۔ فیڈرین نامی جہاز کے بارے میں کچھ جانتے ہو؟"

"جی ہاں۔ ایک خصوصی اجازت نامے کے ذریعے وہ واپس [جا ر]ہا ہے۔ جو مال اُسے یہاں سے لینا تھا وہ اُس نے لینا ملتوی [کر د]یا اور اس کی وجہ جہاز کی مشینری میں کوئی خرابی بتائی گئی ہے۔"

"کب روانہ ہُوا ہے؟"

"آج صبح لیکن مِس عالیہ۔۔۔" نازش کسی قدر ہچکچایا۔ "یہ [میر]ا قطعی ذاتی ہے آپ سے عقیدت کی بُنیاد پر۔ وعدہ کریں چیف [کو] نہیں بتائیں گی۔" نازش نے کہا۔

"اگر تمھیں یقین آسکے تو وعدہ ہے۔" میں نے کہا۔

"اطہر رضوی کی سفارش پر جہاز کو واپسی کی اجازت ملی ہے [او]ر بغیر کسی چیکنگ کے وہ اس طرح واپس نہیں جا سکتا تھا [لیکن] وہ صحیح سالم اپنی منزل پر نہیں پہنچ سکے گا۔" نازش پُراسرار [اندا]ز میں بولا۔

میں بھونچکی رہ گئی۔ "کیا مطلب؟" میں نے سرسراتی آواز [می]ں پوچھا۔

"اس سے زیادہ میں کچھ نہیں بتاؤں گا۔" نازش نے کہا۔

نازش کے الفاظ میرے ذہن میں سانپ کی طرح پھنکار []رہے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد کار اسپتال کے نزدیک پہنچ [گئی] اور میں نے اپنے ذہن پر قابو پا کر نازش کے شانے پر ہاتھ رکھ [دیا۔] "بس نازش یہیں روک دو۔ یہ کار صباحت صاحب کے دفتر [کے] سامنے کھڑی کر دینا اور انھیں فون کر کے بتا دینا۔"

"بہت بہتر۔ میں آپ کی اس ہدایت پر عمل کروں گا۔"

"ٹھیک ہے خدا حافظ۔" میں نے کہا اور کار سے اُتر گئی۔

ابھی تک کپڑے نہیں سُوکھے تھے اور ساحل کی ریت میرے [لب]اس پر چمٹی ہوئی تھی۔ کوئی صُورت دیکھتا تو نجانے کیا سوچتا [لیک]ن رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی اور سڑکیں سنسان تھیں۔ [اس]پتال کے عقبی حصے میں پہنچنے میں مجھے کوئی دقت پیش نہیں [آئ]ی عقبی دیوار پھاند کر اندر آ گئی۔ خوش بختی تھی کہ ابھی مجھے [کس]ی نے نہیں دیکھا تھا۔ اپنے کمرے میں داخل ہو کر میں نے دروازہ [اند]ر سے بند کر لیا۔

خوب نہانے کے بعد میں نے خود کو پُرسکون محسوس کیا۔ سارے [غ]سل خانے میں ریت پھیل گئی تھی۔ جسے دھونا بھی ضروری تھا۔

چنانچہ غسل خانہ صاف کر کے باہر آگئی اور سونے کے لیے لیٹ گئی لیکن صاحب نیند کہاں۔ ایسے ایسے واقعات پیش آئے تھے کہ کھوپڑی اُلٹ رہی تھی۔ انکل شہریار کے متعلق بہت حد بعد کچھ معلومات حاصل ہُوئی تھیں۔ اطہر رضوی اب اُن کی نگاہوں میں مکمل طور پر ایک مجرم کی حیثیت اختیار کر گیا تھا لیکن بڑی۔۔۔ شخصیت تھی اس لیے انکل شہریار بھرپور طور پر اس پر ہاتھ بھی نہیں ڈال سکتے تھے اور جب اس سلسلے میں انھوں نے بات آگے بڑھائی تو وہاں پر بھی شاید انھیں روکنے کی کوشش کی گئی جس کی وجہ سے استعفے کی نوبت پیش آئی اور انکل شہریار رُوپوش ہو گئے لیکن نازش کے بتائے ہُوئے چند نکتے میرے ذہن میں بُری طرح کلبلا رہے تھے۔ فیڈرین کے بارے میں انکشاف سنسنی خیز تھا۔ اطہر رضوی کے دونوں بیٹے جہاز پر موجود تھے اگر فیڈرین کو کوئی حادثہ پیش آجاتا ہے تو —————— اس کا مقصد ہے کہ۔۔۔ میرا دل خوشی سے اُچھلنے لگا۔

انکل شہریار اگر آپ نے یہ کارنامہ انجام دے دیا ہے تو یقین کریں کہ آپ نے میرا وہ مشن پُورا کیا ہے جس میں میں ناکام رہی تھی۔

نجانے کب تک یہ خیالات میرے ذہن میں چکراتے رہے اور اس کے بعد میرے دماغ پر غنودگی چھانے لگی۔ دوسری صبح میں جاگی تو سوا دس بج رہے تھے۔ میں ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھی۔ نجانے ان لوگوں نے میرے بارے میں کیا سوچا ہوگا، بہرصورت دروازہ کھولا تو رضیہ نظر آئی، وہ مسکراتی ہُوئی اندر آ گئی۔ "ہیلو رضیہ۔ فرزانہ آ گئی ہیں؟" میں نے سوال کیا۔

"ہاں آ گئی ہیں۔" رضیہ نے جواب دیا ہی تھا کہ ڈاکٹر فرزانہ اپنے مخصوص لباس میں مسکراتی ہُوئی میرے پاس پہنچ گئیں۔ "کیسی طبیعت ہے سرکار۔ آج تو بڑی دیر تک سوتی رہیں؟"

"ہاں ڈاکٹر۔ بیٹھ جائیے۔" میں نے کہا اور فرزانہ سامنے پڑی ہُوئی کرسی پر بیٹھ گئی۔

"ڈاکٹر فرزانہ رات کو میں یہاں سے گئی تھی۔"

"ارے کب۔ کہاں؟" فرزانہ چونک پڑی۔

"بس جو مسئلہ میرے ذہن میں ہے اُس کی تصدیق کے لیے کہنا آپ سے یہ ہے کہ غسل خانے میں ایک لباس پڑا ہُوا ہے میرا ہی لباس ہے جو میں نے کل منگوایا تھا وہ بہت گندا ہو رہا ہے، ساحل کی ریت میں لتھڑا ہُوا ہے۔ اُسے یہاں سے کسی طرح ہٹوایا جائے۔"

"کوئی ہرج نہیں ہے۔ میں ابھی سیلزمین کی تھیلی لے آتی ہوں اور اُسے پیک کر کے اپنے دفتر میں لے جاتی ہوں اور وہاں سے اپنی گاڑی میں رکھوا دوں گی۔ بس میں پریشانی کی کیا بات ہے؟"

"براہِ کرم آپ یہ کام کروا دیں۔ اور ہاں پہلے ناشتہ کر لیا جائے۔" میں نے کہا اور فرزانہ نے گردن ہلا دی۔

تھوڑی دیر کے بعد ہم ناشتہ کر رہے تھے۔ ڈاکٹر فرزانہ جب یہاں سے اُٹھی تو میں نے اُس سے اخبار طلب کر لیا اور فرزانہ اخبار بھجوانے کا وعدہ کر کے میرا لباس لے کر یہاں سے چلی گئی۔ بڑی پُرمحبت اور پُراخلاق خاتون تھی۔ میں اُس کی تہِ دل سے شکر گزار تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد عشیہ نے اخبار لا کر میرے سامنے رکھ دیا اور میں بے چینی سے اُس پر اپنی مطلوبہ خبر تلاش کرنے لگی۔ پھر میرا دل اُچھل کر حلق میں آ گیا۔ وہ خبر موجود تھی جو نازش نے سُنائی تھی۔ فیڈرین نامی جہاز کی تباہی کی خبر تھی۔

خبر کی تفصیل کچھ یوں تھی کہ فیڈرین نامی جہاز میں کسی فنی خرابی کے امکان کا اظہار کیا گیا اور جہاز کے عملے نے اس بات کی معذرت کی کہ اب وہ مال لاد کر یہاں سے نہیں لے جا سکے گا۔ چنانچہ فوری طور جو مال فیڈرین کے لیے لایا گیا تھا۔ وہ مال ان کے مالکان کو واپس کر دیا گیا۔ جہاز کھلے سمندر میں صرف دو سو میل کا فاصلہ طے کر پایا تھا کہ اُس کے انجن روم میں زوردار دھماکے ہوئے اور جہاز کی پوری مشین ناکارہ ہو گئی۔ اس کے پیندے میں بہت بڑا سوراخ ہو گیا۔ جہاز نے ایس او ایس کے کئی سگنل دیے اور جب اس کے سگنل موصول ہوئے تو بندرگاہ سے امدادی جہاز روانہ ہو گئے لیکن یہ امدادی جہاز بھی فیڈرین کو ڈوبنے سے نہ بچا سکے عملے کے تمام افراد لاپتہ ہیں، ابھی تک کوئی لاش دستیاب نہیں ہو سکی۔ تاہم امدادی جہاز لاشوں کو تلاش کر رہے ہیں۔

اس خبر نے میری رگ رگ و پے میں سنسنی پھیلا دی۔ میرا دل شدت سے دھڑک رہا تھا اور اندر ہی اندر میں انکل شہریار زندہ باد کے نعرے لگا رہی تھی۔ کاش میں یہ نعرے زور سے لگا سکتی، تو پورے اسپتال کو سر پر اُٹھا لیتی۔ اطہر رضوی کی اب کیا کیفیت ہو گی، میں نے سوچا۔ میرا جی چاہ رہا تھا کہ اطہر رضوی کو فون کر کے اس کی خیریت معلوم کروں لیکن میں نے خود کو باز رکھا پھر میں سوچنے لگی کہ اب اسپتال میں رہنا چاہیے یا نہیں؟ ایک لمحے کے لیے بقراط کا خیال آیا۔ اس سلسلے میں اس سے مشورہ ہو جاتا تو ٹھیک تھا لیکن اُسے کہاں تلاش کیا جائے؟ ایک خیال کے تحت میں اُٹھ کر ڈاکٹر قریشی کے کمرے کی طرف چل پڑی یہ ایک ضعیف العمر اور نرم فطرت انسان تھے۔ میں نے اُن سے فون کرنے کی اجازت مانگی تو اُنھوں نے فراخ دلی سے فون میری طرف بڑھا دیا اور میں نے صاحبزادہ تہور عالم کا نمبر ڈائل کیا۔ دُوسری طرف سے ایک جوان آواز سُنائی دی تو میں نے تہور عالم کے بارے میں پوچھا۔

"وہ تو موجود نہیں ہیں بڑے سرکار سے بات کرا دوں۔"

"آپ کون صاحب بول رہے ہیں؟"

"جی میں سیکریٹری احمد ہوں۔"

"تہور عالم صاحب سے کہاں ملاقات ہو سکے گی؟"

"خدا ہی بہتر جانتا ہے۔"

میں نے ایک گہری سانس لے کر ٹیلی فون بند کر دیا۔ کوئی صحیح فیصلہ نہیں ہو سکا تھا اس سلسلے میں۔ چنانچہ میں پریشانی کے عالم میں وقت گزارتی رہی۔

رات کے تقریباً ساڑھے آٹھ بجے کسی نے میرے کمرے کے دروازے کو کھول کر جھانکا۔ اس شکل کو دیکھ کر اس وقت مجھے بےحد خوشی ہوئی تھی۔ حالانکہ عام حالات میں مجھے بقراط سے ایک چڑ سی ہوا کرتی تھی اور اس کے بارے میں میں اپنے دل کا صحیح تجزیہ نہیں کر پائی تھی۔ نہ جانے کیوں بقراط میرے ذہن پر سوار ہو گیا تھا۔ میں نے زندگی میں کسی شخص کو اہمیت نہیں دی تھی لیکن یہ اول جلول سا آدمی بعض اوقات میرے ذہن کے دریچوں میں آ بیٹھتا تھا اور میں اس کے بارے میں سوچنے پر مجبور ہو جاتی تھی۔

"آ سکتا ہوں؟" بقراط نے پوچھا۔

"ضرور تشریف لایے۔" میں نے کہا اور وہ اندر آ گیا۔ حسبِ معمول چہرے پر وہی حماقت طاری تھی جو اس کی شخصیت پر پردہ ڈال دیتی تھی۔ کرسی پر گردن جھکا کر وہ بیٹھ گیا۔

"فرمایے کیسے تشریف آوری ہوئی؟" میں نے پوچھا۔

"عیادت کے لیے آیا ہوں۔" بقراط نے جواب دیا۔

میں مسکرا دی۔ "گویا آپ مجھے بیمار بنانے پر تلے ہوئے ہیں؟ اب ذرا یہ فرمایے کہ آپ نے میری اس قید کی میعاد کتنی رکھی ہے؟" میں نے پوچھا۔

"بس جو مقصد تھا، وہ حل ہو گیا ہے، ہمارے محترم اطہر رضوی صاحب آپ سے ملاقات کر ہی چکے ہیں۔ میرا خیال ہے اس کے بعد یہاں قیام کوئی خاص معنی نہیں رکھتا۔ آپ نے میری اتنی سی بات مان لی۔ اس کے لیے میں آپ کا شکر گزار ہوں ہاں اگر آپ یہاں ایک رات اور قیام کر لیں تو یہاں کچھ نئے نمونے آپ کے سامنے پیش ہوں گے۔"

"کیا مطلب؟" میں چونک پڑی۔

"آج رات کچھ نہ کچھ ضرور ہو گا۔"

"کچھ نہ کچھ سے آپ کی کیا مراد ہے؟"

"بھئی کچھ نہ کچھ تو فلسفے کی نگاہ میں بھی کچھ نہ کچھ ہی ہوتا ہے۔" ...نے گردن کھجاتے ہوئے کہا اور میں پُرخیال نگاہوں سے اُسے ...نگی۔

"میرا خیال ہے جہاز کا واقعہ آپ کے علم میں آ چکا ہو گا؟"

"ہاں... اور اگر آپ میرے چہرے پر کچھ بشاشت دیکھ رہے ...وہ اسی کا نتیجہ ہے، ویسے بقراط صاحب جہاز تباہ کیسے ہو گیا؟"

"ارے بس بُرے اعمالوں کا بُرا نتیجہ ہے، کوئی ایسی شخصیت اس جہاز میں جو بہت ہی گناہ گار ہو گی اور گناہوں کی سزا ...ندر ہی میں ملتی ہے آپ نے دیکھ لیا نا، انسان جو کچھ کرتا ہے ...کے سامنے ضرور آتا ہے۔" بقراط نے کہا اور میں گہری سانس ...اُسے گھورنے لگی۔

"اُتر آئے بقراطیت پر۔" میں نے ہونٹ بھینچ کر کہا۔

"نہیں اس میں بقراطیت کی کیا بات ہے۔ سچ کہہ رہا ہوں۔"

"براہِ کرم مجھے صرف یہ بتایے کہ کیا اطہر رضوی کے بھیانک ...مد کو ضرب لگی ہے کیا زمین اس ناپاک وجود سے پاک ہو چکی ہے؟"

"خدا کی قسم عالیہ صاحبہ مجھے یہ بات نہیں معلوم۔" بقراط نے ...سے کہا اور ہاں میری رائے ہے کہ آپ آج رات اُس ...میں نہ گزاریں۔"

"کیا مطلب؟" میں اُچھل ہی تو پڑی۔

"بس کبھی کبھی ذہن میں کچھ احمقانہ خیالات اُترتے ہیں، وہی ...ات یہاں تک گھسیٹ لائے ہیں۔ آیے ڈاکٹر فرزانہ کو دیکھتے ...اگر وہ ہوئیں تو کچھ دیر اُن کے ساتھ گپیں رہیں گی، ہاں یہ بتایے ...کا کھانا کھایا آپ نے؟"

"ابھی نہیں۔" میں نے مسکرا کر کہا۔

"آپ سے میرے دیرینہ مراسم ہیں، اگر مناسب سمجھیں تو ڈاکٹر ...سے کہہ کر رات کے کھانے کا بندوبست میرے لیے بھی یہیں ...اسے، بڑی نوازش ہو گی۔" بقراط نے کہا۔

میں ہنس پڑی۔ "بقراط صاحب نہ جانے آپ یہ خول کب ...خود پر چڑھائے رکھیں گے۔ نہ جانے کب تک آپ اس طرح ...کی نگاہوں سے چھپتے پھریں گے؟" میں نے ایک گہری سانس ...کہا۔

"خول؟" بقراط پُرخیال انداز میں بولا۔ "میرا خیال ہے عالیہ صاحبہ میں نے خود پر کوئی خول نہیں چڑھایا۔ ہاں وہ انسانی احساسات جو میرے خیال میں انسان کی اصل شخصیت کو چھپانے میں معاون ثابت ہوتے ہیں میں نے خود پر سے اُتار کر پھینک دیے ہیں۔ ان چیزوں کا اظہار کرتا ہوں جن کی ضرورت ہوتی ہے۔ غیر ضروری باتوں سے پرہیز کرتا ہوں۔"

"میں نے آج آپ کے گھر فون کیا تھا۔ میرا مطلب ہے تہور عالم صاحب کی کوٹھی پر۔"

"لیکن تہور عالم صاحب کے گھر سے میرا کیا تعلق ہے؟"

"یہ سوال بھی میرے ذہن میں کافی چبھتا ہے اور میں اس سلسلے میں آپ سے گفتگو بھی کرنا چاہتی ہوں۔" میں نے کہا۔

بقراط کلائی پر بندھی گھڑی دیکھنے لگا۔ "وقت اس گفتگو کا نہیں، اگر کبھی فرصت سے بیٹھے تو اس موضوع پر بھی بات کر لیں گے۔ میرے خیال میں آیے ڈاکٹر فرزانہ کے پاس چلتے ہیں۔" بقراط نے اس گفتگو سے پہلو تہی کرتے ہوئے کہا اور میں نے اُس کی بات مان لی۔

ڈاکٹر فرزانہ اپنی ڈیوٹی پر آئی ہی تھیں۔ ہم دونوں کو دیکھ کر مسکرا پڑی۔ "خوب، خوب، خوب۔ آگ اور پانی یکجا ہیں، میں خود ابھی تمھارے پاس آنے والی تھی۔"

"چلیے میں آ گئی۔" میں نے کہا اور ہم دونوں اُس کے سامنے کرسی پر بیٹھ گئے۔

"دراصل اس وقت یہ میری ایک سفارش لے کر آئی ہیں۔" بقراط نے کہا۔

ڈاکٹر فرزانہ عجیب سی نگاہوں سے اُسے دیکھنے لگی۔ "کیسی سفارش جناب؟" ڈاکٹر فرزانہ نے کہا۔

"وہ... میرا مطلب ہے شام کا... نہیں میرا مطلب ہے رات کا کھانا اگر یہیں ہو جائے، میرا مقصد ہے عالیہ صاحبہ کے ساتھ، تو کوئی ہرج تو نہیں ہے؟" بقراط نے پوچھا۔

"خوب... خوب... تہور عالم صاحب بعض اوقات آپ بڑا ہی ذلیل کرتے ہیں، یہ کھانا وانا ایسی ہی حیثیت رکھتا ہے کہ اسے گفتگو کا موضوع بنا لیا جائے؟"

"اُف ڈاکٹر فرزانہ، آپ ایک ایسے شخص کی حیثیت سے یہ بات کہہ رہی ہیں جس کے لیے یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے کاش آپ تہور عالم کے تصور کو محسوس کر سکتیں، یہ مسئلہ اس وقت ساری کائنات کا اہم ترین مسئلہ ہے، زمین کے چپے چپے پر رہنے والے

اسی مسئلے کا شکار ہیں اور انسان...؟"

"بس بس خدا کے لیے بس، اب آپ انسانی مسائل پر لیکچر کریں گے۔ عالیہ صاحبہ یہ حضرت کتنی دیر سے آپ کو پریشان کر رہے ہیں۔"

"جی نہیں ابھی آئے ہیں، تھوڑی دیر ہوئی ہے، بہر صورت کھانے کا بندوبست کر ہی لیا جائے۔"

"ہاں یقیناً میں بھی گھر سے کھانا کھا کر نہیں آئی۔" ڈاکٹر فرزانہ نے کہا اور پھر ہم تینوں اس کمرے سے اٹھ گئے۔ اسپتال کے ایک اندرونی کمرے میں جا کر ڈاکٹر فرزانہ نے کھانا منگوایا اور ہم لوگ کھانے میں مصروف ہو گئے۔ بقراط لمبے لمبے ہاتھ مار رہا تھا اور یوں لگتا تھا جیسے دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو گیا ہو۔ تھوڑی دیر کے بعد کھانا ختم ہو گیا۔ کافی پی گئی اور اسی وقت ڈاکٹر فرزانہ کے لیے ایک پیغام آگیا۔

"تو حضرات مجھے کچھ دیر کی اجازت، اگر آپ تشریف رکھیں۔ میں ذرا راؤنڈ لوں گی۔" فرزانہ مسکراتی ہوئی باہر نکل گئی۔

"ہم لوگ یہیں بیٹھیں کچھ دیر، بلکہ کیا خیال ہے مس عالیہ یہ کمرہ آپ کے کمرے سے زیادہ دور نہیں ہے، یہاں ایک رات بآسانی گزاری جا سکتی ہے۔"

"کیا مطلب ہے؟"

"میرا مطلب ہے ان کرسیوں پر بیٹھ کر کیا ضروری ہے اگر ایک رات آرام نہ کیا جائے۔ میرا خیال ہے ہمیں یہاں کافی وغیرہ بھی رات بھر آرام سے مل سکتی ہے، کیونکہ نرسیں جاگتی رہتی ہیں۔"

"یوں لگتا ہے بقراط صاحب۔ جیسے یہ اسپتال آپ نے ڈاکٹر فرزانہ کی ملکیت سمجھ رکھا ہے اور اس پر آپ کا بھی پورا پورا حق ہے۔ آپ یہاں کیوں رکنا چاہتے ہیں؟"

"بس یہاں سے آپ کے کمرے پر نگاہ رکھی جا سکتی ہے، یہ دیکھیے یہ کھڑکی۔ اس کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"اوہ لیکن آپ بڑے یقین سے یہ بات کہہ رہے ہیں کہ میرے کمرے میں کوئی گڑبڑ ہوگی؟"

"میں نے کہا نا، یقین نہیں بس ایک بقراطی تصور ہے۔"

"اگر آپ اسپتال میں کسی ہنگامے کے متوقع ہیں تو اس کی نوعیت کیا ہو سکتی ہے۔ کہیں ڈاکٹر فرزانہ کو کوئی نقصان نہ پہنچ جائے۔ کیا ہمیں اسے اس امکان سے آگاہ کر دینا چاہیے؟"

"وہ ایک ذمے دار شخصیت ہے۔ اگر آپ نے ایسا کیا عالیہ صاحبہ تو وہ پریشان ہو جائے گی اور دلجمعی سے اپنا کام بھی نہیں کر سکے گی۔ میری رائے ہے کہ خاموشی اختیار کی جائے اور انتظار کیا جائے۔"

"جیسی آپ کی رائے۔ آپ بھی یہاں رکیں گے؟"

"جی ہاں لیکن میری خواہش ہے کہ تھوڑی دیر کے بعد آپ یہاں سے اٹھ جائیں۔ اپنے کمرے میں جا کر آرام کریں اور کسی کو یہ تاثر نہ دیں کہ کوئی غیر معمولی بات آپ کے ذہن میں ہے۔"

"اوہ۔ آپ کے خیال میں اسپتال کے لوگوں میں کوئی کالی بھیڑ موجود ہے؟" میں نے ہونٹ سکوڑ کر کہا۔

"نہیں دعوے سے یہ بات نہیں کہہ سکتا لیکن امکانات تو ہیں۔"

"ہوں۔ ٹھیک ہے۔ میں کتنی دیر میں وہاں سے واپس نکل آؤں؟"

"میرے خیال میں تقریباً گیارہ بجے آپ اس کمرے سے نکل کر یہاں آ جائیں۔ کیا آپ کے کمرے میں رات کو روشنی ہوتی ہے؟"

"ہاں مدھم بلب رات بھر جلتا رہتا ہے۔"

"نرس آخری بار کب آتی ہے؟"

"گیارہ بجے۔"

"بس اس کے جانے کے بعد آپ بستر چھوڑ دیں۔ تکیے اس طرح رکھ دیں جیسے آپ بستر پر موجود ہیں۔"

"آپ جس اعتماد سے یہ بات کہہ رہے ہیں اس پر مجھے حیرت ہے۔ تاہم میں چلتی ہوں۔" میں نے کہا اور بقراط بھی میرے ساتھ ہی اٹھ کر کمرے سے نکل آیا۔ پھر وہ مجھے خدا حافظ کہہ کر ایک طرف چلا گیا اور میں اپنے کمرے میں آ گئی۔ بستر پر لیٹ کر میں بقراط کے شبہے کے بارے میں سوچنے لگی۔ ان حالات کے بارے میں سوچتی رہی۔ عجیب سی کیفیت ذہن پر طاری تھی۔ اس وقت بھی میں یہی سوچ رہی تھی کہ اطہر رضوی پر کیا بیت رہی ہے۔ بقراط کا یہ شبہہ بے معنی تو نہیں ہو گا۔ کیا آنکل شہریار اطہر رضوی کے بت کو پاش پاش کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں؟ اگر وہ دہرا وجود ختم ہو گیا ہے تو پھر تو اطہر رضوی کو بھی ختم ہی سمجھا جائے۔

میں اس بات کا دل سے اعتراف کرتی تھی کہ اگر اطہر رضوی بیٹوں کے سلسلے میں اس عذاب کا شکار نہ ہوتا تو بلاشبہ ایک نیک انسان تھا۔ وہ یقیناً معاشرے کے لیے ایک کارآمد شخصیت ہوتا اور تھا۔ اس کا یہ ناقابل تسخیر وجود بلا وجہ ہی نہ تھا۔ اس نے ملک و قوم کے لیے کچھ کر کے ہی یہ عزت کمائی تھی لیکن دوسری طرف بیٹوں کی وجہ سے وہ شیطان بن گیا تھا۔ اسے چاہیے تھا کہ وہ اس جنون کا علاج کرا لیتا اور اگر یہ جنون ناقابل علاج ہوتا تو انہیں مر جانے دیتا۔ انہیں زندہ رکھنے کے لیے اس نے کتنی

ی زندگیاں تباہ کی تھیں۔ بہر حال اگر اس کے بیٹے مر چکے ہیں ر ہی باتیں ہیں یا اگر ان کے غم میں وہ بھی مر جائے گا یا پاگل ہو جائے گا یا پھر آہستہ آہستہ نارمل ہو جائے گا۔

رات کو ٹھیک گیارہ بجے نرس میرے پاس آئی۔ یہ رضیہ نہیں شاید آج رضیہ کی ڈیوٹی بدل گئی تھی۔ میں نے اس کے سامنے سونے کے لیے چادر تان لی اور وہ تیز روشنی بند کر کے چلی گئی۔ منٹ تک میں نے انتظار کیا اور پھر اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔ نے دونوں تکیے اس طرح رکھے کہ بستر پر میرے وجود کا اس ہونے لگا اور پھر ان پر چادر ڈال دی۔ پوری طرح تو نہیں ں ایک نگاہ دیکھنے سے ہی محسوس ہوتا تھا کہ میں بستر پر ود ہوں۔ میں مطمئن ہو کر باہر نکل آئی اور پھر دبے پاؤں اس ے کی طرف بڑھ گئی جس کے بارے میں بقراط نے کہا تھا۔ کمرے میں تاریکی تھی لیکن دروازہ کھلا تھا۔ اندر پہنچ کر ں نے دیوار پر لگے سوئچ کی طرف ہاتھ بڑھایا تو بقراط کی آواز ائی دی۔ "نہیں مس عالیہ تاریکی ہی رہنے دیں۔" ایک پنسل چ روشن ہو گئی اور اس کی باریک شعاع کی رہبری میں میں کھڑکی کے پاس پہنچ گئی جو میرے کمرے کے دروازے کے منے کھلتی تھی۔

بقراط نے کرسی کی طرف اشارہ کیا اور میں بیٹھ گئی۔ سینٹر ٹیبل فی کے برتن رکھے ہوئے تھے۔ میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ ل گئی۔ "کافی نکالوں؟" بقراط نے پوچھا۔

"ابھی نہیں، آپ چاہیں تو ضرور لے لیں۔" میں نے کہا۔ بقراط نے بھی اپنے لیے کافی نہیں انڈیلی۔ وہ خاموش اور یدہ سا لگ رہا تھا۔ میں بھی کرسی کی پشت سے ٹیک کر بیٹھ "آپ بہت سنجیدہ ہیں بقراط صاحب؟" میں نے اسے چھیڑا۔ "ششش...!" اس نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر مجھے خاموشی کا اشارہ کیا اور میرا دل شدت سے دھڑک اٹھا۔

کھڑکی سے باہر اس کمرے کے دروازے کے سامنے جس میں مقیم تھی اچانک چار انسانی سائے نظر آئے۔ جو سیاہ چست ں میں ملبوس تھے اور انھوں نے اپنے چہرے بھی سیاہ نقابوں چھپا رکھے تھے۔ ان میں سے ایک نے دروازے پر زوردار ت ماری۔ دروازے کے دونوں پٹ کھل گئے، اس کے بعد فائرنگ کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ وہ کمرے میں گھس یرے بستر کو گولیوں کا نشانہ بنا رہے تھے۔ یہ کام صرف چند نڈ میں ہو گیا۔ اس کے بعد اپنی اس حرکت کا نتیجہ دیکھے بغیر وہ برق رفتاری سے باہر آ گئے۔

فائرنگ کی آواز سن کر چند وارڈ بوائز بھاگتے ہوئے نظر آئے اور میرا دل دھک سے رہ گیا۔ ان لوگوں نے اپنی طرف آنے والوں پر بھی فائرنگ شروع کر دی تھی۔ کمروں کی کھڑکیوں کے شیشے چھناکے کی آواز کے ساتھ ٹوٹنے لگے اور بہت سی چیخیں ابھریں اور اس کے ساتھ ہی وہ راستہ بدل کر بھاگ گئے تھے۔ اسپتال میں جگہ جگہ تیز روشنیاں ہونے لگیں اور دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں اور چیخیں گونجنے لگیں۔ ہم دونوں بھی برق رفتاری سے باہر آ گئے۔ بقراط تیزی سے ایک جانب کھسک گیا اور میں تنہا رہ گئی۔

دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں راہداری سے ہوتی ہوئی میرے کمرے تک پہنچ گئیں۔ غالباً انہیں اندازہ ہو گیا تھا کہ حادثہ کس کمرے میں ہوا ہے، چاروں طرف سے وارڈ بوائز، نرسیں اور ڈاکٹرز میرے کمرے میں پہنچ گئے۔ اسی وقت میں نے ڈاکٹر فرزانہ کو دیکھا جو ہانپتی کانپتی اسی طرف آ رہی تھی۔ اس کا چہرہ ہلدی کی طرح زرد ہو گیا تھا۔ وہ خود بھی میرے کمرے کے پاس پہنچ گئی لیکن اس سے قبل ہی ایک ڈاکٹر نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"خدا کا شکر ہے ڈاکٹر فرزانہ۔ وہ خاتون اپنے بستر پر موجود نہیں تھیں۔"

"کک کیا ہوا، کیا بات ہے؟" ڈاکٹر فرزانہ کی آواز سنائی دی۔

"گولیاں چلائی گئی تھیں اس خاتون کے بستر پہ۔" ڈاکٹر نے جواب دیا۔ "وہ خاتون اپنے بستر پہ موجود نہیں تھیں۔ گولیوں نے چادروں اور تکیوں میں سوراخ کر دیے، غالباً انہیں پہلے سے اندازہ ہو گیا تھا؟" ڈاکٹر نے کہا۔

فرزانہ نے آنکھیں بند کر کے گہری سانس لی۔ تب ہی میں نے قریب جا کر اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔ اس نے چونک کر مجھے دیکھا اور بے اختیار میرا بازو پکڑ لیا... "کیا ہے یہ سب؟" اس نے بے اختیار کہا اور پھر جیسے سنبھل گئی۔ "اور تو کوئی زخمی نہیں ہوا؟" اس نے دوسرے لوگوں کی طرف رخ کر کے کہا۔

"نہیں... حالانکہ انھوں نے ہم لوگوں پر بھی گولیاں چلائی تھیں لیکن ہم بال بال بچ گئے۔"

"کوئی مریض... میرا مطلب ہے شیشوں کے چھناکے جو ہوئے تھے!"

"ہاں شیشے ٹوٹ گئے ہیں، مریضوں کے بارے میں ابھی تفصیل

معلوم نہیں ہوئی؟

"براہِ کرم آپ لوگ دیکھیے جن کمروں کے شیشوں پر گولیاں لگی ہیں اُن کمروں کے مریض زخمی تو نہیں ہوئے؟" ڈاکٹر فرزانہ نے کہا اور میرا بازو پکڑ کر ایک طرف بڑھ گئی۔ "یہ سب کیا ہے عالیہ؟"

"مجھے انتہائی شرمندگی ہے ڈاکٹر فرزانہ کہ میری وجہ سے یہ سارا ہنگامہ ہوا۔"

"مگر یہ ہوا کیا تھا، کون لوگ تھے وہ جو تم پر حملہ آور ہوئے تھے...؟"

"کاش میں تمھیں بتا سکتی۔" میں نے گہری سانس لے کر کہا۔ ڈاکٹر فرزانہ کافی خوفزدہ نظر آ رہی تھی۔

اس وقت بُقراط اپنی جگہ سے نکل کر اُس کے قریب پہنچ گیا اور وضاحت کرنے لگا: "ہم ایک رپورٹ تیار کریں گے ڈاکٹر فرزانہ... جو کچھ ہوا ہے میں اس کے لیے نادم ہوں کیونکہ تمھیں اس کی جواب دہی کرنا پڑے گی لیکن یہ ایک مجبوری تھی۔ میں نے عالیہ کی زندگی بچانے کے لیے ہی انھیں اسپتال میں داخل کرایا تھا لیکن ان کے دشمنوں کو معلوم ہو گیا کہ یہ کہاں ہیں۔"

"اوہ یہ عالیہ کی زندگی کا مسئلہ تھا۔" ڈاکٹر فرزانہ نے کہا اور پھر میرا بازو مضبوطی سے پکڑتی ہوئی بولی۔ "کوئی ہرج نہیں ہے عالیہ، زیادہ سے زیادہ یہ کہ مجھے تھوڑی سی جواب دہی کرنا پڑے گی لیکن کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میں مطمئن ہوں کیونکہ اس کوشش سے تمھاری زندگی بچ گئی۔" ڈاکٹر فرزانہ خاموش ہو گئی۔ اُس کا چہرہ جذبات سے سُرخ ہو رہا تھا۔ ہم لوگ اس کے ساتھ اس کے دفتر میں آ گئے۔ اس کے فوراً ہی بعد اسپتال کا آفیسر انچارج اُس کے پاس پہنچ گیا۔ اُس نے فرزانہ سے اس سلسلے میں سوالات شروع کر دیے اور فرزانہ نے میرا تعارف کراتے ہوئے کہا: "یہ مِس عالیہ ہیں، ایک مقامی اخبار کی رپورٹر، کچھ لوگ شاید ان سے دشمنی پر آمادہ تھے اور انھیں ہلاک کرنے کے خواہش مند تھے۔ چنانچہ یہ حملہ اتفاقیہ طور پر ناکام ہو گیا۔"

"لیکن کمرے میں بستر کی جو کیفیت ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مِس عالیہ کو اس حملے کا علم تھا۔"

"جی ہاں، انھیں کسی نے ٹیلی فون کر کے بتایا تھا اور کہا تھا کہ اُن کی زندگی بخشی نہیں جا سکتی، ان لوگوں کے بارے میں عالیہ صاحبہ کو علم نہیں تھا لیکن پھر بھی انھوں نے احتیاطاً اس کا تذکرہ مجھ سے کیا اور میں نے اُن سے کہا کہ وہ اس رات اپنے کمرے میں نہ رہیں۔ چنانچہ وہ دوسرے کمرے میں تھیں اور اس طرح کم بخت حملہ آور ناکام ہو گئے۔" ڈاکٹر فرزانہ جو اب پوری طرح سنبھل چکی تھی آفیسر انچارج کو اپنا بیان دیتے ہوئے بولی۔

"کیا میں پولیس کو ٹیلی فون کروں؟" آفیسر انچارج نے پوچھا۔

"میرا خیال ہے ابھی توقف کریں۔ میں خود رپورٹ لکھواؤں گی۔" میں نے ان لوگوں کی گفتگو میں مداخلت کی۔

"لیکن اسپتال میں یہ واردات ہوئی ہے اس کی رپورٹ پولیس کو دینا ضروری ہے۔"

"آپ یقیناً اپنے طور پر پولیس کو رپورٹ دے دیں ڈاکٹر صاحب لیکن میں خود بھی اس سلسلے میں کوئی کارروائی کروں گی۔ افسوس تو یہ ہے کہ میں اپنے دشمنوں کا نام بھی نہیں جانتی۔"

اس کے بعد مجھے ضابطے کی کارروائیوں میں شریک ہونا پڑا۔ ساری رات گزر گئی۔ بُقراط وہاں سے ہٹ گیا لیکن اسپتال ہی کے احاطے میں موجود رہا۔ اُس نے پولیس کے سامنے آنے کی کوشش نہیں کی تھی، غالباً وہ اپنی شخصیت کو ان معاملات میں ملوث کرنا نہیں چاہتا تھا کیونکہ اس طرح ڈاکٹر فرزانہ کے لیے مزید اُلجھنیں پیدا ہو جاتیں۔ میں نے نہایت ہوشیاری سے پولیس کو بیان دیا۔ ڈاکٹر فرزانہ چونکہ میرے بارے میں سارے کاغذات پہلے ہی تیار کر چکی تھی اس لیے کوئی مشکل نہ ہوئی۔ میری بیماری کا ریکارڈ موجود تھا اور ساری رپورٹیں تیار تھیں۔ انھیں دیکھنے کے بعد پولیس آفیسر نے مجھ سے سوالات کیے اور میں نے گہری سانس لے کر کہا: "میں اخباری رپورٹر ہوں جناب۔ بعض اوقات لوگوں کو ہم سے بلا وجہ بھی دشمنی ہو جاتی ہے۔ یہ حملہ ایسی ہی کسی دشمنی کا نتیجہ ہو سکتا ہے۔"

"آپ سے اس بارے میں گفتگو کی گئی تھی؟"

"جی ہاں، آج دوپہر مجھے ایک گمنام فون موصول ہوا تھا۔"

"پھر آپ نے کیا کیا؟"

"میں پریشان ہو گئی تھی لیکن میں نے سوچا کہ یہ کوئی مذاق بھی ہو سکتا ہے۔ تاہم حفظِ ماتقدم کے طور پر میں نے یہ رات اپنے بستر میں نہیں گزاری۔"

"جس وقت گولیاں چلیں آپ کہاں تھیں؟"

"کمرے سے کچھ فاصلے پر ایک تاریک کمرے میں۔" میں نے جواب دیا۔

"اوہ۔ براہِ کرم ہمارے ساتھ اُس کمرے تک چلیں۔ آیئے ڈاکٹر فرزانہ۔" پولیس افسر نے کہا۔

میں سخت اُلجھن میں پھنس گئی۔ حماقت ہو گئی تھی۔ مجھے اس کمرے کا حوالہ نہیں دینا چاہیے تھا۔ وہاں دو افراد کی موجودگی کے نشانات

یس افسر کھڑا ہو گیا اور مجبوراً مجھے اُس کے ساتھ اس کمرے
نا پڑا لیکن اس دوران میں میں ایک عمدہ بہانہ تراشنے میں
ب ہو گئی۔ ڈاکٹر فرزانہ نے کمرے میں داخل ہو کر روشنی کر دی
کمرے کا ماحول دیکھ کر دنگ رہ گئی۔ وہ کھڑکی بند تھی جس
لوگ باہر دیکھتے رہے تھے۔ کافی کے برتن غائب تھے۔ میز
سیاں اپنی جگہ رکھی ہوئی تھیں۔ میرا دل شدت سے دھڑکنے
ہر ہے یہ بُقراط کے علاوہ اور کس کا کام ہو سکتا تھا۔ میں
ن ہو گئی اور بقیہ بیان میں نے بغیر کسی تردّد کے دیا۔ آخر
یس افسر نے مجھ سے پوچھا کہ کیا اس واقعے کے بعد بھی
پتال میں رہوں گی؟

نہیں، میں آج ہی یہاں سے چلی جاؤں گی۔"

پولیس کو آپ کی ضرورت پیش آئے گی مِس عالیہ۔"

آپ میرے دفتر کے ذریعے مجھ سے رابطہ رکھ سکتے ہیں۔" میں
ب دیا۔

پولیس افسر کارروائی کے بعد چلا گیا تو بُقراط واپس آ گیا اور
نے ڈاکٹر فرزانہ سے اجازت مانگی۔ "عالیہ صاحبہ کو میں اپنے
لے جا رہا ہوں ڈاکٹر۔ آپ کو جب بھی ہماری ضرورت
ئے مجھے فون کر لیں۔"

جیسا آپ مناسب سمجھیں۔" فرزانہ نے کسی قدر افسردگی
ا۔

ہم وہاں سے نکل آئے۔ بُقراط نہایت اطمینان سے میرے
ہلتا ہوا اسپتال سے باہر آیا اور پھر اُس کے بائیں طرف

"اس طرف کہاں؟" میں نے پوچھا۔

میری کار اسی طرف کھڑی ہوئی ہے۔" بُقراط نے جواب
ڑی ہی دیر بعد ہم دونوں کہیں تاریک اور کہیں نیم روشن
پر سفر کرتے رہے۔ تھوڑی دیر کے بعد کار اس خوبصورت
ں داخل ہو گئی جہاں سے میں نے ایک بار بُقراط کی انگوٹھیاں
یں۔ پورچ میں کار روک کر بُقراط نیچے اُتر آیا اور اُس
ت احترام سے دروازہ کھول دیا۔ "اس اعتماد کے لیے
عالیہ صاحبہ۔" اُس نے کہا۔

میں خاموش رہی۔ وہ مجھے ڈرائنگ روم میں لے گیا اور
لحوں کے لیے کسی دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ واپس آ کر بولا۔
ی منہ ہاتھ دھو لیں۔ لباس تو آپ کا بالکل صاف ہے کیوں کہ
ے آپ اسپتال کا لباس استعمال کرتی رہی تھیں۔"

نہیں میں ٹھیک ہوں۔"

"تب پھر آرام کریں۔ صبح ہونے میں بہت کم وقت ہے۔"

"بہتر۔ مجھے میری خواب گاہ دکھا دیں۔"

"آیئے۔" اُس نے کہا اور ایک آرام دہ خواب گاہ میں لے جا کر خدا حافظ کہتا ہوا چلا گیا۔

دوسری صبح شاید بھوک کی وجہ سے آنکھ کھُلی تھی۔ بھوک اس لیے لگ رہی تھی کہ ساڑھے دس بج چکے تھے۔ دیوار پر لگی گھڑی میں وقت دیکھ کر میں چونک پڑی اور جلدی سے اُٹھ گئی... باتھ رُوم ملحق تھا۔ میں نے غسل کیا اور بال وغیرہ دُرست کر کے باہر نکل آئی۔ تبھی دروازے پر دستک ہوئی تھی۔ "کون ہے؟"

"ناشتہ تیار ہے۔" باہر سے بُقراط کی آواز سُنائی دی۔

"آپ مجھ سے بدلہ لے رہے ہیں کیا؟" میں نے دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔

"کس بات کا مِس عالیہ؟" وہ معصومیت سے بولا۔

"میں نے آپ کے ساتھ سخت رویّہ رکھا اور آپ مجھے اپنے اخلاق سے ذلیل کر رہے ہیں۔ ناشتہ کس نے تیار کیا؟"

"میں نے۔"

"مجھے علم ہے کہ یہاں مُلازم نہیں ہیں۔ ناشتہ آپ نے ہی تیار کیا ہو گا۔"

"ناشتے کے علاوہ پورے گھر کی صفائی بھی کر چکا ہوں۔"

"مجھے کیوں نہیں جگا دیا؟"

"آپ ناشتہ تیار کرتیں؟"

"کیا حرج تھا اس میں۔ ہم دوست ہیں۔ یہ جگہ اب میرے لیے اجنبی تو نہیں ہے۔"

"اگر یہ بات ہے تو دوپہر کا کھانا پکا لیں۔" اُس نے کہا اور میں نے خلوص سے گردن ہلا دی۔ بُقراط اِن کاموں کا عادی معلوم ہوتا تھا کیونکہ ناشتہ کافی عمدہ تھا۔ بہرحال ہم دونوں نے ناشتہ کیا۔ اور اس کے بعد کافی دیر تک بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ کوئی خاص موضوع نہیں تھا۔ پھر بُقراط نے کہا۔

"تو پھر دوپہر کے کھانے کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"میں پکاؤں گی۔"

"میں ضرورت کی چیزیں خرید لاؤں؟" اُس نے کہا اور میں نے اُسے ایک فہرست بنا کر دے دی۔ بُقراط چلا گیا اور اُس کے جانے کے بعد تنہا مکان میں ایک عجیب سے احساس نے مجھے آ گھیرا۔

وہ میری مطلوبہ اشیا لے آیا اور اس کے بعد مجھ پر کسی احساس

کا حل نہ ہوا۔ دوپہر کا کھانا بھی ہم لوگوں نے ساتھ کھایا تھا۔ پھر مجھے خیال آیا اور میں چونک پڑی۔ "رات کے واقعات کی کوئی تفصیل اخبارات میں تو نہیں آئی؟" میں نے اس سے پوچھا۔

"نہیں۔ میں دیکھ چکا ہوں۔ دراصل اس وقت کوئی رپورٹ اخبارات کو نہ مل سکی ہوگی۔ کافی رات گزر گئی تھی۔ ہاں دوپہر کے اخبارات میں ممکن ہے کوئی خبر موجود ہو۔" بقراط نے جواب دیا۔

"اگر ممکن ہو سکے تو دیکھ لینا بقراط۔" میں نے کہا۔

"ایک مشورہ قبول کرو، دوستانہ ہے۔" بقراط نے کہا۔

"ہوں۔ فرمایئے؟"

"آیندہ کھانا اتنا لذیذ مت پکانا۔ ورنہ میں سازشیں کر کے تمھارے اتنے دشمن پیدا کر دوں گا کہ تم نے باہر قدم رکھا اور تم پر گولیوں کی بوچھاڑ ہوئی۔ اس کے بعد تم اس محفوظ پناہ گاہ میں رہو گی اور مجھے کھانا عمدہ ملتا رہے گا۔"

"اس غلط فہمی میں نہ رہیں بقراط صاحب۔ میں کسی سے خوفزدہ نہیں ہوں۔ بس چونکہ ایک مشکل وقت میں آپ نے میری مدد کی ہے اس لیے آپ کی احسان مند ہو گئی ہوں اور آپ کی ہدایات پر عمل کر رہی ہوں۔"

"چلو ٹھیک ہے یہی سہی۔ میں امن پسند آدمی ہوں۔ ہاں۔ وہ رات کے کھانے کی کیا رہے گی؟"

"خدا کی پناہ۔ ابھی کھا چکے ہو اور اب رات کے کھانے کی فکر ہو گئی۔ رات کو کچھ نہیں پکے گا۔ اس وقت کا بچا ہوا کھانا ہی کھایا جائے گا۔" میں نے کہا اور بقراط کی گردن لٹک گئی۔

شام کے اخبارات میں بھی کوئی خبر نہیں تھی۔ مجھے یک گونہ سکون ہو گیا۔ رات کو بھی دیر تک بقراط سے گفتگو ہوتی رہی۔ اطہر رضوی کے سلسلے میں ذکر نکلا تو میں نے پوچھا۔

"اب یہ بتاؤ۔ اطہر رضوی کے سلسلے میں کیا کیا جائے؟"

"شہریار صاحب اُس کے پیچھے لگے ہوئے ہیں اور یہ شخص جو کچھ ہے مجھے اس کا اندازہ ہے۔" بقراط نے کہا۔

"کیا اب بھی تم مجھ سے جھوٹ بولو گے بقراط؟"

"کس سلسلے میں؟"

"انکل شہریار سے ثاقب دُرّانی کی حیثیت سے تم ہی ملے تھے نا؟"

"ہاں!" وہ بڑے خلوص سے بولا۔

"تو اُس وقت تم نے انحراف کیوں کیا تھا؟"

"کس وقت؟ مجھے یاد نہیں۔"

"اس نام سے کیوں ملے تھے؟"

"بس منہ سے نکل گیا تھا۔ پھر نہ بدل سکا۔"

"اُن کے بارے میں اور کیا جانتے ہو۔ میرا مطلب ہے آج کہاں ہیں؟"

"جہاز ڈبو رہے ہیں۔ ایک نہ ایک دن اطہر رضوی کو بھی ڈبو دیں گے۔" بقراط نے جواب دیا اور میں ششدر رہ گئی۔

"تو تمھیں اس بارے میں بھی معلوم ہے؟"

"پہلے بھی بتا چکا ہوں۔"

"اطہر رضوی کے معاملے کو یونہی چھوڑ دینا ہے؟"

"دیکھ لیں گے اطمینان سے۔"

"جھوٹ بول رہے ہو۔ اگر تمھیں اتنا ہی اطمینان ہوتا تو میری نگرانی نہ کر رہے ہوتے۔"

"مجھے اُس سے نہیں آپ سے دلچسپی ہے محترم خاتون۔ اُس سے نمٹنا مقامی انتظامیہ کا کام ہے اور یہ بات آپ کو معلوم ہے۔ شہریار صاحب اس وقت فوجی حکام سے رابطہ قائم کر چکے ہیں۔ خاص ہی بات ہوگی ورنہ اب تک وہ رضوی کا تیا پانچہ کر چکے۔"

"ہم۔ مجھے اس سلسلے میں کوئی بات نہیں معلوم۔"

"اب یہ جھوٹ کی فضا تم ہی پیدا کر رہی ہو، سوچ لو۔" اُس نے آنکھیں نکال کر کہا اور میں ہنسنے لگی۔

"تم بے حد چالاک ہو بقراط۔ اب تو میں تم سے خوفزدہ ہو گئی ہوں۔"

بقراط کے ساتھ اچھا وقت گزر رہا تھا۔ بس ذرا سی تشویش محسوس ہوئی تھی۔ یوں بھی عام ماحول سے ہٹ کر سوچنے کا موقع ملا تھا اور اس دوران میں بہت سی باتیں ذہن میں آئی تھیں۔ اطہر رضوی کو یقیناً احساس ہو گیا تھا کہ میں اُسے بے وقوف بنانے کی کوشش کر رہی ہوں۔ اس لیے اُس نے جھلا کر مجھ پر حملہ کرا دیا تھا۔ اس طرح اگر اُسے شبہ بھی تھا تو وہ شبہے سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ ایک بار پھر دشمن کے روپ میں سامنے ہے۔

دوسرے دن کے اخبار میں اسپتال کی خبر موجود تھی! رپورٹر پر قاتلانہ حملے کی پوری تفصیل موجود تھی لیکن اس کے ساتھ ہی تھوڑی سی پریشان کن خبر بھی تھی۔ وہ یہ کہ رپورٹر عالیہ سے جب پولیس نے اُس کے دفتر کے ذریعے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی تو وہاں سے اُس کا کوئی پتہ نہیں چل سکا! اسی لیے اس کے لیے تشویش کا شکار ہے۔

بقراط کسی کام سے چلا گیا تھا۔ میں نے چند ساعت سوچا اور پھر شہریار انکل کو فون کر کے اپنی خیریت سے مطلع کر دینا مناسب سمجھا۔ مجھے یاد آیا کہ رضوی کو ناصر کی تلاش بھی تھی۔ اُف وہ میں ناصر کو ہوشیار نہیں کر سکی تھی۔ کہیں وہ اطہر رضوی کے ہاتھ نہ لگ گیا ہو۔

بقراط کی واپسی کا انتظار ممکن نہیں تھا۔ میں نے اُس کے لیے ایک پرچہ لکھا جس میں ناصر کی گم شدگی کے بارے میں لکھ دیا تھا اور یہ بھی کہ ناصر کی زندگی سخت خطرے میں ہے۔ اس کے بعد میں وہاں سے نکل آئی۔ کار بقراط لے گیا تھا اس لیے مجھے پیدل ہی سفر کرنا پڑا اور پھر تھوڑی دور چل کر ایک ٹیکسی مل گئی... ٹیکسی ڈرائیور کو پتہ بتا کر میں چل پڑی۔ عجیب عجیب خیالات آ رہے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد ٹیکسی عابدہ لاج کے علاقے میں داخل ہو گئی۔ میں نے حسبِ عادت اُسے عمارت سے کافی فاصلے پر رکوا لیا اور بل ادا کر کے چل پڑی۔

ابھی میں کوٹھی سے کافی فاصلے پر تھی کہ اچانک ایک عمارت کی آڑ سے چار پانچ افراد نکل آئے۔ وہ اس طرح نکلے تھے کہ میں کچھ سوچ بھی نہ سکی۔ کوئی موٹی سیاہ چادر میرے اُوپر آ پڑی اور سب نے مل کر مجھے دبوچ لیا۔ اندازے سے انھوں نے میرا منہ بھی بھینچ لیا تھا۔

میں بے بس ہو گئی اور پھر کوئی گاڑی میرے قریب آ کر رُک گئی۔ انجن کی گھرگھراہٹ سے مجھے اس کا اندازہ ہوا تھا۔ اس کے بعد کم بختوں نے نہایت بے دردی سے مجھے گاڑی میں پھینک دیا۔ خاصی چوٹ لگی تھی۔ غالباً یہ کسی وین کا پچھلا حصہ تھا۔

وہ اب بھی بے دردی سے مجھے دبوچے بیٹھے... تھے اور میرا دَم بُری طرح گھٹ رہا تھا۔ میں نے کافی جدّ و جہد کی لیکن عجیب جنگلی لوگ تھے۔ ایک نہ سُنی کم بختوں نے اور سانس لینا دوبھر ہو گیا۔ اس کے نتیجے میں صرف یہی ہو سکتا تھا کہ میں بے ہوش ہو جاؤں۔ چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد مجھے ہوش نہ رہا اور یہی میرے حق میں بہتر تھا۔ ہوش آیا تو کسی قدیم طرز کے قید خانے کے پتھریلے فرش پر پڑی ہوئی تھی۔

سُرخ پتھروں کی دیواروں کی کوٹھری تھی جس میں فولادی سلاخوں والا دروازہ لگا ہوا تھا اور اس دروازے کے سامنے ایک اُجڑا ہوا خزاں رسیدہ باغ پھیلا ہوا تھا۔ سوکھے پتے ہوا سے اُڑ رہے تھے اور اُن کی سرسراہٹیں سنائی دے رہی تھیں۔ سلاخوں والے دروازے پر ایک بہت بڑا تالا پڑا ہوا تھا۔ پیپل کے ٹنڈ منڈ درخت عجیب ہیبت ناک لگ رہے تھے۔ میں اس وحشت زدہ ماحول... کو دیکھ کر دنگ رہ گئی۔ کون سی جگہ ہے یہ؟

لیکن اس سوال کا میرے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ آہستہ آہستہ اُٹھ کر میں سلاخوں والے دروازے کے پاس آ گئی۔ میں نے سلاخوں پر ہاتھ رکھے اور ایک کرب ناک چیخ میرے حلق سے نکل گئی۔ سلاخوں میں کرنٹ دوڑ رہا تھا۔ بجلی کے جھٹکے سے میرا ذہن چند لمحات کے لیے ماؤف ہو کر رہ گیا تھا۔ میں دروازے سے ہٹ کر زمین پر بیٹھ گئی۔ دونوں ہاتھوں سے سر پکڑے ہوئے میں کافی دیر تک بیٹھی بجلی کے جھٹکوں کے اثرات سے سنبھلنے کی کوشش کرتی رہی اور آہستہ آہستہ ذہنی حالت اعتدال پر آنے لگی، گویا اس بار اطہر رضوی نے کوئی رعایت نہیں کی ہے۔ میں نے سوچا اور پھر اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی۔

لیکن یہ ہے کون سی جگہ، کوئی نیا علاقہ معلوم ہوتا ہے... قید خانے کے باہر کا جو ماحول تھا اُس سے بھی یہی اندازہ ہوتا تھا کہ قید خانہ کسی کھلی جگہ میں بنا ہوا ہے لیکن ایسی جگہ عام نگاہوں سے کیسے چھپی رہ سکتی ہے، تاہم اطہر رضوی کے بارے میں اتنا ضرور جانتی تھی کہ یہ شریف انسان نجانے کیسے کیسے وسائل رکھتا ہے، یہ جو چاہے کر سکتا ہے، اس کے اختیارات کی وسعت تو میں بخوبی دیکھ چکی تھی۔ باہر کے منظر سے بڑی وحشت کا احساس ہوتا تھا۔ رات کی تاریکی میں یہ ماحول نجانے اور کتنا خوفناک ہو جائے گا۔ میں نے رُخ بدل لیا اور اپنے اس قید خانے کا جائزہ لینے لگی۔ لکڑی کی ایک سالخوردہ گھڑونچی رکھی ہوئی تھی جس پر ایک گندہ سا پانی کا مٹکا اور سلور کا ٹوٹا ہوا گلاس موجود تھا۔ گھڑونچی کے عین نیچے کپڑے میں بندھی ہوئی کوئی چیز رکھی تھی، میں دلچسپی سے اُس کے قریب پہنچ گئی، سلور کے ہی ایک گندے سے برتن میں سُرخ آٹے کی باسی روٹیاں اور تھوڑی سی دال بھی موجود تھی، میں نے یہ چیزیں دیکھیں اور پُرخیال انداز میں گردن ہلانے لگی، گویا اس بار اطہر رضوی میرے ساتھ حقارت کا سلوک کرنا چاہتا ہے لیکن بے وقوف گدھا نہیں جانتا کہ یہی تو زندگی ہے۔ کبھی محلے دو محلے اور کبھی کھُردری زمین۔ انسان کی شناخت یہیں سے تو ہوتی ہے۔

چھت میں لگا ننگا بلب پیلی پیلی روشنی بکھیر رہا تھا۔ مجھے بھوک محسوس ہونے لگی تو میں بڑے اطمینان سے گھڑونچی کے قریب پہنچی۔ میں نے گٹھری کو کھولا اور اُس میں سے روٹیاں نکال کر کھانے لگی۔ بڑی لذت تھی اس سادہ اور باسی خوراک میں۔ کھانا کھانے کے بعد میں نے گھڑے میں سے پانی نکال کر پیا اور میرے بدن میں نئی زندگی دوڑ گئی۔ اس کے بعد میں نے اپنے لیے سونے کی جگہ

تلاش کی۔ باہر پھیلی ہوئی تاریکی میں کچھ روشنی سی محسوس ہونے لگی تھی، سلاخوں سے ایک فٹ کے فاصلے پر رُک کر میں نے آسمان کی جانب دیکھا، روشنی مصنوعی نہیں تھی بلکہ ابتدائی راتوں کا چاند آہستہ آہستہ اُبھر رہا تھا البتہ کسی انسانی وجود کا ابھی تک اس علاقے میں کوئی احساس نہیں ہوا تھا۔

میں چاندنی میں اُبھرتے ہوئے خوفناک منظر کو دیکھنے لگی، اگر کوئی عمارت یہاں موجود ہے اور اس کے عقب میں کوئی ایسا خوفناک علاقہ بھی ہے تو عمارت کے مکین پاگل ہی ہو سکتے ہیں یا یہ بھی ممکن ہے کہ عمارت کوئی کھنڈر ہی ہو۔ ایک ایسی عمارت جسے عام طور سے استعمال نہ کیا جاتا ہو اور یہ بجلی ممکن ہے کہ کسی جنریٹر کی پیداوار ہو لیکن جنریٹر کی کوئی آواز تو فضا میں منتشر نہیں ہو رہی، یہاں تو کوئی آواز ہی نہیں ہے۔

چند ساعت کے بعد میرا یہ خیال بھی غلط ثابت ہو گیا۔ گھوڑوں کے ہنہنانے کی آوازیں سُنائی دی تھیں، جن کا فاصلہ زیادہ نہیں تھا۔ پھر کچھ اور آہٹیں محسوس ہوئیں اور باتیں کرنے کی آوازیں سُنائی دیں۔ میں سنبھل کر بیٹھ گئی کوئی اسی جانب آ رہا تھا۔ سلاخوں سے چند فٹ کے فاصلے پر میں دیوار کے ساتھ ٹیک کر کھڑی ہو گئی اور آنے والوں کا انتظار کرنے لگی۔

لیکن اس وقت میری آنکھیں ایک عجیب سے احساس کے ساتھ پھٹی کی پھٹی رہ گئیں جب میں نے گزرنے والوں کو دیکھا۔ مجھے اپنی بصارت پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ میرا دل صحیح معنوں میں پہلی بار خون ہوا تھا۔ میرے وجود میں مایوسی کی ایک لہر دوڑ گئی تھی۔ یہ کیا ہوا... یہ کیا ہوا... ؟ ساری خوشیاں خاک میں مل گئی تھیں، میں نے جو حیرت انگیز چیز دیکھی یہ وہی منحوس وجود تھا، وہی دو شاخہ وجود جو اطہر رضوی کے بیٹوں کا تھا، وہ چہل قدمی کرتے ہوئے جا رہے تھے، سلاخوں والے دروازے سے اُن کا فاصلہ تقریباً پندرہ اور بیس گز کا تھا، اس کے ساتھ چار پانچ آدمی مصاحبوں کے انداز میں ساتھ چل رہے تھے، وہ لوگ آپس میں کچھ باتیں بھی کرتے جا رہے تھے جو بہ حال میری سمجھ میں نہیں آئیں، بہرصورت میں آنکھیں حیران پریشان کھڑی دیکھتی رہی اور تھوڑی دیر کے بعد وہ میرے سامنے سے گزر کر ایک جانب گھوم گئے۔ جہاں سے اب وہ مجھے نظر نہیں آ رہے تھے۔

آہ یہ بدبخت ابھی زندہ ہیں! آہ یہ منحوس وجود ابھی زندہ ہیں کاش... کاش میں اس کم بخت کو ختم کر سکتی۔ انکل شہریار فیڈرین کو ڈبونے کے باوجود اپنی کوششوں میں ناکام رہے۔ اطہر رضوی نے پھر چالاکی سے انھیں بچا لیا اور اس وقت، اس وقت، گر میرا اندازہ غلط نہیں ہے تو مجھے دکھانے کے لیے ہی اُنھیں قیدخانے کے سامنے سے گزارا گیا ہے۔

میں دُکھے ہوئے دل کے ساتھ ان ساری باتوں کو سوچ رہی، بڑا ہی دُکھ ہوا تھا اُس وقت، درحقیقت ایک یقین سا ہو گیا تھا کہ کچھ بھی ہے اطہر رضوی کو یہ صدمہ تو پہنچ چکا ہے اور بالآخر اُس کی کمر ٹوٹ جائے گی۔ میں نے تو یہ بھی سوچا تھا کہ اطہر رضوی کا یہ وقتی جنون ہے، میرے اوپر جو حملہ ہوا تھا اس میں شاید اطہر رضوی کی یہی کیفیت کارفرما تھی، لیکن اب احساس ہو رہا ہے کہ میری سوچ احمقانہ تھی، اطہر رضوی آج بھی فاتح ہے... آج بھی کامران ہے۔

بڑا ہی ملال ہو رہا تھا اس بات کا ممکن ہے انکل شہریار کو ابھی اس سلسلے میں کچھ معلوم نہ ہو۔ وہ یہ بات نہ جانتے ہوں کہ اطہر رضوی کسی طور اس بدبخت اور منحوس وجود کو بچانے میں کامیاب ہو گیا ہے۔

لیکن حیرت کی بات تھی آخر یہ سب کس طرح ہوا، انکل بھی دھوکے میں آ گئے۔ ورنہ اس جہاز کو تباہ کرنے سے کیا فائدہ؟ میں نے غور کیا تو مجھے احساس ہوا کہ ممکن ہے یہ سب میری وجہ سے ہی ہوا ہو، میں فیڈرین میں گئی تھی۔ میں نے وہاں دُہرے وجود کو دیکھا، اُسے ہلاک کرنے پر غور کیا اور پھر اس کے بجائے جہاز کے کپتان کو ہلاک کر کے نکل آئی۔ مجھے یقین ہے کہ اطہر رضوی میرے ہاتھوں بے وقوف نہیں بنا تھا۔ جب اُس نے مجھے زندہ دیکھا تو یہ خیال اُس کے ذہن سے نکل گیا کہ میں ہلاک ہو گئی ہوں، اُس نے یہی سوچا ہو گا کہ کسی طور میں سے بچ گئی ہوں اور اس کے بعد فیڈرین کو ان دونوں کے لیے خطرناک سمجھ کر اُس نے اُنھیں وہاں سے ہٹا لیا اور ہٹانے کے بعد یہاں محفوظ کر دیا۔

لیکن انکل شہریار اور ہم سب اسی غلط فہمی کا شکار تھے کہ وہ دُہرا وجود فیڈرین میں کہیں جانے والا ہے اور فیڈرین کی اچانک روانگی نے بھی اس خیال کی تصدیق کی اور فیڈرین کو تباہ کر دیا گیا۔ اس طرح اطہر رضوی نے یہ تجربہ بھی کر لیا کہ اس دُہرے وجود کو ہلاک کرنے کے لیے کس اعلیٰ پیمانے پر کام ہو رہا ہے۔ یقیناً اب اس سلسلے میں مزید محتاط ہو گیا ہو گا، ہر جگہ ہمیں ناکامی ہوئی، ہر جگہ ہم نے شکست کھائی تھی، غرض کہ ہر جگہ ہم سب ہی ناکام تھے اور جو فاتح تھا وہ فاتح تھا اور آج بھی عیش کر رہا تھا۔

میرا پورا وجود دُکھ کر رہ گیا، یا اللہ یہ ظلم کب ختم ہو گا، گناہ کے بوجھ کو جہنم رسید کیا جا سکے گا؟ میں دیوار کی پشت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ آہ... اب شکست کی حقیقتوں کو تسلیم کرنا ہی پڑے گا۔ عالیہ صاحبہ تم ہار گئیں، تم شکست کھا گئیں، میں نے خود سے کہا اور اپنا سر اپنے گھٹنوں پر رکھ لیا۔

دیکھیں اب کیا ہوتا ہے؟ انتظار ہی کرنا پڑے گا... میں کھردرے فرش پر لیٹ گئی۔ کم بخت بتی جل رہی تھی اور اُسے بجھانے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ دل چاہا کہ پانی کا گلاس اُٹھا کر بلب پر دے ماروں اور یہاں تاریکی پھیل جائے لیکن اگر تاریکی پھیلنے پر کسی نے توجہ نہیں دی تو پھر میرا ہی دم گھٹے گا اس لیے میں نے اس خیال کو ذہن سے نکال دیا اور آنکھیں بند کر کے سونے کی کوشش کرنے لگی۔

رات بھر سکون کے ساتھ سوتی رہی، نجانے کھردرے پن نے کیسا احساس بخشا تھا کہ رات بھر میں ایک بار بھی نیند نہیں ٹوٹی اور میں اُس وقت جاگی جب کہ دیوار گیر کلاک سات کا گھنٹہ بجا رہا تھا۔ غالباً پہلے ہی گھنٹے سے میری آنکھ کھل گئی تھی کیونکہ باقی چھ گھنٹے میں نے گنے۔ ساری رات سکون کی نیند آئی تھی۔ اس وقت طبیعت پر کوئی گرانی محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ چند لمحات میں ماحول سے بے خبر رہی اور جب نیم غنودہ ذہن میں تھوڑی سی بیداری پیدا ہوئی تو میں نے اس کھردری زمین کو ٹٹول کر دیکھا جو ٹھنڈی ہو رہی تھی لیکن میری اُنگلیاں زمین سے نہیں ٹکرائی تھیں اور پھر دُوسرے لمحے میں نے دہشت زدہ ہو کر آنکھیں کھول دیں۔ اس قیدخانے میں کلاک کہاں سے آ گیا؟ لیکن سامنے ہی ہلکے کریم رنگ کی دیوار پر ایک خوبصورت الیکٹرک وال کلاک لگا ہوا تھا۔ اس سے کچھ فاصلے پر ایک خوبصورت پینٹنگ آویزاں تھی جس میں ایک برفانی ریچھ چنار کے درختوں کے درمیان زمین سُونگھ رہا تھا۔ دیوار کے دُوسرے کونے کے بعد نیا رنگ شروع ہوتا تھا جو اخروٹی تھا اور ان دونوں رنگوں کا امتزاج اتنا حسین لگ رہا تھا کہ اس پر آنکھیں نہیں ٹھہرتی تھیں۔

میں دونوں ہاتھوں کا سہارا لے کر اُٹھ گئی۔ میرے نیچے اتنا قیمتی، اتنا موٹا گدا تھا کہ میں اس میں پوری کی پوری دھنس گئی تھی۔ ذرا سی جنبش مجھے اُچھالنے لگتی تھی۔ یہ ایک گول مسہری تھی جو اتنی کشادہ تھی کہ بیک وقت چار افراد اس پر سو سکتے تھے۔ ایک جانب ایک بک شیلف رکھا ہوا تھا جس میں دُنیا کے عظیم مصنفوں کی کتابیں سجی ہوئی تھیں۔ فرش پر اعلیٰ درجے کا قالین بچھا ہوا تھا۔

میں نے گہری سانس لی اور مسہری سے اُتر آئی۔ نیچے قدم رکھ کر مجھے ایک اور احساس ہوا اور اس احساس سے میری جان نکل گئی۔ میرے بدن پر میرا اپنا لباس نہیں تھا بلکہ ایک انتہائی قیمتی سلیٹی رنگ کا سلیپنگ سوٹ تھا۔ اس کمرے میں میرا وہ لباس نہیں تھا جسے میں پہنے ہوئے تھی۔ اس کا مطلب ہے کہ کسی نے مجھے یہ لباس پہنایا ہے۔ کس نے؟ غم و غصے کا شدید احساس میری رگ و پے میں سرایت کر گیا تھا۔ دیر تک میں شدتِ جذبات سے کانپتی رہی اور پھر میری نگاہوں کے سامنے میرا مقصد آ گیا۔

میں نے باتھ رُوم کی تلاش میں نگاہ دوڑائی۔ ایک دیوار پر ٹوائلٹ لکھا نظر آیا۔ نیچے ہی ایک بٹن لگا ہوا تھا۔ اس کے علاوہ دروازے کا کوئی نشان نہیں تھا۔ بٹن پر اُنگلی رکھی تو جلترنگ کی آواز کے ساتھ دیوار میں ایک گول حصہ گھومتا ہوا ایک جانب سمٹ گیا اور میں اس دروازے سے اندر داخل ہو گئی۔ باتھ رُوم بھی قابلِ ذکر تھا۔ ہر قسم کے غسل کا انتظام تھا۔ شیشے کی ایک الماری میں کپڑے بھی لٹکے ہوئے تھے۔

میں نے اس مکان کا حدود اربعہ تلاش کیا اور بیرونی دروازے کے پاس پہنچ گئی۔ صدر دروازہ ہلکی سی آواز کے ساتھ کھلا تو ایک فولادی جالی سی نظر آئی لیکن اس کے ساتھ ہی کئی خوفناک غرّاہٹیں اُبھریں اور تین بلڈ ہاؤنڈ جالیوں کی طرف لپکے۔ خونخوار وحشی کتے جالی سے ٹکرائے اور پھر اندر آنے کا راستہ نہ پا کر اُس سے ٹکریں مارنے لگے۔ وہ اس قدر وحشی تھے کہ اگر کسی طور اندر گھس آتے تو ایک لمحے میں مجھے چیر پھاڑ کر برابر کر دیتے۔ میں نے جلدی سے دروازہ بند کر دیا۔

تو اس عمارت میں اس وقت میرے علاوہ اور کوئی ... نہیں ہے؟ میں نے سوچا اور میرے پہرے دار یہ کتے ہیں بہرحال خوب ڈرامہ ہے۔ کوئی بات نہیں اطہر رضوی صاحب میرے کون سے چھوٹے چھوٹے بچے میرے منتظر ہوں گے یہ جگہ بُری نہیں ہے اور کوئی بھی جگہ بُری نہیں ہے۔ جو ہو گا دیکھا جائے گا... میں واپس بیڈ رُوم میں آ گئی۔ فون تلاش کر چکی تھی۔ وائرنگ ضرور تھی

لیکن انسٹرومنٹ ہٹالیے گئے تھے۔ میں نے ایک کتاب اُٹھائی لو مسہری پر لیٹ گئی۔

پورا دن گزر گیا اور رات کے کھانے کے بعد میں مسہری پر دراز ہوگئی۔ نیند البتہ نہیں آرہی تھی۔ آدھی رات تک میں جاگتی رہی اور پھر شدید قوتِ ارادی استعمال کرکے میں نے آنکھیں بند کرلیں اور سوگئی۔

"جاگ گئیں۔ جاگ گئیں۔" اور ان چیخوں سے میری آنکھ کھل گئی۔ میرے خدا منظر پھر بدل گیا تھا۔ ایک عظیم الشّان کمرہ تھا۔ میرے نیچے آرام دہ بستر تھا اور یہ دونوں لڑکیاں شاید میرے پاؤں دبا رہی تھیں۔ میں خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر اُنھیں گھورنے لگی۔

"کیسی طبیعت ہے؟" اُن میں سے ایک لڑکی نے پوچھا۔

"میں بھوکی ہوں۔" میں دانت پیس کر بولی اور دونوں لڑکیاں پھر چیخ پڑیں۔ یہ چیخیں مصنوعی تھیں جیسے وہ میرا مذاق اُڑا رہی ہوں۔

"جاؤ۔ تم جاؤ۔ کچھ لاؤ۔ جلدی کرو۔" ان میں سے ایک بولی اور دُوسری باہر نکل گئی۔ میں آنکھیں بند کرکے اس چوہے بلّی کے کھیل کے بارے میں غور کرنے لگی۔ اطہر رضوی واقعی مجھے پاگل کرنے پر تُل گیا تھا۔ کسی احساس کے تحت میں نے بدن پر ہاتھ پھیرا۔ پھر وہی سلک کا لباس تھا۔ میں نے آنکھیں کھول دیں اور میٹھے لہجے میں مُسکرا کر بولی۔

"ہیلو...؟" اور میرے قریب کھڑی لڑکی چونک پڑی۔

"جی۔ تم۔ مجھ سے کچھ کہا؟"

"تم گلبدن ہونا؟"

"نن۔ نہیں، میں تو نجمہ ہُوں۔"

"مجھے تو مدھو بالا لگ رہی ہو۔" میں نے بڑے عاشقانہ انداز میں اُسے گھورتے ہُوئے کہا اور وہ نروس ہوگئی۔ اُس نے بدحواس نگاہوں سے اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر مجھے دیکھنے لگی۔

"گل بدن؟" میں نے اُسے پھر پیار سے پکارا۔

"میں آپ کے لیے کھانا لے آؤں۔"

"نہیں نہیں۔ تم نہ جاؤ۔ آج میں تمھیں کھاؤں گی۔ آؤ میرے پاس آؤ۔ آجاؤ گل بدن۔" میں مسہری سے اُٹھ گئی۔ وہ ایک دم پیچھے ہٹ گئی تھی۔ اُس کے چہرے پر خوف کے آثار اُبھر آئے تھے۔ لیکن اُسی وقت دُوسری لڑکی اخروٹ کی لکڑی کی ایک ٹرے اُٹھائے ہُوئے اندر داخل ہوگئی۔ بھوک لگ رہی تھی اس لیے تھوڑی دیر کے لیے یہ ڈرامہ ملتوی کرنا پڑا۔ لیکن یہ ترکیب اچانک ہی ذہن میں آئی تھی۔ اس وقت تو بس صرف ذہنی انتشار کم کرنے کے لیے ہی لڑکی سے مذاق کیا تھا لیکن اب سوچ رہی تھی کہ کیوں نہ اس مذاق کو طول دے دوں۔ اطہر رضو[ی] بھی تو یہی چاہتا ہے۔

ناشتہ لانے والی لڑکی کو اندر کی صُورتِ حال معلوم نہیں تھی اس لیے وہ اطمینان سے میرے پاس آگئی اور ٹرے میر[ے] سامنے رکھ دی جس میں خشک میوے اور کافی رکھی ہُوئی تھی۔

میں اس پر ٹوٹ پڑی لیکن میرے کھانے کے انداز میں وحشیانہ پن تھا۔ میں دونوں مٹھیوں میں چیزیں اُٹھا اُٹھا کر حلق میں ٹھونس رہی تھی اور بڑی تیزی سے اُنھیں چبا رہی تھی۔

پہلی لڑکی نے ناشتہ لانے والی لڑکی کو کچھ اشارہ کیا اور وہ اس سے سرگوشی میں گفتگو کرنے لگی۔ دُوسری لڑکی کو شاید اس کی بات کا یقین نہیں آیا تھا۔ بہرحال میں اُنھیں نظر انداز کرکے سب کچھ چٹ کر گئی اور دُوسری لڑکی بڑے احترام سے میرے قریب آکر بولی۔

"کافی بنادوں؟" اُس کے لہجے میں بڑی مٹھاس تھی۔

"اوہ زحمت ہوگی آپ کو۔ شکریہ۔" میں نے ملائمت اور شائستگی سے کہا اور پہلی لڑکی کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں لیکن دُوسری لڑکی نے کافی کی پیالی بناکر مجھے پیش کردی۔ میں اطمینان سے کافی پیتی رہی۔ اس دوران میں وہ بغور مجھے دیکھتی رہی تھیں۔ میں نے کافی ختم کی تو لڑکی نے آگے بڑھ کر دُوسری پیالی بنادی اور میں وہ ڈکار کر سیر ہوگئی۔

"اور کوئی حکم؟" اُس نے پوچھا۔

"چڑیمار کو بلاؤ۔"

"کس کو؟"

"شہزادہ چڑیمار کو۔ کہاں ہے وہ؟"

"آپ مذاق کررہی ہیں عالیہ صاحبہ۔" دُوسری لڑکی نے متحیّر انداز میں مصنوعی ہنسی ہنستے ہوئے کہا۔

"مذاق...؟" میں نے اُسے گھورتے ہُوئے کہا۔ "میں تم جیسی نیچ ذات باندیوں سے مذاق کروں گی۔ میں رانی جودھا بائی۔ تمھاری یہ جرأت کس طرح ہُوئی ذلیل عورت؟" میں نے اطمینان سے برتنوں کی ٹرے اُٹھا کر دونوں لڑکیوں پر دے ماری اور پھر بستر سے اُتر آئی۔ وہ دونوں چیختی ہُوئی دروازے سے باہر بھاگ گئی تھیں اور دروازہ بند ہوگیا تھا چنانچہ تھوڑی ہی دیر کے بعد دروازہ کھلا اور آٹھ نو آدمی اندر داخل ہوگئے۔ اُنھوں نے خوفزدہ نگاہوں سے کمرے کے ماحول کو دیکھا اور میں نے ایک گلدان اُن میں سے ایک پر کھینچ مارا، اور اُس نے بمشکل تمام بیٹھ کر اپنے آپ کو بچا[یا]۔

گلدان دروازے سے ٹکرایا تھا اس کے فوراً بعد وہ سب مجھ پر ٹوٹ پڑے اور اُنھوں نے مجھے قابو میں کرلیا۔ میں اُنھیں کاٹ رہی تھی جھنجوڑ رہی تھی، اور تھوڑی ہی دیر کے بعد وہ مجھے قابو میں کیے ہُوئے اس کمرے سے باہر نکل آئے، وہ سب پریشان نظر آرہے تھے بہرصُورت باہر آکر اُنھوں نے مجھے زمین پر گرایا اور میرے دونوں ہاتھ پُشت پر کس دیے۔ میں اب بھی اُچھل رہی تھی اور انگریزی میں گالیاں بک رہی تھی۔ وہ مجھے تشویش ناک نگاہوں سے دیکھتے رہے، دونوں لڑکیاں بھی اب اُن کے پاس آگئی تھیں تب اُن میں سے ایک نے کہا۔

"اب کیا کیا جائے؟"

"جب تک کوئی حکم اُوپر سے نہ ملے ہم کچھ نہیں کرسکتے۔"

"مگر کیا اسے یہیں پڑا رہنے دوگے؟"

"نہیں میرا خیال ہے اسے کسی ایسی جگہ بند کردیا جائے جہاں زنجیر وغیرہ نہ ہو۔"

"لیکن... لیکن اگر اس نے خود کو زخمی کرلیا تو؟"

"اس کے لیے مجبوری ہے، ظاہر ہے اس سلسلے میں ہم کیا کرسکتے ہیں۔"

"نہیں میرے ذہن میں ایک اور خیال ہے۔"

"کیا...؟"

"لے کر آؤ اسے لے کر آؤ۔" اس شخص نے کہا اور مجھے پھر اُٹھا لیا گیا۔ میری جو درگت بن رہی تھی وہ افسوس ناک تھی، لیکن جب یہ ڈرامہ شروع کرہی دیا تھا تو اس سلسلے میں کچھ سوچنا بالکل ہی بے کار تھا، چند لمحات کے بعد مجھے ایک ایسے کمرے میں لے جایا گیا جہاں صرف ایک مسہری پڑی تھی۔ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔ مجھے اُٹھا کر لانے والوں نے مجھے مسہری کے گدّے پر اُچھال دیا اور میں گدّے پر گر پڑی۔ گدّے نے مجھے کئی بار اُچھالا تھا۔ وہ شخص جس نے اس سلسلے میں بات کی تھی واپس چلا گیا تھا، تھوڑی دیر کے بعد جب وہ آیا تو اس کے ساتھ ایک اور شخص تھا۔

نیا آنے والا دُبلے پتلے جسم کا مالک اور سفید لباس میں ملبوس تھا، اُس کی آنکھوں پر سُنہری فریم کی خوبصورت عینک لگی ہُوئی تھی، کشادہ پیشانی اُس کی ذہانت کی غمّاز تھی، لیکن جو خاص چیز میرے لیے تشویش کا باعث بنی وہ اس کے ہاتھ میں دبی ہُوئی سرنج تھی۔ یقیناً مجھے بے ہوشی کا کوئی انجکشن لگایا جارہا تھا۔

یہ تو غلط ہُوا۔ میں نے دل میں سوچا، لیکن بہرصُورت دھوکا کھاگئی تھی۔ یہ اندازہ نہیں تھا کہ ایسا بھی ہوجائے گا۔ ان سب نے مجھے دبوچ لیا اور انجکشن میرے بازو میں انجیکٹ کردیا۔ یوں لگا جیسے پُورے بدن میں سُوئیاں سی رینگنے لگی ہوں، میں نے حتی الامکان ذہن کو قابو کرکے دو چار گالیاں اور دیں۔ پھر گہری نیند سوگئی۔

نجانے کتنی دیر کے بعد ہوش آیا تھا، دروازہ بند تھا اور میں مسہری پر پڑی ہُوئی تھی، کافی دیر تک میں گزرے ہُوئے واقعات پر غور کرتی رہی۔ وہی جگہ تھی جہاں آخری بار مجھے بند کیا گیا تھا لیکن اب کیا کرنا چاہیے۔ اس طرح کم از کم ایک فائدہ ضرور ہوگیا تھا۔ گو اسے وقتی فائدہ ہی کہا جاسکتا ہے لیکن میں اس طرح دربدر ہونے سے بچ گئی جیسے اب تک ہوتی رہی تھی۔ اگر میں ہوش میں رہنے کا مظاہرہ کرتی تو نجانے اطہر رضوی میرے ساتھ اور کیا کیا ڈرامے کرتا اور یہ ڈرامے میری زندگی اور آبرو کے لیے عذاب بھی بن سکتے تھے، اس لیے بہتر تھا کہ پاگل بنی رہوں لیکن ایک غلطی ہوگئی تھی، میرے پاگل پن میں شدّت نہیں ہونی چاہیے... تخریب کاری خود مجھے بھی نقصان پہنچا سکتی ہے، چنانچہ میں خاموشی سے اُٹھی اور دروازے کے قریب پہنچ کر دونوں ہاتھوں سے دروازہ پیٹنے لگی۔ باہر سے مختلف آوازیں آرہی تھیں۔ اس کے بعد دروازہ کھل گیا، دروازہ کھلنے کے بعد تقریباً نو دس آدمی اس طرح لگے جیسے میرے حملہ آور ہونے سے پہلے وہ مجھے بے بس کردینا چاہتے ہوں، میں دفعتاً پیچھے ہٹ گئی تھی اور میری آنکھیں متحیّرانہ انداز میں پھیلی ہُوئی تھیں۔

"ارے ارے یہ کیا بدتمیزی ہے۔" میں نے نرم لہجے میں کہا اور وہ چونک کر مجھے دیکھنے لگے۔

"تم انسان ہو یا جنگلی جانور؟" میں اُنھیں کڑی نگاہوں سے گھورتے ہُوئے بولی اور وہ کسی قدر نروس ہوگئے۔

"کیسی طبیعت ہے آپ کی؟" اُن میں سے ایک نے ہمّت کرکے کہا۔

"تم سب بیک وقت میری طبیعت پُوچھنے آئے ہو، کیوں؟ باہر نکل جاؤ۔ دفعان ہوجاؤ۔ مجھے کسی کی ضرورت نہیں ہے۔ جاؤ سب چلے جاؤ۔ مجھے تنہا چھوڑ دو۔ جاؤ۔" میں نے دونوں ہاتھوں سے مُنہ ڈھک لیا اور وہ ایک ایک کرکے سر جھکائے باہر نکل گئے... دروازہ دوبارہ بند ہوگیا تھا۔

میری اس کوشش کا نتیجہ بھی جلد ہی نکل آیا۔ اس بار وہی شخص دو لڑکیوں کے ساتھ اندر آیا تھا جو شاید ڈاکٹر تھا اور جس نے مجھے انجکشن لگایا تھا۔ اُس نے مجھے بغور دیکھا اور نرم لہجے میں بولا۔

"اب کیسی طبیعت ہے؟"

"میں گھٹن محسوس کر رہی ہوں۔ شدید گھٹن۔ یہ کیسی جگہ ہے۔ ویرانے کی مانند۔ مجھے یہاں کیوں قید کر دیا گیا ہے؟"

"بہتر ہے۔ جگہ بدل دی جائے گی۔ میں ڈاکٹر ہوں۔ آپ کا معائنہ کرنا چاہتا ہوں کیا آپ مجھ سے تعاون کریں گی؟"

"میں ٹھیک ہوں۔ مجھے کیا بیماری ہے؟"

"کچھ نہیں۔ بس ہم لوگ آپ کی صحت کی طرف سے فکرمند ہیں براہ کرم ہم سے تعاون کریں۔" معائنے کے دوران میں نے کوئی حرکت نہیں کی۔ یوں بھی اب میں نے اپنے پروگرام میں تھوڑی سی تبدیلی کرلی تھی۔ ڈاکٹر نے لڑکیوں کی طرف دیکھ کر گردن ہلائی اور بولا۔

"میرے خیال میں مس عالیہ کو دوسرے کمرے میں منتقل کر دیا جائے۔"

"لیکن ڈاکٹر..." لڑکی ہچکچا کر بولی۔

"ڈاکٹر کی ہدایت پر عمل کیا جائے۔" دوسری لڑکی نے مداخلت کی اور پہلی لڑکی نے شانے ہلا دیے۔ چنانچہ اس بار مجھے جس کمرے میں منتقل کیا گیا وہ چھوٹا تو ضرور تھا لیکن اس کی فضا خوشگوار تھی۔ ایک بڑی کھڑکی جس کے اندر گرل لگی ہوئی تھی، ایک خوشنما باغ کی جانب کھلتی تھی جس میں پھولوں کی کیاریاں بنی ہوئی تھیں لیکن کمرے کا دروازہ باہر سے بند رکھا گیا تھا۔

یہاں بھی میں آرام سے تھی۔ اس کوشش کا بہرحال اچھا نتیجہ نکلا تھا۔ جب تک اطہر رضوی کو میری دماغی صحت کا یقین نہیں ہو جائے گا وہ مجھے کسی اور آزمائش میں نہیں ڈالے گا۔ میں نے سوچا۔

رات کو جو دونوں لڑکیاں میرے لیے کھانا لائیں وہ وہی تھیں جن میں سے ایک کو میں نے گل بدن بنا دیا تھا لیکن دونوں خوفزدہ تھیں۔ انھوں نے مجھ سے کوئی بات نہیں کی تھی۔ خاموشی سے کھانا لائیں اور میرے سامنے رکھ دیا۔ بھوک آج کل خوب لگ رہی تھی اور پھر انکل رضوی کے مال سے تکلف کیسا۔ اس لیے میں نے پیٹ بھر کے کھایا اور سیر ہونے کے بعد بڑے پیار سے مسکرا کر اس لڑکی کو دیکھا جسے میں پہلے بھی نشانہ بنا چکی تھی۔

"گل بدن۔ تم میرے پاس رہو۔" لڑکی خوفزدہ انداز میں پیچھے ہٹ گئی۔ دوسری لڑکی بھی گھبرا گئی تھی۔

"مس عالیہ آپ۔ آپ۔" دوسری لڑکی بولی۔

"میں تم سے نہیں گل بدن سے مخاطب ہوں۔" میں نے سخت لہجے میں کہا اور ان دونوں نے دروازے کی طرف چھلانگ لگا دی۔ اس بار انھوں نے دروازہ بھی بند نہیں کیا تھا لیکن میں نے اس موقعے سے کوئی فائدہ اٹھانے کی کوشش بھی نہیں کی اور اطمینان سے مسہری پر دراز ہو گئی۔

البتہ چند ساعت کے بعد ہی میں نے باہر قدموں کی آہٹیں محسوس کی تھیں۔ ان لوگوں نے بہرحال دروازے کو کور کر لیا تھا ہم وہی ڈاکٹر ان دونوں لڑکیوں کے ساتھ اندر آ گیا۔ مجھے اطمینان سے لیٹے دیکھ کر انھوں نے گہری سانس لی تھی۔

"ہیلو مس عالیہ۔" ڈاکٹر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہیلو۔" میں خشک سے لہجے میں بولی۔

"کھانا کھا لیا آپ نے؟"

"ہاں۔"

"کیسی طبیعت ہے؟"

"ٹھیک ہوں۔"

"آپ اس کمرے میں تو گھٹن نہیں محسوس کر رہیں؟"

"نہیں۔ یہ ٹھیک ہے لیکن..." میں نے الجھے ہوئے انداز میں کہا۔

"لیکن کیا؟"

"کیا یہ جگہ پاگل خانہ ہے؟"

"کیوں؟ یہ خیال آپ کے ذہن میں کیوں آیا؟"

"دو لڑکیاں کھانا لے کر آئیں۔ میں نے ان میں سے ایک کو پکارا تو دونوں بھاگ گئیں۔ کیا وہ پاگل تھیں؟"

"آپ ان میں سے کسی کو جانتی ہیں؟"

"ہاں۔ گل بدن کو۔"

"مگر اس کا نام گل بدن تو نہیں ہے؟"

"پھر کیا ہے؟" میں نے تعجب سے پوچھا۔

"آپ کو کس نے بتایا کہ وہ گل بدن ہے؟"

"محمد شاہ تغلق نے۔" میں نے سنجیدگی سے جواب دیا اور ڈاکٹر ایک دم خاموش ہو گیا۔ اس نے دونوں لڑکیوں کی طرف دیکھا پھر میری طرف رخ کر کے بولا۔

"آپ کون ہیں آپ جانتی ہیں؟"

"کیوں نہیں۔ میں عالیہ صغیر بھاپانی ہوں۔"

"کیا کرتی ہیں آپ؟"

"پیاز پر ریسرچ کر رہی ہوں۔ قدرت نے اس چھوٹی سی معمولی شے کو کس طرح مالا مال کیا ہے۔" میں نے جواب دیا اور اس کے بعد میں ان کے ہر سوال کے جواب میں پیاز کا حوالہ دیتی رہی۔ میں نے اس کے فوائد پر ایک لمبی چوڑی تقریر جھاڑ دی تھی۔ تب ڈاکٹر اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔

"اب آپ آرام کریں۔ فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ آؤ۔" اس نے دونوں لڑکیوں سے کہا اور وہ واپس مڑ گئے۔

"ٹھہرو ڈاکٹر رک جاؤ۔ خدا کے لیے رک جاؤ۔ مجھے تم سے کچھ کہنا ہے۔ مجھے تم سے کچھ مانگنا ہے ڈاکٹر رک جاؤ۔" میں گلوگیر آواز میں بولی اور ڈاکٹر چونک کر رک گیا۔

"فرمایئے مس عالیہ۔ میں کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"

"ڈاکٹر! میری ایک آرزو پوری کر دو۔ خدا کے لیے میری ایک آرزو پوری کر دو۔ میں زندگی بھر تمھاری احسان مند رہوں گی۔" میں لجاجت سے بولی۔

"جی جی فرمایئے۔" ڈاکٹر نرم لہجے میں بولا۔

"یہ عینک مجھے دے دو۔ یہ سنہرے فریم کی عینک میری زندگی سے ایک گہرا تعلق رکھتی ہے۔ آہ۔ یہ عینک مجھے دے دو ڈاکٹر... ڈاکٹر۔" میں نے دردناک آواز میں کہا اور اس کے بالکل نزدیک پہنچ گئی۔

"آپ آرام کریں مس عالیہ میں آپ کے لیے اس سے خوبصورت عینک بنوا دوں گا۔ خدا حافظ۔" اس نے کہا لیکن میں اچھل کر اس کے سامنے آ گئی۔

"انکار نہ کرو ڈاکٹر۔ انکار نہ کرو۔ میرا دل ٹوٹ جائے گا۔ تم جانتے ہو میں یہ عینک کیوں مانگ رہی ہوں؟"

"آپ اس کا کیا کریں گی مس عالیہ؟" ڈاکٹر نے پریشان ہو کر پوچھا۔

"کچھ نہیں کروں گی۔ بس مجھے یہ تمھاری ناک پر اچھی نہیں لگتی۔ آہ اس عینک کے نیچے تمھاری ناک یوں لگتی ہے جیسے سفیدے کے درخت کی جڑ میں تھوہر کا پودا اگ آیا ہو۔ نہیں ڈاکٹر... یہ عینک مجھے دے دو۔" میں نے جھپٹا مار کر عینک اس کی ناک سے اچک لی۔

دونوں لڑکیاں ایک دم ہنس پڑیں لیکن دوسرے لمحے انھیں سنجیدہ ہونا پڑا۔ ڈاکٹر خلا میں ہاتھ جھلا رہا تھا۔ "عینک واپس کر دو عالیہ۔ ورنہ اچھا نہ ہوگا۔"

"سفیدے کے درخت کے نیچے تھوہر کا پودا برداشت نہیں ہوتا۔ ناک یا عینک دونوں میں سے ایک چیز تمھیں اپنے چہرے سے جدا کرنی ہوگی۔ یہ عالیہ کا حکم ہے۔" میں نے کرخت لہجے میں کہا اور عینک لیے ہوئے پیچھے ہٹ گئی۔

"شمسہ۔ ناہید۔ عینک اس سے لے لو۔ تم۔ میں۔ میں..." ڈاکٹر نے پریشان لہجے میں کہا اور میں عینک لیے ہوئے غسل خانے میں گھس گئی۔ غسل خانے کا دروازہ میں نے اندر سے بند کر لیا تھا۔

پھر تھوڑی دیر کے بعد دروازہ کھولا تو وہ تینوں جا چکے تھے۔ میں نے دروازہ دیکھا تو وہ بھی باہر سے بند تھا۔ واپس آ کر میں دوبارہ مسہری پر بیٹھ گئی اور اپنی اس حرکت پر خود بھی مسکراتی رہی پھر کچھ اور سوجھی تو میں اپنی جگہ سے اٹھی۔ عینک کے دونوں شیشے کچل کر اسے تباہ کیا اور ایک پینٹنگ کے نیچے اس کا خالی فریم لٹکا دیا۔ اس کے بعد باتھ روم سے رنگین صابن اٹھا لائی اور خوبصورت دیوار پر عینک کے نیچے ایک مصرعہ لکھا۔

حسرت ان غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے

اس کے بعد شام تک کوئی تحریک نہ ہوئی۔ البتہ اس وقت غالباً شام کے سات بجے تھے جب چند افراد نے مجھے کمرے سے باہر نکال لیا اور ایک دوسرے کمرے میں لے گئے۔ یہ جگہ بھی خالی خالی تھی اور مسہری کے علاوہ یہاں کچھ نہ تھا البتہ ایک دیوار میں کھڑکی لگی ہوئی تھی جو یقیناً دوسرے کمرے میں کھلتی تھی، کھڑکی کے اندر سلاخیں نہیں تھیں لیکن اس کے شیشے بند تھے۔ میں نہیں سمجھ سکی کہ مجھے یہاں لانے کا مقصد کیا تھا۔ مجھے اندر چھوڑ کر دروازہ باہر سے بند کر دیا گیا اور میں مسہری پر جا بیٹھی، کوئی بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ یہاں سے نکلنے کی کوئی مؤثر کوشش کیا ہو سکتی تھی، میں کس طرح اس کم بخت اطہر رضوی سے بچتی، یہ باتیں ہنوز سوالیہ نشان بنی میرے سامنے تھیں۔ اب تک تو میں اپنی شخصیت کو ہلکا کر کے صرف ابھی کوششوں میں مصروف تھی کہ کسی طور کوئی بہتر بات میری سمجھ میں آ جائے اس سے کم از کم کوئی اور فائدہ ہو نہ ہو، اتنا تو ہو جائے کہ کم از کم میری دیوانگی کو مدنظر رکھ کر اطہر رضوی میرے ساتھ کوئی نیا کھیل نہ کھیلے۔ لیکن اب میں سوچ رہی تھی کہ اس مصیبت سے چھٹکارا کس طرح پایا جائے۔ اس بار تو میں بری طرح اس کے جال میں پھنس گئی تھی اور اس جال سے نکلنے کی بظاہر اب کوئی صورت میرے سامنے نہیں تھی، میں نہیں جانتی تھی کہ یہ کون سی عمارت ہے کون سی جگہ ہے۔ شہر کے اندر ہے یا شہر سے دور۔ اب تک جو کچھ پیش آ چکا تھا اس کی بنا پر کوئی بات میں دعوے سے نہیں کہہ سکتی تھی، یہ بھی ممکن تھا کہ میں اپنے شہر ہی میں نہ ہوں۔ اطہر رضوی کے لمبے ہاتھ میری نگاہوں میں تھے۔

لیکن یہ شخص، بیٹھے بیٹھے میرے ذہن میں کچھ خیال آیا اور میں نے کھڑکی کے شیشے کھول کر دوسری جانب دیکھا۔ دوسری طرف کمرے میں تیز روشنی تھی، اس کمرے کی کیفیت

بھی اس کمرے سے مختلف نہ تھی یعنی کمرے میں صرف ایک مسہری پڑی تھی اور اس مسہری پر کوئی کروٹ لیے سو رہا تھا۔

میں نے تعجب سے اس سونے والے کو دیکھا، ایک لمحہ میں کچھ سوچتی رہی پھر کھڑکی سے کود کر دوسری جانب چلی گئی۔ سونے والے کا رُخ میری جانب نہیں تھا لیکن اُس کے قریب پہنچ کر میں نے اُس کا شانہ تھپ تھپایا اور اُس شخص نے ایک کراہ کے ساتھ کروٹ بدلی۔

لیکن میرے حواس قابو میں نہ رہ سکے تھے، میرے ذہن میں ایک ہیجان برپا ہو گیا تھا، ایک لمحے کو تو میں ساکت و جامد رہ گئی تھی... یہ سب کچھ... یہ سب کچھ میری توقع کے بہت ہی خلاف تھا مسہری پر لیٹا ہوا شخص ناصر تھا لیکن اس انداز میں کہ اُسے دیکھ کر مجھے وحشت ہو رہی تھی۔

اُس کے بدن پر سادہ سا لباس تھا، رُخسار پر جلے ہوئے کا زخم، ماتھے پر پٹی بندھی ہوئی تھی، بدن کے مختلف حصّوں پر پٹّیاں بندھی تھیں جو نمایاں تھیں اور خون کے دھبّے لباس پر اُبھر آئے تھے۔ ناصر کو اس حالت میں دیکھ کر میں دہشت زدہ رہ گئی، ناصر کی یہ حالت میرے لیے ناقابلِ برداشت تھی، دل چاہا کہ اُس سے چمٹ جاؤں لیکن میں نے اپنے جذبات کو روکا اور خود کو سنبھالتے ہوئے سوچا کہ مجھے اس کمرے میں کیوں لایا گیا ہے، ممکن ہے میری نگرانی کی جا رہی ہو۔ ممکن ہے میری دماغی کیفیات کا جائزہ لینے کے لیے مجھے اس کمرے میں بھیجا گیا ہو، یقیناً یہی بات ہے، ناصر کے بارے میں شمس مجھے اطلاع دے چکی تھی کہ وہ غائب ہے اور اب ناصر میرے سامنے تھا۔ اس کا مطلب ہے عابدہ بیلیس اب اطہر رضوی کی نگاہوں سے دُور نہیں ہے۔ ممکن ہے شمس بھی اس کے جال میں پھنس چکی ہو، لیکن ناصر... آہ ناصر۔ اس کی کیفیت دیکھ کر مجھے دلی رنج ہُوا تھا لیکن خود کو سنبھالنا ضروری تھا، چنانچہ میں نے اُس کا آہستہ سے شانہ تھپ تھپایا اور ناصر نے آنکھیں کھول دیں، وہ خالی الذہنی کے عالم میں مجھے دیکھ رہا تھا۔ پھر اُس کی نقاہت بھری آواز اُبھری۔ "آپ کون ہیں خاتون؟" میں نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا تھا تب وہ پھر بولا۔ "چلی جائیے یہاں سے میں مصروف ہوں۔ براہِ کرم یہاں سے چلی جائیے۔"

"مصروف تو میں بھی ہوں۔ اگر تم میری رہنمائی کرو تو میرا ایک مسئلہ حل ہو جائے گا۔" میں نے بمشکل تمام خود کو سنبھال کر کہا۔

"کیا مسئلہ ہے آپ کے ذہن میں؟"

"پیاز کا حلوہ بنانے کی ترکیب آتی ہے تمھیں؟"

"افسوس، نہیں۔ میرے دُودھ کے دانت نہیں ٹوٹے۔" ناصر نے کہا اور کروٹ بدل کر لیٹ گیا۔ میں چند ساعت وہاں رُکی رہی اور اس کے بعد ٹھنڈی سانس لے کر اُس کھڑکی سے واپس اپنے کمرے میں آ گئی لیکن میرا دل بُری طرح دُکھ گیا تھا۔ ناصر کو شدید اذیتیں دی گئی تھیں۔ یقیناً اس سے اس کے بارے میں پوچھا جاتا رہا ہوگا اور اس کے لیے اُسے یہ اذیتیں دی گئی ہوں گی۔ مجھے اس کی دماغی کیفیت خراب معلوم ہوئی تھی اور یہ بعید از قیاس نہیں تھا۔ نہ جانے اس کے ساتھ کتنا اذیت ناک سلوک کیا گیا ہوگا۔

اب تک جو کچھ کرتی رہی تھی وہ ذہنی انتشار کا نتیجہ تھا، میں خود بھی اپنی ان لوچ حرکتوں سے خوش نہ تھی لیکن کیا کرتی۔ بے بسی کی انتہا انسان سے بہت کچھ چھین لیتی ہے۔

رات کا نہ جانے کون سا پہر تھا جب ایک بار پھر مجھے اس جگہ سے نکالا گیا اور میرے بازو سختی سے پکڑ کر ایک دُوسرے کمرے میں پہنچا دیا گیا۔ یہاں تیز روشنی پھیلی ہوئی تھی اور اس روشنی میں مجھے چند افراد نظر آ رہے تھے جن میں ایک اطہر رضوی تھا لیکن اس وقت اطہر رضوی کے چہرے پر وہ نرمی وہ معصومیت نہیں تھی جو نظر آتی رہی تھی۔ ایک نفرت آمیز کرختگی اُس کے چہرے پر پھیلی ہُوئی تھی۔

میرے پیچھے دروازہ بند ہو گیا اور پھر اطہر رضوی کی بھاری آواز سُنائی دی۔

"بیٹھ جاؤ عالیہ۔ خاموشی اور شرافت سے بیٹھ جاؤ۔" اور میں اپنے نزدیک پڑے صوفے پر بیٹھ گئی۔

"یہ سب بے وقوف ہیں جو اب تک تمھارے بارے میں غلط فہمیوں کے شکار رہے ہیں۔ بلا شُبہ تم نے ایک عمدہ ترکیب سوچی ہے اور میں اس کی وجہ بھی سمجھتا ہوں۔ تم صرف اس لیے پاگل بنی ہو کہ آیندہ تمھارے ساتھ کوئی مذاق نہ کیا جائے لیکن میں بے وقوف نہیں ہُوں۔ گو تم اب تک نہایت کامیابی سے خود کو ذہنی مریض ثابت کرتی رہی ہو اور اس سلسلے میں تمھاری معلومات تمھاری معاون ہیں۔ یعنی ذہنی انتشار میں مُبتلا شخص اس کیفیت کا شکار ہو سکتا ہے جس کا اظہار تم اب تک کرتی رہی ہو اور تم نے اب تک جو کچھ کیا ہے اسی تھیوری کے مطابق کیا ہے لیکن عالیہ یہ لوگ تمھاری ذہنی قوتوں سے واقف نہیں ہیں۔ یہ نہیں جانتے تم کیا ہو۔" اطہر رضوی مُسکرایا۔ پھر بولا۔ "تم لوگ اپنی

تمام کوششیں کر چکے ہو اور اب تک ناکام ہو اور ناکام رہو گے۔ ہمیشہ ناکام رہو گے۔ میں ایک بار پھر کہوں گا کہ میں جرائم پیشہ انسان نہیں ہوں۔ میں باپ ہوں اور اپنی اولاد کی زندگی کا خواہاں ہوں۔ میں اپنے بچّوں کو زندہ رکھوں گا خواہ اس کے لیے مجھے ساری دنیا تباہ کرنی پڑے۔ سارے اخلاقی اقدار اس جذبے کے بعد شروع ہوتے ہیں۔ وہ میری زندگی کا مرکز ہیں اور میرے لیے یہ کائنات صرف اُن کے وجود میں سمٹی ہُوئی ہے۔ سمجھ گئیں تم، عالیہ... تم کسی ذہنی مرض میں مبتلا نہیں ہُوئیں۔ یہ بات میں جانتا ہوں۔ صرف میں۔ تم نے دیکھا ہے کہ وہ دونوں اب بھی زندہ ہیں اور زندہ رہیں گے۔ میں اُن کے لیے اپنی زندگی قربان کر دُوں گا۔ تم نے اپنے ساتھی کی کیفیت دیکھ کر بھی خود کو قابو میں رکھا ہے۔ مجھے تم سے یہی اُمید تھی۔ مجھے تمھاری زبردست اعصابی قوتوں کا اعتراف ہے اور میں تمھاری جیسی ہستی کو ضائع کرنا نہیں چاہتا لیکن اس کے لیے تمھیں ان لوگوں کی نشاندہی کرنی ہوگی جو تمھاری پُشت پر ہیں۔ اب تم یہ نہیں کہہ سکو گی عالیہ کہ وہ لڑکی تم نہیں تھیں جس نے اُس رات فیڈرین تک جانے کی کوشش کی تھی۔ وہ تم نہیں ہو جس نے کیپٹن نلسن کو ہلاک کیا اور جسے سمندر میں غرق کرنے کی کوشش ناکام رہی۔ یقیناً تمھارے ساتھی تمھارے آس پاس موجود تھے جنھوں نے تمھیں بچا لیا۔ تم یا سمجھتی تھیں عالیہ کیا میں تمھارے ہاتھوں بے وقوف بن رہا تھا۔ ہرگز نہیں۔ میں تو تمھیں روشنی میں رکھ کر اُن تاریک چہروں کو سامنے لانا چاہتا تھا جو تمھاری پُشت پر ہیں اور میں کسی حد تک اُن کے بارے میں جان بھی چکا ہوں لیکن تمھاری زبانی سُننا چاہتا ہوں عالیہ۔ یہ بھی سُن لو تمھاری زندگی اب میرے لیے اس قدر خطرناک ہو گئی ہے کہ میں تمھیں زندہ نہیں چھوڑ سکتا کیونکہ تمھارے ساتھیوں نے فیڈرین صرف اس وجہ سے غرق کر دیا کہ اس میں میرے بچّے موجود تھے۔ یہ دُوسری بات ہے کہ فیڈرین کے روشنی میں آ جانے کے سبب میں نے ان دونوں کو اس جہاز سے روانہ نہیں کیا تھا۔ میں اس کا بھی تجزیہ کرنا چاہتا تھا۔ ہاں عالیہ۔ میں اپنی فطری شرافت سے مجبور ہو کر صرف ایک وعدہ کر سکتا ہوں۔ اگر تم مجھے ان لوگوں کی تفصیل بتا دو تو میں تمھاری جاں بخشی کر سکتا ہُوں۔ وہ بھی اس شکل میں کہ تمھیں یہاں سے ایک ایسی جگہ بھجوا دوں جو مکمل طور پر میرے قبضے میں ہے۔ یہ ایک جزیرہ ہے جو میری ملکیت ہے۔ چاہو تو اپنے ساتھی کو بھی وہاں لے جا سکتی ہو لیکن تم وہاں سے نکل نہ سکو گی۔ بس بقیہ زندگی تمھیں وہیں گزارنی ہوگی... عالیہ... ان ساری باتوں کی روشنی میں، میں صرف ایک بار تم سے سوال کروں گا، یاد رکھو اس بات کو۔ اگر تم نے فوری اور صحیح جواب نہ دیا تو میرے اور تمھارے درمیان انسانیت کے سارے رشتے ٹوٹ جائیں گے۔"

اور اس کے بعد اطہر رضوی چند ساعت خاموش رہا۔ پھر بولا۔

"کون لوگ ہیں وہ؟"

"میاؤں۔" میں نے حلق سے بلّی کی سی آواز نکالی اور آنکھیں بند کر کے غرّانے لگی۔ پھر میں نے آنکھیں نہ کھولیں۔ کُرسیاں کھسکنے کی آوازیں میں نے ضرور سُنی تھیں۔ پھر چند ہاتھوں نے مجھے گرفت میں لے کر اُٹھا لیا اور میں نے آنکھیں کھول دیں۔ اطہر رضوی اور اُس کے ساتھی جا چکے تھے۔

مجھے گھسیٹ کر اُس کمرے سے باہر لایا گیا اور پھر اسی طرح گھسیٹتے ہُوئے وہ لوگ مجھے ایک دُوسرے دروازے تک لے گئے اور دروازہ کھول کر مجھے اندر دھکیل دیا گیا۔ یہ کمرہ نہیں بلکہ پُورا ہال تھا جس کے عین درمیان ایک مسہری پڑی ہُوئی تھی۔ کمرے میں خوب تیز روشنی پھیلی ہُوئی تھی۔

دروازہ باہر سے بند ہو گیا اور اندر اس پر جست کی موٹی دیوار آ پڑی۔ گویا قید مکمل کر دی گئی تھی، ممکن ہے اب مجھے زندگی کے بقیہ سانس اسی کمرے میں بھوک پیاس سے رہ کر پُورے کرنے پڑیں۔ میں نے سوچا لیکن میرے دل میں خوف کا شائبہ بھی نہیں تھا۔ زندگی اگر کسی مقصد کی بھینٹ چڑھ جائے تو یہ اس کی معراج ہوتی ہے۔

زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ دفعتاً ہال کی ایک دیوار کھسکی اور میں چونک کر اس طرف دیکھنے لگی۔ دیوار میں ایک دروازہ نمودار ہُوا... اور... اس سے وہی دُہرا وجود اندر داخل ہو گیا۔ ان کی چاروں آنکھیں مجھ پر جمی ہُوئی تھیں اور دونوں کے چہروں کی کیفیات مختلف تھیں۔

خوف کی ایک ٹھنڈی لہر میرے رگ و پے میں دوڑ گئی، ایک لمحے کے لیے مجھے یوں محسوس ہُوا جیسے ان چار آنکھوں سے کوئی برقی رَو نکل کر میرے وجود میں سرایت کر رہی ہے اور میری قوّتِ ارادی مجھ سے چھنتی جا رہی ہے، یہ خوفناک وجود یہ بھیانک شخصیت یقیناً کسی مذموم ارادے سے میرے پاس آئی ہوگی۔ شاید اطہر رضوی کے انتقام کا آخری حصّہ ہے اور اب میں ان تمام دوسری لڑکیوں کی مانند اس بھیانک وجود کی درندگی کا شکار ہو جاؤں گی۔

میں نے نفرت کی شدید لپیٹ میں اس دو شاخہ انسان کو دیکھا۔ چند ساعت میں منجمد رہی، خوف و دہشت نے میرے بدن کو لرزا کر رکھ دیا تھا لیکن اچانک، بالکل اچانک میرے

بدن میں لاوا سا پھوٹنے لگا، یہی تو بدبخت ہے جس کی وجہ سے میں اپنی زندگی کے انتہائی قیمتی لمحات بے چین گزار چکی ہوں، یہ ایک ایسا بھیانک مجرم ہے جو کسی کے قابو میں نہیں آ رہا۔۔۔
اطہر رضوی کی وجہ جرم میرے سامنے تھی، اس شیطان صفت وجود کے ہاتھوں میں بجانے کتنی لڑکیاں چیختی تڑپتی بلکتی رہی ہوں گی اور اس کے دل میں رحم کی کوئی لہر نہ اٹھی ہوگی جبکہ اس وقت یہ تنہا میرے سامنے ہے۔ بے شک میں نہتی ہوں لیکن کیا میرا نیک عزم، میرا خدا میری مدد نہیں کرے گا؟
دو شاخہ وجود لہراتا ہوا مست انداز میں میری جانب بڑھ رہا تھا لیکن جیسا کہ میں بتا چکی ہوں دونوں چہروں کے تاثرات جدا تھے۔ تنویر کی آنکھوں میں شیطنیت ناچ رہی تھی اور نادر کی گردن جھکی ہوئی تھی۔ تب وہ میرے پاس پہنچ گیا اور تنویر نے مجھے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے پکارا۔
"زلیخا... زلیخا... تو بار بار میرے پاس آجاتی ہے اور میں بار بار تجھے حاصل کرتا ہوں اور ہمیشہ تجھے پا کر بھی تشنہ کام ہی رہتا ہوں۔ ہاں مجھے معلوم ہے کہ تو زلیخا نہیں ہے لیکن زلیخا کی صنف سے تو تیرا تعلق ہے۔ میں تو اس صنف سے انتقام لے رہا ہوں وہ انتقام جو زلیخا نے میرے سینے میں بیدار کیا تھا۔ میں جیسا بھی ہوں خود سے تو نہیں بن گیا، فطرت نے میرے ساتھ مذاق کیا اور دنیا اس مذاق کے خلاف کچھ نہ کر سکی لیکن زلیخا، بلکہ اس کی صنف سے تعلق رکھنے والی ہر عورت... فطرت کا مذاق میرا قصور تو نہیں تھا۔ میرے سینے میں یہ دل کیوں دھڑک رہا ہے، میرے وجود میں یہ تحریک کیوں پیدا ہوتی ہے؟ میں تو اس کا ذمے دار نہیں ہوں، پھر تو نے مجھے کیوں ٹھکرا دیا؟ میں نے تجھ سے کہا تھا زلیخا کہ میرے اوپر رحم کر... میں نے یہ بھی کہا تھا تجھ سے زلیخا کہ اگر تو نے مجھ پر رحم نہ کیا تو میں بھی کسی پر رحم نہیں کروں گا۔ میں درندہ بن جاؤں گا۔ میں انسان نہیں رہوں گا، جب تو مجھے ایک غیر انسانی شخصیت سمجھ کر چھوڑ سکتی ہے، تب انسانوں سے میرا کیا تعلق، سو اب تو دیکھ لے میں نے غلط تو نہیں کہا تھا، میں کیا بن گیا ہوں اب۔ تو جب بھی میرے سامنے آتی ہے تو یقین کر میرے سینے میں نفرت کا جہنم سا سلگ اٹھتا ہے۔ میں یہ بھول جاتا ہوں کہ تو ایک لطیف مخلوق ہے، میں تجھے جسم کی لطافتوں سے محروم کر دوں، میرا جی چاہتا ہے زلیخا کہ میں ایک خون خوار بھیڑیا بن جاؤں جس کے لمبے نوکیلے دانت تیرے وجود کو اس طرح کہ تو اذیت سے تڑپے اور زندگی تیرے لیے ایک عذاب
شراب کے بھبکے اس کے منہ سے نکل رہے تھے کے چہرے پر ایک ایسی شیطانی کیفیت چھائی ہوئی تھی کہ اس طرف دیکھتے ہوئے خوف آتا تھا۔
وہ میرے اتنا قریب آچکا تھا کہ اس کی بدبودار سا میری ناک سے ٹکرا رہی تھیں۔ چنانچہ میں چند قدم پیچھے گئی اور پھر میں نے گردن لٹکائے ہوئے نادر کو آواز دی۔ آواز پر نادر چونک کر میری طرف دیکھنے لگا تھا۔ میں نے منہ نادر کو دیکھا اور نادر نے ایک جھجکتی نگاہ مجھ پر ڈالی پھر آ جھکالیں۔ تب میں نے اسے دوبارہ پکارا۔
"نادر، شتر مرغ کی طرح ریت میں منہ چھپا لینے سے محفوظ نہیں ہو جاتی۔ میں جانتی ہوں تمھاری فطرت اس شی مختلف ہے اور شاید زلیخا تمھاری چاہت بھی نہیں تھی، شیطان کے وجود میں قید ہو نادر! لیکن کیا تم اس بات سے کر سکتے ہو کہ تم اس کی شیطنیت میں برابر کے شریک ہو
"میں اس کی شیطنیت کا شریک نہیں ہوں۔" ناد گردن ہلائی۔
"نہیں نادر، تمھارا اس میں برابر کا حصہ ہے، اگر تم ا حرکتوں سے نفرت کرتے ہو نادر... اگر تمھیں یہ بات معلوم یہ شخص انسانی زندگیوں کے ساتھ بھیانک مذاق کرتا ہے احتجاج کیوں نہیں کرتے؟"
"میرا احتجاج بے معنی ہے۔"
"کیوں نادر... کیوں؟"
"اس لیے کہ میرا وجود بے مقصد ہے، اصل تو یہ میں تو بس صرف ایک سایہ ہوں، جو اس کے ساتھ ساتھ
"اگر تم سایہ ہو نادر، تو ایک ایسے شیطان کا، جسے دنیا میں رہنے کا کوئی حق نہیں ہے۔"
"میں مر جانا چاہتا ہوں۔" نادر بولا۔
"یہ بزدلی ہے نادر۔ مرنے کی بجائے تم اسے کیو ختم کر دیتے۔ اگر تم ذرا بھی جرأت سے کام لو تو اس شی گردن دبا سکتے ہو۔۔۔۔۔ اگر تمھارے دل میں انسا ذرا سا بھی احترام ہے تو یہ کام تمھیں ضرور کرنا چاہیے تھا۔"

"مم مگر... مگر میں بھی اس کے ساتھ مر جاؤں گا؟"
"اگر تم اس کوشش میں اپنی جان قربان کر دیتے تو تمھیں رہتی یا تک یاد رکھا جاتا۔"
"کسی بھی عظیم مقصد کا کبھی کوئی نتیجہ نہیں نکلا، کتنے مرنے لے مر گئے، کیا پتھروں کی یادگار تعمیر کرنے سے انھیں زندگی یں مل جاتی ہے۔ کیا مل جاتا ہے انھیں؟"
"لڑکی..." دفعتاً تنویر نے ہماری گفتگو میں دخل دیا اور میں ک کر اس شیطان کو دیکھنے لگی۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "تو نادر کو بے وقوف ا رہی ہے، یہ ناکارہ گوشت کا ٹکڑا میرے سامنے حقیر ہے، اگر ی زندگی کے تار اس کی زندگی کے تاروں سے وابستہ نہ ہوتے ب تک اس کا وجود فنا ہو چکا ہوتا، میں صرف اس لیے اسے داشت کر رہا ہوں کہ بدبختی نے میری زندگی بھی اس میں شامل ی ہے۔ تو جس شخص کو میرے خلاف اکسا رہی ہے، وہ ہے قابل؟... دیکھ یہ دیکھ یہ اس کے جنوں کی دوا ہے۔" تنویر پیچھے ہٹ کر اپنی جیب سے ایک سرنج نکال لی جس میں خ رنگ کا کوئی سیال بھرا ہوا تھا، ایک ہلکا سا قہقہہ لگا کر ا نے سرنج نادر کے بازو میں گھونپ دی اور نادر کے حلق سے ی ہلکی سی آواز نکل کر رہ گئی۔
یہ سب کچھ اچانک ہوا تھا کہ میں اس میں کوئی مداخلت سکی۔ تنویر نے سرنج کی دوا پھرتی سے نادر کے بازو میں انجکٹ ی۔ پھر اس نے سرنج ایک طرف پھینک دی اور میری دیکھنے لگا۔ وہ حقارت آمیز انداز میں ہنس پڑا تھا۔
"بڑی چالاک لگتی ہے، تو نے اسے ہی میرے خلاف انے کی کوشش کر ڈالی لیکن یقین کر اس کا اوپر کا حصہ بالکل ماہٹ یہ بے وقوفوں کی مانند سوچتا ہے، بس سوچتا ہی رہ ہے لیکن عمل نہیں کر سکتا۔ اس کی جرأت نہیں ہوتی کبھی میرے ف کچھ کرنے کی... ہاں شریف اور نیک نفس ضرور بنتا ہے لیکن چھوڑ ان باتوں کو، فتنہ انگیز لڑکی اب اپنی خیر منا..."
سے اپنے بازو پھیلا دیے۔ وہ پیروں میں کریپ سول جوتے ہوئے تھا۔ اس کے پھیلے ہوئے بازو میری جانب بڑھتے ور آنکھوں کی چمک لمحہ بہ لمحہ تیز ہونے لگی۔
پھر اس نے مجھے گرفت میں لینے کی کوشش کی اور میں طرف جھکتے ہوئے سر کی ٹکر اس کی ناک پر دے ماری اس ساتھ ہی میں نے کھڑا ہاتھ اس کے سینے پر بھی مارا تھا، وہ ڑا کر دو قدم پیچھے ہٹ گیا، اب اس کی مسکراہٹ ختم ہو گئی تھی۔
"تو مجھ سے مقابلہ کرے گی؟" اس نے سرد لہجے میں کہا اور مجھے یوں محسوس ہوا جیسے یہ مقابلہ میرے لیے کافی سخت ہوگا، اس کے سینے پر میں نے جو ہاتھ مارا تھا وہ کراٹے کا ایک بھرپور ہاتھ تھا لیکن وہ صرف دو قدم پیچھے ہٹ گیا تھا اور مجھے یوں محسوس ہوا تھا جیسے میں نے یہ ہاتھ کسی فولاد کے خول کو مارا ہو۔ گیا وہ اپنے بدن کے اوپر کوئی فولادی چیز پہنے ہوئے ہے۔ میں ایک جانب ہٹ گئی تھی اور وہ اس طرح جھک گیا تھا جیسے چیتا اپنے شکار پر حملہ کرنے کے لیے پر تول رہا ہو۔ پھر اس نے جو چھلانگ لگائی وہ کسی چیتے کی چھلانگ سے مشابہ تھی، وہ پوری طرح میرے اوپر آپڑا تھا میں اس کی زد میں آکر نیچے گر پڑی لیکن یہ اتفاق ہی تھا کہ وہ اپنے ہاتھوں کو صحیح طرح سے نہیں سنبھال سکا اور میری ذرا سی کوشش نے اسے پھر لڑھکا دیا۔ میں پھرتی سے کھڑی ہو گئی تھی۔ وہ بھی ہاتھ کا سہارا لے کر اٹھ گیا۔
"شکار اگر مقابلہ کرے تو زیادہ دلکش ہو جاتا ہے۔ ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے اپنی جدوجہد جاری رکھ۔ مجھے لطف آرہا ہے۔" اس نے کہا اور پھر زمین پر اسی انداز میں جھک گیا۔ اس بار میں پوری طرح تیار تھی چنانچہ اس نے پہلے والے انداز میں چھلانگ لگائی اور میں تیزی سے بیٹھ گئی اور جب وہ میرے اوپر پہنچا تو میں نے نیچے ہی سے اپنے دونوں ہاتھ پوری قوت سے اس کی ٹھوڑی پر مارے اور یہ کوشش خاصی کارآمد ثابت ہوئی تھی۔۔ جوڈو کے یہ ہاتھ پوری قوت سے اس کی ٹھوڑی کے نیچے پڑے تھے۔ نتیجتاً وہ الٹ گیا اور قلابازی کھا کر دور جا پڑا۔ اب اس کے چہرے پر کچھ اور بھی خونخوار تاثرات نمودار ہو گئے تھے، اس کے حلق سے غراہٹیں نکل رہی تھیں۔ چند لمحوں کے اندر ہی اس نے خود پر قابو پا لیا چنانچہ ایک بار پھر ہم دونوں آمنے سامنے تھے، ب وہ کسی قدر محتاط نظر آرہا تھا۔ اس کے پھیلے ہوئے ہاتھوں کی مٹھیاں بھنچی ہوئی تھیں اگر اس کے ساتھ بے ہوش نادر نہ لٹک رہا ہوتا تو بے شک اس کا پھرتیلا پن قابل دید ہوتا۔ اس نے ایک نفرت انگیز نظر نادر کے ناکارہ وجود پر ڈالی اور میری جانب بڑے محتاط انداز میں بڑھا۔
جب وہ میرے قریب آیا تو میں نے اپنی دائیں ٹانگ اس کے منہ پر ماری اور پھر فوراً ہی پلٹ کر بائیں ٹانگ بھی اس کے پیٹ کے نیچے رسید کر دی۔ اس بار کرب سے اس کی کراہ نکل گئی تھی، وہ پیٹ پر لگنے والی ضرب سے بلبلا اٹھا تھا میں نے اس کی اس دگرگوں حالت سے فائدہ اٹھانے کا فیصلہ

کیا چنانچہ میں اپنے قدموں پر گھومی اور ایک بار سامنے کی طرف سے اور ایک بار پلٹ کر، میں نے اپنے دونوں پاؤں اُس کی پنڈلیوں پر مارے۔ یہ واڈ کلاٹ کہلاتا ہے اور اس سے پنڈلیوں کی ان رگوں کو متاثر کیا جاتا ہے جو دورانِ خون کو پوری طرح رُواں رکھنے میں مدد دیتی ہیں، چند سیکنڈ کے لیے اگر ان پر زوردار ضرب پڑ جائے تو کم از کم پنڈلیوں کی قوت ناکارہ ہو جاتی ہے، سو یہی ہُوا۔

وہ لڑکھڑا کر گر پڑا اور پھر میرے پاؤں کی ٹھوکریں اس کی پیشانی پر پڑ رہی تھیں، مارشل آرٹس سے میں نے چند خطرناک مواقع پر تھوڑا بہت استفادہ ضرور . . . کیا تھا لیکن آج میں اپنا وقار... اپنی عزّت بچانے کے لیے یہ آرٹ استعمال کر رہی تھی۔ میری ہر ضرب پر اُس کے حلق سے کراہ نکل جاتی مجھے یقین تھا کہ اس انداز کی ٹھوکریں ہی اس پر کارگر ہو سکتی ہیں ورنہ اس کے پورے بدن میں تو فولاد بھرا ہُوا معلوم ہوتا تھا۔ بار بار وہ اُٹھنے کی کوشش کرتا لیکن میری ٹھوکروں کے تواتر سے گر پڑتا۔

... میں نے آخری ٹھوکر اُس کی گردن پر ماری اور وہ ایک دردناک کراہ کے ساتھ چت لیٹ گیا۔

میں صحیح اندازہ نہیں کر سکی تھی کہ وہ زندہ ہے یا مر گیا لیکن میں ایک آخری کوشش کرنا چاہتی تھی چنانچہ میں اُس کے قریب آ کھڑی ہُوئی۔ اسی وقت اس اندرونی دروازے میں مجھے کچھ آوازیں سُنائی دیں، جس سے وہ ہال میں داخل ہُوا تھا بیرونی دروازہ تو ساؤنڈ پروف ہو گیا تھا اس لیے اس سے کوئی خطرہ نہیں تھا لیکن اندرونی دروازے پر ضرور کوئی موجود تھا۔

میں نے کچھ سوچا اور تیزی سے اس دروازے کی آڑ میں پہنچ گئی۔ دُوسری جانب سے آوازیں مجھے اب بھی سُنائی دے رہی تھیں۔

" بند کرو دروازہ " یہ کسی عورت کی آواز تھی۔

" کھُلا رہنے دو کیا ہرج ہے؟ "

" بے وقوف فضول حرکت مت کرو۔ اگر اُس کی نگاہ تم پر پڑ گئی تو نقصان اُٹھاؤ گی " پہلی آواز پھر اُبھری۔

" ایک منٹ، بس ایک منٹ، ایک نظر دیکھ لینے دو... "

پہلی آواز میں اشتیاق تھا۔

" ارے یہ کیا؟ "

" کیوں کیا ہُوا؟ "

" دیکھو... دیکھو تو سہی۔ وہ... وہ " پہلی آواز نے کہا اور

دو قد آور لڑکیاں دروازے سے گردن نکال کر جھانکنے لگ[illegible] میں پہلے سے تیار تھی۔

میں نے دونوں ہاتھوں سے اُن کے سر تھام کر پور[illegible] قوت سے ایک دُوسرے سے ٹکرا دیے۔ دونوں کے حلق [illegible] چیخیں نکلیں اور وہ دونوں اوندھے مُنہ فرش پر آ پڑیں، [illegible] نے ایک ایک ٹھوکر اُن کی گردن پر بھی رسید کر دی لیکن [illegible] ایک اور احساس میرے ذہن میں جاگ اُٹھا تھا۔

اس کھُلے ہُوئے دروازے سے کوئی اور بھی اند[illegible] ہے، پہلے یہ تو دیکھ لُوں کہ کوئی اور تو موجود نہیں ہے۔ د[illegible] تو بے ہوش پڑا ہُوا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ اگر وہ زندہ بھی [illegible] آسانی سے ہوش میں نہیں آئے گا چنانچہ اُس کی طرف [illegible] فی الوقت کوئی فکر نہیں تھی۔ میں اس دروازے سے اند[illegible] ہو گئی۔

یہ ایک لمبی سُرنگ سی تھی جو صرف اتنی کُشادہ [illegible] آدمی ساتھ ساتھ چل سکتے تھے۔ عجیب سی جگہ تھی۔ میں آ[illegible] رہی اور خاصا فاصلہ طے کر کے ایک کھُلے ہُوئے درواز[illegible] سامنے پہنچ گئی۔ دروازے کے دُوسری طرف ایک شخ[illegible] سگریٹ پی رہا تھا۔ میں اس کے بارے میں کوئی رائے [illegible] کر سکی لیکن میری چھٹی حِس خطرے کی نشاندہی ضرو[illegible] تھی۔ سگریٹ پینے والا بڑے اطمینان سے دیوار سے ٹیک [illegible] کھڑا تھا۔ میں نے اس سے بھی نمٹنے کا فیصلہ کر لیا اور [illegible] بِلّی چھلانگ اس پر لگا دی اور اُسے ساتھ لیے ہُوئے [illegible] زمین پر آئی اور پھر میں نے اُس کی پیشانی کو بُری طرح ز[illegible] رگڑ ڈالا۔ وہ شخص تکلیف سے تڑپنے لگا تھا، اس کے [illegible] اُس کے بال اپنے دونوں ہاتھوں کی مُٹھیوں میں جکڑے کھٹ کھٹ کر کے اُس کا سر زمین پر مارنے لگی، وہ بُری [illegible] کر رہا تھا لیکن مجھ پر بھی اس وقت جنوں سوار تھا، چند [illegible] کے اندر ہی وہ بھی بے ہوش ہو چکا تھا، میں نے اُس [illegible] میں ایک بیلٹ پڑی دیکھی جس میں کارتوس اور ریوالور مو[illegible] یہ اس وقت میرے لیے انتہائی کارآمد چیز تھی چنانچہ [illegible] وہ بیلٹ نکال کر اپنی گردن میں ڈال لی اور ادھر اُدھر [illegible]

یہ ایک کُشادہ جگہ تھی جس کے اطراف میں د[illegible] بنے ہُوئے تھے۔ شاید یہ کمروں کے پچھلے دروازے [illegible] گومگو کے عالم میں چند ساعت سوچتی رہی کہ کیا کرو[illegible] اُس کمرے میں جاؤں یا ان دروازوں سے باہر نکلنے [illegible]

[illegible]ش کروں لیکن ابھی کوئی فیصلہ نہ کر پائی تھی کہ ایک تیز گھنٹی [illegible] آواز اُبھری۔ اس آواز کی صحیح سمت کا میں کوئی اندازہ نہیں [illegible]ا سکی تھی لیکن مجھے شُبہ ہُوا کہ یہ آواز اسی جانب سے آئی ہے [illegible]اں سے میں آئی تھی، ممکن ہے کسی طور لوگوں کو کچھ معلوم ہو [illegible]ا ہو چنانچہ اب اندر واپسی مناسب نہیں تھی... لیکن اب کیا [illegible]ا چاہیے، سوائے اس کے اب کوئی ترکیب نہیں تھی... کہ میں [illegible] دروازوں میں سے کسی کو آزماؤں۔ کئی دروازے میں نے ٹٹول [illegible]یکھے لیکن وہ سب اندر سے بند تھے . . . ایک دروازہ میر[illegible] [illegible]کا دینے سے کھُل گیا اور میں اس سے اندر داخل ہو گئی لیکن [illegible] راہداری کا دروازہ تھا، جو ان کمروں کے دُوسری جانب سے [illegible]ی تھی۔

میں کمروں کے دُوسری جانب پہنچ گئی اور پھر مجھے ایک [illegible]ب سا احساس ہُوا، غالباً یہ وہ حصّہ تھا جہاں مجھے قید کیا گیا [illegible] اور یہیں میں نے ناصر کو دیکھا تھا... ہاں یقیناً یہ وہی جگہ [illegible]... تو ناصر... ناصر... یہ بات بھی میرے لیے خاصی دلکش [illegible]ا کہ میں اس حصّے میں آ نکلی تھی۔ ورنہ شاید اپنے بارے میں [illegible]اع ہو جانے کے بعد میں ناصر کو تلاش نہ کر پاتی، چنانچہ [illegible]نے کمروں کے دروازے . . . کھول کھول کر اندر [illegible]انکنا شروع کر دیا اور یہ میری چوتھی کوشش تھی، جب میں [illegible] دروازے سے اندر داخل ہونے میں کامیاب ہو گئی جس [illegible] ناصر موجود تھا۔

میری مسرت کی انتہا نہ رہی تھی۔ ناصر اب بھی اُس مسہری [illegible]جود تھا۔ زندگی اور موت کا مسئلہ تھا لیکن موت میرے لیے [illegible]ل وقت کوئی خاص حیثیت نہیں رکھتی تھی، میرے ذہن میں [illegible] اور خوف کا کوئی شائبہ تک نہ تھا۔

... میں تیزی سے ناصر کے پاس پہنچ گئی اور میں نے [illegible]ل کا شانہ تھپتھپایا۔ ناصر نے آنکھیں کھول کر مجھے دیکھا [illegible] مدھم لہجے میں بولا۔

" خاتون آپ کون ہیں، براہِ کرم مجھے اپنے بارے میں بتائیں، [illegible] بصارت سے محروم ہوں " اس کی آواز میں بڑی بے چارگی اور [illegible]ائی کرب تھا۔ میں تڑپ کر رہ گئی لیکن میں نے اس کا گریبان [illegible] پکڑ کر سے اُٹھا کر بٹھا دیا۔

" ناصر... ناصر... میں عالیہ ہُوں۔ اُٹھو میرے ساتھ آؤ، [illegible] یہاں سے باہر جانا ہے " میری آواز سُن کر ناصر اُچھل کر [illegible]ا ہو گیا، اُس نے تشویش زدہ نگاہوں سے اِدھر اُدھر دیکھا،

پھر اُس کے چہرے پر حیرت کے آثار پھیل گئے، دُوسرے لمحے اُس نے میرا ہاتھ پکڑا اور کھُلے ہُوئے دروازے کی جانب دوڑنے لگا۔ اس طرح اُس کے اچانک دوڑنے کی وجہ سے میں ایک لمحے کے لیے بوکھلا گئی تھی اور ممکن تھا کہ میں ٹھوکر کھا کر گر پڑتی لیکن اُس نے ایک دَم مجھے سنبھال لیا تھا، بے چارگی اور بے بسی کا وہ احساس جو چند لمحات قبل اُس کے چہرے سے عیاں تھا ایک دَم نجانے کہاں غائب ہو گیا تھا۔ اس نے مُسکراتی نگاہوں سے میری جانب دیکھا اور بولا۔

" سوری عالیہ صاحبہ۔ میں بالکل ٹھیک ہُوں آپ فکر نہ کریں لیکن... کیا واقعی ہمیں یہاں سے نکلنے کا موقع مِل سکتا ہے؟ "

" چلے آؤ۔ چلے آؤ... اللہ مالک ہے " میں نے اُس کا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھتے ہُوئے کہا۔ پستول اب میں نے بیلٹ سے نکال کر اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔ چلتے چلتے میں نے اُس کا چیمبر چیک کیا پستول بھرا ہُوا تھا اور اسے ہاتھ میں لیے ہُوئے میں آگے بڑھتی رہی۔

چند ساعت کے بعد ہم ایک ایسی جگہ پہنچ گئے جہاں اس حصّے کا آخری دروازہ نظر آیا تھا، یہ دروازہ خاصا بڑا تھا۔ اسے کھولنے کی کوشش کی۔ دروازہ کھُل گیا لیکن جونہی دروازہ کھُلا، ہماری نگاہ اُن دو آدمیوں پر پڑی جو کُرسیوں پر بیٹھے خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ درمیان میں ایک ٹیبل رکھی ہُوئی تھی جس پر شراب کی بوتلیں رکھی ہُوئی تھیں، ان کے سامنے پستول بھی رکھے ہُوئے تھے۔ اُنھوں نے مطمئن نگاہوں سے ہمیں دیکھا... لیکن دُوسرے لمحے اُن کے ہاتھوں سے شراب کے گلاس گر گئے۔ اُن کی آنکھیں حیرت سے کھُلی رہ گئیں پھر اُنھوں نے بے اختیار پستولوں پر جھپٹے مارے اور اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ گولی چلا دی جائے۔ میں نے دو فائر کیے اور ان کی کریہہ چیخیں اُبھریں پھر وہ نیچے گر کر تڑپنے لگے۔

ہم دُوسرے دروازے کی طرف لپکے اور اسے کھول کر دُوسری طرف نکل آئے۔

خُدا کا احسان تھا میری یہ کوشش بھی کامیاب ہُوئی۔ یہ صدر دروازہ تھا اور اس کے بعد کار پورچ پھر ایک احاطہ۔ پورچ میں بلب روشن تھا لیکن کوئی گاڑی وہاں موجود نہیں تھی۔

" ادھر... اس طرف " ناصر نے کہا اور ہم دونوں اس طرف دوڑ پڑے۔ احاطے کی دیوار زیادہ اُونچی نہیں تھی۔ ناصر نے میری مدد کی اور پھر خود بھی دیوار کے دُوسری طرف کود آیا۔

اس وقت حالات اور سمت کا جائزہ لینے کی مہلت نہیں تھی جو سیدھی سمت ہمارے سامنے آئی ہم اُس طرف دوڑ پڑے۔ ناصر نے اب بھی میرا ہاتھ پکڑ رکھا تھا۔ ہم بے تحاشہ دوڑ رہے تھے، راستے کا اندازہ کیے بغیر... ہماری اوّلین کوشش یہ تھی کہ یہاں سے اتنی دُور نکل جائیں کہ ہمارا تعاقب کرنے والے ہم تک نہ پہنچ سکیں۔ یہ غلط فہمی حماقت کے مترادف تھی کہ کوئی بھی ہمارا تعاقب نہیں کرے گا۔ فائرنگ کی آواز اور پھر مجھے وہ گھنٹی بھی یاد تھی جو اُس جگہ بجی تھی جہاں میں نے اس دُہرے وجود کو زخمی یا موت سے ہمکنار کر دیا تھا۔ اگر وہ خطرناک صُورتِ حال نہ ہوتی، تو جاکر گولیاں اس ناپاک وجود کے بدن میں اُتار دیتی لیکن صُورتحال کچھ ایسی ہو گئی تھی کہ مجھے وہاں سے بھاگنا ہی پڑا! اس طرح ناصر کی زندگی بھی محفوظ ہو گئی تھی۔

ہم بے تحاشہ بھاگ رہے تھے، بھاگتے بھاگتے ہم نے اپنے دائیں بائیں دیکھا تو روشنیاں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر نظر آ رہی تھیں۔

یہ بات بھی باعثِ اطمینان تھی کہ ہم شہر سے زیادہ دُور نہیں تھے۔ ہمیں مقام کی جستجو کی بجائے ایسی محفوظ جگہ درکار تھی جہاں ہم پناہ لے سکیں۔ ہمیں کچھ مُدد۔ ایک خوبصورت عمارت کا عقبی حصّہ نظر آیا جس کے ساتھ ہی ایک پلاٹ خالی پڑا ہُوا تھا اور اس پلاٹ میں جھاڑیاں اُگی ہُوئی تھیں۔ جھاڑیوں کی آڑ میں ہم رُک گئے، حالانکہ یہ جگہ کافی گندی تھی۔ یہاں رُک کر ہم سانسوں کو اعتدال پر لانے کی کوشش کرتے رہے اور ساتھ ہی ہمارے کان آہٹوں پر لگے رہے لیکن کافی دیر گزرنے کے باوجود کوئی آہٹ، کوئی آواز سُنائی نہیں دی۔ یا تو ہمارا تعاقب ہی نہیں کیا گیا تھا، یا پھر ممکن ہے تعاقب کرنے والوں کو ہماری سمت کا اندازہ ہی نہیں ہو سکا تھا۔ یہ بات ہمارے حق میں تھی۔ یہ بھی ممکن تھا کہ وہاں زیادہ لوگ نہ ہوں۔ تین افراد کو تو میں بے کار کر چکی تھی، جھاڑیوں میں چھپے ہوئے ہمیں تقریباً پندرہ یا بیس منٹ گزر چکے تھے تب ناصر نے سرگوشی کے انداز میں کہا۔

"یوں لگتا ہے عالیہ صاحبہ۔ جیسے اُنھیں ہماری سمت کا پتہ نہ چل سکا ہو۔"

"میں بھی یہی سوچ رہی ہُوں۔ اب کیا خیال ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"آیئے یہاں سے نکلتے ہیں۔" ناصر نے کہا۔

"ہماری حالت بے حد ابتر ہے۔ ہو سکتا ہے پولیس کی کسی گشتی پارٹی سے مڈبھیڑ ہو جائے تو بڑی مشکل پڑے گی۔"

"احتیاط رکھیں گے۔" ناصر بولا اور میں نے گردن ہ

ہم زیادہ تر... تاریکی کا سہارا لیتے ہُوئے آ
رہے۔ ابھی تک یہ اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ یہ کون سی جگہ
کون سا علاقہ ہے لیکن تقریباً ایک میل چلنے کے بعد ایک
کی بیل نظر آئی جس پر اس جگہ کا نام لکھا ہُوا تھا۔

"سرول مراد روڈ۔" ناصر نے پڑھا اور پُرخیال انداز
گردن ہلائی اور بولا۔

"اس سڑک کے اختتام پر ایک سینما ہاؤس ہے
ہمیں اس وقت کنونس مِل سکتا ہے۔"

"نہیں ناصر! صُورتِ حال ایسی نہیں ہے کہ ہم ٹ
استعمال کر سکیں۔"

"تو پھر...؟" ناصر نے پوچھا۔

"جتنا فاصلہ بھی طے کرنا ہے پیدل ہی طے کیا جا
غالباً اس سڑک کے اختتام پر جو سینما ہے اُس کا نام میٹ

"جی ہاں۔"

"تب پھر ہم اس کے بائیں سمت چلیں گے ہمیں
میل کا سفر پیدل طے کرنا ہے۔"

"کوئی حرج نہیں ہے۔ بس پولیس کی نگاہوں سے
ناصر نے کہا اور میں نے گردن ہلا دی۔

سڑکوں، دُکانوں، بازاروں اور گلیوں سے گزرتے
بالآخر میں ناصر کو لے کر اس جگہ پہنچ گئی جہاں بُقراط کی
تھی جہاں میں کچھ وقت گزار چکی تھی۔ عابدہ لاج خطرے م
اطہر رضوی کو جب معلوم ہوگا کہ میں فرار ہونے میں کام
ہُوں تو وہ یقیناً فوری طور پر اُن دو جگہوں پر ریڈ کرے گا۔
اور میرا فلیٹ۔

اس خیال سے میرے ذہن میں ایک اضطراب س
اطہر رضوی نے ابھی تک اگر شمس کو کچھ نہیں کہا ہے تو اس
یہی ہوگی کہ اس نے شمس کو ایک بے کار شخصیت سمجھا
تو وہ ضرور جانتا ہوگا کہ شمس سے میرے گہرے تعلقا
اگر نہ ہوتے تو وہ عابدہ لاج میں کیسے رہتی۔ ممکن ہے و
سے گھبرا کر وہ شمس کو ہی اغوا کر لے۔ اس طرح وہ مجھ پر
ڈال سکتا تھا چنانچہ شمس اور مس میری کی فوری حفا
بھی تھا۔

میں بُقراط کے مکان کے احاطے کی دیوار کُود کر

تی باہر کے پھاٹک میں تالا لگا ہُوا تھا، میرے بعد ناصر بھی اندر
لیکن وہ حیران تھا۔ اُس کی حیرانی بجا تھی کیونکہ اس مکان کے
ے میں اُسے کچھ معلوم نہ تھا لیکن اُس نے کچھ پوچھنے کی کوشش
ں کی...

میں صدر دروازے تک پہنچ گئی۔ اُس دن بُقراط کو میں نے
کھولتے ہُوئے دیکھا تھا لیکن ظاہر ہے اس وقت چابی میرے
س موجود نہیں تھی۔

"ناصر یہ تالا کھولنا ہے۔" میں نے کہا اور ناصر ادھر اُدھر
م پھر کر دیکھنے لگا پھر اُس نے کہا۔

"بظاہر کوئی شے ایسی نہیں ہے جس سے یہ تالا کھولا جا سکے۔"

ہم لوگ صدر دروازے سے پلٹ آئے اور مکان کے چا
ف گھوم کر کوئی ایسی جگہ تلاش کرنے لگے جس سے اندر داخل
سکیں۔ اس کے سوا اور کوئی راستہ نہیں تھا کہ گندے پانی کے
پ پر چڑھ کر اُوپر پہنچا جائے اور چھت کے راستے سے نیچے
را جائے لیکن میں ناصر کو یہ تکلیف نہیں دے سکتی تھی۔ اُس نے
ب تک نہایت پامردی سے میرا ساتھ دیا تھا لیکن میں یہ بھی
انتی تھی کہ وہ زخمی ہے۔

ایک دروازے کے پاس رُک کر میں نے ناصر سے کہا۔
"یہاں رُکو ناصر میں اس پائپ کے ذریعے اُوپر جا کر نیچے اُترنے
کوشش کرتی ہُوں پھر میں یہ دروازہ کھول دُوں گی اور تم اندر
جانا۔"

"نہیں چیف۔ یہ خدمت میں انجام دُوں گا۔"

"تکلف کی ضرورت نہیں ناصر۔ اگر تم زخمی نہ ہوتے تو ظاہر
یہ کام تمھی کو کرنا پڑتا لیکن اس حالت میں میں تمھیں اور زیادہ
لیف نہیں دے سکتی۔" میں نے کہا۔

"آپ یقین کریں چیف۔ میں زخمی ضرور ہوں لیکن اس قدر بھی
ہیں کہ یہ چھوٹا سا کام نہ کر سکوں اور پھر ایک اور بھی مشکل پیش
سکتی ہے۔ ممکن ہے اندر جا کر اس دروازے تک آنے کے راستے
نہ مل سکیں۔ اس طرح آپ کو پریشانی ہوگی۔"

"وہ۔ ہاں۔ یہ بات تو ہے۔" میں نے پُرخیال انداز میں کہا پھر
طے ہُوا کہ ہم دونوں ہی پائپ کے ذریعے اُوپر چڑھیں اور یہاں
ناصر نے پہل کی۔ وہ جُوتے اُتار کر دیوار کے پائپ پر چڑھنے لگا
مجھے خطرہ تھا کہ کہیں پائپ کمزور نہ ہو۔ اس لیے میں تشویش
ہوں سے ناصر کو چڑھتے ہُوئے دیکھتی رہی۔ یہاں تک کہ
چھت پر پہنچ گیا اور چند ساعت کے بعد میں بھی چھت پر تھی۔

اس کے بعد ہم دونوں نیچے جانے کا راستہ تلاش کرنے لگے اور بالآخر کسی نہ کسی طرح نیچے پہنچ ہی گئے۔ ناصر بغور اس مکان کو دیکھ رہا تھا۔ اُس نے اس وقت بھی اس کے بارے میں پوچھنے کی کوشش نہیں کی۔

میں پہلے بھی اس مکان کو اندر سے اچھی طرح دیکھ چکی تھی اس لیے کوئی دقت نہیں ہُوئی اور میں سب سے پہلے باتھ رُوم میں داخل ہو گئی۔ گندے پائپ کے ذریعے اُوپر چڑھی تھی۔ اس لیے طبیعت پر ایک بوجھ سا طاری تھا۔ مُنہ ہاتھ دھویا۔ کپڑے جس حد تک ممکن ہو سکا صاف کیے اور اس کے بعد ناصر کو بھی یہی پیشکش کی۔ ناصر باتھ رُوم میں گیا تو میں فون کے پاس پہنچ گئی اور میں نے فون کا ریسیور اُٹھا کر اپنی کوٹھی یعنی عابدہ لاج کے نمبر ڈائل کیے۔

مجھے علم تھا کہ وہاں سب لوگ گہری نیند سو رہے ہوں گے اس لیے فون دیر میں ریسیو کیا جائے گا۔ لیکن خلافِ توقع ایسا نہیں ہُوا اور چند ہی ساعت کے بعد مس میری کی آواز سُنائی دی۔

"ہیلو مس میری۔ میں عالیہ بول رہی ہُوں۔"

"جی عالیہ۔ سب ٹھیک ہے نا؟"

"ہاں مس میری۔ آپ لوگ خیریت سے ہیں؟"

"ہاں۔ ساری پریشانیاں تم نے اپنی ذات کے لیے وقف کر لی ہیں تو ہم خیریت سے کیوں نہ ہوں گے۔"

"وہ نہیں مس میری۔ میں بھی کون سی پریشان ہوں۔ کاروباری معاملات تو دیکھنے ہی پڑتے ہیں۔ شمس سو رہی ہے؟"

"ہاں۔"

"جگا دیں اُسے۔ ایک ضروری کام آ پڑا ہے۔ میں آپ کو بھی بتا دُوں۔ دراصل آپ لوگوں کو اسی وقت کوٹھی چھوڑنی ہے شمس آپ کو اپنے ساتھ لے جائے گی اور آپ بالکل مطمئن رہیں کوئی الجھن نہیں ہے۔ یہ سب وقتی ہنگامے ہیں سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"میں شمس کو جگا دُوں؟"

"جی۔ میں انتظار کر رہی ہُوں۔" میں نے کہا اور مس میری ریسیور نیچے رکھ کر چلی گئیں۔ تھوڑی دیر کے بعد شمس فون پر آ گئی۔

"ہیلو عالیہ۔ خیریت تو ہے نا؟"

"ہاں خیریت ہے۔ بس تم لوگوں کی خیریت خطرے میں ہے اس لیے اسی وقت کوچ کر جاؤ۔"

"کہاں...؟"

"فی الحال ایک ہی جگہ ہے یعنی منوّر عالم کی کوٹھی اور شمس

اب کچھ عرصہ تمھیں وہیں قیام کرنا ہے۔"
"ٹھیک ہے۔ ناصر کا کوئی پتہ چلا؟" شمس نے پوچھا۔
اُس نے اپنی آواز کی بے چینی کو چھپانے کی لاکھ کوشش کی لیکن
میں اسے محسوس کیے بغیر نہ رہ سکی۔ میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ
پھیل گئی۔ میں نے کہا۔
"وہ میرے پاس موجود ہے اور خیریت سے ہے اس لیے
تم اس کے لیے پریشان نہ ہو۔ فوراً روانہ ہو جاؤ۔ ہاں اگر کچھ زیادہ
ہی اُلجھن ہو تو اس کی آواز سنوا دوں؟"
"وہاں پہنچ کر تمھیں فون کیا جا سکتا ہے؟" شمس نے میری
بات نظرانداز کر کے پوچھا۔
"ممکن نہیں ہے۔ اتنی دیر میں میں نہ جانے کہاں ہوں، فرصت
ملتے ہی تمھیں دوبارہ فون کروں گی۔ اچھا خدا حافظ۔" میں نے کہا اور
فون بند کر دیا اور پھر میں نے انکل منوّر عالم کے نمبر ڈائل کیے تھے۔
یہاں دیر تک انتظار کرنا پڑا تھا اس کے بعد انکل منوّر عالم ہی کی
آواز سنائی دی۔
"انکل میں عالیہ صغیر بول رہی ہوں۔" میں نے کہا اور وہ
چونک پڑے۔
"خیریت بیٹے، اس وقت؟"
"جی انکل۔ نہایت شرمندہ ہوں لیکن اُلجھن اور پریشانی میں
اپنوں پر ہی نگاہ جاتی ہے۔" میں نے کہا۔
"اس تمہید کی کیا ضرورت ہے بیٹے کہو کیا بات ہے؟"
"وہ انکل... صورتِ حال ٹھیک نہیں ہے۔ میں تھوڑی سی
اُلجھنوں میں گھر گئی ہوں۔ ابھی ابھی فون کر کے میں نے مس میری
اور شمس کو ہدایت دی ہے کہ وہ آپ کے پاس پہنچ جائیں اور اس
کے بعد وہیں قیام کریں۔ مجھے خطرہ ہے کہ انھیں اغوا کر کے مجھ پر
دباؤ ڈالنے کی کوشش کی جائے گی۔"
"تم بالکل بے فکر رہو۔ یہ تمھارا اپنا گھر ہے۔ کیا وہی مسئلہ چل رہا
ہے؟"
"جی انکل۔ آپ جانتے ہیں کہ روئے زمین پر ہم دونوں میں
سے ایک کو رہنا ہے۔ ابھی میری راہ میں مشکلات ہیں اور انھیں دُور
کرنے کی کوششیں برابر جاری ہیں۔ آگے جو قدرت کی مرضی۔ آپ
دعا کریں۔ خدا حافظ۔" کہہ کر میں نے فون بند کر دیا۔ اس طرف سے
میں مطمئن ہو گئی تھی۔ ریسیور رکھ کر میں اس کمرے میں آئی جہاں
ناصر کو چھوڑ گئی تھی۔ وہ ایک آرام کرسی پر دراز تھا۔ مجھے دیکھ کر

سنبھل کر بیٹھ گیا۔
"میں کافی بنا کر لے آتی ہوں ناصر۔ تم اطمینان سے..."
کہہ کر میں کمرے سے نکل کر کچن میں پہنچ گئی۔
کافی پیتے ہوئے اُس نے بالآخر پوچھ ہی لیا۔ "یہ...
بھی کیا اپنی ہی ہے چیف؟"
"نہیں۔" میں نے کہا اور ہنس پڑی۔ "اپنی نہیں ہے...
جیسی ہے۔ یہ حضرت بقراط کی ملکیت ہے۔ اگر اپنی ہوتی...
بغیر تالا کھولے اندر آنے کا راستہ بھی ضرور معلوم ہوتا۔"
"یہ تصور صاحب بھی بے حد عجیب شخصیت کے مالک...
میں ان کے بارے میں آج تک کوئی اندازہ نہیں لگا سکا...
درحقیقت کیا ہیں؟" ناصر نے گہری سانس لے کر کہا اور...
دیر کے لیے خاموشی چھا گئی۔ میں بھی اس وقت تصور...
گئی تھی۔ پھر میں نے چونک کر کہا۔
"تمھارے بدن پر زخم ہوں گے ناصر؟"
"ہاں۔ ہیں چیف... لیکن ایسا کوئی بھی نہیں ہے...
ہو بس انھوں نے کوڑے لگائے تھے اور کئی جگہ سے جلا...
ناصر ہنس کر بولا۔
"تم ان کے ہاتھ کس طرح لگے؟"
"باہر نکلا تھا انھوں نے جال ڈال کر پکڑ لیا۔ شاید...
بھی استعمال کیا گیا تھا ورنہ اتنی جلدی میں اُن کے قابو میں...
اس کے بعد آنکھ اُسی عمارت میں کھلی تھی۔" ناصر نے ج...
"تمھیں علم تھا کہ تم اطہر رضوی کی قید میں ہو؟"
"جی ہاں۔ رضوی صاحب نے مجھ سے ملاقات کی تھ...
پاس ہماری وہ تصویر موجود تھی جو اس وقت اُتاری گئی تھ...
ہم فیڈرین سے واپس آ رہے تھے۔ آپ کو یاد ہوگا؟"
"ہاں۔ یاد ہے۔ کیا گفتگو رہی اطہر رضوی سے تمھا...
"بس یہی معلوم کر رہے تھے کہ میں کن لوگوں کے...
کر رہا ہوں۔ آپ سے میرا تعلق پوچھ رہے تھے۔ میں اُوٹ...
بکواس کرتا رہا اور پھر رضوی صاحب نے وہ حربے آزما...
اُن کی دانست میں کامیابی کے ضامن تھے لیکن میں پاگ...
بعد کی ساری کوششیں مجھے ہوش میں لانے کی تھیں لیکن...
ایسے کہیں ہوش آتا ہے کسی کو؟ ویسے ایک اور سوال...
ذہن میں چکرا رہا ہے اجازت ہو تو پوچھ لوں، ناگوارِ خاطر تو...

"نہیں پوچھو۔"
"آپ وہاں کیسے پہنچ گئیں؟"
"میں بھی اسی طرح ان کے جال میں آگئی تھی۔ فیڈرین تباہ
...گیا لیکن وہ دونوں موذی بچ گئے تھے۔ میں نے اسی عمارت میں
...سے ملاقات کی تھی اور ناصر... اس وقت... اگر تم یقین کرو
...اس وقت اگر وہ بچ گئے ہیں تو صرف تمھاری عنایت سے،
...تمھاری زندگی کی فکر نہ ہوتی تو جس وقت پستول میرے ہاتھ میں
...گیا تھا میں واپس جا کر اُس کے بدن میں چند گولیاں ضرور
...اتار دیتی۔"
"کیا کوئی ایسی سچویشن آگئی تھی؟"
"ہاں!"
"تب آپ نے ٹھیک نہیں کیا چیف۔ ہماری تقدیریں جو
...تھا ضرور پورا ہوتا۔ پہلے اُسے جہنم رسید کر دیتیں، اس کے
...بعد جو ہوتا دیکھا جاتا۔ بہر حال ہر چیز کا ایک وقت بھی ہوتا ہے۔
...ممکن ہے ابھی اُس کی موت کا وقت ہی نہ آیا ہو تو پھر اجازت
ہے؟" ناصر نے پوچھا اور میں نے گردن ہلا دی۔ ناصر اُٹھ گیا تھا۔
...میں نے خود بھی اپنے لیے ایک خواب گاہ کا انتخاب کر لیا اور آرام
کرنے چلی گئی۔

دُوسری صبح جاگی تو ایک بھرپور نیند لے چکی تھی طبیعت
کی ساری کسلمندی دُور ہو چکی تھی۔ ملحقہ باتھ رُوم میں داخل ہو کر
...منہ ہاتھ دھویا، بال درست کیے اور ناصر کے کمرے کی طرف
...چل پڑی لیکن کمرے سے باتیں کرنے کی آواز آ رہی تھی میں ٹھٹک
...گئی اور حیرانی سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئی۔ ناصر کے
...پاس بقراط موجود تھا نزدیک ہی فرسٹ ایڈ بکس موجود تھا۔ مجھے
...دیکھ کر بقراط کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ میں بھی مسکراتی
...ہوئی اندر داخل ہو گئی تھی۔
"ہیلو مسٹر بقراط۔ یہاں آپ کا فلسفہ کیا کہتا ہے؟" میں نے
...شرارت آمیز انداز میں مسکراتے ہوئے پوچھا۔
"انسان پر انسان کے اعتماد کی کہانی سُناتا ہے! اُن مقدس
...جذبوں کی داستان سُناتا ہے جس کی تلقین کے لیے پیغمبر آتا رہے
...گئے تھے۔" بقراط نے جواب دیا اور میں لاجواب ہو گئی۔ بقراط کے
...چہرے سے مسرت کا اظہار ہو رہا تھا
"میں ہاتھ دھو لوں، اس کے بعد ناشتہ لگاتا ہوں۔ آپ
...بھی تیاری کر لیں۔" بقراط نے کہا اور اپنی جگہ سے اُٹھ گیا۔
...باتھ رُوم میں جا کر اُس نے ہاتھ دھوئے۔ میں نے اُس کے

کسی معاملے میں دخل دینا مناسب نہیں سمجھا۔ تھوڑی دیر کے
بعد ہم ناشتہ کر رہے تھے۔
"آپ کس وقت آئے تھے؟" ناشتے کے دوران میں نے پوچھا۔
"رات تقریباً پونے چار بجے۔"
"ہمیں دیکھ کر حیرت تو ہوئی ہوگی؟"
"فطری عمل تھا۔ البتہ صبح تک اسی ادھیڑبُن میں رہا کہ
آپ لوگ اصلی ہیں یا نقلی۔ کسی قدر خوف کا شکار بھی رہا۔"
"خیر یہ بات میں نہیں مانوں گی۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔
"بہر حال آپ کو ناشتہ نہیں تیار کرنا چاہیے تھا۔ یہ فرض میں ہی
انجام دیتی تو بہتر تھا۔"
"خیر پھر سہی۔" اُس نے کہا۔ اُس نے ہماری یہاں آمد کے
بارے میں مجھ سے یا ناصر سے کوئی سوال نہیں کیا تھا لیکن دس
بجے کے قریب میں نے ہی اس موضوع کو چھیڑا۔
"ہم دونوں اطہر رضوی کے قیدی تھے۔"
"مجھے کسی قدر اندازہ ہے۔ کیا آپ لوگ گرین ہاؤس میں
قید تھے...؟"
"نہیں۔ کوئی اور عمارت تھی لیکن افسوس جس افراتفری کے
عالم میں وہاں سے فرار ہوئے اس کی وجہ سے اس عمارت کا
محلِ وقوع ذہن میں محفوظ نہیں کر سکے۔"
"کوئی فائدہ بھی نہیں تھا۔ اگر آپ لوگ اسے ذہن میں محفوظ
کر بھی لیتے تو دوبارہ اس عمارت سے کوئی فائدہ نہیں اُٹھا سکتے
تھے۔ اب وہاں کچھ بھی نہ ہوگا۔ یہ شخص اس قدر دولت مند ہے کہ
اب تو یوں لگتا ہے جیسے شہر کی آدھی عمارتیں اُس کی ملکیت
ہیں۔ ویسے مجھے اعتراف ہے کہ اس بار وہ مجھے بھی دھوکا دینے
میں کامیاب ہو گیا۔"
"وہ کیسے...؟"
"میں آپ کا پتہ لگانے میں ناکام رہا مس عالیہ۔ اگر میں
آپ کا پتہ لگا لیتا تو پھر اتنی طویل قید ممکن نہ ہوتی۔" بقراط نے کہا۔
"ہُوں۔ تو آپ ہماری تلاش میں تھے؟"
"ہاں۔" وہ آہستہ سے بولا۔ چند ساعت کے لیے خاموشی
چھا گئی پھر میں نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔
"بات ہنوز بدستور رازوں کی مانند ہے۔ ہاں اطہر رضوی مزید
کھل گیا ہے۔ اس عمارت میں اُس کے دونوں بیٹے بھی موجود
تھے۔ جہاں تک میرا خیال ہے فیڈرین صرف اُن دونوں کی وجہ
سے تباہ کیا گیا ہے لیکن اطہر رضوی انھیں وہاں سے نکال...
لایا تھا۔ البتہ اس بار میں نے ایک ایسی حماقت کی ہے جس کو

میں کوئی نام نہیں دے سکتی۔ ابھی تک میں خود کو بہلاووں میں رکھے ہُوئے ہُوں۔"

"براہِ کرم مجھے تفصیل بتائیں؟" بُقراط نے کہا۔

"اُس نے آخری اقدام کے طور پر مجھے اُن لوگوں کے سامنے پیش کر دیا تھا۔ تنہا کمرے میں وہ دُہرا وجود اپنی تمام تر خباثتوں کے ساتھ آیا تھا لیکن میں نے اُسے بے ہوش کر دیا۔ اپنی دانست میں، میں نے اُسے ختم کر دیا ہے لیکن میں مطمئن نہیں ہُوں کیونکہ جو کچھ کیا گیا وہ انتہائی افراتفری کے عالم میں کیا گیا تھا۔ اس کے بعد مجھے وہاں سے نکل بھاگنا پڑا۔"

"میں آپ کے اس اقدام سے سو فی صد متفق ہُوں عالیہ صاحبہ یہی ہونا چاہیے تھا۔ انسان کو جذباتیت کے ساتھ ساتھ ذہانت اور عقل مندی کو بھی ساتھ رکھنا چاہیے۔ اگر ہم اس بار اسے ہلاک کرنے میں ناکام رہے ہیں تو کوئی بات نہیں آیندہ ہم یقیناً کامیاب ہو جائیں گے لیکن اطہر رضوی کے دل پر یہ بھی ایک چرکا لگا ہے اور اگر آپ خوش قسمتی سے اپنی کوششوں میں کامیاب ہو چکی ہیں تو پھر بات ہی کیا ہے۔" بُقراط نے کہا

"پھر اُس کے بعد کیا ہُوا؟"

"بس میں ناصر کو لے کر نکل آنے میں کامیاب ہو گئی البتہ افراتفری کے عالم میں ہم اس جگہ کا صحیح تعین نہیں کر سکے تھے جہاں وہ عمارت واقع تھی۔ یہاں آنے کے بعد مسں مبری... اور شمس کو فون کر کے انکل منوّر عالم کے پاس بھیج دیا۔ مجھے خطرہ تھا کہ کہیں اطہر رضوی ان دونوں میں سے کسی کو اغوا کر کے مجھے جُھکانے کی کوشش نہ کرے۔"

"وَیری گڈ۔ اس کے پُورے پُورے امکانات موجود تھے بہر حال میرے لیے کوئی خدمت بتایے؟"

"فی الحال صرف یہ کہ اس جگہ میرا قبضہ رہنے دیں۔" میں نے مُسکرا کر کہا۔

"بصد شوق۔" بُقراط نے کہا۔

"اور کسی طور اطہر رضوی کے بارے میں یہ معلومات حاصل کرنے کی کوشش کریں کہ میں اُس عمارت میں کس حد تک کامیاب رہی ہُوں؟"

"میں پُوری پُوری کوشش کروں گا یہاں کسی چیز کی ضرورت ہے؟"

"نہیں بُقراط صاحب میرے خیال میں یہاں سب کچھ موجود ہے۔ ہاں اخبار..."

"آج کے سارے اخبارات پہنچ جائیں گے اور کل سے اخبار والا سارے اخبارات پہنچا دے گا۔" بُقراط نے جواب دیا۔

"بہت بہت شکریہ" میں نے کہا۔ بارہ بجے کے قریب چلا گیا اور تھوڑی دیر بعد اخبارات لے آیا۔ دوپہر کے کھانے وہ دوبارہ اجازت لے کر چلا گیا۔

اخبارات میں کوئی خاص خبر نہیں تھی۔ میں نے اپنا ا بھی دیکھا۔ ٹھیک ٹھاک تھا۔

دُوسری صبح ناشتے سے فارغ ہُوئے تھے کہ بُقراط آنکھیں گلابی ہو رہی تھیں۔" صرف کافی پیوں گا اور اس بعد کم از کم دوپہر تک سوؤں گا۔ اجازت ہے؟"

"میں کون ہوتی ہُوں۔" میں نے کہا اور جس وقت میں کمرے میں پہنچی تو وہ ناصر کی بینڈیج بدل رہا تھا۔ میں نے متفکر سے اُسے دیکھا۔

"آپ کے لیے ایک افسوسناک خبر ہے۔" اُس نے کا ہُوئے کہا۔

"کیا...؟" میں نے سحر زدہ سے انداز میں پوچھا۔

"وہ دونوں منحوس زندہ ہیں۔"

"وہ۔ پُورے وثوق سے یہ خبر سُنا رہے ہیں آپ؟"

"ہاں۔ اطہر رضوی سخت پریشان ہے۔ اُن کا علاج

"ایک بات پوچھوں بُقراط صاحب؟"

"ضرور..."

"آپ کے ذرائع اطلاعات کیا ہیں؟"

"مختلف... پہلے براہِ راست اُس تک میری پہنچ تھی اب وہ اپنے سائے سے بھی بدکتا ہے۔ کسی کو اپنے قریب آنے دیتا... اس لیے ہر بار نئے سرے سے تگ کرنی پڑتی ہے۔"

"یہ بات معلوم ہو سکتی ہے کہ ان دونوں کا علاج کہ رہا ہے؟"

"ناممکن۔"

"یہ اطلاع آپ کو کہاں سے ملی ہے؟" میں نے سوا بُقراط کی آنکھوں میں دیکھنے لگی۔ میرا یہ سوال سُن کر تھا پھر بولا۔

"آپ یقین کریں اگر میرے لیے یہ ممکن ہوتا کہ میں ان کو ختم کر دُوں تو میں آپ کی اُلجھن دُور کرنے کے لیے آپ اجازت کا منتظر نہ رہتا۔ آپ میری عادت سے واقف ہیں حالات میں لوگ ایک معیار کا تعین کر لیتے ہیں اور اس نیچے آنا پسند نہیں کرتے۔ میرا طریقِ کار اس سے مختلف ہے۔ ہمیشہ اس سطح سے ابتدا کرتا ہُوں جسے لوگ نظر انداز

دیتے ہیں۔ ان دنوں اطہر رضوی کی ایک قدیم مُلازمہ میری اطلاعات کا ذریعہ ہے جو بے چاری کبھی کبھی مجھے دس پانچ روپے اُدھار دے دیتی ہے اور میں پُوری ذمّے داری سے اُس کا یہ قرض واپس بھی کر دیتا ہُوں لیکن آپ جانتی ہیں مس عالیہ کہ ایسے لوگ بے حد وفادار ہوتے ہیں اور اُن سے اُن کے مالکان کے خلاف کوئی کام نہیں لیا جا سکتا۔ ہاں اُن کی وفاؤں کو مدِ نظر رکھتے ہُوئے آپ ان کے جذبات اُبھار کر تھوڑی بہت معلومات حاصل کر سکتے ہیں۔"

"خُدا کی پناہ۔ تو آپ نے یہ چکر چلایا ہے؟" میں نے مُسکراتے ہُوئے کہا۔

"ضرورت ایجاد کی تائی ہے۔"

"تائی...؟" میں ہنس پڑی۔

"چچی، ممانی یا پھوپھی ہو گی۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ جو لوگ اسے ماں کہتے ہیں وہ غلط کہتے ہیں۔ کیونکہ ماں صرف خلوص اور پیار کے جذبے رکھتی ہے۔ ضرورت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔"

"بُقراطیت بول رہی ہے؟"

"نیند آ رہی ہے۔" بُقراط نے پھاڑ سا مُنہ کھول دیا۔

"تو پھر جایے۔ سو جایے۔ ویسے کیا ان معلومات کے حصول کے لیے آپ کو رات بھر جاگنا پڑا ہے؟"

"جی نہیں۔ اس کے بعد ساری رات اُن جگہوں کو چھانتا پھرا ہُوں جہاں اس دُہرے وجود کے ملنے کے امکانات ہو سکتے تھے۔ میں کوئی تیر مارنا چاہتا تھا۔ میری خواہش تھی کہ صبح آپ کو اطلاع دُوں کہ آپ اُسے قتل کرنے میں کامیاب رہی ہیں۔ اس طرح میں آپ کو اس چھوٹی سی خوشی کا تحفہ دینا چاہتا تھا لیکن اس میں کامیابی نہیں ہو سکی۔ خُدا حافظ۔" بُقراط نے کہا اور کُرسی سے زمین پر لُڑھک گیا پھر آنکھیں ملتا ہُوا اُٹھا اور لڑکھڑاتے قدموں سے باہر نکل گیا۔

"نفیس انسان ہے یہ شخص۔ مجھے بے حد پسند ہے۔" ناصر نے کہا۔ میں وہاں سے ہٹ گئی اور پھر اخبارات کی تلاش میں بنگلے کے گیٹ پر پہنچی۔ اخبارات پڑے ہُوئے تھے۔ اُنھیں لے کر میں اندر آ گئی۔

دفعتاً میری نگاہ ایک خبر پر آ رُکی۔

یہ چیمبر آف کامرس کے ایک اہم رُکن کے بیٹے کی شادی کی خبر تھی جس کا آج ولیمہ تھا اور معزز مہمانوں میں اطہر رضوی کا نام بھی تھا جو اس ولیمے میں شرکت کریں گے۔ ولیمہ آج ہی شام کو تھا... آج شام... آج شام... میرے ذہن پر ہتھوڑے سے برسنے لگے۔ خوفناک دھماکے ہونے لگے میرے وجود میں اس کے بعد کوئی خبر میرے لیے قابلِ توجّہ نہ رہی۔ چاروں طرف شور بلند ہو رہا تھا... آج شام... آج شام...

میں اپنے خیالات میں غرق تھی کہ سامنے سے مجھے ناصر آتا ہُوا دکھائی دیا۔ میں نے ہاتھ اُٹھا کر اُسے روک لیا "بیٹھو ناصر... آؤ ذرا موضوع سے ہٹ کر گفتگو کریں۔"

"کیوں نہیں چیف؟" ناصر بولا۔

"چیف نہیں، ناصر صرف عالیہ کہو۔ میں تمھاری دوست ہُوں۔ ایک پُرخلوص بہن کی مانند۔ تمھاری شرافت نے مجھے بہت متاثر کیا ہے۔ تم بُرے انسان نہیں ہو ناصر بلکہ بُرے بنا دیے گئے تھے۔ میں تمھیں بھائی کہہ کر فخر محسوس کرتی ہُوں اور اس بات پر بھی نازاں ہُوں کہ میں نے ایک ساتھی کی حیثیت سے تمھارا انتخاب کر کے غلطی نہیں کی تھی۔"

"یہ الفاظ میری زندگی کا سب سے قیمتی سرمایہ ہیں عالیہ بہن۔" ناصر آبدیدہ ہو گیا۔

"جذباتی ہونے کی بات نہیں ہو رہی ناصر صاحب۔ ابھی تو ان الفاظ کے سہارے آپ کا دل کھولنا ہے اندر سے۔" میں نے مُسکراتے ہُوئے کہا۔

"خُدا کی قسم میں آپ سے کوئی بات پوشیدہ رکھنے کو جُرم سمجھوں گا۔" ناصر نے کہا۔

"یقین کر لیا۔ اب تیار ہو جاؤ... اور بتاؤ شمس کے لیے تمھارے دل میں کیا جذبات ہیں؟" میں نے اُسے گھُورتے ہُوئے کہا اور ناصر کی گردن جُھک گئی۔ چند ساعت خاموش رہنے کے بعد اُس نے کہا۔

"میں نے بہت کوشش کی عالیہ بہن کہ اپنا غلیظ وجود اپنی ذات تک محدود رکھوں لیکن حالات میرے تابع نہ رہے۔ تصور میرا نہیں تھا شمس صاحبہ خود اپنے احساسات کا شکار ہو گئیں۔"

"ناصر! تم دونوں جب بھی حالات تمھیں اجازت دیں آپس میں شادی کر لینا۔"

ناصر میری بات سُن کر خاموش ہو گیا۔ اُس کے چہرے پر سکون اور عزم کے آثار میں نے دیکھ لیے تھے لہٰذا مطمئن ہو کر میں نے صباحت صاحب کو فون کیا اور اُن کی بہت سی باتیں سُننے کے بعد اپنے مطلب کی بات کی۔ "چیمبر آف کامرس کے ایک رُکن کے گھر آج دعوتِ ولیمہ ہے صباحت صاحب!"

"ہاں۔ اُنھوں نے تصاویر بھجوائی ہیں جو کل کی اشاعت میں لگائی ہیں۔"

"صرف تصاویر۔ دعوت نامہ نہیں؟" میں نے پوچھا۔

"دعوت نامہ بھی ہے۔ کیوں؟" صباحت صاحب نے پوچھا۔

"صرف آپ کے لیے ہوگا؟"

"ہے تو میرے لیے لیکن دو سادہ کارڈ بھی ہیں۔ فون پر مجھ سے کہا گیا ہے کہ اگر میں کسی رپورٹر کو بھی بھیجنا چاہوں... تو بھیج سکتا ہوں۔"

"کسی اخبار سے متعلق ہونے کے یہ فائدے ہیں۔ ایک دعوت نامے پر آپ میرا نام لکھ دیں اور ہاں آپ جائیں گے اس دعوت میں؟"

"نہیں بھئی میں ان بڑے لوگوں میں خود کو ایڈجسٹ نہیں کر پاتا۔ کارڈ کہاں پہنچا دوں؟"

"پہنچانے کی ضرورت نہیں ہے۔ کارڈ لے کر آپ قمر صاحب کو بھیج دیں۔ میں وہیں اُن سے کارڈ وصول کر لوں گی۔" میں نے کہا صباحت صاحب سے اجازت لے کر فون بند کر دیا۔ اس کے بعد پارٹی میں جانے کی تیاریاں کرنے لگی۔

کوٹھی کے عظیم الشان لان پر دعوت کا بندوبست کیا گیا تھا۔

بڑے بڑے صنعت کار اور تقریباً تمام ہی اعلا پائے کے لوگ موجود تھے۔ کوٹھی کے باہر پارکنگ کی جگہ بھی موجود نہیں تھی۔ قمر سے اپنا کارڈ وصول کر کے میں بھی اندر داخل ہوگئی۔ حالانکہ اس کارڈ کی ضرورت نہیں تھی۔ استقبالیہ کے ارکان بے حد خوش اخلاق تھے اور مجھے پہچانتے تھے۔ میں نے کارڈ پیش کیا تو ان میں سے ایک نے مسکراتے ہوئے کہا۔

شرمندہ کر رہی ہیں بس بھابانی" اور میں شکریہ ادا کر کے اندر داخل ہوگئی۔ میرے پاس نہایت اعلا درجے کی کیمرہ کٹ تھی... لیکن اس میں فوٹوگرافی کے سامان کے بجائے کچھ اور ہی تھا۔ میں مطمئن اور مسرور تھی۔ بہت سے شناساؤں سے ملاقات ہوئی وہیں ایک طرف انتہائی خاص لوگوں کے درمیان اطہر رضوی بھی موجود تھا۔ میری آنکھیں اُسے دیکھ کر جلنے لگیں اور میں ایک جگہ خاموش کھڑی اُسے گھورتی رہی۔ میری رگوں میں خون کی گردش تیز ہو گئی تھی۔

وقت گزرتا گیا۔ میں نے اپنی مصروفیت برقرار رکھنے کے لیے چند تصاویر بھی بنائی تھیں۔ اس کے بعد ڈنر شروع ہوگیا اور بے تکلفی کا ماحول بڑھنے لگا۔ لوگ ایک دوسرے سے گھل مل گئے۔ میں آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہی تھی۔ یہاں تک کہ میں اطہر رضوی کے قریب پہنچ گئی۔

"ہیلو..." میں نے کہا اور اطہر رضوی چونک کر مجھے دیکھنے لگا۔ میں نے اُس کے انداز میں کسی قدر سراسیمگی پائی تھی۔ [illegible] لمحے تک وہ مجھے جواب بھی نہیں دے سکا لیکن پھر اُس نے [illegible] کو سنبھال لیا۔

"ہیلو..." وہ سرد مہری سے بولا۔

"کیسے مزاج ہیں رضوی صاحب؟"

"ٹھیک ہوں۔ مجھ پر طنز کرنے کی کوشش کر رہی ہو؟" [illegible] نے کہا اور میں مسکرانے لگی۔

"یہ صرف آپ کے احساسات ہیں۔ ویسے مجھے کچھ مضمحل [illegible] کسی قدر کمزور نظر آ رہے ہیں۔ اپنے مزاج کے مطابق بھرپور بھی [illegible] نظر آ رہے۔ کیا بات ہے؟"

"کوئی بات نہیں ہے طبیعت ٹھیک نہیں ہے آج کل۔" [illegible] صاحب نے کہا اور آگے بڑھ گئے۔ میں کسی قدر تعجب سے اُ[illegible] دیکھنے لگی۔ وہ مجھے کچھ گھبرایا گھبرایا سا لگ رہا تھا۔ حالانکہ ا[illegible] قدر خود اعتماد شخص سے میں اس کی توقع نہیں رکھتی تھی۔ مجھے [illegible] کی اس کیفیت سے دلی مسرت کا احساس ہوا۔ اطہر رضوی جیسی [illegible] اور فولادی شخصیت مجھ جیسی بے مایہ لڑکی کے سامنے خود کو ہلکا [illegible] کر رہا تھا۔ یہ میرے لیے بہت بڑا اعزاز تھا لیکن آج تو ایک ا[illegible] سے بھی بڑا اعزاز مجھے ملنے والا تھا۔ اتنا بڑا اعزاز کہ لوگ اس[illegible] تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔

میں موقعے کی تلاش میں سرگرداں رہی۔ ڈنر ختم ہوگیا تھا [illegible] ایک بار پھر اطہر رضوی کے قریب پہنچ گئی۔" مجھے آپ سے ایک کام ہے رضوی صاحب۔"

"جی فرمایئے۔" وہ مجھے گھور کر بولا۔

"براہِ کرم۔ صرف چند منٹ۔" میں نے لجاجت سے کہا او[illegible] میرے ساتھ آگے بڑھ آیا۔ میں اُسے لے کر لان کے ایک چھو[illegible] سے درخت کے پاس پہنچ گئی۔ اطہر رضوی پھر پریشان ہوگیا [illegible]

"میں صاحبزادگان کی خیریت معلوم کرنا چاہتی تھی۔" میں نے کہا۔

"میرا مذاق اڑانا چاہتی ہو؟" وہ غرّایا۔

"کیا حالت ہے اُن کی؟"

"تمھیں ایک بار پھر ناکامی ہوئی ہے۔"

"ہاں۔ میرے علم میں ہے لیکن آج میں ایک بڑی کامیا[illegible] حاصل کرنے کے موڈ میں ہوں۔" میں نے مسکرا کر کہا۔ اس دورا[illegible] میں میں اپنی کٹ کھول چکی تھی۔ اطہر رضوی میری اس کوشش سے بے خبر تھا

"میں نہیں سمجھا؟"

"تم ایک کامران شخص ہو اطہر رضوی۔ تمھارے سلسلے کی بزنا[illegible]

میں نے سوچا تھا کہ شاید میں ابھی اپنے کام میں پختہ نہیں ہوں صرف میری ناتجربہ کاری ہے جس کی بنا پر تم اپنے جرائم کی سزا نہیں پا سکے۔ مگر بات اس سے مختلف ہے۔"

"کیا...؟" وہ دلچسپی سے بولا۔

"تمھارے اردگرد کا خول بہت مضبوط ہے اور کوئی بھی مجرم انسانی ایسا مضبوط خول نہیں تیار کر سکتا۔ مجھے اعتراف ہے مسٹر رضوی کہ میں اس خول کو توڑنے میں کامیاب نہیں ہو سکی۔"

"اگر یہ بات ہے تو اپنی اس احمقانہ جدوجہد سے دست کش کیوں نہیں ہو جاتیں؟"

"اس کی بھی ایک وجہ ہے۔"

"کیا...؟" رضوی نے پوچھا۔

"اتفاق سے میری رگوں میں بھی ایک ضدی باپ کا خون ہے میں اُن مظلوم آوازوں کو فراموش نہیں کر سکتی جو ہر وقت میرے کانوں میں گونجتی رہتی ہیں۔ وہ لڑکیاں جو تمھاری درندگی کی شکار ہوئی تھیں۔ میری کوئی کچھ نہیں لگتی تھیں لیکن یقین کرو اطہر رضوی مجھے بھی اُن سے اتنی ہی محبت ہے جتنی تمھیں اس دوشاخے سے جس کا اس دنیا میں کوئی مصرف نہیں ہے اور جسے تم بلاوجہ زندہ رکھے ہوئے ہو۔ تم نے اس بے مصرف وجود کے لیے کتنی بے گناہ لڑکیوں کا خون کیا ہے۔ میں پھر تم سے یہی سوال کروں گی کہ کیا وہ کسی کی اولاد نہیں تھیں؟ کیا اُن سے محبت کرنے والے نہ ہوں گے؟"

"اور کیا کہنا چاہتی ہو؟" رضوی نے کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی دیکھ کر پوچھا۔

"میں زندگی کی قیمت پر تمھیں ان جرائم کی سزا دینا چاہتی ہوں اطہر رضوی۔"

"میرے سامنے تم ایک حقیر چیونٹی کی حیثیت رکھتی ہو لڑکی۔ ہوش کے ناخن لو۔" وہ غرّایا۔

"لیکن یہی چیونٹی ہاتھی کی موت کا سبب بن جاتی ہے اطہر رضوی۔ تم نے قدرت کے اس کھیل پر غور نہیں کیا۔ چیونٹی کو ہمیشہ کمزوری کا سمبل سمجھا جاتا ہے۔ جس کا نام بڑی حقارت سے لیا جاتا ہے، ایک ناقابلِ تسخیر عفریت کی قاتل بن جاتی ہے۔"

"کچھ اور فضول باتیں کرنا چاہتی ہو یا بس؟" اُس نے نفرت سے پوچھا۔

"آخری بات۔" میں نے مسکرا کر کہا۔ "ایک تحفہ لائی ہوں تمھارے لیے۔" میں نے کٹ سے اس محلول کی شیشی نکال لی جسے میں نے اسپرٹ میں ملا کر تیار کیا تھا۔ سائن بن بھی جلنے والا گاڑھا تیل ہوتا ہے اور اس میں چپک جانے کی صلاحیت ہوتی ہے۔ اسپرٹ فوری آگ پکڑنے کی بہترین صلاحیت رکھتا ہے۔ ان دونوں کو ملانے سے اس محلول میں ایک خوبی پیدا ہو جاتی ہے کہ اگر وہ آگ پکڑے تو بجھتا نہیں۔ میں نے شیشی کا کارک کھولا اور اُسے اطہر رضوی کے گریبان پر پھینک دیا۔ محلول نے اس کا سارا لباس خراب کر دیا اور اطہر رضوی میری اس حرکت پر ششدر رہ گیا۔

"یہ کیا دیوانگی ہے؟" وہ غرّایا لیکن اسی دوران میں نے لائٹر جلا کر اُس پر اُچھال دیا۔ چشم زدن میں محلول نے آگ پکڑ لی اور اس کے ساتھ ہی اطہر رضوی کے حلق سے ایک دلخراش چیخ نکلی۔ وہ دونوں ہاتھوں سے اس آگ کو بجھانے کی کوشش کرنے لگا لیکن یہ بجھنے والی آگ نہیں تھی۔

وہ کسی مشعل کی طرح روشن ہوگیا۔

آن کی آن میں لان پر موجود لوگ اس طرف دوڑ پڑے۔ اطہر رضوی پاگلوں کی طرح ادھر اُدھر دوڑ رہا تھا۔ پھر اُسے عقل آگئی اور وہ زمین پر لوٹ لوٹ کر آگ بجھانے کی کوشش کرنے لگا۔ لوگ بُری طرح چیخ رہے تھے کسی نے اُسے ہاتھ لگانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ تب میں نے چیخ کر کہا۔

"براہِ کرم پیچھے ہٹ جایئے۔ ایک عفریت مر رہا ہے۔ ایک شیطان ختم ہو رہا ہے۔ اس نے بہت سے لوگوں کو زندگی جیسی نعمت سے محروم کر دیا ہے۔ اسے مر جانے دیں" اور لوگ میری آواز سن کر ششدر رہ گئے۔ "آپ لوگوں کو نہیں معلوم۔ اس نے کئی بے گناہ لڑکیوں کی جان لی ہے۔ اس نے کئی خاندانوں کے گھر کے چراغ ہمیشہ کے لیے بجھا دیے ہیں۔ اسے بچانے کی کوشش نہ کی جائے۔"

تین چار آدمی ایک موٹا لحاف لے کر آگئے۔ وہ اسے ڈھک کر اُس کے بدن میں لگی آگ بجھانا چاہتے تھے لیکن میں نے پستول نکال کر دو ہوائی فائر کر دیے۔ مجمعے میں بھگدڑ مچ گئی۔ "اگر تم لوگوں نے آگ بجھانے کی کوشش کی تو میں تم سب کو موت کی نیند سلا دوں گی..."

وہاں موجود لوگوں کی جو کیفیت تھی اُس کا اظہار الفاظ میں مشکل ہے۔ میں نے سوچا کہ کہیں اس کوشش میں بھی میں ناکام نہ ہو جاؤں اس لیے میں نے لگاتار کئی فائر اطہر رضوی پر جھونک مارے میری ساری گولیاں اُس کے بدن میں پیوست ہوگئی تھیں۔ کوئی میرے پستول کی گولیاں گن رہا تھا۔ جونہی چھٹا فائر ہوا کسی نے عقب سے مجھے دبوچ لیا اور ایک غرّاہٹ اُبھری "پستول پھینک دو۔"

"اب مجھے اس کا کیا کرنا ہے دوستو۔ یہ لو۔" میں نے اس آواز پر توجہ دیے بغیر پستول پھینک دیا۔ مجھے دوسرے کئی لوگوں نے بھی دبوچ لیا تھا اور میں قطعی بے بس ہوگئی تھی۔ اس بے بسی

کے عالم میں، میں نے کہا۔ "کتنے بے غیرت، کتنے بے حس ہو تم لوگ، جس شخص نے تمھاری شخصیتیں تعمیر کیں، تم اُس کی قاتل کو صرف پکڑے ہوئے ہو۔ اسے قتل کردو مجھے اسی جگہ۔ یُوں اپنی وفاؤں کا ثبوت دو۔ سلطان... ڈی ایس پی سلطان کہاں ہو تم۔ دیکھو میں نے تمھارے آقا کو زندہ جلادیا۔"

"شاید یہ پاگل ہوگئی ہے۔" کوئی چیخا۔

"ہاں میں پاگل ہوگئی ہوں۔ سچائی کے جنوں کا شکار ہوں میں۔ مجھے مسیح کی طرح قتل کردو۔ میں منصور کا درجہ پانا چاہتی ہوں میں نے ایک شیطان کو جہنم واصل کیا ہے۔"

لوگ مجھے وہاں سے کھینچتے ہوئے لے گئے۔ مجھے یقین تھا کہ اطہر رضوی اب اس دُنیا میں نہیں ہے اور اس تصوّر سے میری رُوح میں تازگی اُبھر رہی تھی۔ چاروں طرف شور برپا تھا۔ لوگ نہ جانے کیا کیا کہہ رہے تھے۔ اتنی آوازیں گڈمڈ تھیں کہ کوئی آواز اپنے صحیح الفاظ کے ساتھ سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔ میں کوشش بھی نہیں کررہی تھی کچھ سُننے کی۔ آیندہ کیا ہوگا اس کے بارے میں سوچنا عبث تھا۔

جنوں کی وہ کیفیت جو تھوڑی دیر قبل مجھ پر طاری تھی، آہستہ آہستہ زائل ہوگئی۔ اب میں خود اپنی تماشائی تھی۔ مجھے کھینچ کر لانے کے علاوہ میرے ساتھ اور کوئی بدسلوکی نہیں کی گئی۔ اب میں پولیس کے نرغے میں تھی۔ اس سے پَرے عام لوگ دائرہ بنائے کھڑے تھے۔ دُوسری طرف کیا ہورہا ہے یہ یہاں سے نہیں دیکھا جاسکتا تھا پھر کئی باوردی افسر نظر آئے اور لوگوں نے اُنھیں مجھ تک آنے کی جگہ دے دی۔ پُروقار لوگوں نے تشویشناک نگاہوں سے مجھے دیکھا پھر اُن میں سے ایک نے پوچھا۔ "آپ عالیہ صغیر بھایانی ہیں؟"

"جی ہاں۔" میں نے مسکرا کر کہا۔

"آپ نے اطہر رضوی کو قتل کیا ہے؟"

"ہاں۔ یہ فخر مجھے حاصل ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"آپ کو اطہر رضوی کے قتل کے جرم میں گرفتار کیا جاتا ہے۔"

"میں حاضر ہوں۔" میں نے گردن جُھکا دی۔ افسران نے اشارہ کیا اور زنانہ پولیس فورس کی دو انسپکٹر خواتین نے آگے بڑھ کر میرے ہاتھوں میں آہنی کڑیاں ڈال دیں۔ اس کے بعد وہ مجھے چلنے کا اشارہ کرکے آگے بڑھ گئیں۔ میرا کیمرہ وغیرہ تو وہیں ٹوٹ پھوٹ گیا تھا۔ کیٹ بھی کسی نے میری گردن سے اُتار لی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک پولیس کار مجھے لے کر چل پڑی۔

علاقے کے تھانے میں لے جاکر مجھے ایک کمرے میں بند دیا گیا اور کمرے کے دروازے پر بہت سے سپاہیوں کی ڈیوٹی لگادی گئی۔ میں اطمینان سے کمرے میں پڑی ہُوئی بنچ پر بیٹھ گئی تقریباً ایک گھنٹے کے بعد سُلطان میرے کمرے میں آیا۔ اُس کے ساتھ تھانے کا انچارج بھی تھا۔ سُلطان کو دیکھ کر میں مُسکرا

"ڈی آئی جی صاحب سے ملاقات میں بڑی دیر لگادی نے سُلطان۔ اب فرصت ملی ہے؟" میں نے کہا۔

"آخر تم نے اپنی دیوانگی کی تکمیل کرہی لی۔" سُلطان بو

"یہ میری زندگی کا نصب العین تھا سُلطان۔"

"بہت افسوسناک اقدام کیا ہے تم نے اپنی زندگی کا

"احمق ہو سُلطان۔ ذرا مجھے وہ حسین خبر سُنا دو۔ اطہر رضوی مرگیا نا؟" میں نے آنکھیں بند کرتے ہوئے کہا۔ سُلطان نے اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ چند ساعت کے بعد اُس نے کہا۔

"میں تمھارے کس کام آسکتا ہوں عالیہ؟"

"تم... ؟" میں ہنس پڑی۔ سُلطان انچارج افسر کے سا اپنی سُبکی محسوس کررہا تھا۔ اُس نے نِکل بھاگنے میں ہی سمجھی۔ وہ کھڑا ہوگیا اور چلتے ہوئے بولا۔

"ذاتی طور پر میں نے فی الوقت اتنا کیا ہے کہ اس لاک کی اچھی طرح صفائی کرادی ہے جہاں تمھیں رہنا ہے۔ ا چارپائی بھی خلافِ قانون ڈلوادی ہے۔ انچارج صاحب خیال رکھیں گے اور تمھیں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔"

"قانون شکن تو تم ہمیشہ کے ہو۔ میں زمین پر سوؤں گی میری قربانی میں کوئی داغ نہ لگنے پائے۔ اس کے علاوہ میری ہے کہ میرے ساتھ عام قیدیوں کا سا سلوک کیا جائے اور کوئی نہ برتا جائے۔"

"آپ اپنا کام کریں۔ اس کا ذہنی توازن واقعی درست ن ہے۔" سُلطان غرّا کر بولا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ انچارج کھڑا رہا پھر چند ساعت کے بعد دو لیڈی کانسٹیبلوں نے کر مجھے حوالات میں بند کردیا۔

"چائے وغیرہ کی ضرورت ہو تو بتا دو۔"

"تمھارا شکریہ بہن۔ خدا تمھیں خوش رکھے۔" میں نے لی کانسٹیبل کو جواب دیا اور وہ عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھتی چلی گئی۔ حوالات کا فرش پختہ اور صاف سُتھرا تھا۔ میں نے چا ایک طرف کھڑی کردی اور زمین پر کمبل بچھا کر لیٹ گئی۔ بس

جذباتی کیفیت طاری تھی اور کوئی ذہنی ہیجان نہیں تھا۔

نیند بھی ایسی آئی کہ خُدا کی قدرت کا قائل ہونا پڑا۔ زندگی میں پہلی بار اس طرح سونا پڑا تھا لیکن تکلفات سے پاک زندگی کیسی خوشگوار اور پُرسکون ہوتی ہے اسے الفاظ میں بیان نہیں کرسکتی۔

صبح کو جاگی تو طبیعت بشاش بشاش تھی۔ سامنے ہی لیڈی کانسٹیبل کھڑی ہُوئی تھی۔ میں اُسے نظرانداز کرکے تنگ و تاریک باتھ رُوم میں داخل ہوگئی۔ یہ ساری چیزیں مجھ پر بے اثر تھیں۔ مُنہ ہاتھ... دھوکر میں باہر نکل آئی تو ایک کانسٹیبل نے لاک اپ کا دروازہ کھولا اور دُوسری کانسٹیبل ایک خوبصورت ٹرے لیے اندر آگئی۔ "ناشتہ کرلو۔" اُس نے ٹرے سے سرپوش ہٹاتے ہوئے کہا۔ جُوس کا گلاس، اعلا قسم کے بسکٹ، مکھن اور ایسی ہی دُوسری چیزیں تھیں۔ میں نے حیرت سے اُنھیں دیکھا۔

"قیدیوں کو اتنا عمدہ ناشتہ دیا جاتا ہے؟" میں نے تعجب سے پوچھا۔

"نہیں بی بی۔ صبح کے ناشتے میں اُنھیں ٹین کے ڈبّے میں چائے اور دو پاپے دیے جاتے ہیں۔"

"تو پھر میرے لیے؟"

"باہر نکل کر دیکھو۔ پورے تھانے کے لیے ناشتہ آگیا ہے۔ لوگوں کو منع کرتے کرتے تھکے جارہے ہیں ہم تو... لیکن لوگ ہیں کہ کچھ نہ کچھ لائے جارہے ہیں۔ چلو ناشتہ کرلو...؟" لیڈی کانسٹیبل نے کہا۔

"کون لوگ ہیں وہ؟" میں نے دلچسپی سے پوچھا۔

"خُدا ہی جانے۔ اس سے پہلے کوئی ایسا قاتل کبھی اس تھانے میں نہیں آیا۔ تم ناشتہ کرلو بی بی؟"

"تم لوگ بھی میرے ساتھ ناشتہ کرو۔"

"نہیں۔ ہمیں اس کی اجازت نہیں ہے۔" دونوں نے جواب دیا۔ جُوس کا گلاس اور کچھ بسکٹ لے کر میں نے ناشتہ ختم کردیا۔

"میں تم لوگوں سے کچھ اور بھی پوچھنا چاہتی ہوں۔"

"پوچھو...!"

"رات کو کسی نے مجھ سے ملنے کی کوشش تو نہیں کی؟"

"رات کی بات کررہی ہو۔ جس وقت تم گرفتار ہوکر آئی ہو اس کے تھوڑی دیر کے بعد ہی ملنے والوں کا تانتا بندھا ہُوا ہے... مگر اجازت نہیں دی گئی اُوپر کے احکامات تھے۔" کانسٹیبلوں سے مجھے اُن لوگوں کے نام نہیں معلوم ہوسکے۔ بہرحال وہ ناشتے کی ٹرے لے کر چلی گئیں اور تھوڑی دیر بعد پولیس انسپکٹر نے آکر مجھے ناموں کی ایک فہرست دکھائی۔ "بے شمار لوگ تم سے ملاقات کے خواہاں ہیں۔ ان میں سے صرف چند لوگوں کو اجازت دی جا سکتی ہے کیا تم انتخاب کرنا پسند کروگی؟"

"نہیں۔ یہ آپ کی مرضی پر منحصر ہے۔" میں نے جواب دیا اور انسپکٹر پریشانی کے عالم میں گردن ہلاتا ہُوا واپس چلا گیا۔ سب سے پہلے اندر آنے والے صباحت صاحب تھے۔ چہرہ سُرخ آنکھیں سُوجی ہُوئی تھیں، ایک سنگین خاموشی اُن پر طاری تھی۔ میں نے مسکراتی ہُوئی نگاہوں سے اُنھیں دیکھا۔ اُن کے بدن پر ہلکی سی لرزش طاری تھی۔ چند سیکنڈ تک وہ خاموشی سے میری صُورت دیکھتے رہے پھر بولے۔

"مُبارک ہو عالیہ۔ مُبارک ہو عظیم مجاہدہ۔"

"شکریہ صباحت صاحب۔ آپ میرے رازداں ہیں۔ ہمّت سے کام لیں۔ ذرّہ برابر فکر نہ کریں۔"

"خُدا حافظ۔" صباحت صاحب سے کھڑا نہیں ہُوا جارہا تھا۔ میں نے مُسکراتے ہوئے گردن ہلادی اور صباحت صاحب چلے گئے۔ دُوسرا طُوفان اُن تین لڑکیوں کا تھا یعنی افشاں، فرزانہ اور شمس، ان کے ساتھ ناصر اور مِس مِیری بھی تھیں۔ افشاں تو دھاڑیں مارتی ہُوئی اندر گھسی تھی اور پھر وہ سلاخوں سے لپٹ گئی۔

"یہ تھا تمھارا مشن، یہی تھا نا کہ ہمیں چھوڑ دو۔ لو لو یہی تھا نا؟" وہ چیخنے لگی تو فرزانہ اور شمس اُسے سنبھالنے لگیں۔ وہ دونوں بھی رو رہی تھیں۔ مِس مِیری کے بھی رُخسار تر تھے۔

"شمس۔ تم انھیں سنبھالوگی۔ ناصر تمھاری ذِمّے داریاں بڑھ گئی ہیں۔" میں نے کہا اور ناصر آگے بڑھ آیا۔

"آپ نے مجھے بھائی کہا تھا عالیہ۔" وہ سرد لہجے میں بولا۔

"ہاں۔ پُورے خلوص اور اعتماد سے۔"

"لیکن آپ نے بھائی سے اُس کا حق چھین لیا عالیہ۔ یہ میرا فرض تھا۔ اِس حد تک جانا تھا تو مجھے حُکم دیا ہوتا۔ بھائی توقعات پر پُورا نہ اُترتا تو اور بات تھی۔"

"سب ٹھیک ہے ناصر۔ سب ٹھیک ہے۔ یہ آخری فیصلہ میں نے بہت پہلے کرلیا تھا۔"

"مجھے اس میں شریک نہیں کیا؟"

"تم جذباتی ہوجاتے۔ چھوڑو اِن باتوں کو۔ ان سب کو سہارا دو۔ ہم سب کے کچھ نہ کچھ فرائض ہوتے ہیں، جسے بھی فرض پُورا

کرنے کا موقع مِل جائے وہ خوش نصیب ہوتا ہے۔"

پھر اُن لوگوں کو بھی رُخصت کر دیا۔ اس کے بعد کسی کو یا تو اجازت نہیں دی گئی تھی یا کوئی اور قابلِ ذکر ہستی موجود نہیں تھی۔ البتہ دوپہر کا کھانا بھی اتنا ہی عمدہ تھا۔ میں نے بہت تھوڑا سا کھانا کھایا تاکہ ہاضمہ درست رہے اور اس کے بعد آرام کرنے لیٹ گئی لیکن تھوڑی دیر کے بعد مجھے لاک اپ سے نکال کر تھانے کی عمارت کے دُوسرے کمرے میں لے جایا گیا جہاں انکل منور عالم موجود تھے۔ میں نے اُنھیں سلام کیا تو اُنھوں نے اُٹھ کر مجھے سینے سے لگا لیا۔ اُن کے انداز میں بھی بڑی جذباتیت تھی۔

"تو یہ تمھارا آخری فیصلہ تھا۔ بہر حال میں اس پر تبصرہ نہیں کروں گا۔ یہ بھی نہیں کہوں گا کہ مجھ سے مشورہ کر لیتیں کیونکہ میں تمھیں کبھی یہ مشورہ نہیں دیتا۔ بس اتنا بتانے آیا ہُوں کہ گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ساری دُنیا کے وکیل اکٹھے کر لوں گا۔ اِس کیس کو بین الاقوامی بنا دُوں گا۔ ذرا بھی مت گھبرانا۔"

"نہیں انکل۔ خُدا کی قسم یہ خیال دل سے نکال دیں کہ میرے ذہن پر کوئی گھبراہٹ طاری ہے۔ یہ میری ایک طویل عرصے کی سوچ تھی اور میں نے اس کے سارے نتائج پر غور کر لیا تھا۔ کسی قسم کی گھبراہٹ کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔"

"بے شک۔" انکل منور عالم نے اثبات میں گردن ہلائی پھر اُنھوں نے بھی وہی عام قسم کے سوالات کیے کہ مجھے یہاں کسی قسم کی تکلیف تو نہیں ہے اور مطمئن ہو کر وہ یہاں سے چلے گئے۔ پھر مجھے دوبارہ لاک اپ میں بند کر دیا گیا۔

تھوڑی دیر تک میں لیٹی رہی۔ پھر ایک لیڈی کانسٹیبل نے مجھے اخبارات لا کر دیے۔ "یہ انچارج صاحب نے بھجوائے ہیں۔" اور میں خوش ہو گئی۔ اخبارات کے ذریعے میں اُن واقعات کی تفصیل سے لُطف لینا چاہتی تھی۔

پہلے اخبار کی سُرخی تھی۔

"شہر کے محافظ، غریبوں اور مظلوموں کے ہمدرد اطہر رضوی کو زندہ جلا دیا گیا۔"

نیچے پوری تفصیل درج تھی۔

"چیمبر آف کامرس کے ایک اہم رُکن کے صاحبزادے کی تقریبِ ولیمہ میں مُلک کی ایک مقتدر شخصیت اطہر رضوی کو سفاکی سے قتل کر دیا گیا۔ مرحوم اس تقریب میں شریک تھے کہ مقامی اخبار کی ایک رپورٹر خاتون اُنھیں بہلا پھسلا کر ایک طرف لے گئیں اور اُن کے بدن پر کوئی آتش گیر مادہ چھڑک کر اُس میں آگ لگا دی۔ مرحوم کا پُورا بدن مشعل کی مانند روشن تھا۔ ممکن تھا کہ آگ پر کسی قابو پایا جاتا لیکن قتل کی پُوری سازش مکمل تھی کیونکہ اس فوراً بعد ان خاتون نے پستول سے فائرنگ کر کے اطہر رضوی موقع پر ہی ہلاک کر دیا۔

دُوسرے اخبارات میں بھی اسی قسم کی جَلی سُرخیاں ا اداریے تھے لیکن ظاہر ہے اطہر رضوی کی شخصیت کی یہ مدح غلط نہیں تھی۔ اس کی دُوسری شخصیت اتنی ہی پوشیدہ او تھی کہ لوگ اس پر یقین نہیں کر سکتے تھے۔ اس لیے م خلاف لکھنے والے بے قصور تھے۔ میں اُنھیں کوئی دوش دے سکتی تھی۔

صباحت صاحب نے یہ خبر بہت چھوٹی اور مُبہم سی تھی۔ تمام اخبارات پڑھ کر میں نے رکھ دیے۔ اس کے بعد قابلِ ذکر واقعہ نہیں ہُوا۔ دُوسری رات بھی میں آرام سے س پولیس ابھی اس سلسلے کی دُوسری تحقیقات میں اُلجھی ہُوئی اس لیے ابھی مجھ سے رابطہ قائم نہیں کیا گیا تھا۔

مجھ سے محبت کرنے والے بھی معمولی لوگ نہیں تھ لیے میرے ساتھ کوئی بدسلوکی نہیں ہُوئی۔ دُوسری صبح بھی ا مجھے مِل گئے لیکن اپنے اخبار کا پہلا صفحہ دیکھ کر میں دَنگ اس کے پہلے صفحے پر میری ایک رنگین ٹرانس پیرنسی چھپ تھی۔ نیچے لکھا تھا۔ عالیہ صغیر بھایانی

"جسے ہم انسانیت کے خلاف جہدِ مسلسل پر خراجِ تح پیش کرتے ہیں اور اس کے اس قابلِ فخر کارنامے پر مُبارک دیتے ہیں۔" مجھے یقین نہیں آ رہا تھا۔ یہ اخبار چھپ کیسے گیا میں کیسے آ گیا اور اگر آ گیا ہے تو اب اُن لوگوں کا کیا حشر میں نے بے چینی سے صفحہ اُلٹ دیا۔ لیڈ تھی۔

"حقائق کی تحقیق کے بغیر حاشیہ آرائی کرنے والے کو صحافت جیسا معزز پیشہ چھوڑ دینا چاہیے۔"

"اطہر رضوی جیسے شیطان کو اُس کے جرائم کے شایان سزا دی گئی ہے۔ یہ قدم انسانیت کی سربلندی کے لیے اُٹھایا"

"عالیہ صغیر بھایانی ایک محبِ انسانیت مجاہدہ ہے جس اس بھیانک مجرم کے خلاف ہر ممکن کوشش میں ناکام ہو کر اسے خود سزا دے دی۔" اس کے ساتھ ہی وہی پُوری داستان تھی۔ وہ سارے حالات تحریر تھے جو میری اس پُوری جدوجہ کہانی تھی۔ وہ سارے واقعات تھے جو اطہر رضوی کے ساتھ م میں پیش آئے تھے۔

اس کے بعد اُن لڑکیوں کی تصویریں تھیں۔ "ان تمام تفصیلات کے بعد ہم ہر صاحبِ دل کے دل پر دستک دیتے ہیں کہ وہ عالیہ کے موقف پر غور کرے۔ ہم قانون کے ان نیک نام محافظوں کو دعوت دیتے ہیں جنھوں نے اپنی زندگیاں اپنے پیشے کی دیانت میں صرف کی ہیں کہ وہ اس تفصیل کی روشنی میں تحقیقات کریں۔ قانون سربلند ہے اور سربلند رہے گا۔ ہمیں انصاف کا یقین ہے۔"

"اخبار ہٰذا نے یہ حقائق اپنے اعتماد کے ساتھ قلم بند کیے ہیں۔ میں صباحت رضوی تسلیم کرتا ہُوں کہ میں نے حکومت کی اجازت کے بغیر یہ مواد شائع کیا ہے اور اپنے جذبات کا شکار ہو گیا ہُوں۔ میں اس جسارت کے لیے ہر سزا بھگتنے کو تیار ہُوں۔ اس مواد کی اشاعت سے میری مُراد ہرگز یہ نہیں ہے کہ اس سے انتشار پھیلے۔ مجھے قانون پر اعتماد ہے کہ وہ انصاف کے تقاضوں کو پورا کرے گا۔ یہ سب کچھ اس لیے شائع کیا ہے کہ ان انصاف پسندوں کی آنکھوں سے پردے ہٹ جائیں جنھیں حقیقت سے بے خبر رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی جائے گی۔ کیونکہ اس میں بہت سے پردہ نشین بے نقاب ہوں گے۔

"آخر میں ہم بڑے خلوص سے پیش کش کرتے ہیں کہ ہمیں گرفتار کر لیا جائے۔ ہمیں سزائیں دی جائیں۔ اخبار ہٰذا اور اس پریس کا پُورا اسٹاف گرفتاری کے لیے تیار ہے۔ ہمیں عدالت میں پیش کیا جائے تاکہ قانون کے سامنے ہم ان لوگوں کو بے نقاب کریں جو اس پردۂ زنگاری کے عقب میں پوشیدہ ہیں۔"

ہمیں یقین ہے کہ اس کے بعد اس اخبار کی اشاعت جاری نہ رہ سکے گی اس لیے عزیز قارئین۔ عزیز دوستو۔

خُدا حافظ۔"

"صاف ستھری صحافت ہمارا نصب العین ہے۔"

باقی اخبار سادہ تھا۔ کوئی خبر کوئی اشتہار شائع نہیں کیا گیا تھا۔ میں اس سحر سے جاگی تو میری آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ صباحت صاحب نے حقِ محبت ادا کر دیا تھا۔ میرے سچے ساتھیوں نے میرے لیے قربانی پیش کر دی تھی۔ میرا دل بھر آیا تھا لیکن میں نے آنسو خشک کر لیے۔ صباحت صاحب کی یہ قربانی رائگاں نہیں جائے گی۔

دوپہر کو چند بڑے افسروں کے سامنے مجھے پیش کیا گیا۔ بہت سے بڑے افسران تھے۔ جن کے چہرے خشک لیکن رویے نرم تھے۔ میں نے اپنا اخبار اُن کے پاس دیکھا۔ ایک افسر نے مجھ سے سوال کیا۔ "اس اخبار سے تمھارا کیا تعلق ہے؟"

"میں اسی میں مُلازمت کرتی تھی۔" میں نے جواب دیا۔

"صرف مُلازمت؟"

"اس سے آپ کی کیا مراد ہے؟"

"کیا آپ اس اخبار کی مالک بھی ہیں؟"

"اس کا جواب میں عدالت میں دُوں گی۔"

"آپ کو اطہر رضوی کے قاتل ہونے کا اعتراف ہے؟"

"بڑے فخر کے ساتھ۔"

"کیا آپ کو یقین ہے کہ آپ کے حامی آپ کو اس قتل کے جُرم میں سزائے موت سے بچا سکیں گے؟" ایک پولیس افسر نے پُوچھا اور میں ہنس پڑی۔

"خُدا کرے کہ آپ کی ترقی اس سوال کے جواب کے بغیر ہی ہو جائے۔"

"اس جُرم پر آپ کو اُکسانے والے کون ہیں؟"

"اس جواب کے لیے آپ کو تھوڑی سی محنت کرنی پڑے گی۔"

"کیسی محنت؟"

"وہی معمول کے مطابق۔ میرے بدن کو سلاخوں سے داغا جائے۔ کوڑے برسائے جائیں میرے بدن پر۔ برف کی سِلوں پر لِٹایا جائے۔ اس کے بغیر اس بات کا جواب مشکل ہے۔"

"نہیں خاتون۔ اگر آپ سچی ہیں تو قانون درندہ نہیں بنے گا۔ آپ نے یہ یقین کیسے کر لیا کہ سچ فنا ہو چکا ہے؟" ایک بہت بڑے افسر نے ہمدردی سے کہا۔

"خُدا کے لیے ایسی باتیں نہ کریں کہ میں رو پڑوں۔" میں نے دُکھ سے کہا۔

"نہیں مِس بھایانی۔ اگر قانون کے چند محافظ بددیانتی کرتے ہیں تو سبھی ایسے نہیں ہوتے۔ آپ اپنے ذہن سے بداعتمادی نکال دیں اور اس بات پر بھروسہ رکھیں کہ آپ قانون کی حفاظت میں ہیں اس کی دُشمنی کا شکار نہیں۔"

"خُدا کرے میرا اعتماد بحال ہو جائے۔" میں نے کہا۔

"آپ یہاں دی جانے والی ہر رعایت کو اپنا حق تصور کریں ہم سب اُس وقت تک آپ کے دوست ہیں جب تک یہ نہ ثابت ہو جائے کہ یہ قتل آپ کے کسی ذاتی عناد یا کسی کے اُکسانے کی بُنیاد نہیں ہے۔"

"میں شکر گزار ہُوں۔" میں نے ممنونیت سے کہا۔ تھوڑی دیر کے بعد پولیس افسر چلے گئے۔

اس کے بعد کا وقت مزید پُرسکون گزرا لیکن رات کو حالات

میں کچھ اور تبدیلیاں پیدا ہُوئیں۔ تقریباً دس بجے تھے جب مجھے لاک اَپ سے نِکالا گیا اور انچارج کے کمرے میں لایا گیا۔ جہاں چند فوجی افسر موجود تھے۔ میجر کے عہدے کے ایک افسر نے پوچھا۔

"آپ کو یہاں کوئی تکلیف تو نہیں پہنچائی گئی مس عالیہ؟"

"قطعی نہیں۔ ان سب لوگوں نے بہترین سلوک کیا ہے میرے ساتھ۔ میں ان کی شکر گزار ہُوں۔"

"شکریہ انچارج صاحب۔ ہمیں اجازت دیں۔ آیئے عالیہ صاحبہ۔" میجر نے کہا اور میں کچھ سوچے سمجھے بغیر اُس کے ساتھ چل پڑی۔ باہر فوجی گاڑی کھڑی ہُوئی تھی جس میں سوار ہو کر میں چل پڑی۔ یہ سفر زیادہ طویل نہیں تھا۔ میں ایک عمارت میں لے جائی گئی اور اُس کے ایک نہایت آرام دِہ کمرے میں مجھے پہنچا دیا گیا جہاں عمدہ قسم کا بستر موجود تھا۔

"اب آپ فوج کی تحویل میں ہیں مس عالیہ کسی قسم کا تردّد نہ کریں۔ ایک خادمہ ابھی آپ کے پاس پہنچ جائے گی۔ آپ اپنی ہر ضرورت اُس سے کہہ سکتی ہیں۔"

"بہت بہت شکریہ۔" میں نے جواب دیا اور میجر چلا گیا۔

میں آرام سے بستر پر بیٹھ گئی لیکن اب تک پیش آنے والے واقعات میرے ذہن میں ایک انوکھی شگفتگی پیدا کر رہے تھے وہ مایوسی جو اِس طویل جدّوجہد کے دوران میرے ذہن میں سرایت کر گئی تھی، اب دَم توڑ رہی تھی۔ مجھے احساس ہو رہا تھا کہ واقعی میں اپنوں میں ہُوں۔ ہاں یہ میرا وطن ہے اور اہلِ وطن نے مجھے مایوس نہیں ہونے دیا یہ بھی درست ہے کہ کوئی مُجرم جب جُرم کی ابتدا کرتا ہے تو اپنے گرد ایک حفاظتی خول تیار کر لیتا ہے اور چونکہ اُسے اپنے جُرم کے نتائج معلوم ہوتے ہیں اس لیے وہ پُوری چھان بین کے بعد وہ تمام راستے بند کرنے کی کوشش کرتا ہے جو اُس کے جُرم کا انکشاف کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں اگر مُجرم صاحبِ اختیار بھی ہو تو وہ کچھ لوگوں کو توڑ لیتا ہے اور قانون کے محافظ چونکہ اُس کے جال سے ناآشنا ہوتے ہیں اس لیے اُس کی گہرائیوں کو سمجھنے میں بہرحال وقت لگتا ہے۔ میری اس کوشش سے وہ متحرک ہو چکے ہیں اور اب صحیح کارروائی ہو رہی ہے۔

میں اس کارروائی سے مطمئن تھی۔

جو لڑکی میری خادمہ کی حیثیت سے میرے پاس آئی... وہ ایک خوبصورت لڑکی تھی۔ "میرا نام صوفیہ ہے اور میں آپ کی خادمہ ہُوں۔ کوئی خدمت بتا یئے مجھے؟"

"تھوڑی سی کافی مِل سکتی ہے؟"

"کیوں نہیں۔ ابھی حاضر کرتی ہُوں۔" لڑکی نے خوش ا[ـ]
سے کہا۔

"لیکن دو پیالی۔ برتن بھی دو ہونے چاہئیں؟"

"جی... ؟" اُس نے چند لمحات تک سوالیہ نگاہوں سے [ـ]
دیکھا اور پھر گردن ہلا کر چلی گئی۔ تھوڑی دیر بعد وہ کافی لے[ـ]
اور ٹرے میرے سامنے رکھ دی۔ "کسی کو بُلانا ہے؟" اُس نے[ـ]

"نہیں کسی کو نہیں۔"

"میرا مطلب ہے دُوسری پیالی؟"

"تم نہیں پیو گی۔ ہم کافی پئیں گے اور باتیں کریں گ[ـ]

"اوہ شکریہ۔" وہ مُسکرا دی۔ کافی کے دوران ہم دو[ـ]
کرتے رہے۔ وہ تین سال سے فوج میں مُلازم تھی۔ بہت د[ـ]
گفتگو کرتی تھی۔ کافی دیر تک میرے ساتھ رہی پھر مجھے س[ـ]
ہدایت کر کے چلی گئی۔ میں نے اُسے خاص طور سے صُبح [ـ]
لانے کی ہدایت کی تھی۔

صبح کو جب میں جاگی تو صوفیہ میرے کمرے کی ایک [ـ]
پر بیٹھی اخبار پڑھ رہی تھی۔ میں نے اُسے صبح بخیر کہا او[ـ]
نے جلدی سے اخبار میرے سامنے رکھ دیئے۔ "چائے [ـ]

"دو پیالی۔" میں نے مُسکرا کر کہا اور وہ بھی مُسکراتی [ـ]
گئی۔ باتھ رُوم میں میرے اپنے نئے کپڑے ہینگر میں لٹکے
تھے جنھیں دیکھ کر میں سخت حیران ہُوئی۔ ظاہر ہے یہ لباس
کوٹھی سے ہی لائے گئے ہوں گے۔ گویا ان لوگوں کا
رابطہ قائم ہے۔ میں نے غسل کر کے لباس تبدیل کیا اور باہر
چائے موجود تھی۔

چائے پیتے ہُوئے میری نگاہ کھُلے ہُوئے اخبار کی [ـ]
پڑی اور چائے کی پیالی میرے ہاتھ سے گرتے گرتے بچی [ـ]

"اطہر رضوی غیر مُلکی ایجنٹ تھا۔"

میں نے بمشکل تمام چائے کی پیالی رکھ کر اخبار اُٹھا[ـ]
اور بڑی بے صبری سے اُس پر نگاہ دوڑانے لگی۔

"اطہر رضوی غیر مُلکی ایجنٹ تھا۔"

رپورٹر: "مُلک کا بہت بڑا سماجی کارکن، صنعت کار[ـ]
اطہر رضوی، جسے مقامی اخبار کی ایک خاتون رپورٹر نے [ـ]
درحقیقت ایک دُشمن مُلک کا ایجنٹ تھا اور طویل عر[ـ]
مُلک دُشمن کارروائیوں میں ملوّث تھا۔ اس کا انکشاف [ـ]
کے سربراہ شہریار نے کیا۔ مسٹر شہریار نے فوج کی مدد [ـ]
ہاؤس نامی عمارت پر چھاپہ مار کر اسلحے کا بہت بڑا ذخیرہ ا[ـ]

[ـ]اغذات برآمد کر لیے جن سے اطہر رضوی کی مُلک دُشمن سرگرمیوں
[ـ]ا پتہ چلا ہے کہ وہ ایک دُشمن مُلک کے مفادات کا نگران تھا۔
[ـ]ور اُس کی ایما پر مُلک میں بہت سے خونریز ہنگامے ہو چکے ہیں۔
[ـ]طہر رضوی نے اپنی ناپاک شخصیت چھُپانے کے لیے ایک مخیر او[ر]
[ـ]ر دولت مند انسان کا رُوپ دھار لیا تھا۔

"اخباری رپورٹر عالیہ صغیر بھایانی نے، جو بہت سی مقتول
[ـ]ڑکیوں کے قاتل کی تلاش میں سرگرداں تھیں مسٹر شہریار سے
[ـ]ابطہ قائم کر کے یہ انکشاف کیا تھا جس کے کچھ جامع ثبوت
[ـ]اصل کرنے کے بعد شہریار صاحب نے ایک اہم فوجی عہدہ
[ـ]س بھایانی کو دے دیا تھا۔ اس عہدے کے تحت وہ ایک
[ـ]اص فوجی محکمے "سفید تحریک" کی سربراہ قرار پائی تھیں۔ اُن
[ـ]ی پارٹی بڑی تندہی سے اطہر رضوی کے خلاف ثبوت حاصل
[ـ]رنے میں کوشاں تھی۔ اطہر رضوی کے فوری قتل کا فیصلہ خالص
[ـ]ذباتی اقدام کے بجائے مُلک کے ایک اہم راز کے مُلک سے
[ـ]اہر جانے کے پیشِ نظر کیا گیا جو مُلک کے مفاد میں تھا۔ فوج
[ـ]نے مس بھایانی کو اپنی تحویل میں لے لیا ہے۔ دُوسری طرف اطہر
[ـ]ضوی کے اُن بیٹوں کی تلاش جاری ہے جو جڑواں ہیں اور
[ـ]ن کی حیوانی تسکین کے لیے اطہر رضوی کئی لڑکیوں کو قتل کر
[ـ]چکا ہے۔"

میں چائے وائے بھول گئی۔ آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا
[ـ]ار بار اس خبر کو پڑھا۔ دُوسرے اخبارات اُٹھا کر دیکھے، ان میں
[ـ]را اخبار بھی شامل تھا۔ اسے قائم و دائم دیکھ کر آنکھوں کی روشنی
[ـ]ہ گئی۔

اس کے بعد کے لمحات بڑی مسرّت کے لمحات تھے۔ مجھے
[ـ]ی پہلو چین نہیں آ رہا تھا۔ وہ سب کچھ ہو گیا جو میری خواہش تھی
[ـ]کوئی خاص نقصان بھی نہیں ہُوا تھا لیکن انکل شہریار نے
[ـ]ی کمال کیا تھا۔

پُورا دن گزر گیا... پھر اُسی رات مجھے دوبارہ ایک سفر کرنا
[ـ]رات کی تاریکی میں چند فوجی جوان میرے پاس آئے تھے۔ "آپ
[ـ]ہمارے ساتھ چلنا ہے خاتون؟"

"چلیے۔ میں تیار ہُوں۔" میں نے کہا اور پھر اُن لوگوں کے ساتھ
[ـ]آ گئی۔ وہ سب میرے اعتماد کے لوگ تھے۔ ایک بار پھر میرا
[ـ]عتماد بحال ہو گیا تھا۔

فوجی گاڑی تقریباً آدھے گھنٹے کے سفر کے بعد ایک عمارت
[ـ]داخل ہو گئی جو بہت بڑی تھی۔ اس کا احاطہ بے حد وسیع تھ[ا]
اور اس میں جھاڑ جھنکار اُگے ہُوئے تھے۔ پُرانے طرز کی عمارت کے وسیع برآمدے میں دُھندلی روشنی پھیلی ہُوئی تھی۔ اِس روشنی میں چند لوگ کھڑے نظر آئے جن کی شکلیں واضح نہیں تھیں غالباً وہ بھی فوجی تھے۔ مجھے بڑے احترام سے نیچے اُتارا گیا اور برآمدے میں کھڑے سبھی لوگ میرے پاس آ گئے۔ سب سے آگے انکل شہریار تھے۔ ان کے پیچھے نازش، عدنان، شیرازی اور دُوسرے لوگ تھے۔

اُنھیں دیکھ کر میں فرطِ مسرّت سے دیوانی ہو گئی اور بے اختیار انکل شہریار کے سینے سے جا لگی۔ انکل میرے سر پہ ہاتھ پھیر رہے تھے۔ اس کے بعد میں یکے بعد دیگرے سب لوگوں سے ملی۔

"ہمیں اجازت ہے جناب؟" مجھے لانے والے فوجی جوانوں میں سے ایک نے کہا۔

"بہت بہت شکریہ۔ کرنل محمود سے میرا سلام کہہ دیجیے۔" انکل شہریار نے کہا۔

"بہت بہتر سر!" فوجی جوانوں نے سیلوٹ کیا اور واپس چلے گئے۔ تب ہم سب اندرونی حصّے میں چل پڑے۔ سب لوگ میرے ساتھ آ رہے تھے۔

عمارت باہر سے خستہ حال ضرور معلوم ہوتی تھی لیکن اندر سے وہ مضبوط اور خوشنما تھی۔ ایک بہت بڑے ہال میں بچھی ہُوئی میز کے گرد پڑی ہُوئی کرسیوں پر ہم لوگ بیٹھ گئے۔ میز پر اعلا قسم کے برتن سجے ہُوئے تھے اور اُن میں پھل اور میوے سجے ہُوئے تھے پھر چائے بھی آ گئی۔ میں نے اپنے لیے صرف چائے لی تھی۔

"دیکھیے یہ سب بہت ہی بے مروّت ہیں۔ اس دوران میں صرف ایک بار کے علاوہ ان میں سے کسی نے مجھ سے مُلاقات کی کوشش نہیں کی۔ سب کے سب غائب ہو گئے تھے۔" میں نے کہا۔

"اجازت ہو تو ان کی وکالت کروں؟" انکل شہریار نے کہا۔

"کیجیے۔ میں نے غلط تو نہیں کہا؟" میں مُسکرا کر بولی۔

"اِن میں سے ہر فرد مصرُوف تھا۔ اس دوران میں یہ سب سخت محنت کرتے رہے ہیں۔ کئی مُلکوں کا دَورہ کر کے انھوں نے اس سلسلے میں بہت کام کی باتیں دریافت کی ہیں۔"

"کیا مطلب؟"

"ہاں عالیہ۔ یہ سب تمھارے لیے مصروف رہے ہیں۔ بس اتنی سی تبدیلی ضرور ہُوئی تھی کہ اس دوران میں تم سے بجائے میں انھیں ہدایات دیتا رہا ہُوں۔" انکل شہریار بولے۔

"میں تفصیل جاننا چاہتی ہوں انکل؟"

"یہ سب آج بھی تمھارے ماتحت ہیں۔ تمھارا کیا خیال تھا میرے استعفے کے بعد ان لوگوں نے بدستور اپنی ملازمتیں بحال رکھی ہوں گی؟"

"میں تو اس سلسلے میں بالکل ہی بے خبر رہی۔"

"تمھیں جان بوجھ کر بے خبر رکھا گیا تھا۔"

"کیوں۔۔۔؟"

"اس لیے کہ ہزاروں آنکھیں تمھاری نگرانی کر رہی تھیں۔"

"اوہ۔" میں گہری سانس لے کر رہ گئی۔

"بڑے سنگین حالات سے گزرنا پڑا ہے عالیہ۔ یقین کرو اسی دوران میں نے کئی ممالک کا دورہ کیا ہے۔ اس پورے عرصے میں ہمیں نہ جانے کیا کیا ڈرامے کرنے پڑے ہیں تم تصور بھی نہیں کر سکتیں۔"

"جی انکل۔ میں بے چین ہوں۔"

"بات وہاں سے شروع ہوتی ہے جب میں نے اطہر رضوی پر ہاتھ ڈالنے کی اجازت مانگی اور اس کی حیثیت کو مدِنظر رکھتے ہوئے مجھے روک دیا گیا۔ یہ بات مجھ سے برداشت نہیں ہو سکی تھی عالیہ۔ میں نے اپنے وطن کے لیے اپنی ساری زندگی وقف کر دی تھی۔ میں نے اس کے لیے سینکڑوں راتیں جاگ کر کاٹی ہیں اگر یہاں میری بات کی اتنی بھی حیثیت نہ ہوتی تو میری بددلی فطری تھی۔ اتفاق سے میں نے اطہر رضوی کو ملک کے خلاف سازش کرنے کے الزام میں ہی گرفتار کرنے کا مطالبہ کیا تھا حالانکہ اس کم بخت سے مجھے بھی عقیدت تھی اور میں اسے ان عام سرمایہ داروں سے ہٹ کر محسوس کرتا تھا جو دولت کے بل پر خدا بننے کی سوچنے لگتے ہیں لیکن تمھاری باتوں نے بالآخر اس کی طرف سے میرے خیالات خراب کر دیے اور مجھے یقین ہو گیا کہ یہ مجرم ہے اس کے بعد تو مجھے اتنا حق ملنا ہی چاہیے تھا کہ میں اسے گرفتار کر سکتا لیکن میں اپنی راہ کی رکاوٹ برداشت نہیں کر سکا اور میں نے فیصلہ کر لیا کہ جو بات کہی ہے اسے پورا کر کے ہی دکھاؤں گا۔

—— چنانچہ عالیہ میں اس کے خلاف مصروفِ عمل ہو گیا۔ میں نے تمھارے اسٹاف کے چند ممبروں کا انتخاب کیا اور خاموشی سے اس ملک سے نکل گیا۔ ایک دوسرے ملک جا کر میں نے اپنی شخصیت بدل لی اور وہاں کے باشندے کی حیثیت سے کاغذات تیار کرائے جس کے لیے ہمیں وہاں کے چند محکموں میں چوری کرنی پڑی تھی۔ وہاں سے بیٹھ کر ہم نے اپنے ایک خاص دشمن ملک سے سازباز کی اور اس بات کا اظہار کیا کہ ہم اس ملک میں تخریبی کارروائی کا آغاز کرنا چاہتے ہیں اور ان سے مدد کے طالب ہیں۔ چونکہ [اس] کی سرحدیں ہمارے ملک سے ملی ہوئی ہیں اس لیے وہاں سے ہمیں اسلحہ بہ آسانی مل سکتا ہے اور ضروری کاغذات کے [بعد] کے بعد بالآخر وہ ملک تیار ہو گیا۔ یہاں واپس آ کر ہم نے یہ [اسلحہ] اطہر رضوی کے نام سے وصول کیا۔ یوں بات بن گئی اور اسلحے کا ذخیرہ ہمیں موصول ہو گیا اس کے ساتھ ہی وہ کاغذات بھی۔ اطہر رضوی کے نام سے بنائے گئے ہیں اور سچی بات تو یہ [ہے] کہ اس سلسلے میں اگر ثاقب درانی میری مدد نہ کرتا تو شاید میں [ا]تنی نمایاں کامیابی نہ حاصل کر سکتا۔"

"ثاقب درانی؟" میں حیرت سے اچھل پڑی۔

"ہاں یہ پروگرام ہم دونوں نے ہی تیار کیا تھا۔ وہ تحریر کا ماہر بھی ہے۔ کاغذات کی تکمیل میں اسی نے میری مدد کی ورنہ شاید اتنی آسانیاں نہ ہوتیں۔"

"ہوں۔" میں نے گہری سانس لی۔ بقراط نے یہ بات [مجھ] سے چھپائی تھی۔ اشارہ تک نہیں دیا تھا مجھے۔ نہ جانے کس چکر میں الجھا رہتا ہے یہ شخص۔

"اس کے بعد۔۔ جس کام کو ہم ذرا دیر سے کرنا چاہتے [تھے] اور دوسرے انداز میں کرنے کے خواہش مند تھے اسے تم [نے] دوسرا رخ دے دیا اور ہمیں فوری طور پر ذرا سی تبدیلیاں [کرنی] پڑیں۔" انکل شہریار نے کہا۔

"چائے اور دوں؟" ڈولی نے پوچھا اور میں نے گردن [ہلا] دی۔ ڈولی میری پیالی میں چائے انڈیلنے لگی۔

"بقراط سے کب سے ملاقات نہیں ہوئی؟" میں نے اچانک [پوچھا]۔

"کس سے؟"

"میرا مطلب ہے ثاقب درانی سے!"

"اور تم اب بھی اسے بقراط ہی سمجھتی ہو!"

"کیا اس نے اب تک اپنے تصورِ عالم ہونے کا اقرار نہیں [کیا]؟"

"میں نے اس سے اس موضوع پر بات ہی نہیں کی۔"

"کب سے ملاقات نہیں ہوئی؟"

"ابھی ایک گھنٹہ قبل واپس گیا ہے۔ اس دوران یہ میرا دستِ راست بنا رہا ہے۔ گرین ہاؤس میں اسلحہ منتقل [کرنا] آسان کام نہیں تھا۔ یہ اسی کا کارنامہ ہے۔"

"اوہ۔ کیسے؟"

"اللہ جانے کس طرح اس نے اطہر رضوی کے آدمیوں کو [...]یں کر لیا۔ تقریباً بیس افراد نے یہ اسلحہ گرین ہاؤس میں بڑی [...]نشانی سے منتقل کیا اور جب فوج نے وہاں ریڈ کیا تو بقراط نے [...]ان بیس آدمیوں کو قابو میں کر رکھا تھا۔ اس نے ان میں سے [...] کو مقابلہ نہ کرنے دیا اور فوج نے آسانی سے گرین ہاؤس اور [...]یں موجود بیس افراد کو اپنی تحویل میں لے لیا۔"

میرا دل صاف ہو گیا۔ بار بار دل میں یہ خیال آیا تھا کہ بقراط [...] دوران میں مجھ سے نہیں ملا۔ لیکن اب مجھے یہ بات معلوم [...]ی تھی۔ اس نے مجھ سے ملنے کے بجائے میری رہائی کی [...]جد میں عمل شروع کر دیا تھا۔

"تو یوں آپ نے حالات کا رخ بدل دیا۔" میں پھیکے انداز [میں م]سکرا کر بولی۔

"مجرم کو سزا ملنی ہی چاہیے عالیہ بیٹے لیکن میرے خیال میں [...] نہایت جذباتی اقدام کیا تھا۔ میری اس بات کا برا نہ ماننا میں [...]ے جذبات سمجھ رہا ہوں۔ لیکن اس طرح ہماری ساری محنت [...]یں بھی مل سکتی تھی۔"

"وہ کیسے انکل؟"

"اگر اس تقریب میں لوگ تمھارے خلاف مشتعل ہو جاتے تو [...] نقصان بھی پہنچ سکتا تھا۔ خود اطہر رضوی کے آدمی انتقاماً [...]تل بھی کر سکتے تھے۔"

"تسلیم کرتی ہوں انکل۔۔۔ لیکن آپ یقین کریں اس دوران [...] جن حالات کا شکار رہی ہوں اگر وہ آپ کے علم میں آ [...] تو آپ میرے ان جذبات کو حق بجانب سمجھیں گے۔ میں اس [...]یں رہی ہوں اور اس نے اپنے اس دوشاخے بیٹے کو [...] کمرے میں بھیج دیا تھا۔ وہ مجھے بھی ان لڑکیوں کی مانند [...]کرنے پر آمادہ ہو گیا تھا۔"

"اوہ۔۔۔ پھر۔۔۔ پھر کیا ہوا؟"

"میں اسے شدید زخمی کر کے نکل آئی۔ بس اس کے قتل [...]ام رہی۔"

"خوب۔ ویسے میں یہ بات تسلیم کرتا ہوں کہ تمھارے جذبات [...]تھے۔"

"یہاں فون موجود ہے انکل؟"

"ہاں ہے۔"

"[ک]وئی حرج تو نہیں ہوگا فون کرنے میں؟"

"تم اپنا فون نمبر کسی کو نہیں دے سکتیں۔"

"اوہ۔ کیوں انکل؟"

"اس لیے کہ اس فون کا کوئی نمبر نہیں ہے۔"

"اوہ۔ میں سمجھ گئی۔ کوئی حرج نہیں ہے۔ میں ان لوگوں کو اپنے بارے میں مطمئن کرنا چاہتی ہوں بس۔"

"ضرور کر لو اور اس کے بعد آرام کرو۔ باقی گفتگو کل ہوگی۔" انکل شہریار نے کہا اور میں نے گردن ہلا دی۔ پھر میں ڈولی وغیرہ کے ساتھ باہر نکل آئی۔ میرا بیڈ روم تیار کر لیا گیا تھا لیکن فون بیڈ روم میں نہیں تھا۔ اس کے لیے مجھے دوسرے کمرے میں جانا پڑا۔ دونوں لڑکیاں مجھے فون والے کمرے میں چھوڑ کر باہر نکل گئیں اور پھر میں نے پہلے صباحت صاحب سے بات کی اور پھر انکل منور عالم کے ہاں فون کر کے انھیں اپنی خیریت سے آگاہ کیا۔ اس کے بعد آرام کرنے کے لیے اپنے کمرے میں آ گئی اور سکون کی نیند سو گئی۔

دوسرے دن نہ جانے صبح کو آنکھ کیوں نہیں کھلی تھی۔ جاگی تو دن خوب چڑھ آیا تھا۔ غالباً دس بج رہے تھے۔ باتھ روم سے فارغ ہو کر باہر نکلی تو ڈولی موجود تھی۔ "ناشتہ لگا دوں؟" اس نے پوچھا۔

"تم نے مجھے جگایا بھی نہیں ڈولی؟"

"چیف نے منع کر دیا تھا۔ کہنے لگے نہ جانے کب سے سکون کی نیند نہیں سوئی ہوگی۔ اس لیے میں نے نہیں جگایا۔"

"انکل نے ناشتہ کر لیا؟"

"ناشتہ کر کے ہی گئے ہیں۔"

"اوہ۔ کہیں گئے ہوئے ہیں؟"

"جی ہاں ثاقب صاحب آئے تھے۔"

"ثاقب درانی؟"

"جی ہاں۔"

"ان کے ساتھ گئے ہیں؟"

"جی۔" ڈولی نے جواب دیا اور میں نے گردن ہلا دی۔ بقراط سے ملاقات نہ ہونے کا مجھے افسوس تھا۔ بہرحال پھر بھی میں اس کا بھی شکریہ ادا کرنا چاہتی تھی۔

دوپہر کے کھانے پر بھی انکل شہریار موجود نہیں تھے نہ جانے آج کیا سلسلہ تھا۔ عمارت کے چاروں طرف فوجی گشت کر رہے تھے۔ رات گیارہ بجے کے قریب جب میں اپنے کمرے میں آرام کرنے آ گئی تو انکل شہریار کا بلاوا آ گیا۔

میں جلدی سے تیار ہو کر اس طرف چل پڑی جہاں انکل شہریار موجود تھے۔ نازش مجھے ایک اندرونی ہال میں لے گیا تھا۔ ہال میں

اس وقت تین افراد موجود تھے جن میں ایک انکل شہریار تھے دُوسرا بُقراط اور تیسرا ایک بوڑھا آدمی تھا جو اعلا قسم کے سُوٹ میں ملبوس تھا۔ انکل شہریار نے مُسکراتے ہُوئے میرا استقبال کیا۔ بُقراط بھی کسی قدر بدلے ہُوئے انداز میں مجھ سے مِلے۔ اس انداز میں کسی قدر تکلّف تھا۔

"ہیلو ثاقب صاحب؟"

"ہیلو مِس عالیہ۔ کیسے مزاج ہیں؟" اُس نے شائستگی سے کہا۔

"بالکل ٹھیک ہُوں ثاقب صاحب۔ آپ لوگوں کی مہربانیوں سے پھر موت کے مُنہ سے نکل آئی ہُوں۔"

"یوں لگتا ہے جیسے موت بھی آپ سے خوف زدہ ہو۔ آپ تک پہنچتی تو ہے لیکن نزدیک آنے کی ہمت نہیں کرپاتی۔ بہر حال ٹھیک ہے زندہ رہیں۔ زندگی بہت قیمتی شئے ہے۔"

"شکریہ" میں نے کہا۔ انکل شہریار مجھے ثاقب دُرّانی سے محوِ گفتگو دیکھ کر اُس شخص سے باتوں میں مصروف ہو گئے تھے جس سے اُنھوں نے میرا تعارف نہیں کرایا تھا۔ بہر حال اس کی بھی کوئی نہ کوئی وجہ ضرور ہوگی۔ میں نے اس بات پر توجہ نہیں دی تھی۔" اور سُنایے ثاقب صاحب۔ وَیسے آپ کی گہرائیاں کبھی آپ کی طرف سے بُرا اعتماد نہ ہونے دیں گی۔"

"کیوں...؟" اُس نے پُوچھا۔

"مجھے یہ نہیں بتایا گیا تھا کہ آپ انکل شہریار کے ساتھ مل کر اطہر رضوی کے خلاف کام کر رہے ہیں۔"

"اس میں کوئی بدنیتی نہیں تھی عالیہ صاحبہ۔ بلکہ یہ شہریار صاحب کی درخواست تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ کچھ کرنے کے بعد ہی آپ سے رابطہ قائم کریں۔ اسی لیے اُنھوں نے آپ سے مُلاقات بھی نہیں کی تھی۔"

"میں اتنی اہم شخصیت تو نہیں ہُوں۔"

"میرے خیال میں آپ ہیں۔"

"یہ صرف مجھے بہلانے کی باتیں ہیں۔"

"نہیں عالیہ۔ اس کا اندازہ آپ اس بات سے لگالیں کہ آپ میرے بارے میں سب کچھ جانتی ہیں جبکہ شہریار صاحب کے لیے میں ابھی تک ثاقب دُرّانی ہُوں۔" بُقراط نے کہا۔

"لیکن وہ حقیقت سے لاعلم نہ ہوں گے۔"

"اس بات کی مجھے کوئی پروا نہیں ہے۔"

"خیر چھوڑو۔ اس وقت کوئی خاص مسئلہ درپیش ہے؟"

"ہاں...!"

"بتانا پسند کروگے؟"

"نہیں بتاؤں گا تو آپ پھر بے اعتمادی کی بات کریں گی لیے اب یہ جرأت نہیں کرسکتا۔ وہ اس کونے میں دیکھیے۔ غالب نے اس طرف توجہ نہیں دی ہے۔" بُقراط نے ایک طرف اشا اور میں اُس کے اشارے کی جانب دیکھنے لگی۔ ہال کا وہ گو قدر تاریک تھا لیکن اس کے باوجود شیشے کا ایک بہت بڑا رکھا نظر آرہا تھا جس کے اندر سے کوئی سفید شئے جھلک ا

"وہ کیا ہے؟" میں نے متحیرانہ انداز میں پوچھا۔

"لاش" بُقراط نے جواب دیا۔ اسی وقت دروازہ تین فوجی افسران اندر داخل ہوگئے۔ ان میں ایک بہت بڑ شخصیت تھی جس کی میں نے تصاویر دیکھی تھیں۔ انکل شہ آنے والوں کے سامنے مؤدّب ہو گئے تھے۔ اُنھوں نے کر آنے والوں کا استقبال کیا۔

"آیے۔ بدقسمتی سے ہماری گفتگو ادھوری رہ گئی" نے کہا اور میں اس کے ساتھ آگے بڑھ گئی۔ انکل شہریار سے پہلے میرا تعارف کرایا تھا۔

"مِس عالیہ صغیر بھایانی" قابلِ احترام قومی شخصیت ہُوئے میرے سر پر ہاتھ رکھ دیا اور بولے۔

"میں اس محبِّ وطن بیٹی کو عقیدت کی نگاہ سے د اور اسے یقین دِلاتا ہُوں کہ مُلک و مِلّت کے لیے اس کی کا میں اس کے شانہ بشانہ ہُوں۔" ان الفاظ نے درحقیقت زندگی بڑھا دی تھی۔ ساری محنت کا صِلہ مل گیا تھا۔ اس ستائش اور کیا ہوسکتی تھی۔ اس سے بڑا صِلہ اور کیا مل سک چہرہ مسرّت سے سُرخ ہوگیا۔

"یہ ثاقب دُرّانی ہیں۔ میں ان کے بارے میں آپ کو بتا چکا ہُوں۔" شہریار صاحب بولے۔

"تعجب ہے۔ میں تو انھیں کوئی معمر شخصیت سمجھتا نوجوانی کی عُمر میں یہ تیور۔ کیوں میاں۔ کوئی عہدہ کیوں نہیں لیتے۔ آخر اس میں کیا حرج ہے۔"

"کوئی بین الاقوامی عہدہ ملے تو بات بنتی ہے جناب"

"افسوس۔ ہمارے ہاں ابھی تک کوئی ایسی جگہ مخصو کی گئی۔" افسرِ اعلا نے مُسکراتے ہُوئے کہا۔

"ثاقب دُرّانی نے ایک اور انکشاف کیا ہے جس کو میں آپ کے سامنے کرنا چاہتا ہُوں۔" انکل شہریار نے کہا

"وہ کیا...؟"

"میں عرض کر چکا ہُوں کہ اطہر رضوی کے رُوپ میں ایک مُجرم چھپا ہُوا تھا اور ایسے مُجرم جرائم کے نت نئے طریقے دریافت کرتے ہیں۔ ثاقب دُرّانی نے انکشاف کیا ہے کہ وہ شخص جسے چیمبر آف کامرس کے ایک رُکن کی تقریب میں قتل کیا گیا، اطہر رضوی نہیں تھا بلکہ اُس کے میک اَپ میں کوئی اور تھا جو اطہر رضوی کی نمایندگی کر رہا تھا۔" شہریار نے کہا اور میرے ذہن میں ایک بم سا پھٹا۔ انکل شہریار کہہ رہے تھے۔ "اگر یہ بات درست ہے تو اس سے اطہر رضوی کی شخصیت سے آخری پردہ بھی ہٹ چکا ہے اور اس کے بعد ہم شک و شبہات کی تمام حدود سے نکل جاتے ہیں۔"

"یہ... یہ کیسے ممکن ہے؟"

"میں نے عرض کیا ہے کہ یہ ثاقب دُرّانی کا خیال ہے اور ہم اس کی تصدیق ضروری سمجھتے ہیں۔"

"لیکن یہ خیال ثاقب صاحب کے ذہن میں کیوں پیدا ہُوا؟" یہ بات فوجی افسرِ اعلا نے براہِ راست بُقراط سے مخاطب ہوکر کہی تھی۔

"اطہر رضوی کے بارے میں اس بات کا یقین ہونے کے بعد کہ وہ بھیڑ کے رُوپ میں بھیڑیا ہے میں نے اُس کے خلاف باقاعدہ تحقیقات شروع کر دی تھی اور اس طرح میں نے اُس کے بہت سے ٹھکانوں کے بارے میں بھی معلومات حاصل کر لی تھیں۔ شہر کی تقریبًا نصف درجن عمارتیں ایسی ہیں جہاں وہ اور اُس کے ساتھی مُجرمانہ مقاصد میں مصروف رہتے ہیں۔ میں نے ان عمارتوں تک رسائی حاصل کرنے کے لیے کئی چالیں چلیں اور اس میں کافی حد تک کامیاب ہوگیا۔ اس ضرب کے بعد میرے خیال میں ان لوگوں میں افراتفری پھیل جانی چاہیے تھی۔ اطہر رضوی کے چہرے سے نقاب اُترنے اور اُس کی موت کے بعد اُنھیں بھی رُوپوش ہو جانا چاہیے لیکن وہ صرف محتاط ہو گئے ہیں اور اب بھی اپنی جگہ موجود ہیں۔ اس سلسلے میں مجھے اطلاع ملی ہے کہ اطہر رضوی نے انھیں ہدایت کی ہے کہ وہ اس کے کسی دُوسرے حکم کے منتظر رہیں۔"

"اوہ۔ اوہ۔ لیکن اس بات سے اُس کی زندگی کی تصدیق نہیں ہوتی۔"

"بے شک... لیکن کچھ اور کام بھی ہُوا ہے۔ اُس کے جُڑواں بیٹے جس جگہ زیرِ علاج تھے وہ عمارت بھی خالی پڑی ہے۔ اُنھیں وہاں سے ہٹا لیا گیا ہے۔ یہ کام اطہر رضوی بذاتِ خود ہی کرسکتا ہے کیونکہ اس بارے میں ایسے حالات میں وہ دُوسروں پر بھروسہ نہیں کرسکتا۔"

"یہ بھی کوئی آخری بات نہیں ہے ثاقب صاحب!"

"اس آخری بات کی تصدیق کے لیے میں اطہر رضوی کی لاش اُس کی قبر سے نکال لایا ہُوں۔ وہ اس کونے میں موجود ہے۔" ثاقب نے جواب دیا اور ایک بار پھر میں اُچھل پڑی۔ افسرِ اعلا بھی چونک کر اُس طرف دیکھنے لگے تھے۔ غالبًا یہی بات بُقراط مجھے بتانا چاہتا تھا۔

"کیا اس کی تصدیق ہوگئی ہے؟" افسرِ اعلا نے پوچھا۔

"ابھی نہیں جناب۔ یہ پروفیسر واحدی ہیں۔ ہر قسم کے میک اَپ کے ماہر۔ میں نے انھیں اس لیے تکلیف دی ہے کہ اپنی کوششوں سے یہ اس شُبہے کی تصدیق یا نفی کر دیں۔"

"اوہ۔ ہاں یہ واقعی ایک ٹھوس بات ہوگی لیکن کیا اطہر رضوی کی لاش آسانی سے حاصل ہوگئی؟"

"ثاقب دُرّانی اس قسم کے چٹکلوں کے ماہر ہیں۔ آج دن بھر وہ گورکن کی حیثیت سے قبریں کھودتے رہے ہیں اور موقع ملتے ہی اُنھوں نے یہ لاش قبر سے باہر نکال لی اور میرے آدمی اسے عارضی طور پر یہاں لے آئے۔"

"خوب خوب۔ تو پھر آپ اس بات کی تصدیق کریں۔ کرنل جمیل آپ بھی تو اطہر رضوی کی تدفین میں شریک تھے۔" افسرِ اعلا نے اپنے ایک ساتھی سے پوچھا۔

"جی ہاں۔" کرنل جمیل نے جواب دیا۔

"آپ نے ان کا آخری دیدار کیا تھا؟"

"جی ہاں۔"

"آپ کو اس بات کا کوئی شُبہ ہُوا؟"

"جی نہیں۔"

"بہر حال شہریار صاحب۔ میری خواہش ہے کہ آپ فورًا لاش کے چہرے سے میک اَپ اُتارنے کی کارروائی کا آغاز کریں۔ بڑا سسپنس پیدا ہوگیا ہے۔" افسرِ اعلا نے کہا اور انکل شہریار نے گردن ہلا دی۔

میرا ذہن متعدد خیالات کی آماجگاہ بن گیا تھا۔ اگر وہ واقعی اطہر رضوی نہیں ہے تو اس کا مقصد ہے کہ میری ساری محنت اس بار بھی رائگاں گئی۔ میں بلا وجہ خوش فہمیوں کا شکار ہو رہی ہُوں۔ بہر حال اس وقت یہ ساری باتیں سوچنے کا موقع نہیں تھا۔ شیشے کا تابوت ایک ٹرالی پر رکھا ہُوا تھا۔ بُقراط اُسے دھکیلتا ہُوا روشنی میں لے آیا۔ پروفیسر واحدی نے تھوڑے فاصلے پر رکھا ایک بریف کیس اُٹھا لیا تھا جسے کھول کر وہ اس میں سے

سائفن اور بوتلیں نکالنے لگا۔ تابوت کے اردگرد پہلے چند دوائیں چھڑکی گئیں پھر خاص قسم کے ماسک انکل شہریار نے سب کو تقسیم کیے۔ پروفیسر واحدی نے دستانے پہنے اور اس کے بعد لاش تابوت سے نکال کر اسٹریچر پر ڈال دی گئی۔ اس کے بعد اُس کا چہرہ کھول دیا گیا۔ اگر ماسک نہ ہوتا تو شدید تعفن ضرور محسوس ہوتا لیکن اس وقت کوئی احساس نہیں ہو رہا تھا۔ پروفیسر واحدی لاش کے چہرے پر سائفن سے پھواریں مار رہا تھا۔ کئی شیشیوں کا محلول اُس نے لاش کے چہرے پر ڈالا اور پھر اپنے کام سے فارغ ہو گیا۔ اس کے بعد اُس نے ایک ڈرائر سے لاش کے چہرے کو خشک کیا اور اس کے ساتھ ہی چہرے میں تبدیلیاں رُونما ہونے لگیں۔ پلاسٹک میک اپ کے ٹکڑے جگہ چھوڑ رہے تھے۔ پروفیسر واحدی ان ٹکڑوں کو ایک چمٹی سے نوچنے لگا۔

اور تھوڑی دیر کے بعد ایک اجنبی چہرہ سامنے تھا۔ سب کے چہروں پر عجیب سے تاثرات تھے اور پروفیسر واحدی نے لاش کا چہرہ ڈھک کر اپنا سامان سمیٹنا شروع کر دیا۔ پھر ہم سب لاش کو وہیں چھوڑ کر اس ہال سے باہر نکل آئے اور ایک دُوسرے کمرے میں جا بیٹھے۔ "اس کا مطلب ہے کہ رضوی رُوپوش ہو گیا ہے؟"

"اس کے سوا چارۂ کار ہی کیا تھا اُس کے لیے؟"

"لیکن وہ خاموش نہیں بیٹھے گا۔"

"یقیناً... لیکن کیا اس بات میں اب کوئی شُبہ ہے کہ وہ ایک خطرناک مُجرم ہے؟"

"شُبہ تو پہلے بھی نہیں تھا شہریار صاحب۔ جس بات کا انکشاف آپ نے کیا جو اس میں کسی شُبہے کی گنجائش کہاں تھی۔ بس اُس شخص نے جو طلسم قائم کر رکھا تھا اُسے توڑنے کا مسئلہ تھا۔ بہر حال اب کیا پروگرام ہے؟"

"اُس کی تلاش۔"

"چوٹ کھائے ہُوئے سانپ کی طرح وہ اور زیادہ خطرناک ہو جائے گا۔"

"بے شک لیکن اس طرح ایک بات کا اظہار ہوتا ہے کہ وہ اپنی موت کنفرم کرنا چاہتا ہے۔"

"اس کے علاوہ اور کچھ کر بھی تو نہیں سکتا۔ حالات سراسر اُس کے خلاف ہو گئے ہیں۔ اگر اسلحہ برآمد نہ ہو جاتا تو شاید اس دوران وہ کوئی عمدہ ترکیب سوچ کر خود کو دوبارہ منظرِ عام پر پیش کر دیتا لیکن اسلحہ برآمد ہونے کے بعد وہ بوکھلا گیا ہو گا۔ یہ ممکن ہے کہ اس کے بعد بھی وہ کوئی اور ترکیب کرے۔ [...] لیے ہمیں یہ بات صیغۂ راز میں رکھنی چاہیے۔"

"میں آپ سے متفق ہُوں جناب۔"

"کوئی فیصلہ کریں شہریار صاحب۔ حالات واقعی پر[...] ہیں..."

"میں اپنے ساتھیوں سے مشورہ کر کے آپ کو رپور[ٹ] کروں گا۔"

"بہتر۔ بہر حال میں ہر تعاون کے لیے تیار ہُوں۔ کسی [...] پر کوئی اُلجھن پیش آئے تو ضرور بتایئے۔"

"میں اس تعاون کے لیے شکر گزار ہُوں۔ عالیہ [...] تو اب کوئی مشکل نہیں ہے؟"

"اس کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے۔ اس قتل کی پُوری [...] میرے پاس آ گئی ہے اور میں نے اسے بند کر دیا ہے۔ ا[...] اجازت دیں۔" افسرِ اعلا کھڑے ہو گئے۔ ہم سب نے اُنھیں [...] کے صدر دروازے تک رُخصت کیا تھا۔ اُن کی کار باڈ[ی گارڈز] کی رہنمائی میں واپس چلی گئی تو ہم تینوں اندر آ گئے اور [...] کے کمرے میں جا بیٹھے۔

"میں آپ کے چہرے کے تاثرات دیکھ رہا ہُوں [...]" انکل شہریار نے مجھے دیکھ کر مُسکراتے ہُوئے کہا۔

"جی ہاں۔ میں خود کو چُغد محسوس کر رہی ہُوں۔" [...] پھیکی سی مُسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"میں کم از کم تم سے ایسی فضول بات کی توقع نہیں [...] براہِ کرم سوچنے کے انداز بدلو۔"

"نہیں انکل۔ میں کسی قسم کی حسرت کی شکار نہیں ہُو[ئی] وہ میری ایک مخلصانہ کوشش تھی۔"

"میں بھی یہی کہنا چاہتا ہُوں اور پہلے بھی کہہ چکا [...] مُجرم پہلے اپنی بچت کے لیے سارے انتظامات کر لیتا [ہے اس] کے بعد جُرم کرتا ہے اور پھر یہ جُرم تو ایک دیوانگی کا مظ[اہرہ تھا] اُس کے مرنے نہ مرنے سے تمھاری حیثیت پر کوئی حر[ف نہیں] آتا۔ یہ دیکھو کہ وہ کس طرح جال میں پھنسا ہے۔ اس کے [...] پیش کرنے کے لیے کوئی جواز نہیں ہے۔"

"شہریار صاحب کی یہ بات درست ہے مس عالیہ۔"

"میرے اُوپر کوئی قانونی پابندی تو آپ نے نہیں ر[کھی] انکل۔ اب مجھے اجازت مل جائے گی؟" میں نے پُوچھا۔

"کیا مطلب؟"

"اطہر رضوی کی سب سے بڑی دُشمن اِس وقت میں ہُوں [...]یں منظرِ عام پر آ کر اُسے انتقام لینے کا موقع دُوں گی۔ اِس طرح [مم]کن ہے میری اور اُس کی مڈبھیڑ ہو جائے۔ میں اُسے قتل کرنا [چ]اہتی ہُوں یا خود مر جانا چاہتی ہُوں۔"

"پھر وہی جذباتی باتیں۔ اگر یہ اسکیم کسی طور بہتر ہوتی تو ہم [خ]ود اس پر عمل کرتے۔ کیوں ثاقب تمھارا کیا خیال ہے۔ اگر ہم عالیہ [ک]و یہ آزادی دے کر اس کا تعاقب کریں تو کیا اس بات کا امکان [...]ہے کہ اطہر رضوی پر ہاتھ ڈال سکیں؟"

"ناممکن ہے۔ اطہر رضوی کو اپنی خطرناک پوزیشن کا احساس [...]ہے۔ اس وقت وہ کسی طور منظرِ عام پر نہیں آئے گا۔ یہ ممکن ہے [کہ] اُس کے کرائے کے ساتھی عالیہ صاحبہ کو ٹھکانے لگانے کی [ک]وشش کریں۔"

"میں بھی یہی کہنا چاہتا ہُوں۔ عالیہ ہم لوگ ایک ٹیم کی [ح]یثیت رکھتے ہیں کیا تم اس طور ہمارا تعاون قبول نہیں کرتیں؟"

"کیوں نہیں انکل۔"

"تو پھر انفرادی طور پر کیوں کچھ کرنا چاہتی ہو؟"

"میں آپ کی اجازت اور مشورے کے بغیر کوئی کام نہیں کروں گی انکل۔" میں نے کہا۔

"تب پھر ہم کام کر رہے ہیں۔ تم فی الحال صرف آرام کرو۔ جس وقت تمھاری ضرورت ہو گی تمھیں منظرِ عام پر لایا جائے گا۔"

"او۔ کے انکل۔" میں نے گہری سانس لے کر جواب دیا۔

"تو ثاقب صاحب۔ آپ لاش کو اُس کی جگہ پہنچانے کا بندوبست کریں۔"

"بہتر۔ میں اجازت چاہتا ہُوں۔" بُقراط نے کہا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

"اب تم بھی آرام کرو عالیہ۔ رات کافی جا چکی ہے۔" انکل شہریار نے کہا اور میں بھی گردن ہلا کر اُٹھ گئی۔ نہ جانے کیوں طبیعت کسی قدر مضمحل ہو گئی تھی۔ میں اپنی خواب گاہ میں آ کر لیٹ گئی اور ذہن پر طاری بوجھ کو جھٹک کر سونے کی کوشش کرنے لگی۔

دُوسری صبح ناشتے کی میز پر انکل شہریار موجود نہ تھے، ہاں جناب بُقراط تشریف رکھتے تھے۔

"رات کو کس وقت واپسی ہُوئی تھی؟" میں نے پُوچھا۔

"بس لاش کو واپس قبر میں دفنانے کے بعد چلا آیا تھا۔ آپ سو چکی تھیں۔"

"تنہا گئے تھے؟"

"نہیں۔ نازش وغیرہ بھی میرے ساتھ تھے۔ کوئی دِقت تو نہیں ہُوئی۔" بُقراط نے جواب دیا۔

"اب انکل شہریار کہاں ہیں؟"

"مجھے نہیں معلوم۔ وہ میرے جاگنے سے قبل جا چکے تھے۔"

"اچھا یہ بتاؤ بُقراط۔ انکل کے استعفے کا کیا ہُوا؟"

"منظور ہی نہیں کیا گیا تھا۔"

"اوہ۔ گویا وہ اب بھی اپنے عہدے پر ہیں؟"

"ہاں۔ میرے خیال میں حکومت کسی طور اُنھیں اپنے ہاتھ سے نہیں نکلنے دے گی۔ وہ مُلک کے لیے بہترین خدمات انجام دے چکے ہیں۔"

"تم یہ عہدہ کیوں نہیں قبول کر لیتے بُقراط؟"

"میرا فلسفہ اس کی اجازت نہیں دیتا۔"

"ہاں۔ ہاں میں سُن چکی ہُوں۔ اس میں بھی بس بُقراطیت کارفرما ہے۔ ورنہ... تمھارے کام میں آسانیاں فراہم ہو سکتی ہیں..."

"مجھے اب بھی کون سی مشکلات درپیش ہیں۔ ہر کام ہو جاتا ہے میرا... اور اب کیا ساری زندگی ان ہی فضول کاموں میں گزاروں گا۔ کوئی ڈھنگ کا کام کروں گا۔"

"مثلاً...؟" میں نے مُسکرا کر پوچھا۔

"بہت سے کام ہیں۔ تہوّر عالم صاحب خود کو بہت بڑا صنعت کار سمجھتے ہیں۔ اُن کا خیال ہے دولت پیدا کرنے کی صلاحیت اُن کے سوا کسی میں نہیں ہے۔ میں اُن کا یہ بُت توڑ کر دکھاؤں گا۔ فی الحال سبزی منڈی کے ٹھیکے لینے کا ارادہ ہے اس کے بعد کچھ اور کاروبار کروں گا۔"

"واہ... عمدہ کاروبار ہے۔ شادی نہیں کرو گے؟"

"ہُوں۔ میری تم سے کیا دُشمنی ہے عالیہ۔ میں تو ہمیشہ تمھاری بہتری کے لیے سوچتا ہُوں لیکن تم...؟" بُقراط بھڑک کر بولا اور میں آنکھیں بند کر کے تھکے تھکے انداز میں ہنسنے لگی۔

"ویسے بُقراط۔ اس سلسلے میں تم نے واقعی میری بہت مدد کی ہے لیکن تم بے حد گہرے آدمی ہو۔ کسی بات کی ہَوا بھی نہیں لگنے دیتے۔"

"اُستادِ اعظم افلاطون کا کہنا ہے کہ ہَوا لگنے سے چیزیں سڑ جاتی ہیں۔"

"تو چاہے اس بات کو مذاق میں اُڑا دو لیکن میں تمھاری بے حد شکر گزار ہُوں۔"

"ان فضول باتوں کے علاوہ اور کوئی بات نہیں ہے تمہارے ذہن میں؟"

"جو کچھ بھی سمجھو۔"

"دیکھو عالیہ۔ میں اس قسم کا انسان نہیں ہوں۔ براہ کرم ایسی کوئی کوشش نہ کرو۔ تم اس میں زندگی بھر کامیاب نہیں ہو سکوگی؟" بقراط نے انتہائی سنجیدگی سے کہا۔ میں ہنستی رہی اور بقراط چڑ سا گیا۔ "تم لڑکیاں صرف ایک ہی راستے کی مسافر ہوتی ہو۔ خواہ افلاطون ہی کیوں نہ بن جاؤ لیکن رہوگی وہی کی وہی۔"

"کیا...؟" میں نے مسکرا کر پوچھا۔

"عورت... صرف عورت۔ جس راستے سے بھی مرد کے نزدیک پہنچو۔ اس کی منزل ایک ہی ہوتی ہے۔" اس نے نہایت سنجیدگی سے کہا اور میں چونک پڑی۔

"میں نے تمہارے لیے جو کچھ کیا ہے۔ صرف اس اعتراف کے طور پر کیا ہے کہ تمہارے جذبے سچے تھے اور میں تمہیں ایک ٹھوس کردار کی مالک لڑکی سمجھتا تھا۔" وہ سرد لہجے میں بولا۔

"کیا تم واقعی مذاق کر رہے ہو بقراط؟"

"نہیں۔ ایک حقیقت بیان کر رہا ہوں۔ عورت کی اسی فطرت کی وجہ سے مجھے گھن آنے لگتی ہے۔ تم یقین کرو عالیہ۔ تمہاری دوسری شکل میرے لیے قابل احترام تھی اور اسی احترام نے مجھے اس دن اس حد تک متاثر کیا تھا کہ میں تمہیں برا بھلا کہنے پر مجبور ہو گیا تھا۔ وہ احترام، وہ جذبہ ایک سچے انسان کے لیے تھا تمہارے لیے نہیں عالیہ اور تم اس سے غلط فہمی کا شکار ہو گئیں۔"

"کیسی غلط فہمی؟" اب میں بھی سنجیدہ ہو گئی۔ بقراط کی گفتگو کچھ عجیب سی تھی۔

"دیکھو عالیہ۔ تم اس سلسلے میں کبھی مجھے متاثر نہیں کر سکو گی۔ تم کیا سمجھتی ہو۔ زندگی میں مجھے عورت کا قرب نہیں ملا۔ یورپ کی زندگی میں بڑے بڑے امرا کی بیٹیاں میری زندگی میں داخل ہوئیں لیکن مجھے عورت نے کبھی متاثر نہیں کیا۔ میں کہتا ہوں کہ وہ بھی مرد کی ہم پلہ مخلوق ہے۔ زندگی کے ہر شعبے میں اس کی شمولیت برابری کی بنیاد پر قبول کی گئی ہے۔ کیا وہ ایک دوست کی حیثیت سے نہیں گزار سکتی؟ یا پھر اس کی وابستگی کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس کی دلداری بھی کی جائے؟"

"تب ایک اچھی شخصیت اور عمدہ صلاحیتوں کے مالک ہوتے ہوئے بھی اس سلسلے میں آپ قطعی جاہل ہیں؟"

"ہاں۔ میں عورت کے معاملے میں جاہل ہوں۔ عالیہ صاحبہ آپ کیا سمجھتی ہیں میں بے وقوف ہوں۔ اپنے خاندان سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ میں ان لوگوں سے دور رہنا چاہتا ہوں۔ یہ ہے۔ میں نے خاندان سے دوری اس لیے اختیار کی کہ اس جاہلانہ رسوم سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ تہور عالم صاحب مجھے اس شکل میں برداشت کرنے کے لیے تیار ہیں کہ میں ان کی خواہش پوری کر دوں اور فرزانہ سے شادی کر لوں۔ منور صاحب میرے گہرے دوست ہیں۔ اگر میں ان کا داماد بن جاؤں۔ میں کہتا ہوں محبت اگر ان جذبوں میں بٹی ہوئی ہے تو اسے محبت کے بجائے ضرورت کیوں نہیں کہا جاتا۔ نفظوں میں حقیقتیں کیوں پوشیدہ کی جاتی ہیں۔ میں اپنی فطرت کا مالک ہوں۔ نفرت ہے مجھے اس گھریلو ماحول سے جہاں ایک بیوی پلی ہوئی ہو۔ چند بچے کلبلا رہے ہوں۔ دل چاہے نہ چاہے خاتون کی دلجوئی کرو، ناز برداری کرو۔ بھئی..."

"آپ اپنے خیالات میں حق بجانب ہیں لیکن یہ باتیں مجھ سے کیوں کر رہے ہیں؟"

"اس لیے کہ آپ نے سارا تصور خاک میں ملا دیا ہے"

"وہ کیسے؟"

"میں نے سوچا تھا کہ آپ ان ساری کثافتوں سے دور دوست کی شکل میں صرف ایک دوست ہیں لیکن آپ نے ثابت کر دیا کہ آپ بھی عورت ہیں اور ارمان کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتیں۔"

"میری کس بات سے تم نے یہ اندازہ قائم کیا؟" مجھے غصہ آ گیا۔

"تم یہ عہدہ کیوں نہیں قبول کر لیتے بقراط۔ ظاہر ہے تم ایک معمولی انسان کی بیوی کیسے بن سکتی ہو؟" وہ بولا۔

"کیا تم پر کوئی دورہ پڑا ہے۔ کیا تم پاگل ہو گئے ہو؟"

"شادی نہیں کرو گے تم؟" وہ سخت طنزیہ انداز میں بولا۔ "یہ اشارہ میں نے کیا تھا؟" وہ آنکھیں نکال کر بولا۔

"تم کمینگی کی حدود میں داخل ہو گئے ہو بقراط۔" میں اٹھ کھڑی ہو گئی۔

"تم بے حد گھبرے آدمی ہو۔ کسی بات کی ہوا بھی نہیں دیتے۔ میں آپ سے عرض کرتا۔" جانِ من! تمہارے بغیر زندگی ہے۔ دیکھو لو میں تمہارے لیے تارے توڑ لایا ہوں۔ اطہر رضوی نے میں جل چکا ہے۔ اب ہماری راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے

ہم افق کے اس پار چل کر...؟

"بکواس مت کرو۔ میں تمہاری صورت پر لعنت بھیجتی ہوں"

"انگور کھٹے نکلے نا؟ بتا دینا اپنی دوستوں کو کہ تصور نے مجھے بھی ٹھکرا دیا۔ میں ان چھچھوری باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتا۔"

"کن دوستوں کی بات کر رہے ہو تم؟" میرا سینہ غصے کے مارے دھونکنی بنا ہوا تھا۔

"افشاں، شمس اور فرزانہ کی بات کر رہا ہوں۔"

"مطلب؟"

"ان سے پوچھ لینا یا انھیں بتا دینا۔ تم میری نگاہ میں اب بے وقعت ہو گئی ہو۔ میں اب تمہارے پاس نہ رک سکوں گا۔" وہ اٹھا اور پاؤں پٹختا ہوا باہر نکل گیا۔

میرے سارے وجود پر کپکپی طاری تھی۔ اتنا عمدہ انسان اور اس قدر کمینہ۔ بے شک میں نے یہ چند الفاظ اس سے کہے تھے لیکن ان کا یہ مقصد ہرگز نہیں تھا جو اس نے تصور کر لیا تھا۔ میں اس سے یہ کہہ کر خوش نہیں تھی لیکن میرے دل کے کسی گوشے میں اس کے لیے یہ تصور موجود نہیں تھا۔

★★

رات کا کھانا میں نے صرف سوپ کی حد تک رکھا۔ اس کے بعد انکل نے اجازت مانگ لی۔ "پورے شہر اور ایسی تمام ضروری جگہوں کی نگرانی ہو رہی ہے۔ جہاں اس کی موجودگی کے امکانات ہو سکتے ہیں۔ ابھی اس کے ٹھکانوں پر چھاپے مارنے کی مہم شروع نہیں ہوئی ہے لیکن وہاں ہر جگہ خفیہ فورس لگی ہوئی ہے۔ ہم نے اس آپریشن کے لیے ایک عارضی ہیڈ کوارٹر بنایا ہوا ہے۔ آج رات میں وہاں رہوں گا۔"

"او کے انکل۔"

انکل شہریار کے جانے کے بعد میں نازش وغیرہ سے گفتگو کرنے بیٹھ گئی۔ یہ تمام لوگ اس سلسلے میں شریک نہیں کیے گئے تھے۔ شیرازی نے سامنے رکھا ٹیلی ویژن سیٹ کھول دیا جس پر نشریات آ رہے تھے۔ خبریں ختم ہو گئی تھیں۔ دفعتاً پروگرام بند ہو گیا اور چند ساعت اسکرین سفید رہا پھر اس کے بعد دوبارہ تصویر آ گئی لیکن اسکرین پر جو تصویر ابھری اسے دیکھ کر ہم سب بے خود رہ گئے۔

یہ اطہر رضوی تھا۔ چاق و چوبند اور خوش و خرم۔ "اہل شہر!" اس کی آواز ابھری۔ "میرا نام اطہر رضوی ہے۔ آپ لوگ مجھے بخوبی جانتے ہوں گے۔ اس ملک میں، اس شہر میں، میں نے آپ لوگوں کی بہت خدمت انجام دی ہے۔ اسپتال، زچہ خانے، یتیم خانے بے شمار رفاہی کام کیے ہیں میں نے اور اپنی دولت کا تین تہائی حصہ میں نے آپ لوگوں پر خرچ کیا ہے۔ میں آپ سب کے لیے دل میں ہمدردی رکھتا تھا لیکن میں نے آپ سب کی زندگی کے لیے اتنے کام کیے اور آپ لوگ میری صرف ایک کمزوری برداشت نہیں کر سکے۔ میں قدرت کی ستم ظریفی کا شکار تھا۔ یہ تصویر دیکھیں۔" اس نے ایک تصویر کیمرے کے سامنے کر دی۔ یہ نادر اور تنویر کی تصویر تھی۔ اس منحوس دو شاخے کی۔ "یہ میرے بیٹے ہیں۔ اولاد کا بے پناہ آرزومند تھا میں۔ قدرت نے مجھے اولاد دی لیکن یہ۔ ڈاکٹروں نے مجھے بتایا کہ انھیں الگ کرنے کی کوشش ان کی زندگی کے لیے خطرناک ہوگی۔ اس لیے میں انھیں الگ نہ کرا سکا۔ یہ بچے ایک جنون کا شکار ہیں۔ ہم اس جنون کو کسی خاص نام سے منسوب نہیں کر سکتے اور اس کا کوئی علاج ممکن نہیں ہے... اگر ایسا ممکن ہوتا تو میری فطرت مجھے کبھی درندگی کی اجازت نہ دیتی۔ ہاں مجھے اعتراف ہے... کہ اس کی وجہ سے میں چند زندگیوں کا قاتل بنا لیکن لوگو... میں نے تمہاری زندگی کے لیے خود کو تن من دھن سے وقف کر دیا۔ اگر میں نے اپنی زندگی کے لیے چند زندگیاں حاصل کریں تو میں اسے جائز سمجھتا ہوں۔ سڑکوں پر حادثے ہوتے ہیں اور لوگ مر جاتے ہیں۔ عمارتیں گر پڑتی ہیں۔ بجلی کا کرنٹ لگنے سے اموات ہوتی ہیں۔ بارش سے تباہی پھیلتی ہے۔ سیلاب آتے ہیں۔ وبائیں پھیل جاتی ہیں۔ موت کی اتنی شکلیں ہیں کہ ان کی تعداد بتانی مشکل ہے۔ کیا تم ان تمام لوگوں کو سزا دیتے ہو۔ اگر میں نے اپنی خدمات کے صلے میں چند لڑکیاں موت کے گھاٹ اتار دیں تو کون سی قیامت آ گئی۔ میں عام لوگوں کی بات نہیں کرتا لیکن میرے خیال میں اراکین حکومت کو میری مدد کرنی چاہیے تھی۔ یہ راز ظاہر ہونے کے بعد انھیں اس کی پردہ پوشی کرنی چاہیے تھی لیکن محکمہ خصوصی کے ایک شخص نے میرے خلاف زبردست تیاریاں کیں اور بالآخر اپنی دانست میں وہ مجھے تباہ کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کی خاص آلۂ کار ایک احمق لڑکی عالیہ صغیر ہے جس نے میرے ہاتھوں سے بچ کر مجھے زندہ جلا ڈالا لیکن میں اتنا احمق نہیں ہوں۔ حالات کا اندازہ ہونے کے بعد بالآخر میں نے اپنی حفاظت کا بندوبست بھی کیا اور چند لوگوں کو منتخب کر کے میک اپ کے ذریعے انھیں اپنا ہم شکل بنا دیا۔ یہی افراد مختلف تقاریب میں میری نمائندگی کرتے تھے اور ایسا ہی ایک شخص عالیہ کے ہاتھوں مارا گیا اور میری موت کا یقین ہوتے ہی بلی تھیلے سے باہر آ گئی۔ میرے دشمن نے میری ایک کوٹھی

سے اسلحہ برآمد کر کے مجھے مُلک دشمن اور سازشی قرار دیا۔ اس کے خیال میں اب اس بات کی تردید کرنے والا کون تھا۔ بہرحال مجھے جو کچھ کہا اور سمجھا جا رہا ہے مجھے اس سے کوئی غرض کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ میں ان ناسپاس اور ناشکر گزار لوگوں کے لیے دل میں اب کوئی ہمدردی نہیں رکھتا۔ میں اُن سب سے بدترین انتقام لُوں گا۔ آنے والا وقت دیکھے گا کہ میں نے انھیں کس طرح خُون کے آنسو رُلائے۔ میں مُجرم نہیں ہُوں بنا دیا گیا ہُوں۔ عالیہ صغیر بھایانی نے میرے ساتھی کو قتل کر دیا... اور میرے بیٹے کو زخمی کر دیا ہے۔ میں اُسے مطلع کرتا ہُوں کہ اطہر رضوی اُس کی اس حرکت کا ایسا انتقام لے گا کہ زمانہ یاد رکھے گا۔ عالیہ صغیر بھایانی۔ اس وقت میں یہ مُلک چھوڑ رہا ہُوں۔ لیکن تُو کسی بھی وقت اپنے بدترین انجام کی منتظر رہ۔ یہ اطہر رضوی کا عزم ہے۔"

"شہر کے لوگو! میں نے ایک سچّے جذبے سے تمھارے لیے اپنی دولت لُٹائی لیکن میں بے وقوف نہیں ہُوں۔ جو بنایا ہے وہ مٹا بھی سکتا ہُوں اور میں دشمنوں کے اس مُلک میں تمھارے لیے وہ کچھ نہیں چھوڑ جاؤں گا جس سے تم فائدہ اُٹھاتے رہو۔ ہاں۔ میں تمھارے لیے ایک ایسے انتقام کا احساس ضرور چھوڑ جاؤں گا جس پر لاکھوں گھرانے خون کے آنسو روتے رہیں گے۔ بس۔ اس سے زیادہ میں کچھ نہیں کہوں گا۔"

اور اس کے بعد اسکرین پھر سفید ہو گیا۔ ہم سب پاگلوں کی طرح ایک دُوسرے کی صُورتیں دیکھ رہے تھے۔

بہت دُور کہیں ایک خوفناک دھماکا ہُوا اور ہم اُچھل پڑے۔ نازش اُچھل کر باہر بھاگا تھا۔ دھماکے کی دُوسری آواز اُبھری تھی۔ میں بھی کھڑی ہو گئی لیکن زمین پر ایک عجیب سی دُھند سی چھاتی جا رہی تھی۔ تب میں نے شیرازی سے پُوچھا۔

"یہ عمارت شہر سے کتنی دُور ہے؟"

"تقریباً بارہ میل دُور ہے۔" شیرازی بولا۔

"اوہ اس طرح ان دھماکوں کی شدّت کا اندازہ ہوتا ہے۔"

"لیکن وہ ٹیلی ویژن پر کس طرح پہنچ گیا؟"

"خدا جانے۔"

"آؤ شہر چلیں... آؤ۔" میں نے کہا اور ہم سب باہر لپکے لیکن صدر دروازے کے باہر مسلّح سپاہی کھڑے ہُوئے تھے۔ اُن کے انچارج نے معذرت کرتے ہُوئے کہا۔

"اس رات کے لیے ہمیں خاص طور سے ہدایات ہیں کہ پہرہ سخت رہے۔ براہِ کرم آپ لوگ اندر آرام کریں۔ ہم آپ کو باہر جانے کی اجازت نہیں دے سکتے۔ نازش بھی شاید باہر جا[illegible] کے لیے لپکا تھا لیکن اُسے بھی اجازت نہیں دی گئی اور ہم وا[illegible] آ گئے...

لیکن اُس رات نیند کسے آئی تھی۔ اطہر رضوی کی دھمکی [illegible] مجھ پر کوئی اثر نہ ہُوا تھا لیکن وہ دھماکے...

صبح چار بجے اَنکل شہر یار صرف میری وجہ سے تھوڑی [illegible] کے لیے آئے تھے۔ اُن کے ہونٹوں پر پھیکی سی مُسکراہٹ تھ[illegible]

"کیا تم لوگ حالات سے باخبر ہو؟"

"اطہر رضوی کی تقریر اور ان دھماکوں کی حد تک۔ وہ د[illegible] کیسے تھے اَنکل؟" میں نے پُوچھا۔

"عالیہ... اس ماسٹر برین کو داد دو۔ پُوجا کر و اس کی کہ [illegible] نے اس وقت کچھ جادوئی کارنامے دکھائے ہیں۔ میں اسے [illegible] ہی کہوں گا۔ جانتی ہو اس وقت شہر کی تقریباً پندرہ عمار[illegible] میں شدید آگ لگی ہُوئی ہے۔ ان تمام عمارتوں کے چیتھڑ[illegible] اُڑ چکے ہیں۔ یہ عمارتیں، یتیم خانے، اسپتال اور وہ رفاہی اد[illegible] تھے جو اطہر رضوی نے تعمیر کرائے تھے۔"

میرا دل جیسے کسی نے مُٹھی میں جکڑ لیا تھا۔ میں نے [illegible] لہجے میں پوچھا۔ "یہ دھماکے کس نے کیے؟"

"اطہر رضوی نے۔ غالباً اُس نے یہ سازش بہت پ[illegible] تیار کر لی تھی اور وہاں ریڈیو کنٹرول بم رکھ دیے تھے۔ کہیں [illegible] بیٹھ کر اُس نے یہ بم بلاسٹ کر دیے۔"

"اور وہاں موجود انسان؟"

"ماسٹر برین۔ دن کو دس بجے ایک خصوصی فوجی آپریشن [illegible] ہُوا تھا۔ کسی نے میری آواز میں فوجی حکام سے درخواست کی کہ ان اداروں میں موجود لوگوں کو گرفتار کر لیا جائے اور فوج [illegible] میں آ گئی۔ ان تمام اداروں، اسپتالوں سے ایک ایک آدم[illegible] شام چار بجے تک اُٹھا لیا گیا۔ کسی بھی عمارت میں کسی زندہ ا[illegible] کو نہیں چھوڑا گیا تھا۔ یہاں تک کہ رضوی کے سینی ٹوریم [illegible] ایک بھی مریض یا ڈاکٹر نہیں رہا تھا۔ یتیم خانوں سے بچوں ا[illegible] کے اسٹاف کو بھی گرفتار کر لیا گیا تھا اور فوجی کیمپ کے ا[illegible] احاطے میں اس وقت عجیب ہڑبونگ مچی ہُوئی ہے۔ سینک[illegible] افراد وہاں قیدیوں کی حیثیت سے موجود ہیں لیکن وہ قی[illegible] نہیں ہیں۔ اُن کی جان بچانے کے لیے یہ کارروائی کی گئی [illegible]

"وہ ماسٹر برین میرا مطلب ہے یہ سب کچھ؟" میں نے [illegible] ہُوئے لہجے میں پوچھا۔

"ثاقب دُرّانی۔ صرف ثاقب دُرّانی۔" اَنکل شہر یار [illegible] جواب دیا۔

کھلے سمندر میں گشت کرنے والے دو جنگی جہازو[ں] نے رات کے آخری پہر کسی آبدوز کے سگنل موصو[ل] کیے تھے۔ جہاز کے کپتان نے فوری کارروائیاں شروع کیں لیکن آبدوز اُن کی رینج سے دُور نکل گئی۔ اس کے بعد جنگی جہازوں نے دُور دُور تک چھان مارا لیکن آبدوز کو کہیں نہ پا سکے۔ بحری ہیڈ کوارٹر کو اطلاع دی گئی اور وہاں شدّت سے چھان بین ہونے لگی۔ کڑیاں ملتی گئیں۔ پتہ چلا کہ یہ آبدوز ایک ویران ساحل سے چلی تھی... اور شاید بہت پہلے سے یہاں موجود تھی کیونکہ بحری محافظ کبھی اس قدر غافل نہیں رہے تھے کہ کوئی آبدوز کہیں باہر سے کسی خفیہ مشن پر آتی اور وہ اس سے لاعلم رہتے۔ پچھلے کئی ماہ سے ایسی کوئی رپورٹ نہیں ملی تھی۔

انٹیلی جنس حرکت میں آ گئی اور کڑیاں ملتی چلی گئیں۔ چھوٹی آبدوز اسی مُلک میں تیار ہُوئی تھی۔ اس کی تیاری کے لیے اطہر رضوی نے سرمایہ فراہم کیا تھا۔ کئی بار بیرونی ممالک کے ماہرین خفیہ طور پر اس کے معائنے کے لیے آئے تھے۔ صرف بیس دن قبل اطہر رضوی کی طرف سے احکامات ملے تھے کہ اُس کا آخری کام دن رات محنت کر کے مکمل کر لیا جائے اور صرف ایک ہفتہ قبل اُس نے غوطہ خوری کا آخری تجربہ کیا تھا۔

یہ ساری باتیں مجھے نازش نے بتائی تھیں۔ اس کے بیان کے مطابق اطہر رضوی اپنے دونوں بیٹوں کے ساتھ اس آبدوز کے ذریعے مُلک سے باہر چلا گیا۔ وہ اپنے ساتھ اپنے خاص معاونین کو بھی لے گیا تھا۔

میرا قیام ابھی تک اُسی فوجی آرام گاہ میں تھا۔ خود میرا دل بھی وہاں سے جانے کو نہیں چاہتا تھا۔ اندرونی کیفیت کا اظہار الفاظ میں ممکن نہیں ہے۔ دل میں ایک بے نام سی کسک تھی۔ خود میں اس کیفیت کا مفہوم نہیں جان سکی تھی۔ شاید یہ سب کچھ ہونے کے بعد کچھ نہ ہونا ہو۔ مقصد تو صرف یہ تھا کہ اس عفریت کا خاتمہ ہو جائے جو ہمارے مُلک کی معصوم لڑکیوں کا قاتل تھا۔ اس عفریت کا پُشت پناہ دوسرا عفریت تھا جسے ناقابلِ تسخیر سمجھا جاتا تھا لیکن میری کوششوں سے اطہر رضوی پر عرصۂ حیات تنگ ہو گیا تھا اور اُسے یہ مُلک چھوڑ کر بھاگنا پڑا تھا۔

پھر ایک شام اَنکل شہر یار میرے پاس آئے۔ اُن کے چہرے سے اطمینان مترشح تھا۔ بڑی گرم جوشی سے مجھ سے ملے اور شفقت بھرے انداز میں بولے۔ "تو تم نے اطہر رضوی کے تناور درخت کو بالآخر اُکھاڑ ہی پھینکا۔ اب میں تمھاری توجہ ایک اور مُلکی و قومی ضرورت کی طرف دلانا چاہتا ہُوں۔"

"میں نہیں سمجھی۔"

"دیکھو عالیہ! مُلکوں کی بقا کا انحصار محبِ وطن افراد پر ہی ہوتا ہے اور اگر اس چاہت کی سچائی کی تلاش ہو تو صرف افواج پر نگاہ جاتی ہے۔ سخت کڑے امتحان میں متاعِ حیات وطن پر نچھاور کر دینے والے یہ لوگ ہر اُس وطن پرست سے محبت کرتے ہیں جو سچّے جذبوں کے ساتھ وطن سے پیار کرتا ہو۔ فوجی حکام تم سے بہت متاثر ہیں۔ دراصل تمھارے بارے میں انھیں پُوری تفصیل مہیا کی جا چکی ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ مالی حالات مضبوط ہونے کے باوجود تم ایک عام سی زندگی گزار رہی ہو اور تمھاری آخری کوشش تو تمھارے تمام تر جذبوں کا سب سے بڑا ثبوت تھا۔ بس پرکھنے والی نگاہوں نے تمھارے اس قابلِ تحسین جذبے کو پرکھ لیا اور ایسے گوہرِ نایاب کی جستجو میں کون نہیں ہوتا۔"

"اُفوہ۔ اَنکل آپ نے تو مجھے نہ جانے کیا سے کیا بنا دیا۔ اب میں نے کوئی ایسا کام بھی نہیں کیا ہے جس کی اس قدر پذیرائی کی جائے۔"

"یہ فیصلہ دوسروں کو کرنے دو عالیہ۔" اَنکل شہر یار بولے۔

"بہرحال اَنکل۔ آپ اگر مجھے کسی قابل سمجھتے ہیں تو فیصلے کا اختیار بھی آپ ہی کو ہے، بھلا میں آپ کے کسی حکم سے انحراف کر سکتی ہُوں۔"

"سوچ لو عالیہ۔ اس بے پناہ جدّوجہد کے بعد طویل عرصہ آرام کرنے کی خواہاں تو نہیں ہو؟ اگر ایسی بات ہے تو مجھے بتا دو۔"

"پھر وہی کہوں گی اَنکل کہ میں نے کیا ہی کیا ہے، سب کچھ تو آپ ہی کرتے رہے ہیں۔ آپ لوگوں نے مجھے تو بلاوجہ ہی اتنی اہمیت دے دی ہے بہرحال میں بالکل آرام کرنا نہیں چاہتی۔ آپ مجھے جو بھی خدمت سونپیں گے میں اُسے بخوبی انجام دُوں گی۔"

"انتہائی پُرمسرّت بات ہے۔ اب میں تمھیں یہ بتاؤں گا کہ سفید تحریک کو فوجی حکام نے اپنی سرپرستی میں لے لیا ہے۔ بظاہر یہ ایک سماج سدھار اور ملکی معاملات پر نگاہ رکھنے والی انجمن ہو گی جسے پولیس کا تعاون حاصل ہے لیکن درحقیقت یہ ایک فوجی تنظیم ہو گی جس کا تعلق ملٹری سیکریٹ سروس سے براہِ راست ہو گا۔ تم اس انجمن کی سربراہ ہو گی۔ بولو منظور ہے؟"

"میرے فرائض کیا ہوں گے؟"

"مُلکی معاملات میں مُلک کے مفاد کی خاطر جہاں بھی تمھاری ضرورت پیش آئے گی، وہاں تمھیں آگے بڑھنا ہو گا۔ بیرونِ مما[لک]

جاکر ملک کے مفادات کا تحفظ کرنا ہوگا۔"

"کیا آپ کے خیال میں میں یہ سب کچھ کرسکوں گی؟"

"ہاں، مجھے تمھاری صلاحیتوں پر اعتماد ہے۔ تمھیں براہِ راست کسی اُلجھن میں نہیں ڈالا جائے گا بلکہ ملٹری سیکریٹ سروس کا "او" ڈیپارٹمنٹ ساری پلاننگ کرے گا اور پھر تمھارے مشورے سے اُسے پایۂ تکمیل تک پہنچایا جائے گا۔"

"اگر آپ کو اعتماد ہے انکل تو مُلکی مفاد کے لیے جو خدمت بھی میرے سپرد کی جائے گی، میں اُسے اپنی خوش نصیبی سمجھوں گی۔"

"شکریہ عالیہ۔ ویسے یہ سُن کر تمھیں خوشی ہوگی کہ میں تمھاری طرف سے اس کی منظوری دے چکا ہوں۔"

"اس اعتماد کا شکریہ انکل۔"

"اچھا بھئی یہ گفتگو تو ہوگئی۔ اب یہ بتاؤ اطہر رضوی کیس کے بارے میں کیا رائے ہے؟ اس سلسلے میں مزید کوئی قدم اُٹھانے کی ضرورت ہے؟"

"مثلاً...؟" میں نے پوچھا۔

"کوئی اور ایسی شخصیت جو اس سلسلے میں ملوث ہو، تم اس کی نشاندہی کرسکتی ہو؟"

"نہیں اب ایسا کوئی باقی ہی نہیں بچا ہے اور ہاں آج کل ثاقب دُرّانی نظر نہیں آرہے ہیں انکل؟"

"وہ شخص ہمارے بس کی بات نہیں ہے۔" انکل شہریار نے گہری سانس لے کر جواب دیا۔ اُن کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔

"میں سمجھی نہیں انکل؟"

"آزاد فطرت کا انسان ہے۔ جو کچھ اُس نے کیا ہے وہ قابلِ تحسین ہے اور یہ حقیقت ہے کہ اُس نے بہت سی معصوم زندگیاں بچا کر قوم پر احسان کیا ہے لیکن اس کے بعد سے وہ لاپتہ ہے، ہاں ایک بار اُس نے ٹیلی فون کیا تھا جو میری عدم موجودگی میں ریکارڈ کیا گیا تھا۔"

"کوئی خاص بات کہی تھی اُس نے؟"

"...چھوڑو اس ذکر کو۔ مجھے اچھے لوگ پسند ضرور ہیں لیکن میں اُن کا بیمار نہیں ہوں۔ اب تم آرام کرو۔ ہاں مجھے بھی عابدہ لاج آنے کی اجازت ملنی چاہیے۔ ابھی تک میں نے تمھاری وہ نئی عمارت نہیں دیکھی۔"

"ضرور دعوت دوں گی انکل۔ کیا اب مجھے یہاں سے جانے کی اجازت ہے؟"

"ہاں اب کوئی حرج نہیں ہے۔ جب اپنے آپ کو ہلکا پھلکا محسوس کرو تو مجھے بتا دینا۔ سفید تحریک کے پروگراموں سے تمھیں مطلع کردیا جائے گا۔"

"بہت بہتر انکل۔ یہاں سے جانے کے لیے مجھے گاڑی مل سکے گی؟"

"باہر موجود ہے۔ چاہو تو ڈرائیور بھی مہیا کردیا جائے؟"

"نہیں بس گاڑی کافی ہے۔" میں نے مُسکرا کر کہا۔

نیلے رنگ کی خوبصورت ائرکنڈیشنڈ مرسڈیز اُڑاتی ہوئی انکل منوّر عالم کی کوٹھی کی طرف جا رہی تھی۔ میرے ذہن میں عجیب سے تاثرات تھے پھر جب میں ذیلی سڑک پر مُڑی تو دفعتہً مجھے بریک لگانے پڑ گئے۔ دل عجیب انداز سے دھڑکا تھا۔ سڑک کے بیچوں بیچ کھڑی موٹر سائیکل میرے لیے اجنبی نہیں تھی اور اس سے تھوڑے فاصلے پر بقراط اپنے مخصوص بے تکے لباس میں اطمینان سے بیٹھا ہُوا تھا۔

چند لمحات کے لیے میں نے سوچا اور پھر سڑک کے دائیں سمت نگاہ دوڑائی۔ اُدھر لمبی لمبی گھاس اُگی ہُوئی تھی۔ کچی زمین تھی گھاس ایسی نہیں تھی جو گاڑی کے راستے میں کوئی بڑی رکاوٹ بن سکتی، چنانچہ میں نے انتہائی تیز رفتاری سے کار آگے بڑھا اور پہلے کچے راستے پر اُتاری اور پھر گھاس کو روندتی ہُوئی آگے بڑھ گئی۔ گرد و غبار کا ایک بادل اُٹھا اور موٹر سائیکل اور اس کے قرب و جوار کا ماحول اس میں چھُپ گیا۔ میں مُسکراتی ہُوئی انکل منوّر عالم کی کوٹھی کے گیٹ سے اندر داخل ہوگئی تھی۔

افشاں، فرزانہ، مس میری، ناصر، انکل منوّر عالم جیسے محبت کرنے والے لوگوں کے درمیان میرا اچانک اور ان حالات کے بعد پہنچ جانا جس قدر مسرت خیز اور جذباتی کیفیت کا حامل ہوسکتا تھا اس کا اندازہ آپ خود لگا لیں۔ بھیگی آنکھوں اور مُسکراتے ہونٹوں کے ساتھ میں میرا استقبال ہُوا۔ ہاں اس جذباتی ماحول میں حضرت بقراط کی آمد جس انداز میں ہُوئی وہ کم مضحکہ خیز نہیں تھی۔

صُورتِ حال یہ تھی کہ بقراط کا سر اور چہرہ دھول میں اَٹ کر سفید ہوگیا تھا۔ کپڑے موٹر سائیکل کی سیاہی سے کالے ہوگئے تھے۔ دھول سے اَٹے چہرے پر پسینے کی لکیریں بہہ رہی تھیں۔ انکل منوّر عالم کی مُسکراہٹ سُکڑ گئی۔

"اس پر پھر کوئی دَورہ پڑا ہے شاید۔" اُنھوں نے آہستہ سے کہا اور بقراط کے قریب پہنچنے پر بولے۔ "تمھیں اپنے حُلیے کا اندازہ ہے؟"

"جی ہاں ہے۔ آپ لوگ فکر نہ کریں۔ میں موٹر سائیکل فروخت کرکے ایک ٹرک خریدوں گا اور ایسے راستوں سے گزروں گا

جہاں کیچڑ پھیلی ہوگی۔ اس کے بعد دیکھوں گا لوگوں کو۔ دولت کے غرور میں ڈوبے ہوئے چہروں کو کیچڑ سے نہ پوت دوں تو بقراط نام نہیں میرا۔"

"موٹر سائیکل فروخت کرکے تو ٹرک کے ٹائر بھی نہیں آئیں گے منوّر بھائی۔" افشاں بولی۔

"اندر جاکر حلیہ ٹھیک کرو۔ مجھے تھیٹر کے مسخروں جیسی حرکتیں پسند نہیں ہیں۔" منوّر عالم نے سخت لہجے میں کہا۔ میں اس دوران خاموش تماشائی بنی رہی تھی۔ بقراط اندرونی کمرے میں چلا گیا اور یہ لوگ پھر میری واپسی کا جشن منانے لگے۔ اس قدر خوشیاں اُمڈ پڑی تھیں کہ بس۔

باتوں میں رات ہوگئی۔ مجھ سے ساری تفصیل سُنی گئی تھی... سوالات کی بھرمار کردی گئی تھی اور میں نہایت صبر و سکون سے انھیں جواب دیتی رہی تھی یہاں تک کہ رات ہوگئی۔ اس دوران بقراط ایک بار بھی نظر نہیں آیا تھا۔ نہ ہی کسی نے اُس کو یاد کیا تھا۔ رات کے کھانے کی میز لگ گئی اور جب تمام لوگ کرسیوں پر بیٹھ گئے تو منوّر عالم کو ہی وہ یاد آگیا۔

"یہ تصوّر کہاں چلا گیا؟" اُنھوں نے پوچھا۔

"یہیں موجود ہیں۔" اور انکل منوّر عالم نے اُسے بُلانے کا حکم دیا۔ اس کے ساتھ ہی ایک کرسی بھی ڈال دی گئی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد بقراط آگیا۔ شکل و صُورت بدل گئی تھی لیکن لباس پر جابجا دھبے پڑے ہُوئے تھے اور چہرے پر گہری سنجیدگی چھائی ہُوئی تھی۔

انکل منوّر عالم نے اُسے دیکھ کر منہ بنایا اور پھر کرسی پر بیٹھ جانے کا اشارہ کیا۔ بقراط نہایت سعادت مندی سے بیٹھ گیا تھا۔ اس کے سامنے پلیٹ رکھی گئی تو اُس نے گردن ہلاتے ہُوئے کہا۔

"میں کھا چکا ہُوں۔"

"کہاں...؟" منوّر عالم بولے۔

"کچن میں۔ باورچی کے ساتھ۔" اُس نے نہایت سنجیدگی سے کہا اور منوّر عالم غصّے سے ناچ گئے۔

"تب پھر یہاں کیوں بیٹھے ہو؟"

"تعمیلِ حُکم کے لیے۔" وہ بولا۔

"مجھے یہ بدتمیزیاں پسند نہیں ہیں۔ سمجھے تم۔ اپنی کوٹھی میں میں اس طرح کی حرکتیں نہیں برداشت کرسکتا۔" وہ غصیلے لہجے میں بولے اور بقراط نے گردن جھکالی۔

"دفعان ہوجاؤ یہاں سے۔"

"ڈیڈی آپ کھانا شروع کریں۔ خواہ مخواہ اچھی خاصی فضا خراب کردی۔" افشاں نے کہا۔ بقراط کھڑا ہوگیا تھا پھر اُس نے دروازے کی

طرف بڑھتے ہُوئے کہا۔
"مَیں اسی موضوع پر آپ سے آخری گفتگو کرنا چاہتا ہُوں۔ تھوڑی دیر بعد حاضر ہُوں گا"۔ . . یہ کہنے کے بعد وہ کمرے سے باہر نکل گیا۔ . .
کھانے کی میز پر کسی قدر تکدّر پیدا ہوگیا تھا۔ کوئی بھی ڈھنگ سے کھانا نہیں کھا سکا۔ سب کے سب خاموش بیٹھے ہُوئے تھے تاآخر انکل منوّر کو خود ہی احساس ہُوا اور جب میں کھا چکی تو وہ بولے۔
" مجھے بے حد افسوس ہے عالیہ بیٹی۔ ٹھیک سے کھانا کھاؤ ورنہ مجھے اور افسوس ہوگا۔ مَیں آج اس کے لیے کوئی مناسب فیصلہ کرلُوں گا"۔
"مَیں پیٹ بھر کے کھا چکی ہُوں انکل۔ کوئی تکلف نہیں ہے۔ آیے دُوسرے کمرے میں چل کر بیٹھیں۔ مِس مَیری، مَیں کافی پیوں گی"۔ مَیں نے مِس مَیری سے کہا جو اِن دنوں وہیں موجود تھیں اور اُنھوں نے گردن ہلا دی۔
دوسرے کمرے میں کافی پیتے ہُوئے مَیں نے انکل منوّر عالم سے کہا۔ "آپ تصوّر صاحب کے بارے میں کیا فیصلہ کریں گے انکل؟"
"بس مَیں اس کی وجہ سے کُڑھنا نہیں چاہتا۔ مَیں اس سے آخری بار کہوں گا کہ وہ یہاں نہ آیا کرے۔ انتہائی بدنصیب انسان ہے، والدین کے لیے بھی مصیبت بنا ہُوا ہے حالانکہ مَیں نے انتہائی کوشش کرکے ان دونوں کے درمیان مفاہمت کرائی تھی لیکن اپنی بے تُکی حرکتوں سے اس نے پھر وہی فضا پیدا کردی"۔
"پہلے بھی تو آپ نے انھیں یہاں آنے سے منع کیا تھا"۔ مَیں نے پوچھا۔
"ہاں لیکن اس بار یہ آخری فیصلہ ہوگا"۔ انکل منوّر عالم نے کہا اور اُسی وقت دروازے میں بُقراط کی شکل نظر آئی۔
"مَیں حاضر ہو سکتا ہُوں؟"
"آؤ اندر آؤ۔ یہ آخر تم ہم لوگوں کو پریشان کرنے پر کیوں تُلے ہُوئے ہو؟"
"مَیں نے ایسی کبھی کوئی جُرأت نہیں کی۔ مَیں جاننا چاہتا ہُوں کہ میری وجہ سے آپ کو کیا تکلیف پہنچی؟" بُقراط نے کہا۔
"تمھاری حرکات میرے لیے ناقابلِ برداشت ہیں۔ ہر جگہ کے کچھ اصُول و آداب ہوتے ہیں۔ جس حُلیے میں تم یہاں داخل ہُوئے تھے کیا وہ کسی شریف آدمی کا ہو سکتا ہے؟"
"حالات نے میری یہ شکل بنادی ہے اس میں میرا کیا قصور ہے؟"
"باورچی کے پاس بیٹھ کر کھانا کھانے کی کیا ضرورت تھی؟"
"یہ میرا ذاتی فعل تھا اور یہ کوئی معیوب بات بھی نہیں۔ زمانہ قدیم میں ہمارے اجداد یہی کرتے تھے۔ یہ دُوسری بات ہے کہ وہاں باورچی کے بجائے والدہ صاحبہ ہُوا کرتی تھیں"۔ بُقراط نے جواب
"مَیں اس عمارت میں تمھیں ان حرکات کی اجازت نہیں د[ے] سکتا۔ میری خواہش ہے کہ تم یہاں نہ آیا کرو"۔
"ہُوں۔ مجھے غور کرنے کی مُہلت دی جائے۔ اس سلسلے کوئی فوری فیصلہ مشکل ہے"۔ بُقراط نے اسی سنجیدگی سے کہا۔
"یہ میرا حکم ہے"۔ منوّر عالم جھلّا کر بولے۔
"تعمیل کی کوشش کروں گا وعدہ نہیں کرسکتا"۔
"اسی وقت نکل جاؤ۔ ورنہ ملازموں کو بُلا کر دھکّے د[ے کر] باہر نکلوا دُوں گا"۔ منوّر عالم بولے۔
"ایک شرط پر مان سکتا ہُوں۔ وہ جس وقت مجھے دھکّے د[یں] تو مَیں موٹر سائیکل کی سیٹ پر ہُوں۔ کم بخت آج کل پیڈوں کے دھکّے سے چلتی ہے۔ نہ جانے کیوں۔ تو پھر زحمت فرمائیں"۔ بُقرا[ط نے] کہا اور منوّر عالم صاحب آپے سے باہر ہوگئے۔ اُنھوں نے بُقرا[ط کو] پکڑ کر کمرے سے نکال دیا۔
دوسری صبح ناشتے کے بعد مَیں نے ان لوگوں سے بمشکل واپسی کی اجازت لی اور اپنے "کُنبے" کے ساتھ واپس چل پڑی۔ عا[بدہ] لاج پہنچ کر مَیں نے سب سے پہلے صباحت رضوی صاحب[کو فون] کیا تھا۔
"مَیں عابدہ لاج واپس آگئی ہُوں"۔
"خُدا کا شکر ہے۔ دفتر کب آئیں گی؟"
"کل۔۔۔ کوئی خاص بات تو نہیں؟"
"اس کے سوا کچھ نہیں کہ اخبار کی ساکھ اپنی بلندیوں پر۔ بہت سے معزّز لوگوں نے اس پر اعتماد کا اظہار کیا ہے"۔
"خُدا کا شکر ہے۔ کل ملاقات ہوگی"۔ مَیں نے کہا اور فون بند
اس کے بعد کا سارا دن مختلف دلچسپیوں کے دوران گزرا۔ سب تھے۔ ناصر شاید شمس کو بتا چکا تھا کہ مَیں نے ان دونوں کے دلوں کا [چور] پکڑ لیا ہے۔ اس لیے دونوں میرے سامنے جھینپے جھینپے تھے۔ پھر رات مَیں نے شمس سے اس بارے میں گفتگو بھی کی۔ وہ اس [رات] میرے ہی بستر میں گھُسی ہُوئی تھی اور کسی ننھی سی بچّی کی مانند [مجھ] سے چمٹی ہُوئی تھی۔
"ناصر کی بات مجھ سے کیوں چھُپائی شمس؟" مَیں نے اُس براہِ راست سوال کردیا اور وہ ساکت رہ گئی۔ اس سوال پر ا[س نے] کوئی چھچھوری حرکت نہیں کی۔ شرمائی نہ لجائی بلکہ سنجیدہ ہوگئی دیر تک سوچتے رہنے کے بعد بولی۔
"کوئی اچھی بات تو نہیں تھی عالیہ۔ مَیں کوئی الھڑ کنوار[ی]

تو نہیں ہُوں۔ جن حالات سے گزر چکی ہُوں اس کے بعد عورت عورت کہلانے کی مستحق نہیں رہتی۔ تمھاری محبت میسّر آنے کے باوجود مَیں اپنے ماضی کو تو فراموش نہیں کرسکتی"۔
"مَیں تمھارے اس خیال سے متفق نہیں ہُوں شمس۔ سب سے اچھی بات یہ ہے کہ تم نے ناصر سے اپنی حقیقت نہیں چھُپائی اگر اس کے بعد تم دونوں یکجا ہو جاؤ تو مجھے دلی مسرّت ہوگی۔ دیکھتی ہُوں تم یہ مسرّت مجھے دینے میں کس قدر بخل سے کام لوگی"۔
"نہیں عالیہ۔ مَیں زیادہ اداکاری نہیں کروں گی۔ ناصر بہت اچھا انسان ہے۔ ہم دونوں ایک دوسرے سے متاثر ہیں لیکن مَیں کسی نئی زندگی کی متحمل نہیں ہوسکتی۔ میاں بیوی کا رشتہ قائم کرکے کچھ نئے مسائل کا شکار ہونے سے کیا فائدہ۔ بس یہ ذہنی ربط قائم ہے کافی ہے"۔
"لیکن یہ بے نتیجہ ہے۔ تمھیں احساس نہیں کہ اس زندگی کے بعد بڑھاپے کا دَور شروع ہو جائے گا۔ تم دونوں یکجا ہو کر بڑھاپے کے استقبال کی تیاریاں کرو"۔
"یہ سوال مَیں تم سے بھی تو کرسکتی ہُوں"۔ شمس نے کہا۔
"کرچکی ہو۔ کئی بار کرچکی ہو"۔
"لیکن کوئی تسلّی بخش جواب تو نہیں دیا تم نے"۔
"میرا جواب بالکل تسلّی بخش ہے۔ زندگی میں کبھی کسی نے متاثر کیا تو اُس سے شادی کرلُوں گی"۔ مَیں نے جواب دیا اور شمس لاجواب ہوگئی۔
دوسرے دن جب مَیں اخبار کے دفتر پہنچی تو صباحت صاحب کے ساتھ پُورے اسٹاف نے میرا بڑی گرم جوشی سے استقبال کیا۔ سب کے ساتھ چائے پینے کے ساتھ ساتھ مَیں اپنے ساتھیوں کو اُن تمام کوششوں سے رُوشناس کراتی رہی جو اُن کی نظر سے پوشیدہ تھے۔ ان سب سے فارغ ہو کر مَیں اپنے کمرے میں آئی اور اپنے معمولات میں مصروف ہوگئی۔
پھر ایک دلچسپ واقعہ پیش آیا جس کا تذکرہ ناگزیر ہے۔ صباحت صاحب نے ایک دعوت نامہ پیش کیا جو نواب زادہ تہوّر عالم کی جانب سے تھا۔ نواب زادہ صاحب نے ایک باقاعدہ خط تحریر کیا تھا جس کی عبارت یوں تھی۔
"عزیزہ عالیہ صغیر بھابانی۔
خوش بختی اور درازیٔ عمر کی دُعائیں قبول کرو۔
اطہر رضوی کے سلسلے میں تمھاری تمام تر کاوشوں کے خلاف زہر افشانی کرنے میں مَیں پیش پیش تھا۔ مَیں نے بارہا اپنے ساتھیوں میں بیٹھ کر کہا تھا کہ حکومت اس اخبار پر پابندی کیوں نہیں عائد کرتی اور اس فتنہ پرداز رپورٹر کو گرفتار کیوں نہیں کرتی اور اس سلسلے میں، مَیں نے تگ و دو بھی کی تھی کیونکہ مَیں تمھارے مُوقف کے خلاف تھا اور اُس مردُود کو ایک مُحبِ وطن اور خُدا ترس انسان سمجھتا تھا لیکن بعد کے حالات نے ثابت کیا کہ تمھاری نوعمری میرے بڑھاپے سے زیادہ تجربے کار تھی اور تم نے بالآخر وہ سارے پردے چاک کردیے جو مجھ جیسے لاتعداد انسانوں کی آنکھوں پر پڑے ہُوئے تھے۔
ان حالات کے بعد کافی دنوں تک اپنی کوتاہ نظری پر شرمندہ رہا اور پھر یہ فیصلہ کیا کہ تمھاری ذہانت اور معاملہ فہمی کا برسرِعام اعتراف کرکے خود کو مطمئن کروں۔ اب اس بارے میں تمھاری اعلیٰ ظرفی سے مستفید ہونے کا خواہاں ہُوں۔ ایک مختصر نشست میں میری رہائش گاہ پر دعوت میں آ جاؤ تو مجھے مسرّت ہوگی۔ اگر میری دعوت قبول ہو تو مجھے فون پر اطلاع دے دینا تاکہ دوسرے لوگوں کو مدعو کیا جاسکے"۔
میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ بہرحال مَیں نے تہوّر عالم صاحب کو فون کرکے انھیں اپنی آمادگی کی اطلاع دے دی اور پھر مقرّرہ دن مَیں صباحت رضوی صاحب کے ساتھ نواب صاحب کی کوٹھی پر پہنچ گئی۔ اچھے خاصے لوگ تھے۔ میزبانوں میں افشاں اور فرزانہ بھی تھیں جنھوں نے مسکراتے ہُوئے میرا استقبال کیا۔
پتھر میں جونک لگی تھی جس کے بارے میں انکل منوّر عالم نے بھی میرے کان میں سرگوشی کرتے ہُوئے کہا۔ "بھائی صاحب کی یہ حرکت بے حد تعجب خیز ہے۔ میرے خیال میں پُوری زندگی میں اُنھوں نے اس سے قبل کوئی ایسا کوئی کام نہیں کیا"۔ مَیں صرف مسکرادی تھی۔
تقریب کے شرکا سے میرا تعارف کرایا گیا اور نواب زادہ صاحب نے خلوصِ دل سے مجھے مبارکباد دیتے ہُوئے کہا۔ "مَیں قدامت پرست لوگوں میں سے ہُوں۔ عورت کی ایک حد تک آزادی پسند کرتا ہُوں اور وہ بھی اس لیے کہ جدید زمانے کے تقاضے بدل گئے ہیں۔ کھیل کے میدان میں دوڑ لگاتی ہُوئی عورت مجھے آج بھی ناپسند ہے۔ اسی طرح مَیں اس صنفِ نازک کی ذہنی بلندی کو کبھی نہیں مانتا تھا۔ تو جب ایک اخباری رپورٹر نے رضوی جیسے شخص پر الزام تراشی کی تو مجھے سخت غصّہ آیا اور مَیں نے اس پر احتجاج کیا کہ عقلِ ناقص ایک فرشتہ صفت انسان پر انگشت نمائی کر رہی ہے لیکن اس کے بعد جو کچھ ہُوا اور جو سامنے آیا اُس نے مجھے احساس دلایا کہ مَیں ابھی بُوڑھا نہیں ہُوا اور یہ بال نزلے سے سفید ہوگئے

ہیں۔ بہتر سال کی عمر بھی کوئی عمر ہوتی ہے۔ بھلا اتنی سی عمر کا تجربہ بھی کوئی تجربہ ہے جسے ایک نوخیز بچی نے شکست دے دی۔ تو دوستو یہ محفل میں نے اپنی جوانی کی خوشی میں سجائی ہے اور اس میں میں اپنی بزرگ عالیہ صغیر بھایانی کو اُن کی بالغ نظری پر ہدیۂ تہنیت پیش کرتا ہوں۔"

منوّر صاحب کی تقریر پر خوب قہقہے لگے تھے اس کے بعد اُنھوں نے مجھے ایک تحفہ پیش کیا اور پھر کھانے کی محفل جمی۔ میرے بالکل نزدیک ایک نوجوان شخص موجود تھا جو انتہائی نفیس سُوٹ زیبِ تن کیے ہوئے تھا۔ اس کی بلند قامتی اس کی وجاہت میں چار چاند لگا رہی تھی۔

ڈنر کے بعد اُس نے مجھے ایک آٹوگراف بُک پیش کرتے ہوئے کہا۔ "براہ کرم۔ آٹوگراف عنایت فرمائیں۔" آواز ایسی تھی کہ میں چونک پڑی۔ میں نے تعجب سے اُسے دیکھا اور اُس کے انداز میں بوکھلاہٹ پیدا ہوگئی۔

"مجھ خدا کے لیے۔ تم میں نے تو آواز بدلنے کی پوری کوشش کی تھی۔" وہ بولا۔ میں آٹوگراف بُک لیے تعجب سے کھڑی تھی اور پھر میں نے خود کو سنبھالا اور آٹوگراف بُک اُسے واپس کرتے ہوئے کہا۔

"آپ واقعی عجیب ہیں تصوّر صاحب۔" میری آواز میں زہر ہی زہر تھا۔

"ارے باپ رے۔ تصوّر صاحب نہیں، چودھری گل محمد۔ میں اسی نام سے یہاں شریک ہوا ہوں۔"

"دوسرے لوگوں کو بھی بتا دیں۔ ورنہ وہ آپ کو عجیب نہیں سمجھیں گے۔ آپ کو یہی شوق ہے نا؟" میں نے کہا اور ایک جھٹکے سے دوسری طرف مُڑ گئی۔ اس کے بعد میں نے پلٹ کر اُسے نہیں دیکھا تھا لیکن طبیعت میں وہ شگفتگی باقی نہیں رہی تھی جو تھوڑی دیر قبل تھی۔ اِفشاں وغیرہ میرے ساتھ لگی رہیں لیکن میں نے کسی سے تصوّر عالم کا تذکرہ نہیں کیا۔ حالانکہ اس کے بعد بھی وہ دیر تک یہاں رہا تھا۔ بہرصورت اس کے بعد وہ دوبارہ میرے پاس نہیں آیا اور پھر میں وہاں سے چلی آئی۔ کئی بار خیالات نے ذہن پر یلغار کی لیکن میں نے بقراط کے خیال کو ذہن سے جھٹک دیا تھا۔ اس فضول انسان کے بارے میں سوچنا حماقت تھی۔

اسی دوران مجھے کیلی فورنیا یونیورسٹی سے صحافیوں کے ایک بین الاقوامی سمینار میں شرکت کی دعوت ملی۔ اس دعوت نامے کے ساتھ مجھے پروفیسر یان شو کا ایک خط بھی موصول ہوا جس میں اُنھوں نے لکھا تھا کہ ملاقات کے لیے بہت دل چاہتا ہے کیوں نہ اس تقریب کو ملاقات کا ذریعہ بھی بنا لیا جائے۔ اُنھوں نے میرے اخبار کی تعر بھی لکھی تھی اور اُسے ایک پُروقار اخبار قرار دیتے ہوئے لکھا تھا اُنھیں مجھ سے یہی اُمید تھی۔

یان شو کے اس خط نے مجھے زمانہ طالب علمی کی لاتعداد داستا یاد دلا دیں۔ یان شو میرے اُستاد تھے۔ ایسی عظیم شخصیت جنھیں میں ز کے آخری لمحے میں بھی فراموش نہیں کرسکتی تھی۔ علم و عمل کا سمندر ا کے چھوٹے سے وجود میں موجزن تھا۔ چینی نژاد تھے لیکن دُنیا بسنے والے ہر ذی رُوح سے پیار کرتے تھے۔ میرے دل میں ایک دم اُمنگ سی پیدا ہوگئی۔ کیوں نہ زندگی میں تھوڑی سی تبدیلی لا جائے اِس سمینار سے واپسی کے بعد ہی کسی کام میں ہاتھ ڈال بہتر رہے گا... اور یہ خیال میرے ذہن میں جڑ پکڑ گیا۔

شمس اور ناصر سے مشورہ کیا تو اُنھوں نے بھی میرے خیال کی تائید کی۔ صباحت صاحب اور انکل شہریار نے بھی جا اجازت دے دی تو میں تیار ہوگئی اور دعوت نامہ ملنے کے ایک کے بعد ایک شام میں اپنے دوستوں کے ساتھ ہوائی اڈے پہنچ جہاں پین امریکن کے دیوہیکل بوئنگ کے ذریعے مجھے امریکا ر ہونا تھا۔

میری ہمسفر ایک بوڑھی یورپی خاتون تھیں جن کا چہرہ نر پُرمحبت تھا۔ میرے اور اُن کے درمیان رسمی سی گفتگو بھی ہ سفر میں ہمسفروں کے کان کھانے کی عادی نہیں تھی اور نہ ہی کو اس کی اجازت دیتی تھی۔

طیارہ فضا میں بلند ہوئے دیر ہو چکی تھی۔ ائرہوسٹس گ کر رہی تھیں۔ خاتون لوبونا نے کافی طلب کی اور اُس کے چھو گھونٹ لیتی ہوئی ایک کتاب پر نگاہیں جما دیں۔ غالباً یہ مذ متعلق کوئی کتاب تھی۔

سفر کے کئی گھنٹے گزر چکے تھے۔ دفعتہً ایک بے ہنگم سا سُنائی دیا اور میں نے چونک کر آنکھیں کھول دیں۔ سیاہ سُوٹ ملبوس ایک نوجوان مسافروں کی سب سے اگلی قطار کے پا پائلٹ کیبن کے دروازے سے لگا کھڑا تھا۔ اس کے ہاتھ ایک خوبصورت بریف کیس تھا جسے اُس نے دونوں ہاتھوں کر سامنے کیا ہوا تھا۔

"خواتین و حضرات۔ براہِ کرم اپنے آرام دہ سفر کے چند میرے سپرد کر دیں۔ میں آپ کا شکرگزار ہوں گا۔" اُس کی آوا کچھ ایسی کاٹ تھی کہ سب ہی اُس کی طرف حیرت سے دیکھنے لگے ہوسٹس آگے بڑھ کر اُس شخص کے قریب پہنچ گئی۔

"آپ کیا کہنا چاہتے ہیں جناب؟" اُس نے کسی قدر بے چینی پوچھا۔

"اِس طویل سفر میں کچھ ایسی دلچسپ باتیں جو ہمارے ہمسفروں لیے ممکن ہے تفریح کا باعث ہوں۔ تو عزیزانِ گرامی میرا تعلق ٹ آرگنائزیشن سے ہے۔ ہمارے مقاصد کی کافی تشہیر ہو چکی ر اقوام عالم میں سے بہت سے دانشوروں نے ہمارے موقف م کیا ہے لیکن ہمارے مخالفوں کی تعداد بھی کم نہیں ہے۔ اُسے ن آپ اپنی جگہ جائیں اور اپنی ساتھیوں سے کہیں کہ وہ بھی ایک ڑے ہو جائیں۔" اُس نے ائرہوسٹس کو پیچھے دھکیلتے ہوئے اور پھر بولا۔

"ہاں حضرات۔ آپ کی تشفی کے لیے ابتدائی چند باتیں گوش گزار ی جائیں۔ اس بریف کیس کے اندر یہ چند چیزیں موجود ہیں۔ ا یہ شوٹنگ اسٹک" اُس نے ایک رول نکالا۔ "یہ ایک جدید ا پستول ہے تجربے کے لیے۔" اُس نے باتھ رُوم کے دروازے شانہ لیا اور شوٹنگ اسٹک نما پستول کا ایک بٹن دبا دیا۔ کوئی ز نہیں ہوئی مگر گولی کی سنسناہٹ سب نے سُنی تھی اور باتھ رُوم دروازے میں سُوراخ ہو گیا تھا۔

"اس کے علاوہ یہ پرفیوم بکس۔ جو درحقیقت طاقتور بم کی ت رکھتے ہیں اور ہمارا بہترین مشغلہ یہی ہے کہ اگر ہم اپنے کسی کی تکمیل میں ناکام ہو جائیں تو اپنے ہمسفروں کو ساتھ لے کر راہیٔ عدم ہوں۔ یہ دیکھیے۔ میرا یہ ساتھی اب پائلٹ کیبن میں جا کر زوں کو اپنا موقف سمجھانے کی کوشش کرے گا اور میرا تیسرا ساتھی کے عقب میں موجود ہے۔ زندگی اور موت کسی مقصد کے سامنے ے مقصد ناموں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس لیے آپ کی کوئی مخالفانہ ن آپ کو موت سے رُوشناس کرا دے گی۔"

ایک اور نوجوان اُٹھ کر پائلٹ رُوم میں داخل ہو گیا تھا اور نوجوان ایسی ہی شوٹنگ اسٹک لے کر پیچھے کھڑا ہو گیا۔ میں اف کرتی ہوں کہ اس وقت میری کیفیت بھی جہاز میں بیٹھے رے مسافروں سے مختلف نہیں تھی۔ میرے سینے میں بھی بے شمار ں گھٹ گئی تھیں۔ یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں تھی کہ طیارہ جیک ہو گیا ہے۔

میرے نزدیک بیٹھی ہوئی معمّر خاتون اپنی سیٹ پر اوندھی ں۔ وہ بلا تعرض بے ہوش ہو گئی تھیں۔ کچھ اور سیٹوں سے دبی یخیں اُبھری تھیں جو زیادہ تر نسوانی تھیں۔ ائرہوسٹس پھٹی پھٹی ں سے اس انسان نما شیطان کو دیکھ رہی تھیں جس نے تقریباً دو سو ساٹھ انسانوں کی زندگی موت کے قریب لا کھڑی کی تھی اور نوجوان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ وہ مسکرا مسکرا کر اپنے موقف کے بارے میں تقریر کر رہا تھا۔ پھر اُس نے کہا۔

"طیارے کو انقرہ میں اُترنا تھا لیکن اب یہ یوگو سلاویہ میں اُترے گا۔ میرے خیال میں پائلٹ راستہ بدل چکا ہے۔ میری درخواست ہے آپ بھی تعاون کریں۔ ہمارے آٹھ ساتھی اسپین میں قید ہیں۔ ہمیں آپ کی مدد سے اُن کی رہائی درکار ہے۔ آپ میں سے کوئی کسی حیثیت کا مالک ہو۔ ہمیں اس سے کوئی سروکار نہیں۔ کسی رنگ کسی نسل اور کسی ملک کی شہریت رکھنے والوں سے ہماری پرخاش نہیں ہے۔ ہم صرف اپنے مشن کی تکمیل کے خواہاں ہیں اور آپ میں سے جس شخص نے ہمارے مشن کی راہ میں کوئی رُکاوٹ ڈالنے کی کوشش کی تو وہ ہمارے دشمنوں کے زمرے میں شمار ہوگا۔ اس سلسلے میں کوئی رعایت نہیں برتیں گے۔"

مسافر بے چارے بدحواس تھے۔ کسی نے اُس کی بکواس میں مداخلت نہیں کی اور آنکھیں پھاڑے اُسے گھورتے رہے لیکن پھر کچھ گڑبڑ ہوگئی۔ پائلٹ کیبن کے دروازے میں دو سُوراخ ہو گئے تھے اور ایک اسٹیورڈ کا خون اُگلتا بدن باہر آ پڑا۔ گولیوں نے اُس کی پیشانی اور سینے میں سُوراخ کر دیے تھے۔

طیارے میں دہشت بھری چیخوں کا ایک طویل سلسلہ شروع ہوگیا۔ بات یہیں تک محدود نہ رہی بلکہ جہاز اب جھٹکے لے رہا تھا اور مسافر اپنی سیٹوں پر لُڑھک رہے تھے۔ سامنے کھڑے ہوئے ہائی جیکر نے اپنے دوسرے ساتھی کو جو جہاز کے عقبی حصے میں کھڑا ہوا تھا، مخاطب کر کے کہا۔

"بیکن۔ تم حالات کو سنبھالو۔ کسی بھی مداخلت پر تم جہاز کو تباہ کر سکتے ہو، میں اندر دیکھتا ہوں۔" اور پھر وہ پائلٹ کیبن میں چلا گیا۔ جہاز کو اب بھی زوردار جھٹکے لگ رہے تھے اور پھر اُس نے ایک غوطہ لیا اور مسافروں کو اپنے دل بیٹھتے ہوئے محسوس ہونے لگے۔ اُن کی وحشت زدہ چیخوں سے کان پڑی آواز نہیں سُنائی دیتی تھی۔ میں بھی خوف زدہ تھی لیکن بدحواس نہیں ہوئی تھی۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے جہاز آؤٹ آف کنٹرول ہو گیا ہے اور کوئی دم میں کسی پہاڑ سے ٹکرا کر پاش پاش ہونے والا تھا یا سمندر کی گہرائیوں میں دفن ہونے والا تھا۔ کبھی وہ دائیں طرف ترچھا ہو کر ایک طرف ہو جاتا اور کبھی بائیں طرف۔ مسافروں نے کسی کے کہے بغیر خود ہی حفاظتی پیٹیاں کس لی تھیں۔ اس کے باوجود وہ ایک دوسرے کے اوپر لُڑھک رہے تھے۔

پھر ایک دم جہاز نے سنبھالا لیا اور کسی قدر سکون محسوس محسوس ہُوا۔ یوں لگتا تھا جیسے اس پر قابو پا لیا گیا ہو۔ اسے اُوپر اُٹھانے کی کوشش کی گئی اور وہ تھوڑا سا بلند ہو گیا لیکن پھر اُس کا اگلا سرا جھک گیا اور وہ اسی طرح سفر کرنے لگا۔ اندر بیٹھے مسافروں کو پائلٹ کیبن کے کھیل کے بارے میں کچھ نہیں معلوم تھا' وہ صُورتِ حال جاننے کے خواہاں تھے لیکن کسی بات کا پتہ نہیں چل سکا تھا پھر کیبن کا دروازہ کھُلا اور وہی نوجوان باہر نکل آیا۔ اُس کم بخت کا چہرہ پُرسکون تھا۔

"دوستو! اندر ایک اسٹیورڈ نے مداخلت کی کوشش کی تھی اُسے ہلاک کرتے ہُوئے ایک پائلٹ بھی لپیٹ میں آ گیا اور جہاز کے میکنزم کو بھی معمولی نقصان پہنچا ہے۔ جس کی وجہ سے کمپاس اور دوسرے چند آلات ناکارہ ہو گئے ہیں۔ تاہم اب دوسرے پائلٹ نے کنٹرول سنبھال لیا ہے اور کوئی مناسب جگہ تلاش کر کے جہاز کو اتارنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔" اُس نے کہا اور پھر وہ پائلٹ کیبن میں مُنہ ڈال کر بولا۔

"پائلٹ سے کہو کہ وہ مُسافروں کو صُورتِ حال سے آگاہ رکھے۔" چند ساعت خاموشی طاری رہی اور پھر پائلٹ کی آواز جہاز کے اسپیکر سے اُبھری۔

"کمپاس درُست نہ ہونے کی وجہ سے ہم راستے کا تعین کھو چکے ہیں۔ طیارہ کس طرف جا رہا ہے کوئی پتہ نہیں ہے۔ آلات میں کوئی خطرناک خرابی نہیں پیدا ہوئی اس لیے جہاز کو فضا میں کوئی خطرہ نہیں ہے۔ مَیں سگنل دے رہا ہوں جہاں سے بھی رابطہ قائم ہُوا وہاں طیارہ اتار دیا جائے گا مسافر پریشان نہ ہوں۔"

مُسافروں کے چہروں پر یک گونہ سکون نظر آیا لیکن کمزور دل خواتین اب بھی رو رہی تھیں اور یاس انگیز گفتگو کے ساتھ دل ہلا دینے والی باتیں کر رہی تھیں۔ سب سے بہتر حالت میں میری ساتھی خاتون تھیں جو بے ہوش ہونے کی وجہ سے دُنیا کے جھگڑوں سے بے نیاز ہو گئی تھیں۔ اگر طیارہ کسی پہاڑ سے بھی ٹکرا جاتا تو وہ اسی سکون سے مر بھی سکتی تھیں۔ وہ ذرا سی ٹیڑھی ہُوئیں تو مَیں نے اُنھیں سنبھال کر اُن کے گرد حفاظتی بیلٹ کس دی۔

یہ ہولناک پرواز تقریباً پونے دو گھنٹے جاری رہی۔ گھڑی میں ساڑھے تین بج رہے تھے۔ اس کے بعد اچانک پائلٹ کی آواز اُبھری: "انتہائی کوشش کے باوجود کہیں سے کوئی رابطہ قائم نہیں ہو سکا۔ ہم کس طرف نکل آئے ہیں ہمیں کچھ نہیں معلوم۔ طیارے میں ایندھن بہت کم رہ گیا ہے۔ مُسافر حفاظتی انتظامات درُست کر لیں۔

مَیں جہاز نیچے لے جا رہا ہُوں۔ اگر مجھے خشکی نظر آ گئی تو مَیں ا[illegible]
ہموار جگہ اُتارنے کی کوشش کروں گا۔ تمام مُسافر ہوشیار ہو ج[illegible]
اور خُدا سے دُعا کریں۔"

پُورے جہاز میں پھر ہلچل مچ گئی۔ لوگ زور زور سے دُ[illegible] پڑھنے لگے۔ عورتیں زار و قطار رو رہی تھیں اور رونے کی آواز[illegible] کہیں کہیں مردانہ آوازیں بھی شامل تھیں۔

جہاز اب شاید خطرناک حد تک نیچی پرواز کر رہا تھا۔ ا[illegible] اچانک پائلٹ کی آواز پھر اُبھری: "ہم خشکی کے قریب ہیں[illegible] لمحوں بعد جہاز زمین چھُونے والا ہے۔ ہوشیار۔ ہوشیار۔" اور [illegible] میں ایک دم خاموشی چھا گئی۔ لوگوں نے سانسیں تک روک [illegible] جہاز کو ایک خوفناک جھٹکا لگا اور اس کے ساتھ ہی جیسے [illegible] پھٹا۔ بم پھٹنے کی آواز کے ساتھ ہی جہاز کا اگلا حصّہ نیچے جھک[illegible] تھا اور طیارے کے زمین سے رگڑنے کی آواز سے کان پھٹ[illegible] تاریک ماحول میں تیز روشنیاں چمکنے لگیں۔ یہ طیارے کے [illegible] زمین سے رگڑ کھانے کی چنگاریاں تھیں جو آتش بازی کے[illegible] کی طرح چھوٹ رہی تھیں اور جہاز کی کھڑکیوں سے صاد[illegible] آ رہی تھیں۔

میرے ہونٹوں پر بھی کلمے کا وِرد تھا اور مَیں زندگی کے[illegible] سفر کے لیے تیار تھی۔ خوفناک گڑگڑاہٹ ہو رہی تھی اور ط[illegible] زلزلہ آیا ہُوا تھا۔ ایسے شدید جھٹکے لگ رہے تھے کہ اپنی جگہ ج[illegible] ناممکن ہو گیا تھا۔ میرے نزدیک بیٹھی ضعیف خاتون کی کمر[illegible] ایک تڑاخ کی آواز کے ساتھ ٹوٹ گئی اور وہ اُچھل کر سر[illegible] نیچے آ رہیں۔ اب وہ سیٹوں کے درمیان اُلٹی پڑی تھیں[illegible] کے دونوں پاؤں بے نام سی جدّوجُہد کر رہے تھے۔

مَیں نے تاریک ہوتے ہُوئے ذہن پر قابو پانے کے تمام تر قوتِ ارادی مجتمع کر لی تھی اور ہوش میں تھی۔ کسی بھی[illegible] پھٹ سکتا تھا اور ان چنگاریوں سے پٹرول ٹینک آگ پ[illegible] اس کے بعد کے حشر سے لوگ ناواقف نہیں تھے۔ طیار[illegible] میں انسان پرواز کر رہے تھے۔ ان کی دلدوز چیخیں اُبھر ر[illegible] خون فواروں کی شکل میں اُچھل رہا تھا اور انسانی چہرے[illegible] سُرخ رنگ میں رنگ گئے تھے۔

پھر اچانک طیارہ زور سے اُچھلا اور اس کے فل[illegible] چادر میں ایک فولادی کوہان اُبھر آیا۔ چادر پھٹ گئی تھی[illegible] کوہان اُبھرا تھا وہاں ایک شخص کھڑا ہُوا تھا۔ اس کے د[illegible] سُوراخ سے نکل گئے اور پھر اُس کے ہاتھ فضا میں بلند

کٹے ہوئے فولاد میں پھنس گیا تھا۔ پھر ایک جھٹکے سے وہ اس فولادی کُنڈے سے نکلا تو آدھا رہ گیا تھا اور اُس کا آدھا جسم جہاز کے اندر اُچھلنے لگا۔ خون کے چھینٹوں نے میرا لباس بھی تر کر دیا تھا لیکن مَیں نے اپنی جگہ سے اُٹھنے کی کوشش نہیں کی۔ مَیں بھی دُوسرے لوگوں کی طرح اپنی جگہ ساکت تھی۔

خوفناک گڑگڑاہٹوں نے کانوں کے پردے پھاڑ دیے دماغ پر ہتھوڑے چل رہے تھے۔ چاروں طرف چیزیں لُڑھک رہی تھیں پھر بائیں سمت ایک خوفناک دھماکا ہُوا اور طیارہ کسی پھرکی کی طرح دائیں سمت گھوم گیا۔ بائیں سمت بیٹھے ہُوئے تقریباً تمام لوگ اپنی جگہ سے اُچھل کر دائیں سمت آ گرے۔ کوئی مجھ سے بھی ٹکرایا تھا اور مَیں جہاز کی فولادی دیوار سے۔ اس کے بعد حواس بحال نہ رہ سکے تھے۔ نہ جانے کتنی دیر بعد مجھے ہوش آیا تھا۔ بدن میں مرچیں بھری ہُوئی تھیں۔ آنکھوں پر ایک عجیب سا بوجھ آ پڑا تھا پیشانی پر تکلیف تھی۔ مَیں ابھی تک اپنی ہی سیٹ پر پھنسی ہُوئی تھی۔ کمر سے بیلٹ بندھی ہُوئی تھی۔ ایک بے ہوش شخص میری گود میں سَر رکھے پڑا تھا۔ سامنے والی سیٹ پر تین لاشیں جُنی ہُوئی تھیں۔ ادھر اُدھر نگاہیں دوڑائیں تو چاروں طرف ایسے ہی خوفناک مناظر نظر آئے لیکن ایک خوشگوار چیز بھی تھی یعنی جہاز کا دروازہ کھُلا ہُوا تھا اور اس کھُلے ہُوئے دروازے میں دو آدمی کھڑے نظر آ رہے تھے زندہ اور متحرک۔

ان دونوں جانداروں کو دیکھ کر مجھے جس قدر خوشی ہُوئی بیان نہیں کر سکتی۔ مَیں نے اپنے ہاتھ پاؤں ہلا کر دیکھے کہ عضلات کام کر رہے ہیں یا نہیں اور پھر کوشش کر کے کمر سے بیلٹ کھولی۔ پیروں کو جنبش دی سب ٹھیک تھا۔ چھوٹی چھوٹی چند چوٹوں کے علاوہ اور کوئی چوٹ نہیں تھی۔ اپنی آغوش میں دراز شخص کو مَیں نے بڑی آہستگی سے ہٹایا اور کسی چیز کا سہارا لے کر اُٹھنے کی کوشش کی لیکن جس چیز کا مَیں نے سہارا لیا تھا وہ میرے ہاتھ کے وزن سے جھک گئی۔ چونک کر دیکھا تو وہی معمّر خاتون تھیں جو اُلٹ گئی تھیں۔ وہ بدستور اسی حالت میں تھیں اس حالت میں ہونے کے باوجود شدید انسانی ہمدردی کے جذبے کے تحت مَیں نے پُوری قوّت صَرف کر کے اُنھیں سیٹوں کے درمیان سے گھسیٹا لیکن اُن میں زندگی کے آثار نہیں تھے۔ باقی بدن ٹھیک تھا البتہ گردن کی ہڈّی ٹوٹ گئی تھی۔ ناک اور کانوں سے خون بہہ کر خشک ہو چکا تھا اور اب ان میں زندگی کی کوئی رمق نہیں تھی۔

مَیں نے ٹھنڈی سانس لی اور اُنھیں ویسے ہی رہنے دیا اور خود سیٹوں کے درمیان سے نکل آئی۔ میرے قدموں کی آہٹ پر دروازے میں کھڑے دونوں افراد نے پلٹ کر میری طرف دیکھا اور مجھے چلتے دیکھ کر شاید اُنھیں خوشی ہُوئی۔ اُن میں سے ایک کوئی یو... باشندہ تھا جبکہ دُوسرا میرے ہی وطن سے تعلق رکھتا تھا۔

"ہیلو۔" وہ دونوں بیک وقت بولے۔

"ہیلو۔" مَیں نے بھی صاف لہجے میں کہا۔

"آپ کے زخموں کی کیا کیفیت ہے؟"

"خُدا کا شکر ہے۔ کوئی خاص زخم نہیں ہے۔"

"آپ کی آنکھوں پر خون جما ہُوا ہے۔ اسے صاف کریں۔ پیشانی کی کھال پھٹ گئی ہے۔"

"اوہ۔ ہاں شاید۔" مَیں نے اپنے دوپٹے سے آنکھوں کو... کرنے کی کوشش کی لیکن خشک خون کسی نمی کے بغیر صاف نہیں... سکتا تھا۔ مَیں اس کوشش میں ناکام رہی تھی۔ تاہم رگڑنے سے... کا بوجھ کسی قدر کم ہو گیا تھا۔ وہ دونوں مجھے دیکھ رہے تھے میرے ہم وطن نوجوان نے کہا۔

"ٹھہریے مَیں رُومال بھگو کر لاتا ہُوں۔ پانی کہیں نہ کہیں ملے گا۔" وہ لاشوں اور ادھر اُدھر بکھرے ہُوئے انسانی جسموں کو... ہُوا پانی کی تلاش میں چل پڑا۔ یورپی شخص میرے پاس کھڑا ہُوا...

"میرا نام ایلس ہے خاتون اور مَیں انگلستان کا باشندہ..." اُس نے نرم لہجے میں کہا۔

"مَیں عالیہ ہُوں۔ آپ کے بدن پر کوئی گہرا زخم تو نہیں..."

"نہیں مَیں حیرت انگیز طور پر محفوظ رہا ہُوں۔ خُون کے یہ... دوسرے زخمیوں سے میرے لباس پر منتقل ہُوئے ہیں۔"

"دروازے کے دوسری طرف کیا ہے؟" مَیں نے بے... باہر کا منظر دیکھنے کی کوشش میں آگے بڑھتے ہُوئے کہا لیکن... ایلس نے دہشت کے عالم میں مجھے دبوچ لیا اور پیچھے کھ...

"خُدا کے لیے۔ خُدا کے لیے اس خواہش پر قابو پا... کوشش کریں۔" اُس نے وحشت زدہ لہجے میں کہا اور مجھے کھی... لا کر چھوڑ دیا۔ "مَیں اس حرکت پر معافی کا خواستگار ہُوں۔" وہ سانس لیتا ہُوا بولا۔

"مگر۔ مگر دروازے کے دوسری طرف کیا ہے؟ مجھے تو ج... دن نظر آ رہا ہے۔" مَیں نے کہا۔

"دن تو چمک دار ہی ہے لیکن ابھی چند ساعت قبل... ساتھ ایک اور شخص بھی تھا۔" اُس نے بھی اسی بے اختیار... عالم میں قہقہہ لگاتے ہُوئے دروازے کی طرف دوڑنے کی ک... اور پھر اُس کا یہ قہقہہ ایک کربناک چیخ میں بدل گیا۔ وہ د...

...باہر چلا گیا تھا۔

"تو پھر... ؟ مَیں کچھ نہیں سمجھی۔" مَیں نے حیرت سے کہا۔ اُسی ...ت میرا ہم وطن رُومال پانی میں بھگو کر لے آیا۔ مَیں نے شکریہ ادا ...کے رُومال لے لیا اور اپنا چہرہ صاف کرنے لگی۔ آنکھیں اور رُخسار ...ہ صاف کر لیے تھے لیکن پیشانی کے زخم پر رُومال پھیرنے ...ہمّت نہ ہُوئی۔ مَیں نے رُومال نچوڑ کر اُس کے حوالے کر دیا ...پھر مَیں نے دوبارہ ایلس سے پوچھا۔

"دروازے کے دوسری طرف کیا ہے؟"

"آیے۔ اب نہایت آہستگی سے آیے اور بڑی احتیاط سے ...دیکھیے۔ براہِ کرم اپنا توازن سنبھالے رکھیں اور یہ ہینڈل پکڑ لیں۔" ...س نے کہا اور مَیں نے متعجبانہ انداز میں اُس کی ہدایت پہ عمل ...ے ہُوئے باہر جھانکا۔ آنکھیں چکا چوند کرنے والی روشنی پھیلی ...تھی لیکن مَیں نے پلٹ کر طیارے کے اندر کے ماحول کو دیکھا ...پھر باہر جھانکنے لگی۔ ایک لمحے کے لیے مجھے یہی محسوس ہُوا ...ا جیسے طیارہ خلا میں معلّق رہا ہو اور مَیں آسمان کی بلندی ...ے نیچے جھانک رہی ہُوں لیکن ایسی بات نہیں تھی۔ طیارہ ساکت ...۔ کیا یہ خلا میں ساکت ہے؟

ذہن پر بڑی مشکل سے قابو پایا تھا اور اس کے بعد باہر ...ے حالات مجھ پر منکشف ہو گئے۔ طیارہ کسی بلند پہاڑ کی چوٹی پر ...ہُوا تھا۔ عین کنارے پر اور اس کے بعد پہاڑ کی برف پوش گہرائیاں ...ں۔ اتنی گہرائیاں کہ طیارہ یہاں سے خلاؤں میں ہی محسوس ...ا تھا۔

ایلس کی بات میری سمجھ میں آ گئی۔ کسی شخص نے بے اختیار ...ازے کی طرف دوڑنے کی کوشش کی ہوگی اور اس کے بعد توازن نہ ...سکا ہوگا لیکن یہ دل کو لرزانے والی گہرائیاں۔ طیارہ اگر یہاں رُک ...ا تو... اور اس کے بعد کے تصوّر ہی سے دہشت ہوتی تھی بس ...یفیت ہوگی جیسے وہ آسمان سے گر پڑا ہو۔

...مَیں دروازے کے قریب سے پلٹ آئی۔ وہ دونوں میری شکل ...رہے تھے۔ چند ساعت مَیں بالکل خاموش رہی پھر گہری سانس ...ر بولی: "اس دروازے کو بند ہی کر دیا جائے تو بہتر ہے۔"

"افسوس یہ بند بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ دروازہ کسی چیز سے ...رجام ہو گیا ہے۔ ہم یہ کوشش کر چکے ہیں۔"

"اوہ۔" مَیں نے گہری سانس لے کر گردن ہلائی اور ایک بار ...در کے خوفناک ماحول کو دیکھنے لگی۔ پھر مَیں نے کہا۔ "تب پھر ...ان لوگوں کو دیکھیں۔ ممکن ہے ان میں ایسے زخمی موجود ہوں جن کے بچ جانے کے امکانات ہوں۔"

"آپ کے اندر اتنی ہمّت ہے خاتون کہ آپ یہ فرض انجام دیں؟" میرے ہم وطن نوجوان نے پوچھا۔

"ہمّت پیدا کریں گے۔ ہمیں ان سب کی ضرورت ہے۔" مَیں نے کہا اور ایلس نے میری بات کی تائید کر دی۔ تب ہم دروازے کے قریب سے پلٹ آئے لیکن وہاں سے ہٹتے ہی میرے ہم وطن نوجوان نے جس کا نام مجھے ابھی معلوم نہیں ہُوا تھا کہا۔

"پہلے کسی طور اس دروازے کا راستہ ہی بند کر لیا جائے ورنہ ہر ہوش میں آنے والا کھُلے ہُوئے دروازے کو دیکھ کر اُس کی طرف دوڑے گا۔"

"بالکل ٹھیک۔ یہ اُکھڑی ہُوئی کرسیاں اس طرف کر دی جائیں اور اس کے ساتھ ہی ہم ہر ہوش میں آنے والے پر نگاہ رکھیں۔"

ہم تینوں نے اُکھڑی ہُوئی سیٹیں اور جو کچھ بھی ہاتھ آیا گھسیٹ کر دروازے کے سامنے کر دیا اور کسی حد تک اُس تک جانے کا راستہ بند کر دیا لیکن اس معمولی سے کام میں ہی کافی تھکن محسوس ہونے لگی۔

میرا ہم وطن ایک سیٹ گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔ اس کی سانس تیز ہو گئی تھی۔ مَیں نے چونک کر اُسے دیکھا۔ "سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم کیوں اس مصیبت میں پڑیں۔ جو ہوش میں آئے گا خود اپنے بارے میں سوچے گا۔" اُس نے کہا اور مَیں ملامت آمیز نگاہوں سے اُسے دیکھنے لگی۔

"تم مشرقی ہو؟" اس بار مَیں نے اُردو میں اُس سے پوچھا۔

"ہاں، اور غالباً تم بھی۔ گو تمھارے نقوش یورپین ہیں۔" اُس نے کہا۔

"ہاں۔ کیا نام ہے تمھارا؟"

"مسعود الزّماں۔"

"میرا نام عالیہ ہے لیکن مسعود ہم مشرقی نہ تو اتنے بُزدِل ہوتے ہیں نہ اس قدر غیر ہمدرد۔ ہماری انسان دوستی کی تو مثالیں دی جاتی ہیں اور پھر جس مذہب سے ہمارا تعلق ہے وہ تو کچھ اور بھی سبق دیتا ہے۔"

"مَیں زخمی نہیں ہُوں لیکن بمشکل اپنے اعصاب پر قابو رکھے ہُوئے ہُوں۔" اُس نے تھکے تھکے لہجے میں کہا۔

"مجھے دیکھو۔ مَیں تو عورت ہُوں۔" مَیں نے مُسکرا کر کہا "اور پھر یہ یورپین ہمارے بارے میں کیا سوچے گا؟" مَیں نے اُسے غیرت دلائی اور نسلی غیرت جاگ گئی۔ وہ اُٹھ کھڑا ہُوا۔ اس دوران ایلس

خاموشی سے ہمیں دیکھتا رہا۔

ہم تینوں ہی اعصابی تھکن کا شکار تھے۔ اس لیے نہایت سُست رَوی سے کام کر رہے تھے۔ سب سے آگے جو انسانی بدن ہمیں نظر آئے اُن میں تین لاشیں تھیں اور اُن کے نیچے سے ایک معمّر شخص زندہ برآمد ہُوا۔ اُس کے سر کے پچھلے حصّے میں چوٹ آئی تھی۔ اُسے وہاں سے ہٹا کر ایک صاف جگہ لٹا دیا گیا۔ اس کے بعد ہم دوسروں کی طرف متوجّہ ہو گئے۔

گھڑی اس وقت بارہ بجا رہی تھی جب جہاز میں تقریباً ستّر انسان ہوش و حواس کے عالم میں بیٹھے ہُوئے تھے۔ نَو افراد ایسے زخمی تھے جنھیں دوسروں کی امداد کی ضرورت تھی اور اس کے بغیر وہ ہِل جُل بھی نہیں سکتے تھے۔ باقی سب لاشیں تھیں۔ چند ایسے زخمی تھے جنھوں نے ہمارے سامنے ہی دَم توڑا تھا۔ ایک ایسا شخص بھی تھا جس کی پنڈلی کی ہڈّی ٹوٹ گئی تھی اور ہوش میں آنے کے بعد اُس نے اپنے ہاتھوں سے لوہے کی ایک سَلاخ اُوپر سے نیچے تک باندھ کر پنڈلی مضبوطی سے کَس لی تھی اور اب اطمینان سے بیٹھا ہُوا تھا۔ تقریباً ساڑھے چھ فٹ قد و قامت کے اس شخص کا نام مکلارنس ہارڈی تھا اور وہ چہرے ہی سے نہایت پُروقار شخصیت کا مالک نظر آتا تھا۔

زندہ بچ جانے والوں میں دو بچّے، چھ عورتیں۔ نَو بُوڑھے اور باقی سب تندرست و توانا لوگ تھے جن میں صرف تین میرے ہم وطن تھے باقی دوسرے ممالک کے لوگ تھے۔ جہاز میں موت کی سی خاموشی طاری تھی۔ سب کے سب زخمی تھے لیکن کسی کی کراہ کی آواز بھی نہیں گونج رہی تھی۔ سب خاموش اور افسُردہ تھے۔

جب یہ خاموشی طویل سے طویل تر ہو گئی تو مکلارنس نے ہی اُسے توڑا۔ وہ بولا "دوستو! ان لاشوں کے درمیان ہم لوگ بھی شاید خود کو مُردہ ہی تصوّر کر رہے ہیں۔ تم سب اس طرح خاموش ہو جیسے موت کے دوسرے راؤنڈ کا انتظار کر رہے ہو۔ کیا یہ حقیقت ہے؟" اُس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی لیکن کسی نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا۔ تب مکلارنس دوبارہ بولا۔

"میں تم میں سے سب سے بہادر شخص کو پکارتا ہُوں۔ وہ دلیر انسان اُٹھ کر میرے پاس آ جائے جو دُنیا میں کسی چیز سے نہ ڈرتا ہو۔"

گیارہ سال کی عمر کا خوبصورت بچّہ لنگڑاتا ہُوا مکلارنس کے پاس آ گیا۔ اُس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ "میں دُنیا کا سب سے بہادر انسان ہُوں۔" اُس نے کہا۔ مکلارنس نے اُس کا ہاتھ پکڑ کر اُسے سینے سے لگا لیا اور بولا۔

"اور مَیں تمھارا نائب ہُوں۔ کیا نام ہے تمھارا بیٹے؟"

"ایڈی پارکر۔ وہ میری ممّی ہیں۔" اُس نے کونے میں پڑی ہُوئی ایک لاش کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ مکلارنس کا بدن ا رہ گیا تھا۔ چند ساعت کے لیے وہ ساکت رہ گیا۔ پھر اُس نے نکلتے ہُوئے کہا۔

"اور تمھارے ڈیڈی؟"

"وہ تو بہت پہلے مر چکے ہیں۔ مسٹر ہنٹ پارکر، جو کار دُ میں ہلاک ہُوئے تھے۔ آپ نے اخبارات میں ضرور پڑھ" بچّے نے جواب دیا۔

"آہ۔ اتنے بہادر باپ کا بیٹا ہی اتنا بہادر ہو سکتا"

"انکل۔ پہلے میں بُزدل تھا۔ مگر جب ڈیڈی مر گئے ت ممّی نے کہا تھا کہ اب تمھارے ڈیڈی مر چکے ہیں، تمھیں بہا ہونا چاہیے۔ تب میں بہت بہادر ہو گیا لیکن اب تو ممّی بھی ہیں۔ اب تو مجھے اور بہادر ہونا چاہیے نا؟"

مسٹر مکلارنس نے کچھ کہنے کی کوشش کی لیکن اُن کی حلق میں پھنس گئی تھی۔ اُنھوں نے گردن ہلا کر اُس کے پر ہاتھ رکھا اور رونے والے انداز میں ہنس پڑے۔ کسی کو ایک سِسکیاں بھرتی ہُوئی آواز نے کہا۔

"بہادر ایڈی، زندہ باد۔ بہادر ایڈی زندہ باد۔" اور دو روتی ہُوئی آوازیں اس نعرے میں شامل ہو گئیں۔ میرے میں کوئی جگہ خالی ہو گئی تھی۔ ایک نمی سی آنکھوں کی طرف لگی تھی لیکن میں نے آنکھیں بھیگنے نہ دیں۔

"تو پھر یہ بات طے ہو گئی دوستو کہ ایڈی ہمارا چیف" مسٹر کلارنس نے پوچھا۔ کسی نے کوئی جواب نہ دیا تو مسٹر کلا

"دوستو! یوں تو ساری زندگی حادثوں سے پُر ہوتی۔ تو ہر گلی، ہر سڑک، یہاں تک کہ ہمارے مکان کی چھت کے ہمارے پاس کسی شکاری چیتے کی مانند ہم پر حملہ آور ہ تاک میں رہتی ہے اور ہم اس سے خوفزدہ نہیں ہوتے ہم اس سے خوفزدہ کیوں ہیں؟ مرنے والوں کا سوگ ہم لو منا چکے ہیں۔ اب ہمیں زندگی کی طرف لَوٹنا چاہیے۔ پچھ زخموں کو بھول جاؤ اور زندگی تلاش کرو۔ میں کچھ ایسے ج پکارتا ہُوں جو میرے ساتھ تعاون پر آمادہ ہوں؟"

تقریباً پندرہ نوجوان کھڑے ہو گئے تھے اور پھر وہ م کے پاس جمع ہو گئے۔ میں، مسعود اور ایلیس بھی اُن کے پا گئے تھے۔ عورتوں میں سے صرف میں اُن کے پاس تھی۔

"دروازے کے دوسری طرف خوفناک گہرائیاں ہیں۔ کیا اس ہ شدہ طیارے سے باہر نکلنے کا اور کوئی راستہ نہیں ہے؟"

"نہیں مسٹر مکلارنس۔ کاک پٹ کا دروازہ ٹیڑھا ہو کر جام ہو کا ہے۔ اسے کھولنا ممکن نہیں ہے۔" ایلیس نے جواب دیا۔

"کھڑکیوں کے دوسری طرف کیا ہے؟"

"بھوری پہاڑیاں اور چٹانیں، جن پر کہیں کہیں برف نظر آ رہی ہے۔" اس بار مسعود بولا۔

"ان گول کھڑکیوں سے انسانوں کا باہر نکلنا ممکن نہیں ہے۔" ملارنس پُرخیال انداز میں بولا پھر چونک کر کہنے لگا۔ "ارے ہاں مجھے زندہ لوگوں میں اُن تینوں میں سے کوئی نظر نہیں آیا جنھوں نے یارہ ہائی جیک کرنے کی کوشش کی تھی۔"

"اُن میں سے ایک پائلٹ کیبن میں پڑا ہُوا ہے اور دوسرے نوں افراد کی لاشیں بھی دیکھ لی گئی ہیں۔" مسعود نے کہا۔

"اور اُن کا سامان؟" مکلارنس نے پوچھا۔

"اُن کی لاشوں کے پاس ہی ہوگا۔"

"آہ۔ براہِ کرم سب سے پہلے اُن کا سامان تلاش کرو اور اُسے جہاز کے کھُلے دروازے سے باہر پہاڑوں کی گہرائیوں میں پھینک دو۔ کوئی خطرناک چیز ہم لوگوں کے پاس نہیں رہنی چاہیے۔ براہِ کرم میری ہدایت پر عمل کرو۔"

معمّر اور تجربے کار مکلارنس کی اس بات سے مجھے پُورا اتفاق تھا۔ ہر چند کہ ایسے کسی خوفناک واقعے سے کبھی دوچار نہیں ہُوئی تھی لیکن اتنی سی بات ضرور سمجھ میں آئی تھی کہ ایسے موقعے پر انسانی ذہن ں شدید جھنجلاہٹیں اُبھرتی ہیں اور دوسروں پر برتری حاصل کرنے ی خواہش بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ ہتھیار اس سلسلے میں غلط ذہنیت ا معاونت کر سکتے ہیں۔

چنانچہ اُس کی بات سمجھ کر سب سے پہلے میں نے پائلٹ کیبن ں جا کر اُس ہائی جیکر کا سامان تلاش کیا جس نے ایک پائلٹ اور ر ایک اسٹیورڈ کو ہلاک کیا تھا۔ دوسرا پائلٹ ابھی تک تھراٹل کے رمیان پھنسا ہُوا تھا۔ اُس کے سینے سے ایک لمبی راڈ پار ہو چکی ی اور درمیان سے ٹوٹی ہُوئی پسلیاں باہر نکل آئی تھیں۔

میں اُس کا سامان سنبھالے ہُوئے باہر نکل آئی اور میں نے یہ سامان مکلارنس کے سامنے رکھ دیا۔ مسعود اور ایلیس دوسرے ئی جیکرز کا سامان تلاش کر رہے تھے۔ انتہائی احتیاط اور سخت ؤ دَو کے بعد اُنھوں نے بھی وہ بریف کیس ڈھونڈ لیے۔ جدید ترین ز کے پستول اور بم بنائے گئے تھے لیکن شکر تھا کہ ان کا استعمال ذرا پیچیدہ تھا اور ان کے سیفٹی کیچ محفوظ تھے۔ اس لیے کوئی بم پھٹا نہیں تھا۔

"ان تمام چیزوں کو باہر پھینک دو۔" مکلارنس نے کہا۔

"میرے خیال میں انھیں محفوظ کر لینا چاہیے مسٹر مکلارنس۔ باہر نامعلوم کس قسم کے حالات پیش آئیں۔ ممکن ہے ہمیں ان کی ضرورت پیش آ جائے۔" ایک اور گرانڈیل شخص نے کہا جس کے سامنے کے دو دانت ٹوٹ گئے تھے اور اُسے بولنے میں سخت دِقّت ہو رہی تھی۔

"تمھارا خیال بالکل درست ہے ڈیئر لیکن مکلارنس کی پُوری زندگی خطرناک مُہمّات میں گزری ہے۔ میرا تجربہ ہے کہ ایسی چیزیں دوسروں سے زیادہ اپنے لیے تکلیف دِہ ہو جاتی ہیں۔ ہم ہر مشکل کا مشترکہ مقابلہ کریں گے لیکن اگر یہ ہتھیار ہمارے پاس محفوظ رہے تو ہم ایک دوسرے پر ہی برتری جتانے کے مرض میں مبتلا ہو جائیں گے۔ میری درخواست ہے کہ میری بات مان لی جائے اس میں سب کا بھلا ہے۔"

میں نے مسعود اور ایلیس کو اشارہ کیا اور اُنھوں نے ساری چیزیں دروازے سے باہر کے خَلا میں اُچھال دیں۔ میری گھڑی تین بجا رہی تھی۔ دہشت زدہ لوگوں کی ذہنی کیفیت کسی قدر بحال ہو گئی تھی۔ مکلارنس نے ان دو لڑکیوں کی طرف دیکھ کر کہا جو ائر ہوسٹس کے لباس میں نظر آ رہی تھیں۔ "جہاز تباہ ہو گیا ہے لیکن بہرحال تمھیں اس کے بارے میں مکمل معلومات حاصل ہیں۔ اگر تم اس کے کچن کا جائزہ لو اور وہاں سے کافی اور شراب مل جائے تو براہِ کرم ان لوگوں میں سَرو کر دو۔ اس دوران میں ہم دوسری تدبیریں کرتے ہیں اور مسٹر ایڈی آپ سے ہم ایک اور کام لینے کا ارادہ رکھتے ہیں۔"

"میں حاضر ہُوں انکل۔" گیارہ سالہ بچّے نے کہا۔

مکلارنس بلاشُبہ ایک ذہین مُہم جُو تھا۔ خود وہ چلنے پھرنے کے قابل نہیں تھا لیکن اس کی ذہنی قوتیں کام کر رہی تھیں اور چند نوجوان پُوری طرح اس کے ہمنوا ہو گئے تھے۔ چنانچہ وہ مکلارنس کی ہدایات پر کام کرنے لگے۔ لوہے کی ایک راڈ سے گول کھڑکی کا مضبوط شیشہ توڑ دیا گیا اور پھر اُس کی پُوری طرح صفائی کر لی گئی۔ اس کے بعد ایک لمبی رسّی تلاش کی گئی۔ اس دوران میں دونوں ہوسٹسوں نے دوسرے چند لوگوں کی مدد سے کافی تیار کر لی۔ شراب کی بُو جہاز میں پھیلی ہُوئی تھی جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ اس کی لاتعداد بوتلیں ٹوٹی ہُوئی ہیں لیکن اس کے باوجود ہوسٹس کئی بوتلیں اور گلاس لے آئی تھی۔ اُس نے شراب پسند کرنے والوں کو شراب

پیش کردی۔ مجھے خوشی ہوئی کہ میرے تینوں ہم وطنوں نے صرف کافی طلب کی تھی۔ مکلارنس اور ایڈی بھی ہمارے پاس بیٹھے کافی پی رہے تھے۔ اس دوران میں، میں نے باقی دو ہم وطنوں سے بھی تعارف حاصل کرلیا۔ ان کے نام طاہر اور شمشاد تھے۔ طاہر امریکا میں تعلیم حاصل کر رہا تھا، مسعود وہاں ملازم تھا اور شمشاد ٹیکسٹائل مشینری کے ایک بڑے سودے کے لیے جا رہا تھا۔ بہر حال ان تینوں میں سے کوئی مجھ سے واقف نہیں تھا۔ میں نے بھی سادگی سے اپنا تعارف کرادیا۔ کوئی رسمی گفتگو اس وقت قطعی نہیں کی جاسکتی تھی کیونکہ سب خوف وہراس کا شکار تھے۔ ہاں اپنے وطن کی اپنائیت ایک خاص اہمیت ضرور رکھتی تھی، اس لیے ہم چاروں ایک دوسرے سے قربت محسوس کر رہے تھے۔

کافی وغیرہ پینے کے بعد مسٹر مکلارنس نے ایڈی کو ساری کارروائی سمجھائی اور نلڈر لڑکا تیار ہوگیا۔ چند نوجوان ایڈی کی کارروائی کے لیے مخصوص کردیے گئے تھے۔ رسّی کے کئی بَل ایڈی کی کمر میں دے کر مضبوطی سے باندھ دی اور پھر اُسے جہاز کے گول سوراخ سے باہر نکال دیا گیا۔ ایڈی نہایت اطمینان سے سوراخ سے باہر نکل گیا تھا۔

"نیچے زمین موجود ہے۔" اُس نے پہلی اطلاع دی اور پھر وہ زمین پر اُتر گیا۔ بہت سے لوگ شیشوں سے باہر جھانکنے لگے تھے، ایڈی آگے بڑھ رہا تھا کیونکہ رسّی باہر نکلتی جارہی تھی۔ تقریباً پندرہ منٹ تک وہ باہر گھومتا رہا اور پھر اُس کی آواز اُبھری۔ "انکل مکلارنس، میں واپس آنا چاہتا ہوں۔" رسّی کھینچی جانے لگی۔ چند ساعت کے بعد ایڈی سوراخ سے اندر آگیا۔ لوگوں نے اسے گود میں لے لیا تھا۔ مسٹر مکلارنس بھی اپنی جگہ سے اُٹھ گئے۔ ایڈی سب کی توجہ کا مرکز بنا ہوا تھا۔

"ہاں بیٹے۔ کیا پوزیشن ہے؟" مکلارنس نے پوچھا۔

"بہت حیرت انگیز، بے حد ہولناک۔ طیارے کے نیچے برف کی موٹی تہ ہے۔ اس کا اگلا حصّہ دو بہت بڑی چٹانوں پر ٹِکا ہوا ہے اور پچھلا حصّہ پہیّوں پر۔ اگلا ٹائر پھٹ چکا ہے اور انکل بہت سا سامان، بکس، سُوٹ کیس اور نہ جانے کیا کیا دُور دُور تک بکھرا ہُوا ہے۔ بہت دُور تک۔ طیارے کے ساتھ برف کی ایک دیوار سی کھڑی ہوگئی ہے اور دوسری طرف۔ انکل دُوسری طرف بہت گہرائی ہے۔"

"قرب وجوار میں کوئی خاص چیز؟" مکلارنس نے پوچھا۔

"نہیں بس برف ہے اور کہیں کہیں بھُوری چٹانیں۔ بہت دُور سبزہ بھی نظر آرہا ہے۔" ایڈی نے بتایا۔

"طیارے کی نچلی تہ پھٹ گئی ہے۔؟"

"بُری طرح انکل۔ بہت بُری طرح۔"

تمام لوگ یہ گفتگو سُن رہے تھے اور مسٹر مکلارنس نے کے خاموش ہونے کے بعد کہا۔ "اب آپ لوگوں کا کیا خیال "اس تباہ شدہ طیارے سے باہر نکلنے کی کوشش کی جا "کیسے اور کہاں سے؟ دونوں دروازوں کے دوسری جا خوفناک موت کھڑی ہے۔ کھڑکی کے سوراخوں سے نکلنا ممکن مکلارنس نے کہا اور تمام لوگ سوچ میں ڈوب گئے۔ میں کسی خ تحت اُٹھ کر اُس جگہ پہنچ گئی جہاں طیارے کی نچلی تہ پھٹ گ میں نے اس میں جھانک کر دیکھا۔ نیچے برف نظر آرہی تھی او اتنا بڑا تھا کہ اُس سے ایک آدمی بہ آسانی گزُر سکتا تھا۔

میں نے مسعود کو آواز دی۔ وہ میرے پاس آگیا۔ "جیسا نے بتایا ہے کہ طیارہ آگے سے پتھروں پر ٹِکا ہُوا ہے۔ اس برف کی اس تہ کو کھود کر ایک سُرنگ بنالی جائے تو ہم طیا باہر نکل سکتے ہیں۔"

"ہاں یہاں سے کوشش کی جاسکتی ہے۔" مسعود نے کی تائید کی اور پھر واپس آکر کوئی ایسی نوکیلی چیز تلاش کرنے سے برف میں کھُدائی کی جاسکے۔ ایسی بہت سی چیزیں موجود تھ انفرادی کوشش کے طور پر اس کو ہاں سے نیچے اُتر گیا اور برو لگا۔ دوسرے لوگوں نے اس طرف توجہ نہیں دی تھی، وہ ممک کا تعین کر رہے تھے۔

طیارے کے کچن میں کھانے پینے کا سامان وافر مقدار م تھا۔ مسٹر مکلارنس نے اس سلسلے میں ہدایات دینا شروع کر دی لڑکیاں جن میں ائر ہوسٹس بھی شامل تھیں، تمام لوگوں کے لی کی تیاریاں کرنے چلی گئیں۔ مسعود مسلسل کوشش میں مصروف ت اب وہ نظر نہیں آرہا تھا۔ میں اُسے دیکھنے اُس کے پاس پہ غائب تھا اور برف میں گہرا گڑھا نظر آرہا تھا۔ نیچے کوئی آہ نہیں تھی۔ ایک لمحے کے لیے میں نے سوچا اور پھر میں کسی کو ک بغیر برف کے اُس گڑھے میں اُتر گئی۔ تھوڑے ہی فاصلے کا سوراخ نظر آرہا تھا۔

میں خوشی سے اُچھل پڑی۔ مسعود نے انتہائی محنت س نکلنے کا راستہ دریافت کرلیا تھا۔ میں اس قدر مسرور ہوئی کہ اُوپر آنے کے بجائے اس سُرنگ سے ہوتی ہوئی باہر نکل گئ چند ساعت کے بعد میں ایک ہولناک ویرانے میں کھڑی ہو مجھ سے چند قدم کے فاصلے پر مسعود کھڑا برف اور بھوری ز بکھرا ہُوا سامان دیکھ رہا تھا جس کے درمیان انسانی اعضا

ے تھے۔ جہاز کے اندر بہت سی لاشیں بلا تعداد اعضا سے محروم تھیں۔ وں کے یہ حصّے اس کوہان جیسے سوراخ سے باہر نکلے ہوں گے، جہاز پچھلے حصّے میں بھرا ہُوا سامان اس جگہ سے بکھرتا ہُوا یہاں تک تھا جہاں طیارہ پہلی بار زمین سے ٹکرایا تھا۔ اس سامان کی ـ لکیر سی بنی ہوئی تھی اور وہ بُری طرح تباہ ہوگیا تھا۔ تا حدِّ نگاہ ناک ویرانہ پھیلا ہُوا تھا۔ پہاڑی سلسلے خوفناک گھاٹیاں اور پھر ت۔ زندگی کا کوئی وجود نہیں تھا یہاں۔

مسعود نے مجھے دیکھ لیا اور گہری سانس لے کر میرے نزدیک یا۔ "ہماری زندگی شدید خطرات سے دوچار ہوگئی ہے محترمہ، دیکھیں ں ویرانے میں کیا ہوتا ہے۔" اُس کے لہجے میں مایوسی تھی۔

اس سے قبل کہ میں مسعود کو کوئی جواب دیتی، عقب سے ـ آواز اُبھری۔ "آہ۔ یہ لوگ تو پہلے ہی باہر آگئے۔ واہ کیا انوکھی لمہ ہے۔" یہ جہاز کا ایک اور مسافر تھا جو اسی سوراخ سے باہر نکل تھا۔ ہم نے اس پر توجہ نہ دی۔ میں اور مسعود اس ہولناک حادثے ے دُوسرے نشانات دیکھ رہے تھے۔

سوراخ کا راز عام ہوگیا اور رفتہ رفتہ لوگ اس سے رینگ ینگ کر باہر آنے لگے لیکن اندر دوسرے ذہین لوگ بھی موجود تھے ی نے وہ میکنزم بھی دریافت کرلیا جس کے ذریعے جہاز کے عام مازے کے مخالف سمت میں پائلٹ سیٹ کے پاس ایک ایمرجنسی ازہ کھُل جاتا تھا۔ یہ دروازہ جام نہیں ہُوا تھا۔ چنانچہ وہ کھُل گیا پھر جہاز کے زندہ بچ جانے والے تمام مسافر آسمان تلے جمع گئے۔

اس ویرانے کی ایک ایک چٹان حیرانی سے اُن انسانوں کو بی محسوس ہو رہی تھی اور انسان خوفزدہ نگاہوں سے اس ماحول دیکھ رہے تھے۔ مکلارنس بھی دو آدمیوں کی مدد سے نیچے آگیا اور پھر ں نے اُنھی دونوں کے کاندھوں کے سہارے قرب وجوار کے ماحول یکھا اور پھر بولا۔

"تمام لوگ میرے اطراف جمع ہوجائیں۔ میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔"

"اس شخص کو ان حالات میں بھی لیڈر بننے کا شوق چرایا ہے۔" میر یب کھڑے ہوئے ایک آدمی نے کسی قدر ناگوار لہجے میں کہا۔

"اس میں حرج بھی کیا ہے۔ آؤ سُنیں وہ کیا کہنا چاہتا ہے۔" دوسر ی نے کہا اور دونوں مکلارنس کی آواز پر متوجہ ہوگئے۔ وہ کہہ رہا تھا۔

"تم نے اس ماحول کو دیکھا۔ یہ حادثہ ہم میں سے کسی کی ذمّے داری ں ہے جو اس کے ذمّے دار تھے وہ مرگئے اور اگر وہ زندہ ہوتے تو ہم فرشتے نہیں تھے کہ اُنھیں معاف کر دیتے۔ ہم اُن سے ضرور انتقام لیتے۔ بہر حال ہم جس عظیم مصیبت میں گھر گئے ہیں، اس کا اندازہ آپ لوگوں کو نہیں ہے۔ ممکن ہے جہاز کے مسافروں میں بہت سے ایسے لوگ ہوں جنھوں نے اپنی زندگی میں ایسے حالات سے گزارا کیا ہو۔ اگر ایسے چند افراد آپ لوگوں میں موجود ہیں تو مجھے اُن کی ضرورت ہے۔ مجھے ان سے مشورہ کرنا ہے۔"

اُس نے رُک کر لوگوں کو دیکھا لیکن کوئی آگے نہ آیا تب اُس نے کہا۔ "میری خواہش ہے دوستو کہ ہم ان حالات سے نمٹنے کے لیے ایک ضابطہ بنالیں۔ میں نے اپنی زندگی کا بیشتر حصّہ سیاحت میں گزارا ہے۔ میری عقل جس حد تک ساتھ دے گی میں کوشش کروں گا کہ آپ کو ان حالات سے گزار لے جاؤں۔ اس سلسلے میں آپ حضرات کے مشورے بھی میرے ساتھ ہوں گے لیکن میں صرف ایک بات چاہتا ہوں۔" اُس نے رُک کر تمام لوگوں کو دیکھا پھر بولا۔ "میری خواہش ہے کہ آپ میں سے ہر شخص خود کو ایک ضابطے کا پابند سمجھے اگر وہ اس ضابطے کو تسلیم کرلے تو پھر اس سے منحرف نہ ہو۔"

"تم کیا چاہتے ہو مسٹر مکلارنس؟" اس دوسرے گرانڈیل آدمی نے پوچھا جو مکلارنس پر نکتہ چینی کرتا رہا تھا۔

"چاہتا تو میں یہ ہوں کہ اپنے تمام ساتھیوں کے ساتھ برف کے اس ہولناک ویرانے سے باہر نکل جاؤں اور سب کی زندگی محفوظ رہے لیکن اس قسم کے حادثات کے بعد انسانی ذہن عموماً بے قابو ہوجاتا ہے اور حادثے سے بچ جانے کے امکانات ختم ہوجاتے ہیں۔ بس میری خواہش ہے کہ جتنے لوگ موجود ہیں ایک دوسرے سے مکمل تعاون کرتے ہوئے زندگی کی جدوجہد کریں۔ کسی کی سوچ اور عمل انفرادی نہ رہے بلکہ جو فیصلہ اجتماعی ہو اُسے قبول کیا جائے۔"

"اس میں کسی کو کیا اعتراض ہوسکتا ہے۔" دوسرے دو آدمی بولے اور پھر بہت سی آوازیں اُبھریں۔ "ہم سب آپ سے مکمل تعاون کرنے کے لیے تیار ہیں مسٹر مکلارنس۔"

"بہت بہت شکریہ۔ شام جھُک آئی ہے۔ ہمارا جہاز جس جگہ ٹِکا ہُوا ہے وہ مخدوش نہیں ہے۔ ہر چند کہ یہ اس خوفناک گھاٹی کا کنارہ ہے جس کی چوڑائی کی دوسری مثال مشکل ہوگی لیکن جس قدر اندازہ میں نے لگایا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ جہاز کے گھاٹی میں گرنے کے امکانات نہیں ہیں تاہم یہ رات ہم جہاز میں ان لاشوں کے درمیان نہیں گزار سکتے۔ سب سے پہلے میں آپ لوگوں سے ان لاشوں کے بارے میں پوچھنا چاہتا ہوں۔"

"کیا؟" ایک شخص نے سوال کیا۔

"کیا ان لاشوں کی تدفین کی ہمت آپ لوگوں میں ہے؟"

"آپ کی کیا خواہش ہے مسٹر مکلارنس؟"

"باہر کا موسم اس قدر سرد نہیں ہے جتنا ہم سوچ رہے تھے۔ ہوائیں بند ہیں اس لیے یہ رات ہم یہاں ان چٹانوں پر گزار سکتے ہیں۔ اپنے اطراف میں آگ روشن کر لیں گے جس سے سردی کی شدت محسوس نہ ہوگی۔ صبح کوئی گڑھا تلاش کر کے ان لاشوں کی اجتماعی تدفین کر دیں گے۔ یہ تو ہُوا ان لاشوں کا مسئلہ، اس کے بعد ہم آئندہ پیش آنے والے لمحات کے لیے ایک لائحہ عمل بنائیں گے۔ کیا رائے ہے؟"

"ٹھیک ہے۔ اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔" تمام لوگوں نے کہا۔

"دس جوان جہاز میں داخل ہو کر ایسے کپڑے جمع کریں، جنھیں بستروں کی حیثیت سے استعمال کیا جا سکے اور اس کے بعد اس جگہ ہم اپنی قیام گاہ ترتیب دے لیں گے۔ جہاز ہماری پُشت پر رہے گا۔"

رات گزرتی رہی۔ نیند تو خیر کیا آ سکتی تھی، بس آنکھوں کو سکون دینے کے لیے انھیں زبردستی بھینچ لیا تھا اور پھر صبح ہو گئی۔ لوگ ویران چہرے لیے اُٹھ کر بیٹھ گئے۔ سُورج نکل آیا تھا اور اُس کی ہلکی ہلکی حرارت بے حد خوشگوار لگ رہی تھی۔

ناشتے کا بندوبست کیا گیا۔ مکلارنس کہہ رہا تھا کہ کھانے پینے کی ایک ایک چیز زندگی کی سب سے بڑی دولت سمجھی جائے اور اس کی بھرپور حفاظت کی جائے۔ اس کے لیے اُس نے چند لوگوں کو مخصوص کیا کہ جہاز کے بکھرے ہُوئے سامان میں کھانے پینے کی جو چیز ملے اُسے جہاز کے کچن میں محفوظ کر کے اس کی پوری پوری حفاظت کی جائے۔

اس کے بعد لاشوں کی تدفین کا ناگوار فرض پورا کیا گیا۔ مکلارنس خود بھی اپنی ٹوٹی ہُوئی ٹانگ کے ساتھ جہاز میں داخل ہو گیا تھا اور اعضا سمیٹ رہا تھا۔ انسانی اعضا اور لاشیں گھسیٹ کر اس ایمرجنسی دروازے سے باہر پھینکی جا رہی تھیں اور دیکھنے والوں سے دیکھا نہیں جا رہا تھا۔

دس آدمی برف میں گڑھا کھودنے پر مامور کر دیے گئے تھے اور وہ تندہی سے اپنے کام میں مصروف تھے۔ جلد ہی گڑھا تیار ہو گیا اور تمام لاشیں اُس میں ڈال کر گڑھا بند کر دیا گیا۔ اس دوران میں مکلارنس انتظامی معاملات میں مصروف رہا۔ لاشوں کے بدن سے ایسے لباس اُتار لیے گئے تھے جو زندہ لوگوں کے کام آ سکتے تھے۔ اس کے علاوہ اُن کے پاس جو قیمتی چیزیں تھیں وہ بھی ایک جگہ جمع کر لی گئی تھیں۔ پھر ایک بڑا سُرخ کپڑا تلاش کیا گیا اور اُسے ایک لمبے راڈ میں باندھ کر جہاز کے کاک پٹ کے پاس باندھ دیا گیا۔ یہ اس لیے کیا گیا تھا کہ ممکن ہے طیارے کو تلاش ک والی پارٹیوں کا ادھر سے گزر ہو۔ اس کے بعد ناکارہ کپڑوں سے کے مختلف حصّوں سے خون صاف کیا گیا تاکہ جہاز میں تعفن ا جراثیم نہ پیدا ہوں۔ صفائی کرنے کے بعد جہاز میں جراثیم کش اد سے اسپرے کر دیا گیا جن کی نشاندہی ہوسٹس نے کی تھی۔

سارا دن شدید محنت کی گئی تھی اور دوپہر کا کھانا صرف د بچّوں کو دیا گیا تھا۔ شام پانچ بجے تمام لوگوں نے کھانا کھایا او کے بعد کافی پی۔ پھر آرام کرنے لیٹ گئے۔ جو دوسرے دن صبح جاری رہا۔

یوں جہاز کے پاس اس خوفناک ماحول میں ہمیں پانچ گزر گئے۔ سب سے خوفناک مسئلہ خوراک کا تھا۔ اب تک جس ا سے خوراک خرچ کی گئی تھی اُس کی وجہ سے یہ دن نکل گئے ت لیکن ظاہر ہے جہاز میں خوراک کا اتنا بڑا ذخیرہ نہیں تھا۔ یہ ا بھی تھی کہ ممکن ہے امدادی طیارے اس طرف آ جائیں اور یہ مشکل حل ہو جائے لیکن دن رات آنکھیں آسمان پر لگی رہتی ابھی تک کوئی پرندہ بھی نظر نہیں آیا تھا اور لوگوں میں مایوس جا رہی تھی۔

ہر رات میٹنگ ہوتی تھی اور ضروری اُمور پر گفتگو ہوتی اس وقت بھی ناکارہ سُوٹ کیسوں اور دُوسری ایسی ہی اش بنائی ہُوئی دیواروں کے درمیان میٹنگ کا آغاز ہو گیا۔

"ابھی تک کوئی طیارہ اُس طرف سے نہیں گزرا اور تلاش کرنے والی کوئی پارٹی ادھر آئی۔ اس سے پتہ چلتا ہے ک عام ہوائی راستوں سے بھی ہٹ کر ہے۔ ان حالات میں کیا یہاں رُک کر مزید انتظار کر سکتے ہیں؟"

"ہم ضرور انتظار کرتے لیکن خوراک کا مسئلہ ہے۔ یہاں کوئی ایسی شے نہیں جسے خوراک کے طور پر استعمال کیا جا سکے۔ حالات میں یہاں قیام اب ممکن نہیں رہا ہے۔" مکلارنس نے

"پھر کیا خیال ہے؟"

"میری رائے ہے سفر کی تیاریاں کی جائیں۔"

"مگر کون سی سمت اختیار کی جائے؟"

"اس کا تعین کل دن کی روشنی میں کیا جائے گا۔ سفر کے تعین کے بعد ہم جہاز کو اسکریپ کریں گے اور اس سے چیزیں نکال لیں گے جو سفر میں ہماری معاون ہوں۔" مک نے کہا۔

اس دوران میں مکلارنس نے لوگوں کے ساتھ جو رویّہ رکھا اُس نے تمام مخالفتیں ختم کر دی تھیں۔ اس کے انداز میں کوئی جارحیت نہیں تھی۔ زخمی ٹانگ ہونے کے باوجود وہ خود بھی حتی الامکان کاموں میں مصروف رہتا تھا۔ جہاز میں داخل ہو کر اُس نے اپنے مطلب کی چند چیزیں نکالیں اور اُن کا ایک ایسا فریم بنا لیا جو بیساکھی کی شکل کا تھا اور اس میں ٹانگ پھنسا کر وہ چل سکتا تھا۔ لوگوں نے دلچسپی سے اُس کی ان کارروائیوں کو دیکھا تھا۔

بہر حال دوسرے دن اُس نے مزید ذہانت کا مظاہرہ کیا۔ زخمیوں اور دوسرے کمزور لوگوں کے لیے برف پر پھسلنے والی گاڑیاں بنائی گئیں اور کچھ اصول وضع کر لیے گئے۔ سفر کے لیے وہی سمت متعین کی گئی جدھر سے جہاز یہاں تک آیا تھا۔ اس کے علاوہ ٹولیاں بنا دی گئیں اور اُن کی حفاظت ایک آدمی کے ذمّے کر دی گئی۔ قیمتی سامان اُسی جگہ لوگوں میں تقسیم کر دیا گیا اور سامان کی تقسیم کے وقت مکلارنس میری طرف متوجہ ہُوا۔

مجھے فر کے دو بڑے کوٹ، ایک ٹوپی، تقریباً دس ہزار روپے کے نوٹ اور کچھ دُوسرا سامان دیا گیا۔ جس میں سے میں نے صرف کوٹ اور ٹوپی قبول کی تھی۔ "یہ چیزیں کسی اور کو دے دیں مسٹر مکلارنس۔" میں نے کہا اور اُس نے دلچسپی سے مجھے دیکھا۔

"کیوں۔ یہ تمھارا حصّہ ہیں؟"

"بے مصرف چیزوں سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

"ویری گڈ۔ تم میری ٹولی میں شامل ہو جاؤ۔ گریٹ ایڈی کے بعد تم دوسری انسان ہو جس نے ذہانت کی کوئی بات کی ہے۔ ویسے بھی میں تمھارے بارے میں کچھ خاص باتیں محسوس کرتا رہا ہوں۔"

"مثلاً مسٹر مکلارنس؟" میں نے مسکراتے ہُوئے پوچھا۔

"جہاز میں ممکن ہے تم نے میری طرف توجّہ نہ دی ہو لیکن میں نے اتفاقیہ طور پر تمھیں دیکھا تھا۔ دوسرے لوگوں کی مانند تم اس وقت نہیں تھیں جتنے دُوسرے۔ میری مُراد اُس وقت سے ہے جب ہوائی جیکروں نے جہاز کے اغوا کا اعلان کیا تھا۔ اس کے بعد اس وقت تک تم نے کسی بدحواسی یا خوف کا مظاہرہ نہیں کیا۔"

"ممکن ہے۔ ویسے میں ان حالات سے خوف زدہ تو ہوں۔" میں نے مسکرا کر کہا۔

"فطری بات ہے لیکن خود کو کنٹرول میں رکھنا بھی معمولی بات نہیں ہے۔ واقعی یہ بیکار وزن کہیں بھی جمع کیا جا سکتا ہے۔ اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے..."

میں مکلارنس کی ٹولی میں شامل ہو گئی۔ طاہر، مسعود اور شمشاد کو بھی میں نے اپنے ساتھ رکھا تھا۔ اس کے علاوہ ایڈی اور جینی ہمارے ساتھ شامل تھیں۔ ہر ٹولی کو یہ آزادی دی گئی تھی کہ وہ اپنی پسند کی سمت اختیار کر لے یا راستہ بدلنے کی ضرورت محسوس کرے تو راستہ بدل لے یا اگر کسی ٹولے کے کسی فرد کو اس ٹولی کے سربراہ کی رائے سے اختلاف ہو تو وہ اسے چھوڑ کر دوسری ٹولی میں شامل ہو جائے۔ یہ سب اس وجہ سے کیا گیا تھا کہ سفر خطرناک ثابت ہو سکتا تھا اور کوئی ایک شخص اس کی ذمّے داری قبول کرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔

برف پر پھسلنے والی دو گاڑیاں ہمارے ساتھ تھیں اس کے علاوہ دیگر سامان بھی تھا۔ ہماری ٹولی میں نو افراد شامل تھے مسعود، طاہر اور شمشاد، ایڈی، جینی اور مکلارنس، میں خود اور دو زخمی لوگ جنھیں کسی نے بھی قبول نہیں کیا تھا۔ ان دونوں زخمیوں کو پھسلنے والی گاڑی میں سامان کے ساتھ بٹھا لیا گیا تھا۔ میں نے بلند ہمّت مکلارنس کو بھی گاڑی پر بیٹھنے کی پیشکش کی لیکن اُس نے یہ پیشکش مُسکرا کر مسترد کر دی۔

"جب ضرورت محسوس کروں گا تمھاری بات مان لوں گا۔" اور پھر ہم لوگ چل پڑے۔ تمام ٹولیوں نے ایک ہی سمت میں سفر کرنا مناسب خیال کیا تھا۔ سخت اور کھردرے پتھروں پر سفر کافی مشکل تھا۔ گاڑیاں کھینچنے میں دقّت ہو رہی تھی لیکن بہرحال یہ سب کچھ تو کرنا ہی تھا۔ میرے باہمّت ساتھی بہت پُرعزم تھے اور سفر کا آغاز کرتے ہُوئے کافی خوش بھی تھے۔

"اگر ہم نئی زندگی حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے تو اس سفر اور ان خوفناک لمحات کو ساری زندگی فراموش نہیں کر سکیں گے۔" طاہر نے کہا۔

"اس میں کیا شک ہے۔ ویسے ہمارے اہلِ خاندان کو اب تک ہمارے بارے میں علم ہو چکا ہوگا اور ہماری فاتحہ وغیرہ بھی کروا دی گئی ہوگی۔" مسعود بولا اور ہم لوگ ہنسنے لگے۔ مکلارنس ایڈی کا ہاتھ پکڑے سب سے آگے چل رہا تھا۔ اُس نے گاڑی کھینچنے کی رسّی پکڑنے کی کوشش بھی کی تھی لیکن میں نے سختی سے اس کی مخالفت کی اور وہ خاموش ہو گیا۔

ٹولیاں دُور دُور تک پھیل گئی تھیں اور آگے بڑھ رہی تھیں لیکن ابھی تک کوئی نگاہوں سے اوجھل نہیں ہُوا تھا اور پھر رات کا منظر کافی دلچسپ تھا۔ پورے دن کے سفر کے بعد ہم جس جگہ پہنچے تھے وہاں اب سخت برف شروع ہو گئی تھی جس پر قدم جما کر چلنا

بہت مشکل تھا۔ لوگ پھسل پھسل کر گر رہے تھے اس لیے رات کی تاریکی میں یہ سفر ملتوی کر دیا گیا۔

دوسرے لوگوں نے بھی یہی سوچا تھا۔ چنانچہ ایک وسیع و عریض دائرے میں قیام کیا گیا اور سفید برف پر آگ روشن ہو گئی۔ ہم سے تھوڑے فاصلے پر ایک اور ٹولی موجود تھی اور یہاں سے ان لوگوں کو بخوبی دیکھا جا سکتا تھا۔ ہم لوگ آگ کے درمیان بیٹھے اپنے اپنے طور پر سوچ رہے تھے نہ جانے کیا کیا خیالات ذہن کو پراگندہ کر رہے تھے۔ کچھ لوگوں نے آنکھیں بھی بند کر لی تھیں۔ میں ایک جگہ بیٹھی ہوئی تھی کہ عقب میں کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دی اور میں پلٹ کر دیکھنے لگی۔ یہ وہی قوی ہیکل شخص تھا جس نے دو ایک بار مکلارنس کی مخالفت کی تھی۔ اس کا رُخ میری طرف ہی تھا۔ میں اُسے دیکھنے لگی۔

"ہیلو۔" اُس نے بے تکلفی سے میرے نزدیک بیٹھتے ہوئے کہا۔

"ہیلو۔" میں سرد لہجے میں بولی۔

"اب تو یہ ٹولیاں منتشر ہو گئی ہیں لیکن اُس وقت جب ہم سب یکجا تھے ایک بہت بڑی کسر رہ گئی۔" اُس نے کہا۔

"وہ کیا؟" میں نے پوچھا۔

"مسٹر مکلارنس کو چاہیے تھا کہ وہ سب کا تعارف ایک دوسرے سے کرا دیتے۔"

"اس کی کیا ضرورت تھی؟"

"کم از کم ایک دوسرے کو اُس کے نام سے تو پکار سکتے تھے یاد تو رکھ سکتے تھے۔ اب جیسے میں آپ کا نام بھی نہیں جانتا۔"

"میں عالیہ ہوں۔" میں نے کہا۔

"گڈ۔۔۔ اور میرا نام برووڈی ہے۔ امریکن ہوں۔" اُس نے میری طرف مصافحے کے لیے اپنا چوڑا ہاتھ بڑھا دیا لیکن میں نے اُس سے ہاتھ نہیں ملایا تھا۔ البتہ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اور میں پاکستانی ہوں۔"

"اوہ۔ ہاں مشرق کی تنگ دلی بہت مشہور ہے۔ خاص طور سے آپ کے ملک میں مرد اور عورتیں دو الگ الگ مخلوق سمجھی جاتی ہیں۔" اُس نے کسی قدر کھسیانے ہوئے انداز میں اپنا ہاتھ پیچھے کرتے ہوئے کہا۔

"شاید۔" میں نے جواب دیا۔

"مشرق سے نکل کر بھی آپ اتنی ہی تنگ دل ہیں؟"

"آپ میرے وطن کی بات نہ کریں۔ ہم لوگ دُنیا کے کسی خطے میں ہوں اپنے وطن کا پیار دل سے نہیں نکالتے اور اس کی روایات کو یاد رکھتے ہیں۔"

"بہرحال مجھے اس سے اختلاف نہیں ہے اپنا وطن پیارا ہے لیکن اس خوفناک حادثے کے بعد تو ہم سب بے وطن ہیں۔ وقت تو برف کا یہ بحرِ بیکراں ہماری قسمتوں کا مالک ہے۔ کیا آپ وثوق سے کہہ سکتی ہیں مس ایلیا کہ آپ زندہ سلامت کسی آبادی پہنچ جائیں گی؟"

"نہیں۔ وثوق سے نہیں کہہ سکتی لیکن جب تک زندہ ہوں مایوس بھی نہیں ہوں۔"

"ہاں۔ یہ تو اچھی بات ہے لیکن میں آپ سے کچھ اور کہنا چاہتا ہوں۔"

"کیا۔۔۔؟"

"مسٹر مکلارنس نے کچھ پابندیاں عائد کر دی ہیں۔ میں تو ا بھی انسانی زندگی کی ان حماقتوں میں سے ایک سمجھتا ہوں جو نے اپنی ذات پر ایک بوجھ کی حیثیت سے مسلط کر لی ہیں۔"

"کون سی حماقتیں؟"

"تہذیب و اخلاق، مذہب وغیرہ۔" وہ بولا۔

"نظریات ہوتے ہیں اپنے اپنے۔"

"میری ایک پیش کش ہے مس ایلیا۔"

"جی۔۔۔؟ فرمایئے؟" میں نے پوچھا۔

"آیئے اپنی اپنی پارٹیاں چھوڑ دیں۔ ہم دونوں اپنے طور آگے چلتے ہیں۔ ان لوگوں کے ساتھ سفر کرتے ہوئے ہم مختلف پا کا شکار رہیں گے۔ زندگی اس وقت بے حد نازک دَور سے گزر رہی ہے۔ ہم اس آخری وقت کو بھی دوسروں کے حوالے کیوں کریں؟"

میں نے کسی قدر غصیلی نگاہوں سے اس شخص کو دیکھا پھر بولی۔ "یوں لگتا ہے جیسے آپ ہوش و حواس چھوڑتے جا رہے ہیں مسٹر برووڈی۔ آپ نے اس خوبصورت پروگرام کے لیے انتخاب ہی کیوں کیا ہے؟"

"اس کی ایک خاص وجہ ہے مس ایلیا۔"

"وہ کیا؟"

"ان ٹولیوں میں سفر کرنے والی لڑکیاں نیم مُردہ کیفیت میں ہیں اور ہر طرح کے جذبات سے عاری ہو چکی ہیں۔ اُن میں زندگی کی کوئی رمق باقی نہیں رہی ہے۔ جبکہ اُن کی نسبت آپ زندگی سے بھرپور ہیں اور مس ایلیا۔ ایسے لمحات میں جب موت ہمارے ساتھ قدم قدم چل رہی ہو زندگی سے دُور رہنا گناہ ہے۔ میں مرد ہوں عورت ہو ایلیا اور ہم زندہ ہیں۔"

"دفعان ہو جاؤ یہاں سے۔ جاؤ ورنہ۔۔۔" میں نے کرخت

لہجے میں کہا۔

"تعجب ہے آپ نے میری یہ پیش کش۔۔۔؟"

"میں کہتی ہوں چلے جاؤ یہاں سے۔ ورنہ میں کوئی سخت قدم اُٹھا بیٹھوں گی۔" میں نے کہا اور اُٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ مجھے دیکھتا رہا پھر ہنسنے لگا اور اس کے بعد اُٹھ کر وہاں سے چلا گیا۔

اُس کے جانے کے بعد میں دیر تک اس کے بارے میں سوچتی رہی اور پھر ایک جگہ جا کر لیٹ گئی۔ نہ جانے اس رات مجھے ایسی گہری اور بھرپور نیند کیوں آ گئی جب کہ اس سے قبل میں کبھی ایسی نیند نہیں سوئی تھی۔

صبح کو ہم سب جاگے تو حیران رہ گئے۔ سورج خوب چڑھ گیا تھا اور تقریباً تمام ٹولیاں روانہ ہو چکی تھیں لیکن ایک المیہ بھی ہوا تھا۔ زخمیوں میں سے ایک شخص چل بسا تھا اس کی لاش اکڑی ہوئی تھی۔ ویسے اس شخص کی حالت کافی خراب تھی اور اس کی موت کی توقع کی جا رہی تھی۔ ہم نے اُسے دفن کیا اور پھر وہاں سے چل پڑے۔

جوں جوں ہم آگے بڑھتے جا رہے تھے برف کی تہیں موٹی اور نرم ہوتی جا رہی تھیں گویا خطرناک راستہ شروع ہو گیا تھا۔ یہ بات قطعی نہیں معلوم ہو سکی تھی کہ ہم زمین کے کون سے حصے میں ہیں۔ طیارے کے سفر کے اوقات سے اندازہ لگانے کی کوشش بھی بے سُود رہی تھی کیونکہ طیارہ بھٹک گیا تھا اور کمپاس کے ٹوٹ جانے سے اُس کی سمت کھو گئی تھی اس لیے وقت کے تعین کا مسئلہ بھی بے وقعت ہو گیا تھا۔ بہرحال سفر جاری رکھنا تھا۔ نرم برف میں پاؤں دھنس رہے تھے اس لیے رفتار بے حد سست تھی۔ غالباً ہم دوسری پارٹیوں سے بہت پیچھے رہ گئے تھے کیونکہ شام ہو گئی تھی اور ابھی تک ہمیں دوسری کسی پارٹی کا نشان نہیں ملا تھا۔

دیکھتے ہی دیکھتے رات ہو گئی اور ہماری آنکھیں رات گزارنے کے لیے کسی پناہ گاہ کی تلاش میں بھٹکنے لگیں لیکن یہاں تو ہر جگہ یکساں تھی۔ چنانچہ ایک جگہ منتخب کر لی گئی۔ خوراک کے نام پر صرف دو بسکٹ کھلائے گئے تھے کیونکہ خوراک اتنی کم تھی کہ اگر ایک بار ہی پیٹ بھر کے کھانے کا فیصلہ ہو جاتا تو بس چھٹی۔۔۔

صبح سفر پھر شروع ہو گیا لیکن اب ہمارا دوسرا زخمی ساتھی بھی بے ہوشی کے عالم میں سفر کر رہا تھا۔ ہمیں اُس کی طرف سے تشویش تھی لیکن کر ہی کیا سکتے تھے کوئی دوا پاس نہیں تھی۔ بس اُسے کپڑوں سے ڈھک دیا تھا۔ اب سفر بے حد خطرناک مرحلے میں داخل ہو گیا تھا۔ جوں جوں آگے بڑھتے جا رہے تھے۔ ہواؤں میں تیزی آتی جا رہی تھی۔ اس کے علاوہ راستے کی مصیبت وہ گہرے گڑھے تھے جن کے اُوپر برف کائی کی طرح جمی ہوئی تھی اور جونہی اس پر وزن پڑتا وہ پھٹ جاتی۔ چند چھوٹے چھوٹے گڑھے ہمارے راستے میں آ چکے تھے لیکن مسٹر مکلارنس شاید کسی بڑے گڑھے کی موجودگی سے بے خبر نہ تھے۔

اس بات کا اندازہ میں نے اس بات سے لگایا تھا کہ اُنھوں نے ایڈی اور جینی کو پیچھے کر دیا تھا اور خود ہم لوگوں سے کئی گز آگے چل رہے تھے۔ میں نے اس شخص کے اس خلوص کو بہت محسوس کیا تھا اور میرے دل میں اس کی وقعت بڑھ گئی تھی۔ سفر کی چوتھی صبح ہمارا دُوسرا زخمی ساتھی بھی ہمارا ساتھ چھوڑ گیا۔ اُسے بھی برف میں دفن کر دیا گیا۔ ابھی کوئی آثار ایسے نظر نہیں آئے تھے جو حوصلہ افزا کہے جاتے۔ جدھر نگاہ اُٹھتی برف ہی برف نظر آتی تھی۔

اور یہ سفر کی سب سے بھیانک صبح تھی۔ خوفناک گڑھے اس علاقے میں کچھ زیادہ ہی تھے اور ہم سب ایک لائن میں چل رہے تھے اور میں مسٹر مکلارنس کو خود سے دس گز آگے چلنے سے نہ روک سکی تھی۔ وہ صحیح معنوں میں زندگی کی بازی لگا کر رہبری کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ اُن سے دس گز کے فاصلے پر میں، ایڈی اور جینی تھے اور ہمارے دس گز پیچھے میرے تینوں ہم وطن موجود تھے۔ یہ لوگ ہمیں درمیان۔۔۔ لے کر چل رہے تھے۔ دفعتہً میرے پیچھے ایک پُرشور آواز کے ساتھ برف پھٹی اور اُس میں سے پانی اُبلنے لگا۔ میں دہشت زدہ ہو کر رُکی اور میرے حلق سے ایک زبردست چیخ نکل گئی۔ میں نے دونوں ہاتھ پھیلا کر ان تینوں کو رُکنے کا اشارہ کیا لیکن دیکھتے ہی دیکھتے وہ تینوں برف کے گڑھے میں غروب ہو گئے۔

میرا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا تھا۔ میرے تین جیتے جاگتے ہم وطن ایک لمحے میں موت کی نذر ہو گئے تھے۔ میری چیخ سے مکلارنس بھی ہماری طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ وہ بے چارہ پلٹ کر تیزی سے بھاگا اور زخمی ٹانگ کی وجہ سے اوندھے مُنہ گر پڑا۔ برف کا سہارا لے کر اُس نے اُٹھنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔ ایڈی اور جینی نے جلدی سے آگے بڑھ کر اُسے اُٹھایا۔ میں گڑھے کے کنارے آ گئی تھی لیکن اُس کی گہرائی دیکھ کر میرا سر چکرا گیا۔ نیچے تاریکی نظر آ رہی تھی۔ گڑھا بے اندازہ گہرا تھا۔ میں چیخ چیخ کر مسعود، طاہر اور شمشاد کو آوازیں دینے لگی لیکن گڑھے میں میری آواز کی بھیانک گونج کے علاوہ اور کوئی آواز نہیں تھی۔ اس دوران میں مکلارنس میرے پاس پہنچ گیا تھا۔ اُس

نے افسردگی سے میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔ میری آنکھوں سے آنسو نکل پڑے تھے لیکن مجبوری تھی۔ ممکن ہے اس سے آگے کوئی اور گڑھا ہمارا انتظار کر رہا ہو۔

ہماری حالت اب خراب سے خراب تر ہونے لگی تھی، زندگی کے بوجھ کو بس گھسیٹ رہے تھے اور موت کی آمد سے اب کوئی خوف نہیں رہا تھا۔ ایک دوپہر ہم ایک ایسی جگہ پہنچے جہاں ایک بہت بڑی ڈھلان شروع ہو رہی تھی لیکن ڈھلانوں کے بعد ہمیں چیڑ اور سفیدے کے کچھ درخت نظر آئے۔ ان درختوں کے درمیان ایک بوسیدہ کیبن نظر آ رہا تھا۔ اس کیبن کو دیکھ کر ایک عجیب سی کیفیت ذہن میں بیدار ہو گئی۔ یوں لگتا تھا جیسے صدیوں سے کھلے آسمان کے نیچے اس برف پر سفر جاری ہو۔ دل چاہا کہ یہ فاصلہ ڈھلانوں پر دوڑ کر طے کر لیا جائے لیکن مکلارنس نے ہدایت کی کہ ڈھلان پر کوئی قدم تیز نہ رکھا جائے اور ہم مکلارنس کو سہارا دے کر پھونک پھونک کر قدم رکھتے ہوئے ڈھلان طے کرنے لگے۔ اس کے باوجود ہماری رفتار خاصی تھی۔

اس ویرانے میں بنے ہوئے کیبن کی تاریخ نہ جانے کیا تھی بہرحال جس نے بھی اس کی تعمیر کی تھی وہ قابلِ قدر تھا۔ آہستہ آہستہ ہم کیبن کے پاس پہنچ گئے۔ تین تختوں کو طے کر کے لرزتے ہوئے قدموں سے ہم کیبن کے دروازے میں داخل ہوئے تو ہم نے سامنے آگ سلگتی دیکھی۔ کوئی شخص ہماری طرف پشت کیے چیڑ کی گیلی لکڑیوں کو سلگانے کی کوشش کر رہا تھا۔ ہمارے قدموں کی چاپ سن کر اس نے برق رفتاری سے نزدیک رکھی ہوئی لوہے کی ایک سلاخ اٹھالی اور وحشیانہ انداز میں ہماری طرف مڑا لیکن پھر ہمیں دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر حیرت آمیز مسکراہٹ پھیل گئی۔

"آہ۔ یہ تم لوگ ہو۔ حیرت انگیز، سخت حیرت انگیز۔ مسٹر مکلارنس اور مس ایلیا۔ تمہارے دوسرے ساتھی کہاں ہیں؟" اس نے پوچھا اور مکلارنس نے غم زدہ انداز میں گردن ہلا دی۔

"تعجب ہے۔ تم یہاں موجود ہو؟"

"چند گھنٹے میں پہنچا ہوں۔ اس کے بعد یہ لکڑیاں اکٹھی کی ہیں لیکن یہ برف زدہ ہیں اس لیے آگ نہیں پکڑ رہیں۔" برودڈی نے کہا۔ ہاں یہ منحوس برودڈی ہی تھا جس سے مجھے نفرت تھی۔ مکلارنس نے پلٹ کر کیبن کا دروازہ بند کر دیا اور پھر خود بھی آتشدان کے پاس پہنچ گیا۔ وہ آگ روشن کرنے میں برودڈی کی مدد کرنے لگا اور چند ساعت کے بعد آگ روشن ہو گئی۔

اس دوران میں، میں کیبن کے اندر کا جائزہ لے رہا کیبن بہت خستہ حال تھا جس میں بہت کم گنجائش تھی لیکن کی چھت صحیح سالم تھی اور برف کے ان ہولناک ویرانوں راتیں بسر کرنے کے بعد کھلے آسمان سے نفرت ہو گئی تھی، وقت یہ چھت کائنات کی سب سے حسین چیز محسوس ہوا اور آگ کی ہلکی حرارت آہستہ آہستہ کیبن کو گرم کر رہی تھی کے ایک حصے میں بہت سا سامان ڈھیر تھا جس میں خور کے ڈبے بھی تھے۔ پھر میری نگاہ اس سلاخ پر پڑی۔۔ آتشدان کے قریب رکھی ہوئی تھی اور میری آنکھیں تعجب پھیل گئیں۔ سلاخ کے اگلے حصے پر سرخ دھبے نظر تھے۔ یہ سو فیصد جمے ہوئے خون کے دھبے تھے لیکن میں ان پر کوئی تبصرہ نہیں کیا البتہ میرے ذہن میں کچھ عجیب احساسات پیدا ہو رہے تھے۔

مکلارنس اور برودڈی آتشدان کے پاس بیٹھے گفتگو تھے۔ پھر برودڈی نے ہم لوگوں کو آگ کے نزدیک آ جا پیش کش کی اور ہم نے اس کی یہ پیش کش قبول کر لی او کے نزدیک جا بیٹھے۔

"آپ کی ٹولی کے لوگ آپ سے بچھڑ گئے مسٹر بر" میں نے پوچھا۔

"ہاں۔ برف کے طوفان میں ہم ایک دوسرے سے بچھڑ تھے۔ اس کے بعد میں نے انہیں بہت تلاش کیا لیکن ان نہیں چل سکا۔" برودڈی نے جواب دیا لیکن مجھے اس کے میں جھوٹ کی آمیزش محسوس ہوئی تھی۔ "یہ جگہ برف کے خ سفر کے بعد ایک حسین ترین جگہ کہی جا سکتی ہے۔ آپ لوگو پاس خوراک تو موجود نہ ہو گی؟"

"نہ ہونے کے برابر ہے۔" مکلارنس نے کہا۔

"کوئی حرج نہیں ہے۔ میرے پاس کافی ذخیرہ ہے۔ کیا نام ہے لڑکی، ذرا خوراک کے چند ڈبے کھول لو۔ کچھ کھا جائے۔" برودڈی نے جینی سے کہا اور جینی اپنی جگہ سے اٹھ ایڈی بھی جینی کی مدد کے لیے چلا گیا تھا۔ تھوڑی دیر کے ب کھانے پینے میں مصروف ہو گئے۔

"تمہارے پاس خوراک کا یہ ذخیرہ کہاں سے آ گیا بر" میں نے پوچھا اور وہ عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگا لاپروائی سے بولا۔

"جس وقت برف کا طوفان نازل ہوا، تمام لوگوں کی خ

ں دوسرا سامان بھی میرے پاس ہی تھا جو اب بھی میرے س ہے۔"

"ان لوگوں میں سے کوئی زندہ نہیں بچا؟" میں نے پوچھا۔

"پتہ نہیں۔" وہ جھنجھلاتے ہوئے لہجے میں بولا اور بات ختم نے والے انداز میں اٹھ گیا۔ اس نے چند اور لکڑیاں آتشدان ڈال دی تھیں پھر وہ کہنے لگا۔

"سردی اور بڑھ جائے گی۔ کپڑوں کے اس ڈھیر کے بستر تا کہ رات سکون سے گزار سکو۔" اس کے بعد وہ اپنے لیے تر تیار کرنے لگا۔ ایڈی اور جینی نے بھی بستر درست کر لیے۔ ت سے کپڑے نیچے بچھا لیے گئے اور چند موٹے کپڑے اوپر کے لیے رکھ لیے گئے تھے۔

برف کے کھلے میدانوں میں کئی راتیں گزارنے کے بعد یہ رات تھی جو کسی چھت کے نیچے گزر رہی تھی اور شاید ایسی کے حصول کے بعد وہ مدافعتی قوتیں ختم ہو گئی تھیں جو کھلی میں بھی زندگی برقرار رکھے ہوئے تھیں۔ میں نے دو موٹے اوڑھ لیے تھے لیکن پھر بھی سردی بدن میں داخل ہو رہی کیبن کا دروازہ اندر سے مضبوطی سے بند کر لیا گیا تھا۔ آتشدا پڑی ہوئی لکڑیاں خشک ہو کر چیخ رہی تھیں۔ تھوڑی دیر میں گہری خاموشی چھا گئی۔ صرف آگ کی ہلکی سی بڑبڑاہٹ سنائی دے رہی تھی۔ میرا ذہن بھی خوابیدہ ہو رہا تھا لیکن پھر کانوں یں چند آوازیں ابھریں اور میں چونک پڑی۔ آوازیں کہیں دور سے آ رہی تھیں لیکن سناٹے میں بے حد بھیانک لگ رہی تھیں۔۔۔ یہ بھیڑیوں کے غرانے کی آوازیں تھیں۔

"برفانی بھیڑیے۔" میں نے ہراساں ہو کر سوچا اور پھر گردن اٹھا کر ایڈی کی طرف دیکھنے لگی۔ میرا خیال تھا کہ بچہ ہونے کی وجہ سے وہ خوف زدہ نہ ہو جائے۔ حالانکہ بھیڑیوں کے تصور سے میں بھی خوف زدہ ہو گئی تھی۔ اس سے قبل کبھی ایسی آوازیں نہیں ئی دی تھیں۔ ممکن ہے یہ صرف اس علاقے میں ہوں۔ ویسے کیبن کی حالت بھی مخدوش تھی۔ ہر چند کہ دروازہ بند تھا لیکن ہت سی جگہیں ایسی کمزور تھیں کہ تھوڑی سی کوشش سے ٹوٹ سکتی تھیں، کہیں بھیڑیے اندر نہ داخل ہو جائیں؟

ایڈی شاید گہری نیند سو رہا تھا۔ میرے علاوہ کسی نے کوئی جنبش نہیں کی تھی۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ سب گہری نیند سو گئے۔ بھیڑیوں کی آوازیں معدوم ہو گئی تھیں۔ میں نے دوبارہ کھیں بند کر لیں اور سونے کی کوشش کرنے لگی۔ بلاوجہ جاگنے

اور خیالات میں الجھنے سے کیا فائدہ مگر گہری اور پُرسکون نیند آ جائے تو اچھا ہے طبیعت ہلکی ہو جائے گی۔

ذہن پر پھر غنودگی طاری ہونے لگی کہ ایک بار پھر کوئی آواز کانوں میں آ گھسی۔ میں نے کوٹ میں چہرہ ڈھک لیا تھا اس لیے آواز بہت ہلکی تھی لیکن کم بخت آوازیں۔۔ میں نے ان آوازوں کو نظر انداز کرنے کی کوشش کی لیکن پھر اچھل پڑی۔ آواز بہت قریب سے ابھری تھی اور کسی بھیڑیے کی آواز کے بجائے یہ انسانی آواز تھی۔ خوف زدہ سی آواز۔۔۔

میں نے جلدی سے چہرے سے اوور کوٹ ہٹا دیا۔ آتشدان میں سلگتی آگ کی ملگجی روشنی میں، میں نے نگاہ دوڑائی۔ آواز جینی کی تھی۔ اس کے بستر میں جنبش ہو رہی تھی۔ کئی خیال میرے ذہن میں جاگے۔ یا تو اسے سردی لگ رہی ہے۔ ممکن ہے سردی کے بخار کا حملہ ہوا ہو، یا پھر وہ اس وحشت زدہ ماحول سے متاثر ہو کر رو پڑی ہو۔ آوازیں رونے کی سی ہی تھیں۔

میں نے کوٹ کچھ اور سرکایا اور دونوں کہنیاں ٹکا کر تھوڑی سی اٹھ گئی اور دوسرے لمحے مجھے کسی غیر معمولی بات کا احساس ہو گیا تھا۔ جینی کے بستر کے پاس کوئی اور بھی تھا اور پھر ایک دبی دبی سرگوشی ابھری۔

"خاموش رہو۔ کیا کتیا کے بچے کی طرح کوں کوں کر رہی ہو؟"

"یہ تم۔۔۔ یہ تم کیا کر رہے ہو۔ یہ نہیں نہیں۔ آہ نہیں۔ میں، میں یہ۔ مسٹر برودڈی یہ۔ آہ۔ نہیں۔"

"میں کہتا ہوں آواز بند کرو۔ ورنہ گردن دبا دوں گا۔"

"پلیز مسٹر برودڈی۔ پلیز۔ میں مر جاؤں گی۔ آہ۔ آہ۔ آآآہ۔" جینی کی دلخراش چیخ ابھری اور مکلارنس اور ایڈی بھی ہڑبڑا کر جاگ گئے۔ دونوں نیند سے جاگے تھے اس لیے صورتحال نہ سمجھ سکے لیکن میرے بدن میں چنگاریاں دوڑ گئی تھیں۔ میں اپنے اوپر سے ساری چیزیں پھینک کر کھڑی ہو گئی اور پھر میری آواز ابھری۔

"برودڈی۔ برودڈی۔۔۔ اسے چھوڑ دے۔ چھوڑ دے اسے۔"

"سور کی بچی۔ اپنی جگہ چلی جا۔ ورنہ۔" برودڈی غرایا۔ مکلارنس اب صورتِ حال سمجھ گیا تھا۔ اس کی اپنی حالت اس قابل نہ تھی لیکن پھر بھی حتی الامکان وہ بہت تیزی سے اٹھا اور برودڈی کے سر پہ پہنچ گیا۔

"با۔۔۔ چاؤ۔ بچاؤ۔ آہ بچاؤ۔" جینی تڑپ رہی تھی اور پھر شاید برودڈی نے اس کا منہ بھینچ لیا۔ مکلارنس نے اس کے بال پکڑ لیے اور اسے کھینچنے لگا لیکن زخمی ہونے کی وجہ سے اس کے بدن میں

اب اتنی جان نہیں رہی تھی۔ برروڈی پر جنون سوار تھا۔ مکلارنس نے اُس کے بدن پر کئی ضربیں لگائیں لیکن اُس نے جینی کو نہیں چھوڑا۔ جینی کی آواز گھُٹ گئی تھی۔

دوسرے لمحے میں نے جھپٹ کر وہ سلاخ اُٹھالی جو آتشدان کے پاس پڑی ہوئی تھی پھر میں نے دونوں ہاتھوں سے سلاخ پکڑی اور پوری قوت سے برروڈی کے سر پر ماری۔ اس کی کریہہ چیخ بلند ہوئی تھی۔ پھر وہ جینی پر سے لڑھک کر نیچے گر پڑا۔ اُس کا منحوس بدن بُری طرح اُچھلنے لگا۔

آگ کی دھندلی روشنی میں صحیح صُورت حال کا اندازہ نہیں ہو رہا تھا لیکن میرا وار کاری تھا۔ برروڈی اس کے بعد کھڑا نہ ہو سکا۔ میں نے آگے بڑھ کر سلاخ کا ایک اور وار اُس کے پیروں پر کیا۔ ایک کرب ناک چیخ فضا میں تحلیل ہو گئی پھر آہستہ آہستہ اُس کی کراہیں مدھم پڑنے لگیں۔

ایڈی دوڑ کر جینی پر جُھک گیا تھا اور پھر اُس کی روتی ہوئی آواز اُبھری "مسٹر مکلارنس۔ انکل مکلارنس جینی..."

بے چارا مکلارنس دوڑ کر جینی کے پاس پہنچا اور اسے ٹٹولنے لگا۔ پھر اُس کی سسکیاں اُبھریں اور میں سلاخ پھینک کر ان لوگوں کے پاس پہنچ گئی۔ میں نے جینی کو دیکھا۔ اُس کی آنکھیں کھُلی ہوئی تھیں اور زبان باہر نکل آئی تھی، وہ مر چکی تھی۔

مکلارنس پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ میرے حلق میں بھی گولے سے اُمڈ رہے تھے اور ایڈی ہمارے نزدیک کھڑا پھٹی پھٹی آنکھوں سے ہم سب کو دیکھ رہا تھا۔ میرا دل بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا تھا۔ ایک بار پھر میرے ذہن میں وہ دوشاخہ وجود اُبھر آیا تھا۔ ایک ابنارمل شخص پر کیا موقوف ہے۔ انسان ہر جگہ ابنارمل ہے۔ یہ دیوانگی کسی پر بھی طاری ہو سکتی ہے۔ عورت بے حد مظلوم ہے۔ بے حد... ایک عجیب سی نفرت میرے ذہن میں سرایت کر گئی۔ مجھے مردوں کے وجود سے نفرت ہونے لگی تھی۔

اس کے بعد سونے کا کیا سوال تھا۔ بقیہ رات میں ایک لمحے کے لیے بھی پلک نہیں جھپکی۔ ساری رات ہم تینوں بیٹھے رہے تھے۔ کسی کے مُنہ سے کوئی لفظ نہیں نکلا اور پھر کیبن کی جھِرّیوں سے روشنی پھوٹنے لگی۔ آتشدان کی آگ سرد ہو گئی تھی۔ روشنی نے جینی کے چہرے کی معصومیت اور نمایاں کر دی تھی۔ مکلارنس ٹکٹکی باندھے کافی دیر تک اُسے دیکھتا رہا۔

میں نے نفرت زدہ نگاہوں سے برروڈی کی طرف دیکھا۔ اُس کا بھیجہ باہر نکلا پڑا تھا اور شکل بے حد بھیانک ہو گئی تھی۔ میں اُٹھی اور میں نے اُس کے مُردہ وجود پر تھوک دیا پھر میں بھاری لہجے میں کہا۔

"ہمیں خود کو سنبھالنا ہو گا مسٹر مکلارنس۔" اور مکلارنس گردن ہلا دی۔ وہ اپنی بیساکھی سنبھال کر اُٹھ گیا۔ ایڈی بھی اُس کے ساتھ ہی کھڑا ہو گیا تھا۔ دونوں زمین کھودنے کا سامان لے کر نکل گئے اور کافی دیر تک واپس نہیں آئے۔ پھر وہ دونوں واپس آئے اور جینی کی لاش کو احترام سے اٹھا کر لے گئے۔ میں بھی نکل آئی تھی۔

کیبن سے کچھ دُور ایڈی اور مکلارنس نے جینی کی قبر کھودی تھی۔ اُسے برف کی قبر میں دفن کر دیا گیا اور پھر وہ دوبارہ اندر آ کر برروڈی کی لاش کا پیر پکڑ کر وہ اسے مُردہ کتّے کی طرح گھسیٹتے ہوئے لے گئے اور کیبن سے بہت دُور چیڑ کے ایک درخت کے پاس پھینک دیا۔ دونوں کے چہروں سے نفرت ٹپک رہی تھی۔

واپس آ کر ایڈی نے بوسیدہ کپڑے سے کیبن کے فرش پر پڑا ہُوا خون صاف کیا اور پھر برف کا پانی بنا کر ہاتھ دھوئے اور واپس کیبن میں آ گیا۔ ہم تینوں نے اس دوران کوئی گفتگو نہیں کی تھی۔

پھر مکلارنس ہی بولا۔ "کیا خیال ہے ایلیا، یہاں سے آگے بڑھیں؟"

"جیسا آپ مناسب سمجھیں مسٹر مکلارنس۔" میں نے آہستہ سے کہا۔

"میں تمہاری رائے جاننا چاہتا ہوں۔" مکلارنس بولا۔

"جب تک زندگی ہے مسٹر مکلارنس۔ ہم حالات سے شکست نہیں قبول کریں گے۔ ہمیں زندگی کی طرف لوٹنا چاہیے۔" میں بولی۔

"ہاں۔ ہم بہادر ہیں۔" ایڈی کی آواز اُبھری اور مسٹر مکلارنس کے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ کھیل گئی۔

"اگر تم لوگ بہادر ہو تو پھر اس قدر خاموش کیوں ہو۔ مجھے اس خاموشی سے خوف محسوس ہو رہا ہے۔" مکلارنس نے کہا۔

"یہ برروڈی، بڑا ہی وحشی تھا۔ کیا آپ اس کی باتوں سے مطمئن ہو گئے تھے؟"

"کون سی باتوں سے؟"

"میرا دعوا ہے کہ اُس نے اپنی پارٹی کے لوگوں کے ساتھ کوئی وحشیانہ سلوک کیا ہو گا۔ ممکن ہے اُس نے انھیں قتل ہی کر دیا ہو۔ جس سلاخ سے وہ ہلاک ہوا ہے، وہ خون آلود تھی۔ ممکن ہے وہ خون اس پارٹی کے لوگوں کا ہو۔"

"ممکن ہے۔"

"ویسے مسٹر مکلارنس، انسان بڑا عجیب جانور ہے۔ اگر ہم ..."

...ساتھ رہتے، حادثات تو ضرور ہوتے لیکن اس قدر تباہی نہ ہوتی اور ایک دوسرے کی مدد سے ممکن ہے ہم اس دشوار گزار مرحلے سے آسانی سے نمٹ سکتے۔"

"میں خود بھی ان ٹولیوں کے حق میں نہیں تھا۔ مگر حالات ہی ایسے تھے۔ سب کی رائے مختلف تھی۔ کسی کو کوئی حادثہ پیش آتا تو وہ دوسرے کو اس کا ذمے دار ٹھہراتا۔ پھر سمتوں کے بارے میں اختلاف تھا۔ اس لحاظ سے یہ بہتر ہُوا۔ ممکن ہے ان میں سے چند لوگ برف کے اس ہولناک ویرانے سے نکل چکے ہوں۔"

"بہر حال مظلوم جینی کے لیے میں بہت افسردہ ہُوں۔" میری آواز بھرّا گئی اور مکلارنس بھی آبدیدہ ہو گئے۔ پھر میں نے ایڈی کو آواز دی اور اس سامان کو پیک کرنے لگی جو بکھرا پڑا تھا۔ نہایت محنت سے ہم دونوں نے تین بیگ تیار کیے جنھیں کمر پر لاد کر سفر کیا جا سکتا تھا۔ اس کام میں دوپہر ہو گئی تھی۔ میں نے ایڈی کو ایسے کپڑے پہنائے جن کی مدد سے وہ سردی سے محفوظ ہو جائے۔ ایک کے اوپر ایک لباس لاد دینے سے وہ گیند کی مانند گول ہو گیا تھا۔

چند لباس میں نے مکلارنس کے لیے بھی منتخب کیے اور اس سے درخواست کی کہ وہ لباس پہن لے۔ مکلارنس اُٹھ گیا لیکن زخمی ٹانگ کی وجہ سے وہ توازن برقرار نہ رکھ سکا اور گر پڑا۔ میں نے لپک کر اسے اُٹھایا تو میرا ہاتھ اُس کے جسم کے کھُلے ہُوئے حصّوں پر پڑا۔ اُس کا بدن بُری طرح تپ رہا تھا۔

"ارے۔ کیا آپ کو بخار ہے مسٹر مکلارنس؟" میں نے چونک کر کہا اور مکلارنس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"ہاں شاید... لیکن میں بھی تم لوگوں کی طرح بہادر انسان ہُوں، اس کی پروا نہیں ہے۔" اُس نے ایڈی کی طرف دیکھ کر کہا اور لباس پہننے لگا لیکن میرے انداز میں تشویش پیدا ہو گئی تھی۔ مکلارنس آخری انسان رہ گیا تھا اور اس کی زندگی ہماری اپنی بقا کے لیے ضروری تھی۔ بخار کی حالت میں سفر کسی طور ممکن نہیں تھا۔ اوّل تو اُس نے ٹوٹی ہُوئی ٹانگ کے ساتھ اتنا سفر نہایت پامردی سے کیا تھا۔ کہیں یہ بخار اسے ختم ہی نہ کر دے۔ چنانچہ میں نے آج کے سفر کا ارادہ ملتوی کر دیا۔

"ہم آج سفر نہیں کریں گے۔" میں فیصلہ کُن لہجے میں بولی۔

"نہیں ایلیا۔ تم مجھے کمزور نہیں پاؤ گی۔ میری وجہ سے یہ ارادہ ملتوی نہ کرو۔"

"خود میرے اعصاب بھی متاثر ہیں مسٹر مکلارنس۔ بہتر ہے کہ ایک اور رات یہاں گزار لی جائے تاکہ ہم کسی قدر پُرسکون ہو سکیں اور یہ بھی ضروری نہیں کہ آگے ہمیں اس سے بہتر کوئی جگہ مل جائے۔"

"اگر یہ بات ہے تو ٹھیک ہے۔" مکلارنس تیار ہو گیا۔

"آپ اجازت دیں تو میں آپ کی ٹانگ بھی دیکھ لوں؟" میں نے کہا اور مکلارنس نے اپنی ٹانگ میرے آگے سے کھینچ لی۔

"نہیں بے بی نہیں۔ اس کی اجازت نہیں دوں گا۔ اگر ٹانگ کھُل گئی تو پھر شاید میں سفر کے قابل نہ رہوں۔" میں نے لاکھ کہا لیکن مکلارنس اس کے لیے تیار نہ ہُوا۔

دوپہر کو بہت مختصر سی خوراک لی گئی۔ ویسے کم بخت برروڈی نے خوراک کا جو ذخیرہ جمع کیا تھا وہ بہت زیادہ تھا اور ہم کم از کم پندرہ دن سکون سے گزار سکتے تھے۔ اس لیے اس طرف سے کسی قدر اطمینان ہو گیا تھا۔ نہ جانے کتنے لوگ اس خوراک کے لیے زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے ہوں گے لیکن ان باتوں کو ان حالات میں کون سوچتا ہے۔

وقت گزرتا رہا۔ شام ہوتے ہی ہوائیں اور تیز ہو گئیں اور برف باری کے آثار نمودار ہو گئے۔ مکلارنس کا بخار اُتر گیا تھا۔ میں نے کیبن کے رخنوں میں کپڑے ٹھونس کر انھیں بند کر دیا تھا تاکہ سرد ہوائیں اندر نہ داخل ہو سکیں۔ لکڑیاں کافی تعداد میں موجود تھیں۔ ہوائیں کچھ اور تیز ہو گئیں تو ہم نے آتشدان میں آگ روشن کر لی اور بہت سی لکڑیاں ڈال دیں تاکہ آگ تیز ہو جائے۔ اندر سے سردی کا اثر زائل ہو گیا تھا۔ اس وقت رات کے آٹھ بجے تھے جب ہواؤں کے ساتھ بھیڑیوں کے غرّانے کی آوازیں سُنائی دیں۔ یہ آوازیں سُن کر ہم سب چونکتے ہو کر بیٹھ گئے۔ پھر کچھ دیر بعد خاموشی ہوئی تو ہم سب سو گئے۔

سوتے ہُوئے نہ جانے ہمیں کتنی دیر گزری تھی کہ آنکھ کھُل گئی۔ ایک خوفناک شور سے میری آنکھ کھُلی تھی۔ بھیڑیوں کے غرّانے کا شور کیبن کے بالکل نزدیک سُنائی دے رہا تھا۔ میں نے مکلارنس کو دیکھا جو لوہے کی سلاخ لیے اس کھڑکی کے پاس کھڑا ہُوا تھا جو کافی کمزور تھی۔ کھڑکی پر پنجوں کی اور اُن کے جسموں کے ٹکرانے کی آوازیں آ رہی تھیں۔

صُورتِ حال ایک لمحے میں میری سمجھ میں آ گئی۔ بھیڑیے کیبن کی طرف متوجہ ہو گئے تھے اور اب وہ اسے توڑنے کی کوشش میں مصروف تھے۔ آوازیں چاروں طرف سے آ رہی تھیں جس سے اُن کی بے پناہ تعداد کا پتہ چلتا تھا۔

دفعتہً ایک بھیڑیے کی خوفناک غرّاہٹ سُنائی دی۔ اس

کے ساتھ ہی کھڑکی کی لکڑی تڑاخ سے ٹوٹ گئی تھی۔ سلاخ کی ضرب بھیڑیے کے سر پر پڑی اور وہ ضرب کھاتے ہی پیچھے پلٹ گیا۔

میں بجلی کی سی تیزی سے اٹھی اور میں نے نزدیک پڑی ہوئی ایک لکڑی اٹھالی۔ بھیڑیے دروازے پر بھی اپنے پنجے مار رہے تھے۔ میں دروازے کے پاس پہنچ گئی۔ دروازہ بھی زیادہ مضبوط نہیں تھا اور بھیڑیے اس پر اپنے جسموں سے شدید زور ڈال رہے تھے۔ دوسری طرف کھلی ہوئی کھڑکی پر بھیڑیوں کی شدید یلغار ہو رہی تھی اور مکلارنس پوری قوت سے لوہے کی سلاخ کی ضربیں لگا لگا کر انھیں زخمی کر رہا تھا۔

تب ایڈی نے ایک جلی ہوئی لکڑی اٹھائی اور کھڑکی کے پاس پہنچ گیا۔ اس بار بھیڑیے نے اندر گردن ڈالی تو ایڈی نے جلتی ہوئی لکڑی اس کے چہرے پر دے ماری اور بھیڑیا غرا کر پیچھے ہٹ گیا۔

لیکن اس کے بعد اچانک ان کی آوازیں بند ہوگئیں۔ ہم تینوں انتظار کرتے رہے لیکن پھر کوئی آواز نہیں سنائی دی۔ شاید وہ بھاگ گئے تھے۔ مکلارنس نے گہری سانس لی اور بولا۔

"آگ تیز کر دو۔ ایڈی دی گریٹ نے اس وقت بے حد ذہانت دکھائی ہے لیکن یہ کم بخت دوبارہ بھی آسکتے ہیں۔" میں نے مکلارنس کی ہدایت پر عمل کیا تھا۔ لکڑیاں ڈالنے سے آگ بھڑک اٹھی لیکن ہمیں اس کھلی ہوئی کھڑکی سے سخت تشویش تھی جس کا تختہ ٹوٹ گیا تھا۔

مکلارنس نے اس ٹوٹے ہوئے تختے کو دوبارہ کھڑکی میں پھنسا دیا لیکن اب وہ اس طرح نہیں پھنسا کہ مضبوط بھی ہوتا۔ کھلے ہوئے رخنوں میں کپڑے ٹھونس دیے گئے تھے۔ "بہت د

"بہت دیر سے میں ان کی آوازیں سن رہا تھا۔ شاید یہ بروڈی کی لاش کو بھنبھوڑ رہے تھے۔ اس کے بعد انھوں نے کیبن میں بھی انسانوں کی بو سونگھ لی۔" مکلارنس نے کہا۔

ہم آتشدان کے سامنے بیٹھ گئے لیکن اب بھیڑیوں کی آوازوں کا دور دور تک پتہ نہیں تھا۔ ابھی رات کے ساڑھے بارہ بجے تھے۔ باہر ہواؤں کا شور جوں کا توں تھا لیکن برف باری شروع نہیں ہوئی تھی۔ آتشدان سے چند گز دور بیٹھے بیٹھے ہمیں نیند آگئی تھی کہ دفعتہً ایک بھیانک چیخ سنائی دی اور اس کے ساتھ ہی بھیڑیوں کی بھیانک چیخیں پھر گونجنے لگیں لیکن سب سے خوفناک منظر ہماری نگاہوں کے سامنے تھا۔ بھیڑیے ٹوٹی ہوئی کھڑکی کا تختہ ہٹا کر اندر کود آئے تھے اور دونوں ہی مکلارنس سے چمٹے ہوئے تھے۔

میں بھی دیوانوں کی طرح چیخنے لگی۔ میرے ہاتھ پاؤں پھو[ل] گئے تھے۔ بھیڑیے مکلارنس کو بری طرح بھنبھوڑ رہے تھے اور [وہ] مدافعت کر رہا تھا۔ نہ جانے کس طرح میں نے آتش دان سے جل[تی] ہوئی لکڑی اٹھائی اور ان پر پل پڑی۔ ایک بھیڑیے نے مکلار[نس] کو چھوڑ کر مجھ پر حملہ آور ہونے کی کوشش کی لیکن میں نے جلتی [ہوئی] لکڑی سامنے کر دی جو اس کے منہ پر لگی۔ بھیڑیے نے پلٹ کر [ٹوٹی] ہوئی کھڑکی سے باہر چھلانگ لگا دی۔ تب میں نے دوسرے بھی[ڑیے] کی طرف توجہ دی۔ آگ اپنے قریب دیکھ کر وہ مکلارنس کو چھوڑ [کر] باہر بھاگ گیا۔

ایڈی واقعی غیر معمولی بچہ تھا۔ وہ بھی جلتی ہوئی لکڑیاں لے [کر] کھڑکی کے پاس پہنچ گیا اور اس نے دو لکڑیاں باہر اچھال دیں۔ [جس] کا خاطر خواہ نتیجہ نکلا اور بھیڑیوں کی یلغار ایک دم رک گئی۔ پھ[ر ان] کی آوازیں دور ہوتی محسوس ہوئیں۔ میں مکلارنس کے پاس پ[ہنچ] گئی اور اس بار واقعی میرے اعصاب بھی جواب دے گئے۔ مکلا[رنس] خون میں لت پت تھا۔ بھیڑیوں نے اس کا نرخرہ ادھیڑ ڈالا اور اس کے حلق سے موت کی خرخراہٹ بلند ہو رہی تھی۔

"مکلارنس۔ مکلارنس۔" میں بے اختیار چیخ رہی تھی اور ا[سے] جھنجھوڑ رہی تھی۔ مکلارنس کے پورے بدن کا خون نرخرے سے نکل رہا تھا اور فوارے بلند ہو رہے تھے۔ میں نے اس خون [پر] ہاتھ رکھ دیا اور رونے لگی۔

مکلارنس نے ایڈی کی طرف دیکھا اور میں نے ایڈی کو آوا[ز دی]۔ ایڈی بھی ہمارے پاس آبیٹھا۔ تب مکلارنس کے ہونٹ ہلے۔ ا[س] نے بولنے کی کوشش کی۔ لیکن آواز ادھڑے ہوئے نرخرے سے نک[ل کر] ہوگئی۔ بس ایک سرگوشی سی سنائی دی تھی۔

"سوری۔ سوری۔ میرے بچو!"

"نہیں مکلارنس۔ تمھیں ابھی نہیں مرنا چاہیے۔ ہمیں تمہ[اری] ضرورت ہے مکلارنس۔" میں دیوانگی کے عالم میں اسے جھنجھوڑ رہ[ی تھی] اور مکلارنس کے ہاتھ اس انداز میں پھیلے ہوئے تھے جیسے نزدیک آتی ہوئی موت کو روکنا چاہتا ہو۔ جیسے وہ ہمارے زندہ رہنا چاہتا ہو لیکن موت... بے رحم موت اپنے شکار کو چھوڑتی ہے۔ اس کے ہاتھوں کی جنبش رک گئی۔ آنکھیں [بے نور] ہوگئیں۔

دور سے بھیڑیوں کے غرانے کی آوازیں پھر سنائی [دینے] لگی تھیں۔ ہم دونوں خاموش تھے۔ آوازیں قریب آتی جا رہی [تھیں]۔ ایڈی دفعتہً چونک پڑا۔ اس نے آتشدان کی طرف دیکھا او[ر]

[آ]گے بڑھ کر چند اور لمبی لکڑیاں اس میں ڈال دیں۔

بھیڑیے قریب آتے جا رہے تھے۔ ان کا رخ یقیناً کیبن [کی] طرف تھا۔ میں کوئی فیصلہ نہ کر سکی کہ اب مجھے کیا کرنا چاہیے لیکن [ای]ڈی سے مجھے اس اقدام کی توقع نہیں تھی۔ وہ آہستہ آہستہ [آ]گے بڑھا اور اس نے کیبن کا دروازہ کھول دیا۔ میں نے اسے [رو]کنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ میری قوت فیصلہ جیسے مفلوج ہو [گئ]ی تھی اور بھیڑیے اب بالکل نزدیک آگئے تھے۔

دفعتہً ایڈی نے دو شعلے دیتی ہوئی لکڑیاں اٹھائیں اور [کھلے] دروازے سے باہر چھلانگ لگا دی۔ میرے پورے بدن [می]ں انگارے بھر گئے تھے۔ میں ایڈی کی حکمت عملی سمجھ گئی تھی [ت]ب ہی میرے سینے میں ایک انوکھے جذبے نے انگڑائی لی۔ [میں] نے بھی ایڈی کی تقلید کی اور دو مشعلیں اٹھائے باہر [ن]کل آئی۔

بھیڑیے اب ہمارے سامنے تھے۔ وہ غرا رہے تھے۔ ان کے [لمب]ے لمبے دانت باہر نکلے ہوئے تھے اور سرخ آنکھیں چمک رہی [تھ]یں لیکن نہ میں خوفزدہ تھی نہ ایڈی۔ خوف ہمارے دلوں میں [مر] چکا تھا۔ ایڈی نے خود ہی بھیڑیوں کے غول کی طرف چھلانگ [لگ]ا دی۔ اس نے ایک مشعل ایک بھیڑیے کے چہرے پر ماری [او]ر خونخوار بھیڑیا گھبرا کر پیچھے ہٹ گیا۔ دوسرے بھیڑیوں نے [جا]نب سے حملہ کرنے کی کوشش کی لیکن میں جلتی ہوئی لکڑیاں لے کر [ان] پر ٹوٹ پڑی۔ بھیڑیے گھبرا گئے تھے۔ ان میں سے چند خوف زدہ [ہو ک]ر کیبن میں گھس گئے۔ باقیوں سے ہم نمٹ رہے تھے۔ جلتی ہوئی [مشع]لیں گھوم رہی تھیں اور ابھی تک کوئی بھیڑیا ہم تک نہیں پہنچ [پ]ا تھا۔

دفعتہً بائیں جانب سے ایک بھیڑیے نے چھلانگ لگائی اور [ایڈ]ی کا ایک بازو دانتوں میں دبا لیا۔ ایڈی گر پڑا لیکن میں مشعلیں [لیے] ہوئے بھیڑیے کے سر پر پہنچ گئی اور میں نے مشعل اس کے [من]ہ سے لگا دی۔ بھیڑیے نے ایڈی کا بازو چھوڑ کر ایک طرف [چ]ھلانگ لگا دی۔ میں اس کے پیچھے لپکی لیکن بھیڑیے بدحواس [ہو] گئے تھے۔ ان میں سے چند بھیڑیوں نے عجیب سی آوازیں نکالیں [او]ر آج تک میں ان آوازوں کو یاد کرکے سوچتی ہوں کہ جانوروں [می]ں بھی ایک تنظیم ہوتی ہے۔ یہ آوازیں سن کر کیبن میں گھسے ہوئے [بھی]ڑیے بھی باہر نکل آئے تھے اور پھر وہ بے تحاشہ دوڑتے ہوئے [ایک] سمت چلے گئے۔ ایڈی ان کے پیچھے لپکا لیکن وہ جان توڑ [کر] بھاگے تھے۔

"بس ایڈی۔ ان کا پیچھا نہ کرو۔" میں زور سے چیخی اور ایڈی رک گیا۔

"تمھارا بازو زخمی ہے؟" میں اس کے قریب پہنچ گئی۔

"نہیں سسٹر۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔ یہ اتنے سارے کپڑے جو آپ نے مجھے پہنائے تھے اس وقت کام آگئے۔ اس کے دانت میرے بازو تک نہیں پہنچ سکے۔" ایڈی نے کہا۔

"خدا کا شکر ہے۔" میں گہری سانس لے کر بولی اور ہم دونوں اندر داخل ہو گئے۔ اندر آئے ہوئے بھیڑیوں نے مکلارنس کی لاش بگاڑ دی تھی۔ ہم میں سے کسی نے دروازہ بند کرنے کی کوشش نہیں کی۔ اب ہمیں بھیڑیوں کی فکر نہیں رہی تھی... ہاں ایڈی نے اس وقت بھی سمجھ داری سے کام لیا اور کچھ اور لکڑیاں آتشدان میں ڈال دیں۔ یہ آخری لکڑیاں تھیں۔ لکڑیوں کا ذخیرہ ختم ہو چکا تھا۔

لیکن بھیڑیوں کو اس دفعہ زیادہ خطرناک لوگوں سے واسطہ پڑا تھا اس لیے وہ دوبارہ آنے کی ہمت نہ کر سکے اور صبح ہو گئی۔

صبح کو ہم دونوں کیبن سے باہر نکل آئے۔ مکلارنس کے لیے برف میں قبر تیار کی اور اسے دفن کرنے کے بعد ہم نے خاموشی سے اپنی گٹھریاں کندھوں پر لادیں اور وہاں سے چل پڑے۔ ماحول سے، موسم سے اس قدر بے خوفی کبھی نہیں محسوس ہوئی تھی۔ اب ہم دو رہ گئے تھے اور موت کسی بھی وقت ہم میں سے ایک کو یا ہم دونوں کو ہڑپ کر سکتی تھی لیکن میرے ذہن میں اب خوف کا شائبہ بھی نہیں تھا۔

ہم چلتے رہے اور سورج ڈھلے تک ہم نے نہ جانے کتنا فاصلہ طے کر لیا۔ چیڑ کے درخت جا بجا بکھرے ہوئے تھے۔ کہیں کہیں سبزہ بھی نظر آ رہا تھا اور بھوری زمین بھی لیکن ہم چلتے رہے یہاں تک کہ رات ہوگئی۔ سارا دن ہم دونوں نے ایک دوسرے سے بات نہیں کی تھی۔ بس خاموش اپنے اپنے خیالات میں ڈوبے سفر کرتے رہے تھے۔ یہاں تک کہ ہمیں ایک تناور درخت نظر آیا جس پر پیلے رنگ کے پھل لگے ہوئے تھے۔ نہ جانے کس خیال کے تحت ایڈی بول پڑا۔ "سسٹر آپ کو درخت پر چڑھنا آتا ہے؟"

سارا دن گزرنے کے بعد اچانک ایڈی کی آواز سنی تو یوں محسوس ہوا جیسے میں نیند سے جاگ اٹھی ہوں۔ میں نے اسے دیکھا۔ سوال کا مفہوم سمجھ کر میں نے اثبات میں گردن ہلا دی۔

"رات کے قیام کے لیے یہ درخت بہت مناسب رہے گا۔" وہ مسکرا کر بولا اور میں گہری سانس لے کر اس درخت کی طرف چل پڑی۔ چند ساعت کے بعد ہم درخت کے پاس پہنچ گئے۔ میں

نے اُس کا اچھی طرح جائزہ لیا۔ ویرانے کا درخت خطرناک بھی ہو سکتا تھا۔ یہاں سانپ وغیرہ بھی ہو سکتے ہیں لیکن ایسی کوئی چیز نظر نہیں آئی اور میں مطمئن ہو گئی۔

درخت خوب گھنا تھا اور اس میں بے شمار شاخیں تھیں جن کے درمیان ہمیں آرام سے بیٹھنے کی جگہ مل گئی۔ ہم نے ایسی شاخوں کے درمیان جگہ بنائی تھی جہاں سے گرنے کا خدشہ نہ ہو۔ یہ سب کچھ بھیڑیوں کے خوف سے کیا گیا تھا۔ میں نے ایڈی کو چند بسکٹ کھلائے اور ایڈی کے اصرار پر خود بھی چند بسکٹ زہر مار کیے۔ اس کے بعد میں نے اُسے مزید ڈھکنے کی کوشش کی تو وہ ہنس پڑا۔ اس وقت اُس کی ہنسی بڑی عجیب لگی تھی۔ میں نے اُسے سوالیہ نگاہوں سے دیکھا تو وہ بولا۔

"سسٹر، میں تو پہلے ہی اتنے کپڑے پہنے ہوئے ہوں... کہ بھیڑیے کے دانت بھی بیکار ہو گئے۔ اب سردی مجھ پر کیا اثر کرے گی۔"

"بہادر بیٹے، تم واقعی بے حد نڈر ہو، ان حالات میں بھی ہنس سکتے ہو۔"

"ہاں سسٹر، میرے خیال میں انسان کو ہنستے رہنا چاہیے۔ آپ یقین کریں۔ پہلے میں بہت ڈرتا تھا، چوروں سے، ڈاکوؤں سے اور جنگلی جانوروں سے، جب میرے ڈیڈی مر گئے تو میری ممی لے کیا کہ اب میں اُن کا محافظ ہوں اور میں نے سوچا کہ اگر میں چوروں سے ڈرتا رہا تو پھر ممی کی حفاظت کون کرے گا۔ میں نے چوروں سے ڈرنا چھوڑ دیا۔ پھر ممی بھی مر گئیں تو میں نے دنیا سے ڈرنا چھوڑ دیا اور انکل مکلارنس کی موت کے بعد تو ہر طرح کا ڈر میرے دل سے نکل گیا۔ سسٹر اگر آپ مر جائیں گی تو مجھے آپ کی قبر بھی بنانی پڑے گی۔ آپ یقین کریں آپ کو دفن کر کے بھی میں اسی سکون سے سفر کرتا رہوں گا۔ اُس وقت کے انتظار میں جب میں بھی مر جاؤں۔"

"نہیں بیٹے، تم نہیں مرو گے۔" میں نے لرز کر کہا۔

"سسٹر، ایک بات بتائیں؟"

"جی...؟"

"اگر میں مر گیا تو آپ کو خوف محسوس ہو گا؟"

"ہاں ایڈی۔ میں ڈروں گی۔ میں زندہ نہیں رہ سکوں گی۔ اس لیے تم میرے لیے جینا۔ بولو، مرو گے تو نہیں؟"

"ہوں۔ غور کرنے کی بات ہے۔ اب تو میرے اُوپر ایک اور ذمے داری آ پڑی ہے۔ بہر حال کوشش کروں گا، وعدہ نہیں کر سکتا۔" ایڈی مسکراتا ہوا بولا۔ پھر کہنے لگا۔ "اچھا ایک بات اور بتائیں سسٹر، اگر ہم کسی طرح بچ جائیں اور آبادی تک پہنچ جائیں تو پھر آپ کیا کریں گی؟"

"میں سمجھی نہیں ایڈی؟"

"آپ اپنے گھر چلی جائیں گی؟" اُس کے لہجے میں یاسیت پیدا ہو گئی اور میں اُس کے سوال پر غور کرنے لگی پھر میں نے

"اس سوال کا جواب دینے سے پہلے میں تم سے ایک سوال کروں گی ایڈی۔"

"جی کیجیے۔"

"اُس وقت تم کیا کرو گے؟"

"میں نہیں جانتا سسٹر۔"

"تمھارے دوسرے رشتے دار ہوں گے، تمھارے دو ہوں گے؟"

"ڈیڈی کی موت سے پہلے تھے، اُن کی موت کے بعد کوئی رہا۔ ممی ایک جنرل اسٹور میں سیلز گرل تھیں۔ ہمارا ایک مکا جس کے اوپری حصے میں مسز ہڈسن رہتی تھیں اور ہمیں اُس کرایہ ملتا تھا اور میں پڑھتا تھا۔"

"اوہ۔ پھر تمھاری ممی نے اتنا طویل سفر کیوں کیا تھا؟"

"مجھے نہیں معلوم لیکن ممی نے مجھ سے کہا تھا کہ اگر ہمار دورہ کامیاب رہا تو ہمیں بہت بڑا مالی فائدہ ہو گا۔ ممکن ہے فائدہ ہو جائے کہ ہم اپنا جنرل اسٹور کھول سکیں۔ ممی نے اس سفر کے لیے اپنے زیورات فروخت کر دیے تھے اور مسز ہڈسن ۔ ایک بڑی رقم بطور قرض لی تھی۔" ایڈی نے کہا۔

"اچھا واپسی میں تمھاری ممی کا کیا خیال تھا۔ کیا اُن کا کامیاب رہا تھا؟"

"ہاں۔ وہ بہت خوش تھیں۔" اُس نے جواب دیا اور گہری سانس لے کر خاموش ہو گئی۔ پھر میں نے چند ساعت کے بعد کہا۔

"اگر ہم آبادی میں پہنچ گئے ایڈی تو میں تم سے درخواست کروں گی کہ میرے ساتھ رہو۔ ساری زندگی میرے ساتھ رہو۔"

"سچ سسٹر، کیا یہ ممکن ہے؟" اُس کے معصوم چہرے پر اُمڈ آئیں۔

"کیا تم میری یہ درخواست قبول کر لو گے؟"

"میں تو خود دل سے یہی چاہتا ہوں سسٹر۔ اس دوران میں یہ بھی سوچتا رہا ہوں کہ اگر زندہ بچ گیا تو کہاں جاؤں گا، کیا رہوں گا؟"

"نہیں میری جان ایڈی، جب تک میں زندہ ہوں تم تنہ

ہو گے۔" میں نے ایک بار پھر اُسے سینے سے بھینچ لیا۔ اُس نے میرے سینے میں مُنہ چھپائے چھپائے کہا۔

"سسٹر، ایک بار آپ نے مجھے پہلے بھی اسی طرح پیار کیا تھا۔ اس وقت بھی میرا دل یہ چاہا تھا کہ میں ہمیشہ آپ کے سینے میں چھپا رہوں۔ میں آپ کو یہ بتا دوں سسٹر، اب میں نہیں مروں گا... بھیڑیوں کے بجائے اگر شیر بھی آ گئے تو مجھے کوئی پروا نہیں ہو گی۔"

رات آہستہ آہستہ گزر رہی تھی۔ اس وقت رات کے دو بجے تھے جب ایک خوفناک چنگھاڑ گونجی اور ہم دونوں اُچھل پڑے۔ چنگھاڑ دوسری بار پھر اُبھری اور میرے مُنہ سے مسرت بھری چیخ نکل گئی۔ میں نے ایڈی کو جھنجھوڑ ڈالا۔ "ایڈی۔ ایڈی یہ آواز سنو؟"

"میں۔ میں سن رہا ہوں سسٹر۔" وہ بولا۔

"اندازہ لگایا یہ کیسی آواز ہے؟"

"ہاں۔ ٹرین کی آواز ہے۔ یہ سنیے۔" اُس نے ٹرین کے پہیوں سے ہونے والے شور کی طرف میری توجہ مبذول کرائی۔ "سسٹر یہ ٹرین ہی ہے۔"

"وہ دیکھو ایڈی۔ وہ دیکھو۔ وہ روشنیاں۔ آہ ایڈی، ہم کسی آبادی کے قریب ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ اب ہم زندگی سے قریب ہیں۔ میرا رُواں رُواں مسرت سے ناچ اُٹھا۔ جی چاہ رہا تھا کہ ابھی درخت سے نیچے اُتر کر آبادی کی تلاش میں دوڑ پڑوں۔

ٹرین کو گھورتے رہے پھر اُس کی روشنی اور گڑگڑاہٹ کی آواز معدوم ہوئی تو ہم اُس کی سمت کے بارے میں گفتگو کرنے لگے۔ یہ طے کیا کہ صبح کو تیزی سے اُس سمت سفر کیا جائے گا جدھر سے ٹرین آئی تھی۔ ممکن ہے نزدیک ہی کوئی آبادی مل جائے۔

صبح ہوتے ہی ہم درخت سے نیچے اُتر آئے اور پھر پروگرام کے مطابق آگے بڑھ گئے۔ تھکن کا نام و نشان بھی نہیں تھا۔ بدن میں ایک عجیب تازگی محسوس کر رہے تھے۔ اس لیے سفر بھی کافی رفتاری سے جاری تھا۔ بالآخر ہمیں دو چمک دار لکیریں نظر آئیں۔ یہ ریلوے لائن تھی۔

ہم متعین کردہ سمت کی جانب بڑھنے لگے۔ آنکھیں دُور دُور تک آبادی کے نشان تلاش کر رہی تھیں۔ جوں جوں آگے بڑھ رہے تھے برف کے آثار ختم ہوتے جا رہے تھے۔ درخت اور جنگل نظر آ رہے تھے۔ ان چیزوں نے ہمت اور بڑھا دی لیکن ابھی تک کوئی انسان نظر نہیں آیا تھا۔ ممکن ہے آبادی یہاں سے بہت دُور ہو اور یہ صرف ٹرین کی گزرگاہ ہو لیکن اس کے باوجود مایوسی کی کوئی بات نہیں تھی۔ اگر آبادی قریب نہ بھی ہوئی تب بھی کوئی ٹرین تو گزرے گی۔ اگر دن کی روشنی میں ٹرین گزری تو ضرور ہمیں دیکھ لیا جائے گا۔

عزم و ہمت کا یہ سفر شام تک جاری رہا۔ پھر سورج ڈوب گیا اور تاریکی تیزی سے ماحول کو نگلنے لگی۔ ہم نے ہار نہیں مانی تھی چنانچہ ایک جگہ قیام کے لیے منتخب کر لی تاکہ رات گزار کر دوسری صبح پھر سفر کیا جائے۔ دوسری صبح ہم نے پھر سفر شروع کر دیا اور ریلوے لائن کے ساتھ ساتھ سفر جاری رکھا۔ سورج ڈھلا ہی تھا کہ ہم ایک ایسی جگہ پہنچ گئے جہاں ریلوے لائن بلندی کی طرف گئی تھی۔ کافی بلندی پر درختوں کے گھنے جھنڈ نظر آ رہے تھے۔ ہم پورے سکون کے ساتھ یہ بلندیاں طے کرتے رہے اور پھر ہم نے اس بدلے ہوئے ماحول کا پہلا انسان دیکھا۔

ہاں۔ وہ انسان ہی تھا اور ایک درخت کے تنے سے اپنی برہنہ پُشت رگڑ رہا تھا۔ اُسے دیکھ کر ہمیں اس قدر خوشی ہوئی تھی کہ بیان سے باہر ہے۔ پوری قوت سے دوڑتے ہوئے ہم اُس کے قریب پہنچ گئے۔ ہمارے قدموں کی چاپ سُن کر وہ رُک گیا اور گھوم کر ہماری طرف دیکھنے لگا۔ یہ ایک عجیب و غریب شخصیت تھی۔ گُھٹا ہوا بے داغ چہرہ۔ پتلے پتلے بھینچے ہوئے ہونٹ، بھاری جبڑے جو سخت دلی کی علامت تھے۔ لمبا قد۔ عمر رسیدہ ہونے کے باوجود متناسب جسم، حیرت انگیز چیز اُس کی آنکھوں پر بندھی ہوئی سیاہ پٹی تھی۔ جسم کے نچلے حصے پر ایک بوسیدہ اور جگہ جگہ سے

پھٹی ہوئی پتلون تھی، پاؤں ننگے اور گرد آلود تھے۔ نہ جانے اُس نے آنکھوں پر پٹی کیوں باندھ رکھی تھی۔

دوڑنے کی وجہ سے ہماری سانس بُری طرح پھول رہی تھی، ابھی ہم اپنی سانسوں پر قابو پانے کی کوششوں میں مصروف تھے اور انوکھا اجنبی درخت کے تنے سے ٹکا ہم سے کچھ سُننے کا منتظر تھا پھر اُس نے کسی نامانوس زبان میں کچھ کہا۔ بات ہماری سمجھ میں نہ آسکی تھی۔ دوسری بار بھی اُس نے کچھ کہا اور اس بار الفاظ بدلے ہُوئے تھے لیکن ہماری سمجھ میں نہیں آسکے۔ وہ پھر منتظر انداز میں ہمیں دیکھتا رہا۔ تیسری بار اُس نے انگریزی میں کہا۔

"اجنبیو۔ تم بولتے کیوں نہیں؟"

"اس لیے کہ تمھاری پہلی بات ہماری سمجھ میں نہیں آسکی تھی۔"

مَیں نے کہا۔

"مشرقی لڑکی۔ تعلق برِّصغیر سے۔ عمر تقریباً بائیس سال۔ مگر تم یہاں؟" اُس کے لہجے میں تعجب تھا۔ دوسری طرف مَیں اُس کے الفاظ پر حیران رہ گئی تھی۔ اُس کی آنکھوں پر پٹی بندھی ہُوئی تھی لیکن میرے بارے میں اُس نے جو کچھ کہا تھا بالکل درست تھا۔

"اور تمھارا ساتھی کون ہے؟"

"میرے بارے میں بھی تم ہی بتاؤ۔"

"اوہ۔ برطانوی بچّے۔ تمھاری عمر گیارہ بارہ سال سے زیادہ نہیں ہوسکتی۔" وہ مُسکرا کر بولا اور ایڈی ہنسنے لگا۔ "مجھے تمھاری یہاں موجودگی پر حیرت ہے۔"

"اس کا انکشاف بھی تم خود ہی کرو۔"

"نہیں بھئی یہ میرے لیے ممکن ہے۔ تمھارے ساتھ کوئی اور بھی ہے؟ میرا مطلب ہے تمھارے دوسرے ساتھی کہاں ہیں؟"

"ہمارا کوئی ساتھی نہیں ہے۔" مَیں نے جواب دیا۔

"کیا مَیں تمھیں چھُو کر دیکھ سکتا ہُوں؟" وہ بولا۔

"ایڈی کو چھُو کر دیکھ لیں۔" مَیں نے کہا اور ایڈی کو آگے بڑھا دیا۔ اس انوکھے شخص نے پہلے ایڈی کا سر ٹٹولا پھر اُس کے شانے اور چہرے کو ٹٹولا، پھر اُس کے ہاتھ کی کلائی ہاتھ میں لے لی اور اُس کی نبض پر اُنگلیاں رکھ دیں۔ چند ساعت وہ اُس کی نبض دیکھتا رہا اور پھر گہری سانس لے کر بولا۔

"دونوں کسی حادثے کا شکار ہُوئے ہو اور شدید سردی میں سفر کرتے رہے ہو۔ لمحہ لمحہ خوف کے عالم میں گزرا ہے اور کوئی ہوائی حادثہ تو نہیں؟" اُس کے انداز میں ہمدردی پیدا ہو گئی تھی۔

مَیں متحیرانہ نگاہوں سے اس شعبدہ گر کو دیکھ رہی تھی۔ اس قسم کی شعبدہ گری ناممکن تو نہیں تھی لیکن بہر حال اس کے انداز تحیّر کُن تھے۔ بہر حال مَیں نے خود کو حیرت کے سمندر سے نکالا اور بولی۔

"یہ ساری باتیں تو بعد میں بھی ہو سکتی ہیں۔ ہمیں اپنے بارے میں بھی تو بتلایے؟"

"ہرگز نہیں۔ تم مجھ سے زیادہ دلچسپ ہو۔ اگر میرے اب تک مشاہدات درست ہیں تو تم خود بھی حیرت انگیز ہو۔ یعنی ان خطرناک حالات سے گزری ہو اور ابھی تک پُرسکون ہو۔ تمھارے لہجے میں خوف نہیں پایا جاتا۔"

"ہاں ہم دونوں پُرسکون ہیں۔" مَیں نے کہا۔

"بھُوکے ہو گئے؟" وہ بولا۔

"فرض کریں ہیں۔ تو پھر۔۔۔؟"

"مَیں تمھیں خرگوش کا گوشت پیش کر سکتا ہوں لیکن اس کے لیے تمھیں میری مدد کرنی ہوگی۔"

"یعنی خرگوش مہیا کرنے ہوں گے؟" مَیں ہنس کر بولی۔

"نہیں۔ یوں کرو، خشک ٹہنیاں اکٹھی کر کے آگ روشن کر لو تاکہ خرگوش بھونا جاسکے۔ خرگوش میں پکڑ لوں گا۔"

"آنکھوں پر پٹی باندھے باندھے؟" ایڈی ہنس کر بولا۔

"ہاں کوشش کروں گا۔" اُس نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔ پہلے تم خرگوش پکڑ لو، اس کے بعد ہم لکڑیاں جمع کریں گے۔" ایڈی بولا اور اُس نے گردن ہلا دی۔ پھر وہ نپے تلے قدموں سے ان بھُوری چٹانوں کی طرف بڑھ گیا جو تھوڑے فاصلے پر نظر آرہی تھیں۔ اُس نے ہاتھ اُٹھا کر ہمیں وہیں رُکنے کا اشارہ کیا تھا اور ہم دونوں اسے تعجب سے دیکھتے رہے۔

"آنکھوں پر بندھی ہُوئی پٹی کے نیچے کوئی گڑبڑ ہے۔" ایڈی بولا۔ مَیں نے اُس کی بات پر کوئی تبصرہ نہیں کیا تھا۔ ایڈی بھی اُس کی شعبدہ گری میں اُلجھ گیا تھا لیکن مَیں اس جگہ کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ کیا نزدیک ہی کوئی آبادی ہے۔ ان بلندیوں کی دوسری طرف کیا ہے؟ اور یہ شخص۔۔۔؟

مَیں اُسے دیکھتی رہی۔ وہ ایک چٹان کی آڑ میں چلا گیا اور پھر تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ اچانک بجلی سی چمکی۔ اُس نے لپک کر کسی چیز پر ہاتھ مارا تھا اور دوسرے لمحے ایڈی کے منہ سے ایک آواز نکلی۔

"پکڑ لیا؟"

اُس شخص کے ہاتھ میں ایک خرگوش کی ٹانگیں تھیں۔ اُس نے کھڑے ہو کر آواز لگائی اور ہماری طرف

آ کر اُس نے ہمارے نزدیک بیٹھ کر ایک لمبے شکاری چاقو سے خرگوش ذبح کیا۔ ایڈی اب اُس کی جادوگری کا قائل ہو گیا تھا۔ چنانچہ وہ اُس کے ساتھ مصروف ہو گیا۔

اُس نے ایک اور خرگوش اسی طرح پکڑا، ایڈی اُس کا مددگار تھا۔ تھوڑی دیر بعد ہم خرگوش کا بھُنا ہُوا گوشت کھا رہے تھے۔ وہ ہمارے ساتھ شریک نہیں ہُوا۔ اُس نے کہا تھا کہ وہ شکم سیر ہے۔

"آپ ہمیں اپنا نام نہیں بتائیں گے انکل؟" ایڈی بولا۔

"اوہ۔ کوئی بھی نام رکھ لو میرا۔ نام میں کیا رکھا ہے۔ تم مجھے انکل ایکس کہہ سکتے ہو۔"

"انکل ایکس؟"

"وائی۔ زیڈ۔ جو دل چاہے۔"

"چلیں ٹھیک ہے انکل ایکس چلے گا۔" ایڈی شرارت سے بولا۔

"انکل ایکس کیا یہاں قریب کوئی آبادی بھی ہے؟ آپ کی یہاں موجودگی ہمارے لیے حیرت انگیز ہے۔" مَیں بولی۔

"ہاں بلندیوں کے دوسری طرف پاگلوں کی ایک بستی ہے۔ وہ لوگ یہاں آباد ہیں جو انسانی فرائض ادا نہیں کرتے؟"

"کیا مطلب؟"

"ہر جملہ، ہر لفظ اپنی ہیئت کے ساتھ اپنا مفہوم بھی رکھتا ہے۔ مفہوم سمجھ میں آجائے تو ٹھیک ہے۔ ورنہ اسے سمجھنے کی کوشش ہی فضول ہوتی ہے۔ اس کے بعد مشاہدہ ضروری ہے۔ اس سے بہتر اُستاد کوئی نہیں ہوتا۔"

"آپ کا تعلق بھی اسی بستی سے ہے؟" ایڈی نے معصومیت سے پوچھا اور مَیں نے بمشکل ہنسی روکی۔ کیونکہ انکل ایکس اُسے پاگلوں کی بستی کہہ چکا تھا۔

"نہیں۔ مَیں یہاں ریسرچ کے لیے آتا ہُوں۔ سال میں ایک ماہ مَیں یہاں گزارتا ہوں۔ یوں سمجھو آج کل یہ بستی میرے تجربات کا مرکز ہے۔ مَیں سال کے سال یہاں آکر دیکھتا ہُوں کہ انسانوں میں کیا تبدیلیاں رونما ہو رہی ہیں۔ یوں سمجھو یہ وقت کا تجزیہ ہے جوں جوں لمحات گزر رہے ہیں، فضا میں تبدیلیاں پیدا ہو رہی ہیں ماحول بدل رہا ہے۔ انسان بدل رہے ہیں مَیں جائزہ لے رہا ہُوں کہ موسمی اثرات انسان کے مزاج پر کس طرح اثر انداز ہو رہے ہیں۔" انکل ایکس نے کہا۔

"یہ علاقہ کون سا ہے؟" مَیں نے پوچھا۔

"تجسّس انسان کی فطرت کا جزوِ لازم ہے لیکن اس میں تھوڑی سی تاخیر ضروری ہے۔ مَیں ابھی اس بارے میں نہیں بتاؤں گا ورنہ تم لوگ مجھ سے سیراب ہو جاؤ گے اور میری ضرورت سے انکار کر دو گے جب کہ مَیں تمھارے ساتھ کچھ وقت گزارنا چاہتا ہُوں۔"

"اوہ۔ نہیں انکل، ہمیں خود آپ کی ضرورت ہے۔ تاہم اگر۔۔۔"

"تھوڑا توقف کرو میری بچی۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ انکل ایکس تمھارے لیے سب کچھ کرے گا۔" ایکس نے کہا اور مَیں خاموش ہو گئی۔ تاہم میرے دل میں اس بستی کو دیکھنے کی خواہش جاگ اُٹھی تھی۔

اس شخص کے ساتھ بیٹھ کر ہم کافی سُستا چکے تھے، پھر اُس نے خود ہی ہم سے بستی میں چلنے کی فرمائش کی اور ہم تیار ہو گئے۔ عجیب و غریب شخص ہمارے ساتھ چل پڑا۔ وہ ناہموار راستے پر نہایت سکون سے چل رہا تھا۔ ایک بار بھی اُس نے ٹھوکر نہیں کھائی تھی۔ مَیں بغور اُس کا جائزہ لے رہی تھی۔ نہایت پھُرتیلا انسان معلوم ہوتا تھا حالانکہ عمر پچاس سال سے کم نہیں معلوم ہوتی تھی۔

بلندی پر پہنچ کر ہم نے نشیب میں بستی کے آثار دیکھے۔ دوسری سمت کے مناظر بھی خوبصورت تھے۔ پھلوں کے باغات نظر آرہے تھے۔ کھیتی باڑی بھی تھی۔ میرے اندازے کے مطابق آبادی بیس پچیس ہزار کے قریب تھی۔ مکانات ایک مخصوص طرز کے بنے ہُوئے تھے۔ جن کے بارے میں، مَیں کوئی رائے قائم نہ کر سکی۔ ہم ڈھلان اُترتے رہے اور پھر تھوڑا سا فاصلہ طے کر کے بستی کے قریب پہنچ گئے۔ زمین کی سطح ناہموار تھی۔ مکانوں میں بھی کوئی ترتیب نہیں تھی۔ جس کا جہاں دل چاہا تھا مکان بنا لیا تھا۔ لوگ سُرخ و سفید، طویل القامت اور سُنہرے بالوں والے تھے۔ مردوں کے بال بھی کمر تک آتے تھے۔ عورتیں اور بچے خوبصورت تھے لیکن اُن کے چہرے سپاٹ تھے۔ بستی کے نزدیک سے گزرتے ہُوئے اُنھوں نے ہمیں دیکھا لیکن نہ کوئی رُکا اور نہ کسی نے توجہ دی۔ بس دیکھتے ہُوئے آگے بڑھ گئے۔ انکل ایکس ان لوگوں کے درمیان سے گزرتا ہُوا ایک عجیب سی جگہ پہنچ گیا۔ یہ سُرخ پتھروں سے بنی ہُوئی کھنڈر نما ایک عمارت تھی جو کافی قدیم اور بوسیدہ سی تھی، یوں بھی وہ عام آبادی سے کافی الگ تھلگ تھی۔

ٹوٹے ہُوئے گول دروازے سے گزر کر ایکس ہمیں اندر لے گیا۔ اندر داخل ہوتے ہی زمین پر سیڑھیاں نظر آئیں جو نیچے کسی تہ خانے میں چلی گئی تھیں۔ اندر گہری تاریکی تھی لیکن ایکس

نے اس تاریکی میں آگے بڑھ کر ایک شمع دان میں لگی چند شمعیں روشن
روشن کردیں اور فضا منوّر ہوگئی۔

عجیب سی جگہ تھی جسے کوئی نام دینا مشکل تھا۔ گول بھی
سُرنگ جیسی، لیکن وہاں نہ جانے کیا کیا سامان بھرا ہُوا تھا کچھ
سمجھ میں نہیں آتا تھا۔

"یہ میری رہائش گاہ ہے۔ اگر تم پسند کرو تو یہاں قیام کر
سکتے ہو۔ بصورتِ دیگر جہاں چاہو چلے جاؤ" ایکس نے کہا۔

"ہماری موجودگی تمھارے سکون میں خلل اندازی ہوگی۔"

"وہ تو ہوگی" اُس نے گردن ہلائی۔

"اس کے باوجود تم ہمیں یہاں جگہ دے رہے ہو؟"

"مجبوری ہے۔ برداشت کروں گا" اُس کے لہجے میں سرد مہری
پیدا ہوگئی۔

"یوں کرتے ہیں! ابھی تو تمھیں ہی پریشان کریں گے۔ اگر کوئی
بہتر صُورتِ حال پیدا ہوگئی تو ہم یہاں سے چلے جائیں گے۔"

"میں نے تمھیں یہ جگہ دکھا دی ہے۔ اس کے بعد جو دل چاہے
کرو۔ میری طرف سے تم پر کوئی پابندی نہیں ہے۔" وہ اُسی بیزاری
کے انداز میں بولا اور میں خاموش ہوگئی۔ ایڈی بھی حالات کا جائزہ
لے رہا تھا۔ ہم دونوں نے آرام کے لیے ایک جگہ منتخب کرلی اور
وہ ہمیں یہاں چھوڑ کر چلا گیا۔

ایڈی نے چند ساعت خاموش رہنے کے بعد کہا "کیا یہ
شخص عجیب نہیں ہے سسٹر؟"

"ہاں۔ یقیناً۔"

"تاہم ہمیں اس وقت سہارے کی ضرورت ہے اور بظاہر
وہ بُرا انسان نہیں معلوم ہوتا" ایڈی نے کہا اور میرے ہونٹوں
پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"تمھیں اچھے بُرے انسانوں کی پہچان ہوگئی ایڈی...؟"
میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں سسٹر۔ میں ابھی بچّہ ہُوں لیکن کیا کروں۔ یہ ساری
باتیں میرے ذہن میں اُتر رہی ہیں۔ اتنے لوگ سامنے آرہے
ہیں۔ سب کے سب ایک دوسرے سے مختلف اور انوکھے ہوتے
ہیں۔ ان پر غور کرو تو کسی حد تک حالات کا اندازہ ہوتا ہے۔"

"ٹھیک کہتے ہو ایڈی! اصل چیز عمر ہوتی ہے، ماحول ہوتا
ہے جو تجربات کو جلا دیتا ہے۔ بہرحال اس شخص نے ہمیں چند
باتوں سے لاعلم رکھا ہے لیکن اس کے باوجود اس کا رویّہ اچھا
ہے۔ ہم یہاں کچھ وقت گزار سکتے ہیں۔ تم نے اس شخص کی فطرت
میں کوئی خاص بات محسوس کی ہے؟"

"اُس کے اندر تو ہر بات، خاص بات ہے سسٹر۔ آنکھوں پر
باندھے رہتا ہے لیکن خرگوش پکڑ لیتا ہے۔ کیا یہ غیر معمولی بات
نہیں ہے؟ آخر وہ پٹی کیوں باندھے رہتا ہے؟"

"خُدا جانے!" میں گہری سانس لے کر بولی۔

"آپ کسی اور بات کا تذکرہ کر رہی تھیں سسٹر؟"

"ہاں۔ اُس کی شخصیت میں تضاد ہے۔ اُس نے کہا تم
اُسے ہماری ضرورت ہے لیکن یہاں آکر اُس کے انداز میں
تبدیلی پیدا ہوگئی تھی۔ بہرحال یہ کوئی خاص بات نہیں ہے۔
کچھ وقت گزارنا ہے گزار لیں گے۔"

گرم جگہ محفوظ چھت کے نیچے بدن خود بخود آرام کا شائق
ہوگیا تھا۔ ہم دونوں گہری نیند سو گئے اور ہماری اس نیند میں
نے مداخلت نہیں کی تھی۔ خوب سوئے اور جب جاگے تو رات
ہوچکی تھی۔ تمباکو کی بُو فضا میں چکرا رہی تھی۔ میری نگاہ دُھ
کی لکیروں کی جانب اُٹھ گئی۔ وہ ایک جگہ ٹیک لگائے کو
عمدہ قسم کا سگار پی رہا تھا۔ شمع دان میں کئی شمعیں روشن
کی گئی تھیں اور لکڑی کے ایک ستون پر چند برتن رکھے ہوئے

میں نے ایک گہری سانس لی اور وہ چونک کر میری جا
گھُوم گیا۔ آنکھوں پر پٹی بدستور بندھی ہوئی تھی لیکن اُس
حسیات، خُدا کی پناہ۔ میں نے صرف گہری سانس لی تھی اور
سمجھ گیا تھا کہ میں جاگ گئی ہوں۔

"ہیلو" اُس نے مُسکرا کر کہا۔

"ہیلو اَنکل ایکس۔"

"بچّے کو بھی جگا لو۔ کافی رات گزر چکی ہے۔ کھانا کھا
بھُوک لگ رہی ہوگی۔"

"شکریہ اَنکل پانی ہوگا یہاں؟"

"ہاں۔ وہ ٹنکی رکھی ہوئی ہے۔ ٹنکی پُرانی ضرور ہے لیکن اس
کا پانی تازہ اور شفاف ہے۔" اُس نے ایک طرف اشارہ کیا۔

تھوڑی دیر بعد میں اور ایڈی کھانا کھا رہے تھے۔ کھا
میں ایک بڑی ڈبل روٹی، بھُنا ہُوا گوشت اور سلاد تھی۔ وہ
ہمارے ساتھ شریک نہیں ہُوا تھا۔ کھانے سے فارغ ہو کر
بیٹھ گئے۔

"تھکن اُتر گئی تمھاری؟" اُس نے پوچھا۔

"ہاں۔ آپ کا بہت بہت شکریہ۔ آپ نے ہماری بہت
مدد کی ہے۔"

"اب اپنے بارے میں بتاؤ؟" وہ بولا۔

"ضرور اَنکل۔ میرا نام عالیہ ہے۔ جیسا کہ آپ اندازہ لگا چکے
ہیں کہ میں ایشیائی ہُوں۔ یہ ایڈی ہے، برطانیہ کا رہنے والا لیکن
اب یہ میرا بھائی ہے۔ ہم لوگ ایک جہاز میں سفر کر رہے تھے
کہ جہاز کو ہائی جیک کرنے کی کوشش کی گئی اور اندرونی ہنگامے
کی وجہ سے وہ تباہی کا شکار ہوگیا۔ اُسے ایک نامعلوم برفانی
علاقے میں اُتار لیا گیا۔ بہت سے لوگ مر گئے جو زندہ بچے وہ
امداد کا انتظار کرنے کے بعد منزل کی تلاش میں چل پڑے...
ہماری ٹولی میں سے صرف ہم دونوں زندہ بچ کر یہاں تک
پہنچ سکے ہیں۔"

"اوہ۔ بہت افسوس ہُوا۔ یہ حادثہ کون سی تاریخ کو پیش آیا
تھا؟" اُس نے پوچھا اور میں نے ذہن پر زور دے کر تاریخ بتا
دی۔ گویا پندرہ دن گزر چکے ہیں!

"ہاں۔ مجھے یاد آرہا ہے کہ اُس بدنصیب طیارے کی گمشدگی
کے بارے میں اخبارات میں خبریں چھپی تھیں۔ بہرحال میں تم دونوں
کو مُبارک باد دیتا ہُوں۔"

"شکریہ اَنکل۔ کیا آپ اخبار پڑھتے ہیں؟" ایڈی بولا اور اُس
کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ پھر اُس نے گردن ہلا کر کہا۔

"نہیں۔ میں اخبار سُنتا ہُوں۔"

"آپ کے بارے میں بہت سے سوالات ہمارے ذہن میں
اُبھر رہے ہیں اَنکل۔"

"پوچھو۔"

"آپ کون ہیں؟"

"دُنیا میں پھیلے ہوئے لاتعداد انسانوں میں سے ایک۔"

"آپ کی آنکھوں پر پٹی کیوں بندھی ہوئی ہے اَنکل؟"

"تم اسے علامت سمجھ سکتے ہو۔ اس دَور میں سانس لینے
والے ہر انسان کی یہی کیفیت ہے۔"

"میں تسلیم کرتی ہُوں لیکن مادّی انسانوں کو یہ قوتیں حاصل
نہیں ہیں جو آپ میں ہیں۔ آپ اسے نہیں تسلیم کریں گے؟"

"ہاں۔ میں نے اپنے احساس کو طاقتور بنا لیا ہے۔ میں
نے ذہنی قوتوں کو آنکھوں کی جگہ استعمال کرنے کی مشق کی ہے۔"

"تو کیا آپ کی آنکھیں...؟"

"ہاں۔ میری آنکھیں نہیں ہیں۔"

"اوہ۔ تعجب ہے۔ اس کے باوجود آپ ہزاروں آنکھوں کے
مالک ہیں۔"

"شاید" وہ آہستہ سے بولا۔

"اَنکل کیا آپ صرف آہٹ سے ہر چیز کو پہچان لیتے ہیں؟"

"نہیں بیٹے۔ انسان تو سارے یکساں ہوتے ہیں۔ میں نے خود
کو جان کر دوسروں کو جانا ہے۔ میرے محسوسات ہی میرا ادراک
ہیں۔ ہر شئے کی ایک تھیوری ہوتی ہے جسے جان لیا جائے تو زیادہ
مشکلات نہیں پیش آتیں۔"

"آپ نے صرف میری آواز سے میری قومیت اور میری عمر کا اندازہ
لگا لیا تھا آخر یہ کیوں کر ممکن ہُوا؟"

اَنکل ایکس کے ہونٹوں پر مُسکراہٹ پھیل گئی۔ چند لمحے سوچنے
کے بعد اُس نے کہا "میں تمھیں بتا چکا ہوں بے بی۔ کہ اگر انسان
کی شخصیت میں کوئی ایسی کمی واقع ہو جائے جو اُسے محرومی کا شکار
کا شکار کردے اور یہ محرومی جھنجلاہٹ بن جائے تو بڑی خوفناک
چیزیں جنم لیتی ہیں۔ میں تمھیں بتا چکا ہُوں کہ میں اندھا ہُوں، ہرچند
کہ میرا یہ اندھاپن پیدائشی نہیں بلکہ ایک حادثے کا نتیجہ ہے۔ اس
حادثے سے دوچار ہونے کے بعد جب میں نے اپنی دُنیا میں
اپنا راستہ طے کرنے کی کوشش کی تو مجھے علم ہُوا کہ مجھ سے زیادہ
دُنیا کو میرے اندھے پن کا احساس ہے۔ اُس نے مجھے میری پہلی
حیثیت میں قبول نہیں کیا اور یہ احساس دلایا کہ میں اب اُس
کے مقابلے میں ایک کمتر انسان ہُوں اور مجھے اپنی کمتری قبول کر
لینی چاہیے لیکن صُورتِ حال دوسری ہوگئی۔ میں اس کمتری کو قبول
کرنے کے بجائے جھنجلاہٹ کا شکار ہوگیا اور میں نے اپنے تمام
اعضا کو اس کے لیے مجبور کردیا کہ وہ آنکھوں کی کمی پُوری کریں۔
چنانچہ اس وقت میں آنکھوں والوں سے زیادہ حسّاس ہُوں۔ شامّے
کی حس مجھ میں بدرجۂ اُتم پیدا ہوچکی ہے۔ ہر عمر کے انسان کے
جسم میں کچھ مخصوص خوشبوئیں ہوتی ہیں اور ان خوشبوؤں سے اس
کی عمر کا تعین کیا جاسکتا ہے۔ اس کے علاوہ آواز کا تاثر لفظوں کی
ادائیگی اور لہجے کا زیروبم اس کی عمر اور قومیت کا احساس دلاتا ہے۔
چنانچہ میرے لیے یہ جان لینا مشکل نہ تھا۔ میں حیرت سے اَنکل ایکس
کی گفتگو سُن رہی تھی۔ بلاشبہ وہ حیرت انگیز شخصیت کے مالک
تھے۔ انسانی حسیات کا ایک عجوبہ۔

دیر تک میں انکل ایکس کی ان باتوں پر غور کرتی رہی پھر
میں نے گہری سانس لے کر کہا۔

"لیکن ان ساری چیزوں کو جاننے کے لیے آپ کو کافی مشق
کرنی پڑی ہوگی آنکل ایکس؟"

"ہاں بیٹی تم سے کہہ چکا ہُوں کہ میں نے اپنی زندگی اسی قسم

کی چیزوں کی تحقیق میں گزاری ہے۔ میرا خیال ہے اب تم میرے بارے میں سب کچھ جان چکی ہو گی۔ چنانچہ دوبارہ سونے کی کوشش کرو۔ مجھے بھی اب نیند آرہی ہے۔"

انکل ایکس نے گفتگو ختم کر دی تھی۔ پھر وہ ہمارے پاس سے اُٹھ کر دُور ایک کونے میں چلا گیا اور زمین پر لیٹ کر کروٹ بدل لی۔

ہم دونوں شمع دانوں کی روشنی میں اُس کا زمین سے لپٹا جسم دیکھتے رہے۔ پھر ایڈی نے مجھ سے کہا۔

"سسٹر آپ اس شخص کے بارے میں کیا کہتی ہیں؟"

"کچھ نہیں کہہ سکتی ایڈی۔ واقعی عجیب و غریب چیز ہے۔" میں نے جواب دیا۔

ہم دونوں پھر لیٹ گئے اور سونے کی کوشش کرنے لگے لیکن چونکہ کافی دیر سونے کے بعد جاگے تھے اس لیے بہت دیر تک نیند نہیں آئی۔ اس دوران میں ہم مختلف موضوعات پر گفتگو کرتے رہے پھر ایڈی سو گیا تو میں نے بھی آنکھیں بند کر کے سونے کی کوشش شروع کر دی۔

اور دوسری صبح ہم اُس وقت جاگے جب سُورج کی کرنیں ہمیں گدگدا رہی تھیں۔ انکل ایکس یہاں موجود نہ تھا لیکن تھوڑے فاصلے پر ایک کیتلی سے چائے کی بھاپ اُٹھ رہی تھی۔ چائے کی خوشبو نے ہمیں پُوری طرح بیدار کر دیا اور میں اپنی جگہ سے اُٹھ کر وہاں پہنچ گئی جہاں چائے تیار رکھی تھی۔ چائے کے نزدیک ہی ایک باسی ڈبل روٹی اور تھوڑا سا مکھن بھی موجود تھا۔ میں نے ایڈی کو جگایا اور مُنہ ہاتھ دھونے کے بعد ہم دونوں ناشتہ کرنے بیٹھ گئے "انکل ایکس کے مہمان۔" ایڈی نے مُسکرا کر کہا اور میں بھی مُسکرانے لگی۔

"لیکن یہ انکل گئے کہاں؟" ایڈی ادھر اُدھر دیکھ کر بولا۔

"ممکن ہے اُسی درخت کے تنے سے گوشت کھُرچ رہے ہوں۔" میں نے کہا اور ایڈی ہنس پڑا۔

"واقعی سسٹر ایک بار پھر کہوں گا کہ انکل بڑی انوکھی شخصیت ہیں۔۔۔"

"ٹھیک ہے ایڈی مگر اب آگے کیا پروگرام ہے؟"

"ظاہر ہے سسٹر ہمیں یہ جگہ چھوڑنی ہو گی۔ کیونکہ مستقلاً تو ہم انکل ایکس کے مہمان نہیں رہ سکتے اور یوں بھی اس علاقے کے بارے میں اُنھوں نے ہمیں کچھ نہیں بتایا۔ ہمیں خود ہی باہر نکل کر معلومات حاصل کرنا ہوں گی . . . !" میں نے ایڈی کی رائے سے اتفاق کیا تھا۔

ناشتے کے بعد ہم دونوں اس کھنڈر نُما عمارت کے دروازے سے باہر نکل آئے۔ کچھ فاصلے پر بستی پھیلی ہُوئی تھی۔ لوگ روزمرّہ کے کاموں میں مشغول تھے۔ ان کے لباس اور شکلوں سے ہم اُن کی قومیت کا صحیح اندازہ نہیں لگا سکے اور چند ساعت کے بعد اُن کے درمیان پہنچ گئے۔ بلاشبہ انکل ایکس نے جو کچھ کہا تھا وہ درست ہی لگ رہا تھا کیوں کہ ہم جن لوگوں کے درمیان تھے وہ عجیب بے حس اور خود پرست معلوم ہوتے تھے۔ کوئی بھی ہمیں دیکھ کر نہ رُکا اور نہ کسی نے ہمارے اُوپر کوئی خاص توجہ دی۔ یوں لگتا تھا جیسے لوگ ہم جیسے لوگوں کے عادی ہوں اور اُن سے کوئی سروکار نہ ہوں۔ عورتیں، بچے، بوڑھے، مرد سب ہی اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے۔ ڈھیلے ڈھالے مخصوص قسم کے لباسوں میں وہ عجیب نظر آرہے تھے اور جب دیر تک آوارہ گردی کے بعد کسی نے ہماری جانب توجہ نہیں دی تو پھر ہم خود ہی ایک ایسی جگہ پہنچ گئے جہاں چند افراد بیٹھے ہُوئے خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ اُن کی نامانوس آوازیں ہمارے کانوں میں آرہی تھیں لیکن ہمیں دیکھ کر وہ سب خاموش ہو گئے۔

"ایکسیوزمی۔" میں نے شیریں لہجے میں گردن ہلا کر اُن میں سے ایک کو مخاطب کیا اور وہ سوالیہ نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگا۔

"میں یہاں اجنبی ہُوں۔" میں بولی اور مجھے دیکھنے والا انداز میں اپنے دوسرے ساتھیوں کو دیکھنے لگا۔ اُن کے چہرے بے تاثر اور سپاٹ تھے۔

"میں آپ لوگوں سے اس علاقے کے بارے میں معلوم کرنا چاہتی ہُوں۔" میں نے پھر کہا اور اُن سب کے چہروں پر اُلجھن نظر آنے لگیں پھر اُنھوں نے لاپروائی اور کسی قدر جھنجلاہٹ کے انداز میں گردنیں ہلائیں اور ایک دوسرے کے شانوں پر ہاتھ رکھ کر وہاں سے آگے بڑھ گئے جیسے میری فضول باتوں میں آنا نہ چاہتے ہوں۔ میں ایڈی کا ہاتھ پکڑے انھیں جاتے دیکھتی رہی اور پھر گہری سانس لے کر وہاں سے دوسری جانب چل پڑی۔ ہم دونوں وہاں کے کسی باشندے سے کچھ معلوم کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ دوپہر ہو گئی۔ ہم نے تقریباً پُوری بستی گھُوم لی تھی ایک بھی فرد ہمیں ایسا نہیں ملا جو ہماری بات سُنتا، سمجھتا کم از کم اخلاقاً اپنی ہی زبان میں ہماری پزیرائی کرتا۔ بلکہ سب کے چہروں پر بے زاری کے اثرات نمودار ہو جاتے تھے اور وہ کبیدہ خاطر ہو کر آگے بڑھ جاتے تھے۔

"واقعی عجیب بستی ہے۔" ایڈی نے تھکے تھکے لہجے میں کہا۔

"انکل ایکس نے غلط نہیں کہا تھا ایڈی۔"

"ہاں میں بھی یہی سوچ رہا ہُوں لیکن سسٹر اس کا مقصد تو یہ ہے کہ یہاں انکل ایکس کے علاوہ ہمارا کوئی پُرسانِ حال نہیں ہو گا۔ کوئی ہمیں یہ نہیں بتائے گا کہ ہمیں دوسری آبادیوں میں جانے کے لیے کون سی سمت اختیار کرنی چاہیے۔ یا یہ کہ ہمیں کسی چیز کی ضرورت ہے کہ نہیں؟"

"ہاں۔ ایڈی۔ ہمیں انکل ایکس پر ہی بھروسہ کرنا ہو گا۔ تم دیکھو یوں لگتا ہے جیسے اگر ہم یہاں بھُوکے بھی مَر جائیں تو بھی ان میں سے کسی کو ہم پر رحم نہیں آئے گا۔"

"مگر تعجب کی بات ہے سسٹر کہ ان لوگوں کے ذہنوں میں ہمارے لیے کوئی تجسّس بھی نہیں پیدا ہُوا۔ کسی نے ہمارا حال جاننے کے لیے کوئی خاص کوشش ہی نہیں کی۔"

"ہاں انکل ایکس ہی اس سلسلے میں کوئی رہنمائی کر سکیں گے۔ آؤ واپس چلیں۔"

"ایک منٹ سسٹر کسی بلند جگہ پہنچ کر یہ اندازہ لگانے کی کوشش کی جائے کہ اس بستی کے اطراف میں کیا ہے۔ اگر ہم یہاں سے نکلنا چاہیں تو ہمیں کون سا راستہ اختیار کرنا ہو گا۔"

"جیسے تمھاری مرضی۔" میں نے کہا اور میں اور ایڈی ایسی کسی جگہ کی تلاش میں چل پڑے۔ تھوڑے فاصلے پر ہمیں ایک بلند ٹیلہ نظر آگیا اور ہم اُس پر چڑھ کر بستی کے اطراف میں نگاہیں دوڑانے لگے۔ ایک کچی پگڈنڈی کے علاوہ اور کوئی چیز نظر نہیں آئی تھی۔ پگڈنڈی کے دونوں جانب سرسبز کھیت پھیلے ہُوئے تھے۔ ان کھیتوں کے پیچھے باغات بھی نظر آرہے تھے۔ بظاہر یوں لگتا تھا جیسے برفانی سلسلہ یہاں ختم ہو گیا ہو اور پھر ممکن ہے یہاں خاص موسم میں ہی برف باری ہوتی ہو۔ اس وقت ماحول صاف سُتھرا اور کھیتوں میں ہریالی نظر آرہی تھی۔

دیکھنے میں ماحول بے حد خوشنما تھا۔ میں اور ایڈی اس نتیجے پر پہنچے کہ اگر ہم یہاں سے آگے بڑھنے کی کوشش کریں تو اس پگڈنڈی کے راستے کسی اور بڑی آبادی میں پہنچ ہی جائیں گے۔

"لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے سسٹر کہ اگر یہ پگڈنڈی میلوں لمبی ہُوئی اور ہم اس چھوٹی سی بستی سے نکل کر کسی اور ویرانے میں پہنچ گئے تو کیا ہو گا؟ اس سے بہتر یہ ہے کہ ہم انکل ایکس سے اتنا ہی معلوم کر لیں کہ پگڈنڈی ہمیں کہاں لے جائے گی۔ ممکن ہے وہ رحم دل انسان راستہ بتانے کے علاوہ ہمارے کھانے پینے کے لیے بھی کچھ مہیا کر دے۔"

"مناسب خیال ہے۔" میں نے تائید کی اور اس کے بعد ہم دونوں واپس اُسی کھنڈر نما عمارت میں پہنچ گئے۔ ہماری پُراسرار رہائش گاہ میں موسیقی کی تانیں گونج رہی تھیں۔ دھیمے سُر عجیب سا ساز تھا اور انکل ایکس خود اُس کے سُروں میں گم معلوم ہوتا تھا۔ دروازے سے پہلا قدم اُسے چونکانے کا باعث بن گیا اور سُر گم ہو گئے۔ انکل ایکس کے ہونٹوں پر مُسکراہٹ پھیل گئی۔

"آگئے تم لوگ۔ کیسی لگی یہ بستی؟"

"آپ کے کہنے کے مطابق۔" میں گہری سانس لے کر بولی۔

"تو پھر کیا فیصلہ کیا تم نے؟"

"ہم بے بس لوگ فیصلہ کرنے کی پوزیشن میں نہیں۔" میں نے کہا

"میں تمھاری راہبری کروں گا۔ جلدی کیا ہے۔ ہاں اگر یہ بستی اور یہاں کے لوگ پسند نہیں آئے اور تم دونوں ان سے اُکتاہٹ محسوس کر رہے ہو تو یہ دوسری بات ہے۔ یہ راستہ تمھیں ہیمن برگ لے جائے گا جو ایک چھوٹا سا پہاڑی اسٹیشن ہے۔ یہاں سے چند میل کے فاصلے پر اور وہاں سے تمھیں ٹرین مل جائے گی جو تمھیں اسپین کے دارالحکومت میڈرڈ پہنچا دے گی اور وہاں تمھارا سفارت خانہ تمھاری مدد کرے گا۔"

میں اُچھل پڑی تھی۔ پہلی بار مجھے اس علاقے کے بارے میں معلوم ہُوا تھا۔ میں نے خوشی کے عالم میں پوچھا۔

"تو کیا۔ تو کیا۔۔۔ ہم لوگ اسپین کی حدود میں ہیں؟"

"ہاں۔" انکل ایکس دوبارہ ساز کے تاروں پر اُنگلیاں پھیرنے لگا۔ عجیب سی آواز اُبھری تھی۔

■ میں ماضی کے خیالات میں گم ایک ٹیلے پر بیٹھی تھی کہ دفعتہً ایک طرف سے شور بلند ہُوا اور ہم دونوں چونک پڑے۔ چند افراد دوڑ رہے تھے اور اُن کے آگے انکل ایکس تھا۔ اُس کی آنکھوں پر بدستور پٹی بندھی ہُوئی تھی لیکن وہ اپنے پیچھے دوڑنے والوں کو جھکائیاں دے رہا تھا اور ابھی تک اُن کے ہاتھ نہیں آیا تھا۔

"اوہ۔ وہ لوگ بپھرے ہُوئے نظر آرہے ہیں۔" ایڈی گھبرا گیا۔

"ہاں۔ نہ جانے کیا معاملہ ہے۔" میں بھی پریشان ہو کر اُٹھ کھڑی ہُوئی۔

"انکل کی مدد کرنی چاہیے۔" ایڈی بلندی سے نیچے کی طرف لپکا اور میں اُسے روکنے کے لیے مُنہ کھول کر رہ گئی۔ ایڈی انتہائی تیز رفتاری سے دوڑتا ہُوا انکل ایکس کے پاس پہنچ گیا تھا۔

تب میں نے انکل ایکس کو جھکائی دے کر ایک طرف لپکتے دیکھا۔ ایڈی نے شاید اُن سے کچھ کہا تھا اور اس کے جواب

میں انکل ایکس نے اپنے ہاتھوں میں پکڑی ہوئی پوٹلی ایڈی کی طرف اچھال دی اور ایڈی اُسے لپک کر کھڑا ہو گیا۔ دوڑنے والوں کو ایکس سے زیادہ پوٹلی عزیز تھی اس لیے وہ ایڈی کی طرف لپکے اور ایڈی دوڑ پڑا۔ ایڈی کی غیر معمولی شخصیت کو میں نے کئی بار محسوس کیا تھا، اس وقت بھی اُس نے اسی کا مظاہرہ کیا اور وہ لوگ اُسے پکڑنے میں ناکام رہے۔

اور اس کے بعد خاصا دلچسپ کھیل شروع ہو گیا۔ بستی کے لوگ ان دونوں کے ہاتھوں میں تماشہ بن گئے تھے۔ پوٹلی کبھی ایڈی کے ہاتھوں میں چلی جاتی اور کبھی انکل ایکس کے ہاتھوں میں۔ دونوں میں سے کوئی بستی والوں کے ہاتھ نہیں آیا تھا اور بستی والے بُری طرح بپھر گئے۔ وہ چیخ رہے تھے۔ غرّا رہے تھے لیکن تھک گئے تھے۔ پھر وہ رُک گئے اور انھیں گھورنے لگے۔

"آؤ... آؤ رُک کیوں گئے؟" ایڈی شریر لہجے میں بولا لیکن اُس کی بات وہ لوگ نہیں سمجھے ہوں گے۔

"کیا یہ لوگ رُک گئے؟" انکل ایکس چیخ کر بولا۔

"ہاں گدھوں کی طرح ہانپ رہے ہیں۔"

"نکل جانے کا موقع ہے؟" انکل نے پوچھا۔

"بالکل ہے۔ اب اُن کی ہمت جواب دے چکی ہے۔"

"تو نکل چلو۔ سسٹر کہاں ہے؟"

"آواز دوں؟"

"ہاں اُس سے کہو کھنڈر کی طرف چلے۔"

"سسٹر۔ کھنڈر کی طرف چلو خاموشی سے۔" ایڈی چیخ کر بولا اور میں ٹیلے کے دوسری طرف اُتر گئی۔ ایڈی اور انکل ایکس اب تیز رفتاری سے دوڑتے ہوئے کھنڈر کی طرف جا رہے تھے۔

تھوڑی دیر بعد ہم کھنڈر میں تھے۔ انکل ایکس اور ایڈی اس بچکانہ شرارت سے بہت خوش تھے۔

"آخر اس پوٹلی میں کیا ہے؟"

"چائے۔" انکل ایکس بچکانہ انداز میں بولا۔

"چائے؟"

"ہاں اُن لوگوں کے لیے یہ سونے سے زیادہ قیمتی ہوتی ہے۔ تقریباً دو پونڈ چائے ہے۔"

"مگر کس کی ہے؟"

"لیڈن پول کی..."

"یہ لیڈن پول کون ہے؟"

"بستی کا ایک بڑا آدمی۔ خود کو بہت بہادر اور طاقتور سمجھتا ہے۔"

"مگر آپ نے؟"

"میں نے یہ پوٹلی اُس کے ہاتھ سے چھینی ہے۔ یہ ایک غ
عورت کی ملکیت ہے جو مر گئی ہے۔ نہ جانے اُس بے چاری
کتنے عرصے میں یہ چائے جمع کی تھی۔ یوں سمجھو یہ اُس کی تمام
کی پونجی تھی۔"

"پھر...؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"بس اس کا کوئی وارث نہیں تھا۔ لیڈن پول خود اس
مالک بن بیٹھا جب کہ بستی کے لوگوں کا خیال تھا کہ یہ چا
غریب لوگوں میں تقسیم کر دی جائے۔"

"ہوں۔ پھر کیا ہوا؟"

"لیڈن پول غنڈہ گردی پر اُتر آیا اور اُس نے یہ چائے
قبضے میں کر لی مگر میں وہاں موجود تھا۔" انکل ایکس ہنس پڑا۔

"آپ اسے لے بھاگے؟"

"ہاں۔ میرے پیچھے لیڈن پول کے آدمی تھے۔" انکل ایکس
شخصیت اس وقت بدلی ہوئی تھی۔ وہ ایک شوخ اور کھلنڈرا بچہ
آ رہا تھا اور میں اسے تعجب سے دیکھ رہی تھی، اُس کا ساتھ د
والا ایڈی موجود تھا جو اُس کی شرارت سے اتنا ہی خوش ہو رہا
جیسے یہ شرارت اُس نے خود کی ہو۔

"مگر انکل کیا وہ لوگ یہاں نہیں آ جائیں گے، اس ط
تو آپ نے انھیں اپنا دشمن بنا لیا؟"

"آج کی بات نہیں ہے، درجنوں بار وہ لوگ میرے دشم
بن چکے ہیں۔" انکل ایکس ہنس پڑا۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب کیا، اکثر میں اُن کی چیزیں چُراتا رہتا ہوں اور
مجھے چور سمجھنے کے باوجود کبھی پکڑ نہیں پاتے، وہ اکثر میرے پیچ
دوڑتے پھرے ہیں، مگر کیا مجال جو ایک بار بھی ہاتھ لگا سکے
اور ایڈی خوشی سے تالیاں بجانے لگا۔

"آپ آنکھوں پر پٹی باندھ کر انھیں بے وقوف بناتے ر
ہیں انکل؟" ایڈی بولا۔

"ہاں یہی تو دلچسپ بات ہے، میں تمھیں بتاؤں، وہ آ
پرست بھی ہیں۔"

"کیا مطلب؟" ایڈی نے پوچھا۔

"مطلب یہ کہ وہ مجھ سے ڈرتے بھی ہیں، اب اس و
بھی وہ میرے پیچھے پیچھے ضرور بھاگ رہے تھے لیکن اگر وہ
قریب آ جاتے تو صرف پوٹلی چھیننے پر اکتفا کرتے۔ مجھے ہاتھ

لگاتے۔ کئی بار ایسا ہو چکا ہے کہ میں اُن کے نرغے میں پھنس گیا، لیکن وہ صرف اپنی چیز واپس لینے کے لیے کوشاں رہتے ہیں، مجھے چھوتے بھی نہیں۔"

"کیوں انکل؟"

"بس یہ بھی گُر کی بات ہے، خاص طور سے یہ کھنڈر، کیونکہ ان لوگوں کے عقیدے کے مطابق اس کھنڈر میں بدرُوحوں کا بسیرا ہے اور جو شخص بدرُوحوں کے ساتھ رہتا ہے وہ کوئی اچھا شخص تو نہیں ہو سکتا۔ بس اسی بات سے وہ خوفزدہ ہیں۔"

"اوہ اس کا مقصد ہے وہ لوگ اس کھنڈر میں نہیں آئیں گے؟" میں نے گہری سانس لے کر کہا۔

"ارے مجال ہے اُن کی جو اس کے دروازے پر قدم بھی رکھ سکیں۔ اسی لیے تو میں نے اس کا انتخاب بھی کیا ہے۔"

"مگر انکل آپ یہ سب کچھ کیوں کرتے ہیں، آپ کیا ہیں؟ یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آئی۔"

میری بات سُن کر انکل سنجیدہ ہو گئے، چند لمحے سوچتے رہے اور پھر اُن کے لہجے میں وہی پُرانی بیزاری عود کر آئی۔ "میں کچھ بھی نہیں ہوں، کوئی کچھ بھی نہیں ہے، جو خود کو کچھ سمجھتا ہے احمقوں کی جنت میں رہتا ہے۔ بس انسان اِک سوال ہے اور میں اس سوال کا جواب تلاش کر رہا ہوں، جاؤ چائے بناؤ اور پیو، یہ اس علاقے کی سب سے قیمتی چیز ہے کیوں کہ سرد موسم میں یہاں چائے دستیاب نہیں ہوتی اور یہ لوگ بڑی مشکل سے اسے نجانے کہاں کہاں سے حاصل کرتے ہیں، جاؤ، جاؤ چائے بناؤ اور مجھے بھی پلاؤ۔" وہ اُٹھ کر ہمارے پاس سے چلے گئے اور ایڈی ہنستی ہوئی آنکھوں سے مجھے دیکھنے لگا پھر بولا۔

"انکل بہت تیز دوڑتے ہیں سسٹر۔"

"ہوں۔" میں گہری سانس لے کر اُٹھ گئی۔ انکل کے کہنے کے مطابق میں نے چائے بنائی اور ان حالات پر غور کرتی رہی، نجانے کب تک ہمیں ان اُلجھنوں سے دوچار رہنا پڑے گا، اگر کوئی صورتِ حال فوری طور پر سامنے نہ آئی تو اس کے علاوہ اور کوئی چارۂ کار نہیں رہتا کہ اس پگڈنڈی پر سفر کرتے ہوئے نئی آبادیاں تلاش کی جائیں اور کسی ایسی جگہ پہنچنے کی کوشش کی جائے جہاں سے میں اپنے مُلک واپسی کا بندوبست کر سکوں لیکن رات پھر بے خبر ثابت ہوئی۔ میں اور ایڈی ایک دُوسرے کی گردن میں بانہیں ڈالے سو رہے تھے کہ انکل ایکس نے ہمیں جگا دیا۔

"اُٹھو..." میں آنکھیں ملتی ہوئی اُٹھ گئی۔

"کیا بات ہے انکل؟" میں نے انکل کو دیکھتے ہوئے کہا، شمع دان روشن تھے اور انکل ایکس اپنے مخصوص انداز میں کھڑا نظر آ رہا تھا۔

"وہ آ گئے ہیں۔"

"کون؟"

"آؤ باہر آؤ۔ ایڈی کو بھی جگا لو۔" انکل ایکس نے کہا اور باہر چلا گیا۔ میں نے ایڈی کو جگایا اور وہ بھی آنکھیں ملتا ہوا اُٹھ گیا۔

"کیا بات ہے سسٹر؟"

"ہوشیار ہو جاؤ ایڈی، شاید ہمیں سفر کرنا ہے۔" میں نے کہا اور ایڈی نے گردن ہلا دی۔ بے شمار خوبیاں تھیں اس بچے میں، اُس نے آج تک پریشان نہیں کیا تھا بلکہ جہاں کوئی بات اُس کی سمجھ میں نہیں آتی تھی وہاں وہ خاموش ہو جاتا تھا۔

باہر دو قیمتی لینڈ روورز کھڑی ہوئی تھیں اور چند افراد ان کے نزدیک کھڑے نظر آ رہے تھے۔ وہ انکل ایکس کے سامنے مستعد تھے۔

"انھیں احترام سے بٹھاؤ۔ میرے مہمان ہیں۔" انکل ایکس نے کہا اور دو آدمی ہمارے پاس پہنچ گئے۔

"تشریف لایے مادام۔" اُن میں سے ایک نے کہا۔ انگلش بولا لیکن لہجہ عجیب تھا۔ بہرحال میں ایڈی کے ساتھ لینڈ روور میں بیٹھ گئی۔ اندر انتہائی آرام دہ نشستیں تھیں۔ تین آدمی ہمارے ساتھ لینڈ روور میں بیٹھے تھے۔ انکل ایکس شاید دوسری گاڑی میں بیٹھے تھے اور اس کے بعد گاڑیاں چل پڑیں۔

"انکل ایکس کہاں ہیں انکل؟" ایڈی نے اُسی شخص سے پوچھا جس نے ہم سے بات کی تھی۔

"کون انکل ایکس؟"

"ارے۔ آپ انھیں نہیں جانتے؟ وہ جن کی آنکھوں پر پٹی بندھی ہوئی ہے اور ہم جن کے مہمان ہیں۔"

"اوہ۔ شاید تم ہرمینل سُقراط کی بات کر رہے ہو۔" وہ بولا۔

"کون سُقراط؟"

"جنھیں تم انکل ایکس کہہ رہے ہو۔"

"اُن کا نام ہرمینل سُقراط ہے؟" ایڈی نے پوچھا۔

"اگر تم انھیں انکل ایکس کہتے ہو تو وہی ٹھیک ہے۔" اُس نے جواب دیا اور ایڈی خاموش ہو گیا لیکن میرے ذہن میں کھلبلی مچ گئی۔ سُقراط... بقراط... تصور عالم نے ایک بار تذکرہ کیا تھا کہ اُس کا کوئی اُستاد بھی ہے جو سُقراط کے نام سے پُکارا جاتا ہے... اور یہ شخص، اوہ۔ ماس میں بھی ویسے ہی جراثیم نظر آتے

ہیں۔ تو کیا یہ وہی سُقراط ہے۔ اس وقت یہ بات یاد نہیں آسکی کہ بقراط نے کون سے مُلک کا حوالہ دیا تھا اس کے بارے میں ویسے یورپ کے کسی مُلک کی بات ہی بھُولی تھی۔

لینڈ روور دوڑتی رہی اور میں اس بارے میں سوچتی رہی ایڈی بھی اُونگھنے لگا تھا اس وقت خاموش رہنے کو دل چاہ رہا تھا۔ نہ جانے کیسی طبیعت ہو رہی تھی۔ اگر یہ وہ شخص ہے تو بہت کام کا ثابت ہو سکتا ہے۔ میں موقع ملتے ہی اُس سے بقراط کے بارے میں گفتگو کروں گی۔

پُراسرار سفر جاری رہا۔ مجھے بیٹھے بیٹھے نیند آنے لگی تھی اور آرام دہ سیٹ سے ٹِک کر میں پھر سو گئی اور اُس وقت جاگی جب یہ سفر اختتام پزیر ہُوا۔ اس شخص نے پہلے ایڈی کو جگایا اور اس کے بعد مجھے...

قدیم طرزِ تعمیر کی ایک حسین عمارت تھی جس کے وسیع لان میں گاڑیاں رُکی تھیں۔ ہم اُتر کر اندر داخل ہو گئے۔ صبح ہونے تھی۔ فضا میں کُہر تھی اور موسم سرد تھا۔ عمارت کے ایک نہایت آرام دِہ کمرے میں ہمیں پہنچا دیا گیا اور اُسی شخص نے ہم سے درخواست کی۔ "آپ لوگ سکون سے آرام کریں۔ صبح کو ملاقات ہوگی۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے گردن ہلا دی اور وہ شخص باہر نکل گیا۔ ایڈی دلچسپ نگاہوں سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔

"بہت عمدہ جگہ ہے سسٹر۔"

"ہاں۔" میں گہری سانس لے کر بولی۔

"لیکن کیا یہ اَنکل ایکس کی ملکیت ہے؟"

"خُدا بہتر جانتا ہے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ اَنکل ایکس بہت دولت مند انسان ہے۔"

"اگر یہ عمارت اُسی کی ہے تو یہی سوچا جا سکتا ہے۔"

"پھر وہ لوگوں کی چیزیں کیوں چُراتا پھر رہا تھا؟"

"بقول اس کے وہ انسانیت کا تجزیہ کر رہا ہے۔"

"ایسے...؟" ایڈی دلچسپی سے بولا۔

"ہاں۔ اپنا اپنا طریق کار ہے۔" میں ٹھنڈی سانس لے کر بولی۔

"مگر اب ہمارا کیا پروگرام ہے سسٹر؟"

"جو اُلجھنیں ہمیں درپیش ہیں ایڈی اُن کا تقاضا ہے کہ ابھی ہمیں اَنکل ایکس پر ہی بھروسہ کرنا پڑے گا۔ صُورت حال ذرا واضح ہو جائے تو پھر اپنے طور پر سوچیں گے ویسے تمہیں کسی بات کی فکر نہیں کرنی چاہیے، جو کچھ بھی ہوگا مل جُل کر اسے بھُگتیں گے۔ اب تو ہم دونوں کا ہمیشہ کا ساتھ ہے۔" میں نے کہا اور ایڈی نے میری گردن میں باہیں ڈال دیں۔

خوبصورت عمارت کے اس آرام دِہ کمرے میں ہم نے رات بقیہ حصّہ گزارا اور پھر کھڑکی اور دروازوں سے چھَن کر آنے و روشنی نے صبح کا اعلان کیا۔ ملحقہ باتھ رُوم میں گرم پانی کے غ نے گویا نئی زندگی بخش دی۔ دیر تک پہلے ایڈی اور پھر میں غسل کے ٹب میں بیٹھے رہے تھے۔ پانی کی بھاپ گویا ہمارے مسا سے نکل رہی تھی۔ طویل عرصے کے بعد دوبارہ زندگی کا احسا ہُوا تھا۔

پھر ہمیں ناشتے کے لیے طلب کر لیا گیا۔ طویل و عریض ڈا رُوم کے سُرخ قالین پر سیاہ رنگ کی منقش میز پڑی ہُوئی جس پر چاندی کے گُل دانوں میں خوشنما پھُول مُسکرا رہے تھے آبنوسی کرسیوں پر سُرخ گدیاں موجود تھیں اور ان میں سے پر اَنکل ایکس سِلک کے سفید لبادے میں ملبوس کسی قدیم دیوتا کی مانند نظر آ رہا تھا۔ آنکھوں پر اس وقت سیاہ پٹی نہ تھی بلکہ دو گہرے گڑھے نا صحیح نظر آ رہے تھے۔

دروازے پر ہماری آہٹ سُنتے ہی اُس کا ہاتھ آگے اور سُنہرے فریم کی عینک جس پر سیاہ شیشے لگے ہُوئے تھے.. گڑھوں کی پردہ پوش بن گئی۔

"آؤ۔" اُس کے ہونٹوں سے بھاری آواز نکلی اور ہم آگے بڑھ کر اُس کے قریب پہنچ گئے۔ میں تو خاموش ہی ر لیکن ایڈی بے اختیار بول اُٹھا۔

"کمال ہے اَنکل ایکس۔ آپ کا تو حُلیہ ہی بدل گیا۔"

"ہُوں۔ کیا تبدیلی آئی ہے میرے اندر؟"

"بس نہ جانے کیوں اس وقت آپ چور نہیں لگ ر ایڈی بولا اور میں نے اُس کے شانے پر ہاتھ کا دباؤ ڈال کر خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ تب وہ متحیرانہ نگاہوں سے مجھے دیکھتا ہُوا بولا۔

"کیوں سسٹر۔ یہ تو اپنے اَنکل ایکس ہیں۔ کیا آپ مجھے ان کے سامنے خاموش رہنے کا اشارہ کر رہی ہیں؟"

"نہیں بیٹے۔ تمہارے ذہن میں جو کچھ ہو کہتے رہو۔" اَنکل نے نرم اور شفیق لہجے میں کہا۔

"دیکھا، میں پہلے ہی کہتا تھا۔" ایڈی بولا اور پھر اَنکل کی جانب دیکھ کر کہنے لگا۔ "کیا یہ خوبصورت لباس بھی آپ کہیں سے چُرایا ہے اَنکل ایکس؟"

"نہیں بیٹے۔ چوری میں صرف اُس بستی میں کرتا ہُوں

کے لوگوں کو چڑانے کے لیے۔ بس یہ میرا شوق ہے۔ زندگی کی کثافتوں سے اُکتا کر کچھ وقت اُن لوگوں کے ساتھ گزار لیتا ہوں۔ میرے یہ ساتھی مجھے وہاں پہنچا دیتے ہیں اور پھر یہی لے بھی آتے ہیں۔"

"یہ کوٹھی آپ کی ہے؟"

"عُرفِ عام میں۔"

"کیا مطلب؟ میں نہیں سمجھی۔" اس بار میں نے ان دونوں کی گفتگو میں دخل دیا۔

"دیکھو ڈیئر۔ انسان کی سوچ۔ اُس کے افکار بعض اوقات اُسے خود بھی بھٹکنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ ہم سب ہیولے ہیں۔ چلتی پھرتی پرچھائیاں بے معنی و بے مقصد۔ ہماری اصل کہیں اور ہے اور اس طرح کہ وہ خود ہماری نگاہوں سے اوجھل ہے۔ پرچھائیاں آنکھیں نہیں رکھتیں بلکہ کسی حقیقت کا شبہ ہوتا ہے اور یہ حقیقت ہمارے ذہن کی گہرائیوں میں تو ہے۔ ہماری اندھی آنکھیں اسے دیکھ نہیں سکتیں۔ سو ہم جو خود کچھ نہیں ہیں تو کسی چیز کو اپنا کیوں کر کہہ سکتے ہیں۔ تم یہاں موجود ہو جس جگہ بیٹھی ہو وہ تمھاری ہے۔ موجود نہ ہو گی تو یہ جگہ تمھاری نہ رہے گی۔ کوئی اور اسے اپنا سمجھ کر بیٹھ جائے گا۔ اور اُسی بھول میں گرفتار ہو کر اُس وقت تک اسے اپنا کہتا رہے گا جب تک یہاں سے چلا نہ جائے۔"

"خدا کی پناہ۔" میں نے دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیا۔ اسی وقت چند مُلازم ناشتے کی ٹرالیاں دھکیلتے ہوئے اندر داخل ہو گئے اور نہایت نفیس اور پُرتکلف ناشتہ آبنوسی میز پر لگا دیا گیا۔ ایڈی نے بے تکلفی سے نیپکن بچھایا اور اپنی پسند کی چیزوں پر ٹوٹ پڑا...

ناشتے سے فارغ ہو کر اَنکل ایکس نے ایک طویل سانس لی اور بولا۔

"بے بی۔ کیا تم میرے ساتھ امریکہ چل سکتی ہو؟" ایسا عجیب اور اچانک سوال تھا کہ میں دنگ رہ گئی۔ اس سوال کا کیا مقصد تھا؟

اَنکل ایکس میرے احساسات سے بے خبر میرے جواب کا منتظر تھا۔ جب میری طرف سے اُسے کوئی جواب نہ ملا تو اس نے اپنے سوال کی وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

"دراصل میرے ذہن میں ایسا کوئی خیال نہیں تھا لیکن میری بعض ذمے داریاں انوکھی ہیں۔ سان فرانسسکو میں میرے اُستادِ محترم قیام پذیر ہیں اور اُنھوں نے مجھے فوری طور پر طلب کیا ہے۔ میں ہر شخص کی بات ٹال سکتا ہوں لیکن اُستادِ محترم ... وہ تو اس عمر میں بھی مجھے مُرغا بن جانے کی ہدایت کرتے ہیں اور مجھے مُرغا ہی پڑتا ہے۔"

"اوہ آپ مُرغا بن جاتے ہیں اَنکل ایکس؟" ایڈی نے [illegible] کر پوچھا۔

"ہاں بیٹے۔ بننا ہی پڑتا ہے۔" اَنکل ایکس نے ٹھنڈی [illegible] لے کر جواب دیا۔ "میری خواہش تھی کہ تمھاری پوری پوری [illegible] لیکن یہاں میرے وسائل اس قدر محدود ہیں کہ اس سلسلے [illegible] مجھے خاصی پریشانیاں اُٹھانی پڑیں گی۔ اس کے برعکس امر[illegible] مجھے یہ مشکلات پیش نہیں آئیں گی اور چونکہ یہاں سے سرکاری طور پر اپنے ساتھ کسی کو بھی لے جا سکتا ہوں [illegible] لیے تم دونوں کو ساتھ لے جانے میں مجھے دِقت پیش نہیں آ[illegible]

صورتِ حال کسی حد تک میری سمجھ میں آ گئی تھی سا[illegible] کا نام بھی میرے لیے بہت پُرکشش تھا۔ وہاں تو میں نے اپنی [illegible] کے بیش قیمت لمحات گزارے تھے۔ امریکا میں میرے بے [illegible] ساتھی تھے جو ضرورت پڑنے پر میری بھرپور مدد کر سکتے۔ سرکاری طور پر بھی مجھے بہت سی مراعات مل سکتی تھیں اَنکل ایکس مجھے وہاں لے جانے میں کامیاب ہو گئے تو [illegible] وہاں جا کر مجھے اس کی ضرورت بھی پیش نہ آئے۔ خاموشی طویل ہو گئی تھی جس سے غلط نتیجہ اخذ کرتے ہوئے اَنکل [illegible] نے کہا۔

"غالباً تمھیں وہاں جانے میں تردّد ہے۔ بہر حال یہ [illegible] ہر لحاظ سے تمھارے لیے موزوں ہے۔ میرے آدمی یہاں تم[illegible] پوری نگہداشت کریں گے اور تمھیں کوئی تکلیف نہ ہونے د[illegible]

"اوہ۔ نہیں اَنکل ایکس۔ مجھے آپ کے ساتھ امریکا [illegible] میں کوئی اعتراض نہیں۔" میں نے جلدی سے کہا۔

اَنکل ایکس کے چہرے پر اطمینان کی لہر دوڑ گئی۔

"ویسے میں آپ کی شکر گزار ہوں ہر میسل سُقراط۔" [illegible] مُسکراتے ہوئے کہا۔

ایک لمحے کے لیے اُس کے چہرے کے عضلات تن [illegible] پھر وہ گہری سانس لے کر بولا۔ "اس عمارت میں آ کر تمھیں [illegible] نام معلوم ہُوا ہو گا؟"

"جی ہاں لیکن اس سے قبل بھی یہ نام سُن چکی ہوں [illegible]

"پڑھ چکی ہو کہیں؟ سُنا اُن لوگوں نے تھا جو اُس [illegible] دَور کے ناقدرے تھے۔" اَنکل ایکس نے تاسف سے کہا۔

"نہیں۔ میں نے یہ نام اسی دَور کے ایک قدر دان [illegible]

تھا اور اُس کے لہجے میں احترام تھا۔"

"کون تھا وہ؟"

"بُقراط اسی..." میں نے جواب دیا۔

اَنکل ایکس یا سُقراط کے چہرے پر عجیب سے تاثرات نظر آنے لگے۔ پھر اُس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "ہاں اس کا تعلق تمھارے ہی وطن سے ہے۔ مجھے یاد آ گیا۔ کہاں ہے وہ [illegible] معقول شخص؟" اُس نے کرخت لہجے میں کہا اور میں نے نواب [illegible]ہورِ عالم کی کوٹھی کا پتہ دُہرا دیا۔ سُقراط بڑبڑاتا رہا پھر معتدل ہو [illegible] "معاف کرنا۔ تین سال سے اُس سے ملاقات نہیں ہوئی۔ [illegible] کوئی پتہ ہی نہیں مِل سکا تھا۔ مجھے اس کی سخت ضرورت ہے۔"

"میں آپ کا اُس سے تعلق معلوم کر سکتی ہوں؟"

"شاگرد ہے میرا... اولاد کی مانند ہے میرے لیے... [illegible]ین اُس کے خیالات میں کچھ تبدیلیاں رُونما ہوئی ہیں۔"

"اب جب کہ یہ ذکر چل نکلا ہے تو میرا تجسس بیدار ہو [illegible] ہے کہ آپ لوگوں کے نام مختلف ہیں لیکن جن لوگوں کے نام [illegible] نے اختیار کیے ہیں، وہ ممتاز شخصیات کے مالک تھے۔ آخر [illegible] نے یہ نام کیوں اختیار کیے ہیں؟"

"نہیں۔ مجھے اس صاف گوئی کے لیے معاف کرنا میں تمھیں [illegible]صیل نہیں بتا سکوں گا کیونکہ عام لوگ ہم سے متفق نہیں [illegible] تے۔ یوں سمجھو یہ ایک تنظیم ہے جو خاص مقاصد رکھتی ہے [illegible] ماضی کے ان بڑے لوگوں کے خیالات پر ریسرچ کر رہی [illegible] جو مر چکے ہیں لیکن جو کچھ کہہ گئے ہیں وہ حقیقت ہے... [illegible]اری تنظیم صرف یہ چاہتی ہے کہ انسان فنا سے بقا کی جانب [illegible]ٹ جائے۔ وہ بھٹک کر جس راستے پر سفر کرنے لگا ہے اُسے [illegible] کر دے۔ بس یہ سطحی باتیں ہیں جو میں نے تمھیں بتا دی ہیں [illegible] سے زیادہ میرے لیے ممکن نہیں ہے۔"

میں متحیرانہ نگاہوں سے اُسے دیکھ رہی تھی۔ بڑا عجیب [illegible] فلسفہ تھا۔ بات دل کو لگتی تھی پھر میں نے کہا۔ "آپ کی تنظیم میں [illegible] افراد شامل ہیں؟"

"یہ نہیں بتاؤں گا۔" وہ صاف گوئی سے بولا۔

"آپ اپنی اس تنظیم میں کیسے لوگوں کو شامل کرتے ہیں؟"

"جو خود کو اس کا اہل ثابت کریں۔"

"اس اہلیت کا معیار کیا ہے؟"

"نہیں بے بی۔ ان چکروں میں مت پڑو۔ دُنیا بہت حسین [illegible] جس نے اُس کی تخلیق کی ہے اُس کا نظریہ بہت خوبصورت تھا، بس اسے ہی ذہن میں رکھو۔" وہ اُٹھ گیا اور چلتے چلتے بولا۔

"تو تمھیں میرے ساتھ چلنے میں کوئی اعتراض نہیں ہے؟"

"نہیں۔" میں نے جواب دیا۔

"تو پھر خود کو چند تبدیلیوں کے لیے تیار کر لو۔ کوئی اعتراض نہ کرنا۔ ایسا کرنا یہاں ضروری ہے ورنہ امریکا میں تم کسی طور پابند نہیں ہو گی۔"

"کوئی حرج نہیں ہے۔" میں نے جواب دیا۔

یہ ضروری تبدیلیاں میرے چہرے پر میک اپ تک محدود نہ رہیں بلکہ ایڈی کی بھی شکل بدل دی گئی۔ آئینہ دیکھ کر اندازہ ہُوا کہ مجھے مقامی باشندہ بنایا گیا ہے۔ ایڈی بھی اپنی بدلی ہوئی شکل دیکھ کر بہت متحیّر اور خوش تھا۔ فطری طور پر وہ بھی ایڈونچر پسند لڑکا تھا پھر ہماری تصویریں بنائی گئیں اور ٹھیک پانچ دن کے بعد ہم چند لوگوں کے ساتھ ائرپورٹ پہنچ گئے۔ اَنکل ایکس ہمیں ائرپورٹ پر ہی ملا تھا۔ اس وقت وہ نہایت قیمتی سوٹ میں ملبوس تھا۔ اُنگلیوں میں بیش قیمت انگوٹھیاں تھیں۔

جہاز کا سفر شروع ہو گیا جس وقت جہاز فضا میں بلند ہُوا۔ میں نے ایڈی کے چہرے کی جانب دیکھا۔ معصوم بچّہ کسی قدر افسردہ تھا۔ نہ جانے کیا خیال آ گیا ہو گا۔ ممکن ہے ماں یاد آ گئی ہو۔ بہر حال حوصلہ مند بچّہ تھا۔ میں نے اتنی عمر کے بچّوں کو اس قدر جری نہیں دیکھا تھا۔ اُس نے مجھ سے ایک معصوم درخواست کی تھی کہ میں ہمیشہ اسے اپنے ساتھ رکھوں اور میں نے بھی دل میں تہیّہ کر لیا تھا کہ حالات کچھ بھی ہوں، ایڈی کو خود سے جُدا نہیں کروں گی۔ میں نے پیار سے اُس کے بازو پر ہاتھ رکھ دیا اور ایڈی چونک کر مُسکرانے لگا۔

طیارے کا طویل سفر جاری رہا۔ اُس نے سفر کے دوران تین جگہ قیام کیا اور ہم مشہور ممالک کے ائرپورٹ دیکھ کر خوش ہوتے رہے۔ اَنکل ایکس نے اس دوران ہم سے کوئی گفتگو نہیں کی۔ سیاہ رنگ کے چشمے میں وہ بہت بارُعب نظر آ رہا تھا۔ بارہا میری نگاہ اُس کی طرف اُٹھی اور میں اس عظیم شخص کے بارے میں سوچتی رہی۔ وہ بُقراط جیسے نوجوان کا اُستاد تھا جس نے کافی عرصے تک مجھے گھن چکر بنائے رکھا تھا بلکہ ابھی اُس کے بارے میں ایک اور انکشاف ہُوا تھا یعنی وہ کسی ایسی تنظیم سے تعلق رکھتا تھا جو انوکھے مقاصد رکھتی تھی۔

اس وقت رات کے پونے تین بجے تھے جب ہم نیویارک ائرپورٹ پر اُترے۔ ائرپورٹ دُھند میں لپٹا ہُوا تھا۔ چند فٹ

فاصلے کی بھی کوئی چیز نظر نہیں آ رہی تھی، سوائے دھندلی روشنیوں کے
ائرپورٹ پر ہمیں کوئی دقت نہیں ہوئی۔ چند افراد ہمارے استقبال
کے لیے موجود تھے جنھوں نے چند لمحات میں کسٹم وغیرہ سے
فراغت کرادی اور اس کے بعد ہم ائرپورٹ سے باہر نکل آئے۔
ایک لمبی کار ہمیں لے کر چل پڑی اور اس کا سفر تقریباً پچیس
منٹ تک جاری رہا۔ رنگین شیشوں کے دوسری جانب دھند
کے علاوہ کوئی چیز نہیں نظر آ رہی تھی۔ اس لیے اندازہ نہ ہو
سکا کہ ہم کیسے راستوں سے گزرے ہیں۔ بالآخر کار کسی عمارت
کے گیٹ میں داخل ہو گئی۔

کار سے اُترے تو ایک عالی شان دروازہ نظر آیا جس پر
چند افراد کھڑے تھے۔ انکل ایکس اُن سے ملے اور میری طرف
رُخ کر کے بولے "مازوزیل شائوسا اور سینیور ایڈی کے۔"
استقبال کرنے والوں نے گردنیں خم کیں پھر وہ امریکی لہجے
میں انگریزی بول کر ہمیں خوش آمدید کہنے لگے۔

"بہتر ہوگا کہ یہ لوگ آرام کریں۔" انکل ایکس نے کہا اور دو
افراد ہمیں ساتھ لے کر چل پڑے۔ ہماری خواہش پر ایک ہی
کمرے میں ہمارے سونے کا انتظام کر دیا گیا اور ہم اس جگہ پہنچ
گئے۔ کمرہ کیا پورا ہال تھا اور اس کی آرائش بے مثال تھی۔ دو گول
مسہریاں پڑی ہوئی تھیں۔ گول گول صوفے تھے۔ فرش پر اعلا درجے
کا سبز قالین بچھا ہوا تھا اور سبز روشنی نے عجیب ماحول پیدا کر
دیا تھا۔ "مازوزیل کو جس چیز کی ضرورت ہو بیل بجا دیں۔" اُن
میں سے ایک نے کہا اور میں نے گردن ہلا دی۔ وہ دونوں چلے
گئے تو خودکار دروازہ بند ہو گیا۔

ایڈی کمرے کے ماحول کو دیکھ رہا تھا۔ "یوں نہیں لگتا سسٹر
جیسے ہم کسی جادوگر کے محل میں آ گئے ہوں؟" اُس نے کہا۔

"ہاں ایڈی لیکن انسان کی سوچ اور عمل سب سے بڑا
جادو ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"آپ کو نیند آ رہی ہے؟"

"نہیں۔ کیوں؟"

"بس یونہی سوچ رہا تھا کہ کہیں آپ کو نیند نہ آ رہی ہو اور
میں آپ کو جگائے جا رہا ہوں۔" ایڈی بولا۔

"نہیں بھئی ہمارے درمیان اب یہ تکلف نہیں رہنا چاہیے،
تم باتیں کرو۔"

"سسٹر آپ کا گھر کہاں ہے؟"

"میرے وطن میں۔ بے حد خوبصورت ہے میرا دیس۔ مجھے
اس سے بہت پیار ہے۔"

"آپ کے گھر میں کون کون ہے؟"

"مس میری، شمس، ناصر اور دوسرے لوگ۔"

"کیا وہ لوگ مجھے پسند کریں گے؟"

"بے حد۔ یہ میری پیش گوئی ہے۔"

"ان میں میرے برابر کون ہے؟"

"کوئی نہیں۔ اسی لیے تم ان سب کی آنکھوں کا تارا
[illegible]"

"اوہ۔ آپ کے چھوٹے بہن بھائی نہیں ہیں؟"

"پہلے نہیں تھے لیکن اب ایڈی ہے، جو میرا چھوٹا بھائی
ہے۔" میں نے پیار سے کہا۔

بچے نے جذباتی ہو کر میری گردن میں باہیں ڈال دیں۔ "میں
خوش نصیب ہوں سسٹر۔ اگر ان حالات میں مجھے آپ جیسی بہن
نہ ملی ہوتی تو زندہ رہنے کو جی نہ چاہتا۔"

"میں بھی خوش نصیب ہوں ایڈی۔ اس دنیا میں بالکل اکیلی
رہ گئی تھی۔ ڈیڈی کی موت کے بعد ساری دنیا اجنبی ہو گئی
لیکن مس میری ایک ماں کی مانند مل گئیں۔ منور عالم،
شہریار، صباحت رضوی ہمدرد بزرگ کی حیثیت سے،
انشاں اور فرزانہ بہنوں کی حیثیت سے، ناصر بھائی کی
اور اب ایک چھوٹا بھائی بھی مل گیا۔" میں نے ایڈی کو
ہوئے کہا۔ اس بچے کے لیے میرے دل میں ایک ازلی
جاگ اٹھی تھی۔ مجھے یہی محسوس ہونے لگا تھا جیسے وہ
اپنا خون ہو۔ نیند کا کوئی شائبہ نہیں تھا۔ ساڑھے چھ بجے
غسل کر کے لباس تبدیل کیے اور پھر سات بجے ایک دم
انکل ایکس کی آواز اُبھری۔ "اگر تم لوگ جاگ رہے ہو
لگوایا جائے؟"

ہم دونوں چونک کر اس آواز کا مرکز تلاش کرنے
کوئی اندازہ نہ ہو سکا کہ آواز کہاں سے آ رہی ہے۔ "کیا
ہماری آواز سن سکتے ہیں انکل ایکس؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں۔ کیوں نہیں۔"

"خوب۔ تو ٹھیک ہے، ناشتہ لگوا دیں۔ مگر ہم خود
ناشتے کے کمرے میں پہنچ جائیں گے۔"

چند ساعت کے بعد ایک خوبصورت لڑکی اندر آ
اُس نے ہمیں ساتھ چلنے کی درخواست کی۔ ہم کمرے سے
آئے اور تھوڑی دیر بعد ناشتے کے کمرے میں تھے جہاں
گرد تقریباً پچاس کرسیاں رکھی ہوئی تھیں۔ انکل ایکس

موجود تھا۔ سرخ رنگ کے گاؤن میں لپٹا ہوا آنکھوں پر سیاہ
چشمہ چڑھا ہوا تھا۔ "مجھے یقین ہے کہ تمھیں کوئی تکلیف نہ
ہوئی ہوگی۔"

"ہاں انکل شکریہ۔"

"اب تمھاری کیا خواہش ہے؟"

"آپ ہمیں یہاں تک لے آئے ہیں انکل۔ آپ کا بے حد
شکریہ۔ اگر آپ مصروف ہوں تو ہم آپ کو مزید پریشان نہیں
کریں گے۔" میں نے کہا۔ "میں یہاں سے واپسی کا بندوبست خود
کر لوں گی۔"

میری اس بات پر انکل ایکس کسی قدر متعجب ہوئے پھر
بولے "کیا تم امریکا سے واقف ہو؟"

"جی ہاں۔ زمانہ طالب علمی میں یہاں قیام کر چکی ہوں۔"

"اوہ۔ تم نے یہاں تعلیم حاصل کی ہے؟" انکل ایکس
پُرخیال انداز میں مجھے دیکھتا رہا پھر گردن ہلا کر بولا۔ "میں چاہتا
ہوں کہ ابھی تم یہاں قیام کرو۔ میں چند روز کے لیے سان فرانسسکو
جاؤں گا اور اس کے بعد فرصت مل جائے گی۔"

"بہت بہتر لیکن ایک اجازت چاہتی ہوں۔ آپ کی
عدم موجودگی میں اگر میں کہیں جانا چاہوں تو کوئی حرج تو نہ ہوگا؟"

"قطعی نہیں۔ میرے ساتھی تمھارا پورا پورا خیال رکھیں گے
اور ہاں اب اس میک اپ کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ ایڈلر
تمھارے چہرے صاف کر دے گا۔ گاڑی موجود ہے۔ تمھیں
کسی شے کی ضرورت ہو ایڈلر کو بتا دینا۔"

"بہت بہت شکریہ انکل۔ میں آپ کی عنایات کی شکرگزار
ہوں۔" میں نے جواب دیا اور پھر ہم خاموشی سے ناشتے میں
مصروف ہو گئے۔

ناشتے کے بعد انکل ایکس اُٹھ گئے اور ہمارے ساتھ
چلتے ہوئے بولے "ممکن ہے، اب ہماری ملاقات نہ ہو، باقی
باتیں واپسی پر ہوں گی۔"

میں نے تائید کر دی اور پھر ہم دونوں اپنے کمرے کی
طرف بڑھ گئے۔ اب میں بہت پُرسکون تھی۔ کوئی خلش دل میں
نہیں تھی۔ امریکا سے واپسی کسی طور مشکل نہیں تھی۔ مجھے یقین
تھا کہ میرے پرانے شناساؤں میں سے کوئی نہ کوئی مل ہی جائے
گا۔ بہت سے نام میرے ذہن میں آ رہے تھے اور میں اُن کے
نام ذہن میں دُہرا رہی تھی۔

دن کو گیارہ بجے میں نے انکل ایکس کے بارے میں معلوم
کیا تو پتہ چلا کہ وہ جا چکے ہیں۔ ایڈلر ایک سیاہ فام شخص تھا۔
نہایت خوش اخلاق اور ملنسار، بہت جلد بے تکلف ہو جانے
والا۔ "مازوزیل۔ میں آپ کے چہرے سے میک اپ صاف کر دوں،
کیوں سینیور کیا خیال ہے؟" اُس نے ایڈی کو دیکھتے ہوئے کہا
اور پھر مسکراتا ہوا باہر چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد ہم لوگ اپنی اصل شکلوں میں آ گئے۔ تب
ایڈلر بولا۔ "اب میرے لیے کیا حکم ہے؟"

"گاڑی کا بندوبست ہو سکتا ہے؟"

"یقیناً۔ ایڈلر ڈرائیور کی حیثیت سے حاضر ہے۔" اُس
نے گردن خم کر کے کہا اور باہر چلا گیا۔

وہی لڑکی ہمارے پاس آ گئی جو صبح آئی تھی۔ اُس نے
مجھے ایک خوبصورت پرس پیش کر کے کہا۔ "مسٹر ہرمینل نے
حکم دیا تھا کہ یہ آپ کو پیش کر دیا جائے۔" میں نے پرس کھول
کر دیکھا تو اس میں سو ڈالر کے نوٹوں کی ایک گڈی پڑی ہوئی
تھی اور اس کے ساتھ ہی ایک چھوٹی سی سلپ پر لکھا تھا۔
"مجھے یقین ہے کہ تم میرے خلوص پر شک نہیں کرو گی۔"

میں نے گہری سانس لے کر پرس بند کر دیا اور پھر ہم
دونوں باہر آ گئے۔ سُرخ رنگ کی کُھلی چھت والی لمبی کار کے نزدیک
ایڈلر سفید وردی میں موجود تھا۔ اُس نے دانت نکالتے ہوئے
دروازہ کھول دیا اور پھر خود ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔ کار
باہر نکل آئی۔ "یہ علاقہ کون سا ہے ایڈلر؟" میں نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

"سیونتھ ایونیو مشرقی ونگ۔" اُس نے جواب دیا اور میں خاموش
ہو گئی۔ کوئی نئی آبادی تھی جس کے بارے میں مجھے پہلے سے معلوم
نہیں تھا۔ کار برق رفتاری سے خوبصورت سڑک پر دوڑنے لگی۔
تاحدِ نگاہ حسین عمارتیں سر اُٹھائے کھڑی تھیں۔ فلک بوس عمارتیں
جن کے لیے نیویارک مشہور ہے۔ سڑکوں پر زبردست ٹریفک تھا
اور فٹ پاتھوں پر اَن گنت انسان رواں دواں تھے ایسی گہما گہمی
تھی جیسے سب وقت سے لڑ رہے ہوں۔ جیسے لاکھوں چیونٹیاں
منہ میں خوراک لیے بھاگی جا رہی ہوں۔ یہ سب کچھ میرے لیے
اجنبی نہیں تھا۔ میں نیویارک کی زندگی بہت قریب سے دیکھ چکی
تھی لیکن ایڈی کی آنکھوں میں حیرت آمیز مسرت تھی۔ وہ دلچسپی
سے اس ماحول کو دیکھ رہا تھا پھر اُس نے کہا۔ "یہ سب بہت
دلکش ہے سسٹر۔"

"تمھیں لندن یاد آ رہا ہے؟"

"نہیں لیکن لندن میں اور نیویارک میں بہت فرق ہے یہاں ایسا لگتا ہے جیسے کچھ ہونے والا ہے اور لوگ جلدی جلدی اس کے لیے تیاریاں کر رہے ہیں جب کہ لندن میں یہاں کی نسبت سکون ہے۔"

"بہت عمدہ تجزیہ ہے تمہارا ایڈی۔"

"آپ نے لندن دیکھا ہے سسٹر؟"

"ہاں۔ تمہارا خیال درست ہے۔ دیکھو یہ والڈراف اسٹوریا ہوٹل ہے اور وہ پارک ایونیو۔ کیوں مسٹر ایڈلر میرا خیال غلط تو نہیں؟"

"نہیں ماموزیل یوں لگتا ہے جیسے آپ نیویارک سے بخوبی واقف ہیں۔" سیاہ فام ایڈلر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔ میں نیویارک میں رہ چکی ہوں۔" میں نے کہا اور پھر ایڈی سے بولی۔ "ایڈی یہ شہر گیارہ ایونیو پر مشتمل ہے جن کے الگ الگ نام ہیں۔" میں نے اُن کی تفصیل بتائی اور ایڈلر سے کہا۔ "ہاں مسٹر ایڈلر سینٹرل پارک چلیں۔"

سینٹرل پارک کے چاروں طرف پتھروں کی دیوار بنی ہوئی تھی۔ چڑیا گھر پارک کے ایک حصّے میں ہے اور اس کا دروازہ الگ ہے۔ ایڈلر نے کار پارک کر دی۔ چڑیا گھر کے مصنوعی تالاب کے پاس جھاڑیوں میں چڑیاں پھدک رہی تھیں۔ تھوڑے فاصلے پر عظیم موسیقار لڈوگ کا ایک مجسّمہ استادہ تھا جو نزدیک ہی دوسرے مجسمے کو غور سے دیکھ رہا تھا جو موسیقی کی دیوی کا تھا۔ تھوڑی دیر تک چڑیا گھر کے مختلف حصّوں کو دیکھنے کے بعد ہم ٹیوان آف دی گرین نامی ریستوران میں آ بیٹھے جہاں رنگین چھتریاں بکھری پڑی تھیں۔

دوپہر ڈھل گئی تو ہم نے واپس چلنے کا فیصلہ کیا اور پھر ایڈلر ہمیں لے کر چل پڑا۔ آج کی اس سیر و تفریح سے ایڈی بہت خوش نظر آ رہا تھا۔ آرام دہ صوفے پر تھکے تھکے انداز میں پاؤں پھیلاتے ہوئے اُس نے کہا۔ "کون جانتا تھا سسٹر کہ اس خوفناک سفر کے بعد ہمیں یہ سب کچھ بھی نصیب ہوگا۔ زندگی اور موت ایک دوسرے کے کس قدر نزدیک چلتی ہیں۔" میں اس بات پر چونک کر ایڈی کو دیکھنے لگی تھی۔

"میں نے کوئی غلط بات کہی ہے سسٹر؟"

"نہیں ایڈی۔ میں تو یہ سوچ رہی ہوں کہ تم اتنی گہری سوچ رکھتے ہو؟"

"میں اس سوچ کی گہرائی تو نہیں جانتا سسٹر، بس میں نے موت کو بہت قریب سے دیکھا ہے اور اسے بھول نہیں سکتا۔ مجھے وہ سب بار بار یاد آتے ہیں جنھوں نے ہمارے ساتھ زندگی کے سفر کا آغاز کیا تھا۔"

"ایڈی۔ ایڈی میری جان۔ اپنے ذہن سے بڑی بات مز... اُلجھ جاؤ گے۔" میں نے اُسے لپٹاتے ہوئے کہا۔ "کل کا کیا پر... ہے؟" میں اُس کی سوچ سے خوفزدہ ہو رہی تھی۔

"جو آپ کی مرضی سسٹر۔"

"ٹھیک ہے۔ اب ذہن کو آزاد چھوڑ دو۔"

اُسی وقت ایڈلر نے مداخلت کی۔ "چائے تیار ہے... پر لگا دی گئی ہے۔"

"شکریہ ایڈلر۔" میں اُٹھ گئی اور ہم دونوں لان پر آ گئے... انکل ایکس کی غیر موجودگی کے باوجود نہایت پُر تکلف چا... بندوبست کیا گیا تھا۔

رات کے کھانے کے بعد ہم آرام کرنے اپنے کمرے م... ایڈی بدستور مضمحل سا تھا۔ وہ جلدی سو گیا۔ میں نے بھی... جگانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ البتہ دوسری مسہری پر د... اُس کی باتوں پر غور کرتی رہی۔ اب وہ میری ذمّے داری... میں اُسے دل سے پسند کرتی تھی اور درحقیقت وہ میرے... بہت کچھ بن گیا تھا۔ حالات ابھی تک میرے لیے غیر یقینی... میں اور ایڈی بغیر کسی اجازت نامے یا پاسپورٹ کے امریکا... تھے۔ ہر چند کہ میں ایک حادثے کا شکار ہوئی تھی اور اگر... میں ہی میں اپنے سفارت خانے سے رابطہ قائم کرتی تو تھو... ردّ و قدح کے بعد اپنے ملک پہنچ سکتی تھی۔ میری امریکا... موجودگی شبہے کی نگاہ سے دیکھی جاتی اور کافی اُلجھنوں سے گز... یہاں آنے کے لیے تیار ہوتے ہوئے میں نے اس بات پ... نہیں کیا تھا۔ ہر چند کہ یہاں میرے بہت سے شناسا موج... لیکن کیا ان سب سے ملاقات مناسب تھی۔ میری آمد کا... ہو جائے گا اور ممکن ہے مجھ سے میرے کاغذات طلب کر... جائیں۔ اس احساس سے تھوڑی سی بے چینی پیدا ہو گئی... میں نے یہی فیصلہ کیا کہ خاموشی سے انکل ایکس کی واپسی کا... کیا جائے اور جب وہ واپس آئیں تو اُن سے کہا جائے کہ... روانگی کا بندوبست کر دیں۔

دوسری صبح ایڈی نے پھر نیویارک کی سیر کا تقاضا... کر دیا۔ انکل ایکس کی دی ہوئی رقم میرے پاس موجود تھی... کوئی دقت نہیں تھی۔ میں نے اُس کی خواہش رد نہیں... آج میں نے ایڈلر سے معذرت کر لی تھی۔ "اگر تم اجازت... تو میں خود ہی کار لے جاؤں؟"

"میں انکار کی جرأت نہیں کر سکتا ماموزیل بشرطیکہ آپ کو ...تکلیف نہ ہو۔"

"نیویارک میرے لیے اجنبی نہیں ہے۔" یہ کہہ کر میں کھلی چھت ...خوبصورت کار لے کر... ایڈی کے ساتھ چل دی۔ علاقے کا ...وقوع میری سمجھ میں آ گیا تھا اس لیے راستہ بھول جانے ...کوئی خطرہ نہیں تھا۔ کار برق رفتاری سے دوڑنے لگی۔ ایڈی بہت ...خوش نظر آ رہا تھا۔ "آج کہاں چلیں گی سسٹر؟" اُس نے پوچھا۔

"نیویارک کے اہم مقامات دیکھیں گے۔"

"ضرور۔" ایڈی نے جواب دیا۔

کار دوڑتی رہی۔ سینٹرل پارک سے میں نے اُس کا رُخ ...ایونیو کی طرف کر دیا۔ جو کروڑ پتی لوگوں کا محلہ کہلاتا ہے یہاں ...عمارتیں قابلِ دید تھیں۔ میں ایڈی کو ان عمارتوں سے رُوشناس ...کراتی رہی۔ وہاں سے مین ہٹن اور اس کے بعد وال اسٹریٹ ...پہنچ گئی۔

شہرۂ آفاق وال اسٹریٹ جو امریکا کے اقتصادی وجود ...ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے۔ سڑک کے دونوں طرف ...بوس عمارتیں ہیں۔ یوں لگتا ہے جیسے عظیم الشان دیواریں کھڑی ...اسی مناسبت سے یہ وال اسٹریٹ کہلاتی ہے۔ ابتدائی ...پر اوونگ ٹرسٹ بلڈنگ اور دوسرے سرے پر فرسٹ ...بنک کی عمارت ہے جو پچاس منزلہ ہے۔ وال اسٹریٹ ...گزر کر ہم ففتھ ایونیو کی تینتیسویں سڑک پر پہنچ گئے۔ یہیں ...زمانہ ایمپائر اسٹیٹ بلڈنگ ہے۔ ایڈی کو یہ عمارت دیکھنے ...شوق تھا۔ دُور سے اُسے دیکھ کر اُس کا چہرہ خوشی سے ...ہو گیا۔ ہم لفٹ سے ایمپائر اسٹیٹ کی چھت پر پہنچ گئے ...سے نیویارک کا حسین منظر انسان کو دم بخود کر دیتا ہے۔ ...طرف فولادی جنگلا لگا ہوا تھا۔ میں ایڈی کو لے کر جنگلے ...پاس پہنچ گئی۔ وہ بھی متاثر نظر آ رہا تھا۔ دیر تک اُس ...سے آواز نہیں نکل سکی پھر میں نے اُس کے شانے کو ...تے ہوئے کہا۔ "بہت خاموش ہو ایڈی؟"

"اوہ سسٹر کیا یوں نہیں محسوس ہوتا جیسے ہم عالم بالا میں ...اور وہاں سے کائنات دیکھ رہے ہوں۔"

میں ہنس پڑی۔

لنچ کے بعد ہم باوری چل پڑے۔ نیویارک پولیس ہیڈ کوارٹر ...پاس کار روک کر ہم پیدل چلنے لگے۔ باوری کی گلیاں تنگ ...اور یہاں گندگی اور غلاظت تھی۔ چھوٹی بڑی دکانیں بکھری پڑی تھیں۔ بلاشبہ یہ روشن امریکا کی پہلی سطح تھی۔ دوپہر ڈھلے ہم وہاں سے واپس چلے۔ ایڈی ان تمام چیزوں کو دیکھ کر بے حد مسرور نظر آ رہا تھا۔ ہم لوگ کافی گھوم چکے تھے لیکن کوئی تھکن نہیں ہوئی تھی۔ نیویارک میں وقت گزرنے کا کچھ پتہ نہیں چلتا رات کو ہم ٹائمز اسکوائر پہنچ گئے۔ اس جگہ کو گریٹ وائٹ بھی کہتے ہیں کیونکہ یہاں کی روشنیاں رات کو دن میں بدل دیتی ہیں حسین ترین دکانیں، ریستوران روشن تھے۔ بگ کارنیول نامی ریستوران میں رات کا کھانا کھایا گیا اور اس وقت ہم دونوں کھانے میں مصروف تھے۔ جب مجھے ایک تحیّر میں ڈوبی ہوئی نسوانی آواز سُنائی دی۔ "میرے خدا... کیا یہ واقعی تم ہو عالیہ؟" اور میں چونک پڑی۔ میں نے گردن اُٹھا کر اُسے دیکھا اور ایک نگاہ میں پہچان گئی۔ یہ ایلین تھی۔ میرے طالب علمی کے دَور کی ساتھی۔ ہم ہارورڈ یونیورسٹی میں تین سال ساتھ رہے تھے۔ "مجھے دھوکا تو نہیں ہو رہا؟" وہ دوبارہ بولی۔

"ایلین؟" میں کرسی سے اُٹھ گئی اور وہ سارے اخلاق و آداب بھول کر مجھ سے لپٹ گئی۔

"گویا میرا خیال غلط نہیں تھا۔" اُس نے میرے نزدیک بیٹھتے ہوئے کہا۔ "نیویارک کب آئیں؟"

"زیادہ وقت نہیں ہوا۔" میں نے جواب دیا اور پھر ایڈی کا تعارف کراتے ہوئے کہا۔ "یہ ایڈی ہے۔ میرا بیٹا۔"

"بیٹا؟" ایلین نے حیرت سے ایڈی کو دیکھا اور پھر شاید مصلحتاً اس سلسلے میں استفسار نہیں کیا اور ایڈی کو چوم کر اُس کی خیریت دریافت کرنے لگی۔

ایڈی نے بھی برطانوی اخلاق کا مظاہرہ کرتے ہوئے جواب دیا تھا۔ ایلین سے میری کافی گہری دوستی تھی۔ زمانۂ طالب علمی کے بے شمار واقعات ذہن میں گھوم گئے۔ میں اُس سے اُس کے اہلِ خاندان کے بارے میں پوچھنے لگی اور ایلین نے جواب دیا۔ "وہ جو ایک احمق سا لڑکا تھا جولیس۔ یاد ہے نا، جو مجھ سے عشق کرتا تھا۔"

"ہاں۔" میں ہنس کر بولی۔

"میں نے اُس گدھے سے شادی کر لی۔" یہ کہہ کر وہ ہنس پڑی...

"ارے واہ۔ مبارک... اور تم اُس کا ذکر اس طرح کر رہی ہو۔" میں نے بھی ہنستے ہوئے کہا۔

"یار الفاظ بدلنے سے گدھا نہیں بدل سکتا لیکن بہت

دلچسپ گدھا ہے۔ اُس کے باپ کا انتقال ہوگیا اور اب اُس کے کاروبار کی نگرانی بھی مجھے کرنی پڑ رہی ہے۔ وہ بے چارا اپنا وزن بڑھانے میں مصروف ہے۔"

"خوب خوب نواب کاروباری ہوگئی ہو۔ قیام کہاں ہے؟"

"وہیں سان فرانسسکو میں۔ میرا کام ختم ہوگیا ہے کل واپس جا رہی ہوں لیکن اگر تمھیں کوئی مصروفیت ہو تو ایک آدھ دن رُک بھی سکتی ہوں۔"

"کیا مطلب؟" میں چونک پڑی۔

"مطلب یہ کہ تم میرے ساتھ سان فرانسسکو چل رہی ہو... یہاں کوئی ضروری کام ہو تو میں کچھ وقت کے لیے رُک جاؤں۔" اُس نے کہا اور میں گہری سوچ میں ڈوب گئی۔ پھر میں نے کہا۔

"یہاں کہاں ٹھہری ہوئی ہو؟"

"ہنری فورتھ۔ رُوم نمبر بارہ سو چھتیس۔"

"میں تم سے کل دن میں ملاقات کروں گی۔"

"ناممکن۔ میں اتنی مختصر ملاقات برداشت نہیں کرسکوں گی۔ یہاں آ کتا رہی ہو تو میرے ساتھ میرے ہوٹل چلو۔"

"دراصل جن لوگوں کے ہاں میرا قیام ہے..."

"اُن لوگوں کو فون کیا جاسکتا ہے۔ چلو یہاں سے اُٹھیں، وہاں چل کر سکون سے باتیں ہوں گی۔" ایلین نے میری ایک نہ چلنے دی اور بالآخر مجھے اس کے ساتھ اُٹھنا پڑا۔ "ایڈی تم بور تو نہ ہو گے؟" میں نے ایڈی سے پوچھا۔

"جی نہیں۔ میں مسٹر ایڈی کو بور نہ ہونے دوں گی۔ ہنری فورتھ کے بیس ہال میں فرانسیسی شعبدہ گر ایک خاص پروگرام پیش کر رہے ہیں اور وہاں مسٹر ایڈی کے لیے ایک سیٹ بک ہے۔" ایلین نے پھر میری بات کاٹ دی اور میں ہنسنے لگی۔

شاتو ہنری فورتھ میڈیسن اور پارک ایونیو کے درمیان اسٹریٹ چونسٹھ پر واقع... فرانسیسی طرز کا ایک حسین ہوٹل تھا جو اٹھارویں صدی کے فیشن کا تھا۔ ہوٹل میں داخل ہونے کے لیے ایک معلق پُل عبور کرنا پڑا جس کے دونوں طرف شفاف پانی بہہ رہا تھا۔ وہاں سے گزر کر ہم اندر پہنچ گئے۔ شعبدہ گروں کا کھیل شروع ہونے ہی والا تھا۔ ایڈی نے خوشی سے وہاں بیٹھنا قبول کر لیا۔ "اگر اُکتاہٹ محسوس کریں مسٹر ایڈی تو..."

"رُوم نمبر بارہ سو چھتیس میں آجاؤں۔ ٹھیک ہے نا؟" ایڈی نے مسکرا کر کہا۔

"بالکل ٹھیک ہے۔" ایلین بھی مسکرادی اور ہم دونوں ہنستے ہوئے وہاں سے نکل آئے۔ تھوڑی دیر بعد میں ایلی[illegible] کشادہ کمرے میں داخل ہوگئی۔ جو قدیم لیکن خوشنما فرنیچ[illegible] سے آراستہ تھا۔

"پہلے تم اُنھیں فون کردو جہاں قیام کیا ہے۔" ایلین ایک طرف رکھے فون کی جانب اشارہ کر کے کہا اور میں فو[illegible] طرف بڑھ گئی۔ ایڈلر نے مجھے خاص طور سے فون نمبر بتا د[illegible] جو میرے ذہن میں محفوظ تھا۔ فون پیگی نامی مُلازمہ نے ریسی[illegible]

"مسٹر ایڈلر موجود ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں خاتون، آپ کون ہیں؟"

"ہرمینل سُقراطا کی مہمان۔ دیکھو پیگی ایڈلر سے کہہ د[illegible] شاید رات کو میں واپس نہ آؤں۔ اپنی ایک دوست کے [illegible] ہنری فورتھ کے رُوم نمبر بارہ سو چھتیس میں ہوں۔ کار نیچ[illegible] ہے۔ اگر ضرورت ہو تو کار کی چابی یہاں سے لے لی جا[illegible]

"پیغام نوٹ کر لیا گیا۔" پیگی نے کہا اور میں نے فو[illegible] کر دیا۔

"کیا نام لیا تم نے، ہرمینل سُقراطا۔" میرے ریسیور رک[illegible] ایلین نے پوچھا۔

"ہاں۔ جانتی ہو اُسے؟"

"اُسے کون نہیں جانتا۔ انوکھا انسان ہے۔ نیویارک پولیس اُس کی وجہ سے پریشان ہے۔"

"کیوں؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"وہ اندھا ہے اور اس بات کی تصدیق کر لی گئی ہے[illegible] وہ نیویارک کی مصروف ترین سڑکوں پر برق رفتاری [illegible] دوڑاتا پھرتا ہے کسی بھی وقت کوئی خطرناک حادثہ ہو[illegible]

"اوہ۔ وہ ڈرائیو بھی کر لیتا ہے؟"

"وہ بھی انتہائی تیز رفتاری سے۔ ایک بار اُس ک[illegible] کر کے اُس کا ڈرائیونگ لائسنس منسوخ کر دیا گیا تھا[illegible] اب وہ اسپین کے لائسنس پر ڈرائیونگ کرتا ہے۔ وی[illegible] اسے پُراسرار آدمی قرار دیا گیا ہے۔ اس کی مصروفیات [illegible] ہیں۔ ویسے آج تک کسی غیر قانونی کام میں ملوث نہیں پای[illegible] بے حد دولت مند انسان ہے۔ نیویارک میں بھی اس کی ا[illegible] کی جائداد ہے... لیکن تم اُس کی مہمان کیسے بن گئیں؟" ایلین[illegible]

میں ایک گہری سانس لے کر اُس کے قریب آ بیٹھ[illegible] میں نے اُسے اپنے سفر کی کہانی اور اس کے بعد یہاں آنے کے واقعات بتائے تو ایلین حیران رہ گئی۔ "بہت اف[illegible]

لیکن میرے خیال میں جب تمھارے اس دَورے کی نوعیت سرکاری تھی اور تم ایک جہاز کی تباہی کی چشم دید گواہ تھیں، تو تمھیں اسپین ہی میں اپنے مُلک کے سفارت خانے سے رابطہ قائم کرنا چاہیے تھا۔"

"بس کچھ ایسے ہی حالات پیش آئے کہ میں اس وقت یہ فیصلہ نہ کرسکی۔"

"خیر کوئی مشکل نہیں ہے۔ یوں بھی تمھاری اپنی ایک حیثیت ہے تم چاہوگی تو یہاں بھی یہ سب کچھ ہوسکتا ہے۔ تم بڑے اطمینان سے کہہ سکتی ہو کہ چند پُراسرار لوگ تمھیں اور ایڈی کو بے ہوش کر کے کسی پُراسرار ذریعے سے یہاں لے آئے ہیں۔" ایلین نے کہا۔

میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ "یہ تمھاری پُرانی عادت ہے ایلین۔ تم ہمیشہ ترکیبیں بتانے میں ماہر رہی ہو۔"

"شکریہ... لیکن یہ سب کچھ ابھی نہیں ہوگا۔ پہلے تم میرے ساتھ سان فرانسسکو چل کر کچھ وقت میرے ساتھ گزاروگی اور اس کے بعد کوئی ڈرامہ ہوگا۔"

میں سوچ میں ڈوب گئی۔ کوئی حرج بھی نہیں تھا۔ وطن جانا بھی فوری طور پر ضروری نہیں تھا۔ ظاہر ہے میرے کرم فرما بھی رو چکے ہوں گے، اُنھیں صبر آجائے گا اتنے دنوں میں۔

"گویا میری پیش کش پر غور ہو رہا ہے؟" ایلین نے کہا۔

... "بتاؤ کیا فیصلہ کیا؟"

"ٹھیک ہے ایلین۔ انکار کی جُرأت کہاں سے لاؤں۔" میں نے کہا اور وہ خوش ہوگئی۔ اس کے بعد ہم دُنیا جہان کی باتیں کرتے رہے۔ ایک بجے کے قریب ایڈی آگیا۔ وہ بہت خوش تھا لیکن تھکن کی وجہ سے جماہیاں لے رہا تھا۔ اس لیے جلد ہی سو گیا۔

دوسرے دن ناشتے کے بعد ایلین نے کئی فون کر کے ریزرویشن وغیرہ کا بندوبست کیا اور پھر دس بجے کے قریب ایڈلر پہنچ گیا۔ "ماموزیل کا کیا پروگرام ہے؟"

"مسٹر ہرمینل کی طرف سے کیا اطلاع ہے؟"

"کوئی پیغام نہیں مل سکا۔"

"میں سان فرانسسکو جا رہی ہوں۔ اگر مجھے وہاں پر ہرمینل کا پتہ مل سکے تو ٹھیک ہے میں اُنھیں اطلاع دے دُوں گی۔ بصورتِ دیگر تم اُنھیں میرے پتے سے آگاہ کر دینا۔"

"بہتر ہے ماموزیل۔ آپ مجھے وہاں کا پتہ دے دیں۔" ایڈلر بولا اور ایلین نے اُسے پتہ نوٹ کرادیا۔

"میرا سامان تم یہاں پہنچا دو۔" میں نے کہا اور وہ اثبات میں سر ہلا کر چلا گیا۔

سان فرانسسکو خوش پوش اور خوش و خرّم لوگوں کا شہر ہے۔ میں وہاں بڑا حسین وقت گزار چکی تھی۔ دورانِ سفر اُس کی حسین یادیں میرے ذہن میں چٹکیاں لیتی رہیں۔ گاہے گاہے میں نے ایلین سے بعض شناساؤں کے بارے میں بھی سوالات کیے۔ ایلین ایک دولت مند باپ کی بیٹی تھی لیکن جولیس بہت دولت مند تھا۔ ایک حسین علاقے میں اُس کی عالی شان کوٹھی قابلِ دید تھی۔ وسیع و عریض باغ میں گھری ہوئی یہ عمارت زندگی کی تمام آسائشوں سے پُر تھی۔ جولیس کو کاروں کا بے حد شوق تھا۔ اُس نے مجھے فوراً پہچان لیا۔ آج بھی اُس کے چہرے پر ویسی ہی نسوانیت تھی اور انداز میں وہی شرماہٹ۔ "مِس عالیہ۔ میرا مطلب ہے مِس ہی نا؟" وہ بولا۔

"جی ہاں مسٹر جولیس۔ میں نے ابھی تک کوئی حماقت نہیں کی ہے۔"

"آپ اب بھی ویسی ہی ہیں۔" وہ بولا۔ اُس نے میری آمد پر بے حد خوشی کا اظہار کیا تھا۔

"ڈنر کے بعد میں تمھیں صرف ایک گھنٹہ دُوں گی جولیس، کاروباری امُور میں جو کچھ پوچھنا ہو پوچھ لینا۔ اس کے بعد باقی وقت میں اپنی دوست کے ساتھ گزاروں گی۔"

"ضرور۔ ضرور۔ مجھے کب انکار ہے۔"

ڈنر پر ایلین نے اپنے ڈیڈی اور ممی کو بھی مدعو کیا تھا۔ خاصی گیدرنگ ہوگئی۔ ایلین نے کسی کو میرے بارے میں تفصیل نہیں بتائی تھی۔ ویسے اُس کے والدین سے بھی میری پہلے ہی شناسائی تھی۔ گیارہ بجے تک یہ نشست رہی۔ گہرے سبز رنگ کے خوبصورت سوٹ میں ملبوس ایڈی سب کی توجہ کا مرکز تھا اُس کی معصوم سنجیدگی سے سب متاثر تھے۔ ایڈی نے ذرا بھی اجنبیت نہیں محسوس کی تھی۔ حسبِ پروگرام ایلین مجھ سے دو گھنٹے کی معذرت کر کے اُٹھنے لگی تو میں نے کہا۔ "اب صبح ہی ملاقات ہوگی ایلین۔ بس اب ہم سوئیں گے۔"

"ابھی تو ساڑھے گیارہ بجے ہیں۔" وہ بولی۔

"ہاں لیکن میں نہیں چاہتی کہ مسٹر جولیس رقابت کے شکار ہو جائیں۔ اس لیے صبح مُلاقات ہوگی۔" میں نے کہا اور وہ ہنستی ہوئی چلی گئی۔

میری اور ایڈی کی خواب گاہ بہت خوبصورت تھی۔ لباس
تبدیل کرنے کے بعد ایڈی اپنے بیڈ پر جانے کے بجائے میرے
پاس آگھسا۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔
"جب آپ سونے لگیں گی سسٹر تو میں اپنے بیڈ پر چلا جاؤں
گا۔"... یہ سن کر میں مسکرائے بغیر نہ رہ سکی۔
دوسرے دن لنچ کے بعد میں، ایلین اور ایڈی سیر کے
لیے نکل گئے۔ سان فرانسسکو سے وابستہ یادیں ذہن میں تازہ
ہونے لگیں۔ کئی پرانے شناساؤں سے ملاقاتیں ہوئیں مشہور زمانہ
چائنا ٹاؤن کی سیر کی گئی جو آج بھی جوں کا توں تھا اور اس میں
کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تھی۔ رات گئے واپسی ہوئی تو میں نے ایلین
سے اس موضوع پر بات کی اور ایلین نے مجھے یہی مشورہ دیا کہ
اگر خاموشی سے امریکا سے نکل جانا چاہتی ہو تو کچھ دن انتظار
کرلو اور اس دوران میں پاسپورٹ وغیرہ کی ضرورتیں پوری کر لی
جائیں اور اگر دوسرا راستہ اختیار کرنا ہے تو پھر سفارت خانے
پہنچ کر سارے حالات گوش گزار کر دیے جائیں۔ سفارت خانہ
خود مناسب بندوبست کر دے گا۔"
میں خاموش ہوگئی۔
سان فرانسسکو کی سیر ہوتی رہی اور پھر ایک دن اخبار میں
"روڈیو شو" کا اشتہار دیکھ کر سالی ناس جانے کا فیصلہ کیا گیا۔
سالی ناس تک کا سفر بذریعہ کار ہی کیا گیا تھا۔ یہ امریکا کا سب
سے زرخیز علاقہ ہے اور مویشی بانی کے لیے مشہور ہے۔ روڈیو شو،
یعنی چرواہوں کے کرتبوں کا مظاہرہ سالی ناس کے باشندوں کے
لیے بہت دلچسپ ہوتا ہے۔ شو شروع ہوگیا۔ شہ سواروں نے جس
شجاعت، مہارت اور چابکدستی کا مظاہرہ کیا وہ ناقابلِ یقین تھا
شو ختم ہوا تو ہم واپس پارکنگ لاٹ کی طرف چل پڑے کار کی
طرف بڑھتے ہوئے دفعتہً کسی نے ایلین کو آواز دی اور ایلین
رک گئی۔ سرخ اسکرٹ میں ملبوس کوئی لڑکی تھی جو ایلین کو دیکھ
کر ہاتھ ہلا رہی تھی: اوہ۔ عالیہ تم کار کے پاس چلو۔ میں ابھی آئی۔"
ایلین نے کہا اور میں نے گردن ہلا دی پھر میں ایڈی کا ہاتھ پکڑ کر
مڑی اور عین اسی وقت میرے کانوں سے ایک آواز ٹکرائی۔
"خدا کی پناہ... تم...؟" کچھ ایسی آواز تھی۔ کچھ ایسے الفاظ
تھے جنھوں نے میرا وجود ہلا کر رکھ دیا۔ میں نے نگاہ اٹھا کر
دیکھا اور درحقیقت میرے سارے وجود میں کپکپی دوڑ گئی۔ ایڈی
کی کلائی پر میری گرفت اتنی سخت ہوگئی کہ وہ چیخ پڑا لیکن...
صورتِ حال ہی ایسی تھی کہ میں ہوش و حواس میں نہیں رہی تھی۔

وہ اطہر رضوی تھا۔
ایڈی کی چیخ پر میں چونکی اور صرف ایک لمحے کے
میں اس کی طرف متوجہ ہوئی تھی "کیا بات ہے سسٹر۔ آپ۔
میری کلائی..." اس نے احتجاج کے انداز میں کہا لیکن م
اس کی پوری بات سنے بغیر پھر اطہر رضوی کی طرف متوجہ ہ
گئی اور دوسرے لمحے میری نگاہیں اسے تلاش کر رہی تھیں
جس جگہ نظر آیا تھا اب وہ اس جگہ موجود نہیں تھا۔ میں
ایڈی کی کلائی چھوڑی اور بے تحاشہ ادھر ادھر دوڑنے لگی۔ م
اندر شدید ہیجان پیدا ہوگیا تھا۔ ایک ایسی بات ہوئی تھی ج
کا تصور بھی مشکل تھا۔ اطہر رضوی ایک بار پھر میرے سا
آگیا تھا۔ ہاں میری آنکھوں نے دھوکا نہیں کھایا تھا۔ یہ
کان نہیں بجے تھے۔ وہ خود بھی مجھے دیکھ کر اتنا ہی حیران
تھا جتنی میں ہوئی تھی لیکن غائب کہاں ہوگیا؟ دور دور
اس کا نشان موجود نہیں تھا۔ میں اسے تلاش کرنے میں کا
نہیں ہوئی۔ ایڈی بے چارہ میرے پیچھے پیچھے دوڑ رہا تھا۔ ج
مجھے اس کا خیال آیا تو میں رک گئی "آؤ..." میں نے کہا او
کار کی طرف بڑھ گئے۔
ایلین اس سارے ہنگامے سے بے خبر تھی۔ ہمیں دیکھ
اس نے مسکراتے ہوئے کہا "بے حد رش ہے۔ آؤ بیٹھ
نکالنے میں کافی مشکلات پیش آئیں گی۔" وہ خود ڈرائیونگ سی
پر بیٹھ گئی اور پھر چند ساعت کے بعد کار اسٹارٹ ہو کر آ
بڑھ گئی... ایلین پر خیال انداز میں سڑک کو دیکھتی ہوئی
ڈرائیو کر رہی تھی۔ عقب نما آئینے میں پیچھے سے آنے
ٹریفک دیکھا جا سکتا تھا لیکن ان میں سے کسی پر تعاقب
کرنا مشکل تھا۔ میں نے آنکھیں بند کیں اور کار کی سیٹ سے
ٹکا دیا۔ ایڈی اس وحشت ناک منظر میں کھویا ہوا تھا جو آ
نے شو کے دوران دیکھا تھا۔
ہم ایلین کی رہائش گاہ پر پہنچ گئے۔ بقیہ وقت حسب
تھا جب میں نے ایلین سے سونے کی اجازت مانگی اور خوا
کا دروازہ بند کر کے میں نے بائیں ہاتھ کی وہ کھڑکی کھول د
جس کا رخ کوٹھی کے مین گیٹ کی جانب تھا۔ دروازے
تیز روشنی تھی۔ باہر کے ماحول میں خاموشی رچی ہوئی تھی۔
پلٹی تو ایڈی لباس تبدیل کر چکا تھا۔ اس رات میں نے اسے
درندے کے بارے میں بتایا جس نے کئی معصوم لڑکیوں
زندگی چھین لی تھی۔

"اگر وہ آپ کو مل جائے تو اُسے فوراً میرے حوالے کر دینا"
ایڈی نے پُرجوش لہجے میں کہا اور مجھے ہنسی آ گئی۔
"آپ کیا کریں گے اُس کا مسٹر ایڈی؟"
"پہلے سے نہیں بتایا جا سکتا۔" اُس نے جواب دیا۔
"تو آپ کو یہ سُن کر خوشی ہو گی مسٹر ایڈی کہ ہمارا وہ دُشمن سان فرانسسکو میں موجود ہے۔" میں نے کہا اور ایڈی کسی سانپ کی طرح پلٹ پڑا۔ "تمھیں وہ وقت یاد ہو گا جب ہم روڈیو تھیٹر سے پلٹ رہے تھے اور ایلین اپنی ایک شناسا سے گفتگو کرنے کھڑی ہو گئی تھی تمھیں یاد ہو گا کہ تمھاری کلائی پر میری گرفت بہت سخت ہو گئی تھی، اُسی وقت میں نے اطہر رضوی کو دیکھا تھا اور مجھ پر ہیجانی کیفیت طاری ہو گئی تھی۔"
"کمال ہے سسٹر۔ آپ نے اُسے وہیں کیوں نہیں دبوچ لیا"
"نہیں ایڈی نہیں۔ یہ سب کچھ اتنا آسان نہیں ہے تمھیں سنجیدگی سے سوچنا چاہیے۔ تم اس وقت میرے معاون کی حیثیت رکھتے ہو۔ مجھے یقین ہے کہ اطہر رضوی کی کیفیت بھی مجھ سے مختلف نہ ہو گی۔ اُسے دیکھ کر میرا جو حال ہوا ہے اُس کا حال اُس سے بھی بدتر ہو گا اور تمھارا کیا خیال ہے ایڈی۔ کیا وہ سکون سے بیٹھا ہو گا۔ یقیناً اُس نے ہمارا تعاقب کیا ہو گا اور اب وہ کسی نہ کسی طور ہم تک پہنچنے کی کوششوں میں مصروف ہو گا۔"
"ہوں۔ ایڈی متفکرانہ انداز میں گردن ہلانے لگا پھر بولا...
"ٹھیک ہے سسٹر ہم اُس کا انتظار کریں گے۔"
رات کے تقریباً دو بجے تک میں اور ایڈی بستر پر لیٹنے کے بجائے کرسیوں پر بیٹھے گفتگو کرتے رہے پھر ایڈی کی آنکھوں میں نیند کی سُرخی دیکھ کر بمشکل تمام میں نے اُسے بستر پر بھیج دیا۔ خود میرا ذہن بھی نیند سے بوجھل ہو رہا تھا اور نجانے کب میں کرسی پر بیٹھے بیٹھے گہری نیند سو گئی۔ اُس وقت رات کا نجانے کون سا پہر تھا جب کسی نے مجھے گریبان سے پکڑ کر جھنجھوڑ دیا کمرے میں گہری تاریکی تھی حالانکہ میں نے نائٹ بلب جلا دیا تھا لیکن اس وقت وہ روشن نہ تھا۔ میں نے کچھ بولنے کی کوشش کی تو ایک ہاتھ میرے ہونٹوں پر جم گیا۔ دوسرے لمحے کانوں میں ایڈی کی سرگوشی گونجی۔ "کھڑکی کی جانب۔"
میں نے منہ پر جمے ہوئے ایڈی کے ہاتھ کی کلائی پکڑی اور کھڑکی کی طرف دوڑ پڑی۔ یہ بھی ایک اضطراری فعل تھا ورنہ میں نہیں جانتی تھی کہ ایڈی نے مجھے یہ ہدایت کیوں دی ہے۔ کھڑکی کے دونوں پٹ کھلے ہوئے تھے اور اُس کی درمیانی چوکھٹ سے ایک رسّی نیچے لٹک رہی تھی۔ سوچنے کا تو وقت ہی نہ تھا ایڈی نے بدستور سرگوشیانہ لہجے میں مجھ سے نیچے اُترنے کے لیے کہا اور میں رسّی پکڑ کر نیچے اُتر گئی۔ میرے پیچھے ہی ایڈی برق رفتاری سے نیچے آ گیا تھا اور پھر وہ میرا ہاتھ پکڑ کر کوٹھی کی بائیں سمت لگے ہوئے درختوں کے جھنڈ کی جانب دوڑنے لگا۔
درختوں کے ایک گھنے جھنڈ میں ہم دونوں چھپ گئے۔
"وہ سسٹر۔ وہ سامنے دیکھیے۔" ایڈی نے میرا بازو دبایا اور میری نگاہ اُس کے اشارے کی جانب اُٹھ گئی۔ جس کھڑکی سے کُود کر ہم دونوں یہاں تک آئے تھے وہ ہمارے سامنے تھی اور اُس کی چوکھٹ سے لٹکی ہوئی رسّی کے ذریعے کوئی نیچے اُتر رہا تھا۔ سر سے پاؤں تک مخصوص ساخت کے لباسوں والے چار پانچ افراد کھڑکی کے راستے نیچے اُترے اور اِدھر اُدھر دوڑنے لگے پھر میں نے اُنھیں ایک اور حرکت کرتے دیکھا اپنے لباسوں سے کوئی چیز نکال کر اُنھوں نے چاروں طرف پھینکنا شروع کر دی۔ ہلکی سی آواز ہوتی اور سفید دھوئیں کا مرغولہ فضا میں بلند ہو جاتا۔ چند ہی ساعت کے بعد میں نے سینتھلک گیس کی بُو محسوس کی اور چٹکی سے ناک دبا لی۔ اب یہاں رُکنا خطرناک تھا۔ میں نے ایڈی کو بھی چٹکی سے ناک دبا لینے کی ہدایت کی اور پھر اُس کا ہاتھ پکڑ کر جھکی جھکی اُس دیوار کی طرف دوڑنے لگی جو زیادہ فاصلے پر نہ تھی۔
ایڈی میرا مقصد سمجھ گیا تھا پلک جھپکتے وہ بندر کی طرح اُچھل کر دیوار پر چڑھ گیا اور اُوپر پہنچ کر اپنا ننھا سا ہاتھ نیچے لٹکا دیا۔ "جلدی سسٹر جلدی۔" اُس نے بھرپور اعتماد سے کہا۔
میں برق رفتاری سے دیوار پر چڑھ گئی اور ہم دونوں یہ اندازہ کیے بغیر کہ دوسری طرف کیا ہے، اُدھر کود گئے۔ نیچے پختہ فرش تھا دیوار بھی زیادہ بلند نہیں تھی۔ اس لیے کوئی خاص دِقت نہ ہوئی اور ہم ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر دوڑنے لگے کوئی خاص سمت نہیں تھی۔ بس کوٹھی سے دُور نکل جانا چاہتے تھے۔ سامنے ہی ایک پتلی سڑک نظر آئی جس کے دونوں طرف عمارتیں بنی ہوئی تھیں۔ ان کے درمیان سے ہم دوڑتے ہوئے دوسری سڑک پر نکل آئے اور ایک جگہ چنگ ہو کے نیون سائن نظر آ رہے تھے۔ سامنے ہی چائنا ٹاؤن کا علاقہ تھا میرے ذہن میں برسوں پُرانی یادیں رینگنے لگیں۔ چائنا ٹاؤن کا ہوٹل ڈی نو رات بھر کھلا رہتا تھا۔ اگر وہ اب بھی موجود ہے تو اس وقت وہ سب سے بہتر جگہ تھی۔ چنانچہ میں نے کسی قدر سنبھل کر ایڈی کو اس کی جانب متوجہ کیا۔ "ہاں سسٹر... مگر سسٹر ایک مشکل بھی ہے۔ ہمارے یہ شب خوابی کے لباس؟ کیا اس لباس میں ہم کسی ہوٹل میں داخل ہو سکتے ہیں؟"

"اوہ!" میں نے پریشانی سے سوچا۔ ایڈی کی بات واقعی درست تھی لیکن اس کے علاوہ کوئی اور چارۂ کار بھی نہیں تھا۔ تیز رفتاری سے قدم بڑھاتے ہوئے ہم چائنا ٹاؤن کے خوبصورت علاقے میں داخل ہو گئے۔ چینیوں کی اس عظیم الشان بستی میں بہت سی بند دکانیں تھیں مگر ان کے شوکیس روشن تھے تھوڑے ہی فاصلے پر ڈی نو کا بورڈ نظر آ رہا تھا۔ مادام چونگ شی سے میرا اچھا خاصا تعارف تھا لیکن اُنھیں کاؤنٹر پر دیکھ کر میں پہچان نہ سکی۔ وہ خاصی بوڑھی ہو گئی تھیں۔ ریفریشمنٹ ہال میں زیادہ لوگ نہیں تھے۔ دِھیما دِھیما سا ماحول ہمیشہ کی طرح موجود تھا۔ مادام چونگ شی نے مجھے دیکھا اور ایک استقبالیہ مُسکراہٹ اُن کے ہونٹوں پر پھیل گئی جو سو فی صد کاروباری تھی میں اُن کے نزدیک پہنچ گئی۔ "آپ مجھے نہیں پہچان سکی ہوں گی مادام لیکن میں آپ کو جانتی ہوں۔"
"اوہ۔ واقعی میری نگاہ کمزور ہو گئی ہے۔" مادام چونگ شی نے خالص امریکی لہجے میں جواب دیا۔
"میں آپ کی پُرانی شناسا ہوں برکلے یونیورسٹی کی ایک طالبہ۔ غالباً مسٹر چونگ شی اندر موجود ہوں گے؟"
"اوہ نہیں بے بی۔ وہ اب اس دُنیا میں نہیں ہیں۔ مجھے بتاؤ میں تمھاری کیا خدمت کر سکتی ہوں؟"
"ایک کمرہ چاہیے۔ میں کچھ پریشان کن حالات کا شکار ہو گئی ہوں۔"
"اچھا۔ اچھا۔" ہمدرد خاتون نے کہا اور اس سلسلے میں مزید کوئی سوال کیے بغیر وہ کاؤنٹر کے پیچھے سے نکل کر میرے نزدیک آ گئیں اور مجھے اشارہ کرتے ہوئے بائیں سمت بنی ہوئی سیڑھیوں کی جانب بڑھ گئیں۔ میں اُن کے ساتھ اوپری منزل پر پہنچ گئی اور مادام چونگ شی نے ایک کمرے کا دروازہ دھکیلتے ہوئے کہا۔
"فی الوقت یہی کمرہ ہے گو تمھارے لیے بہتر نہ ہو گا۔"
"نہیں مادام۔ آپ نے میری بڑی مشکل حل کر دی ہے۔"
"کوئی بات نہیں۔ کوئی بات نہیں۔ ہاں کسی چیز کی ضرورت تو نہیں ہے؟"
"نہیں... ایک درخواست ضرور کروں گی کہ اگر کوئی ہماری تلاش میں اِدھر آئے تو اُنھیں ٹال دیجیے گا۔"
"اگر وہ پولیس نہیں ہے بے بی تو تم فکر مت کرو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔" مادام چونگ شی نے مُسکرا کر کہا اور واپس چلی گئیں۔
میں نے دروازہ اندر سے بند کر لیا اور ایڈی کی طرف دیکھا۔ وہ شرارت سے مُسکرا رہا تھا۔ اُس کے چہرے پر خوف کے آثار نہیں تھے بلکہ اُس کی آنکھوں سے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ کسی دلچسپ کھیل میں مصروف ہو۔ "ایڈی۔ یہ بتاؤ کہ تم جاگ کیسے گئے؟"
"میں سویا کب تھا سسٹر۔ بس ذرا آنکھیں بند کر لی تھیں..." ایڈی نے مُسکراتے ہوئے کہا۔
"تم جھوٹ بول رہے ہو۔ میں نے خود تمھارے گہرے گہرے سانس سُنے تھے۔"
"لیجیے۔ اگر میں گہرے گہرے سانس نہ لیتا تو آپ کو کیسے پتہ چلتا کہ میں سو رہا ہوں جب آپ کو یہ معلوم ہوتا کہ میں سو نہیں رہا تو آپ مجھے سونے کے لیے مجبور کرتیں اور پھر میں پُراسرار طور پر دروازہ کھلنے کی آوازیں کیسے سُن سکتا تھا۔ آپ خود ہی بتایئے سسٹر۔ آپ تو کرسی پر بیٹھے بیٹھے ہی سو گئیں تھیں پھر میں نے کمرے میں کوئی ایسی چیز تلاش کی جو کارآمد ثابت ہو سکے لیکن کمرے میں کوئی رسّی نہ ملی تو میں دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ بڑی مشکل ہوئی اِس رسّی کی تلاش میں۔ ایک ایسی جگہ سے یہ مجھے دستیاب ہو سکی جس کا مجھے کوئی اندازہ نہیں تھا۔ مجھے یہ بھی خطرہ تھا کہ لوگ مجھے چور سمجھ کر پکڑ نہ لیں۔ تاہم میں رسّی لایا اور چوکھٹ میں باندھ کر نیچے لٹکا دی۔ اب دیکھ لیجیے میرا یہ خدشہ کس قدر درست ثابت ہوا۔"
"اس میں کوئی شک نہیں ہے ایڈی۔ اگر تم یہ کارروائی نہ کرتے تو ہم واقعی کسی خطرناک چکر میں پھنس چکے ہوتے۔"
"سسٹر کیا یہاں کوئی پستول نہیں مل سکتا؟"
"بس بس ایڈی۔ زیادہ بہادر بننے کی کوشش مت کرو۔ پستول اگر مل بھی جاتا تو ہم اُسے استعمال نہیں کر سکتے تھے کیونکہ غیر ملک میں ہیں اور یہاں کی پولیس بھی کافی چوکس ہے۔"
اُسی وقت مادام چونگ شی کے قدموں کی آہٹ دروازے پر سُنائی دی اور پھر اُنھوں نے آہستہ سے دوبارہ دستک دی۔ میں نے دروازہ کھول دیا تو اُنھوں نے خوبصورت چینی طرز کے برتنوں میں کافی پیش کر دی۔ "اور کسی چیز کی ضرورت ہے بے بی؟" اُنھوں نے پوچھا۔
"نہیں مادام شکریہ۔ ہاں وہ..."

"کچھ نہیں۔ کچھ نہیں۔ سب ٹھیک ہے۔ باقی باتیں صبح ہوں گی۔" مادام چونگ شی نے فراخ دلی سے کہا اور باہر نکلتے ہوئے بولیں: "دروازہ اندر سے بند کر لینا اور بے فکر ہو کر سو جانا۔ اب تم چونگ شی کی حفاظت میں ہو۔" یہ کہہ کر وہ چلی گئیں۔

"یہ چینی لوگ یا تو بہت بُرے ہوتے ہیں یا پھر بہت اچھے" ایڈی نے تبصرہ کیا۔

"سُنی سنائی باتوں پر یقین نہیں کرتے۔ چینی قوم بہت ہی مخلص اور محبت کرنے والی ہوتی ہے۔ ہاں۔ مگر تم نے مجھے بتایا نہیں ہماری گفتگو ادھوری رہ گئی تھی؟"

"اب کیا بتانا رہ گیا مسٹر۔ جو کچھ بتا چکا ہوں بس وہی ہے۔" لیکن یہ اطہر رضوی، میں اس سے اچھی طرح نمٹ لوں گا۔" اُس نے گھونسا تانتے ہوئے کہا اور میں گردن ہلا کر کافی بنانے لگی۔ کافی کے دو دو کپ پینے کے بعد ہم لوگوں نے اُس بستر کی جانب دیکھا جو سامنے بچھا ہوا تھا۔

میں ایک بار پھر دشوار حالات میں گھر گئی تھی۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ یہاں میرے وسائل محدود تھے۔ نیویارک میں تو کچھ ایسی جگہیں تھیں جہاں میں کچھ لوگوں کا سہارا لے سکتی تھی لیکن سان فرانسسکو میں مشکلات شاید میری منتظر ہی تھیں۔ کیا کرنا چاہیے۔ میں کوئی مناسب فیصلہ کر لینا چاہتی تھی۔ یہاں آ کر شاید غلطی ہی ہوئی تھی۔ کیوں نہ واپس نیویارک چلا جائے۔ میں نے سوچا۔ نجانے بے چاری ایلین کے گھر کے کیا حالات ہوں۔ اُنھوں نے سنتھیٹک گیس پھینک کر اُس کے گھر والوں کو تو یقیناً بے ہوش کر دیا ہو گا لیکن اطہر رضوی... میں نے گہری سانس لی۔ اس چالاک شخص نے یہاں بھی اپنے قدم جما لیے ہیں۔ بلاشبہ وہ مجرمانہ ذہن کا مالک ہے۔

"مسٹر! ہم اپنے لباسوں کے لیے کیا کریں گے؟" اچانک ایڈی نے مجھے چونکا دیا۔

"صبح اس سلسلے میں کچھ کریں گے شاید مادام چونگ شی ہماری مدد کر سکیں۔ وہ ایک مخلص خاتون ہیں۔ مجھے پہچان نہیں سکی ہیں جب پہچان جائیں گی تو میری ہر طرح مدد کرنے پر آمادہ ہو جائیں گی۔"

"ممکن ہے۔" ایڈی نے گردن ہلاتے ہوئے کہا اور لیٹ گیا۔ وہ کروٹ بدل کر سونے کی کوشش کر رہا تھا یا شاید سونے کی اداکاری کرتے ہوئے جاگ رہا تھا۔ میں نے اُس پر توجہ نہیں دی اور آنے والے وقت کے بارے میں غور کرنے لگی۔ سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ یہاں بھی اطہر رضوی نمایاں پوزیشن رکھتا ہے۔ کسی غیر ملک میں اس کی یہ پہلی کاوش ہی اس بات کی نشاندہی کرتی تھی کہ اُس کی پہنچ کتنی ہے۔ ممکن ہے یہ سب کرائے کے لوگ ہوں جنھوں نے ایلین کی کوٹھی میں مجھ پر حملہ کرنے کی کوشش کی تھی لیکن کرائے کے لوگوں کا حصول بھی آسان بات نہیں تھی۔ ایڈی شاید نیند کا شکار ہو گیا تھا۔ میں اپنی جگہ سے اُٹھ کر اُس کے قریب جا بیٹھی اور اس کے معصوم لمس کو اپنی آغوش میں سمیٹ کر اپنی آنکھیں بند کر لیں۔

صبح ہونے میں دیر نہ تھی۔ اُس وقت میرے ذہن پر غنودگی طاری ہونے لگی تھی۔ جب کسی نے دروازے پر دستک دی میں چونک پڑی۔ دروازہ کھولا تو ایک نوجوان چینی لڑکا میرے سامنے کھڑا تھا۔ اُس کی چھوٹی چھوٹی آنکھیں جن میں ہلکی سی مسکراہٹ لہرا رہی تھی میری جانب اُٹھی ہوئی تھیں اور اُس کے ہاتھ میں ناشتے کی ٹرے تھی۔ "اوہ۔ کیا بج گیا۔ کیا صبح ہو گئی؟" میں نے حیرت سے دروازے کے پیچھے دیکھتے ہوئے کہا۔ خاصی روشنی ہو گئی تھی جس کا احساس اس کمرے میں نہیں ہو رہا تھا۔ اُس کے جواب کا انتظار کیے بغیر میں دروازے سے پیچھے ہٹ گئی اور وہ اندر آ گیا۔ میں نے دیکھا کہ اُس کے بائیں ہاتھ کی تین اُنگلیاں کٹی ہوئی ہیں اور وہ صرف دو اُنگلیوں سے ٹرے تھامے ہوئے ہے لیکن میں نے یہ بھی دیکھا کہ چینی لڑکا بدستور مجھے گھورے جا رہا ہے۔ اُس کے چہرے پر کشمکش کے آثار تھے۔ میری بات کا اُس نے ابھی تک کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ چند ساعت وہ مجھے اسی طرح دیکھتا رہا اور پھر اُس نے آہستہ سے ٹرے رکھ دی۔ اُس کا یہ پُراسرار سا انداز مجھے تعجب خیز لگا تھا۔

"کیا تم بول نہیں سکتے؟" میں نے سوال کیا لیکن اس سوال کا بھی اُس نے مجھے کوئی جواب نہیں دیا تھا اور پھر دفعتاً اُس نے باہر چھلانگ لگا دی۔ میں اُس کی اس حرکت پر متحیّر رہ گئی تھی۔ خاصا چاق و چوبند اور اچھی جسامت کا لڑکا تھا لیکن دوسرے ہی لمحے مجھے ایک اور حیرت کا جھٹکا برداشت کرنا پڑا۔ لڑکے نے باہر نکل کر دروازہ باہر سے بند کر دیا تھا۔ اس کی آواز میں نے صاف سُنی تھی۔ میں تعجب سے آگے بڑھی اور دروازے کے پاس پہنچ گئی۔ دروازے کو کھولنے کی ناکام کوشش کے بعد میں نے اُسے پیٹنا شروع کر دیا تھا اور دروازہ پیٹنے کی آواز سے ایڈی بھی جاگ گیا۔ دوسرے لمحے اُس نے بستر سے چھلانگ لگائی اور میرے نزدیک پہنچ گیا۔

"مسٹر کیا بات ہے؟" وہ سرگوشی کے انداز میں بولا۔

"پتہ نہیں ایڈی۔ مگر میرا خیال ہے کچھ گڑبڑ ضرور ہے۔" میں پریشان انداز میں دروازے کو دیکھنے لگی پھر میں نے دوبارہ دروازہ پیٹنا شروع کر دیا۔ زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ دروازہ باہر سے کھول دیا گیا۔ مادام چونگ شی اندر داخل ہو گئیں تھیں۔ اُن کے ہونٹوں پر وہی مُشفق سی مُسکراہٹ پھیل گئی۔

"اوہ... اوہ سوری بے بی۔ شاید دروازہ کسی نے باہر سے بند کر دیا۔ ویری سوری۔ تمہیں تکلیف ہوئی ہو کسی چیز کی ضرورت ہے؟" مادام چونگ شی نے پوچھا اور پھر سامنے رکھی ہوئی ٹرے کی طرف دیکھ کر حیرت سے بولیں: "ارے۔ کیا چونگ شو یہاں آیا تھا...؟"

میں نے گہری سانس لی اور پھر اثبات میں گردن ہلا دی۔

"لیکن... لیکن کیا یہ دروازہ چونگ شو نے ہی باہر سے بند کیا تھا؟"

"چونگ شو کون ہے، مادام چونگ شی؟"

"میرا بیٹا۔ وہ ڈی نو میں قیام کرنے والوں کو صبح کی چائے پیش کرتا ہے۔ اس ٹرے کی یہاں موجودگی یہی بتاتی ہے کہ وہ یہاں آیا تھا لیکن کیا یہ دروازہ اُسی نے باہر سے بند کیا ہے۔ آخر کیوں؟" مادام چونگ شی کے چہرے پر تحیّر کے آثار پھیل گئے۔

"ہاں مادام چونگ شی۔ پہلے وہ مجھے تعجب سے دیکھتا رہا اور پھر باہر بھاگ گیا۔ مجھے خود حیرت ہے کہ اُس نے دروازہ باہر سے کیوں بند کر دیا؟"

"اس کا جواب میں ابھی تمھاری خدمت میں پیش کر دوں گا حسین لڑکی؟" مادام چونگ شی کے عقب سے ایک باریک سی آواز سُنائی دی۔ زبان انگریزی ہی تھی اور لہجہ امریکی۔ میرے ساتھ ساتھ مادام چونگ شی نے بھی چونک کر اُسے دیکھا۔ چونگ شو کے ہاتھ میں پستول دبا ہوا تھا اور اس کا رُخ میری ہی جانب تھا۔ چونگ شی کے چہرے پر سُرخی آ گئی۔ اُس کی آنکھوں سے غصّے کے تاثرات جھلکنے لگے اور اُس کے پتلے پتلے ہونٹ بھنچ گئے۔

"چونگ شو۔ کیا پاگل پن ہے؟"

"پاگل پن نہیں۔ ماما... یہ ہمارا شکار ہے۔ بہت چالاک شکار جو میرے ہاتھ سے نکل بھاگا تھا۔" چونگ شو نے اپنا اُنگلیاں کٹا ہُوا ہاتھ سامنے کر دیا۔

"تمھارا شکار...؟" مادام چنگ شی کی غراہٹ اُبھری۔

"ہاں ممّا... اس کے عوض ہمیں بہت بڑی رقم ملنے والی تھی لیکن یہ ہماری گرفت سے نکل بھاگی۔ یہ دیکھو ممّا۔ اس کی تصویر میرے پاس موجود ہے۔" چونگ شو نے قمیص کی جیب سے ایک چھوٹی سی تصویر نکالی اور چنگ شی کے پاس پہنچ گیا۔ اس نے تصویر چنگ شی کے سامنے کی لیکن مادام چنگ شی کا اُلٹا ہاتھ پوری قوت سے اس کے مُنہ پر پڑا اور وہ کئی قدم پیچھے ہٹ گیا۔ چنگ شی نے اس کے پستول والے ہاتھ پر ہاتھ مار کر پستول گرا دیا اور پھر اُسے اپنے ہاتھ میں اُٹھا کر چونگ شو کی طرف دیکھتے ہوئے بولی: "جرائم پیشہ باپ کے جرائم پیشہ بیٹے! میں نے تیرے باپ کا دماغ بھی دُرست کر دیا تھا اور تیرا دماغ بھی ٹھیک کر دوں گی۔ ڈی نو میں ٹھہرنے والے مہمان کو اگر میری موجودگی میں کوئی گزند پہنچی تو تُو جانتا ہے کہ میں کیا کر دوں گی؟"

"اوہ ممّا... ممّا!" چونگ شو نے دونوں ہاتھ پھیلا کر احتجاج کیا۔

"گیٹ آؤٹ!" چنگ شی نے دھاڑ کر کہا اور پستول کو اس طرح جنبش دی کہ چونگ شو ڈر گیا۔ اُس نے غصیلی نگاہوں سے مادام چنگ شی کو دیکھا اور پھر مجھے دیکھ کر ہونٹوں پر زبان پھیرتا ہوا باہر چلا گیا۔ مادام چنگ شی کا تنفس تیز ہو رہا تھا۔ وہ شدید غصّے میں معلوم ہوتی تھی۔ وہ میری طرف گھوم کر بولی: "ویری سوری، ویری سوری ڈارلنگ!"

"یہ چونگ شو کیا جرائم پیشہ لوگوں میں شامل ہو گیا ہے، مادام؟" میں نے سوال کیا۔

"ہاں... یہ سب اس کے باپ کے کرتوت ہیں۔ خود مر گیا اور بیٹے کو بُرے راستوں پر لگا گیا۔ چائنا ٹاؤن کی آدھی آبادی جرائم پیشہ لوگوں پر مشتمل ہے۔ یہاں پیدا ہونے والے بچے خالص امریکی ہوتے ہیں اور ہم ان کی اچھی تربیت میں ناکام رہتے ہیں۔" اس کے لہجے سے افسردگی ٹپک رہی تھی۔ "چونگ شو بھی انھی بُرے لوگوں کا شکار ہو گیا ہے۔ ابھی اس کی عمر زیادہ نہیں ہے لیکن یوں لگتا ہے جیسے اُسے مجرمانہ زندگی کے سارے کرتب آتے ہوں۔" پستول کے چیمبر سے گولیاں نکالنے کے بعد وہ ایک کُرسی پر جا بیٹھی۔ "تم چائے پیو، ڈیئر! میرا وعدہ ہے کہ جب تک تم ڈی نو میں ہو، تمھیں کوئی تکلیف نہیں پہنچ سکے گی۔ اس کے علاوہ میں تم سے کچھ اور باتیں بھی کرنا چاہتی ہوں۔" مادام چنگ شی خلا میں گھورتی ہوئی بولی۔

میں نے ایڈی کو اشارہ کیا۔ ایڈی چائنا طرز کی خوب صورت پیالیوں میں چائے بنانے لگا تھا پھر اُس نے ایک پیالی مجھے پیش کی اور دوسری میں چائے بھر کے مادام کے نزدیک پہنچ گیا۔ وہ

ہاتھ اُٹھا کر بولی "نہیں۔۔۔ نہیں۔ تم بیوہ۔ میں پی چکی ہُوں۔ میرے اصرار کے باوجود مادام چنگ شی نے چائے قبول نہیں کی تھی۔ وہ اپنی چھوٹی چھوٹی آنکھوں سے مجھے دیکھتی ہوئی بولی "یہاں۔۔۔ تمھارے دُشمن کون ہیں؟"

"میں اُنھیں نہیں جانتی۔۔۔ نجانے کیوں چند لوگ میرے پیچھے پڑ گئے ہیں" میں نے جواب دیا۔

"تم کون ہو؟" مادام نے پوچھا۔

"ایشیائی ہوں۔ طویل عرصے قبل یہیں تعلیم حاصل کرتی تھی۔ یہ اس دور کی بات ہے جب ہم اسٹوڈینٹس کی حیثیت سے اکثر ڈی فو میں آتے رہتے تھے۔ شاید آپ کو یاد ہو کہ مسٹر کارسن براؤن نے یہاں ایک ثقافتی شو پیش کیا تھا اور کچھ یہودیوں نے ان سے اختلاف کرتے ہوئے ڈی فو کو آگ لگانے کی کوشش کی تھی؟"

"اوہ۔۔۔ اللہ۔ یہ اس دور کی بات ہے۔ میں تمھیں بھول گئی لیکن وہ واقعات مجھے یاد ہیں" مادام چنگ شی نے کہا۔

"ہاں مادام۔۔۔ ہم اُسی دور سے آپ کی پُرمحبت شخصیت سے واقف ہیں۔ میں اپنے ملک واپس چلی گئی تھی۔ وہاں میں کچھ الجھے حالات میں گھر گئی جن کی تفصیل بہت لمبی ہے۔ اس کے بعد میرے دُشمنوں نے میرے لیے ایسے جال بچھائے کہ میں اُن میں اُلجھتی چلی گئی۔ مجھے اغوا کر کے اسپین پہنچا دیا گیا اور پھر اسپین سے یہاں لایا گیا۔ امریکا میں، میں غیر قانونی حیثیت سے مقیم ہوں اور میرے دُشمن میری تاک میں لگے ہوئے ہیں۔"

میرے خاموش ہونے کے بعد مادام چنگ شی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ ایسی مسکراہٹ جس سے بے یقینی جھلکتی تھی پھر وہ گردن ہلا کر بولیں "اس کے باوجود میں تم سے نہیں پوچھوں گی کہ اصل بات کیا ہے۔ یہ بتاؤ کہ میں تمھاری کیا مدد کر سکتی ہوں؟"

"اصل بات یہی ہے، مادام کہ رات کو آپ کا بیٹا چونگ شو اِن لوگوں میں شامل تھا جنھوں نے مجھے سڑک کے اُس پار ایک کوٹھی سے اغوا کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس کوٹھی میں انھوں نے خواب آور گیس کے بم بھی پھینکے تھے لیکن میں بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گئی۔ میں نہیں جانتی کہ باقی لوگوں کا کیا حال ہے لیکن میری خواہش ہے کہ آپ وہاں کے حالات معلوم کر کے مجھے بتا دیں۔"

"ٹھیک ہے۔ اگر حالات ایسے ہیں تو تمھارا اس کمرے میں رہنا ٹھیک نہیں۔ تاہم یہ پستول رکھ لو اور ضرورت پڑنے پر استعمال کرو۔ چونگ شو جن لوگوں کے ہاتھوں میں کھیل رہا ہے، وہ جرائم پیشہ لوگ ہیں۔ میں تمھارے لیے مناسب قیام گاہ کا بندوبست کر کے آتی ہوں" مادام چنگ شی اُٹھ گئیں اور میں نے دروازہ بند کر لیا۔ ایڈی اب بھی مطمئن نگاہوں سے مجھے اور اس کمرے کے ماحول کو دیکھ رہا تھا۔

مادام چنگ شی نے واپسی میں دیر نہیں لگائی "کم آن بے بی۔ کم آن۔ اس وقت صورتِ حال بہتر ہے" چنگ شی نے کہا۔

میں اور ایڈی ان کے ساتھ نکل آئے اور مادام ہمیں ساتھ لیے بغلی راہداری کی طرف بڑھ گئیں جس کے اختتام پر ایک کمرے کا دروازہ نظر آ رہا تھا۔ اس دروازے سے داخل ہو کر انھوں نے اندر روشنی کر دی اور پھر کسی میکنزم کی مدد سے کمرے کی بائیں سمت کی دیوار میں ایک چھوٹا سا دروازہ نمودار ہو گیا۔ ہم اُس دروازے سے اندر داخل ہو گئے۔ دروازے کے دوسری طرف نیچے جانے کے لیے سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں۔ یہ سیڑھیاں روشن تھیں، چنانچہ ہم کسی دقت کے بغیر نیچے اُترتے چلے گئے۔ ہم نے آخری سیڑھی سے نیچے فرش پر قدم رکھا تو اُوپر کا دروازہ بند ہو گیا۔ ایک انتہائی آراستہ کمرہ ہمارے سامنے تھا۔

"یہ تمھاری عارضی رہائش گاہ ہے۔ یہاں قیام کرو۔ میں باہر کے حالات دیکھتی ہوں۔ بہت جلد تمھیں اُس سے آگاہ کر دوں گی اور ہاں وہ دیکھو، سامنے ٹیلی فون رکھا ہے اگر ممکن ہو سکا تو میں اسی پر رِنگ کر کے تمھیں تفصیلات بتاؤں گی۔ کچھ وقت یہاں آرام کرو۔ جب تمھارے دُشمن تمھاری تلاش سے مایوس ہو جائیں تو تم کہیں بھی جانے کے لیے آزاد ہو گی۔" چنگ شی نے کہا۔

میں نے ممنون نگاہوں سے انھیں دیکھا اور وہ گردن ہلاتی ہوئی باہر نکل گئیں۔ ایڈی کمر پر دونوں ہاتھ رکھے کمرے کے ماحول کا جائزہ لے رہا تھا اور پھر اُس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا

"اچھی جگہ ہے۔"

"جی ہاں۔۔۔ آپ اس جگہ پر تبصرہ کرنے کے لیے ہی تو یہاں آئے ہیں۔"

"بات یہ ہے سسٹر۔۔۔ کہ آپ مجھے کچھ کرنے کا موقع ہی نہیں دے رہیں اور جب آدمی بے کار ہوتا ہے تو ایسی ہی لغو چیزوں میں اُلجھ جاتا ہے۔ میں مجبور ہوں۔"

"بہتر ہے، آپ مجبور ہی رہیں، مسٹر ایڈی۔۔۔ تشریف رکھیے" [میں] نے کہا اور ایڈی ایک کرسی پر دھپ سے بیٹھ گیا۔ میں مسکراتی [نگ]اہوں سے اُسے دیکھتی رہی۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد پندرہ سولہ سالہ [ایک] چینی لڑکی ٹرے میں ناشتہ لگائے اندر آ گئی۔ ننھی منی سی یہ چینی [گڑ]یا مجھے بے حد بھائی تھی۔ میں نے مسکرا کر کہا "کیا نام ہے۔۔۔ [تمھ]ارا بے بی؟"

"شولی نو۔۔۔" وہ بلی کی طرح میاؤں میاؤں کرتی ہوئی بولی۔

ایڈی لڑکی کی طرف سے بے نیاز لکڑی کی میز اور کرسیوں [کے] نیچے جھانکنے لگا۔ میں چونک کر اس کی جانب متوجہ ہو گئی تھی۔ [ک]یا دیکھ رہے ہو؟" میں نے سوال کیا۔

"ابھی یہاں کسی بلی کی آواز سنائی دی تھی" ایڈی بدستور [کر]سیوں اور میزوں کے نیچے جھانکتا ہوا بولا۔

"بس بس سیدھے کھڑے ہو جاؤ۔ زیادہ اداکاری کی ضرورت نہیں ہے۔"

"آپ یقین کریں سسٹر! میں نے بلی۔۔۔" اس نے کہا اور پھر چونک کر چینی لڑکی کو دیکھنے لگا۔

"تمھیں اگر کوئی کام نہ ہو تو بیٹھ جاؤ بے بی" میں نے کہا۔

"سوری۔۔۔ میں دوسری مصروفیات میں اُلجھی ہوئی ہُوں [آ]پ مجھے اجازت دیں۔۔۔ پھر آؤں گی" لڑکی نے دو تین بار گردن جھکا کر کہا۔

اور ایڈی بھی بار بار شرارت سے اُسی کے انداز میں گردن جھکانے لگا۔ لڑکی پلٹ کر واپس چلی گئی۔ ایڈی شرارت آمیز نظروں سے اُسے دیکھتا رہا۔

دن کو تقریباً گیارہ بجے ٹیلی فون کی گھنٹی بجی اور میں نے ریسیور اُٹھا لیا۔ دوسری جانب مادام چنگ شی کے علاوہ اور کون ہو سکتا تھا "ہیلو۔۔۔ بے بی کیسی ہو۔ کوئی تکلیف تو نہیں ہے؟"

"نہیں مادام، شکریہ۔"

"وہ مکان پولیس کی تحویل میں ہے، رات کو وہاں کے دو [ملا]زم ہلاک ہو گئے ہیں۔ تمام گھر والے بے ہوش ہو گئے تھے اور تقریباً سبھی اسپتال میں ہیں۔ قرب و جوار کے لوگوں کا خیال ہے کہ یہ [مس]لح ڈاکازنی کی کوشش تھی۔ اس سے زیادہ مجھے کچھ اور نہیں معلوم ہو سکا۔"

"اوہ۔۔۔" میں نے گہری سانس لے کر کہا "تو اس وقت مکان [پ]ولیس کے قبضے میں ہے؟"

"ہاں۔۔۔ پولیس کی کئی گاڑیاں وہاں موجود ہیں اور تفتیش کی جا رہی ہے" مادام چنگ شی نے جواب دیا۔

"بہرحال میرے لیے پریشانیاں پیدا ہو گئی ہیں مادام۔ میرا مختصر سا سامان وہاں موجود ہے۔ جو تفتیش کے دوران پولیس کے ہاتھ لگ جائے گا اور اُس سے تھوڑی بہت معلومات پولیس کو حاصل ہو جائے گی۔"

"خیر تم فکر نہ کرو۔ اب یہ بتاؤ کیا چاہتی ہو؟" مادام چنگ شی نے پوچھا۔

"میں آپ کو بتا چکی ہُوں۔ جن حالات میں یہاں تک آئی ہوں۔ ان کے تحت اگر کسی ایسی حیثیت سے پولیس کے ہاتھ لگی تو خاصی پریشانی پیدا ہو جائے گی۔ بس خاموشی سے نکل جانا چاہتی ہُوں۔ آپ اس سلسلے میں میری جو کچھ بھی مدد کر سکیں۔ مادام چنگ شی اس کا بدلہ تو میں آپ کو نہیں دے سکتی، سوائے اس کے کہ میں تازندگی آپ کی احسان مند رہوں گی۔"

"اوہ نہیں بے بی۔۔۔ میں خلوصِ دل سے تمھاری مدد کرنے کی خواہاں ہُوں، البتہ مجھے ایک کام ضرور کرنا ہو گا۔"

"وہ کیا مادام چنگ شی؟"

"کچھ نہیں۔۔۔ کچھ نہیں یہ تمھیں بتانے کی بات نہیں ہے۔ بس اِن حالات میں تمھیں مزید کچھ وقت اسی جگہ قیام کرنا ہو گا اور بے فکر رہو میرے وسائل اتنے محدود نہیں ہیں کہ میں تمھیں سان فرانسسکو سے نکالنے کی کوشش نہ کر سکوں۔ میں تمھیں یہاں سے نیویارک ضرور بھجوا دوں گی۔ اس کے بعد حالات جس طرح بھی تمھارا ساتھ دیں۔"

"یہی میرے لیے بہتر ہو گا مادام! میں آپ کی شکر گزار ہوں گی۔"

مادام چنگ شی کی جانب سے فون بند کر دیا گیا۔

❐❐

اس وقت رات کے ساڑھے آٹھ بجے تھے جب مادام چنگ شی تہ خانے میں آئیں۔ ان کا چہرہ حسبِ معمول پُرسکون تھا۔ مجھے گہری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے انھوں نے اپنی بغل میں دبا ہوا پیکٹ میرے حوالے کر دیا "میں نے اندازے سے تم دونوں کے لیے لباس منتخب کیا ہے، انھیں پہن لو اور سفر کے لیے تیار ہو جاؤ۔"

میں بے اختیار کھڑی ہو گئی۔ مادام چنگ شی کے چہرے سے تو کسی خاص تاثر کا پتہ چلانا مشکل کام تھا لیکن ان کے الفاظ ذرا سنسنی خیز سے تھے۔ اچانک ہی انھوں نے میرے سفر کا بندوبست کر دیا تھا۔ میرے چہرے پر کشمکش کے آثار دیکھ کر انھوں نے کہا۔ "کوئی بات نہیں ہے، بے بی۔ میری خواہش تو یہ تھی کہ میں حالات

کے پُرسکون ہونے کا انتظار کرتی اور اس کے بعد اطمینان سے تمھیں کسی ایسے ذریعے سے روانہ کر دیتی جس میں کوئی خطرہ نہ ہوتا لیکن ۔ "لیکن کے بعد وہ خاموش ہوگئی اور گہری سانس لے کر بولیں۔ "چونگ سومیری توقع کے زیادہ آگے بڑھ گیا ہے۔ اس نے مجھے دھمکی دی ہے کہ میں نے تمھیں اس کے حوالے نہ کر دیا تو پھر وہ دوسرے ذرائع آزمائے گا۔ میں اُسے سمجھانے کے لیے ایک خاص کمرے میں لے گئی اور پھر اُسے وہاں بند کر دیا۔ میرا خیال تھا کہ تمھیں یہاں سے روانہ کرنے کے بعد میں اُسے آزاد کر دوں گی اور اس دوران اُسے سمجھانے کی کوشش کرتی رہوں گی لیکن وہ کمبخت اس دوران بہت کچھ کرتا رہا ہے۔ اس کمرے سے نکل جانا اس کے لیے مشکل نہ ہُوا جسے اندر سے کھولنا ممکن نہیں تھا۔ وہ بھاگ گیا ہے اور اس کے بھاگنے کے بعد مجبوراً میں نے تمھارے لیے یہاں سے نیویارک تک کا ٹکٹ حاصل کر لیا ہے۔ تیار ہو جاؤ... میں عقبی راستے سے تمھیں ائرپورٹ پہنچا دوں گی۔ وہاں سے تمھیں نیویارک روانہ ہو جانا ہے۔ تمھاری فلائیٹ ٹھیک ساڑھے نو بجے ہے۔"

میں نے پوری تفصیل سُن کر گردن ہلا دی۔

مادام چنگ شی دروازے کی جانب بڑھتی ہُوئی بولیں۔ "پندرہ منٹ بعد شولی تمھیں یہاں سے لے جائے گی۔"

"بہتر ہے، مادام!" میں نے جواب دیا اور شکرگزار نگاہوں سے انھیں دیکھنے لگی۔

تھوڑی دیر بعد شولی ہمیں لینے آگئی۔ اس دوران ہم دونوں نے لباس تبدیل کر لیے تھے۔

شولی ہمیں عقبی دروازے سے باہر لے گئی۔ جہاں ایک گاڑی ہماری منتظر تھی۔ ڈرائیونگ سیٹ پر خود مادام موجود تھیں۔ گاڑی چل پڑی... سان فرانسسکو سے اس طرح روانگی کا میں نے تصور بھی نہیں کیا تھا۔ ایلین ذہن میں اٹکی ہُوئی تھی۔ بے چاری میری وجہ سے ان حالات کا شکار ہو گئی تھی۔ کیا سوچے گی، اپنے دل میں... اور نہ جانے میری گمشدگی پر کس قدر پریشان ہو۔ بہرصورت اگر نیویارک میں حالات نے اجازت دی تو اسے کسی طور پر اپنی خیریت سے مطلع کر دوں گی۔ ائرپورٹ حسبِ معمول روشنیوں سے جگمگا رہا تھا۔ مادام چنگ شی نے ایک چھوٹا سا سوٹ کیس میرے ہاتھ میں تھما دیا اور آہستہ سے بولیں: "اس میں روزمرہ کی ضرورت کی چیزیں ہیں۔ میں نے یہ صرف اس لیے کیا ہے کہ تمھیں بے سروسامانی کی حالت میں سفر کرتے ہُوئے مشکوک نہ سمجھا جا سکے۔"

"ایک بار پھر میں آپ کا شکریہ ادا کرتی ہُوں مادام!" میں نے کہا۔ اور مادام چنگ شی پہلی بار آہستہ سے ہنس پڑیں۔

"کتنا شکریہ ادا کرو گی، ان فضول باتوں کو جانے دو اور پھر جیسا کہ تم نے مجھے بتا دیا کہ تم میری پُرانی شناسا ہو۔ اس کچھ فرائض بھی ایک دوسرے پر عاید ہوتے ہیں۔ ہاں ممکن سکے تو نیویارک پہنچ کر کسی گمنام طریقے سے مجھے اپنے پہنچ اطلاع دے دینا اور اگر کوئی اور بھی ضرورت پیش آئے تو یقین ہے تم تکلف نہ کرو گی۔" مادام چنگ شی نے ہمارے ٹکٹ ہمارے حوالے کر دیے اور ہمیں الوداعی نگاہوں سے دیکھتی واپس چلی گئیں۔

ایڈی حسبِ معمول پُرسکون تھا لیکن شاید ابھی جہاز میں چند لمحات باقی تھے کہ دفعتاً اس نے میرا شانہ دبایا: "ذرا ادھر تو دیکھیں۔ اُدھر دیکھیں۔ اُس سیٹ پر بائیں جانب" اس نے ایک طرف اشارہ کر کے کہا۔

میری نگاہیں بے اختیار اُس جانب اُٹھ گئیں۔ اور میرے چہرے پر بھی تحیر کے نقوش نمودار ہو گئے۔

جس سیٹ کی جانب اُس نے اشارہ کیا تھا وہاں انکل ایکس کو دیکھا، جو اپنی سیٹ پر خاموشی سے بیٹھے جہاز میں موجود مسافروں کا جائزہ لے رہے تھے۔ اُن کی آنکھوں پر سیاہ چشمہ تھا اور حرکات و سکنات سے کسی طور یہ اندازہ نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ کوئی نابینا شخص ہے۔ ان کی شخصیت حسبِ معمول پُروقار نظر آ رہی تھی۔ انھیں دیکھ کر پہلے تو میرے ذہن میں عجیب سے خیالات پیدا ہوئے اور پھر خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ انکل کا مل جانا اس وقت خاصا سُودمند تھا۔

"کیا خیال ہے، میں انکل ایکس سے ملاقات کروں؟" ایڈی نے پوچھا۔

"ایک منٹ ایڈی! ہمیں یہ اندازہ لگا لینا چاہیے کہ آیا وہ اکیلے ہیں یا نہیں؟"

"اگر آپ کہیں تو میں کوشش کروں۔" ایڈی نے پوچھا۔

"کیا کرو گے، ایڈی یہ بتاؤ؟"

"جب جہاز فضا میں پہنچ جائے گا تو میں انکل ایکس کے پاس جا کر ان سے کہوں گا کہ آپ اس سیٹ پر ان کا انتظار کر رہی ہیں اور میں خود ان کی جگہ بیٹھ جاؤں گا۔" ایڈی نے کہا اور میں نے اس بات پر رضامندی کا اظہار کر دیا۔

پھر پروگرام کے مطابق ایڈی اپنی جگہ سے اُٹھ کر انکل ایکس کے پاس پہنچا اور ان کے شانے پر ہاتھ رکھ کر جھک گیا۔ انکل ایکس ...کر اُس کی جانب متوجہ ہو گئے تھے۔ ایڈی نے ان کے کان میں کچھ کہا اور انکل ایکس چند لمحات کے بعد میرے پاس آنے کے لیے تیار ہو گئے۔ انھوں نے یہاں تک آنے کے لیے ایڈی کا سہارا لیا تھا۔ ایڈی اُنھیں میری سیٹ تک پہنچا کر خود ان کی سیٹ پر جا کر بیٹھ گیا۔ انکل ایکس کا چہرہ حسبِ معمول سپاٹ تھا۔ یہاں میری موجودگی سے حیران تو ہُوں گے لیکن اس حیرانی کو برداشت کرنے کی قوت رکھتے تھے۔ میرے برابر بیٹھ کر انھوں نے ...ب کہا: "مجھے سخت حیرت ہُوئی ہے۔"

"یقیناً ہوئی ہو گی انکل۔ بس میں آپ سے کیا عرض کروں؟"

"کچھ نہ کچھ عرض کرنے کے لیے تو مجھے اپنی سیٹ پر بُلایا ہو" انکل ایکس نے زیرِلب مسکراتے ہُوئے کہا۔

"ہاں، بس یہ اتفاق ہے کہ سان فرانسسکو سے واپسی کے ...ت آپ سے ملاقات ہو گئی۔"

"لیکن تم یہاں کب آئیں تھیں؟"

"چند روز ہوئے انکل... بس نیویارک میں بور ہو رہی تھی ...چا کر میں بھی آپ کے تعاقب میں چل پڑوں۔"

"اچھا تعاقب ہے ہو واپسی میں ملاقات ہو رہی ہے۔ سان فرانسسکو میں کہاں قیام کیا تھا؟"

"اپنی ایک دوست ایلین کے گھر۔" میں نے جواب دیا۔

"کیسا وقت گزرا؟"

"نہایت ہی تکلیف دہ۔"

"کیوں؟" انکل ایکس کی آواز میں ہلکا سا تحیر تھا۔

"کسی حد تک آپ کو اپنے بارے میں بتا چکی ہوں انکل... ...ت آپ کے علم میں ہیں۔ یوں لگتا ہے کہ جیسے میری تقدیر میرے ...میرے دشمن کے درمیان فاصلہ نہ رہنے دینا چاہتی ہو۔" یہ کہہ کر ...میں نے انھیں حالات سے تفصیلاً آگاہ کر دیا۔

"ہوں...۔" انکل ایکس گردن ہلانے لگا: "مجھے تم جیسی ...کار پسند لڑکیاں بہت پسند ہیں۔" انھوں نے تحسین آمیز لہجے ...ں کہا۔

"بات یہ نہیں ہے انکل ایکس۔ بس یوں کہیں کہ ہنگامے بھی ...ی تقدیر میں لکھ دیے گئے ہیں۔"

"خوش نصیب ہو... پُرسکون اور جامد زندگی، زندگی نہیں ...تی۔ وہ موت کی علامت ہوتی ہے۔ انسان جس قدر خطرات میں گھرا رہتا ہے۔ زندگی اتنی ہی دل کش ہو جاتی ہے۔ نہ جانے کیوں تمھاری شخصیت مجھے پسند آتی جا رہی ہے اور یہ بات تمھارے لیے خطرہ بن سکتی ہے۔"

"خطرہ...؟" میں نے مسکرا کر انکل ایکس کو دیکھا۔

"ہاں... میں نے مختصر الفاظ میں تمھیں اپنی تنظیم کے بارے میں بتایا ہے۔ اگر میں تمھاری شخصیت کا مکمل خاکہ تنظیم کے ممبروں کے سامنے رکھ دوں تو وہ یقیناً یہی کوشش کریں گے کہ تمھیں تنظیم کے لیے حاصل کر لیا جائے۔ چنانچہ اس طرح تم خطرے میں ہو۔"

"اوہو... نہیں انکل ایکس میں آپ کی شخصیت سے واقف ہوں آپ جو کچھ ہیں، میرے نزدیک بہت قابلِ قدر ہیں۔ اگر مجھے آپ لوگوں کے مقاصد میں شریک ہونے کا موقع مل جائے تو یقیناً میں اسے اپنی خوش قسمتی ہی سمجھوں گی لیکن اپنے مشن کے بعد۔"

تھوڑی دیر کے بعد انکل ایکس نے پھر اپنی جگہ بدل لی... ایڈی میرے پاس واپس پہنچ گیا تھا۔

طیارہ جس وقت نیویارک پہنچا تو بارش ہو رہی تھی... مسافروں کو رن وے سے کسٹم ہاؤس تک لے جانے کے لیے بارش سے بچاؤ کا بندوبست کر لیا گیا تھا۔ ہم سب کسٹم ہاؤس پہنچ گئے۔ انکل ایکس سان فرانسسکو سے تنہا ہی روانہ ہوئے تھے اور اس وقت ہمارے ساتھ تھے۔ مختصر سے سامان کے ساتھ ہم لوگ باہر نکلے تو دو افراد نے ہمارا استقبال کیا۔ انکل ایکس نے شاید ان کی آواز پہچان لی تھی۔ یہ انھی کے آدمی تھے۔ میرا اور انکل ایکس کا سامان ہمارے ہاتھوں سے لے لیا گیا اور ہم سب ائرپورٹ سے باہر جانے والے راستے کی جانب چل پڑے۔ باہر ایک لمبی سی کار ہماری منتظر تھی۔ میں، انکل ایکس اور ایڈی پچھلی نشستوں پر بیٹھ گئے۔ باقی دو آدمی ڈرائیور کے ساتھ ہی بیٹھ گئے تھے اور کار ائرپورٹ سے روانہ ہو گئی۔ بارش کسی قدر تیز ہو گئی تھی اور سڑکوں کی ملگجی روشنیاں بارش کی دھند میں ڈوبتی جا رہی تھیں پھر نہ جانے دفعتاً کیا ہوا۔ وائپرز کے چلنے کی آواز گڑگڑاہٹ میں تبدیل ہو گئی اور سامنے کے شیشے میں دو سوراخ ہو گئے لیکن بات صرف شیشے کے سوراخوں تک محدود نہ رہی۔ جن دو آدمیوں نے ہمیں ائرپورٹ پر ریسیو کیا تھا۔ ان کی کھوپڑی میں بھی ویسے ہی روشن دان بن گئے تھے۔ جیسے سامنے کے اسکرین میں بنے تھے۔ البتہ ڈرائیور بچ گیا تھا لیکن اس کا بچ جانا بھی زیادہ سودمند ثابت ہُوا۔ بدحواسی میں کار سڑک کے اِدھر اُدھر دوڑنے لگی اور پھر کسی پول سے ٹکرا کر اُلٹ گئی۔ اس کا ہارن تیزی سے

بجنے لگا اور یہ آخری آواز تھی جو مجھے یاد تھی۔ اس کے بعد گہری دھند چھا گئی۔

جب یہ دھند ہٹی تو میں کسی ایسے کمرے میں تھی جو نہایت پُرسکون اور خاموش تھا۔ دھیمی دھیمی روشنیاں دیواروں سے پھوٹ رہی تھیں اور ایک لانگ چیئر پر بیٹھے ہوئے انکل ایکس خلا میں گھور رہے تھے۔ میں نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر اِدھر اُدھر ایڈی کو تلاش کیا اور اُسے موجود نہ پاکر میرے ذہن میں ایک اضطراب سا پیدا ہوگیا۔

"ہیلو۔۔ کیا تم ہوش میں آگئیں بے بی؟" انکل کی آواز سنائی دی۔

"جی انکل۔ لیکن۔۔ لیکن ایڈی کہاں ہے؟"

"وہ ٹھیک ہے اور دوسرے کمرے میں موجود ہے۔" انکل ایکس نے پُرسکون لہجے میں کہا اور کرسی کے ہتھے میں لگا ہوا ایک بٹن دبا دیا۔ باہر گھنٹی کی آواز اُبھری تھی۔ چند ساعت کے بعد ایک شخص دروازہ کھول کر اندر آگیا۔ "ایڈی کو لے آؤ۔" انکل ایکس نے کہا۔

وہ شخص گردن خم کر کے واپس چلا گیا۔ چند ساعت کے بعد ایڈی اس شخص کے ساتھ کمرے میں داخل ہوگیا۔ اُس کی پیشانی پر پٹی بندھی ہوئی تھی لیکن چہرے سے وہ خوش و خرم اور مطمئن نظر آرہا تھا۔ مجھے دیکھ کر وہ دوڑتا ہوا میرے نزدیک آیا اور لپٹ گیا۔ "سسٹر، سسٹر آپ ٹھیک ہیں نا؟" اس نے بے اختیار پوچھا۔

میں نے آنکھیں بند کر کے گردن ہلا دی۔ "تمھاری پیشانی کی چوٹ کیسی ہے؟" میں نے پوچھا۔

"معمولی سی سسٹر۔۔ بہت ہی معمولی سی۔" اس نے جواب دیا اور میں اس کی پُشت سہلانے لگی۔ بظاہر میرے بدن پر کوئی خاص زخم نہیں تھا۔ ہاں سر کے پچھلے حصّے میں درد ہو رہا تھا۔ غالباً اسی جگہ چوٹ لگنے سے میں بے ہوش بھی ہوگئی تھی۔

"آپ کی اپنی کیا کیفیت ہے انکل؟" میں نے پوچھا۔

"میں بھی ٹھیک ہوں۔ ڈرائیور بھی ٹھیک ہے۔ بس وہ بےچارے دونوں مر گئے۔" انکل ایکس نے بھاری آواز میں کہا۔

چند ساعت تک میں کچھ نہ بول سکی۔ اس بات میں کوئی شک نہیں تھا کہ وہ بےچارے میری وجہ سے موت کا شکار ہوئے تھے۔ یقینی طور پر سان فرانسسکو سے میری روانگی کی اطلاع یہاں دے دی گئی تھی اور یہاں پر یہ لوگ ہمارے استقبال کے لیے موجود تھے۔

"میں اُس شخص کے بارے میں تفصیل جاننا چاہتا ہوں جس پر میں نے کوئی خاص توجہ نہیں دی تھی۔" انکل ایکس کی آواز میں عجیب سی غرّاہٹ تھی جسے میں نے بخوبی محسوس کر لیا۔ یقیناً اُن کے [illegible] میں کوئی انتقامی جذبہ پرورش پا رہا تھا۔ "مجھے شروع سے ان [illegible] کی تفصیل بتاؤ۔" انکل ایکس نے کہا۔

میں نے انہیں شروع سے آخر تک کی اپنی کاوشوں کی [illegible] بتا دی البتہ اس میں انکل شہریار کی حیثیت کا ذکر نہیں اور چند ایسی [illegible] گول کر گئی تھی جنہیں بتانا مناسب نہیں تھا۔ البتہ ان الفاظ کو [illegible] کرنے سے کیس کی نوعیت پر کوئی خاص فرق نہیں پڑا تھا۔

تفصیل سُننے کے بعد انکل ایکس نے گردن ہلائی اور بولے [illegible] "شخص کو تم نے سان ناس میں دیکھا تھا وہ یقیناً اطہر رضوی ہی تھا [illegible] وہ بھی اس کی ڈمی نہ ہو۔"

"میرا خیال ہے ایسا نہیں تھا انکل۔ کیونکہ اوّل تو اسے [illegible] میری موجودگی کا شبہ تک نہ ہوگا۔ جیسا کہ آپ سے عرض کر چکی ہوں [illegible] حالات میں گھر کر یہاں تک پہنچی۔ یقینی طور پر اخبارات میں میری [illegible] کی اطلاع بھی چھپی ہوگی۔ میرا مطلب ہے اِن لوگوں کے ساتھ جو [illegible] کے حادثے کا شکار ہوئے تھے اور چونکہ اطہر رضوی خود بھی میری [illegible] میں دلچسپی لیتا تھا اس لیے یہ خبر اُس نے بھی پڑھی ہوگی وہ جس [illegible] مجھے دیکھ کر چونکا تھا اُس سے اس کی حیرت کا اظہار ہوتا تھا۔ [illegible] مجھے زندہ دیکھ کر حیران ہوگیا تھا اور اُس کے ذہن میں میرے [illegible] بےشمار سوالات مچل اُٹھے ہوں گے۔ غالباً یہی وجہ تھی کہ ایلیمنٹ [illegible] میں مجھے ہلاک کرنے کے بجائے گیس کے ذریعے بے ہوش کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ اطہر رضوی میری وجہ سے اپنی اربوں [illegible] کی جائداد چھوڑ کر بھاگا ہے۔ میرے ملک میں اُس کی حیثیت [illegible] مستحکم تھی لیکن میں نے اس کا وقار خاک میں ملا دیا اور اُسے در[illegible] ظاہر ہے کہ اب وہ اُس ملک میں واپس نہیں جا سکتا اور نہ [illegible] میں اپنی اصل حیثیت سے رہ سکتا ہے۔ مجھے یقین ہے انکل اس کی [illegible] کوشش یہی ہوگی کہ مجھے ہلاک کر دے۔"

"ہوں، لیکن وہ ایسا نہیں کر سکے گا بے بی۔ اطہر [illegible] زندگی کے آخری سانس پورے کر رہا ہے اور اس سے [illegible] نہیں۔" چند لمحات انکل ایکس کے چہرے پر خطرناک تاثرات [illegible] رہے اور پھر اس کے بعد وہ پہلے کی طرح پُرسکون ہوگئے۔ "یہ [illegible] نہیں ہے جہاں تم پر آسانی سے حملہ ہوگیا تھا۔ یہ ایک فلیٹ [illegible] تیسری منزل پر واقع ہے اور یہاں صرف یہی ایک ملازم [illegible] تم دیکھ چکی ہو۔ معتبر آدمی ہے یہ تمھارے ساتھ رہے گا۔ [illegible] تمھارے قیام کے لیے یہی عمارت۔۔۔۔۔۔ مناسب [illegible] ٹیلی فون موجود ہے۔ اس وقت تک باہر نکلنے کی کوشش [illegible] جب تک میں تمھیں اس کی اجازت نہ دوں۔"

"ٹھیک ہے انکل۔ میں آپ کی ہدایات پر عمل کروں گی۔"

"لیکن بھئی۔ ایک سوال بار بار میرے ذہن میں پیدا ہوتا ہے تم معمولی حیثیت کی حامل نہیں ہو۔ ایک بہت بڑی کانفرنس میں شرکت کے لیے آئی تھیں۔ جو ہو چکی ہے اگر تم حکومت امریکا سے درخواست کرو تو وہ تمھاری واپسی کا بندوبست کر سکتی ہے۔ میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ تم نے ابھی تک اِس سلسلے میں کسی کارروائی کا آغاز یا خواہش کا اظہار کیوں نہیں کیا۔؟"

"بس انکل میں نہیں چاہتی تھی کہ ان ہنگاموں کی تشہیر ہو۔ میں اپنے طور پر یہاں سے نکل جانے کی خواہش مند تھی اور اب اُس وقت تک یہاں سے واپس نہیں جانا چاہتی جب تک اطہر رضوی کے سلسلے میں کوئی مناسب کارروائی نہ کر لوں۔"

"تب ہی تم یہاں غیر قانونی حیثیت سے مقیم ہو۔ یہ حقیقت ہے کہ اتفاقات تمھیں اسپین سے یہاں لے آئے ہیں اور تمھاری یہاں آمد مجرمانہ نوعیت کی نہیں ہے۔ لیکن پہلا سوال تم سے یہی کیا جائے گا کہ اگر کسی ذریعے سے تم یہاں پہنچ چکی تھیں تو تمھیں امریکی حکومت سے رابطہ قائم کرنا چاہیے تھا تاکہ تمھارے تحفظ اور واپسی کا بندوبست کیا جا سکتا۔"

"آپ کا یہ فرمانا بھی درست ہے انکل۔ لیکن اطہر رضوی کے لیے میں ہر خطرہ مول لینے کو تیار ہوں۔ میں اُسے قتل کر کے موت کی سزا پانے پر آمادہ ہوں۔ ہر چند کہ امریکا سے دُور رہتے ہوئے مجھے طویل وقت گزر چکا ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ میرے کچھ شناسا نیویارک اور ہالی وُڈ میں اب بھی موجود ہوں گے۔ میں اُن کے ذریعے اپنے مشن کا آغاز کرنا چاہتی ہوں۔ اُس وقت تک میں امریکا نہیں چھوڑوں گی جب تک اطہر رضوی کا قلع قمع نہیں ہو جاتا۔"

"میرے خیال میں تمھیں یہ سب کچھ کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ میں تمھارے ساتھ ہوں۔ اب مجھے اجازت دو میں جا رہا ہوں۔ اب سے ٹھیک بارہ گھنٹے کے بعد تم یہاں سے کہیں بھی آنے جانے کے لیے آزاد ہو گی۔ خواہ تمھیں میرا پیغام ملے یا نہ ملے" انکل ایکس نے کہا۔ اسی وقت اینڈی کافی کے برتن ہاتھوں میں اُٹھائے اندر آ گیا شاید اُس نے انکل ایکس کے آخری الفاظ سُن لیے تھے۔

وہ مسکرا کر بولا "میرا خیال ہے انکل ایکس ان بارہ گھنٹوں میں سے وہ وقت نکال لیا جائے جس کے دوران ہم کافی پییں گے۔؟"

"او۔ نہیں بیٹے میں تمھارا ساتھ نہیں دے سکوں گا۔ انکل ایکس کرسی سے اُٹھے اور نپے تُلے قدموں سے دروازے کی طرف بڑھ گئے ہم دونوں اُن کے اِس اعتماد کو تحیرانہ انداز میں دیکھتے رہے تھے۔ پھر اینڈی کافی کے برتنوں کی جانب متوجہ ہو گیا کافی بنا کر اس نے ایک کپ مجھے پیش کر دیا اور خود دُوسرا کپ لے کر میرے سامنے بیٹھ گیا۔ دیر تک ہم لوگ خاموشی سے کافی کی چُسکیاں لیتے رہے تھے پھر اینڈی ہی بولا "سسٹر ہماری انکل ایکس کو اپنے دو آدمیوں کی زندگیاں قربان کرنی پڑیں۔"

"مجھے اِس کا افسوس ہے اینڈی" میں نے جواب دیا۔ دیر تک اور اینڈی اس سلسلے میں گفتگو کرتے رہے۔

وقت مقررہ پر ٹیلی فون کی گھنٹی بجی اور پھر مجھے انکل ایکس کی آواز سُنائی دی۔ "ہیلو بے بی۔ حالات ٹھیک ہیں۔ حسبِ وعدہ تمھیں آگاہ کر رہا ہوں۔ پُورے اطمینان کے ساتھ جہاں جا ہو جا سکتی ہو۔ اب تم پر کوئی پابندی نہیں ہے۔"

انتہائی مختصر گفتگو کے بعد انکل ایکس نے فون بند کر دیا اور میں سانس لے کر فون کے پاس سے ہٹ آئی۔ میں نے اینڈی کو اس بارے میں بتا دیا تھا لیکن ظاہر ہے اس وقت کہیں جانے کی ضرورت نہ تھی کھانے کے بعد ہم نے سونے کی تیاریاں کیں اور پھر بیڈ روم میں صبح ناشتے کے بعد ہم لوگ آوارہ گردی کرنے نکل کھڑے ہوئے۔

دوپہر کا کھانا ہم نے آرگوننگ - - - رستوران میں کھایا۔ کھانے کے دوران میری نگاہ دروازے کی طرف اُٹھی تو میں نے ایک نوجوان لڑکی کو اندر آتے ہوتے دیکھا، اور چونک پڑی۔ چونکنے - - - - کی وجہ شلوار قمیص تھی۔ مشرقی ملک کے لباس میں ملبوس اس لڑکی کے خدوخال بھی مشرقی تھے۔ لڑکی تنہا تھی لیکن اِس کے انداز میں اعتماد تھا۔ چند ساعت کے بعد وہ ایک میز پر بیٹھ کر مینو دیکھنے لگی۔

"اینڈی" میں نے اینڈی کو مخاطب کیا "اس لڑکی کو دیکھو۔"

اینڈی میرے اشارے کی طرف دیکھنے لگا پھر بولا "ہاں"

"تو پھر جایئے۔ اِسے یہاں بُلا لایئے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہلو۔ کیا واقعی۔؟" اینڈی دانت نکال کر بولا اور اُٹھ کھڑا ہوا۔

میری نگاہ اس کا تعاقب کر رہی تھی۔ سانولی سلونی لڑکی نے نگاہ اٹھا کر اُسے دیکھا اور پھر اس کی باتیں سُننے لگی پھر اُس نے چونک کر میری طرف دیکھا اور میں نے گردن خم کر دی۔ لڑکی مُسکراتی ہوئی اپنی جگہ سے اُٹھی اور پھر اینڈی کے ساتھ میرے پاس آ گئی "ہیلو کیسے مزاج ہیں؟" اس نے مُسکراتے ہوئے اُردو میں کہا۔

"بالکل ٹھیک۔ سوری۔ میں نے آپ کو نہیں دیکھا تھا ورنہ خود آپ کے پاس آ جاتی۔" وہ کرسی گھسیٹ کر بے تکلفی سے بیٹھ گئی۔ اینڈی بھی اپنی کرسی پر جا بیٹھا۔

"آپ کو دیکھ کر میں خود پر قابو نہ رکھ سکی۔" میں نے کہا۔

"اگر میں آپ کو دیکھ لیتی تو یہی کیفیت میری ہوتی۔ دیارِ غیر میں ہم وطن کے مل جانے سے کتنی خوشی ہوتی ہے۔ اِس کا اندازہ مشکل ہے۔ کیا نام ہے آپ کا۔؟"

"عالیہ صغیر" میں نے جواب دیا۔

"میں نزیرہ ہوں۔ نزیرہ ہاشمی۔" اُس نے جواب دیا۔

"سیر و تفریح کی غرض سے یہاں آئی ہیں یا تعلیمی مشاغل ہیں؟" میں نے پُوچھا۔

"پڑھتی ہوں۔ اِن دِنوں چھٹیاں گزار رہی ہوں۔ مستقل قیام انگلینڈ میں ہے۔ یہاں میری ایک بہت عزیز دوست نینسی رہتی ہے چھٹیاں اِس کے ساتھ گزارتی ہوں۔ اِن دِنوں بھی اس کے پاس آئی ہوئی ہوں۔"

"بہت خوشی ہوئی آپ سے مل کر نزیرہ۔ کھانا کھائیں گی آپ۔؟"

پھر نزیرہ کے منع کرنے کے باوجود میں نے اسے کھانے کے لیے مجبور کر دیا۔ گفتگو کے دوران اُس نے بتایا کہ نینسی ایک جاپانی ہوٹل میں مُلازم ہے اور اُس کا فلیٹ یہیں پاس پر ہے۔ اُس نے میری قیام گاہ کے بارے میں بھی پُوچھا تھا اور میں نے اپنی یہاں آمد کا مقصد سیر و تفریح بتایا تھا پھر اینڈی کی بات آگئی اور نزیرہ نے مُسکراتے ہوئے پوچھا "بہت دِلچسپ بچہ ہے" اینڈی جوان آدمیوں کی طرح مخاطب ہو کر بولا۔ "خاتون میرا کوئی اور مقصد نہیں ہے دراصل وہ خاتون آپ سے ملاقات کرنے کی خواہشمند ہیں اور میں صرف آپ کو ان کا پیغام دینے آیا ہوں۔"

"اینڈی بہت شریر ہے۔" میں نے مسکرا کر کہا۔

"چلیں۔ میں آپ کو اپنی دوست نینسی سے ملواؤں "بینگ ہو" میں وہ اسٹیج انچارج ہے۔ بینگ ہو کا کراٹے ہال تمھیں بہت پسند آئے گا۔ وہاں کراٹے شو پیش کیے جاتے ہیں۔ چلو گی؟"

"شو کے دوران لے چلیں گی تو ضرور چلیں گے۔" میرے بجائے اینڈی بول پڑا اور میں مُسکرا کر رہ گئی۔

"تم بینگ ہو میں ہونے والے کراٹے کے مظاہرے دیکھ کر ششدر رہ جاؤ گے اینڈی۔ اتنا خوبصورت شو شاید پُورے نیویارک میں کہیں نہ ہوتا ہو" نزیرہ نے کہا اور اینڈی کا اشتیاق اور بڑھ گیا۔

ہم لوگ بینگ ہو پہنچ گئے۔ جاپانی طرز کی ایک حسین عمارت میں ہوٹل قائم تھا۔ بیشتر جاپانی یہاں نظر آئے اُن کے علاوہ امریکن اور دُوسرے ملک کے لوگ بھی موجود تھے۔ ایک میز پر بیٹھ کر نزیرہ نے نینسی کو بلوایا اور چند ساعت کے بعد ایک خوبصورت امریکن لڑکی مسکراتی ہوئی ہمارے پاس آ گئی۔ "ہیلو نزیرہ۔ ہیلو" وہ ہماری طرف رُخ کر کے مسکرائی اور پھر تعارف کی رسم ادا ہوئی اور نینسی نے مسرت کا اظہار کیا۔ "مسٹر اینڈی شو دیکھیں گے۔ ہمیں تین نشستیں درکار ہوں گی۔"

"ہال میں تو نہیں ملیں گی البتہ بالکنی میں بندوبست کر سکتی ہوں۔ پورا ہال بھرا ہے" نینسی نے کہا۔

"بالکنی بہتر رہے گی۔ تم اگر مصروف ہو تو ہم تمھیں بور نہیں کریں گے تفصیلی ملاقات کل دِن میں ہو جائے گی۔" نزیرہ نے کہا اور نینسی مسکراتی ہوئی مجھ سے معذرت کر کے چلی گئی اور ہم کافی دیر تک مشروب سے دل بہلاتے رہے۔ شو شروع ہونے سے قبل ہی نینسی ہمیں لینے آگئی۔

جس بالکنی میں ہمیں بٹھایا گیا تھا وہاں بڑے بڑے گملے رکھے ہوئے تھے اور ان میں خوبصورت مصنوعی پھول لگے ہوئے تھے۔ ہم نشستوں پر بیٹھ گئے۔ اینڈی بے چینی سے شو شروع ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔ میں اور نزیرہ بھی خاموش تھے۔ طائرانہ نگاہوں سے میں اِس جگہ کا جائزہ لے رہی تھی۔ بے حد خوبصورت جگہ تھی لیکن نہ جانے مجھے کیوں یہ سب کچھ عجیب لگ رہا تھا پھر نیچے ہال کے ایک گوشے سے سفید روشنی پھوٹی اور پُورے ہال میں جھنجھناہٹ تیز ہو گئی۔ ہال کی روشنی بڑھتی چلی گئی اور پھر پُورے ہال میں دِن کا سا سماں ہو گیا۔ ایک خوبصورت اسٹیج بنا ہوا تھا۔ اس کے سامنے کے فرش پر جاپان کے مخصوص نشانات بنے ہوئے تھے پھر سیاہ لبادے والا ایک طویل القامت جاپانی پردے کے پیچھے سے برآمد ہوا۔ اُس کا سر گنجا اور پیشانی پر سیاہ پٹی بندھی ہوئی تھی۔ اِس کے شانے پر ایک سفید بلی بیٹھی تھی۔ ہال میں خاموشی طاری ہو گئی۔ تب اس شخص نے گونجدار آواز میں جوڈو، جوجسٹو اور کراٹے کے بارے میں تفصیل بتائی۔ اِس کا پس منظر بتاتے ہوئے اُس نے بلی کو اُتار کر ہاتھوں میں پکڑ لیا اور اُس کی آواز اُبھری۔

"اِس سلسلے میں ہماری رہنمائی بلی نے بھی کی ہے۔ ہم نے اِس سے بھی بہت کچھ سیکھا ہے مثلاً۔" اس نے عملی مظاہرہ کرتے ہوئے بلی کے دونوں ہاتھ اور پاؤں پکڑ کر اُسے لٹکا لیا اور پھر اُسے چھوڑ دیا۔ بلی پنجوں کے بل نیچے گری تھی۔ دوبارہ بلی کو اُٹھا کر اُس نے فضا میں اُچھال دیا لیکن اِس بار بھی بلی پنجوں کے بل نیچے آئی تھی۔ دو تین بار اِس کا مظاہرہ کرنے کے بعد اُس نے ایک ہاتھ اُٹھایا اور چھوٹے سے قد کا ایک جاپانی اُس کے نزدیک پہنچ گیا۔ طویل القامت شخص نے اُسے بازوؤں میں اُٹھا کر پُوری قوت سے گھمایا اور پھر فضا میں اُچھال دیا۔ چھوٹے قد کا آدمی اطمینان سے زمین پر آ کھڑا ہوا تھا۔ ہال میں تالیاں گونج اُٹھیں۔ کئی بار نہایت وحشیانہ انداز میں دراز قامت نے اِس کوتاہ قامت کو اُٹھا کر پھینکا لیکن ایک بار بھی اُس کے بدن کا کوئی دُوسرا حصہ زمین سے نہ لگا۔ وہ بلی سے بھی زیادہ پھرتی کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ اِس مظاہرے کے بعد جوڈو کراٹے کے بے مثال مظاہرے پیش کیے گئے۔ میں اور اینڈی اِتنے محو ہو گئے تھے کہ ہمیں قرب و جوار کا ہوش بھی نہ رہا۔ ہم اِس وقت چونکے جب اچانک زمین شق ہو گئی اور ہم اس میں سمانے لگے۔ میں نے بے اختیار اینڈی کا بازو پکڑ لیا۔ اینڈی نے بوکھلا کر کھڑے ہونے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکا جو کچھ ہونا تھا آن کی آن میں ہو چکا تھا لیکن کیا ہوا تھا، ذہن ابھی تک اُس کی تشریح نہیں کر رہا تھا۔

"ن۔ نزیرہ" میرے مُنہ سے لڑکھڑاتی آواز نکلی لیکن اِس کا کوئی

جواب نہیں ملا۔ تب میں نے گردن گھمائی اور ششدر رہ گئی۔ نزیرہ برابر کی نشست سے غائب تھی۔ میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ماحول کا اندازہ لگانے کی کوشش کرنے لگی۔ وہ بالکنی جس میں ہم بیٹھے ہوئے تھے اچانک کسی لفٹ کی طرح نیچے اُتری تھی اور شاید زیرِ زمین چلی گئی تھی لیکن جس جگہ وہ رُکی تھی وہاں سے بھی ہال میں ہونے والے جوڈو کراٹے کے مناظر صاف نظر آ رہے تھے بلکہ انہیں اور قریب سے دیکھا جا سکتا تھا۔ یہ تبدیلی کیسے ہوئی۔ اس کا مطلب کیا ہے؟ میں نے سوچا۔ نزیرہ خاموشی سے ہمارے پاس سے اُٹھ کر چلی گئی تھی۔ نہ جانے کیوں، میری چھٹی حس کچھ کہہ رہی تھی میں نے اینڈی کا بازو پکڑا "اُٹھو اینڈی۔"

"او کے سسٹر۔ مگر یہ بالکنی نیچے کیسے آ گئی۔" اینڈی نے اُٹھتے ہوئے کہا اور ہم دونوں نے پلٹ کر دیکھا تو جو کچھ نظر آیا اُس نے میرے قدم ساکت کر دیے۔ اس سے قبل ہمارے پیچھے جو عمارت موجود تھی اب وہ نہ تھی بلکہ عقب میں ایک وسیع و عریض ہال نظر آ رہا تھا۔ سامنے والے ہال سے بھی زیادہ دلکش۔ سیاہ رنگ کا فرش دُور تک چلا گیا تھا اور اس کے آخری سرے پر شیشے کی میزیں لگی ہوئی تھیں جن کے پیچھے بڑی کرسیوں پر چند لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ میں متوحش نگاہوں سے انہیں دیکھنے لگی اور پھر میرے سارے بدن میں چیونٹیاں سی رینگنے لگیں۔ مسٹر اطہر رضوی بھی ان میں سے ایک میز کے پیچھے موجود تھا۔ اب اس میں کوئی شک و شبہ نہیں تھا کہ میں پھنس گئی تھی اور شاید نزیرہ کو میرے لیے خاص طور سے بھیجا گیا تھا۔ ایک خالص نفسیاتی چال تھی۔ اگر وہ میری ہم وطن نہ ہوتی تو شاید میں کبھی اس پر اتنا بھروسہ نہ کرتی لیکن وہ مجھے دیکھ رہے تھے جن کی طنزیہ مسکراہٹ میرے بدن میں چُبھ رہی تھی۔ تب اطہر رضوی کی آواز مجھے اپنے قریب... سُنائی دی۔

"ہیلو عالیہ صغیر جاپانی۔ کہو پروگرام پسند آیا؟" حالانکہ وہ کافی دُور بیٹھا ہوا تھا لیکن اس کی آواز میرے کان کے پردے پھاڑے دے رہی تھی۔ اس جدید ترین جگہ پر میں کسی قدر نروس ہو گئی تھی۔ تب اطہر رضوی دوبارہ بولا "بیٹھو عالیہ۔ ابھی ایک اور پروگرام پیش کیا جائے گا۔ یہ پروگرام صرف تمہارے لیے ہے۔ بیٹھ جاؤ۔" اطہر رضوی کے قریب بیٹھے جاپانی کے ہونٹوں پر مکارانہ مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔

"ہماری میزبانی قبول کرو عالیہ۔ ویسے تو تم کبھی ہماری میزبان نہ بنتیں لیکن جینگ ہو جو بہت ذہین آدمی ہے اُس نے میری درخواست پر تمہیں یہاں بُلایا ہے۔ تم تو جانتی ہو ان دونوں شریر لڑکوں کو۔ وہ تم سے ملاقات کے بے حد خواہش مند تھے۔ کل کسی وقت وہ تم سے ملاقات کریں گے اب آرام کرو۔"

اطہر رضوی اپنی جگہ سے اُٹھ گیا۔ جینگ ہو بھی کھڑا ہو گیا۔ وہ آدمی اطہر رضوی کے ساتھ باہر نکل گئے تھے۔ میں اپنی جگہ ساکت کھڑی تھی۔ بھی خاموش تھا۔ شاید وہ بھی صورتِ حال کی نزاکت سے واقف ہو گیا۔ تب جینگ ہو میری طرف رُخ کر کے بولا "آپ کو میری زیرِ نگرانی کوئی نہیں ہوگی۔ ہاں تکلیف آپ خود مول لے سکتی ہیں۔ اگر آپ نے یہاں نکلنے کی کوئی جد و جہد کی تو یہ بے وقوف لڑکے آپ کو توڑ پھوڑ دیں گے کی دہشت کا مظاہرہ آپ دیکھ چکی ہیں۔"

"میں یہاں سے جانا چاہتی ہوں جینگ ہو۔" نہ جانے میرے سے کیسی آواز نکلی۔

"ممکن نہیں ہے مس۔ میرے دوست کی خواہش ہے کہ آپ ملاقات اُس کے بیٹے سے ہو۔"

"تب پھر میں مرنا چاہتی ہوں۔" میں نے غراتی ہوئی آواز میں کہا یہاں سے آگے بڑھ کر ہال کے درمیان آ گئی۔

"نہیں بے بی۔ ایسی کوئی کوشش نہ کرو۔ میں تمہاری یہ خواہش نہیں کر سکتا کیونکہ تم" جاپانی نے پُرسکون لہجے میں کہا اور پھر ایک طرف رُخ کر کے بولا "جیک، پاول، بے بی کو اس کی رہائش گاہ دکھا دو۔"

جس سمت رُخ کر کے اُس نے آواز دی تھی اُدھر کا درو کھلا اور پھر۔ اس کھلے ہوئے دروازے سے ایک آدمی باہر آ گیا۔ عقب میں کئی اور آدمی بھی اسی دروازے سے نکل آئے تھے لیکن شخص اندر آیا اُسے دیکھ کر میری آنکھیں شدتِ حیرت سے پھیل گئیں خود اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا۔ ناممکن، قطعی ناممکن۔ انکل ایکس جیسی کسی قیمت پر اطہر رضوی کی آلۂ کار نہیں ہو سکتی۔ ناممکن۔ قطعی ناممکن آنکھیں جو کچھ دیکھ رہی تھیں حقیقت تھی البتہ جب میری نگاہ جینگ ہو پر پڑی نے اُسے بھی اسی حیرت کا شکار پایا۔ وہ بھی آنکھیں اور منہ پھاڑے ایکس کو دیکھ رہا تھا اور پھر اس کے حلق سے ایک بے اختیاری آ "سسس۔ سر۔ آپ۔ آپ یہاں۔!"

انکل ایکس کی آنکھوں پر حسبِ معمول سیاہ چشمہ لگا ہوا تھا ایک قیمتی سوٹ میں ملبوس تھے اور بے حد پُروقار نظر آ رہے تھے نے آنکھوں سے چشمہ اُتارا اور پھر اُن کی سرسراتی سی آواز اُبھری کہاں ہے۔؟"

"سر۔ سر کونسی لڑکی؟" جینگ ہو کی حالت عجیب ہو رہی

"عالیہ کہاں ہے۔؟"

"وہ موجود ہے سر۔ یہیں موجود ہے۔ آپ۔ آپ اسے سر۔" جینگ ہو پر بوکھلاہٹ طاری تھی۔

"عالیہ کیا تم یہاں موجود ہو؟" انکل ایکس نے مجھے پکا پہلا خیال میرے ذہن سے ہٹ گیا۔ انکل ایکس ان لوگوں کے

تھے بلکہ۔ بلکہ شاید وہ میری مدد کے لیے آئے تھے۔ میں ایک دم سنبھل گئی اور اُن کے پاس پہنچ کر بولی "ہاں انکل میں یہاں ہوں اور اینڈی بھی موجود ہے۔"

"تم لوگوں کو کوئی گزند تو نہیں پہنچی۔؟"

"ابھی تک نہیں انکل لیکن مسٹر جینگ ہو نے اب اپنے آدمیوں کو میرا دماغ درست کرنے کے لیے آواز دی تھی۔"

"سر مجھے نہیں معلوم تھا کہ اس لڑکی کا آپ سے کوئی تعلق ہے۔" جینگ ہو صفائی پیش کرنے والے انداز میں بولا۔

"گھٹیا اُچکے۔ کسی کے خلاف کام کرنے سے قبل یہ جاننے کی بھی کوشش نہیں کرتا کہ وہ کون ہے۔ بس ڈالر کی جھلک مل ہو گی کیوں۔"

"سر۔ سر آپ یقین کریں۔ میں، میں۔"

"کریں گے۔ کریں گے۔ جلد اس کی واپسی کا بندوبست کرو یہ میری مہمان ہے۔ میرے پاس ہی اس کا قیام تھا۔" انکل ایکس نے دوبارہ چشمہ آنکھوں پر چڑھا لیا اور پھر واپسی کے لیے پلٹ گیا۔

"چلیے۔ چلیے مس۔ یقین کریں مجھے حقیقت نہیں معلوم تھی ورنہ ایسا کبھی نہ ہوتا۔ اُفوہ۔ بڑی حماقت ہوئی مجھ سے چلیے۔ براہِ کرم۔ دیر نہ ہو جائے۔"

جینگ ہو کی ساری شخصیت مسخ ہو کر رہ گئی تھی۔ اب سے تھوڑی دیر قبل وہ جس قدر پُررعب نظر آیا تھا اب اس کا عشرِ عشیر بھی نہیں تھا۔ میں اینڈی کا ہاتھ پکڑ کر اس کے ساتھ چل پڑی اور پھر چند عجیب و غریب راستوں سے گزر کر ہم باہر آ گئے۔ تاریکی میں چند گاڑیاں کھڑی ہوئی تھیں۔ ایک سفید رنگ کی کار میں مجھے بیٹھنے کی پیشکش کی گئی اور میں اینڈی کے ساتھ بیٹھ گئی۔ اس کار میں انکل ایکس بھی بیٹھے ہوئے تھے۔

"میرے لیے کیا حکم ہے سر؟"

"میرے ساتھ آؤ۔" انکل ایکس نے کہا اور جینگ ہو تھوک نگلتا ہوا اس کار کے عقبی حصے میں بیٹھ گیا۔ کار چل پڑی۔ اس کے پیچھے دُوسری گاڑیاں بھی آ رہی تھیں۔ راستے بھر خاموشی رہی۔ میں انکل ایکس کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ امریکا جیسے مُلک میں اُنھوں نے اچھی خاصی حیثیت بنا رکھی تھی میرا ذہن پھر اس تنظیم کے بارے میں سوچنے لگا۔

اس بار جس عمارت میں داخل ہوئے تھے وہ بھی نئی اور شاندار تھی۔ ہم سب نیچے اُتر آئے۔ انکل ایکس اسی بے نیازی سے آگے بڑھ گئے تھے۔ عمارت کے ایک وسیع ہال میں پہنچ کر وہ رُکے اور پھر مجھے آواز دی "عالیہ۔ مجھے واقعات بتاؤ۔"

"بس جناب۔ ایک ایشیائی لڑکی مجھے ملی جس نے مجھے اپنا دوست بنایا اور وہاں تک لے گئی۔ اس کے بعد یہ واقعات پیش آئے۔ کمینہ اطہر رضوی اس جاپانی کے ساتھ موجود تھا اور ان لوگوں کا خیال تھا کہ مجھے اس دوشاخے کے سامنے پیش کیا جائے۔"

"اطہر رضوی موجود تھا۔؟" انکل ایکس چونک پڑے۔ "وہاں وہ موجود تھا؟"

"پھر وہ کہاں چلا گیا؟ تم نے مجھے پہلے اس بارے میں کیوں نہیں بتایا؟"

"آپ کے آنے سے قبل وہ چلا گیا تھا۔"

"خیر کوئی بات نہیں پھر آ جائے گا۔ کیوں جینگ ہو۔!"

"میں کیا عرض کروں ہزہائینس۔"

"تمہارے علاوہ اور کون عرض کرے گا۔ یہ سچ بولنے کا کمرہ ہے میرے دوست یہاں جھوٹ بولو گے تو نقصان اُٹھاؤ گے۔"

"سر۔ سر میں آپ کے سامنے جھوٹ بولنے کی گستاخی نہیں کر سکتا۔ میں اس کے بارے میں زیادہ تفصیل نہیں جانتا۔ اس نے ایک عام کاروباری کی طرح مجھ سے گفتگو کی تھی اور پچاس ہزار ڈالر کی رقم مجھے دیتے ہوئے کہا تھا کہ اس لڑکی کے قبضے سے نمٹنے کے بعد مجھے پچیس ہزار ڈالر اور ملیں گے۔ مجھے نہیں معلوم تھا سر کہ مس آپ سے کوئی تعلق رکھتی ہیں ورنہ آپ بھی جانتے ہیں کہ میں کسی قیمت پر یہ کیس نہ لیتا۔"

"ہوں۔ مجھے یقین ہے تو سچ بول رہا ہے لیکن اب تجھے یہ معلوم ہو گیا کہ اس کا تعلق مجھ سے ہے۔؟"

"جی ہاں جناب۔"

"اور وہ ایشیائی اس کا دُشمن ہے؟"

"جی ہاں سر۔" جینگ ہو نے کہا۔

"تو پھر اب تجھے کیا کرنا ہے جینگ ہو۔؟"

"میں اب کسی قیمت پر اس کے لیے کام نہیں کروں گا۔"

"بس اتنا ہی کر سکتا ہے تو میرے لیے؟" انکل ایکس نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"نہیں۔ نہیں سر۔ جو حکم ہو۔" جینگ ہو بوکھلا کر بولا۔

"مجھے اس کی ضرورت ہے۔ دفعان ہو جا۔ زیادہ وقت نہیں ملے گا۔" انکل ایکس سخت لہجے میں بولا۔ اور جینگ ہو بار بار سر جھکانے لگا۔ پھر وہ باہر نکل گیا۔

"سوری بے بی۔ میرے آدمیوں کی غفلت کی وجہ سے تمہیں اتنی تکلیف اُٹھانی پڑی۔ انہیں سزا دی جائے گی۔ تمہاری آزادی برقرار ہے۔ حسبِ معمول سیر و تفریح کرتی رہو۔ ویسے میں اس بدمعاش جاپانی سے مطمئن نہیں۔ تاہم، خود سمجھ لے گا۔"

"وہ آپ سے اتنا خوفزدہ کیوں ہے انکل؟" میں نے پوچھا۔

"مجھ سے نہیں بے بی۔ تنظیم سے خوفزدہ ہے۔ ابھی تم یہ سب کچھ نہیں

سمجھوگی۔ تنظیم بہت مضبوط ہے اور یہ لوگ اس کے سامنے حقیر ہیں۔" انکل ایکس نے کہا۔

تقریباً ایک ہفتہ گزر گیا۔ میں ایڈی کے ساتھ اسی نئی عمارت میں مقیم تھی جس میں اس رات ہم لوگ آئے تھے۔ یہاں بہت سے ملازم تھے جن میں کئی لڑکیاں بھی تھیں۔ ان سے میری اچھی خاصی دوستی ہوگئی تھی۔ انکل ایکس اس عمارت میں بھی نہیں رہتے تھے۔ ایک شام انکل ایکس واپس آئے تو جینگ ہو بھی اُن کے ساتھ تھا۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔ انکل ایکس نے بغیر کسی تمہید کے کہا "اس کا کہنا ہے جے پی ابھی تک اس کی ملاقات اطہر رضوی سے نہیں ہوئی۔ تمہارا کیا خیال ہے؟"

"ناممکن سی بات معلوم ہوتی ہے انکل" میں نے جینگ ہو کو گھورتے ہوئے کہا۔

"میں سچ کہہ رہا ہوں مس۔ شاید آپ کو یہ بات معلوم ہوگئی کہ تمہارا تعلق امریکا میں اتنے بڑے آدمی سے ہے" جینگ ہو بولا۔

"تمہیں جینگ ہو۔ یہ سچ کہنے کا کرہ نہیں ہے۔ آؤ سچ بولنے کے کمرے میں چلتے آؤ۔ جے پی تماشہ دیکھو جینگ ہو کس طرح سچ بولتا ہے" انکل ایکس نے کہا اور واپس چل دیے۔ جینگ ہو مُردہ چال سے اُن کے پیچھے چل پڑا تھا۔ ہم لوگ اسی بڑے ہال میں داخل ہوگئے۔ ہال سب سے پہلی بار آئے تھے "اس ہال کے در و دیوار صرف سچ سُنتے ہیں۔ جینگ ہو اُوپر دیکھو اور اس کے بعد سچ بولو" جینگ ہو کی نگاہ بے اختیار اُوپر اُٹھ گئی تھی۔ تیز روشنی والا ایک گول چکر اچانک گھومنے لگا۔ ان روشنیوں نے جینگ ہو کے گرد احاطہ کر لیا تھا۔ اب وہ ان روشنیوں کے درمیان تھا اور اس کے چہرے پر خوف و دہشت کے آثار منجمد ہوگئے تھے۔ "جینگ ہو میرے دوست مجھے تمہاری بات پر یقین نہیں ہے۔ کیا اس کے بعد تمہاری ملاقات اس سے نہیں ہوئی؟"

"ہوئی تھی" جینگ ہو نے مردہ سے لہجے میں کہا۔

"کیا گفتگو رہی تمہارے دوران؟"

"میں نے اس سے ایک لاکھ ڈالر وصول کیے اس خطرے پر کہ میں اسے نکل جانے دُوں گا اور اگر اس نے یہ ادائیگی نہ کی تو اُسے پکڑ کر آپ کے حوالے کر دُوں گا"

"پھر کیا ہوا جینگ ہو؟"

"اس نے ادائیگی کر دی۔"

"اور تم نے اُسے نکل جانے دیا۔؟"

"ہاں" جینگ ہو گھٹے ہوئے لہجے میں بولا۔

"اب وہ کہاں ہے جینگ ہو۔؟"

"مجھے نہیں معلوم ہر ہینس۔ اب میں اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔"

"ہوں لیکن جینگ ہو تمہارے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔ پورے امریکا میں تمہارا جال پھیلا ہوا ہے۔ اس کا سُراغ نکالنا تمہارے لیے مشکل نہ ہو گا۔ اس لیے جینگ ہو تم اُسے تلاش کرو گے۔ گرفتار کرو گے اور قتل کرو گے"

"ایسا ہی ہوگا ہر ہینس سقراط۔ ایسا ہی ہوگا!"

"اور اگر ایسا نہ ہوا تو تم خودکشی کرو گے۔ یہ تمہاری بددیانتی کی سزا ہو گی۔ بس جاؤ اور اپنے کام کی تکمیل کرو۔"

روشنی کا دائرہ بجھ گیا اور جینگ ہو شرابیوں کی طرح لڑکھڑاتا ہوا وہاں سے نکل گیا۔ میں خاموش کھڑی تھی۔ انکل ایکس نے مسکرا کر مجھے دیکھا اور بولے۔ "جینگ ہو بہت بڑا غنڈہ ہے جے پی۔ اب وہ ضرور اُسے تلاش کرے گا اور اس کے بعد اطہر رضوی کا وجود باقی نہ رہے گا۔"

"مجھے یقین ہے اور ایک بار پھر اس بات کا اظہار کروں گی کہ میری وجہ سے آپ کو کافی پریشانی اُٹھانی پڑ رہی ہے۔"

"اوہ۔ نہیں جے پی۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ مجھے تو بس یہ افسوس ہے کہ میں پوری دلجمعی سے تمہارا ساتھ نہیں دے پا رہا۔ تنظیم کے سلسلے میں آج کل سخت مصروفیات ہیں۔ ممکن ہے کل مجھے ایک لمبے عرصے کے لیے یہاں سے جانا پڑے لیکن تمہارا کام ضرور ہو جائے گا جے پی۔"

"آپ اپنی مصروفیات جاری رکھیں انکل۔ میں خلوص دل سے آپ کا شکریہ ادا کرتی ہوں۔"

"آپ کی واپسی کب ہوگی انکل ایکس؟" ایڈی نے پُوچھا۔

"بس بیٹے۔ ممکن ہے دو چار دن میں۔ ممکن ہے زیادہ وقت لگ جائے۔ کچھ کہہ نہیں سکتا۔"

"آپ اطمینان سے اپنا کام کریں انکل۔ میں مطمئن ہوں" میں نے کہا اور اس کے بعد ہم اس کمرے سے باہر نکل آئے۔ انکل ایکس چلے گئے۔ اس خوبصورت عمارت میں مجھے کوئی تکلیف نہیں تھی۔ بس ایک تکلیف وہ احساس دل میں جاگزیں تھا کہ امریکا میں میں غیر قانونی طور پر مقیم ہوں۔ حالانکہ اگر میں کوشش کرتی تو میرے لیے آسانیاں فراہم ہو سکتی تھیں لیکن کمبخت اطہر رضوی یہاں موجود تھا۔ ان حالات میں میں کچھ کر اس کے خلاف کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ اس حقیقت کے اعتراف میں مجھے کوئی عار نہیں ہے کہ اطہر رضوی اب میری زندگی کی سب سے بڑی کمزوری بن گیا تھا۔ میں اس کی بے پناہ صلاحیتوں کے سامنے ابھی تک ناکام رہی تھی۔ اس نے میری ہر چال اُلٹ دی اور میرے ذہن میں بے بسی گھر کر گئی تھی۔

رات انہی سوچوں میں گزر گئی۔

دُوسری صبح ناشتے کی میز پر انکل ایکس موجود نہیں تھے۔ میں نے ایک لڑکی سے پُوچھا تو اس نے جواب دیا "ہر ہینس تو رات کو دو بجے نیو یارک چلے گئے۔ میں انہیں ائرپورٹ چھوڑنے گئی تھی۔"

"اوہ۔ اچھا ہمارے بارے میں کوئی ہدایت تو نہیں دے گئے؟" میں نے پُوچھا۔

"بس کہہ گئے ہیں کہ نیو یارک میں آپ کو کوئی تکلیف نہ ہونے پائے" اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

نہ جانے کیوں یہ الفاظ بھی مجھے اپنی ہتک محسوس ہوئے۔ امریکا میں میں فقیروں کی سی زندگی گزار رہی تھی۔ دُوسروں کے رحم و کرم پر پڑی تھی۔ سارا دن ذہن پر برف سی جمی رہی۔ شام کو میں نے اپنا پرس تلاش کیا اور اس میں موجود رقم کا جائزہ لے کر ایڈی کے ساتھ باہر نکل آئی۔ راستے میں میں نے ایڈی سے ہالی وُوڈ کے بارے میں پُوچھا اور ایڈی اُچھل پڑا۔ ہالی وُوڈ میں میری ایک دوست اینجل رروڈس مقیم تھی۔ میں نے اس سے ملنے کا سوچا حالانکہ میری دوستی بے چاری اینجل کو بہت مہنگی پڑی تھی۔

نیو یارک ائرپورٹ سے میں نے ہالی وُوڈ کی فلائٹ کے بارے میں تفصیلات معلوم کیں اور پھر اپنے اور ایڈی کے لیے سیٹیں مخصوص کرالیں۔ دُوسرے دن دو پہر دو بجے کی فلائٹ مل گئی تھی۔ انکل ایکس کی کوٹھی میں، میں نے کسی کو تفصیل نہیں بتائی تھی۔ بس سامان لے کر خاموشی سے ہم دونوں وہاں سے نکل آئے اور ملازم ہماری شکلیں دیکھتے رہ گئے۔ بس ذہنی کیفیت ایسی ہی خراب تھی کہ کوئی اخلاقی پابندی قبول کرنے کو جی نہیں چاہتا تھا۔ ملازم مجھے تعجب سے دیکھتے رہ گئے تھے لیکن کسی نے مجھے روکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ ٹیکسی لے کر میں ائرپورٹ پہنچی اور تھوڑی دیر کے بعد ہمارا طیارہ لاس اینجلز کی طرف پرواز کر رہا تھا۔ ہالی وُوڈ لاس اینجلز سے دُور نہیں ہے۔ لاس اینجلز ائرپورٹ پر میں نے ڈرائیور سے روزویلٹ ہوٹل چلنے کے لیے کہا تو اس نے کوئی اعتراض نہیں کیا اس کا مطلب ہے کہ وہ ہوٹل اپنی جگہ قائم ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد ٹیکسی روزویلٹ کے سامنے رُک گئی۔ ایک پورٹر نے جلدی سے میرا سامان اُٹھا لیا۔ یہ ہوٹل فلمی صنعت کے مرکز سے الگ تھلگ تھا اس لیے اس میں بھیڑ نہیں ہوتی تھی۔ ایڈی یہاں بھی مطمئن تھا۔ قیام کی پہلی رات گزارنے کے بعد دُوسرے دن میں ایڈی کو ساتھ لے کر ہوٹل سے نکل آئی اور اینجل کی تلاش میں چل پڑی۔ جاپانی گارڈن کے پاس ٹیکسی سے اُتر کر میں پیدل چل پڑی جس کی بلڈنگ کے ایک فلیٹ میں اینجل اپنے اہل خاندان کے ساتھ رہتی تھی۔ بلڈنگ مل گئی اور میں نے فلیٹ پہنچ کر کال بیل پر انگلی رکھ دی۔ چند ساعت کے بعد ایک نو عمر لڑکی دروازے پر آئی اور میں نے اس کے خد و خال میں اینجل سے کوئی مناسبت تلاش کرنے کی کوشش کی۔

"جی۔؟" لڑکی نے پوچھا۔

"اینجل موجود ہے۔؟"

"کون اینجل۔؟" لڑکی نے معصومیت سے پُوچھا۔

"اوہ۔ کیا اس فلیٹ میں اینجل نامی کوئی لڑکی نہیں رہتی؟"

"نہیں مس۔ یہاں مسٹر لوبٹ اور اُن کا خاندان رہتا ہے۔"

"کسی کو معلوم ہو کہ اینجل یہاں سے کہاں چلی گئی؟"

"سوری کسی کو نہیں معلوم۔ تاہم آپ اندر آجائیے اور میری ممی سے مل لیجیے۔" لڑکی دروازے کے سامنے سے ہٹ گئی لیکن اس کا کہنا درست تھا۔ کوئی بھی نہیں جانتا تھا کہ اینجل کہاں گئی۔

مایوسیوں کے ڈھیر سمیٹے۔۔ میں وہاں سے چل پڑی۔ حالات واقعی خراب ہوگئے تھے اور اب اس کے سوا چارۂ کار نہیں رہا تھا کہ میں اپنے وطن واپسی کی کوشش کروں۔ وطن اور صرف وطن۔ ہوٹل واپس آکر میں بہت اُداس تھی۔ کسی چیز میں دل نہیں لگ رہا تھا۔ میں بستر پر گر پڑی۔ میں نے تسلیم کیا کہ میں صرف عورت ہوں اور ایک تنہا عورت اپنے خول سے نکل کر اگر کوئی بڑا کام کرنے کی کوشش کرے تو اُسے ناکامی ہی ہوتی ہے۔ اپنی اس ناکامی کے اعتراف کے بعد اور کوئی کوشش حماقت ہی ہو سکتی ہے۔ چنانچہ اب خلا میں ہاتھ پاؤں مارنے کے بجائے ٹھوس عمل کرنا چاہیے۔ وطن واپس جاؤں۔ اخبار کی مالک کی حیثیت سے اخبار چلاؤں اور شادی کر کے صرف ایک عورت کی زندگی گزاروں۔ صرف عورت۔ اس تصور سے میری آنکھوں سے آنسو نکل آئے تھے۔ جو عزائم سینے میں موجزن تھے وہ اب سرد پڑ گئے تھے۔ ہم لکیر کے فقیر ہیں۔ ایک ہی راستے پر چلنا پڑتا ہے اور اس میں تبدیلی کی کوشش ناکامیوں سے ہی دوچار کرتی ہے۔

نہ جانے کب تک ان حالات پر غور کرتی رہی اور پھر میں نے خود کو مضبوط کیا۔ واپس نیو یارک جا کر دوبارہ انکل ایکس کا سہارا لینا حماقت تھی۔ سیدھی سی بات تھی کہ پولیس سے رابطہ قائم کروں اور اس کے ذریعے اپنے سفارت خانے پہنچ جاؤں۔ مجھے یقین تھا کہ اس کے بعد مجھے کوئی دقت نہیں ہوگی لیکن اس پروگرام میں ایڈی کو شامل کرنا ضروری تھا۔ میں نے اسے آواز دی اور وہ میرے پاس آگیا۔ "کیا سوچ رہی ہو ایڈی۔؟"

"کوئی خاص بات نہیں سسٹر۔ آپ پریشان ہیں نا؟" ایڈی نے سنجیدگی سے کہا۔

"میں نے فیصلہ کر لیا ہے ایڈی کہ اپنے وطن واپس چلیں گے۔"

"اوہ۔ یہ تو خوشی کی بات ہے سسٹر پھر اس میں پریشانی کیا ہے؟"

"بات یہ ہے ایڈی کہ اب میں انکل ایکس وغیرہ کے چکر میں نہیں پڑوں گی۔ ہم ویسے ہی انہیں کافی پریشان کر چکے ہیں اور پھر وہ اپنے کاموں میں مصروف ہیں اس لیے بھی انہیں تکلیف دینا مناسب نہیں ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ امریکا میں ہماری قانونی حیثیت کا۔"

"اس کے لیے کیا سوچا ہے سسٹر؟"

بس ذرا اداکاری کرنی پڑے گی۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "ہمیں حالات کا کوئی علم نہیں ہے۔ ہم دونوں نہیں جانتے کہ طیارہ کہاں تباہ ہوا

تھا۔ ہم ہوش دحواس میں ہی نہیں تھے۔ جب ہمیں ہوش آیا ہے تو ہم یہاں موجود تھے۔ اسپین سے یہاں تک کا سفر کس طرح ہوا، یہ بھی ہمیں نہیں معلوم۔ ہم انکل ایکس کو بھی نہیں جانتے۔"

"اوہ۔" ایڈی ہنس پڑا۔ "گویا ابھی تک نیم پاگل تھے۔"

"سو فیصد۔" میں نے بھی ہنستے ہوئے کہا۔

"اور اگر انکل ایکس ہمارے سامنے آ گئے تو؟"

"کون انکل ایکس؟" میں نے تعجب سے پوچھا اور ایڈی خوشی سے اُچھل پڑا۔

"ارے ہاں۔ کون انکل ایکس۔" اُس نے کہا اور زور زور سے ہنسنے لگا۔ دیر تک ہم دونوں ہنستے رہے تھے۔

دُوسرے دن ہم نے ہوٹل چھوڑ دیا۔ درحقیقت لاس اینجلس اور ہالی وُوڈ علیحدہ شہر نہیں ہیں۔ سیاح کو تو یہ تمیز کرنا بھی مشکل ہے کہ ایک شہر کہاں ختم ہوتا ہے اور دُوسرا کہاں سے شروع ہوتا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ لاس اینجلس اصل ہے اور ہالی وُوڈ اُس کی شاخ ہے تو غلط نہ ہوگا۔ اپنے مختصر سے سامان کے ساتھ ہم ایک سڑک پہ پیدل سفر کر رہے تھے۔ ہمارے دونوں سمت خوشنما باغات پھیلے ہوئے تھے۔ موسم معتدل تھا اس لیے خنک ہواؤں کے ساتھ سفر کرتے ہوئے کوئی دقت نہیں ہو رہی تھی نہ جانے کب تک پیدل چلتے رہے اور پھر تھک کر ایک جگہ بیٹھ گئے۔

کافی دُور سے ایک کار آتی نظر آئی اور ہم نے اس پر کوئی توجہ نہیں دی۔ کار جب میرے سامنے سے گزری تو میں نے اس پر جلی حرفوں میں پولیس لکھا دیکھا۔ وہ ہمارے سامنے سے گزر گئی تھی لیکن کافی دُور جا کر وہ رُک گئی اور پھر ریورس ہو کر ہماری طرف آنے لگی "کام بن گیا ایڈی۔" میں نے آہستہ سے کہا۔

"وہ واپس آ رہی ہے۔"

"ہاں ڈرامہ شروع۔" میں نے آہستہ سے کہا۔ کار ہمارے پاس آ رُکی اور پھر ڈرائیونگ سیٹ سے ایک لمبا تڑنگا پولیس آفیسر نیچے اُتر آیا۔ نوجوان ایک خوبصورت آدمی تھا۔

"آپ لوگ لاس اینجلس جا رہے ہیں؟" اُس نے پُوچھا۔

"لاس اینجلس!" میں نے خواب ناک لہجے میں کہا۔

"کیوں۔ آپ لاس اینجلس نہیں جا رہیں؟"

"کیوں مذاق کرتے ہو آفیسر۔ وہ تو امریکا میں ہے۔" میں نے کہا اور پولیس افسر کے چہرے پر حیرت کے آثار پھیل گئے۔

"پھر آپ کہاں جانا چاہتی ہیں؟"

"لالوکھیت۔"

"اس نام کی کوئی جگہ امریکا میں نہیں ہو سکتی۔ ہرگز نہیں ہو سکتی لالی کیٹ۔ لالو کیٹ۔ نہیں خاتون آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔" اُس نے گہری نگاہوں سے پہلے مجھے اور پھر ایڈی کو دیکھا پھر بولا "آپ ایشیائی ہیں۔؟"

"ہاں۔" میں نے جواب دیا۔

"امریکا کب آئیں۔؟" اب اُس کی رگ افسری پھڑک اُٹھی۔

"کیوں مجھے پریشان کر رہے ہو۔ جاؤ اپنا کام کرو۔ میں کہیں نہیں جاؤں گی۔ لالوکھیت کی بس کے انتظار میں بیٹھی ہوں کبھی نہ کبھی تو آئے گی۔" میں نے اُداسی سے کہا۔

"آپ کے کاغذات خاتون؟" اُس نے سرد لہجے میں کہا۔

"میرے پاس نہیں ہیں۔ تم جانتے کیوں نہیں۔" میں نے جواب دیا اور پولیس افسر کسی سوچ میں ڈوب گیا۔ وہ میرے بارے میں اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا پھر اس نے ایڈی کو دیکھا اور بولا "تم یورپین ہو لڑکے؟"

"نہیں جناب تک چیانگ کائی شیک ہوں۔" ایڈی نے انتہائی سنجیدگی سے کہا۔

"اوہ۔" افسر نے متفکرانہ انداز میں گردن ہلائی۔ پھر اُس نے نرم آواز میں کہا "ٹھیک ہے دوست میں تمھاری مدد کرنے کا خواہش مند ہوں آؤ تمھیں تمھاری پسند کی جگہ پہنچا دوں۔"

"چلو۔" میں جلدی سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔ پولیس آفیسر نے ہمیں پچھلی سیٹ پر بٹھایا اور خود ڈرائیونگ سیٹ پر آ گیا۔ پھر اُس نے نہ جانے کیا کیا کہ ہمارے اور اُس کے درمیان موٹے شیشے کی ایک دیوار حائل ہو گئی۔ اس کے ساتھ ہی کار کے دونوں طرف کے دروازے لاک ہو گئے تھے۔ میں نے گہری سانس لی۔ ظاہر ہے پولیس افسر بے وقوف نہ ہوگا۔ اسے اپنی حفاظت کا بندوبست بھی کرنا تھا لیکن اس کے بعد ہم نے کوئی حرکت نہیں کی بالکل ہی پاگل نہیں بننا تھا ورنہ مقصد کے حصول میں دشواری ہوتی جس عمارت میں اُس نے کار روکی وہ سرکاری نہیں تھی بلکہ رہائشی عمارت تھی لان پر دو خوبصورت بچے کھیل رہے تھے جو کار کو دیکھ کر اس کی طرف دوڑ پڑے۔ پولیس افسر نے نیچے اُتر کر اُنہیں پیار کیا تھا۔ اس کے بعد اُس نے ہماری طرف توجہ دی اور بٹن دبا کر دروازہ کھول لیا۔

"براہِ کرم آپ حضرات نیچے اُتر آئیں۔" اُس نے کہا اور ہم دونوں خاموشی سے نیچے اُتر آئے۔ پولیس افسر ہمارا جائزہ لے رہا تھا اور شاید یہ اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا کہ ہم خطرناک پاگل تو نہیں ہیں۔ ہم دونوں سکون سے نیچے اُتر آئے تو پولیس افسر نے ہمیں اندر چلنے کا اشارہ کیا۔

ہم عمارت کے صدر دروازے سے اندر داخل ہو رہے تھے کہ ڈھیلے ڈھالے گھریلو لباس میں ملبوس ایک خوبصورت عورت باہر آ گئی ہمیں نظر انداز کر کے اُس نے پولیس افسر کی گردن میں باہیں ڈال دیں۔ پولیس افسر نے اُسے ہماری جانب مخاطب کیا۔ "ہمارے مہمان اینجل۔"

لیکن میں اپنے بدن میں زبردست سنسنی محسوس کر رہی تھی۔ اینجل میرے سامنے تھی جس کی تلاش میں میں نے ہالی وُوڈ میں کافی بھاگ دوڑ کی تھی اور اُس کے نہ ملنے سے بددل ہو گئی تھی۔ یہ وہی اینجل تھی میری دوست۔ میری گہری دوست۔

"ہیلو۔" اینجل نے پُر اخلاق مسکراہٹ سے مجھے دیکھا اور پھر بے اختیار چونک پڑی۔ اُس کی مسکراہٹ کافور ہو گئی تھی۔ "ایلیا۔ یہ تم ہو۔ میرے خدا۔ کیا یہ تم ہی ہو۔ ایلیا۔" وہ آگے بڑھی اور اُس نے میرے دونوں ہاتھ پکڑ لیے۔ اینجل مل گئی تھی اور اُس کے بعد پاگل پن کا یہ ڈرامہ بیکار تھا۔ یہاں سے مجھے اپنے دُوسرے پروگرام کا آغاز کرنا تھا۔ میں اس سے لپٹ گئی۔

"اینجل۔ میری دوست۔ میری جان۔" اینجل بھی مجھ سے گرمجوشی سے لپٹی ہوئی تھی اور پولیس افسر احمقانہ انداز میں سر کھجا رہا تھا پھر اُس نے ایڈی کی طرف دیکھا اور اُسے آنکھ مار کر مسکراتے ہوئے بولا۔ "آپ کا کیا خیال ہے مسٹر چیانگ کائی شیک؟"

"سوری سر۔ آپ میرا نام بھول گئے شاید۔ مجھے ایڈی پارکر کہتے ہیں۔" ایڈی بدستور سنجیدگی سے بولا۔

"اب تو آپ کو شرلاک ہومز بھی کہا جا سکتا ہے یُوں لگتا ہے جیسے اس عمارت کی فضا پاگلوں کے حق میں بہتر ہے۔ یہاں آتے ہی دماغ درست ہو جاتے ہیں۔ اینجل ڈارلنگ! آج زندگی میں پہلی بار تم نے مجھے نظر انداز کیا ہے یُوں لگتا ہے جیسے مجھ سے پہلے اس لڑکی سے تمھارا رُومان چلتا رہا ہے۔"

"اوہو۔ ڈیئر کین۔ تم نہیں سمجھتے۔ یہ میری اتنی گہری دوست ہے۔ کیلی فورنیا یونیورسٹی میں ہماری دوستی مثالی حیثیت رکھتی تھی۔ آؤ آؤ اندر آؤ ڈیئر۔ میں تم دونوں کا تفصیلی تعارف کراؤں گی۔" اینجل نے ایک ہاتھ سے مجھے تھاما اور دوسرا ہاتھ پولیس افسر کی کمر میں ڈال کر اندر کی سمت مُڑ گئی۔ ایڈی کسی روبوٹ کے انداز میں چلتا ہوا ہمارے پیچھے پیچھے آ رہا تھا۔

وہ بے پناہ خوش تھی اس نے اپنے شوہر سے میرا تعارف کراتے ہوئے کہا۔ "تم تصور نہیں کر سکتے کین کہ ایلیا میری کتنی گہری دوست ہے۔ اس سے بچھڑ کر میں سالوں اداس رہی تھی۔ بڑی مشکل سے میں اُسے بھلانے میں کامیاب ہو سکی۔" اینجل کی آواز بھرا گئی۔

"سوری اینجل لیکن میں تمھیں ایک نئے صدمے سے دوچار کرنے والا ہوں۔ تمھاری دوست کی حیثیت سے ان خاتون کا احترام مجھ پر واجب ہے لیکن میرا تجربہ کہتا ہے کہ یہ قانونی طور پر امریکا میں داخل نہیں ہوئیں اور شاید ان کے کاغذات بھی ان کے پاس موجود نہیں ہیں۔ پہلے اُنھوں نے پاگل پن کی ایکٹنگ کی لیکن تمھیں دیکھ کر یہ ایک دم ٹھیک ہو گئیں۔ انھیں حکام کو مطمئن کرنا ہوگا۔ اگر انھوں نے قانونی تقاضے پورے کر دیے تو میں انھیں اپنا مہمان بنانے میں فخر محسوس کروں گا۔"

"تم ایلیا کے بارے میں کسی غلط فہمی کا شکار ہو گئے ہو۔ یہ ایک کروڑپتی شخص کی بیٹی ہے۔"

"مجھے ان کے معزز ہونے میں کوئی شبہ نہیں ڈارلنگ!" کین نے اُسے سمجھانے کی کوشش کی۔

اینجل نے شوہر کے اس رویے کو اچھی نگاہ سے نہیں دیکھا تھا پھر اس نے معذرت آمیز لہجے میں مجھ سے کہا "سوری ایلیا۔ پولیس افسر کی بیوی بننے سے قبل میں پولیس والوں کی فطرت سے واقف نہیں تھی تم انھیں مطمئن کر دو۔ یہ تو ممکن ہی نہیں کہ تم غیر قانونی طور پر امریکا میں داخل ہوئی ہو۔"

"بدقسمتی سے اس وقت میں تمھارے شوہر کے شکوک رفع نہیں کر سکتی اینجل۔ میرے پاس امریکا میں داخلے کے کاغذات نہیں ہیں لیکن یہ بھی درست ہے کہ میں غیر قانونی طور پر یہاں نہیں آئی ہوں اور اس کے پس منظر میں ایک کہانی ہے۔" میں نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"اوہ مس ایلیا۔ پلیز آپ میری باتوں کو محسوس نہ کریں۔ مجھے یقین ہے کہ ایک اچھے انسان کی حیثیت سے آپ میری فرض شناسی کو پسند کریں گی۔ اگر آپ میری بیوی کی دوست نہ ہوتیں تب بھی میں آپ کی بھرپور مدد کرتا جب کہ ان حالات میں میری ذمہ داری دُونی ہو گئی ہے۔"

"اینجل مجھے خوشی ہے کہ تمھارا شوہر ایک ذہین پولیس افسر ہے۔" میں نے کہا اور پھر اس کے شوہر کی طرف متوجہ ہو کر اپنی رام کہانی سُنا دی۔ ہائی جیکنگ سے لے کر اب تک کے تمام واقعات اسے سنا دیے۔ وہ بغور سنتا رہا۔ میرے خاموش ہوتے ہی بولا۔

"طیارے کی روانگی کی تاریخ تو آپ کو یاد ہوگی؟"

"ہاں میں نے تاریخ اُسے بتا دی۔

"آپ جس کانفرنس میں شرکت کے لیے جا رہی تھیں۔ اس کے مندوبین میں آپ کا نام تو شامل ہوگا!"

"جی ہاں۔ تصدیق کر لیں۔ میرا نام عالیہ صغیر بھایانی ہے جس کی تصدیق آپ کی بیگم اور میرے ملک کا سفارت خانہ بھی کر سکتا ہے۔"

"خدا کی پناہ۔ آپ تو بے حد اہم شخصیت ہیں۔ کاش میں اس وقت آپ کو لے کر ہیڈ کوارٹر روانہ ہو سکتا۔"

"اگر تم ایسا کرتے تو میں زندگی بھر تم سے بات نہ کرتی۔" انجیل نے جل کر کہا

"ایک پولیس افسر کی بیوی کو اس قدر جذباتی نہیں ہونا چاہیے تاہم شکر ہے اس کی نوبت نہیں آئے گی۔ تم سارا وقت اپنی دوست کے ساتھ ماضی کی بھول بھلیوں میں گم ہو سکتی ہو۔ کل صبح انھیں میرے ساتھ ہیڈ کوارٹر جانا ہوگا۔ ویسے مجھے یقین ہے کہ اعلا حکام ان سے بھرپور تعاون کریں گے۔ اگر کوئی خاص قانونی مشکل پیش نہ آئی تو میں انھیں ساتھ رکھنے کی اجازت حاصل کر لوں گا اور ساتھ ہی واپس لے آؤں گا ویسے مسٹر اینڈی آپ کے والدین۔۔" کین نے آخری جملے اینڈی کو مخاطب کر کے کہے تھے۔

"میری ممی میرے ساتھ تھیں۔ جو جہاز کے حادثے میں ہلاک ہو گئیں۔" اینڈی اسپاٹ لہجے میں بولا

"اوہو۔ بہت ہی افسوس ہوا اور تمھارے ڈیڈی؟"

"ڈیڈی اس سے پہلے ہی چل بسے تھے۔ جب ہم لندن میں تھے۔" اینڈی نے جواب دیا۔

"لندن میں دوسرے رشتہ دار تو ہوں گے؟" کین نے پوچھا۔

"جی نہیں۔ سوائے میری سسٹر کے کوئی نہیں ہے۔ اور وہ سامنے کھڑی ہیں۔"

کین سیٹی بجانے والے انداز میں ہونٹ سکوڑ کر خاموش ہو گیا۔

"بہرحال مجھے آپ لوگوں سے ہمدردی ہے۔ مس ایلیا آپ سے بھی۔ آپ کو واقعی خاصی مشکلات سے دوچار ہونا پڑا ہے لیکن میرا خیال ہے، مشکلات کا دور ختم ہو گیا۔ آپ کو یہاں کوئی تکلیف نہ ہوگی۔"

میں اُس کا شکریہ ادا کر کے خاموش ہو گئی۔ ماحول کسی قدر سنجیدہ ہو گیا تھا۔ اس کے بعد یہ لوگ میری خاطر و مدارت میں لگ گئے۔ کین مجسم اخلاق بنا ہوا تھا۔ اینڈی کے ساتھ بھی وہ نہایت محبت سے پیش آ رہا تھا۔ تھوڑی دیر کے لیے اس نے اینڈی کے ساتھ ایک گیم بھی کھیلا۔ اینڈی کے دل سے بھی کدورت نکل گئی تھی۔ وہ ایسا ہی بچہ تھا۔ دل کا بھی صاف اور زبان کا بھی صاف۔ رات کو انجیل نے خلافِ معمول کین کو اپنے بیڈ روم سے باہر نکال دیا۔ وہ ابھی تک اُس سے ناراض تھی۔ بیڈ روم سے کین کو باہر دھکا دیتے ہوئے اس نے کہا۔

"تم جاؤ اور دوسرے بیڈ روم میں جا کر سو جاؤ۔ میں اپنی برسوں سے بچھڑی ہوئی دوست سے باتیں کروں گی۔ تم دو چار دن کے لیے اسے میرے پاس چھوڑ دو۔ اس کے بعد اپنی احمقانہ کارروائی کرو۔"

"بے شک۔ بے شک تم مجھے اچھی طرح جانتی ہو ڈارلنگ فرض اوّل اور زندگی کے دوسرے فرائض بعد میں۔ ایک رات کی کوئی بات نہیں۔ لیکن ایک وعدہ تمھیں کرنا ہوگا۔ جب میں... ایلیا کے ساتھ یہاں واپس آ جاؤں گا تو کم از کم۔" اس نے شرارت آمیز انداز میں مسکراتے ہوئے کہا اور انجیل نے اُسے گھونسا دکھایا۔ کین جلدی سے باہر نکل گیا تھا۔ دروازے کے باہر اینڈی موجود تھا۔ ہم دونوں نے اُس کی آواز سُنی۔ "آیئے مسٹر اینڈی اگر آپ نے بھی اندر داخل ہونے کی کوشش کی تو آپ کو بھی نکال دیا جائے گا۔ میری عزت تو خراب ہو چکی ہے۔ چلیے آیئے آپ کی بچا لوں۔ میرے ساتھ آیئے" اور پھر دونوں کی آوازیں معدوم ہو گئیں۔ رات کے نجانے کون سے پہر تک ہم دونوں دُنیا جہان کی باتیں کرتے رہے۔ پھر اُس نے خود ہی مجھے سونے کی اجازت دے دی تھی اور میں کروٹ بدل کر لیٹ گئی۔ پھر رات کے کسی پہر مجھے بھی نیند آ گئی اور میں گہری نیند سو گئی لیکن صبح جلدی ہی آنکھ کھل گئی تھی۔ انجیل مجھ سے پہلے جاگ گئی تھی اور بستر پر بیٹھی انگڑائیاں لے رہی تھی۔ مجھے جاگتے دیکھ کر وہ مسکرائی۔ اور مجھ سے لپٹ گئی "تمھاری آمد سے میں کس قدر خوش ہوں۔ میں تمھیں نہیں بتا سکتی۔ معاملہ درست ہو جانے کے بعد میں تمھیں دو تین ماہ تک یہاں سے نہ جانے دوں گی۔" اس نے کہا اور میں مسکرانے لگی۔ میں تو ابھی وثوق سے یہ بھی نہیں کہہ سکتی تھی کہ معاملات کس طرح سلجھتے ہیں۔ سلجھتے بھی ہیں یا اور اُلجھ جاتے ہیں گے۔ مگر اس وقت میں نے اُس کی دل شکنی نہیں کی اور مُسکرا کر خاموش ہو گئی۔ باتھ روم وغیرہ سے فارغ ہو کر ہم دونوں ناشتے کی میز پر آ گئے۔ یہاں اینڈی اور کین موجود تھے دونوں خاصے بے تکلفی سے باتیں کر رہے تھے۔ ہمیں آتا دیکھ کر وہ اخلاقاً کرسی سے کھڑے ہوئے اور پھر بیٹھ گئے۔ انجیل بھی کُرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی تھی۔ ناشتہ شروع ہوا۔ ناشتے کے بعد کین نے ہم سے اجازت طلب کی اور وہ اپنی وردی تبدیل کرنے چلا گیا۔ وردی پہننے کے بعد جب وہ واپس آیا تو اس کے چہرے پر کچھ دیر پہلے کی پائی جانے والی نرمی غائب ہو چکی تھی۔ اب اُس کا چہرہ سپاٹ سپاٹ سا تھا۔

"تو ڈارلنگ اب ہمیں اجازت دو۔" اس نے انجیل سے پوچھا۔

میں اور اینڈی باہر نکل آئے۔ انجیل ہمارے ساتھ باہر تک آئی تھی۔ اس نے میری پیشانی کو بوسہ دیا اور اینڈی کے سر پر ہاتھ پھیرنے کے بعد وہ واپس لوٹ گئی اور ہم لوگ پولیس کی کار کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئے۔ کین نے کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی تھی اپنی خوبصورت رہائش گاہ سے نکل کر اس نے گاڑی ایک چکنی اور خوبصورت سڑک پر ڈال دی۔ میں اور اینڈی کار کی سیٹ سے ٹیک لگائے آرام سے بیٹھے ہوئے تھے۔ گاڑی کے شیشے ہم نے کھول لیے تھے۔ لاس اینجلس

کے خوبصورت مناظر سے لطف اندوز ہو رہے تھے اور ان میں کھوئے ہوئے تھے۔ لیکن ایکا ایک ایک دلدوز چیخ نے مجھے اور اینڈی کو چونکا دیا۔ یقینی طور پر یہ ایک انسانی چیخ تھی۔ دوسری بار بھی ہم نے وہ چیخ سنی اور اس کے ساتھ ہی کار کے بریک بھی چیخ اُٹھے۔ کین نے اپنے ہولسٹر سے پستول نکالا اور انتہائی پھرتی سے دروازہ کھول کر نیچے کود گیا۔ اس نے پستول ہوا میں بلند کر کے ایک فائر کیا اور اس کے بعد دوسرا۔ دوسرے فائر کے بعد چیخ پھر سنائی دی اور اس بار ہم نے ایک لڑکی کو ایک ٹیلے کے عقب سے نمودار ہوتے دیکھا تھا۔ اینڈی بھی برق رفتاری سے گاڑی کا دروازہ کھول کر نیچے کود گیا۔ میں بھی اپنی سیٹ پر بیٹھی نہ رہ سکی تھی۔ کین بھاگتا ہوا اُس لڑکی کے قریب پہنچ گیا۔ لڑکی بے پناہ خوفزدہ معلوم ہوتی تھی۔ اُس کے چہرے سے دہشت کے آثار عیاں تھے۔ سادہ لباس میں ملبوس کسی غریب گھرانے کی لڑکی معلوم ہوتی تھی۔ وہ بے اختیار دوڑ رہی تھی اور پھر وہ کین کے بازوؤں میں جھول گئی۔ اُس نے خوفزدہ نگاہوں سے کین کو دیکھا اور پھر مُڑ کر پیچھے دیکھنے لگی لیکن پیچھے کوئی نہیں تھا میں اور اینڈی بھی کین کے قریب پہنچ گئے۔ کین نے ہماری جانب دیکھا اور پھر لڑکی کو ہمارے حوالے کرتے ہوئے بولا۔

"پلیز! اسے سنبھالیں میں ابھی آیا۔" یہ کہہ کر وہ تیزی سے اُس ٹیلے کی طرف دوڑنے لگا جس کے عقب سے لڑکی نمودار ہوئی تھی۔ میں نے لڑکی کا بازو پکڑ لیا اُس نے سہمی ہوئی نگاہوں سے مجھے دیکھا اور پھر مجھ سے لپٹ گئی۔

"بچاؤ۔ خدا کے لیے مجھے بچا لو۔ جلدی کرو۔ مجھے گاڑی میں بٹھا لو اور یہاں سے نکل چلو۔ ورنہ۔ ورنہ وہ لوگ مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔" وہ مجھے جھنجوڑتی ہوئی بولی۔ میں نے اُسے تسلی دینے کے لیے اس کی پشت تھپتھپائی۔

"میرے ساتھ آؤ" میں نے کہا اور پھر میں اُسے لیے ہوئے کار کے نزدیک آ گئی۔ اینڈی نے دروازہ کھول دیا تھا۔ لڑکی کو میں نے پچھلی سیٹ پر بٹھا دیا اور خود اُس کے برابر بیٹھ گئی۔ اینڈی البتہ باہر ہی کھڑا حالات کا جائزہ لے رہا تھا۔

"وہ۔ وہ۔ وہ لوگ میری جان کے دشمن ہیں۔ وہ مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔" وہ دہشت زدہ انداز میں بدستور ٹیلے کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔ چند لمحات کے بعد ٹیلے کے عقب سے کین برآمد ہوا۔ پستول اب بھی اُس کے ہاتھ میں تھا۔ اور وہ ہماری جانب دیکھ رہا تھا پھر تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا وہ کار کے نزدیک آ گیا اور لڑکی کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

"کون تھا؟ ٹیلے کے عقب میں تو کوئی نہیں ہے۔"

"وہ چھپ گئے ہوں گے۔ خدا کے لیے یہاں سے نکل چلو۔ پلیز۔۔۔ آفیسر پلیز۔" اُس نے گھگھیاتے ہوئے انداز میں کہا اور کین گہری سانس لے کر اس کی شکل دیکھنے لگا۔ پھر شانے اُچکاتا ہوا اسٹیرنگ پر آ بیٹھا۔ اینڈی اب اُس کے برابر فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ کین نے کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھائی پھر تقریباً دو فرلانگ آگے اُس نے کار کی رفتار سست کی اور سڑک کے کنارے روک دیا۔

"مس آپ کو کیا پریشانی ہے؟"

"یہاں سے نکل تو چلو آفیسر۔۔ وہ لوگ تعداد میں کافی تھے اگر وہ سب آ گئے تو ہمیں یہاں بھی گھیر لیں گے۔ تم کیا سمجھتے ہو کیا وہ کار میں ہمارا تعاقب نہیں کر سکتے۔" لڑکی نے لجاجت سے کہا۔

"میں ان سے نمٹ لوں گا خاتون۔ آپ فکر نہ کریں لیکن اگر کچھ لوگ آپ کو پریشان کر رہے تھے یا آپ کی زندگی کے درپے ہیں تو ان میں سے کسی کو نظر آنا چاہیے تھا۔ کیا ایک آدمی کو دیکھ کر وہ سب بھاگ گئے؟" کین نے پُچھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"اوہ۔ تم شاید مجھ پر شک کر رہے ہو۔ میں قسم کھا سکتی ہوں۔ میں بمشکل تمام اُن کے چنگل سے نکل سکی ہوں۔ اگر مجھ سے ذرا سی بھی لغزش ہو جاتی تو میں ان کا نشانہ بن جاتی۔ مجھے بچا لو آفیسر۔۔ مجھے بچا لو" یہ لڑکی بولی اور کین نے کار آگے بڑھا دی۔ اس دوران اُس نے انجن بند نہیں کیا تھا لیکن نہ جانے اُسے کیا جھلاہٹ سوار ہو گئی تھی کہ اُس نے تھوڑی دور جا کر پھر کار روک دی۔ "آگے بڑھنے سے پہلے میں تمھارے بارے میں تسلی کر لینا چاہتا ہوں۔" وہ بولا۔ اور لڑکی جھنجلائے ہوئے انداز میں اُسے دیکھنے لگی۔

"تم ایک نہایت شکی مزاج پولیس افسر ہو۔ ظاہر ہے میں اس وقت تمھارے ساتھ ہوں تمھیں وہ سب کچھ بتا دوں گی جو مجھ پر گزری ہے لیکن کسی محفوظ جگہ پر چل کر۔"

"میں اب بھی محفوظ نہیں ہوں۔ یہ بات میں نے تمھیں بتا دی ہے۔ تم بھی سُن لو خاتون۔ اگر میں ماری گئی تو میری موت کی ذمے داری اس پولیس افسر پر ہو گی جو اپنی تسلی کے لیے میری زندگی خطرے میں ڈال رہا ہے۔" لڑکی نے جھنجلاتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"میں یہ ذمے داری قبول کرنے کو تیار ہوں لیکن تمھارے بارے میں جانے بغیر یہاں سے آگے نہیں بڑھوں گا۔" کین بھی ضد پر آ گیا۔

"میں جو کچھ تمھیں بتاؤں گی تم یقین نہیں کرو گے۔ مجھے کچھ لوگوں نے اغوا کر لیا تھا۔ میں ایک چھوٹے سے قصبے کی رہنے والی ہوں۔ اغوا کرنے والے مجھے ایک میرج میں لے گئے تھے۔ ایک دن میں وہاں

رہی پھر مجھے عبادت گاہ سے ملحق دوسری عمارت میں لے جایا گیا اور وہاں۔ وہاں مجھے ایک بڑے ہال میں چھوڑ دیا گیا۔ ہال تاریک تھا لیکن تھوڑی دیر کے بعد وہاں تیز تر روشنیاں ہو گئیں۔ ان روشنیوں میں میں نے ایک عجوبہ دیکھا۔ ایک عجیب و غریب شخصیت۔ لیکن کیا تم میری بات پر یقین کر لو گے پولیس افسر۔ لیکن میں حقیقت بیان کر رہی ہوں۔ وہ عجوبہ دوہری شخصیت کا مالک تھا۔ نیچے سے ایک اور اُوپر سے دو شاخوں میں بٹا ہوا۔" لڑکی کے اس انکشاف سے میرے پورے بدن میں سنسنی دوڑ گئی۔ میری پھٹی پھٹی نگاہیں اُس کے چہرے پر جم گئیں اور دُوسرے لمحے مجھے احساس ہوا کہ اب تک میں نے لڑکی کا چہرہ غور سے نہیں دیکھا تھا۔ ہاں یہ چہرہ۔ یہ چہرہ۔ وہ سچ بول رہی تھی۔ ٹھوڑی کا ننھا سا گڑھا۔ بائیں گال پر تل اور مخصوص قسم کے خدوخال۔ بے شک لڑکی میں وہ ساری نشانیاں موجود تھیں جو اطہر رضوی کے بیٹے کو پسند تھیں۔ اطہر رضوی ایک بار پھر سامنے آ گیا تھا۔ میرے ذہن میں دھماکے ہونے لگے۔ لڑکی اس دوران کین سے نجانے کیا کہتی رہی تھی۔ کین شرارت سے اُسے دیکھ رہا تھا۔ اُس کے چہرے پر طنز کے سے آثار تھے۔ پھر اُس نے ہاتھ اٹھا کر لڑکی کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

"ایک منٹ۔ ایک منٹ میں۔" اور لڑکی خاموش ہو کر اُسے دیکھنے لگی۔

"مُنہ کھولو۔" کین بولا اور لڑکی نے بے اختیار مُنہ کھول دیا۔ کین اپنا چہرہ اُس کے مُنہ کے قریب لا کر اُسے سونگھنے لگا اور پھر اُس نے شانے اُچکا دیے۔ "کوئی بدبو تو نہیں آ رہی لیکن مجھے یقین ہے کہ تم نے کوئی نشہ ضرور استعمال کیا ہے۔"

"بکواس مت کرو۔ میں کہتی ہوں اپنا چہرہ پیچھے ہٹاؤ۔ دیکھو لڑکی یہ شخص مسلسل میری بے عزتی کیے جا رہا ہے۔ یہ کیسا پولیس افسر ہے کہ میری مدد کرنے کی بجائے میرا مذاق اُڑا رہا ہے۔" لڑکی روہانسی ہو گئی تھی۔

"ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے۔ میں جانتا ہوں کہ بعض لڑکیاں نشے کی حالت میں بھی بڑی صحیح الدماغی کی باتیں کرتی ہیں۔ لیکن ایک بات سے مار کھا گئیں تم۔ یعنی ایک انسانی وجود جو اوپر سے دو حصوں میں تقسیم ہے۔ کیا خیال ہے آپ کا مس ایلیا۔"

کین نے پوچھا۔ اُس کے انداز میں اب بھی تمسخر نمایاں تھا۔ میرے ہونٹ بھینچ گئے۔

"یہ ٹھیک کہہ رہی ہے کین۔" میرے حلق سے غراہٹ اُبھری۔ اور کین نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا۔

"پیچیدہ کیس۔ شُدہ شُدہ۔ بھائی ایڈی کیا آپ بھی اس نشے کا شکار ہو گئے۔" اُس نے ایڈی کی طرف دیکھا لیکن ایڈی خاموش بیٹھا رہا۔

"آپ کیسے کہہ رہی ہیں مس ایلیا کہ یہ لڑکی جو کچھ کہہ رہی ہے درست کہہ رہی ہے۔"

"میں اس بات کو ثابت کر دوں گی کین کہ یہ جو کچھ کہہ رہی ہے درست ہے۔ یقیناً یہ درندگی کا شکار ہوئی ہے۔ میں۔ میں اُن درندوں کو جانتی ہوں جو دوہرا وجود رکھتے ہیں۔"

"بہت خوب۔ بہت خوب۔ کیا ان کا تعلق قبل از مسیح سے ہے۔" کین نے پوچھا۔

"کین پلیز۔ سنجیدہ ہو جاؤ۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ ایک طویل داستان ہے۔"

"تب تو میں نے گاڑی روک کر بڑی غلطی کی۔ یہ داستان تو میں ہیڈ کوارٹر چل کر ہی سُن سکتا ہوں۔" کین نے کہا اور میں نے اُس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔ "میں تمھیں یقین دلاتی ہوں کین کہ یہ واقعات بالکل درست ہیں۔ مجھے ابھی ہیڈ کوارٹر نہ لے چلو۔ میں ایک ایسا کیس تمھارے حوالے کر دوں گی کہ تم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ میں تمھیں تمام ثبوت فراہم کر دوں گی۔"

"کیا وہ درندہ ہوس ناک نگاہوں سے نہیں دیکھ رہا تھا۔" میں نے آخر میں لڑکی کو مخاطب کیا تھا۔

"ہاں۔ وہ۔ وہ یقیناً میرے لیے دل میں بُرے ارادے رکھتا تھا۔ اور۔ اور اُس نے۔ اُس نے۔" لیکن لڑکی کی آواز حلق میں گھُٹ کر رہ گئی۔

"کیا اُن میں سے ایک نے دوسرے کی مخالفت نہیں کی تھی۔ کیا اُس نے دُوسرے سے یہ نہیں کہا تھا کہ لڑکی کے ساتھ یہ وحشیانہ کارروائی نہ کی جائے۔"

"خدا کی قسم یہی بات تھی۔" لڑکی نے بے اختیار میرا شانہ دبوچ لیا۔

"کیا اس کے بعد اُن میں سے ایک نے دوسرے کو ایک انجکشن کے ذریعے بے ہوش نہیں کر دیا تھا۔"

"ہاں۔ ایسا ہی ہوا تھا۔ ایسا ہی ہوا تھا۔ لیکن تم۔ تم۔" اب وہ حیرانی سے میری صورت دیکھ رہی تھی۔

"مسٹر ایڈی۔" کین کی آواز اُبھری۔ ....

"یہ تمام عورتیں ایک دوسرے پر اتنی جلدی اعتبار کیوں کر لیتی ہیں۔ بھئی یہ بات اپنی سمجھ میں نہیں آتی بہتر یہ ہوگا کہ ہم ان دونوں خواتین کو کسی پاگل خانے کے

پولیس افسر کے حوالے کر دیں۔"

"کین معاملہ نہایت سنگین ہے لہٰذا یہ راز کسی کے کانوں تک نہیں پہنچنا چاہیے۔ بہتر ہے کہ تم ہیڈ کوارٹر کی بجائے ہمیں کسی محفوظ جگہ لے چلو۔"

کین میری بات ماننے کے لیے تیار نہ تھا۔ وہ کار کو آگے بڑھانا ہی چاہتا تھا کہ میں نے ایک اہم فیصلہ کر لیا اور میرا کھڑا ہاتھ اس کی گردن کے پچھلے حصے پر پڑا اور وہ اسٹیرنگ ہی پر اوندھا ہو گیا۔ ایڈی پھرتی سے دروازہ کھول کر نیچے اُتر گیا تھا۔ اور پچھلی سیٹ پر بیٹھی لڑکی خوفزدہ نگاہوں سے ہمیں دیکھ رہی تھی۔ اُس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے۔ میں دروازہ کھول کر نیچے اُتر آئی اور میں نے ایڈی سے کہا۔

"میری مدد کرو ایڈی۔ کین کو کار کی پچھلی سیٹ میں لانا ہے لڑکی تم بھی براہِ کرم نیچے اُتر جاؤ۔" میں نے اُسے ہدایت کی اور لڑکی جلدی سے دروازہ کھول کر نیچے اُتر گئی۔ بمشکل تمام ہم تینوں نے کین کو کار کی پچھلی سیٹ پر ڈالا۔ پھر لڑکی اور ایڈی میرے ساتھ اگلی نشست پر بیٹھ گئے اور میں نے جلدی سے اسٹیرنگ سنبھال لیا۔ کار اسٹارٹ تو تھی ہی میں نے اُسے گیئر میں ڈال کر واپس موڑ لیا اور کار کسی قدر سست رفتاری سے چلنے لگی۔ لڑکی اب پہلے کی نسبت پُرسکون نظر آ رہی تھی ہاں کبھی کبھی وہ گردن موڑ کر پچھلی سیٹ پر پڑے ہوئے کین کو دیکھ لیتی۔ پھر اُس نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔

"میں آپ کی بے حد شکر گزار ہوں خاتون۔ آپ یقین کریں میں نشے میں نہیں ہوں اور میں نے جو کچھ کہا ہے وہ بالکل درست ہے۔ میرا خیال ہے آپ خود بھی ان معاملات سے واقف ہیں کیونکہ آپ نے مجھ سے جو سوالات کیے تھے وہ وہی تھے جو میرے ساتھ بیت چکی ہے۔ لیکن۔ لیکن اس پولیس افسر کو یقین نہیں آ رہا ہے اور اب جو کچھ ہو چکا ہے یہ بھی ایک جُرم ہے۔ اب ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ کہیں ہم کسی اور پریشانی کا شکار نہ ہو جائیں۔" میں نے اُسے تسلی دینے کے انداز میں گردن ہلائی اور بولی۔

"تمھیں میری مدد کرنا ہو گی لڑکی۔ کیا نام ہے تمھارا!"

"سونیا جونس۔" لڑکی نے جواب دیا۔ "میں آپ کی کیا مدد کر سکتی ہوں خاتون۔"

"تمھارا قصبہ یہاں سے کتنی دور ہے!"

"میں لاس اینجلس کے نواح میں گونی گومز نامی قصبے میں رہتی ہوں۔ ہم اگر گرین ٹاور کے پاس اُتر جائیں تو وہاں سے بآسانی گونی گومز کے لیے سواری مل سکتی ہے۔"

"گونی گومز میں تمھارا اپنا مکان ہے۔۔!" میں نے پُوچھا۔

"ہاں اگر تم میرے ساتھ چلو تو میں تمھارے لیے رہائش کا معقول بندوبست کر سکتی ہوں۔ تمھیں اس میں کوئی دقت تو نہ ہو گی لیکن میں۔ میں میرا مطلب ہے اوہ کوئی بات نہیں تم نے جس طرح میری بے لوث مدد کی ہے میں تمھارے لیے ہر خطرہ مول لینے کو تیار رہوں۔ تم چلتی رہو۔ گرین ٹاور کے پاس گاڑی روک لینا۔ یہ ایک سنسان جگہ ہے۔ میرا خیال ہے ہم اس پولیس افسر کو اس گاڑی میں چھوڑ دیں گے۔" لڑکی بولی اور گردن جھٹک کر کہنے لگی۔ "میں بھی کتنی بدحواس ہو گئی ہوں۔ تم سے یہ تک نہیں پوچھا کہ تمھارا اس پولیس افسر سے کیا تعلق ہے اور تم لوگ کہاں جا رہے تھے!"

"یہ وقت ان تفصیلات کا نہیں ہے ڈیئر سونیا۔ بس پہلے ہمیں کسی معقول جگہ قیام کرنا چاہیے۔ اس کے بعد مزید گفتگو ہو گی۔" میں نے کہا تو سونیا نے اثبات میں گردن ہلا دی۔ میں نے ایک جگہ گاڑی روک کر کین کی جیبوں کی تلاشی لی۔ توقع کے مطابق اس کی جیبوں میں اچھی خاصی رقم موجود تھی۔ مجھے رقم کی اشد ضرورت تھی۔ اس کے بعد میں ایک بار پھر اسٹیرنگ پر بیٹھ گئی۔ اور لڑکی کی رہنمائی میں گرین ٹاور پہنچ گئی۔ گرین ٹاور خاصی خوبصورت جگہ تھی۔ یہاں زیادہ ہنگامے نہیں تھے۔ میں نے ایک درخت کے نیچے گاڑی روک دی۔ سونیا اور ایڈی کے ساتھ نیچے اتر آئی۔ سونیا اب بھی خوفزدہ تھی لیکن خود۔۔۔ کو پُرسکون ظاہر کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ جس عمارت کو گرین ٹاور کا نام دیا گیا تھا وہاں سے بائیں سمت چل کر ہم ایک پکی سڑک پر پہنچ گئے اور یہ پکی سڑک ہمیں ایک چوک تک لے گئی۔ جس کے قرب و جوار میں گاڑیاں چلتی ہوئی نظر آ رہی تھیں۔ ایک جگہ کھڑے ہو کر ہم بس کا انتظار کرنے لگے۔ اور تھوڑی دیر بعد بس آ گئی۔ بس میں بیٹھ کر سونیا نے اندر بیٹھے ہوئے مسافروں کا جائزہ لیا اور پھر سیٹ کی پشت سے ٹک کر گہری گہری سانسیں لینے لگی۔ اُس نے میرے کان میں سرگوشی کرتے ہوئے کہا۔

"معاف کیجیے میں آپ کا نام بھی معلوم نہ کر سکی۔"

"عالیہ۔" میں نے جواب دیا۔ "مس ایلیا آپ کو میری وجہ سے کافی تکالیف اٹھانی پڑی ہیں۔ میں ابھی تک اپنے حواس میں نہیں ہوں۔ آپ اسے محسوس نہ کریں۔"

"کوئی بات نہیں ڈیئر سونیا مجھے تمھاری ذہنی کیفیت کا اندازہ ہے۔" میں نے جواب دیا۔ وہ خاموش ہو گئی۔ اور بس کا سفر جاری رہا۔ ایڈی بے چارا میرے نزدیک بالکل خاموش بیٹھا ہوا تھا۔ نہ جانے اس کے ذہن میں کیا خیالات ہوں گے۔ نہ جانے بس

کا سفر کتنی دیر تک جاری رہا پھر سونیا چونک کر سیدھی ہو گئی: "بس ہمیں اگلے اسٹاپ پہ اترنا ہے۔" تھوڑی دیر کے بعد بس رکی تو ہم نیچے اتر آئے۔ یہ بھی ایک خوبصورت علاقہ تھا۔ چاروں طرف سبزہ ہی سبزہ نظر آ رہا تھا۔ سبزے کے درمیان ایک پگڈنڈی اُس قصبے کی طرف چلی گئی تھی جو یہیں سے ہمیں نظر آ رہا تھا۔ "وہ گوئی گومز ہے۔" سونیا نے ہمارے ساتھ چلتے ہوئے کہا۔

"تمھیں کب اغوا کیا گیا تھا سونیا؟" میں نے پوچھا۔

"دو دن قبل میں ایک دن اُن کی قید میں رہی اور دوسرے دن اُنھوں نے یہ سب ڈراما کر ڈالا۔" سونیا نے جواب دیا۔

"کہاں سے اغوا کیا گیا تھا۔؟"

"انکل ہارپر کے فارم سے۔ انکل ہارپر کی بیٹی نینسی میری دوست ہے۔ میں اس سے مل کر واپس آ رہی تھی۔"

"پیدل۔؟"

"ہاں کھیتوں کے درمیان سے۔ مجھے اغوا کرنے والے تین افراد تھے۔ لیکن ان کے چہرے میرے لیے اجنبی تھے۔"

"امریکی ہی تھے؟"

"سو فیصدی۔"

"کیا اُنھوں نے تمھیں بے ہوش کر دیا تھا؟"

"نہیں۔ اُنھوں نے کوشش تو کی تھی لیکن میں نے سانس روک لی وہ سمجھے کہ میں بے ہوش ہو گئی۔ وہ مجھے ایک بند گھوڑا گاڑی میں ڈال کر لے گئے تھے۔"

"کیا تم بتا سکتی ہو سونیا کہ اُنھوں نے کتنا سفر کیا ہو گا۔؟"

"میں نے سنہ آرک پیلوسی تک تو راستے کا اندازہ رکھا تھا کیونکہ میں نینسی کے ساتھ اکثر گھوڑے پر وہاں جاتی رہی ہوں۔ اُس کے بعد کا راستہ میرے لیے اجنبی تھا۔" سونیا نے جواب دیا۔

"بعد کا راستہ تمھارے خیال کے مطابق کتنا ہو گا؟" میں نے پوچھا اور سونیا سوچ میں ڈوب گئی۔ پھر اُس نے سوچ میں ڈوبی ہوئی آواز میں کہا۔

"۔۔۔ فاصلہ دو تین میل سے کسی طرح کم نہ ہو گا۔ کیونکہ گھوڑے جس رفتار سے چل رہے تھے اُس سے یہی اندازہ لگایا جا سکتا تھا۔"

"ہوں۔ دو تین میل۔" میں نے پُرخیال انداز میں کہا اور میرا ذہن برق رفتاری سے کام کرنے لگا۔ پھر میں نے چونک کر پوچھا۔

"سونیا۔ کیا نینسی تمھاری بہت گہری دوست ہے؟"

"بے شک۔ یہ سوال تم نے کیوں کیا۔؟"

"اگر ہم نینسی کو اپنے کسی راز میں شریک کریں تو کیا وہ ہمارا ساتھ دے گی۔ میرا مطلب ہے کیا وہ تمھارا راز۔ راز رکھ لے گی"

"یقیناً وہ بہت گریٹ لڑکی ہے۔"

"کیا یہ ممکن ہے سونیا کہ تم اپنے گھر چلنے کے بجائے تنہا [illegible] پاس چلو۔ اُسے تمام صورت حال بتاؤ۔ اور مجھے اپنی دوست [illegible] سے متعارف کرا کے میری رہائش کا وہاں بندوبست کر دو۔"

"لیکن تمھیں اس کی کیا ضرورت ہے۔ یقین کرو کہ میرے [illegible] میں تمھیں کوئی تکلیف نہیں ہو گی۔" سونیا نے جواب دیا۔

"تکلیف کی بات نہیں ہے سونیا۔ اگر تم اس ناہنجار [illegible] انتقام لینا چاہتی ہو تو پھر ہمارے لیے یہ ضروری ہے کہ ہم دوسروں [illegible] سے دور رہیں بلکہ میں تو یہ چاہتی ہوں کہ تمھارے بارے میں بھی [illegible] والوں کو یہ معلوم نہ ہو کہ تم واپس آ گئی ہو۔"

"یہ بھی ہو سکتا ہے۔ ۔ ۔ ۔ لیکن میرے ڈیڈی او[illegible] میرے لیے سخت پریشان ہوں گے تم یقین کرو وہ مجھے بے [illegible] چاہتے ہیں۔ میں نہیں جانتی میری گم شدگی سے ان کا کیا حال ہ[illegible] میں بھی ان سے ملنے کے لیے بے چین ہوں۔" سونیا نے جواب [illegible]

"سونیا ڈیئر۔ تم سوچ لو۔ ہم نینسی کے ہاں پہنچ کر یہ [illegible] ہیں کہ خفیہ طور پر اُنھیں تمھاری خیریت کی اطلاع پہنچا دیں اور [illegible] کہیں کہ وہ مطمئن رہیں۔ سونیا بہت جلد واپس آ جائے گی [illegible] میں رہتے ہوئے ہم ان کے خلاف انتقام کے منصوبے بنائیں گے [illegible] پر عمل کریں گے۔ لیکن عالیہ ہم دونوں ان کا کیا بگاڑ لیں گے۔" اس [illegible] دیکھ کر میں خاموش ہو گئی اور دل ہی دل میں اس جرأت وجود کے منصوبے ترتیب دینے لگی۔ ایڈی اور میں بدستور اس کے ہم قد[م] باتوں میں دو تین فرلانگ کے فاصلے کا پتہ بھی نہ چلا۔ میں نے [illegible] پوچھا تھا کہ اگر وہ دوبارہ اس جریج کو دیکھے تو کیا پہچان سکے [illegible] اُس نے کہا تھا کہ ہاں اُس کے ذہن میں کچھ نشانیاں محفوظ ہیں ہم انکل ہارپر کے فارم پہنچ گئے۔ انکل ہارپر اس وقت فارم پر [illegible] نہیں تھے البتہ نینسی باہر کیاریوں میں پانی دے رہی تھی۔ قریب [illegible] خوبصورت بچے کھیل رہے تھے۔ نینسی نے دُور ہی سے ہمیں دیکھ[ا] اُس کی سُریلی چیخ گونجی اور وہ بے اختیار ہماری طرف دوڑتی ہو[ئی] اور سونیا سے لپٹ گئی۔

"سونی۔ سونیا ڈیئر کہاں مر گئی تھی تو؟ جانتی ہے تیری م[می] ڈیڈی کا کیا حال ہے؟ وہ اتنے پریشان ہیں کہ میں بتا نہیں سکتی [illegible] کہاں چلی گئی تھی اور یہ۔ یہ کون ہیں؟ یہ بچہ کتنا پیارا ہے کیا نا[م] تمھارا مسٹر؟ مگر ٹھہرو۔ پہلے میں اس سونیا کی بچی سے سمجھ لو[ں] ہو کر اس نے ہم سب کو کتنا پریشان کیا ہے۔" نینسی شاید [illegible]

[illegible] کرنے کی عادی تھی۔ اتنی سی دیر میں اُس نے کوئی ایک سوال [illegible] کیا تھا بلکہ درجنوں سوال کر ڈالے تھے اور سونیا مُسکرا دی۔

"میری ممی اور ڈیڈی کا کیا حال ہے؟ براہِ کرم نینسی مجھے اُن [illegible] رے میں بتاؤ۔"

"وہ بہت پریشان ہیں اسی غم میں اُنھوں نے کھانا بھی نہیں [illegible] میرے ڈیڈی بھی کئی بار اُن کے پاس گئے بلکہ ایک رات تو وہ [illegible] ہے تھے اور مجھے گھر پر اکیلا بچوں کے ساتھ رہنا پڑا۔ مگر تو نے [illegible] یہ نہیں بتایا کہ تو چلی کہاں گئی تھی؟"

"تم نے اتنے سوالات کر ڈالے ہیں نینسی کہ سمجھ میں نہیں آتا [illegible] سوال کا جواب پہلے دوں۔ تمھارے سارے سوالوں کا ایک [illegible] یہ ہے کہ میں ایک مصیبت میں گھر گئی تھی۔"

"[مص]یبت۔۔۔؟" نینسی چیخ پڑی۔ "اُفوہ۔ یہ بھی نہیں بتایا تم نے کہ یہ [illegible] ن کون ہیں؟" "میڈم مجھے نینسی کہتے ہیں۔ میں سونیا کی دوست ہوں۔ [illegible] کا کیا نام ہے۔ اور یہ صاحبزادے کون ہیں؟" اُس نے عادت کے [مط]ابق تیز لہجے میں سوال کیا۔

"میرا نام عالیہ ہے اور یہ ایڈی ہے۔"

"اوہ۔ بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر ہاؤ ڈو یو ڈو مسٹر ایڈی۔" [illegible] نے مصافحے کے لیے ایڈی کی طرف ہاتھ بڑھایا اور ایڈی نے۔۔۔ [illegible] خم کر کے بڑی متانت سے اُس سے ہاتھ ملایا تھا۔

"اب اندر ہی چلو۔ یہاں کھڑے کھڑے مہمانوں سے فضول [illegible] کرنا اچھی بات نہیں ہے۔"

"اندر چلو۔ ضرور چلو۔" وہ آگے بڑھتی ہوئی بولی۔ وہ ہمیں اندر [illegible] اور اطمینان سے ایک کمرے میں بٹھا دیا۔

"ہاں اب بتاؤ۔ اپنی مصیبت کے بارے میں۔ اس کے بعد [تمھ]اری خاطر و مدارات کروں گی۔" "مجھے اغوا کر لیا گیا تھا۔"

"اغوا!" نینسی پھر چیخ پڑی۔ "کس نے اغوا کر لیا تھا۔ کیا اس [illegible] نے؟"

"نہیں بھئی اُنھوں نے تو میری جان بچائی ہے۔"

"اور اس بچے نے بھی۔؟"

"ہاں۔ ان دونوں نے مل کر۔ اگر تم اپنی بکواس بند نہیں کرو گی [ت]میں کچھ نہیں بتاؤں گی۔ اگر سُننا ہی ہے تو خاموشی سے میری [بات سُ]ن لو اور اس کے بعد میری مدد کرو۔ مجھے تمھاری مدد کی اشد [ضرور]ت ہے۔"

"میں تیار ہوں۔ بالکل تیار ہوں۔ بولو کیا چاہتی ہو؟" نینسی [سنجیدہ] ہو گئی۔

"میں چاہتی ہوں کہ تم بیٹھ جاؤ اور خاموشی سے میری باتیں سنو۔"

"ٹھیک ہے چلو تم ہی سناؤ۔" وہ دوبارہ بیٹھ گئی۔

"میں اُس دن تمھارے پاس سے واپس جا رہی تھی تو راستے میں مجھے اغوا کر لیا گیا۔ اغوا کرنے والے مجھے ایک پُراسرار مقام پر لے گئے تھے۔ وہاں مجھے رکھا گیا اور پھر میں ان خونخوار لوگوں کے درمیان سے نکل بھاگنے میں کامیاب ہو گئی۔ وہ میرا تعاقب کر رہے تھے گولیاں چلا رہے تھے لیکن میں چھپتی چھپاتی کسی نہ کسی طرح سڑک تک آ گئی۔ اور سڑک پر ان خاتون نے میری مدد کی۔ اگر یہ نہ ہوتیں تو شاید ان کی گولیوں کا نشانہ بن جاتی۔" سونیا نے کہا اور نینسی پھر اچھل کر کھڑی ہو گئی۔ اُس نے نزدیک آ کر میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

"اوہ ایلیا۔ ڈیئر ایلیا۔ تم نے میری دوست کی جان بچا کر مجھ پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ میرے اوپر ہی نہیں بلکہ قصبے کے تمام لوگوں پر۔ سب ہی سونیا کے لیے پریشان ہیں اور وہ انکل پیٹ تو اپنا بڑا سا کلہاڑا لہراتے پھر رہے ہیں۔ اُن کا خیال ہے کہ کسی نے سونیا کو قتل کر دیا ہے۔ مگر اُنھیں کیا معلوم کہ سونیا کے ساتھ کیا واقعہ پیش آیا ہے۔ خیر کوئی بات نہیں میں ابھی اُنھیں بتا دوں گی۔"

"میں تمھارے سپرد کچھ کام کرنا چاہتی ہوں تم میرے گھر جاؤ اُنھیں میری خیریت کے بارے میں بتاؤ اور یہ بھی باور کرانے کی کوشش کرنا کہ مجھے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ اُنھیں سمجھا دینا کہ میں اپنی دوست کے پاس لاس اینجلس جا رہی ہوں۔ گھر پہ میرے لیے خطرات موجود ہیں۔ ممکن ہے اغوا کرنے والے راز افشا ہو جانے کے خوف سے مجھے قتل کرنے کی کوشش کریں۔ تم اُنھیں اچھی طرح سمجھا دینا۔"

"ہوں۔" نینسی گردن جھکا کر کچھ سوچنے لگی۔ پھر بولی "اگر وہ لوگ تمھاری تلاش میں ہیں تو وہ یہاں بھی آ سکتے ہیں۔ بہتر ہو گا کہ تم اس مکان کے بجائے اس گیسٹ ہاؤس میں قیام کرو۔ گیسٹ ہاؤس تک پہنچنا ان کے لیے ایک بڑا مرحلہ ہو گا۔ اور پھر اس طرح گاؤں والوں کی نظروں سے بھی پوشیدہ رہو گی۔"

"ہاں تمھاری رائے نہایت مناسب ہے۔ ہمیں اس پر فوری عمل کرنا چاہیے۔"

"یہ چابی لو۔ تالا کھولو اور اندر چلی جاؤ۔ صاف ستھری جگہ ہے۔ وہاں کوئی گندگی نہیں ہے اور آرام کا تمام سامان بھی موجود ہے۔ کھانے پینے کی چیزیں لے کر میں آتی ہوں۔ باقی باتیں بیٹھ کر وہیں کریں گے۔" نینسی نے کہا اور سونیا اُٹھ گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم اس خوبصورت گیسٹ ہاؤس میں تھے جو بنا ہوا تو گھاس پھوس کا تھا لیکن اتنے پُرفضا مقام پر تھا کہ واقعی اس میں رہنے کی خواہش دل میں چٹکیاں لینے لگی۔ تھوڑی دیر

کے بعد نینسی لیڈی سپنڈی وہاں پہنچ گئی۔ وہ کافی بنا کر ایک تھرماس میں لائی تھی اور ساتھ ہی بہت کچھ تھا۔ ہم سب نے مل کر کافی پی اور آرام کرسیوں پہ دراز ہو گئے۔

سونیا نے ہمارے تھکے تھکے چہرے دیکھ کر نینسی سے کہا "نینسی باقی باتیں ہم رات میں کریں گے۔ اس وقت ہم بہت تھکے ہوئے ہیں۔ اگر تم ہمیں سونے کی اجازت دے دو تو ہم تمھارے شکر گزار ہوں گے۔"

"اوہ اچھا اچھا۔ تم لوگ سو جاؤ۔ کسی مناسب وقت آ کر میں تمھیں خود جگالوں گی۔ اور ہاں دیکھو کھانے پینے کی سب چیزیں موجود ہیں۔ کسی قسم کا تکلف نہ کرنا اچھا ایڈی آپ بھی۔ آپ تو مجھے بہت پیارے لگے ہیں۔" نینسی نے ایڈی کے گال تھپتھپاتے ہوئے کہا۔ اور مسکراتی ہوئی باہر نکل گئی۔ میں نے دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیا تھا۔

"کیا بات ہے ایلیا ڈارلنگ" سونیا نے بڑی محبت سے پوچھا۔

"کچھ نہیں۔ تمھاری یہ دوست جتنی گفتگو کرتی ہے دماغ اتنی ہی تیز رفتاری سے چلتا ہے۔ ظاہر ہے اس کی بات کا مطلب سمجھنے کے لیے دماغ کی حرکت تو ضروری ہے لیکن یہ حرکت اتنی تیز ہو جاتی ہے کہ سر میں درد ہونے لگتا ہے" میں نے مسکرا کر کہا اور سونیا ہنسنے لگی۔

"ہاں نینسی کی یہی عادت ہے۔ بہت باتونی ہے۔ ہر موضوع پر بلا تکان باتیں کرتی چلی جاتی ہے۔ لیکن دل کی بہت اچھی لڑکی ہے اتنی اچھی کہ میں تمھیں بتا نہیں سکتی۔ بالکل تمھاری مانند"

"میری مانند" میں نے مسکرا کر سونیا کو دیکھا۔

"ہاں۔ تمھاری طرح۔ حالانکہ مجھے تم سے ملے ہوئے زیادہ وقت نہیں گزرا لیکن تمھاری اچھائیاں میرے علم میں آ چکی ہیں۔ ظاہر ہے اس دور میں کون کسی کے لیے اتنی پریشانیاں مول لیتا ہے۔ لیکن تم نے۔ تم نے میرے لیے اپنے نجانے کون کون سے پروگرام ترک کر دیے جس کے لیے میں تمھاری شکر گزار ہوں" سونیا نے کہا اور میں اس کا شانہ تھپتھپانے لگی۔ پھر میں نے اُس سے آرام کی خواہش ظاہر کی اور سونیا نے بھی گردن ہلا دی۔ میں خاموشی سے کچھ سوچنا چاہتی تھی۔ بہت دیر تک میں لیٹی رہی۔ غیر نیند آنے کا تو کیا سوال تھا۔ شام جھک آئی تھی اور جھٹپٹا پھیل گیا جس کا اندازہ کھڑکی سے بخوبی ہو رہا تھا۔ کافی دیر کے بعد نینسی نے باہر سے تالا کھولا۔ ظاہر ہے اُس کے علاوہ تالا اور کون کھول سکتا تھا پھر وہ اندر آ گئی۔ ایڈی، سونیا اور میں اٹھ کر بیٹھ گئے تھے۔ نینسی نے ایک طرف رکھا ہوا لیمپ جلایا اور مسکراتے ہوئے ہمارے سامنے آ گئی۔ سونیا اُٹھ کر اس کے پاس جا بیٹھی میں جانتی تھی

کہ تم سب کتنے بے چین ہو گے۔ لیکن یقین کرو جو کچھ کر کے آئی ہوں سن کر یقیناً تمھیں خوشی ہوگی۔"

"آہ۔ کیا واقعی تم کوئی اہم خبر لائی ہو" سونیا نے پوچھا۔

"ہاں۔ تفصیلی رپورٹ سنو۔ میں تمھارے گھر گئی۔ تمھاری ممی کو علیحدہ ایک کمرے میں بلایا اور تمھارا خط ان کے حوالے کر دیا۔ تمھاری ممی یہ خط پڑھ کر شدید حیران رہ گئی تھیں۔ انھوں نے مجھے حیرت سے دیکھا اور پھر بڑی بے چینی سے بولیں۔

"کہیں تم جھوٹ تو نہیں بول رہی ہو۔ تسلی تو نہیں دے رہی ہو مجھے۔" میں نے انھیں یقین دلایا۔ "ممی میں آپ سے مذاق یا گستاخی نہیں کر سکتی۔ نہ ہی میری یہ جرأت ہو سکتی ہے کہ میں آپ کو غلط خط دوں۔ ظاہر ہے آپ لوگ سونیا کی تلاش میں پریشان ہیں۔ اس لیے ان حالات میں اگر میں ایسا کوئی خط اپنی طرف سے لکھ دیتی تو مقصد یہ ہوگا کہ میں سونیا کی زندگی خطرے میں ڈالوں گی۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ سونیا کا یہ خط میرے پاس ہی آیا ہے اُس نے مجھ سے کہا ہے کہ میں آپ کو اطلاع دے دوں۔"

"مگر وہ کہاں ہے۔ کیوں اس طرح وہ بغیر بتائے ہوئے..." تمھاری ممی نے پوچھا تو میں نے انھیں تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"سونیا بے چاری ایسے ہی حالات کا شکار ہے لیکن خیر کوئی بات نہیں ہے۔" تمھاری ممی نے کہا کہ میں اس کے ڈیڈی کو بھی بلا لوں تاکہ میں اُن سے بات کرتی ہوں۔ پھر ڈیڈی بھی آ گئے اور میں نے دونوں کو بڑے صبر و سکون سے سمجھایا۔ میں نے اُن سے کہا میں بہت جلد اُسے آپ کے سامنے پیش کر دوں گی۔ لیکن شرط یہی ہے کہ ابھی کسی کو معلوم نہ ہو کہ وہ مل گئی ہے اور آپ ابھی اُس کی تلاش جاری رکھیں تاکہ لوگ یہی سمجھتے رہیں کہ سونیا کا ابھی تک کوئی سراغ نہیں مل سکا۔ بہر صورت میں نے انھیں مطمئن کر دیا ہے۔ تمھارے ڈیڈی نے تو تمھاری خیریت کے بعد اطمینان کا اظہار کر دیا تھا۔ ممی کچھ بے چین نظر آ رہی تھیں اور دیر تک اُن کی یہی کیفیت رہی۔ پھر انھیں بھی میری بات پر یقین آ گیا تب میں واپس آئی۔ جانتی ہو پھر میں کہاں گئی؟ رچرڈ کے پاس۔ رچرڈ کو یہاں آنے کی دعوت دی ہے۔ دراصل میں نے انتہائی ذہانت سے کام لیتے ہوئے پورا پروگرام ترتیب دے ڈالا ہے۔" نینسی نے مدبرانہ انداز میں کہا۔ سونیا سوالیہ انداز میں اُسے دیکھ رہی تھی۔ "رچرڈ کو اپنے راز میں شریک کر لیا ہے۔ اس کے ذریعے مسٹر ہارٹ کو اطلاع دلوایا ہے کہ لاس اینجلس میں ان کو فوری طور پر ایک کاروباری کام سے بلوایا ہے کیونکہ وہ رچرڈ پر مکمل بھروسہ کرتے ہیں للہٰذا شک کا کوئی سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ چنانچہ وہ ابھی ابھی لاس اینجلس روانہ ہو گئے ہیں۔

...رات اور ایک دن تو ضرور گزاریں گے۔ اب ہمیں چھپنے کی ضرورت نہیں بلکہ اب ہم پورے فارم میں دندناتے پھریں گے اور جو دل چاہے ...گے۔ رچرڈ مکان کے دوسرے حصے میں ہے اب میں تمھیں اس سے ملاؤں گی" نینسی نے اپنی بات ختم کر دی۔

"یہ رچرڈ کون ہے نینسی؟" میں نے پوچھا اور نینسی میری طرف دیکھنے لگی۔ پھر اُس کے چہرے پر ایک حجاب سا آ گیا۔

"وہ میرا منگیتر ہے" نینسی کی آنکھوں میں ایک چمک آ گئی تھی۔

تھوڑی دیر کے بعد رچرڈ سے ہماری ملاقات ہوئی۔ وہ کوئی ...یس سال کا تندرست و توانا نوجوان تھا۔ اور چہرے سے خاصا ...ظر آتا تھا۔

"بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر مسٹر رچرڈ" میں نے کہا۔

"بہت بہت شکریہ۔ مادام عالیہ۔ لیکن یہ نینسی کیا کہہ رہی ہے ...ا ہے کہ آپ لوگوں کو کچھ پُراسرار واقعات کا سامنا کرنا پڑا ...س کا حکم ہے کہ میں ان حالات میں آپ کی مدد کروں۔"

"ہمیں نہایت مسرت ہوگی مسٹر رچرڈ۔ لیکن ہم آپ کی مصروفیات ...نہیں بھول گئے۔"

"اول تو میری کوئی مصروفیات نہیں ہیں اور اگر مصروف بھی ...یا نینسی مجھے کچھ کام کرنے دیتی۔ اگر اس کا مسئلہ ہو تو پھر میری اتنی ...ہے کہ میں اپنی مصروفیات جاری رکھ سکوں۔" رچرڈ نے مسکرا... بھی مسکرانے لگی۔

...اں تو وہ واقعات کیا تھے۔ ممکن ہے اس سلسلے میں میں آپ کی کچھ مدد کر سکوں۔"

"مسٹر رچرڈ سونیا کو تو آپ جانتے ہی ہیں کہ وہ نینسی کی کتنی گہری ...ہے اور یہ بات بھی آپ کے علم میں ہوگی کہ سونیا پچھلے دو دن ... تھی۔"

...ہاں۔ نہ صرف یہ بلکہ میں خود بھی اس کی تلاش میں سرگرداں رہا ...نینسی ہی کا حکم تھا" رچرڈ نے مسکرا کر کہا۔ "براہِ کرم مجھے ...مطلع کیجیے۔" رچرڈ نے میری طرف سوالیہ نظروں سے ...ے کہا۔

...یں نے اسے شروع سے آخر تک سونیا کی داستان سنا... ...میں سوالات کرتا رہا اور سونیا وضاحتیں کرتی رہی۔ آخر وہ ...چونکا اور اس نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا۔

"...ن چرچ کے بارے میں آپ نے جو کچھ بتایا ہے یہ بات ...نہیں آئی۔"

"ایک بات بتاؤ رچرڈ۔ کیا آرک ہیلوی کے قرب و جوار میں کوئی چرچ ہے۔"

"ہرگز نہیں۔ میرا خیال ہے کہ اس کے تین تین چار چار میل کے علاقے میں کوئی چرچ نہیں ہے۔ ہاں فیڈرل رانیڈز قصبے کے نواح میں ایک چرچ ہے لیکن وہ آرک ہیلوی سے کافی دور ہے۔ اگر تم اُس چرچ کی بات کر رہی ہو تو میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ لیکن چرچ میں کسی کو اغوا کر کے لے جانا بڑے تعجب کی بات ہے۔" رچرڈ نے پُر خیال انداز میں کہا۔

"ہمیں اس میں ذہن نہیں کھپانا چاہیے رچرڈ" نینسی بولی۔ "بہتر یہ ہوگا کہ صبح ہم گھوڑوں پر آرک ہیلوی چلیں گے وہاں سے فیڈرل رائیڈرز کے علاقے میں چلیں گے۔ اگر وہی چرچ ہوا تو سونیا بآسانی اُسے پہچان لے گی۔"

★★

رچرڈ نینسی کے حکم سے انحراف نہیں کر سکتا تھا۔ وہ تھوڑی دیر کے لیے اجازت لے کر گیا تھا اس کے بعد مع اپنے گھوڑے اور دوسرے کچھ لوازمات کے ساتھ وہ واپس آ گیا تھا۔ علی الصبح گھوڑے تیار کیے گئے اور ہم سب تیاری میں مصروف ہو گئے۔ روانگی کے وقت سونیا کے چہرے پر خوف کے آثار نمایاں تھے۔ نینسی کے چہرے پر بچکانہ جوش تھا جیسے وہ کوئی بڑی مہم سر کرنے نکل ہو۔ اس نے لباس بھی اسی قسم کا پہنا تھا۔ یعنی چست پتلون اور جیکٹ اس کی کمر سے بندھی ہوئی بیلٹ سے دو ہولسٹر لٹک رہے تھے جن میں ایک خالی تھا اور دوسرے میں پستول موجود تھا۔ رچرڈ کے پاس اعشاریہ تین کی رائفل تھی اور اس نے ایک پستول مجھے بھی دے دیا تھا۔

ہر چند کہ اس اہتمام کی چنداں ضرورت نہیں تھی لیکن پھر بھی میں نے ہتھیاروں کی موجودگی پر اعتراض نہیں کیا ممکن ہے کہ ان کی ضرورت پیش آ ہی جاتی۔ فی الحال میرا ارادہ تھا کہ اس چرچ کو تلاش کر لیا جائے۔ ایڈی کو ہم نے دوسرے بچوں کے ساتھ فارم پر ہی چھوڑ دیا تھا۔

گھوڑے مناسب رفتار سے کھیتوں کے درمیان سفر کر رہے تھے۔ رچرڈ سب سے آگے تھا۔ حالانکہ میں نے ایک طویل عرصے بعد گھوڑے کی سواری کی تھی لیکن مجھے کوئی دقت محسوس نہیں ہوئی۔ پھر کھیتوں کا سلسلہ ختم ہو گیا اور ہم بھوری زمین پہ چلنے لگے جہاں خشک چٹانیں بکھری ہوئی تھیں لیکن یہ بنجر ٹکڑا زیادہ طویل نہیں تھا۔ ایک بڑے ٹیلے کے عقب سے پھر سرسبز علاقہ شروع ہو گیا تھا دور ہمیں ایک باغ کے آثار دکھائی دیے۔ باغ عبور کر کے ہمیں نظر آ گئی یہی آرک ہیلوی تھی۔ یہاں گھوڑے روک لیے گئے اور سونیا اپنی ذہنی قوتیں آزمانے لگی۔ اُس نے آنکھیں بند کر کے گھوڑے کو سست رفتاری سے ایک طرف بڑھایا اور پھر پلٹ آئی۔

"یقیناً نہر کا پل عبور کر کے وہ اسی طرف مڑے تھے۔" اُس نے فیصلہ کُن لہجے میں کہا۔ رچرڈ نے گھوڑے کا رُخ اُس کی طرف موڑتے ہوئے کہا۔

"تب پھر میرے خیال میں ہمیں تقریباً چھ میل کا سفر کرنا ہوگا۔ اگر وہ اسی سمت گئے تھے تو پھر ایری ٹاک کے چرچ گئے ہوں گے جو یہاں سے تقریباً چھ میل دُور ہے۔"

"دیکھ لینے میں کوئی حرج نہیں ہے چھ میل کون سے دُور ہیں۔" نینسی بولی اور ہم نے گھوڑوں کی رفتار تیز کر دی۔ ہم ایری ٹاک نامی گاؤں کے پاس پہنچ گئے اور پھر دُور سے ہی چرچ نظر آ گیا اور سونیا چیخ پڑی۔

"خدا کی قسم۔ یہی جگہ ہے ہم بالکل ٹھیک جگہ پہنچے ہیں۔ وہ دیکھو برگد کے درخت کی شاخیں چرچ کے اس حصے پر پھیلی ہوئی ہیں۔ میں پہلے بھی اسے دیکھ چکی ہوں اس کی دُوسری سمت وہ عمارت ہے۔"

"ہاں وہ ایک بوسیدہ سرکاری عمارت ہے جو اَب طویل عرصہ سے ویران پڑی ہوئی ہے۔" رچرڈ نے تصدیق کر دی۔ پھر بولا۔ "چرچ میں فادر مکلارنس ہوتے ہیں۔ میں اُنھیں بخوبی جانتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے آؤ ہم فادر مکلارنس سے اس بارے میں گفتگو کریں گے۔ ان سے پوچھیں گے کہ وہ قرب کے جوار کے ماحول سے اس قدر بے خبر کیوں رہتے ہیں۔" نینسی نے بڑی شان سے کہا۔ لیکن میں نے اُسے روک دیا۔

"اس طرح کام نہیں بنے گا نینسی۔ اگر سونیا نے یہ جگہ شناخت کرلی ہے تو پھر ہمیں اس کے لیے کچھ اور پلاننگ بھی کرنی پڑے گی۔ بس یہی کافی ہے کہ ہم نے آج تو وہ جگہ شناخت کرلی ہے اور ہماری محنت رائیگاں نہیں گئی۔" میں نے کہا۔

وہ لوگ بضد تھے کہ آج ہی چرچ اور اس سے ملحق عمارت کو دیکھ لیا جائے لیکن میں نے اس رائے سے اختلاف کرتے ہوئے کہا۔

"آپ لوگ سمجھنے کی کوشش کریں۔ سونیا کا بیان ہے کہ یہاں کئی غنڈے موجود ہیں۔ اگر ان کی تعداد زیادہ ہوئی تو ہمیں مشکلات بھی پیش آسکتی ہیں۔ میں تم لوگوں کے لیے کوئی خطرہ نہیں مول لے سکتی۔"

"میں ایک تجویز پیش کرنا چاہتا ہوں۔" رچرڈ نے مداخلت کرتے ہوئے کہا۔

"وہ کیا؟" نینسی نے سوالیہ نظروں سے اُسے دیکھا۔

"میں اپنے دوست پولیس آفیسر سے مل کر اسے صورتِ حال سے آگاہ کروں گا۔ کین میرا بہترین دوست ہے وہ ذاتی طور پر اس سلسلے میں دلچسپی لے گا۔ بہتر ہے ہم پولیس کی مدد سے کوئی کارروا
یوں بھی یہ معاملہ پولیس کا ہے۔"

کین کا نام سُن کر میرے کان کھڑے ہو گئے لیکن میں۔ فوری سوال نہیں کیا۔ تھوڑی دیر تک ہم لوگ بحث کرتے رہے۔ بحث اس نتیجے پر پہنچی کہ فارم جا کر ہی ٹھنڈے دل و دماغ سے فیصلہ کیا جا سکتا ہے بالآخر ہم واپسی کے لیے مڑ گئے۔

راستے میں، میں نے رچرڈ سے پوچھا "تمھارا پولیس
دوست کہاں رہتا ہے؟"

"اس کی قیام گاہ تو لاس اینجلس ہی میں ہے لیکن
ہالی ووڈ میں ہے۔ میں اسے فون کرلوں گا۔"

میں ایک گہری سانس لے کر خاموش ہو گئی تھی۔ یہ ا
اُلجھن آ پڑی تھی۔ اگر رچرڈ نے فوری طور پر کین سے رابطہ قا
میرے راستے میں پھر مشکلات پیش آ جاتیں۔ بہرحال میں
میں سوچتی رہی اور پھر میں نے یہی فیصلہ کیا کہ رچرڈ کو حقیقت
کر دُوں۔

فارم پر واپس پہنچے تو سب ہی تھک گئے تھے
خود کو دونوں بچوں کے ساتھ ایڈجسٹ کر لیا تھا اور تینو
میں مصروف تھے۔ یہ دونوں نینسی کے بھائی تھے اور ان کی
دس گیارہ سال سے زیادہ نہیں تھیں۔ اپنی ماں کی موت
نینسی ہی ان کی دیکھ بھال کرتی تھی۔

نینسی نے ہم سے اجازت لی اور دوپہر کے کھانے
کے لیے چلی گئی۔ سونیا، میں اور رچرڈ پیر پھیلائے کرسیوں پر
تب میں نے رچرڈ سے کہا۔

"آپ نے جس پولیس افسر کی بات کی ہے مسٹر ر
بھی شناسا ہے۔"

"آہ۔ کیا وہی۔ میں مسٹر رچرڈ کے مُنہ سے یہ نام سُ
تھی لیکن تم خاموش رہی تھیں اس لیے میں بھی خاموش ہو گئی
ایک بار اسے کین کے نام سے ہی مخاطب کیا تھا نا!" سُ
سے بول پڑی۔

"آپ اسے کیسے جانتی ہیں مس عالیہ۔؟"

"میری اس سے زیادہ پرانی ملاقات نہیں ہے لیک
دوست اینجل کا شوہر ہے۔ میں اس کے ساتھ پولیس ہیا
رہی تھی کہ راستے میں سونیا مل گئی۔ کین نے سونیا کی کہانی سُ
نشے میں سمجھا تھا لیکن مجھے اس کی بات پر یقین تھا۔ تب
سے کہا کہ وہ سونیا کو پولیس ہیڈ کوارٹر نہ لے جائے لیکن وہ

ر مجھے سونیا کے تحفظ کے لیے اسے بے ہوش کرنا پڑا۔ اس
یادہ چارۂ کار نہ تھا۔

"لیکن کیا آپ نے اسے زخمی کر دیا۔؟"

"نہیں۔ بس کراٹے کے ایک ہاتھ نے اسے بے ہوش کر دیا تھا۔"

"تعجب ہے سخت تعجب ہے کین تو خود کراٹے ایکسپرٹ
اس کا شمار مضبوط ترین پولیس افسروں میں ہوتا ہے۔ مجھے
ت حیرت ہے۔" رچرڈ نے کہا۔ میں نے رچرڈ کی بات کا کوئی
دیا۔ رچرڈ کسی گہری سوچ میں ڈُوب گیا تھا۔ پھر اس نے دوبارہ
ہلاتے ہوئے کہا۔

"واقعی انتہائی حیرت کی بات ہے۔ تاہم آپ کہہ رہی ہیں
لیے یقین نہ کرنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہر چند کہ ایلیا آپ
ایک نیک جذبے کے تحت سونیا کو بچانے کی کوشش کی تھی۔
ن کسی پولیس افسر پر حملہ کرنا جرم ہے۔ میرا خیال ہے آپ کی دوست
ل بھی اس سلسلے میں آپ کی کوئی مدد نہیں کر سکیں گی اور آپ کو خاصی
شانیوں کا سامنا کرنا پڑ جائے گا۔"

"کم از کم اس بات کی تصدیق ہو جاتی کہ سونیا نشے میں ہے یا
ں اور اُس کے بعد کین ان کی پوری پوری مدد کرتا لیکن اب جو
ا تھا ہو چکا۔ میں اب اس کے پاس جاؤں گا اور اگر معاملات کچھ
نے لگے تو اپنی دوستی کا واسطہ دے کر حالات سنبھالنے کی کوشش
ں گا۔ تھوڑی دیر کے بعد رچرڈ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر چلا گیا تھا۔
وں کے خیالات کچھ بھی ہوں لیکن میں اپنے ذہن میں جو فیصلہ کر
تی اُس پر عامل تھی یہ دُوسری بات ہے کہ میں نے اُن لوگوں کو
یصلے کی ہوا بھی نہیں لگنے دی۔ شام تک تو ہم لوگ فارم میں
ر آرائی کرتے رہے۔ ایڈی بھی خوش تھا اور نینسی بھی بچوں کی
کھلکھلا کر ہنس رہی تھی لیکن پھر دُور سے مسٹر ہاربک کی گاڑی آتی
نینسی چونک پڑی۔

"اوہو۔ ڈیڈی آ رہے ہیں۔ اب کیا کرنا چاہیے؟"

"ہمیں چھپا دو۔ ہمارے لیے وہی گیسٹ ہاؤس مناسب ہے۔"

"تم یوں کرو سونیا اور ایلیا آج رات ہمیں گزار دو۔ میں ڈیڈی
بات کہوں گی کہ میری ایک دوست نیویارک سے آ رہی ہے اور
ے ہاں قیام کرے گی۔ مجھے اس سلسلے میں اطلاع مل چکی ہے
ح کو تمھیں یہاں سے لے جاؤں گی۔ اور اپنے ڈیڈی سے ملا دوں
مسئلہ ہی نہیں رہے گا۔ میں ڈیڈی سے کہہ دوں گی کہ سونیا بھی
ست کے پاس گئی تھی اور اب یہ دونوں ساتھ آئی ہیں۔"

"جیسا تم مناسب سمجھو۔" سونیا نے کہا اور اس کے بعد نینسی
ہمیں اُسی گیسٹ ہاؤس میں چھوڑ گئی جہاں ہم پہلے ہی خاصا وقت گزار چکے تھے۔ مجھے یہ بات پسند آئی تھی کیونکہ نینسی اور سونیا کی نگاہ بچا کر مجھے اپنا کام انجام دینا تھا۔ اُس کے لیے گیسٹ ہاؤس مناسب ترین جگہ تھی

رات کی تاریکیاں چاروں طرف پھیل گئی تھیں۔ قرب و جوار کا علاقہ سنسان ہو گیا تھا۔ دُور نینسی کی رہائش گاہ میں کچھ روشنیاں نظر آ رہی تھیں۔ مجھے یہ خاموش اور پُرسکون ماحول بے حد پسند آیا۔ لیکن میرے ذہن میں انتشار تھا۔ میں نے جلدی سونے کا پروگرام بنا لیا۔ اگر میں جاگتی رہتی تو مجھے یقین تھا کہ سونیا اور ایڈی بھی جاگتے رہتے لیکن چونکہ میں نے تھکن کا اظہار کر دیا تھا اس لیے وہ دونوں بھی خاموشی سے لیٹ گئے۔ تھوڑی دیر بعد وہ دونوں بے خبر ہو گئے۔ ان کی تیز سانسیں اُن کی گہری نیند کا پتہ دے رہی تھی۔ میں آہستہ سے اپنی جگہ سے اُٹھ گئی۔ وقت کا کوئی صحیح اندازہ نہیں تھا۔ بہرصورت مجھے یہاں سے نکلنا تھا۔ میں گیسٹ ہاؤس کی اُسی کھڑکی سے جس کی نشاندہی نینسی نے کی تھی۔ باہر نکل آئی۔ باہر نکلنے کے بعد میں نے انتہائی محتاط انداز میں اُس سمت کا رُخ کیا جہاں گھوڑے بندھے ہوئے تھے۔ گھوڑوں کی فطرت کے بارے میں میں جانتی تھی کہ کسی اجنبی کو دیکھ کر وہ خاصا ہنگامہ کرتے ہیں لیکن مجھے بہرصورت یہ خطرہ مول لینا تھا کیونکہ گھوڑے کے بغیر کام نہیں بن سکتا تھا۔ تھوڑی دیر بعد میں اُس جگہ پہنچ گئی جہاں گھوڑے بندھے ہوئے تھے۔ پھر میں نے ایک گھوڑے کو کھول دیا۔ میری توقع کے خلاف گھوڑوں نے بس ہلکی ہلکی آوازیں نکالی تھیں اور خاموش ہو گئے تھے۔ جس گھوڑے کی میں نے باگ پکڑی تھی وہ خاموشی سے میرے ساتھ باہر آ گیا۔ شاید قدرت میری مدد کر رہی تھی ورنہ یہ کام اتنا آسان نہیں تھا۔ مجھے خدشہ تھا کہ گھوڑوں کی آواز سُن کر کہیں مسٹر ہاربر نہ جاگ جائیں۔ ایک جگہ سے میں نے زین اُٹھائی اور گھوڑے کی پشت پر کس دی۔ گھوڑے کی باگ پکڑ کر میں باہر آئی۔ اور اس پر سوار ہو گئی۔ باگ کے معمولی اشارے سے وہ چل پڑا۔ یہ وہی گھوڑا تھا جس پر میں نے دن میں سفر کیا تھا۔ تھوڑی دُور آنے کے بعد میں نے گھوڑے کی رفتار تیز کر دی۔ میں ذہن کی پوری قوت سے کام لیتے ہوئے وہی سمت اختیار کیے ہوئے تھی جو ارک پیلوی کی جانب جاتی تھی۔ پیلوی کا پل عبور کر کے میں نے سونیا کے بتائے ہوئے راستے کا تعین کیا اور اُس طرف چل پڑی۔ یہ راستہ شاید گھوڑے کا جانا پہچانا بھی نہ تھا کیونکہ وہ جگہ جگہ ٹھوکریں کھا رہا تھا۔ تاہم میں اسے سنبھالے ہوئے آگے بڑھتی رہی۔ اور اپنے ذہن کی ساری قوتیں اس بات پر مرکوز کیے رہی کہ میں

راستہ نہ بھٹکنے پاؤں۔ لیکن یہاں تقدیر نے ساتھ نہیں دیا تھا۔ کوئی ذرا سی گڑبڑ ہو گئی تھی۔ کیونکہ میرے اندازے کے مطابق اب مجھے چرچ کے پاس ہونا چاہیے تھا۔ لیکن تاریک رات میں حدِ نگاہ کوئی روشن چراغ نظر نہ آ رہا تھا۔ عجیب کہ میرا خیال تھا کہ چرچ میں کوئی نہ کوئی روشنی ضرور ہوگی۔ پُرہول سناٹے تھے۔ درختوں کے ہیولے بھوت معلوم ہو رہے تھے۔ درندوں کی یہاں توقع نہیں کی جا سکتی تھی۔ کیونکہ یہ جگہ آبادی سے زیادہ دُور نہیں تھی۔ لیکن اس کے باوجود میرے ذہن میں خوف کا ایک ہلکا سا تاثر آگیا تھا۔ میں نہیں سمجھ سکی تھی کہ میں کہاں سے راستہ بھٹک گئی تھی۔ لیکن میں نے ایک بات ضرور سوچی وہ یہ کہ مجھے یہاں سے کہیں دُور نہیں جانا چاہیے۔ اگر میں دُور نکل گئی تو نجانے کہاں سے کہاں جا نکلوں اور اُس کے بعد صحیح راستہ پکڑنا میرے لیے یقینی طور پر مشکل کام ہوتا۔ البتہ میں گھوڑے کو سست روی سے چلاتی ہوئی قرب و جوار کے علاقے میں گھومتی رہی۔ مجھے حیرت تھی کہ وہ چرچ کہاں گیا۔ اور میں کہاں سے راستہ بھٹک گئی۔ لیکن یہ بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ تب مجبوراً میں نے گھوڑے کو روک دیا۔ اُسے بھی تھکا تھکا کر پریشان کرنے سے کوئی فائدہ نہیں تھا جب تک کہ صحیح سمت کا تعین نہ ہو جائے۔ بالآخر میں گھوڑے سے اُتر آئی اور اُسے ایک درخت سے باندھ دیا۔ درخت کی جڑ کے نزدیک تھوڑی سی صاف جگہ دیکھ کر میں بیٹھ گئی۔ آسمان پر تارے چمک رہے تھے لیکن چاند نہیں نکلا تھا اور ساحل پر تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ میں حیران و پریشان بیٹھی رہی۔ ویسے رچرڈ کا دیا ہوا تحفہ میرے پاس محفوظ تھا پوری چھ گولیاں تھیں ریوالور میں اور میں ضرورت کے وقت اُسے استعمال کر سکتی تھی جس نے مجھے اس وقت خاصی ڈھارس دی تھی۔ میں نے زیادہ انتظار نہ کیا اور گھوڑے کو درخت سے کھول لیا۔ میرا خیال تھا کہ میں کسی بلند جگہ پہنچ کر اپنی منزل تلاش کروں لیکن مجھے خود پر ہنسی آگئی۔ گھوڑا کسی قدر درخت کے پیچھے ہو گیا تھا۔ اور جب میں اس کی باگ پکڑے اسے سامنے کی سمت لا رہی تھی تو دفعتاً میری نگاہ بائیں جانب اُٹھ گئی۔ چرچ یہاں سے صرف ایک فرلانگ کے فاصلے پر کسی قدر نشیب میں تھا جس راستے سے میں رات کو یہاں پہنچی تھی وہ ذرا سا بدل گیا تھا۔ اگر میں صحیح راستے سے آتی تو مجھے یہ نشیب نہ ملتا۔ صرف اس نشیب کی وجہ سے میں وہ جگہ نہیں دیکھ سکی تھی جو میری منزل تھی لیکن اب میری منزل میرے سامنے تھی۔ ممکن ہے اس میں بھی خدا کی کوئی مصلحت ہو۔ ممکن ہے رات کی تاریکیوں میں اگر میں وہاں پہنچتی تو کسی حادثے کا شکار ہو جاتی۔ البتہ اب میں اپنی تھکن کو دُور کرکے اُس طرف چلنے کے لیے تیار ہو گئی۔ میں نے سوچا کہ مجھے کیا کرنا چاہیے۔ اس سلسلے میں میں نے ایک فیصلہ کر لیا۔ میں سادہ سے لباس میں ملبوس تھی ایک اسکارف نکال کر میں نے سر سے باندھا اور پھر گھوڑے کی پشت پر بیٹھ کر چرچ کی جانب چل پڑی۔ چرچ کی عمارت کے بڑے گیٹ کے قریب پہنچ کر میں نے گھوڑا اس کے ایک طرف باندھا اور پھر میں چرچ میں داخل ہو گئی۔ چرچ خالی پڑا ہوا تھا لیکن اس کا بڑا دروازہ کھلا ہوا تھا ایک بڑے سے ہال میں بنچوں کی لمبی سی قطار نظر آ رہی تھی۔ میں اِدھر دیکھتی ہوئی ایک بنچ پر جا بیٹھی۔ حالات کا جائزہ لینے کے لیے میں نے وقت یہاں گزارنا مناسب سمجھا تھا۔ سامنے ہی اسٹیج بنا ہوا تھا جس پر حضرت عیسیٰؑ کی تصویر ٹنگی ہوئی تھی۔ ایک جانب حضرت مریمؑ کا مجسمہ بنا ہوا تھا۔ اچانک ہی مجھے اپنے عقب میں کسی کے قدموں کی آہٹ محسوس ہوئی۔ میں چونک پڑی لیکن میں نے پلٹ کر پیچھے نہیں دیکھا تھا بلکہ عبادت کرنے کے سے انداز میں گردن جھکا کر بیٹھ گئی تھی۔ قدموں کی آواز میرے نزدیک آتی گئی اور پھر کوئی میرے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ میں نے نگاہیں اُٹھا کر دیکھا تو ایک سیاہ جُبہ میری نگاہوں کے سامنے تھا۔ میری نگاہ اُوپر اُٹھتی چلی گئی اور پھر میں نے ایک پُرجلال چہرہ دیکھا۔ لمبی داڑھی، آنکھوں پر سیاہ چشمہ اور سر پر لمبی ٹوپی تھی۔ وہ چرچ کا پادری تھا۔ میں نے اُسے سلام کیا اور پادری نے اپنا وزنی ہاتھ میرے سر پر رکھ دیا۔ پھر اُس کی بھاری آواز اُبھری۔

"بیٹی اس وقت تمھیں دیکھ کر مجھے سخت حیرت ہوئی ہے" اُس نے کہا۔

"کیوں فادر؟" میں نے سوال کیا

"اس لیے کہ قرب و جوار میں کوئی اتنی قریبی آبادی نہیں۔ میں سوچ سکتا کہ اس آبادی سے کوئی آیا ہے۔ یہاں عبادت کے لیے آنے والے صرف اتوار کو آتے ہیں۔ تاہم یہ خدا کا گھر ہے۔ یہاں پابندی نہیں۔ میں تمھاری کوئی مدد کر سکتا ہوں۔؟"

"نہیں فادر، شکریہ۔ بس میں دل کا سکون حاصل کرنے یہاں آ گئی تھی۔"

"بے شک یہ سکون کی جگہ ہے۔ تم کہاں سے آئی ہو؟" اُس نے پوچھا۔

"لاس اینجلس سے" میں نے جواب دیا۔

"اوہ۔ کس وقت یہاں پہنچیں؟"

"بس تھوڑی دیر پہلے۔"

"تب تم نے یہاں پہنچنے کے لیے شاید رات ہی کو سفر شروع کر دیا ہوگا۔" پادری نے کہا۔

"باہر میرا گھوڑا بندھا ہوا ہے۔ میں نے خواب دیکھا اس قدر بے چینی ہوئی کہ اُسی وقت چل پڑی۔ مجھے نہیں معلوم

کہ کون سا حصہ تھا لیکن سکونِ دل کے لیے میں نے اُسی وقت چل پڑنا مناسب سمجھا۔ اتنا ہی اضطراب تھا میرے دل میں۔"

"اوہ۔ کوئی خواب دیکھا تھا تم نے۔؟" پادری نے سوال کیا۔

"ہاں فادر۔ ایک انوکھا خواب جس کی تعبیر مجھے نہیں معلوم۔"

"میں کچھ مدد کر سکتا ہوں تمھاری؟" پادری نے نرم اور شفیق لہجے میں کہا۔ نجانے کیوں مجھے اُس کا لہجہ عجیب سا معلوم ہو رہا تھا لیکن میں نے اس پر زیادہ غور نہیں کیا۔ ظاہر ہے میرے دل میں چور تھا۔

"میں نے دیکھا فادر کہ اس چرچ سے جو متصل عمارت ہے اس میں میری ممی اور ڈیڈی رہتے ہیں۔ میری ممی اور ڈیڈی ایک حادثے میں ہلاک ہو چکے ہیں۔ فادر۔ خواب میں میں نے دیکھا کہ طویل عرصے کے بعد انھوں نے مجھے پکارا ہے۔ انھوں نے مجھ سے کہا فادر۔ کہ میں اس عمارت میں اُن سے ملاقات کر سکتی ہوں اور پھر میری آنکھ کھل گئی۔ مجھے یوں محسوس ہوا کہ جیسے میرے ڈیڈی اور ممی مجھ سے ملنے کے لیے بے چین ہوں اور اس عمارت میں میرا انتظار کر رہے ہوں۔ بس فادر اُسی وقت سے ہی میں بے چین ہوں اور دل کا سکون حاصل کرنے کے لیے یہاں آئی ہوں۔ مقدس مریمؑ کے سامنے بیٹھ کر میں نے اپنے اُن جذبات کا اظہار کیا ہے اور اب اس بات کی خواہاں ہوں کہ دن کی روشنی ہو جائے تو اس عمارت میں جا کر اپنے خواب کی تعبیر تلاش کروں۔"

"اوہ معصوم بچی۔ خواب بعض اوقات ذہنی فشار کا نتیجہ ہوتے ہیں وہ باتیں جو ہماری زندگی میں ممکن نہیں ہیں۔ ہمارے خواب ان کی تکمیل کرتے ہیں۔ حالانکہ تم سمجھدار بچی ہو۔ جانے والے کبھی واپس نہیں آتے۔ روحوں کا رشتہ جسموں سے منقطع ہو جائے تو اُن کی دنیا الگ آباد ہو جاتی ہے۔ تاہم تم اُٹھو۔ میں تمھیں اُس عمارت میں لے چلوں گا ممکن ہے وہاں پہنچ کر کچھ سکون مل جائے۔ آؤ میرے ساتھ آؤ۔" فادر نے اپنا ہاتھ بڑھا دیا۔ اور میں ان کا ہاتھ تھام کر بنچوں کے درمیان سے گزرتی ہوئی ہال کے بڑے دروازے سے باہر نکل آئی۔ میرا دل دھڑک رہا تھا میں اس لعین شخص کو دھوکا دے رہی تھی میں اس عمارت میں داخل ہو کر حالات کا جائزہ لینا چاہتی تھی۔ اور مجھے یقین تھا کہ اگر اطہر رضوی اپنے چیلوں کے ساتھ یہاں چھپا ہوا ہے تو میری نگاہوں میں ضرور آ جائے گا۔ آہستہ آہستہ میرے قدم اُس عمارت کی جانب بڑھ رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد میں عمارت کے دروازے کے پاس پہنچ گئی۔ بہت بڑا آہنی دروازہ جس کے باہر پیتل کی خوبصورت کیلیں لگی ہوئی تھیں اندر سے بند تھا۔ فادر نے دھکا دے کر اسے کھولا اور پھر مجھے اندر چلنے کا اشارہ کرتے ہوئے بولے۔

"اگر تم چاہو تو میں بھی تمھارے ساتھ چلوں یا اگر اس عمارت میں تم تنہائی چاہتی ہو تو میں واپس چلا جاؤں۔؟"

"میں آپ کی شکرگزار ہوں اگر آپ مجھے چند منٹ رہنے کی اجازت عطا کر دیں۔"

"کوئی بات نہیں۔ کوئی بات نہیں۔ جاؤ اندر چلی جاؤ۔" پادری نے کہا اور میں دروازے سے اندر داخل ہو گئی۔ پادری نے دروازہ بھیڑ دیا تھا۔ اندر قدم رکھتے ہی میں نے پستول نکال کر ہاتھ میں لے لیا۔ پھر میں نے پلٹ کر اس دروازے کی موٹی زنجیر بند کر دی تھی تاکہ باہر سے کوئی اندر نہ آ سکے اور اب میرے دل سے خوف کا ہر احساس مٹ چکا تھا۔ عمارت کافی بوسیدہ تھی میں جس پہلے کمرے میں داخل ہوئی یہ ایک وسیع و عریض کمرہ تھا۔ زمانہ قدیم کا بیش قیمت فرنیچر قرینے سے سجا ہوا تھا لیکن گرد کی ایک دبیز تہ اس پر جمی ہوئی تھی۔ اونچی چھت کے درمیان ایک بہت بڑا فانوس لٹک رہا تھا۔ دیواروں پر چاروں طرف لکڑی کے بڑے بڑے فریموں میں قیمتی تصاویر آویزاں تھیں۔ لیکن کمرے کی نیم تاریکی ایک عجیب منظر پیش کر رہی تھی۔ بلندی پر بنے ہوئے روشندانوں سے ہلکی ہلکی روشنی اندر آ رہی تھی۔ لیکن شیشے بند ہونے کی وجہ سے روشنی بہت ہی مدھم ہو گئی تھی اور چھت کے ایک مخصوص حصے کو ہلکا ہلکا روشن کر رہی تھی اُس کی شعاعیں کمرے کے ماحول کو کسی قدر نمایاں کر رہی تھیں۔ اور اگر یہ شعاعیں بھی نہ ہوتیں تو کمرے میں گھُپ تاریکی ہوتی۔ ابھی میں اتنا ہی دیکھ پائی تھی کہ دفعتاً وہ دروازہ جس سے میں اندر داخل ہوئی تھی۔ ایک ہلکی سی آواز کے ساتھ بند ہو گیا۔ غالباً ہوا کے کسی طاقتور جھونکے نے اُسے بند کر دیا تھا۔ میں نے اس کی طرف توجہ نہ دی لیکن میں اُس وقت چونک گئی جب کمرے میں زرد رنگ کی مدھم روشنی آہستہ آہستہ پھیلنے لگی۔ اس کے علاوہ کمرے میں ہلکی سی گرمی کا احساس بھی پیدا ہو گیا تھا۔ فضا آہستہ آہستہ گرم ہو رہی تھی۔ گرمی کا احساس ہوتے ہی میں حیرت سے چونک پڑی۔ یہ ایک ناممکن سی بات تھی کہ ابھی جہاں میں داخل ہوئی تھی وہاں کے ماحول میں کچھ تبدیلی پیدا ہو جائے۔ لیکن پھر میں نے خود کو مطمئن کیا۔ ممکن ہے دروازہ بند ہونے کی وجہ سے یہ گرمی پھیل گئی ہو۔ لیکن وہ مدھم روشنی جو یقینی طور پر اوپر سے آ رہی تھی۔ سورج کی شعاعوں کی نہ تھی۔ یہ کہاں سے آئی؟ تب ہی میری نگاہ اپنے بائیں سمت اُٹھ گئی اور ایک بار میرے پورے بدن میں جھرجھری سی پیدا ہو گئی۔ مجھ سے تقریباً بیس فٹ کے فاصلے پر ایک بڑے سے آتشدان میں نارنجی رنگ کے شعلے بلند ہو رہے تھے۔ یہ گرمی اور روشنی غالباً انھی شعلوں کی تھی لیکن کیا اب سے چند ساعت قبل یہ شعلے یہاں نہ تھے۔ ہوں کیسی احمقانہ سوچ ہے میری۔ بلاوجہ حماقت کی باتیں سوچ رہی ہوں۔ کیا میں خوفزدہ ہوں۔ میں نے خود سے سوال کیا لیکن دل کے کسی گوشے میں ایسا کوئی احساس

نہ تھا۔ میں نے خود کو مطمئن کیا اور چند ساعت بے حس و حرکت کھڑی اس پُراسرار آتشدان کو گھورتی رہی۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ یہ کیا بھید تھا۔ کیا یہ فریبِ نظر کا کرشمہ تھا یا میری حماقت کہ آتشدان کے بھڑکتے ہوئے شعلوں کا مجھے پہلے احساس نہیں ہوا تھا۔ ممکن ہے کہ میں نے خیال ہی نہ کیا ہو۔ یہ سوچ کر میں نے سر جھٹکا اور کمرے کے دوسرے حصے کی طرف چل پڑی۔ اتنے فاصلے سے تاریکی کی وجہ سے مجھے وہ بلند دروازہ نظر نہیں آیا تھا۔ اس دروازے کے دونوں کواڑ کھلے ہوئے تھے میں اندر داخل ہو گئی یہاں بھی تاریکی تھی لیکن وہی کیفیت یہاں بھی ہوئی یعنی جیسے ہی میں اندر داخل ہوئی میرے بائیں سمت سے روشنی پھوٹنے لگی اور میں چونک کر اُدھر پلٹ پڑی۔ ایک شدید جھٹکا میرے ذہن کو لگا تھا۔ میں نے مینٹل پیس پر تین روشن شمعیں دیکھیں جو شیشے کی پتلی نلکیوں میں رکھی ہوئی تھیں۔ قدیم طرز کی شمعیں میرے اندر داخل ہوتے ہی جل اٹھی تھیں۔ ایک لمحے کے لیے میرا دل پھر ہولنے لگا لیکن میں نے خود کو سنبھالا اور مینٹل پیس کے قریب پہنچ گئی۔ شمعیں جلنے سے کمرہ خاصا روشن ہو گیا تھا۔ اور مجھے کمرے کی تمام چیزیں نظر آنے لگی تھیں۔ دیواروں پر آویزاں خنجر، تلواریں اور لمبے لمبے چھرے، بارہ سنگھوں کے سروں کی بجھی بجھی آنکھیں میری نگراں تھیں۔ مدھم سوگواری روشنی میں مجھے ایک اور دروازہ نظر آیا۔ میں اس دروازے کے نزدیک پہنچ گئی۔ جونہی میں نے دروازے پر ہاتھ کا دباؤ ڈالا وہ آسانی سے کھل گیا۔ اس کے دوسری جانب شاہ بلوط کی لکڑی سے بنی ہوئی سیڑھیاں نظر آئیں۔ صرف ایک لمحے میں نے سوچا اور پھر واپس پلٹ کر شمعدان کی طرف آ گئی۔ شمعدان سے ایک شمع نکال کر میں اُس دروازے کی جانب بڑھ گئی۔ حالانکہ مجھے معلوم تھا کہ یہ شمع میرے یہاں داخل ہونے سے پہلے روشن نہیں تھی اور اچانک خود بخود روشن ہو گئی تھی۔ گویا اگر اسے ایک آسیبی واقعہ کہا جاتا تو غلط نہ ہوتا لیکن مجھے اس آسیب سے خوف محسوس نہیں ہوا تھا۔

میں سیڑھیاں طے کر کے اُوپر ایک راہداری میں پہنچ گئی۔ راہداری لکڑی کے تختوں سے بنی ہوئی تھی، حیرت کی بات یہ تھی کہ ان دیواروں میں کوئی کھڑکی یا کوئی روزن ایسا نہیں تھا جس سے باہر دیکھا جا سکتا، ہاں سامنے ہی ایک اور دروازہ نظر آ رہا تھا جو بند تھا۔ میں دروازے کے نزدیک پہنچ گئی اور اس سے کان لگا کر اندر کی آہٹ سننے کی کوشش کرنے لگی لیکن مجھے کوئی آواز سنائی نہیں دی۔ میں نے پٹ پر ہاتھ رکھا ہی تھا کہ دروازہ خود بخود کھلنے لگا۔ جونہی دروازہ کھلا روشنی کی کرنیں باہر رینگ آئیں۔ اُس کمرے میں اندھیرا نہیں تھا،

دروازے سے اندر داخل ہوئی تو دروازہ خود بخود بند ہو گیا۔ اور میں چونک کر اس کی جانب دیکھنے لگی۔ پھر میری نظر ایک بہت رُک گئی، ایک گوشے میں قدیم وضع کا چھپر کھٹ پڑا ہوا تھا۔ جس کے چاروں طرف باریک ریشمی پردے لٹک رہے تھے اور اوپر ایک نفیس چھت گیری تھی، چھپر کھٹ کے دوسری جانب دو بھاری کرسیاں رکھی تھیں، لیکن ان کے علاوہ ایک چیز اور بھی تھی، اور یہ ایک کھلا تابوت تھا جس میں سفید کپڑا پڑا ہوا تھا، اس سفید کپڑے کے نیچے کیا ہے یہ اندازہ لگانا مشکل تھا۔

میرا تجسس مجھے اس کی جانب لے گیا اور میں کھلے ہوئے تابوت کے پاس پہنچ گئی۔ لیکن دفعتاً میرے قدم رُک گئے۔ میرے بدن نے پسینہ اُگل دیا۔ تابوت میں پڑی ہوئی لاش کا چہرہ میری نگاہوں کی زد میں تھا اور یہ لاش سو فیصدی فادر مکلارنس کی تھی، ہاں یہی فادر مکلارنس کی جو مجھے دروازے تک چھوڑ گئے تھے اور اب تابوت میں لیٹے تھے۔ لاش کی آنکھیں بند تھیں، فادر مکلارنس کی داڑھی اُن کے سینے پر پھیلی ہوئی تھی۔ بقیہ بدن سفید کپڑے سے ڈھکا ہوا تھا، لیکن اس بدن میں کوئی جنبش کوئی تحریک نہ تھی۔

میں چند لمحات خوفزدہ رہی، پھر میں نے سوچا کہ ممکن ہے فادر مکلارنس بھی اطہر رضوی کی شیطانی حرکتوں کے شریکِ کار ہوں کیا تعجب کی بات ہے، اطہر رضوی جیسی شخصیت کس کو اپنا مطیع نہیں بنا سکتی۔ ممکن ہے فادر مکلارنس مردہ نہ ہوں بلکہ اس ماحول کو آسیب زدہ بنانے کے لیے انھوں نے یہ حرکت کی ہو۔ اس احساس کے ساتھ میں نے اپنے اندر کی خود اعتمادی مجتمع کی، اور آگے بڑھ کر اس تابوت کے نزدیک پہنچ گئی۔ دُوسرے لمحے میں نے تابوت میں ہاتھ ڈال کر لاش پر سے کپڑا کھینچ دیا لیکن پھر مجھے ایک گہری سانس لے کر پیچھے ہٹنا پڑا۔ پادری کا جسم برہنہ تھا اور اس طرح پھولا ہوا تھا جیسے زیادہ دیر لاش رکھنے سے بدن پھول جاتا ہے، ہاں میرا تمام تر تجربہ کہہ رہا تھا کہ پادری کے بدن میں زندگی کی کوئی رمق نہیں ہے تو پھر کیا اس کے چہرے پر میک اپ ہے؟ کیا یہ لاش کہیں سے حاصل کر کے اس پر پادری کا میک اپ کر دیا گیا ہے، میں نے اپنے اس آخری شبہے کو بھی مٹانے کی کوشش کی اور پادری کا مردہ چہرہ ٹٹولنے لگی۔ میں نے اچھی طرح لاش کا چہرہ ٹٹول کر دیکھا۔ سڑا اور بے جان چہرہ۔ اور اس کے بعد اس یقین کر لینے کے علاوہ اور کوئی چارۂ کار نہیں تھا کہ یہ پادری مکلارنس ہی کی لاش تھی۔ لیکن یہ کیسے ممکن ہے! میں پریشانی کے انداز میں کھڑی ہو گئی۔ اور پھر میں نے کمرے میں چاروں طرف نگاہ ڈال کر واپسی کا قصد کیا۔ دروازے کے قریب پہنچ کر میں نے دروازہ کھولنا چاہا لیکن دروازہ باہر سے بند تھا۔

میں اپنی موجودہ حالت کا خود بھی صحیح تجزیہ نہیں کر سکتی تھی۔

ایک ویران کمرے میں ایک لاش کے ساتھ میں قید ہو گئی تھی۔ میں نے دروازے پر کافی زور آزمائی کی لیکن اسے نہ کھلنا تھا نہ کھلا۔ البتہ کمرے میں ہلکی سی بھنبھناہٹ گونج اُٹھی تھی، اور پھر ایک قہقہہ سنائی دیا پھر خاموشی چھا گئی۔ یہ آواز کہاں سے آئی تھی اس کا مجھے اندازہ نہیں ہو سکا تھا، بس یوں لگا تھا جیسے تابوت میں لیٹی ہوئی لاش ہنس پڑی ہو۔ میں نے اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر شمع پھونک مار کر بجھا دی۔ شیشے کا یہ شمعدان میں ایک طرف ڈال کر دیوار سے پُشت لگا کر۔۔۔ بیٹھ گئی، میرے ذہن میں اب بھی مختلف خیالات آ رہے تھے۔

میرے اپنے خیالات سے مجھے اس وقت یہاں آئے ہوئے تین یا چار گھنٹے گزر چکے تھے، اچانک دروازے کی ہلکی سی چرچراہٹ کی آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔ میں سنبھل کر بیٹھ گئی، لباس میں چھپا ہوا پستول میں نے ہاتھ میں لے لیا تھا۔ دروازہ کھل گیا، لیکن کوئی نظر نہ آیا، اگر وہ کوئی نادیدہ قوت نہیں تھی تو یقیناً کوئی انسان ہوگا۔ لیکن یہ انسان میرے سامنے نہیں آیا۔

چند ساعت میں سوچتی رہی اور پھر پستول ہاتھ میں لیے اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔ آہستہ آہستہ میں دروازے کی جانب بڑھی۔ دروازے سے باہر نکل کر میں نے اِدھر اُدھر دیکھا لیکن راہداری سنسان پڑی تھی۔ گویا اب مجھے آزادی مل گئی تھی، اب اطہر رضوی یا وہ نادیدہ قوتیں یہ چاہتی تھیں کہ میں یہاں سے باہر نکل جاؤں۔ چنانچہ میں ان کی خواہش پر عمل کرتے ہوئے شاہ بلوط کی ان سیڑھیوں پر پہنچ گئی جن سے چڑھ کر یہاں تک آئی تھی، پھر میں سیڑھیاں اُتر رہی تھی کہ دفعتاً ایک دلخراش چیخ میرے کانوں سے ٹکرائی اور میں اُچھل پڑی۔

لیکن یہ ایک چال تھی اس ایک ہی لمحے کی غفلت سے پستول میرے ہاتھ سے نکل گیا، کسی نے جھپٹا مار کر پستول مجھ سے چھین لیا تھا۔ اور پھر اس افراتفری میں اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکی اور سیڑھیوں سے لڑھک کر نیچے آ رہی۔ زینے کی چند ہی سیڑھیاں باقی رہ گئی تھیں۔ اس لیے چوٹ لگنے کا تو سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا، جونہی میں اُٹھ کر کھڑی ہوئی، دفعتاً وہ جگہ روشن ہو گئی۔ بے شمار فانوس جل اُٹھے تھے اور اُن کی روشنی سے ہال بقعۂ نور بن گیا تھا، میں نے سامنے پڑی ہوئی کرسی پر اطہر رضوی کو بیٹھے دیکھا۔ ہاں وہی منحوس اطہر رضوی جس کی شکل سے مجھے نفرت تھی۔ اُس کی اُنگلیوں میں موٹا سا سگار دبا ہوا تھا اور چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے جنھیں میں کوئی معنی نہ پہنا سکی۔ میں اپنی جگہ ٹھٹھک کر کھڑی ہو گئی تھی۔ اطہر رضوی نے سگار کا گہرا کش لیا اور پھر پہلو بدلتے ہوئے بولا۔

”عالیہ صغیر بھاپانی کو میں اپنی نئی شکار گاہ میں خوش آمدید کہتا ہوں۔“

”افسوس ہے اطہر رضوی۔ انتہائی افسوس ہے۔ تو نے اپنی شخصیت کو کس قدر مسخ کر لیا ہے تو اس بہیمت گاہ کو شکار گاہ کہتا ہے۔ ایک ایسی جگہ کو شکار گاہ کہتا ہے جہاں معصوم لڑکیوں کا شکار کھیلا جاتا ہے۔ تجھ جیسے لوگ انسانیت کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ ہیں۔“

”بے بس چڑیا۔ جو کچھ بکواس کرنا چاہتی ہے کر لے کہ اس کے بعد تجھے اس کا موقع نہیں ملے گا۔ ہاں یہ تیرا حق ہے کہ تو مرنے سے پہلے اپنے دل کی ساری بھڑاس نکال لے۔ میں بار بار تجھ سے نہیں کہوں گا اور نہ ہی مجھے اس کی ضرورت ہے۔ ایک بات میں تجھے بتا چکا ہوں کہ محبت کی دیوانگی مجھے اِس حال کو لے آئی ہے۔ ایک دُشمن ہوتے ہوئے بھی مجھے اعتراف ہے کہ تم نے جس طرح اپنے عزائم کی تکمیل کے لیے بار بار جان کی بازی لگائی ہے میرے دل میں اُس کی بڑی عزت ہے۔ عالیہ تو یقین کر تجھے یہاں دیکھ کر مجھے اتنا زبردست ذہنی جھٹکا لگا تھا کہ میں بیان نہیں کر سکتا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تو میرے پیچھے یہاں تک بھی آ سکتی ہے۔ بہر صورت تیری اِس جرأت کو داد دینا میرا انسانی فرض تھا جو کچھ میں نے محسوس کیا تجھے بتا دیا۔ لیکن اپنی مجبوریوں کو میں زیادہ ضروری سمجھتا ہوں۔ اگر میں ان مجبوریوں سے بچ سکتا تو شاید ساری دُنیا میں سب سے زیادہ تیری عزت کرتا۔ بہر صورت امریکا میں میرے لیے خاصی مشکلات پیدا ہو گئی ہیں بلکہ یُوں کہا جائے کہ تو نے پیدا کر دی ہیں۔ وہ سازشی ٹولہ جانے کیا کچھ کر رہا ہے۔ یہاں خاصا مضبوط ہے۔ میں اس اعتراف میں بُرائی نہیں سمجھتا کہ وہ شخص جسے ہنیبل سقراط کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ بلاشبہ مقامی حکومت پر خاصا اثر انداز ہے اور ہر ممکن اُس کے لیے سب کچھ کرنے کو تیار ہے۔ لیکن عالیہ۔ میں تجھ سے کہہ آیا تھا کہ زندگی میں جب بھی موقع ملا میں تجھ سے انتقام لُوں گا۔ تیری حرکتوں نے مجھ سے میرا بہت کچھ چھین لیا ہے۔ تجھ سے میری وہ شخصیت چھین لی ہے جس کی بناء پر میں سب کچھ کر سکتا تھا۔ اور مجھے اپنی اربوں روپے کی دولت تباہ کر کے اپنے ملک سے بھاگنا پڑا ہے۔ بہر صورت اب وہ وقت آ گیا ہے کہ میں تجھے تیری آخری آرام گاہ تک پہنچا دُوں۔ بس اس سے زیادہ مجھے کچھ نہیں کہنا ہے عالیہ۔ چرچ کا پادری صرف اس وجہ سے میرا شکار ہوا کہ میں اُس کی جگہ لینا چاہتا تھا۔ میری بدقسمتی کہ تو یہاں بھی پہنچ گئی۔ میں نہیں جانتا کہ تو نے یہاں اپنے کتنے ہمدرد بنا لیے ہیں اور کس کس کو میرا راز معلوم ہو گیا ہے لیکن میں حالات سے نمٹنے کے لیے پوری طرح تیار ہوں۔ بس اس سے زیادہ میں تجھ

سے کچھ نہیں کہنا چاہتا۔ میں چلتا ہوں۔" وہ اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا اور عقبی دروازے سے باہر نکل گیا۔ دروازہ بند ہو گیا تھا۔ میں دوبارہ ان شیطانوں کی طرف متوجہ ہوئی جہاں اطہر رضوی کے دونوں ساتھی کھڑے ہوئے تھے لیکن وہ دونوں بھی پلٹ گئے۔ دروازہ بھی بند ہو چکا تھا۔!

گویا اب میں اس وسیع و عریض ہال میں تنہا تھی۔ میں نے ایک گہری سانس لی اور حالات کا تجزیہ کرنے لگی۔ اطہر رضوی مجھے موت کی دھمکی دے کر گیا تھا اور میں اب موت کی منتظر تھی۔ چنانچہ کرسی پہ بیٹھ کر میں آئندہ رونما ہونے والے واقعات پر غور کرنے لگی۔ بہت زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ دروازہ دوبارہ کھلا۔ میں نے چونک کر گردن گھمائی اور اُچھل کر کھڑی ہو گئی۔ وہ دونوں جڑواں شیطان دروازے سے اندر آئے تھے۔ نادر کے ہونٹوں پر ایک مکروہ مسکراہٹ کھیل رہی تھی لیکن تنویر بدستور خاموش اور سنجیدہ تھا۔ تیز روشنی میں میں نے اس بھیانک عفریت کو دیکھا اور کھڑی ہو گئی۔ اس سے قبل بھی میں ان سے مقابلہ کر چکی تھی۔ یہ اندازہ مجھے بخوبی تھا کہ یہ دُہرا وجود اپنے اندر بے پناہ طاقت رکھتا ہے اور مجھ جیسی لڑکی کے لیے اُسے زیر کرنا کوئی آسان کام نہیں ہوگا۔ ہاں یہ دوسری بات ہے کہ تقدیر ساتھ دے جائے۔ اطہر رضوی نے یہ بھی رسک ہی لیا تھا۔ حالانکہ یہ دونوں ایک بار میرے ہاتھوں زخمی ہو چکے تھے لیکن نہ جانے کیوں اُس نے دوبارہ یہ خطرہ مول لے لیا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ میری طرف بڑھ رہا تھا تب تنویر نے تاسف بھرے لہجے میں کہا۔

"مس عالیہ! آپ بھی مجھے احمق ہی معلوم ہوتی ہیں۔ کیا یہ کافی نہ تھا کہ آپ کی وجہ سے ہمیں اپنا ملک چھوڑنا پڑا اور وہ سب کچھ تباہ ہو گیا جو نہ جانے ڈیڈی نے کس طرح بنایا تھا۔ . . عالیہ بعض اوقات انسان کو چشم پوشی سے بھی کام لینا پڑتا ہے۔ آخر ایک دن انسان کو اپنے انجام کو پہنچنا ہوتا ہے۔ بالآخر ایک نہ ایک دن ہمیں بھی فنا ہونا ہے۔ یہ بدبخت نادر اپنی دیوانگی میں سب کچھ بھول چکا ہے لیکن میں آپ کے لیے افسردہ ہوں۔" نادر نے قہقہہ لگایا تھا اور پھر وہ بولا۔

"واہ . . . واعظِ محترم۔ واہ . . . آپ اچھی خاصی تقریر کر لیتے ہیں۔ مائی ڈیئر تنویر! آج تم اپنے ہوش و حواس میں دیکھو گے کہ اتنی بڑی شخصیت جس نے اپنی دانست میں اطہر رضوی کو شکست فاش دی ہے۔ آج کس طرح ہمارے ہاتھوں پامال ہو گی۔ تنویر ڈیئر آج میری بات مان لو۔ تم نے ہمیشہ مجھ سے اختلاف کیا ہے لیکن آج میری خواہش ہے کہ تم مجھ سے اختلاف نہ کرو۔ میں بڑی خوشی سے تمھیں یہ حق دیتا ہوں کہ تم جو آج تک حماقت کے شکار رہے ہو، آج زندگی سے پوری طرح لطف اندوز ہو اور اس کی ابتدا ایک ایسی معزز خاتون سے کرو جو بڑی نیک نام ہیں اور بڑا نام رکھتی ہیں۔ کیا خیال مس عالیہ۔ . . کیا میری یہ تجویز بُری ہے۔ آپ دیکھیں نا، آپ عا لڑکیوں سے مختلف ہیں۔ وہ چیختی ہیں، چلاتی ہیں۔ اُن کے چہر دہشت سے بگڑ سے جاتے ہیں لیکن آج ہمارا سابقہ آپ سے ہے زندگی سے بھرپور، جوانی سے بھرپور اور عقل و دانش سے بھرپور ا معزز خاتون سے۔ . . تو ذرا غور کریں کہ میں اور تنویر آپ کی قربت چاہتے ہوں تو کیسا پُرلطف وقت گزرے گا اور ہاں تنویر! تمھیں کچھ قبل کا وہ واقعہ تو یاد ہوگا جب مس عالیہ نے ہم سے مقابلہ کیا اور ہمیں زخمی بھی کر دیا تھا۔ بھئی تنویر! میں تو اس پُرمسرت مو پتہ نہیں کب سے منتظر تھا لیکن میری خواہش ہے کہ آج تم بھی میرا دو۔ . . مس عالیہ! براہِ کرم بے لباس ہو جائیں۔ فرار کا کوئی راستہ نہیں ہے اور آج آپ اُس دن کی طرح ہم سے مقابلہ بھی نہیں کر سکیں آؤ عالیہ! زندگی کو قریب سے دیکھو۔ یوں محسوس کرو کہ آج تم ا انوکھی شخصیت سے لطف اندوز ہونے جا رہی ہو۔" نادر مسکرایا تب اُسی وقت تنویر کرب سے بولا۔

"نادر! کچھ تو غیرت کرو، انسان، انسان کو بھی دیکھ لیا کرو۔ تمھار یہ وحشت خیزی ان معصوم لڑکیوں کے لیے خوف و دہشت کا باعث سکتی ہے، جنھوں نے دُنیا میں کچھ نہیں دیکھا ہوگا لیکن ہم ایک ا شخصیت کے سامنے ہیں کہ . . ."

"بکواس مت کرو۔ یہ کیا حیثیت رکھتی ہے ہمارے سامنے۔ اور غیرت اور شرم کے الفاظ میرے سامنے مت لیا کرو۔ میں انسان نہ ہوں۔" نادر نے بپھر کر کہا۔

"لیکن میں انسان ہوں، نادر۔ باز آجاؤ۔ تم ایک حق پرست لڑ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ اس کی پرستش کرو۔ یہ ایک اعلا کردا کی لڑکی ہے۔ ذرا غور تو کرو، نادر . . . یہ کہاں سے ہمارے تعاقب میں ہ بُرائی کے خاتمے کے لیے اس نے کس طرح اپنے آپ کو بار بار خطرے میں ڈالا ہے۔ یہ قابلِ پرستش ہے۔" تنویر نے کہا۔

نادر ہنس پڑا۔

"بے فکر رہو، ڈیئر تنویر! میں اس کی پرستش ہی کروں گا مگر اسے بڑے پیار سے برتوں گا لیکن بس تم دیکھتے رہو۔ آج تم سونے کی کوشش مت کرو۔"

"نہیں نادر . . . میں تمھیں اس کی اجازت نہیں دوں گا۔" تنویر نے کہا۔

"تو حسبِ معمول تمھیں انجکشن دینا ہوگا۔ مجبوری ہے۔ کیا کیا جائے۔" نادر نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور وہ سرنج نکال لی جو اس سے پہلے بھی میں

دیکھ چکی تھی۔ لیکن آج منظر میں ذرا سی تبدیلی ہو گئی۔

جونہی نادر نے سرنج نکالی تنویر کا ایک بھرپور ہاتھ اس کے ہاتھ پر پڑا اور سرنج اُچھل کر دُور جا گری۔ نادر کا چہرہ غصے سے سُرخ ہو گیا تھا۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے، تنویر؟"

"آج مجھے بدتمیزی کرنے دو، نادر . . . میں تمھارے وجود کا ایک حصہ ہوں۔ اب یوں بھی سمجھو کہ تم بھی میرے وجود کا ایک حصہ ہو۔ اس بے ڈھنگے بدن پر ہم دونوں کا حق ہے۔ تم آج تک اپنا حق استعمال کرتے رہے ہو اور میں بھی آج اپنا حق استعمال کرنا چاہتا ہوں . . . میں تمھیں روکوں گا نادر۔ اس درندگی سے روکوں گا، جو تم کرنے جا رہے ہو۔ عالیہ کو جانے دو۔ اُسے احترام کے ساتھ باہر چھوڑ آؤ۔" تنویر نے کہا۔

لیکن نادر غصے سے بے قابو ہو گیا۔ اس کا زوردار تھپڑ تنویر کے گال پر پڑا اور تنویر ساکت رہ گیا۔ چند لمحوں تک وہ نادر کو گھورتا رہا اور دوسرے لمحے اس کے ہاتھ نے نادر کی گردن پکڑ لی۔

"میں اپنا حق مانگ رہا ہوں نادر۔ آج میں تمھیں وہ سب کچھ نہیں کرنے دوں گا۔ جو تم کرتے رہے ہو۔" نادر جدوجہد کرنے لگا۔

ایک عجیب و غریب جنگ . . . دونوں میں ٹھن گئی تھی۔ تنویر نادر کی گردن پر اپنی گرفت مضبوط کر رہا تھا اور نادر کے اکلوتے ہاتھ کا گھونسا بار بار اس کی پیشانی، کان اور رخسار پر پڑ رہا تھا لیکن تنویر کی آنکھوں میں دیوانگی ناچ رہی تھی اس کے منہ سے کف نکل رہا تھا۔

"ہم دونوں نے مل کر زلیخا کو چاہا تھا۔ اس نے ہماری توہین کی تھی نادر . . . اور ہم نے زلیخا کی اس حرکت کا بدلہ بے شمار زلیخاؤں سے لیا لیکن اب مجھے یہ کہنے میں عار نہیں ہے کہ میں عالیہ کو چاہتا ہوں۔ میں اس کی عظمت کو چاہتا ہوں، اس کے کردار سے پیار کرتا ہوں۔ یہ پہلی شخصیت ہے جس نے مجھے زندگی میں متاثر کیا ہے۔ اس سے پہلے میں لڑکیوں پر رحم کھاتا رہا تھا، نادر لیکن آج میں کھل کر کہہ رہا ہوں کہ میں عالیہ سے پیار کرتا ہوں۔ اس سے محبت کرتا ہوں۔ میں نے اُسے خوابوں میں دیکھا ہے۔ میں نے اس کی پرستش کی ہے۔ میں نے اس کے عظیم کردار کو سجدے کیے ہیں۔ میں اسے تمھارے ہاتھوں سے نقصان نہیں پہنچنے دوں گا، نادر! بولو . . . تم اپنی اس زندگی سے توبہ کرتے ہو۔ جواب دو، نادر؟"

نادر کے حلق سے آواز نہ نکل سکی۔

تنویر کی اُنگلیاں اُس کی گردن میں پیوست ہو گئیں تھیں اور اب وہ تنویر کے ہاتھ سے اپنی گردن چھڑانے کی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن تنویر کی گرفت ہلکی نہ پڑی۔ اُس نے غراتی ہوئی آواز میں کہا۔

"جواب دو نادر . . . جب تک تم اپنے منہ سے یہ نہیں کہو گے کہ آج سے نہ صرف عالیہ بلکہ دُنیا کی ہر لڑکی تمھاری درندگی سے محفوظ ہو گئی ہے۔ میں تمھاری گردن نہیں چھوڑوں گا۔ آج پہلی بار میں تمھارے مقابل آیا ہوں۔ میں یہ بھی جانتا ہوں نادر! اگر تم مر گئے تو میری زندگی بھی ممکن نہیں ہے لیکن میں تمھیں بتا چکا ہوں کہ پیار کی خاطر مجھے خودکشی بھی منظور ہے۔ جواب دو نادر . . . جواب دو . . . جواب دو . . ."

لیکن نادر اس قابل ہی نہ تھا کہ جواب دیتا۔ البتہ اس کے حواس جواب دیتے جا رہے تھے۔ اُس کے ہاتھ کی گرفت کمزور پڑتی جا رہی تھی۔ چند ساعت کے بعد اُس کی زبان باہر نکل آئی اور آنکھیں پھیل گئیں۔ اس کی سانس رُک رُک کر آ رہی تھی۔

تنویر کے حلق سے وہی غراہٹ نکل رہی تھی۔ "جواب دے نادر . . . جواب دے . . . جواب دے . . ."

نادر کا ہاتھ نیچے لٹک گیا۔ اس کا بدن بے جان ہو گیا تھا اور آنکھیں اُبل کر باہر آ گئی تھیں۔ غالباً وہ دم توڑ چکا تھا۔ تنویر نے اس کی یہ کیفیت دیکھی تو اپنے ہاتھ کی گرفت ڈھیلی کر دی۔ وہ عجیب سی نگاہوں سے نادر کو دیکھ رہا تھا پھر اس نے عالیہ کی طرف دیکھا اور اس کے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"خدا حافظ عالیہ . . . خدا حافظ۔ تم نے دیکھ لیا کہ میں نے اپنے آپ کو سزا دی ہے۔ میں نے اُس ابلیس کو سزا دے دی ہے جس نے تمھارا دل دُکھایا تھا اور کئی بے گناہ لڑکیوں کو پامال کیا تھا۔ عالیہ! اس سے زیادہ میں کچھ نہیں کر سکتا۔ خدا حافظ . . . نادر اب اس دُنیا میں نہیں ہے۔ ہماری موت کے بعد اس درندگی کا خاتمہ ہو جائے گا۔ میں نہیں کہہ سکتا عالیہ! کہ میرے والد تمھارے ساتھ کیا سلوک کریں گے لیکن افسوس کہ میں اس سے زیادہ تمھارے لیے کچھ نہیں کر سکتا۔ اطہر رضوی میرے ڈیڈی ہیں . . . میں . . . میں . . . میں . . ." اور تنویر کی آواز پھنس پھنس کر آنے لگی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے اُس کے بدن سے بھی زندگی رخصت ہونے لگی ہو۔ اس کا ہاتھ نیچے جھولنے لگا۔ ایک بار اس نے خلا میں ہاتھ لہرانے کی کوشش کی لیکن پھر وہ زمین پر بیٹھ گیا اور آہستہ آہستہ اُس نے گردن ڈال دی . . .

میں ساکت و جامد کھڑی اُسے دیکھ رہی تھی۔ یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ طویل کہانی ختم ہو گئی ہے۔ میں خود کو عجیب سے احساسات میں گھرا پا رہی تھی کہ دفعتاً میرے کانوں میں ہلکے ہلکے دھماکوں کی آواز سُنائی دی۔ یہ سماعت کا واہمہ نہیں تھا، کچھ ہو رہا تھا۔ کوئی ایسی بات جو میری سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ واقعی یہ دھماکے تھے۔ میں نے

اپنے آپ کو سنبھالا اور دروازے کی جانب لپکی۔ دروازہ کھلا ہوا تھا۔
میں وحشتی ہوئی ہال میں پہنچ گئی لیکن ابھی میں نے ہال میں قدم
رکھا ہی تھا کہ دفعتاً کوئی اندھا دھند دوڑتا ہوا اندر آیا اور بے اختیار زمین
پر گر پڑا۔ میں نے اُسے اچھی طرح پہچان لیا۔ یہ اطہر رضوی تھا۔ اُس
کے دونوں شانوں سے خون بہہ رہا تھا اور وہ ابھی تک پادری مکلارنس
کے میک اپ میں تھا۔ اس نے زمین پر ہاتھ ٹیکا کر اُٹھنے کی کوشش
کی لیکن اُس کے شانے ٹوٹ چکے تھے۔ وہ منہ کے بل زمین پر آ رہا۔
میری آنکھوں میں خون اُتر آیا تھا۔ میں آہستہ آہستہ آگے بڑھی اور اس
کے نزدیک پہنچ گئی۔

"اطہر رضوی۔۔۔" میں نے نفرت سے کہا۔

وہ گردن موڑ کر مجھے دیکھنے لگا پھر اس کے منہ سے ایک کرب
ناک آواز نکلی۔

"تُو۔۔۔ تُو یہاں کیسے آگئی۔ وہ۔۔۔ وہ۔۔۔ وہ میرے بچے
تنویر اور نادر" اُس نے وحشت بھرے لہجے میں کہا۔

میرے چہرے پر نفرت پھیل گئی: "وہ دونوں مر چکے ہیں، اطہر
رضوی! جاؤ ان کی لاشیں دیکھ لو"

"نہیں۔۔۔ نہیں" اطہر رضوی دلدوز لہجے میں چیخا "ہرگز نہیں۔
میرے بچے۔۔۔ وہ ہرگز نہیں مر سکتے۔ تُو۔۔۔ کُتیا۔۔۔ تُو۔۔۔" اُس نے
پھر دونوں ہاتھ ٹیکا کر اُٹھنے کی ناکام کوشش کی مگر وہ اوندھے منہ
زمین پر آ رہا۔

میں نے آگے بڑھ کر اس کی پسلیوں میں ایک ٹھوکر رسید
کر دی۔

وہ کراہ کر سیدھا ہو گیا۔

"ہاں۔۔۔ میں تجھے وہ خبر سنا رہی ہوں اطہر رضوی۔۔۔ کہ وہ مر
چکے ہیں۔ اب اس دُنیا میں وہ مکروہ وجود باقی نہیں ہے۔ تیرا قابلِ
نفرت کارنامہ مٹی میں مل چکا ہے"

"یہ نہیں ہو سکتا۔۔۔ یہ نہیں ہو سکتا۔۔۔ ذلیل لڑکی۔۔۔
کبھی نہیں۔۔۔"

"یہ ہو چکا ہے، اطہر رضوی۔۔۔ ہو چکا ہے" میں نے ایک اور
ٹھوکر اس کے منہ پر رسید کی۔

ٹھوکر اتنی شدید تھی کہ اس کے سامنے کے دو دانت فرش پر
آ گرے۔ اس کے منہ سے خون بہہ رہا تھا اور وہ ماہی بے آب کی
طرح تڑپنے لگا۔ بڑی مشکل سے اوندھا ہو کر اس نے خون تھوکا اور
میں نے ایک اور ٹھوکر اس کی گردن پر رسید کر دی۔

"دیکھ۔۔۔ دیکھ۔۔۔" اطہر رضوی نے کہنا چاہا مگر خون کی گلی
نے اس کا جملہ پورا ہونے نہیں دیا۔ اسی وقت دروازے سے
بہت سے آدمی اندر گھس آئے۔ یہ سب پولیس کی وردی میں تھے
ان کے ہاتھوں میں اسٹین گن دبی ہوئی تھی۔ ان میں سے ایک
نے اسٹین گن کا رُخ میری طرف کر کے کہا۔

"اپنے ہاتھ اُوپر اُٹھا لو۔ اگر ہلنے کی کوشش بھی کی تو تمہارا
جسم چھلنی کر دیا جائے گا" میں نے خاموشی سے ہاتھ اُٹھا دیے۔
دو پولیس والوں نے آگے بڑھ کر میرے ہاتھوں میں آہنی کڑیاں ڈال
دیں اور مجھے اپنی گرفت میں لے لیا۔ باقی سب اندر دوڑے چلے
گئے تھے۔ ان میں سے ایک اطہر رضوی کے پاس پہنچ گئے اور
گریبان پکڑ کر اُسے تھوڑا سا اٹھایا۔ اور پھر دھکا دے دیا۔

"فادر مکلارنس کہاں ہیں؟" اس نے غرائی ہوئی آواز میں
پوچھا اور اطہر رضوی خاموشی سے اُسے دیکھتا رہا۔ پھر اس نے آنکھیں
بند کر لیں۔ شاید وہ بے ہوش ہو گیا تھا یا پھر بے ہوش ہونے کی
اداکاری کر رہا تھا یا پھر ممکن ہے صدمے سے اس کی روح ہی
نکل گئی ہو کیونکہ اُسے اپنے دونوں بیٹوں کی موت کی اطلاع
مل چکی تھی۔ ہر چند کہ تنویر نے مرنے سے پہلے کچھ ایسی باتیں
کی تھیں۔ جن سے میں چند لمحات کے لیے متاثر ہو گئی تھی لیکن
یہ احساس میرے لیے بڑا روح پرور تھا کہ دُنیا سے ان کا ناپاک
وجود ختم ہو گیا ہے۔ پولیس والے تواتر سے اندر چلے آ رہے تھے
ان کی تعداد کافی معلوم ہوتی تھی پھر اس کے بعد چند پولیس والے
مجھے باہر لے آئے۔ چوبی دروازے سے باہر آنے کے بعد میں
نے دیکھا کہ چاروں طرف پولیس کی بہت سی گاڑیاں کھڑی ہوئی
ہیں۔ رات ہو چکی تھی اور پولیس والوں نے اس علاقے کو روشن
کرنے کے لیے بہت سی سرچ لائٹس جلا رکھی تھیں۔ مجھے ایک
گاڑی میں بٹھا دیا گیا اور تین مسلح پولیس والے مجھ پر مسلط ہو گئے
میں اطمینان سے گاڑی میں بیٹھ گئی تھی۔ میرے وجود میں سرور
اُتر رہا تھا۔ آہ۔ میں اس سرور کی کیفیت الفاظ میں بیان نہیں کر
سکتی۔ تھوڑی دیر کے بعد گاڑی مجھے لے کر چل پڑی۔ بقیہ گاڑیاں
وہیں رہ گئیں۔ اندھیری رات کا سفر عجیب تھا۔ مجھے معلوم نہیں کب
اور کتنی دیر میں یہ سفر طے ہوا۔ مجھے تو ہوش اس وقت آیا جب
مجھے سلاخوں کے پیچھے دھکیل دیا گیا۔ کسی غیر ملکی جیل میں یہ میری پہلی
رات تھی۔ اس سے قبل میں اس حوالات میں رہ چکی تھی جب
میں نے اطہر رضوی کے ہمشکل کو موت کے گھاٹ اتارا تھا اور آج
دوسری بار جیل آئی تھی لیکن آج کی کیفیت کچھ اور تھی۔ یہ جگہ بھی
مجھے بُری نہیں معلوم ہوئی۔ ایک جانب بستر لگا ہوا تھا۔ میرے لیے

بستر پر لیٹ گئی اور تعجب کی بات یہ تھی کہ تھوڑی دیر کے بعد مجھے نیند بھی آگئی۔ ذہن پر اب کوئی بار جو نہ تھا۔

دوسری صبح جب آنکھ کھلی تو سورج نکل چکا تھا۔ شاید . . . درختوں پر چڑیاں اپنا پُرانا گیت گا رہی تھیں۔ مجھے یہ گیت بہت پیارا معلوم ہوا پھر مزید کچھ وقت گزرا۔ تقریباً ساڑھے آٹھ بجے اینجل اور رایڈی مجھ سے ملنے آئے۔ ان کے ساتھ نینسی اور رچرڈ بھی تھے نینسی کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ وہ سلاخوں کے پاس آکھڑی ہوئی۔

"کی نہ تم نے وہی حرکت جو اجنبی لوگ کرتے ہیں۔ تم ہمیں کچھ بتائے بغیر چلی آئیں جیسے ہم تمھاری کچھ مدد نہ کرتے۔ اب اکیلی . . . اکیلی یہی یہاں بند ہو" اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا مُنہ چھپالیا اور رونے لگی۔ میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ پھر میں نے اپنا ہاتھ سلاخوں سے باہر نکالا اور نینسی کے سر کے بالوں کو سہلاتے ہُوئے بولی۔

"تم یقین کرو نینسی، تم تصور نہیں کرسکتیں۔ جب میں تمھیں پُوری کہانی سناؤں گی تب تم میری کیفیت کا اندازہ کرسکو گی۔"

"کیا سناؤ گی تم پوری کہانی اب تو تم مرجاؤ گی۔ سنائے مرتے ہو جائے گی تھیں تم نے قتل جو کیا ہے۔ اتنے لوگوں کو مار دیا تم نے شاید پادری کو بھی قتل کردیا تم نے . . . مجھے تو کچھ معلوم نہیں۔ کیا کیا ہے تم نے۔ لیکن کچھ نہ کچھ کیا ضرور ہوگا تم نے۔ اگر کچھ ورنہ تم یہاں بند کیوں ہوتیں؟" نینسی نے دونوں ہاتھ اُٹھا کر مجھے گھورتے ہوئے کہا اور پھُوٹ پھُوٹ کر رونے لگی۔ میرے لبوں پر بے اختیار ہنسی آگئی تھی اور اینجل بھی مسکرانے لگی تھی۔

"ہیلو اینجل" میں نے اس سے کہا اور اینجل مجھے دیکھنے لگی . . . پھر اُس نے آگے بڑھ کر میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

"تم نے جو کچھ کیا ہے عالیہ یقیناً کوئی ایسی ہی بات ہوگی کہ تمھیں یہ سب کچھ کرنا پڑا۔ حالات ابھی تک اتنے پُراسرار ہیں کہ ہم لوگوں کو کچھ نہیں معلوم ہوسکا۔ نہ ہی ہمیں وقت نے مہلت دی کہ ہم تم سے کچھ پُوچھ سکیں۔ لیکن کین نے تھوڑی سی باتیں مجھے بتا دی ہیں، میں نہیں جانتی کہ اونٹ کس کروٹ بیٹھے لیکن تم خود کو تنہا مت سمجھنا۔"

"اوہ . . . نہیں ڈیئر اینجل۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے تم سب جو ہو میرے ساتھ۔ نینسی ہے رچرڈ ہے اور پھر میرا ایڈی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ مجھے کچھ نہیں ہوگا۔ میں باعزت بری ہوجاؤں گی۔ کیوں مسٹر ایڈی آپ کا کیا خیال ہے۔"

"بالکل ٹھیک۔ میں تمھیں فتح کی خوشخبری سُناتا ہوں مسٹریہ" ایڈی نے بہت ہی بے پرواہی سے کہا۔

"بالکل صحیح خیال ہے تمھارا مسٹر ایڈی۔ بھلا جب ایڈی جیسا نوجوان میرا بھائی ہے تو پھر مجھے کسی قسم کا گزند پہنچ سکتا ہے سونیا کہاں گئی . . . ؟" میں نے نینسی سے پُوچھا۔

"وہ نہیں آئی . . . اپنے والدین کی قید میں چلی گئی ہے اور اُنھوں نے اُسے ایک کمرے میں بند کردیا ہے۔ وہ اُسے باہر نکلنے کی اجازت نہیں دیں گے مجھے یقین ہے۔" نینسی نے بتایا۔ پھر رچرڈ بولا۔

"مسٹر عالیہ آپ کسی قسم کی فکر نہ کریں۔ ہمیں ملاقات کا بہت کم وقت دیا گیا ہے۔ گو میں آپ سے اتنی بہت سی باتیں نہیں کرسکتا۔ لیکن میں نے کین سے رابطہ قائم کر رکھا ہے۔ کین بہت مصروف ہے۔ ممکن ہے آپ کو یہاں سے ہالی وڈ لے جایا جائے۔ لیکن آپ وہاں تنہا نہیں جائیں گی۔ ہم سب آپ کے ساتھ ہوں گے اور آپ سے زیادہ فاصلے پر نہیں ہوں گے۔ آپ بالکل مطمئن رہیں ہم لوگ بھی یہاں اتنی معمولی حیثیت نہیں رکھتے اور پھر انکل ہار پر آپ کی مدد پر آمادہ ہوگئے ہیں۔ اس لیے آپ بالکل بے فکر رہیں۔"

"تھینک یو۔ رچرڈ" میں نے جواب دیا۔ اُسی وقت ایک پولیس آفیسر اندر آگیا۔

"حضرات، براہ کرم ہم نے آپ کی خواہش پُوری کردی۔ آپ بھی اپنے وعدے کا خیال رکھیے گا۔" اور وہ سب مجھے خدا حافظ کرکر واپس چل دیے۔

یہ پولیس اسٹیشن کا لاک اپ ضرور تھا۔ لیکن تمام ضروری آسائشوں سے مزین تھا۔ اور مجھے یہاں رہتے ہوئے صرف تنہائی کے احساس کے سوا اور کوئی احساس نہ تھا۔ بالکل گھر کا سا آرام فراہم کردیا گیا تھا۔

اسی دن سہ پہر کو چند پولیس آفیسر میرے پاس آئے۔ ان میں کین بھی شامل تھا۔ مجھے باہر نکالا گیا اور ایک کار میں بٹھا دیا گیا کار چل پڑی۔ میں پچھلی سیٹ پر اکیلی بیٹھی تھی۔ اگلی سیٹ پر صرف دو پولیس آفیسر بیٹھے ہوئے تھے۔ کار کے دروازے لاک کر دیے گئے تھے تاکہ میں نکل کر بھاگ نہ سکوں۔ غالباً یہ مشورہ کین نے دیا ہوگا کیونکہ کین کو اس سلسلے میں بہتر تجربہ ہوچکا تھا اور تھوڑی دیر کے بعد ہم ہالی وڈ میں داخل ہوگئے اور پھر ہالی وڈ کی ایک عمارت میں مجھے پہنچا یا گیا۔ یہ عمارت سرکاری ہی تھی۔ لیکن اس کے باہر کوئی بورڈ نظر نہیں آیا تھا۔

. . . ت میں چوتھا دفتر قائم تھا۔ غالباً محکمہ خفیہ کا کوئی . . . خاص شعبہ . . . عمارت کے ایک وسیع و عریض ہال میں سے جایا گیا یہاں . . . میزیں بھی لگی تھیں۔ ایک کرسی پر مجھے بیٹھنے کا اشارہ کرکے . . . افسر واپس چلے گئے اب میں وہاں تنہا تھی۔ میری نگاہیں چاروں . . . ک رہی تھیں۔ پھر اندرونی دروازے سے تین افراد باہر نکلے . . . بھاری بھرکم اور بارُعب افراد تھے وہ ایک میز کے پیچھے پڑی . . . پر بیٹھ گئے۔ میز پر بہت سے ٹیلی فون رکھے ہوئے تھے۔ . . . شخص نے جس کے شانے چوڑے تھے اور چہرہ کسی بلڈاگ کی . . . مجھے گھورتے ہوئے کہا . . . !

"تم اپنے بیان پر قائم ہو یا ہمیں کچھ اور بھی بتانا چاہتی ہو؟"

"میں نہیں سمجھی جناب" میں نے کہا۔

"میرا مطلب ہے تم نے بتایا ہے کہ تم اپنے ملک کی ایک خاتون ہو۔ نہ صرف صحافی بلکہ شاید اس اخبار کی مالک . . . یہی . . . سان فرانسسکو میں اب سے کچھ عرصے قبل ایک صحافتی . . . منعقد ہونے والی تھی اور تمھارے ملک سے بھی ایک خاتون . . . شرکت کرنے والی تھیں لیکن یہ بات بڑی حیرت انگیز ہے . . . ہونے والے اس طیارے میں تم اور تمھارا ساتھی تنہا ہی زندہ . . . باقی لوگوں کے بارے میں تفصیلات نہیں معلوم ہوسکیں . . . علاوہ طیارہ اسپین میں تباہ ہوا تھا۔

. . . لاشیں پائی گئیں اور ہمیں ابھی تک اس بارے میں تفصیلات . . . معلوم ہوسکیں۔ اس لیے ہم تمھارے ساتھ کوئی بہتر سلوک نہ کر . . . اگر ممکن ہوسکے تو ہمیں کچھ اور تفصیلات بتاؤ۔"

"نہیں جناب میں اس سے زیادہ کچھ اور نہیں بتا سکتی۔ میں . . . بیان پر قائم ہوں۔ بہتر یہ ہوگا کہ آپ میرے ملک کے سفارت . . . سے رابطہ قائم کرکے میرے اس بیان کی تصدیق کریں۔ میں . . . سلسلے میں مزید کچھ بتانے سے معذور ہوں۔" میں نے حلیمی سے . . .

". . . گویا ہمیں یہ بھی نہیں معلوم ہوسکے گا کہ اسپین سے امریکا تک . . . ذرائع سے کیا گیا؟"

". . . میں عرض کرچکی ہوں کہ اس سلسلے میں مزید کوئی تفصیل نہ . . ."

". . . ہوں" آفیسر نے کہا۔ ابھی یہی گفتگو ہوئی تھی کہ افسروں کے . . . رکھے ہوئے آلات میں سے آوازیں اُبھرنے لگیں۔ تینوں تیر . . . سے۔ ان میں سے ایک نے جلدی سے کچھ بٹن دبائے اور . . . دیوار پر تین بلب روشن ہوگئے۔ اس آفیسر نے ایک ہیڈ فون اُٹھا کر کانوں سے لگایا اور کچھ سُننے لگا۔ اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیلے ہُوئے تھے پھر اس نے آہستہ آہستہ چند الفاظ کہے جو میری سمجھ میں نہیں آسکے تھے اس کی حیرت زدہ نگاہیں میرے چہرے پر جمی ہوئی تھیں پھر اس نے آلے کے بٹن آف کرکے ہیڈ فون اپنے کانوں سے اُتار دیا اور اپنے ساتھیوں کی طرف مُنہ کرکے بولا۔

"فوری طور پر تفتیش کا سلسلہ معطل کردیا گیا ہے۔ محترم خاتون کو ایک مخصوص جگہ پہنچانا ہے۔ تیار ہوجاؤ۔"

"کہاں جناب؟" بائیں سمت بیٹھے ہُوئے ساتھی نے پوچھا۔

"بس میں تمھیں اس سلسلے میں ہدایت دیتا ہوں۔ ہم آپ سے مزید سوالات نہیں کریں گے۔ آپ چند ساعت یہاں تشریف رکھیں۔ ہم ابھی یہاں حاضر ہوتے ہیں۔" اور پھر وہ جس دروازے سے نکل کر آئے تھے وہیں داخل ہوگئے۔ میں حیران رہ گئی تھی۔ اس بات کا تو مجھے یقین ہوگیا تھا کہ وہ پیغام میرے لیے ہی تھا لیکن وہ پیغام کیا تھا؟ اور کیا بات ہوئی تھی؟ اس کا البتہ مجھے کوئی علم نہیں تھا نہ جانے کیوں فوری طور پر یہ سارا کھیل ختم ہوگیا تھا پھر تقریباً دس منٹ کے بعد وہ دو افراد میرے پاس آئے جو اُس شخص کے دائیں بائیں بیٹھے ہُوئے تھے۔ ان میں سے ایک نے نہایت احترام سے مجھ سے چلنے کے لیے کہا۔ اور میں ہال کے دروازے سے باہر نکل آئی۔ میں نے محسوس کیا کہ اب میرے ساتھ نگرانی کرنے والے لوگ نہیں تھے۔ دونوں افسر میرے ساتھ کار میں بیٹھے اور کار چل پڑی ان کی منزل ایک خوب صورت مکان تھی۔ پورچ میں کار رُک گئی اور انھوں نے مجھے اُترنے کا اشارہ کیا پھر مجھے ایک خوبصورت ڈرائنگ رُوم میں بٹھا دیا گیا تھا پھر وہ لوگ مجھ سے کچھ کہے سُنے بغیر اُس کمرے سے باہر نکل گئے۔ میں حیران پریشان اس ڈرائنگ رُوم میں بیٹھی رہی۔ میرا خیال تھا کہ ڈرائنگ رُوم کا دروازہ کم از کم باہر سے بند کردیا گیا ہوگا۔ جب خاصی دیر گزر گئی تو میں نے خود ہی اُٹھ کر اس دروازے کو آزمایا اور یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ دروازہ کھلا ہُوا تھا۔ گویا پابندیاں ختم کردی گئی تھیں۔ میں نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ دُور ہی مجھے ایک دُبلا پتلا سا نوجوان نظر آیا۔ میں نے اشارہ کرکے اُسے اپنے پاس بلایا۔ اور وہ میرے نزدیک آگیا تو میں نے سوال کیا۔

"یہ کون سی جگہ ہے؟"

"ایڈورڈ ہاؤس" نوجوان نے جواب دیا۔

"یہ کس کی ملکیت ہے؟ کیا محکمہ پولیس کی؟"

"اس مکان کا تعلق محکمہ پولیس سے نہیں ہے۔"

"پھر . . . ؟" میں نے سوال کیا۔

"معزز خاتون! اس سلسلے میں ہمیں کچھ بتانے کی اجازت نہیں ہے۔ مجھے معاف کیجیے گا میں صرف ایک معمولی سا ملازم ہوں۔"

"ہوں۔۔۔" میں نے ایک گہری سانس لے کر کہا اور اس سے مزید کچھ کہے بغیر ڈرائنگ روم میں واپس آگئی۔ لیکن وہ نوجوان بھی میرے پیچھے پیچھے اندر ہی چلا آیا تھا۔

"کسی چیز کی حاجت ہو تو براہ کرم بے تکلفی سے فرما دیں کافی پیش کروں۔ یا۔۔۔"

"اگر کوئی حرج نہ ہو تو پھر کافی لے آؤ۔" میں نے جواب دیا اور وہ گردن جھکا کر چلا گیا۔ کافی پیتے ہوئے میں سوچوں میں گم تھی کہ دروازہ کھلا اور رایڈی دوڑتا ہوا اندر آیا اور بے اختیار مجھ سے لپٹ گیا۔

"بالآخر ہم آپ تک پہنچ گئے سسٹر۔ دیکھا نا آپ نے۔ ہماری دعائیں رنگ لائیں۔" اس نے میری گردن میں اپنی باہنیں ڈالتے ہوئے کہا اور میں بھی اس کی آنکھیں اور رخسار چومنے لگی۔ ایڈی کے پیچھے پیچھے انجل اندر داخل ہوئی تھی۔ اس کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ تھی۔ میں نے کھڑے کھڑے اس کے رخسار کا استقبالیہ بوسہ لیا اور پھر اُسے سامنے بٹھایا۔ اور دروازے کے قریب جا کر اس شخص کو آواز دی جس نے مجھے کافی سرو کی تھی وہ دروازے سے چند قدم کے فاصلے پر موجود تھا۔

"سنو۔ مزید کافی چاہیے۔"

"ابھی حاضر کر دیتا ہوں خاتون۔ مگر مجھے بلانے کے لیے آپ یہ بیل بجا دیا کریں۔" اس نے دیوار میں لگے ہوئے ایک بٹن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "آپ کو بار بار دروازے تک آنے کی زحمت ہوتی ہے۔"

"اوہ۔۔۔ دیکھی نہیں تھی۔" میں نے جواب دیا اور واپس اندر آگئی۔ انجل اور ایڈی ایک صوفے پر بیٹھے مسکرا رہے تھے۔

"آپ لوگوں کی تشریف آوری جہاں باعث مسرت ہے وہاں باعث حیرت بھی۔ جلدی سے مجھے اپنی آمد کی تفصیلات بتایئے۔" میں نے ایڈی کے قریب صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ اور پھر انجل کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"اور خاتون آپ سے شرمندہ تو بہت ہے لیکن اس کا ازالہ بعد میں ہو جائے گا۔ پہلے جلدی سے یہ بتایئے کہ آپ لوگوں کو یہاں آنے کی اجازت کس نے دی اور یہ کون سی جگہ ہے اور میری پوزیشن کیا ہے۔ دراصل اس بارے میں مجھے ابھی تک کچھ نہیں بتایا گیا ہے۔" انجل مسکراتے ہوئے بولی۔

"شرمندگی کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ جس شخص سے آپ کو شرمندگی ہونی چاہیے وہ خود آپ سے شرمندہ ہے۔ مس ایلیا" انجل نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب؟" میں نے کہا۔

"میری مراد کین سے ہے کین آپ کی حیرت انگیز شخصیت سے بہت متاثر ہے۔ حالانکہ اس کا کہنا ہے کہ میری گردن کے پٹھے ابھی تک دُکھ رہے ہیں۔ سب سے زیادہ حیرت اُسے اسی بات پہ ہے کیونکہ وہ خود بھی جوڈو اور کراٹے کا ماہر ہے لیکن اس کا خیال ہے کہ آپ کو اس سلسلے میں خاصی مشق ہے اور بلاشبہ آپ نے اس جیسے سخت پولیس افسر کو بے بس کر کے ایک کارنامہ انجام دیا۔ بہرصورت عالیہ! یہ کین کا اپنا معاملہ ہے اس سے میری اور تمہاری دوستی میں کوئی فرق نہیں پڑتا تاہم میں خود بہت حیران ہوں۔ تم نے مجھے تھوڑی سی تفصیلات تو بتائیں تھیں لیکن یہ نہیں بتایا کہ تم اس معاملے میں کسی حد تک اُلجھی ہوئی ہو؟"

"ہاں انجل جو کچھ میں نے تمہیں بتایا تھا یہ اسی کی اگلی کڑی تھی لیکن مجھے انتہائی مسرت ہے کہ یہاں آ کر میں نے زندگی کا وہ مقصد پا لیا ہے جس کے لیے میں ایک طویل عرصے سے سرگرداں تھی۔ وہ منحوس شخص میرے ہی ملک سے نکلا تھا۔ وہاں وہ جو کچھ کر کے آیا تھا اس کی تفصیل ذرا طویل ہے۔ بہرصورت اگر مجھے وقت ملا تو میں تمہیں پوری تفصیل بتا دوں گی لیکن میں نے جو کچھ کیا ہے میں اس پر قطعی نادم نہیں ہوں۔"

"یقیناً عالیہ ایسا ہی ہوگا۔ بہرصورت ڈیئر۔ مجھے کین نے یہاں بھیجا ہے۔ کچھ خصوصی ذرائع نے آپ کی امداد کی ہے اور پولیس کی تحویل سے نکال کر اپنی تحویل میں لے لیا ہے۔ اب تم قیدی کی حیثیت سے نہیں ہو بلکہ تم ایک معزز مہمان کی حیثیت سے امریکہ میں مقیم ہو۔ تمہارے پاس کیونکہ کاغذات نہیں تھے اس لیے اس سلسلے میں ہرمیئل سقراط نے تمام تر ذمے داری اپنے سر لے لی۔" میں حیرت سے اُچھل پڑی سقراط۔ امریکہ کی ایک اہم ترین شخصیت ہے۔ غالباً اس شخصیت نے صدر مملکت سے تمہارے بارے میں براہ راست گفتگو کی ہے اور صدر مملکت کے کہنے پر تمہیں خصوصی طور پر مراعات دی گئی ہیں۔ کاغذات وغیرہ کی تیاری بھی مکمل ہو جائے گی۔ یہ ہرمیئل سقراط کی اپنی عمارت ہے جس میں تم مقیم ہو۔"

"کمال ہے۔۔۔ واقعی کمال ہے۔۔۔ میں خوش نصیب ہوں انجل۔ کہ مجھے ہر جگہ مخلص لوگوں کا تعاون حاصل ہو جاتا ہے۔"

"تاہم" انجل نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "اپنے

کسی قسم کا کوئی خیال نہ لاؤ۔ ساری وقتی باتیں تھیں۔"

ایک شام جب ہم اپنی اس نئی رہائش گاہ کے لان میں بیٹھے چائے پی رہے تھے تو ایک کار اندر داخل ہوئی۔ یہ ایک سُرمئی رنگ کی بیوک تھی جس میں انکل ایکس کے ساتھ ایک شخص اور بیٹھا ہُوا تھا ایک ایسا شخص جسے دیکھ کر چند لمحات کے لیے میری آنکھوں میں عجیب سے تاثرات پیدا ہو گئے تھے۔ یہ بقراط تھا۔ مجھے دیکھ کر ان لوگوں نے کار لان کے پاس ہی روک لی۔ میں نے بھی کھڑے ہو کر ان کا استقبال کیا تھا۔

"ہیلو۔ مس عالیہ۔" بقراط نے شتین لہجے میں کہا۔

"ہیلو۔ تصور صاحب۔ کیسے مزاج ہیں آپ کے... کب تشریف لائے؟"

"تفصیلات میں بعد میں بتاؤں گا پہلے اپنے ان جذبات کا اظہار کر دوں جو آپ کو دیکھ کر میرے سینے میں موجزن ہو گئے ہیں بلکہ اگر یوں کہا جائے تو آپ کی زندگی کے بارے میں سُن کر تو کچھ غلط نہ ہو گا۔"

"بہت بہت شکریہ۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کو میری زندگی سے خوشی ہُوئی ہو گی۔"

"نہ صرف خوشی عالیہ صاحبہ بلکہ یوں سمجھیے کہ ہم ایک عظیم المیے سے بچ گئے جسے ہم شاید مدتوں فراموش نہیں کر سکتے تھے۔"

"میں تفصیلات جاننے کی خواہشمند ہُوں۔ براہِ کرم تشریف رکھیے۔ مسٹر ایڈی آپ معزز مہمانوں کو چائے سرو کریں گے۔"

"بہت بہتر۔" ایڈی نے جواب دیا اور انکل ایکس بھی بیٹھ گئے تھے۔ پھر انھوں نے پوچھا۔

"تمھیں کوئی تکلیف تو نہیں ہُوئی عالیہ یہاں؟"

"نہیں انکل ایکس۔ یہاں مجھے تمام مراعات حاصل ہیں میں آپ کی بے حد شکر گزار ہُوں۔"

"تو پھر مجھے اجازت دو۔" انکل ایکس اپنی چائے ختم کرتے ہُوئے اُٹھ گئے۔

"آپ بھی جا رہے ہیں تصور صاحب؟" میں نے پوچھا۔

"میں اُستادِ محترم کے ساتھ نہیں جا رہا۔ انھوں نے مجھے اجازت دی ہے کہ میں کچھ وقت آپ کے ساتھ گزاروں۔ بشرطیکہ آپ مجھے برداشت کریں۔" بقراط نے کہا۔

"لیکن ایک شرط پر۔" میں بولی۔

"وہ کیا؟"

"آپ مجھ سے اُدھار نہیں مانگیں گے۔" میں نے کہا اور سب مجھے حیرت سے دیکھنے لگے۔

"وعدہ۔" بقراط نے گردن جھکا کر کہا اور میں ہنس پڑی۔

انکل ایکس کے جانے کے بعد وہ شرارت آمیز نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگا پھر بولا۔ "یوں بھی کم از کم امریکا جیسے ملک میں ادھار کی دھاندلی چل نہیں سکے گی۔"

"آپ سے کوئی بات بعید نہیں ہے۔"

"میں آپ کی کسی بات سے اختلاف نہیں کروں گا مس عالیہ کیونکہ... کیونکہ آپ سے دوبارہ ملاقات کی ساری اُمیدیں ختم ہو گئی تھیں۔"

"افشاں وغیرہ کا تو بُرا حال ہو گا۔" میں نے کہا۔

"خود میرا بُرا حال تھا اس لیے میں نے کسی کے حال پر توجہ ہی نہیں دی۔"

"اوہ بہت دلچسپ مذاق کرتے ہیں آپ۔ میری وجہ سے آپ کا بُرا حال کیوں ہونے لگا؟"

"کبھی کبھی انہونی بھی ہو جاتی ہے۔" بقراط نے معنی خیز لہجے میں کہا لیکن میں نے اس لہجے پر کوئی توجہ نہیں دی تھی۔ بقراط رات کے کھانے پر بھی ہمارے ساتھ شریک رہا۔ اور پھر وہ دوسرے دن آنے کا وعدہ کر کے چلا گیا۔

سہ پہر میں انکل ایکس اور بقراط آ گئے مختلف موضوعات پر باتیں ہونے لگیں۔ انھوں نے اس عمارت کے بارے میں عجیب انکشافات کیے۔ میں دو تین کمروں تک ہی محدود رہی تھی۔ میں نے اِدھر اُدھر جانے کی کوشش بھی نہیں کی تھی۔ انکل کے انکشافات نے میرا تجسس بڑھا دیا۔ میرا تجسس بھانپ کر انکل ایکس نے کہا۔

"آؤ عالیہ۔ میں تمھیں اس عمارت کے عجائبات کی سیر کراؤں۔ کھانے میں ابھی کافی دیر ہے۔" انکل ایکس مجھے لے کر چل پڑے اور پھر عمارت کے ایک اندرونی حصے میں ایک دروازے کے سامنے جا کھڑا ہُوا۔ "اس کمرے میں بھی ایک عجوبہ موجود ہے جسے دیکھ کر تمھیں خوشی ہو گی۔"

"اوہ۔" میں نے آگے بڑھ کر کمرے کا دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گئی۔ بے حد خوشگوار ماحول تھا۔ دیواریں سبز رنگ کی تھیں اور بغور دیکھنے سے اندازہ ہوا کہ ان پر جنگل کے مناظر کی تصویر کشی کی گئی ہے۔

میں اس خوبصورت کمرے کو دیکھ کر مبہوت رہ گئی تھی۔ پھر میری نگاہ کمرے کے ایک گوشے میں پڑی ہوئی ایک خوبصورت مسہری پر ٹھہر گئی۔ میں انکل کے ساتھ مسہری کی طرف چل پڑی

کوئی سفید چادر اوڑھے لیٹا تھا۔ میں نے حیرانی سے اسے دیکھا چہرہ ڈھکا ہُوا تھا لیکن آنکھوں سے محروم۔ انکل ایکس نے نہایت خود اعتمادی سے آگے بڑھ کر اس کے چہرے سے چادر ہٹا دی اور پھر پوری چادر اس کے بدن سے ہٹ گئی۔

میں نے سونے والے کا چہرہ دیکھا اور میں اپنی کیفیت بیان نہیں کر سکتی کہ کیا ہُوا۔ بس سارے جہاں کی حیرتیں میرے چہرے پر سمٹ آئی تھیں میں آنکھیں پھاڑے اس انوکھے انسان کو دیکھ رہی تھی۔ وہ تنویر تھا... تنہا تنویر... جسے کبھی تنہا دیکھنے کا تصور بھی نہیں کیا گیا تھا لیکن اب وہ تنہا تھا اپنے تمام تر بے تکے وجود کے ساتھ تنہا۔ نادر اس کے بدن سے الگ ہو چکا تھا۔ جس جگہ سے نادر کا بدن شروع ہوتا تھا وہاں بندیج تھی لیکن تنویر سانس لے رہا تھا۔ اس کی سانسوں کی آواز صاف سُنائی دے رہی تھی۔

... وہ زندہ تھا۔

انکل ایکس نے مجھے غور و فکر کے پورے مواقع فراہم کیے [انھو]ں نے میری خاموشی میں مداخلت نہیں کی تھی۔ میں بے اختیار [آ]گے بڑھ کر تنویر کے پاس پہنچ گئی۔ میں نے اس کے سینے پر ہاتھ [رکھ] کر اس کا تنفس محسوس کیا۔ دل کی دھڑکنیں محسوس کیں اور مجھے [یقی]ن ہو گیا کہ وہ زندہ ہے۔

اور... تنویر کے الفاظ میرے کانوں میں گونجنے لگے۔ اپنے [ذہن] کے اندرونی گوشوں میں مجھے بڑی تبدیلیاں محسوس ہوئی تھیں [بڑی ا]نوکھی تبدیلیاں جو اس سے قبل میں نے کبھی محسوس نہیں [کی تھ]یں۔ مجھے احساس بھی نہ ہُوا کہ کب میری آنکھوں کے گوشے [بھیگ] گئے اور کب دو آنسو نکل کر تنویر کے اُوپر ٹپک گئے۔ میں اسے [دیکھ]تی رہی اور پھر میں نے اچانک اس طویل خاموشی اور انکل ایکس [کی م]وجودگی محسوس کی۔ میں نے ان کی طرف دیکھا تو جیسے انھیں [احسا]س ہو گیا کہ میں سنبھل گئی ہوں۔ تب وہ بولے۔

"مجھے علم ہے کہ خود اس نے اپنے ہاتھ سے اپنے بدن [کے دو]سرے حصّے کو قتل کیا ہے۔"

"نادر تو مر چکا ہے انکل ایکس۔"

"ہاں۔ وہ اسی وقت مر گیا تھا۔"

"اور یہ؟"

"کیا تم نے اسے زندہ نہیں محسوس کیا؟"

"ہاں۔ یہ زندہ ہے۔"

"اور زندہ رہے گا۔ اب اس کی زندگی کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔"

"لیکن انکل۔ یہ... زندہ کیسے بچ گیا اور... اور..."

"بس یہ اس کی خوش بختی تھی کہ مجھے اس کے بارے میں تفصیلات معلوم ہو گئیں اور میں نے فوراً اسے اپنی تحویل میں لے لیا ورنہ..."

"ورنہ کیا...؟" میں نے سوال کیا۔

"متعلقہ محکمے کے لوگ اسے بھی مردہ سمجھ کر اس کی چیر پھاڑ کر دیتے اور یہ بے چارہ بھی اس مردہ حصّے کے ساتھ دفن ہو جاتا۔"

"اوہ۔ پھر انکل...؟ پھر...؟" میں نے بے صبری سے پوچھا۔

"پہلے میں نے اسے اپنی تحویل میں لیا اور اس کے بعد اس کے بارے میں مکمل رپورٹیں حاصل کیں۔ بظاہر یہ بھی مردہ تھا اور ان حصّوں میں زندگی کی کوئی تحریک نہیں تھی لیکن تمھارے بیان کی ایک بات مجھے پریشان کر رہی تھی۔"

"وہ کیا انکل؟"

"تم نے شاید بیان دیا تھا کہ اس کے وجود کا دوسرا حصّہ جس کا نام شاید نادر بتایا تھا تم نے، اپنی زندگی کے دوران اسے کوئی انجکشن دے کر بے ہوش کر دیتا تھا۔ یہی ایک نکتہ میرے لیے بہت دلچسپ تھا۔"

"آپ نے اس سے کیا اندازہ لگایا انکل؟"

"یہ کہ اگر ان کی زندگی کے تار ایک دوسرے سے اس قدر منسلک تھے تو بے ہوشی کے انجکشن کا اثر صرف اس ایک پر کیوں ہوتا تھا۔ دوسرا اس اثر سے کیسے آزاد ہو جاتا تھا۔ میں نے اسی ایک نکتے پر سوچا اور اپنے سرجنوں کو جمع کر لیا۔ تحریک کے اپنے سرجن ہیں جو بہترین سائنسدان بھی ہیں۔ میں نے یہ پوری تھیوری ان کے سامنے رکھی اور وہ اس بات پر مجھ سے متفق ہو گئے کہ ان کے سسٹم الگ الگ ہیں۔ اگر سسٹم الگ الگ ہوں تو پھر کسی دوسرے وجود کو ایک نہیں کہا جا سکتا۔ میرے ساتھی سرجنوں نے یہ ذمے داری قبول کر لی اور پھر پورے گیارہ گھنٹے تک ایک پیچیدہ آپریشن کیا گیا۔ اس کے بدن سے مردہ نادر کو الگ کیا گیا اور وہ تمام نسیں بقیہ وجود سے جوڑی گئیں جو اہم عمل ادا کرتی ہیں۔ پھر مخصوص ذرائع سے ان کا عمل شروع کیا گیا اور مردہ بدن کے زہریلے اثرات اس کے سسٹم سے دُور کیے گئے تو اس میں زندگی محسوس کی گئی ہمیں مکمل کامیابی حاصل ہو گئی اور اب یہ اس کا اپنا وجود ہے۔ نادر کا دوسرا ہاتھ کاٹ کر اس کے شانے میں جگہ بنا کر منسلک کیا گیا ہے اور جونہی خون کی گردش بحال ہو گی دوسرا ہاتھ بھی کام کرنے لگے گا۔ بس

اتنی سی خرابی رہ جائے گی کہ اس دوسرے ہاتھ سے وہ کوئی وزنی چیز نہیں اٹھا سکے گا اور اس کا دھڑ کسی قدر ٹیڑھا رہے گا۔"

"او انکل ایکس۔ آپ نے ۔۔ آپ نے اس صدی کا سب سے بڑا کارنامہ سرانجام دیا ہے۔ آپ نے بہت بڑا کام کیا ہے۔"

"نہیں بے بی۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ حماقت اس گدھے سے ہوئی تھی جو باپ کی محبت کے سہارے درندگی پر آمادہ ہو گیا تھا۔ اسے ایک بیٹے کی قربانی ضرور دینی پڑی لیکن دوسرا بیٹا بہتر طور پر زندگی گزار سکتا تھا۔ یہ آپریشن بے شک بچپن میں خطرناک ہو سکتا تھا اور ان دونوں کی زندگیاں ختم ہونے کا خطرہ تھا لیکن اگر بارہ سال کی عمر کے بعد یہ کوشش کی جاتی تو سی طرح کامیاب رہتی جس طرح اب رہی ہے۔" انکل ایکس نے جواب دیا۔

"بدنصیب اطہر رضوی۔ وہ اتنا بڑا انسان نہیں تھا لیکن بیٹوں کی محبت میں پاگل ہو کر وہ بہت بڑا ہو گیا تھا۔ بہت ہی بُرا۔"

"انکل مجھے ایک سلسلے میں آپ کی اجازت درکار ہے؟"

"کس قسم کی اجازت؟"

"میں اس دوران اس کی تیمارداری کرنا چاہتی ہوں مجھے یہاں رہنے کی اجازت دی جائے۔"

"کوئی حرج نہیں ہے۔"

"آپ کو کوئی تکلیف تو نہیں ہو گی انکل؟"

"بالکل نہیں بے بی۔ بالکل نہیں۔"

"کوئی خاص ہدایت اس بارے میں؟"

"جو نرس اس کی دیکھ بھال کر رہی ہے وہ تمہیں ضروری ہدایات دے دے گی۔"

"بہت بہتر۔ میں نرس سے ساری تفصیلات پوچھ لوں گی اور اس کے بعد میں خود ہی سب کچھ کروں گی۔" میں نے جذباتی انداز میں کہا پھر میں انکل ایکس کے ساتھ باہر نکل آئی لیکن میں نے خود ہی محسوس کیا کہ میری ذہنی کیفیت زیادہ بہتر نہیں ہے۔ میں البتہ تنویر کے علاوہ اور کچھ نہیں سوچ رہی تھی۔ تنویر ... صرف تنویر۔ جس نے میرے لیے خودکشی کر لی تھی جو میری پرستش کرتا تھا۔ ایک ایسا انسان جس کے دل میں صرف تنہائیاں اور ویرانیاں تھیں جس نے کبھی ایک خوشگوار زندگی کے بارے میں نہ سوچا ہو گا۔ وہ تنویر ... آہ ... وہ زندگی کی طرف لوٹ آیا ہے تو ... میں اس کی زندگی کی ویرانی بھی دُور کر دوں گی۔ ہاں میں اس کی زندگی ویران نہ رہنے دوں گی۔

بقراط نے میری اس جذباتی کیفیت کو محسوس کر لیا تھا۔ میں نے اس کے چہرے پر حیرت کے نقوش دیکھے تھے۔ "آپ کہاں پریشان ہوں گی عالیہ۔ نرس اس کی دیکھ بھال کر رہی ہے، اسے ہی رہنے دیں"

"نہیں تصور صاحب۔ میں نے مناسب فیصلہ کیا ہے۔" میں نے ٹھوس لہجے میں کہا۔ اور بقراط مسکرانے لگا۔

دوپہر کے کھانے کے بعد ایلڈی ہرمٹل سقراط کے ساتھ چلا گیا۔ بقراط کمرے میں میرے پاس رہ گیا تھا۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "تو پھر اب کیا پروگرام ہے محترمہ؟"

"کوئی خاص نہیں تصور صاحب۔"

"وطن واپس جائیں گی؟"

"جی ہاں۔"

"اور اخبار نکالتی رہیں گی؟"

"یقیناً۔"

"لیکن میں نے کچھ اور سُنا ہے؟"

"وہ کیا؟"

"آپ ہماری تحریک میں شامل ہونے کی خواہش مند تھیں؟"

"خواہش مند تھی۔ اب نہیں ہوں۔"

"وہ کیوں؟"

"بس میں نے زندگی کے راستے بدلنے کا فیصلہ کیا ہے"

"مثلاً؟" بقراط نے پوچھا۔

"میں قبل از وقت اپنی ذاتی باتوں کا اعلان نہیں کرتی۔"

"مگر خاتون میں خود کو آپ کی ذاتی باتوں میں دخیل سمجھتا ہوں"

"ایک حد ضروری ہوتی ہے تصور صاحب۔"

"میرے لیے بھی کوئی حد ہے؟"

"آپ کے لیے تو بہت ضروری ہے ورنہ آپ غلط فہمیوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔"

"وہ ایک مذاق تھا عالیہ۔ تمہاری موت کی اطلاع نے مجھے مفلوج کر دیا تھا۔ میں نے اس دوران خود میں بہت سی تبدیلیاں محسوس کی ہیں اور تمہاری زندگی کی اطلاع ... میرے لیے بھی زندگی کا پیغام لائی تھی۔"

"اس کے لیے میں آپ کی شکرگزار ہوں۔ بے شک آپ کے مجھ پر بے حد احسانات ہیں جنہیں میں کبھی فراموش نہیں کر سکتی

لیکن میرے اور آپ کے تعلقات کی حد ہے۔"

"میں آپ کی یہ ناراضگی یقیناً دُور کر دوں گا۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا اور میں اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"آئیے۔ ایلڈی کے پاس چلیں۔"

"چلیے ..." وہ سعادت مندی سے کھڑا ہو گیا۔

★★

ٹھیک ایک ہفتے بعد تنویر کو ہوش آیا۔ اس نے ایک کراہ کے ساتھ آنکھیں کھول دی تھیں۔ میں اس کے سامنے تھی۔ اس کے ہوش و حواس بحال تھے۔ مجھے دیکھ کر اس نے پلکیں جھپکائیں پھر اس کے چہرے پر حیرت کے آثار پھیل گئے۔

"آپ ... آپ ...؟" وہ تعجب سے بولا۔

"پہچانتے ہو مجھے؟" میں نے پیار سے پوچھا۔

"ہاں ... لیکن آپ ...؟"

"پہلے میری طرف سے نئی زندگی کی مبارک باد قبول کرو۔"

"لعنت ہے اس زندگی پر ... ان لوگوں نے نہ جانے کیوں موت کے سکون سے محروم کر دیا۔ مس عالیہ زندگی کی مبارکباد ان لوگوں کو دی جاتی ہے جنہیں زندگی سے پیار ہو۔ میرے لیے زندگی میں کیا رکھا ہے؟"

"سب کچھ تنویر۔ سب کچھ ہے تمہاری زندگی میں۔ تم کون سی چیز سے محروم ہو؟" میں نے اسی پیار سے کہا۔

"آپ تو سب کچھ جانتی ہوں مس عالیہ۔ اس کے بعد آپ یہ سب کچھ کہہ رہی ہیں؟" اس نے اداسی سے کہا۔

"ہاں۔ میں سب کچھ جانتی ہوں اس کے بعد ہی یہ کہہ رہی ہوں۔"

"میرا ناکارہ وجود دُنیا کے لیے بوجھ نہ ہو گا۔"

"تمہارا ناکارہ بوجھ دُور کر دیا گیا ہے اور اب تم ایک نہایت مکمل انسان ہو۔ تنویر! اُس کا ہر تصور اپنے ذہن سے نکال دو۔ میں تمہیں تمہارے کچھ الفاظ یاد دلاؤں گی۔"

"کون سے الفاظ؟"

"وہ الفاظ جنہوں نے میری زندگی میں ایک انقلاب برپا کر دیا۔ تنویر تم نے مجھ سے چاہت کا اظہار کیا تھا۔ تم نے میرے ... کی تھی نا۔ اور اب تمہاری زندگی کو میں اپنے لیے سمجھتی ہوں۔ یہاں سے اپنے وطن چلیں گے تنویر ... اور ... اور اس کے بعد ہم ہمیشہ ساتھ رہیں گے۔ ساری زندگی۔ زندگی کے آخری لمحے تک ..." میں شدت جذبات سے خاموش ہو گئی۔

تنویر تعجب سے مجھے دیکھ رہا تھا اور اس کی آنکھوں سے مسرت پھوٹ رہی تھی۔ پھر اس نے بڑی مشکل سے کہا۔

"عالیہ ... تم ... تم اتنا بڑا ایثار کرو گی میرے لیے۔ اتنا بڑا۔ پوری زندگی کی کوفت مول لو گی تم ...؟"

"نہیں تنویر۔ میں نے اپنی زندگی میں کبھی مرد کا تصور نہیں کیا. میں نے پہلی بار۔ ہاں پہلی بار تمہاری آواز سُنی ہے اور یہ آواز میرے دل کی گہرائیوں میں اتر گئی ہے۔ میں نے پوری دیانت داری سے اپنا دل تمہارے لیے کھول دیا ہے اور مجھے اُمید ہے کہ تم میرے دل کی آواز پر کوئی شک نہ کرو گے۔"

"آہ۔ عالیہ صاحبہ ... میں ... میں آپ کا بے حد ممنون ہوں۔ آہ میں۔" وہ شدت جذبات سے رونے لگا۔ میں اپنی ہتھیلیوں سے اس کے آنسو خشک کر رہی تھی۔

پھر میں نے اپنے دن رات ایک کر دیے۔ اس کے لیے ایسی تیمارداری کی ... کہ لوگ حیران تھے۔ خاص طور سے بقراط۔ میں بقراط کی کشمکش صاف محسوس کر رہی تھی اور ایک شام جب تنویر سو رہا تھا تو اس نے کہا۔

"انکل ایکس تنویر کی روانگی کے انتظامات کر رہے ہیں۔ کیا وہ تمہارے ساتھ واپس جائے گا؟"

"میں صرف اس کی صحت یابی کا انتظار کر رہی ہوں ورنہ اب تک روانہ ہو چکی ہوتی۔"

"اوہ۔ آپ اس عجوبے کو اپنے ساتھ لے جائیں گی مس عالیہ کیا اسے کسی میوزیم کو پیش کریں گی؟" اس نے کہا۔

"براہ کرم تصور عالم صاحب۔ آپ میرے جذبات کی توہین نہ کریں۔ تنویر اب میری زندگی میں ایک اہم حیثیت رکھتا ہے۔ میں ساری دُنیا میں سب سے زیادہ اس سے نفرت کرتی تھی اور اب ... ساری دُنیا میں سب سے زیادہ اسے چاہتی ہوں۔ اس کے بے ڈھنگے وجود میں جتنا حسین دل ہے آپ سوچ بھی نہیں سکتے۔"

بقراط بھونچکا رہ گیا پھر اس نے ہذیانی سے انداز میں ہنستے ہوئے کہا۔ "آپ نہایت سنجیدگی سے یہ مذاق کر رہی ہیں۔"

"جی نہیں غلط فہمی ہوئی ہے آپ کو۔ میں اس سے شادی کروں گی۔"

"عالیہ صاحبہ۔ براہ کرم یہ مذاق ختم کر دیں۔" وہ رو دینے والے

انداز میں بولا۔

"تصور صاحب۔ یہ مذاق میری زندگی کی سب سے بڑی سنجیدگی ہے۔"

"اوہ..." وہ مجھے حیرت سے دیکھتا رہا پھر گردن جھکا کر بولا۔

"سوری... مس عالیہ... ویری سوری۔"

جس دن میں وطن روانہ ہو رہی تھی اس دن عجیب ہنگامہ تھا۔ نینسی دہاڑیں مار رہی تھی سونیا بھی رو رہی تھی اور رانجل بھی۔ انکل ایکس مجھے ائرپورٹ چھوڑنے آئے تھے۔ بقراط موجود نہ تھا۔ میں نے اس کے بارے میں پوچھا تو انکل ایکس نے کہا۔

"وہ جمیکا چلا گیا ہے۔ سیلانی آدمی ہے اچانک ہی اس نے

پروگرام بنا لیا۔ کوئی کام ہوگا۔" میں خاموش ہو گئی پھر میں ایڈی
تنویر جہاز میں سوار ہو گئے اور جب جہاز فضا میں سیدھا پرواز کرنے
تو میرے ذہن میں عجیب عجیب سے خیالات آنے لگے۔ مستقبل کے
سنہرے خواب میری آنکھوں میں جاگ اٹھے تھے۔ افشاں، فرزانہ
رضوی صاحب شمس اور ناصر ان سب کے لیے میری زندگی
یت ہوگی۔ نہ جانے مجھے زندہ دیکھ کر ان کا کیا حال ہو لیکن میں تو ان
لیے حیرتوں کے پہاڑ لے جا رہی تھی۔ میں نے اپنے نزدیک بیٹھے
ہوئے تنویر کو دیکھا۔ اس کی آنکھیں خلا میں گھور رہی تھیں اور
پر ایک معصوم سی مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔

ختم شد